حیاتِ صوفیہ

تلخیص

نفحات الانس

تالیف

مولانا عبدالرحمن جامی قدس اللہ سرہٗ

تلخیص و ترجمہ

محمد ادریس انصاری

○

ادارہ تبلیغ اسلام

صادق آباد ○ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان

حیاتِ صوفیہ

تلخیص

[نفحات الانس]

تالیف

مولانا عبد الرحمن جامی قدس اللہ سرّہ

تلخیص و ترجمہ

محمد ادریس انصاری

ادارۂ تبلیغ اسلام

صادق آباد ○ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان

نام کتاب : حیاتِ صوفیہ
تالیف : مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس
تلخیص و ترجمہ : محمد ادریس انصاری
ناشر : ادارہ تبلیغِ اسلام
صادق آباد۔ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان
مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس ۴۳۔ نسبت روڈ، لاہور
تعداد : ایک ہزار
قیمت : ۸۰ روپے

ملنے کا پتہ

انجمن گلزارِ مدینہ غفوری مدنی مسجد محلہ کوثر آباد بالمقابل ایوب ریسرچ جھنگ روڈ
فیصل آباد فقیر رشید احمد مکان نمبر ۹۵۸ اے
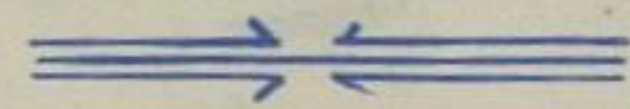
دارالسلام لاری اڈہ ہر دیو ضلع شیخوپورہ
سید صلاح الدین گیلانی

حیاتِ صُوفیہ

تلخیص و ترجمہ

نفحات الانس

تالیف مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہٗ

از :-

محمد ادریس انصاری

ادارہ تبلیغِ اسلام صادق آباد جمہوریہ اسلامیہ پاکستان

انتساب

میں بصد عجز حیاتِ صوفیہ کا انتساب اپنے ہادی ومرشد حضرت مولانا محمد عبدالغفور العباسی المدنی المہاجر قدس اللہ سرہ کے نام کرتا ہوں جن کی روحانی تربیت اس کتاب کی تالیف میں میری مددگار ثابت ہوئی

دُعا

اے خداوند کریم! اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے اور برکت سے میری اس کاوش کو تمام مسلمانانِ عالم کے لئے سرچشمۂ ہدایت بنا دے اور تمام اہل سلسلہ کو اپنے خاص فیوض وبرکات سے نواز!

ابتدائیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — ہست صلائے سرِ خوانِ کریم[۱]

لِلّٰہِ الْحَمْدُ قَبْلَ کُلِّ کلام — بصفاتِ الجلالِ وَالْاِکْرَامِ[۲]

الٰہی کمالِ الٰہی تر است — جمالِ جہاں پادشاہی تر است[۳]

الٰہی غنچہ امید بکُشا — گلے از روضۂ جاوید بنما[۴]

ء۱ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مولانا جامیؒ نے اس شعر کے ساتھ اپنی کتاب تحفۃ الاحرار کو شروع کیا، اس کا مطلب یہ ہے کریم کے دستر خوان پر آنے اور اس کی رحمتوں کے سمیٹنے کے لئے عام بلاوا ہے،

ء۲ اپنی منظوم کتاب سلسلۃ الذہب کو مولانا جامیؒ نے اس شعر سے شروع کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری باتوں سے پہلے بخشش اور بزرگی دینے کی صفات والے اللہ کی تعریف ہے

ء۳ اس شعر سے مولانا جامیؒ نے خرد نامہ اسکندری کو شروع کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کمالات الٰہیہ کا تو ہی مالک ہے اور جہان والوں کی سیرت وصورت کی خوبیوں کا بھی تُو ہی مالک ہے اور اُن پر شاہانہ اقتدار و اختیار رکھنے والا اور اُن پر بادشاہی کرنے والا بھی تُو ہے،

ء۴ اس شعر سے مولانا موصوف نے کتاب یوسف زلیخا کو شروع کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے الٰہی اُمید کی کلی کھِلا دے اور ابدی باغ یعنی، بہشت کا ایک پھول دکھا دے، چونکہ (حیات الصوفیہ) مولانا جامیؒ کے بارانِ فیض کے چند چھینٹے ہیں، اس بناء پر (حیات الصوفیہ) کی ابتداء اِن شعروں سے کی گئی ہے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْہِہٖ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ صَلٰوۃً لَاغَایَۃَ لَہَا وَلَا اَمَدَ۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے عرض ہے کہ ۔حمد و تعریف اللہ کے لئے جیسے کہ اس کی ذات عالی اور اس کی عظیم قدرت کے لائق ہے اور درود و سلام اُس کے عالی قدر پیغمبر حضرت محمدؐ اُن کی آل و اصحاب اور ان کے تمام پیرو کاروں پر ایسا درود و سلام جس کی حد ہو اور نہ مدت۔

تقریباً چھ سال ہوئے ،حالات و مقالات صوفیہؒ اور حالات و مقالات صحابہؓ چھپ گئی تو مجھے نفحات الانس کے پڑھنے کا شوق ہوا۔تلاش پر معلوم ہوا کہ بازار میں کتاب نہیں ملتی، احباب سے کہا، جواب نفی میں ملا، جستجو کرتا رہا تاآنکہ مولانا عبدالقدوس مظاہری پشاوری سے ملاقات ہوئی ، انھوں نے کہا، میرا اپنا نسخہ ہے مگر اس کی طباعت میں صحت کا اہتمام نہیں کیا گیا، میں نے کہا، دوسری تلاش کیجئے ،شاید آپ کے اس علاقہ میں مل جائے، کئی ماہ بعد اچانک پارسل آیا، اس میں نفحات الاُنس بھیج گئی، اور مولانا ممدوح نے خط میں لکھا کہ اور تو ملی نہیں، آپ اپنا شوق پورا کریں پھر واپس بھیج دیں، مرسلہ کتاب میں اگرچہ کافی اغلاط تھیں مگر جو سمجھ میں آتا دلکش بھی ہوتا اور پرکیف بھی، پڑھتا رہا، اور اہل اللہ کے حالات و مقالات سے لطف اندوز ہوتا رہا، لکھنا چونکہ میری زندگی کا معمول بن گیا ہے جو اچھی چیز پڑھتا ہوں اس کو لکھ لیتا ہوں، یا اس پر نشان دے دیتا ہوں کہ شاید پھر کام آئے ،میرے کام نہ آئے تو دوسرے کے کام آئے نہ لکھوں تو سکون نہیں ہوتا۔ آخر اس کتاب پر کام کرنے لگا، لکھتا بھی رہا اور اس میں سے چھوڑتا بھی رہا، چونکہ کتاب زیادہ تر فارسی میں اور تھوڑا حصہ عربی میں ہے ،جہاں الفاظ سمجھ میں نہ آتے، ذہن پر زور دیتا کہ یہاں یہ لفظ ہوگا، یہاں یہ ہوگا، غرضیکہ اٹکل پچو لکھتا رہا اور اندھیرے میں تیر چلاتا رہا ،بفضل اللہ تعالیٰ مشکل کے باوجود اس مشکل کام کو نہ چھوڑا، سچ ہے اَلْجِدُّ فِی الْجِدِّ وَالْحِرْمَانُ فِی الْکَسَلِ، فَانْصَبْ تُصِبْ عَنْ قَرِیْبٍ غَایَۃَ الْاَمَلِ۔ کامیابی کوشش میں ہے اور محرومی کاہلی میں، لہٰذا کوشش کر آرزو کی انتہا کو پہنچ جائے گا، پشاور سے ہی مولانا نے لکھا کہ میرے ایک دوست نے ایران میں چھپی ہوئی نفحات الانس مجھے بھیج دی ہے جو اچھی بھی ہے اور صحیح بھی، لہٰذا اس نسخہ کو واپس بھیجنے کی ضرورت نہیں میں کام کرتا رہا اور ایران کے مطبوعہ نسخہ کے لئے برادر طریقت چوہدری محمد اشرف باجوہ صاحب سے کہا، انھوں نے اپنے لڑکے کو جو ایران میں تھے لکھا، اور وہ تہران میں چھپا ہوا نسخہ لے آئے، اس میں تصحیح کا اہتمام بھی تھا، اور اچھے کاغذ پر چھپوایا بھی گیا تھا، دیکھ کر جی خوش ہوا، اللہ کا شکر ادا کیا اور نفحات سے جو کچھ لکھ چکا تھا، ایرانی نسخہ سے اس کا مقابلہ شروع کیا، اور باقی کو اس سے لکھنے لگا کہ اچانک عم عزیز جناب حامد اللہ انصاری کراچی سے تشریف لائے اور لکھنؤ (ہندوستان) کی مطبوعہ ”نفحات“ لے کر آئے، موصوف از راہ قدردانی و علم پروری میرے کہنے پر ۲۷ اکتوبر ۱۹۷۶ء سے اس کی تلاش میں

رہے، پاکستان میں تو کہیں سے نہ ملی اور ہندوستان کے علاقہ حیدر آباد دکن میں جون ۱۹۷۷ء کو جمعرات بازار سے خریدی گئی جو ۲۵، شوال ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۱، دسمبر ۱۹۷۸ء کو مجھے مل گئی۔

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گلدستہ گردد

جس کام کے لئے ہمت باندھ لی جائے، اگر وہ کانٹا بھی ہو گا تو گلدستہ بن جائے گا۔

اس کتاب پر فاضل مؤلف عالم ربانی، عارف حقانی، محبوب سبحانی مولانا جامیؒ قدس سرہ العالی کے شاگرد مُلا عبد الغفور اللاریؒ کے لکھے ہوئے حواشی ہیں، جن میں اُن مواقع کی وضاحتیں لکھی ہیں جو دقیق یا مجمل تھے اور کتاب کے مشکل مقامات کو انھوں نے بذاتِ خود حضرت مؤلف قدس سرہ سے دریافت کر کے حاشیہ پر لکھ کے مولاناؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا، بہرحال یہ حواشی قابلِ قدر بھی تھے اور قابلِ اعتبار بھی، اس لئے میں نے اس حواشی سے کتاب کے ترجمہ میں اس سے قبل جو کچھ لکھ چکا تھا، اس کتاب سے اس کا بھی مقابلہ کیا اور اس کے حواشی کو سطر کھینچ کر زیریں صفحہ اردو میں لکھنے لگا تاکہ کتاب کے سمجھنے میں آسانی ہو، شروع کے ۱۰۸، صفحات بغرض اصلاح اپنے ایک دوست کے ذریعہ اپنے مشفق اور مربّی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی خدمتِ اقدس میں مدینہ منورہ بھجوا دیئے، حضرت شیخ مدظلہ العالی نے کمال مہربانی اور خاص توجہ سے جو آنحضرت اس ذرۂ بے مقدار عاجز اور لاشے پر فرماتے ہیں باوجود مسلسل بیماری اور نقاہت کے میرے بھیجے ہوئے مسوّدہ کو پڑھوا کر سُنا اور بذریعہ والا نامہ اس کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا، دعا سے نوازا اور یہ بھی لکھوایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی عمر اور دے کہ یہ کتاب چھپے اور میں اس کو سُن لوں، پس الحمد للہ نفحات الانس میں ذکر کئے گئے (۶۱۸) مشائخ میں سے چار سو انہتر ۴۶۹ مشائخ کا تذکرہ اردو میں لکھا گیا، بعض کا پورا پورا اور بعض کے تذکرہ میں مصلحتاً کچھ چھوڑ دیا اور کچھ کا ترجمہ کیا، تشریح طلب فقرہ کو یعنی لکھ کر وضاحت کی، یاد، قوس قزح کے درمیان لکھ دیا، بعض مشائخ کا سنہ ولادت و سنہ وفات مؤلف نے کہیں تو درمیان میں لکھا تھا اور کہیں آخر میں، میں نے شروع میں لکھنے کا اہتمام کیا، کہیں حاشیہ میں از خود لکھا اور مقدمہ یا دیباچہ کو ایک کالم میں اور ترجمہ دوسرے کالم میں، اسی طرح خاتمہ ایک کالم میں اور ترجمہ دوسرے میں پورا لکھ دیا، خواتین کے حصہ میں سے کچھ کو رسالہ "پاک بیبیاں" میں لکھ دیا، تکمیل کے بعد نفحات الانس کے انتخاب اور خلاصہ کو "حیات الصوفیہ" کے نام سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں اُن غلطیوں اور لغزشوں سے جو میں نے اس کتاب کے اندر اللہ کے دوستوں کے حالات، مقالات، مقامات اور کشوفات کے بیان کرنے میں جان کے کی ہوں یا بھول کے، اور میں توبہ کرتا ہوں اپنی نیت کی خرابیوں سے جو اس کے لکھنے میں مجھ سے ہوتی رہیں یا آئندہ مجھ سے ہوں، اے اللہ!

تو مجھے معاف فرما، اے اللہ! تو مجھے معاف فرما، اے اللہ! تو مجھے معاف فرما، اے اللہ! اس ٹوٹی پھوٹی اور بھونڈی محنت پر چشم پوشی فرما کہ کھوٹے سے جو چیز بنے گی کھوٹی ہو گی اور ناقص سے جو نکلے گا ناقص ہو گا۔ خوانندگان اہل کرم سے درخواست کرتا ہوں کہ مسکین نے جو غلطیاں اس کتاب میں کی ہیں اگر ان پر مطلع ہوں ان کی نشان دہی فرمادیں تاکہ آئندہ اگر اللہ تعالیٰ سبحانہ نے طباعت کا موقعہ بخشا تو اس میں اصلاح کر دی جائے وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۞

تبصرہ و تعارف

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے اپنے خاص مرید امیر نظام الدین علی شیر نوائی کی استدعا پر حضرت شیخ ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین سُلمی قدس سرہ کی عربی کتاب "طبقات الصوفیہ" اور شیخ الاسلام عبداللہ بن محمد الانصاری ہروی قدس سرہ نے اپنی مجلسوں میں اس کتاب پر قدیم ہروی زبان میں تحقیق اور نکات اور اس کے علاوہ جو کچھ بیان کیا تھا، اس سے مشائخ صوفیہ کے حالات و واقعات کو جمع کیا ہے اور شیخ الاسلام کے ہم عصر اور ان کے بعد مولاناؒ کے زمانہ تک جو مشاہیر صوفیہ ہوئے ہیں اس کتاب میں ان کے اسمائے گرامی، ولدیت، جائے سکونت، ان کی رحلت یعنی اصلاح نفس اور تربیت حاصل کرنے کے واسطے جو انھوں نے سفر کئے، اور جن بزرگوں کی صحبتیں اختیار کیں اور انھوں نے جو عبادتیں اور ریاضتیں کیں ان کو مروجہ فارسی زبان میں لکھا اور اس کا نام "نفحات الانس من حضرات القدس" تجویز کیا مولانا جامی نے اس کتاب کو ۸۸۱ھ ان کو شروع کیا اور ۸۸۲ھ میں ختم کیا۔

یہ کتاب ۶۱۸ مشاہیر صوفیہ اور علماء ربانی کے تذکرہ پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ آخر میں امت مرحومہ کی ان مایہ ناز ۳۴ خواتین کا تذکرہ لکھا ہے جو عرفانی منزلوں میں مردوں کے مقام پر پہنچی ہوئی تھیں، سب سے پہلے رابعہ عدویہ بصریہ کو لکھا، اس کے تذکرہ سے پہلے کسی بزرگ کے یہ اشعار نقل کیے ہیں:

وَلَوْ كَانَ النِّسَاءُ كَمَنْ ذَكَرْنَا — لَفُضِّلَتِ النِّسَاءُ عَلَى الرِّجَالِ

فَلَا التَّأْنِيثُ لِاسْمِ الشَّمْسِ عَيْبٌ — وَلَا التَّذْكِيرُ فَخْرٌ لِلْهِلَالِ

اگر عورتیں ایسی ہوں جن کا ہم نے ذکر کیا تو فضیلت میں مردوں سے بڑھ جائیں، سورج کے نام کا مونث ہونا سورج کے لئے عیب نہیں اور چاند کے واسطے نام کا مذکر ہونا بڑائی نہیں، یعنی سورج کا نام شمس اگر عورت کا نام ہے اس نام کے ہونے سے سورج میں کمی نہیں آجاتی اور چاند کا نام ہلال اگر مردوں کا نام ہے تو اس نام سے وہ بڑا نہیں ہو جاتا نام سے کچھ نہیں بنتا، بڑائی اور فضیلت تو کام سے آتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مولانا جامی قدس اللہ سرہ العزیز نے تمام صوفیاء کرام اور تمام سلاسل کے مشائخ عظام چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ وغیرہ قدس اللہ ارواحہم کے اذواق ومواجید، واردات وکیفیات، ان کے افکار ان کی تعلیمات، ان کی دعوت الی اللہ، ان کے عارفانہ وحکیمانہ اقوال وحکایات، واقعات، مشاہدات، مراقبات نیز تصوف کے مبانی[1]، وحدت الوجود، کشف وشہود، علم باطنی[2] پھر علم باطنی کے مراحل[3]، شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت، ایسے ہی ریاضت کے مراحل یعنی طلب، تہذیب واخلاق، واردات کا ظہور، شوق واضطراب، عشق ومحبت، شکر وحیرت، فنا وبقا، توحید اور نفس کی تہذیب وتکمیل کی منزلوں، توبہ، ورع، زہد، فقر، صبر، توکل رضا، تسلیم کے علاوہ سیر وسلوک کے دیگر مسائل کو اس کتاب میں ایسا سمو دیا ہے جیسے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہو، خاص کر خواجگان نقشبند نور اللہ مراقدہم کے طریقہ، ان کی تعلیمات واردات وکیفیات کو ایسی تفصیل سے بیان کیا ہے جو میں نے اس سے قبل کسی کتاب میں نہیں پڑھا، خواجہ بہاء الحق والدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے آداب طریقت اور ان کے بناء طریقت وارشادات وغیرہ کو چار صفحوں میں، خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ العزیز کی تعلیمات، مراقبات وملفوظات وغیرہ کو بھی کئی صفحوں میں، خواجہ محمد پارسا قدس سرہ العزیز کے واردات، حالات ومقالات کو ۵ صفحات میں اور خواجہ عبید اللہ احرار ادام اللہ برکات فیضانہ علی مفارق الطالبین، کی تعلیمات کا چھ صفحات میں ذکر کیا اور خواجہ موصوف کے تذکرہ کی ابتداء میں یہ لکھا، کہ ایں مجموعہ کہ مقصود از جمع آں ذکر معارف ونشر مناقب ایں طائفہ است، اس کتاب کے لکھنے کا اصل مقصد ان حضرات کے علوم کا ذکر کرنا اور انکی خوبیوں کو پھیلانا ہے اور آخر میں یہ قطعہ ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند	کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را
از دل سالک رہ جاذبۂ صحبت شاں	مے برد وسوسۂ خلوت وفکرِ چلہ را
قاصرے گر زند ایں طائفہ را طعنِ قصور	حاش للہ کہ بر آرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند	روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را[4]

---

[1] مبانی کے معنیٰ بنیادیں [2] علم باطنی، علم الیقین عین الیقین حق الیقین کو علم باطنی کہتے ہیں [3] مراحل سے مراد منزلیں اور مقامات ہیں۔ [4] ان اشعار کا ترجمہ خواجہ عبید اللہ احرار کے بیان میں لکھ دیا ہے، شائقین وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

بہرحال حق تو یہ ہے کہ نفحات الانس ایک کتاب نہیں بلکہ علم و عرفان کے نوادرات کا عظیم کتب خانہ اور الٰہی اسرار و رموز، برکات و فیوض کا چشمہ ہے۔ جس کے فیضان سے اکابر و اصاغر مقسوم کے بقدر فیض یاب ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔ اور حضرت جامیؒ کی روشن کی ہوئی یہ ایک ایسی شمع ہے جس کی روشنی اور نورانیت سے فائدہ اٹھانے والے نفسانی اور شیطانی ظلمتوں میں روشنی حاصل کرتے رہیں گے،

ان کی یہ کتاب اللہ کے چاہنے والوں اور راہِ حق پر چلنے والوں کے لئے اکسیر ہدایت و دلیل راہ اور سلوک کے مقامات طے کرنے والے مشائخ عظام کے لئے مشعل راہ ہے، سب سے بڑی خوبی اس کتاب میں یہ ہے کہ مولانا جامیؒ کا قلم حقیقت رقم پوری کتاب میں جادۂ شریعت پر قائم رہا اور شریعت و طریقت کے باہمی تلازم کے محور پر جنبش کرتا رہا، کہ ؎

طریقت بے شریعت نیست واصل — حقیقت بے طریقت نیست حاصل

طریقت میں اگر شریعت نہیں تو واصل (اللہ سے ملانے والی) نہیں اور آدمی جب تک طریقت کے آداب کو اختیار نہیں کرے گا، حقیقت اس کے ہاتھ نہیں آئے گی،

مشائخ کی حکایات و ملفوظات کے فائدے

اللہ کے دوستوں کی پاک زبانوں[1] سے نکلی ہوئی باتوں اور ان کے پاک دلوں[2] میں آنے والے واردات و مشاہدات اور ان کے جوارح سے ظہور میں آنے والے پُرخلوص معاملات و عبادات کے پڑھنے اور سُننے سے انجذاب بھی ہوتا ہے اور انفعال بھی، کشش بھی ہوتی ہے اور تاثیر بھی۔ انقلاب بھی آتا ہے اور تبدیلی بھی، اور قلب و دماغ میں وہ کیفیات پیدا ہوتی ہیں یا وہ فیضان آتے ہیں جن کے اظہار سے قلم اور زبان دونوں عاجز ہیں جو فوائد اور تاثیرات مشائخ کرام خاص کر مولانا جامی قدس سرہ السامی نے لفحات اور نفحات کے مقدمہ میں بیان کئے وہ یہ ہیں،

(۱) اگر اولیاء کرام کی صحبت حاصل نہ ہو تو ان کے اقوال و احوال کو پڑھو کہ یہ ان حضرات کی معنوی صحبت ہے شاید اس وجہ سے حضرت خواجہ محمد پارسا رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت خواجگان کے رسائل کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے

(۲) سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بن محمد صوفی قدس سرہ نے فرمایا، مشائخ کی حکایات اللہ عزوجل کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے[3] جو حق تعالیٰ کی طرف سے قلب کی تقویت اور اس کی امداد کے لئے آتا ہے تاکہ آدمی کو تلبیت کا مرتبہ

---

[1] پاک زبان وہ ہے جو لغو، فضول، بے فائدہ نہ بولے۔ [2] پاک دل وہ ہے، [3]

حاصل ہو جائے اور مرتبۂ قلبیت سے مراد یہ ہے کہ ریاضت اور جسمانیت کے درمیان حالت اعتدال پیدا ہو جائے،

(۳) حضرت جنیدؒ سے دریافت کیا گیا کہ مریدوں کو مشائخ کی حکایات سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ" اور ہم تجھ

۱؎ پاک دل وہ ہے جس میں خواہشات ہوں نہ طلبی آرزوئیں، دنیا کی رغبت ہو نہ اس کی طلب، نہ اس میں برے اخلاق مثلاً ظلم، حسد اور کینہ وغیرہ ہو لوہ اغیار سے غبار سے پاک ہو اور ماسوٰی کے خطرات سے صاف، مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ثالث" بحوالہ ابن ماجہ و بیہقی شعب الایمان میں ہے کہ عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاصؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا لوگوں میں سب سے زیادہ بزرگی اور فضیلت والا کون ہے، آپ نے فرمایا کُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ وَصَدُوْقِ اللِّسَانِ" ہر مخموم القلب اور صدوق اللسان ہے صحابہ نے کہا "صدوق اللسان" (ہر موقعہ پر سچ بولنے والے) کو ہم پہچانتے ہیں، مخموم القلب کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ھُوَ النَّقِیُّ التَّقِیُّ لَا اِثْمَ عَلَیْہِ وَلَا بَغْیَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ" وہ نقی ہے جس کا دل غیر اللہ کی محبت سے پاک ہے وہ تقی ہے کہ ماسوے کے خیالات کو دل میں رہنے نہیں دیتا۔ لَا اِثْمَ عَلَیْہِ، جس پر کوئی گناہ نہیں یعنی وہ گناہ سے محفوظ اور غفران سے محفوظ اور نظر عنایت کا منظور ہے۔ وَلَا بَغْیَ، نہ اس کا کوئی ظلم ہے۔ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ، نہ دشمنی ہے نہ حسد، یعنی وہ نہ کسی سے دشمنی رکھتا ہے نہ کسی اچھے حال کو دیکھ کر جلتا ہے، مطلب یہ ہے کہ نہ اس پر مخلوق کا مطالبہ ہے نہ خالق کا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی خلاف شرع خواہشات کو دور کر دیا ہو،

۲؎ مولانا جامیؒ نے حضرت جنید کے قول کو مقدمہ نفحات میں نثر میں لکھا مگر بہارستان میں اس کو اس طرح نظم کیا ہے،

۱۔ ہجوم نفس و ہوا کہ سپاہ شیطانند — چو زور بر دل مرد خدا پرست آرد

۲۔ بجز جنود حکایات راہنمایاں را — چہ تاب آنکہ بر آں راہزناں شکست آرد

۱۔ نفس و خواہش کا ہجوم شیطان کی فوج ہیں، جب وہ خدا پرست آدمی پر زور اور دباؤ ڈالیں اور غلبہ حاصل کریں،

۲۔ تو بجز مشائخ کی حکایات اور قصوں کے لشکروں کے کس کی طاقت ہے کہ ان رہزنوں کو شکست دے،

پر پیغمبروں کے قصے اور ان کی خبریں پڑھتے ہیں اور ان کے حالات سے تجھے آگاہ کرتے ہیں تاکہ تیرے دل کو اس کے ساتھ ثبات اور پختگی حاصل ہو اور اس کی قوت میں اضافہ ہو (۴) حق تعالیٰ کے دوستوں اور مشائخ کی باتیں ان کی دوستی اور محبت لاتی ہیں، اور ان کی دوستی سے ان کے ساتھ نسبت حاصل ہو جاتی ہے، جیسے کہ مشہور ہے

کہ محبت اور دوستی ایک قسم کی قربت اور رشتہ داری ہے اور کوئی قرابت دوستی کی برابر نہیں اور کوئی اجنبیت عداوت جیسی نہیں، نفحات میں ہے کہ صحابہؓ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارہ میں پوچھا کہ آپؐ اس شخص کی نسبت کیا فرماتے ہیں جس نے ایک جماعت کو دوست رکھا ہے مگر ان کے کردار اور عمل کو نہیں پہنچا، آپؐ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" آدمی اس کے ساتھ ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے (۵) حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی اپنے اعمال کی مفلسی کی وجہ سے ناامیدی کی حالت میں ہوگا، حق سبحانہ وتعالیٰ اس کو فرمائے گا میرے فلاں دانش مند بندے! فلاں محلہ میں فلاں عارف کو تُو جانتا تھا، کہے گا، ہاں! میں پہچانتا تھا، اللہ تعالےٰ فرمائے گا، جا میں نے تجھے اس کے طفیل بخش دیا، جب نسبت کی شناخت سے وہ اس کے ساتھ جڑ جاتا ہے اور یہ شناخت سببِ نجات بن جاتی ہے تو اس کے دوستوں کی صحبت اور ان کی سیرت کو اختیار کرنا اور نیک نیتی کے ساتھ ان کی پیروی کرنا بدرجہ اولیٰ ذریعہ نجات ہوگا (۶) ابوالعباس عطاءؒ کا قول ہے اگر تجھے اس کی دوستی میں ہاتھ ڈالنے کی طاقت نہ ہو تو اس کے دوستوں کی دوستی میں ہاتھ ڈال، کہ اس کے دوستوں کی دوستی اس کی ہی دوستی ہے (۷) حکایات مشائخ کے پڑھنے سننے میں کم سے کم یہ فائدہ ہے کہ انھیں پڑھ کے یا سُن کے جب یہ جانے گا کہ میرے افعال واقوال ان جیسے نہیں ہیں تو وہ اپنے افعال میں سے مَنی اور ان کی دید کو دور کر دیتا ہے ان کے مقابلہ میں خود کو قاصر جانتا ہے اور عجب وریا یعنی اپنے افعال کو اچھا جاننے اور ان کے دکھلاوے سے پرہیز کرتا ہے،

(۸) شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہٗ نے اپنے مریدوں کو وصیت کی کہ ہر ایک پیر کا کوئی کلام یاد کر لو، اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کا نام یاد رکھو تاکہ اس سے فائدہ اٹھاؤ، رباعی،

آنی تو کہ از نام تو می بارد عشق ‏ ‏ ‏ ‏ وز نامہ پیغام تو می بارد عشق[1]
عاشق گردد ہر کہ بکویت گزرد ‏ ‏ ‏ ‏ آرے ز در و بام تو می بارد عشق

[1] تیرے نام سے عشق برستا ہے اور تیرے نامہ وپیام سے بھی عشق برستا ہے،
جو کوئی تیری گلی سے گزر جاتا ہے عاشق ہو جاتا ہے
ہاں تیرے در وبام سے بھی عشق برستا ہے

ؔ تقریباً ان سب باتوں کا بیان مقدمہ نفحات اور نفحات الانس میں ہو چکا ہے مگر ترغیب کی خاطر نمبر ۵ میں مختصر لکھا ہے، جن میں چند ایک دوسری کتابوں سے نقل کئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہو، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپکو اس سے نفع پہنچائے، آمین

۹۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کل قیامت کو اللہ تعالیٰ بندے سے فرمائے گا، او آدم کے بیٹے، اگر تو نے دنیا کو چھوڑا تو تو نے اپنی راحت کے لئے چھوڑا، اور مخلوق کو چھوڑ کر اگر تو مجھ سے ملا تو وہ تو نے اپنی عزت کیلئے کیا یہ بتا کیا تو نے میرے دشمن سے میری خاطر دشمنی بھی کی یا میرے دوست سے میرے لئے محبت بھی کی؟

تذکرہ جامیؒ

مولانا جامیؒ کے والد کا نام نظام الدین احمد دشتی بن شمس الدین محمدؒ ہے، مولانا جامیؒ موضع خرجرد علاقہ جام ولایت ہرات میں ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ مطابق نومبر ۱۴۱۲ء کو پیدا ہوئے،

مولانا نے اپنا تخلص جامی کیوں رکھا اس کی وجہ ان شعروں میں بیان کی،

مولدم جام و رشحۂ قلمم | جرعۂ جام شیخ الاسلام ست
لاجرم در جریدۂ اشعار | بدو معنی تخلصم جامی ست

میری جائے پیدائش جام اور میرے قلم سے جو ٹپکا ہے وہ شیخ الاسلام احمد جامی کے جام کا ایک گھونٹ ہے،

میرے اشعار کے بیان میں ان دونوں وجہ سے میرا تخلص جامی ہے،

مولانا جامیؒ کی اصل اصفہانی ہے کہ ان کے والد یہاں رہتے تھے اور حوادث ایام کے سبب جلاوطن ہو کر خرجرد (یا خرجرد ہے) میں آکر آباد ہو گئے، مولانا جامی کی وفات ۸۹۸ھ کو ہرات میں ہوئی، اور ہرات میں ہی، بڑی عزت و احترام کے ساتھ علماء و صلحاء و امراء کی موجودگی میں لحد میں آتارے گئے، امیر علی شیر نوائی نے تاریخ وفات یہ کہی، "کاشف اسرار الٰہی بود بے شک زاں سبب، گشت تاریخ وفاتش کاشف سر اللہ" وہ اسرار الٰہی کو کھولنے والے تھے، اس سبب سے ان کی تاریخ وفات "کاشف سر اللہ" ہوئی۔ اور انوری بخارائی نے یہ کہی، ے جامی کہ بود بلبل جنت قرار یافت، فِی رَوْضَۃٍ مُخَلَّدَۃٍ اَرْضُھَا السَّمَاءُ ملک قضا نوشت رواں بر در بہشت، تاریخہٗ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ آمِنًا

ترجمہ: جامی جو جنت کا بلبل تھا، وہ سدا رہنے والے پھولوں کے باغ میں رہنے لگا، جس کی زمین آسمان ہے، تقدیر کے قلم نے بہشت کے دروازہ پر اس کی یہ تاریخ لکھی، وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ آمِنًا (اور جو اس میں داخل ہوا وہ ہر طرح کے خوف اور تکلیف سے امن پا جائے گا،

تحصیل علم، سلوک سفر اور صحبتیں

مولانا جامیؒ کی پیشانی میں دیانت اور قابلیت کے جوہر دیکھنے والوں کو بچپن سے ہی نظر آتے تھے، نیز حق کی طلب اور عرفان کی جستجو بھی ان کی فطرت میں داخل تھی، بلوغ کو نہیں پہنچے تھے کہ قرآن مجید حفظ کر لیا، فارسی عربی کی ابتدائی

کتابیں اپنے والد ماجد سے ابتداءً پڑھیں۔ ازاں بعد مدرسہ نظامیہ، جو ہرات کے علم وادب کے مرکزی مدرسوں میں ایک مدرسہ تھا اس میں داخل ہوئے اور علم وادب کی تحصیل میں مشغول رہے، خواجہ علی سمرقندی اور محمد جاجری جیسے مشہور علماء کی خدمتوں میں رہ کر عرصہ تک ان کے علمی فیضان سے مستفیض ہوتے رہے، اس کے بعد ہرات چھوڑ کر اپنے والد کے ہمراہ سمرقند گئے تو وہاں کے ان مراکز میں داخل ہوئے جو علمِ اسلامی تفسیر، حدیث وفقہ وغیرہ اور فارسی کے بڑے اور مشہور مراکز تھے، ان مدارس میں بھی علم وادب کی تحصیل کرتے رہے، یہاں پر مشہور عالم فتح اللہ تبریزیؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہونے کا موقعہ ملا اور قلیل عرصہ میں دینی علوم، تاریخ اور ادب میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے، سمرقند میں مولانا کی علمی شہرت روز بروز زیادہ ہوتی گئی اور اس حال میں سمرقند اور ہرات میں کئی سال تک علمی استفادہ اور فیضان حاصل کرتے رہے، یکایک ایک خواب دیکھا جس کے اثر سے عالمِ عرفان میں قدم رکھا، طریقت کے آداب کے ساتھ نفس کے تزکیہ میں مشغول ہوئے، مولاناؒ نے جن جن بزرگوں سے فیض حاصل کیا "رشحات عین الحیوٰت" میں ان میں مفصل ذکر کیا ہے، جن میں مولانا سعد الدین کاشغری نقشبندی، خواجہ علی سمرقندی، قاضی زادہ ہروی، خواجہ محمد پارسا، خواجہ برہان الدین ابونصر پارسا، شیخ بہاء الدین عمر، خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار، مولانا فخر الدین لورستانی، خواجہ شمس الدین کوسوئی قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم، ایسے مرشدوں کی پیروی اور فرماں برداری کو اپنا شعار بنالیا ریاضت نفس پر محنت کے راستہ کو اختیار کیا، اصلاح نفس کی کوشش میں لگ گئے اور اپنے باطنی مقامات میں اتنی ترقی پائی کہ ارشاد کے مقام پر پہنچ گئے، یعنی تکمیل کے بعد مرتبۂ اکمال کو پہنچے، اس کے بعد اپنے مرشد مولانا سعد الدین کاشغریؒ[1] کے جانشین بن کر مسندِ ارشاد پر رونق افروز ہوئے اور حق یہ ہے کہ جامی ظاہری علم معقول منقول، فروع واصول، شعر وادب اور ادراکِ سخن، فصاحت وبلاغت، موشگافی اور بات کے لانے میں بہت ید طولیٰ رکھتے تھے، اس سے بڑھ کر فیضان وعرفان کے آسمان پر بھی آفتاب عالم تاب کی مانند چمکے وہ اپنے زمانہ میں قطب الولایۃ والارشاد غوث العارفین والاوتاد تھے، اللہ کی بے شمار رحمتیں ان کی قبر پر نازل ہوں اور ان کے طفیل میں اس سیہ کار کو بھی بخشا جاوے، ؎ شنیدم کہ در روز امید وبیم، بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم، اس کے بعد مولانا کی حیات میں ہی ان کی ایسی شہرت ہوئی کہ چھوٹے بڑے،

---

[1] مولانا سعد الدین کاشغریؒ کے مفصل حالات اس کتاب میں لکھے ہوئے ہیں وہاں مطالعہ فرمائیں، شجرہ یہ ہے مولانا سعد الدین کاشغری خلیفہ ہیں مولانا نظام الدین خاموش کے اور وہ خلیفہ ہیں خواجہ علاء الدین عطار کے وہ خلیفہ ہیں خواجہ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبند قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم الاقدس کے،

عام وخاص، علماء، وامراء اور سلاطین نے ان کو پہچانا، ان کے احترام کو اپنا فرض جانا، مولانا جامیؒ نے سلاطین وامراء کی شان میں کوئی قصیدہ نہیں کہا، مگر اس کے باوجود یہ لوگ مولانا کے عقیدت مند اور ان کی تعریف میں رطب اللّسان تھے، ان کی عزت کرتے، اور اپنے دربار میں ان کو صدر مقام پر بٹھاتے تھے، کہتے ہیں، سلطان حسین بالقرا نے ہرات میں ایک مدرسہ بنایا اور افتتاح کے دن اس کے صحن میں بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا، آنے والوں کے لئے بیٹھنے کی جگہ مدرسہ کی حدود میں ان کے درجہ اور مقام کے لحاظ سے مقرر کی گئی، صدر مقام میں بادشاہ کے اور شہزادوں اور وزیروں کے لئے جگہ بنائی گئی، اور اس کے دونوں طرف بیٹھنے والوں کی جگہ ان کے عہدہ اور منصب کا خیال رکھتے ہوئے متعین کی گئی، تختِ شاہی کے ایک حصہ پر مولانا موصوف کی جگہ بنائی گئی اور دوسرے حصہ پر امیر علی شیر بالیستی کو بٹھایا گیا اس اثناء میں مولانا جامیؒ مدرسہ کے ایک دروازہ سے اچانک تشریف لائے اور طبیعت کے ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے صدرِ مجلس تک پہنچنے کی اپنے میں طاقت نہ پائی، مدرسہ کا زیریں حصہ جس کو آراستہ کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا اس کو اور اُسکے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا، مولانا نے اسی جگہ کو پسند کیا، وہاں جاکر زمین پر بیٹھ گئے، ان کے اس جگہ بیٹھ جانے سے بادشاہ کی مجلس اتھل پتھل ہوگئی، اب مجلس کا نچلا حصہ صدر اور اس کا صدر نچلا حصہ بن گیا وزیر اور شاہ زادے اپنی اپنی نشستیں چھوڑ کر مولانا کے اِرد گرد آکر زمین پر بیٹھ گئے

سفرِ حج اور مزاراتِ مقدسہ کی حاضری

۸۷۷ھ میں بعمر ۶۰ سال ہرات سے عازم بیت اللہ ہوئے، دو مہینہ کے بعد بغداد پہنچے، بغداد کے متعصب شیعہ فرقہ کے عالموں اور جاہلوں نے مولانا کی منظوم کتاب "سلسلۃ الذہب" کے چند اشعار کی وجہ سے مولانا کو اذیتوں کا نشانہ بنایا، مگر مولانا نے اِس پیش آمد پر صبر وتحمل سے کام کیا، خاموشی سے ان کی باتیں سنتے رہے اور قرآن پاک کے اِس ارشاد "اَعْرِضْ عَنِ الْجَاہِلِیْنَ" جاہلوں کے منہ نہ لگ، پر عمل کرتے ہوئے ان لوگوں کو گفتگو کا اہل نہ جان کر بغداد سے روانہ ہوگئے اور یہ رباعی کہی

بگشای ساقیا بلبِ شط سر سبوئی — وز خاطرم کدورتِ بغدادیاں بشوی

مہرم بلب نہ از قدح مئے کہ ہیچ یک — نہ ابناءِ ایں دیار میر زد بگفتگوی

در راہِ عشق زہد و سلامت نمی خرند — خوش آنکہ باجفا و ملامت گرفت خوی

جامی مقام راست رواں نیست ایں زمین — برخیز تا نہیم بسوئے حجاز روی

۱۔ اے ساقی! صراحی کو شط یعنی نہر کے کنارہ پر الٹ دے اور میرے دل سے بغداد والوں کی کدورت دھو دے،

۲۔ مئے کے پیالہ سے میرا منہ بند نہیں ہاں اس شہر کے رہنے والوں میں کوئی ایک بھی بات کے قابل نہیں،

۳۔ راہ عشق میں درویشی اور ملامت سے سلامتی کو نہیں لیا کرتے، وہ لوگ خوش رہیں جنھوں نے ظلم اور برا کہنے کی عادت اختیار کی،

۴۔ جامی یہ زمین سیدھی راہ چلنے والوں کے ٹھہرنے کی نہیں ہے، اٹھ تاکہ حجاز کی طرف رُخ کریں،

بغداد سے نجف تشریف لے گئے اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے مائل آئے اور اس مقام میں پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا جس کا ابتدائی شعر یہ ہے،

اَصْبَحْتُ زَائِرًا لَکَ یَا شُحْنَۃَ النَّجَفْ بہر نثارِ مقدم تو نقد جاں بکف

اے نجف کے محافظ! میں آپ کی زیارت کے لئے آیا ہوں، آپ کے قدم رکھنے کی جگہ پر نذر پیش کرنے کے لئے ہاتھ میں جان کا نذرانہ لایا ہوں،

پھر نجف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ روانہ ہوئے اور روضۂ مطہرہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بعد دورانِ قیام حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں چند بند کہے، جس کا مطلع یہ تھا

ماءِ معین چیست خاک پائی محمد حبل متین ریقہ ی ولای محمد

ستھرا پانی "جنت کا پانی" کیا ہے محمدؐ کی خاک پا، حبل متین "مضبوط رسی" اکثر اس سے مراد قرآن پاک ہوتا ہے، محمدؐ کی محبت کا پٹہ ہے،

اس کے بعد مکہ کے لئے روانہ ہوئے اور ۶، ذوالحج کو شہر مکہ میں وارد ہوئے، حج کی رسومات ادا کرنے کے بعد شام کے راستہ واپس ہوئے اور واپسی میں دوسری دفعہ مدینہ منورہ کی حاضری سے مشرف ہوئے، حضرت مولانا جامیؒ کا پختہ ارادہ تھا کہ براہ راست ہرات واپس جائیں، لیکن امیر حسن بیگ آق قویونلو حاکم آذربائیجان کی خواہش اور تمنا کے باعث تبریز کی جانب روانہ ہوئے اور ایک ماہ تک تبریز میں قیام فرمایا اور یہاں کے لوگوں کیطرف سے مہمان نوازی اور محبتوں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا اور اس سفر کی یادگار کے طور پر ایک غزل کہی، جس کا آخری شعر یہ ہے ؎

زحج برگشتہ جامی در خراسان داشت روی اما رہش زد درمیانہ عشوۂ خوباں تبریزی

جامی حج سے واپسی پر خراسان جانا چاہتا تھا لیکن تبریز کے محبوبوں کے عشوہ[1] یعنی دلفریب اداؤں نے درمیان

---

[1] عشوہ، ناز، معشوقانہ ادا، معشوق کی دل زیب حرکت جو عاشقوں کو فریفتہ کردے،

سے راستہ روک لیا،

اس کے بعد رَیّ کے راستہ سے خراسان واپس ہوئے اور ۱۳ شعبان ۸۷۸ھ کو ہرات واپس آگئے اور یہ بات بھی ذہن نشین رکھئے کہ حج سے واپسی کے دوران سلطنت عثمانیہ کے بادشاہ سلطان محمد فاتح اور مصر کے بادشاہ ملک الاشراف نے اپنے اپنے ملکوں میں فرمان جاری کئے جن میں حکم دیا گیا کہ مولانا کے اعزاز و اکرام کا خاص خیال رکھا جائے اور مولانا کی شایانِ شان راحت رسانی میں کوئی کسر نہ رہنے پائے، ہر طرح سے ان کا خیال رکھا جائے اور پوری کارروائی عمل میں لائی جاوے، حتیٰ کہ سلطان محمد فاتح نے کچھ اشرفیاں نقد دے کر اور کچھ کا وعدہ کرکے خواجہ عطاء اللہ کرمانی کو شام میں بھیجا، تاکہ وہ جامیؒ کو روم لے آئے اور ان ولایتوں کے لوگ مولانا کی تشریف آوری سے فیضیاب ہوں، لیکن خواجہ موصوف کے شام پہنچنے سے پہلے مولانا حلب کے راستہ تبریز کی طرف جا چکے تھے، مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا جامیؒ نویں صدی ہجری کے شعراء و ادباء اور تصوف کے اساتذہ میں ہیں بزرگ ترین استاذ اور مدرسۂ تصوف کے آخری بڑے شاعر ہیں، صرف شعر میں ہی نہیں بلکہ فنون ادب، تاریخ، علوم دین اور علم و حکمت میں بھی لائق استاد ہوئے ہیں اور دوسرے شعراء کے مقابلے میں انکو یہ خاص مقام حاصل تھا کہ اپنی پوری زندگی میں وہ خاص و عام کی توجہ اور ستائش کا مرکز رہے اور بادشاہوں، امراء اور بزرگوں کی نظر میں جتنی قدر و منزلت مولانا جامیؒ کو حاصل تھی، شاعروں میں سے اس زمانہ تک کوئی شاعر بھی وہ عزت نہ پا سکا، مولانا جامیؒ کے مرتبہ اور مقام کو یہ امتیاز اس بناء پر حاصل تھا کہ وہ عالم عرفان اور صرف تصوف میں نرے کہنے والے شاعر نہ تھے بلکہ خود صاحبِ عرفان صوفی اور پیرانِ طریقت کے قطب یعنی شیخ یگانہ اور طریقت کی پیروی کرنے والوں کے قابل اعتماد امام تھے حضرت مولانا جامیؒ کے افکار اور اشعار کا نہ صرف امیروں میں اثر تھا بلکہ سلطان حسین بالقرا اور امیر حسن بیگ آق قویونلو اور سلطان یعقوب آق قویونلو بابر جہان شاہ آق قویونلو، امیر علی شیر نوائی اور دولت شاہ جیسے امراء و سلاطین ان کے مرید اور ان کے مدرسہ کے شاگرد تھے بلکہ ہندوستان میں بھی ان کے افکار اور اشعار کا اثر تھا اور خصوصاً افکار و ادبیات عثمانی میں مولانا کے افکار و اشعار کا بہت اثر تھا، حتیٰ کہ عثمانی سلطنت کے بڑے بادشاہ جیسے سلطان محمد فاتح اور اس کا لڑکا سلطان بایزید ثانی کو مولانا کے ساتھ خاص ارادت تھی اور ایک دوسرے کے ساتھ نامہ و پیام اور حالات سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے تھے، مگر اس کے باوجود مولانا جامیؒ نے دنیا کے بدلے دین کو فروخت نہیں کیا، فقر و قناعت کی آبرو کو بٹہ نہیں لگایا، دنیاوی مال و متاع کے ساتھ اسی طرح پیش آئے جیسے کہ اُن کے پیرانِ کبار، مشائخ عظام اور حضرت سید الانام علیہ السلام پیش آئے، نہ اس کے سفید کو جمع کیا اور نہ سنہرے کو، نہ چاندی

کو رکھا نہ سونے کو ؎ سلام اس پر کہ جس کے گھر میں سونا تھا نہ چاندی تھی، کا مصداق بنے رہے ؎

عاجز از تعدادِ اوصافِ کمال اوست عقل — انجم گردوں شمردن کے طریق اعور ست

ان کے اوصافِ کمال کی شمار سے عقل عاجز ہے، آسمان کے ستاروں کو ایک کانا آدمی کیسے شمار کر سکتا ہے۔

عشق و محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مولانا جامی نور اللہ مرقدہ کا ایک ہی واقعہ کافی ہے، قصہ یہ ہے کہ مولانا جامی رحمۃ اللہ سفر حج شروع فرما کر صرف مکہ مکرمہ سے حج کر کے واپس ہو گئے، مدینہ منورہ نہیں تشریف لے گئے دوستوں نے عرض کیا کہ حضرت بغیر مدینہ منورہ کے آپ واپس کیوں تشریف لے آئے، فرمایا بھئی ہمارا یہ فرض حج تھا اس واسطے مدینہ منورہ نہیں گیا کہ حضور فرمائیں گے کہ اپنا فرض ادا کرنے آیا اور ہماری حاضری بھی دے گیا لہٰذا پھر زیارت روضہ اطہر کی نیت کر کے روانہ ہوئے اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے، تو امیر مکہ کو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ جامیؒ کو مدینہ منورہ نہ آنے دیں، امیر مکہ نے ممانعت کر دی، مگر ان پر جذب و شوق اس قدر غالب تھا، کہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے، امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ آ رہا ہے، اسے یہاں نہ آنے دو، امیر مکہ نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑوا کر بلوایا ان پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا، اس پر امیر مکہ کو تیسری مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہ کوئی مجرم نہیں ہے بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آ کر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے واسطے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا، امیر مکہ نے کہا کہ اگر آپ وہ اشعار جو آپ نے کہے ہیں پڑھیں تو مدینہ منورہ جانے کی حضورؐ کی طرف سے ممانعت ہے اگر وہ نہ پڑھیں تو جا سکتے ہیں اور انھوں نے اقرار کیا وہ اشعار نہیں پڑھوں گا، تو مدینہ منورہ روانہ ہو گئے، یہ واقعہ اپنے مشفق مربی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی کتاب فضائل درود شریف سے حکایت ۵۰ سے نقل کیا ہے

مثنوی مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ یوسف زلیخا کے شروع میں لکھی ہے یہ ہے جو روضۂ اطہر پر کھڑے ہو کر پڑھنا چاہتے تھے۔

۱۔ زمہجوری برآمد جانِ عالم — تَرَحَّم یا نبی اللہ تَرَحَّم

۲۔ نہ آخر رحمۃ للعالمینی — ز محروماں چرا غافل نشینی

۳۔ ز خاک اے لالۂ سیراب برخیز — چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

۴، برون آور سر از بُردِ یمانی — کہ روئے تست صبحِ زندگانی
۵، شب اندوہ مارا روز گرداں — ز رویت روز ما فیروز گرداں
۶، بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ — بسر بربند کافوری عمامہ
۷، فرور آویز از سر گیسواں را — فگن سایہ بپا سرور اں را
۸، ادیم طائفے نعلین پا کن — شراک از رشتۂ جانہائے ماکن
۹، جہانے دیدہ کردہ فرش رہ اند — چو فرش اقبال پابوس تو خواہند
۱۰، ز حجرہ پائے در صحن حرم نہ — بفرقِ خاکِ رہ بوساں قدم نہ
۱۱، بدہ دستی ز پا افتاد گان را — بکن دلداریئے دل داد گان را
۱۲، اگرچہ غرق دریائے گناہیم — فتادہ خشک لب برخاک راہیم
۱۳، تو ابرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے — کنی بر حال لب خشکاں نگاہے
۱۴، خوشا کز گرد رہ سویت رسیدیم — بدیدہ گرد از کویت کشیدیم
۱۵، بمسجد سجدہ شکرانہ کردیم — چراغت راز جاں پروانہ کردیم
۱۶، بگردِ روضہ ات گشتیم گستاخ — دلم چوں پنجرۂ سوراخ سوراخ
۱۷، زدیم از اشک ابرِ چشم بے خواب — حریم آستان روضہ ات آب
۱۸، گہے رفتیم زاں ساحت غبارے — گہے چیدم زاو خاشاک و خارے
۱۹، ازاں نورِ سوادِ دیدہ دادیم — و زیں بر ریش دل مرہم نہادیم
۲۰، بسوئے منبرت رہ بر گرفتیم — ز چہرہ پایہ اش در زر گرفتیم
۲۱، ز محرابت بسجدہ کام جستیم — قدم گاہت بخونِ دیدہ شستیم
۲۲، بپائے ہر ستون قد راست کردیم — مقام راستان درخواست کردیم
۲۳، زداغ آرزدیت بادلِ خوش — زدیم از دل بہر قندیل آتش
۲۴، کنوں گر تن نہ خاکِ آں حریم ست — بحمد اللہ کہ جان آں جا مقیم ست
۲۵، بخود در ماندہ ام از نفس خود رائے — ببین در ماندہ چندیں بخشائے
۲۶، اگر نبود چوں لطفت دست یارے — ز دست ما نیاید ہیچ کارے

۲۷، قضا می افگند از راہ مارا	خدرا از خدا در خواہ مارا
۲۸، کہ بخشد از یقین اول حیاتے	دہد آنگہ بکار دیں ثباتے
۲۹، چو ہول روز رستا خیز خیزد	بآتش آبروئے ما نہ ریزد
۳۰، کند با ایں ہمہ گمراہی ما!	ترا اذنِ شفاعت خواہی ما
۳۱، چو چوگاں سرفگندہ آوری روئے	بمیدانِ شفاعت امتی گوئے
۳۲، بحسن اہتمامت کارِ جامی	طفیل دیگراں باید تمامی

ترجمہ اشعار

۱، آپ کے فراق سے کائنات عالم کا ذرہ ذرہ جاں بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے اے رسولِ خدا نگاہِ کرم فرمائیے اے ختم المرسلین رحم فرمائیے،

۲، آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں، ہم حرماں نصیبوں اور ناکامان قسمت سے آپ کیسے تغافل فرما سکتے ہیں،

۳، اے لالۂ خوش رنگ اپنی شادابی و سیرابی سے عالم کو مستفید فرمائیے اور خواب نرگسیں سے بیدار ہو کر ہم محتاجانِ ہدایت کے قلوب کو منور فرمائیے، ے

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

۴، اپنے سر مبارک کو یمنی چادروں کے کفن سے باہر نکالئے کیونکہ آپ کا روئے انور صبح زندگانی ہے،

۵، ہماری غمناک رات کو دن بنا دیجئے اور اپنے جمال جہاں آرا سے ہمارے دن کو فیروزمندی و کامیابی عطا کر دیجئے

۶، جسم اطہر پر حسب عادت عنبر بیز لباس آراستہ فرمائیے اور سفید کافوری عمامہ زیب سر فرمائیے،

۷، اپنی عنبر بار و مشکیں زلفوں کو سر مبارک سے لٹکا دیجئے تاکہ ان کا سایہ آپ کے بابرکت قدموں پر پڑے

۸، حسب دستور طائف کے مشہور چمڑے کی مبارک نعلین (جوتی) پہنیئے اور ان کے تسمے اور پٹیاں ہمارے رشتۂ جاں سے بنائیے،

۹، تمام عالم اپنے دیدۂ و دل کو فرش راہ کئے ہوئے اور بچھائے ہوئے ہے اور فرش زمین کی طرح آپ کی قدم بوسی کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہے،

۱۰، حجرہ شریف یعنی گنبدِ خضراء سے باہر آکر صحن حرم میں تشریف رکھئے، راہ مبارک کے خاک بوسوں کے سر پر قدم رکھئے،

۱۱، عاجزوں کی دست گیری بے کسوں کی مدد فرمایئے اور مخلص عشاق کی دلجوئی و دلداری کیجئے،

۱۲، اگرچہ ہم گناہوں کے دریا میں از سرتاپا غرق ہیں، لیکن آپ کی راہ مبارک پر تشنہ وخشک لب پڑے ہیں،

۱۳، آپ ابرِ رحمت ہیں شایانِ شان گرامی ہے کہ پیاسوں اور تشنہ لبوں پر ایک نگاہ کرم بار ڈالی جائے،

اب اگلے اشعار کے ترجمہ سے پہلے یہ عرض کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حضرات کا تو خیال ہے کہ حضرت جامیؒ یہاں سے زمانہ گزشتہ کی زیارت مقدسہ کا حال بیان فرماتے ہیں اور بعض کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے تمنا فرما رہے ہیں، حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہ، کا رجحان اسی طرف ہے، اسی لئے اب ترجمہ میں اس کی رعایت کی جائے گی،

۱۴، ہمارے لئے کیسا اچھا وقت ہوتا کہ ہم گرد راہ سے آپ کی خدمت گرامی میں پہنچ جاتے اور آنکھوں میں آپ کے کوچہ مبارک کی خاک کا سرمہ لگاتے۔ ؎

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم — خاک درِ رسولؐ کا سرمہ لگائیں ہم

۱۵، مسجد نبوی میں دوگانہ شکر ادا کرتے، سجدۂ شکر بجالاتے، روضۂ اقدس کی شمع روشن کا اپنی جان حزین کو پروانہ بناتے،

۱۶، آپ کے روضۂ اطہر اور گنبدِ خضراء کے اس حال میں مستانہ اور بے تابانہ چکر لگاتے کہ دل صدمہائے عشق اور وفور شوق سے پاش پاش اور چھلنی ہوتا،

۱۷، حریم قدس اور روضۂ پُرنور کے آستانۂ محترم پر اپنی بے خواب آنکھوں کے بادلوں سے آنسو برساتے اور چھڑکاؤ کرتے،

۱۸، کبھی صحنِ حرم میں جھاڑو دے کر گرد وغبار کو صاف کرنے کا فخر اور کبھی وہاں کے خس وخاشاک کو دور کرنے کی سعادت حاصل کرتے،

۱۹، گو گرد وغبار سے آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے مگر ہم اس سے مردمک چشم کے لئے سامان روشنی مہیا کرتے اور گو خس وخاشاک زخموں کے لئے مضر ہے مگر ہم اس کو جراحت دل کے لئے مرہم بناتے،

۲۰، آپ کے منبر شریف کے پاس جاتے اور اس کے پائے مبارک کو اپنے عاشقانہ زرد چہرہ سے مل مل کر

زریں و طلائی بناتے،

۲۱، آپ کے مصلائے مبارک و محراب شریف میں نماز پڑھ پڑھ کر تمنائیں پوری کرتے اور حقیقی مقاصد میں کامیاب ہوتے اور مصلے میں جس جائے مقدس پر آپ کے قدم مبارک ہوتے تھے اس کو شوق کے اشک سے دھوتے

۲۲، آپ کی مسجد اطہر کے ہر ستون کے پاس ادب سے سیدھے کھڑے ہوتے اور صدیقین کے مرتبہ کی درخواست و دعا کرتے،

۲۳، آپ کی دل آویز تمناؤں کے زخموں اور دل نشین آرزوؤں کے داغوں سے (جو ہمارے دل میں)..... انتہائی مسرت کے ساتھ ہر قندیل کو روشن کرتے،

۲۴، اب اگرچہ میرا جسم اس حریم الانور و شبستان اطہر میں نہیں ہے لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روح وہیں ہے،

۲۵، میں اپنے خود بین و خود رائے نفس امارہ سے سخت عاجز آچکا ہوں، ایسے عاجز و بے کس کی جانب التفات فرمایئے اور بخشش کی نظر ڈالیئے،

۲۶، اگر آپ کے الطاف کریمانہ کی مدد شامل حال نہ ہوگی تو ہم عضو معطل و مفلوج ہو جائیں گے اور ہم سے کوئی کام انجام نہ پا سکے گا،

۲۷، ہماری بدبختی ہمیں صراطِ مستقیم و راہ خدا سے بھٹکا رہی ہے، خدارا ہمارے لئے خداوند قدوس سے دعا فرمایئے

۲۸، (یہ دعا فرمایئے) کہ خداوند قدوس اولاً ہم کو پختہ یقین اور کامل اعتقاد کی عظیم الشان زندگی بخشے اور پھر احکام دین میں مکمل استقلال اور پوری ثابت قدمی عطا فرمائے،

۲۹، جب قیامت کی حشر خیزیاں اور اس کی زبردست ہولناکیاں پیش آئیں تو مالک یوم الدین رحمان و رحیم ہم کو دوزخ سے بچا کر ہماری عزت بچائے،

۳۰، اور ہماری غلط روی اور صغیرہ کبیرہ گناہوں کے باوجود آپ کو ہماری شفاعت کے لئے اجازت مرحمت فرمائے کیونکہ بغیر اس کی اجازت شفاعت نہیں ہو سکتی ہے،

۳۱، ہمارے گناہوں کی شرم سے آپ سر خمیدہ چوگاں کی طرح میدان شفاعت میں سر جھکا کر (نفسی نفسی نہیں بلکہ یارب اُمتی اُمتی فرماتے ہوئے تشریف لائیں،

۳۲، آپ کے حسن اہتمام اور سعی جمیل سے دوسرے مقبول بندگان خدا کے صدقہ میں غریب جامی کا بھی کام بن جائے گا،

شنیدم کہ در روز امید و بیم — بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

آثارِ جامی[1]

تذکرہ نویسوں میں جامیؒ کی لکھی ہوئی کتابوں کے متعلق نظر کا اختلاف ہے یعنی جس نے جتنی کتابوں کو دیکھا۔ ان کا ہی ذکر کر دیا، تذکرہ سامی کا مصنف لکھتا ہے کہ جامی نے چالیس کتابیں لکھی ہیں جب کہ ابو طالب تبریزی کا گمان ہے کہ نظم و نثر میں ان کی لکھی ہوئی کتابوں کی تعداد جامی کے اعداد کے برابر ہے یعنی ان کی تصنیف کی ہوئی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد (۵۴) ہے۔ جن میں سے اہم ترین کتابیں یہ ہیں (۱) منظوم کتابوں میں ان کے اشعار کا دیوان ہے جو غزلیات[2]، قصائد[3]، ترجیعات[4]، ترکیبات[5]، مراثی[6]، مثنویات[7] اور رباعیات[8] پر مشتمل ہے، مولانا جامی نے اپنے دیوان کو خود ہی تین حصوں میں تقسیم کیا اور ان کا علیحدہ علیحدہ نام رکھا (۱) فاتحۃ الشباب (۲) واسطۃ العقد (۳) خاتمۃ الحیات، مولانا جامیؒ نے ان میں اعلیٰ پایہ کے قصیدے اور عشق انگیز عرفانی غزلیں کمیاب اور دلچسپ اوزان میں کہی ہیں، ان میں سے ایک یہ غزل ہے،

نَفَحَاتُ وَصْلِكَ اَوْقَدَتْ جَمَرَاتِ شَوْقِكَ فِی الْحَشَا ۔ زِغمت بسینہ کم آتشی کہ نزد زبانہ کما تشا

بتو داشت خو دل گشتہ خون از تو بود جان مرا سکون ۔ فَهَجَرْتَنِی فَجَعَلْتَنِی مُتَحَیِّرًا مُتَوَحِّشَا

دل من بعشق تو می نہد قدم وفا برہِ طلب ۔ فَلَئِنْ سَعٰی فِيهِ سَعٰی وَلَئِنْ مَشٰی فِيهِ مَشٰی

زکمندِ زلف تو ہر شکن گرہے فتادہ بکارِ من ۔ بگرہ کشای زلف خود توز کار من گرہی کشا

تو چہ مظہری کہ زجلوۂ تو صدای سبحۂ صوفیان ۔ گزرد ز زروۂ لامکاں کہ خوشا جمال ازل خوشا

ہمہ اہل مسجد و صومعہ، پی وِرد صبح و دعای شب ۔ من و ذکر طرہ و طلعت تو، من الغداۃ و العشا

چہ جفا کہ جامی خستہ دل زجدای تو نمی کشد ۔ قدم از طریق وفا مکش سوئے عاشقانِ بلا کشا

---

[1] آثار کے معنیٰ یادگار [2] غزلیات، عشق و محبت کی باتیں کرنا، محبوب سے ہم کلام ہونا، اور کھیلنا اور نیز وہ کلام جس میں حسن و عشق، وصال و فراق، ذوق و اشتیاق و جنون وغیرہ کی باتیں ہوں، غزل، عشق و محبت کی باتیں کرنے والا، [3] قصائد، قصیدہ کی جمع، قصیدہ موٹا اور غلیظ مغز، اصطلاح میں وہ نظم ہے جو کسی کی مدح یا ذم پر مبنی ہو، [4] ترجیعات، شاعروں کی اصطلاح وہ بند جس میں ایک خاص بیت کو چند اشعار کے بند بار بار لائیں، بشرطیکہ وہ بیت اپنے پہلو بیت کے مضمون سے ربط رکھتی ہو، [5] ترکیبات، اصطلاح شعراء میں وہ کئی بند جو مختلف قافیوں اور ایک بحر میں تصنیف کئے جائیں اور ہر بند کے بعد ایک بیت غیر مکرر لائیں جس کا قافیہ مختلف ہو، [6] مراثی، مرثیے، غم کا بیان [7] مثنویات، دو دو، ایک قسم کی نظم جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں [8] رباعیات رباعی کی جمع وہ چار مصرعے جو مخصوص وزن میں ہوں اور ان کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوں،

۱، تیرے وصل کی خوشبوؤں نے کلیجہ میں تیری محبت کی چنگاریوں کو سلگا دیا تیرے غم کی سینہ میں اس قدر آگ ہے کہ اگر تو چاہے، تو آگ کے شعلہ سے بھی اس قدر نہ جلا سکے،

۲، تیری محبت سے دل خوں ہو گیا۔ تجھ سے ہی میری جان کا سکون ہے مگر تُو نے مجھے چھوڑ دیا، پھر تو نے مجھے حیرانی اور وحشت میں ڈال دیا،

۳، تیرے عشق میں میرے دل نے وفا کا قدم راہ طلب میں رکھ دیا ہے، پس اگر اس نے کوشش کی تو اسمیں کوشش کرے گا اور اگر دوڑے گا تو اس میں چلے گا،

۴، تیری زلف کی کمند کی ہر شکن کی گرہ میرے کام میں لگی ہوئی ہے، اپنی زلف کی گرہ کشائی کے ساتھ تو میرے کام کی گرہ کشائی کر،

۵، تو کیسا مظہر ہے کہ تیرے جلوہ سے صوفیوں کی تسبیح کے دانوں کی آواز لامکان کے کنگروں سے گزر جاتی ہے، اے جمال ازل! تو کتنا حسین اور کتنا پیارا ہے،

۶، مسجد اور گرجوں والے سب لوگ رات دن دعاؤں میں مصروف ہیں اور میں تیری زلفوں اور تیرے رُخ کے ذکر میں صبح سے رات تک مشغول رہتا ہوں،

۷، کون سی جفا ہے جو جامی نے تیری جدائی میں نہ اٹھائی ہو، تو مصیبت کے مارے اور آفتوں کے جھیلنے والے عاشقوں کی طرف وفا کے قدم کو نہ چھوڑ،

اسی طرح اس کتاب کی ترجیعات اور اس کے مرثیات بھی بڑے دل نشین اور اثر انگیز ہیں (۲) دوسرے ہفت اورنگ (سات تخت شاہی) کہا ہے، جن سے مراد یہ سات کتابیں ہیں، اول "سلسلۃ الذہب" جس میں دینی فلسفی اور اخلاقی مسائل پر بحث کرتے ہیں، اور ہفت پیکر نظامی کے وزن پر ہے، اس کے شروع میں یہ بیت ہے

لِلّٰہِ الْحَمْدُ قَبْلَ کُلِّ کَلَامٍ ، ہر کلام سے قبل اللہ کی حمد ہے،

بصفات الجلال والاکرام ، جلال اور اکرام کی صفتوں کے ساتھ (یہ مثنوی سلطان حسین کے نام پر ہے،

(۲) "سلامان والبسال" منظوم، ایک قدیم داستان سے چُنا ہوا ہے اور اس میں معرفت کی باریک باتوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے، اور مولانا رومیؒ کی مثنوی اور شیخ فریدالدین عطارؒ کی منطق الطیر کے وزن پر اس کو نظم کیا گیا ہے، یہ مثنوی یعقوب بیگ آق قویونلو کے نام پر ہے،

۳، "تحفۃ الاحرار" دینی اور عرفانی مثنوی ہے، اس مثنوی میں معرفت اور دین کی باتوں کو بیان کیا ہے، حکمت آمیز قصے

اور مثالوں کا مجموعہ ہے، اور مخزن الاسرار نظامی کے وزن پر کہا گیا ہے۔ اس کا مطلع یہ شعر ہے، ے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہست صلای سر خوان کریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کریم کے دستر خوان پر بلانے کے لئے بلاوا اور عام دعوت ہے، یہ مثنوی حضرت ناصر الدین خواجہ عبید اللہ کے نام ہے جو خواجہ احرار کے لقب سے مشہور ہیں،

۴، بحبۃ الابرار تحفۃ الاحرار کی طرح ایک دینی اور عرفانی مثنوی ہے، پاکیزہ، مزیدار اور دلچسپ حکایتوں اور عقلی مثالوں پر مشتمل ہے،

۵، یوسف زلیخا، مولانا جامی کی سب سے زیادہ مشہور مثنوی ہے، جو نظامی کی فرہاد و شیریں کے وزن پر کہی گئی ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے، ے

الٰہی غنچۂ امید بکشا گلے از روضۂ جاوید بنما

یہ مثنوی بھی ابوالقاسم سلطان حسین کے نام پر ہے،

۶، لیلیٰ مجنوں، جو نظامی کی لیلیٰ مجنوں کے وزن پر کہی گئی ہے اور لیلیٰ مجنوں کی مشہور داستان پر حاوی ہے اس کا مطلع ذیل کا شعر ہے،

اے خاکِ تو تاج سربلنداں مجنونِ تو عقلِ ہوشمنداں

اے وہ کہ تیری خاک معزز اور ممتاز لوگوں کے سر کا تاج ہے، تیرا دیوانہ سارے عقل مندوں کی عقل ہے،

۷، خرد نامہ اسکندری، بزرگوں اور داناؤں کے اقوال کا مجموعہ ہے، نظامی کے سکندر نامہ اور فردوسی کے شاہنامہ کے وزن پر کہا گیا ہے جس کا مطلع یہ شعر ہے، ے

الٰہی کمال الٰہی تر است جمال جہاں بادشاہی تر است

یہ مثنوی بھی سلطان حسین بالقیرا کے نام ہے، یہ سات کتابیں ہفت اورنگ کہلاتی ہیں،

تیسرے تجنیس[1] اللغات ہے، مولانا جامی کی وہ کتابیں جو نثر میں ہیں، وہ یہ ہیں،

اول، نفحات الانس جو صاحب معرفت صوفیہ کے حالات کی شرح میں لکھی گئی وہ یہ ہی کتاب ہے جس

---

[1] تجنیس، ہم جنس بنانا، یکساں کرنا، صنعت لفظی کی ایک صنعت، ایسے دو کلمے لانا کہ لفظ میں متفق اور معنے میں مختلف ہوں،

کے کچھ حصے حیات الصوفیہ کے پڑھنے والے پڑھیں گے

۲، نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص، اس کتاب میں علم و معرفت اور حکمتوں کا بیان ہے اور شیخ محی الدین ابن عربی مؤلف فصوص الحکم کے عقیدوں کی شرح و تفسیر لکھی ہے،

۳، لوائح، معرفت کی گہری باتوں اور پاکیزہ اور دل نشین رباعیات پر حاوی ہے،

۴، شواہد النبوۃ، جو حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات و غزوات کی تشریحات اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی خوبیوں اور کمالات کے بیان میں ہے،

۵، اشعۃ اللمعات، عارف بزرگ شیخ فخر الدین عراقی کی کتاب "لمعات" کی شرح و تفسیر میں ہے

۶، بہارستان، حضرت سعدیؒ کی گلستان کا خلاصہ و اختصار لکھا گیا، جو دلچسپ قصّوں، دقیق اور نفع بخش نکتوں اور دل پسند اشعار پر حاوی ہے،

۷، لوامع، ابن فارض، قصیدہ خمریہ کی تشریح میں لکھی گئی،

۸، فوائد ضیائیہ یعنی شرح مُلا عربی جامی، علم نحو کی مشہور کتاب قافیہ ابن حاجب کی شرح ہے، درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہے

۹، توضیح احادیث، روائت کردہ حضرت ابوذر غفاری صحابی حدیث میں لکھی ہے،

۱۰، اربعین جامی رحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چالیس حدیثیں، اپنے اپنے زمانہ میں بہت سے علماء نے اربعینات[ل] یعنی چہل احادیث لکھی ہیں، اسی طرح مولانا جامیؒ نے بھی چالیس حدیثیں لکھی ہیں، جن کا ترجمہ فارسی اشعار میں کیا ہے، اس کی پہلی حدیث یہ ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ،

ترجمہ فارسی یہ ہے شعر، ؎

ہر کسی را لقب مکن مومن گرچہ از سعی جان و تن کاہد تا نخواہد برادر خود را آنچہ از بہر خویشتن خواہد

[ل] جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا مِنْ اَمْرِ دِیْنِہٖ بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِیْ زُمْرَۃِ الْفُقَہَاءِ وَالْعُلَمَاءِ (ترجمہ) جو شخص میری امت میں سے اسکے دین کیمتعلق چالیس احادیث یاد کرلے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو فقہا اور علماء کے گروہ میں اٹھائے گا، ایک روایت میں ہے کہ اس کو شہیدوں کے گروہ میں اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے کہا جائے گا جنت کے جس دروازے سے چاہے تو بہشت میں داخل ہو جا،

ہر ایک آدمی کو مومن نہ کہو، اگرچہ وہ عبادت سے جان و تن گھلا دے، جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ کچھ نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے،

اور آخری حدیث یہ ہے، لَا یَشْبَعُ الْمُؤْمِنُ دُوْنَ جَارِہٖ،

ہر کہ در خطۂ مسلمانی باشد از نقد دیں گرانمایہ — کے پسندد کہ خود بخسپد سیر بنشیند گرسنہ ہمسایہ

ترجمہ، مسلمانی کے طریقہ میں جو شخص دین کی بیش قیمت دولت رکھتا ہے وہ کب پسند کرے گا کہ وہ پیٹ کر سو جائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا بیٹھا رہے،

علم تفسیر میں تفسیر سورہ فاتحہ، مسائل میں ارکان الحج، علم سلوک میں سخنان خواجہ پارسا رحمۃ اللہ علیہ، طریقہ صوفیاں و تحقیق مذہب صوفیاں، رسالہ حالات مشاہیر صوفیا خواجہ پارساؒ مولانا رومیؒ خواجہ عبداللہ انصاری وغیرہ کے حالات لکھے ہیں، رسالہ اسرار الجلی فی ذکر الخفی، اس کی ابتداء یہ ہے،

سر رشتۂ دولت اے برادر بکف آر — وایں عمر گرامی بخسارت مگذار

دائم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ حال — میدار نہفتہ چشم دل جانب یار

اس کے آخر میں حضرت خواجہ علی رامتینیؒ کی طرف منسوب یہ رباعی لکھی،

با ہر کہ نشینی و نشد جمع دلت — وز تو نہ رہید زحمتِ آب و گلت

زنہار ز صحبتش گریزاں باشی — ورنہ کند روح عزیزاں بحلت

سب سے آخر میں یہ شعر ہے،

دادیم نشان ز گنج مقصود ترا — گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

رسالہ اسرار الجلی فی ذکر الخفی کے اشعار کا ترجمہ،

اے بھائی دولت کی تدبیر اختیار کر، اور یہ قیمتی عمر گھاٹے میں نہ گزار، ہمیشہ ہر جگہ ہر آدمی کے ساتھ ہر حال میں چھپے ہوئے دل کی آنکھ کو یار کی طرف رکھ،

ترجمہ رباعی خواجہ علی رامتینیؒ

جس کے پاس تو بیٹھے تجھے دل جمعی نہ ہو، اور تیری بشری عادتوں کو نہ چھڑائے، خبردار اس کی صحبت سے دور بھاگئے اگر ایسا نہ کرے گا تو عزیزان کی روح تجھے معاف نہ کرے گی،

آخری شعر کا ترجمہ، ہم نے تجھے مقصود کے خزانہ کا پتہ دے دیا ہے، اگرچہ ہم تو نہ پہنچے شاید تو پہنچ جائے،

مُناجاتیں التجائیں ودُعائیں

کتاب بہجتہ الابرار میں مولانا جامی قدس سرہ نے چھ عقود میں جو ۶۰ اشعار مناجاتیہ اور دعائیہ لکھے ہیں وہ سلوک کے مناجات کے لحاظ سے نہایت ارفع و اعلیٰ ہیں۔ ایک ایک عقد میں ۱۰،۱۰ اشعار ہیں، اور ہر عقد کا عنوان سلوک کے کسی مقام سے تعلق رکھتا ہے۔ حیات صوفیہ چونکہ مولانا جامی قدس سرہ کے فیضان کے رشحات میں سے ایک رشحہ اور قطرات میں سے ایک قطرہ ہے۔ اس لئے مسکین نے حیات صوفیہ کی ابتدا بھی مولاناؒ کے اشعار سے کی اور اس کا اختتام بھی مولاناؒ کی دعاؤں اور مناجات پر کررہا ہوں تاکہ حضرت مولاناؒ کی دعائیں اور التجائیں ہوں۔ میں اور کتاب کے پڑھنے والے ان پر آمین کہنے والے ہوں، کیا عجب ہے کہ اللہ شانہٗ اپنے ایک دوست اور ولی خاص کی ان دلی دعاؤں کو ہمارے حق میں قبول فرمائے اور ہمارے لئے ذریعہ نجات و ابدی حیات بنادے۔ ہر بند کے اشعار کو نمایاں کرنے کے لئے جلی خط میں لکھا، ترجمہ و تشریح کو زیریں حصہ میں لکھ دیا ہے تاکہ ان اشعار کو روزانہ بطور وظیفہ پڑھ کے روحانی ترقیات حاصل کریں اور ترجمہ و تشریح کی ضرورت ہو تو تحت السطور دیکھ لیا کریں

عقد اول

خواہشات کی ہواؤں کے چلنے کی وجہ سے شجرۂ دل کے ڈانوا ڈول ہونے میں

۱۔ اے ز اندوہ تو پُر خوں دلِ ما	دم بدم از تو دگر گوں دلِ ما
۲۔ دل ما در رہت افتادہ پر لیست	کہ بر و بادِ ہوا را گزر لیست
۳۔ ہر دم از جنبش آں بادِ درشت	پشت او رُو شدہ و رو شدہ پشت
۴۔ وائے بر ما گر تو قرارش نہ دہی	بہر خود میلِ بکارش نہ دہی
۵۔ بر درِ خود ندہی تسکینش	حرف تمکیں نہ کنی تلقینش
۶۔ بندہ جامی کہ بداغے تو خوش ست	بفروغے ز چراغے تو خوش ست
۷۔ درِ خود راحتِ جانش گرداں	نام خود وردِ زبانش گرداں
۸۔ بکرِ مہائے خودش بینا کن	بہ ثنا ہائے خودش گویا کن
۹۔ بروے ابواب معانی بکشا	رہ باسرار نہانی بنما
۱۰۔ لیشتہش باش بہ توفیق سخن	آورش روئے بہ تحقیق سخن

ترجمہ و تشریح۔ (۱) اے وہ کہ تیرے عشق میں ہمارا دل تڑپ رہا ہے تیری محبت سے ہمارے دل کا حال ہر لمحہ بدل رہا ہے یعنی کبھی وہ خوش ہوتا ہے کبھی مغموم، کبھی اس پر قبض ہوتا ہے کبھی بسط، کبھی اس پر ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے

کبھی شوق اور اُنس کا (۲) تیری راہ میں ہمارا دل ایسا پڑا ہوا ہے جیسے کوئی پر پڑا ہوا ہو اور اس کے اوپر خواہش کی تیز ہوا چل رہی ہو (۳) اور اس طوفانی ہوا کے ہلانے سے ہر گھڑی اس کا اُلٹا سیدھا ہو جاتا ہو اور اس کا سیدھا الٹا یعنی خواہشات کی تیز اور تند ہواؤں کی وجہ سے میرے دل کو قرار نہیں رہتا کہ وہ سب کو چھوڑ کر تیرا ہو رہے بلکہ وہ ہر وقت ڈانواڈول رہتا ہے (۴) ہماری ناکامی ہے اگر تو اس کو قرار اور سکون نہ دے اور اخلاص کے ساتھ اپنی بندگی کی طرف مائل نہ کرے (۵) اور اپنے در پر اس کو قرار نہ دے اس کو تمکین کا لفظ تلقین نہ کرے اور اس کو استقامت نہ بخشے کہ وہ تجھے چھوڑ کر کسی اور کا نہ ہو جاوے (۶) تیرا بندہ جامی تیری تھوڑی سی محبت پر بھی راضی ہے اور تیرے چراغ کے ایک شعلہ اور معمولی لو اور روشنی سے بھی خوش ہے (۷) اپنی یاد کو اس کی روح کی راحت کر دے، اپنے نام کو اس کی زبان کا ورد اور وظیفہ کر دے (۸) اس کو اپنی عنائتوں اور کرم کو دیکھنے والا کر دے، اپنی ثنا اور تعریف کے ساتھ اس کو بولنے والا کر دے (۹) اس پر معانی کے ابواب کھول دے اچھپے ہوئے رازوں تک اس کی رہنمائی کر دے (۱۰) بات کہنے کی توفیق میں اس کا مددگار ہو اور بات کی تہ تک پہنچنے اور حقیقت کی بات کہنے میں اس کو متوجہ کر دے کہ معرفت کی باتیں کہتا رہوں اور حقیقت کے بھید ظاہر کرتا رہوں،

دُوسرا بند

کمالاتِ الٰہیہ کی شرح و تفصیل کو بیان کرنے سے عقل کے عاجز ہونے اور نعمتوں کے شکر کرنے سے زبان کے قاصر ہونے کے بیان میں

۱، اے زبانِ خرد از کُنۂ تو بند	پایۂ قدرِ سخن از تو بلند
۲، بحز دشرح کمالت نتواں	بہ سخن شکرِ نوالت نتواں
۳، سخن از باغِ جمالت وَردیست	واندریں مرحلہ باد آور دلیست
۴، از گلے رونقِ باغے کہ شناخت	در تفی نور چراغے کہ شناخت
۵، بہ کزیں زمزمہ خاموش شویم	پائے تا سر چو صدف گوش شویم
۶، طبعِ جامی کہ ثنا گسترِ تُست	کم ترین مرغِ وفا پرورِ تُست
۷، ہر طرف گرچہ ہوائے دارد	پائے دل بستہ بجائے دارد
۸، عار دارد زحدیثِ ہمہ کس	بہ زبان ذکرِ تو میخواہد بس
۹، رخت ازاں دائرہ بیروں آرش	نطق ازیں قافیہ موزوں دارش
۱۰، بہ لبش خطبۂ افزونی دہ	بہ زرش سکۂ موزونی دہ

نوٹ:۔ مناجات، کان میں بات کہنا، دعا، عرض، التجا جو حق سبحانہٗ کے حضور پیش کی جائے،

ترجمہ وتشریح (۱) اے وہ ذات، جس کی دریافت اور ادراک سے عقل کی زبان گونگی ہے کہ ہر کلام کے مرتبہ سے تو بلند ہے یعنی زبان وعقل کی کیا طاقت ہے کہ تیرا ادراک کر سکے، کیونکہ تُو خالق ہے وہ مخلوق، تُو لامتناہی ہے وہ متناہی، تو لامحدود ہے وہ محدود، تو باقی ہے وہ فانی (۲) عقل سے تیرے کمال کی شرح نہیں ہو سکتی، کلام سے تیری عطا کا شکر نہیں ہو سکتا، یعنی تیرے کمالات کی تفصیل کو عقل نہیں پہنچ سکتی، جس طرح زبان تیری نعمتوں کا شکر نہیں کر سکتی کہ تیری نعمتیں بے شمار اور بے حساب ہیں (۳) سخن وکلام تیرے باغِ جمال میں سے گلاب کا ایک پھول ہے جسے اس جہان میں ہوا لائی ہے، مطلب یہ ہے کہ عالمِ انسانی میں اس نے کلام لفظی سے رونق فرمائی ہے (۴) ایک پھول سے باغ کی رونق کو کون پہچان سکتا ہے آگ کی چنگاری میں چراغ کی روشنی کو کون پہچان سکتا ہے، یعنی وہ باغ جس میں ہزاروں پھول کھلے ہوں اور ہزاروں قسم کی خوشبوئیں مہک رہی ہوں، پھر ایک پھول سے پورے باغ کا کیسے اندازہ لگا سکتا ہے اور چنگاری کی چمک سے چراغ کے نور کی وسعت کو کون شناخت کر سکتا ہے (۵) بہتر ہے کہ اس نغمہ سے خاموش ہو جائیں اور سر سے پیر تک سیپ کی طرح کان ہو جائیں یعنی اس بات سے کہ عقل وخرد سے تیرے کمالات کو پوری طرح ظاہر کر سکتے ہیں اور تیری ساری نعمتوں کا شکر زبان سے ادا کر سکتے ہیں، خاموش رہیں اور سر سے پاؤں تک ان کیفیتوں کو سُنیں اور سیپ کی طرح ان باتوں کو محفوظ رکھیں جو اربابِ احوال بیان کریں (۶) جامی کی طبیعت جو تیری مداح ہے وہ تیرا کم ترین درجہ کا مرغ وفا پرور ہے (۷) اگرچہ اس کی طبیعت ہر طرف مائل رہتی ہے لیکن اس کا دل ایک جگہ یعنی راہ حق کا پابند ہے کہ وہ تیرے خیال میں ہی ڈوبا رہتا ہے (۸) تیرے ماسوا سب کی باتیں کہنے سے شرم رکھتا ہے اور زبان پر فقط تیرا ذکر چاہتا ہے (۹) دوسرے کی بات کے دائرہ سے اس کے بچھیرے کو باہر نکال اور اس کا کلام اپنے ذکر کے قافیہ سے موزوں رکھ کہ وہ تیرے ذکر کے دائرہ میں مقید رہے (۱۰) اُس کی زبان پر کلام کی افزائش دے اور اُس کے سونے کو چلنے والا سکہ بنا دے۔

تیسرا بند

کلام موزوں کی نعمت کی شکر گزاری اور خداوند تعالیٰ کی ہستی کے دلائل بیان

۱، اے سخن را چو گہر سنجیدہ	خلعت نظم برو پوشیدہ
۲، گر رہِ تمیز صحیحش ز سقیم	بترا ذوقِ طبع سلیم
۳، می کند وزنِ سخن نظم پرست	نہ ترازوش پدیدار نہ دست
۴، طبع را دست و ترازو تو دہی	بر سخن قوتِ بازو تو دہی
۵، اثرِ صنع بدیدن سہل است	زاں بصانع نہ رسیدن جہل ست
۶، جامی غرقِ جہالت ماندہ	بر جبین آبِ خجالت راندہ
۷، نہ از گلشن سبزۂ احساں خیزد	نہ از دلش نکتۂ عرفاں ریزد

کرنے کی توفیق	۸،	گرچہ روزی خورِ ہر روزۂ تست	دست امید بدر یوزۂ تست
کی طلب میں	۹،	فیضے از ابر یقیں بروے ریز	تا دریں مرحلۂ وسوسۂ خیز
	۱۰،	ہرچہ در یوزہ زخودِ تو کند	صَرف برُہانِ وجودِ تو کند

ترجمہ وتشریح (۱) اے اللہ! تونے بات کو موتی کی مانند قدر اور عزت بخشی ہے اور اس پر نظم کی خلعت (لباس) پہنادی ہے۔ تونے طبع سلیم کو ایسی ترازو بنادی ہے کہ وہ صحیح اور موزوں[1] بات کو سقیم اور غیر موزوں جدا کر دیتی ہے (۳) شاعر اور نظم کا جاننے والا اس طبع سلیم سے تول لیتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس وزن کے کرنے میں نہ ترازو ظاہر ہے نہ ترازو پکڑنے والا ہاتھ (۴) اس طبیعت کو تولنے والا ہاتھ اور ترازو تو دیتا ہے اور اس کو بات کرنے پر قوت بازو تو دیتا ہے (۵) تھوڑی سی فکر سے تیری صنعت و کاریگری کا نشان ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس ظہور کے باوجود صانع، بنانے والے تک نہ پہنچنا جہل اور نادانی ہے (۶) جامی جہالت میں ڈوبا ہوا ہے اور شرمندگی کا پسینہ پیشانی پر بہ رہا ہے یعنی تجلی شہودی اس پر نہیں ہوتی، (۷) نہ اس کی مٹی سے احسان کا سبزہ اگتا ہے نہ اس کے دل سے عرفان کا نکتہ ٹپکتا ہے (۸) اگرچہ روزانہ وہ تیرے دروازہ سے رزق کھاتا ہے اور بے مانگے سب کچھ ملتا ہے پھر بھی امید کا ہاتھ تیرے آگے پھیلائے رہتا ہے اور امیدوں کے ساتھ تجھ سے بھیک مانگتا رہتا ہے (۹) ابر یقین سے کچھ فیض اس پر برسا دے تاکہ اس وسوسہ خیز منزل میں (۱۰) جو کچھ تو اس کو بھیک دے وہ اس کو تیرے وجود کے اثبات میں خرچ کرے۔

چوتھا بند

	۱،	اے جہاں از صفتِ ذاتِ تو پُر	عالم از حجتِ اثباتِ تو پُر
	۲،	ہیچ جا نیست کہ غوغائے تو نیست	پرتوِ روئے دلارائے تو نیست
خداوند تعالیٰ	۳،	تو چنیں ظاہر و ما کور بصر	تو چنیں حاضر و ما دُور نگر
جل شانہٗ کی	۴،	نورِ تو گر نہ بود ما چہ کنیم	چشمِ بینا دل دانا چہ کنیم
ہستی کے بیان	۵،	نیست از غایت کوتہ نظری	خبرِ ما زِ تو جزُ بے خبری
میں اور توحید	۶،	گرچہ جامی بود از بے خبراں	چہ بود گر بطفیل دگراں
کے موتیوں کے	۷،	بخشی از ہستی خویش خبرے	بندی از طاعت خویش کمرے

[1] کلام موزوں: اچھا کلام، حسب حال، پسندیدہ اور سنجیدہ بات کو کہتے ہیں

بار بنانے ۸۔ در دلش تخمِ ہدایت کاری — برِ گلشن ابرِ عنایت باری
کی توفیق کی ۹۔ مہرش از مہرۂ گِل بکشائی — زنگش از چہرۂ دل بزدائی
طلب میں ۱۰۔ پا بکاشانۂ قربت ہنیش — مئے زخمخانۂ وحدت دہیش

ترجمہ وتشریح (۱) اے وہ کہ جہان تیری صفت و ذات سے بھرا ہوا ہے، سارا جہان تیری ہستی کے اثبات سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی جگہ نہیں جہاں تیری صفات کا ظہور نہ ہو، کوئی مقام نہیں جہاں تیری قدرت وحکمت کا نور نہ ہو، اور چونکہ تیری صفات عین ذات ہیں کہ صفت بغیر ذات کے نہیں ہو سکتی، اس وجہ سے تیری ذات کے وجود پر جہان کی ہر چیز حجت اور دلیل ہے (۲) کوئی جگہ نہیں جہاں تیرا چرچا نہیں اور کوئی جگہ نہیں جہاں تیرے محبوب چہرہ کا عکس نہیں (۳) تو ایسا ظاہر ہے اور ہم اندھے ہیں کہ تجھے دیکھتے نہیں، تو ہر جگہ موجود ہے اور ہم اندھے کبھی عرش پر گمان کرتے ہیں کبھی آسمانوں پر (۴) اگر تیرا "نورِ ہدایت" نہ ہو تو ہم دیکھنے والی آنکھوں اور عقل والے دل کا کیا کریں کہ تیری ہدایت کے بغیر آنکھیں اور عقل، سب بیکار ہیں (۵) انتہائی کوتاہ نظری کی وجہ سے بے خبری کے سوا ہمیں کوئی خبر نہیں، کوتاہ نظری تنگ نظری اور عاقبت نااندیشی کے باعث، تیرے ہر جگہ موجود ہونے کا ہمیں شہود نہیں ہوتا، جب تک اس کا شہود نہ ہو زبانی طور پر تجھے حاضر ناظر جاننا اصل میں نہ جاننا ہے (۶) اگرچہ جامی بے خبروں میں سے ہے۔ مگر تیرے لئے کیا مشکل ہے اگر تو دوسروں کے طفیل (۷) اپنی ہستی سے اس کو کچھ خبر دے دے اور اپنی معرفت کا کوئی حصہ عطا فرما دے اور اپنی طاعت کے لئے اس کی کمر مضبوط کر دے (۸) اس کے دل میں ہدایت کا بیج بو دے اور اس کے وجودِ خاکی پر مہربانی کا بادل برسا دے (۹) دل کے چہرہ سے اس کے زنگ کو صاف کر دے (۱۰) اپنی قربت کے محل میں اس کے قدم پہنچا دے، وحدت کے شراب خانہ کی اسے شراب دے دے۔

پانچواں بند

۱۔ اے بتوحیدِ تو ہر ذرّہ گواہ — نیست یک ذرّہ بتوحیدِ تو راہ
۲۔ در رہت ذرۂ ناچیز شدیم — کمتر از ذرّہ بسے نیز شدیم
مقامِ توحید سے ۳۔ مادۂ بے حاصل و نومیدی — گر نہ فضلے تو کند خورشیدی
وحدت کے شہود ۴۔ جستجوئے تو قرار از ما بُرد — ضعفِ من قوّتِ کار، از ما بُرد
میں آنے کی ۵۔ قوتے بخش کہ کارے بکنیم — بحریم تو گزارے بکنیم
دعا جو عارفوں ۶۔ جامی از کار گزاری ماندہ — نامۂ بے ہودہ کاری خواندہ

کا مقصد اور	۷،	می کند از تو طلب قوّتِ کار	تا شود در طلبت کار گزار
راہِ سلوک کی	۸،	قوتِ کار گزارِیش بدہ	سکۂ پاک عیارِیش بدہ
انتہا ہے	۹،	نقدِ دیں از غش و غل پاکش کن	دل ز درِ آلائش گِل پاکش کن
	۱۰،	شد پریشان زِ دُو بینی کارش	روئے در قبلۂ وحدت دارش

ترجمہ و تشریح (۱) اے وہ کہ تیری توحید پر ہر ذرّہ گواہ ہے مگر تیری توحید کے ایک ذرہ پر بھی کسی کی پہنچ نہیں۔ یعنی ہر ذرہ زبانِ حال سے گواہی دے رہا ہے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے لیکن کسی کو تیری توحید میں سے ذرّہ کی برابر بھی خبر نہیں (۲) تیری توحید کی تلاش میں ہم ذرّہ نا چیز ہو گئے اور بہت دفعہ ذرہ سے بھی کم ہو گئے مطلب یہ ہے کہ تیری توحید حقیقی کی تلاش میں ہم ناچیز اور فانی مطلق ہو گئے اور اپنی عقل سے تیری توحید تک پہنچنے کی کوشش کی تو (۳) ان کوششوں سے ہمیں بے حاصلی اور نومیدی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو اگر تیرا فضل راہ نمائی نہ کرے (۴) تیری جستجو نے ہمارا چین اور سکون لے لیا اور بدن کے ضعف نے ہم سے قوتِ کار کو لے لیا (۵) اس کو وہ قوت بخش کہ ہم کوئی کام کریں اور تیری بارگاہِ قدس میں گزران کریں (۶) جامی کارگزاری سے عاجز ہو کر بے ہودہ کاری اور بے فائدہ عمل کا خط پڑھتا رہا یعنی میں بے کار اور نکما بن گیا اور ان کاموں میں پھنس کے رہ گیا جو عقل والوں کے نزدیک بے ہودہ اور لاحاصل ہیں اور تیرے قرب و حضور سے دور کرنے والے ہیں (۷) یہ عاجز تجھ سے قوتِ کار طلب کرتا ہے تاکہ تیری طلب میں کارگزار ہو جاوے (۸) اس کو کارگزاری کی قوت دے، اس کو بے گناہی کی راہ دے اور زیادہ چستی اور چالاکی اور اپنے دروازہ پر بار بار آنے کی توفیق دے، (۹) دین کی نقدی کو کھوٹے اور ناکارہ ہونے سے پاک کر اور اس کے دل کو، خاکی اندیشوں، نفس کی گرفتاری سے پاک کر، (۱۰) دو بینی سے اس کا کام خراب و پراگندہ ہو گیا، اس کا رُخ قبلۂ وحدت کے دروازہ پر رکھ دے، مطلب یہ کہ میری نظر تجھ پر بھی ہے اور تیرے غیر پر بھی اور یہی دو نظری مجھے تجھ تک نہیں پہنچنے دیتی کہ دو بیڑیوں میں پیر رکھنے والا کبھی بھی منزل پر نہ پہنچا۔

	۱،	اے پُر از فیض وجودِ تو جہاں	غرقِ نورِ تو چہ پیدا و نہاں
چھٹا بند	۲،	مایۂ صورت و معنیٰ ہمہ تو	باہمہ بے ہمہ تو اے ہمہ تو
مراتب وجود میں	۳،	بے نصیب از تو نہ چند ست نہ چوں	خالی از تو نہ درون و نہ برون
حقیقت کے عمومی	۴،	متحد اوّلی و اخیریت	متحقق باطنی و ظاہریت

سریان کی طرف اشارہ کرنے اور مقام شہود کو پہنچنے کی طلب میں

۵ء کردہ در ہمہ اضداد ظہور ‌ ‌ ‌ ہیچ ضد نیست ز نزدیکِ تو دور

۶ء جامی از ہستیٔ خود پاک شدہ ‌ ‌ ‌ در رہِ فقر و غنا خاک شدہ

۷ء در بقائے تو فنا می خواہد ‌ ‌ ‌ وز فنا در تو بقا می خواہد

۸ء چوں فنا شد بہ بقائیش برساں ‌ ‌ ‌ بر سرِ صدرِ صفائیش برساں

۹ء از خود و کارِ خودش فانی دار ‌ ‌ ‌ واں فنا را بوئے ارزانی دار

۱۰ء کن صافی صفتاں رہ بریش ‌ ‌ ‌ متّصف دار بصوفی گریش

ترجمہ وتشریح ① اے وہ کہ جہان تیرے فیض وجود سے پُر ہے، ہر چیز تیرے نور میں ڈوبی ہوئی ہے خواہ ظاہر ہو یا چھپی ہوئی، مطلب یہ ہے کہ جہان کا کوئی ذرّہ بھی ایسا نہیں جو تیرے وجود کے فیض سے خالی اور تیری ہستی کے نور میں ڈوبا ہوا نہ ہو، یہ شعر اللّٰہ نور السمٰوات والارض، واللّٰہ علیٰ کلِ شیئٍ محیط ہ کی ترجمانی ہے ② صورت ومعنیٰ ظاہر وباطن، مجاز اور حقیقت سب کا مایہ تو ہے، تو سب کے ساتھ ہے، سب سے جدا ہے، اے وہ کہ سب تو ہی ہے مطلب یہ ہے باعتبار قیوّمیّت اور علمیّت کے تو سب کے ساتھ ہے لیکن چونی یعنی مثل اور برابری، بے چگونی یعنی حال اور کیفیت کے اعتبار سے تو مخلوق سے جُدا ہے کہ وہ چون وچند کہ مثل مانند اور کس قدر اور کتنی کی صورت رکھتی ہے یعنی مخلوق مشابہت اندازہ وشمار رکھتی ہے مگر حق تعالیٰ بے چون وچگون ہونے کی وجہ سے مخلوق کے احکام و آثار سے علیٰحدہ ہے اس کی مثال ہے نہ مشابہت، نہ اندازہ ہے نہ شمار، اس کے باوجود سب کچھ وہ ہے سب کی ماہیت وحقیقت بھی وہ ہے اور اس کی صورت علمیہ ہے اور اس کی صورت کے احکام ونشانات چون وچند ہیں، ③ بے نصیب تجھ سے نہ چند ہے نہ چوں، خالی تجھ سے نہ درون ہے نہ برون، مطلب یہ ہے کہ چند وچوں یعنی مخلوق نہ تو از خود آگئی ہے اور نہ تیرے سوائے اور نے اس کو بنایا ہے بلکہ وہ تیرے وجود دینے سے موجود ہوئی، اور تیرے ظاہر کرنے سے ظہور میں آئی، اس بنا پر درون اور بیرون، اندر اور باہر، باطن اور ظاہر دونوں تجھ سے خالی نہیں، جب وجود عالم ظہور میں نہ آیا تھا بلکہ وہ اللہ کے علم قدیم میں موجود تھا اس کو درون کہا گیا اور جب وجود عالم ظہور اور عالم عین میں آگیا اس کو برون کہا گیا گویا باطنی علم کو درون اور ظاہر علم اور عین کو برون کہیں تو یہ مطلب ہوگا الہٰی! اندر بھی تو ہے اور تیرا فیض وجود اور باہر بھی تو ہے اور تیرا فیض وجود اور جب تیرا فیض وجود عالم بطون میں تھا اور عالم ظہور میں نہیں آیا تھا اس وقت تیری نشانی یہ تھی کَانَ اللّٰہُ ولم یکنْ معہ شیئٌ، ”اللہ تھا اور اس کے ساتھ

کوئی چیز نہ متی ④ تیری اوّلیت اور آخریت ایک ہے اور تیری ذات پاک میں باطنیت وظاہریت متفق اور ایک ہیں مطلب یہ ہے کہ ھُوَالْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ کی نسبتیں باعتبار مخلوق کے ہے باعتبار خالق کے نہیں، یہ نسبتیں اس وقت پیدا ہوئیں اور کہنے میں آئیں جب اللہ تعالیٰ نے تجلّیِ اول کی، جس سے ہر ایک شے کے آثار نے تفصیل وتمیز پائی تو اوّل وآخر ظاہر و باطن کے پیدا ہونے پر بھی تو ہی اول اور تو ہی آخر تو ہی ظاہر اور تو ہی باطن ہوا، اور چونکہ ان نسبتوں کا ظہور تیری تجلی سے ہے تو فی الحقیقت تیری اوّلیت و آخریت، ظاہریت و باطنیت متحد و متفق ہوئی ایک دوسرے کی ضد نہیں جو تیری ذات پاک میں جمع نہ ہوں یا تیری ذات کے علاوہ ان کی کوئی حقیقت ہو، کیونکہ تو اپنی ذات پاک سے ایسا ہے کہ ⑤ تو نے تمام اضداد میں جو اپنے اپنے احکام و آثار کی وجہ سے ایک دوسرے کی اضداد ہیں ظہور کیا، اگر دن ہے تو اس میں بھی کوئی ضد نہیں جو تیرے نزدیک دور ہو اور اپنی ضد کے ہونے کی وجہ سے تیرے علم میں نہ رہے اور ان واقعات کی صداقت اور تیری ہستی کے اثبات وظہور کی وجہ سے ⑥ جامی اپنی ہستی سے پاک ہوگیا اور اپنی موہوم اور بےحقیقت ہستی کو نابود کرکے فقر و فنا کی راہ میں خاک ہوگیا ⑦ تیری بقا میں فنا (اپنی ہستی کا نیست و نابود) ہونا چاہتا ہے اور اس فنا سے تجھ میں بقا چاہتا ہے یعنی یہ نہ ہو کہ اس ہستی کا وجود مہمل ہو جاوے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ ہستی حقیقی کا ظہور اس کے قلب پر ہر حال میں رہے ⑧ خود سے اور اس کے کام سے اس کو فانی رکھ اور یہ فنا اس کو میسّر فرما، مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ایسا ہو کہ میں خود کو کچھ سمجھوں اور اپنے کئے ہوئے کاموں کو یہ سمجھوں کہ یہ کام میں نے کیا، اور ایسے کیا، میرے اس خیال اور گمان کو فنا کردے اور اس کا نام و نشان نہ رہے ⑨ جب یہ فنا ہو جاوے تو اس کو بقا تک پہنچا دے اور اس کو مسندِ صدر و صفا پر بٹھا دے ⑩ اور پاکیزہ صفت والوں کی طرف اس کی رہبری فرما اور طریقہ تصوّف کی صفات و آداب سے اس کو موصوف کر۔ آمین یارب العالمین،

قدوۃ العارفین زبدۃ الصالحین فی زمانہ مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے کمالات میں مشتے از خروارے ڈھیر میں سے ایک مٹی یا پھولوں کے باغ سے چند پھول چن کر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، مناجات جامی میں سے اشعار کتاب کے آخر میں لکھ کر کتاب تمام کی، اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام اہل اسلام کو سب بزرگوں کے فیض سے مستفیض اور ان کے علوم و عرفان سے مستفید اور ان کی محبت اور اتباع کرنے والوں میں شامل کرے۔ "آمین"

فقط والسلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین برحمتک یاارحم الراحمین،

بندہ محمد ادریس الانصاری۔

یوم الخمیس، جمعرات ۱۲، جمادی الاول ۱۴۰۱ھ

مقدمہ نفحات الانس

الحمد لله الذی جعل مرائی
قلوب اولیائه مجالی جمال
وجهه الکریم والاح منها
علی صفائح وجوهم لوایح
نوره القدیم فصار وابحیث
اذا رأو اذکرالله والصلوٰة علی
افضل من ارتفع حجب
الکون عن بصر بصائرهم
وانکشف سر سریان
وجوده الساری فی الکل
علی سرائرهم فمارأ و
فی الوجود الا ایاه
وعلی اٰله الطیبین
واصحابه الطاهرین
وعلی من تبعهم و
تبع تابعهم اجمعین
الی یوم الدین -

شکر اور تعریف اللہ کے لیے کہ جس نے اپنے دوستوں
کے دل کے آئینہ کو اپنی ذات کریم کے جلوہ کی جلوہ گاہ
بنا دیا اور بقاعدہ الاناء یترشح بما فیہ برتن سے
وہی کچھ نکلتا ہے جو اس میں ہوتا ہے ،، اپنے نور قدیم
کے پرتو ان کے چہروں کے صفحات پر ظاہر فرما دیئے
پس وہ ہو گئے اس مقام میں کہ اذا رؤا ذکر اللہ
جب ان کا دیدار کیا جائے ۔ تو اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے[1]
اور خدا تعالیٰ کی صلوات اور رحمت ہو اس ذات پر
جو ارباب فناء و بقا میں سب سے زیادہ بزرگ ہستی
ہے یعنی اس جماعت کے سپہ سالار اور امیر پر جن لوگوں
کی دلوں کی آنکھوں سے "کون" یعنی مخلوق کے پردے[2] اٹھ
گئے اور کل مخلوق میں ذات حق سبحانہ، کے وجود کا
سریان[3] ان کے باطن پر منکشف ہو گیا پس وہ نہیں
دیکھتے وجود میں مگر اس کو اور رحمت ہو آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کے خانوادہ پر اور آپ کے اصحاب پر اور
اس جماعت پر جو ان کی پیروی کرے اور ان پر جو ان
کی پیروی کرنے والوں کی پیروی کرے قیامت تک

---

[1] یہ اشارہ اس حدیث پر ہے جو یوں روایت کی گئی "کہ آپ سے کہا گیا - یا رسول اللہ من اولیاء اللہ عزوجل قال صلی اللہ علیہ وسلم الذین اذا رأو ذکر الله سبحانه یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے اولیاء کون لوگ ہیں؟

آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ سبحانہ' ولتعالیٰ کو یاد کیا جاوے "

۲ؔ یعنی اس جماعت کے سپہ سالار پر کہ ان کی قوت مدرکہ سے صُوَرِ کونیہ جو شہود حق سبحانہ، سے مانع تھیں۔ وہ فانی اور نیست ونابود ہوگئی ہیں اور وہ لوگ حق سبحانہ، کے ساتھ اس طرح پر باقی ہوگئے ہیں کہ کل کائنات یعنی سب اشیاء میں حق تعالیٰ کا مخفی وجود ان کے اخفیٰ مدارک پر منکشف ہوگیا ہے اور مخلوق کے پردے ان کے ادراک سے مرتفع ہوگئے ہیں کہ وہ حضرات ہر چیز کے وجود میں اللہ سبحانہ کے وجود کو دیکھتے ہیں یعنی یہ کہ یہ چیز نہ خود وجود میں آئی ہے اور نہ اپنے وجود سے قائم ہے۔ بلکہ اللہ نے اس کو وجود بخشا اور اس کے وجود سے قائم ہے ۳ؔ حق سبحانہ، کے وجود کے سریان کا مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوق اور کل موجودات میں ظاہراً و باطناً اس کی تجلی اور اس کا ظہور ہے۔ یعنی کسی چیز کا کسی مرتبہ میں بھی اس کے بغیر وجود اور ثبوت نہیں ہوسکتا۔

اما بعد، گوید پائے شکستہ زاویہ خمول وگم نامی عبدالرحمٰن بن احمدؒ الجامی ثبتہ اللہ علیٰ منہج الصدق والسداد فی العمل والقول والاعتقاد کہ شیخ امام عالم عارف ابوعبدالرحمٰن محمدؒ بن حسین السُّلَمِی النیشاپوری قدس اللہ تعالیٰ روحہ، در بیان سیر و احوال مشائخ طریقت قدس اللہ ارواحہم کہ کبرای دین و عظمار اہل یقین اند و جامع اند میان علوم ظاہر و باطن کتابے جمع کردہ است و آں را طبقات الصوفیہ نام نہادہ و آں را پنج طبقہ گردانیدہ و طبقہ عبارت از جماعتے داشتہ کہ در زمانِ واحد یا در ازمنہ متقارب بہ انوارِ ولایت و آثار ہدایت از ایشاں روی نمودہ۔ و سفر و رحلت مریدان و مستفیدان بالشیاں بودہ۔ و در ہر طبقہ بیست تن از مشائخ و آئمہ و علمار دین این طائفہ ذکر کردہ۔ و بحسب اقتضار وقت و مقام از کلمات قدسیہ و شمائل مرضیہ ایشاں آنچہ دلالت می کند بر طریقت و علم و حال و سیرت ایشاں

حمد و ثنا کے بعد گمنامی کے گوشہ میں پڑا ہوا بے دست و پا عبدالرحمٰن ابن احمدؒ الجامی اللہ اس کو قول و عمل اور اعتقاد میں سچائی اور پختگی کی راہ پر قائم رکھے کہ شیخ امام عالم عارف ابوعبدالرحمٰن محمدؒ بن حسین السُّلَمِی النیشاپوری قدس اللہ روحہ، نے ان مشائخ طریقت کی جو بڑے دین دار اور اہل یقین بزرگ اور ظاہر و باطن کے علوم کے درمیان جامع تھے ان کی عادات اور حالات کے بیان میں ایک کتاب جمع کی اور اس کا نام طَبَقَاتُ الصُّوفِیَہ رکھا اور اس کے پانچ طبقے بنا دیئے اور طبقہ " درجہ " سے انکا مقصد وہ جماعت ہے جن کے ولایت کے انوار، اور ہدایات کے آثار ایک زمانہ میں یا قریب زمانہ میں ظاہر ہوئے اور مریدوں اور استفادہ کرنے والوں کا سفر رحلت " کوچ " ان کی طرف رہا ہو ہر طبقہ میں، اس گروہ کے مشائخ آئمہ اور علمار میں سے ۲۰ آدمیوں کا ذکر کیا اور وقت اور مقام کے لحاظ سے ان کے ایسے پاکیزہ کلمات اور پسندیدہ عادات کو بیان میں لائے۔ جو ان حضرات

دربیان آوردہ وحضرت شیخ الاسلام کہف الانام ناصر السنۃ قامع البدعۃ ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد الانصاری الہروی قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ آن را در مجالس صحبت ومجامع تذکیر وموعظت املائی فرمودہ اند۔ وسخنان دیگر بعضے از مشائخ کہ دراں کتاب مذکور نشدہ وبعضی از اذواق و مواجید خود بر آں می افزودہ ویکے از محبان و مریداں آن را جمع می کردہ ودر قید کتابت می آوردہ۔

کی طریقت پر ان کے علم وحال اور سیرت پر دلالت کرتے ہیں۔" یعنی جن سے انکا طریقہ سلوک، علم اور حالات اور ان کی سیرت وعادات لوگوں کو معلوم ہو جائیں اور حضرت شیخ الاسلام کہف الانام ناصر السنۃ قامع البدعۃ ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد الانصاری الہروی قدس اللہ روحہٗ اس کتاب کو صحبت کی مجلسوں اور وعظ ونصیحت کی محفلوں میں املاء فرماتے یعنی پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور بعض مشائخ کی دوسری باتیں جن کا اس کتاب میں ذکر نہ تھا۔ اور موجود نہ تھیں اور کچھ اپنے اذواق اور مواجید میں سے کچھ اور باتیں اپنی طرف سے اضافہ فرماتے اور ان کے مریدوں اور مخلصوں میں سے ایک مرید اس کو جمع کرتا تھا اور قید کتابت میں لے آتا تھا

والحق آں کتابے ست لطیف ومجموعہ الیست شریف مشتمل بر حقائق ومعارف صوفیہ ودقائق لطائف ایں طائفہ عَلِیَّہ

اور واقعی یہ کتاب نفیس مزیدار اور قابل قدر مجموعہ ہے، جو حقائق اور صوفیہ کے معارف پر مشتمل ہے اور اس طائفہ علیّہ کے باریک اور عمدہ باتوں کا ذخیرہ ہے۔

لیکن چونکہ وہ ہرات کی قدیم زبان میں تھی جو اس وقت بولی جاتی تھی اور لکھنے والوں کی تصحیف وتحریف یعنی رَدّ وبَدَل سے اس مقام میں پہونچ گئی تھی کہ بہت سے مواقع میں سہولت کے ساتھ اس کو سمجھنا اور آسانی سے اس کا مطلب سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اس کے علاوہ اس میں صرف چند متقدمین، اور پہلے مشائخ کا ذکر تھا، لیکن بعض اور مشائخ کے ذکر سے اور حضرت شیخ الاسلام اور ان کے زمانہ کے بزرگوں اور ان کے بعد میں ہونے والے سب بزرگوں کے ذکر سے خالی تھی۔ کئی دفعہ فقیر کے دل میں یہ بات آئی تھی کہ اپنی وسعت حوصلہ اور طاقت کے مطابق تحریر اور تقریر میں اس کی کوشش کروں اور جو کچھ اپنی سمجھ میں آجاوے اس کو آج کل کی زبان میں جو لوگوں میں متعارف یعنی رائج ہے اس کو لکھوں کچھ سمجھ میں نہ آوے حجاب، اور پوشیدگی میں چھوڑدوں اور دوسری معتبر کتابوں اور عمدہ معارف سے اس میں اضافہ کرکے، تشریح اور واضح بیان کے ساتھ لکھ دوں اور جن حضرات کا اس کتاب میں ذکر نہیں۔ ان کے احوال کی شرح، ان کے مقامات، معارف اور کرامات اور تاریخ ولادت وفات کو اس میں

شامل کردوں، لیکن کثرت مشاغل اور رکاوٹوں کے ہجوم کی وجہ سے یہ کام نہیں ہوسکا تھا۔ یہاں تک کہ ۸۸۱ھ
کی تاریخ میں " درویشوں سے محبت کرنے والا" ان سے کامل اعتقاد رکھنے والا اور فقر پر دلیر امیر نظام الدین علی شیر

دلیر امیر نظام الدین علی شیر اعزّہ اللّٰہ بعز
قبولہٖ بسلوک طریق وصولہ کہ بطوع واختیار از اعلےٰ
مراتب جاہ واعتبار اعراض نمودہ وبقدم تسلیم
و رضا بر سلوک جادۂ فقر و فنا۔ اقبال فرمودہ ازین
فقیر مثل آں صورتے کہ بر دلِ گزشتہ بود و در
خاطر متمکن گشتہ استدعا کرد و داعیہ قدیم صورت
تجدید یافت و دغدغہ سابق ہمّت تقویت
و تاکید پذیرفت ۔

اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قبول کی عزت سے عزت والا
بنائے اور اس کو اپنے تک پہونچنے کے راستہ پر چلنے
کی توفیق سے نوازے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی
رضا و رغبت سے جاہ و اعزاز کے اعلیٰ مرتبوں سے مُنہ
موڑ کر اور تسلیم و رضا کے قدم کے ساتھ فقر و فنا کا راستہ
طے کرنیکی طرف توجہ فرمائی۔ اس نے اِس فقیر سے وہی
نقشہ، صورت، جو فقیر کے دل میں آیا تھا اور فقیر کے دل
میں قرار پکڑ گیا تھا۔ اسکی استدعا کی۔ تو پرانے خیال نے
تازگی کی صورت پائی۔ پرانا خیال تازہ ہوگیا اور جو کچھ پہلے
تساہل اور تردّد تھا۔ اس میں استحکام کی صورت اور تاکید کی
کیفیت پیدا ہوگئی ۔

مجبوراً صدق ہمت اور خلوص نیت کے ساتھ اس مقصد کو پورا کرنا اور اس خواہش کو انجام دینا شروع کیا۔ اب
اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کے اعلیٰ اخلاق اور ان کی شفقت اور مہربانیوں کے دستور اور قاعدوں سے
یہ امید ہے کہ جب اولیاء اللہ کے انفاس طیبہ کی برکتیں اور ان کی ارواح مقدسہ کے فیضان سے ان کا وقت
خوش ہو تو اس جمع و تالیف کے لکھنے والے اور ذریعہ کو کہ جس نے مشائخ کے انفاس طیبہ کے ان نفحات
پر مشتمل ہونیکی وجہ سے جو حظائرِ قدس سے اٹھ کے بارگاہ محبت کے آرزومندوں کے دماغ پر پہونچے "نفحات
الانس من حضرات القدس" رکھا گیا یعنی اس کتاب کا نام "نفحات الانس من حضرات القدس" اس لیے رکھا
گیا ہے۔ کہ وہ مشائخ کے پاک انفاس کی اِن خوشبوؤں پر مشتمل ہے جو ان کو تو رب العلمین کی پاک درگاہ سے
ملیں اور پھر وہ شوق رکھنے والوں کے دماغوں میں پہونچیں۔ تو اس کتاب کے جمع کرنے والے کو اس کتاب
سے فائدہ اٹھانے والے اس کتاب کی تالیف کرنے والے کو اپنے گوشۂ دل میں رکھیں اور دعائے خیر میں
یاد رکھیں اور تمام حالات میں میرا بھروسہ مُہیمن و متعال پر خوف سے بے خوف کرنے والے بزرگ و برتر حفاظت
کرنے والے پر ہے ۔

تمہید فی القول فی الولایۃ والولی ولایت۔ تمہید ولایت اور ولی کی بات میں ۔

مشتق ست از ولی کہ قرب ست و آں ہر دو
قسم ست ولایت عامہ و ولایت خاصہ
ولایت عامہ مشترک ست میاں ہمہ مومناں
قال اللہ تعالیٰ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجہم
من الظلمت الی النور
ولایت خاصہ مخصوص ست بواصلان از ارباب
سلوک وھی عبارۃ عن فناء العبد فی الحق
وبقائہ بہ فالولی ھو الفانی فیہ والباقی فیہ۔
وفنا عبارت ست از نہایت سیر الی اللہ و بقا
عبارت ست از بدایت سیر فی اللہ چہ سیر
الی اللہ وقتی منتہی شود کہ بادیہ وجود

ولایت ولیؔ سے بنا ہے۔ جس کے معنیٰ قرب کے ہیں
اس کی دو قسم ہیں۔ ولایت عامہ اور ولایت خاصہ
ولایت عامہ میں تمام اہل ایمان شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے اللہ ولی ہے سب ایمان والوں کا ان کو
اندھیروں ”جہالتوں“ سے نکالتا ہے نور ”علم“ کی طرف
اور ولایت خاصہ صرف اہل سلوک کے واصلوں اور خدا
رسیدہ حضرات کو حاصل ہوتی ہے اور واصل ہونا یہ
ہے کہ بندہ کا خدا تعالیٰ کی ذات میں فنا ہوجانا اور اس کے
ساتھ باقی ہوجانا ہے۔ لہٰذا ولی وہ ہے جو فانی فی اللہ
ہو اور باقی باللہ ہو اور فناء سے مقصود یہ ہے کہ اللہ
تک اس کی سیر کی انتہا ہو۔ بقا کا مطلب یہ ہے کہ
اللہ کی ذات میں سیر کی ابتداء ہو۔ کیونکہ سیر الی اللہ
اللہ تک سیر اس وقت ختم ہوتی ہے کہ وجود کے جنگل کو

۱؎ حظائر، حظیرہ کی جمع ہے۔ مراد احاطہ ڈیوڑھی۔ وہ احاطہ جو بانس یا لکڑی وغیرہ سے جانوروں کی حفاظت کے واسطے بنائیں۔
قبرستان کے احاطہ کو بھی کہتے ہیں اور قبر کے گنبد کو بھی کہتے ہیں حظیرۃ القدس وہ مقام ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات
پڑتی ہیں ۲؎ نفحات۔ نفحہ کی جمع ہے۔ لغت میں اس کے معنیٰ خوشبو کا جوش مارنا پھوٹ پڑنا اور ظاہر ہونا ہے اور اِن باتوں
کے لیے مستعار کہ کوئی آدمی اس سے مستفید ہو اور اس کی اضافت اس کے ساتھ مسبب کی اضافت ہے۔ سبب
کی طرف یعنی وہ اچھی باتیں جو سامعین کے اُنس و محبت کا موجب بنیں اور وہ باتیں جو سننے والوں میں محبوب حقیقی جل مجدہٗ
کی محبت پیدا کریں اور اس کے تعلق کا ذریعہ بنیں اور حضرات قدس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جن کی صفت طبیعت کی آلودگیوں
برائیوں اور اخلاق ذمیمہ سے پاک ہے۔ لہٰذا النفحات الانس من حضرات القدس کے معنیٰ یہ ہوئے۔ وہ اچھی باتیں جو طالبوں کے
لیے موجب اُنس ہیں اور ان باتوں کے ظاہر ہونیکی جگہ نفوس قدسیہ مقدس اور پاک حضرات ہیں۔

رالقدم صدق بیکبارگی قطع کند و سیر فی اللہ آنگاہ متحقق شود کہ بندہ رالبعد از فناء مطلق و جودی و ذاتی مطہر از لوث حدثاں ارزاں دار و تا بداں در عالم اتصاف باوصاف الٰہی و تخلق باخلاق ربانی ترقی کند۔

صدق کے قدم کے ساتھ ایک دم قطع کر جاوے اور سیر فی اللہ اس وقت درست اور صحیح ہوتی ہے کہ بندہ کو فناءِ مطلق کے بعد ایک ایسا وجود اور ایک ایسی ذات عنایت ہو جاوے۔ جو "حدثان" یعنی مخلوق کی آلودگیوں سے پاک ہو۔ تاکہ اس وجود کے ساتھ دنیا میں صفات الٰہیہ کو اختیار کرے اور اخلاق ربانی کے ساتھ خوگر ہونے کے ساتھ ترقی کرتا رہے۔

ابو علی جوزجانی رح کہتے ہیں،

الولیّ ھوالفانی من حالہ والباقی فی مشاھدۃ الحق لم یمکن لہ عن نفسہ اخبار ولا مع غیر اللہ قرار۔

ولی وہ ہوتا ہے۔ جو اپنے حال سے فانی ہو۔ اور حق کے مشاہدہ میں باقی ہو، اس کے لیے یہ ممکن نہ ہو کہ وہ اپنی طرف سے کوئی خبر دے اور نہ وہ اللہ کے غیر کے ساتھ آرام پائے۔ یعنی اللہ کے ساتھ اسے چین ملے اور مخلوق کے ساتھ بے چین رہے۔

حضرت ابراہیم ادھم رح نے کسی آدمی سے کہا۔

خواہی کہ ولی باشی از اولیاء اللہ۔ گفت بلے خواہم گفت "لاترغب فی شیٔ من الدنیا والاخرۃ وافرغ نفسک للہ تعالیٰ و اقبل وجھک علیہ

کیا تو چاہتا ہے کہ اللہ کے اولیاء میں سے تو ولی ہو جاوے۔ اس نے کہا ہاں چاہتا ہوں ابراہیم نے کہا۔ دنیا اور عقبےٰ کی کسی چیز سے رغبت نہ کر کہ ان کے ساتھ رغبت کرنا حق سبحانہٗ سے اعراض کرنا یعنی منہ موڑنا ہے اور اپنے کو خداوند تعالیٰ کی دوستی کے لیے فارغ کر اور دنیا اور عقبیٰ کو دل میں راہ نہ دے۔ بلکہ دل کا رخ، اور دل کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف کرے اور جب یہ[1] صفات تجھ میں موجود ہوں گی تو ولی ہو جائے گا۔

اور رسالہ قشیریہ میں ہے۔

انّ الولی لہ معنیان احدھما

کہ ولی کے دو معنیٰ ہیں ایک تو فعیل مفعول کے معنیٰ میں

[1] بظاہر اس تعریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولایت خاصہ میں فقط فناء ہی کافی ہے۔

فعیل بمعنی مفعول و هو من یتولی الله امره قال الله تعالی وهو یتولی الصالحین فلا یکله الی نفسه لحظة بل یتولی الحق سبحانه رعایته۔

والثانی فعیل مبالغة من الفاعل وهو الذی یتولی عبادة الله وطاعته فعبادته تجری علیه علی التوالی من غیر ان یتخللها عصیان وکلا الوصفین واجب حتی یکون الولی ولیا یجب قیامه بحقوق الله علی الاستقصاء والاستیفاء ودوام حفظ الله ایاه فی السراء والضراء۔

ومن شرط الولی ان یکون محفوظا کما ان من شرط النبی ان یکون معصوما فکل من کان للشرع اعتراض فهو مغرور مخادع۔

ہیں اور وہ وہ شخص ہے جس کے کام کو اللہ اپنے ذمہ لیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ صالحین کا متولی اور کام کرنے والا ہے۔ پس وہ اس کو اس کے حوالہ نہیں کرتا، بلکہ حق سبحانہ اس کی دیکھ بھال خود کرتا ہے اور اس کے کام بذات خود بناتا ہے۔

اور دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ فعیل صیغہ مبالغہ ہے، فاعل کے معنیٰ میں اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ولی وہ شخص ہے جو اللہ کی عبادت اور اس کی طاعت کو اپنے ذمہ لے لے پس اس کی عبادت و بندگی تسلسل کے ساتھ اس پر اس طرح جاری رہے کہ اس کے درمیان میں گناہ نہ آئے اور اس کی طاعت کے دوران معصیات خلل نہ ڈالیں اور یہ دونوں صفتیں[1] ولی میں ضروری ہیں اور جب یہ دونوں صفتیں اس میں موجود ہوں گی۔ تب وہ ولی حقیقت میں ولی ہوگا اور ہر حال میں خوشی میں اور تنگی میں ہمیشہ اللہ کو یاد[2] رکھنا اور اس پر نظر رکھنا اس کا کام ہوگا۔

اور ولی کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ گناہ سے محفوظ[3] ہو جس طرح کہ نبی کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ گناہ سے معصوم ہو پس ہر وہ شخص کہ اس پر شریعت کا اعتراض ہو۔ پس وہ دھوکہ اور مکر میں مبتلا ہے[4]۔

---

[1] پہلی بات کی تاکید ہے یعنی ولایت میں اللہ کے حقوق کا پورا کرنا اور ان کے پورا کرنے کی کوشش میں لگے رہنا کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے کوئی حق ضائع نہ ہونے پائے۔ [2] اور خوش حالی میں اللہ کی یاد رہے کہ وہ اسے غفلت میں نہ ڈال دے اور نعمت نعمت والے سے دور نہ کردے۔ اور منعم تعالیٰ کا شکر بجالائے اور بدحالی اور مصیبت میں مصیبت بھیجنے

قصد ابو یزید بسطامی قدس الله تعالیٰ روحہ بعض من وصف بالولایة فلما رئی فی مسجده قصد ینتظر خروجه فخرج الرجل ورمیٰ بزاقه تجاه القبلة فانصرف ابو یزید ولم یسلّم علیه وقال هذا رجل غیر مامون علیٰ ادب من آداب الشریعة فکیف یکون امینا علیٰ اسرار الحق۔

حضرت ابو یزید بسطامی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے ایک ایسے شخص کی زیارت کا قصد کیا جسکو لوگ صفت ولایت سے موصوف کرتے تھے جب اس کو مسجد میں دیکھا بیٹھ گئے اور مسجد سے اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ باہر آیا تو اس نے اپنا تھوک قبلہ کی طرف ڈالا جب شیخ ابو یزید نے یہ دیکھا تو اس کو سلام کئے بغیر واپس ہو گئے اور فرمایا کہ جس شخص پر شریعت کے آداب میں سے ایک ادب پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا جو کہ اصل چیز ہے۔ اس شخص پر ان حقائق کی نسبت کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے جو اعمال کا نتیجہ اور مغز ہے یعنی جس آدمی پر شریعت کے آداب میں سے ایک ادب پر اعتماد نہیں۔ تو وہ حق تعالیٰ کے رازوں پر کیسے امین ہو سکتا ہے۔

شخصے نزدیک شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ، در آمد و نخست پائے چپ اندر مسجد نہاد شیخ او را گفت باز گرد کہ ہر کہ در خانہ دوست ادب در آمدن ندارد ما را نشاید کہ باوے صحبت داریم

ایک آدمی، شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ، کی خدمت میں آیا اور مسجد کے اندر اس نے پہلے اپنا بایاں پاؤں رکھا۔ شیخ نے اسکو کہا یہاں سے چلا جا کہ جو شخص دوست کے گھر آنے کا "ادب" "دستور"، کو بھی نہیں جانتا۔ ہمارے لیے مناسب نہیں ہے کہ ہم اس کے ساتھ نسبت رکھیں۔ اور اس کو اپنے پاس رکھیں۔

شیخ رکن الدین علاء الدولة قدس اللہ روحہٗ، فرمودہ۔ انبیاء علیہم السلام از انشار گناہ عامداً معصوم اند و اولیاء از خوار و زشت گناہ محفوظ واز مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مرویست۔

شیخ رکن الدین علاء الدولة قدس اللہ روحہٗ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام عمداً گناہ کے کرنے سے معصوم ہیں اور اولیاء گناہ کی ذلت سے محفوظ ہیں۔ اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ اگر تو بخشتا ہے تو اے

---

[1] بزرگوں نے فرمایا من لاحظّ له فی الشریعة فلاحظّ له فی الطریقة۔ جس کا شریعت میں حصہ نہیں اسکا طریقت میں بھی حصہ نہیں۔

حاشیہ بقیہ صلا پر

ان تغفر فاغفر جما و ای
عبد لک لا الما۔

ونزدیک این بے چارہ ہیچ گناہ ہے بدتر ازین نیست کہ بندہ خود را مقصر و مجرم نداند

اللہ سب کو بخشدے۔ اور تیرا کونسا بندہ ہے کہ اسے گناہ نہ پہونچا ہو۔
اور اس عاجز کے نزدیک اس سے بدتر کوئی گناہ نہیں کہ آدمی اپنے کو قصوروار اور گناہ گار[1] نہ جانے

القول فی المعرفۃ والعارف والمتعرف والجاهل و فی الفصل الاول من الباب الثالث من ترجمۃ العوارف۔

بدانکہ معرفت عبارت است از بازشناختن معلوم مجمل در صورِ تفاصیل چنانکہ در علم نحو مثلاً بدرند کہ ہر یک از عوامل لفظی و معنوی چہ عمل کند، این شناختن دانستن بر سبیل اجمال علم نحو باشد" و بازشناختن ہر عاملے ازاں علی التفصیل در وقتِ خواندن سوادِ عربیت بے توقفی و رویتی و استعمال آں در محل خود معرفت نحو و بازشناختن بفکر و رویت لِتعرّف نحو۔ و غافل بودن ازاں با وجود علم سہو و خطا۔ پس معرفت ربوبیت عبارت بود از بازشناختن ذاتِ و صفاتِ

معرفت اور عارف یعنی صاحب معرفت اور متعرّف یعنی معرفت کی تلاش کرنے والا کہ وہ عارف بن جائے اور جاہل بھی یعنی بے علم اور نادان کے بیان میں اور کتاب عوارف کے تیسرے باب کی پہلی فصل کے ترجمہ میں جان تو کہ جو چیز تجھے اختصار اور خلاصہ کے طور پر معلوم ہو اس چیز کو تفصیلی صورتوں میں یعنی صاف صاف اور کھلے طور پر معلوم کر لینے کو معرفت کہتے ہیں[2]۔ مثلاً علم نحو میں یہ جان لینا کہ عوامل لفظی اور معنویہ میں سے ہر ایک عامل کیا عمل کرتا ہے۔ اس طرح کا جان لینا علم نحو کو اجمالی[3] جان لینا ہے اور پھر عربی عبارت کے پڑھنے کے وقت میں بغیر رُکے اور بغیر سوچے اس عبارت میں جو جو بھی عامل ہیں اور معمول ہیں تفصیلی طور سے ایک ایک عامل کو واضح طور پر جان لینا اور اس کے مقام میں روانی کے ساتھ

۱؎ یعنی اگر کوئی شخص بے گناہ ہونیکی طاقت رکھتا۔ تو خود کو بے گناہ رکھ سکتا تھا۔ لیکن اس کی کسی میں طاقت نہیں اس لیے خود کو بے گناہ جاننا گناہوں میں بدتر گناہ ہے۔ ۲؎ معرفت کا مطلب یہ ہے معلوم مجمل کو تفصیل سے پہچان لینا یعنی جو چیز اجمالاً معلوم ہو۔ خواہ وہ معلوم تصدیقی ہو۔ جیسے قواعد مدوّنہ "صرف و نحو یا دوسرے علوم کے جمع کیے ہوئے اصول اور قاعدے" اور خواہ تصوّری ہو۔ جس کی یہاں بحث ہو رہی ہے۔ ۳؎ مجمل۔ خلاصہ و اختصار کو کہتے ہیں۔ مفصل۔ تفصیل وار جو کھول کر بیان کیا گیا ہو۔ ظاہر اور صاف صاف واضح اور روشن کو کہتے ہیں۔ متعرِّف کسی چیز کو اتنا تلاش کرنا کہ وہ مل جائے اور معرفت کا متلاشی ہونا۔

الٰہی در صورِ تفاصیل احوال و حوادث و نوازل
بعد از انکہ بر سبیل اجمال معلوم شدہ باشد کہ
موجود حقیقی و فاعل مطلق اوست سبحانہٗ و تعالےٰ
و تا صورت توحید مجمل علمی مفصل عینی نگردد چنانکہ
صاحب علم توحید در صور تفاصیل وقائع و
احوال مُتجدّدہ متضا از ضرر و نفع و عطا و منع
و قبض و بَسط ضار و نافع و مُعطی و مانع و قابض
و باسطِ حق را سبحانہٗ، نہ بیند و نہ شناسد بے
توقفی و رویتی او را عارف نخوانند۔ و اگر
اول وہلہ ازان غافل بود و عنقریب حاضر
گردد و فاعل مطلق را جلّ ذکرہ در صور وسائط
و روابط باز شناسد او را متعرِّف خوانند نہ
عارف و اگر بکلی غافل بود و تاثیرات افعال
را حوالہ بو سائط کند او را ساہی و لاہی و مشرک
خفی خوانند مثلاً اگر توحید را التقریر می کنند و
خود را مستغرق بحرِ توحید می نماید و دیگرے
او را بر سبیل انکار باؤ باز گرداند و گوید این سخن
نہ از سر حالست بل نتیجہ فکر رویت در
حال بر نجد و بروے خشم گیرد و نداند کہ این
رنجش عین مصداق قول منکر ست و الاًّ
فاعلِ مطلق را در صورت این انکار باز
شناختے و بروے خشم نہ گرفتی و معرفت
الٰہی را مراتب ست اوّل آنکہ ہر اثرے
کہ یابد از فاعل مطلق جلّ ذکرہٗ داند چنانکہ گفتہ
شد۔ دوم آنکہ ہر اثرے کہ یابد از فاعل مطلق

بے تکلف اس کو استعمال کرنا۔ یہ نحو کی معرفت ہے۔
اور ان عاملوں کو اور ان کے معمولوں کو غور و فکر سوچنے
یا نحو کی کتاب میں دیکھنے یا کسی کے بتلانے سے معلوم
کرنا اور پہچاننا نحو کا تعرّف ہے اور ایسے آدمی کو نحو کا
مُتعرّف ؎ یعنی نحو کے علم کا تلاش کرنے والا اور اس کے
حاصل کرنے کی کوشش کرنے والا کہیں گے۔ اور باوجود
اس کے علم کے اس سے غافل اور بے پرواہ رہنا بھول
فراموشی غلطی و خطا ہے۔
پھر ربوبیت کی معرفت" یعنی خداوند تعالیٰ کی معرفت
کی تعبیر اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ اوّل جب اجمالی
طور پر یہ معلوم ہوگیا ہو کہ موجود حقیقی اور فاعل مطلق حق
سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔ تو اس اجمال کے بعد، حالات، مصیبتوں
گردشوں حادثات اور سختیوں کی تفصیلی صورتوں میں اللہ کی
ذات و صفات کو پہچاننا اور جب تک اجمالی توحید کی
علمی صورت تفصیلی اور عینی "دیکھی ہوئی" نہ ہو جاوے۔
مثلاً توحید کے علم والا اور توحید کی واقفیت رکھنے والا
نئے نئے اور ایک دوسرے کے مخالف واقعات،
حادثات اور حالات کو تفصیل اور جدا جدا شکلوں یعنی
نفع اور نقصان میں دینے۔ روکنے میں تنگی یا فراخی میں
مُضر، نقصان پہونچانے والا اور فائدہ دینے والا، عطا
کرنے والا اور روکنے والا، سکوڑنے والا اور کھولنے والا
تنگی ڈالنے والا اور فراخی کرنے والا جو شخص بے سوچے
اور بلا تاخیر بے دیکھے اور بغیر کشف کے حق سبحانہٗ تعالےٰ
کو نہ دیکھے اور نہ پہچانے۔ اس کو عارف نہیں کہیں گے
اور اگر اول وہلہ میں "یعنی پہلی دفعہ" اس تعالیٰ سے غافل

جل ذکرہ بیقین داند کہ آں نتیجہ کدام صفت ست از صفات او سوم آنکہ مراد حق را عزّ وجل در تجلی ہر صفتی بشناسد چہارم آنکہ صفت علم الٰہی را در صورت معرفت خود باز شناسد وخود را از دائرہ علم و معرفت بل وجود اخراج کند۔

ہوا۔ پھر جلدی ہی اُسکا حضور ہو جاوے اور فاعل مطلق جَلّ ذِکرہ کو اسباب اور وسائل کی صورتوں میں پھر پہچان لے اس کو مُتعرّف کہتے ہیں عارف نہیں کہتے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے پوری طرح غافل رہے اور افعال کی تاثیرات کو اسباب ووسائل کے حوالہ کردے ۔اسکو ساہی "بھولنے والا"، اور لاہی "غافل رہنے والا"، اور مشرک خفی یعنی "چھپا ہوا مشرک کہتے ہیں ۔مثلاً اگر توحید کی تقریر کرتا ہے اور خود کو توحید کے دریا میں ڈوبا ہوا ظاہر کرتا ہے اور دوسرا کوئی آدمی انکار کے طور پر اس تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تیری یہ باتیں تیرا حال نہیں بلکہ فکر اور علم کا نتیجہ ہے تو اس وقت وہ رنجیدہ ہو جاوے دل پر ملال لائے اور اس پر غصہ ہو جاوے اور یہ نہ جانے کہ میری یہ رنجش اور ناراضگی تو منکر کی بات کی عین تصدیق ہے ۔ ورنہ فاعل مطلق کو اس انکار کی صورت میں بھی پہچان لیتا اور اس پر غصہ نہ کرتا[2] معرفت الٰہی کے کئی مرتبے ہیں ۔پہلا یہ کہ جو اثر پائے اسکو فاعل مطلق جلّ ذکرہ کی طرف سے جانے ۔جیسے کہ بیان کیا جا چکا دوسرے یہ کہ جو اثر فاعل مطلق جلّ ذکرہ سے پائے تو یقین کے ساتھ جانے ۔کہ یہ اثر اس کی صفات میں سے فلاں صفت کا نتیجہ ہے ۔تیسرے یہ کہ حق عزّ وجل کی مراد کو ہر صفت کی تجلی میں پہچان لے چوتھے یہ کہ اللہ کے علم کی صفت کو اپنی معرفت کی صفت میں پہچانے

[1] مشرک کے معنی شرک کرنے والا یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی دوسرے کو شریک سمجھنے والے اور شرک کرنے والے کو کہتے ہیں۔ شرک خفی ۔ جو باعتبار زبان کی توحید والا ہو اور باعتبار حال کے شرک ہو کہ کاموں کی نسبت خالق کے بجائے مخلوق کی طرف کرے۔ [2] اگلے صفحہ پر

اور خود کو علم و معرفت کے دائرہ بلکہ وجود سے بھی نکال لے۔

چنانچہ حضرت جنیدؒ قدس اللہ سرہ، سے پوچھا گیا کہ معرفت کس کو کہتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا۔

المعرفۃ وجود جھلک عنہ قیام علمہ۔

معرفت یہ ہے کہ تیرے علم کے وقت تیرا جہل موجود ہو۔ یعنی اپنے علم کو حق تعالیٰ کا علم جانے۔ چونکہ جو علم صفت کمال کے ساتھ ہے۔ وہ تو اس کا ہے۔ جو اس کی طرف منسوب ہے۔ اس کو اپنی طرف منسوب پائے گا اور اپنی حقیقت کے مناسب پائے گا یعنی علم والا تو اللہ کو جانیگا اور اپنی جہالت کو پہچانے گا۔

یا صفت جہل کے ساتھ کہ جو عدمی صفت ہے یا صفت سلبی ہے

لوگوں نے کہا۔ آپ اسے کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مزید وضاحت فرمائیں۔ تو حضرتؒ نے فرمایا۔

ھو العارف والمعروف۔ وہ خود ہی عارف ہے اور خود ہی معروف![1]

اور جس قدر قرب کے درجے زیادہ ہوتے ہیں۔ اللہ کی عظمت کے نشانات زیادہ ظاہر ہوتے ہیں۔ اپنی جہالت کا علم زیادہ حاصل ہوتا ہے اور معرفت، شناخت اور پہچان میں! ناشناسی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور حیرت پر حیرت بڑھتی جاتی ہے[2]، اور "رب زدنی تحیرا الیک" کی فریاد عارف کی طبیعت اور

---

[2] اس لیے کہ عارف کو غصہ نہیں ہوتا مگر اللہ کے واسطے اور اس معاملہ میں اللہ کے واسطے اس کا غصہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اعتراض کرنیوالا حق کے ساتھ ہے۔ یعنی اس کا اعتراض تو اللہ کی طرف ہے[3] حاصل یہ ہے کہ جس معرفت کو اپنی طرف منسوب جانے اس نسبت کو اپنے سے قطع کر دے یہ بات اور جو بات شیخ جنید سے منقول ہے اس توحید کے مسائل کی بنا پر ہے۔ جو انکا گمان ہے اور انکی زبان میں اس کی شرح کی جائے گی اور اس قسم کی باتوں کی شرح ان حضرات کی زبان میں ہوگی اور اس طریقہ پہ ہوگی۔ جو آگے سنایگا۔

---

[1] یعنی یہ بات کہ اس آدمی کا علم حق کے ساتھ منسوب ہے۔ بعید از عقل نہیں، سوال کرنے والے نے مزید وضاحت کی درخواست کی کہ اس کو کھول کر فرمائیں۔ جواب دینے والے نے استبعاد کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ وہی عارف ہے۔ بلکہ معروف بھی وہی ہے پس عارف کی طرف جو علم منسوب ہے۔ اس کی طرف منسوب ہو سکتا ہے [2] جس قدر تجلیات زیادہ ہونگی حیرت بڑھیگی۔ اس لیے پے در پے تجلیات کے آنے سے تجلیات کا نامتناہی ہونا سمجھ میں آئے گا اور تجلیات نامتناہی کی سوچ جو حق سبحانہ، کی عظمت کے استیلاء کا موجب حیرت ہے اور حیرت کی زیادتی کی خلت اس بنا پر ہے کہ حیرت کے ساتھ لذت ہے۔ اور ہر شخص لذت کا طالب اور خواہش مند ہے

اُس کے دل سے نکلتی ہے اور جو باتیں تقریر اور بیان میں واقع ہوتی ہیں۔ یہ سب علم معرفت ہے معرفت نہیں ہے، چونکہ معرفت، وجدانی حال، ہے اور پا لینے کی چیز ہے اور آدمی اس کیفیت کو بیان کرنے اور کہنے سے قاصر ہے۔ ہاں علم اس کی تمہید، دیباچہ اور ابتدائی حصہ ہے۔

پس معرفت بے علم محال باشد و علم بے معرفت وبال

لہٰذا معرفت بغیر علم کے محال اور ناممکن ہے اور علم بے معرفت کے وبال مصیبت اور عذاب[سے] ہے۔

القول فی معرفة الصوفی والمتصوف الملامتی والفقیر والفرق بینهم وفی فصل العاشر من باب الثالث من توجمة العوارف۔

صوفی اور مُتصَوِّف اور ملامتی اور فقیر کی تعریف کے بیان میں اور ان سب میں جو فرق ہے اس کے بیان اور عوارف کے تیسرے باب کی پہلی فصل کے ترجمہ میں۔

بدانکہ مراتب طبقات مردم علیٰ اختلاف درجاتہم بر سہ قسم ست قسم اول مرتبہ واصلان کاملان و آن طبقہ علیہ ست

جان تو کہ درجوں کے اعتبار سے مردوں کے تین طبقہ ہیں پہلی قسم کامل واصلوں کا درجہ ہے اور یہ لوگ اونچے درجہ کے ہیں۔

قسم دوم مرتبہ سالکانِ طریق کمال و آن طبقہ وسطیٰ است

اور دوسری قسم کمال کی راہ پر سلوک کرنے والوں کا درجہ ہے اور یہ متوسط "درمیانی" درجہ کے لوگ ہیں

وقسم سوم مرتبہ مقیمان وہدۂ نقصان و آن طبقہ سفلی است۔

اور تیسری قسم نقصان کے گڑھے میں قیام کرنے والے اور پڑے رہنے والوں کا درجہ ہے اور یہ سُفلی "نچلے درجہ" کے لوگ ہیں۔

واصلان مُقرَّبان و سابقانند" و سالکان ابرار و اصحاب الیمین، و مقیمان اشرار و اصحاب شمال

جو لوگ واصل ہیں۔ وہ مقربین و سابقین ہیں اور جو لوگ سالک اور طریقہ کمال پر چلنے والے ہیں۔ وہ ابرار اور اصحاب یمین ہیں یعنی نیکیاں کرنے والے، جن کے اعمال نامے قیامت کے دن داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور جو لوگ نقصان اور خسران کے گڑھے میں ٹھہرے ہوئے ہیں وہ اشرار" بدیوں والے اور اصحاب شمال ہیں اُنکے اعمال نامے قیامت کے دن بائیں ہاتھ میں دیئے جائینگے

[سے] کیونکہ جو شخص عالم ہے اور عامل نہیں اس پر اس کی گرفت ہوگی کہ اس نے علم کے مناسب عمل نہیں کیا۔

واہل وصول بعد از انبیاء صلوات الرحمٰن علیہم دو طایفہ اند اول مشائخ صوفیہ کہ بواسطۂ کمال متابعت رسول اللہ علیہ وسلم مرتبۂ وصول یافتہ اند و بعد از آن در رجوع برائے دعوت خلق بطریق متابعت مامور و ماذون شدہ اند۔ و این طایفہ کاملان مکمل اند کہ فضل و عنایت ازلی ایشاں را بعد استغراق در عین جمع و بحرِ توحید از شکم ماہی فنا بساحلِ تفرقہ و میدانِ بقا خلاصی و مناصی ارزانی فرمودہ تا خلق را بنجات و درجات دلالت کنند

اور انبیاء صلوات الرحمٰن علیہم کے بعد جو حضرات واصل اور مُقرّب ہیں ان کی دو جماعتیں یا دو درجے ہیں۔ اول وہ مشائخ صوفیہ کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت کے ذریعہ سے وصول کا مرتبہ پالیا ہے اور اس کے بعد مخلوق کو متابعت کے طریقہ کی دعوت دینے کے واسطے اور ان کو شرع کی پیروی کی طرف بلانے کے لیے مخلوق پر اپنی توجہ مرکوز کرنے پر مامور و ماذون ہو گئے ہیں اور یہ جماعت وہ ہے۔ جو خود کامل ہیں اور دوسروں کو کامل بنانے والے ہیں، کیونکہ ازلی عنایت اور اس کے فضل نے ان کو جمعیت کے چشمہ اور توحید کے بھنور میں غرق ہونے کے بعد فنار کی مچھلی کے شکم سے نکال کر تفرقہ کے ساحل اور بقا کے میدان میں نجات اور ظاہر ہونے کی جگہ عنایت فرمادی ہے۔ تاکہ وہ مخلوق کو نجات کا راستہ دکھائیں۔

واما طایفہ دوم آں جماعت اند کہ بعد از وصول بدرجۂ کمال حوالۂ تکمیل و رجوع بخلق بایشاں نرفتہ و غرقہ بحر جمع گشتند و در شکم ماہیِ فنا چناں ناچیز مستہلک شدند کہ از ایشاں ہرگز خبرے و اثرے بساحلِ تفرقہ و ناحیتِ بقا نرسیدہ و در سلکِ زمرۂ سکان قبابِ غیرت و قطان دیارِ حیرت انخراط یافتند و بعد از کمال وصول ولایت تکمیل دیگراں بایشاں مفوض نگشت۔

اور دوسری جماعت وہ لوگ ہیں۔ کہ درجۂ کمال پر پہونچنے کے بعد دوسروں کی تکمیل اور مخلوق کی طرف رجوع ہونا ان کے حوالہ نہیں کیا گیا اور وہ جمع کے سمندر میں غرق رہے۔ اور فناء کی مچھلی کے شکم میں ایسے ناچیز، بے حقیقت اور ہلاک ہوگئے۔ کہ ساحل تفرقہ اور بقا کے گوشہ پر نہ ان سے کبھی کوئی خبر پہونچی اور نہ کوئی نشاں اور غیرت کے قبوں میں ٹھہرنے والوں اور حیرت کے ملک میں رہنے والوں کے گروہ کی لڑی اور سلسلہ میں پرو دیئے گئے اور کمال ولایت پر پہونچنے کے بعد دوسروں کی تکمیل ان کے حوالہ نہیں ہوئی۔

واہل سلوک نیز بر دو قسم اند طالبان مقصد اعلیٰ

اور اہل سلوک بھی دو قسم پر ہیں۔ اوّل وہ جو مقصد اعلیٰ

ومریدان وجہ اللہ۔ یریدون وجھہ۔
وطالبان بہشت ومریدانِ آخرت زو" و
منکم من یرید الاخرۃ۔
یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ جو اسکی ذات کو چاہتے ہیں اور دوسرے
وہ جو جنت کے طالب ہیں اور آخرت کے مرید ہیں
وَاَمّا طالبانِ حق دو طائفہ اند مُتَصَوِّفہ و مَلَامَتِیَہ۔
مُتَصَوِّفہ آں جماعت اند کہ از بعضے صفات
نفوس خلاص یافتہ اند وبعضے از احوال واوصاف
صوفیاں موصوف گشتہ ومُتَطَلِّع نہایات احوال
ایشاں شدہ ولیکن ہنوز بازیالی بقایای صفات
نفوس متشبث ماندہ باشند وبداں سبب
از وصول غایات ونہایاتِ اہل قرب وصوفیہ
متخلف گشتہ۔

کے طالب اور اللہ کی ذات عالی کے مرید ہیں۔
جو اس کی ذات کو چاہتے ہیں اور دوسرے وہ جو
جنت کے طالب ہیں اور آخرت کے مرید ہیں۔ اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے ومنکم من یرید الآخرۃ تم میں سے بعض
وہ ہیں۔ جو آخرت کو چاہتے ہیں۔
اور طالبان حق کے دو گروہ ہیں۔ ایک مُتَصَوِّفہ دوسرا
مَلَامَتِیہ۔ مُتَصَوِّفہ وہ لوگ ہیں۔ جو کہ نفوس کی بعض صفات
سے نجات پا چکے ہیں اور چھٹکارا حاصل کر چکے ہیں۔ اور
صوفیوں کے بعض حالات اور ان کی بعض صفات سے
موصوف ہو چکے ہیں۔ یعنی صوفیوں کے بعض حالات
وصفات رغیں پائے جاتے ہیں۔ اور ان کے حالات
کی انتہا سے واقف ہو چکے ہیں صفات نفوس کے
بقایا کے دامن پکڑنے والے رہ گئے[1] یعنی اسی سبب
سے وہ لوگ اہل قرب اور صوفیہ کے وصول کی انتہا اور
انجام سے پیچھے رہ گئے ہیں۔

وَاَمّا ملامتیہ جماعتے باشند کہ در رعایت معنیٰ
اخلاص ومحافظت قاعدہ صدق واختصاص،
غایت جہد مبذول دارند۔ در اخفاءِ طاعات
وکتمِ خیرات از نظر خلق مبالغت واجب
دانند باآنکہ ہیچ دقیقہ از صوالح اعمال مہمل نگذارند
وتمسک بجمیع فضائل ونوافل از لوازم شمرند و
مشرب ایشاں در کل اوقات تحقیق معنیٰ اخلاص

وبہر حال ملامتیہ وہ جماعت ہے کہ جو اخلاص کے معنیٰ
اور صدق واختصاص کے قاعدہ کی رعایت وحفاظت
میں انتہائی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور مخلوق کی
نظر سے بندگی کے اخفا اور نیکیوں کے چھپانے میں مبالغہ
کو ضروری اور واجب جانتے ہیں اس کے باوجود اعمال
صالحہ کا کوئی دقیقہ، لمحہ، بیکار نہیں چھوڑتے، اور ضائع
نہیں ہونے دیتے اور تمام فضائل ونوافل کے مضبوط

---

[1] یعنی متصوفہ وہ لوگ ہیں۔ جو نفسوں کی بعض صفات کو چھوڑ چکے ہیں اور صوفیوں کے بعض حالات وصفات ان میں موجود
ہیں اور ان کے انتہائی حالات سے بھی واقف ہیں پس اس کے باوجود وہ کچھ نفسانی خواہشات میں پھنسے ہوئے ہیں۔

بود ولذت شاں در تفرّدِ نظرِ حق باعمال و
احوال ایشاں و ہمچناں کہ عاصی از ظہور معصیت
پُر حذر بود ایشان از ظہور طاعت کہ مظنۂ ریا باشد
حذر کنند تا قاعدہ اخلاص خللِ نہ پذیرد و بعضے گفتہ
انہ الملامتی ھوالذی لا یظہر خیرا
ولا یضر شرا - ایں طائفہ ہر چند عزیز الوجود
وشریف الحال باشند ہنوز حجاب وجود
خلقیت از نظر ایشاں بکلی منکشف نشدہ باشد
وبداں سبب از مشاہدۂ جمال توحید ومعائنہ
عینِ تفرید محجوب ماندہ باشند، چہ اخفاءِ اعمال
وسترِ احوالِ خود از نظر خلق مشعر بوجود رؤیتِ وجود
خلق ونفس خود کہ مانع معنی توحید ونفس نیز از
جملہ اغیار ست ۔

پکڑنے کو لازمی اور ضروری شمار کرتے ہیں انکا مشرب
یہ ہے کہ تمام اوقات میں اخلاص کے معنیٰ کے پختہ اور
مضبوط کرنے میں مشغول رہیں اور کسی حال میں اخلاص
کی حقیقت میں فرق نہ آنے پائے اور انکی لذت اس
بات میں ہے کہ ان کے اعمال اور احوال صرف اللہ سبحانہٗ
کی نظر میں رہیں اور جس طرح کہ گناہ گار گناہ کے ظاہر ہونے
سے خوفزدہ رہتا ہے ۔ اسی طرح یہ لوگ عبادت اور
بندگی کے ظہور سے ڈرتے کہ کہیں رہتے ہیں ریا ۔ کا گمان
اور خیال نہ ہو جائے ۔ تاکہ اخلاص کے قاعدہ میں خلل واقع
نہ ہو جائے بعض حضرات نے کہا ہے ۔ الملامتی ھو
الذی لا یظہر خیرا ولا یضمر شرا ملامتی وہ آدمی ہے ۔ جو نیکی
کو ظاہر نہ کرے اور برائی کو دل میں نہ رکھے یہ جماعت اگرچہ
نادر الوجود اور شریف الحال ہوتی ہے، لیکن ابھی مخلوق
کے وجود کا حجاب ان کی نظر سے پورے طور سے نہیں
اٹھا ہے اور اس وجہ سے وہ لوگ جمال توحید کے مشاہدہ
اور عینِ تفرید کے معائنہ سے حجاب میں پڑے ہوئے
ہیں ۔ اس لیے کہ مخلوق کی نظر سے اپنے اعمال کا اخفاءً
اور اپنے حالات کا چھپانا اس کی خبر دیتا ہے کہ وہ مخلوق
کے وجود اور اپنے نفس کو دیکھ رہا ہے ۔ جو توحید کے
مضمون اور اس حقیقت کے حصول میں مانع ہے اور
نفس بھی غیروں میں سے ایک غیر ہے ۔

تا ہنوز بر حال خود نظر دارند اخراج اغیار از مطالعہ
اعمال واحوال خود بکلی نکردہ اند ۔

یہ لوگ ابھی تک اپنے حال پر نظر رکھتے ہیں اور خود کو دیکھ
رہے ہیں اور اپنے اعمال واحوال کے دیکھنے کی وجہ
سے کلی طور پر غیروں کو نہیں نکالا ہے ۔

وفرق میانِ ایشاں وصوفیاں آنست کہ جذبہ

ان ملامتیہ اور صوفیہ میں یہ فرق ہے عنایت قدیمہ کے

عنایت قدیمہ ہستی صوفی را بکلّی از ایشاں انتزاع کردہ بود و حجاب خلق و انانیت از نظرِ شہود ایشاں بر داشتہ لاجرم در ایشان طاعات وصدورِ خیرات خود را وخلق را درمیان نہ بینند واز اطلاع نظر خلق مامون باشند وباخفائے اعمال وسترِ احوال مقید نہ اگر مصلحت وقت در اظہار طاعت بینند اظہار کنند واگر در اخفا آں بینند اخفا کنند پس ملامتیہ مخلِصانند (بکسر لام)، وصوفیہ مخلَصانند (بفتح لام)، انا اخلصنٰہم بخالصۃ۔ وصف حالِ ایشان ست۔

جذبہ اور کشش نے صوفیہ کی ہستی کو کلیتہً ان سے کھینچ لیا ہے اور مخلوق وانانیت کا پردہ ان کی نظر سے اٹھا دیا ہے اس لیے بالضرور یہ لوگ بندگی کے کرنے اور خیرات کے صدور اور جاری ہونے میں اپنے کو اور مخلوق کو درمیان میں دیکھتے ہی نہیں اور مخلوق کی نظر کی اطلاع سے بے خوف رہتے ہیں اور اعمال کے اخفا اور حالات کے چھپانے میں مقید نہیں ہیں اگر وقت کی مصلحت طاعت کے اظہار میں دیکھتے ہیں۔ تو ظاہر کر دیتے ہیں اور اگر اُس کے اخفا میں دیکھتے ہیں تو اسے مخفی رکھتے ہیں۔ پس ملامتی مخلِص[1] لام کے زیر کے ساتھ ہیں۔ اور صوفیہ مخلَص (لام کے زیر کے ساتھ ہیں۔ آیت۔ انا اخلصنٰہم بخالصۃ ان کے حال کا بیان ہے یعنی صوفیہ مخلَص ہیں ہم نے ان کو خاص اپنے لیے بنالیا ہے کہ ان کی نظر غیر پر نہ پڑے بلکہ ہم پر رہے اور ہمارے ہو رہیں۔ غیر کے نہ رہیں۔

واما طالبان آخرت چہارم طائفہ اند۔ زہاد و فقرا و خدّام وعُبّاد

اور جو لوگ آخرت کے طالب ہیں۔ وہ چار گروہ ہیں۔ زاہد۔ فقرا۔ خدّام۔ عُبّاد

اما زہاد طائفہ باشند کہ بنور ایمان وایقان جمالِ آخرت مشاہدہ کنند و دنیا را در صورت قبح معاینہ بینند واز التفات بزینت مزخرف فانی او رغبت بگردانند واز جمال حقیقی باقی رغبت نمایند وتخلّف ایں طائفہ از صوفیہ باآنست کہ زاہد بحظ نفسِ خود از خلق محجوب بود چہ بہشت

زاہد لوگ وہ جماعت ہیں۔ جو ایمان ویقین کے نور سے آخرت کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور دنیا کو بھونڈی شکل میں دیکھتے ہیں۔ اور اس کی پُر فریب اور فانی زینت کی طرف سے رغبت اور توجہ کو ہٹا لیتے ہیں۔ اور جمال حقیقی باقی سے رغبت کرتے ہیں۔ اور یہ جماعت[2] صوفیہ سے اس لیے پیچھے رہ گئی ہے کہ زاہد اپنے نفس کے خط

---

[1] مخلِص، یعنی وہ لوگ اپنے اعمال کو خدا تعالیٰ کے واسطے خالص بناتے ہیں۔ کہ ان پر اللہ کے سوا کسی کی نظر نہ پڑے۔

[2] یعنی زاہد لوگ

مقامِ حظِ نفس ست فیہا ما تشتہی الانفس
وصوفی بمشاہدۂ جمالِ ازلی ومحبتِ ذاتِ لم یزلی
از ہر دو کون محجوب بود ہمچنانکہ از دنیا صرفِ
رغبت کردہ باشند واز آخرت نیز رغبش
مصروف بود پس صوفی را در زہد مرتبہ بود ورائے مرتبہ
زاہد کہ حظِ نفس ازاں دور بود

(خوشی اور فائدہ) میں مخلوق سے محجوب ہے۔ کیونکہ بہشت
حظِ نفس، یعنی نفس کی راحت اور خوشی کا مقام ہے" کہ
"فیہا ما تشتہی الانفس" اس میں وہ چیزیں ہونگی
جن کو نفوس چاہیں گے۔
اور صوفی جمال ازلی کے مشاہدہ اور ذات لم یزلی کی محبت
کی وجہ سے دونوں جہانوں سے محجوب ہے کہ جس طرح
وہ دنیا سے کنارہ کش ہے اور دنیا سے کنارہ کش ہے
اور دنیا سے اس نے اپنی رغبت کو ہٹا لیا ہے اسی طرح
آخرت سے بھی اس کی رغبت ہٹ چکی ہے۔ پس
صوفی کا مرتبہ زُہد میں زاہد کے مرتبہ سے اونچا ہے کہ
اس سے حظ نفس دور ہو چکا ہے اور اس میں نفس کا
کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔

واَمّا فقراء آں طایفہ اند کہ مالکِ ہیچ چیز از اسباب
واموال دینوی نباشند ودر طلبِ فضل و
رضوانِ الٰہی ترک ہمہ کردہ باشند وباعث
این طایفہ بر ترک یکے از سہ چیز باشد اول رجاءِ
تخفیف حساب یا خوف عقاب چہ حلال
را حساب لازم وحرام را عقاب دوم توقع
فضلِ ثواب ومسابقت در دخول جنت چہ
فقراء پانصد سال پیش از اغنیا بہ بہشت در
آیند سوم طلب جمعیت خاطر وفراغت اندرون
از برائے اکثار طاعات وحضور دل در آں و
تخلف فقر از ملامتیہ ومتصوفہ باآنست
کہ او طالب بہشت وحظ نفس خواست
والیشاں طالب حق وخواہاں قرب او۔ ورائ ایں

بہر حال فقراء وہ گروہ ہے۔ جو دنیاوی اسباب اور اموال
میں سے کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے
فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں سب کچھ ترک
کر چکے ہوں اور یہ حضرات دنیا کے مال ومتاع کو تین
وجوہات میں سے ایک وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ اول
تخفیف حساب یعنی حساب کو ہلکا کرنے کی امید، عذاب
کے ڈر سے۔ کیونکہ حلال کے لیے حساب لازم ہے۔
اور حرام کے لیے عذاب۔
دوسرے ثواب کی زیادتی اور جنت میں پہلے جانے
کی توقع کیونکہ فقراء، اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت
میں جائیں گے۔ تیسرے جمعیت قلب اور باطنی فراغت
کی طلب کی وجہ سے تاکہ طاعات زیادہ سے زیادہ
ہوں اور ان میں دل کا حضور قائم رہے۔ "جو مال کے چھوڑنے

اوورا مرتبۂ فقرست ولیکن خلاصۂ مقام
فقر در مقام او درج ست اسباب آنست
کہ صوفی را عبور بہر مقام فقر از جملہ شرائط و لوازم
ست و بر مقام کہ ازاں ترقی کند صفادہ و نقادۂ
آں را انتزاع نماید و رنگ مقام خودش دہد
پس فقر را در مقام صوفی وصفے دیگر زاید بود۔
و آں سلب نسبت جمیع اعمال و احوال و مقامات
ست از خود و عدم تملکِ آں چنانکہ ہیچ عمل
و ہیچ حال و ہیچ مقام از خود نہ بیند و بخود مخصوص
نداند بلکہ خود را نہ بیند پس او را نہ وجود بود و نہ
ذات و نہ صفت محو در محو و فنا در فنا بود
ایں حقیقت فقرست کہ مشائخ در فضیلت
آں سخن گفتہ اند و آنچہ پیش ازیں در معنی فقر
یاد کردہ شد رسم فقرست و صورت آں۔ شیخ
ابو عبداللہ خفیف قدس سرہٗ گفتہ است "الفقر
عدم الاملاک والخروج عن احکام الصفات"
و ایں حد۔ جامع ست مشتمل بر اسم فقر و حقیقت
آں و بعضے گفتہ اند۔ الفقیر الذی
لا یَمْلِکُ ولا یُمْلَکُ۔

دو فوقیت مقام صوفی از مقام فقیر بآنست کہ
فقیر بارادت فقر و ارادت حظ نفس محجوب
بود و صوفی را ہیچ ارادت مخصوص نہ بود و در
صورت فقر و غنا ارادت او نہ ارادت
حق محو بود بلکہ ارادت او۔ عین ارادت
حق باشد و بنا بریں اگر صورت فقر و رسم

کے سبب حاصل ہوتا ہے۔ اور ملامتیہ اور متصوفہ سے
فقیر کا پیچھے رہنا اس سبب سے ہے کہ وہ بہشت اور
اپنے نفس کی ہدایت کا طالب ہے۔ اور وہ دونوں گروہ
حق کے طالب اور اس کے قرب کے خواہاں ہیں۔
اور فقر میں اس مرتبہ کے علاوہ ایک اور مقام ہے۔ جو
ملامتیہ اور متصوفہ سے بڑھکر ہے اور وہ صوفیوں کا خاص
وصف ہے۔ کیونکہ اگرچہ صوفی کا مرتبہ فقر کے مرتبہ سے
بلند ہے، لیکن فقیر کے مرتبہ کا خلاصہ اس کے مقام میں
درج ہے، اور اس کا سبب یہ ہے، کیونکہ صوفی کے
لیے جو شرائط اور جو چیزیں اس کے لیے لازم ہیں ان میں
ایک یہ بھی ضروری چیز ہے۔ کہ وہ فقر کے مقام سے گزرا
ہو اور جس مقام سے کہ وہ ترقی کرتا ہے۔ اس کے خلاصہ
اور جوہر کو نکال لیتا ہے۔ اور اس کو اپنے مقام کا رنگ
دے دیتا ہے۔ پس فقر کو صوفی کے مقام میں آکر دوسری
صفت زیادہ ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام اعمال
واحوال و مقامات کی نسبت کو اپنے سے دور کر دینا۔
اور خود کو کسی چیز کا مالک نہ جاننا اسطرح کہ کوئی عمل اور
کوئی حال اور کوئی مقام وہ اپنی طرف سے نہیں دیکھتا
اور نہ اپنے ساتھ مخصوص جانتا ہے بلکہ وہ خود کو بھی
نہیں دیکھتا۔ پس اس کے واسطے نہ وجود ہوتا ہے۔
نہ ذات اور نہ صفت اور وہ محو در محو اور فنا در فنا
ہوتا ہے یہ کیفیت ہی فقر کی وہ حقیقت ہے
جس کی فضیلت میں مشائخ نے بات کہی ہے اور
اس سے قبل فقر کے معنیٰ میں جو بیان کیا گیا ہے۔ وہ
فقر کا نشان اور اس کی صورت ہے۔ شیخ ابو عبداللہ

ایں اختیار کند۔

بارادت واختیار خود محجوب نشود
چہ ارادت او ارادت حق باشد

ابوعبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ گفتہ است

خفیف قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا ہے "الفقر عدم الاملاک والخروج عن احکام الالتفات" یعنی فقر کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو اپنی مِلک نہ جاننا۔ جاننا اور صفات کے احکام سے نکل جانا۔ اور یہ تعریف جامع ہے۔ جو فقر کے اسم اور حقیقت دونوں پر مشتمل ہے اور بعضوں نے کہا ہے۔ الفقیر الذی لا یملک ولا یملک۔ فقیر وہ ہے۔ جو نہ کسی چیز کا مالک ہو اور نہ کوئی چیز اس کی مالک ہو۔ اور صوفی کا مقام فقیر کے مقام سے اس بنا پر اونچا ہے کہ فقیر فقر کی خواہش اور حظ نفس کے ارادہ کے باعث محجوب ہے اور صوفی کے لیے کوئی ارادہ مخصوص نہیں۔ اور فقر و غنار کی صورت میں اس کا ارادہ حق تعالیٰ کے ارادہ میں محو ہو جاتا ہے۔ بلکہ اسکا ارادہ بعینہٖ حق کا ارادہ ہو جاتا ہے اور اس بنار پر صوفی اگر فقیر کی صورت اور اس کی رسم اختیار کرتا ہے تو اپنے ارادہ اور اختیار کی وجہ سے محجوب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی ارادت حق کی ارادت ہوتی ہے۔

ابوعبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ صوفی وہ

لہ یعنی فقر کی حقیقت یہ ہے۔ کہ کسی چیز کو وہ اپنی طرف منسوب نہیں رکھتا اور کسی چیز کو وہ اپنی مِلک نہیں جانتا۔ بلکہ مستعار جانتا ہے اس لیے کہ حقیقت ممکنہ سے جب اس کی طبیعت نکل جاتی ہے۔ تو وہ نیستی اور عدم کی مقتضی ہوتی ہے اور وہ صفات کے احکام سے نکل جاتا ہے۔ یعنی کوئی صفت اس کو اپنا مغلوب نہیں بناتی اور جو اس میں موجود ہے اس سے اُسے باہر نہیں لاتی پہلی بات یہ بتاتی ہے کہ وہ مالک نہیں اور دوسری بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مملوک نہیں اور کوئی صفت اس پر غالب نہیں آتی پس یہ بات کہ الفقیر الذی لا یملک ولا یملک ایک ہی بات ہے۔ بلکہ اس کا ارادہ وہی ہوتا ہے۔ جو حق سبحانہٗ کا ہوتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ تمام صفاتِ کمال کو حق سبحانہٗ کی طرف نسبت دیتا ہے اور اس کی طرف لوٹا دیتا ہے۔

الصوفی من استصفاہ الحق لنفسہ تودداً والفقیر من اسصفٰی نفسہ فی فقرہٖ تقرباً۔

ہے جسکو حق تعالیٰ نے بوجہ محبت کے اپنے لیے چن لیا ہو۔ اور فقیر وہ ہے جس نے حضرت حق سبحانہٗ کے تقرّب کی خاطر اپنے آپ کو اپنے فقر میں چن لیا ہو۔ یعنی حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے دوسرے ذرائع کے مقابلہ میں اپنے واسطے فقر کو خاص کر لیا ہو۔

اور کچھ حضرات نے کہا ہے۔

الصوفی ھوالخارج عن النعوت والرسوم والفقیر ھوالفاقد للاشیاء۔

صوفی وہ ہے۔ جو صفتوں اور رسموں سے نکل گیا ہو[1] اور فقیر وہ ہے۔ جو چیزوں کے گم کر دینے والا ہو۔

والوالعباس نہاوندی رحمۃ اللہ علیہ گوید الفقر بدایۃ التصوف۔

ابوالعباس نہاوندی کہتے ہیں۔ کہ فقر تصوّف کی ابتدا ہے (مطلب یہ ہے کہ مقام فقر تصوف کی بنیاد ہے۔

وفرق میان فقر و زُہد آنست کہ فقر بے وجود زہد ممکن بود چنانکہ کسے ترک دنیا کند بعزم ثابت از سرِ یقین وہنوز رغبت اندراں باقی بود و ہمچنیں زہد بے فقر ممکن ست چنانکہ کسے باوجود اسباب رغبتش ازاں مصروف بود۔

اور فقر و زُہد کے درمیان فرق یہ ہے کہ فقر۔ زہد کے نہ ہونیکے باوجود ممکن ہے جیسے کہ کوئی شخص دنیا کو پختہ عزم ویقین کے ساتھ ترک کر دے اور اس کے باوجود اس میں اس کی رغبت باقی ہو اور اسی طرح زہد بے فقر کے ممکن ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص ہے کہ اس کی رغبت کے اسباب موجود ہیں، لیکن وہ اس سے علیٰحدہ رہتا ہے اس سے لطف اندوز نہیں ہوتا نہ ان کی طرف اس کا دل مائل ہوتا ہے۔

---

[1] یعنی صوفی وہ ہے۔ جو صفات کی شناخت سے باہر نکل گیا ہو۔ یعنی وہ ایسا نہ ہو۔ کہ صفات کے ساتھ آرام پکڑے اور فقیر فقر کے ساتھ مقید ہے۔ یعنی فقر کے ساتھ آرام اور قرار پکڑتا ہے پس وہ فقر کے لیے مغلوب ومقہور ہوتا ہے اور اس کے تصرف میں ہوتا ہے۔ لہٰذا صوفی کے مفہوم میں وجود کی فنا۔ لازم ہے، بخلاف فقیر کے مفہوم کے کہ اس میں یہ شرط نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ صوفی وہ ہے۔ جو صفتوں اور نشانیوں سے علیٰحدہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔

[2] یعنی اللہ کے قرب کو حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنے لیئے فقر کو چن لیا ہو کہ اس کے ذریعہ میں اللہ کے قرب کو حاصل کروں گا۔ لکعہ پہلے فقر ہو گا۔ جو تصوّف کی بنیاد بنے گا اور اس بنیاد پہ تصوّف کی تعمیر ہو گی۔

فقر را رسمیت و حقیقت رسم او عدم املاک است وحقیقت او خروج از احکام صفات و سلب اختصاص چیزے بخود و رسم فقر صورتِ زہد ست و امارت آں۔ و معنیٰ زہد صرف رغبت از دنیا و حق سبحانہ، چون خواہد کہ بعضے از اولیاء خود را در تحت قباب عزت از نظر اغیار محجوب گرداند ظاہر ایشاں را بلباس غناء کہ صورت رغبت ست بدنیا بپوشاند تا اہل ظاہر ایشاں را از جملہ راغبان دنیا پندارند و جمالِ حالی ایشاں از نظر نامحرماں پوشیدہ ماند و ایں حقیقت فقر و زہد وصف خاص و لازم حال صوفی ست۔ و اما رسم فقر اختیار بعضے از مشائخ صوفیا است و مراد ایشاں دراں اقتدار بانبیاء و تقلیل از دنیا و ترغیب و دعوت طالبان باصورت فقر بزبان حال و اختیار ایشاں دریں معنیٰ مستند باختیار حق ست نہ بہ طلب حظ اخروی۔

فقر کی ظاہری نشانی ہے اور اس کی حقیقت بھی ہے۔ اس کی ظاہری نشانی، کسی چیز کا مالک نہ ہونا، اور اس کی حقیقت صفات کے احکام سے نکل جانا اور کسی چیز کو اپنے ساتھ خاص نہ کرنا اور فقر کا نشان زہد کی صورت ہے اور اس کی علامت اور زہد کی حقیقت دنیا سے رغبت کو ہٹا لینا اور دنیا کی طرف دل کا مائل نہ ہونا ہے اور حق سبحانہٗ، جب چاہتا ہے کہ اپنے اولیاء میں سے کسی کو عزت کے قبّوں کے اندر غیروں کی نظر سے چھپائے رکھے تو ان کے ظاہر کو غناء کے لباس میں جو کہ دنیا کے ساتھ رغبت کی صورت ہے چھپا دیتا ہے تاکہ اہل ظاہر ان کو دنیا میں رغبت کرنے والوں میں سے شمار کریں۔ اور ان کے حال کا جمال نامحرموں سے پوشیدہ رہے فقر و زہد کی حقیقت، صوفی کی خاص صفت اور اس کے حال کے لیے لازم ہے اور صوفیاء میں سے بعض مشائخ نے فقر کے نشان کو ظاہر میں اختیار کیا ہے۔ اور اس میں ان کا مقصد انبیاء کی اقتدار کرنا اور دنیا کو کم کرنا اور اہل طلب کو مریدین کو فقر کی صورت میں زبان حال سے ترغیب اور دعوت دینا ہے اور اس فقر کی صورت کو ان کا اختیار کرنا حق تعالیٰ کے اختیار اور مرضی کے ساتھ مستند اور منسوب ہے، آخرت کے حظ اور لذت کی طلب کے لیے نہیں۔

و اما خدام جماعتے باشند کہ خدمت فقراء و طالبان حق اختیار کنند چنانکہ با داؤد علیہ السلام خطاب کردند، اذا رأیت لی طالبًا فکن لہ خادمًا۔ و اوقات خود را بعد از اداے فرائض

اور خدام، اس جماعت کے لوگ ہوتے ہیں، جو فقراء اور طالبان حق کی خدمت کو اختیار کرتے ہیں۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلام سے اللہ نے فرمایا۔ اذا رأیت لی طالبا فکن لہ خادمًا۔ جب تو میرے طالب کو دیکھے

در تفریغ وترفیہ خاطر ایشاں از اہتمام باموِر
معاش و اعانت پر استعداد امیر معادِ مصروف
دارند واں رابر نوافل عبادت تقدیم کنند ودر
طلب مایحتاج ایشاں در ہر طریق کہ در شرع
مذموم نباشد۔ مداخلت نمایند۔ بعضے بکسب
و بعضے بدریوزہ و بعضے بفتوح ونظر ایشاں
در اَخذ واعطاء برحق بود وخلق را در اَخذ رابطہٗ
اعطاء حق سبحانہٗ دانند ودر اعطاء واسطۂ قبول۔

تو اس کا خادم بن جا اور اس کی خدمت میں لگ جا وہ
لوگ فرائض کے ادا کرنے کے بعد فقراء کے دلوں کو
امور معاش کے اہتمام سے فارغ کرنے اور روزی
کمانے کے کاموں سے آزاد کرنے اور آخرت کے
کاموں پر مستعد بنانے میں اپنے اوقات کو مصروف
رکھتے ہیں اور اس خدمت کو نفلی عبادت پر مقدم رکھتے
ہیں اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ہر وہ طریقہ اختیار
کر لیتے ہیں۔ جو شرع میں مذموم نہ ہو۔ بعض کما کر بعضے
مانگ کر اور بعضے فتوح کے ساتھ۔ اور لینے اور دینے
میں ان کی نظر حق پر رہتی ہے اور لینے میں مخلوق کو
حق سبحانہٗ کے دینے کا رابطہ اور ذریعہ جانتے ہیں
اور دینے میں خداوند تعالیٰ کے قبول کرنے کا سبب سمجھتے
ہیں۔

واز عزت ایں مقام بر طائفہ حال خادم وشیخ
مشتبہ شدہ است وخادم را از شیخ فرقے
نہادہ اند وفرق آنست کہ خادم در مقام
ابرار ست وشیخ در مقام مقرباں زیرا کہ
مراد خادم در اختیار خدمت نیل ثواب آخرت بود
والآ بداں مقید نگردد وشیخ بمرادِ حق قائم بود
نہ بمرادِ نفسِ خود۔
واما عُبّاد آں طائفہ اند کہ پیوستہ بر وظائف
عبادات وفنونِ نوافل مواظبت وملازمت
نمایند از برائے نیل ثواب اخروی وایں
در فقر مقامی ست فوق مقام ملامتیہ و
متصوفہ واں وصف خاصہ صوفیہ است
چہ صوفی اگرچہ مرتبہ

اور اس مقام کی شرافت اور عزت کی وجہ سے جماعت
پر خادم اور شیخ کا حال مشتبہ ہو گیا ہے۔ اس بنا پر انہوں
نے خادم اور شیخ میں فرق رکھا ہے اور فرق یہ ہے: کہ
خادم ابرار کے مقام میں ہے اور شیخ مقربوں کے مقام
میں اس لیے کہ خدمت اختیار کرنے میں خادم کی نیت
اور مراد آخرت کا ثواب حاصل کرنا ہے۔ یعنی یہ کہ اسکا
ثواب آخرت میں جائے ورنہ وہ اس خدمت کے ساتھ
مقید اور پابند نہ ہوتا۔ اور شیخ حق تعالیٰ کی مراد پر قائم
ہے۔ نہ کہ اپنے نفس کی مراد پر۔
ولیکن عباد۔ عبادت گزار وہ لوگ ہیں جو آخرت کا
ثواب حاصل کرنے کی خاطر عبادات کے وظیفوں اور
مختلف نوافل پر ہمیشہ پابندی کرتے ہیں اور یہ صفت

وصف در صوفی موجود بود لیکن معرّا و مُبَرّا
از شوائب علل و اغراض چہ ایشاں حق را
رائے حق پرستند نہ برائے ثواب اُخروی
و فرق میان زہاد و عُبّاد آنست کہ باوجود
رغبت بدنیا صورت عبادت ممکن بود۔
و فرق میان عُبّاد و فقرا، آنکہ باوجود غنا،
باشد کہ شخص عابد بود پس معلوم شد کہ واصلان
دو طایفہ اند و سالکان شش طایفہ و ہر یک
ازیں طوایف ہشتگان دو متشبہ دارد یکے محق
و دیگرے مُبطِل۔ اما متشبہ محق بصوفیان متصوفہ
اند کہ نہایات احوال صوفیاں مطلع و مشتاق
باشند و ببقائے صفات از بلوغ مقصد و
مقصود معوق و ممنوع و مبطل متشبہ بایشاں
جماعتے کہ خود را در زِعا صوفیاں اظہار کنند و از
حلیہ، عقاید و اعمال و احوال ایشاں عاطل و خالی
باشند و ربقہ، طاعت از گردن بر داشتہ
خلع العذار در مرتع اباحت می چرند و گویند
تقید با حکام شریعت وظیفہ، عوام ست کہ نظر
ایشاں بر ظواہر اشیاء مقصود بود و اما حال خواص
و اہل حقیقت ازاں عالی تر ست کہ برسوم ظاہر
مقید شوند و اہتمام ایشاں بمراعات حضور باطن
بیش نبود و ایں طائفہ را باطنیہ و مباحیہ خوانند و اما
متشبہ محق بمجذوباں و اصل طایفہ باشند از

صوفی میں بھی موجود ہوتی ہے مگر اغراض اور اسباب
کی آمیزش سے خالی اور پاک ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ
حضرات حق کی حق کے لیے پرستش کرتے ہیں نہ کہ
آخروی ثواب کے لیے۔ اور زاہدوں اور عابدوں
کے درمیان یہ فرق ہے کہ عابد لوگوں میں دنیا کی رغبت
کے باوجود عبادت کی صورت ممکن ہے۔ اور عباد
اور فقراء کے درمیان فرق یہ ہے کہ غنا کے باوجود
یہ ہوسکتا ہے کہ آدمی عابد[1] ہو۔ پس معلوم ہوا کہ واصل
لوگوں کے دو گروہ ہیں اور سالکوں کے ٦ گروہ اور ان
آٹھوں گروہوں میں سے ہر ایک دو کی شباہت اختیار
کرتا ہے۔ ایک مُحِق سچائی والا ہے اور دوسرا مبطل
یعنی جھوٹ والا۔ جو لوگ سچ مچ سچے صوفیوں کی
مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ یہ لوگ صوفیوں کے حالات
کے انجام سے واقف اور ان کے مشتاق ہیں اور وہ
بشری صفات کے باقی رہنے کی وجہ سے مقصد اور
مقصود تک پہونچنے سے رکے ہوتے ہیں اور جو
لوگ مُبطل یعنی جھوٹے لوگوں کے ساتھ مشابہت رکھتے
ہیں۔ یہ وہ جماعت ہے کہ خود کو صوفیوں کے لباس میں
ظاہر کرتے ہیں، لیکن ان کے عقاید اور اعمال اور ان
کے حالات و صفات سے خالی اور بے بہرہ ہیں
اور طاعت کی رسی گردن سے نکال کر شتر بے مہار
ہو کر اباحت کی چراگاہ میں چرتے ہیں اور یہ لوگ
کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام کا پابند رہنا عوام کا

[1] یعنی ایک شخص غنی ہونیکے باوجود عابد ہوسکتا ہے۔ بخلاف فقیر کے کہ اس کے پاس دنیا نہیں ہوتی مگر اس کے باوجود عابد ہوتا ہے

اہل سلوک کہ سیرِ ایشاں ہنوز در قطعِ منازلِ صفاتِ
نفوس بود۔ از تابشِ حرارتِ طلب وجودِ شاں
در قلق و اضطراب و پیش از ظہور تباشیرِ صبح
کشفِ ذات و استقرار و تمکن در مقامِ فنار
گاہ گاہ برقے از لوارق کشف بہ نظر شہود ایشاں
لائح و لامح گردد۔

کام اور ان کا وظیفہ ہے۔ کہ ان کی نظر کا مُدّعا اور مقصود
اشیار کے ظہور پر ہے۔ لیکن خاص لوگوں کے حالات
اور اہل حقیقت اس سے بالاتر ہیں کہ وہ لوگ ظاہری رسوم
کے پابند ہوں۔ بلکہ اِن لوگوں کا اہتمام صرف باطن کی
نگہداشت اور حفاظت کرنا ہے اور ایسے لوگوں کو
باطنیہ اور اباحیہ کہتے ہیں اور جو لوگ اہل سلوک میں خدا
رسیدہ مجذوبوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں یہ
وہ اہل سلوک ہیں جن کی سیر ابھی تک صفاتِ نفوس کی
منزلوں کو قطع کرنے میں ہو رہی ہے گرمیٔ طلب کی تپش
سے ان کا وجود قلق و اضطراب و بے تابی اور بیقراری
میں ہے اور ذاتِ الٰہی کے کشف کی صبح کے ظہور سے
پہلے اور مقام فنار ہیں۔

و نفحۂ از نفحاتِ وصل از مہبِ فنا بمشامِ دلِ
ایشاں پیوندد و چنانکہ ظلماتِ نفوس ایشاں
در لمعاتِ نورِ آں برق منطوی و متواری گردد۔
وہبوبِ آں نفحہ باطنِ ایشاں را از وہج آتشِ
طلب و قلق شوقِ روحی آرامے بخشد و دیگر بارہ
چوں آں برق منقطع گردد آں نفحہ ساکن شود۔

استقرار[1] و تمکن سے پہلے کبھی کبھی کشف کی بجلیوں میں
سے کوئی بجلی ان کی نظر شہود پر چمکتی اور ظاہر ہوتی ہے۔
اور فنار کے ہوا خانے سے وصل کی خوشبوؤں میں سے
کوئی خوشبو ان کے دل و دماغ تک ایسی پہونچتی ہے
کہ اس بجلی کے نور کی چمک میں ان کے نفسوں کی تاریکیاں
لپٹ جاتی اور چھپ جاتی ہیں۔ اور اِس خوشبودار ہوا
کا چلنا ان کے دل کو آتش طلب کی بھڑک اور روحی شوق
کی بے قراری اور بے تابی سے آرام بخشتا ہے۔ پھر
دوسری دفعہ جب وہ بجلی منقطع ہو جاتی ہے اور وہ
خوشبودار ہوا ٹھیر جاتی ہے، اور خوشبو کے وہ جھونکے۔ جو
اس کے دل و دماغ میں پہونچتے تھے بند ہو جاتے ہیں۔

۱؎ استقرار۔ قرار پکڑنے ٹھیرنے تمکن قائم ہونے جگہ پکڑنے کو کہتے ہیں۔

ظہور صفات نفوس وحرارت طلب وقلق شوق
معاودت نماید و سالک خواہد کہ بکلّی از ملابس
صفات وجود منسلخ ومنخلع گردد وغرق بحرِ فناء
خود تا از لقب وجود یکبارگی بیاساید۔

تو پھر وہی نفوس کی صفات کا ظہور اور طلب کی گرمی اور
شوق واضطراب۔ بے قراری اور بے چینی لوٹ آتی ہے۔
اور سالک چاہتا ہے کہ پورے طور پر وجود کی صفات کے
لباس سے باہر نکل آئے اور اس سے علیحدگی اختیار
کرے اور فنا کے سمندر میں ڈوب جائے۔ تاکہ وجود
کی مشقت اور تکلیف سے ایک دفعہ ہی آرام پائے۔

وچوں آں مکان ہنوز مقامِ او نگشتہ باشد وگاہ گاہ
بدو نازل گردد وباطن مطلع ومشتاق ایں مقام باشد
او را لقب متشبّہ محقّق بمجذوبان واصل کردہ شد

اور جب وہ مکان ابھی اس کا مستقل مقام نہ بنا ہو۔ کبھی
کبھی وہ اس میں نزول کرتا ہو اور دل اس مقام کا منتظر اور
مشتاق رہتا ہو۔ تو اس کا لقب متشبہ محقق بہ مجذوبان واصل
کیا جائے گا۔ یعنی اس کو سچے خدا رسیدہ مجذوبوں کے
مشابہت کرنے والا کہا جائے گا۔

واما متشبّہ مبطل بمجذوباں واصل طائفہ باشند
کہ دعوی استغراق در بحرِ فناء واستہلاک در عینِ
توحید کنند وحرکات وسکنات خود را ہیچ وجہ
بخود اضافت نکنند وگویند کہ حرکاتِ ما ہمچو حرکات
ابوابست کہ بے محرک ممکن نہ بود وایں معنی
ہرچند صحیح ست ولیکن نہ حال آں جماعت بود
زیرا کہ مراد ایشاں ازیں سخن تمہید عذر معاصی
ومناہی بود وحوالت آں بارادت حق ورفع
ملامت از خود۔ وایں طائفہ را زنادقہ خوانند۔

لیکن وہ گروہ جو مجذوبان واصل سے جھوٹا مشابہ ہے۔
یہ وہ لوگ ہیں جو کہ بحرِ فناء میں غرق ہونے اور توحید کے
چشمہ میں استہلاک کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنی حرکات
وسکنات کو کسی طرح اپنی طرف نسبت نہیں کرتے
بلکہ کہتے ہیں کہ ہماری حرکات[1] ایسی ہی ہیں۔ جس طرح
کہ دروازوں کی حرکت ہلنا ہے" کہ اس کی حرکت بغیر
حرکت دینے والے کے ممکن نہیں ہوتی۔ اور یہ بات
اگرچہ صحیح ہے، لیکن اس جماعت کا حال یہ نہیں۔ اس
لیے کہ اس بات سے ان کی مراد یہ ہے کہ گناہوں اور
نافرمانیوں سے عذر کی تمہید ہو جاتے اور ان گناہوں
کو حق تعالےٰ کے ارادہ کے حوالہ کرنا اور اپنے سے

---

[1] حرکات نفسانی وہ حرکتیں جن سے روح کو حرکت ہو جیسے غصہ غضب لذت خوشی خوف بیقراری غم شرمندگی
فکر وغیرہ۔ نقل وحرکت، ہلنا چلنا جنبش اور گردش کو حرکت کہتے ہیں اور جمع حرکات آتی ہیں حرکت شورش اور بغاوت کو
بھی کہتے ہیں۔

ملامت کو دور کرنا ہے۔ اس گروہ کو زنادقہ[1] یعنی کافر، بے دین اور مُلحِد کہتے ہیں۔

سہل بن عبداللہ را رحمہ اللہ تعالیٰ گفتند شخصے می گوید نسبت فعل من باِرادتِ حق ہمچنان است کہ نسبت حرکت الواب با محرکِ آں۔ گفت این قائل اگر کسے بود کہ مراعات اصول شریعت و محافظت حدود و احکام عبودیّت کند از جملہ صدیقان باشد و اگر کسے بود کہ تورّد و انہماک در مخالفات احکام شرع باک نہ دارد و این سخن را برائے آں گوید تا وجہ حوالتِ افعال با حق سبحانہ، و اسقاط ملامت از نفس خود بانخلاع از دین و ملّت ظاہر گرداند از جملہ زندیقان بود۔

سہیل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ میرے فعل کی نسبت حق تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ اس طرح کی ہے۔ جیسے کہ دروازوں کی حرکت۔ اس کے حرکت دینے والے کے ساتھ۔ سہل نے فرمایا۔ یہ کہنے والا اگر وہ شخص ہے۔ جو شریعت کے اصول و قواعد کی رعایت اور بندگی کے احکام اور حدود کی حفاظت کرتا ہے تو وہ صدیقین میں سے ہے۔ اور اگر وہ شخص ہے۔ جو شریعت کے احکام کی مخالفتوں میں کوشش کرنے اور ہلاکت میں پڑنے میں کوئی خوف نہیں کرتا اور یہ بات وہ اس لیے کہتا ہے۔ کہ اپنے افعال کو حق سبحانہٗ کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے دین و ملت کو چھوڑ دینے اور اس سے آزاد ہونے کے باعث جو اس کو ملامت ہو گی اس کو اپنے نفس سے دور کرنے کی وجہ ظاہر کرے تو ایسا شخص زندیقوں میں سے ایک زندیق یعنی کافروں میں سے ایک کافر بے دینوں میں سے ایک بے دین، آدمی ہے۔

واما متشبہ محق ملامتیہ طائفہ باشند کہ بہ تعمیر

اور بہر حال ملامتیہ گروہ سے جو سچا مشابہ ہے۔ وہ گروہ

---

[1] زنادقہ۔ زندیق کی جمع ہے "زندیق بے دین کافر اور ملحد۔ کتاب زند کا معتقد۔ وہ شخص زردشت و یزدان و اہرمن کا قائل ہو۔ یہ ژند کا معرب ہے اور ی اور ک اس میں تحقیر کا ہے صاحب کتاب کا مطلب یہ ہے کہ ایسے آدمی صوفی تو کیا ہوں گے یہ تو اسلام سے بھی خارج ہیں کہ اپنی غلط کرتوتوں کو اللہ کے ذمہ لگا رہے ہیں۔ اور اس قسم کی بات کر کے کہ یہ خدا کا کام ہے محض اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے لیے لوگوں کو فریب دے رہے ہیں۔

وتخریب نظر خلق مبالات وزیارت نہ نمایند
واکثر سعیِ ایشاں در تخریب رسوم وعادات
از قیود وآداب مخالطات بود وسرمایہ حال ایشاں
جز فراغ خاطر وطیب والقلب نباشد وترسّم
بمراسم زہاد وعباد از ایشاں صورت نہ نبدد و
اکثار لنوافل وطاعات از ایشاں نیاید وتمسّک
بعزائم اعمال ننمایند وجز برادائے فرائض ۔
مواظبت نکنند او جمع واستکثار اسباب دینوی
بایشاں منسوب نباشد ولطیبۃ القلب قانع
باشند وطلب مزید احوال نکنند۔ ایشاں را قلندریہ
خوانند وایں طائفہ از جہت عدم ریا با ملامتیہ
مشابہت دارند وفرق میان ایشاں آنست
کہ ملامتی بجمیع نوافل وفضائل تمسک جوید و
لیکن آنرا از نظر خلق پنہاں دارند واما قلندریہ
از حدِ فرائض در نگذرد وباظہار اعمال و باخفاء
از خلق مقید نہ بود۔

ہے۔ جو تعمیر وتخریب، آباد کرنے اور اجاڑنے اور
ویران کرنے میں مخلوق کے دیکھنے سے نہیں ڈرتے
اور اونچا ہونیکا خیال نہیں لاتے اور ان کی زیادہ تر کوشش
تو گرنے میں ہوتی ہے اور باہمی اختلاط کے دستور کی
پابندیوں کو مٹانے میں زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ اور
ان کے حال کا سرمایہ بجز فراغ خاطر "دل کے فارغ ہونے"
اور دل کے خوش رہنے کے اور کچھ نہیں ہوتا زاہدوں اور
عابدوں کی رسموں سے انہیں سروکار نہیں ہوتا۔ اور نفلوں
کی کثرت اور طاعات کی زیادتی ان سے ظہور میں نہیں
آتی اور عزائم اعمال یعنی عزیمت والے احتیاط والے
اعمال بھی وہ نہیں کرتے اور فرائض کی ادائیگی کے ماسوا
دوسرے اعمال میں مواظبت نہیں کرتے اور اسباب
دینوی نہ جمع کرتے ہیں اور نہ ان کی کثرت کے طالب
ہوتے ہیں اور دل کی خوشی پر قانع ہوتے ہیں، اور نہ مزید
حالات کے طالب ہوتے ہیں۔ ان حضرات کو قلندریہ
کہتے ہیں چونکہ اس گروہ میں ریا نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ
ملامتیہ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ اور ان دونوں
میں فرق یہ ہے کہ ملامت والا تمام نوافل اور فضائل و
مستحبات کی ادائیگی میں کوشاں رہتا ہے۔ لیکن مخلوق
کی نظر سے ان کو پوشیدہ رکھتا ہے، لیکن قلندریہ فرائض
کی حد سے آگے نہیں گزرتے اور وہ اس بات کے پابند
نہیں ہوتے کہ مخلوق کے سامنے اعمال ظاہر کریں۔ یا ان
سے چھپائے رکھیں۔

واما طائفہ کہ درین زمان بنام قلندری موسوم اند
ورِبقۂ اسلام از گردن برداشتہ اند وازیں اوصاف

اور بہر حال وہ گروہ جو اس زمانہ میں قلندری کے نام سے
موسوم ہیں اور انہوں نے اسلام کی رسی گردن سے نکال

کہ شمردہ شد خالی اند۔ این اسم برایشان عاریت ست واگر ایشان را حشویہ خوانند لایضرہ۔

واما متشبہ مبطل بملامیتہ طایفہ باشند ہم از زنادقہ کہ دعویٰ اخلاص کنند و بر اظہار فسق و فجور مبالغت نمایند وگویند مراد ما ازیں ملامتِ خلق و اسقاط از نظرِ مردم ست وحق سبحانہ، از طاعت خلق بے نیاز ست واز معصیت ایشان غیر متضرر، ومعصیت را در آزارِ خلق منحصر دانند۔ وطاعت را در احسان۔

کہ آزادی حاصل کرلی ہے اور قلندروں کی جو صفات شمار کی گئی ہیں ان سے وہ خالی ہیں یہ نام ان کے عاریۃً ہے اور اگر اِن لوگوں کو حشویہ کہیں۔ تو کوئی نقصان نہیں" "یعنی وہ چیز جو زائد اور بے کار ہو اسکو حشو کہتے ہیں۔"

اور جو کوئی ملامتیہ کے ساتھ جھوٹی مشابہت رکھے تو وہ گروہ بھی زندیقوں اور بے دینوں میں سے ہے، کیونکہ وہ لوگ جو اخلاص کا دعویٰ کرتے اور فسق و فجور کے اظہار پر مبالغہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اِس سے ہماری مراد مخلوق کی ملامت اور لوگوں کی نظروں سے گر جانا ہے اور حق سبحانہٗ مخلوق کی طاعت سے بے نیاز ہے اور ان کی نافرمانی اور گناہ سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا وہ لوگ گناہ کو مخلوق کے دکھ دینے اور مخلوق کی ایذارسانی میں منحصر جانتے ہیں۔ یعنی گناہ صرف یہ ہے۔ کہ مخلوق کے دکھ دینے اور مخلوق کی ایذادی جائے اور نیکی یہ ہے کہ ان سے اچھا سلوک کیا جاوے۔

واما متشبہ محقّ بزاہداں طایفہ باشند کہ ہنوز رغبت ایشاں بکلّی از دنیا مصروف نشدہ باشد و خواہند کہ یکبارگی از دنیا رغبت بگردانند وایشاں را متزہّد خوانند۔

اور وہ گروہ جو زاہدوں کے ساتھ سچ سچ مشابہ ہے یہ وہ جماعت ہے کہ دنیا سے ان کی رغبت ابھی تک پوری طرح دور نہیں ہوئی اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ایک دم، دنیا سے، رغبت ہٹالیں اور دنیا سے متنفر ہو جائیں۔ ان لوگوں کو "متزہّد" تکلف کے ساتھ زاہد بننے والے کہتے ہیں۔

واما متشبہ مبطل بدیشاں جماعتے باشند کہ از برائے قبول خلق ترک زینت دنیا کنند وخاطر از جمیع اسباب دنیوی باز گیرند وبداں تحصیل طلب جاہ کنند درمیانِ مردم وممکن بود کہ بر

اور جو لوگ زاہدوں کی جھوٹی مشابہت اختیار کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو مخلوق میں مقبول ہونے کی غرض سے دنیا کی زینت کو ترک کرتے ہیں۔ اور تمام دنیاوی اسباب سے دل ہٹا لیتے ہیں۔ یعنی ترک دنیا میں عزت

بعضے حال ایشان مشتبہ شود و مردم پندارند کہ ایشاں از دنیا اعراض کلّی کردہ اند و ایشاں خود بترک مال جاہ خریدہ اند "ترکوا الدنیا للدنیا"[1]، و یمکن کہ بر ایشاں نیز حال خود شاں مشتبہ شود گماں برند کہ چوں خاطر شان بطلب اسباب دنیوی مشغول نیست علت آنست کہ اعراض کردہ اند و این طایفہ را مُرائیہ خوانند۔

کی تحصیل مطلوب ہوتی ہے کہ لوگ ہمیں اللہ والا سمجھیں اور ہماری عزت کریں اور ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں پر ان کا حال مشتبہ رہے اور لوگ گمان کریں کہ یہ لوگ دنیا سے پورے طور پر کنارہ کش ہو چکے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان لوگوں نے مال کے ترک کے عوض عزت خریدی ہے۔ ترکوا الدنیا للدنیا" انہوں نے دنیا کو چھوڑا ہے دنیا کے واسطے۔ اور ہو سکتا ہے کہ خود ان سے بھی انکا حال متشبہ خلط ملط[1] ہو جاوے اور گمان کرنے لگیں کہ جب ہماری طبیعت اسباب دنیا کی طلب و تلاش میں مشغول نہیں ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم دنیا سے مُنہ پھیر چکے ہیں اور اس جماعت کو "مُرائیہ" "رِیاکار" کہتے ہیں۔

و اما متشبہ محق بفقرا آنست کہ ظاہرش برسم فقر مترسم بود و باطنش خواہان حقیقت فقر و لیکن ہنوز میل بغنا دارد و بہ تکلف بر فقر صبر مے کند و فقیر حقیقی فقر را نعمتے خاص داند از حق سبحانہ، و برآں وظایف شکر ہموارہ بتقدیم می رساند۔ و اما متشبہ مُبطل بفقرا آنست کہ ظاہرش برسوم

لیکن وہ گروہ جو واقعتاً فقرا[2] کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے وہ وہ ہے۔ جس کا ظاہر حال فقیروں کے حال کی مانند ہو اور اس کا باطن فقر کی حقیقت کا طالب ہو۔ مگر ابھی غنا۔ یعنی تونگری کی طرف رغبت رکھتا ہو اور تکلف کے ساتھ فقر پر صبر کرتا۔ اور حقیقی فقیر "سچا فقیر"، تو فقر کو حق سبحانہ، کی طرف سے خاص نعمت جانتا ہے اور

---

[1] یعنی دھوکہ میں مبتلا ہو جائیں کہ ہم تارک الدنیا ہیں حالانکہ جب ان کا مقصد لوگوں میں عزت اور رفعت کو حاصل کرنا ہے۔ تو یہ بھی دنیا کہلاتی ہے لوگ اس کے لیے جان و مال قربان کر دیتے ہیں۔

---

[2] اس جگہ فقرا سے مراد وہ حضرات ہیں۔ جو حقیقت فقر کے ساتھ متحقق ہو چکے ہیں۔ نہ کہ وہ فقرا جو اسم فقیر کے ساتھ متصف ہیں یہ قسم نہ فقرا میں شامل ہو گی اور نہ ان کے ساتھ مشابہت کرنے والوں میں شامل ہو گی

فقر مترسم بود و باطن بحقیقت آں غیر مطلع و
مرادش مجرد اظہار دعویٰ بود وصیت وقبول
خلق وایں طائفہ فراہم مرائیہ خوانند۔

اور اس پر ہمیشہ شکر کے نذرانے آگے پہونچاتا اور بارگاہِ الٰہی
میں پیش کر رہتا ہے۔ اور جو فقرار کے ساتھ جھوٹی مشابہت
رکھتا ہے۔ وہ آدمی وہ ہے جس کا ظاہر حال فقر کی رسوم پر
ہوتا ہے۔ لیکن اس کا باطن فقر کی حقیقت سے نابلد ہے
اور اس کا مقصد دعویٰ فقر کا ظاہر کرنا ہوتا ہے اور لوگوں
میں شہرت نیک نامی اور قبولیت کا حاصل کرنا ہوتا ہے
اور اس گروہ کو بھی مرائیہ کہتے ہیں۔

داما متشبہ محق بخادم آنست کہ ہموارہ بخدمت
بندگانِ حق سبحانہ، قیام می نماید و بباطن میخواہد
کہ خدمت ایشاں رابشائبہ غرض دنیوی مالی یا
جاہی مشوب نگرداند ونیت را از شوائبِ
میل وہوا وریا تخلیص کند ولیکن ہنوز بحقیقتِ
زہد نرسیدہ باشد پس وقتے بحکم غلبہ نور
ایمان واختفاءِ نفس بعضے از خدمات او در
محلِ استحقاق افتد۔

ودر وقتے بحکم غلبہ نفس خدمت او رہوا و
ریا آمیختہ بود جمعے راکہ نہ در محل استحقاق باشند
بتوقع محمدت وثنا خدمت بلیغ بتقدیم رساند
وبعضے راکہ مستحق خدمت باشند محروم گذارد
ایں چنیں کس رامتخادم خوانند۔

اور جو شخص واقعتاً اور حقیقتہً خادم کے ساتھ مشابہت
رکھتا ہے وہ وہ ہے جو ہمیشہ حق سبحانہ، کے بندوں کی
خدمت کرتا ہے اور دل سے یہ چاہتا ہے کہ ان کی
خدمت کو دنیاوی غرض مالی ہو یا جاہی کی آمیزش اور
ملاوٹ سے ملی ہوئی اور مخلوط نہ بنانے اور نیت کو
خواہش نفسانی اور ریا کے میل سے خالص بناتا
اور کھوٹ نکالتا رہتا ہے لیکن ابھی وہ زہد کی حقیقت
تک پہونچا ہوا نہ ہو پس کسی وقت نورِ ایمان کے غلبہ
اور نفس کے چھپنے کی وجہ سے اس کی بعض خدمتیں
ایسے موقعہ پر ہوتی ہے جو کہ وہ استحقاق[1] کے مقام میں
واقع ہو جاتی ہیں اور کسی وقت میں غلبہ نفس کے حکم سے
اس کی خدمت خواہش اور ریا کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی
ہے۔ وہ ایسی جماعت کی جو محل استحقاق میں نہیں ہوتی
اپنی تعریف وثنار کی امید پر خوب خدمت کرتے ہیں
اور بعض وہ لوگ جو خدمت کے مستحق ہوتے ہیں ان کو اپنی
خدمت سے محروم چھوڑ دیتا ہے۔

---

[1] استحقاق کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ واقعی خدمت کرنے کا حق رکھتے ہیں اور قابل خدمت ہیں۔

واما متشبہ مبطل بخادم کسے بود کہ او را در خدمت نیت اُخروی نباشد بلکہ خدمت خلق را دام منافع دنیوی کردہ بود تا باآں سبب استجلاب اقوات از اوقاف و اسباب می کند و اگر آنرا در تحصیل غرض و تیسیر مراد خود موثر نہ بیند ترک کند پس خدمت او مقصود بود بر طلب جاہ و مال و کثرت اتباع و اشیاع تا در محافل و مجامع بداں تقدّم و مُفاخرت جوید و نظر او در خدمت ہمگی بر حظِ نفسِ خود بود و ایں چنیں کس را متخدِّم خوانند۔

اور ایسے آدمی کو مُتخادِم[1] کہتے ہیں اور جو جھوٹ موٹ خادم کے مشابہ بن جاتا ہے۔ وہ وہ شخص ہوتا ہے۔ کہ خدمت کرنے میں اس کی نیت آخرت کی نہ ہو، بلکہ مخلوق کی خدمت کو دنیاوی منافع کا جال بنایا ہوا ہو۔ تاکہ اس سبب سے اوقاف کی آمدنیوں سے روزی حاصل کرتا ہے اور اِس خدمت کو معیشت کے حصول کا ذریعہ بناتا ہے۔ اگر اس خدمت سے اسکی غرض اور اس کا مقصد آسانی سے حاصل ہوتا نظر نہ آئے تو اس خدمت کو چھوڑ دیتا ہے۔ پس اس خدمت کرنے کا مقصد طلب جاہ و مال۔ اور جماعت اور مریدوں کی کثرت ہوتا ہے تاکہ محفلوں اور مجلسوں میں ان کی وجہ سے آگے آئیں اور فخر و بڑائی حاصل کریں اور خدمت کرنے میں ان کی نظر کُلّی طور پر اپنے نفس کے حظ اور خوشی پر اور نفس کی لذت اور فائدہ پر ہوتی ہے اور ایسے آدمی کو مُتخدِّم کہتے ہیں۔

واما متشبہ محق بعابد کسے بود کہ اوقاتِ خود را مستغرق عبادات خواہد لیکن بسبب بقایای دواعی طبیعت و عدم کمالِ تزکیہ نفس، ہر وقت در اعمال و اوراد و طاعات او فترات و تعویقات رفتند یا کسے کہ ہنوز لذت عبادت نیافتہ باشد و بہ تکلف بداں قیام می نماید او را متعبّد خوانند۔

اور عابد کے ساتھ واقعۃً سچ مچ وہ مشابہ ہوتا ہے۔ کہ اپنے اوقات کو عبادات میں مستغرق رکھنا چاہتا ہے لیکن چونکہ طبیعت کے تقاضی اور خواہشات۔ کے بقایا کے سبب اور نفس کے کمال تزکیہ کے نہ ہونے کے باعث اس کے اعمال و اوراد اور اس کی بندگی میں ہر وقت انقطاع سُستی اور روکاوٹیں واقع ہوجاتی ہیں یا وہ آدمی جو ابھی عبادت کی لذت کو نہ پاتا ہو اور تکلف سے اس میں مصروف رہتا ہو اس کو متعبد کہتے ہیں۔ یعنی تکلف سے عبادت کرنے والا۔

---

[1] یعنی خادم ہے تو نہیں، لیکن خادموں کی صورت بنانے والا ہے۔

واما متشبہ مبطل باو شخصے بود از جملہ مرائیہ
کہ نظر او در عبادت بر قبول خلق بود و در دل
او ایمان بثواب آخرت نباشد تا اطلاع غیری
بر طاعت خود نہ بیند بدان قیام نہ نماید
اعاذنا اللہ سبحانہ من السمعۃ
والریاء و باللہ العصمۃ والتوفیق

اور جھوٹ موٹ اور نقل کے طور پہ اُس شخص کی
مشابہت اختیار کرتا ہے۔ جو ریاکاروں میں سے
ہے کہ عبادت میں اس کی نظر لوگوں میں مقبول بننے
کی ہو۔ اور اس کے دل میں آخرت کے ثواب پر ایمان
اور یقین نہیں ہوتا اور جب دوسرا کوئی آدمی اس کی بندگی
اور عبادت کو نہیں دیکھتا تو وہ عبادت ہی نہیں کرتا
اللہ تعالےٰ ہم کو سُمعہ اور ریاء سے بچائے رکھے اور
اللہ کی مدد اور اس کی توفیق ہی بچانے والی ہے۔

القول فی التوحید ومراتبہ وارباہا

وفی الفصل الثانی من الباب الاول
من ترجمۃ العوارف۔

توحید را مراتب ست اوّل توحید ایمانی ۔ دوم توحید
علمی، سوم توحید حالی، چہارم توحید الٰہی، اما توحید
ایمانی آنست کہ بندہ بتفرّد وصف الٰہیت و توحّد
استحقاق معبودیت حق سبحانہ، بر مقتضائے
اشارت آیات واخبار تصدیق کند بدل و اقرار
دہد بزبان۔ وایں توحید نتیجہ تصدیق مجرد اعتماد
صدق خبر باشد و مستفاد بود از ظاہر علم و تمسک
بآں خلاص از شرک جلی وانخراط در سلک اسلام
فائدہ دہد و متصوفہ بحکم ضرورت ایمان با
عموم مومناں درین توحید مشارک اند و بدیگر
مراتب متفرّد و مخصوص۔
اما توحید علمی مستفاد ست از باطن علم کہ آنرا علم
یقین خوانند و آں چناں بود کہ بندہ در بدایت

توحید اور اس کے درجات اور اہلِ توحید کے بیان میں

اور عوارف کے پہلے باب کی دوسری فصل کے ترجمہ میں۔
توحید کے کئی درجے ہیں، پہلا توحید ایمانی، دوسرا درجہ
توحید علمی، تیسرا توحید حالی، چوتھا توحید الٰہی ہے، بہرحال
توحید ایمانی یہ ہے کہ جس طرح پر قرآن پاک کی آیات
اور احادیث پاک نے حق سبحانہ، کی صفت الٰہیت
میں یگانہ اور یکتا ہونے کو اور اس کی معبودیت کے
استحقاق کو بیان کیا ہے۔ دل سے اس کی تصدیق یعنی
سچا جانے اور زبان سے اس کا اقرار کرے
اور یہ توحید محض پیغمبر کی خبر کے سچے ہونے کے اعتقاد
کا نتیجہ اور انجام ہوتا ہے اور شریعت کے علم سے
حاصل ہوتی ہے اور اس کو مضبوط پکڑنے اور اس پر
پابند رہنے سے شرک جلی، اور کھلے شرک سے نجات
اور اسلام کے رشتہ میں آنے کا فائدہ ہوتا ہے۔ اور
صوفیاء کی جماعت ایمان کی ضرورت کے قانون سے

طریق تصوف از سر یقین براند کہ موجود حقیقی
و موثر و مطلق نیست الّا خداوند عالم جلّ جلالہٗ
و جملۂ ذوات و صفات و افعال را در ذات
و صفات و افعال او ناچیز داند ہر ذاتی را فروغی
از نور ذات مطلق شناسد۔ و ہر صفتے را پرتوی
از نورِ مطلق داند۔ چنانکہ ہر کجا علمی و قدرتے
و ارادتے و سمع و بصر الٰہی داند علیٰ ھذا القیاس
جمیع الصفات والافعال و این مرتبہ از اوائل
مراتب اہلِ توحید مخصوص و متصوّفہ است
و مقدمہ آن با ساقۂ توحید عام پیوستہ و مشابہ
این مرتبہ مرتبۂ الیست کہ کوتہ نظران آنرا توحید
علمی خوانند و نہ توحید علمی بود بلکہ توحیدی باشد
رسمی از درجۂ اعتبار ساقط و آنچنان باشد کہ
شخصے از سر ذکا و فطنت بطریق مطالعہ یا
سماع تصوّری کند از معنی توحید و رسمی از صورت
توحید در ضمیر او مرتسم گردد و از انجا در اثنار
بحث و مناظرہ گاہ گاہ سخنے بے مغز گوید
چنانکہ از حال توحید ہیچ اثر در و نباشد و توحید
علمی اگرچہ فرود مرتبہ توحید حالیست ولیکن
از توحید حالی مزجی با آن ہمراہ بود۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ عَيْنًا يَّشْرَبُ
بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ

وصف شراب این توحید است و ازیں جہت
صاحب آن بیشتر در ذوق و سرور بود چہ بنا بر
مزج حال بعضے لطائف بر مقتضائے علم

اس توحید میں عام مومنوں کے ساتھ شریک ہے۔
مگر توحید کے دوسرے مراتب میں تنہا اور خاص ہیں
بہرحال توحید علمی تو حاصل کی جاتی ہے باطنی علم سے کہ
جس کو علم یقین کہتے ہیں اور وہ ایسے ہوتا ہے کہ آدمی
تصوّف کی راہ کی ابتداء میں یقین سے یہ جان لے کہ
موجود حقیقی اور موثر مطلق کوئی نہیں مگر خداوند عالم جَلَّ جَلَالُہٗ
اور تمام چیزوں، صفتوں اور تمام افعال کو اللہ تعالٰے کی
ذات و صفات اور افعال میں ناچیز اور بے حقیقت
جانے۔ ہر ذات کو ذاتِ مطلق کی روشنی میں سے ایک
روشنی اور اس کے نور کی رونق اور
چمک سمجھے اور ہر صفت کو اس کے نور مطلق کا عکس
اور پرتو جانے۔ چنانچہ جہاں پر کوئی علم اور کوئی قدرت
اور کوئی ارادہ اور کوئی سمع (سننا)، اور بصر (دیکھنا) پائے
اس کو اللہ تعالیٰ شانہ، کے علم اور قدرت و ارادہ اور
سمع و بصر کے آثار اور نشانات میں سے ایک اثر
جانے علیٰ ھذا القیاس تمام صفات اور افعال کو یہی کچھ
جانے کہ یہ اللہ تعالٰے کی صفات اور افعال کے اثرات
میں ایک اثر ہے۔ خاص اہلِ توحید اور متصوّفہ کے مراتب
میں سے توحید کا یہ مرتبہ ابتدائی مرتبہ ہے اس کا مقدمہ
"توحید عام" کے آخری حصہ سے ملا ہوا ہے اور اس مرتبہ
کے مشابہ ایک مرتبہ ہے کہ اس کو تنگ نظر اور ناعاقبت
اندیش لوگ توحید علمی کہتے ہیں حالانکہ وہ توحید علمی نہیں
بلکہ وہ رسمی توحید ہوتی ہے جو درجہ کے اعتبار سے گری
ہوئی ہے یہ اس طرح ہے کہ جیسے کہ ایک آدمی ذکاوت
"دانائی" عقل اور ہوشیاری سے مطالعہ کے طریقہ یا

خود عمل کند وجود۔ اسباب راکہ در روابط افعال
الٰہی اند درمیان نہ بیند اما در اکثر احوال بسبب
بقائے ظلمت وجود از مقتضائے علم خود محجوب
شود وبدین توحید بعضے از شرک خفی برخیزد۔

واما توحید حالی آنست کہ حالِ توحید وصف لازمِ
ذاتِ موحّد گردد وجملہ ظلماتِ رسوم وجود الّا
اندک بقیۂ در اشراقِ نورِ توحید متلاشی و مضمحل
شود ونورِ توحید در نورِ حال او مستتر و مندرج
گردد بر مثال اندراج نورِ کواکب در نورِ آفتاب

فلما استبان الصبح ادرج ضوءہ
باسفارہ اضواء نور الکواکب

دریں مقام وجود موحّد در مشاہدہ جمالِ وجود
واحد چناں مستغرق عین جمع گردد کہ جز ذات
وصفات واحد در نظر شہود او نیاید تا غایتے
کہ این توحید را صفت واحد بیند نہ صفت خود
واین دیدن راہم صفت او بیند وہستی او
بدین طریق قطرہ وار در تصرّف تلاطم امواج
بحرِ توحید افتد وغرق جمع گردد۔ واز ینجاست

سننے سے توحید کے معنی کا تصور کرے اور توحید کی صورت
میں سے کوئی نشان اس کے دل میں منقش ہو جاوے
اور اس وجہ سے وہ بحث و مناظرہ میں کبھی کوئی بے مغز
بات کہہ دیتا ہے اور توحید حالی کا اس میں کوئی اثر بھی نہیں
ہوتا اور توحید علمی اگرچہ مرتبہ میں توحید حالی سے کم درجہ
کی ہے لیکن اس کے ساتھ توحید حالی کی کچھ ملاوٹ ہوتی
ہے۔ ومزاجہ من تسنیم عینا یشرب
بہا المقربون۔

اس توحید کی شراب کی تعریف میں ہے اور اسی وجہ سے
اس توحید کے حال والا اکثر ذوق و سُرور اور خوشی میں رہتا
ہے کیونکہ حال کی ملاوٹ کی وجہ سے اس کے دستور اور
قاعدوں کی کچھ ظلمتیں دور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ بعض تصرفات
میں اپنے علم پر مناسب عمل کرتا ہے اور اسباب کے
وجود کو جو افعال الٰہی کے اسباب و وسائل ہیں) درمیان
میں نہیں دیکھتا لیکن اکثر حالات میں وجود
کی ظلمت کے بقایا کی وجہ سے اپنے علم کی مصلحت
اور موقع پر سے محجوب ہو جاتا ہے اور اس توحید کے
سبب کچھ شرک خفی پیدا ہو جاتا ہے۔

توحید حالی[1] وہ ہے کہ توحید کا حال مُوحِّد کی ذات کا وصفِ
لازم ہو جاتا ہے اور وجود کے تمام دستور اور عادات کی
تمام تاریکیاں ماسوائے تھوڑے سے بقیہ کے توحید کے
نور کی چمک میں نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ اور توحید
کا نور اس کے حال کے نور میں چھپ جاتا ہے اور داخل ہو
جاتا ہے۔ جس طرح کہ ستاروں کا نور آفتاب کے نور میں داخل

---

[1] توحید حالی وہ ہے کہ توحید کا حال توحید والے کی ذات کا وصف لازم ہو جاوے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل غیر حق سبحانہ، سے خالی ہو جاوے اس طرح پر کہ دل کی یکتائی اور اس کا اکیلا اور نرالا ہونا دل کے لیے لازم ہو جاوے۔

ہو جاتا ہے۔

ترجمہ شعر۔ جب صبح ظاہر ہوتی ہے تو اس کی روشنی اپنی چمک کے ساتھ ساتھ ستاروں کی روشنی کو اپنے اندر لے لیتی ہے۔

(مطلب یہ کہ جب وحدت کی حقیقت کی صبح ظاہر ہوتی ہے تو اس کی روشنی کی چمک تمام انوار اور روشنیوں کو پوشید کر دیتی ہے)

اس مقام میں مُوَحِّد (توحید والا) کا وجود واحد کے وجود کے جمال کے مشاہدہ میں جمع کے چشمہ میں ایسا غرق ہو جاتا ہے کہ اس کے شہود کی نظر میں واحد تعالےٰ کی ذات و صفات کے علاوہ اور کچھ نہیں آتا۔ یہاں تک کہ اس توحید کو واحد تعؔ کی صفت دیکھتا ہے نہ کہ اپنی صفت اور اس دیکھنے کو بھی اس کی صفت دیکھتا ہے۔ اور اس طریقہ سے قطرہ کی طرح بحر توحید کی موجوں کے تلاطم (جوش) کے تصرف اور قبضہ میں جا گرتا ہے اور جمع میں غرق ہو ہو جاتا ہے اسی لیے حضرت جنید قدس اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں توحید ایک ایسا مضمون ہے جس میں رسم و رواج نقشے اور نشانات مٹ جاتے ہیں اور علوم اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ وہ ہمیشہ سے ہے[1] اور یہ توحید مشاہدہ کے نور سے حاصل ہوتی ہے اور توحید علمی مراقبہ کے نور سے۔ اور حالی توحید کے ساتھ بشریت کے اکثر نشان نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور علمی توحید کے مقام میں آنے کے بعد

قول جنید قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

قال التوحید معنی یضمحل فیہ الرسوم یندرج فیہ العلوم ویکون اللہ کما لم یزل۔ ومنشار این توحید نورِ مشاہدہ ست ومنشار توحید علمی نورِ مراقبہ وبدین توحید اکثری از رسوم بشریت منتفی شود و بتوحید علمی اندکی ازآن رسوم مرتفع گردد وسبب بعضے از لقائے رسوم

---

[1] جب دل پر حق تعالےٰ کی یکتائی دوڑنے لگتی ہے تو اس آدمی کا نہ اثر رہتا ہے نہ علم یعنی اس کی نظر سے تمام چیزیں اٹھ جاتی ہیں اللہ تعالیٰ دکھائی دیتا ہے جیسے کہ وہ ازل الازال میں تھا کہ اللہ تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی۔

در توحید حالے آنست کہ تا صدور تربیت، افعال و تہذیب اقوال از موحّد ممکن بود بدین جہت در حال حیات، حقِ توحید چنانکہ باید گزاردہ نشود و ازینجاست قول ابو علی و قاق قدس سرہ، کہ التوحید غریم لا یقضی دینہ و غریب لا یؤدی حقہ۔

بشریت کے کچھ نشان تو دور ہو جاتے ہیں اور زیادہ تر باقی رہ جاتے ہیں اور توحید حالی میں جو کچھ رسوم اور نشانات باقی رہ جاتے ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ اس توحید والے کے افعال کی تربیت اور اخلاق کی تہذیب کا صادر ہونا ممکن ہو۔ اسی وجہ سے زندگی کے حال میں توحید کا حق جیسا کہ چاہیئے ادا نہیں ہو سکتا۔ اس ہی بنار پر ابو علی وقاق قدس سرہ فرماتے ہیں کہ توحید ایسا قرض خواہ ہے جس کا قرض چکایا نہیں جاسکتا[1] اور ایسا مسافر ہے جس کا حقِ خدمت ادا نہیں کیا جاسکتا۔

وخواص موحّداں را در حالِ حیات از حقیقت توحید صرف کہ یکبارگی آثار و رسوم وجود در و متلاشی گردد و گاہ گاہ لمعۂ بر مثال برقِ خاطف لامع گردد و فی الحال منتفی شود۔ و لبقایائے رسوم دیگر بارہ معاودت کند و درین حال بکلّے بقایائے شرک خفی مرتفع گردد ورائے ایں مرتبہ در توحید آدمی را مرتبہ دیگر ممکن نیست۔

اور خواص موحدوں کے لیے زندگی کی حالت میں خالص توحید کی حقیقت ہے یکایک اور دفعتاً وجود کے آثار اور رسوم، اس میں لاشے اور نابود ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی ایک چمک بجلی کی طرح روشن ہوتی ہے اور اسی وقت نابود ہو جاتی ہے اور نشانات کے بقیہ دوسری مرتبہ لوٹ آتے ہیں۔ اس حال میں شرک خفی ریار و سمعہ کے بقایا بچے کھچے پوری طرح دور ہو جاتے ہیں اور توحید کے اس مرتبہ کے علاوہ آدمی کے لیے دوسرا کوئی مرتبہ ممکن نہیں۔[2]

واما توحید الٰہی آنست کہ حق سبحانہ، در ازال بنفس خود نہ بتوحید دیگری ہمیشہ بوصف وحدانیت و لنعت فردانیت موصوف بود و منعوت۔

اور توحید الٰہی یہ ہے کہ حق سبحانہ، و تعالےٰ ازالازال ہمیشہ ہمیشہ سے یعنی جب کہ مخلوق وجود میں نہ آئی تھی۔ بذاتِ خود واحدانیت (یکتائی) کی صفت، موصوف اور فردانیت (یگانگی) کی تعریف کے ساتھ منعوت[3] تھا۔

---

[1] اور یہ اس بنا پر ہے کہ بندہ مرکب ہے اور حق سبحانہ، بسیط حقیقی کہ اس سے کثرت ذہنی و خارجی مسلوب ہے اور جو مرکب ہے، وہ بسیط کو بطریق ذوق نہیں پاسکتا منطقی اصطلاح میں بسیط اس کو کہتے ہیں جو کسی چیز سے مل کر نہ بنا ہو۔

[2] آدمی کا یہ آخری مرتبہ ہے کہ اس کو توحیدِ حالی کا مقام حاصل ہو کہ اخلاص کامل کے مقام کو پالے۔

[3] منعوت کے معنی حمد کیا ہوا تعریف کیا ہوا۔

کان اللہ ولم یکن معہ شیئ۔
واکنون ہمچنان بر نعتِ ازلی واحد و فرد است
وَالْآن کما کان وتا ابدالاباد ہم برین
وصف خواہد بود۔ کل شیئ ھالک
الاّ وجھہ۔
نگفت یہلک تا معلوم شود کہ وجود ہمہ اشیاء
در وجود او امروز ہالک است وحوالہ مشاہدۂ
این حال بفردا در حق محجوبانست والّا اربابِ
بصائر و اصحاب مشاہدات کہ از مضیق زمان
ومکان خلاص یافتہ اند این وعدہ در حق ایشان
عین نقد ست۔ واین توحید الٰہی ست کہ از
صحبت نقصان بریست۔ وتوحید خلائق بسبب
نقصان وجود ناقص۔ وحضرت شیخ الاسلام
قدس سرہٗ کتاب مَنازل السّائرین را باین
سہ بیت ختم کردہ است۔

۱۔ ما وحّد الواحد من واحد
اذ کل من وحّدہ جاحد
۲۔ توحید من ینطق عن نفسہ
عاریۃ ابطلھا الواحد
۳۔ توحیدہ ایاہ توحیدہ
ونعت من ینعتہ لاحد

اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔
اور اِس وقت میں بھی اُسی ازلی صفت کے ساتھ واحد
اور فرد ہے۔ جس طرح کہ وہ پہلے تھا اور ابدالآباد
تک اسی صفت پر رہے گا۔ کل شیئ
ھالک الا وجھہ۔
ہر ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے بجز اس کی ذات کے
اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ھَالِکٌ (ہلاک ہونے والی)
فرمایا یُھلِکُ کہ ہلاک ہوجائے گی۔ تاکہ یہ معلوم ہوجائے
کہ تمام چیزوں کا وجود آج اس کے وجود میں ہلاک ہونے
والا ہے اور اس حال کو کل کے دن پر رکھنا ان لوگوں کے
حق میں ہے جو محجوب ہیں۔ ورنہ بصیرتوں والے اور
اصحابِ مشاہدات جو زمان ومکان کی تنگیوں سے
آزاد ہو چکے ہیں۔ ان کے حق میں وعدہ نقد ہے۔ اور یہ
توحید الٰہی ہے کہ نقص کے عیب سے پاک ہے اور
مخلوق کی توحید وجود کے نقص اور کمی کی وجہ سے ناقص ہے
اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے کتاب منازل
السائرین کو ان تین شعروں پر ختم کیا ہے۔
جو ایک ہے وہ ایک کی توحید نہیں کر سکتا۔
اس لیے ہر وہ شخص جو اس کی توحید کریگا وہ منکر ہوگا۔
اس شخص کی توحید جو اپنی طرف سے کہتا ہے۔
ایک عاریت ہے جس کو ایک باطل کر دیتا ہے
اس کا اپنی توحید بیان کرنا حقیقتاً توحید ہے۔
اور اس شخص کی تعریف جو اس کی تعریف کرتا ہے
توحید کی حقیقت سے منحرف ہے

لے وجود کے نقصان کی وجہ سے مخلوق کی توحید ناقص ہے۔ وجود کے نقصان سے مراد اور اس کا مرکب ہونا
اور اس کا مقید ہونا ہے اور اس کی توحید کا ناقص ہونا اس بنار پر ہے کہ مرکب اور مقید واحد حقیقی کو معلوم نہیں کر سکتا اور اس
کی صفت کا ادراک نہیں کر سکتا ۲ے اس کلام کا اجمال اور حاصل یہ ہے کہ توحید حقیقی اس وقت حاصل ہو گی جب کہ حق سبحانہٗ
کا جو بسیط حقیقی ہے۔ بغیر کسی امر کی رکاوٹ کے ادراک کیا جائے گا اور اس کی حقیقت کو پائے گا اور یہ بات خدا تعالےٰ کے لیے
تو ممکن ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ بسیط ہے اور اس کی مزاحمت کرنے والا اور روکنے والا کوئی نہیں ہے اور اللہ کے
ماسوا کوئی ہستی بھی توحید کی حقیقت کو نہیں پا سکتی اس لیے کہ غیر حق سبحانہٗ و تعالےٰ جو بھی ہے وہ نوعِ ترکیبی سے خالی نہیں۔
اور جو مرکب ہو گا وہ غیر مرکب کو بطریقِ ذوق نہیں پائے گا۔ جیسے کہ حکماء کے نزدیک ثابت ہے۔ اس بنار پر اگر کوئی شخص
توحید حقیقی کا دعویٰ کرے گا تو اس کا حال اس کے قال کی تکذیب کرے گا۔ یعنی حقیقی توحید حق سبحانہٗ خود کر سکتا ہے ورنہ کسی
ممکن کا توحید کا دعویٰ کرنا توحید کے خلاف ہے کیونکہ توحید میں نسبت اور طرفین کا ہونا ضروری ہے جب آپ کو بات کا خلاصہ
معلوم ہو گیا تو اب ہم شعروں کا حل بیان کرتے ہیں۔ پہلے شعر کا مطلب یہ ہے، توحید کی چاروں قسموں میں سے توحید حقیقی کی نفی
کی طرف اشارہ ہے دوسرے شعر میں توحید قالی کے علاوہ کی طرف اشارہ ہے اور تیسرے شعر میں توحید حالی کی نفی کی طرف
اشارہ ہے۔ پہلا شعر ما وحّد الواحد الخ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی آدمی بھی حق واحد کے لیے توحید حقیقی کو نہیں پائے
گا۔ اس لیے کہ جو شخص بھی اس کی توحید کرے گا۔ خواہ توحید ایمانی کے ساتھ یا علمی اور رسمی کے ساتھ ہو تو وہ عین توحید میں کثرت
کو ثابت کرنے والا ہے جو عبارت ہے توحید کی نسبت اور طرفین سے کہ ایک توحید کہنے والا ہے اور ایک وہ جس کی توحید
کی جا رہی ہے اور اگر توحید حالی کرتا ہے تو اس کا مُدرَک اور مشہود یعنی جس کا وہ ادراک اور مشاہدہ کرتا ہے بجز اس مرکب کے
نہ ہو گا جو کہ اضافی بسیط ہو۔ اس بنار پر کہ مرکب بسیط کے لیے نہیں آئے گا۔ پس تمام صورتوں میں وہ توحید حقیقی کا فاقد ہو گا۔
(یعنی گم کرنے والا اور مفقود الحال ہو گا)، اور جب فاقد ہو گا تو اس کا حال اس کے دعویٰ کو جھٹلا دے گا۔ اگرچہ لسان قال کے ساتھ
دعویٰ کرنے والا ہو گا۔ تو لسانِ حال کے ساتھ منکر ہو گا۔ یعنی اس شخص کی توحید جو حق واحد کی صفت کی بات کرتا ہے اور اس
کو احدیت پر موصوف کرتا ہے جیسے کہ توحید حالی کے اسوا میں توحید صوری عاریتی ہوتی ہے حقیقی نہیں اس لیے کہ حق واحد
کی حقیقت اس توحید کے بطلان (ضائع ہونے)، پر حکم لگاتی ہے اس لیے حال و قال دونوں کی موافقت نہیں ہے۔ کیونکہ
وحدت حق بسیط حقیقی (منفرد)، ہے اور آدمی کی توحید کثرت کی متضمن ہے۔ جو عبارت توحید کی نسبت اور طرفین سے
یعنی توحید حقیقی وہ ہے جو خود حق سبحانہٗ، اپنی توحید کہے، اس بنار پر کہ حق سبحانہٗ، وہ بسیط بے مزاحم ہے اور اپنی ذات سے
حاضر و موجود ہے اور حق سبحانہٗ کی وحدت کے ساتھ زبانِ حال سے صفت کرنا" وہ دل کا غیر حق سبحانہٗ، سے خالی ہونا ہے۔ یہ
الیسا التعین ہے جو حقیقتِ توحید سے لا محالہ منحرف ہے اس بنار پر پھر کہ اس کا جو مدرک و مشہود ہے وہ بسیط اضافی ہے حقیقی
نہیں۔ لہٰذا وہ حق کی وحدت کے مطابق جو بسیط حقیقی ہے نہ ہوا اور واقع سے منحرف ہوا۔ واللہ اعلم۔

القول فی اصناف ارباب الولایۃ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم

وفی کتاب کشف المحجوب۔ خداوند سبحانہٗ وتعالےٰ برہان نبوی راباقی گردانیدہ است واولیار راسبب اظہار آن کردہ تاپیوستہ آیاتِ حق ومحبتِ صدقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر می باشد ومرایشاں راوالیان عالم حق گردانیدہ تامجرد مجدد مرحدیث وے راگشتہ اند وراہ متابعت نفس رادرنوشتہ از آسمان باران ببرکات اقدامِ ایشاں آید واز زمین نبات بصفار احوالِ ایشاں رویدوبرکافراں مسلماناں نصرت بہمت ایشاں یابندواز چہار ہزار اندکہ مکتومانندو مریکدیگر رانشناسند وجمالِ حالِ خود ندانندواندر کل احوال ازخود وخلق مستور باشند۔ واخبار برین واروست وسخنِ اولیار بدین ناطق ومرا خوداندرین معنی بحمد اللہ خبر عیان گشتست

داما آنانکہ اہل حل وعقد ندوسرہنگان درگاہِ حق اندسیصد اندکہ مرایشانرا اخیار خوانند وچہل دیگر ازایشاں راابدال خوانند وہفت دیگر

اربابِ ولایت قدس اللہ اسرارھم ولایت والو "اولیار" کے بیان ہیں۔

اور کتاب کشف المحجوب ہیں ہے کہ خداوند سبحانہٗ، وتعالےٰ نے نبوی دلیل اور حجت کو قائم وباقی بنادیا ہے اور اولیا کے ظاہر کرنے کا سبب کردیا تاکہ ہمیشہ حق تعالیٰ کی نشانیاں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت ظاہر ہوتی رہے اور ان اولیار کرام کو خدا تعالےٰ کے جہان کا والی بنادیا گیا تاکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ظاہر کرنے والے اور اس کی تجدید کرنے والے رہیں اور نفس کی پیروی کا راستہ لپیٹ دیا جاوے۔ ان کے قدموں کی برکتوں سے آسمان سے بارش آتی ہے[1] اور ان کے احوال کی صفائی کے باعث زمین سے نباتات اگتے ہیں اور ان کی ہمت سے کافروں پر مسلمان نصرت پاتے ہیں۔ اور ان میں سے چار ہزار چھپے ہوئے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے بلکہ اپنے حال کے جمال کو بھی نہیں جانتے[2] اور وہ تمام احوال میں خود سے اور مخلوق سے چھپے رہتے ہیں۔ اور اخبار یعنی حدیثیں اس پر وارد ہیں اور اولیار کی باتیں اس پر ناطق وگواہ ہیں اور بحمد اللہ مجھے بھی اس مطلب میں خبر یعنی بات ظاہر اور عیاں ہوچکی ہے، لیکن جو لوگ کہ اہل حل وحل وعقد[3] اہل تصرف اور حق تعالےٰ کی درگاہ کے سپاہی اور لشکر کے سردار ہیں وہ تین سو ہیں کہ ان کو اخیار کہتے ہیں۔ ان میں سے دوسرے چالیس ان کو ابدال

---

[1] اس بارش کے برسنے میں نہ ان کا تصرف اور دخل ہوتا ہے نہ ان کو اس کا پتہ ہوتا ہے وہ خود سے اور مخلوق سے پوشیدہ ہوتے ہیں [2] یعنی اپنے حالات کی تفصیل کو نہیں جانتے اور دوسرے بھی تفصیلی طور پر ان کو نہیں جانتے [3] یعنی اہل تصرف ہیں اور ان سے جو کام صادر (بقیہ صفحہ ۸۵ پر)

ایشاں را ابرار خوانند۔ وچہار دیگر اند کہ ایشاں را اوتاد خوانند وسہ دیگر اند کہ ایشاں را نُقبا خوانند ویکی دیگر کہ وے را قطب وغوث خوانند واین جملہ یک دیگر را بشناسند واندر امور باذن یک دیگر محتاج باشند وبرین نیز اخبار مروی ناطق ست واہل حقیقت بر صحت این مجتمع اند صاحب کتاب فتوحاتِ مکیہ رضی اللہ عنہ در فصل سی ویکم از باب صد ونود وہشتم ازان کتاب رجال ہفتگانہ را ابدال گفتہ ست ودر انجا ذکر کردہ کہ حق سبحانہ، وتعالےٰ زمین را ہفت اقلیم گردانیدہ وہفت تن از بندگان خود برگزیدہ وایشاں را ابدال نام نہادہ ووجود

بولتے ہیں اور سات اور ہیں ان کو ابرار۔ اور چار اور ہیں ان کو اوتادؔ کہتے ہیں۔ اور تین اور ہیں ان کو نقبا بولتے ہیں اور ایک اور ہے اس کو قطب اور غوث بولتے ہیں اور یہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور کاموں میں میں ایک دوسرے کی اجازت کے پابند اور محتاج ہوتے ہیں اور اس پر حدیث کی روایات موجود ہیں اور گواہ ہیں اور اہل حقیقت اس کی صحت پر متفق ہیں۔ صاحب کتاب فتوحات مکیہ رضی اللہ عنہ نے اس کتاب کے کے باب ۱۹۸ کی فصل ۳۱ میں سات مردوں کو ابدال کہا ہے اور وہاں ذکر کیا ہے کہ حق سبحانہ، وتعالےٰ نے زمین سات اقلیم بنایا اور سات آدمی اپنے بندوں میں سے چنے اور ان کا نام ابدال رکھا اور ان سات بندوں

ہوتے ہیں وہ ان کے اختیار سے صادر ہوتے ہیں [۱] ان کا مقام مشرق ومغرب جنوب وشمال ہے اور ان چاروں سمتوں کی تقسیم کعبہ کی سمتوں سے ہے کہ ان کی برکت سے جہاں کے سارے جہات کی حفاظت کرتا ہے اور اسی وجہ سے ان کو اوتاد کہتے ہیں جیسے کہ خیمہ کی بنیاد جس چوب کے ساتھ اس کلی کو وتد کہتے ہیں، یادداشت ۔ وہ اوتاد جن کے ذریعہ اللہ تعالےٰ جہان کی حفاظت کرتے ہیں وہ چار ہیں ان میں کا پانچواں نہیں اور یہ ابدالوں سے زیادہ خاص ہیں اور امامان ان سے زیادہ خاص ہیں اور قطب ساری جماعت سے زیادہ خاص ہے ابدال اس جماعت پر لبطریق لفظ مشترک ہے یہ حضرات ابدال کے لفظ کا اطلاق ان پر کرتے ہیں جن کے اوصاف مذمومہ (بری عادات) صفاتِ محمودہ (قابلِ تعریف عادات) سے بدل جائیں اور اس کا اطلاق خاص عدد پر کرتے ہیں بعض حضرات کے نزدیک یہ لوگ چالیس [۴۰] ہیں اس صفت کے ساتھ پر آپس میں جمع ہوتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد سات ہے۔ ان سات ابدالوں کے لیے جو اوتاد کے درجہ سے خارج ہیں اور ان سے ممتاز اور جدا واے ہیں، وہ کہتے ہیں چار اوتاد پس کل ابدال سات ہیں اور ان سات میں سے چار اوتاد اور دو امام ہیں اور ایک قطب ہے اور یہ مجموعی طور پر سب کے سب ابدال ہیں اور ان لوگوں نے کہا، ابدال کا نام ابدال اس لیے ہے کہ جب ان میں سے ایک مرجاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ چار چلے لیتا ہے اور چالیس میں سے ایک لیاجاتا ہے اور چالیس کو تین سو میں یعنی اخیار میں سے ایک کو لیکر پورا کیا جاتا ہے اور صالح مومنوں میں سے ایک کو لے کر تین سو اخیار کو پورا کیا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انکا نام ابدال اسلیئے رکھا گیا کہ انکو وہ قوت دی گئی ہے کہ جہان پر وہ چاہتے ہیں اپنے جسموں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (الخ۔ فتوحات مکیہ سہویں باب میں ایسے ہی ہے۔

هر اقلیمی را هر یکے ازاں هفت گانه نگاه میدارد
و گفته ست که من در حرم مکہ ایشاں جمع شدم
و بر ایشاں سلام گفتم و ایشاں بر من سلام گفتند
و با ایشاں سخن گفتم ؎

فما رأیت فیما رأیت احسن سمتا
منهم ولا اکثر شغلا منهم با الله

و فرموده است که مثل ایشاں نیز ندیدم مگر یک
کس در قونیہ۔ شیخ طریقت شیخ فرید الدین
عطار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ گفته اند قومی از
اولیاء اللہ عزوجل باشند که ایشاں را مشائخ
طریقت و کبراء حقیقت اولیسیان نامند و
ایشاں را در ظاهر به پیرے احتیاج نبود زیرا
که ایشاں را حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
در حجر عنایت خود پرورش می دہد بی۔ واسطہ
غیرے چنانکه اویس را داد۔ رضی اللہ عنہ
و ایں عظیم مقامی بود و بس عالی تا کرا اینجا رسانند
و ایں دولت روے بکہ نماید۔ ذالک
فضل الله یؤتیه من یشآء۔

و هم چنیں بعضے از اولیاء اللہ که متابعین آنحضرت
اند صلی اللہ علیہ وسلم۔ بعضے از طالبان را بحسب
روحانیت تربیت کرده اند بی آنکه او را در
ظاهر پیرے باشد و ایں جماعت نیز داخل

میں سے ایک کے ساتھ ہر ایک اقلیم کی کے وجود کی
حفاظت کرتا ہے۔ اور کہا ہے کہ حرم مکہ میں ان کے
ساتھ جمع ہوا ہوں یعنی ملا ہوں اور ان پر سلام کہا اور انہوں
نے مجھ پر سلام کہا اور ان سے بات کہی۔ پس میں نے جہاں
تک دیکھا ان سے بڑھ کر اچھے طریقہ میں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں
مشغولیت والا اور ایسے لگاؤ اور تعلق والا کوئی نہیں دیکھا
اور فرمایا ہے کہ میں نے ان جیسا بھی کوئی اور نہیں دیکھا
البتہ شہر قونیہ میں ایک شخص کو ان جیسا دیکھا۔ شیخ طریقت
شیخ فرید الدین عطار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے کہا ہے
اولیاء اللہ عزوجل میں کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کا مشائخ
طریقت اور کبراء حقیقت اویسیان کا نام رکھتے ہیں
اور ان حضرات کے لیے ظاہر میں پیر کی ضرورت نہیں
ہوتی۔ اس لیے کہ ان کو حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
بغیر کسی اور کے ذریعہ کے براہ راست اپنی عنایت کی
گود میں پرورش تربیت دیتے ہیں۔ جیسے کہ اویس رضی
اللہ عنہ کی پرورش (بغیر کسی واسطہ کے) کی۔ اور یہ
بڑا مقام ہوتا ہے اور بہت ہی عالی، کہ کس کو یہاں
پہنچائیں اور یہ دولت کس کی طرف رخ کرے یعنی
کوئی کوئی ہی ایسا خوش بخت ہوتا ہے جس کو یہ سعادت
نصیب ہو یہ اللہ کا فضل ہے جس کو وہ چاہتا ہے دے
دیتا ہے۔

اور اس طرح پر بعض اولیاء اللہ نے جو کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے ہیں کہ انہوں
نے بعض طالبین کی روحانیت کے طریقہ پر تربیت
کی ہے بغیر اس کے کہ ظاہر میں اس کا کوئی پیر ہو اور یہ

اویسیانند وبسیارے از مشائخ طریقت را
در اوّل سلوک توجّہ بایں مقام بودہ ست
چنانکہ شیخ بزرگوار شیخ ابوالقاسم گرگانی طوسی را۔
کہ از سلسلۂ مشائخ حضرت ابوالجنّاب
نجم الدین الکبرٰی بالیشان می پیوند دو از
طبقہ شیخ ابوسعید ابوالخیر و شیخ ابوالحسن خرقانی
قدس اللہ تعالےٰ ارواحھم در ابتدار ذکر این
بودہ کہ علی الدوام گفتی اُوَیس اُوَیس۔

جماعت بھی اویسیوں میں داخل ہے[1] اور بہت سے
مشائخ طریقت کو اوّل سلوک میں اس مقام کی طرف
توجہ ہوئی ہے۔ جیساکہ شیخ بزرگوار شیخ ابوالقاسم گرگانی طوسی
کو۔ جن کا سلسلہ مشائخ حضرت ابوالجنّاب نجم الدین کبرٰی
تک ملتا ہے اور شیخ ابوسعید ابوالخیر کے طبقہ سے اور شیخ
ابوالحسن خرقانی قدس اللہ تعالےٰ ارواحھم کا ابتدار میں یہ ذکر
ہوتا تھا کہ ہمیشہ وہ اُویس، اُویس کہتے رہتے تھے۔

القول فی الفرق بین المعجزۃ والکرامۃ والاستدراج

معجزہ کرامت اور استدراج کے فرق میں

وفی التفسیر الکبیر للامام النحریر
فخرالدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ۔
اذا ظہر فعل خارق للعادۃ علیٰ
ید انسان فذالک اما ان یکون
مقرونا بالدعوٰی اولا مع الدعوے۔
والقسم الاول وھو ان یکون

امام العلامہ فخرالدین رازی
رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر
کبیر میں ہے[2] جب کوئی فعل
خرقِ عادت کے طور پر کسی انسان کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔
دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کے ساتھ دعوٰی ہوگا یا
دعوٰی کے ساتھ نہ ہوگا۔ پھر قسم اوّل کے ساتھ کئی

---

[1] یعنی اویسی کے لیے ضروری نہیں کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے تربیت پائے بلکہ جو شخص اولیا میں سے کسی بھی ولی کی روحانیت سے تربیت پائے اس کو بھی اویسی کہتے ہیں وہ ولی قید حیات میں ہو یا نہ ہو۔

[2] امام محمد بن عبداللہ بن علی یافعیؒ کی تاریخ میں ہے کہ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں وہ نوادرات اور عجائبات جمع کیے ہیں جن پر طالب خوش ہوتا ہے اور شوق سے پڑھتا اور واقعی بہت بڑی کتاب ہے اور وعظ بھی یہ بیضار تھا اور امام مذکور عربی اور غیر عربی میں وعظ کرتے تھے اور وعظ کے دوران ان کو وجد حاصل ہوتا بہت روتے تھے شہر ہرات میں ان کی مجلس میں مذاہب والے اور اہل مقالات حاضر ہوتے تھے اور ان سے سوالات کرتے تھے اور وہ سائل کو بہت عمدہ جوابات دیتے۔ دلات میں اور اس کے سبب سے کرامیہ وغیرہ فرقوں کے لوگ اہل سنت کے مذہب کی طرف رجوع ہوگئے۔ ایران میں ان کو شیخ الاسلام کہتے تھے اور ہرات میں ہی دوشنبہ کو عیدالفطر کے دن ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔ (باقی صفحہ ۸۸ پر)

بالدعوی اما ان یکون دعوی الالٰھیۃ او دعوی النبوۃ او دعوی الولایۃ او دعوی السحر وطاعۃ الشیاطین۔

فھذا اربعۃ اقسام القسم الاول ادعاء الالٰھیۃ وجوز اصحابنا ظھور خوارق العادات علیٰ یدہ من غیر معارضۃ کما نقل انّ فرعون کان یدّعی الالٰھیۃ وکان یظھر علیٰ یدہ خوارق العادات وکما نقل ذالک ایضا فی حق الدجال قال اصحابنا وانما جاز ذالک لانّ شکلہ وخلقتہ یدل علی کذبہ فظھور الخوارق علیٰ یدہ لا یقضی الی التلبیس والقسم الثانی ادّعاء النبوۃ وھٰذا القسم علیٰ قسمین لانّہ اما ان یکون ذالک المدعی صادقا او کاذبا فان کان صادقا وجب ظھور الخوارق علیٰ یدہ وھذا متفق علیہ بین کل من اقرّ بصحۃ النبوۃ واما من کان کاذبا لم یجز ظھور الخوارق علیٰ یدہ وبتقدیر ان یظھر وجب المعارضۃ واما القسم الثالث وھو ادعاء الولایۃ فالقائلون بکرامات الاولیاء اختلفو فی انہ ھل یجوز ادعاء

قسمیں ہوں گی۔

یا تو وہ دعوٰی خدائی کا ہوگا یا نبوت کا یا ولایت کا دعوٰی ہوگا۔ یا جادو کا یا شیاطین کی اطاعت کا۔

بس یہ چار قسمیں ہوئیں۔ پہلی قسم خدائی کا دعوٰی اور ہمارے اصحاب نے عادات کے خوارق کا ظہور اس کے اس کے ہاتھ پر بغیر مخالفت کے جائز رکھا ہے۔ جیسے کہ نقل کیا گیا کہ فرعون خدائی کا دعوٰی کرتا تھا اور اس کے ہاتھ پر خوارق عادات ظاہر ہوتے تھے اور جیسے کہ دجّال کے حق میں بھی منقول ہے۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں اور یہ اس بنار پر درست ہے کہ اس کی شکل اور خلقت بناوٹ اس کے جھوٹ پر دلالت کرتی ہے پس خوارق کا اس کے ہاتھ پر ظاہر ہونا وہ دھوکا میں آجانے کی طرف مقضی نہیں ہوتا۔ اور دوسری قسم نبوّت کا دعوٰی کرنا اور یہ بھی دو قسموں پر ہے۔ اس لیے کہ یہ دعوٰی کرنے والا یا تو سچا ہوگا یا جھوٹا۔

اگر وہ سچا ہے تو خوارق کا ظہور اس کے ہاتھ پر واجب ہے اور جو کوئی بھی نبوّت کے صحیح ہونے کا اقرار کرتا ہے وہ اس پر متفق ہے اور جو شخص نبوت کے دعوٰی میں جھوٹا ہے اس کے ہاتھ پر خوارق کا ظاہر ہونا جائز نہیں اور اگر بالغرض ظاہر ہو تو جھگڑا اور فساد ضروری

اور یہ بھی قول ہے کہ ان کو کرامیہ فرقہ کے لوگوں نے قتل کر دیا تھا۔ ان کی ولادت ۲۵ رمضان ۵۴۴ھ/۵۴۳ھ میں شہر رے میں ہوئی۔

الکرامۃ ثم انہا یحصل علیٰ وفق دعداد ام لا۔ القسمۃ الرابع وھو ادعاء السحر وطاعۃ الشیاطین فعند اصحابنا یجوز ظہور خوارق العادات علیٰ یدہٖ وعند المعتزلۃ لا یجوز۔

واما الثانی وھو ان یظہر خوارق العادات علیٰ ید انسان من غیر شئی من الدعاوی فذالک الانسان واما ان یکون صالحا مرضیا عند اللہ واما ان یکون خبیثا مذنبا والاول من القول بکرامات الاولیاء وقد اتفق اصحابنا علیٰ جوازہٖ وانکرھا المعتزلۃ الا ابا الحسین البصری وصاحبہ محمود الخوارزمی۔

ہے اور تیسری قسم جس سے خرق عادت ہو وہ ولایت کا دعویٰ کرتا ہے پس جو لوگ اولیاء کی کرامت کے قابل ہیں وہ اس امر میں مختلف ہیں کیا کرامت کا دعویٰ جائز ہے پھر یہ کہ اس کے دعوے کیمطابق وہ امر ہو جاتا ہے یا نہیں۔

چوتھی قسم یہ کہ جادو اور شیاطین کی اتباع کا مدّعی ہے، سو ہمارے اصحاب کے نزدیک اس کے ہاتھ پر خوارق عادات کا ظہور جائز ہے، لیکن معتزلہ کے نزدیک جائز نہیں۔

اور دوسرے یہ کہ کسی آدمی کے ہاتھ پر بغیر کسی دعوایٰ کے خوارق عادات ظاہر ہوں اور وہ آدمی یا تو صالح ہوگا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوگا یا وہ خبیث اور گنہگار ہوگا پہلی صورت تو کرامات الاولیاء کی ہے اور اس کے درست ہونے پر ہمارے حضرات کا اتفاق ہے اور معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے مگر ابوالحسین البصری اور اس کے شاگر محمود الخوارزمی نے اس کا انکا نہیں کیا ہے۔

واما القسم الثانی وھو ان یظہر خوارق العادات علیٰ بعض من کان مردودا عن طاعۃ اللہ فھذا ھو المسمّٰی بالاستدراج۔

اور (اس کی) دوسری قسم یہ ہے کہ خوارق عادات کسی ایسے آدمی پہ ظاہر ہوں جو اللہ کی اطاعت سے مردود ہے۔ یعنی فاسق و بے دین ہے پس اس کی خوارق کو استدراج کا نام دیا جاتا ہے۔

القول فی اثبات الکرامۃ الاولیاء

وفی کتاب دلائل النبوۃ للامام المستغفری رحمہ اللہ کرامات الاولیاء حق بکتاب اللہ تعالیٰ والآثار الصحیحۃ المرویۃ واجماع اھل السنۃ والجماعۃ علیٰ ذالک فاما الکتاب فقولہ تعالیٰ۔ کلما دخل علیھا زکریا المحراب وجد عندھا رزقا قال اھل التفسیر فی ذالک کان یریٰ عندھا فاکھۃ الصیف فی الشتاء

کرامتِ اولیاء کے ثبوت میں

کتاب دلائل النبوۃ مصنفہ امام مستغفری رحمۃ اللہ میں ہے کہ "کرامات اولیا" اللہ تعالیٰ کی کتاب اور صحیح احادیث مرویہ اور اہل السنت والجماعت کے اجماع سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ سے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا، "کلما دخل علیھا" تا "رزقا" جب بھی زکریا مریم کے پاس محراب میں جاتے اس کے پاس رزق کو پاتے۔ اہل تفسیر نے اس کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ

---

[1] کرامت سے مراد خرقِ عادت ہے یعنی اس چیز کو باطل اور بے اثر یا غلط بنانا جس پر عادت جاری ہے خواہ کرامت والے کے ارادہ و تصرف کا اس میں دخل ہو یا نہ ہو، دوسری قسم کی مثال مریم علیہ السلام کے پھلوں کا موجود ہونا اور اصحاب کہف کا بحفاظت رہنا جیسے کہ امام مستغفری کی کتاب دلائل النبوۃ میں مذکور ہے کہ کراماتِ اولیاء سچ ہے یعنی حقیقت پر مبنی ہے جیسے کہ قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے اور اس بات پر اہلِ سنت وجماعت متفق ہیں کہ اولیا سے کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ [2] امام مستغفری، مقتدار ہوئے ہیں۔ خطیب اور حافظ تھے۔ یعنی احادیثِ نبوی علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام کو بکثرت یاد رکھنے والے تھے۔ ان کی کیفیت ابوالعباس تھی اور نام جعفر اور "نسف"، جو سمرقند کے توابع میں سے ہے اس کے رہنے والے تھے اور قرشی کے لقب سے مشہور ہیں اور وہ فقیہ، فاضل محدث اور مکثر یعنی بہت زیادہ احادیث ان کو حفظ تھیں۔ سچ بولنے میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ صاحب فہم ومعرفت اور صاحبِ ایقان ہوئے ہیں اور بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور ان کی تصانیف بڑی قابلِ قدر اور مقبول ہوئیں اور ماوراءالنہر کے اندر ان کے زمانہ میں کوئی شخص تصنیف اور فہم حدیث ان کے برابر نہ ہوا۔

ان کی ولادت ۳۵۰ھ میں اور وفات آخر جمادی الاوّل ۴۳۲ھ میں ہوئی اور ان کی قبر نسف میں رودخانہ کے کنارہ پر ہے انساب سمعانی میں اسی طرح مذکور ہے۔

وفاکھۃ الشتاء فی الصیف
و مریم رضی اللہ عنہا لم تکن
نبیۃ بالاجماع فھذہ الآیۃ
حجۃ علی منکر الکرامات للاولیاء و
فی کتاب کشف المحجوب۔

گرمی کا پھل سردی میں دیکھتے اور سردی کا پھل
گرمی میں دیکھتے اور مریم رضی اللہ عنہا بالاجماع
نبیہ نہیں تھیں۔ پس یہ آیت اولیاء کی کرامت
کے منکروں کے لیے حجت اور دلیل ہے اور
کتاب کشف المحجوب میں ہے کہ خداوند سبحانہ،
وتعالے نے قرآن پاک صریح الفاظ میں آصف کی
کرامت کی خبر دی ہے۔

خداوند سبحانہ، وتعالے درلفس کتاب مارا خبر داد
از کرامت آصف کہ چوں سلیمان را بایست
کہ تخت بلقیس پیش از آمدن وے آنجا
حاضر کند و خدائے تعالے خواست تا شرف
آصف را بخلق نماید و کرامت وے
ظاہر کند و باہل زمانہ باز نماید کہ کرامت
اولیاء جائز بود سلیمان علیہ السلام گفت
از شما کیست کہ تخت بلقیس را پیش
از آمدن وے اینجا کند۔ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِنَ
الجن انا اٰتیک بہ قبل ان تقوم
من مقامک عفریت از جن گفت من
بیارم تخت وے را پیش از انکہ تو برخیزے
از جایگاہ خود سلیمان علیہ السلام گفت زود
تر خواہم آصف گفت، انا اٰتیک بہ قبل
ان یرتد الیک طرفک
من پیش از انکہ تو چشم برہم زنی من تخت اینجا
حاضر کنم بدین گفتار سلیمان بروے متغیر نشد
و انکار نکرد و یرا آن مستحیل نیامد و این ہیچ

کہ جب سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ بلقیس کے
آنے سے پہلے اس کا تخت یہاں حاضر کریں اور
خدا تعالے نے چاہا کہ آصف کا شرف مخلوق کو دکھائے
اور اس کی کرامت ظاہر کرے اور زمانہ والوں کو بھی
دکھائے کہ اولیاء کی کرامت جائز ہے۔ سلیمان علیہ السلام
نے کہا تم میں سے کون ہے جو بلقیس کے تخت کو اس کے
آنے سے پہلے یہاں حاضر کر دے۔ قَالَ عِفْرِیْتٌ الخ۔
جنات میں سے عفریت[1] نے کہا میں اس کو لے آؤں گا،
اس سے پہلے کہ آپ اپنے مقام سے دربار سے اٹھیں
سلیمان علیہ السلام نے کہا میں اس سے بھی جلدی چاہتا
ہوں تو آصف نے کہا۔ انا اٰتیک الخ میں اسے یہاں
لادوں گا اس سے قبل کہ آپ آنکھ کھولیں اور بند کریں
یعنی ایک پل میں اس تخت کو یہاں پرے آؤں گا۔
آصف کی اس بات سے سلیمانؑ اس پر غصہ نہ ہوئے
اور نہ اس کا انکار کیا اور نہ ان کو یہ کام محال اور ناممکن معلوم
ہوا اور تخت کا سلیمان کے دربار میں آجانا کسی حال میں

---

[1] عفریت خبیث جن۔ دیو کو کہتے ہیں۔

حال معجزہ بنود زیراکہ آصف پیغمبر بنود پس
لامحالہ باید کہ کرامت باشد و نیز احوال
اصحاب کہف و سخن گفتن سگِ
بالیشاں و خواب الیشاں و تقلّب الیشاں
اندر کہف بر یمین و یسار
"ونقلبھم ذات الیمین و ذات
الشمال وکلبُھُمْ باسط ذراعیہ
بالوصید" (سورۂ کہف) ع ۳ -
این جملہ ناقض عادت ست و معلوم
ست کہ معجزہ نیست پس باید کہ کرامت
باشد۔
واما اثباتِ کرامتِ اولیاء بسنت آنست
کہ در حدیث وارد ست کہ روزی صحابہ
رضی اللہ عنہم گفتند یارسول اللہ مارا از
عجائب امم ماضیہ چیزے بگو۔
گفت پیش از شما سہ کس بجائے میرفتند
چوں شبانگاہ شد قصد غاری کردند و اندر آنجا
شدند چوں پارۂ شب بگذشت سنگی
از کوہ در افتاد و درِ غار استوا گشت الیشاں
متحیّر شدند گفتند کہ نماند مارا ازینجا ہیچ چیز
جز آنکہ کردارہاے خود را آنچہ بے ریاست
بخداوند سبحانہ شفیع آوریم۔ یکے گفت
مرا مادرے و پدرے بود از مال دنیا چیزے
نداشتم کہ بالیشاں دہم بجز بزے کہ شیر او
بدلیشاں دادمی و من ہر روز پشتۂ ہیزم

معجزہ نہ تھا اس لیے کہ آصف پیغمبر نہ تھے۔ پس لامحالہ
اس کو کرامت ہونا چاہیئے اور اصحابِ کہف
کے حالات اور کتے کا ان سے باتیں کرنا اور ان
کا سونا اور ان کا دائیں اور بائیں۔
ونقلبھم ذات الیمین۔ اور ہم ان کو دائیں
بائیں بدلتے رہے اور ان کا کتا اپنے پاؤں دہلیز
پر پھیلائے رہا۔

یہ سب باتیں عادت کے خلاف ہیں اور
معلوم ہے کہ یہ معجزہ نہیں پس لامحالہ کرامت
ہونگی۔
اور کرامت کا سنت "حدیث" سے یہ ثبوت
ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن صحابہ رضی
اللہ عنہم نے کہا۔ یارسول اللہ گزشتہ امتوں کے
عجائبات میں سے کوئی چیز فرمائیں۔
آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے تین آدمی کہیں جا رہے
تھے جب رات کا وقت ہوا تو انہوں نے ایک غار
کا قصد کیا اور اس کے اندر چلے گئے۔ جب رات کا کچھ
حصہ گزر گیا۔ تو پہاڑ سے ایک پتھر گرا اور غار کا دروازہ
بند ہوگیا وہ لوگ حیران رہ گئے کہ ہمیں اس جگہ سے
کوئی چیز نہ نکال سکے گی۔ بجز اس کے کہ اپنے ان
اعمال کو جو بے ریا ہیں خداوند سبحانہ کی بارگاہ میں
سفارشی لاویں۔ ایک نے کہا، میرے ماں باپ تھے
میں دنیا کے مال میں سے کچھ نہ رکھتا تھا کہ ان کو دوں
بجز ایک چھوٹی بکری کے کہ اس کا دودھ ان کو دیتا اور

بیاوردمے وبہائے آں اندر وجہ طعام خود
کردمے شبے بیگاہ در آمدم تامن آں بزرگ
را بدوشیدم وطعام ایشاں در شیر آغشتم ایشاں
خفتہ بودند آں قدح در دستِ من بماند من
برپائے ایستادہ وچیزے ناخوردہ انتظار
بیداری ایشاں می بردم صبح بر آمد وایشاں بیدار
شدند وطعام خوردند آنگاہ بنشستم
وگفتم بارخدایا اگر من دریں راست گویم مرا
فریادرس۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمود
آں سنگ جنبیدنے کرد وشگافے پدید آمد۔
ودیگرے گفت مرا دختر عمے بود باجمال و
دلم پیوستہ مشغول وے بود وہرچند اورا بخواندمی
اجابت نمی کرد تا وقتے بحیلہ صد دانہ دینار
زر بدو فرستادم تا یک شب بامن خلوتے کرد
چوں بنزدیک من در آمد ترسے در دلم پدید آمد
از ترس خداوند تعالےٰ دست از وے
برداشتم بار۔
خدایا اگر من دریں راست گویم مارا فرجے
فرست پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گفت آں
جنبیدنے دیگر کرد وآں شگاف زیادہ شد۔
امانچنانکہ ازاں بروں توانند شد۔ آنکھیں سومین
گفت مرا گروہی مزدوراں بودند چوں کارے
کہ می کردم تمام شد ہمہ مزد خود بستندند یکے
ازاں ناپدید شد من از مزدوی گوسفندے
خریدم یکساں ودوساں ودہ سال وچہل سال

اور میں ہر روز لکڑیوں کا گٹھا لاتا اور اس کی قیمت اپنے
کھانے میں صرف کرتا۔ ایک رات میں بہت دیر
سے آیا میں نے اس بکری کا دودھ دوہا۔ اور ان کا کھانا
دودھ میں ملایا۔ وہ سو گئے تھے میں وہ پیالہ اپنے
ہاتھ میں لیے کھڑا رہا اور بغیر کھائے ان کی بیداری
اور جاگنے کے انتظار میں ساری رات گزار دی۔
جب صبح ہوئی اور وہ جاگ گئے اور کھانا کھایا۔
اس وقت میں بیٹھا اور کہا خداوند اگر میں اس بات میں
سچا ہوں تو میری فریاد سن اور میری امداد فرما۔ پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا اس پتھر نے حرکت کی۔ جھری ظاہر ہو گئی۔
اور دوسرے نے کہا، میری چچازاد بہن خوبصورت تھی
اور دل ہمیشہ اس میں مشغول رہتا تھا۔ میں اس کو ہرچند
بلاتا مگر وہ نہ مانتی تھی۔ یہاں تک کہ میں نے تدبیر کے
طور پر سو اشرفیاں سونے کی اس کو بھیجیں۔ یہاں تک کہ
ایک رات اس نے میرے ساتھ تنہائی کی۔ جب وہ میرے
قریب آئی تو ایک خوف خداتعالیٰ کی طرف سے میرے
دل میں پیدا ہوا میں نے اس سے ہاتھ روک لیا۔
خدایا اگر میں اس بات میں سچا ہوں تو ہمارے لیے
کشادگی بھیج۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ پتھر
دوسری مرتبہ سرکا۔ اور وہ جھری زیادہ ہو گئی مگر اتنی نہیں
کہ یہ لوگ اس سے باہر نکل سکیں۔ اس تیسرے آدمی
نے کہا میرے پاس مزدوروں کا ٹولہ تھا۔ جب میرا
کام پورا ہو گیا۔ سب نے اپنی مزدوری لے لی ایک
ان میں سے غائب ہو گیا میں نے اس کی مزدوری سے
ایک بکری خریدی ایک سال، دوسال اور دس سال بلکہ

گذشت مرد پدید نیامد و من نتائج آن گوسفند
نگاہ میداشتم ۔ روزے آمد و گفت کہ من
وقتے کار تو کردہ ام یاد داری و اکنوں مرا باں
مزد حاجت ست اوراگفتم برود آں گوسفند
آں جملہ حقِ تست برآں آں مرد گفت
برمن افسوس میداری گفتم افسوس نمیدارم
وراست می گویم آں ہمہ نرادی بتو دادم و ببرد
بارخدایا اگر من دریں راست گویم ۔ مرا
فرجے فرست پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گفت
آں سنگ بہ یک بار از آں در غار فراتر شد
بیروں آمدند و ایں فعل ناقص عادت بود،
دیگر حدیث جُریج راہب ست و راوی
آں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ پیغمبر
صلی اللہ علیہ وسلم گفت کہ در بنی اسرائیل
راہبی بود ۔ جُریج نام و مرد مجتہد بود و
مادری داشت مستورہ روزے بہ آرزوی
دیدار پسر بیامد وی در نماز بود و در صومعہ
نکشاد و بازگشت ۔

اسطرح چالیس سال گزر گئے وہ مرد سامنے نہ آیا
اور میں اس بکری کے بچوں کی حفاظت کرتا رہا۔ آخر
وہ ایک دن آیا اور کہا "میں نے ایک وقت تیرا کام کیا
ہے ۔ تجھے یاد ہے؟ اور اب مجھے اس مزدوری کی
ضرورت ہے،، میں نے اس کو کہا، جا وہ ساری بکریاں
تیری ملک میں ان کو لے جا ، اس آدمی نے کہا ، مجھ پر
افسوس (ہنسی) کرتا ہے؟ میں نے کہا ہنسی نہیں کرتا
بلکہ سچ کہتا ہوں وہ ساری بکریاں میں نے اس کو دیدیں
اور وہ لے گیا ۔ خداوند بزرگ و بالا! اگر میں اس بات میں
سچا ہوں میرے لیے کشادگی (نکلنے کی جگہ) بھیج پیغمبر
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پتھر اس غار کے دروازہ سے
اتنا سرک گیا کہ وہ لوگ باہر نکل آئے یہ واقعہ خرقِ عادت
اور خلافِ معمول تھا ۔ اور دوسرا ثبوت جُریج راہب کا
واقعہ ہے اور اس حدیث کے راوی ابوہریرہؓ ہیں کہ پیغمبر
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ بنی اسرائیل میں ایک راہب[1]
جس کا نام جریج تھا ۔ اور وہ ریاضت کرنے والا مرد
تھا اور اس کی والدہ پردہ نشیں تھیں ۔ ایک دن وہ اپنے
لڑکے کو دیکھنے کی آرزو میں آئی ۔ وہ نماز میں تھا اس نے
اپنے صومعہ (عبادت خانہ) کا دروازہ نہ کھولا وہ واپس
ہوگئی ۔

روز دوم و سوم ہمچناں کہ مادرش گفت از
تنگدلی کہ یارب پسر مرا رسوا گردان و حق منش
بگیر در آں زمانہ زنی بود بدسیرت گفت من

دوسرے دن اور تیسرے دن بھی ایسا ہی کیا ۔
اس کی ماں نے تنگ دل ہو کر کہا ، اے میرے رب
میرے لڑکے کو رسوا کر اور میرے حق کے ضائع کرنے

---

[1] راہب کے معنی پادری ۔ گوشہ نشیں تارک الدنیا عیسائیوں کا دینی خادم ۔

جریج را از راہ بردہ بصومعۂ وے شد جریج التفات نکرد با شبانی دران صحبت کرد و حاملہ شد چون بشہر در آمد گفت این از جریج ست چون بار نہاد مردم قصد صومعۂ جریج کردند و وی را پیش سلطان آوردند جریج گفت اے غلام پدر تو کیست گفت مادرم بر تو دروغ ہمی گوید پدر من شبانی ست۔ ثم قال الامام المستغفری رحمہ اللہ والحجۃ علیہم من طریق الآثار کثیرۃ منھا قول النبی ﷺ بکم

کی وجہ سے اس کو پڑا اس زمانہ میں ایک بدکرد عورت تھی اس نے کہا میں جریج کو گمراہ کروں گی اس کے صومعہ میں گئی جریج نے اس کی طرف توجہ نہ کی ایک چرواہے کے ساتھ اس راستہ میں اس نے صحبت کی اور حاملہ ہو گئی جب وہ شہر میں آئی۔ تو اس نے کہا یہ جریج کا حمل ہے جب اس نے بچہ جنا لوگوں نے جریج کے صومعہ کا ارادہ کیا اور اس کو بادشاہ کے پاس لائے جریج نے کہا۔ اے بچے تیرا باپ کون ہے۔ اس نے کہا "میری ماں نے تجھ پر تہمت لگائی ہے۔ میرا باپ تو چرواہا ہے[1]۔ پھر امام مستغفری نے کہا کرامت کے

---

[1] یہ حدیث ادب المفرد میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پر روایت کی ہے

عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تکلم مولود من الناس فی مھد الا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام وصاحب جریج قیل یا نبی اللہ و ما صاحب جریج قال فان جریجا کان رجلا راھبا فی صومعۃ لہ وکان راعی بقر یاوی الی اسفل صومعتہ وکانت امراۃ من اھل القریۃ تختلف الی الراعی فاتت امہ یوما فقالت یا جریج وھو یصلی فقال فی نفسہ وھو یصلی فقال فی نفسہ وھو یصلی امی وصلاتی فرای ان یوثر صلاتہٗ ثم صرخت بہ الثانیۃ فقال فی نفسہ وھو یصلی امی وصلاتی فرأی ان یوثر صلاتہ ثم صرخت بہ الثالثہ فقال امی وصلاتی فرای ان یوثر صلاتہ فلما لم یجبھا قالت لا أماتک اللہ یا جریج! حتیٰ تنظر فی وجہ المومسات ثم انصرفت فاتی الملک بتلک المرأۃ ولدت فقال لمن؟ قالت من جریج قال أصاحب الصومعۃ۔ قالت نعم۔ قال اھدموا صومعتہ واتونی بہ فضربوا صومعتہ بالفئوس حتیٰ وقعت فجعلوا یدہ الی عنقہ بحبل ثم انطلق بہ۔ فمر بہ علی المومسات فرآھن فتبسم وھن ینظرون الیہ فی الناس فقال الملک ما تزعم ھذہ؟ قال ما تزعم قال ان ولدھا منک قال انت تزعمین! قالت نعم قال این ھٰذا الصغیر قالوا ھو ذا فی حجرھا فاقبل علیہ۔ فقال من ابوک قال راعی البقر۔ قال الملک انجعل صومعتک من ذھب؟ قال لا قال من فضۃ۔ قال لا قال فما نجعلھا۔ قال ردوھا کما کانت۔ قال فما الذی تبسمت؟ قال امرا عرفتہ ادرکتنی دعوۃ امی۔ ثم اخبرھم۔ البخاری، کتاب الابنأ۔

الصدیق رضی اللہ عنہ لابنہ عبد اللہ "یا بنیّ ان وقع بین العرب یوما اختلاف فأنت النار الذی کنت فیہ انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکن فیہ فأنہ یاتیک رزقک بُکرۃ وعشیاً۔ وفی قولہ رضی اللہ عنہ فانہ یاتیک رزقک بُکرہ وعشیا اثبات الکرامات للاولیآء وروی الامام المستغفری رحمہ اللہ باسنادہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال أمر ابوبکر رضی اللہ عنہ فقال اذا انا مت فجیئونی علی الباب یعنی باب البیت الذی فیہ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدققوہ فأن فتح لکم فادفنونی فیہ قال جابر رضی اللہ عنہ قد اشتھی ان یدفن عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففتح الباب ولا ندری من فتح لنا وقال لنا ادخلوہ

منکروں پر حجۃ آثار کے طریقہ سے ثبت ہیں ان آثار میں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے عبد اللہ سے کہا۔ بیٹے! اگر کسی دن عرب کے درمیان اختلاف واقع ہو جائے تو اس غار میں آجانا جس میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رہے تھے اور اس میں رہنا۔ بے شک تیرا رزق صبح وشام کو تیرے پاس خود آئے گا" ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بات کہ تیرا رزق صبح وشام تجھے پہنچے گا۔ اولیاء کی کرامت کا ثبوت ہے۔ اور امام مستغفری نے اپنی سند سے جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا۔

کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم کیا کہ جس وقت حیاتِ جسمانی کی قید سے آزاد ہو جاؤں مجھے اس دروازے پر لے جائیو۔

یعنی اس حجرہ شریف کے دروازہ پر جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف ہے وہاں میرے جنازے کو رکھ دینا پھر اس کو کھٹکھٹائیو پس اگر وہ تمہارے لیے کھول دیا گیا تو مجھے اس میں دفن کر دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا جب یہ واقعہ پیش آیا تو ہم

لہ آثار۔ جو روایات صحابہ سے منقول ہوں۔ اس طرح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اثار کہتے ہیں۔

لے۔ یعنی کرامت کا واقعہ ہونے کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جائز سمجھتے تھے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ یہ واقع ہوا بھی ہو، بلکہ اس واقعہ کا ہونا معلوم نہیں۔

وادفنوه كرامة ولا نرى
شخصا ولا نرى شيئا و
روى الامام المستغفرى باسناده
عن مالك بن انس عن نافع
عن ابن عمر رضى الله عنهما
ان عمر بن الخطاب رضى
الله عنه خطب الناس بالمدينه
فقال يا سارية بن زنيم الجبل
الجبل من استرعى الذئب
فقد ظلم قال فانكر الناس
ذكر سارية وسارية
بالعراق - فقال الناس
لعلى رضى الله عنه
انا سمعنا عمر يذكر
سارية وسارية بالعراق
على المنبر فقال ويحكم
دعو عمر فقلما دخل فى
شيئ الا خرج منه فلم
يلبث ان جاء رسول ان سارية
لقي العدوَّ فهزمهم
ثم جاء بالغنيمة الى سفح
الجبل فاراد العدو ان يحولوا
بينهم وبين الغنيمة و
سفح الجبل فاتاهم نداءٌ
من السماء ويا سارية بن زنيم

گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا اور ہم نے کہا ابوبکر رضی
اللہ تعالےٰ عنہ کی خواہش ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کے قریب دفن کیا جاوے۔

جب ہم نے یہ بات کہی تو اس وقت، دروازہ
کھُل گیا اور ہم نے نہ جانا کہ ہمارے لیے کس نے
دروازہ کھولا اور آنے والے نے ہم سے کہا "تم
اندر آؤ تو اس کو اعزاز اور خوبی کے ساتھ دفن کرو"
اور ہم نہ کسی آدمی کو دیکھتے تھے اور نہ کسی
اور چیز کو۔ اور امام مستغفری نے اپنی سند
کے ساتھ مالک بن انس سے اور انہوں نے
نافع سے اور نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ
سے روایت کیا کہ عمر بن الخطابؓ مدینہ میں
لوگوں کو خطاب کر رہے تھے اور اس کے
دوران میں کہا" او ساریہ بن زنیم پہاڑ پہاڑ
جس نے بھیڑیئے کو چرواہا بنایا یقیناً اس
نے ظلم کیا" ابن عمر نے کہا لوگوں نے ساریہ
کے ذکر کو اچھا نہ جانا اور ساریہ اس وقت
عراق میں تھا خطبہ کے بعد لوگوں نے علی
رضی اللہ عنہ سے کہا ہم نے سنا کہ دورانِ
خطبہ ممنبر پر عمرؓ ساریہ کا ذکر کر رہے تھے
اور ساریہ عراق میں ہے۔ یہ سن کر علیؓ نے
کہا "تمہارا ناس جائے چھوڑو۔ عمر کو کہ جب
کبھی وہ کسی چیز میں داخل ہوا تو وہ ضرور
اس سے نکل گیا۔ یعنی اس کا یہ کام بے وجہ
نہ ہوگا۔ پھر اس بات کو کچھ زیادہ دن

الجبل الجبل من استرعى
الذيب فقد ظلم قال و كانو
يرون ان صوت عمر
رضى الله عنه هو الذى
سمعوه روى الامام المستغفرى
رحمه الله ايضا باسناده انه
لما فتحت مصر اتى
اهلها الى عمرو بن
العاص رضى الله عنه
فقالو ايها الامير ان لنيلنا
هذه سنة لا يجرى
الا بها قال لهم وما ذالك
قالوا اذا كانت تثنتا ليلة
خلون من هذا الشهر
عمرنا الى جارية بكر بين
ابويها فارضينا ابويها
فجعلنا عليها من الحلى
والثياب افضل ما يكون
ثم القيناها فى هذ النيل
فقال عمر ان هذا الامر لا
يكون ابدا فى الاسلام
وان الاسلام يهدم ما كان
قبله فاقامو ثلثه اشهر لا يجرى
قليلا ولا كثيرا حتى هموا
بالجلاء فلما راى ذالك كتب

نہ گزرے تھے کہ قاصد آیا اس نے کہا ساریہ کی
دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی اور اس نے اس کو شکست
دے دی۔ پھر مالِ غنیمت لے کر پہاڑ کی ایک
جانب آیا۔ دشمن نے ارادہ کیا کہ وہ ان میں،
اور غنیمت میں پہاڑ کے پہلو میں حائل ہو جائیں
تو ان کو آسمان سے آواز آئی۔ یاساریة بن زنیم
الجبل الجبل۔
پہاڑ کے پیچھے جا۔ پہاڑ کے پیچھے جا۔ جو شخص
کہ بھیڑیئے کو چرواہا بناتا ہے وہ ظالم ہے
ابنِ عمر نے فرمایا لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ
عمر رضی اللہ عنہ کی آواز تھی، جسے ان لوگوں
نے سنا۔ امام مستغفری رحمہ اللہ نے ایک اور روایت
اپنی سند سے بیان کی۔ کہ جب مصر فتح کر لیا
گیا تو مصر کے لوگ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا اے امیر بیشک
ہمارے (دریائے) نیل کی ایک عادت ہے
کہ اس کے پورا ہوئے بغیر وہ جاری نہیں ہوتا
حضرت عمرو نے فرمایا، وہ کیا ہے، کہنے
لگے کہ جب اس مہینہ کی بارہ تاریخ ہوتی ہے
تو ہم ایک کنواری لڑکی جو اپنے والدین کے
ہاں ہو اس کا قصد کرتے ہیں اور اس کے والدین
کو راضی کرتے ہیں اور ہم اس کو اچھے سے
اچھے زیور اور اچھے سے اچھے کپڑے پہناتے
ہیں۔ پھر ہم اس کو اس (دریا) نیل میں ڈال دیتے
ہیں۔ یہ سن کر عمرو نے کہا، یقیناً یہ کام اسلام

عمرو بن العاص الی عمر بن
خطاب رضی اللہ عنہ بذالک
فکتب عمر رضی اللہ عنہ انک
قد أصبت فی الذی
فعلت وان الاسلام یھدم ما
کان قبلہ وبعث ببطاقۃ
فی داخل کتابہٖ وکتب الیہ
انی قد بعثت الیک
ببطاقۃ فی داخل کتابی
فالقھا فی النیل فلما قدم
الکتب الی عمرو بن العاص
اخذ البطاقۃ ففتحھا فاذا
فیھا من عبداللہ عمر
امیرالمؤمنین الی نیل
مصر اما بعد فانک ان
کنت تجری من قبلک
فلا تجر وان کان اللہ الواحد
القھار سبحانہ ھو الذی
یجریک فنسأل اللہ الواحد
القھار سبحانہٗ ان یجریک فالقی
البطاقۃ فی النیل وقد
تھیأ اھل المصر للجلاء و
الخروج منھا لانھا لا تقوم
مصلحتھم فیھا الا بالنیل
فاصبحو وقد اجراہ اللہ

ہیں کبھی نہیں ہوگا۔ بلاشبہ اسلام ان رسموں کو ڈھا
دیتا ہے جو اس سے پہلے ہوا کرتی تھیں۔ پس
تین ماہ تک وہ لوگ اس حال میں رہے کہ
نیل نہ تھوڑا چلتا تھا اور نہ زیادہ یعنی نیل
کا پانی تین مہینہ بند رہا۔ تو ان لوگوں نے
یہاں سے چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب
عمرو نے یہ دیکھا تو اس کا حال عمر بن خطاب
رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے
جواب میں لکھا کہ تو نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔
اور واقعی اسلام ان بری رسموں کو مٹاتا ہے
جو اس سے پہلے کی ہوں اور ایک پرچہ
اپنے خط میں بھیجا اور عمرو کو لکھا میں اپنے
خط میں ایک پرچہ بھیج رہا ہوں اس کو نیل
میں ڈال دینا۔

پس جب عمرو بن العاصؓ کو خط ملا تو
انہوں نے اس پرچہ کو لیا اس کو کھولا تو اس
میں یہ لکھا ہوا تھا۔ من عبداللہ عمر امیر
المؤمنین الی نیل مصر اما بعد سے ان یجریک تک
اللہ کے بندہ عمرؓ امیر المؤمنین کی طرف سے
مصر کے نیل کی طرف۔ اما بعد۔ اگر تو خود بخود
جاری ہوتا ہے۔ بہتا ہے تو خبردار جاری نہ
ہو اور نہ بہہ، اور اگر اللہ واحد القہار سبحانہٗ تجھے
بہاتا ہے تو ہم اللہ واحد القہار سبحانہٗ سے
سوال کرتے ہیں وہ تجھے جاری کر دے۔
تو عمرو بن العاص نے وہ پرچہ نیل میں ڈال دیا۔

تعالیٰ ستة عشر ذراعاً فی لیلة واحدة وقطع الله تعالیٰ تلک السنة السوء عن اهل مصر الی الیوم۔

جبکہ مصر والے مصر سے چلے جانے اور نکلنے کی تیاری کر چکے تھے۔ کیونکہ ان کی ضروریات یہاں پر دریائے نیل پر منحصر تھیں، لیکن جب ان لوگوں نے صبح کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک ہی رات میں سولہ ہاتھ جاری کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ مصر سے اس بُری رسم کو آج تک بالکل ہی ختم کر دیا۔

و روی الامام المستغفری رحمه الله ایضا باسناده عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما قال رای عثمان رضی الله عنه لیلة قتل صبیحها رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو یقول یا عثمان انک تفطر عندنا فقتل رضی الله عنه۔

اور امام المستغفری رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ نافع سے بحوالہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن عمر نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس رات میں جس کی صبح میں قتل کیے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے۔ اے عثمانؓ کل تو ہمارے پاس روزہ کی افطاری کرے گا۔ پس اُسی دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے۔

من یومه وروی الامام المستغفری رحمه الله باسناده ان امیر المؤمنین علیًّا رضی الله عنه سأل رجلا عن حدیث فی الرحبة فکذبه قال انما کذبتنی قال ما کذبتک فقال افادعوا الله علیک ان کنت کاذبا لن یعمی بصرک قال فادع الله فدعا

اور امام مستغفری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے بیان کیا کہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے رحبہ میں جو بات ہوئی تھی اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے آپ سے جھوٹ بولا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "تو نے مجھ سے جھوٹ کہا" اس نے کہا "میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میں اللہ سے دعا کروں؟ کہ اگر تو جھوٹا ہو تو وہ تیری بینائی کو لے لے اور تجھے اندھا کر دے"

علیہ امیر المؤمنین علی
رضی اللہ عنہ فعمی
بصرہ فلم یخرج من الرحبۃ
الا ھو اعمیٰ۔

وہم چنین از سائر صحابہ وتابعین و تبع
تابعین ومشائخ طریقت طبقۃً بعد طبقۃٍ
نہ چنداں کرامات وخوارق عادات
ظاہر شدہ است کہ در تحیز تقریر وتحریر گنجد۔

قال الامام القشیری رحمہ اللہ فی رسالتہ
ولکثرۃ ما تواتر باجناسھا یعنی باجناس
الکرامات الاخبار والحکایات
صار العلم بکونھا وظھورھا
علی الاولیآء علما قویا انتفٰی عنہ
الشکوک ومن توسط ھذہ
الطائفۃ وتواتر علیہ حکایتھم واخبارھم
لم یبق لہ شبھۃ فی ذالک۔

ومقصود ازیں ہمہ مبالغہ و تطویل در
اثبات کرامت اولیاء آنست کہ
تاہر سلیم القلبی کہ مشاہدہ احوال ایں
طائفہ ومطالعہ اقوال الیشان نہ کردہ
ست بسخنان ست وحکایات
نادرست اصحاب جہالت

اس نے کہا "بے شک آپ اللہ سے دعا کریں"
تو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس کو بددعا
دی۔ پس وہ شخص رحبہ[1] سے نہیں نکلا مگر اس
حال میں کہ وہ اندھا ہوگیا تھا اور اسی طرح سے
واقعات باقی صحابہ اور تابعین تبع تابعین اور
مشائخ طریقت سے سلسلہ وار اور درجہ بدرجہ
اسی قدر کرامات خرق عادات کا ظہور ہوا ہے
جو تقریر و تحریر کے احاطہ میں لانے کی گنجائش
میں نہیں۔ امام قشیری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ
میں لکھا ہے اخبار و حکایات میں بکثرت کرامات
کے تواتر کا ذکر ہے ان کے ہونے اور اولیاء
پر ان کے ظاہر ہونے کا علم ایسا قوی علم ہوگیا ہے
جس سے شکوک وشبہات پوری طرح جاتے رہے
اور جو شخص اس طائفہ سے وابستہ ہوگیا اور ان کی
حکایات اور ان کے واقعات وحالات کا
تواتر ہو چکا تو اس کو اس معاملہ میں کوئی شبہ
باقی نہیں رہا۔ اور اولیاء کی کرامات کے ثابت
کرنے میں جو ہم نے طویل باتیں کہی ہیں۔ ان
سے مقصد یہ ہے کہ جو شخص اچھے ذہن
اور آفت سے محفوظ دل والا ہے اور اس
نے ان حضرات کے حالات کا مشاہدہ اور ان
کی باتوں کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ جاہل اور گمراہ لوگ
جو کہ اس زمانہ میں ظاہر ہو گئے ہیں۔

---

[1] رحبہ مسجد کے صحن کو

وارباب ضلالت کہ درین زمان ظاہر شدہ اند و نفی کرامات اولیا بلکہ انکار معجزات انبیامی کنند فریفتہ نشود و دین خود برباد ندہد وہمانا کہ باعث این طائفہ بر نفی کرامات آنست کہ خود را در اعلیٰ مراتب ولایت می نمایند وازین امور واحوال ایشان را خبرے واثرے نے نفی آن مے کنند تا پیش عوام فضیحت نشوند واز فضیحت خواص نمی اندیشند با آنکہ اگر ہزار خارق عادت بر ایشان ظاہر شود چون نہ ظاہر ایشان موافق احکام شریعت ست ۔ ونہ باطن ایشان مطابق آدابِ طریقت ۔ آن از قبیل مکر واستدراج خواہد بود نہ از مقولہ ولایت وکرامت وفی کتاب "اعلام الہدیٰ وعقیدت ارباب التقیٰ" تصنیف از شیخ الامام قطب الانام شہاب الدین ابوعبداللہ عمر بن محمد السہروردی قدس اللہ تعالےٰ سرہٗ ۔

ونعتقد ان الاولیاء من امتہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کرامات و اجابات وھکذا کان فی زمن کل رسول کان لھم اتباع طھرت

بلکہ انبیاء کے معجزات کا انکار کرتے ہیں اور ان کی بے وزن اور بے نور باتوں اور عجیب وغریب کہانیوں پر دھوکہ نہ کھا جائے اور اپنے دین کو برباد نہ کرے ۔ یقیناً یہ لوگ اولیاء کی کرامات کی نفی اس وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ ولایت کے مرتبوں میں سے اعلیٰ مرتبہ میں خود کو ظاہر کرتے ہیں ۔ مگر ان حضرات کے کاموں اور ان کے حالات کی نہ ان کو خبر ہے اور نہ ہی ان پر اس کا کوئی نشان ہے تاکہ وہ عوام کی نظروں میں ذلیل اور شرمسار نہ ہوں، لیکن خواص کی نظر میں جو ان کی رسوائی اور ذلت ہے اس کو وہ سوچتے بھی نہیں ۔ اس کے باوجود اگر ہزار کرامات بھی ان پر ظاہر ہو جایئں ۔ جب ان کا ظاہر احکام شریعت کے موافق نہیں ہے اور ان کا باطن آدابِ طریقت کے مطابق نہیں ہے تو ان کے لیے وہ خرقِ عادت اور کرامت کی صورت مکر اور استدراج کے قبیلہ سے ہو گا ۔ ولایت و کرامت سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو گا اور کتاب "اعلام الہدیٰ وعقیدت ارباب التقیٰ" جو شیخ الامام قطب الانام شہاب الدین ابوعبداللہ عمر بن محمد السہروردی قدس اللہ تعالےٰ سرہٗ کی تصنیف کردہ ہے ۔ اس میں لکھا ہے کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کی امت کے اولیاء یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کرامات اور اجابات (دعاؤں کا قبول ہونا) ثابت ہے اور اسی طرح ہر پیغمبر کے زمانہ میں

لهم كرامات ومخرقات للعادات وكرامات الاولياء من تتمه معجزات الانبياء ومن ظهر له وعلى يده من المخرقات وهو على غير الالتزام باحكام الشريعة نعتقد انه زنديق وان الذى ظهر له مكر واستدراج۔

القول فى انواع الكرامات و خوارق العادات

جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا ہے ان کے لیے بھی کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ اور اولیاء کی کرامات، انبیاء کے معجزات کا تتمہ[1] ہے یعنی اگر اولیاء کی کرامات نہ ہوتیں تو انبیاء کے معجزات پورے نہ ہوتے۔ اور جس کے لیے جس کے ہاتھ پر خرقِ عادات کا ظہور ہو اور وہ حکامِ شرعیہ کا پابند نہ ہو ہم اعتقاد[2] رکھتے ہیں کہ وہ زندیق و بے دین ہے اور وہ چیز جو اس کے لیے ظاہر ہوئی اور وہ مکر اور استدراج[3] ہے۔

کرامات و خرقِ عادات کے بیان میں

انواع خوارق عادات بسیار ست چوں ایجا معدوم و اعدام موجود و اظہار امری مستور و ستر امری ظاہر۔ و استجابت دعا۔ وقطع مسافت بعیدہ در مدت اندک۔ و اطلاع بر امور غایبہ از حس واخبار و حاضر شدن در زمان واحد در امکنۂ مختلفہ و احیاء موتی و اماتۂ احیاء و سماع کلام حیوانات و نباتات

خوارق عادات کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً ۱۔ معدوم کو موجود کرنا اور موجود کو معدوم کرنا۔ ۲۔ چھپے ہوئے کام کو ظاہر کرنا اور ظاہر کام کو چھپانا۔ ۳۔ دعا کا مقبول ہونا۔ ۴۔ مسافت بعیدہ کا تھوڑی مدت میں طے کر جانا۔ ۵۔ جو امور حس سے غائب ہیں اور حس کے ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتے اور ان پر مطلع ہونا اور دوسروں کو اس کی خبر دینا۔ ۶۔ ایک ہی وقت میں متعدد اور کئی مختلف مقامات پر ظاہر ہونا۔

---

۱ تتمہ سے مراد چیز کا آخری حصہ جس کے ساتھ وہ پوری ہوتی ہو۔

۲ اعتقاد کے معنیٰ۔ یقین کرنا اور ایمان لانا ہے۔

۳ استدراج ایسی باتیں جو عادت کے خلاف کسی کافر سے ظاہر ہوں۔ یہ باتیں اگر کسی نبیؑ سے ظاہر ہوں کو اس کو معجزہ اور اگر ولی سے ظاہر ہوں تو اسے کرامت کہتے۔ مکر کے معنی دھوکہ و فریب اور خفیہ تدبیر کے ہیں۔

وجمادات از تسبیح وغیر آن ۔ واحضار طعام
و شراب در وقت حاجتِ بی سبب ۔
ظاہرہ

وغیر ذالک من فنون الاعمال
الناقضة للعادة کالمشی علی
المآء والسیاحة فی الھواء وکالا
کل من الکون وکتسخیر
الحیوانات الوحشیة وکالقوة
الظاھرة علی ابدانھم کالذی
اقتلع شجرة برجله من اصلھا
وھو یدود فی السمآء و
ضرب الید علی الحایط
فینشق وبعضھم یشیر باصبعه
الی شخص لیقع فیقع اولیضرب عنق احد
بالاشارة فیطیر راس المشار الیه ۔

وبالجملہ چوں حضرت حق سبحانہ، وتعالیٰ یکے از
دوستان خود را مظہرِ قدرتِ کاملۂ خود گرداند در
ہیولای عالم ہر نوع تصرفی کہ خواہد تواند کرد
بالحقیقت آن تاثیر وتصرفِ حق سبحانہ، و
تعالیٰ است کہ در وے ظاہر میشود وے درمیان نے۔

قال بعض کبرآء العارفین والاصل
الذی یجمع لک ھذا کله
انه من خرق عادة فی نفسه
مما استمرت علیھا نفوس
الخلق او نفسه فان الله یخرق

مردوں کو زندہ کرنا اور زندوں کو مار دینا ۔ ۸۔ حیوانات
ونباتات اور جمادات کا کلام تسبیح وغیرہ کو سننا ۔ ۹۔
اور بے ظاہری سبب کے ضرورت کے وقت کھانے
پینے کی چیزوں کا موجود کرنا اور بے آنا اور ان کے علاوہ طرح
طرح کے کام جو عادت کے خلاف ہوں ۔ مثلاً پانی پر چلنا ۔
اور ہوا میں سیر کرنا اور کائنات سے کھانا ۔ وحشی کر حیوانات
کو تابع کرنا مثلاً ان کے اجسام پر قوت کا ظاہر ہونا جیسا
کہ کوئی اپنے پاؤں سے درخت کو جڑ سے اکھیڑ پھینکے
دیوار پر ہاتھ مارے تو اسے پھوڑ دے اور کوئی ان
میں سے کسی آدمی کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ
کرے تاکہ وہ گر جائے پس وہ گر جائے یا کسی کی گردن
کو اڑا دے تو جس کی طرف اس نے اشارہ فرمایا کہ
کیا اس کا سر اڑ جائے خلاصہ یہ کہ جب حضرت حق
سبحانہ وتعالیٰ اپنے دوستوں میں سے کسی دوست کو
اپنی قدرتِ کاملہ کا مظہر (ظاہر ہونیکی جگہ) بنا دیتا
ہے تو وہ جہان کی ہر ایک چیز کے مادہ اور اصل میں
جس قسم کا تصرف کرنا چاہتا ہے کر سکتا ہے اور حقیقت
میں یہ اثر اور تصرف حق سبحانہ، وتعالےٰ کا ہی ہوتا
ہے جو کہ اس میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ یعنی ولی درمیان
میں خود نہیں ہوتا ۔

ایک بڑے عارف نے فرمایا، اور اصل اس کے بارہ
میں جو تیرے لیے سب سے جامع یہ ہے کہ جس
شخص نے اپنی عادات کو خرق کر دیا ۔ جس پر مخلوق
کے نفوس ہمیشہ سے عادی ہیں یا اس کا نفس اس
کا خوگر ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے مقابلہ میں اس

له عادتا مثلها فی مقابلتها یسمی کرامة عند العامة واما الخاصة فالکرمة عندهم عنایة الالهیة التی وهبتهم التوفیق والقوة حتی خرقوا عوائد انفسهم فتلک الکرامة عندنا واما هذه التی تسمی فی العموم کرامة فی الرجال انفو من ملاحظتها۔

لمشارکة المستدراج الممکو ربه فیها ویکونها معاوضة فیخافو ان یکون حظ عملهم لان الحظوظ محلها الدار الاخرة فاذا عجل منها بشیئ فزعنا ان یکون حظ عملنا وقد وردت فی ذالک اخبار والی یصح الخوف مع الکرامة فاذن لیست بکرامة عندنا وانما هی خرق عادة فان اقترن معها البشری بانها زیادة لا تنقص حظا ولا سبقت بحجاب فح یسمی کرامة فالبشری علی الحقیقة هی الکرامة وقال ایضاً اجل الکرامات واعظمها التلذذ بالطاعات فی الخلوات والجلوات ومنها

جیسی عادت کو خرق کر دیتا ہے۔ عام لوگ اس کو کرامت کا نام دیتے ہیں، لیکن خاص لوگ ان کے نزدیک وہ عنایتِ الٰہیہ ہے جس نے ان کو وہ توفیق اور قوت بخشی ہے جس کے ذریعہ انہوں نے اپنے نفوس کی عادات کو چھوڑ دیا۔ پس ہمارے نزدیک یہی کرامت ہے۔ لیکن عام لوگ جس کو مردوں کی کرامت کہتے ہیں اس کے ملاحظہ سے کراہت کرتے ہیں اور ناک چڑھاتے ہیں کیونکہ اس میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جن کے ساتھ مکر کیا گیا اور استدراج کیا گیا۔ اور اس وجہ سے بھی یہ لوگ ان کرامات کو پسند نہیں کرتے کہ یہ کرامات اعمال کا معاوضہ بھی ہوتا ہے پس وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے عمل کا حصہ اور جزا نہ بن جاوے اس لیے حظوظ اعمال کے ثواب اور جزاؤں کی جگہ آخرت کا گھر ہے۔ پس جب ان میں سے کوئی چیز یہاں دے دی جائے تو ہم اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ ہمارے عمل کا ثواب نہ ہو اور اس کے بارہ میں احادیث بھی آئی ہیں اور کرامت کے ساتھ خوف کہاں درست ہے یعنی کرامت کے ساتھ خوف نہیں ہونا چاہیئے اگر خوف ہو تو ہمارے نزدیک یہ کرامت نہیں اور یقیناً خرقِ عادت ہے پس اگر اس کے ساتھ بشارت اور خوش خبری مل جائے کہ یہ زیادت ہے جزائے عمل نہیں، تو پھر وہ ثواب کو کم نہ کرے گی اور نہ کوئی حجاب لائے گی۔ پس اسوقت

مراعات الانفاس مع الله و منها حفظ الادب معه فی تلقی الواردات فی الاوقات و منها الرضاء عن الله فی جمیع الحالات و منها البشری لهم من الله بالسعادة الابدیة فی الدار الاخرة۔

اس کو کرامت کہیں گے اور اس کا نام کرامت ہو گا پس حقیقت میں بشارت ہی کرامت ہے۔ اور یہ بھی فرمایا، سب سے اونچی اور سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ خلوتوں اور جلوتوں میں طاعات وعبادات کے اندر لذت آنے لگے۔ اور کرامت میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ سانسوں کی حفاظت کرنا اور رعائت رکھنا کہ یہ سانس غفلت میں گزرنے نہ پائے بلکہ اللہ کی یاد میں آئے اور یہ بھی کرامت ہے کہ واردات کے اوقات میں جس وقت خاص حالات کا ورود ہو تو ان اوقات میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھنا اور کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ تمام حالات میں اللہ تعالےٰ سے راضی رہنا اور یہ بھی کرامتوں میں سے ایک کرامت ہے کہ انکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت میں ابدی سعادت کی بشارت دی جائے۔

القول فی انہ متی سمیت الصوفیة صوفیة

قال الامام القشیری رحمه الله اعلموا رحمکم الله ان المسلمین بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یسموا افاضلهم فی عصرهم بتسمیة علم سوی صحبة الرسول صلی الله علیه وسلم اذ لا

اس بیان میں کہ صوفیوں کو صوفیہ کب کہا گیا

امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا جان لو تم پر اللہ رحمت کرے اور تمہیں اپنی مہربانیوں سے نوازے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بزرگ مسلمانوں کا سب سے بڑا نام یہ تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحبت یافتہ ہے اور ان کی صحبت میں رہا ہے۔ کیونکہ اس سے اوپر کوئی بڑائی اور بزرگی کی چیز نہیں تھی اور یہ ان لوگوں کے لیے سب سے بڑا شرف

فضیلة فوقها فقیل لهم الصحابة ولما ادرکهم اهل العصر الثانی سمی من صحب الصحابة التابعین و لیس وراء ذالک اشرف تسمیة ثم قیل لمن بعدهم اتباع التابعین ثم اختلف الناس وتباینت المراتب فقیل لخواص الناس ممن لهم شدة عنایة بامر الدین الزهاد والعُبّاد ثم ظهرت البدعة و حصل التداعی بین الفرق فکل فریق ادّعوا انّ فیهم زهّاداً فانفرد خواص اهل السنة المراعون انفسهم مع الله الحافظون قلوبهم عن طوارق الغفلة باسم التّصوّف واشتهر هذا الاسم لهؤلاء الاکابر قبل المائتین من الهجرة ۔

پس آنچہ مذکور خواہد شد درین کتاب اسامی بسیاری از مشائخ طائفہ صوفیہ خواہد بود و تاریخ ولادت وفات ایشاں و ذکر سیرَ و احوال و معارفِ و کرامات و مقامات ایشاں باشد کہ مطالعہ کنندگان را از مطالعہ و ملاحظہ آں یقینی نسبت بایں طائفہ حاصل شود۔

تھا چنانچہ ان کو صحابہ کہا گیا اور جب دوسرے زمانہ کے لوگوں نے صحابہ کی صحبت اختیار کی ان کو تابعین کہا گیا اور اس سے بڑھ کر بزرگی کی دوسری کوئی چیز نہیں تھی اور شرافت میں بزرگوں کا دوسرا کوئی نام نہ تھا کہ یہ تابعی ہے ۔ ان کے بعد آنے والوں کو تبع تابعین کہا گیا کہ ان لوگوں نے صحابہ کے تابعین کی اتباع کی ہے ۔ پھر لوگ مختلف ہو گئے اور مراتب میں فرق پڑ گیا ۔ اس وقت ان خاص لوگوں کو جن کو دین کے کاموں میں زیادہ توجہ تھی ان کو زُہّاد و عُبّادُ زاہد دنیا سے بے رغبت رہنے والے اور عبّاد بڑی عبادت کرنیوالے کہا گیا ۔ پھر بدعت ظاہر ہو گئی اور مختلف فرقوں کے مدّعی پیدا ہو گئے لہٰذا ہر فریق نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم زہّاد (زاہد) ہیں ۔ اس وقت اہل السُّنّۃ کے خواص جو اللہ کے ساتھ اپنے نفسوں کی رعائت کرنے والے اور غفلت کے طریقوں سے اپنے قلوب کی حفاظت کرنیوالے تھے ۔ ان لوگوں نے اس نام کو "یعنی زہاد و عباد" کے نام کو چھوڑ کر تصوف کے نام کو اختیار کیا ۔ دو سو ہجری سے پہلے یہ نام ان اکابر کے لیے مشہور ہو گیا ۔ اب اس کتاب میں جو ذکر کیا جائے گا تو انہی صوفیہ کی جماعت کے اکثر مشائخ کا ذکر ہوگا اور ان کی تاریخ ولادت وفات ان کے حالات اور ان کے خصائل و عادات ، ان کی معلوماتی اور عرفانی باتیں ان کی کرامات و مقامات کا تذکرہ ہوگا ۔ شائد کہ اس کے مطالعہ و ملاحظہ کرنیوالے کو اس طائفہ "مبارک گروہ" کے ساتھ یقینی نسبت

وہذیانات جماعتے کہ نفی کرامات ومقامات
این طائفہ می کنند در ایشاں سرایت نہ کند
واز غائلہ غوایت آن جماعت محفوظ مانند
اعاذنا اللہ وجمیع المسلمین من
شرور انفسنا وسیئات اعمالنا۔
ووراے این فوائد دیگر ہست کہ بعضے
ازان بتفصیل مذکور می گردد

قال سید الطائفۃ ابوالقاسم جُنید بن
محمد بن الصوفی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ
حکایات المشائخ جند من جنود اللہ
عزوجل یعنی للقلوب ازوے
پرسیدند کہ ایں حکایات چہ منفعت
کند مریدان را جواب داد کہ حضرت حق
سبحانہٗ وتعالےٰ می فرماید، وکلا نقص
علیک من انباء الرسل ما نثبت
بہ فوادک ۔یعنی قصہای پیغمبراں واخبار
ایشاں برتو می خوانیم واز احوال ایشاں ترا آگاہ
می کنیم تا دل ترا باآں ثبات باشد وقوت
افزاید وچون بار ورنج بتو رسد وبرتو زور
آورد از اخبار واحوال ایشان شنوی وبر اندیشے
دانے کہ چون مثل ایں بارہا ورنجہا بایشان
رسیدہ دران صبر کردہ اند واحتمال وتوکل وثقت پیش
آوردہ کہ دل ترا باآن ثبات وعزم وصبر افزاید ہم چنیں شنیدن
سخن نیکاں وحکایات پیران واحوال ایشان
دل مریدان را تربیت باشد وقوت وعزم

اور دلی لگاؤ حاصل ہوجاوے اور اس جماعت کی
بکواس سے جو ان حضرات کے مقامات وکرامات
کی نفی کرتی ہے اس کتاب کے مطالعہ کرنیوالوں
میں سرایت نہ کرے اور وہ لوگ اِن لوگوں کی
گمراہی کی ہلاکت وتباہی سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ
ہم کو اور تمام اہل اسلام کو ہمارے نفسوں کی برائیوں
سے اور ہماری سیاہ کاریوں اور بداعمالیوں سے
بچائے رکھے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے
فائدے ہیں کہ جن میں سے بعض کا تفصیل کا ذکر ہوگا۔
سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بن محمد بن صوفی قدس اللہ
تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا، مشائخ کی حکایات اللہ عزوجل
کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے یعنی دلوں کے
واسطے"۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ حکایات
مریدوں کو کیا نفع دیتی ہیں۔ جواب دیا حضرت حق سبحانہٗ
وتعالیٰ فرماتا ہے: وکلا نقص علیک الخ
پیغمبروں کے قصے اور ان کی خبریں ہم تجھ پر پڑھتے
ہیں اور ان کے حالات سے تجھے آگاہ کرتے ہیں
کہ تیرے دل کو اس کے ساتھ قرار اور پختگی حاصل
ہو اور اس کی قوت میں اضافہ ہو اور جب تجھے تکلیف
اور رنج پہنچے اور تجھ پر اس کا غلبہ اور زور ہو تو ان
کی خبریں اور ان کے احوال کو سنے اور سوچے تو جان
لے کہ جب اس قسم کے رنج اور تکلیفیں ان کو پہنچی
ہیں اس میں ان لوگوں نے صبر وتحمل سے کام لیا اور
انہوں نے اللہ پر توکل اور پختگی اور اعتماد کو پیش
نظر رکھا۔ تاکہ اس کے ہاتھ تیرے دل کی پختگی، عزم

افزاید و دراں از حضرت حق سبحانہ، ثبات
یابد و در بلا، و امتحان از وبر درویشے و
ناکامی قدم فشارد تا عزم مرداں یابد و سیرت
ایشاں گیرد و ایضاً سخنان مشائخ و دوستانِ
حق تعالےٰ دوستی ایشاں آرد و دوستی ایشاں
ترا بایشاں نسبت انگند چنانکہ گفتہ اند۔
"المودّۃ احدی القرابتین"
لا قرابۃ اقرب من المودۃ
ولا بعد ابعد من العداوۃ وللہ
درّ القائل"

؎ القوم اخوان صدق بینھم نسب
عن المودۃ لم یعدل بہ سبب

و مصطفےٰ را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرسید
ند از مردے کہ قومے را دوست می دارد
اما بکردارِ ایشاں نمی رسد گفت "المرء
مع من احب" مرد با آں کس ست کہ
وے را دوست می دارد و در خبر ست از
مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ روز قیامت
بندۂ نومید شدہ باشد از مفلسے کردارِ خود
حق سبحانہ، و تعالےٰ گوید بندۂ من فلاں دانش مند

و ارادہ اور قوتِ برداشت کو بڑھاتے۔ اسی طرح
نیک لوگوں کی باتیں۔ اور پیروں کی حکایات و حالات سے
مریدوں کے دل کے لیے تربیت ہوتی ہے اور قوتت
عزم و ارادہ کو بڑھاتی ہے۔
اور اس میں حضرت حق سبحانہ کی طرف سے ثبات
پائیداری اور پختگی پاتا ہے اور بلاؤ مصیبت اور
آزمائش میں یہاں تک کہ مردانِ خدا کا عزم و ارادہ کی
پختگی پا لیتا ہے اور ان کی سیرت و عادت کو اختیار
کر لیتا ہے اور یہ بھی کہ مشائخ حق تعالیٰ کے دوستوں
کی باتوں سے ان کی دوستی پیدا ہو جاتی ہے اور ان
کی دوستی تجھے ان کی نسبت کے ساتھ منسلک کر
دیتی ہے۔ جیسے کہ انہوں نے کہا ہے۔ دوستی بھی
ایک قسم کی قرابت ہے اور انہوں نے کہا ہے،
دوستی سے بڑھ کر کوئی قرابت نہیں اور عداوت
سے بڑھ کر کوئی دوری نہیں اور کیا اچھا کہنے والے
نے۔ شعر کا ترجمہ: یہ قوم ایسے سچے بھائی ہیں کہ ان
میں محبت کا ایسا رشتہ قائم ہے جس کے برابر کوئی
رشتہ نہیں۔ یعنی یہ جماعت والے آپس میں ایسے
بھائی ہیں جن مقصد کے ایک ہونے کی وجہ سے باہمی موافقت
ہے۔ اور رشتہ داری کی علامت، ان میں ایسی دوستی
ہے کہ قرابت کے اسباب میں سے کوئی سبب
اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ صحابہ نے مصطفےٰ صلی اللہ
علیہ وسلم سے اس آدمی کے متعلق پوچھا جو کسی جماعت
کو دوست تو رکھتا ہے لیکن ان کے کردار اور عمل
کو نہیں پہنچتا۔ آنحضرت نے فرمایا المرء من احب

را در فلاں محلّہ می شناختی فلاں عارف را گوید
می شناختم گوید کہ برو کہ ترا بوے بخشیدم پس
وقتے کہ بشناخت نسبت می پیوند و سبب
نجات می گردد بہر دوستاں وے و گرفتن
سیرت ایشاں و پے بردن باحسان بایشاں
اولےٰ تر۔

آدمی اس کے ساتھ ہے کہ جس کو وہ دوست رکھتا
ہے اور حدیثِ مصطفیٰ میں ہے کہ قیامت کے
دن ایک آدمی اپنے عملوں کی مفلسی کے باعث ناامیدی
کی حالت میں ہوگا حق سبحانہ و تعالیٰ اُسے فرمائیگا میرے
بندے فلاں عالم کو جو فلاں محلہ میں رہتا تھا۔ تو پہچانتا
ہے یعنی فلاں عارف کو تو جانتا ہے وہ کہے گا میں
پہچانتا ہوں اللہ تعالےٰ فرمائے گا جا میں نے تجھے
اس کی وجہ سے بخش دیا۔ پس جبکہ نسبت کی شناخت
اور کسی صاحبِ معرفت کا پہچاننا نجات کا سبب
بن جاتا ہے تو ان کی دوستی اور ان سے محبت کرنا اور
ان کی سیرت و عادات کو اختیار کرنا اور صفت احسان
کے ساتھ ان کے پیچھے چلنا اور ان کی اقتدار بطریق اولیٰ
نجات کا باعث ہوگا۔

ابو العباس رح عطا گوید اگر نتوانی کہ دست در
دوستی او زنی دست در دوستی دوستاں او زن
کہ دوستیِ دوستان او دوستی اوست۔ و مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم گفت،

"یا ابن مسعود اتدری ای عری
الاسلام اوثق قال قلت اللہ و
رسولہ اعلم قال صلی اللہ
علیہ وسلم الولایۃ فی اللہ والحب
فیہ والبغض فیہ۔

ابو العباس عطاء کہتے ہیں تو اس تعالیٰ کی دوستی میں ہاتھ نہیں
ڈال سکتا یعنی اللہ تعالےٰ کی دوستی تک پہنچنے میں
کامیاب نہیں ہوتا تو اس کے دوستوں کی دوستی میں
ہاتھ ڈال کہ اس کے دوستوں کی دوستی اس کی (اللہ کیساتھ)
دوستی ہے اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یا ابن
مسعود تو جانتا ہے کہ اسلام کا کون سا کڑا زیادہ پختہ اور
مضبوط ہے میں نے کہا، اللہ اور اس کا رسول زیادہ علم
والا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اللہ
کی خاطر دوستی کرنا اور اس کے لیے محبت کرنا اور اس
کے لیے محبت کرنا اور اس کے لیے بغض اور نفرت
کرنا"۔ فضیل عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ
قیامت کے دن بندہ کو کہے گا۔ اے ابنِ آدم دنیا میں

و فضیل عیاض رحمہ اللہ گوید کہ اللہ تعالےٰ فردا
با بندہ گوید،

یا ابن آدم اما زھدک فی الدنیا فانما طلبت الراحة لنفسک واما انقطاعک الیّ فانما طلبت العز لنفسک ولکن ھل عادیتَ لی عدوا او والیت لی ولیّا۔

تو نے جو زہد اختیار کیا تو یقیناً تُو نے اپنے نفس کے لیے راحت طلب کی اور سب کو چھوڑ کر جو میری طرف آیا تو تُو اپنے نفس کے لیے عزت کا طالب ہوا۔ لیکن یہ بتا کیا تو نے میری وجہ سے کسی دشمن سے دشمنی کی اور میری وجہ سے کسی ولی "دوست" سے دوستی کی؟

وکمترین فائدہ در شنیدن حکایات ایں طائفہ آنست کہ بداند افعال واحوال واقوال وے نہ چون ایشاں ست، منی از کردار خود برگیرد وتقصیر خود در جنب کردار ایشاں بہ بیند از عُجب وریا واستحسان بپرہیزد۔

ان حضرات کی حکایات سننے میں کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ سننے والا یہ جان لیتا ہے تاکہ میرے افعال، احوال واقوال ان حضرات جیسے نہیں ہیں اس لیے اپنے کردار سے منی اور خودی کو دور کر دیتا ہے اور ان کے کردار واعمال کے مقابلہ میں اپنے آپ کو قصوروار ٹھہراتا ہے عجب اور ریا (بڑائی اور دکھلاوا) اور اپنے کو اچھا سمجھنے سے پرہیز کرنے لگتا ہے۔

شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ الانصاری الہروی قدس اللہ سرہٗ وہر جا کہ درین کتاب شیخ الاسلام مذکور شدہ مراد ایشاں خواہند بود۔ وصیّت کردہ است کہ از ہر پیرے سخنے یاد گیرید۔ واگر نتوانید۔

شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ الانصاری الہروی قدس اللہ سرہٗ اس کتاب میں جس جگہ بھی شیخ الاسلام کا ذکر کیا گیا ہو اس سے یہی حضرت مراد ہوتے ہیں (انہوں نے) نصیحت کی ہے کہ ہر پیر کی بات کو یاد رکھو اور اگر ان کی بات یاد نہ کر سکو تو ان کا نام ہی یاد رکھو۔

نام ایشاں یاد دارید کہ بآن بہرہ یابید ونیز فرمودہ است کہ پیشین نشان درین کار آنست کہ سخن مشائخ شنوی خوش آید وبدل با ایشاں گرائے وانکار نیاری وہر گاہ از دوستان خودیکی را باتو نماید ترا قبول نیفتد وحقیر آید بتر باشد از ہر گناہ کہ آن

تو تم اس سے حصہ پاؤگے اور نفع اٹھاؤ گے اور شیخ الاسلام نے ہی یہ فرمایا کہ اس کام میں آنے کا پہلا نشان یہ ہے کہ جب تو مشائخ کی باتیں سنے تو تجھے وہ اچھی لگیں اور تو دل کے ساتھ ان کا گرویدہ ہو جائے اور انکار نہ لاوے یعنی انہیں تسلیم کرے اور مان لے اور جس وقت اللہ تعالیٰ

بتر باشد کہ بکنی - زیرا کہ آن دلیل محرومی وحجاب باشد -
نعوذ باللہ من الخذلان"
واگر در نظر غلط افتد و سے نہ بآں باشد کہ ترا بوسے قبول افتد ترا زیان ندارد کہ قصدِ تو باآں راست بودہ باشد -
واللہ المستعان وعلیہ التکلان -

تجھے اپنے دوستوں میں سے کسی کو دکھائے اور تو اس کو قبول نہ کرے بلکہ تو اس کو حقیر جانے تو یہ گناہ تیرے ان سب گناہوں سے بدتر ہے جن کو تو کرتا ہے کیونکہ یہ بات تیری محرومی بدنصیبی اور حجاب کی دلیل ہو گی - ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں چھوڑ دینے مدد نہ کرنے بے نصیب اور محروم رہنے سے بچائے اور اگر تیری نظر میں غلطی واقع ہو جائے اور تیری پرکھ درست نہ نکلے کہ جس کو تو نے بنظرِ غور دیکھا ہے مگر فی الواقع وہ بزرگ نہیں ہے تو اس کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ تیری نیت تو اس کے قبول کرنے میں درست اور صحیح تھی -
اور اللہ کی ذات ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے اور اسی پر توکل اور بھروسہ ہے اور اسی کی بارگاہ میں اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہوں -

---

(بقیہ حاشیہ صد ۵۲)

والے کو نہ دیکھے اور بے صبری نہ کرے بلکہ صبر یا رضا رکا طریقہ اس کے پیشِ نظر رہے۔ [۳] گناہ سے ولی کے بچانے کو حفظ کہتے ہیں - اور نبی کو گناہ سے بچانے کو عصمت کہتے ہیں اور ولی کو گناہ سے بچانے کا مطلب یہ ہے کہ ولی گناہ پر اصرار نہیں کرتا - ہٹ دھرمی نہیں کرتا اور اس پر اڑا نہیں رہتا - اگرچہ اس سے لغزشیں سرزد ہوں گی اور گناہ ہو جائیں گے مگر جو ولی ہو گا - ان پر اڑا نہیں رہے گا، بلکہ جلد یا بدیر اس گناہ سے توبہ کر لیگا - حضرت جنیدؒ سے کہا گیا - العارف یزنی یا ابا القاسم فاطرق ملیاً ثم رفع راسہ وقال " وکان امر اللہ قدرا مقدورا " — اے ابو القاسم عارف زنا کر لیتا ہے؟ تو انہوں نے تھوڑی دیر سر نیچے کیا، پھر سر کو اٹھایا اور فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ کا کام ازل میں مقرر اور مقدر ہو چکا ہے اور اس کی قدرت میں ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی تقدیر کو اس پر جاری فرما دیں [۴] یعنی جو شخص کہ اس کا عمل شریعت کی میزان میں پورا نہیں اترتا اور اس کے اخلاق شرع کے معیار پر درست نہیں۔ وہ نفس اور شیطان سے دھوکہ کھائے ہوئے ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں - کار شیطان میکند نامش ولی - گر ولی اینست لعنت بر ولی، شیطانی کام کرتا ہے اور اس کا نام ولی ہے اگر یہی ولی ہے تو ایسے ولی پر خدا کی لعنت ہے۔

۱ حضرت ابوہاشم الصوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ و قدس سرہٗ

علاقہ شام کے شیخ مگر اصل میں یہ کوفہ کے باشندہ تھے۔ سفیان[1] ثوری کے ہم عصر تھے، سفیان ثوری کہتے ہیں، "لَوْلَا اَبُوْ هَاشِمِ الصُّوْفِیْ مَا عَرَفْتُ دَقَائِقَ الرِّيَاءِ"۔ (اگر ابوہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریار کی باریکیوں کو نہ پہچانتا[2]۔) اور انھوں نے یہ بھی فرمایا، "میں نے نہیں جانا کہ صوفی کیا ہوتا ہے؟ جب تک کہ میں نے ابوہاشم صوفی کو نہ دیکھا، اگرچہ ان سے پہلے بھی بہت سے بزرگ زہد و ورع و معاملات اور طریقِ توکّل و محبت میں نیک نام تھے، لیکن سب سے پہلے اس طبقہ میں ان حضرات نے جس کو صوفی کا لقب دیا وہ ابوہاشم صوفی تھے۔ ان سے پہلے کسی بزرگ کو صوفی کے نام سے ان حضرات نے نہیں پکارا اور ایسے ہی صوفیوں کے لیے سب سے پہلی خانقاہ بنائی گئی وہ "رملۂ[3] شام" میں تعمیر ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہوا۔ امیر ترسار[4] شکار کرنے گیا ہوا تھا۔ راستہ میں اُس نے اس جماعت کے دو آدمی ایک دوسرے کی بغل میں ہاتھ ڈالے ہوئے دیکھے۔ دونوں اس جگہ بیٹھ گئے اور کھانے کی جو چیز اپنے پاس رکھتے تھے

---

۱ حضرت سفیان ثوری ۱۶۱ھ میں بصرہ میں رحلت فرما گئے۔ ۲ یعنی اگر ابوہاشم صوفی نہ ہوتے جنھوں نے باریک ریار کے متعلق کلام کیا تو میں ریار کی باریکیوں کو نہ پہچانتا۔ ریار کی باریکیوں پر مطلع ہونا نفس کی حقیقت اور اس کی چال بازیوں کی پہچان پر موقوف ہے اور اس مقام پر بہت کم لوگ پہنچتے ہیں۔ ۳ "رملہ" شام کے علاقہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ ۴ ترسا۔ آتش پرست یا یہود کو کہتے ہیں۔

سامنے رکھ کر کھانے لگے۔ جب یہ لوگ روانہ ہوئے امیر کو ان کی محبت اور اُلفت کا یہ حال بہت پسند آیا۔ امیر نے ان میں سے ایک کو بلایا اور پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اس نے کہا، "میں نہیں جانتا۔" اس نے کہا، "تجھے کیا ہوا؟" کہا کچھ نہیں۔" امیر نے پوچھا وہ کہاں کا رہنے والا ہے؟ کہا، میں نہیں جانتا۔" امیر نے کہا، تمہاری یہ محبّت جو تم آپس میں ایک دوسرے سے رکھتے ہو اس کا کیا سبب ہے؟" اس نے کہا، "یہ ہمارا طریقہ اور دستور ہے۔" اور پوچھا، "تمہاری کوئی ایسی جگہ بھی ہے جہاں تم دونوں اکٹھے ہو جایا کرو؟" درویش نے کہا، "نہیں۔" امیر نے کہا، "میں تمہارے واسطے ایک جگہ بنا دیتا ہوں، تاکہ تم دونوں اکٹھے ہو جایا کرو۔" پس اس جگہ یعنی رملہ کے مقام پر اس نے مکان تعمیر کرا دیا جو دنیا میں صوفیاء کی سب سے پہلی خانقاہ تھی۔

شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے اس کے بارہ میں یہ فرمایا:

خَیْرُ دَارٍ حَلَّ فِیْهَا اَرْبَابُ الدِّیَارِ
وَقَدِیْمًا وَفَّقَ اللهُ خَیْرَ الْخِیَارِ
هِیَ الْمَعَالِمُ[1] وَالْاَطْلَالُ[2] وَالدَّارُ[3]
دَارٌ عَلَیْهَا مِنَ الْاَحْبَابِ آثَارُ

(۱) گھروں میں سب سے بہتر وہ گھر ہے جس میں سب سے بہتر گھر والے یعنی اہل اللہ رہتے ہوں اور قدیم سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی یہ عادت ہے کہ وہ نیک لوگوں کو نیک کام کرنے کی توفیق دیا کرتا ہے۔ شیخ الاسلام نے خانقاہیں بنانے کی ترغیب کے لیے یہ شعر کہا ہے۔

(۲) قصہ یہ ہے کہ یہ وہ منزل ہے جس کو کسی کی منزل یا گھر کہا جا سکتا ہے۔ جس پر دوستوں کا کوئی اثر و نشان ہو۔ حضرت ابوالہاشم کا کلام ہے "لَقَلْعُ الْجِبَالِ بِالْاِبَرِ اَیْسَرُ مِنْ اِخْرَاجِ الْکِبْرِ مِنَ الْقُلُوْبِ"[4] (ترجمہ: سُوئی سے پہاڑ کا کھودنا اور اکھاڑ دینا آسان ہے مگر دلوں سے تکبر کا نکالنا مشکل ہے۔) ابوالہاشمؒ نے قاضی شریک

---

[1] المعالم۔ نشان، علامات، معلم کی جمع جو صیغہ اسم آلہ ہے۔ مجازاً دنیا۔ [2] الاطلال۔ واحد طل۔ ویران اور پرانی برباد شدہ عمارتوں کے نشانات گری ہوئی عمارتوں کے نشانات کھنڈرات بمعنی ٹیلہ۔ [3] والدار۔ مکان محلہ، جگہ بستی۔ ترجمہ۔ نشانات، کھنڈرات۔ پڑاؤ یا محلہ وہ بستی یا گھر ہے جس پر دوستوں کے نشانات اور یادگاریں ہوں۔ [4] دلوں سے کبر و منی کا نکالنا مشکل ہے اور سوئی سے پہاڑ کا اکھاڑنا آسان ہے۔ یعنی کبر و منی کا اس طرح نکال دینا کہ اپنی حقیقت کو ذوق و وجدان کے طریقہ سے معدوم پا لے اور اس حقیقت کو بطریق ذوق معلوم کرنا بھی دشوار ہے۔

کو دیکھا کہ وہ یحییٰ خالد کے مکان سے نکلا، ابوالہاشم رو پڑے اور کہا، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ[1] میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور فرمایا، آدمی کا خود کو حسنِ ادب اور اچھے اخلاق سے آراستہ کرنا دراصل گھر کے آدمیوں کو باادب اور خوش اخلاق بنانا ہے[2]۔"

منصور حماد دمشقی فرماتے ہیں، ابوالہاشم صوفی بیماریٔ مرگ میں تھے۔ میں نے ان سے پوچھا، خود کو کیسا پاتا ہے؟" ابوالہاشم نے کہا، بڑی بلا دیکھتا ہوں (مگر آرزو محبت اور دوستی بلاء سے بڑی ہے) یعنی اگرچہ مصیبت بڑی ہے، مگر اس کی دوستی کے مقابلہ میں حقیر ہے۔"

شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا، "اگر محبت اور مصیبت برابر ہو تو محبت نہیں ہوتی۔"

۲۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالےٰ

پہلے طبقہ کے بزرگوں میں ہیں۔ ابوالفیض کنیت، ثوبان نام، ذوالنون لقب ہے۔ اخمیم میں رہتے تھے اخمیم مصر کے ایک شہر کا نام ہے۔ جو صعید مصر[3] کے حاجیوں کی راہ گزر پر واقع ہے اور اسی مقام میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک ہے۔ ان کے والد نوبہ[4] کے رہنے والے تھے۔ وہ قریش کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ذوالنون کے اور بھائی بھی تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ذوالکفل تھا۔ ان سے معاملات[5] اور غیر معاملات میں بہت سی حکایات منقول ہیں۔ حضرت ذوالنونؒ حضرت امام مالک کے شاگرد اور فقہ میں ان کے مُقلّد تھے۔ مُوَطّا امام مالک خود سیّدنا الامام مالک سے سُنی اور انہیں سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ذوالنون امامِ وقت یگانہ روزگار اور گروہِ صوفیاء کے بزرگ راہنما و مرشد تھے۔ تمام سلاسل کے مشائخ عموماً ان سے نسبت رکھتے ہیں۔ ان سے پہلے اگرچہ کافی مشائخ ہو چکے تھے، مگر ذوالنون اشارات کو لفظوں میں

---

[1]: یہ بات حضرت ابوہاشم نے قاضی شریک کو اشارتاً کہی ہے کہ اس نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا۔ کیونکہ علم کا مقتضاء محض حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بندگی کرنا اور ماسوائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے منہ پھیر لینا ہے۔ [2]: اصل عبارت یہ ہے۔ اَخْذُ الْمَرْءِ نَفْسَہٗ بِحُسْنِ الْاَدَبِ تَادِیْبُ اَھْلِہٖ یعنی اپنے نفس کو خصائل حمیدہ کے ساتھ متصف بنانا۔ اپنے گھر والوں کے حال کو ان خصلتوں کے ساتھ متصف بنانا ہے اور اپنی زبان کے ساتھ ادب سکھانے کے مقابلہ میں اپنے حال سے ادب سکھانا زیادہ قوی ہے۔ [3]: صعید: کشت زار مصر۔ مصر کے اس علاقہ کو کہتے ہیں جو سرسبز کھیتوں پر مشتمل ہے۔ [4]: نوبہ: یہ جگہ صعید مصر اور حبشہ کے درمیان واقع ہے۔ [5]: معاملات: معاملات سے مراد وہ اعمال ہیں جن کے کرنے کا آدمی کو حکم دیا گیا ہے۔ خواہ وہ حق تعالےٰ سے متعلق ہوں یا مخلوق کے متعلق۔ یعنی وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔ اور غیر معاملات سے مراد حقائق و معارف ہیں۔

بیان کرنے اور طریقت میں کلام کرنے والے پہلے بزرگ ہیں۔ یعنی دوسرے بزرگ جس بات کو اشاروں اور دلالتِ خفیہ کے ساتھ ظاہر کرتے تھے، وہ اس کو دلالت صریح کے ساتھ کھلے لفظوں میں بیان کرتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں: "ذوالنون ان لوگوں میں نہیں ہیں جن کو کرامات کے ساتھ آراستہ کریں اور مقامات کے ساتھ ان کی ستائش کریں۔ مقام و حال اور وقت ان کے ہاتھ میں مسخر اور عاجز تھا" یعنی حال و مقام ان میں متصرف نہیں تھے کہ ان کو مغلوب اور اپنے اثر میں لے آئیں، بلکہ وہ خود ہر حال پر غالب تھے اور جو حال چاہتے تھے وہ اس پر قادر تھے کہ وہ ظاہر ہو۔

کہتے ہیں جب دوسرے طبقہ میں حضرت جنید کا ظہور ہوا تو انھوں نے اس علم شریف کو مرتب کیا۔ اس کی تشریح و تفصیل سے لوگوں کو آگاہ کیا اور اس فن کی کتابیں لکھیں اور جب شبلیؒ کا ظہور ہوا تو انہوں نے بر سرِ ممبر اس علم کو لوگوں کے سامنے عام کیا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں، "ہم اس علم کو تہ خانوں، غاروں اور گھروں میں چھپ کر بیان کرتے تھے شبلیؒ آئے تو وہ اس علم کو ممبر پر لے گئے اور مخلوق کے سامنے اسے کھول کر رکھ دیا"۔

حضرت ذوالنون نے فرمایا، میں نے تین سفر کیے اور تین علم حاصل کیے۔ پہلے سفر میں وہ علم لایا جسے خاص و عام نے قبول کیا۔ دوسرے سفر میں وہ علم لایا جسے خاص نے قبول کیا۔ عام نے قبول نہیں کیا اور تیسرے سفر میں وہ علم لایا جسے نہ خاص[۱] نے قبول کیا نہ عام نے۔ "فَبَقِیْتُ سَرِیْداً طَرِیْداً وَحِیْداً" ترجمہ: پس میں رہ گیا مخلوق سے بھاگنے والا، وحشت کرنے والا، دھتکارا ہوا تنہا اور اکیلا۔

شیخ الاسلام نے اس کی تشریح اس طرح فرمائی، پہلا علم توبہ و ندامت کا علم ہے۔ جس کو خاص و عام سب قبول کرتے ہیں۔ دوسرا علم توکل معاملات و محبت کا ہے۔ اُسے خاص لوگ قبول کرتے ہیں۔ عام لوگ قبول نہیں کرتے تیسرا علم حقیقت ہے جو مخلوق کے علم و عقل کی رسائی سے باہر ہے۔ لوگ اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس لیے لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ ان پر انکار کرنے اور زبان طعن دراز کرنے میں مشغول ہو گئے۔ تاآنکہ وہ ۲۴۵ھ میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ جب ان کا جنازہ اٹھا کر لے جا رہے تھے تو پرندوں کی قطاریں اپنے پروں کو پھیلائے اس طرح جنازہ پر آئیں کہ ساری مخلوق کو اپنے پروں کے سایہ میں چھپا لیا۔ گویا پرندوں کی اتنی کثرت تھی کہ جنازہ میں شریک ہونے والے

---

[۱]: اس مقام میں خاص سے ان کی مراد وہ جماعت اور لوگ ہیں جو علوم میں تو ممتاز ہوتے ہیں، مگر ذوقِ توحید سے خالی ہیں۔ گویا وہ حضرات جن کو ذوقِ توحید حاصل ہوتا ہے۔ وہ حضرت ذوالنون کے نزدیک خاص الخاص ہیں۔

تمام آدمیوں پر ان کے پروں کا سایہ تھا اور یہ پرندے بھی ایسے عجیب وغریب تھے کہ لوگوں نے اس سے پہلے ان میں سے کوئی پرندہ کبھی نہیں دیکھا تھا، مگر اس کے بعد یہ پرندے امام شافعیؒ کے شاگرد مُزنی کے جنازہ پر پھر دیکھے گئے۔ اس کرامت کو دیکھنے کے بعد حضرت ذوالنونؒ کی بزرگی کی شہرت ہوئی اور انہیں قبول حاصل ہوا۔ دوسرے دن لوگوں نے ان کی قبر پر اس طرز میں لکھا ہوا پایا جو آدمیوں کی تحریر میں نہ آسکتا تھا۔

"ذُوالنون حَبِیبُ اللہِ مِنَ الشَّوقِ قَتِیلُ اللہِ" (ترجمہ: ذوالنون اللہ کا دوست ہے۔ محبت اور شوق سے اللہ کا مارا ہوا) لوگ اس تحریر کو صاف کر دیتے اور مٹا دیتے تھے، مگر پھر اسی عبارت کو لکھا ہوا پاتے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ وہ آخری سفر پاؤں کے ساتھ نہ تھا کیونکہ اس تک قدم کے ساتھ نہیں جاتے بلکہ ہمتوں کے ساتھ جاتے ہیں[1]۔

حضرت ذوالنونؒ نے فرمایا، "اَخفَی الحِجَابِ وَاَشَدُّہٗ رُویَۃُ النَّفسِ وَتَدبِیرُھَا"
(ترجمہ: حجابوں میں سب سے زیادہ پوشیدہ اور سب سے زیادہ سخت حجاب اپنے کو دیکھنا اور اپنے لیے تدبیر کرنا ہے)
یعنی اللہ سے دور رکھنے والی چیزوں میں سب سے زیادہ مخفی اور سب زیادہ سخت چیز یہ ہے کہ آدمی خود کو دیکھے اور اپنے لیے آسائش وزیبائش کی فکر میں رہے۔ جو آدمی خود کو دیکھے گا اور اپنی راحت رسانی و تن آسانی میں مشغول رہے گا اس پر حق پوشیدہ رہے گا۔ وہ یہ سمجھتا رہے گا کہ میں راہ پر ہوں حالانکہ وہ راہ سے ہٹا ہوا ہے۔

فرمایا، مَا اَعَزَّ اللہُ عَبدًا بِعِزٍّ عَزَّلَہٗ مِن اَن یَّدُلَّ لَہٗ عَلٰی نَفسِہٖ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑھ کر کسی کو عزت نہیں بخشی جو اس کی خاطر اپنے نفس پر ذلت اختیار کرے۔)
یعنی سب سے بڑھ کر عزت والا وہ شخص ہے جو بُرے اخلاق اور نفس کی کمینگیوں اور نالائقیوں کی نگرانی کرنے اور ان کے دور کرنے کی فکر میں مشغول رہتا ہو۔
مطلب یہ ہے کہ آدمی کی اصل ذلت ذاتِ حق سبحانہٗ کا نہ ملنا ہے اور حقیقی عزت ذاتِ حق سبحانہٗ کو پالینا ہے۔ پس جب کوئی آدمی اللہ کے فضل سے اس راہ پر آجاوے اور خود کو نیست و معدوم جانے اور اپنے وجود کو اس کے وجود کے ساتھ قائم و منسوب سمجھنے لگے۔ پس ایسا شخص عزت والا ہے۔ اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کے وجود کے ساتھ

---

[1] یعنی اس سفر میں حرکت اینی کو دخل نہیں ہے بلکہ حرکت کیفی درکار ہے جو ممکن سے ہمت کا قطع کرنا اور اس کو واجب تعالیٰ کے ساتھ متعلق کر دینا ہے اور آنحضرتؐ کا فرمان ہمت کی بلندی ایمان سے ہے۔ یہ اشارہ ہے اسی نوع کی طرف اور ممکن سے تعلق توڑ دینا اور واجب کے ساتھ جوڑ لینا یہ ممکن کے نقصان کو دیکھنا اور واجب تعالیٰ کے کمال کو دیکھنا اور اس ملاحظہ کو تازہ کرنا ہے اور ان دونوں ملاحظوں کو فائدہ دینے والا کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔

موجود ہے نہ کہ اپنے جسمانی وجود کے ساتھ۔ کیونکہ کسی کے لیے کسی وجہ اور کسی بھی حیثیت سے فِی حَدِّ ذَاتِہٖ کوئی وجود نہیں، واللہ اعلم۔

حضرت ذوالنونؒ نے فرمایا، "اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا جہالت[1] اور اس کی طرف اشارہ[2] کرنا شرک[3] ہے۔ معرفت کی حقیقت حیرت[4] ہے۔"

شیخ الاسلام نے فرمایا، "حیرت دو قسم کی ہے۔ حیرت عام وہ حیرت ہے جو الحاد اور گمراہی کی حیرت ہے۔ حیرت اَعْیان وہ حیرت ہے جو بزرگوں میں ہے یعنی معرفت کی حیرت۔

اور فرمایا شروع میں سارے تعلقات سے علیحدہ ہونا اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ جڑ جانا ہے اور آخر میں نہ علیحدہ ہونا ہے نہ جُڑنا ہے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا جہالت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذات حق سبحانہٗ کو معلوم کرنے میں غور کرنا جہالت و نادانی کی نشانی ہے کیونکہ اس کی ذاتِ عالی ممتنع الادراک ہے۔ اس کی حقیقت معلوم کرنا ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (سورۂ آل عمران آیت نمبر ۳۰) اللہ تعالیٰ تمہیں ڈراتا ہے اپنی ذات سے کہ اس کو معلوم کرنے کے پیچھے نہ پڑو اور اس کی دریافت کے طالب نہ بنو۔ یہ تنبیہہ اپنے بندوں پر اس کی رحمت و مہربانی کی وجہ سے ہے تاکہ ان کے اوقات فضول و برباد نہ ہوں۔

[2] اشارہ سے مراد عقلی اشارہ ہے کہ اسکو کسی صفت کے ساتھ عقل کے ذریعہ معلوم کرنا بھی شرک ہے اور حسی اشارہ کے ساتھ بھی اسکو دریافت

[3] شرک سے مراد دوسری چیز کو ادراک میں اس کے مماثل قرار دینا ہے۔ اس شرک کی مقابل "توحید حالی" ہے جو دل کا ما سوا اللہ سے یکتا اور خالی ہونا ہے اور مخفی نہ رہے کہ اشارہ میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ اِشارہ، اشارہ کرنے والا اور جس کی طرف اشارہ کیا جاوے۔ پس اشارہ کے وقت یہ آدمی موحّد نہ رہا بلکہ مشرک ہوا۔ اس بنا پر کہ اشارہ اور اشارہ کرنے والا غیر حق ہیں۔ [4] معرفت کی حقیقت حیرت ہے۔ یعنی ذات حق سبحانہٗ کا کوئی شخص بھی شعور نہیں کرسکتا۔ پس نہایتِ معرفت کسی شخص کو حاصل نہیں۔ ہاں اگر نہایتِ معرفت کسی کو حاصل ہے تو وہ اتنی ہے۔ اس شخص کے دل پر حق تعالیٰ کا دھیان حاوی ہو جاتا اور اس کا خیال دل کو قابو میں لے لیتا ہے۔ اور اس کی یادِ حق ایسی حاوی ہوتی ہے جس کی تعبیر نہیں ہے یعنی اسکو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ذاتِ حق سبحانہٗ کا ادراک آدمی کو جو ہو سکتا ہے۔ وہ صرف اسی قدر ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں اور اس دریافت و علم کا لازم اجمالی حیرت ہے اسی وجہ سے حضرت ذوالنونؒ نے فرمایا، کہ معرفت کی حقیقت حیرت ہے اور اس حیرت کو حیرتِ محمودہ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ جو آدمی عین مشاہدہ میں ہے وہ یافت میں ہے۔ دوسری حیرتِ مذمومہ وہ بُری حیرت ہے جسے شیخ الاسلامؒ نے حیرت الحاد وضلالت کا نام دیا ہے کہ اس حیرت کا لازم وجدان مطلوب یعنی خدا تعالیٰ کو جان اور معلوم کر لینا ہے اور یہی گمراہی ہے۔

شیخ الاسلام قدس سرہٗ کا شعر ہے؛

کَیْفَ یَحْکِیْ وَصْلَ اِثْنَیْنِ[1]

ھُمَا فِی الْاَصْلِ وَاحِدٌ

مَنْ قَسَمَ الْوَاحِدَ جَھْلًا

فَھُوَ بِالْوَاحِدِ جَاحِدٌ

لوگوں نے ذوالنون سے پوچھا، "مرید کون ہے اور مراد کون ہے؟" فرمایا، "مرید طلب کرتا ہے اور مراد بھاگتا ہے۔" شیخ الاسلام نے فرمایا، طالب لاکھ نیازمندی سے اسے طلب کرتا ہے اور مطلوب اس سے لاکھ ناز سے بھاگتا ہے۔" حضرت ذوالنونؒ نے فرمایا ایک مرتبہ میں کشتی میں بیٹھ کر مصر سے جدہ جا رہا تھا۔ ایک گدڑی پوش جوان بھی ہماری کشتی میں سوار تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ رہنے کی درخواست کروں، مگر اس کی ہیبت کی وجہ سے مجھے اس کے ساتھ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ اپنے زمانہ کا کامل تھا اور اس کا کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا تھا جو عبادت سے خالی ہو یہاں تک کہ ایک دن ایک آدمی کی زروجواہرات کی تھیلی گم ہو گئی اور تھیلی کے مالک نے اس بزرگ پر تہمت رکھی۔ لوگوں نے چاہا کہ اس پر سختی کریں مگر میں نے کہا تم لوگ اس طرح کی بات مت کرو جب تک کہ میں خوش اُسلوبی کے ساتھ اس سے پوچھ نہ لوں۔ میں اس کے پاس گیا۔ بڑی نرمی سے میں نے اُس سے کہا کہ لوگ آپ کے متعلق ایسی ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے ان کو آپ کے ساتھ سختی کرنے اور بدکلامی سے روک دیا ہے۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔ اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور کچھ کہا، اتنے میں سمندر کی مچھلیاں پانی کی سطح پر آ گئیں۔ ہر ایک مچھلی نے اپنے اپنے منہ میں ایک ایک موتی لیا ہوا تھا۔ اس نے ایک موتی لیا اور اس آدمی کو دے دیا، خود کشتی سے

---

[1] کَیْفَ یَحْکِیْ وَصْلَ اِثْنَیْنِ اس بیت کے حاصل معنی یہ ہیں۔ دو چیزیں اصل کے اعتبار سے واحد (ایک) ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان وصل بعید ہے، کیونکہ وصل کے معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ملنا۔ بغیر دو کے وجود کے وصل نہیں ہو گا۔ بس اگر سالک واحد سے عدولی کرے گا۔ کثرت پر نظر ڈالے گا اور اس مقام میں بے شک بحسبِ حال "واحد سے غافل اور اس کا منکر ہو گا۔ اگر اصل واحد سے عدولی اور صرفِ نظر کرے گا تو پھر اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہے کہ وصل جوڑ کے معنی کی صورت نہیں بنے گی۔ اس بناء پر کہ وصل کے معنی تعدد کے مقتضی ہیں۔ ایک سے زیادہ ہوں گے تو آپس میں ملیں گے۔

؎ اتصال بے تکیف بے قیاس

ہست رب الناس را با جان و ناس

اُتر کر پانی پر قدم رکھا اور چلا گیا۔[1] اس کے بعد جس مرد نے وہ تھیلی لی تھی اس کو پھینک دیا اور گم شدہ تھیلی مل گئی جس پر کشتی والوں کو بہت شرمندگی ہوئی۔

ذوالنون مصری مغرب کے علاقہ میں پرانے مشائخ میں کسی بزرگ کے پاس مسئلہ پوچھنے گئے۔ اس نے پوچھا، "تو کس لیے آیا ہے؟ اگر علم اوّل و آخر سیکھے گا تو یہ کسی کی طاقت میں نہیں۔ یہ تو خالق ہی جانتا ہے۔ اگر تو اس کو تلاش کرنے آیا ہے پس تو نے جب پہلا قدم رکھا تھا وہ خود اس جگہ موجود تھا۔ پھر کس کی تلاش ہے؟"

ذوالنون سفر میں رہتے تھے۔ انہوں نے اپنی سیاحت کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک زمانہ میں مَیں چلا جا رہا تھا۔ میں نے ایک جوان آدمی کو دیکھا جو عشق و دیوانگی میں مبتلا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا، "اے مسافر تو کہاں سے آیا ہے؟" اس نے کہا، "مسافر وہ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ انس و محبّت نہ رکھے۔" اس کی یہ بات سن کر میری چیخ نکلی اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا اس نے پوچھا، "تجھے کیا ہو گیا تھا؟" میں نے کہا، "دوا درد کے موافق مل گئی۔" اس پر شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ، اس کا عاشق ظاہر ہو گیا۔ جس نے بھی اسے دیکھا اُس کے جسم میں اس کی روح اس پر فریفتہ ہو گئی۔ جس جگہ اس کا دل سکون و قرار پاتا ہے وہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ بے وطنوں کا وطن اور مفلسوں اور ناداروں کا سرمایہ ہے اور اپنے دوستوں اور اپنے چاہنے والوں کا ہم سفر ہے۔ جس وقت بھی تو اس شخص کو پائے جس کے ہاتھ میں تیری پونجی ہو اور تیرے دردوں کو اس کی دوا موافق ہو اس کے دامن کو مضبوط پکڑ لے اور کسی حال میں اسے نہ چھوڑ۔

۳۔ حضرت اسرافیل رحمۃ اللہ تعالےٰ

پرانے مشائخ سے ہیں۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، "کہ وہ ذوالنون کے پیروں میں سے ہیں۔" مغربی علاقہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے مصر گئے شیخ الاسلام نے کہا فتح شخرف چھ سو فرسخ یعنی اٹھارہ سو میل سفر کر کے ایک سوال پوچھنے کے لیے اسرافیل کے پاس مصر آئے۔ جب موقعہ پایا تو ان سے پوچھا، "هَلْ تُعَذِّبُ الْأَشْرَارُ قَبْلَ الشَّرِّ؟" (کیا بدکردار لوگوں کو بدکرداری سے پہلے اور گنہگاروں کو لغزش سے پہلے عذاب دیا جائے گا؟) انھوں نے کہا مجھے تین دن کی مہلت دے۔ چوتھے دن مجھے اسرافیل نے یہ جواب دیا، "اگر یہ جائز ہے کہ عمل سے پہلے ثواب دیا جاوے

---

[1] اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے جسم میں ایسی لطافت پیدا ہوئی کہ اس کا جسم پانی میں غرق نہیں ہوا۔ اس بنا پر کہ اس کے لیے ایسی حالت پیدا ہو گئی کہ وہ طبیعت کے احکام سے باہر آ گیا۔

تو یہ بھی جائز ہے کہ گناہ سے پہلے عذاب دیا جاوے۔ حضرت اسرافیل نے یہ کہا، چیخ ماری اور فریاد کرنے لگے[1]،
اس جواب کے بعد وہ زندہ نہ رہے اور وفات پا گئے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، تین دن کی تاخیر انھوں نے مہلت چاہنے
کے لیے مانگی تھی، ورنہ اگر اسی وقت جواب دے دیتے تو اسی وقت وصال پا جاتے۔ مطلب یہ کہ وہ تین دن تک
وہ اپنے کو اس جواب کے سہنے اور سننے کی قوت دیتے رہے تاکہ نفس اس کا مقابلہ کر سکے، مگر تین دن میں بھی وہ
اس کا مقابلہ اور مدافعت کی قوت حاصل نہ کر سکے۔ آخر جواب دیتے ہی واصل باللہ ہو گئے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، "ربوبیّت ہم عین عبودیت است، او قسمتہا بہ کردہ پیش از کردہ، خلق و خلق زیرِ حکم
خواستِ وے اسیر؛ تا ہر یکے را رقم چیست عاقبت آں کند کہ خود خواہد و وے راست حکم؛ و وے آں عادل ست؛ کس
را چون و چرا نباید و نہ سزد وے کار بر علم و حکمت مے کند و کرد۔ تا سزائے ہر کس چیست و عنایت وے بکیست"۔

ربوبیّت اور عبودیّت دونوں کی ایک ہی حقیقت ہے اور ایک سرچشمہ۔ ربوبیّت سے مراد تربیّت و تاثیر
ہے اور عبودیت سے مراد انقیاد، اطاعت و فرمانبرداری اور حالات کی ماہیتوں کا قبول کرنا ہے اور مقصد یہ ہے کہ
ان دونوں کا منبع ایک ہے یعنی دونوں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ فاعلیّت یعنی کام کرنے کی قدرت بھی اسی کی
طرف سے ہے اور اس کی صلاحیّت و استعداد بھی اسی کی طرف سے ملتی ہے۔ فعل بھی اس نے خلق فرمایا اور
انفعال بھی۔ حرکت کرنا اور حرکت کی صلاحیت دینا، کام کرنا اور کام کرنے کی قابلیّت بخشنا دونوں کو خدا تعالیٰ نے
خلق فرمایا ہے"۔

اس نے مخلوقات کے پیدا کرنے سے قبل ان کی قسمتیں لکھ ڈالی ہیں۔ مخلوق اور مخلوق کی خصلتیں اس کی مشیّت
کے حکم کے تحت اسیر و مقیّد ہیں کہ جس کے لیے جو کچھ لکھا جا چکا ہے انجام کے اعتبار سے آدمی وہی کچھ کرتا ہے۔
جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور اسی کے لیے حکم سزاوار ہے۔ ہر فیصلہ کا اس کو حق ہے اور وہ اس میں عدل و انصاف
کرنے والا ہے۔ کوئی بھی چون و چرا کیوں اور کیسے، کہنے کا حق رکھتا ہے اور نہ اس کو زیب دیتا ہے خالق تعالیٰ

---

[1] یہ چیخ مارنے اور فریاد کرنے کا سبب یہ ہے کہ جواب سے انکار کا مقصد یہ تھا وہ جو چاہتا کرتا ہے۔ اگر کسی کو ثواب دینا چاہتا
ہے تو اوّلاً اس سے نیک عمل کراتا ہے۔ پھر اس کا ثواب دے دیتا ہے اور اگر عذاب اور سزا دینا چاہتا ہے تو اولاً اس سے
لغزش کرواتا ہے پھر عذاب دے دیتا ہے۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ اور لَہُ الْحُکْمُ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور حکم دیتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ اور اس کے ہی لائق ہے حکم دینا اور اُسی کی طرف
لوٹائے جاتے ہیں سارے کام کہ ہر کام کی ابتدا اُسی کی مشیّت سے ہے۔

علم و حکمت پر ہر کام کرتا ہے اور کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کس کے لائق کیا ہے؟ اور اس کی عنایت کس پر ہے۔

۴۔ حضرت ابوالاسود راعی رحمۃ اللہ تعالےٰ

مشایخ میں سے ہوئے ہیں۔ ایک دن اُنہوں نے جنگل میں اپنے گھر والوں سے کہا، "خدا حافظ، تم سلامت رہو، میں چل پڑا"۔ ان کی بہن نے دودھ سے بھر کر انہیں لوٹا دیا۔ لے کر روانہ ہوئے۔ جب وضو کی ضرورت ہوئی۔ چاہا کہ وضو کریں۔ لوٹے سے دودھ نکلا۔ یہ راستہ سے واپس آ گئے اور کہا، "میرے پاس پانی نہیں جس سے پاکی حاصل کروں، میرے لیے دودھ کے بجائے پانی زیادہ ضروری ہے"۔ لوٹے کو دودھ سے خالی کر دیا اور پانی سے بھر لیا، اور پھر روانہ ہو گئے۔ اللہ کی قدرت سے جب وہ وضو وغیرہ کرتے تو اس لوٹے سے پانی نکلتا اور جب بھوکے یا پیاسے ہوتے تو اس سے دودھ نکلتا تھا۔ مشائخ نے اس کرامت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب انھوں نے حق تعالیٰ کی عبادت کو اپنے نفس کے حق پر مقدم رکھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ کرامت بخش دی۔

۵۔ حضرت ابوہاشم یعقوب رحمۃ اللہ تعالےٰ

صوفیا۔ کی جماعت سے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھے عید کا وہ دن کبھی نہیں بھولے گا جس عید کے دن میں ذوالنون کے پاس آیا تھا۔ لوگ عیدگاہ سے عید کی خوشیاں مناتے ہوئے واپس آ رہے تھے۔ ذوالنون نے فرمایا، "یہ لوگ خوشی کرتے ہیں کہ اپنی امانت اور فریضہ ادا کر چکے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ انھوں نے قبول بھی کیا ہے؟" مطلب یہ کہ رمضان المبارک میں جو کام ان کے سپرد کیا تھا وہ سمجھتے ہیں کہ وہ کام ہم نے پورا کر دیا ہے، مگر کام تو جب پورا ہوگا جب کام لینے والا اسے پسند کرے۔ آ میرے ساتھ تاکہ ایک طرف ہو کر ہم ان کے حال پر گریہ کریں اور روئیں۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، یہ قصہ اس جوہر اور جوہری کا ہے کہ جس جوہر کی قیمت کو وہ نہیں جانتا ہے اسکو پرو دیتا ہے اور جس کی قیمت کو وہ جانتا ہے اُس کے پرونے سے ڈرتا رہتا ہے کہ ممکن ہے کہ وعید واپس نہ آجاوے اور اپنی جگہ پر نہ جاوے جو لوگ وعید کے لائق ہیں وہ غافل ہیں اور جو لوگ وعید کے لائق نہیں وہ بیدار ہیں[1] کو وہ وعید اُن کے گلے میں لٹک رہی ہے۔[2]

شیخ الاسلام نے فرمایا، حضرت سیاح موصلیؒ نے فرمایا، داؤد علیہ السلام نے کہا، "خداوندا، تو نے مجھے فرمایا ہے ہاتھ اور منہ دھو کر عبادت کے لیے میرے سامنے حاضر ہو، اب تو صحبت کے لیے بلاتا ہے۔ خداوندا، میرے دل کو کیا چیز دھوئے گی۔ جس کے بعد میں اپنے دل کو تیرے سامنے حاضر کروں اور تیرا قُرب حاصل کروں"۔ فرمایا، الھموم وَالاحزان[3]، یعنی بیماریاں اور بے قراریاں ــــ غموں کا کھانا ہے اور دردوں کا سہنا۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اس راہ

---

[1] بیدار سے مراد ہشیار ہیں۔ [2] جن سے مراد حضرۃ ذوالنون اور ابوہاشم یعقوب ہیں [3] ھموم ھمّ کی جمع ہے اور احزان حزن کی جمع ہے۔

میں اس کے بغیر چارہ نہیں ؎

نہیں معلوم اُلفت میں کہ غم کھانا بھی ہوتا ہے
جگر میں بے کلی اور دل کا گھبرانا بھی ہوتا ہے

۶۔ حضرۃ ولید بن عبداللہ السقا رحمۃ اللہ تعالےٰ

وفات ۳۲۰ھ / ۳۲۶ھ ان کی کنیت ابو اسحاق ہے، ذوالنون کے مرید تھے، وہ فرماتے ہیں، "ذوالنونؒ نے کہا، میں نے بیابان میں ایک کالا حبشی دیکھا۔ جب وہ اللہ کہتا تھا تو سفید ہو جاتا تھا، ذوالنونؒ کہتے تھے جو کوئی حقیقت میں اللہ کو یاد کرتا ہے کہنے والے سے اس کی صفت[1] جدا ہو جاتی ہے۔

ابو عبداللہ رازیؒ نے کہا، "میں ولید بن عبداللہ السقا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے چاہا کہ ان سے فقر کے ، انہوں نے بغیر میرے کچھ کہے خود ہی سر اٹھایا اور فرمایا، "فقر کا نام اس کے لیے درست ہے ، جس کے دل میں خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز نہ آتی ہو اور قیامت میں اس بات یعنی فقر کی ذمہ داری سے بغیر کسی الجھن کے نکل[2] جاوے۔"

۷۔ حضرۃ فضیل بن عیاض[3] رحمۃ اللہ تعالےٰ

وفات محرم ۱۸۷ھ۔ پہلے طبقہ سے ہیں، یعنی صوفیاء میں جو سب سے پہلی جماعت ہے اس میں حضرت فضیل بن عیاضؒ بھی شامل ہیں۔ کنیت ابو علی تھی، اصل میں 'کوفہ' یا 'خراسان' کے علاقہ 'مرو' کے رہنے والے تھے۔ بعض کہتے ہیں 'بخاریؒ الاصل ہیں۔ یعنی اصل میں 'بخارا' کے رہنے والے ہیں۔ بعض کہتے ہیں 'سمرقند' میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اور کوفی الاصل ہیں یعنی ان کے ماں باپ 'کوفہ' کے تھے۔

---

[1] یعنی جو آدمی ذوق و وجدان کے طریقہ سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اس سے صفتِ بشریہ دور ہو جاتی ہے۔ کالا ہونا بشریت کے لوازم سے ہے لیکن جو سفیدی اس میں ظاہر ہوتی تھی وہ قلب کی نورانیت کا عکس ہوتا تھا۔ عام سفیدی نہ تھی کہ وہ بھی لوازم بشریت سے ہے۔ اس بات کی تحقیق تفصیل چاہتی ہے۔ [2] یہ کلام مسئلہ توحید پر مبنی ہے، ورنہ سچائی کی صورت نہیں بنتی، کیونکہ قوی مدرکہ زیادہ تر کسی نہ کسی کام میں مشغول ہیں۔ کم از کم جب یہ بات کر رہا ہو تو اس کا دل کلام میں مشغول ہے اور اس کا مدلول مخاطب ہیں۔ [3] حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تفصیلی حالات فقیر نے حالات و مقالات صوفیہ میں جمع کیے ہیں۔ بڑے سائز کی کتاب چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ قدس سرہٗ فرماتے ہیں، "میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو محض محبت کی وجہ سے پوجتا ہوں کہ جب تک میں اس کی بندگی نہ کروں، مجھے چین نہیں آتا۔"

محمود ورّاق کا شعر ہے ؎

تَعۡصِی الۡاِلٰـهَ وَاَنۡتَ تُظۡهِرُ حُبَّهٗ
هٰذَا وَرَبِّیۡ فِی الۡقِیَاسِ بَدِیۡعٌ

لَوۡ کَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعۡتَهٗ
اِنَّ الۡمُحِبَّ لِمَنۡ یُّحِبُّ مُطِیۡعٌ

ترجمہ: (۱) تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے حالانکہ تو زبان سے اس کی محبّت کا اظہار کرتا ہے۔ قسم ہے میرے رب کی یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے۔

(۲) اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو ضرور اس کی اطاعت کرتا۔ بے شک عاشق اپنے محبوب کے حق بجالانے میں کوتاہی نہیں کرتا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جو کوئی اسے خوف کی بناء پر پوجتا ہے، تو وہ خود کو پوجتا ہے اور جو اپنی نجات کی طمع سے خود کو متحرک رکھتا ہے نہ کہ محبوب کی محبّت اور اس کے حکم بجالانے کی وجہ سے اور جو کوئی اس کو کسی امید و آرزو سے پوجتا ہے، وہ بھی خود کو پوجتا ہے اور اپنے آرام وراحت کی توقع پر جنبش کرتا ہے، نہ کہ محبت اور اس کے حکم بجالانے کے واسطے۔ میں مزدوروں کی طرح نہ اسے کسی امید اور لالچ سے پوجتا ہوں نہ خوف کی بناء پر اور نہ ہی اس کی محبّت کے دعوٰی کی بناء پر۔ حقیقت یہ ہے کہ جو بندگی اس کے لائق ہو اور جس کا وہ حقدار ہے میں اس سے عاجز ہوں، بلکہ میں تو اس کو اس کے فرمان اور حکم کی وجہ سے پوجتا ہوں کہ اس نے کہا ہے کہ میری بندگی کرو۔ اس لیے میں اس کی بندگی کرتا ہوں اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت کی محبّت پر میں اپنی تقصیر اور کوتاہی کا اقرار کرتا ہوں۔

محمد بن سعید زنجی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا "کمینہ کون ہے؟" فرمایا، "جو کہ حق سُبحانہٗ کو خوف اور امیدؔ[1] پر پوجتا ہو۔" لوگوں نے کہا، آپ کس بناء پر پوجتے ہیں؟" فرمایا اس کی محبّت اور عنایت مجھے اس کی بندگی اور طاعت پر قائم رکھتی ہے۔"

---

[1] یعنی جس کا مقصود و مطلوب غیر حق یعنی ثواب کا کمانا اور عذاب دُور کرنا ہو۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، حضرت فضیلؒ کے ایک لڑکے کا نام علیؒ تھا۔ جو ترکِ دنیا، زہد، عبادت اور خدا تعالیٰ کے خوف کے معاملہ میں اپنے والد سے بڑھا ہوا تھا۔ ایک دن مسجد حرام میں زم زم کے پاس کسی نے یہ پڑھا وَیَوْمَ الْقِیَامَتِ تَرَی الْمُجْرِمِین آخر تک جب وہ پوری آیت پڑھ چکا، حضرت علیؒ نے چیخ ماری۔ اسی حالت میں جان جانِ جاناں کے سپرد کر دی۔

شیخ الاسلامؒ نے کہا، "دوست سے نشان یعنی اشارہ ہے اور عارف سے جان ہے۔"

مَن مَّاتَ عشقً فَلْیَمُتْ ھٰکَذَا

لَا خَیْرَ فِیْ عِشْقٍ بِلَا مَوْتٍ

ترجمہ: جو حالتِ عشق میں مرے اسے چاہیئے کہ وہ علی کی طرح مرے۔ عشق میں جان کے دیتے بغیر کوئی خیر نہیں۔[1]

۸۔ حضرۃ یوسف اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ

المتوفی ۱۹۴ھ۔ شرع کے آئمہ متقدمین میں سے تھے اور زہد اور ورع میں سردار تھے اور خوف و فزع نے ان پر غلبہ کیا اور علم کا جوش ان پر طاری ہو گیا۔

شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا، "یوسف نے فرمایا، اپنے دوستوں کو انہوں نے تین چیزیں بخشی ہیں۔

۱۔ حلاوت یعنی عبادت میں مزہ ۲۔ مہابت۔ یعنی مخلوق پر ہیبت اور شان و شوکت۔ تیسرے محبت۔

۹۔ حضرت معروف کرخی[2] رحمۃ اللہ تعالیٰ

وفات ۲۰۰ھ۔ پہلے طبقہ میں سے ہیں۔ حضرت داؤد طائی المتوفی ۱۶۵ھ) کی صحبت میں رہ کر فیض یاب ہوئے۔ کنیت ابو محفوظ والد کا نام فیروز یا فیروزان جو آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت معروفؒ سری سقطیؒ کے شیخ ہیں۔ امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کی دربانی کی ہے۔ کہتے ہیں ان کے ہاتھ پر ہی وہ مسلمان ہوئے تھے۔ ایک روز ارادہ کے مقام پر لوگوں کی بھیڑ میں لوگوں کے پاؤں تلے آ کر ہلاک ہو گئے۔

حضرت معروفؒ نے فرمایا، "صوفی دنیا میں حق تعالیٰ کا مہمان ہے۔ مہمان کا میزبان سے تقاضا کرنا اور فرمائش

---

[1] یعنی ایک اشارہ سے مرجائے۔ اس عشق میں بھلائی نہیں جس میں موت نہیں۔

[2] بغداد کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے یا ایک محلہ کا نام ہے۔ بغداد کے محلہ کرخ میں رہتے تھے اور یہ مخفف ہے کرخت سے۔ جس کے معنی سخت یا عضو بے حس و حرکت کے ہیں۔

کرنا زیادتی اور نا انصافی ہے۔ جو مہمان باادب ہوتا ہے انتظار کرتا ہے، تقاضے نہیں کرتا۔

کسی نے حضرت معروفؒ سے کہا، مجھے وصیت کیجئے۔" فرمایا، "ہمیشہ اس کا خیال رکھ کہ اللہ تعالیٰ تجھے جب بھی دیکھے مساکین کے لباس اور محتاجوں کے حال میں دیکھے۔" مطلب یہ کہ امراء کی طرح شان و شوکت میں نہ رہنا نہ متکبروں کی طرح گھمنڈ اور غرور میں، بلکہ خدا تعالیٰ کے سامنے نیاز مندی کے ساتھ رہنا اور اس سے کبھی بے نیاز نہ ہونا۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، ایک روز حضرت نے اپنے بھانجے سے فرمایا، "جب تجھے خدا تعالیٰ سے کام ہو تو پہلے اس کو میری قسم دینا پھر اس سے اپنا کام کہنا، کیونکہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں یہ کہتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّآئِلِیْنَ عَلَیْكَ وَبِحَقِّ الرَّاغِبِیْنَ اِلَیْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ اِلَیْكَ ——— (ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں مانگنے والوں کے حق کے ساتھ جو تجھ پر ہے اور تیری طرف رغبت رکھنے والوں کے حق کے ساتھ اور میرے ان قدموں کے حق کے ساتھ جو تیری طرف اُٹھتے ہیں اور چل کر آتے ہیں[1]۔)

حضرت معروفؒ سے پوچھا گیا، محبت[2] کیا ہے؟ فرمایا، "یہ مخلوق کے تعلیم دینے اور سکھانے سے نہیں آتی، بلکہ یہ تو عطیہ خداوندی ہے، اس کے فضل سے ملتی ہے۔ حضرت معروف کی قبر مبارک بغداد میں ہے، کہتے ہیں کہ ان کے مزار پر جا کر جو دعا کرتا ہے قبول ہوتی ہے۔

طبقات الصوفیہ میں ہے، ابوبکر زکریا حمالؒ فرماتے ہیں، حضرت معروفؒ نے نہر کے کنارہ پر پیشاب کیا، پھر تیمم کیا، ان سے کہا گیا، اے محفوظ پانی آپ کے قریب ہے۔ حضرت نے فرمایا، "شاید میں اس تک نہ پہنچ سکوں۔" حضرت جنیدؒ نے فرمایا، "میں نے حضرت سریؒ سے سنا وہ فرماتے تھے، میں نے معروف کرخیؒ سے سنا، وہ فرماتے تھے، "اپنی نظر نیچی رکھو اگرچہ مادہ بکری سے ہو۔" ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں، میں نے حضرت معروفؒ سے سوال کیا کہ "اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے اس طاعت پر کس چیز سے قادر ہوں گے؟" فرمایا، "اپنے دلوں سے دنیا نکالنے کے ساتھ، اگر ان کے دلوں میں دنیا کا کچھ حصہ بھی موجود ہو گا تو ان کا ایک سجدہ بھی صحیح نہ ہو گا۔" حضرت معروفؒ نے

---

[1] مجھے یاد پڑتا ہے میں نے یہ روایت ابن ماجہ میں پڑھی ہے۔ (الانصاری)

[2] محبت سکھانے اور تعریف کرنے کی چیز نہیں، یہ تو ایک ذوقی چیز ہے جسے محنت اور کسب سے حاصل نہیں کر سکتے بلکہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی عنایات اور عطاؤں میں سے ایک عطا ہے۔

نے فرمایا، بغیر عمل کے جنت کی خواہش رکھنا گناہوں میں سے ایک گناہ ہے اور بغیر سبب کے شفاعت کا انتظار کرنا ایک قسم کا دھوکہ ہے اور جس کی اطاعت نہ کی جاوے اس سے رحمت کی امید رکھنا جہالت و حماقت ہے۔"

ابراہیم بکاؒ نے کہا، میں نے معروف کرخیؒ سے سنا، وہ فرماتے ہیں، "جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس پر عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے اور جدل کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ بندہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر عمل کا دروزہ بند کر دیتا ہے اور جدل[۱] کا دروازہ کھول دیتا ہے۔"

۱۰۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ و قدس سرہٗ

وفات ۲۱۵ھ پہلے طبقہ کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ قدیم مشائخ سے ہیں۔ "داران[۲]" کے باشندہ ہیں۔ یہیں ان کی قبر ہے۔ احمد بن الحواری کے شیخ ہیں۔ کسی نے حضرت سلیمان سے پوچھا، "معرفت[۳] کی حقیقت کیا ہے؟" فرمایا، "یہ ہے کہ دونوں جہان میں تیری مراد ایک کے سوا کوئی اور نہ ہو۔" اور فرمایا، میں نے کتاب میں پڑھا ہے، حق سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے: كَذِبَ مَنِ ادَّعٰى مَحَبَّتِيْ اِذَا جَنَّهُ اللَّيْلُ نَامَ عَنِّيْ —
(ترجمہ: جھوٹا ہے وہ آدمی جو میری محبت کا دعویٰ کرے، جب اس پر رات آجاوے تو مجھے چھوڑ کر سو جاوے[۴]۔")

اور فرمایا، جب میں عراق میں تھا عابد تھا اور شام میں آکر عارف ہو گیا۔" بعض لوگوں نے اس کا مطلب یوں بیان کیا کہ شام میں اس وجہ سے عارف ہو گیا کہ عراق میں عابد تھا، اگر عراق میں عارف ہوتا تو شام میں زیادہ عارف[۵] ہوتا۔

فرمایا، "بہت دفعہ ایک حقیقت میرے دل میں چالیس دن تک آنا چاہتی ہے، لیکن میں اسے اپنے دل میں گھسنے نہیں دیتا، جب تک کہ دو گواہوں[۶] سے اس کے متعلق گواہی نہ لے لوں۔ یعنی کشف پر اعتماد نہیں کرتا جب

۱؎ جدل۔ یعنی بحث و مباحثہ۔ ۲؎ داران دمشق کے ایک گاؤں کا نام ہے۔

۳؎ یعنی معرفت کا نشان یہ ہے کہ صاحبِ معرفت غیر حق سبحانہٗ سے بے تعلق اور بے واسطہ ہو جاوے خواہ وہ امورِ دنیویہ ہوں یا اخرویہ اور اس کے دل کا تعلق صرف ذاتِ حق کے ساتھ وابستہ ہو اور بس۔

۴؎ یعنی وہ شخص جھوٹ بولتا ہے جو محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور رات کو سو جاتا ہے اور مجھ سے غافل رہتا ہے۔

۵؎ یعنی معرفت عبادت کا نتیجہ ہے۔ جتنی اور جیسی عبادت ہوگی ویسی ہی معرفت ہوگی۔ یعنی جس درجہ کی کسی کی عبادت ہوگی اسی درجہ کی اس کی معرفت ہوگی۔

۶؎ دو گواہوں سے مراد (۱) کتاب (۲) سنّت ہے۔

تک کتاب وسنت[1] میں نہ دیکھ لوں۔"

فرمایا، جو چیز تجھے حق تعالیٰ سے چھڑا کر اپنے میں مشغول کرے وہ تجھ پر منحوس ہے اور وہ چیز جو تیری خصلت و عادت کو حق سے روک دے اور تجھے اسباب میں پھنسا دے وہ تیری دشمن ہے اور جو سانس تجھ سے غفلت کیساتھ باہر آئے یعنی یادِ حق سبحانہٗ میں نہ آوے وہ تجھ پر داغ ہے۔"

ابو سلیمانؒ نے فرمایا، "اَدْخَلَهُمُ الْجِنَانَ قَبْلَ اَنْ يُّطِيْعُوْهُ وَاَدْخَلَهُمُ النَّارَ قَبْلَ اَنْ يَّعْصُوْهُ۔" (ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت سے پہلے لوگوں کو جنت میں داخل کر دیا اور ان کو جہنم میں داخل کر دیا اس سے پہلے کہ وہ نافرمانی کریں۔)

جب محبوب کے فراق یعنی نہ پانے پر دل[2] روتا ہے تو روح وجد سے یعنی اس کے پا لینے پر خوش ہوتی ہے[2]۔

اور فرمایا، "بندہ کو خدا تعالیٰ تک پہنچانے کے وسائل میں سب سے زیادہ جلدی پہنچانے والا وسیلہ محاسبہ ہے۔ یعنی اوقات کا حساب کرنا کہ غفلت اور مخالفت میں گزرے یا آگاہی و موافقت میں اور محاسبہ کے درجے ہیں۔ سب سے بڑا درجہ انفاس ہے۔ اس سے کم درجہ روزانہ کی گھڑیوں یا ہفتہ و مہینوں کا ہے۔ بعض اکابرِ شیراز کو دیکھا گیا کہ وہ غفلت کے اوقات کو لکھتے تھے۔

احمد بن ابی الحواریؒ کہتے ہیں کہ ابو سلیمان سے میں نے کہا، "میں نے تنہائی میں نماز پڑھی اور اس سے لذت پائی۔" پوچھا، "تیری لذت کا سبب کیا تھا؟" میں نے کہا، "یہ کہ مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔" فرمایا، "یقیناً تو کمزور[3] ہے، کیونکہ

---

[1] بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ حقائقِ الٰہی میں سے کوئی چیز تردّد کے طریقے پر میرے دل میں آتی ہے اور میں اس پر مطمئن نہیں ہوتا جب تک کہ دو سچے گواہ قرآنِ پاک اور سنتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے تقویت اور تائید حاصل نہ کرلوں۔ خلاصہ یہ کہ میں محض اپنے کشف پر تسلّی نہیں رکھتا اور بھروسہ نہیں کرتا جب تک کتاب و سنت کے ساتھ اس کی مطابقت نہ دیکھوں۔

[2] پس روح کا کسی چیز سے خوش ہونا اس کو پا لینے کی علامت ہے جس کے نہ پانے پر دل غمگین ہوتا ہے۔

[3] اصل عبارت یہ ہے "اِنَّكَ لَضَعِيْفٌ حَيْثُ خَطَرَ بِقَلْبِكَ ذِكْرُ الْخَلْقِ۔ یقیناً تو ضعیف ہے یعنی شہود میں تیرا یقین کمزور ہے کہ مخلوق اپنے محقوق ہونے کے ساتھ تیرے دل میں آ گئی۔ اگر تیرا یقین قوی ہوتا تو مخلوق کو اللہ کے فعل کے آثار اور اسمِ خالق کا نشان دیکھتا نہ کہ ذراتِ موجودہ اور چونکہ وہ آثار ہوتے ہیں، پس عارف کے نفس میں ان کے دیکھنے اور نہ دیکھنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ع یعنی جب دل روتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب مطلوب کی نایافت کی وجہ سے دل غمگین ہوتا ہے روح اس کے پانے کی وجہ سے خوش ہوتی ہے۔ پس کسی چیز سے رُوح کا خوش ہونا اس کی علامت ہے کہ دل اس کے نہ ہونے کی وجہ سے غمگین ہو رہا ہو گا۔

تیرے دل میں مخلوق کا خیال اور اس کی یاد آئی۔

حضرت ابوسلیمان دارانیؒ کے بھائی داؤد بن احمد دارانی قدس سرہٗ کے متعلق احمد بن الحواریؒ کہتے ہیں، میں نے داؤد سے پوچھا، "آپ اس دل کے بارہ میں کیا کہتے ہیں جس پر اچھی آواز اثر کرتی ہے؟" فرمایا، "جس دل میں یہ بات ہو کہ اچھی آواز اس پر اثر کرتی ہو وہ ضعیف اور بیمار ہے اس کا علاج کرانا چاہیئے۔" اور فرمایا، "جو شخص اللہ تعالےٰ کا ہو جاوے اس کو چاہیئے کہ غیر حق کو اپنی گردن سے اتار پھینکے۔"

اور فرمایا، "ہر صاف چیز کے لیے زنگ ہوتا ہے اور دل کا زنگ پیٹ[1] بھر کر کھانا ہے۔ اور فرمایا:-

مَنْ اَظْهَرَ الْاِنْقِطَاعَ اِلَى اللهِ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ خَلْعُ مَا دُوْنَهٗ مِنْ رَقَبَتِهٖ

جو شخص حق سبحانہٗ کی پیوستگی اور تعلق کو ظاہر کرے اس پر واجب ہے کہ ہر اس چیز کو دور کر دے جو غیر خداوند تعالےٰ ہے۔ یعنی غیر حق سبحانہٗ سے تعلق کو ختم کر دے نہ کہ اغیار کو، کیونکہ تعلّق با اغیار منافی دعوٰی ہے نہ کہ وجودِ اغیار۔

۱۱۔ حضرت ابوسلیمان داؤد بن نصر الطّائی رحمۃ اللہ تعالےٰ

پہلے طبقہ یعنی درجہ اوّل کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ بڑے درجے کے مشائخ اور سادات اہل تصوف سے ہیں۔ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگردِ رشید تھے۔ حضرت فضیلؒ، ابراہیم ادہمؒ اور دوسرے حضرات کے ہم عصر بزرگ تھے۔ طریقت میں حبیب راعیؒ کے مرید تھے۔ تمام علوم میں اونچا درجہ حاصل کیا۔ فقہ میں فقیہ الفقہا تھے۔ گوشہ نشینی اختیار کی۔ ریاست و سرداری سے اعراض کیا، زہد و ورع اور تقوٰی کو پوری طرح سے اختیار کیا۔ ان کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔ ایک مرید سے فرمایا، "بیٹے اگر سلامتی چاہتا ہے تو دنیا کو خیرباد کہہ دے، اگر عزّت چاہتا ہے تو آخرت پر تکبیر[2] پڑھ۔" اور حضرت معروف کرخیؒ سے روایت کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا، "میں نے فقرا میں ایسا کوئی نہ دیکھا، جس کی نگاہ میں دنیا اتنی ذلیل و خوار ہو، جتنی داؤد طائیؒ کی نظر میں ذلیل تھی۔ ان کی شخصیت اس معاملہ میں اتنی بلند تھی کہ دنیا اور اہلِ دنیا کی ان کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہ تھی، البتہ وہ فقرا کو عزّت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اگرچہ وہ پرآفت بھی ہوتے۔

---

[1] پیٹ بھر کر کھانا انوارِ معارف و حقائق کے منافذ راستوں کو بند کر دیتا ہے۔ عبارت یہ ہے: لِكُلِّ شَيْءٍ صَدَاءٌ وَصَدَاءُ الْقَلْبِ الشِّبَعُ۔

[2] عبارت یہ ہے۔ "اِنْ اَرَدْتَ السَّلَامَةَ سَلِّمْ عَلَى الدُّنْيَا وَاِنْ اَرَدْتَ الْكَرَامَةَ كَبِّرْ عَلَى الْاٰخِرَةِ۔"

۱۲۔ حضرت ابراہیم ابن اَدہمؒ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

وفات ۱۶۱ یا ۱۶۲ یا ۱۶۶ھ شام میں پائی۔ آخری قول اکثر لوگوں کا ہے کہ وفات ۱۶۶ھ میں ہوئی۔ پہلے طبقہ کے بزرگوں میں سے تھے۔ کنیّت ابواسحاق اور ان کا نسب ابراہیم بن ادہمؒ بن سلیمان بن منصور بلخی تھا۔ شہزادہ ابراہیم شاہی خاندان کے فرد تھے۔ جوانی میں توبہ کی۔ جس کا سبب یہ ہوا، ایک دن شکار کے لیے گئے ہوئے تھے۔ غیبی آواز آئی، "ابراہیم تجھے اس کام کے لیے پیدا نہیں کیا۔" یہ آواز سن کر ان کے ذہن میں تبدیلی آئی، غفلت دور ہو گئی۔ طریقت میں مضبوط قدم رکھا، وطن چھوڑ کر مکہ مکرمہ چلے گئے۔ وہاں سفیان ثوریؒ، فضیل بن عیاضؒ، ابو یوسف غسولیؒ جیسے اکابر کی صحبت اختیار کی۔ شام کے علاقہ میں حلال رزق کے لیے باغبانی کرتے تھے۔ محدّث یعنی علمِ حدیث کے جاننے والے صاحبِ کرامت و ولایت تھے۔ شام میں وفات پائی۔ ایک شخص حضرت ادہمؒ کے ساتھ کافی وقت ہم سفر رہا۔ جب اس نے واپس جانے کی اجازت چاہی تو اس نے کہا، "شاید اس عرصہ میں مجھ سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو گی کہ اس عرصہ میں مَیں نے آپ کی بہت بے ادبی کی۔"

"ابراہیمؒ نے کہا، "میں تیرا دوست تھا۔ دوستی نے تیرے عیب کو مجھ پر پوشیدہ رکھا۔ میں نے اپنی دوستی کے سبب نہیں دیکھا کہ تُو اچھا کرتا ہے یا بُرا۔

وَیَقْبَحُ مِنْ سِوَاكَ الْفِعْلُ عِنْدِی

فَتَفْعَلُهُ فَیَحْسُنُ مِنْكَ ذَاكَا

"تیرے سوا اگر کوئی دوسرا کام کرتا ہے تو میرے نزدیک وہ بُرا ہے، اگر وہی کام تو کرتا ہے تو میرے نزدیک وہ اچھا ہے، یعنی جو فعل تیرے غیر سے بُرا معلوم ہوتا ہے جب تو اسے کرتا ہے تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔"

عثمان عمارہؒ نے کہا، "میں ابراہیم ادہمؒ، محمد بن ثوبانؒ اور عبّاد مُنقریؒ کے ساتھ 'حجر' کی زمین پر تھا۔ ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک جوان کافی دُور بیٹھا ہوا تھا۔ چاہت اور بڑی عاجزی سے کہنے لگا، "اے جوانمردو! میں ایک آدمی ہوں کہ اس کام کے گرد پھر رہا ہوں، رات کو سوتا نہیں، دن کو کچھ کھاتا نہیں اور اس کام پر ساری عمر قربان کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں، ایک سال حج کرتا ہوں اور ایک سال جہاد، کیا وجہ ہے کہ مجھے اس تک نہ رسائی حاصل ہے نہ اپنے دل میں کوئی خبر پاتا ہوں، مجھے معلوم نہیں کہ آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟" عثمان عمارہؒ نے کہا، "ہم میں سے کسی نے بھی اس کی بات کا جواب نہ دیا۔ بدستور اپنی باتوں میں مصروف رہے۔ آخر ان دوستوں میں سے ایک نے کہا، "اس نوجوان کی نیاز مندی پر میرا دل بے قرار ہو گیا ہے۔" اس نے کہا، "اے جوانمردو! جو لوگ اس کام کے

گرد ہوتے ہیں، وہ اس کے چاہنے والے اور طالب ہوتے ہیں، وہ لوگ زیادہ طاعت و عبادت میں کوشش نہیں کرتے بلکہ دیکھنے اور جلد تر دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "اِس کا مطلب یہ نہیں کہ عبادت و طاعت نہ کی جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ دوسری چیز بھی چاہیئے۔ صُوفی بے بندگی نہیں ہوتا، لیکن تصوّف عبادت گذاری کا نام نہیں۔ حضراتِ صُوفیہ بندگی کو چھوڑتے نہیں، بلکہ وہ ساری مخلوق سے زیادہ کرتے ہیں، البتّہ جو کرتے ہیں اس پر شمار نہیں کرتے، یعنی اس کی مزدوری، اس کا بدل اور ثواب اس سے طلب نہیں کرتے اور ان کا سرمایہ دوسری چیز ہے جو صرف باطن میں ہے اور ظاہر میں نہیں۔ یہ حضرات ظاہر کو تلبیس[1] کے پردے میں رکھتے ہیں اور باطن کے ساتھ دوسرے جہان میں چلتے ہیں۔

ابوالقاسم نصرآبادیؒ نے فرمایا: جَذْبَةٌ مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِیْ عَلٰی عَمَلِ الثَّقَلَیْنِ۔
حق تعالیٰ کی کششوں میں سے ایک کشش تمام آدمیوں اور جنّوں کے عمل کے برابر ہے یا وہ آدمیوں اور جنّات کے عمل سے بہتر ہے۔ کہتے ہیں ایک کشش کہ تیرا دل اس کو محبّت و معرفت اور قرب کے ساتھ دیکھے، وہ تیرے لیے آدمیوں اور جنّات کے عمل سے بہتر ہے، کیونکہ مقصودِ حقیقی حق سبحانہٗ کے ساتھ دل کا پیوند ہونا اور جُڑ جانا ہے اور اعمال اس ربط و تعلق کے حاصل کرنے کے واسطے، اس کی ترقی اور اس رابطہ کے باقی رکھنے کے لیے ہیں۔

ابراہیم اَدہمؒ و علی بکّارؒ، حُذیفہ مرعشیؒ اور سِلمؒ خواصؒ ایک دوسرے کے دوست تھے، انھوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر بیعت[2] کی کہ ہم اس وقت تک کوئی چیز نہ کھائیں گے جب تک یہ یقین نہ کرلیں کہ یہ چیز حلال ذریعہ سے آئی ہے۔ جب وہ حلال اور بے شُبہ رزق نہ پا سکے تو مجبور ہو کر انھوں نے تھوڑا سا کھانا شروع کیا اور انھوں نے کہا کہ ہم اتنا کھائیں گے کہ جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔ شاید شُبہ کم سے کم ہو۔"

---

[1] تلبیس صوفیاءِ کرام کے ہاں اس حال کو کہتے ہیں جو کوئی بزرگ اپنی بزرگی چھپانے اور مخلوق کو اپنے سے دُور رکھنے کے لیے اختیار کرے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ حلال کھانے جیسی کوئی کرامت والی چیز نہیں۔ میر سید قاسمؒ سے منقول ہے، لوگوں سے معارف کا گم ہونا اس وجہ سے ہے کہ ان کے درمیان حلال کھانا نہیں رہا، یعنی رزقِ حلال نہ ملنے کی وجہ سے لوگوں میں وہ علوم و معارف جو پہلے لوگوں میں تھے نہیں رہے۔

۱۳۔ حضرت ابراہیم ستنبہ ہروی قدس اللہ سرہٗ

کنیت ابواسحاق ہے۔ ابراہیم بن ادہمؒ کی صحبت میں رہے۔ ابو یزیدؒ کے ہم عصر ہیں، وہ اصل میں کرمان کے رہنے والے تھے اور ہرات میں رہنے لگے تھے۔ ان کی قبر قزوین میں ہے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں ابراہیمؒ کی خدمت میں پہنچا اور ان کی صحبت اختیار کی تو سب سے پہلے انہوں نے مجھے جو ہدایت کی وہ یہ ہے۔ دنیا سے دُور اور کنارہ کش رہنا۔ اس کے بعد مجھے محنت کر کے ہاتھ سے روزی کمانے کی ہدایت کی۔ میں روزی کماتا اور فقراء پر خرچ کر دیتا۔ اس کے بعد مجھے فرمایا، کسب یعنی محنت کے ذریعہ کمانے کو چھوڑ اور اپنے توکّل کو خدا تعالیٰ پر درست کر، تاکہ تجھے صدق و یقین حاصل ہو۔"

حضرت ادہمؒ نے مجھے جو حکم دیا میں نے پوری طرح تعمیل کی۔ اس کے بعد فرمایا، "محض خدا کے بھروسہ پر سب سے علیحدہ ہو کر جنگل میں رہنے کو اختیار کر۔" میں شیخ کے فرمانے پر جنگل میں رہنے لگا۔ اس دوران مجھے خدا تعالیٰ پر سچا توکّل اور پورا پورا بھروسہ میّسر ہو گیا۔ صاحبِ کتاب کہتے ہیں شہرِ ہرات میں ان کو بڑا جاہ و جلال حاصل ہوا۔ کئی مرتبہ توکّل پر حج کیے۔ اپنے تمام حجوں کے راستہ میں دعا کرتے تھے اور کہتے تھے: اَللّٰھُمَّ اَقْطَعْ رِزْقِیْ مِنْ اَمْوَالِ اَھْلِ ھِرَاتٍ وَزَھِّدْھُمْ مِنِّیْ (ترجمہ: "اے اللہ! ہرات والوں کے مالوں سے میرا رزق ختم کر دے اور ان لوگوں کی رغبت کو مجھ سے دور کر دے۔ یعنی ہرات والوں کو مجھ سے بے رغبت بنا دے کہ وہ مجھ سے دلچسپی نہ رکھیں۔")

فرماتے ہیں، اس کے بعد میں کئی کئی دن بھوکا رہتا تھا اور جب بازار سے گزرتا لوگ آپس میں کہتے، یہ وہی شخص ہے جو ہرات لوگوں پر بے حساب درہم خرچ کر دیتا ہے۔"

ایک دفعہ میں توکّل اور تجرید کے قدم پر حج کو گیا۔ کئی دنوں تک جنگل میں مَیں نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا، تو میرے نفس نے مجھ سے کہا، "خداوند تعالیٰ کے ہاں تیری بڑی قدر و منزلت ہے۔" دائیں جانب سے کوئی شخص مجھے کہنے لگا، اے ابراہیم! "اللہ کو اپنے باطن میں دیکھ اور اس کا خیال رکھ۔" میں نے اسے دیکھا اور کہا، "قَدْ کَانَ ذَالِکَ۔" "تُو جو کہتا ہے وہ ہو چکا ہے۔" پھر اس نے کہا، "تو جانتا ہے کتنے عرصہ سے میں یہاں رہتا ہوں، میں نے نہ کچھ کھایا ہے اور نہ کچھ مانگا ہے، مگر اس کے باوجود اس جگہ ٹھہرا ہوا ہوں اور زمین پر پڑا ہوا ہوں۔" میں نے کہا، "اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔" پس درویش نے کہا اسّی دن ہو گئے ہیں یعنی میں اس جگہ پر پڑا ہوں اور یہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ بھی نہیں گیا۔ پھر بھی خدا تعالیٰ سے شرم کرتا ہوں کہ جو تیرے دل میں بات آئی ہے وہ میرے دل میں نہ آجاوے۔ حالانکہ میرا یہ حال ہے، اگر خدا تعالیٰ کی قسم دوں کہ "اے اللہ! اس درخت کو سونے کا کر دے تو وہ ضرور ایسا کر دے گا۔"

حضرت ابراہیمؒ کہتے ہیں، "اس کی زیارت کی برکت کی وجہ سے مجھے آگاہی[1] حاصل ہوئی، ہوش آگیا، یعنی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔"

ایک دن بایزید اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، فرمایا، "اٹھو کہ خدا تعالیٰ کے دوستوں میں سے ایک دوست کا ہم استقبال کریں۔ جب دروازہ پر پہنچے، ابراہیم ستنبہؒ کو آتے دیکھا، بایزید نے ان سے کہا، میرے دل میں خیال آیا کہ آپ کے استقبال کے لیے آؤں اور آپ کو اپنے واسطے خدا تعالیٰ کے سامنے سفارشی بنالوں، ابراہیم نے کہا،" اگر در ہمہ خلق مرا شفاعت دہد پارۂ گل بخشندہ باشد۔" اگر ساری مخلوق میں وہ مجھے شفاعت کی اجازت دے دیں تو مٹی کی ڈلی بھی بخشی جاوے۔ یعنی چھوٹا بڑا ہر کوئی بخشا جاوے۔ شیخ اس کے جواب میں حیران رہ گئے کہ اس نے بڑی اچھی بات کہی۔

حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں، ایک دن بایزیدؒ کی مجلس میں حاضر تھا، لوگ کہتے تھے، فلاں آدمی نے فلاں آدمی سے علم حاصل کیا۔ بایزید بولے، "مسکینوں نے اپنا علم مُردوں[2] یعنی مخلوق سے حاصل کیا، ہم نے تو اس زندہ سے علم حاصل کیا جو کبھی نہ مرے گا۔"

حضرت ابراہیم نے فرمایا، جو شخص عزّت و شرافت کے انتہائی مقام تک پہنچنے کا ارادہ کرے، اس کو چاہیئے کہ سات کو سات پر اختیار کرے، فقر کو تونگری پر، بھوک کو پیٹ بھرنے پر اور نیچے رہنے کو اُوپر چڑھنے پر اور ذلّت کو عزّت پر۔ تواضع کو تکبّر پر اور غم کو خوشی پر اور موت کو زندگی پر۔

۱۴۱۔ حضرت ابراہیم رباطی قُدِّسَ سِرُّہٗ

حضرت رباطیؒ طریقۂ توکّل میں حضرت ابراہیم ستنبہؒ کے مرید ہیں، ان سے ہی توکل حاصل کیا یعنی توکل کرنا سیکھا۔ ان کی قبر زنگی زادہ کے رباط میں ہے جو ہرات میں ہے۔ جب راستہ میں جا رہے تھے۔ ابراہیم ستنبہؒ نے رباطی سے کہا، تیرے پاس کوئی چیز ہے یعنی اپنے ساتھ کوئی توشۂ سفر لیا ہے۔ رباطی نے کہا، نہیں۔ کچھ آگے بڑھے پھر کہا، رباطی، تیرے پاس کوئی سامان ہے اُس نے کہا، نہیں۔ پھر آگے بڑھے۔ پھر بیٹھ گئے۔ فرمایا، سچ بتا! میرا پاؤں بھاری ہو گیا ہے۔ میں چل نہیں سکتا۔

---

[1] آگاہی سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے معرفت حاصل ہو گئی، یعنی اپنی کمزوری کا پتہ چل گیا۔ [2] مُردوں سے مراد اہلِ غفلت ہیں، کیونکہ حقیقی زندگی حق سبحانہٗ کی آگاہیّت و معرفت کے ساتھ ہو سکتی ہے اور مردوں سے مراد ماسوائے حق سبحانہٗ ہے۔ اس لیے کہ حیات ان کی ذات کی مقتضی نہیں ہے بلکہ مستعار اور عارضی ہے۔ پس ماسوا حق سبحانہٗ فی الحقیقت زندہ نہیں ہوتا۔

رباطیؒ نے کہا، میرے پاس جوتے کے کچھ تسمے ہیں، جو میں نے اس لیے رکھ لیے ہیں کہ راستہ میں اگر کوئی تسمہ ٹوٹ جائے تو اسی وقت دوسرا ڈال لوں۔ یہ سُن کر شیخ نے فرمایا، "اب کوئی تسمہ ٹوٹا ہوا ہے؟" میں نے کہا، "نہیں۔" فرمایا، ان سب کو پھینک دے[1] معلوم ہوا کہ میں اسی کی وجہ سے نہیں چل سکتا تھا۔ رباطیؒ نے انہیں پھینک دیا۔ شیخ غصّہ میں تھے۔ چاہتے تھے کہ تسمہ جلد ٹوٹ جائے تاکہ اس کو تنبیہہ کریں۔ تقدیر سے ایک تسمہ ٹوٹ گیا، میں نے نکالنے کے لیے ہاتھ پیچھے کیا تو دوسرا پڑا ہوا دیکھا۔ اور سارے سفر میں میرے ساتھ یہی ہوتا رہا، کہ جب کوئی تسمہ ٹوٹ جاتا، میں اسے نکالنے کا ارادہ کرتا تو دوسرا وہاں پڑا ہوتا۔ جب سفر پورا ہو گیا تو پیر صاحب نے مرید سے کہا، کَذَا مَنْ عَامَلَ اللّٰہَ عَلَی الصِّدْقِ جو آدمی اللہ تعالیٰ سے سچے توکل اور پکے یقین کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔

۱۵۔ حضرت ابراہیم اُطرُوشؒ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام نے فرمایا، وہ متاخرین میں سے ہیں — ان کا قول ہے۔ صُوفی کا لوٹا اس کا چلّو ہے اور اس کا تکیہ اس کا ہاتھ ہے اور اس کا خزانہ وہ[2] ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا جو کوئی اس پر زیادتی کرے گا یعنی لوٹا وغیرہ اختیار کرے گا، اپنا کام خراب کرے گا۔ تنزّل اور انحطاط کی طرف جائے گا اور اس میں پھنس کر رہ جائے گا۔"

حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا، صُوفی دنیا میں پھنس گیا، لوگوں نے پوچھا، کیا سبب ہوا؟ اس نے کہا ایک سوئی کے سبب جو میں سفر میں لے کر چلا، میں نے کہا سوئی چاہیئے جب وہ دستیاب ہو گئی، کہا، کوئی چیز چاہیئے جہاں اسے رکھوں۔ میں نے تلے دانی لی، میں نے کہا، اسے ہاتھ میں نہ رکھ سکوں گا۔ یعنی ہاتھ میں لی، میں نے کہا اسے اٹھا نہ سکوں گا۔

---

[1] مطلب یہ ہے چونکہ سفر توکل کے اوپر تھا اور توکل کا مطلب ان حضرات کے ہاں یہ ہے کہ ضرورت پوری کرنے کے لیے کسی سبب پر نظر نہ ہو بلکہ مسبب الاسباب پر ہو۔

[2] اس کا خزانہ وہ ہے۔ وہ سے مراد حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔ صوفیاء کے کلام میں اکثر وہ آتا ہے۔ یہ ہُو کا ترجمہ ہے اور اس کے ذکر یعنی ہُو میں بہت سے ایسے فوائد ہیں جن سے دوسرے اذکار خالی ہیں اور حق سبحانہٗ کو اس عبارت کے ساتھ تعبیر کرنے کی صحیح وجہ یہ ہے کہ ہُو ضمیر غائب کے واسطے ہے اور حق سبحانہ ہر قسم کا شعور کرنے والے آلات اور ادراک کرنے والی قوتوں سے غائب ہے کیونکہ ذات حق سبحانہٗ شعور کرنیوالی کسی چیز میں اور ادراک کرنے والی کسی قوت میں نہیں سما سکتی۔ اسلیئے صوفیاء کرام اکثر اس کی ذات کو مجہول مطلق کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جو ھُوَ ہے۔

میں نے ایک رفیق ساتھ لیا کہ وہ اسے لے کر ساتھ رہے۔ سب اسباب جمع ہوگئے اور سلسلہ یہاں تک پہنچ گیا۔ یہ سارا بکھیڑا اس سوئی کے سبب ہوا۔

حضرت ابراہیم خواص قُدِّس سِرُّہٗ کا کلام ہے:

لَقَدْ وَضَحَ الطَّرِیْقُ اِلَیْکَ حَقّاً
فَمَا اَحَدٌ بِغَیْرِکَ یَسْتَدِلُّ
فَاِنْ وَرَدَ الشِّتَآءُ فَاَنْتَ کَھْفٌ
وَاِنْ وَرَدَ الْمُصِیْفُ فَاَنْتَ ظِلٌّ

ترجمہ: بلاشبہ تیری طرف جانے کا راستہ واضح اور کھلا ہوا ہے۔ پس تیرے بغیر دوسرا کوئی نہیں جو تیری راہ پر چلائے یا تجھ تک پہنچائے۔ اگر جاڑا آ جائے تو تُو غار ہے اور اگر گرمیوں کا موسم آ جائے تو تُو سایہ بان یعنی میرے لیے چھپر ہے۔

۱۶۔ حضرت ابراہیم الصیّاد بغدادی قُدِّس سِرُّہٗ

ان کی کنیت ابواسحاق تھی۔ حضرت معروف کرخیؒ سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت معروف نے ان کو فرمایا، "فقر کو ہر حال میں اختیار کر اور اس سے خوف نہ کر۔" ان کا طریقہ تجرید مخلوق سے کنارہ کشی یعنی لوگوں سے دور رہنا تھا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں ایک دفعہ ابراہیمؒ حضرت سری سقطی کے پاس اس حال میں آئے، چٹائی کے ٹکڑے کو اپنی لنگی بنائے ہوئے تھے۔ جب سریؒ نے انہیں دیکھا تو اپنے ایک مرید سے فرمایا، "بازار سے اس کے لیے ایک جُبّہ خرید لا۔" جب وہ لے آیا تو فرمایا، "ابواسحاق! اسے پہن لے، میرے پاس دس درہم تھے، میں نے ان سے تیرے لیے یہ جُبّہ خریدا ہے۔" ابراہیمؒ نے کہا، "تُو فقراء کے پاس بیٹھتا ہے اور دس درہم جمع رکھتا ہے۔" "با فقراء نشینی و دہ درہم ذخیرہ کنی۔" اور ابراہیم نے وہ جُبّہ نہ پہنا۔

۱۷۔ حضرت ابراہیم آجری صغیر قُدِّس سِرُّہٗ

ان کی کنیت ابواسحاق ہے۔ ابومحمد جریریؒ اور ابواحمد مغازلیؒ فرماتے ہیں۔ حضرت ابراہیم آجری کے پاس ایک یہودی اپنی چیز لینے کے لیے آیا جو ان کے پاس اس نے رکھی تھی۔ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ اس دوران یہودی نے کہا، مجھے کوئی ایسی چیز دکھا کہ اسے دیکھ کر اسلام کی بزرگی اور فضیلت کو اپنے دین کے مقابلہ میں بہتر جانوں تاکہ ایمان لے آؤں۔ فرمایا، "تو سچ کہتا ہے؟" اس نے کہا، "ہاں سچ کہتا ہوں۔ ابراہیمؒ نے فرمایا، "اپنی چادر مجھے دے"

اس کی چادر لے کر اپنی چادر میں لپیٹی اور لنگر خانہ کی آگ میں ڈال دیا۔ کچھ دیر بعد وہاں آتے، اس کو نکالا، پھر اپنی چادر اوپر سے اتار دی، تو یہودی کی چادر اندر سے جل گئی تھی اور اوپر والی یعنی حضرت کی چادر صحیح و سالم تھی۔

۱۸۔ حضرت ابراہیم آجری کبیر قدس سرہٗ

حضرت جنیدؒ نے فرمایا، عبدون زجاج سے سُنا، وہ کہتے ہیں کہ آجری کبیرؒ نے مجھے کہا لَاَنْ تَرُدَّ اِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ هَمَّكَ سَاعَةً خَيْرٌ لَّكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ (”البتہ تیرا اپنے ارادہ اور ہمّت کو تھوڑی دیر اللہ کی طرف پھیر لینا بہتر ہے تیرے لیے ہر اس چیز سے جس پر سورج طلوع[1] ہوتا ہے۔“)

۱۹۔ حضرت محمد بن خالد الآجری رحمہ اللہ تعالیٰ

اُونچے بزرگوں میں سے تھے۔ جعفر خُلدی نے ان کی بہت سی حکایات نقل کی ہیں اور ایک قصہ یہ بھی نقل کیا، محمد بن خالدؒ نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں اینٹیں پکانے کا کاروبار کرتا تھا۔ جو کچی اینٹیں سوکھ رہی تھیں ان پر پھر رہا تھا۔ اچانک میں نے ایک اینٹ کو دوسری اینٹ سے کہتے سُنا، ”تجھے سلام ہو، میں تو آج رات آگ میں پڑ جاؤں گی۔“ یہ سُن کر میں نے مزدوروں کو اس سے منع کر دیا کہ ان اینٹوں کو آگ میں نہ لگائیں اور پھر ان سب کچی اینٹوں کو وہیں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد پھر کبھی کوئی اینٹ نہیں پکائی۔

مشائخ نے لکھا یہ الوداعی سلام تھا۔ اینٹ کی فریاد اور افسوس دوسری اینٹ کے سامنے اس وجہ سے تھا کہ آگ اس کے قلبی تقاضوں کے لیے مانع ہوتی ہے اور ہر وجود اپنے حال کے اعتبار سے اس چیز سے متنفر ہے جو اس کے اور اسکے مقتضیات کے درمیان حائل ہے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ اینٹ کسی آدمی کی مٹی ہو اور ہر کسی کو اپنی مٹی کے ساتھ تعلق رہتا ہے۔ (واللہ اعلم)

۲۰۔ حضرت ابراہیم شمّاس سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ

مدّتِ دراز تک بغداد میں رہے۔ پھر سمرقند واپس آ گئے۔ ایک دفعہ کفار کا لشکر سمرقند میں گھس آیا۔ ایک

---

[1] یعنی جس ساعت میں تیری توجہ کا مقصود ماسوائے حق سے ہٹ کر جنابِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہو وہ ایک ساعت بہتر ہے ہر اس چیز سے جس پر سورج چمکتا ہے، اور ہو سکتا ہے مراد سورج سے آفتابِ حقیقت ہو۔ اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تھوڑی سی دیر کے لیے اپنی ہمّت اور قصد توجہ کو اللہ عزّوجل کی طرف لگا لینا بہتر ہے ہر اس چیز سے جس پر حق تعالیٰ کے فیضان کا اثر پہنچ رہا ہے۔ واضح رہے آفتابِ حقیقت سے مراد حق سُبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔ جس کا فیضان کائنات کے ذرّے ذرّے پر ہے۔

رات اپنے گھر سے باہر نکلے اور اس لشکر پر چیخ ماری، اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ سب کے سب آپس میں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ صبح ہوتے ہی کفّار نے شکست کھائی اور سمرقند چھوڑ کر واپس آ گئے۔ ان کا قول ہے کہ ہر آدمی کہتا ہے کہ ادب کیا ہے؟ میں کہتا ہوں ادب یہ ہے کہ "آدمی خود کو پہچانے"۔ یعنی اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ تیری حقیقت یہ ہے کہ میں کچھ بھی نہیں۔ تو ہے، مگر حقیقت میں نہیں ہے۔

۲۱۔ حضرۃ فتح بن علی الموصلی قدس اللہ روحہٗ

وفات ۲۲۰ھ میں، بشرِ حافیؒ سے سات سال قبل ہوئی۔ موصل میں پرانے بزرگوں میں سے تھے۔ بشر حافی[1] ان کے ہم پلّہ بزرگ تھے۔

ان کی وفات کا سبب یہ ہوا، قربانی کی عید کے دن گلیوں سے گزر رہے تھے۔ لوگوں کو قربانی کرتے ہوتے دیکھا، تو کہا، "الٰہی تو جانتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے جسے تیرے لیے قربان کروں، میں تو یہ رکھتا ہوں، انگلی اپنے گلے

---

[1] بشر حافی کے متعلق خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کوئی چوپایہ بغداد کے بازار میں پیشاب پاخانہ نہ کرتا تھا کہ بشر حافیؒ کے پاؤں اس پر نہ پڑ جائیں۔ ایک دن کسی صالح (نیک بندہ) نے گوبر دیکھا آہ وزاری کرنے لگا۔ لوگوں نے کہا تجھے کیا آفت آ گئی۔ اس نے کہا بشر جہاں سے رحلت کر گیا۔ لوگوں نے کہا، "تو نے کیسے پہچانا؟" اس نے کہا، "گوبر بازار میں پڑا ہوا ہے"۔ جب لوگوں نے معلوم کیا، تو معلوم ہوا کہ اسی وقت بشر نے رحلت فرمائی تھی۔ حضرت بشر کو "حافی" اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ جوتا نہ پہنتے تھے ننگے پاؤں چلتے تھے۔ کہتے ہیں اس کا سبب یہ تھا کہ بشر حافیؒ کھیل کود کی زندگی یعنی عیاشی کے زمانہ میں اپنے مصاحبوں کے ساتھ شراب پینے میں مشغول تھے۔ اللہ کا ایک نیک بندہ اس محلہ سے گزر رہا تھا۔ اس نے اس جماعت کے شور وغل کی آواز سُنی تو اس گھر کا دروازہ پیٹا۔ چھوٹی عمر کی ایک کنیز باہر آئی، پوچھا، "اس گھر کا مالک کون ہے؟ غلام ہے یا آزاد؟" اس نے کہا آزاد، فرمایا، "تُو نے صحیح کہا۔ اگر بندہ اور غلام ہوتا تو بندگی کے دستور پر کام کرتا، اتنا فارغ نہ ہوتا"۔ بشر حافی نے گھر کے اندر سے یہ آواز سُنی تو ننگے سر اور ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے باہر آئے۔ وہ آدمی جا چکا تھا۔ اس کے پیچھے دوڑے اور اس تک پہنچ گئے۔ کہا، "اے میرے سردار تو ہی تھا جس نے اس باندی کے ساتھ بات کی تھی"۔ اس نے کہا، "ہاں"۔ بشر نے کہا، "وہی بات مجھ سے پھر کہہ"۔ اس نے کہا، "میں نے اس سے پوچھا تھا کہ اس گھر کا مالک غلام ہے یا آزاد، اس نے کہا آزاد، میں نے کہا تو نے سچ کہا۔ اگر غلام ہوتا تو لہو لعب سے دور رہتا اور عبودیّت (بندگی) کے آداب بجا لانے میں مشغول ہوتا۔ بشر زمین پر گر پڑے اور منہ زمین پر رگڑتے اور کہتے تھے۔ "بندہ است بندہ"۔ (غلام ہے غلام) اور اس دن کے بعد کبھی جوتا نہ پہنا۔ یہاں تک کہ حافی مشہور ہو گئے۔ ان سے لوگوں نے پوچھا "آپ جوتا کیوں نہیں پہنتے؟" فرمایا، "حق تعالیٰ نے میرے ساتھ اس حال میں صلح کی جب میں برہنہ پا (ننگے پاؤں) تھا۔ مرتے دم تک پاؤں میں جوتا نہیں پہنوں گا"۔ (ترجمہ، روضۃ الریاحین)

پر رکھی اور زمین پر گر پڑے۔ لوگوں نے پاس جا کر دیکھا تو وہ فوت ہو چکے تھے اور ایک سبز رنگ کی لکیر ان کے گلے پر نظر آ رہی تھی۔

حضرت فتح ایک دن بشر حافی کے گھر گئے اور کہا، "اگر تیرے پاس کھانے کی کوئی چیز ہو تو لے آ"۔ بشر حافیؒ کھانا لائے۔ کچھ اس میں سے کھایا اور بچا اسے گدڑی میں رکھ کر چلے گئے۔ بشر حافیؒ کی لڑکی نے جب یہ دیکھا تو کہا، "لوگ کہتے ہیں فتح توکل کرنے والوں کا امام ہے، حالانکہ وہ بچا ہوا تھوڑا سا کھانا اپنے ساتھ لے گیا"۔ بشرؒ نے فرمایا، "وہ تمہیں یہ سکھاتا ہے کہ جب توکل کامل ہو جاتا ہے تو ان باتوں سے توکل میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جب تجرید درست و صحیح ہو جاتی ہے تو سلیمان کی بادشاہی بھی معلوم نہیں ہوتیؑ اور جب تجرید ناقص ہوتی ہے تو ہاتھ کی آستین کا بڑھا ہوا ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

۲۲۔ حضرت فتح بن شخرف المروزی قدس سرہٗ

وفات نصف شعبان ۲۷۳ھ۔ ان کی کنیت ابو نصر ہے۔ خراسان کے پرانے مشائخ سے ہیں۔ سپاہیوں کے طریقہ پر قبا لے کر چلتے تھے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے تھے۔ خراسان کی خاک سے فتحؒ جیسا آدمی پیدا نہیں ہوا۔ تیرہ سال بغداد میں رہے اور بغداد کی کوئی چیز نہیں کھائیؑ۔ الطاکیہ سے ان کے واسطے ستو آتے تھے جو وہ کھاتے تھے۔ نزع کے وقت خود بخود کچھ کہہ رہے تھے۔ لوگوں نے قریب جا کر کان لگائے تو وہ کہہ رہے تھے؛

"اَللّٰھُمَّ اِشْتَدَّ شَوْقِیْ اِلَیْکَ فَعَجِّلْ قُدُوْمِیْ عَلَیْکَ"

ترجمہ: الٰہی میرا شوق آپ کی طرف شدید ہو گیا یعنی آپ سے ملنے کے لیے دل کی بے قراری ناقابلِ برداشت ہو گئی ہے۔ پس مجھے اپنے پاس بلانے میں جلدی کیجئے۔

جب ان کو غسل دیا گیا تو ان کی پنڈلی پر دیکھا، ایک سبز رگ ابھری ہوئی ہے اور اس پر یہ لکھا ہے "اَلْفَتْحُ لِلّٰہِ" (فتح اللہ کے لیے ہے) یعنی اس کے خاص آدمیوں سے ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں، ابراہیم حربیؒ نے کہا، میں حضرت فتح کے جنازہ پر اس وقت موجود تھا۔ میں

عہ یعنی جب تجرید و توکل درست ہو جاتا ہے تو سلیمان کی بادشاہی پر بھی نظر نہیں رہتی اور جب تجرید درست نہیں ہوئی ہو گی، تو جو کچھ ذرا آستین سے بڑھا ہوا ہے۔ اس پر بھی نظر رہے گی۔

عسہ بغداد کی کوئی چیز نہیں کھائی۔ اس بناء پر کہ کہتے ہیں کہ بغداد وقف تھا اور لوگوں نے اس وقف کو اپنی ملکیت بنا لیا تھا۔

نے بھی "اَلْفَخْرُ لِلّٰہِ" لکھا ہوا دیکھا۔ کہتے ہیں ۳۳ مرتبہ ان کا جنازہ پڑھا گیا۔ جس میں تقریباً ۳۰ ہزار آدمی تھے۔

۲۳۔ حضرت بشر ابن الحارث بن عبد الرحمن حافی قدس سرہٗ

وفات بروز بدھ۔ ۱۰ المحرم الحرام ۲۲۷ھ پہلے طبقہ کے بزرگ ہیں۔ ابو نصر کنیت ہے۔ واصل شہر مَرو، کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، پھر بغداد چلے گئے اور بغداد میں قیام فرمایا۔ امام احمد بن حنبل سے چند سال قبل بغداد میں ہی وفات پائی۔ لوگ ان کو امام احمدؒ سے زیادہ بزرگ جانتے تھے۔ یہاں تک جب خلقِ قرآن کا فتنہ اٹھا تو وہ خاموش ہو کر گھر میں بیٹھے رہے۔ امام احمدؒ نے باہر نکل کر کھلے بندوں ان لوگوں کی تردید کی جو قرآن کو مخلوق کہتے تھے۔

لوگوں نے بشر حافیؒ سے کہا، "آپ دین کی مدد کرنے اور جماعت اہلسنت کی تائید کرنے کے لیے گھر سے کیوں نہیں نکلتے؟ یعنی وقت نکلنے کا ہے اور آپ گھر میں بیٹھے ہیں"۔ ان لوگوں سے حضرت بشرؒ نے فرمایا۔ "مجھ میں اور احمدؒ میں بڑا فرق ہے، احمد پیغمبروں کے مقام میں کھڑا ہے جو وہ کر سکتا ہے۔ مجھ میں اس کی طاقت نہیں"۔ ایک دفعہ حضرت بشرؒ نے فرمایا، "مَا اَعْظَمُ مُصِیْبَۃً مَنْ فَاتَہُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ"۔ ——— (ترجمہ: کتنی بڑی مصیبت والا وہ شخص ہے جس کو اللہ عزوجل فوت[1] کر دے۔)

۲۴۔ حضرت بشر طبرانی قدس سرہٗ

طبریہ کے مقدمین مشائخ سے ہیں۔ بہت بزرگ و صاحبِ کرامت تھے۔ انہیں لوگوں نے بتایا۔ مشائخ کہتے ہیں جب تک بشر 'طبریہ' میں ہے ہم رومی عیسائیوں کے حملوں سے محفوظ رہیں گے۔ جب لوگوں کی یہ بات سنی تو ان کی ملکیت میں جتنے غلام تھے سب کو آزاد کر دیا۔ کہتے ہیں ان کے ہر ایک غلام کی قیمت ہزار ہزار دینار تھی۔ ان کے لڑکے نے کہا، "اباجی! آپ نے سارے غلام آزاد کر کے ہمیں فقیر بنا دیا ہے"۔ فرمایا، بیٹے! "میں نے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ حق تعالیٰ نے میری طرف سے اپنے دوستوں کے دل میں ایسی بات[2] ڈال دی"۔

۲۵۔ حضرت قاسم حربی قدس سرہٗ

کَانَ فِیْ حَالِہٖ مُسَدَّدًا وَمِنْ اَسْبَابِ الدُّنْیَا مُجَرَّدًا۔ اپنے حالات یعنی گفتار و کردار میں راست باز اور دنیا کے تمام سازو

---

[1] نوٹ: اور اللہ کا اس کو فوت کرنا یہ ہے کہ اس کو ملکہ آگاہی حق حاصل نہ ہو۔ یعنی حق تعالیٰ کی معرفت و شناخت سے محروم رہے۔

[2] یعنی حق تعالیٰ نے ان کے دل میں میری طرف سے یہ عقیدت ڈال دی۔

سامان سے جُدا رہنے والے تھے۔ یعنی نہ کوئی چیز اپنے پاس رکھی اور نہ اسباب دنیویہ کو اختیار کیا۔

ایک دن بیمار ہو گئے۔ بشر حافیؒ ان کی بیمار پرسی کے لیے آئے۔ دیکھا، ایک اینٹ سر کے نیچے رکھی ہوئی ہے اور ایک پرانے بوریئے کا ٹکڑا کروٹ کے نیچے ڈالے ہوتے ہیں۔ بشر حافی جب پوچھ کر باہر آتے تو ان کے پڑوسیوں نے بتایا "یہ تیس سال سے ہمارے ہمسایہ ہیں۔ اس عرصہ میں انہوں نے کبھی بھی ہم سے کوئی چیز نہیں مانگی"

۲۶۔ حضرت شقیق بن ابراہیم بلخی قدس سرہٗ

وفات ۱۷۴ھ۔ پہلے طبقہ کے بزرگوں میں سے ہیں کنیت ابوموسیٰ اور مشائخ بلخ کے پرانے بزرگوں میں سے تھے۔

حاتم اصمؒ کے شیخ تھے۔ ابراہیم ادہمؒ کے ساتھ رہے ہیں۔ ان کی مثل بلکہ زہد و فتوّت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ اوّل صاحب الرائے وقیاس تھے پھر صاحب حدیث اور سُنّی ہو گئے۔ امام زُفرؒ کے شاگرد تھے۔ توکّل کے طریقہ پر چلتے تھے۔

ایک دن انہوں نے ابراہیم ادہم سے کہا "آپ معاش میں کیسے کرتے ہیں؟" ابراہیم نے فرمایا "ہم جب پاتے ہیں تو اللہ کا شکر کرتے ہیں اور جب نہیں پاتے تو صبر کرتے ہیں۔" شقیق نے فرمایا، خراسان کے کتّے ایسا ہی کرتے ہیں۔" ابراہیم نے کہا "تو پھر آپ کیا کرتے ہیں؟" فرمایا "جب ہم پاتے ہیں تو ایثار کرتے ہیں یعنی ضرورت مندوں کو دے دیتے ہیں اور جب نہیں پاتے تو شکر کرتے ہیں۔" ابراہیم ادہمؒ نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور فرمایا، "تو استاد ہے[1]؟"

حضرت شقیقؒ نے فرمایا، میں قاضی ابویوسف کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں جایا کرتا تھا۔ مدّت تک ہم میں جدائی رہی۔ جب میں بغداد آیا، ابویوسف کو دیکھا۔ مجلس قضا، عدالت میں بیٹھے ہوتے ہیں، لوگ ان کے گرد جمع ہیں۔ ابویوسف نے مجھے دیکھا اور کہا، "شیخ تجھے کیا ہو گیا کہ اپنا لباس بدل رکھا ہے؟" میں نے کہا، جو چیز تُو نے طلب کی تُو نے اسے پا لیا اور جو میں نے طلب کی میں نے نہیں پایا۔ پس میں نے ماتم زدہ اور سوگوار ہو کر نیلا

---

[1] کتاب "سیر السلف" میں اس کے برعکس لکھا ہے۔ اس جگہ جو شقیق کے متعلق لکھا ہے وہاں ابراہیمؒ کے متعلق لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

لباس پہن لیا۔" امام ابو یوسفؒ رو پڑے اور شفیقؒ سے کہا، "میں ناکردہ گناہوں سے زیادہ ڈرتا ہوں بمقابلہ ان گناہوں کے جو میں نے کرلیے ہیں، یعنی میں جانتا ہوں کہ میں نے کیا کیا ہے؛ لیکن یہ نہیں جانتا کہ آئندہ کیا کروں گا۔"

حضرت شفیقؒ نے فرمایا، "توکّل یہ ہے کہ تیرا دل خدا تعالیٰ کے وعدوں پر مطمئن ہو۔" یعنی مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔" (ترجمہ: کوئی نہیں چلنے والا زمین میں، مگر یہ کہ اس کا رزق اللہ پر ہے۔)

حضرت شفیقؒ نے فرمایا، "اِصْحَبِ النَّاسَ كَمَا تَصْحَبِ النَّارَ خُذْ مَنْفَعَتَهَا وَاحْذَرْهَا اَنْ تُحْرِقَكَ ترجمہ: لوگوں کے ساتھ ایسا رہ جیسے تو آگ کے پاس ہوتا ہے۔ اس کا نفع حاصل کر اور اس سے ڈرتا رہ کہ وہ تجھے جلا نہ دے۔

تواریخ بلخ کی ایک کتاب میں ذکر ہے کہ حضرت شفیقؒ کو ختلان کے علاقہ میں شہید کر دیا گیا اور ان کی قبر ختلان میں ہے۔

۲۷۔ حضرت داؤد بلخی قدس اللہ سرہٗ

مشائخ خراسان میں سے پرانے بزرگ تھے۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ فرماتے ہیں، کوفہ و مکہ کے درمیان میں ایک ایسے مرد کا مصاحب ہوا کہ جب وہ شام کی نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتا اس کے بعد دو مختصر رکعتیں ادا کرتا، پھر ہونٹوں سے کچھ کلمات کہتا تو اس کی دائیں جانب سے ثرید کا پیالہ اور پانی کا کوزہ خود بخود ظاہر ہو جاتا تھا جسے وہ خود بھی کھاتا اور مجھے بھی دیتا تھا۔ اس واقعہ کو میں نے ایک صاحب کرامات سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا، "وہ میرا بھائی داؤدؒ ہے۔" اور ان کی ایسی ایسی خوبیاں بیان کیں کہ جتنے آدمی مجلس میں موجود تھے۔ سب رو پڑے۔ پھر اس نے کہا، "بلخ کے دیہات میں ایک گاؤں بزرگی کے لحاظ سے سارے علاقہ پر فخر رکھتا ہے اور داؤد اسی گاؤں کا رہنے والا ہے۔" اس کے بعد اس شیخ نے مجھ سے پوچھا، "تجھے اس نے کیا سکھایا؟" میں نے کہا، "اسم اعظم[1]۔" اس نے کہا، "وہ کونسا ہے؟" میں نے کہا، "وہ میرے دل میں زیادہ بڑا ہے اس سے کہ اسے زبان پر لاؤں[2]۔"

---

[1] اسم اعظم کے دو اطلاق ہیں۔ اوّل وہ اسم جو دلالت کرے اس ذات پر جو مستجمع ہے جمیع صفاتِ کمال کو، وہ اسم مبارک اللہ ہے اور دوسرا وہ اسم ہے کہ اس کی برکت سے آثارِ عجیبہ مترتب ہوں اور اس اسم میں اختلاف ہے کہ وہ ایک اسم ہے یا بحسب اشخاص بہت سے اسماء ہیں۔ اور شریعت میں اس اسم کی تعیین بطریق اجمال ہے۔ [2] یعنی میں اس کو زبان پر نہیں لا سکتا۔

۲۸۔ حضرت حارث بن اسد محاسبی قدس اللہ سرہٗ

وفات ۲۴۳ھ۔ طبقۂ اولیٰ کے صوفیا میں سے تھے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ علماء مشائخ میں پرانے عالم اور شیخ ہیں۔ علومِ ظاہری و علومِ اصُولؔ و مُعاملات و اشارات میں جامع تھے۔ ان کی لکھی ہوئی تصانیف بھی ہیں۔ بغداد والوں کے شیخ اور استاد تھے۔ اصل میں وہ 'بصرہ' کے باشندہ تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے دو سال بعد بغداد میں انتقال فرمایا۔

ان کا قول ہے، "مَنْ صَحَّحَ بَاطِنَهٗ بِالْمُرَاقَبَةِ وَالْإِخْلَاصِ زَيَّنَ اللّٰهُ ظَاهِرَهٗ بِالْمُجَاهَدَةِ وَاتِّبَاعِ السُّنَّةِ"۔ جو کوئی اپنے باطن کو مراقبہ اور اخلاص کے ساتھ صحیح درست کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباعِ سُنّت کے ساتھ مزیّن و آراستہ فرمادے گا۔ یعنی اس کے ظاہر کو نفس کے ساتھ مقابلہ کرنے اور سنّت کی پیروی کرنے کے ساتھ آراستہ فرمادے گا اور باطن کو مراقبہ اور اخلاص کے ساتھ درست کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل بغیر مہلت غیرِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے خالی رہے اور ماسوائے حق اس کے دل میں قرار نہ پاوے۔

حضرت حارثؒ نے فرمایا، مَنْ لَّمْ يُهَذِّبْ نَفْسَهٗ بِالرِّيَاضَاتِ لَا يُفْتَحُ لَهُ السَّبِيْلُ إِلٰى سَنَنِ الْمَقَامَاتِ: جو شخص اپنے نفس کو ریاضتوں کے ساتھ پاکیزہ نہ بنائے گا اس کے لیے راستہ نہیں کھولا جائے گا جو اس کو مقاماتِ عالیہ پر پہنچاوے۔ یعنی جب تک خدا تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرنے کی اپنے نفس کو عادت نہ ڈالوگے، عالی مقامات تک پہنچنے کی راہیں نہ پاؤ گے۔

حضرت حارثؒ نے یہ بھی فرمایا، "بندگی اور تذلّل کے لوازم سے یہ ہے کہ تو اپنے نفس کے ساتھ مِلک کو نہ دیکھے۔ نیز نفع نقصان کو تُو اپنی طرف سے نہ جانے، بلکہ اللہ کی طرف سے سمجھے، یعنی اپنے نفس کو نہ کسی چیز کا مالک سمجھے نہ کسی مِلک کو اپنا جانے اور نہ تو اپنی نسبت سے اسے دیکھے اور تجھے اس کا یقین ہو جاوے کہ تو اپنے واسطے نہ نفع کا اختیار رکھتا ہے نہ نقصان کا، کیونکہ وجود اور اس کے توابع ممکن کی حقیقت کے لیے مستعار ہیں۔

ابوعبداللہ خفیفؒ فرماتے ہیں، "ہمارے پانچ مشائخ کی اقتدار کرو اور باقی حضرات کو ان کے حالات پر چھوڑ دو۔" وہ پانچ مشائخ جن کی اقتدار کی جائے: ۱۔ حارث محاسبی ۲۔ جنید ۳۔ رُوَیم ۴۔ ابن العطاء اور ۵۔ عمرو بن عثمان مکی قَدَّسَ اللّٰہُ اَسرارَہُم ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات علم و حقائق دونوں کے جامع ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اقتدا کے

لہ اُصول سے مراد اصول کلام و اصول فقہ ہے۔ معاملات سے مراد حقوق ہیں۔ اشارات سے مراد معارف ہیں۔

لیے علمِ ظاہر اور علمِ حقیقت دونوں ضروری ہیں تاکہ اقتدا صحیح ہو۔ محض علمِ حقیقت اقتدار کے لیے کافی نہیں۔

کہتے ہیں حارث محاسبیؒ نے چالیس سال تک شب و روز دیوار کے ساتھ کمر لگانے رکھی۔ اس عرصہ میں وہ دوزانو بیٹھنے کے علاوہ کبھی کسی اور طرح نہیں بیٹھے۔ لوگوں نے ان سے اس کا سبب پوچھا کہ آخر آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟" فرمایا، "شرم دارم کہ در حضرت مشاہدہ نہ بندہ وار نہ نشینم" شرم کرتا ہوں کہ مشاہدہ کے حال میں غلام کی طرح نہ بیٹھوں۔

۲۹۔ حضرت ابوتراب نخشبی قدس اللہ سرہٗ

المتوفی ۲۴۵ھ۔ پہلے طبقہ کے مشائخ میں سے تھے۔ ان کا نام عسکر بن الحُصَین ہے۔ علم، زہد، توکل اور فتوت میں خراسان کے أجلّہ مشائخ میں سے تھے۔ ابُوحاتم عطار بصری اور حاتم اصم کی صحبتوں سے مُستفید ہوئے۔ ابو عبداللہ جلاءؒ، ابو عبید بصریؒ کے شیخ ہیں۔ حضرت ابوتراب تین ہزار درویشوں کو ساتھ لے کر جنگل میں رہنے لگے۔ (سب انہیں چھوڑ کر چلے گئے) جن میں صرف دو مرید ابو عبید بصری اور ابو عبداللہ جلاء ان کے ساتھ رہ گئے۔ حضرت ابوترابؒ نے فرمایا، "عارف آنست کہ ہیچ چیز اورا تیرہ نہ کند و ہمہ چیز باو روشن شود" عارف وہ ہے کہ کوئی چیز اس کو تاریک نہیں کرتی بلکہ تمام چیزیں اس سے روشن ہو جاتی ہیں۔ یعنی کوئی چیز اس کو بے نُور نہ کرے بلکہ ساری چیزیں اس کے وجود سے منوّر اور روشن ہو جائیں اور فرمایا، عبادات سے جو نفع ہوتا ہے اس سے بڑھ کر ان میں کوئی نفع نہیں کہ ان کی عبادات سے دلوں کے خیالات کی اصلاح ہو جاوے، یعنی عبادات سے بڑا سے بڑا فائدہ دلوں کے خیالات وخواطر کی اصلاح ہے۔ اگر عبادات سے دیگر منافع حاصل ہو جاویں، مگر دل کے وساوس اور خطرات کی اصلاح نہ ہوئی ہو تو عبادت کے بڑے نفع[۱] سے محروم رہا اور فرمایا، مَنْ شَغَلَ مَشْغُولًا بِاللّٰهِ عَنِ اللّٰهِ اَدْرَكَهُ الْمَقْتُ فِي الْوَقْتِ (ترجمہ: جس نے اللہ کے ساتھ مشغول شخص کو اللہ سے ہٹا کر دوسرے کام میں لگایا وہ جلد غضب کو دیکھے گا۔) یعنی وہ بہت جلد قہر و غضب کی لپیٹ میں آجائے گا اور فرمایا، اِذَا تَوَاتَرَتْ عَلٰى اَحَدِكُمُ النِّعَمُ فَلْيَبْكِ عَلٰى نَفْسِهٖ فَقَدْ سَلَكَ غَيْرَ طَرِيْقِ الصَّالِحِيْنَ۔ "(ترجمہ: جب تم میں سے کسی پر متواتر اُوپر تلے نعمتیں آئیں تو

---

[۱] یعنی قلب کی حفاظت کرنا اس طریقہ پر کہ غیر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا خیال تک دل میں نہ آوے اور مشائخ کا یہ قول کہ عبادات قلبیہ عبادات میں سب سے زیادہ نفع دینے والی ہیں۔ اس بناء پر کہ مقصودُ بالذّات تمام عبادات سے دل ہے اور اس کی اصلاح مستلزم ہے تمام اعمال کی اصلاح کو۔ اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ حدیث اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ ترجمہ: بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ایسا ہے جس کی اصلاح مستلزم ہے صلاح بدن کو اور اس کا فساد مستلزم ہے فساد بدن کو سنو۔ وہ دل ہے۔

اس کو اپنے اوپر رونا چاہیئے کیونکہ یہ اس طریقہ پر چل پڑا ہے جو صالحین کا نہیں ہے۔

اور فرمایا "میرے اور اللہ کے درمیان یہ طے پا گیا ہے کہ میں جب بھی حرام کی طرف ہاتھ بڑھاؤں وہ اس کی طرف نہ بڑھے، بلکہ حرام چیز سے ٹکرا جاتے اور یہ بھی فرمایا، جب کبھی آدمی کے ساتھ حق سبحانہٗ کی نفرت اور رُوگردانی ہوتی ہے تو اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ کے سچے دوستوں کے عیب نکالنے، اِن کے کمالات کو نہ ماننے، ان کی کمزوریاں کو دیکھنے اور ان کی برائی کرنے میں زبان دراز ہو جاتا ہے[1]۔"

ابو تراب صحرا (جنگل) میں ٹھہرے ہوتے تھے۔ زہریلی ہوا اور سخت لُو ایک سال تک چلتی رہی۔ اس کی شدّت سے وفات پائی۔ یعنی ۲۴۵ھ میں اور اسی سال حضرت ذوالنون نے وفات پائی۔

۳۰۔ حضرت ابو تراب الرّملی قدس اللہ سرّہٗ

جب مکہ سے اپنے مریدوں کو ساتھ لے کر نکلے تو ان سے کہا، "تم لوگ شارع عام "بڑی سڑک" سے چلو، میں تبوک کے راستہ سے آؤں گا۔"

ان لوگوں نے کہا، "گرمی سخت ہے۔" فرمایا، مجبوری ہے، لیکن جب تم رملہ کے مقام پر پہنچو تو میرے فلاں دوست کے گھر قیام کرنا۔" جب وہ لوگ رملہ پہنچے تو جس آدمی کا پتہ بتایا گیا تھا اس کے گھر پہونچ گئے۔ صاحب خانہ گوشت کے چار ٹکڑے بھون کر دسترخوان پر لایا۔ اچانک چیل خلاء سے اُتری۔ اس میں سے ایک ٹکڑا اٹھا کر (اچک کر) لے گئی۔ درویشوں نے کہا، "یہ ہماری قسمت میں نہ تھا جسے چیل لے گئی اور بچے ہوئے گوشت کو کھا لیا۔ دس روز کے بعد ابو تراب آئے تو ان حضرات نے ان سے دریافت کیا۔" فرمایا، "کوئی نہیں، البتّہ فلاں دن چیل نے بھُنے ہوئے گوشت کا گرم ٹکڑا مجھ پر ڈال دیا۔" یہ سُن کر ان کے ساتھیوں نے کہا، "پھر تو ہم سب نے مل کر گوشت کھایا۔ وہ چیل اس کو ہمارے سامنے سے ہی لے گئی تھی۔" ابو تراب نے فرمایا، "صدق یعنی سچائی ایسی ہی ہوتی ہے۔" مطلب یہ ہے کہ مریدین دل سے نہیں چاہتے تھے کہ ہم لوگ بغیر شیخ کے کھائیں اور صدق سے مراد شیخ کا توکّل بھی ہو سکتا ہے یعنی شیخ ابو تراب کے سچے توکل کے باعث ایسا ہوا لیکن پہلا مطلب زیادہ مناسب ہے کہ مریدین کی ارادت کی سچائی اس

---

[1] چونکہ ان حضرات کے انکار اور طعن میں زبان دراز ہونا حقائق سے محرومی کی بنا پر ہے اور حقائق ہی اعمال کے نتائج ہیں اور یہ محرومی ہی حق تعالیٰ کے اعراض یعنی ناراض ہونے کی نشانی ہے۔

اس کا موجب ہوئی۔

۳۱۔ حضرت ابوحاتم عطار قدس اللہ سرہٗ

حضرت ابوتراب کے ہم عصر تھے۔ ابوسعید خرازؒ اور جنیدؒ کے استاد تھے۔ لوگوں کا قول ہے، کَانَ اَبُوحَاتِمِ الْعَطَّارُ ظَاھِرَہٗ ظَاھِرُ التُّجَّارِ وَبَاطِنُہٗ بَاطِنُ الْاَبْرَارِ۔ ابوحاتم کا ظاہر تاجروں کا تھا اور ان کا باطن ابرار یعنی اللہ والوں کا تھا۔ کہتے ہیں سب سے پہلے علومِ اشارات کے متعلق حضرت ابوحاتمؒ نے کلام کیا۔ یعنی باطنی کیفیات کو لفظوں کا جامہ پہلے پہل ابوحاتم نے پہنایا جب کسی صُوفی کو گدڑی پوش اور فقیروں کے لباس میں دیکھتے تو فرماتے، "اے میرے سردارو! تم نے اپنے جھنڈے کھول کر ہوا میں لہرا دیئے اور تم اپنے ڈھول پیٹنے لگے۔ کاش مجھے تمہارے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ تم نفس کے مقابلہ میں اور اس کی جنگ میں کس قسم کے مرد ہو۔ ہارنے والے یا جیتنے والے؟"

مطلب یہ ہے کہ شیخ ابوحاتم اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ فقراء فقیری کی نشانیاں دکھاتے پھریں۔ مثلاً مصلّےٰ، لوٹا، مسواک وغیرہ۔ شیخ نے اس طائفہ کو جنگ سے تشبیہ دی۔ گویا کہ وہ نفس کے ساتھ میدانِ جنگ میں ہیں اور جھنڈوں کے کھڑا کرنے کو اس لشکر کے ساتھ تشبیہ دی جو ایک لشکر دوسرے لشکر کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔

ایک آدمی نے ابوحاتم کے گھر آکر دروازہ پیٹا۔ اس نے کہا، ایک درویش ہے جو اللہ کا نام لیتا ہے۔ ابوحاتمؒ نے دروازہ کھولا۔ باہر آکر گر پڑے۔ زمین پر مُنہ رکھا اور اس کے پاؤں چومنے لگے اور کہا، الحمد للہ اب بھی کوئی اللہ اللہ کہنے والا ہے اور یہ واقعہ سُنایا۔

ایک زمانہ میں بغداد کو خوب سجایا اور آراستہ کیا گیا، مگر اس میں فسق یعنی اللہ کی نافرمانی کی کثرت اور بداعمالیوں کا زور تھا۔ حضرت شبلیؒ کو انہوں نے خواب میں کہا، "اگر یہ نہ ہوتا کہ تو اللہ کہتا ہے تو ہم سارے بغداد کو جلا دیتے۔" شبلیؒ نے اپنی خواب لوگوں سے سنائی۔ لوگوں نے کہا، "ہم بھی تو اللہ کہتے ہیں۔" شبلیؒ نے فرمایا، تم کہتے ہو اَللّٰہُ نَفْسًا بِنَفْسٍ اور میں کہتا ہوں اَللّٰہُ حَقًّا بِحَقٍّ تم لوگ اللہ کہتے ہو، لیکن نفس سے کہتے ہو اور نفس کے ساتھ کہتے ہو اور میں اللہ کہتا ہوں حق سے کہتا ہوں اور حق کے ساتھ کہتا ہوں۔ اللہ کا فرمان ہے، قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ۔ تو کہہ اللہ پھر ماسوائے حق جسقدر بھی ہیں سب کو چھوڑ دے تاکہ تو اللہ کہنے والا ہو۔[1]"

---

[1] حاصل یہ ہے کہ اللہ کہنا ماسوائے حق سبحانہٗ سے تعلقات توڑ دینے اور ہر چیز کی دوستی دل سے نکالنے کے بعد ہو۔ خواہ وہ تعلق از روئے محبت ہو یا از روئے تصوّر ہو اس وقت کہا جائے گا۔ اس کا اللہ کہنا حق سے ہے اور حق کے ساتھ ہے، کیونکہ اس وقت

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

وَحَقِیقَتُ الْحَقِّ شَیْءٌ لَیْسَ لَہٗ یَعْرِفُہٗ اِلَّا الْمُجَرَّدُ فِیْہِ حَقَّ تَجْرِیْدِہٖ۔

ترجمہ: اور حق کی حقیقت وہ چیز ہے جس کو وہی شخص جانتا ہے جو اس میں پوری تجرید کے ساتھ مجرد ہو چکا ہو[1]۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، ساری مخلوق کہتی ہے کہ ایک ہے، مگر اس کے باوجود وہ ہزاروں دروازوں سے چمٹے ہوئے اور ان سے لَو لگائے ہوئے ہیں۔ یہ حضرات بھی یہی کہتے ہیں، "ایک ہے مگر وہ حضرات اپنے نشان سے بھی بھاگتے ہیں۔

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ
وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٌ

ترجمہ: سوا اللہ کے سوا ہر چیز فریب اور دھوکا ہے۔ فنا کے درمیان میں ہے اور فی الحقیقت فانی ہے۔ یاد رکھو دنیا کی ساری نعمتیں اور راحتیں جو اس کے ماسوا ہیں ایک دن مٹ جائیں گی اور فی الحقیقت فنا ہو جائیں گی۔

اور ابو حاتمؒ نے فرمایا "اَلسِّیَاحَۃُ بِالْقُلُوْبِ"۔ سیر یعنی باہر نکلنا وہ ہے جو دل کے ساتھ ہو۔ یعنی صفتِ ذمیمہ سے صفتِ حمیدہ میں جانا نہ کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور یہی معنی ہیں سفر در وطن کے۔

۳۲۔ حضرت سری ابن المغلّس سقطی قدس اللہ سرّہٗ

وفات صبح کے وقت منگل وار ۳ رمضان المبارک ۲۵۳ھ پہلے طبقہ کے بزرگ ہیں۔ ابوالحسن کنیت تھی۔ جنید اور سارے بغداد والوں کے پیر و مرشد ہیں۔ بشر حافی اور حارث محاسبیؒ کے ہم عصر تھے۔ معروف کرخیؒ کے مرید تھے اور طبقہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ذاتِ حق کے سوا اس کی نظر میں اور کوئی وجود نہیں اور اگر اس مطلب کے حاصل ہونے سے پہلے کوئی اللہ کہتا ہے اس کا کہنا نفس سے ہے اور نفس کے ساتھ ہے اس لیے کہ اس وقت میں وہ خود اپنی نظر سے مرتفع نہیں ہوا۔

[1] یعنی زیادہ سے زیادہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا ادراک جو ہو سکتا ہے اور جس قدر وہ پہچانا جا سکتا ہے اور معلوم ہو سکتا ہے اس کو وہی آدمی پہچان سکتا ہے جو اس کے غیر سے خالی ہو چکا ہے نہ وہ جو ایک تو کہتا ہے مگر وہ ہزار چیز سے متعلق ہو، بلکہ وہ اسے واحد کہتا ہو اور اپنے نشان اور تعین سے بھاگنے والا ہو۔ خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی معرفت جس قدر ممکن ہے وہ صرف اس شخص کو ہی حاصل ہوگی جو اس کے غیر سے خالی ہو جائے گا اور اس کو حاصل نہ ہوگی جو زبان سے توحید توحید، ایک ایک کہتا ہو، مگر اس کا دل ہزاروں چیزوں سے وابستہ ہو۔ مختصر یہ کہ توحید سے معرفتِ حق حاصل نہ ہوگی، بلکہ معرفت حاصل ہوگی توحید حالی سے اور وہ دل کا غیر حق سبحانہٗ سے خالی ہونا ہے۔

ثانیہ کے اکثر لوگ ان سے اپنی نسبت درست کرتے ہیں۔

جنیدؒ کہتے ہیں، میں نے سریؒ سے زیادہ عبادت کرنے والا کوئی بزرگ نہیں دیکھا۔ ۹۰ سال ان پر گزرے۔ اس عرصہ میں کسی نے انہیں لیٹے ہوئے یا سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ البتہ اس بیماری میں جس میں انہیں موت آئی۔ حضرت جنیدؒ نے یہ بھی فرمایا، ایک دفعہ میں حضرت سریؒ کے گھر آیا تو میں نے سری کو اس حال میں پایا کہ وہ خود اپنے گھر میں جھاڑو دیکر بیٹھے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے۔

لَا فِی النَّهَارِ وَلَا فِی اللَّیْلِ لِی فَرَحٌ

فَلَا اُبَالِی اَطَالَ اللَّیْلُ اَمْ قَصُرَا

"نہ مجھے دن میں فراغت و خوشی ہے نہ رات میں، پس جب یہ حال ہے تو نہیں پرواہ کہ تارات کی بڑی ہو یا وہ چھوٹی ہو۔ یعنی رونے دھونے سے اور آہ وزاری کرنے سے نہ مجھے دن میں فراغت ہے نہ رات میں، پھر میرے لیے برابر ہے کہ رات بڑی ہو یا چھوٹی۔

حضرت سریؒ جب آخری وقت میں تھے تو جنیدؒ سے فرمایا، "اِیَّاكَ مِنْ صُحْبَةِ الْاَشْرَارِ وَلَا تَقْطَعْ عَنِ اللّٰهِ بِصُحْبَةِ الاخیارِ۔" (ترجمہ: جہاں تک ممکن ہو اپنے کو بُروں کی صحبت سے بچانا اور نیک لوگوں کی صُحبت میں رہتے ہوئے اللہ سے بے تعلق نہ رہنا۔ یعنی نیک بندوں کی صحبت اتنی چاہیئے جو مشغولِ حق میں مانع نہ ہو۔)

حضرت سریؒ نے فرمایا، "معرفت مُرغ کی طرح اُوپر سے اڑتی ہوئی آتی ہے اور جب کسی ولی کو دیکھتی ہے کہ اس میں شرم وحیا موجود ہے وہ اس میں اُتر آتی ہے اور اس کو اپنا نشیمن بنالیتی ہے۔"

حضرت سریؒ نے فرمایا، "بِدَایَةُ الْمَعْرِفَةِ تَجْرِیْدُ النَّفْسِ لِلتَّفْرِیْدِ لِلْحَقِّ۔" معرفت کی ابتدا حق تعالیٰ کے واسطے تنہا اور خالص ہو جانے کی خاطر نفس کو چھوڑ دینا ہے[1]۔ اور فرمایا، "مَنْ تَزَیَّنَ لِلنَّاسِ بِمَا لَیْسَ فِیْهِ سَقَطَ مِنْ عَیْنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔" جو آدمی ظاہراً اپنا وہ حال بناتا ہے جو اس کے باطن میں نہیں ہے وہ اللہ کی نظر سے گر جاتا ہے[2]۔

---

[1] معرفت حاصل ہونے کی ابتدا اس سے ہوتی ہے کہ یہ شخص شور وغل اور ظاہری تعلقات و رابطہ سے باہر آجاوے، تاکہ وہ باطنی موانعات اور رکاوٹوں سے فارغ ہو کر اندرونی طور پر حق تعالیٰ کے واسطے خالص اور اکیلا ہو جاوے۔

[2] یعنی جو شخص لوگوں کے سامنے اس وصف کے ساتھ اپنی آرائش و بناوٹ کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی نظر

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت سریؒ نے فرمایا، جب میں طرطوس میں بیمار ہوا تو دوستوں اور ملنے والوں کی جماعت میری عیادت کے لیے آتی۔ وہ لوگ میرے پاس اتنی دیر بیٹھتے کہ میں ان سے اکتا جاتا۔ اس کے بعد وہ مجھ سے دعا کی استدعا کرتے، میں ہاتھ اٹھا کر یہ کہتا: "اَللّٰھُمَّ عَلِّمْنَا کَیْفَ نَعُوْدُ الْمَرْضٰی۔" الٰہی ہمیں سکھا دے کہ بیماروں کی عیادت کس طرح کریں۔ یعنی الٰہی ہمیں بتا دے کہ بیماروں کو کیسے پوچھیں[۱]۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں، میں ایک دن سریؒ کے پاس آیا، مجھے ایک کام کے لیے فرمایا، میں اس کو جلدی جلدی کر کے حاضرِ خدمت ہوا تو ایک کاغذ کا پرزہ مجھے دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا، میں نے ایک حدی خواں یعنی اونٹ ہنکانے والے سے جنگل میں سنا وہ کہہ رہا تھا

"اَبْکِیْ وَمَا یُدْرِیْكَ مَا یُبْکِیْنِیْ
اَبْکِیْ حِذَارًا اَنْ تُفَارِقِیْنِیْ
وَتَقْطَعُ حَبْلِیْ وَتَھْجُرِیْنِیْ"

میں رو رہا ہوں، تجھے خبر ہے کہ میں کیوں رو رہا ہوں؟ میں اس اندیشہ سے رو رہا ہوں کہ تو مجھے چھوڑ دے گی اور تو میرا پیمانِ محبت قطع کر دے گی اور مجھے وصال سے محروم کر کے ہجر کی مصیبت میں مبتلا کر دے گی۔

۳۳۔ حضرت علی بن عبد الحمید الغضایری رحمہ اللہ تعالےٰ

متقدمین مشائخ سے ہیں۔ ان کے حالات عجیب، اعمال بلند اور قابلِ قدر تھے۔ مشائخ ان کو ابدالوں میں شمار کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے سریؒ کے دروازے پر دستک دی۔ میں نے سنا وہ کہہ رہے تھے، "اَللّٰھُمَّ مَنْ شَغَلَنِیْ عَنْكَ فَاشْغِلْہُ بِكَ عَنِّیْ" (اے اللہ! جو مجھے تیرے سے ہٹا کر اپنے میں مشغول کرے تو اس کو مجھ سے ہٹا کر اپنے میں مشغول کر دے)۔[۳] ان کی دعا کی برکت سے حق سبحانہ و تعالیٰ نے مجھے چالیس حج حلب، یعنی شام کے علاقہ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عنایت سے گر جاتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی نمائش کرتا ہے اس صفت کے ساتھ جو اس میں نہیں ہے۔ وہ ہرگز اس صفت کو نہ پا سکے گا۔

[۱] یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جب مریض کو پوچھنے کے لیے آؤ تو اس کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھو، کیونکہ حدیث میں آیا ہے جب تم مریض کو پوچھنے کے لیے جاؤ تو اونٹنی کے دودھ دوہنے کے بقدر اس کے پاس بیٹھو۔

[۲] یہ نظم تین مصرعوں والی ہے۔ عربوں کے کلام میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ مصرعہ بمنزلہ بیت اور پورے شعر کے ہوتا ہے۔

[۳] مطلب یہ ہے کہ خدایا جو مجھے تجھ سے ہٹا کر اپنے میں لگا لے۔ اس کو اپنے میں مشغول فرما تا کہ وہ تیری مشغولی میں رہے اور میرے پاس نہ آوے۔

پیدل چل کر نصیب فرماتے۔

۳۴۔ حضرت ابوجعفر سماکؒ قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ

حضرت سریؒ کے مشائخ سے ہیں۔ یہ مخلوق سے دور رہ کر ہمہ اوقات عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ جنیدؒ کہتے ہیں میں نے سریؒ سے سُنا، فرمایا، "ایک دن ابوجعفر سماکؒ اچانک میرے پاس تشریف لاتے۔ دیکھا کہ میرے پاس ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے۔ ابوجعفر کھڑے رہے بیٹھے نہیں۔ پھر مجھے گھور کر دیکھا اور کہا، "یَا سِرِّیْ صِرْتَ مُنَاخَ الْبَطَّالِیْنَ"۔ اے سریؒ تو بے فائدہ باتیں کرنے والوں اور بیہودہ کام کرنے والوں کا پڑاؤ بن گیا"۔ یہ کہا اور اسی وقت واپس چلے گئے یعنی شیخ نے میرے گرد اس جماعت کے جمع ہونے کو پسند نہیں فرمایا۔

۳۵۔ حضرت احمد بن خضرویہ بلخی قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ

وفات ۲۴۰ھ۔ قبر شریف بلخ میں ہے۔ کنیت ابوحامد ہے۔ پہلے طبقہ کے بزرگ ہیں اور مشائخ خراسان کے بزرگوں میں سے ہیں۔ ابوتراب نخشبی اور حاتم اصم کے ساتھ صحبت اختیار کی تھی۔ حضرت ابراہیم ادہم کو دیکھا تھا۔

حضرت احمد فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم ادہم نے فرمایا، اَلتَّوْبَۃُ ھِیَ الرُّجُوْعُ اِلَی اللّٰہِ بِصَفَاءِ السِّرِّ"۔ (ترجمہ: توبہ جنابِ حق سبحانہٗ کی طرف لوٹ جانا ہے صاف اور خالص دل کے ساتھ[1])

حضرت احمدؒ بایزید اور ابوحفص حداد جیسے بزرگوں میں سے تھے۔ جب یہ حج کے لیے گئے تو سفرِ حج کے دوران نیشاپور میں ابوحفص کی اور بسطام میں بایزید کی زیارت کی۔

ابوحفصؒ سے لوگوں نے پوچھا، "اس گروہ میں آپ نے سب سے زیادہ بزرگی والا کس کو دیکھا؟" فرمایا، "ہمّت اور صدقِ احوال میں احمد بن خضرویہ سے بڑھ کر کوئی بزرگ نہیں دیکھا"۔ ایک آدمی نے احمد بن خضرویہ سے وصیت کرنے کو کہا، فرمایا، اَمِتْ نَفْسَکَ حَتّٰی تُحْیِیَھَا"۔ اپنے نفس کو مار تاکہ تو اسے زندہ کر دے[2]"۔ اور فرمایا، راستہ کھلا ہے حق روشن ہے۔ بلانے والے نے سنا دیا ہے۔ اس کے بعد تحیّر کا ہونا یعنی بھٹکتے پھرنا یا سوچ بچار میں رہنا محض اندھے ہونے کی وجہ سے ہے[3]۔

---

[1] توبہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی جناب کی طرف صاف اور خالص دل سے لوٹ جانے کو کہتے ہیں کہ اس رجوع میں ماسوا رضاحق کے دوسری اور کوئی غرض نہ ہو۔ [2] یعنی ترکِ خواہشات کر کے نفس کو مارے تاکہ ابدی زندگی کے ساتھ تو اسے زندہ بنا لے۔ [3] جو راستہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے وہ روشن ہے اور حق باطل سے ممتاز اور واضح ہے اور جنابِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف بلانے والے مخبرِ صادق علیہ السلام اچھی طرح سنا چکے ہیں۔ پس ان سب کے ہونے کے باوجود بھٹکا رہنا دل کے اندھے پن اور بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

۳۶۔ حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی قدس سرہ وروّح اللہ وجہہٗ

وفات ۲۵۸ھ ۔ ابوزکریا کنیت واعظ لقب ہے ۔ یوسف بن الحسین الرازیؒ نے کہا، "میں علماء اور حکماء مشائخ کی زیارت کے لیے ایک سو بیس شہروں میں گیا ۔ میں نے یحییٰ بن معاذؒ سے زیادہ بات پر قدرت رکھنے والا کسی شخص کو نہ پایا۔" یعنی اپنی بات سمجھانے کا میں نے یحییٰ بن معاذ میں جو سلیقہ دیکھا دوسرے کسی بزرگ میں نہ دیکھا ۔ حضرت یحییٰ کا قول ہے "اِنۡکِسَارُ الۡعَاصِیۡنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنۡ صَوۡلَةِ الۡمُطِیۡعِیۡنَ ۔" "گناہ کرنے والوں کی انکساری اور نیازمندی مجھے زیادہ پسند ہے طاعت کرنے والوں کی بے نیازی سے ۔" یعنی گنہگار جو شکستہ دل اور نیازمند ہو وہ بہتر ہے اس اطاعت کرنے والے سے جو نیازمند نہ ہو ۔ اہلِ معصیت کا احساس کمتری بہتر ہے اہلِ طاعت کے احساس برتری سے ۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں، "ایک وقت ہوتا ہے جبکہ وہ تعالیٰ آدمی کو طاعت میں ڈال دیتا ہے یعنی نیکیوں میں مشغول کر دیتا ہے ۔ پھر خود اس سے نکال دیتا ہے یعنی غرور میں ڈال دیتا ہے اور وہ شخص اپنے کو اچھا جاننے لگتا ہے ۔ اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اسے کسی شغل میں ڈال دیتا ہے یا گناہ میں اور پھر اس کو وہاں سے اچھا بنا کر باہر نکال دیتا ہے ۔ یعنی اس غفلت میں اس کو وہ تعالیٰ اپنے میں مشغول کر دیتا ہے اور اپنے دیدار اور اپنے مشاہدہ کی راہ اس پر کھول دیتا ہے ۔ وہ مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ کر سکتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور اس کو اس کا حق پہنچتا ہے ۔ آدمی کا دونوں حالتوں پر بے خوف ہونا دھوکا و مکر ہے ۔ کیونکہ تو اس میں اس کے حکم کو نہیں جانتا اور اپنے انجام کو تو نہیں جانتا ۔ تجھے چاہیئے کہ تو دلیر نہ ہو ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی شکایت کرتا ہے جو اس کی معصیتوں پر دلیر ہو کر پھرتے ہیں اور کہتے ہیں ۔ "سَیُغۡفَرُ لَنَا" "عنقریب وہ خود ہمیں بخش دے گا ۔" گناہوں میں بدترین گناہ وہ گناہ ہے جس کو حقیر یعنی ہلکا سمجھتا ہو ۔ اس کے حقیر ہونے کو نہ دیکھ بلکہ یہ دیکھ کہ وہ گناہ کس کے پاس جائے گا ۔ لوگوں نے حضرت یحییٰ معاذؒ سے کہا، "کچھ لوگ کہتے ہیں ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ہمیں نماز کی ضرورت نہیں رہی ۔" یہ سن کر فرمایا، "تم کہو کہ ہاں تم پہنچ گئے ہو ۔" لیکن وہ دوزخ میں پہنچے ہیں ۔ اور حضرت یحییٰؒ نے فرمایا ہے ۔ صِدۡقُ الۡمَحَبَّةِ الۡعَمَلُ

لہ یعنی اپنی ذلت کو ملاحظہ کرو اور حق سبحانہ کی عزت کا تصور کرو اور اس پر غور کرو کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو گناہ کا کتنا خیال ہے اور گناہوں سے بچتے رہنے کا ان کے یہاں کس قدر اہتمام ہے کہ اوّل انبیاء کو ان سے بچنے کی تعلیم دی اور پھر انہیں ان سے بچنے کی لوگوں کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا اور اس جہت سے ماموات کو بھی حقیر نہ جاننا چاہیئے کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کے احکام ہیں ۔

بِطَاعَةِ المَحبُوبِ۔" سچی محبت کی علامت محبوب کی فرمانبرداری کرنا اور اس کی طاعت میں جان کھپا دینا ہے" یعنی محبوب کے ہر حکم کو بے چون و چرا بجالانا اور اس کو اپنا اہم ترین معمول بنالینا سچے عشق کی علامت ہے۔ حضرت یحییٰؒ نے فرمایا، زاہد دنیا کے غریب ہیں اور عارف آخرت کے غریب[عہ] ہیں اور فرمایا، حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو دوست بنایا اور ان کے دل کو اپنے سے وابستہ کرلیا، یعنی اس کو اپنے میں لگالیا۔ جو شخص کسی کو دوست رکھتا ہے۔ اس کے دل کو اپنے میں لگا کر گھر دوست بنالیتا ہے۔ اور فرمایا، جس نے دوست کے سوا دوست سے کچھ اور دیکھا اس نے دوست کو نہ دیکھا[عہ]۔ اور فرمایا، اہلِ معرفت زمین میں وَحشُ اللہ یعنی اللہ کے وحشی ہیں۔ وہ آدمیوں سے "اُنسیّت" محبّت" نہیں رکھتے۔ بلکہ وحشی جانوروں کی طرح اُن سے دُور بھاگتے ہیں، یعنی اہلِ معرفت مخلوق سے اُنسیّت نہیں رکھتے بلکہ خالق سے مانوس ہوتے ہیں۔" اور فرمایا، "محبت کی حقیقت یہ ہے کہ نہ وہ نیکی اور احسان سے بڑھے اور نہ ستم اور زیادتی سے گھٹے۔"

اہلِ تاریخ نے کہا ہے کہ حضرت یحییٰ معاذ بلخ کے شہر میں گئے اور مدّت تک وہیں رہے۔ بلخ سے نیشاپور واپس آگئے اور اسی شہر میں ۲۵۸ھ میں انتقال فرماگئے۔

۳۷۔ حضرت خلف بن علی قدس اللہ سرہٗ

بصرہ کے رہنے والے اور یحییٰ معاذؒ کی صحبت رکھنے والے بزرگ تھے۔ حضرت خلف نے فرمایا، ایک وقت میں حضرت یحییٰؒ کی مجلس میں حاضر تھا۔ ایک آدمی کو وجد آگیا۔ دوسرے نے شیخ یحییٰؒ سے پوچھا، "اُسے کیا ہوگیا؟" فرمایا، اس نے اللہ کی بات سُنی تو اس کے دل پر وحدانیت[سلہ] کا راز منکشف ہوگیا اور اس کی "صفتِ بشری" یعنی انسانی صفت محو ہوگئی۔ جس سے اس کے حواس جاتے رہے۔

۳۸۔ حضرت ابویزید بسطامی[سلہ] قدس اللہ سرہٗ

وفات ۲۶۱ھ۔ پہلے طبقہ کے بزرگوں میں سے تھے۔ طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان ان کا نام تھا۔ ان کے دادا پہلے یہودی تھے، پھر مسلمان ہوگئے تھے۔ حضرت ابویزیدؒ احمد خضرویہؒ، ابوحفصؒ اور یحییٰ معاذؒ کے ہم زمانہ تھے۔ انہوں نے شقیق بلخیؒ

عہ جس نے دوست سے دوست کے غیر کو دیکھا اس نے دوست کو نہ دیکھا اِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰی آدمی کو وہ ملے گا جس کی اس نے نیّت کی۔ سلہ یعنی اس کا دل غیر سے ٹوٹ گیا اور جُدا ہوگیا۔ سلہ بسطام قومس کے ایک بڑے شہر کا نام ہے۔ یہ نیشاپور اور دامغان کے راستہ پر واقع ہے۔ دامغان یہاں سے دو منزل ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ۱۹ھ میں نعیم بن مقرن کے ہاتھ پر رَے اور قومس فتح ہوا۔ عہ یعنی زاہد لوگ عذاب، ڈر اور ثواب کی اُمّید کی بنا پر دُنیا سے دُور ہیں اور اسکے تارک ہیں اور عارف آخرت کے غریب ہیں یعنی آخرت کے ثواب سے دُور ہیں، کیونکہ ان کی نظر حق سبحانہٗ و تعالیٰ پر ہے نہ عذاب کے خوف پر نہ ثواب کی اُمّید پر۔ اس لیے کہ جس نے دوست سے دوست کے علاوہ کچھ دیکھا اس نے دوست کو نہ دیکھا۔ بحکم اِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰی یعنی آدمی کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیّت کی۔

کو دیکھا تھا۔ حضرت بایزیدؒ کے شیخ 'کردی' تھے۔ ابویزیدؒ کے دل میں اپنے شیخ کا اتنا ادب تھا کہ مرنے سے پہلے اُنہوں نے وصیت کی کہ میری قبر شیخ کی قبر سے نیچی رکھنا۔ ابویزید شریعت میں کسی امام کے مقلّد نہیں تھے بلکہ صاحبِ قیاس و اجتہاد تھے، لیکن اُن کے لیے ولایت اس طرح کشادہ ہوگئی کہ اس میں مذہب ظاہر نہیں ہوا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "لوگوں نے بایزیدؒ پر بڑے طوفان باندھے اور ان کے متعلق جھوٹے الزام بہت رکھے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بایزیدؒ نے کہا، "شدم وخیمہ زدم برابر عرش" میں گیا اور عرش کے برابر ڈیرہ لگالیا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، شریعت میں یہ بات کفر ہے اور حقیقت میں "حقیقت آجانے کے بعد، اپنے کو نظر میں لانے سے قبل جو عمل اور جو کام تو کرے گا درست کرے گا۔"

حقیقت کیا ہے؟ اپنے سے چھوٹ کر علیحدہ ہوجانا۔ یعنی نفسانیّت کی بیڑیوں سے آزاد ہوجانا ہے۔ حقیقت اپنے نابود ہونے (فنا) کو درست کرنا ہے۔ اپنے کو برابر کہنا گھناؤنی بات ہے۔ اس حال میں تُو توحید کو دو کے ساتھ درست کرے گا۔ جدا ہونا یعنی بشری صفات سے نکلنا چاہیئے نہ کہ پہنچنا۔

حصریؒ نے کہا، "اگر عرش کو دیکھوں تو کافر ہوجاؤں۔" جنید متمکن تھے[۱]۔ یعنی ان کے کلام میں لوح[۲] اور شطح[۳] نہ تھے جنہوں نے امرونہی کو بڑا جانا، امرونہی کی قدر کی۔ ان کے کام نے اصل پکڑی اور سب فرقوں نے انہیں قبول کیا۔"

لوگوں نے جنیدؒ سے کہا، "آپ کا وطن کہاں ہے؟" فرمایا "عرش کے نیچے"۔ یعنی کہ میرا منتہائے[۴] مقصود اور میری نظر کی منشا، میری رُوح کی آرامگاہ اور میرے کام کا سرانجام آخر وہ ہے۔

---

[۱] متمکن: یعنی جنیدؒ کے لیے لوح و شطح نہ تھے۔ شیخ الاسلامؒ کا اس سے مطلب یہ ہے۔ ایسی باتیں جن میں رعونت یعنی غرور، گھمنڈ ملا ہو ہو۔ ان میں نادانی ہو۔ لوگوں نے جنیدؒ کی طرف منسوب نہیں کیں کیونکہ وہ متمکن تھے اور ان کے حالات متغیر نہیں ہوتے تھے، مگر ابویزیدؒ کہ ان میں حال متصرف ہوتا تھا اور اس وقت ان سے شطیحات صادر ہوتی تھیں۔ پس ان کے متعلق اس قسم کی باتیں کہنے کا لوگوں کو موقع مل گیا اور ان باتوں کو ان کی طرف منسوب کردیا۔ [۲] لوح: اسرار و رموز اور مخفی باتیں۔ [۳] شطحے: ش کا زبر ح کا زیر اور ی مشدّد ہے۔ شَطحِیّات، صُوفیاء کی اصطلاح میں ظاہر شرع کے مخالف باتوں اور خلافِ شرع کلمات زبان پر لانے کو کہتے ہیں۔ ایسی ہی جو باتیں مستی اور ذوق میں بعض واصلین حق سے نکل گئی ہیں مشائخ ان خلافِ شرع کلمات کو نہ رَد کرتے ہیں نہ قبول۔ [۴] منتہائے مقصود: حضرت جنیدؒ کا مقصد عرش کے نیچے سے یہ ہے کہ میرا وطن وہ سُبحانہٗ و تعالیٰ ہے لیکن ادب کی رعایت سے اس طرح تعبیر فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا، تُو مسافر ہے اور میں تیرا وطن[1] ہوں۔ کہتے ہیں جب ابو یزیدؒ نماز پڑھتے تو ان کے سینہ کی ہڈیوں کی آواز باہر نکلتی تھی جسے لوگ سُنتے تھے اور ابو یزیدؒ کی اپنی آواز اس میں گم ہو جاتی تھی۔ اور یہ حق تعالیٰ کی ہیبت اور شریعت کی عظمت و بزرگی کی وجہ سے ہوتا تھا۔

حضرت ابو یزیدؒ نے اپنی وفات کے وقت کہا: "الٰہی مَا ذَکَرْتُکَ اِلَّا عَنْ غَفْلَۃٍ وَمَا خَدَمْتُکَ اِلَّا عَنْ فِتْرَۃٍ۔" (ترجمہ: الٰہی میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر غفلت و لاپرواہی سے اور تیری عبادت نہیں کی مگر فتور اور خرابی کے ساتھ۔) یہ کہا اور فوت ہو گئے۔ یعنی حضرت ابو یزیدؒ کے آخری لفظ جو ان کی زبان سے نکلے یہ تھے۔

ابو یزیدؒ کے مرید ابو موسیٰؒ کہتے ہیں کہ ابو یزیدؒ نے بیان کیا، میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، میں نے اس سے کہا، "آپ تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟" فرمایا، "از خود گزشتی رسیدی۔" تو اپنے سے نکل گیا پہنچ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جو اپنی خواہشات اور جن چیزوں کا وہ خوگر اور عادی ہو ان سے جب نکل گیا اور اپنی ذات کی سوچ سے آزاد ہو گیا۔ اس نے خدا کو پا لیا۔"

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی شناخت کی راہ آسان ہے مگر اس کی یافت (پا لینے) کی راہ دشوار اور نایاب ہے۔" حضرت بایزید قدس سرہٗ کو ان کی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا، "آپ کا کیا حال ہے؟" بایزیدؒ نے کہا، انہوں نے کہا، "اے پیر چہ آوردی؟" اے بوڑھے تو کیا لایا؟ میں نے کہا فقیر جب بادشاہ کے دربار پر آ جاوے تو اسے یہ نہیں کہا کرتے کہ تو کیا لایا، بلکہ اسے کہتے ہیں تو کیا مانگتا ہے۔"

کہتے ہیں نیشاپور میں ایک بڑھیا تھی جس کا نام عراقیہ تھا۔ وہ گھروں میں جا کر بھیک مانگتی تھی۔ جب دنیا سے رخصت ہو گئی۔ کسی نے اسے خواب میں دیکھا، پوچھا کیا حال ہے؟ اس نے کہا، مجھے انہوں نے کہا، "کیا لائی؟" میں نے کہا، "آہ" ساری عمر مجھے اس میں رکھا کہ خدا تعالیٰ دیگا اور اب کہتے ہو کیا لائی؟ فرمایا، سچ کہتی ہے۔ فرشتو اسکے پاس سے چلے جاؤ۔

۳۹۔ حضرت ابو علی سِندی قدس اللہ سرہٗ

شرح شطحیات میں شیخ روزبھان بقلی نے بیان کیا کہ یہ ابو یزیدؒ کے مشائخ میں سے ہیں۔ بایزیدؒ کہتے ہیں میں نے توحید میں علمِ فنا بو علیؒ سے سیکھا اور بو علی نے مجھ سے اَلحمد اور قُل ھُوَاللہ سیکھی۔

---

[1] تو مسافر ہے اور میں تیرا وطن۔ مسافر اس لیے سلسلہ تربیت کے واسطہ سے اس قُرب سے دُور پڑ گیا ہے جو اوّلاً ذات کے ساتھ رکھنا چاہیئے تھا۔

۴۰۔ حضرت ابوحفص حدادؒ قُدِّسَ سِرُّہٗ

وفات ۲۶۴ھ یا ۲۶۷ھ صوفیاء کے پہلے طبقہ کے بزرگ ہیں۔ عمرو بن سلمہ نام ہے۔ نیشاپور کے ایک گاؤں کے باشندہ تھے۔ اپنے زمانہ میں یگانۂ جہان اور ملامتیہ کے شیخ تھے۔ ابوعثمان حیری کے پیروکار اور شاہ شجاع کرمانی نے ان سے اپنے سلسلہ کی نسبت درست کی۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، وہ اپنے وقت میں جہان کے لیے نمونہ تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو نمونہ بنایا اور دکھلایا کہ "مجھے ایسا چاہیئے یعنی جو کوئی میرا بندہ بننے کا خواہش مند ہو اسے چاہیئے کہ وہ ابوحفص جیسا بنے"۔

المؤمل الحصّاصُ، شیرازیؒ فرماتے ہیں۔ جنیدؒ کو اس نے حکمت دی، شاہ کرمانیؒ کو وجود، ابوحفصؒ کو اخلاق اور ابویزید بسطامی کو حیرانی۔ ابوحفص احمد خضرویہ اور بایزید کے رفیق رہے۔ عبداللہ مہدی کے مرید اور ان کی صحبت میں تربیت حاصل کی۔ ابوحفصؒ نے فرمایا، کسی شخص کے ظاہر میں جس قدر حُسنِ ادب ہوگا اتنا ہی اس کے باطن میں حسن ادب ہوگا ظاہر کا حسن ادب باطن کے حسنِ ادب کا عنوان ہے یعنی ظاہر کے حسن ادب سے باطن کے حُسنِ ادب کا پتہ چلتا ہے۔ اگر دل میں ادب ہوگا تو اس کا اثر ظاہر پر آوے گا۔

حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں: "لَوْ خَشَعَ قَلْبُہٗ لَخَشَعَ جَوَارِحُہٗ"۔ اگر اس کا دل عاجز و نیاز مند ہوگا تو اس کے جوارح یعنی ہاتھ پاؤں، زبان، آنکھ، کان اور دیگر اعضاء میں انقیاد و نیاز اور عاجزی آئے گی، یعنی دل کی عاجزی وانقیاد مستلزم ہے۔ جوارح کے انقیاد و عاجزی اور حق تعالیٰ کے احکام کی مخالفت نہ کرنے کو اس حدیث میں اشارہ ہے ابوحفص کے اس قول کی طرف کہ حسنِ ادب ظاہر حسن ادب باطن کا عنوان ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس کے دِل میں انقیاد و نیاز مندی یعنی طاعت خداوندی کا جذبہ ہوگا اس کا اثر ظاہری اعضاء پر نیاز مندی اور طاعت خداوندی کی صورت میں ضرور ظاہر ہوگا۔

ابوحفصؒ حج کو جا رہے تھے۔ بغداد میں آتے تو حضرت جنیدؒ نے ان کا استقبال کیا۔ چونکہ ابوحفص پیر تھے۔ ان کے مرید ان کے سامنے باادب کھڑے تھے جو اچھے آداب اختیار کیے ہوتے تھے۔ جنیدؒ نے یہ حال دیکھا تو کہا، تُو نے اپنے اصحاب کو بادشاہوں کے آداب سکھا دیئے ہیں۔ ابوحفصؒ نے فرمایا، "آدابِ ظاہرِ دوستاں حق تعالیٰ راعنوانِ ادبِ باطن ست حق را"۔ ظاہر میں حق تعالیٰ کے دوستوں کا ادب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ادب موجود ہے اور شیخ الاسلامؒ نے کسی شاعر کا یہ شعر پڑھا:

وَقَلَّ مَنْ ضَمِنَتْ شَیْئاً طَوِیَّتُہٗ　　اِلَّا وَفِیْ وَجْھِہٖ مِنْ ذَاکَ عُنْوَانُ

(یہ بات بہت کم ہوتی ہے کہ آدمی کوئی چیز اپنے دل میں چھپاتا ہو اور اس کے چہرہ پر اس کا نشان ظاہر نہ ہوتا ہو۔)

ابوحفصؒ نے فرمایا، جو شخص اپنے[1] ہر وقت میں اپنے کام، اپنے اقوال، اپنے حالات کو کتاب و سنّت کے ترازو میں نہیں تولتا اور اپنے اندرونی خیالات کو متّہم نہیں رکھتا ہم اس کو مَردوں میں سے شمار نہیں کرتے اور فرمایا، فُتوّت (جوانمردی) یہ ہے کہ دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں انصاف کرے اور دوسروں سے اپنے حقوق وصول کرنے کا خیال ترک کر دے، یعنی جوانمردی یہ ہے کہ انصاف دے انصاف نہ لے۔ لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اپنے حقوق للہ معاف کر دے۔

۴۱۔ حضرت ابُو محمّد حدّاد رحمۃ اللہ علیہ

ابوحفصؒ کے مرید تھے۔ کُو یَانُ سے ابوحفصؒ کے پاس نیشاپور آئے ابوحفصؒ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ لوہار کا پیشہ اختیار کر اور اس کی آمدنی درویشوں کو دے۔ خود اس میں سے کچھ نہ کھا۔ اپنے لیے بھیک[2] مانگ اور کھا۔ کچھ دن ایسا کرتے رہے۔ لوگ ان کو طعنہ دیتے رہے کہ حرص دیکھو۔ اپنا کاروبار کرتا ہے اور پھر بھی مانگتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد جب ان کی حقیقت کھل گئی تو لوگوں کے دلوں میں ان کو قبول نصیب ہوا۔ ان کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور ان کی خدمت کرنے لگے۔ ابوحفص قدس سرہٗ نے ان کو کہا جب تیرا حال اپنی جگہ پر آ گئے تو آئندہ سوال نہ کرنا۔ کیونکہ سوال کرنا تجھ پر حرام ہو گیا ہے۔ جو کام تو کرتا ہے اس سے خود بھی کھا اور فقراء کو بھی دے۔

کہتے ہیں ابوحفصؒ کے پاس کوئی مرید آتا تو اس سے فرماتے، اگر اس راہ کا ارادہ رکھتا ہے تو پہلے جا کر حجامی سیکھ تا کہ تیرا نام حجّام پڑ جائے اور شروع ہی سے لوگ تجھے عارف اور درویش نہ کہنے لگیں اور جب لوگ تجھے حجام کہنے لگیں، تو پھر حجامت کرنا چاہے نہ کرنا۔

۴۲۔ حضرت ظالم بن محمّد رحمۃ اللہ علیہ

اونچے درجہ کے مشائخ میں سے تھے۔ ان کا نام عبداللہ تھا، مگر خود کو ظالم کہتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے۔ مجھ سے اللہ کی بندگی کا حق ادا نہیں ہوتا۔ اس لیے میں ظالم ہوں۔ ابوجعفر حدّادؒ کے مریدوں میں سے تھے۔ ان کا قول ہے جو کوئی چاہے کہ راہ

---

[1] مقصود یہ ہے جو اقوال و افعال دل میں آئیں جب تک کلام مجید اور حدیث نبی علیہ السلام کے ترازو میں وہ پورا نہ اُتریں یعنی ان کے موافق نہ ہوں ان پر عمل نہ کرے۔

[2] ابوحفصؒ نے اپنے مرید ابومحمد حدّادؒ سے اس لیے بھیک منگوائی اور انہیں اس ذلیل کام کی ہدایت فرمائی کہ ان میں عُجب یعنی خود پسندی کا مرض تھا اور اس عمل سے شیخ نے ان کا علاج کیا۔

اس پر کشادہ ہو جاوے وہ ان تین کاموں کو لازم پکڑلے ۔ ذکرِ[۱] حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ چین حاصل کرنا۔ مخلوق[۲] سے دُور بھاگنا اور تھوڑا[۳] کھانا۔

۴۳۔ حضرت ابو مُزاحم شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۳۴۵ھ ۔ فارس کے مشائخ میں سے ایک بزرگ تھے۔ ابو مزاحم نے جنیدؒ اور شبلی سے مناقرہ[۱] کیا تھا۔

ابو مزاحم علمِ حدیث میں بڑے باکمال بزرگ تھے۔ جب وہ معرفت کے متعلق باتیں کرتے تو مشائخ ان سے ڈرتے تھے، اس لیے کہ وہ ایسی بات نہ کہہ دیں کہ جو ان کی حیرت کا موجب بنے اور وہ اس سے ڈر جائیں۔

شیخ ابو عبداللہ خفیف نے کتاب اسامیٔ مشائخ فارس میں ان کا ذکر کیا ہے کہ ابو مزاحم نے ۳۴۵ھ میں وفات پائی۔ ابو مزاحمؒ، ابو حفص کی زیارت کے لیے بھی آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا قصہ ہے کہ ابو حفصؒ اور ان کے اصحاب کو کچھ رقم فتوح نذرانے میں آئی تو ان کے اصحاب نے کہا، اس رقم سے پاخانے (بیت الخلاء) کو صاف کرائیں گے۔ ابو حفص نے جواب دیا یہ ہم کر چکے ہیں اور اب خود کو پاک کرنا چاہیئے اور جو کچھ آیا ہے اسے درویشوں کے کام لگا دینا اور ان کی ضروریات پوری کر دینے میں صرف کرنا چاہیئے۔ ابھی یہ لوگ اس گفتگو میں مشغول تھے ایک آدمی آیا۔ اس نے ابو حفص کو کہا۔ غسل کیجئے اور کپڑے بدل لیجئے کہ شیخ ابو مزاحم فارسؒ سے آ چکے ہیں۔ فرمایا، اگر یہ وہی ابو مزاحم ہے، جسے میں پہچانتا ہوں تو پھر میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھے انہی کپڑوں میں دیکھے۔ اسی حال میں ابو مزاحمؒ بھی آ گئے۔ جب انہوں نے ابو حفصؒ کا یہ حال دیکھا تو سلام کیا، "وجامہ از بیروں افگند" اپنے سر کا کپڑا اتارا اور نیچے ڈال دیا اور ابو حفصؒ کے سامنے خادموں کی طرح کھڑے ہو گئے۔ ابو حسین توبخی صوفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں؛ مَنْ ذَلَّ فِي نَفْسِهٖ رَفَعَ اللّٰهُ قَدْرَهٗ وَمَنْ عَزَّ فِي نَفْسِهٖ اَذَلَّهُ اللّٰهُ فِي اَعْيُنِ عِبَادِهٖ (ترجمہ: جو شخص اپنے دل میں خود کو کمتر جانے گا اللہ تعالیٰ اس کی قدر و منزلت بڑھائے گا اور جو اپنے دل میں خود کو باعزت اور رتبہ والا جانے گا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نظر میں اس کو ذلیل بنا دے گا[۲])۔ ابو بکر دراقؒ کہتے ہیں۔ یہ کام اس کا ہے جس نے خدا تعالیٰ کے لیئے گندگی "کے ڈھیروں کو خوشی کے ساتھ صاف کیا ہو۔

---

[۱] مناقرہ۔ یعنی ایک دوسرے پر عیب لگائے تھے اور یہ اختلاف مشارب کی وجہ سے تھا۔

[۲] جو شخص خود کو اپنی نظر میں ذلیل و خوار دیکھے گا۔ حق تعالیٰ اس کے مرتبہ کو بلند کر دیگا اور جو خود کو عزت اور رتبہ والا جانے گا حق سبحانہٗ و تعالیٰ اسکو اپنے بندوں کی نظر میں ذلیل اور بے حیثیت بنا دیگا۔ مقصد یہ کہ اس طائفہ میں وہی شخص روشن ہوگا جو خدا تعالیٰ کیلئے کاریگر ہوگا۔

۴۴۔ حضرت حمدُون قصّار قدس اللہ سرّہٗ

وفات نیشاپور ۲۷۱ھ میں ہوئی اور قبر محلہ 'حیرہ' میں ہے۔ طبقۂ اوّل کے صُوفی ہیں۔ ان کی کنیت ابوصالح ہے۔ اہلِ ملامت کے شیخ وامام تھے۔ نیشاپور کے علاقہ میں طریق ملامت انہوں نے پھیلایا۔ پہلا مسئلہ جو ان کے اصحاب ان سے عراق لے گئے اور ان کے حالات بیان کیے۔

سہل تستریؒ اور جنیدؒ نے فرمایا، اگر احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی پیغمبر کا ہونا جائز ہوتا تو ان میں سے حمدون قصار قدس سرہٗ بھی ہوتے۔ حمدونؒ فقیہ اور عالم تھے۔ فقہ میں امام ثوریؒ کے مذہب کے پیروکار تھے اور طریقت میں عبداللہ بن منازلؒ کے استاد اور پیرِ طریقت تھے۔ ان کے مریدوں میں سے کسی نے بھی ان کا طریقہ اختیار نہیں کیا جیسے ابنِ منازلؒ نے اختیار کیا۔

حضرت حمدونؒ نے فرمایا، "میں اپنے نفس کو فرعون کے نفس سے اچھا نہیں سمجھتا[1] ہاں اپنے دل کو فرعون کے دل سے اچھا سمجھتا ہوں۔" حضرت حمدونؒ نے فرمایا، جو سلف یعنی پچھلے بزرگوں کی سیرت میں دیکھے گا اسے اپنی کوتاہیاں اور کمزوریاں نظر آئیں گی اور کامل مردوں کے درجات و مقامات سے اپنے پیچھے رہنے کو پہچانے گا[2]۔ اور فرمایا، جس شخص میں تو کوئی نیک خصلت اور اخلاق کی خوبی دیکھے اسے ہرگز نہ چھوڑنا، کیونکہ تجھے اس کی برکتوں میں سے یقیناً کچھ ملے گا[3]۔

ایک زمانہ میں حمدونؒ کسی جگہ مہمان تھے۔ میزبان باہر گیا ہوا تھا۔ انہیں کاغذ کے پرچہ کی ضرورت ہوئی۔ میزبان کے گھر والوں نے پرچہ باہر پھینکا۔ حمدونؒ نے اسے واپس کر دیا۔ اور کہا اس کا استعمال جائز نہیں، کیونکہ گھر والا موجود نہیں ہے اور مجھے معلوم نہیں وہ زندہ ہے یا مر گیا اور مال اس کا ہے یا وارث کا؟

شیخ الاسلام نے فرمایا، حمدون کی ساری سیرت اور ان کا سارا عمل اسی طرح کا تھا۔ یعنی ساری زندگی تقویٰ پر مشتمل تھی۔ اب ایک جماعت شرع میں اباحت یعنی رخصتوں اور آسانیوں پر عمل کرتی ہے اور اس نے شریعت کے تہاون دین کو حقیر اور معمولی سمجھنے اور زندقہ یعنی قرآن و حدیث کے غلط مطالب نکالنے اور شریعت کے آداب اور اس کے

---

[1] اس حیثیت سے کہ وہ نفس ہے اور مدبر بدن ہے۔ فرعون کے نفس پر اس کو فضیلت والا نہیں سمجھتا، یعنی اپنی ذات کو فرعون کی ذات سے بہتر نہیں جانتا، البتہ یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دل فرعون کے دل سے بہتر ہے۔ [2] یعنی جو شخص متقدمین کی سیرت و کردار اور ان کی شب و روز کی زندگی کا اپنے شب و روز کے اعمال سے موازنہ کرے گا اس کو معلوم ہوگا کہ میں مَردوں کے درجوں اور مرتبوں سے کتنا پیچھے ہوں۔

[3] جس شخص میں کوئی خیر اور خوبی دیکھے اس سے دُور نہ ہونا، کیونکہ اس کی برکت سے تجھے بھی نیکی پہونچے گی۔

اقدار کی حفاظت و پابندی نہ کرنے کو اپنی طریقت بنالی ہے اور لوگوں کو کہتے ہیں یہ طریقۂ ملامت ہے۔ ملامت یہ نہیں ہوتی کہ کوئی شخص شریعت کی بے حرمتی کے ساتھ کام کرے اور دین کی پابندیوں سے آزادی کو اپنا شیوہ بنالے۔ تاکہ لوگ اس کو ملامت کریں۔ ملامت تو یہ ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے کام میں مخلوق کی ملامت کا خوف نہ رکھے۔ یعنی خدا تعالیٰ کے احکام بجالانے اور دین کے کام کرنے میں لوگوں کی پرواہ نہ کرے کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں یا کیا کہیں گے۔

۴۵۔ حضرت ابوالحسین بارُوسیؒ[1] قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

ان کا نام اسلم بن الحسین الباروسی تھا۔ ان کی کنیت ابوعمران ہے۔ شیخ ابوعبدالرحمان سلمی نے تاریخِ صُوفیہ میں ان کا ذکر کیا اور لکھا ہے۔ ابوالحسین نیشاپور کے قدیم مشائخ و صُوفیہ میں سے تھے۔ حمدون قصارؒ کے پیرومرشد تھے اور مستجاب الدعوات تھے۔ ان کا قول ہے

"لَا يَظْهَرُ عَلَى اَحَدٍ شَيْءٌ مِّنْ نُوْرِ الْاِيْمَانِ اِلَّا بِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ وَ مُجَانَبَةِ الْبِدْعَةِ وَكُلُّ مَوْضِعٍ تَرَى فِيْهِ اِجْتِهَادًا ظَاهِرًا بِلَا نُوْرٍ فَاعْلَمْ اَنَّ ثَمَّهٗ بِدْعَةٌ خَفِيَّةٌ"۔ (ترجمہ: جس کسی پر بھی نورِ ایمان سے کچھ ظاہر ہوا وہ محض سنّت کی اتباع اور بدعت کی مخالفت و اجتناب سے ہوا۔ اور جس جگہ تم ظاہری مجاہدہ محنت اور کوشش زیادہ دیکھو، مگر اس میں نورانیت ظاہر نہ ہو تو سمجھو کہ یہاں کوئی چھپی ہوئی بدعت ہے۔ جس کی وجہ سے وہ آدمی نورانیّت سے محروم ہے[2]

ابوعبداللہ کرام نے شیخ ابوالحسینؒ سے کہا، میرے اصحاب کے بارہ میں کیا کہتے ہو؟ فرمایا، "اگر رغبتے در باطن ایشاں ست در ظاہر ایشاں بودے، وزہد کہ بر ظاہر ایشاں ست در باطن ایشاں بودے، مرداں بودندے، نماز بسیار می بینم و روزہ فراواں امّا نورِ ایماں ہیچ چیز نیست در ایشاں۔ و گفت از تاریکئ باطن ست تاریکئ ظاہر"۔

جو رغبت ان کے باطن میں ہے اگر ان کے ظاہر میں ہوتی اور جو زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی ان کے ظاہر پر نظر آتی ہے اگر ان کے باطن میں ہوتی تو یہ لوگ مرد ہوتے۔ میں نماز اور روزہ بہت دیکھتا ہوں، مگر اس کے باوجود ان کے اندر نورِ ایمان میں سے کوئی چیز نہیں ہے"۔ اور فرمایا، "باطن کی تاریکی کے سبب سے ہے ظاہر کا تاریک ہونا"۔ یعنی یہ

---

[1] باروسی: باروس نیشاپور کے دیہات میں سے ایک گاؤں کا نام ہے جو اس کے قریب دروازہ پر واقع ہے۔ شیخ اس گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ [2] یعنی صفائے قلب و انشراحِ صدر جب وجود میں آئے گا جب کہ مومن سنّت کی پیروی کرے گا اور بدعت سے اجتناب اور پرہیز کرے گا اور جو شخص ظاہری کوشش کے باوجود صفائے قلب سے عاری ہو۔ یقین جانو کہ اس میں کوئی نہ کوئی پوشیدہ بدعت ہے۔ جس کی ظلمت کی وجہ سے اس کا دل روشن نہیں ہو رہا۔

لوگ اگر رغبت کا اظہار کرتے اور زہد کا ابطان" مرد ہوتے۔" مطلب یہ ہے کہ دُنیا کی بے رغبتی اوپر کی بجائے اندر ہوتی اور اندر کی رغبت باہر ہوتی یا باہر والی چیز اندر ہوتی اور اندر والی چیز باہر۔ تو مرد ہوتے۔

۴۶۔ حضرت منصور بن عمّار قدس اللہ سرٗہ

پہلے طبقہ سے ہیں۔ ان کی کنیّت ابوالسّری ہے۔ مَروُ کے باشندہ۔ بعض کہتے ہیں 'باورد' کے رہنے والے یا 'بصرہ' کے باشندہ تھے۔

حکمارِ مشائخ سے ان کا شمار ہوتا ہے۔ معاملات میں بڑی خوبی سے کار آمد باتیں کہی ہیں۔ مرنے کے بعد کئی لوگوں نے انہیں خواب میں دیکھا۔ پوچھا آپ کا کیا حال ہے؟ جواب دیا۔ انہوں نے مجھ پر بڑی نوازش فرمائی۔ ساتویں آسمان پر انھوں نے ممبر رکھایا اور مجھے کہا، اس پر جا، جو باتیں دنیا میں لوگوں سے تو میرے متعلق کہا کرتا تھا اینجا بامن می گوئی و بادوستاں من و فرشتگان من بگوئی۔ یہاں میرے سامنے کہہ، میرے فرشتوں میرے دوستوں کے سامنے کہہ۔ ایک ظریف و خوشخو جوان نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی تھی۔ وہ جوان توبہ توڑ کر راستہ سے برگشتہ ہوگیا، تو فرمایا، "میں اس توبہ کے توڑنے کا کوئی اور سبب نہیں دیکھتا بجز اس کے کہ وہ اپنے ساتھیوں[۲] کو حقیر و کمتر دیکھتا، کڑھتا اور رنجیدہ ہوتا، وحشت کرتا اور برگشتہ ہوتا تھا۔

۴۷۔ حضرت احمد بن عاصم اَلاَنطاکی قدس سرٗہ

پہلے طبقہ کے بزرگ ہیں۔ کنیّت ابوعلی یا ابوعبداللہ ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے۔ بشر حافیؒ، سری سقطی اور حارث محاسبیؒ کے ہم زمانہ تھے۔ کہتے ہیں انہوں نے فضیل بن عیاضؒ کو دیکھا تھا۔ احمد بن الحواری کے استادوں میں سے ہیں۔ ان کا قول ہے: "امامِ ہر عمل علم است۔" ہر عمل کا امام علم[۳] ہے اور ہر علم کا امام عنایتِ خداوندی ہے۔ فرمایا، کتنے تعجّب کی بات ہے، اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ (بلاء) وامتحان ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ فتنہ اور زیادہ ہو۔ اور فرمایا، اعضاءِ ظاہری کے اعتبار سے ہم صالحین کے اعمال کے ساتھ موافقت کرتے ہیں، مگر عالی ہمتی اور بلند مقصد میں ان کی مخالفت

---

[۱] حکمارِ مشائخ سے ہیں، کیونکہ وہ چیزوں کی حکمتیں کثرت سے بیان کرتے تھے۔

[۲] ساتھیوں سے مراد پیر بھائی ہیں جو اس کی نظر میں بے حیثیّت اور معمولی معلوم ہوتے تھے۔

مبین حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم شہانِ بے کمر و خسروان بے کلاہ اند

عشق کے فقراء کو حقیر نہ دیکھ کر یہ لوگ بے پٹکے کے بادشاہ اور بے تاج کے خسرو ہیں۔

[۳] یعنی عمل سے پہلے علم ضروری ہے اور علم سے پہلے عنایتِ حق ضروری ہے اور جیسے علم پر عنایت کا سابق ہونا ضروری ہے اسی طرح عمل پر بھی عنایت کا سابق ہونا ضروری ہے۔ عمل علم کی عنایت پر موقوف ہوا۔ پس علم محض عنایت کے ساتھ ہوتا ہے بخلاف عمل کے۔

کرتے ہیں[1] اور ان کا ساتھ نہیں دیتے۔ فرمایا، "صبر اور برداشت کرنا تقدیر پر راضی ہونے کی ابتدا[2] ہے"۔ لوگوں نے ان سے کہا، "اخلاص کسے کہتے ہیں[3]؟" جواب میں فرمایا، "جس وقت تو عملِ صالح (نیک کام) کرے تو تیرے دل میں اس کی خواہش نہ ہو کہ لوگ تجھے اس عمل کے ساتھ یاد رکھیں۔ اور اس عمل کی وجہ سے وہ تیری عزت کریں اور تجھے بزرگ سمجھیں اور تو اس کے ثواب یعنی بدلہ کو غیر حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے طلب نہ کرے، یہ اخلاص ہے۔

اور فرمایا، "اِعْمَلْ عَلٰی اَنْ لَّیْسَ فِی الْاَرْضِ اَحَدٌ غَیْرُکَ وَلَا فِی السَّمَآءِ اَحَدٌ غَیْرُہٗ"۔
(ترجمہ: تو اس تصور سے نیکی کر کہ زمین میں تیرے سوا دوسرا کوئی نہیں اور آسمان میں اس کے سوا دوسرا کوئی نہیں[4]۔)

۴۸۔ حضرت محمد بن منصور الطوسی قدس اللہ سرہٗ

بغداد میں قیام رکھتے تھے۔ پایہ کے محدث و صوفی تھے۔ عثمان بن سعید الدارمیؒ، ابو العباس مسروقؒ، ابو جعفر حداد مہین (کلاں) کے شیخ تھے۔

ابو سعید خزازؒ کہتے ہیں، جب میں نے اس راہ میں قدم رکھا تو ابتدا میں سیاحت اور سیر و سفر سے مجھے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ ایک دن محمد بن منصور نے فرمایا، "بیٹے اپنے مقامِ ارادت کو لازم پکڑ تاآنکہ اس جگہ کے اندر تجھ[5] پر ہر خیر و

---

[1] اعمالِ ظاہری میں ہم نے صالحین کے ساتھ موافقت کر لی، لیکن ان کی ہمت اور توجہ میں ہم نے ان کی مخالفت کی اس واسطے کہ ان کی ہمت کا مرکز حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات ہے اور ہماری ہمت کا غیر حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔ [2] یعنی مکارہ اور تکلیف دینے والی چیزوں پر نفس کو ثابت قدم رکھنا مقدماتِ رضا سے ہے۔ مقامِ رضا کے حاصل کرنے میں اول صبر چاہیے۔ [3] ان سے اخلاص کو پوچھا، شیخ نے جو جواب دیا یہ اخلاص کا ادنیٰ مرتبہ ہے اور کمال اخلاص یہ ہے کہ بندگی پر آمادہ کرنے والی صرف اس کی فرمانبرداری و طاعت ہو نہ کہ ثواب کا پانا۔ اور عذاب سے ڈرنا۔ [4] یعنی عمل کر اور یہ گمان کر کہ زمین میں تیرے سوا کوئی اور موجود نہیں اور آسمان میں جو قبلہ گاہِ حاجات ہے حق تعالیٰ کے سوا دوسرا کوئی موجود نہیں۔ بعض مشائخ ترکستان نے کہا ہے کہ اس خاص طریقہ پر اشتغال کے وقت میں عالم یعنی سارے جہان کو سبز گنبد خیال کر اور پھر یہ تصور کر کہ اس گنبد میں تیرے اور حق تعالیٰ کے سوا کوئی تیسرا موجود نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اس تصور کے ساتھ ذکر کرنے سے جمعیت حاصل ہو گی اور خیالات میں یکسوئی پیدا ہو گی۔ [5] یعنی ایک جگہ بیٹھ کر اپنی باطنی قوت کو ترقی دے تاآنکہ تجھ پر کشادگی حاصل ہو اور تیرا باطن قوی ہو جاوے ؎

تکیہ بر دیوار کن تنہا نشین   از وجود خویش ہم خلوت گزین

دیوار پر ٹیک لگا کر ایسا اکیلا بیٹھ کہ تیرے ساتھ تیرا وجود بھی نہ ہو۔

برکت کا دروازہ کشادہ ہو جاوے۔" اور فرمایا، محمد بن منصور الطوسی نے کہا، میں طواف کر رہا تھا۔ دیکھا کہ ایک آدمی طواف کرتا تھا۔ زار و قطار روتا تھا اور کہتا تھا، خداوندا! میری کھوئی ہوئی چیز مجھے واپس دے۔" میں نے کہا، "تیری کھوئی ہوئی چیز کیا ہے؟" اس نے کہا، "میں اس کے ساتھ بڑا اچھا وقت گزارتا تھا، ایک دن جنگل میں تھا، میں نے اپنے دل میں خیال کیا، گرمی ہے اور جنگل میں ہوں، اب پانی کہاں سے لاؤں گا؟ آخر مر جاؤں گا۔ اسی وقت بادل آیا، موسلا دھار بارش ہونے لگی اور زمین پر اتنا پانی کھڑا ہو گیا کہ میں سوچنے لگا کہ پانی میں ڈوب کر ہلاک ہو جاؤں گا۔ اور جب یہ کیفیت ختم ہوئی اور مجھے سکون ہوا۔ میری پہلی زندگی مکدّر ہو گئی اور زندگی کے وہ اوقات جو حق تعالیٰ کے قرب و محبت میں گزرتے تھے، ضائع ہو گئے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اس کو سزا دی کہ مجھے کیوں نہ پہچانا کہ میری قدرت میں گرمی اور سردی ایک ہیں

ابو سعید خرازؒ نے کہا، محمد بن منصورؒ سے لوگوں نے دریافت کیا، "فقر کی حقیقت کیا ہے؟" فرمایا، یہ ہے کہ کچھ نہ رکھتے ہوئے بھی دل کو قرار و سکون رہے۔ اس میں اضطراب، پریشانیاں اور فکرات نہ ہوں اور جو کچھ پاس ہو اسے خرچ کر دے۔ یعنی اپنے پاس کچھ نہ رکھے۔ محمد بن منصورؒ کے الفاظ یہ ہیں۔ "اَلسُّکُوْنُ عِنْدَ کُلِّ عَدَمٍ وَالْبَذْلُ عِنْدَ کُلِّ وُجُوْدٍ۔"

اور فرمایا، مسافر اپنے سفر میں چار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ علمؔ جو ہر چیز سے اس کی حفاظت کرے۔ ذکرؔ، جس سے تنہائی میں مانوس رہے۔ پرہیزگاریؔ جو اس کو خلافِ شرع سے روکے رکھے، یقینؔ جو اس کو متحرک رکھے۔ یعنی اس کا یقین ہو کر سارے کام ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی نصرت و دستگیری سے بنیں گے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، تیری ساری عمر ان چار چیزوں کے بغیر بسر نہ ہونی چاہیئے، کیونکہ تو ہمیشہ سفر میں ہے، تیری منزل آگے ہے، جو ان چار چیزوں سے خالی ہے۔ وہ ضائع اور برباد ہے۔ علم اس کی راہنمائی کرے جو اسے سیدھا اور زم رکھے۔ ذکر جو اس کا غم خوار ہے کہ تنہائی میں وحشت نہ ہو اور ورع و تقویٰ جو اس کو روکنے والا ہو تا کہ وہ ہر ناشائستہ کو نہ دیکھے اور یقین اس کی سواری ہو تا کہ وہ بے یقینی کے باعث پیچھے نہ رہ جائے یا تھک ہار کر راہ چلنا نہ چھوڑ دے۔ اور جس کی زندگی میں یہ چار چیزیں ہوں گی اس کی زندگی بغیر ناگواری کے پوری ہو گی۔

محمد بن منصورؒ جماعت میں بات کرتے تو آخر میں ملامت کا طریقہ اور اہلِ ملامت کی بات ضرور کرتے۔ کسی نے کہا، اہلِ ملامت کی باتیں ہماری باتیں نہیں اور ہم اہلِ ملامت نہیں ہیں۔ شیخ نے جواب دیا، "عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَۃُ۔" صالحین کے ذکر کے وقت رحمتِ حق کا نزول ہوتا ہے۔ ان کی اس بات کا اثر یہ ہوا کہ اسی وقت بغیر بادل کے بارش برسنے لگی۔

۴۹۔ حضرت علی عکی رحمہ اللہ تعالٰی یہ بھی جماعتِ صوفیہ سے ہوئے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے۔ ان کا قول ہے:

مَنْ رَضِیَ مِنَ الدُّنْیَا بِالدُّنْیَا فَھُوَ مَلْعُوْنٌ وَمَنْ رَضِیَ مِنَ الْعِلْمِ بِالْعِلْمِ فَھُوَ مَفْتُوْنٌ وَمَنْ رَضِیَ مِنَ الذُّھْدِ بِالثَّنَآءِ فَھُوَ مَحْجُوْبٌ وَمَنْ رَضِیَ مِنَ الْحَقِّ بِشَیْءٍ مَادُوْنَ الْحَقِّ کَائِنًا مَا کَانَ فَھُوَ طَاغٍ "۔ ترجمہ: جو شخص

دنیا سے دنیا کی خاطر خوش ہوا پس وہ ملعون یعنی رحمتِ حق سے دُور ہے اور جو علم سے علم کی خاطر خوش ہوا وہ فتنہ میں پڑا ہوا ہے۔ اور جو شخص زہد فقر و درویشی سے تعریف کی خاطر راضی ہوا پس وہ محجُوب یعنی قربِ حق و دیدارِ حق سے محروم ہے اور جو حق تعالیٰ سے کسی چیز کے ساتھ خوش ہوا جو حق تعالیٰ کے علاوہ ہو خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو وہ شرارت کا سرغنہ ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، تو جانتا ہے دنیا کون ہے؟ جو چیز بھی تیرے دل سے قریب ہو پھر وہ تجھے غافل کر دے وہی تیری دنیا ہے اور جو چیز بھی تیرے دل میں بیٹھ جاوے جس سے تیرا دل اللہ سے محجُوب اور پوشیدہ ہو جاوے وہ تیری دنیا ہے، اگرچہ وہ بہشت کے درجے ہی ہوں اور جو چیز بھی تجھ کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے مشغول کر دے وہ تیرے لیے مصیبت اور بلا ہے اور جو علم سے خوش ہے محض علم کے ساتھ وہ مفتون احمق یا گمراہ ہے، کہ علم تو سیرت کے لیے ہے۔ یعنی عادات کے درست کرنے اور کار کردار خدا تعالیٰ کی آگاہی کے لیے ہے۔ جو علم تجھے سیرت نہ بخشے یعنی تیری سیرت اور تیرے اخلاق کو نہ سنوارے ان کی اصلاح نہ کرے اور کام بنانے والے (خداوند تعالیٰ) کی آگاہی نہ بخشے وہ تیرے لیے وبال و مصیبت ہے اور ان کی مناجات میں ہے۔ "الٰہی مارا بر آگاہی فرو مگذار کہ آگاہی ہمہ شغل است و در دانش بہ بند کہ دانش ہمہ در دست و تا بندہ با خود دست چوب خشک و آہن سر دست"۔ الٰہی ہم کو علم پر نہ چھوڑ کہ علم تمام شغل

---

[۱] علم سیرت کے لیے ہے، یعنی علم عمل سے متعلق ہے۔ مقصود اس سے عمل و سیرت ہے اور آگاہیِ کار کردار یعنی آگاہیِ حق سبحانہٗ ان حضرات کے یہاں وہ معتبر ہے جو عمل کا نتیجہ ہو۔ وہ آگاہی جس میں آگاہیِ حق سُبحانہٗ نہیں ہے وہ تیرے لیے فتنہ ہے۔ جیسے بعض ملحدین کہتے ہیں مقصود دل سے توجہ ہے اور جب توجہ کسی کو حاصل ہے تو عمل سے کیا فائدہ۔ ملحدین سے مراد بے دین ہے۔ [۲] ہم کو آگاہی اور علم پر مت چھوڑ، یعنی کہ حواس عمل سے معطل ہو جائیں۔ اور اس لیے کہ یہ جہان عمل کا مقتضی ہے۔ یعنی تقاضا کرنے والا ہے اور آگاہی یعنی مشاہدہ جو عمل کا نتیجہ ہے اس کا مقام دارِ آخرت ہے۔ اس بنا پر مقام مشاہدہ میں اپنے ہونے پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ تاکہ وطن یعنی آخرت کے حکم کی رعایت رکھی جائے۔ شیخ محی الدین ابن العربی قدس اللہ سرہٗ رسالہ الانوار میں لکھا ہے کہ مشائخ کا آپس میں اختلاف ہے کہ مقصود اس جہان میں تحصیل مشاہدہ ہے یا عمل بعض نے اول کو اختیار کیا، کہ اس دنیا میں مقصود مشاہدہ حاصل کرنا ہے اور بعض نے دوسرے کو اختیار کیا، یعنی اس جہان میں مقصود عمل ہے نہ کہ مشاہدہ اور شیخ نے جو اختیار کیا وہ مقام اور جگہ کے اعتبار سے ہے۔

ہے، علم کا دروازہ بند کر کہ سارا علم درد ہے اور جب تک بندہ اپنے ساتھ ہے سوکھی لکڑی اور ٹھنڈا لوہا ہے۔ جو شخص زہد درویشی سے تعریف و نیک نامی پر راضی ہے وہ محبوب یعنی خدا تعالیٰ سے دور ہے اور آدھا درم صوفی کے کھیسہ میں خزانہ ہے۔

۵۰۔ حضرت حاتم بن عنوان الاصمؒ رحمۃ اللہ علیہ

بلخ کے نواح 'واشجرد' کے مقام پر ۲۳۷ھ میں وفات پائی۔ صوفیاء کے پہلے طبقہ کے بزرگ ہیں۔ ابو عبدالرحمان کنیت اور خراسان کے قدیم مشائخ سے ہیں۔ بعض کہتے ہیں ان کے والد کا نام یوسف ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کے والد کا نام عنوان دادا کا نام یوسف ہے۔ بلخ کے رہنے والے تھے اور شفیق کے صحبت یافتہ اور احمد خضرویہؒ کے پیرو مرشد ہیں۔ حضرت حاتمؒ اصم یعنی بہرے نہ تھے، ہوا یہ کہ ایک دن ایک ضعیفہ ان سے باتیں کر رہی تھی۔ باتیں کرتے ہوئے اس کی ہوا آواز کے ساتھ خارج ہوگئی۔ اس کی شرمندگی دور کرنے کی خاطر حضرت حاتمؒ نے اس ضعیفہ سے کہا اور زور سے کہ "اپنی آواز اونچی کر" حاتم کی اس بات سے بوڑھی نے سمجھا کہ حاتم اونچا سنتے ہیں۔ اس کے کانوں میں کچھ بہرہ پن ہے۔ میری ریح کی آواز اس نے نہیں سنی۔ حضرت حاتم کی اس تدبیر پر ضعیفہ خوش ہوگئی اور اصم کا لقب ان پر باقی رہ گیا۔

حضرت حاتمؒ کا ارشاد ہے جو شخص اس راستہ میں قدم رکھے اس کو چاہیئے کہ اپنے اوپر چار موتوں کو لازم کرے۔ موتِ ابیض یعنی سفید موت اس کا مطلب بھوکا رہنا ہے۔ موتِ اسود کالی موت، اس کا مطلب لوگوں کی ایذاؤں پر صبر کرنا ہے۔ موتِ احمر سرخ موت اس کا مطلب نفس کی خواہش میں اس کی مخالفت کرنا ہے۔ موتِ اخضر، سبز موت، یہ اپنے بدن کے لباس کے لیے چیتھڑوں اور ٹکیوں کو جوڑ کر ٹانکے لگانا ہے۔

حضرت حاتمؒ نے فرمایا، ہر روز صبح کے وقت شیطان آ کر مجھے کہتا ہے، "تو کیا کھائے گا"۔ میں کہتا ہوں "موت" وہ کہتا ہے، "کیا پہنے گا؟" میں کہتا ہوں "کفن"۔ وہ کہتا ہے، "کہاں رہے گا؟" میں کہتا ہوں، "قبر میں"۔

ایک شخص نے ان سے پوچھا آپ کیا آرزو رکھتے ہیں، فرمایا، "دن کی عافیت رات تک یعنی ایک دن مجھے ایسا مل جائے جس میں رات تک مجھے چین نصیب ہو اور خیریت سے گزر جائے"۔ اس نے کہا، "یہ عافیت نہیں ہے جس حال میں تو ہمیشہ رہتا ہے؟" آپ نے فرمایا، "میں اس دن کو خیریت و عافیت والا سمجھتا ہوں جس دن خدائے سبحانہ کا نافرمان نہ ہوں اور اس دن مجھ سے کوئی گناہ نہ ہو"۔ ایک شخص نے کہا، مجھے نصیحت کرو، فرمایا، "اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَعْصِیَ مَوْلَاکَ فَاعْصِہٖ فِیْ مَوْضِعٍ لَایَرَاکَ"۔ جب تو اپنے مالک کی نافرمانی کرنے کا ارادہ کرے، تو اس کی نافرمانی ایسی جگہ جا کر جہاں وہ تجھے نہ دیکھے۔

ایک بزرگ نے حضرت حاتمؒ کو تحفہ میں کوئی چیز بھیجی۔ انہوں نے قبول کر لی۔ لوگوں نے کہا، آپ نے اسے کیوں قبول کر لیا؟ فرمایا، اس کے لینے میں مَیں نے اپنی ذِلّت دیکھی اور اس کی عزّت "۔ اور اس کے نہ لینے میں اپنی عزّت دیکھی اور اس کی ذِلّت۔ اس لیے میں نے اسکی عزّت کو اپنی عزّت پر اختیار کیا اور اپنی ذلت کو اس کی عزّت پر۔

لوگوں نے پوچھا، "آپ کہاں سے کھاتے ہیں؟" فرمایا، " وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ "۔ ترجمہ: اللہ مالک ہے آسمانوں اور زمینوں کے خزانوں کا، مگر منافق لوگ نہیں سمجھتے ہیں۔ یعنی عُلویاتؔ[1] و سفلیّات کے خزانوں کا مالک اللہ ہے اور دونوں اس کے دستِ قدرت اور تصرّف میں ہیں، لیکن منافق اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اور اس کی تہ تک نہیں پہونچتے۔

۵۱۔ حضرت احمد بن ابی الحواری قدس اللہ سرّہٗ

وفات ۲۳۰ھ۔ پہلے طبقہ کے بزرگوں میں سے ہیں۔ ابوالحسن کنیت اور دمشق کے باشندہ ہیں۔ ابوسلیمان دارانی اور ابو عبداللہ نباجی کی صحبت میں رہ کر تربیت پائی تھی اور ان کے علاوہ بھی دوسرے مشائخ کی صحبتوں سے استفادہ کیا تھا۔ ان کے بھائی محمد بن ابی الحواریؒ زہد و ورع میں ان کی برابری کرتے تھے۔ ان کے صاحب زادہ عبداللہ بن احمد بن ابی الحواریؒ تارک الدنیا تھے اور ان کے والد ابوالحواریؒ جن کا نام مَیمُون تھا پرہیز گار عارفوں میں سے تھے۔ خلاصہ یہ کہ احمد بن ابی الحواری کا خاندان زہد و ورع کا خاندان تھا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں:

احمد بن ابی الحواریؒ شام کی خوشبو ہیں[2]۔ حضرت احمدؒ نے فرمایا، دُنیا گُوہ کا ڈھیر اور کتوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے، لیکن کتوں سے بھی زیادہ ذلیل وہ شخص ہے جو اس سے دور نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ کتا جب اس نجاست سے اپنی ضرورت کے بقدر لے لیتا ہے چلا جاتا ہے۔ لیکن اس سے محبت کرنے والا اسے کسی حال میں نہیں چھوڑتا۔ اور کسی وقت بھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ ابُوسلیمان دارانیؒ کا عہد تھا کہ میرے حکم کے خلاف تو ہرگز نہ کرے گا۔ ایک دن حضرت ابوسلیمانؒ مجلس میں باتیں کر رہے تھے۔ احمدؒ آئے اور کہا، تنوّر تپ گیا ہے، کیا حکم ہے۔ ابوسلیمانؒ خاموش رہے۔ کوئی جواب نہ دیا۔ دو تین دفعہ انہوں نے یہی کہا، جس سے سلیمان کو گرانی ہوئی اور گرانی میں وہ کہہ بیٹھے، "جا اس میں بیٹھ جا"۔ ابوسلیمان کچھ دیر

---

[1] علویات: آسمانی خزانے   سفلیات سے مراد زمین کے خزانے

[2] حضرت جنیدؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ احمد بن ابی الحواری شام کی ریحانہ یعنی شام کے محترم و متبرک آدمی ہیں۔

مشغول رہے۔ باتیں کرتے رہے۔ پھر خیال آیا کہ احمدؒ کو کیا کہہ دیا۔ حاضرین سے کہا، "احمدؒ کو تلاش کرو۔ وہ تنور میں ہوگا۔
خادم جب تلاش کے لیے آئے تو انہیں تنور کے اندر اس حال میں پایا کہ ان کا ایک بال بھی نہیں جلا تھا۔ حضرت احمدؒ
نے فرمایا، محمد بن سماکؒ بیمار ہو گئے۔ ان کا قارورہ لے کر میں نصرانی طبیب کے پاس جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک نہایت
حسین مرد جس کے کپڑے پاکیزہ اور خوشبودار تھے۔ سامنے آیا، کہا، "کہاں جا رہے ہو؟" ہم نے کہا، "فلاں طبیب کے
پاس تاکہ ابنِ سماکؒ کا قارورہ اس کو دکھاؤں۔" اس نے کہا، سُبحان اللہ! خدا تعالیٰ کے دوست کے علاج میں خدا تعالےٰ
کے دشمن کی اعانت چاہتے ہیں۔ اس قارورہ کو زمین پر پھینک دو اور واپس جا کر ابن سماکؒ کو کہو کہ اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھے
اور یہ پڑھے۔ "وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ۔" یہ کہہ کر وہ ایسا غائب ہوا کہ پھر میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ میں
ابنِ سماکؒ کے پاس آیا، انہیں سارا قصّہ سنایا، ابنِ سماک نے اپنا ہاتھ درد کے مقام پر رکھا اور وہ کلام جو اس مرد نے بتایا تھا
پڑھا۔ اسی وقت درد جاتا رہا۔ پھر فرمایا، آں مرد خضر بود۔ وہ مرد خضر علیہ السّلام تھے۔

۵۲۔ حضرة عبداللہ بن خُبَیق ابن سابق انطاکیؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ

صوفیاء کے طبقہ اوّل یعنی اول درجہ کے بزرگوں میں سے تھے۔
ابو محمد ان کی کنیّت تھی۔ ان صوفیاء میں تھے جو تارک الدنیا،
اکل حلال اور ہر حال میں پرہیز گاری اختیار کرنے میں مشہور ہیں اصل میں یہ کوفہ کے رہنے والے تھے، لیکن انطاکیہ[1] میں رہنے لگے۔
تصوّف میں اِن کا دستور وہی تھا جو سفیان ثوریؒ کا تھا، کیونکہ وہ سفیان ثوریؒ کے اصحاب کی صحبت میں رہے تھے۔

فتح بن شحزف کہتے ہیں پہلی دفعہ جب میں نے عبداللہ بن خُبَیقؒ کو دیکھا تو فرمایا، اے خراسانی صرف چار چیزیں ہیں۔ ان
کے سوا اور کچھ نہیں۔ آنکھ[1]، دل[2]، زبان[3] اور خواہش[4]۔ اپنی آنکھ کی حفاظت کر کہ اس سے وہ چیز نہ دیکھ جسے اللہ تعالیٰ
پسند نہیں رکھتا اور اپنی زبان کی حفاظت کر اس سے وہ بات نہ کہہ جو اللہ تعالیٰ تیرے دل میں نہ جانے، یعنی جو تیرے دل
میں نہ ہو وہ زبان سے نہ کہہ اور دل کی حفاظت کر کہ اس میں کسی مسلمان کے لیے دھوکہ، بغض اور کینہ نہ ہو اور اپنی خواہش کی حفاظت
کر کہ کسی نامناسب چیز کی طرف مائل نہ ہو۔ اور جب یہ چار خوبیاں تجھ میں نہ ہوں تو اپنے سر میں خاک ڈال کہ تو بدبخت ہو
گیا۔ اور فرمایا، ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک عالم یہ کہتا تھا۔ اے میرے رب! میں کئی مرتبہ تیری نافرمانی کرتا
ہوں، مگر تو مجھے سزا نہیں دیتا یعنی کتنے عرصہ سے میں گناہ کر رہا ہوں، لیکن تو مجھ پر اپنی گرفت نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] انطاکیہ: شام کے علاقہ میں بہت اہم شہر ہے۔ پاکیزہ ہوا، خوبصورتی، خوشحالی، پانی کی مٹھاس اور پھلوں کی کثرت کی وجہ سے
مشہور ہے۔ ابو عبیدہ عامر ابن الجراح نے اس کو فتح کیا۔

بنی اسرائیل کے ایک نبی کو وحی بھیجی کہ اس سے جاکر کہہ کہ "میں نے تجھے کئی مرتبہ سزا دی، لیکن تجھے اس کا پتہ نہ چلا، کیا میں نے اپنی مناجات کی لذّت تجھ سے نہیں چھین لی؟ الفاظ ہیں، "اَلَمْ أَسْلُبْكَ حَلَاوَةَ مُنَاجَاتِي"۔

۵۳۔ سہل بن عبداللہ تستری[1] قدس اللہ تعالیٰ و سرہٗ

وفات محرم ۲۸۳ھ بعمر ۸۰ سال۔ صوفیاء کے دوسرے طبقہ سے تھے۔ ابو محمد کنیت تھی۔ مشائخ اور علماء میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ایسے امام ربانی تھے جو اقتدار، پیروی کے لائق تھے۔ ان کے حالات نہایت قوی تھے، مگر بات یعنی توحید میں کمزور تھے۔ ذوالنون مصریؒ کے مرید تھے اور اپنے ماموں محمد بن سوّار کی صحبت سے فیض یافتہ تھے۔ حضرت جنیدؒ کے ہم زمانہ تھے، مگر حضرت جنیدؒ سے پہلے انتقال فرما گئے۔

سہلؒ کہتے ہیں کہ میں تین سال کی عمر سے اپنی رات کو زندہ رکھتا ہوں اور نماز پڑھنے میں گزارتا ہوں۔ میں اپنے ماموں محمد ابن سوار کو نماز میں دیکھتا تو وہ کہتے سہل! جا سو جا کہ میرے دل کو تو مشغول رکھتا ہے۔ ایک دن مجھے کہا، "کچھ اپنے پیدا کرنے والے کی یاد نہیں کرتا؟" میں نے کہا، "کیسے یاد کروں؟" فرمایا، "ہر رات اپنے سونے کے کپڑوں میں اپنے دل میں تین دفعہ کہہ کہ زبان نہ ہلے۔ اَللّٰهُ مَعِيْ، اَللّٰهُ نَاظِرِيْ، اَللّٰهُ شَاهِدِيْ[2] میں نے کئی رات ایسے ہی کیا، پھر انہیں اپنا حال بتایا۔ میرا حال سن کر ماموں جان نے فرمایا،" اب ہر رات کو سات مرتبہ کہا کر۔" کئی رات میں نے ایسا کیا، پھر انہیں اپنا حال بتایا تو فرمایا، اب گیارہ مرتبہ کہا کر۔" کچھ عرصہ ایسا ہی کرتا رہا اور میں نے اپنے دل میں اس ذکر کی لذّت کو محسوس کیا۔ جب اس ورد پر ایک سال گزر گیا، تو انہوں نے فرمایا، جو میں نے تجھے بتایا ہے اس پر مداومت کر یعنی پابندی سے کرتا رہ۔ یہاں تک کہ تو قبر میں پہنچ جائے کہ یہ عمل تجھے دنیا و آخرت میں نفع دے گا۔" کچھ عرصہ بعد ماموں جان نے یہ فرمایا، "مَنْ كَانَ اللّٰهُ مَعَهٗ وَهُوَ نَاظِرُهٗ وَشَاهِدُهٗ يَعْصِيْهِ؟ وَاِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةِ" جس کے ساتھ اللہ ہو اور وہ اس کو دیکھ رہا ہو اور وہ ہر وقت اس کے ساتھ ہو بھلا وہ اس کی نافرمانی کرے گا؟ خبردار جہاں تک ممکن ہو اس کی نافرمانی نہ کرنا اور ہمیشہ اس کی معصیّت سے بچتے رہنا۔

لوگوں نے حضرت سہلؒ سے پوچھا، بدبختی کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا، "وہ تجھے علم دے، مگر عمل کی توفیق نہ دے، عمل کی توفیق دے، مگر اخلاص نہ دے کہ تو عمل کرے اور بے کار کر دے۔ یعنی اخلاص نہ ہونے کے سبب تو اس عمل کو

---

[1] تستر شیراز کے توابع سے ہے اور سہل بن عبداللہ یہاں کے رہنے والے تھے۔

[2] "اللہ میرے ساتھ ہے۔ اللہ مجھے دیکھنے والا ہے۔ اللہ میرے پاس موجود ہے۔" اس قسم کی مشغولی مراقبہ کے طریقہ کے متضمّن ہے۔

ضائع کر دے۔ نیک بندوں کی زیارت وصحبت دے اور تجھے قبول نہ بخشے۔"

لوگوں نے عتبہ غلامؒ سے پوچھا، نیک بختی اور بدبختی کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا، نیک بختی یہ ہے کہ تجھے خوب عبادت کی توفیق دے اور اس میں حضورِ قلب کی دولت دے دے۔ اور بدبختی کی نشانی یہ ہے کہ تجھے زیادہ عبادت کی توفیق ملے مگر حضوری نہ دے۔ عتبہ غلامؒ نے یہ بھی فرمایا، بدبختی دوست کی معرفت کے ساتھ دوست تک نہ پہنچنا ہے نہ کہ دوزخ میں پہنچنا۔ یعنی دوزخ میں جانا بدبختی نہیں ہے، بلکہ معرفت کے ساتھ خدا تعالیٰ کا وصل نہ ہونا بدبختی ہے اور خوش قسمتی معرفت کے ساتھ دوست سے مل جانا ہے نہ جنّت میں پہنچ جانا۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، بدبختی یا بدقسمتی کی سب سے زیادہ روشن نشان دن کا ضائع اور بے فائدہ گزر جانا ہے۔ جو شخص ترقی میں نہیں وہ نقصان اور گھاٹے میں ہے۔

حضرت سہلؒ نے فرمایا "اَوَّلُ هٰذَا الْاَمْرِ عِلْمٌ لَا يُدْرَكُ وَآخِرُهٗ عِلْمٌ لَا يَنْفَدُ۔" اس کام کی ابتدا ایسا علم ہے جس کا پتہ نہیں چلتا۔ اور اس کا آخر ایسا علم ہے جو ختم نہیں ہوتا، یعنی اس کام کی ابتدا ایک علم ذوقی ہے کہ خود اس تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کام کا آخر وہ ایسا ذوقی علم ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ کہ ایک ذوق دوسرے ذوق کے ساتھ ہوتا۔ اور ذوق پر ذوق بڑھتا رہتا ہے۔

حضرت سہلؒ نے فرمایا، "مَا دُمْتَ تَخَافُ الْفَقْرَ فَاَنْتَ مُنَافِقٌ"۔ جب تو فقر و تنگی سے خائف (ڈرتا) ہے گا تو منافق رہے گا، کیونکہ ظاہر میں تو آیت، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ کا اعتراف و اقرار کرتا ہے اور اپنے باطنی حال کے اعتبار سے تو اس آیت کا انکار کرتا ہے اور تیرا دل اس پر ایمان نہیں رکھتا۔

اور فرمایا، جو درویش اس کے دل کی حلاوت میں سے کوئی چیز لوگوں کے ہاتھ نہیں آتی اس سے ہرگز فلاح نہیں آئے گی۔ یعنی جس کے پاس رہنے والے اپنے اندر اس کی قلبی کیفیات میں سے کچھ نہ پائیں اس سے ہرگز فلاح و کامرانی نہ آئے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا۔ کے متعلق فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے اور محض اپنی عنایت اور لطف سے مجھے زبان دے جو تیری بات کہے اور تیرے علاوہ دوسرے کی بات نہ کہے۔[1][2]

---

[1] اس میں سلطان کی تفسیر زبان کے ساتھ اس بناء پر ہو سکتی ہے کہ سلطان کے معنی غلبہ کے ہیں اور زبان دشمن پر غلبہ کا آلہ و ذریعہ ہے۔ اور نصیر سے مراد مددگار ہے اور زبان آدمی کی معین جب ہو گی جبکہ وہ حق سے کہے اور غیرِ حق سے نہ کہے۔ (معین کے معنی مددگار)

[2] یعنی اس آیت کے معنی اس طرح بیان کیے ہیں کہ مجھے اپنی خاص عنایت اور لطف سے وہ زبان بخش دے جو تجھ سے کہے اور تیرے غیر سے نہ کہے۔

اور اس آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ [1] کے متعلق فرمایا "عدل کا مطلب یہ ہے کہ نعمت کے لقمہ میں ساتھی کے ساتھ تو انصاف کرے اور احسان یہ ہے کہ لقمہ میں تو اسے اپنے سے زیادہ حق دار جانے" یعنی عدل میں یہ بھی شامل ہے کہ لقمہ میں بھی رفیق کو اپنے برابر رکھے اور ساتھی کو اپنے پر ترجیح دینا احسان میں شامل ہے کہ خود کو کم کھلائے اس کو زیادہ کھلائے۔ رفیق کا انصاف اور اس کی ترجیح دونوں اس آیت کے معنی میں شامل ہیں، ورنہ آیت کا مضمون ہر قسم کے عدل و احسان کو شامل ہے۔

اور فرمایا، "جو شخص صبح کو اٹھے اور اس کی فکر یہ ہو کہ کیا کھائے گا، اس سے تو اپنے ہاتھ دھو لے، یعنی وہ دنیا دار ہے، تجھے اس سے نسبت نہ ملے گی" اور فرمایا "جو شخص بھوک کی حالت میں سوتا ہے شیطان اس سے بھاگتا ہے"

اور فرمایا، "مبارک بادی ہے اس شخص کے لیے جو اس کے دوستوں کو تلاش کرتا ہے۔ اگر اس نے پالیا تو اس نے نور پالیا۔ اگر طلب میں مر گیا تو اس نے شفیع پالیا" [2]

ان سے پوچھا، "جو مسلمان کافر ہونے کے زیادہ قریب ہے وہ کون ہے؟" فرمایا "ممتحن بے صبر" یعنی وہ شخص، جو آزمائش کے دور اور امتحان میں ہو، مگر وہ صبر نہ کرتا ہو [3]"

حضرت سہلؒ سالہا سال بواسیر کی بیماری میں مبتلا رہے، حالانکہ بہت بیمار ان کی دعا سے تندرست ہو جاتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "کیا تم جانتے ہو ایسا کیوں تھا؟" شیخ الاسلامؒ نے خود ہی فرمایا، اس لیے کہ وہ مخلوق کے لیے تو شفیع (سفارش کرنے والے) تھے اور اپنے لیے باخصومت [4] نہ تھے۔ یعنی وہ اپنی بیماری کی شفا کے لیے دعا نہ کرتے

---

[1] بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل، سچائی اور احسان کے کرنے کا۔

[2] اگر اس کے دوستوں کو پالیا نور پالیا۔ کیونکہ ان کی صحبت کے شرف سے طبیعت کی تاریکی اور اس کے تقاضوں سے خلاصی پائے گا اور اگر طلب و تلاش میں مر گیا تو سفارش کرنیوالا پالیا۔ کیونکہ طلب علامت مناسبت ہے اور مناسبت مستلزم شفاعت کی۔ کیونکہ حقیقت شفاعت شفع سے ماخوذ ہے جس کے معنی احکام و احوال میں اپنے سے نسبت رکھنے والے کو اپنے ساتھ ملا لینا ہے۔ جیسے کہ چراغ کی لو سے دوسرے چراغ کو مناسبت کے واسطہ سے روشن کرتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو نماز کی کثرت کا جو حکم دیا ہے یہ مناسبت کے پیدا کرنے کے واسطے دیا ہے۔ اور اس سے مقصد ذریعہ شفاعت کی تحصیل ہے اور سب سے زیادہ بعید مناسبت نبی کی نبوت کا اعتقاد محض ہے اور اسی وجہ سے اس مناسبت کی تاثیر بہت کمزور اور بعید ہے۔

[3] یعنی جس کا حق سبحانہٗ و تعالیٰ فقر و تنگی کے ساتھ امتحان لے رہا ہو تاکہ اس کا حال ظاہر ہو جاوے کہ حکم الٰہی پر صبر کرتا ہے یا بے صبری۔

[4] اگلے صفحہ پر دیکھیں۔

تھے۔ ابونصیر ترشیزیؒ نے مجھے کہا، کہ سہل کی بواسیر کس وجہ سے تھی، حالانکہ ان کی ولایت اتنی تھی۔ میں نے کہا، سہلؒ نے کہا، سہلؒ نے ولایت اس بیماری کی وجہ سے پائیؔ تھی کہ انہوں نے اپنی بیماری کی شفاء کے لیے دعا نہیں کی۔ کہتے ہیں حضرۃ سہلؒ کے مریدوں میں ایک نوجوان (امرد) تھا جس کے منہ پر داڑھی نہیں تھی۔ اس نے اپنے شیخ سہلؒ سے بالوں کی درخواست کی کہ مجھے داڑھی آجائے۔ فرمایا "میرا ہاتھ لے اور اپنے رخساروں پر جہاں تک چاہے پھیر لے۔" اس نے ہاتھ لے کر اپنے رخساروں پر پھیرا تو ان کے ہاتھ کی برکت سے اس کے گالوں پر خوبصورت بال نکل آئے۔

۵۴۔ حضرت عباس بن حمزہ نیشاپوری قدس اللہ روحہٗ

وفات ربیع الاول ۲۸۸ھ۔ ابوالفضل کنیّت تھی۔ قدیم بزرگوں میں سے تھے۔ حضرت ذوالنون و بایزید وغیرہم کی صحبتوں میں رہ کر سلوک حاصل کیا اور حضرت جنید سے پہلے رحلت فرمائی۔ حضرت عباس ابوبکر جنیدؒ کے دادا تھے۔ ابوبکر جنیدؒ کہتے ہیں۔ دادا جان نے مجھے حضرت ذوالنونؒ کا یہ قول سنایا، لَوْ عَلِمُوْا مَا طَلَبُوْا مَا هَانَ عَلَيْهِمْ مَا بَذَلُوْا۔ اگر وہ اپنے مطلوب کی قدر و قیمت کو جان لیں تو اس کے لیے جو کچھ بھی خرچ کریں وہ ان پر آسان ہو جاوے۔ یعنی مطلوب کو پا لینے کی خاطر جو بھی بن پڑے صرف کر دیں۔

اور ابوبکر سعید کہتے ہیں کہ عباس نے کہا، ذوالنونؒ نے فرمایا، "كَيْفَ لَا أَبْتَهِجُ بِكَ سُرُوْرًا وَقَدْ كُنْتُ أَخْطُرُ بِبَالِكَ حِيْنَ رَزَقْتَنِي الْإِسْلَامَ وَفِي رِوَايَةٍ جَعَلْتَنِي مِنْ أَهْلِ التَّوْحِيْدِ"

(ترجمہ) میں تجھ پر کیسے خوش نہ ہوں کہ میں تیرے علم و نظر میں اس وقت موجود تھا جب تو نے مجھے اسلام کی دولت بخشی یا تو نے مجھے اس وقت اہلِ توحید میں سے بنا دیا۔

۵۵۔ حضرۃ عباس بن یوسف الشکلی رحمۃ اللہ علیہ

ابوالفضل کنیّت ہے۔ بغداد کے قدیم مشائخ میں سے ہیں۔ ان کا قول ہے، جو شخص حق سبحانہٗ و تعالیٰ میں مشغول

حاشیہ صفحہ گزشتہ: یعنی اگر سہلؒ اپنے لیے دعا کرتے تو اس کی بناء عدمِ رضاء حق ہوتی کہ وہ اللہ کے فیصلے پر راضی نہیں۔ اس لیے اس کے دور ہونے کی دعا کرتے ہیں اور عدمِ رضا حق تعالیٰ کے ساتھ عین خصومت ہے یعنی بظاہر حق تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کی صورت ہے۔

ؔ ولایت اس بیماری کی وجہ سے پائی تھی، چونکہ سہل نے اس بیماری پر صبر کیا تھا۔

ؔ جو وہ طلب کرتے ہیں اگر اس کی قدر و منزلت کو جان لیں تو جو کچھ بھی اس کے حاصل کرنے میں انہیں قربان کرنا پڑے اور جو کچھ بھی اس کے پالینے میں خرچ کر سکتے ہوں ان پر اس کا کرنا و قربانی کرنا آسان ہو جائے گا۔

ہے۔ اس کے ایمان کے متعلق نہیں پوچھنا چاہیئے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "آج جو کوئی اُسے چھوڑ کر دوسرے میں مشغول ہے۔ یعنی کھانے میں مشغول ہے اور مخلوق میں کل قیامت کے دن وہ (اللہ تعالیٰ) اس سے مشغول ہوں گے۔ یعنی ایسا آدمی کل اس کے دیدار اور دولتِ مشاہدہ سے محجوب رہے گا۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو اس میں مشغول ہیں اور ساری خلقت سے دُور ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اسے چھوڑ کر دوسرے میں مشغول ہیں۔

"أبیات"

أَشْغَلْتُ قَلْبِي عَنِ الدُّنْيَا وَ لَذَّتِهَا
فَأَنْتَ وَالْقَلْبُ شَيْءٌ غَيْرُ مُفْتَرِقٍ[1]

وَمَا تَتَابَعَتِ الْأَجْفَانُ عَنْ سِنَةٍ
إِلَّا وَجَدْتُكَ بَيْنَ الْجَفْنِ وَالْحَدَقِ[2]

میں نے اپنے دل کو دنیا اور اس کی لذّتوں سے فارغ کر لیا۔ پس تو اور دل جدا نہ ہونے والی ایک چیز کی مانند ہے اور جب کبھی اونگھ کی وجہ سے پلکیں مل (بند ہو) جاتی ہیں تو میں تجھے ان پلکوں اور ڈیلوں کے درمیان پاتا ہوں۔

۵۶۔ حضرۃ عباس ابن احمد الشاعر الازدی ان کی کنیت ابوالفضل تھی۔ اپنے وقت میں شام کے مشائخ میں یکتہ و یگانہ تھے۔ قوّتِ گویائی کے مالک ابوالمظفر کرمان شاہیؒ کے مرید تھے۔ ان کا گھر شام کے علاقہ 'رملہ' میں تھا۔ شیخ ابوسعید مالینی حافظ' کہتے ہیں جب شیخ کے انتقال کا وقت قریب تھا۔ میں ان کے سرہانے کھڑا ہوا تھا۔ شیخ کا آخری وقت تھا۔ ان کی جان نکل رہی تھی۔ میں نے کہا، "آپ کا کیا حال ہے؟" فرمایا، پریشان ہوں، سمجھ میں نہیں آتا، کیا کروں؟ اگر جانے کو اختیار کرتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہیں دلیری گستاخی اور دعویٰ کی صورت نہ ہو جائے۔ اگر دنیا میں رہنے کو اختیار کرتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں شوقِ ملاقات میں قصور وار اور دیدارِ الٰہی کو اچھا نہ جاننے والوں میں شمار ہو جاؤں۔ انتظار میں ہوں کہ خود وہ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ شیخ ابوسعیدؒ کہتے ہیں، یہ

---

[1] مطلب یہ ہے کہ میں نے دنیا اور اس کی لذّت سے اپنے دل کو خالی کیا اور جب وہ خالی ہو گیا تو تُو نے اسے اپنا گھر بنایا اور اس میں تو ایسا سمایا، ایسا بسا کہ گویا دل اور تو جُدا نہ ہونے والی ایک چیز ہے۔

[2] غنودگی کے باعث آنکھ کی پلکیں جب بھی آپس میں مل جاتی ہیں تو تجھے اپنی پلکوں اور ڈیلوں کے درمیان پاتا ہوں۔ یعنی میرا اور تیرا اب یہ حال ہے کہ پلک جھپکنے کے بقدر بھی تو میری نظر سے غائب نہیں ہوتا۔

بات سن کر میں باہر آیا ہی تھا کہ وہ رحلت فرما گئے۔

وَلَوْ قُلْتَ لِیْ مُتْ مُتُّ سَمْعًا وَّطَاعَةً
وَقُلْتُ لِدَاعِی الْمَوْتِ اَهْلاً وَّمَرْحَبًا

اگر تو مجھے کہے کہ مر جا میں یہ سن کر حکم کی اطاعت میں مر جاؤں اور موت کی طرف بلانے والے کو اھلاو مرحبا کہوں۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، مالک دینار نزع کی حالت میں تھے، انہوں نے کہا، الٰہی تو جانتا ہے میں نہر کھودنے کے لیے زندگی نہیں چاہتا[1] اور یہ وہ وقت تھا جب بصرہ میں لوگ نہریں کھودتے تھے۔ پھر کہا اگر تُو نے مجھے دنیا میں رہنے کی مہلت دی تو میں تیرے واسطے جیوں گا اور اگر تُو مجھے مار دے گا تو میں تیرے پاس آجاؤں گا اور وہ اسی وقت مر گئے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العٰلمین کے لیے ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "یہ لوگ یعنی اس کے دوست اسی کے واسطے جیتے ہیں اور اسی کے ساتھ جیتے ہیں اور اسی کے واسطے مرتے ہیں اور اسی کے ساتھ اٹھیں گے۔ ساری مخلوق اس لیے جیتی ہے تاکہ کھائیں اور اپنے واسطے جیتے ہیں اور اس کے دوست اس کے واسطے کھاتے ہیں تاکہ زندہ رہیں اور اس کے لیے زندہ رہیں اور اس کے ساتھ زندہ رہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دوست جینے کے لیے کھاتے ہیں۔ اس کے لیے جیتے ہیں نہ کہ اپنے لیے اور اسکے ساتھ جیتے ہیں نہ کہ مخلوق کے ساتھ[2]

۵۷۔ حضرت ابو حمزہ خراسانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

حضرت ابو حمزہؒ کی وفات حضرت نوریؒ و حضرت جنیدؒ سے پہلے اور خراز اور ابو حمزہ بغدادی کے بعد ۲۹۰ھ میں ہوئی۔ مشائخ کے تیسرے درجہ کے بزرگ ہیں۔ نیشاپور کے باشندہ تھے۔ عراق کے مشائخ کی صحبت میں رہے ہے۔ جنیدؒ کے ہم زمانہ ابو تراب نخشبیؒ کی صحبت سے استفادہ کیا۔ سفر میں بھی ان کے ساتھی رہے۔ ابو سعید خرازؒ کے بھی رفیقِ سفر رہے۔ مشائخ میں جوانمردوں میں سے تھے۔

ابو حمزہؒ ایک دن مسجد میں بیٹھے ہوتے تھے۔ جرابوں کی خواہش کی، ایک شخص نے بہت قیمتی کپڑا پیش کیا۔ حضرت ابو حمزہؒ نے اس میں سے پھاڑ کر پاؤں پر لپیٹ لیا۔ لوگوں نے کہا یہ آپ نے کیا کیا، اس کو فروخت کر کے آپ بہت سی جرابیں خرید سکتے تھے۔ فرمایا، وَلَا اَخُوْنُ فِی الْمَذْهَبِ۔ "میں مذہب میں خیانت نہ کروں گا۔ (یعنی صوفیاء کے دستور

---

[1] کہتے ہیں اس زمانہ میں بصرہ میں نہریں کھودی جا رہی تھیں اور وہاں کے عام لوگ نہریں کھودنے جایا کرتے تھے [2] یعنی اللہ کے دوست جینے کیلئے کھاتے ہیں تاکہ اس کیلئے زندہ رہیں اور اس کے ساتھ زندہ رہیں نہ کہ مخلوق کے ساتھ۔

اوران کے طریقہ میں اچھا لباس اور بُرا لباس برابر ہے۔ اس لیے کہ مقصود اصل ضرورت کا رفع کرنا ہے)

صاحب کشف المحجوب نے فرمایا، میں نے متاخرین یعنی بعد میں آنے والے درویشوں میں سے ایک درویش کو دیکھا، بادشاہ نے اس کو سونے کے تین سو مثقال بھیجے کہ اس رقم کو حمام (گرم غسل خانے) بنانے میں خرچ کریں۔ یہ درویش شہر کے حمام میں گئے اور ساری رقم حمام والے کو دے کر چلے آئے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، "اَلتَّصَوُّفُ وَالتَّصَرُّفِ لَایَکُوْنُ"۔ تصوّف، تصرفؔ[1] کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔

دنیا دریغ داشتن و آنرا قیمت نہادن مرد را از تصوف بیروں بردچوں موئے از خمیر۔

دنیا کے لیے غم کھنا اور اس کے نہ ہونے پر حسرت وافسوس کرنا یا اس کو قیمتی سمجھنا مرد کو تصوّف سے ایسا نکالتا ہے جیسے خمیرہ آٹے سے بال کو۔

پس صوفیا نہ تو دنیا کی قدر کرتے ہیں اور نہ اس پر غم کرتے ہیں۔ اگر تو ساری دنیا کو ایک لقمہ بنا کر درویش کے منہ میں ڈال دے تو اسراف نہ ہوگا۔ اسراف وہ ہے جبکہ تو مال کو حق تعالیٰ کے خلافِ مرضی خرچ کرے۔ حق تعالیٰ تجھ سے ترکِ دنیا نہیں چاہتا، وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے دل میں دنیا کی محبّت اور دوستی نہ رہے، "اَلدُّنْیَا مَدَرَۃٌ لَکَ مِنْہَا غَبْرَۃٌ"۔ ساری دنیا مٹی کا ڈھیلہ ہے اور تیرا حصّہ اس میں سے تھوڑی سی گرد ہے۔

شبلیؒ فرماتے ہیں، جو شخص دنیا میں زاہد یعنی بے رغبت ہو۔ اسے سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے میری قدر کی اور اس نے مجھے عزّت بخشی ہے[2]۔ دنیا کی حق تعالیٰ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اگر کچھ قیمت ہوتی تو وہ اپنے دشمنوں کو نہ دیتا۔

۵۸۔ حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ

وفات ۲۸۹ھ۔ تیسرے درجہ کے مشائخ میں سے ہیں۔ محمد ابراہیم ان کا نام تھا۔ اور کہتے ہیں علی بن ابانؒ کے صاحبزادہ تھے۔ سری سقطیؒ کے ہم زمانہ تھے۔ سری سقطیؒ اور بشر حافی کی صحبت میں رہ کر سلوک حاصل کیا۔ ابوتراب نخشبیؒ کے ہم سفر رہے۔ ابوبکر کتانی، خیر النساج وغیرہما ان سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔ ابوحمزہ بغدادی نے جنیدؒ، ابوحمزہؒ اور خراسانیؒ سے پہلے اور ابوسعید خرازؒ کے بعد وفات پائی۔ ابوحمزہؒ نے فرمایا: لَوْلَا الْغَفْلَۃُ لَمَاتَ الصِّدِّیْقُوْنَ مِنْ رَوْحِ ذِکْرِ اللّٰہِ۔ اگر غفلت نہ ہوتی، تو صدیقین اللہ کے ذکر کی راحت وخوشی سے مرجاتے۔

---

[1] تصرّف بوزن تکلّف۔ دخل دینا کسی شے پر قابض ہونا۔ کمی بیشی، تغیر و تبدّل کرنا۔ کسی کام میں ہاتھ ڈالنا۔ پھر جانا۔

[2] یعنی جس کو اللہ تعالیٰ دنیا سے بے رغبت بنادے وہ اپنے زہد کو نہ دیکھے بلکہ زہد سے نظر ہٹا کر اللہ کے احسان پر نظر رکھے کہ اس نے مجھے دنیا سے بے رغبت بنادیا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، تیری یاد سے فکر مند ہوں[1]۔ اپنے علم سے بھاگتا ہوں اپنے پتہ پر ڈرتا ہوں اور خود کو غفلت میں ڈالتا ہوں اور فرمایا، ایک وقت ہو کہ کوئی مجھے ھذل[2] اور غفلت میں تھوڑی دیر اس بوجھ سے مشغول رکھے جو مجھ پر ہے تاکہ کچھ آرام کروں اور امید رکھوں کہ تمام گناہوں پر نجات پالوں گا۔

شیخ ابوعبداللہ خفیفؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ عبدالرحیم اصطخریؒ کتوں کے رکھنے والوں کے ساتھ جنگل میں کیوں جاتے ہیں؟ فرمایا، تاکہ اس وجود[3] کا بوجھ جو ان پر ہے اس سے کچھ دیر دم لے لیں۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، لذت و خوشی طلب میں ہے۔ یافت میں خوشی نہیں۔ یافت میں تصادم[4] ہے کہ کہیں تجھے توڑ نہ دے۔ یہ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا،

وِجْدَانُکُمْ فَوْقَ السُّرُوْرِ وَفَقْدُکُمْ فَوْقَ الْحُزْنِ

مرتبۂ یافت مرتبہ سرور سے بلند ہے۔ پس اس مرتبہ میں سرور مقصود ہے اور مرتبہ فقد و نایابی یعنی نایافت غم سے اُوپر ہے۔ پس سرور اور خوشی مقام طلب میں ہوگی۔

ابوحمزہؒ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاھِلِیْنَ"۔ جاہلوں سے دور رہ اور جاہلوں میں سب سے بڑا جاہل نفس ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ تو نفس سے دور رہے۔ حضرت ابوحمزہؒ نے فرمایا: حُبُّ الْفُقَرَاءِ شَدِیْدٌ وَلَا یَصْبِرُ عَلَیْہِ اِلَّا الصِّدِّیْقُ۔ یعنی فقراء کی دوستی وارادت مندی اور اس کے لوازم کا بجا لانا مشکل اور سخت کام ہے اور اس سخت کام پر وہی آدمی صبر کرے گا یعنی ثابت قدم رہے گا جو نیک کردار اور راست گفتار ہوگا[5]۔

---

[1] حاصل یہ ہے کہ جب تیری یاد کرتا ہوں۔ علم سے دور رہتا ہوں اور کشف کے ساتھ معلّق ہو جاتا ہوں۔ کشف کے حاصل ہو جانے کے بعد استہلاک اور قویٰ کے معطل ہونے کے خوف سے اپنے پتہ پر ڈرتا ہوں کہ وہ پھٹ نہ جائے اور جب مجھے یہ اندیشہ ہوتا ہے تو خود کو غفلت میں ڈال لیتا ہوں۔ یعنی کَلِّمِیْنِیْ یَا حُمَیْرَا کہتا ہوں۔ اے حمیرا مجھ سے باتیں کر تاکہ بار وجود کچھ ہلکا ہو اور میں کچھ دیر کے لیے دم لے لوں۔ وجود سے مراد یافت اور شہود ہے۔ حمیرا حضرت عائشہؓ کا لقب ہے اس لقب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بلاتے تھے۔

[2] ھذل کے معنی ہنسی، مزاقیہ کلام، دل لگی اور مسخرہ پن ہے۔ غفلت کے معنی بے توجہی اور بھول ہے۔

[3] وجود یافت یا مشاہدہ کو کہتے ہیں۔ [4] یافت میں تصادم ہے مطلب یہ ہے کہ صدمہ یا تصادم میں دو چیزوں کا آپس میں ٹکراؤ ہوتا ہے۔

[5] یعنی فقراء کی محبت اور ان کے مرید ہونے کا حق وہی ادا کرے گا جو قول و عمل میں سچا اور پکا ہوگا اور ان حضرات کی محبت کی سختیاں وہی برداشت کرے گا جو دل سے اس راہ کو اختیار کرے گا۔

جس وقت ابوحمزہؒ شہر طرطوس پہنچے تو وہاں ان کے لیے قبولِ عظیم ظاہر ہوا۔ وہاں کے لوگ ان کی طرف خوب متوجہ ہوئے۔ یعنی طرطوس والوں نے ان کی طرف خوب رجوع کیا۔ اچانک سکر یعنی مستی و بے خودی کی حالت میں ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل گئی جس کی حقیقت کو یہ لوگ سمجھ نہ سکے تو انہی لوگوں نے ان پر حلول[1] اور زندیق ہونے کی شہادت دی اور انہیں طرطوس سے نکال دیا۔ ان کے مال مویشی لوٹ کر لے گئے اور شور مچاتے تھے کہ "لوٹ لو انہیں کہ یہ زندیق کے مویشی ہیں"۔ جب حضرت ابوحمزہ طرطوس سے چلے تو یہ بیت پڑھا۔

لَکَ فِی قَلْبِی الْمَکَانُ الْمَصُوْنُ
کُلُّ عَتْبٍ عَلَیَّ فِیْکَ یَھُوْنُ

میرے دل میں تیری جگہ اتنی پختہ و مضبوط ہے کہ تیری خاطر جس قدر بھی مجھ پر سختیاں آجائیں مجھ پر وہ آسان اور حقیر ہیں۔ یعنی میرے دل میں تیرے لیے جو جگہ ہے وہ غیر کے آنے سے بالکل محفوظ ہے جو تکلیف اور مصیبت تیرے راستہ میں مجھے پہنچتی ہے۔ مجھ پر آسان گزرتی ہے اور ابوحمزہؒ نے کہا ہے:

"حُبُّ الْفُقَرَاءِ شَدِیْدٌ وَ لَا یَصْبِرُ عَلَیْھِمْ اِلَّا صِدِّیْقٌ"[2]

۵۹۔ حضرۃ حمزہ بن عبداللہ العلوی الحسینی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ کئی سال تک توکل رصرف اللہ کے بھروسہ پر) جنگل میں گھومتے رہے۔ کہتے ہیں آبادی میں رہتے ہوتے برسوں زمین پر کمر نہیں لگائی اور اپنے سفروں میں نہ لوٹا رکھتے نہ کھانے کا تھیلہ اور نہ ذکر میں سستی کرتے نہ کمی۔ ابوالخیر تیناتیؒ کے مرید تھے۔ جنگل میں وہ خالی پیٹ (بھوکے) رہتے تھے۔ معلوم[3] سے پیٹ بھرا ہوا تھا۔

حضرت حمزہؒ نے فرمایا: "کہ صوفی کو سفر میں اپنے وہ سارے کام اور سارے وظائف پورے کرنا چاہییں جو وہ حضر میں کرتا ہے۔ کیونکہ صوفی خواہ وہ سفر میں ہو یا حضر میں ایک ہے[4]۔ ان کے لڑکوں میں سے کسی نے شیخ الاسلامؒ سے کہا، کہ میرے والد نے کہا، کہ ابویزیدؒ جو مرو کے صوفیاء میں سے تھے۔ میرے والد مجھے پانچ سال تک ہر روز ان کے پاس بھیجتے

---

[1] حلول کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے اندر خدا تعالیٰ موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مخلوق اور خدا ایک ہے۔ جدا نہیں۔

[2] اس کا ترجمہ و مطلب پچھلی سطور میں گزر چکا ہے۔

[3] معلوم: صوفیاء کی اصطلاح میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس پر اس کی نظر ہو اور "وہ" رکھتا ہو۔

[4] یعنی صوفی کے ہاتھ کا سرمایہ اس مرتبہ میں ہونا چاہیئے کہ سفر و حضر اس کے سامنے یکساں ہو۔

رہے۔ ان پانچ سال کے اندر میں نے ان سے ایک فائدہ حاصل کیا۔ وہ یہ ہے۔ ایک دن مجھ سے کہا جب تک تو اپنی علوی گری یعنی جب تک تو خاندانی بڑائی (تکبر اور غرور) سے محنت کر کے پوری طرح باہر نہیں نکلے گا اس وقت تک تو تصوّف کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔"

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "بات یہی ہے جو حضرت حمزہؒ نے علویؒ سے کہی ــــ کہ جو آدمی خاندانی بڑائی نہ زبان سے ظاہر کرے اور نہ اس پر ناز کرے وہ صوفی ہے ورنہ خاندانی نسبت سے کوئی آدمی کوئی چیز نہیں پاتا۔"

اس کے بعد شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "اس طائفہ کے ایک ہزار دو سو (۱۲۰۰) اماموں کو جانتا ہوں اور ان میں علوی خاندان میں سے ایک اور آدھے یعنی ڈیڑھ علوی کو پہچانتا ہوں۔ جن میں ایک ابراہیم سعد علویؒ صاحب کرامات اور دوسرے حمزہ علویؒ ہیں۔

۶۰۔ حضرت ابو سعید خرّاز[1] رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۲۸۶ھ۔ دوسرے طبقہ کے بزرگ ہیں۔ احمد بن علیؒ نام اور خرّاز لقب تھا۔

کہتے ہیں ایک دن وہ موزہ سی رہے تھے اور پھر اسے ادھیڑ دیتے تھے۔ لوگوں نے کہا، "یہ کیا معاملہ ہے؟" فرمایا، میں اپنے نفس کو مشغول کرتا ہوں[2] اس سے پہلے کہ وہ مجھے اپنے میں مشغول کرے۔

اصل میں وہ بغداد کے رہنے والے تھے، مگر صوفیوں کی محبت میں مصر جا کر رہنے لگے اور وہاں سے مکہ مکرمہ جا کر مقیم ہو گئے۔ جماعتِ صوفیہ کے اماموں اور اجلّۂ مشائخ میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ محمد بن منصور طوسیؒ کے مرید، ذوالنون مصریؒ، ابوعبید بسریؒ، سرّی سقطیؒ، بشر حافیؒ وغیرہم کی صحبتوں سے استفادہ کیا۔ کہتے ہیں فنا و بقا میں سب سے پہلے ابوسعیدؒ نے کلام کیا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "وہ اپنے کو جنیدؒ کے اصحاب اور مریدوں میں ظاہر کرتے تھے، مگر وہ جنیدؒ کے آقا[3] تھے۔ ابوسعیدؒ، حضرت جنیدؒ کے اصحاب و اقران سے ہیں، مگر جنیدؒ سے پہلے وفات پائی اور بعض کہتے ہیں جنیدؒ سے ایک سال بعد ۲۸۷ھ میں وفات پائی۔"

---

[1] خَرَزَ الخُفَّ خَرزاً "موزہ کو سیا۔ خراز موزہ سینے والے کو کہتے ہیں۔

[2] مطلب یہ ہے کہ نفس کو کام میں لگا کر اس کے حواس کو معطّل کرتا ہوں تاکہ وہ مجھے کسی خلافِ شرع کام میں نہ لگا دے۔

[3] آقا کے معنی خواجہ یعنی جنیدؒ سے نسبت میں اونچے تھے۔

حضرت جنیدؒ نے ان کے متعلق یہ کہا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم سے اس حقیقت پر مطالبہ کرے۔ جس پر ابوسعید خرازؒ تھے۔ تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ ہم اس کے جواب سے باہر نہیں آسکتے۔ اس حکایت کو جنیدؒ سے روایت کرنے والے صاحب سے پوچھا گیا آخر ان کا کیا حال تھا؟ فرمایا! اتنے اتنے سال وہ ٹانکے لگاتے رہے، مگر دو ٹانکوں کے درمیان جتنا وقت لگتا ہے۔ اتنے وقت میں بھی حق اس سے فوت نہ ہوا۔ یعنی حق سے غافل نہ ہوا۔

خرازؒ کہتے ہیں، ارادت کی ابتدا ہی سے میں اپنے باطن اور وقت کی حفاظت کرتا تھا۔ یعنی اپنے باطن اور وقت کو ضائع ہونے یا اس میں غیر کی طرف متوجہ ہونے سے اپنے آپ کو بچاتا رہتا تھا۔

ایک دن جنگل بیابان میں آیا۔ میں چلا جا رہا تھا کہ میری گردن کے پیچھے سے کسی چیز کی آواز آئی۔ اپنے دل کو اس کی طرف متوجہ ہونے سے اور اپنی آنکھ کو اس کی طرف دیکھنے سے محفوظ رکھا یہاں تک کہ وہ میری طرف آگئی اور میرے قریب پہنچ گئی۔ میں نے دیکھا کہ دو بڑے درندے میرے مونڈھوں پر آگئے۔ میں نے ان کی طرف نہ دیکھا۔ نہ آنے کے وقت اور نہ اُترنے کے وقت۔"

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "لوگ کہتے ہیں۔ بایزیدؒ سیّد العارفین ہے، مگر حقیقت میں سیّد العارفین حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔ اور اگر آدمیوں میں سے کسی کو سیّد العارفینؒ کہو تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور اگر اس جماعت میں کہو، تو وہ ابوسعید خرازؒ ہے۔ مرتعشؒ کہتے ہیں۔ ہمہ خلق وبال اند بر خراز چوں در چیزے از حقائق سخن گوید۔" خرازؒ جب حقائق کے کسی مسئلہ میں کوئی بات کہیں تو ساری مخلوق ان کے مقابلہ میں کم ہے۔ یعنی درجہ میں خرازؒ سے ناقص معلوم ہوتی ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، مشائخ کے اندر علمِ توحید میں ابوسعیدؒ سے بہتر میں کسی کو نہیں جانتا۔ میرے نزدیک علمِ توحید میں سب مشائخ درجہ میں ان سے کم ہیں۔ واسطیؒ بھی اور فارس علیٰ بغدادیؒ بھی اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات بھی۔

اور فرمایا، "دینے از خراز پُر بود و نیز بسر می آمد۔" شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، دین خرازؒ سے پُر رونق تھا۔ اور خرازؒ پر ہی ختم ہو گیا۔ اور فرمایا کہ قریب تھا کہ خرازؒ اپنی بزرگی کی وجہ سے پیغمبر ہوتے۔" اس کام کے پیشوا اور امام خرازؒ ہیں۔

اور فرمایا، "در ابوسعید خرازؒ زبرگی لنگی ورمی بائیست کہ کسی باؤنمی تواند رفت و در واسطی زیرگی، رحمت ورمی بائیست و در جنیدؒ زبرگی، تیزی درمی بائیست کہ وے علمی بود۔" کاش ابوسعیدؒ کی تیز پروازیں آہستگی ہوتی کہ کوئی شخص ان کے ساتھ نہ چل سکتا تھا اور واسطیؒ کی علمیت میں رحمت و نرمی چاہیئے تھی اور جنیدؒ کی پرواز میں تیزی کی ضرورت تھی کہ وہ علم والے تھے۔ یعنی ابوسعیدؒ کی پرواز کی رفتار بہت تیز تھی یعنی کہ ان پر حال کا غلبہ زیادہ تھا۔ اس بناء پر لوگ انکی باتوں کو نہ پہنچ سکے۔ کاش ان کی حرکت میں آہستگی ہوتی وہ آہستہ آہستہ پرواز کرتے تاکہ اگر وہ بات کرتے تو لوگ ان کی باتوں کو سمجھ سکتے اور واسطیؒ

میں ادنیٰ درجہ کی علمیت تھی۔ یعنی ان کی بات مخلوق کے فہم اور سمجھ کے بقدر نہ ہوتی تھی۔ کاش کہ ان کو مخلوق پر شفقت زیادہ ہوتی تاکہ وہ لوگوں کے فہم کے مطابق بات کرتے یعنی ان کا علم ان کے حال پر غالب تھا اور خرازؒ کا حال ان کے علم پر غالب تھا۔ رہ گئے جنیدؒ، ان کا علم تو کافی تھا، مگر ان کا حال علم کے مقابلہ میں کم تھا۔ اس لیے ان کے حال میں کچھ زیادتی کی ضرورت تھی۔ اور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "خرازؒ غایت است کہ فوق اوکس نیست"۔ خرازؒ وہ انتہا ہے جس کے اوپر دوسرا کوئی نہیں۔

خرازؒ کہتے ہیں، "اول ایں کار قبول ست کہ روے فرامروکند و آخر یافت۔ اس کام کے اندر شروع میں قبول ہے جو آدمیوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا آخر یافت ہے[1]۔

اور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "توحید و یافت" وہ ہے کہ وہ (حق تعالیٰ) جگہ پکڑ لے اور دوسروں کو چھوڑ دے۔ کسی نے کہا، کہ اہلِ غیب نے مجھے کہا کہ شناخت اور یافت نہ سیکھنے کی چیز ہے نہ لکھنے کی (یعنی محض لکھنے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتی۔)

اور فرمایا، میں ایک زمانہ میں اس کی تلاش کرتا تھا۔ خود کو پاتا تھا۔ اب اپنے کو تلاش کرتا ہوں۔ اس کو پاتا ہوں۔ جب تو اسے پائے گا۔ خود سے رہائی پائے گا۔ جب اپنے سے نکلے گا۔ اسے پائے گا۔ پہلے کون ہوگا۔ یہ وہ جانتا ہے۔ جب وہ ظاہر ہوگا۔ تو نہ رہے گا۔ جب تو نہ رہے گا وہ ظاہر ہوگا۔ کون سی چیز پہلے ہوگی یہ وہ جانتا ہے۔"

بایزیدؒ کہتے ہیں، میں اس سے پیوستہ نہیں ہوا۔ جب تک میں اپنے سے منقطع نہیں ہوا اور اپنے سے منقطع نہیں ہوا جب تک اس سے پیوستہ نہیں ہوا۔ پہلے کون ہوا؟ یہ وہ جانتا ہے۔

شیخ ابوعلیؒ سیاہ کہتے ہیں "ماوراء النہریان" کے مشائخ کہتے ہیں تانہ رہی نہ یابی۔ جب تک تو خود سے رہائی نہ پائے گا، اسے نہ پائے گا۔ عراقی حضرات کہتے ہیں۔ تانایابی نہ رہی۔ جب تک تو اسے نہ پائے گا، خود سے رہائی نہ پائے گا۔ دونوں ایک ہیں۔ صراحی پتھر پر گرے یا پتھر صراحی پر گرے، لیکن میں عراقیوں کے ساتھ ہوں۔ یعنی سبقت اور پہل اس کی طرف سے زیادہ اچھی ہے[2]۔

---

[1] یعنی حق تعالیٰ کا قبول خاص آدمی کو چنتا ہے اور دوسروں کو دوسرے کام میں لگا دیتا ہے اور اپنے قرب سے روک دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اس خاص آدمی کے دل میں ایسا تصرف کرتا ہے کہ اس میں غیرِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نہیں رہتا۔

[2] یعنی ان حضرات کے یہاں اس پر اتفاق ہے کہ غیرِ حق سے ٹوٹنا اور منقطع ہو جانا اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ مل جانا ایک وقت میں ہوتا ہے۔ خلاء کے ممتنع نہ ہونے کی بنا پر یعنی مخلوق سے قدرت مذکرہ کا خالی ہونا ہے۔ پس جب غیر سے کوئی خالی ہوگا۔ لازمی طور پر اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

ابوسعید خراز کہتے ہیں "مَنْ ظَنَّ اَنَّہٗ بِبَذْلِ الْمَجْھُوْدِ یَصِلُ فَمُتَعَنٍّ وَمَنْ ظَنَّ اَنَّہٗ بِغَیْرِ بَذْلِ الْمَجْھُوْدِ یَصِلُ فَمُتَمَنٍّ" ۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ وہ محض محنت اور مجاہدہ کے ساتھ واصل بحق ہو جائے گا وہ اپنی جان کو بے فائدہ کھپا رہا ہے اور جس کا یہ گمان ہے کہ بغیر محنت کے اس کو پالے گا وہ محض آرزو اور اُمید پر قائم ہے[1]۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اسے طلب سے نہیں پاتے۔ ہاں اس کا طالب ہونا چاہیئے اور جب تک نہ پالے طلب جاری رکھے۔ حضرت خرازؒ نے یہ بھی فرمایا، رِیَاءُ الْعَارِفِیْنَ خَیْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِیْنَ (ترجمہ: عارفوں کی ریا طالبوں کے اخلاص سے بہتر ہے[2]) اور فرمایا، گزشتہ وقت کا تدارک کرنا باقی وقت کا ضائع کرنا ہے۔ یعنی قبلہ مقصود چاہیئے کہ وہ ضروری ہے نہ گزشتہ وقت، کیونکہ جو وقت گزر گیا وہ منہیات سے گزرا ہوا ہے اور ضروری و نقد وقت حق سبحانہٗ ہے۔" فرمایا، "اس کے یعنی اللہ کے سوا دوسری کسی نعمت پر بھی میں خوش نہیں ہوا ہوں[3]"۔ فرمایا، ایک دن میں حرم میں بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص آسمان سے نیچے اُترا، پوچھا "صدق اور دوستی کی علامت کیا ہے؟" میں نے کہا، "اس کا وفادار رہنا۔" اس نے کہا، "صَدَقْتَ" "تو نے صحیح کہا،" یہ کہہ کر وہ آسمان پر چلا گیا۔ حضرت نے فرمایا، ایک وقت خرازؒ عرفات میں تھا۔ حج کرنے والے دُعا کرتے تھے اور روتے تھے۔ خرازؒ نے کہا، "مجھے بھی آرزو ہوئی کہ میں بھی دعا کروں، میں نے کہا، کیا دعا کروں، یعنی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ جو انہوں نے مجھے نہ دی ہو۔ پھر ارادہ کیا کہ دعا کروں، غیب سے آواز آئی۔ حق کے پالینے کے بعد دعا کرتا ہے، یعنی ہماری یافت اور پالینے کے بعد ہم سے کیا مانگے گا؟"

ابوبکر کتانیؒ نے ابوسعید خرازؒ کو یہ خط لکھا،

"جب سے آپ یہاں سے تشریف لے گئے ہیں، صُوفیوں کے درمیان دشمنی و اختلافات پیدا ہو گئے۔ ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی آپس کی الفت جاتی رہی ہے۔" حضرت ابوسعیدؒ نے اس کا جواب یہ لکھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں حق ہوگا اور ان کے نزدیک اتفاق ہے کہ بحسب ذات کوئی ان دو معنوں میں سے دوسرے پر مقدم ہے۔ ماوراء النہر کے صوفیاء کہتے ہیں انقطاع مقدم ہے اور عراقی صوفیاء کہتے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ پیوستہ ہونا مقدم ہے۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ میں عراقی صوفیا کیساتھ ہوں۔

[1] جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے ساتھ مل جانا اور واصل باللہ ہونا طاقت اور مجاہدہ اور محنت کے ساتھ ہے۔ وہ بے فائدہ مصیبت اٹھا رہا ہے کیونکہ اس کا وصل ان کے فضل کے ساتھ ہے اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا وصل بغیر مشقت اور محنت کے صرف کیے حاصل ہو جائے گا، وہ بے حاصل آرزو کر رہا ہے۔ [2] یعنی جو چیز تمہیں عارفوں کی ریا معلوم ہو وہ تمہارے اخلاص سے بہتر ہے۔

[3] یعنی میری خوشی منعم اور اس کے التفات سے ہوتی ہے نہ کہ نعمت سے۔

"از رشکِ حق است براِیشاں۔ تابایک دیگر موانست نگیرند" حق تعالیٰ کے رشک و غیرت کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو گئی ہے۔ تاکہ یہ لوگ اسے چھوڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ مانوس نہ ہو جائیں۔ ابوالحسن مزینؒ فرماتے ہیں، جس دن صوفیار کے درمیان نوک جھونک اور اختلاف نہ ہو، اس دن کو وہ اچھا خیال نہیں کرتے۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں، نقارِ صوفیار نہ جنگ گری را گویند نقار آنست کہ بایکدیگر گویند کہ کن و مکن۔" صوفیار کی لڑائی جنگ[1] گری کو نہیں کہتے۔ ان کی لڑائی یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کہیں "کر اور نہ کر"۔ یعنی جو ان کی طریقت کے موافق ہوتا ہے اس کا حکم کرتے ہیں اور جو ان کی طریقت کے مطابق نہیں ہوتا، اس سے وہ منع کرتے ہیں۔ تاکہ صحبت کے حق کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں اور وہ اشعار جو خرازؒ سے منسوب ہیں۔ یہ ہیں:

اَلْوَجْدُ يَطْرِبُ مَنْ فِي الْوَجْدِ رَاحَتُهُ[2]
وَالْوَجْدُ عِنْدَ وُجُوْدِ الْحَقِّ مَفْقُوْدٌ
قَدْ كَانَ يَطْرِبُنِي وَجْدِي فَأَذْهَلَنِي
عَنْ رُؤْيَةِ الْوَجْدِ مَنْ بِالْوَجْدِ مَقْصُوْدٌ[3]

شیخ الاسلام، ابوعبدالرحمان سلمیؒ نے اپنی کتاب "مبادی ارادتِ مشائخ" میں ان کے ابتدائی حالات کو جمع کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ جلارؒ نے بیان کیا کہ ابوسعید خرازؒ نے کہا، "میں نوعمری میں بہت خوبصورت تھا۔ ایک آدمی میری محبت کا دم بھرتا تھا۔ وہ مجھے اپنے سے ملنے پر مجبور کرتا تھا۔ اور میں اس سے بھاگتا تھا۔ ایک دن میں تنگ دل ہو کر بیابان میں آ گیا۔ جب کچھ دور چلا۔ اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تو دیکھا، کہ وہی آدمی میرے پیچھے آرہا ہے۔ جب میرے قریب پہنچ گیا،

---

[1] جنگ گری لڑائی جھگڑے کو نہیں کہتے بلکہ صوفیار کے یہاں روک ٹوک کو کہتے ہیں۔

[2] وجد و حال اس شخص کو خوش حال بناتا ہے جو حال میں پیچھے آگیا ہو اور اسکی راحت وجد میں ہو اور حق تعالیٰ کی یافت کے زمانہ میں وجد و حال مفقود ہے۔ یعنی اس حال میں وجد نہیں ہوتا۔ حاصل یہ ہے کہ حق پانے والے کو وجد نہیں ہوتا۔

[3] یعنی گزرے ہوئے زمانہ میں جب کہ مجھے حق تعالیٰ کی یافت حاصل نہ تھی اور میری نظر صرف احوال پر ہوتی تھی۔ اس وقت وجد سے مجھے خوشی ہوتی تھی۔ لیکن اب چونکہ جو کچھ وجد سے مقصود ہے، یعنی حق تعالیٰ شانہٗ، اس کی یافت نے وجد کے دیکھنے سے مجھے بے خبر بنا دیا اور یافت کے بعد اب میں وجد کو نہیں دیکھتا۔ وجد صوفیار کے یہاں حالت بے خودی کو کہتے ہیں خصوصاً وہ حالت و کیفیت جو عشقِ الٰہی میں دل پر اپنی چھا جاتی ہے کہ انسان بے خود ہو جاتا ہے۔ اور اس کے حواس قائم نہیں رہتے۔

تو اس نے کہا، "کیا تو خیال کرتا ہے کہ مجھ سے چھٹکارا پائے گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا، "اَللّٰهُمَّ اَكْفِنِي شَرَّهٗ۔" الٰہی اس کے شر سے مجھے بچائیے۔ اور میرے قریب ایک کنواں تھا۔ میں نے خود کو اس میں ڈال دیا۔ خداوند تعالیٰ نے اس کنویں میں میری حفاظت کی۔ وہ شخص کنویں کے کنارے بیٹھ گیا وہ روتا تھا۔ میں نے کہا، "خداوندا! تو قادر ہے کہ اس کنویں سے مجھے باہر نکال دے اور اس آدمی کے شر سے میری حفاظت فرمائے۔ میں نے دیکھا کہ ایک سانپ نمودار ہوا۔ اس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور مجھے کنویں سے نکال کر باہر ڈال دیا۔ وہ شخص میرے سامنے آیا، میرے ہاتھ پاؤں چوم لیے اور مجھ سے معذرت چاہنے لگا۔ اور کہا مجھے قبول کر کہ میں تیری خدمت میں رہوں۔ اور پھر وہ اپنی ارادت میں اس قدر صادق اور پختہ رہا کہ مجھے اس کی پختگی دیکھ کر اس کے بے انداز صدق و خلوص پر جو اس کی طرف سے میں دیکھتا تھا، مجھے رشک ہوتا تھا۔ ساری عمر وہ میرا مصاحب رہا اور اس نے میرا ساتھ اس وقت چھوڑا جب وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

۶۱۔ حضرت اَحنَفْ اَلْہَمْدَانِی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

یہ ہمدان کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ اپنا حال بتاتے ہوئے انہوں نے فرمایا، میری ابتدائے کار اس طرح ہوئی کہ میں صحرا میں اکیلا رہ گیا۔ نیاز مندی سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا، "خداوندا! میں کمزور ہوں، عاجز ہو کر اس جگہ تیرا مہمان بن کر آیا ہوں۔" جب میں یہ کہہ چکا تو دل میں آواز آئی۔ وہ مجھے کہتے ہیں، تجھے کس نے بلایا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ "میرے رب یہ تیرا وہ جہان ہے کہ طفیلی کی گنجائش رکھتا ہے۔" اچانک مجھے پیچھے سے کسی نے آواز دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا، اونٹ پر سوار ایک دیہاتی مجھے کہہ رہا ہے، "او عجمی تو کہاں جاتا ہے؟" میں نے کہا، "مکہ جا رہا ہوں۔" بولا "تجھے بلایا ہے؟" میں نے کہا، "مجھے خبر نہیں۔" اس نے کہا، "کیا اس نے حج کی راہ میں استطاعت شرط نہیں کی ہے؟" میں نے کہا، "ہاں شرط کی ہے۔ لیکن میں تو طفیلی ہوں۔ بولا، "تو بہت اچھا طفیل ہے۔ اس کا جہان فراخ ہے۔" پھر کہا، "اس اونٹ کی دیکھ بھال کرے گا، میں نے کہا "ہاں کروں گا۔" میری بات سن کر وہ اپنے اونٹ سے اُترا اور اونٹ میرے حوالے کیا اور کہا، "برو بجانب خدا تعالیٰ۔" اچھا! تو پھر جا تو خدا تعالیٰ کے گھر (اور میں اس پر سوار ہو کر خدا تعالیٰ کے گھر مکہ پہنچ گیا۔)

۶۲۔ حضرت ابوشعیب اَلْمُقَنَّعْ رحمۃ اللہ تعالیٰ

ان کا نام صالح ہے۔ مصر کے رہنے والے تھے۔ ابوسعید خرازؒ کے زمانہ میں ہوتے ہیں۔ ستر حج پیدل چل کر کیے۔ ہر حج میں بیت المقدس سے احرام باندھتے اور تبوک کے راستہ توکل پر یعنی بغیر خورونوش کا سامان لیے مکہ تک سفر کرتے تھے۔ کہتے ہیں سب سے آخری حج میں انہوں نے جنگل میں ایک کتا دیکھا۔ اس کی زبان پیاس کی وجہ سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ کتے کا یہ حال

دیکھ کر ان سے نہ رہا گیا۔ اونچی آواز سے کہا، کوئی ہے جو میرے ۷۰ حج ایک پیالہ پانی کے بدلے خرید لے۔ ایک شخص پانی لیے سامنے آیا۔ ان کو پانی دیا اور انھوں نے اس کتے کو دے دیا، اور فرمایا، میرے لیے یہ عمل میرے ستّر حجوں سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا، ہر زندہ چیز کی جان بچانے اور اس کی تکلیف دور کرنے میں اَجر ہے۔ فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ حَرّیٍ اَجْرٌ (حدیث) ہر جگر والے کی پیاس کی گرمی کا حال معلوم کر کے اس کی غمخواری کرنے میں اَجر ہے۔

۶۳۔ حضرت حمّاد قرشی رحمۃ اللہ علیہ

ان کی کنیّت ابو عمرو اور بغداد کے رہنے والے تھے۔ اونچے درجے کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ ان کے پاس گئے تھے۔ حضرت جعفر خلدیؒ کہتے ہیں، جب کئی دن میں نے حمّاد قرشی کو نہ دیکھا تو میں ان کے گھر آیا۔ وہ نہ تھے۔ میں بیٹھ گیا۔ جب آئے تو میں حجرہ میں گیا۔ وہ کوئی چیز کھانے کی نہ رکھتے تھے۔ اپنی بیوی کے سر سے اوڑھنی اتار کر اور فروخت کر کے کوئی چیز لائے اور ساتھیوں کے آگے رکھ دیا۔ اسی وقت ایک آدمی تیس دینار طلائی لے کر آیا۔ وہ شیخ کو دیتا تھا اور وہ نہ لیتے تھے۔ آخر اُس نے قسم دی، پھر بھی قبول نہ کیا۔ اُس کی بیوی نے گھر میں سے آواز دی۔ آج میری اوڑھنی بیچی ہے اور کچھ خریدا ہے۔ دیکھو کیا کر رہے ہو یعنی یہ ہدیہ کیوں نہیں قبول کر لیتے مگر شیخ نے ایک نہ سُنی۔ جعفر خلدیؒ کہتے ہیں۔ میں جنیدؒ کے پاس گیا اور یہ واقعہ انہیں سنایا۔ جنیدؒ نے حمّادؒ کو بلایا اور کہا اس واقعہ کی حقیقت مجھ سے بیان کر۔

فرمایا، اوڑھنی لے کر بازار گیا۔ دلّال کو دی کہ اسے لے جا کر فروخت کر دے۔ میں نے آواز سنی یہ کام تُو نے ہمارے لیے کیا ہے اس کا جواب تیرے پاس آئے گا۔ وہ تیس دینار اس کا جواب تھے۔ میں نے اس وجہ سے انہیں قبول نہیں کیا۔ "حضرت جنیدؒ نے فرمایا، "اَصَبْتَ" تو نے اچھا کیا کہ انہیں نہ لیا۔ (کیونکہ لینا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تُو نے اپنے عمل کو مقبول جانا اور عمل کے قبول ہونے کا حکم لگانا مناسب نہیں۔)

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، دیکھو نیکی کا بدلہ آنے پر دھوکہ نہ کھانا، اس لیے کہ اس میں احتمال ہے کہیں امتحان مقصود نہ ہو۔

۶۴۔ حضرت ابوالحسن نُوریؒ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

وفات ۲۹۵ھ جنیدؒ سے قبل۔ تاریخ یافعی میں ۲۸۶ھ ہے۔ دوسرے طبقہ کے بزرگوں میں شامل ہیں۔ ان کا نام احمد بن محمد یا محمد بن محمد ہے۔ زیادہ صحیح محمد بن محمد ہے۔ ابن البغوی کی کنیّت سے مشہور ہیں۔ ان کے والد بغشور[1] سے ہیں۔

---

[1] بغشور ہرات اور مرو کے درمیان ایک شہر کا نام ہے۔ ب کا زبر غ ساکن ش پیش واؤ مجہول ساکن را ساکن۔

ابوالحسنؒ بغداد میں پیدا ہوئے اور بغداد ہی میں پرورش پائی۔ سرّی سقطیؒ، محمد علی قصابؒ اور احمد ابی الحواریؒ کی صحبتوں سے استفادہ کیا۔ ذوالنون مصریؒ کو دیکھا تھا۔ جنیدؒ کے ہمعصر تھے۔ لیکن حال میں جنیدؒ سے بہت آگے تھے اور جنید علم میں ان سے بڑے تھے۔ نوریؒ زندگی میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ یا نوری کی زندگی میں عشق و جنوں کا غلبہ تھا۔ واللہ اعلم۔

ایک وقت لوگوں نے جنیدؒ سے صبر و توکّل کے متعلق کوئی بات پوچھی، جنیدؒ نے اس کا جواب دینا چاہا، تو نوریؒ نے چلّا کر کہا، تو صوفیوں کی محنت کے وقت ایک طرف ہٹ گیا اور ان سے علیحدہ ہو کر تحصیلِ علم میں پڑ گیا۔ لہٰذا تُو ہرگز ان حضرات یعنی صوفیا کی بات نہ کر۔

نوریؒ نے حضرت جنیدؒ کے سامنے وفات پائی۔ جب حضرت نوریؒ رحلت فرما گئے تو جنیدؒ نے کہا، ذَهَبَ نِصْفُ هٰذَا الْعِلْمِ بِمَوْتِ النُّوْرِيْ نوریؒ کی موت سے اس علم کا آدھا حصّہ جاتا رہا۔ حضرت نوریؒ ہمیشہ اپنے ہاتھ میں تسبیح رکھتے تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا "تَسْتَجْلِبُ[۱] الذِّكْرَ" کہا، "لَا اَسْتَجْلِبُ الْغَفْلَةَ" کہا اس تسبیح سے تُو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری یاد میں رہے؟ فرمایا، نہیں، بلکہ اس تسبیح کے ساتھ غفلت تلاش کرتا ہوں۔ یعنی خود کو مشغول کرتا ہوں کہ پوری طرح غیبت واقع نہ ہو، کہ عمل سے محروم رہوں۔"

فرمایا، "صفائی عبودیت، تجھے مغرور نہ[۲] بنا دے، کیونکہ اس میں ربوبیّت کی بھول ہے، یعنی جو شخص اپنی عبادتوں کے اخلاص کو نظر میں رکھے گا وہ ربوبیّت کو فراموش کر دے گا۔

لوگوں نے نوریؒ سے پوچھا، آپ نے اللہ تعالیٰ کو کس ذریعہ سے پہچانا۔ فرمایا، "اللہ تعالیٰ کے ساتھ[۳]" لوگوں نے کہا، پھر عقل کیا ہے۔ فرمایا، "وہ عاجز ہے۔ راہ نہیں دکھاتی اور رہنمائی نہیں کرتی، مگر عاجز اور مجبور کی طرف۔" فرمایا جب

---

[۱] تستجلب بنا ہے استجلاب سے۔ استجلاب کے معنیٰ اپنی طرف کھینچنا۔ کسی چیز کو حاصل کرنا اور کسی چیز کو کھنچوا لینا۔

[۲] یعنی صفا عبودیت حق تعالیٰ کی دوستی و محبت جو بندگی اور فرماں برداری کا بڑا پھل ہے۔ چاہیئے کہ وہ تجھے مغرور نہ بنا دے۔ یعنی اس صفائی اور نورانیت پر متوجہ نہ ہونا چاہیئے، کیونکہ غیر کی طرف متوجہ ہونا مستلزم ہے "رب کے بھُولنے کو"۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ صفائی عبودیّت سے مراد عمل کا اخلاص ہو۔ "مطلب یہ ہوگا" چاہیئے کہ خالص عمل تجھے مغرور نہ کر دے کہ تُو عمل کے بعد اس کو دیکھنے لگے، کیونکہ عمل کر کے اس کو دیکھنا غیرِ حق کو دیکھنا ہے اور غیر حق کو دیکھنا مستلزم ہے رب کے نسیان کو۔ مختصر یہ کہ بندگی کی صفائی تجھے دھوکہ میں نہ ڈالے، کیونکہ اس میں خداوند تعالیٰ کو بھُول جانا ہوتا ہے۔

[۳] یعنی اللہ کو پہچانا اس سے کہ وہ حق خود بخود ظاہر ہوا۔ اپنی عقل اور اپنی فکر سے وہ نہیں پہچانا جاتا۔

اللہ تعالیٰ اپنے کو کسی سے پوشیدہ رکھے گا، تو کوئی چیز، کوئی دلیل اس کو اس تک نہیں پہنچاتے گی۔ الفاظ یہ ہیں، "اِذَا سَتَرَالْحَقُّ عَنْ اَحَدٍ لَمْ یَھْدِہٖ اِسْتِدْلَالٌ وَّلَاخَبَرٌ۔"

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ایک خراسانی نوجوان ابراہیم قصارؒ کے پاس آکر کہنے لگا۔ میں چاہتا ہوں نوریؒ کو دیکھوں۔ فرمایا، وہ کئی سال ہمارے پاس رہا۔ وحشت اور حیرت سے بالکل باہر نہیں نکلا۔ ایک سال تک شہر کے گرد گھومتا رہا۔ اور کسی سے بھی موافقت اور ملاپ نہیں کیا۔ دو سال ویرانہ یعنی اجاڑ جگہ میں کرایہ پر مکان لے کر رہا۔ کبھی سوائے نماز کے گھر سے باہر نہیں نکلا۔ ایک سال تک زبان بند رکھی اور کسی سے بات نہ کی۔ اس جوان نے کہا، کچھ بھی ہو، میں چاہتا ہوں کہ انہیں دیکھوں۔ آخر کار اس کو نوریؒ کی جگہ بتائی۔ جب پہنچا تو نوریؒ نے اس سے کہا، کہ تو کس کی صحبت میں رہا ہے: کہا شیخ ابو حمزہؒ خراسانی کی، فرمایا، وہی مرد جو قرب حق کا نشان بتاتا ہے اور اس کا اشارہ کرتا ہے۔ نوجوان نے کہا، جی ہاں۔ وہی شیخ ابوحمزہؒ۔ نوریؒ نے فرمایا، جب تجھے اس کے پاس جائے اسے سلام کہنا اور کہنا، جس مقام میں ہم ہیں "قرب" بعد ہے۔ شیخ ابن العربیؒ نے فرمایا:

"قرب نہیں کہتے جب تک فاصلہ نہ ہو اور جب تک مسافت اور فاصلہ ہوگا دوئی اپنی جگہ رہے گی۔ پس قرب بعد ہوگا۔

حضرت نوریؒ نے فرمایا، عارف یعنی صاحبِ معرفت کی ایک گھڑی اللہ کے ہاں عام عبادت کرنے والوں کی ہزار سال کی عبادت سے زیادہ قدر و قیمت والی ہے، اور یہ بھی فرمایا، "نَظَرْتُ یَوْمًا اِلَی النُّوْرِ فَلَمْ اَزَلْ اَنْظُرُ اِلَیْہِ حَتّٰی صِرْتُ ذٰلِکَ النُّوْرَ" میں نے ایک دن نور طرف دیکھا۔ میں اسے دیکھتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ میں خود وہ نور بن گیا۔ یعنی ایک دن میں نے دل کی آنکھ نورِ مطلق پر ڈالی اور اس سے نظر نہیں اٹھائی۔ یہاں تک کہ میں وہ نور بن گیا یعنی میری نظر میں اس کے سوا دوسرا کوئی نہیں رہا۔ نورِ مطلق حق تعالیٰ کو کہتے ہیں۔ اس بناء پر کہ وہ خود ظاہر ہے اور اس کے غیر یعنی ساری مخلوق کا ظہور اس کے ساتھ ہے۔

۶۵۔ سیدالطائفہ جنید البغدادی قدس سرہ

وفات ۲۹۷ھ، ۲۹۹ھ۔ دوسرے طبقہ کے بزرگ اور ابوالقاسم کنیت لقب قواری زجاج اور خزّاز تھا۔ قواریری اور زجاج ان کو اس لیے کہتے تھے، کیونکہ ان کے والد شیشہ فروخت کرتے تھے اور خزّاز اس وجہ سے کیونکہ وہ "خز" یعنی ریشم کا کام کرتے تھے۔ کہتے ہیں ان کا اصل وطن "نہاوند" جائے پیدائش و رہائش "بغداد" ہے۔ ابوثورؒ کا مذہب رکھتے تھے۔ بعض حضرات کہتے ہیں جنیدؒ سفیان ثوریؒ کا مذہب رکھتے تھے۔ امام شافعیؒ کے اونچے درجہ کے شاگرد

تھے۔ سری سقطیؒ، حارث محاسبیؒ، محمد قصاب کے صحبت یافتہ اور مرید تھے اور جنید صوفیوں کی جماعت کے امام و سردار تھے۔ خرازؒ، رویمؒ، نوریؒ اور شبلی جیسے اولیاء ان سے نسبت رکھتے تھے۔

ابوالعباس عطار فرماتے ہیں، علمِ طریقت میں ہمارے امام مقتدار و مَرجع جنیدؒ ہیں۔ خلیفۂ بغداد نے رویمؒ کو کہا، او بے ادب، رویمؒ نے کہا، میں کیسے بے ادب ہوں۔ جب کہ آدھا دن میں نے جنیدؒ کی صحبت میں گزارا۔ یعنی جو شخص آدھا دن بھی جنیدؒ کی صحبت میں رہا اس سے بے ادبی نہیں ہوگی۔ پس اس کا کیا حال ہوگا جس نے زیادہ وقت اس کی صحبت میں گزارا ہو۔

ابوجعفر حدادؒ کہتے ہیں، اگر عقل آدمی ہوتی تو جنیدؒ کی صورت میں ظاہر ہوتی۔ مشائخ کا قول ہے کہ اس گروہ میں تین ہوتے ہیں۔ ان کے لیے چوتھا کوئی نہیں ہوا۔ بغداد میں جنیدؒ، شام میں ابوعبداللہ جلاءؒ اور نیشاپور میں ابوعثمان حیریؒ۔

ایک دفعہ بچپن میں جنیدؒ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا، مَا تَقُوْلُ فِی الشُّکْرِ یَا غُلَامِ۔ او لڑکے تو شکر کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ جنیدؒ نے کہا، اَلشُّکْرُ اَنْ لَّا تَسْتَعِیْنَ بِنِعْمِہٖ عَلٰی مَعَاصِیْہِ۔ شکر کا مطلب یہ ہے کہ تو اس کی دی ہوئی نعمتوں سے اس کی نافرمانیوں پر مدد نہ لے[1]۔ یعنی اللہ کی نعمتوں سے اس کی نافرمانی پر مدد نہ لینا شکر ہے۔ یہ سُن کر سریؒ نے فرمایا، مجھے زیادہ اندیشہ ہے کہ تیرا حصّہ تیری اسی زبان سے ہوگا[2]۔ جنیدؒ نے کہا، "میں سریؒ کی اس بات پر ہمیشہ خوفزدہ رہا، تاآنکہ ایک دن میں حضرت سریؒ کے پاس ان کی ضروریات کی اشیاء لے کر آیا، سریؒ نے فرمایا، تجھے بشارت ہو۔ میں نے تیرے واسطے حق سبحانہٗ سے یہ دعا کی تھی کہ الٰہی اس کو فلاح پانے والی یا موافقت کرنے والی دوستی کے ساتھ مجھ تک پہنچا دے۔ جنیدؒ نے کہا، سریؒ نے مجھے یہ حکم دیا۔ محفل لگاؤ اور لوگوں کو بات (توحید یا معارف) سناؤ، مگر میں اپنے نفس کو مُتَّہَم رکھتا تھا اور خود کو وعظ و نصیحت کرنے کا اہل نہیں جانتا تھا۔ تا آنکہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شبِ جمعہ کی کسی شب میں خواب کے اندر دیکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، "کَلِّمْ عَلَی النَّاسِ۔ لوگوں کو اپنی بات سنا"۔ بیدار ہوا اور صبح سے پہلے سریؒ کے گھر گیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ انھوں

---

[1] شکر یہ ہے کہ تو حق تعالیٰ سبحانہٗ کی نعمتوں کے ساتھ معاصی اور گناہوں میں مدد نہ چاہے۔ یعنی اس کی نعمتوں کو صرف اس کی طاعات میں خرچ کرے۔ مثلاً ہاتھ، پاؤں، عقل و دماغ اور دوسری قوتوں سے وہ کام لے جس کے لیے وہ پیدا کی گئی ہیں اور مال وہاں خرچ کرے جہاں اس کی پسند ہو۔

[2] جنید کی یہ بات اس مضمون کے فرمانے کے وقت ان پر صادق نہیں آرہی تھی۔

نے مجھے فرمایا، تو نے مجھے پہچانہ جانا۔ یہاں تک کہ تجھے انہوں نے نہیں فرمادیا؟ پس صبح کے وقت لوگوں کو جمع کیا۔ اور بات شروع کی۔ خبر پھیل گئی کہ جنیدؒ بات کہتا ہے۔ ایک نصرانی نوجوان نصرانیوں کے لباس میں مجلس کے کنارہ بیٹھ گیا اور کہا، اے شیخ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ[1]۔ جنیدؒ نے کہا، اس کی یہ بات سن کر تھوڑی دیر میں نے سر نیچے کیا، پھر سر اٹھا کر اس کو کہا، اسلام لے آ، کہ تیرے اسلام لانے کا وقت آپہنچا ہے۔

امام یافعیؒ فرماتے ہیں، "لوگ اس واقعہ میں جنید کی ایک کرامت جانتے ہیں اور میں کہتا ہوں اس میں ان کی دو کرامتیں ہیں۔ ایک اس کے کفر پر ان کا باخبر ہونا۔ دوسری انہیں یہ معلوم ہونا کہ اسی وقت اسلام لے آتے گا۔ لوگوں نے جنیدؒ سے کہا، تو یہ علم کہاں سے کہتا ہے۔" فرمایا، "اگر کہیں سے ہوتا تو ختم ہو جاتا[2]۔"

حضرت جنیدؒ نے فرمایا، تصوّف یہ ہے کہ تو ایک ساعت بے تیمار[3] کے بیٹھے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "بے تیمار کیا ہے؟" "یافت بے جستن و دیدار بے نگریستن"۔ "بے تلاش کے پالینا اور بے دیکھے دیکھ لینا[4] کیونکہ دیکھنے والا دیکھنے میں علّت اور بیمار ہے۔" جو کوئی بینائی اور نظر سے دیکھتا ہے اس کے اور دیکھنے کے درمیان غیر آگیا، جو خرابی و علّت ہے توحید نہیں، فرمایا، مجلسوں[5] میں سب سے زیادہ فضیلت والی اور

---

[1] پرہیز کرو مومن کی فراست سے اس لیے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کو وہ نور بخشا ہے کہ جس سے وہ اندرونی چیزوں اور باطن کے بھیدوں کو معلوم کر لیتا ہے۔

[2] جنید سے پوچھا گیا کہ تو علم یعنی علمِ تصوّف کہاں سے کہتا ہے۔ فرمایا، اگر کہیں سے ہوتا یعنی اگر عمل سے ہوتا یا فکر یعنی سوچ سے ہوتا تو متناہی ہوتا۔ ختم ہو جاتا، ابدی نہ ہوتا، کیونکہ فکر و عمل کا زمانہ قلیل زمانہ ہے اور قلیل زمانہ میں غیر متناہی جس کی کوئی انتہا نہ ہو نہیں سماتا۔

[3] بے تیمار، بے خطر یعنی اس کے سوا دوسرے کا خیال و سوسہ تک نہ آئے۔

[4] بے دیکھے دیکھ لینا، یعنی بے تکلف اور بے تعلّم یعنی بے تکلّف اور بے سیکھے اس کو پالے اور اپنے دیکھنے کو بھی نہ پاوے اس لیے کہ وہ اور اس کا دیکھنا علّت و بیماری ہے یعنی غیر ہے۔ [5] مجلسوں میں سب سے زیادہ شریف اور سب سے زیادہ بزرگ وہ مجلس ہے۔ جب آدمی غیرِ حق سبحانہٗ سے دل کو فارغ کرنے کی فکر میں بیٹھے۔ یہ اشارہ ہے حذیفہؓ کی اس بات کی طرف اِجْلِسْ بِنَا سَاعَةً نُؤْمِنْ۔ تھوڑی دیر بیٹھ تاکہ ہم ایمان لائیں یعنی ایمانِ حقیقی حاصل کریں جو غیر سے دل کو یکتا بنا لینا ہے اور یہ مطلب ہے کہ بر آسائم بیار از اغیار۔ اغیار کو چھوڑ کر یار کے ساتھ آرام پکڑیں۔

سب سے اعلیٰ مجلس میدانِ توحید میں غور و فکر کے ساتھ بیٹھنا ہے۔"

فرمایا، اِصْرِفْ هَمَّكَ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ اِيَّاكَ اَنْ تَنْظُرَ بِالْعَيْنِ الَّتِيْ بِهَا تُشَاهِدُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى غَيْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ فَتَسْقُطُ عَنْ عَيْنِ اللّٰهِ۔" —— تو اللہ کا ہو رہ اور اپنی اس آنکھ کو جس کے ساتھ اللہ عزوجل کا تو نے مشاہدہ کیا غیر اللہ کے دیکھنے سے بچا۔ اگر تو ایسا نہ کرے گا تو اللہ کی نظر سے گر جائے گا۔[۱] حضرت جنیدؒ نے فرمایا، یاروں کے ساتھ موافقت کرنا شفقت سے بہتر ہے[۲] شیخ الاسلام نے فرمایا، "طاعت داری بہ از حرمت داری۔" مشائخ کی اطاعت کرنا، ان کے ادب اور تعظیم کرنے سے بہتر ہے۔

جنیدؒ نے فرمایا، لوگ سمجھتے ہیں کہ میں سری سقطیؒ کا مرید ہوں، حالانکہ میں محمد بن علی قصاب کا مرید ہوں، میں نے ان سے پوچھا، تصوّف کیا ہے؟ انھوں نے کہا، معلوم نہیں، لیکن، "خُلُقٌ كَرِيْمٌ يُظْهِرُ الْكَرِيْمُ فِيْ زَمَانٍ كَرِيْمٍ مِنْ رَجُلٍ كَرِيْمٍ بَيْنَ قَوْمٍ كِرَامٍ۔"

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا بڑی سمجھ داری اور مزہ کی بات ہے، کہ پہلے کہا، مجھے معلوم نہیں،[۳] پھر کہا خُلقٌ کریمٌ شریف عادت ہے۔ جسے کریم ظاہر کرتا ہے۔ زمانہ کریم میں کریم لوگوں کے درمیان اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ خُلق کیا ہے[۴]۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ایک وقت جنیدؒ ذوالنون کے ساتھ فلیح مجنون کے پاس پہنچے۔ اس کو کہا، مجھے تو نہیں بتائے گا، یہ تیرا جنون کس وجہ سے ہے۔ اس نے جواب دیا۔ "حُبِسْتُ فِي الدُّنْيَا فَجُنِنْتُ بِفِرَاقِهٖ"۔ میں دنیا میں قید کیا گیا، پس میں اس کی جدائی سے دیوانہ ہو گیا۔ لوگوں نے جنیدؒ سے پوچھا، بلاء یعنی مصیبت کیا ہے، فرمایا،

---

[۱] یعنی چاہیئے کہ تیرے ارادہ اور تیری توجہ کا مرکز حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات خاص ہو اور اس کے سوا کوئی اور چیز نہ ہو۔ احتیاط رکھ کہ جس قوّتِ بصیرت کے ساتھ تُو حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے یا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ تو غیر کا مشاہدہ بالکل نہ کر۔ اگر تو اپنی اس قوتِ بصیرت کے ساتھ حق تعالیٰ کے سوا دوسری کسی چیز کا مشاہدہ کرے گا تو، تو حق تعالیٰ کی نظرِ عنایت سے گر جائے گا۔

[۲] یاروں کے ساتھ موافقت کرنا بہتر ہے۔ شفقت سے اس کا مطلب یہ ہے۔ جس عمل میں یہ حضرات التزام کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ موافقت کرنا زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ شفقت اس کے نہ کرنے کی مقتضی ہو۔

[۳] پہلے کہا میں نہیں جانتا اشارہ ہے اس بات کا کہ اس کی حقیقت مجہول ہے اور اس کے بعد کا کنایہ تصوف کے لوازم کا بیان ہے نہ کہ اس کی حقیقت کا۔ [۴] یعنی اس کی حقیقت کہ وہ خلق کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

"اَلْبَلَاءُ هُوَ الْغَفْلَةُ عَنِ الْمُبْلِيْ" مصیبت و بلاء، بلا بھیجنے والے سے غافل ہو جانا ہے یعنی مصیبت یہ ہے کہ مصیبت بھیجنے والے کو بھول جائے اور تکلیف بھیجنے والے کو چھوڑ بیٹھے۔

شبلیؒ سے پوچھا، عافیت و راحت، کیا ہے؟ فرمایا، "اَلْعَافِيَةُ قَرَارُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰهِ لَحْظَةً" ایک لحظہ (ذرا سی دیر) اللہ کے ساتھ دل کا قرار پکڑنا عافیت پانا ہے۔

ایک شخص نے جنیدؒ سے کہا، خراسان کے بزرگوں کو میں نے اس پر پایا کہ حجاب تین ہیں۔ ایک حجاب مخلوق ہے دوسرا دنیا اور تیسرا نفس ہے۔ جنیدؒ نے فرمایا یہ عوام کے دل کے حجاب ہیں۔ خاص الخاص لوگ دوسری چیز سے محجوب ہیں جو یہ ہیں۔ "رُؤْيَةُ الْاَعْمَالِ وَمُطَالَبَةُ الثَّوَابِ عَلَيْهَا وَرُؤْيَةُ النِّعَمِ"[1] اعمال کو دیکھنا اور ان پر ثواب کا مطالبہ کرنا اور نعمتوں کو دیکھنا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جو کوئی اپنے عمل کو دیکھتا ہے اس کا دل اللہ سے محجوب ہے اور جو شخص عمل کے معاوضہ کی جستجو کرتا ہے اور اس کی فکر میں رہتا ہے۔ ایسے ہی وہ شخص جو انعام دینے والے سے اس کی نعمتوں کو دیکھتا ہے وہ بھی محجوب ہے۔ واسطیؒ نے فرمایا ہے، "مُطَالَبَةُ الْاَعْوَاضِ عَلَى الطَّاعَاتِ مِنْ نِسْيَانِ الْفَضْلِ" طاعات و بندگی کے بدلہ کی امید رکھنا اور اس کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کو فراموش کر دینا ہے۔ اور واسطیؒ نے فرمایا، "اِيَّاكُمْ وَلَذَّاتِ الطَّاعَاتِ فَاِنَّهَا سُمُوْمٌ قَاتِلَةٌ" خبردار طاعات کی لذتوں میں نہ پڑ جانا، کیونکہ یہ لذتیں زہر قاتل ہیں[2]۔

فارسی علیسی بغدادیؒ نے فرمایا ہے "حَلَاوَةُ الطَّاعَاتِ وَالشِّرْكُ سَوَاءٌ" طاعات کی لذت اور شرک دونوں برابر ہیں۔

---

[1] یعنی اپنے نیک اعمال اور عبادات کو پسند کرنا، ان کو اچھی نظر سے دیکھنا اور ان پر ثواب کو طلب کرنا یعنی اچھے بدلہ کی خواہش رکھنا۔ انعام پر نظر رکھنا یہ سب خاص بندوں اور خدا تعالیٰ کے درمیان حجاب ہیں۔ کیونکہ یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کے فضل و احسان کو بھول جانے کی صورت میں پیدا ہوں گی۔ اس لیے جب کوئی شخص اس کے فضل، اس کی نعمتوں اور ان کی اصل کو یاد رکھے گا، تو وہ ان نیکیوں کو نعمت کا شکر خیال کرے گا۔ نہ یہ کہ ان کے ساتھ ثواب وغیرہ کی طلب کریگا۔ کیونکہ ثواب کی طلب اسی صورت میں مناسب ہے جبکہ وہ نعمت کے شکر سے زیادہ عبادت کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بے حساب نعمتوں کے مقابلہ میں جسقدر شکر ضروری ہے اس سے بڑھنا تو بجائے خود ان کے برابر بھی کوئی عبادت نہیں کر سکتا۔ [2] طاعات و عبادات میں لذتوں سے مانوس ہونے سے اپنے کو بچاؤ جو اعمال کے نتیجہ میں حاصل ہوں اسلئے کہ عبادات کی لذتوں میں پڑ جانا عالی مقصد یعنی رضائے حق سے نیچے اتر جانا ہے جو اہل طاعات کے لیے زہر قاتل ہے کیونکہ طاعات کی لذتوں میں پڑ جانا شہود حق سے مانع اور حق سبحانہٗ سے بے رخی کا موجب ہے اور مقصد یہ ہے کہ طاعات میں لذت مطلوب نہ ہو کہ یہ دنیا میں قبول اور اسکی بدلہ کی علامت ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جب تک تو اپنے سے اس عبادت کو پسند نہ کرے گا نہ تجھے یہ اچھی معلوم ہوگی اور نہ تو لذت پائے گا اور نہ اپنے سے کسی چیز کو پسند کرنا شرک ہے۔ عبادت و بندگی، علم و سنّت کی شرط کے ساتھ ایسی طرح ادا کر جیسا کہ تجھے حکم ہے اور اس وقت تو اپنے سے پسند نہ کر، بلکہ اس کے سپرد کر، اور اپنی پسند کو شیطان کے مُنہ پر مار۔

بیت: اِذَا مَحَاسِنِیَ اللَّاتِیْ اَسُرُّ بِہَا ۔ ھِیَ الذُّنُوْبُ فَقُلْ لِیْ کَیْفَ اَعْتَذِرُ

ترجمہ: جب میں اپنی نیکیوں پر خوش ہوتا ہوں تو یہ سب گناہ ہیں۔ پس مجھے بتا کہ میں کیسے معافی مانگوں۔ جنیدؒ سے پوچھا گیا، "کیا عطا بغیر عمل کے ہوتی ہے؟" یَکُوْنُ الْعَطَاءُ مِنْ غَیْرِ عَمَلٍ فَقَالَ کُلُّ الْعَمَلِ مِنْ عَطَائِہٖ یَکُوْنُ۔ جنیدؒ نے فرمایا، ہر عمل اس کی عطا سے ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عمل بھی اس کی عطا ہے، کیونکہ عمل کا وجود اس کے مبادی اور اسباب سب اسی کی طرف سے ہیں۔

۶۶۔ حضرت ابو جعفر بن الکرنبی قدس اللہ سرہٗ

جنیدؒ کے ہم عصر تھے اور کہتے ہیں جنیدؒ کے مشائخ میں سے ہیں۔ جعفر خلدیؒ کہتے ہیں ابو جعفر الکرنبی کی وفات کے دن جنیدؒ ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو جعفرؒ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا، "بُعدست و دوری" یہ کہہ کر ابو جعفر نے اپنا سر زمین کی طرف کر لیا۔ ابو جعفرؒ نے جو کہا، بعد ست و دوری اس کا مطلب یہ ہے۔ "اِنَّ الْحَقَّ اَقْرَبُ اِلَی الْعَبْدِ مِنْ اَنْ یُّشَارَ اِلَیْہِ فِیْ جِہَۃٍ[1]" بے شک حق بندہ کے زیادہ قریب ہے اس بات سے کہ اس طرف اشارہ کیا جائے کہ وہ کسی جہت یا سمت میں ہے۔

۶۷۔ حضرت عمرو بن عثمان المکی الصوفی رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۲۹۲ھ یا ۲۹۱ھ یا ۲۹۶ھ یا ۲۹۷ھ۔ دوسرے طبقہ یعنی صوفیا کی دوسری جماعت کے بزرگ ہیں۔ ابو عبداللہ ان کی کنیت ہے۔ منصور حلاج کے شیخ تھے۔ جنیدؒ کے ساتھ نسبت درست کرتے تھے۔ خرازؒ کی صحبت میں رہے اور ان کے اقران سے ہیں۔ ابو عبداللہ نباجیؒ کے دیکھنے والوں میں سے تھے اور کہا کرتے تھے۔ "جس قدر مجھے ابو عبداللہ نباجی کی صحبت اور زیارت سے فائدہ پہنچا اتنا کسی بزرگ کی زیارت و صحبت سے مجھے نفع نہیں پہنچا[2]۔" علومِ حقائق کے عالم تھے۔

---

[1] ابو جعفر نے کہا بُعد ہے اور دوری، چونکہ جنیدؒ کا فعل موہم تخصیص حق تھا۔ اس وجہ سے ان کو عدم تخصیص کے ساتھ تنبیہ کی اور یہ کہ اس کی نسبت تمام جہتوں کے لیے برابر ہے اس کے لیے بعد نہیں ہے، بلکہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کے قاعدے سے وہ بندہ سے اس سے بھی زیادہ قریب ہے کہ اس کو کسی جہت کے ساتھ اشارہ کریں۔ [2] یہ بات اشارہ کرتی ہے کہ عمرو ابن عثمان مکی کو عبداللہ نباجی کے ساتھ زیادہ مناسبت تھی۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے۔

اصل میں یہ یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کی باتیں دقیق اور مشکل تھیں۔ جو عام لوگوں کی سمجھ سے باہر تھیں۔ اس لیے لوگوں نے انہیں علم کلام کے ساتھ منسوب کیا۔ اور انہیں چھوڑ دیا، مکہ سے نکال دیا۔ یہ جدّہ چلے گئے اور وہاں کا انہیں قاضی مقرر کر دیا گیا۔ کتاب "صفت الصفوة" میں ابن جوزی نے بیان کیا ہے کہ وہ بغداد میں فوت ہوئے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مکہ میں فوت ہوئے، مگر پہلا قول صحیح ہے۔ عمرو بن عثمانؒ نے کہا، اَلْمُرُوَّةُ التَّغَافُلُ عَنْ زُلَلِ الْاِخْوَانِ۔[1] جواں مردی، بھائیوں کی لغزشوں اور خطاؤں سے چشم پوشی کرنے کو کہتے ہیں۔

ابو حفصؒ نے کہا، مروّۃ یہ ہے کہ دنیا کے اندر اپنے بھائیوں کے لیے اپنے جاہ، اپنے مرتبہ و منصب کو اور اپنے مال کو خرچ کرے اور آخرت کے بارہ میں خاص کر انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھے۔ عمرو بن عثمانؒ نے یہ بھی فرمایا، لَا یَقَعُ عَلٰی کَیْفِیَّۃِ الْوَجْدِ عِبَارَةٌ لِاَنَّهٗ سِرُّ اللّٰهِ عِنْدَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔[2] دوستوں کے وجد کی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں ہوتی، کیونکہ وہ مومنوں کے پاس حق کا راز ہے اور جو عبارت کہ بندہ اس میں تصرف کر سکتا ہے ——— وہ حق تعالیٰ کا راز نہیں ہوتا، اس وجہ سے کہ بندے کا تکلف اسرار ربانی سے ہر طرح منقطع ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ:

دوستوں یعنی اہل اللہ کے وجد و مشاہدہ اور یافت کی کیفیت کو الفاظ میں نہیں بیان کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ اہل اللہ کے پاس حق تعالیٰ کا راز ہے اور جس میں بندہ کے الفاظ تصرف کر سکیں۔ وہ راز حق نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ بندہ کا تکلف اسرار ربّانی کی پہونچ سے بالکل عاجز ہے۔

۶۸۔ حضرت شاہ شجاع کرمانی قدس اللہ سرہٗ

وفات ۲۷۰ھ یا ۳۰۰ھ۔ دوسرے طبقہ کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ شاہی خاندان کے شہزادوں میں سے تھے۔ ابو حفص حدادؒ کے رفقاء اور ابو تراب نخشبیؒ، ابو عبداللہ زراع بصریؒ، ابو عبید بصریؒ کے ساتھ صحبت رکھنے والوں سے تھے۔ ابو عثمان حیریؒ کے

---

[1] حاصل یہ ہے کہ مروت یہ ہے کہ دنیا کے اعتبار سے ساتھیوں کے حق میں مال اور جاہ کو خرچ کرے اور آخرت کے اعتبار سے دعائے خیر میں ان کو یاد رکھے۔

[2] وجد۔ لا یقع علی کیفیت سے آخر تک۔ مطلب یہ ہے کہ وجد یعنی یافت یا مشاہدہ کیسے ہوتا ہے اور اسکی کیا کیفیت ہے یہ لفظوں میں نہیں آسکتا اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ مطلب یہ ہے وجدان کی حالت غیر کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ کیونکہ بندہ کی محنت کو اس میں کوئی دخل نہیں اور اس کے حاصل کرنے میں اس کا کوئی بس نہیں اور اس کی دریافت یعنی معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں سوائے ذوق اور وجدان کے، بلکہ ساری ذوقی و وجدانی کیفیات کی دریافت کا بغیر ذوق اور وجدان کے دوسرا کوئی اور طریقہ نہیں۔

پیر تھے۔ آپ قبا یعنی بیش قیمت جُبّہ پہن کر چلتے تھے۔ باب فرغانی، نوری، سیروانی اور حیری طیلسان[1] میں یعنی منقش چادریں چلتے تھے اور دقاق گدڑی پہن کر گرد قوم کے طرز پر یعنی بہادروں کی چال پر چلتے تھے۔

یحییٰ معاذ رازیؒ نے ایک کتاب "تونگری کی فضیلت" فقر پر لکھی تو اس کی مخالفت میں حضرت شاہ شجاع نے "فقر کی فضیلت" تونگری پر لکھی اور اس میں ان کے جواب دیئے۔ اور فقر کو غنا پر فضیلت دی۔ جیسے کہ حقیقت ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، فقر کی فضیلت تونگری پر اس سلسلہ میں تیرے لیے یہ بات تمام اور کافی ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و درویشی کو تونگری پر پسند اور اختیار فرمایا۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پسند و اختیار کو پسند فرمایا۔ شاہ شجاع اپنے زمانہ کے واقعی بزرگ ہوئے ہیں۔

خواجہ یحییٰ عمّار نے فرمایا، "شاہ شاہ بود"۔ شاہ شاہ تھا۔ ایک روز ابوحفص نیشاپور میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ شجاع قبا "قیمتی چوغہ" میں ان کے سرہانے کھڑے ہوئے تھے۔ اس حال میں ان سے کوئی بات پوچھی۔ ابوحفصؒ نے مڑ کر دیکھا تو ان کو قبا میں دیکھا۔ فرمایا، "خدا کی قسم تو شاہ ہے"۔ میں نے کہا، "شاہ ہوں"۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے سوال سے وہ سمجھے کہ یہ سوال اس کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔

ابوحفص نے کہا، "باقبا؟" یعنی قبا میں؟ مطلب یہ ہے کہ فقیری میں قبا یعنی قیمتی لباس نہ چاہیئے، بلکہ سادگی اور شکستہ حالی چاہیئے۔ شاہ نے کہا، وَجَدْنَا فِي الْقَبَاءِ مَا طَلَبْنَا فِي الْعَبَاءِ ہم نے قبا میں اس کو پالیا جسے ہم نے گدڑی میں تلاش کیا۔ یعنی حق سبحانہٗ کے ساتھ خوش رہنے کے حال میں ہم نے اللہ کو پالیا۔

شیخ الاسلامؒ نے ان کی ریاضت کے متعلق فرمایا، چالیس سال تک خواہش یعنی طبیعت کے تقاضہ پر نہیں سوئے۔ ایک دفعہ سو رہے تھے حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ بیدار ہوئے تو یہ شعر کہہ رہے تھے۔

رَأَيْتُكَ فِي الْمَنَامِ سُرُورَ عَيْنِي
فَأَحْبَبْتُ التَّنَعُّسَ وَالْمَنَامَا

(ترجمہ: اے میری آنکھ کی خوشی کے سرمائے میں نے تجھے نیند میں دیکھا اور اس وجہ سے اب میں آرام کرلے اور سونے کو دوست رکھتا ہوں۔)

خلاصہ یہ ہے کہ اے میرے محبوب، میں نے تجھے سونے کی حالت میں دیکھا۔ اب مجاہدوں اور ریاضتوں کی بجائے میں

---

[1] طیلسان ایک قسم کی چادر۔ چھوٹا عمامہ جو عرب کے لوگ اپنے کندھوں پر ڈالتے ہیں۔ گون کو بھی کہتے ہیں۔ منقش چادر۔

عیش یعنی راحت و آرام کی زندگی "بے فکر" ہو کر سونے کا شغل اختیار کروں گا، کیونکہ میری آنکھ نے تجھ کو سونے کی حالت میں دیکھا۔ اس وجہ سے اب میں سونے کو دوست رکھتا ہوں۔

حضرت کرمانیؒ اُس خواب کو دیکھنے کے بعد ہمیشہ سوتے رہتے تھے۔ آنے والے انہیں سوتے ہوئے پاتے یا سونے کی تیاری میں دیکھتے۔ مجنون کا شعر ہے۔

وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْشِیْ وَمَا بِیْ غَشِیَۃٌ
لَعَلَّ خَیَالًا مِّنْكِ یَلْقٰی خَیَالِیَا

میں خود کو بے خودی (سونے) کی حالت میں رکھتا ہوں۔ حالانکہ میں سوتا ہوا نہیں ہوتا۔ یہ اس امید پر کرتا ہوں کہ شاید تیری خیالی صورت میری قوّتِ خیالی میں آجائے۔

حضرت شاہ شجاع ایک دن مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک سائل نے آکر دو سیر روٹی کا سوال کیا، کسی نے ان کا سوال پورا نہیں کیا تو شاہ نے فرمایا کون ہے؟ جو دو سیر روٹی کے عوض مجھ سے پچاس حج خرید لے اور وہ روٹیاں اس فقیر کو دے دے۔ ایک عالم وہاں موجود تھا۔ انھوں نے شاہ شجاع کی یہ بات سُنی تو کہا، اے شیخ! تو شریعت کا استخفاف یعنی اس کے رکن کی بے توقیری کرتا ہے؟ فرمایا، ہرگز نہیں۔ جب میں اپنی قیمت نہیں جانتا تو میں اپنے عمل و کردار کی کیا قیمت سمجھونگا

شاہ نے فرمایا، مَنْ غَضَّ بَصَرَہٗ عَنِ الْمَحَارِمِ وَ اَمْسَكَ نَفْسَہٗ عَنِ الشَّھَوَاتِ وَ عَمَّرَ بَاطِنَہٗ بِدَوَامِ الْمُرَاقَبَۃِ وَ ظَاھِرَہٗ بِاتِّبَاعِ السُّنَّۃِ لَمْ یُخْطَالَہٗ فِرَاسَۃٌ۔

فرمایا، جس نے اپنی آنکھ کو تمام حرام چیزوں کے دیکھنے سے بچالیا اور اپنے نفس کو اس کی ناجائز خواہشات سے روکے رکھا اور اپنے باطن کو دوام مراقبہ سے آباد کیا[1] اور اپنے ظاہر کو اتباع سنّت سے آراستہ کیا۔ اس کے لیے فراست نے خطا نہیں کی یعنی یقیناً ایسا آدمی صاحب فراست ہووے گا۔

۶۹۔ حضرت ابو عثمان حیریؒ رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ربیع الاول ۲۹۸ھ۔ دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا نام سعید بن اسماعیل حیری نیشاپوری ہے۔ اصل میں وہ 'ری' کے رہنے والے ہیں۔ شاہ شجاع کے مرید ابو حفص حداد، یحییٰ معاذ رازی سے صحبت یافتہ ہیں۔ اپنے وقت کے امام و یگانہ تھے۔

---

[1] یعنی اپنے دل کی پاسبانی کرتا رہے۔

[2] حیرہ نیشاپور کا ایک محلہ ہے۔ ابو عثمان اس محلہ میں رہتے تھے۔

نیشاپور کے لوگوں کے پیرو مرشد تھے۔ ابو عثمان شاہ شجاع کے ساتھ مرو سے نیشاپور آئے۔ ابوحفص رحؒ نے ان سے کہا، "یہاں ٹھہر جا، کیونکہ شاہ کے اس جگہ مشاغل بھی ہیں اور اہل و عیال بھی۔ تو اہل و عیال وغیرہ نہیں رکھتا، چنانچہ شاہ واپس چلے گئے۔ اور ابوعثمانؒ ابوحفصؒ کے پاس ٹھہر گئے۔ ابوحفصؒ نے ان کے لیے مجلس کی۔ ربیع الاول ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔

لوگوں نے ابوعثمانؒ سے پوچھا، جواں مرد کون ہیں؟ فرمایا، وہ لوگ ہیں جو خود کو نہ دیکھیں۔ ابوعثمانؒ نے فرمایا، اَلشَّوْقُ مِنْ شَعَائِرِ الْمُحَبَّةِ۔ اللہ سے ملنے کا اشتیاق محبّت کی کھلی یعنی ظاہری نشانیوں اور اس کے لوازمات سے ہے۔ مشائخ ابوعثمان کو امام اور مقتدار ربّانی بھی کہتے ہیں۔ ربانی وہ ہوتا ہے جو اپنے مریدوں اور شاگردوں کو چھوٹے اور آسان علم کے ساتھ تربیّت کرے تاکہ وہ بڑے علم کے لیے قوی ہو جائیں اور ابوعثمان ایسے ہی تھے۔

کیونکہ آسان علم سیکھنے والے آدمی میں مشکل علوم کے فہم کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ پس حسن تربیت اور اسم رب کی مظہریت کی وجہ سے مشائخ ان کو ربّانی کہتے تھے۔ بات میں کمزور اور معاملات[1] بہت اچھی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ توحید کے سمجھانے میں کمزور تھے۔

حضرت ابوعثمانؒ نے فرمایا، اَلتَّهَاوُنُ بِالْاَمْرِ مِنْ قِلَّةِ الْمَعْرِفَةِ بِالْاٰمِرِ کسی حکم میں تہاون یعنی سُستی اور لاپرواہی کرنا اس کی دلیل ہے کہ سُستی کرنے والا حکم دینے والے کو پوری طرح نہیں پہچانتا۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص حکم دینے والے کی عظمت اور بڑائی اور اپنی حقارت اور اپنی کمزوری کو پیشِ نظر رکھے گا۔ مجال نہیں کہ وہ آمر کے حکم میں سُستی اور لاپرواہی کرے۔

۷۰۔ حضرت زکریا ابن دُلویہ رحمۃ اللہ علیہ

وفات نیشاپور ۲۹۴ھ۔ ان کی کنیت ابویحیٰی ہے۔ نیشاپور کے باشندہ ہیں۔ احمد حرب کے مرید ہیں۔ تارک الدنیا، صاحبِ توکل بزرگ تھے۔ لقمہ پاکیزہ میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ خود محنت کر کے کھاتے تھے۔

ابوعثمان حیری رحؒ کہتے ہیں:

ہر کہ چوں ابویحیٰی زید او را اندیشہ مرگ نہ بود و اندیشۂ بعد از مرگ ہم نہ بود۔

جو کوئی یحیٰی کی طرح جیئے گا اس کو اندیشہ مرگ نہ ہوگا اور نہ ہی مرنے کے بعد اندیشہ ہوگا۔ یعنی جو شخص یحیٰی کی زندگی کی طرح زندگی گزارے گا نہ تو اس کو مرتے وقت فکر ہوگا اور نہ مرنے کے بعد۔

---

[1] معاملات سے مراد حقوق اللہ و حقوق العباد کے ادا کرنے میں وہ اچھے تھے۔

ف۔ زیادہ بھی۔ یعنی حضرت زیاد و ابن دلویہ بھی پڑھا جاتا ہے۔

۷۱۔ حضرت زکریا بن یحییٰ الہروی رحمہ اللہ تعالیٰ

وفات ہرات رجب ۲۵۵ھ۔ بڑے مشائخ میں مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

"زکریا از جملہ ابدال است۔ زکریا ابدالوں میں سے ایک ہے۔"

حضرت ابوسعید زاہدؒ کہتے ہیں، میں نے زکریا کی زیارت کی اور ان کی صحبت بھی اختیار کی۔ زکریا صدیقوں میں سے ایک صدیق تھا۔

۷۲۔ حضرت زیاد الکبیر الہمدانی رحمہ اللہ تعالیٰ

شہر ہمدان کے رہنے والے اور حضرت جنیدؒ کی صحبت میں تربیت پانیوالے بزرگ تھے فقیر عالم اور مستجاب الدعوات تھے۔ کہمس ہمدانی کہتے ہیں۔

ایک دن میں جامع مسجد میں گیا، زیادؒ کو دیکھا، محراب میں بیٹھے دعار استسقار[1] کر رہے تھے۔ ابھی دعا رختم بھی نہیں کی تھی کہ اتنی بارش پڑی کہ بارش کی کثرت سے میں اپنے گھر نہ آسکا۔

۷۳۔ حضرت ابوعثمان مغربی قدس اللہ سرہٗ

وفات ۳۷۳ھ۔ پانچویں طبقہ یعنی صوفیار کی پانچویں جماعت میں شمار ہوتے ہیں۔ سعید بن سلّام المغربی نام تھا۔ ابوالحسن صائغ دینوری کے مرید ہیں۔

قیروان مغرب کے ایک گاؤں کے باشندہ تھے۔ کئی سال تک مکہ مکرمہ میں قیام کیا اور وہاں وقت کے سردار اور مشائخ میں یکتائے روزگار تھے۔ آخر یہاں کوئی قضیہ پیش آیا، مکہ مکرمہ سے نیشاپور آگئے اور نیشاپور میں ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔ ابوعثمان حیریؒ اور ابوعثمان نصیبی کی قبروں کے پہلو میں ان کی قبر ہے۔ تینوں کی قبریں ایک دوسرے کے پہلو میں ہیں۔

ابویعقوب نہرجوریؒ کو دیکھا تھا[2]۔ ابوعلی کاتبؒ، حبیب مغربیؒ اور ابوعمرو زجاجؒ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ صاحب کرامات ظاہرہ اور صاحب فراست قویہ تھے۔

حضرت ابوعثمانؒ نے فرمایا، اہل اللہ کے سلسلہ میں میرے آنے کا ابتدائی سبب یہ ہوا کہ میں نے شکار کے لیے ایک گھوڑا اور ایک کتا رکھا ہوا تھا۔ ایک جزیرہ میں ہمیشہ شکار کرتا تھا۔

میں لکڑی کا ایک پیالہ رکھتا تھا۔ جس میں میں دودھ پیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے اس پیالہ سے دودھ پینا چاہا تو میرا کتا بہت بھونکا اور مجھ پر ایسا حملہ آور ہوا کہ مجھے دودھ نہ پینے دیا۔ جب میں نے دوسری مرتبہ دودھ پینا چاہا تو اس نے پھر

---

[1] بارش کی دعا۔

[2] یعنی ان کے درمیان صحبت طویل نہیں ہوئی۔ صرف زیارتیں کی ہیں۔

مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے پھر دودھ چھوڑ دیا۔ اور جب تیسری مرتبہ دودھ پینا چاہا تو اس نے اس پیالہ میں منہ ڈال دیا اور دودھ پینے لگا۔ دودھ پیتے ہی اس کا سارا بدن سُوج گیا اور اسی وقت مر گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اس دودھ میں سانپ کو مُنہ ڈالتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ مجھے دودھ نہیں پینے دیتا تھا۔ میرے نہ سمجھنے پر وہ خود ہی پی گیا اور میری جان بچانے کی خاطر اس نے اپنی جان قربان کر دی۔ یہ دیکھ کر اس کی وفاداری سے میں ایسا متاثر ہوا کہ میرا رجوع اپنے مالک کی طرف صحیح ہو گیا۔ میں نے غفلت اور آزادی کی زندگی سے "توبہ" کی اور اللہ والوں کے طریقہ کو اختیار کیا (اور اس کام میں آگیا)

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوالحسن کوناشانی نے مجھے بتایا کہ ابوعثمان مغربیؒ نے مجھے کہا، "جب دنیا سے رخصت ہوں گا تو فرشتے دھول اڑائیں گے۔

ابوالحسنؒ نے کہا، جب ان کا انتقال ہوا تو میں موجود تھا۔ اس دن نیشاپور میں ایسی دھول اڑ رہی تھی کہ آدمی کو آدمی نظر نہ آتا تھا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوعثمان تیس سال مکہ میں رہا، مگر حرم پاک کی عزّت و ادب کی وجہ سے حرم میں اس نے پیشاب نہ کیا۔ یعنی ابوعثمان پیشاب کرنے کے لیے تیس۳۰ سال تک حدودِ حرم سے باہر نکل کر پیشاب کرتے رہے۔

ابوعثمان نے فرمایا، "لَا یَجِیْءُ هٰذَا الْاَمْرُ اِلَّا بِرَائِحَةِ الدَّمِ"۔ کوئی اس کام کو نہیں پا سکتا، مگر خُون کی بُو کے ساتھ۔

فرمایا، اَلْاِعْتِکَافُ حِفْظُ الْجَوَارِحِ تَحْتَ الْاَوَامِرِ۔ اعتکاف کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے حکموں کے تحت اپنے جوارح یعنی اپنے تمام اعضاء کی حفاظت کرے۔ (اور صورتِ اعتکاف مسجد میں ٹھہرنا ہے۔) اور فرمایا، جو کوئی بھی فقراء اور درویشوں کی صحبت چھوڑ کر مالداروں اور دولت مندوں کی صحبت اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو دل کی موت میں مبتلا کر دیگا۔

اور فرمایا، گناہ کرنے والا بہتر ہے دعوٰی کرنے والے سے، کیونکہ گناہ کرنے والا ہمیشہ اپنی توبہ کے طریقہ اور اس کی راہ کا متلاشی رہتا ہے اور مدعی اپنے دعوٰی کے خیال میں ہمیشہ پاگل اور دیوانہ رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ گناہ کرنے والا ہمیشہ توبہ کی راہ تلاش کرتا ہے۔ توبہ کی جستجو کرنا خود عبادت ہے اور مدعی اپنے دعوٰی کے خیال میں پاگل رہتا ہے اور یہ تضیع اوقات[1] کے مقام میں ہے۔ جو گناہ ہے۔ بس نافرمانی کرنے والا ترقی کر رہا ہے اور دعوٰی کرنے والا تنزّل۔

۷۴۔ حضرت ابوطالب اخمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

مشائخ میں سے تھے۔ ان سے بہت سی کرامات کا ظہور ہوا۔ ابوعثمان مغربی فرماتے ہیں، مَیں نے ابوطالب کو پرندوں سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ ابوعثمان یہ بھی کہتے ہیں، "میں ابوطالب کے ساتھ سفر میں تھا۔ راستہ میں درندوں کا بڑا خوف ظاہر ہوا۔ یہاں

---

[1] ضائع کرنے والا (کرنا)

درندے بہت رہتے تھے۔ میں نے کہا، یہاں سے جلدی سے جلدی نکل جانا چاہیئے، مگر ابوطالب نے رات کو اسی جگہ قیام کیا۔ درندوں کے خوف سے میں تو بالکل نہ سویا، لیکن وہ سو گئے۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو کہا، تو سویا کیوں نہیں؟ میں نے کہا درندوں کے خوف سے مجھے نیند نہیں آئی۔ انہوں نے کہا،

"ہر کرا خوفِ حق بود از ہیچ چیز نہ ترسد"۔ جسے خوفِ حق ہوتا ہے وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا اور چونکہ تو درندوں سے ڈرتا ہے، لہٰذا آئندہ تو میری صحبت میں نہ رہے گا۔ ابوطالب نے یہ کہا اور مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔

حضرت ابوطالبؒ اپنی مناجات میں یہ کہا کرتے تھے "الٰہی اگر تیرا فرمان اور تیرا فضل نہ ہوتا تو کس کی طاقت تھی، کہ اپنی زبان سے تیرا نام لیتا (کیونکہ تو اس سے کہیں برتر ہے کہ کسی کی سمجھ اور سوچ میں آسکے۔

۷۵۔ حضرت طلحہ بن محمد ابن الصبّاح النیلی رحمۃ اللہ تعالٰی

وفات ۳۰۲ھ۔ ابوعثمان حیریؒ کے بڑے مریدوں میں سے تھے۔ ابوعثمان مغربیؒ نے فرمایا، کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے کوئی نصیحت کروں۔ میں پچاس سال سے مخلوق کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں، مگر وہ لوگ اسے قبول نہیں کرتے، طلحہؒ نے کہا، میں چاہتا ہوں کہ آپ نصیحت فرمائیں۔

فرمایا، اپنے عمل پر تہمت رکھ تاکہ وہ قیمت والا بن جائے اور مخلوق کی طرف سے لگائی ہوئی تہمت قبول کر، تاکہ لڑائی ختم ہو جائے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "صحبت باللہ تین چیزیں ہیں۔ اس کے فضل کو دیکھنا، اپنے عیبؒ کو دیکھنا اور مخلوق کی معذوریؒ و مجبوری کو دیکھنا۔ ان تین کے لیے چوتھی نہیں: مخلوق کی معذوری کو دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ،

"ہمہ آں می رود کہ او می خواہد" سب وہ ہو رہا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ یعنی ساری مخلوق اس طور پر چل رہی۔ جو وہ چاہتا ہے۔ سب آدمی اس کے حکم اور قضا و قدرت کے تحت مجبور ہیں۔ اور فرمایا،

"عیب خود بیں تا منّت آید"؛ اپنا عیب دیکھ تاکہ اس کا احسان تجھے یاد آئے۔ مطلب یہ ہے جب کوئی خود کو معیوب دیکھے گا اور جان لے گا کہ میں فی الحقیقت معدوم ہوں اور میں کوئی شے نہیں ہوں۔ تُو خود کو کسی چیز کا مستحق نہ جانے گا اور اس کو جو کچھ بھی پہونچے گا اس کو حق تعالیٰ کے فضل کے ساتھ منسوب کرے گا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوعثمان نصیبیؒ نے کہا، شبلیؒ نے بیان کیا، جب میں مصر کے لیے جا رہا تھا۔ میں نے ابویعقوب میدانی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا،

جَبَرَکَ اللہُ (اللہ تیرا نقصان پورا کرے اور تیرا حال اچھا بنائے) اس کے بدن کا کوئی بال ایسا نہ تھا جس نے

"آمین نہ کہا ہو۔"

۷۶۔ حضرت ابوالعباس بن مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ

وفات ۲۹۹ھ۔ دوسرے طبقہ کے بزرگ ہیں۔ ان کا نام احمد بن محمد بن مسروق ہے۔ طوس کے رہنے والے تھے۔ پھر بغداد میں رہنے لگے اور بغداد میں ہی وفات پائی۔ حضرت جنیدؒ ان کے قصے بیان کرتے اور حکایات سناتے تھے۔

ابوعلی رودباریؒ کے مشائخ میں سے تھے۔ حارث محاسبیؒ، سری سقطیؒ، محمد بن منصور اور محمد بن حسین البرجلانیؒ کے شاگرد اور مرید اور ان حضرات کی صحبتوں سے مستفید تھے۔ اور جماعتِ صوفیہ کے بزرگ اور قدیم مشائخ میں سے تھے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوالعباس مسروقی بغدادی کہتے ہیں۔ شب شنبہ یعنی ہفتہ کی رات کو میں بیٹھتا تھا اور میرے ماں باپ مجھ پر اس مشقت کی وجہ سے روتے تھے جو مجھے جمعہ کی نماز کی وجہ سے پیش آتی تھی۔

میں ہمیشہ بزرگوں کے ساتھ رہتا تھا اور جو باتیں میں ان بزرگوں سے سنتا ان سب پر عمل کرتا تھا اور ان کے پورا کرنے کی وجہ سے اتنا تھک جاتا تھا کہ جمعہ کے بعد آنے والی رات ایسی تکلیف میں گزارتا تھا جو میرے ماں باپ کے لیے ناقابل برداشت ہوتی تھی۔

شیخ ابوالعباسؒ نے فرمایا "مَنْ تَرَكَ التَّدْبِيْرَ عَاشَ فِيْ رَاحَةٍ" جس نے اپنی تدبیر کو چھوڑ دیا اور جان لیا کہ تدبیر مغیرِ تقدیر نہیں ہے۔ یعنی تدبیر تقدیر کو بدلنے والی نہیں ہے اور خود کو تقدیر کے موافق بنا لیا۔ اس کی زندگی کا میدان راحت کے ساتھ طے ہو جائے گا۔ (یعنی زندگی کا دور چین سے گزر جائے گا، کیونکہ اس صورت میں کوئی حادثہ اس کی طبیعت کے خلاف نہ ہوگا۔)

لوگوں نے ابوالعباسؒ سے تصوف کے بارہ میں سوال کیا کہ تصوف کیا ہے۔ جواب دیا۔ خُلُوُّ الْاَسْرَارِ مِمَّا مِنْهُ بُدٌّ وَتَعَلُّقُهَا بِمَا لَيْسَ مِنْهُ بُدٌّ۔ دلوں کا اس چیز سے خالی ہو جانا جس کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے اور دل کا اس کے ساتھ متعلق ہو جانا جس کے بغیر چارہ و گزارہ نہیں اور آدمی کے لیے وہ چیز جس کے بغیر اس کا گزارہ نہیں اور اس کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ ذات حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے، کیونکہ اس کے سوا ہر چیز میں زوال ظاہر ہونے والا ہے۔

۷۷۔ شیخ ابوالعباس مُورّہ زن[1] بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ شیخ نے کہا، اپنے نفس کو مشغول کر اس سے قبل کہ وہ تجھے اپنے یا کسی اور کے شغل میں ڈال دے۔

---

[1] یعنی زنگ زدہ۔

لَقَدْ جَلَبَ الْفَرَاغُ عَلَيْكَ شُغْلًا
وَاَسْبَابُ الْبَلَاءِ مِنَ الْفَرَاغِ

فراغت یعنی نکمّا رہنا تجھ پر مشغولیّت کو کھینچ لائے گی اور بلا و مصیبت کے اسباب فراغت اور خالی رہنے سے آباد کرتے ہیں، یعنی فراغت اور بیکار رہنا تیرے لیے مشغولیّت لائے گا اور نکمّا رہنا تیرے لیے ایسی چیزیں پیدا کرے گا جو تجھے حق سُبحانہٗ و تعالیٰ سے دُور کر کے اپنے میں لگا لیں اور الجھا لیں گی۔ خلاصہ یہ کہ بلاؤں اور مصیبتوں کے تمام اسباب فراغ اور نکمّا رہنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

۷۸۔ حضرت ابوعبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۲۹۹ھ۔ دوسرے طبقہ کے بزرگ ہیں۔ محمد بن اسماعیل نام ہے۔ کہتے ہیں ابراہیم خواص اور ابراہیم بن شعبان، کرمان شاہی، ابوبکر بیکندیؒ کے شیخ اور ابوالحسین علی رزین ہروی رحؒ کے مرید و شاگرد ہیں۔ ابوعبداللہ کی عمر ۱۲۲ سال کی ہوئی اور ان کے شیخ ابوالحسین کی عمر ۱۲۰ سال۔ ابوالحسین عبدالواحد زید بصریؒ کے مرید اور عبدالواحد زید حسن بصریؒ کے شاگرد اور مرید ہیں۔ اللہ ان سب پر رحمت فرماتے۔ ابوعبداللہؒ کی قبر ان کے شیخ ابوالحسین علی بن رزینؒ کے پہلو میں طور سینا کے پہاڑ کے اوپر خرنوت[1] کے درخت کے سایہ میں ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، انہوں نے کبھی اندھیرے کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ مخلوق پر اندھیرا ہوتا تھا، مگر ان پر روشنی ہوتی تھی[2]۔ ان کا قول ہے۔

اس خدا کی قسم جس نے ابوعبداللہ مغربی کو پیدا کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے خواہش کو واپس لے لے تو مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ وہ مجھے اب یہ کہے کہ تو بہشت میں داخل ہو جا اور یہ وہی بات ہے جو علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے کہی تھی۔ اگر مجھے اس بات پر اختیار دیں کہ بہشت میں رہو یا مسجد میں تو میں مسجد میں رہوں۔ کیونکہ بہشت اس کے نزدیک میرا حصہ ہے اور مسجد اس کا حصہ ہے۔ میرے نزدیک یعنی فقیر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ بہشت میں جا کر میں خوش ہوں گا اور مسجد میں رہنے سے وہ خوش ہوگا۔

ایک وقت ابوعبداللہ مغربیؒ کوہِ سینا کی چوٹی پر کچھ باتیں کر رہے تھے۔ باتیں کرتے کرتے یہ کہا، بندہ اس کے ساتھ

---

[1] خرنوت کو خرنوب بھی کہتے ہیں۔

[2] یعنی کوئی چیز ان پر پوشیدہ نہ رہتی تھی اور وہ اس کے متعلق اندھیرے میں نہ رہتے تھے۔

قرب کی کتنی ہی کوشش کرے۔ آخر وہ اپنے کو عاجز اور دُور تر پائے گا۔ اس بات کے اثر سے پہاڑ کی ایک چٹان نے حرکت کی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور میدان میں آگ لگ گئی۔ ابو عبداللہ نے فرمایا، اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ عِمَارَتُ الْاَوْقَاتِ فِی الْمُوَافَقَاتِ اوقات کو احکامِ الٰہی کی موافقت میں آباد کرنا اعمال میں افضل ترین عمل ہے۔

ابو عبداللہ مغربیؒ نے فرمایا، "مَا فَطِنَتْ اِلَّا ھٰذِہِ الطَّائِفَۃُ وَاحْتَرَقَتْ بِمَا فَطِنَتْ"۔ کسی نے نہیں سمجھا، مگر ان حضرات صوفیہ علیہ کی جماعت نے اور وہ جماعت جل گئی اس کے ساتھ جو اس نے سمجھا۔ ابو عبداللہ مغربی دُعا میں کہتے تھے، یَا مَنْ یَعُدُّ الْوِصَالَ

یَا مَنْ یَعُدُّ الْوِصَالَ ذَنْبًا　　کَیْفَ اعْتِذَارِیْ مِنَ الذُّنُوْبِ
اِنْ کَانَ ذَنْبِیْ لَدَیْکَ حُبِّیْ　　فَاِنَّنِیْ مِنْہُ لَا اَتُوْبُ[1]

اے وہ جو وصال کو گناہ شمار کرتا ہے، میں گناہوں سے کیسے معذرت کروں، اگر تیرے نزدیک میری محبت میرا گناہ ہو۔ پس بے شک میں اس سے توبہ نہ کروں گا۔ یعنی میں اس جگہ بے اختیار و مجبور ہوں۔ ابو عبداللہ مغربی نے فرمایا، "مَا رَاَیْتُ اَنْصَفَ مِنَ الدُّنْیَا اِنْ خَدَمْتَھَا خَدَمَتْکَ وَاِنْ تَرَکْتَھَا تَرَکَتْکَ" دنیا سے بڑھ کر میں نے کسی کو بھی انصاف کرنے والا نہیں پایا۔ اگر تو اس کی خدمت کرے گا۔ وہ تیری خدمت کرے گی اور جب تو اس کی خدمت سے رُوگردانی کرے گا اور خدا تعالیٰ کا طالب بنے گا تو وہ تجھے چھوڑ کر بھاگ جائے گی اور تیرے دل پر اپنی فکر نہ لائے گی۔ پس جو آدمی سچائی کے ساتھ اس سے رُوگردانی کریگا وہ اس کے شر سے بچا رہے گا۔ اور اس کی بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔

۷۹۔ حضرت ابو عبداللہ نباجی[2] رحمۃ اللہ علیہ

سعید بن یزید نام ہے۔ قدیم مشائخ سے ہیں۔ ذوالنون مصری کے ہم زمانہ احمد بن ابی الحواریؒ کے شیخ ہیں۔ نباجیؒ نے فرمایا، اَلْاَدَبُ حِلْیَۃُ الْاَحْرَارِ۔ ادب شریف اور آزاد مردوں کا زیور ہے "لِکُلِّ شَیْءٍ خَادِمٌ وَخَادِمُ الدِّیْنِ الْاَدَبُ" ہر چیز کیلئے کے لیے خادم ہے اور دین کا خادم ادب ہے[3]

---

[1] حاصل یہ کہ گناہ سے معافی چاہنا اچھے کام کے ساتھ چاہیئے اور وصال محبوب کہنے والے کے نزدیک تو اچھا کام ہے اور محبوب کے نزدیک اچھا نہیں۔ اس کے ہاں وہ گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔ پھر عذر چاہنے کا کونسا طریقہ ہے۔ بات یہ ہے کہ وصال توحید کے منافی ہے۔ کیونکہ وصال نام ہے نسبت اور جُڑ جانے کا اور نسبت ہوگئی تو دوئی پیدا ہوگئی اور کثرت منافی توحید ہے۔ اگر میری محبت آپ کے نزدیک گناہ ہے۔ پس اچھی طرح یقین کرلیں کہ میں اس گناہ سے توبہ نہ کروں گا، کیونکہ میں اس جگہ مجبور ہوں۔

[2] نباج، نباجی۔ یہ نسبت نباج کی طرف ہے جو بصرہ کے دیہات میں نصف میل کے فاصلہ پر مکہ کے راستہ کی طرف ایک بستی ہے۔ جیسے فید کا گاؤں اہل کوفہ کے لیے ہے۔ [3] اگلے صفحہ پر دیکھیں۔

شیخ الاسلام رحؒ نے فرمایا، نباجی نے فرمایا، اس ذات پر نظر رکھ کر جس سے زیادہ روشن کوئی نشان نہیں اور
ابو عبداللہ نے فرمایا،
موسیٰ علیہ السلام نے کہا، الٰہی میں تجھے کیسے پاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جب تو نیّت و ارادہ درست کر
لے گا، مجھے پالے گا، اور کتانی کا قول ہے۔ جب تو نے ارادہ درست کر لیا تو نے اس کو پا لیا[۱]۔ اور حلاج کہتے ہیں۔
"لاتعرج" اوپر نہ چڑھ، اوپر چڑھنے کی ضرورت نہیں، وہ تو ایک قدم پر ہے۔ شیخ الاسلام رحؒ نے فرمایا،
"وہ ایک قدم ہے۔ جب تو اپنے سے نکل جائے گا اس تک پہنچ جائے گا[۲]"

۸۰۔ حضرت ابو عبداللہ انطاکی[۳] رحمۃ اللہ تعالیٰ

احمد بن عاصم انطاکی نام ہے۔ اس گروہ کے سردار اور بزرگوں میں سے ہوتے ہیں۔ علومِ شرعیہ کے عالم بھی تھے۔ عمر دراز پائی اور پرانے بزرگوں کی صحبتوں سے خوب استفادہ کیا۔ تبع تابعین کو دیکھا ہے۔ بشر حافی، سری سقطی قدس سرہما کے ہم زمانہ، حارث محاسبیؒ کے مرید اور فضیل بن عیاض کی خدمت میں بھی حاضری دی اور ان سے شرفِ صحبت حاصل کیا۔

شیخ الاسلام رحؒ نے فرمایا، مجھے کسی آدمی اور کسی چیز پر رشک نہیں آیا، مگر ان عارفوں کی معرفت پر جن کو معرفت تصدیقی حاصل ہو گئی، ابو علی دقاق کہتے ہیں "رسمی معرفت گرمی کی بارش کی مانند ہے۔ نہ وہ بیمار کو شفا دیتی ہے اور نہ پیاسے کی پیاس بجھاتی ہے" گرمی کی بارش کی طرح ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ گرمی میں بارش بہت کم برستی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں "مَعْرِفَۃٌ رَسْمِیَّۃٌ کَمَطْرَۃٍ رَسْمِیَّۃٍ لَاعَلِیْلًا تَشْفِیْ وَلَاغَلِیْلًا تَسْقِیْ" اور انطاکی نے فرمایا، "اَنْفَعُ الْفَقْرِ مَاکُنْتَ بِہٖ مُتَجَمِّلًا وَبِہٖ رَاضِیًا" نافع ترین فقر وہ ہے کہ تو فقر کے ساتھ مزین و آراستہ ہو اور فقر کے ساتھ خوش بھی ہو۔ یعنی ساری مخلوق کی زینت اور خوبی اسباب کے موجود ہونے میں ہے۔ اور فقر کی آرائش نفی اسباب یعنی اسباب کے نہ ہونے اور مسبّب

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) [۵] ہر چیز کے لیے خدمت کرنے اور مدد کرنے والا ہے اور دین کا خادم یعنی اس کو تقویت دینے والا اور اس کی مدد کرنے والا ادب ہے۔

[۱] قصد کا درست کرنا اور نیت کا صحیح کرنا یہ ہے کہ غیر حق سے توجہ ہٹ جائے اور تیرے دل میں غیر حق کا ارادہ نہ رہے۔ اللہ سے غرض رکھے۔ غیر سے بے غرضی ہو۔ [۲] وہ ایک قدم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اندر نہ ٹھہر، ایک قدم اٹھا اور اپنی چاہتوں سے نکل اور اپنی خواہشوں کو چھوڑ دے۔ پس تو اس تک پہنچ جائے گا۔ [۳] یہ نسبت انطاکیہ شہر کی طرف ہے۔ جس میں حبیب نجار رحمۃ اللہ علیہ کی قبر شریف ہے۔

کے اثبات اس کی طرف رجوع ہونے اور اس کے احکام پر راضی رہنے میں ہے۔ اس لیے کہ فقر کا مطلب فقدِ سببؔ ہے اور غنا کے معنی وجود سبب کے ہیں، اور جو بے سبب ہے وہ حق کے ساتھ ہے اور جو با سبب ہے وہ اپنے ساتھ ہے۔ پس سبب مقامِ حجاب ہوا اور ترکِ اسباب مقامِ کشف ہے۔ اور جمال دو جہان کشف و رضا میں ہے اور عالم کی نارضا ناخوشی حجاب اور ناراضگی میں ہے اور یہ بیان تونگری پر فقر کی فضیلت میں واضح ہے، کیونکہ فقیر مسبب یعنی خدا تعالیٰ کے ساتھ دوڑتا ہے اور راستہ طے کرتا ہے اور دولت مند اسباب کے ساتھ دوڑتا ہے۔

۸۱۔ حضرت ممشاد دینوریؒ قدس سرہٗ

وفات ۲۹۹ھ۔ تیسرے طبقہ کے بڑے بزرگوں میں سے ہیں۔ عراق کے اونچے مشائخ اور جوانمردوں میں سے تھے۔ علم میں یگانۂ وقت تھے۔ آپ کی کرامات ظاہر تھیں اور اچھے حالات رکھتے تھے۔ یحییٰ جلاؒ۔ اور ان سے بڑے مشائخ سے صحبتیں حاصل کیں۔ جنیدؒ، رویمؒ، نوریؒ اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات کے ہم زمانہ تھے۔

حضرت ممشادؒ نے فرمایا، "اللہ تعالیٰ نے عارف کو اس کے باطن میں آئینہ دیا ہے۔ جب وہ اس میں دیکھتا ہے اللہ کو دیکھتا ہے۔" شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اس کے لیے مومن کے دل میں ایسی جگہ ہے۔ جہاں اس کے سوا دوسرا نہیں پہنچ پاتا۔ جب وہ تفرقہ میں ہوجاتا ہے وہ چلا جاتا ہے اور یہ آرام کر لیتا ہے۔ حضرات صوفیہ اس جگہ کو سرؔ کہتے ہیں۔

حصریؒ کہتے ہیں، گزشتہ رات میں نے خیال کیا۔ جب مجھے بھی کبھی اتنا تفرقہ ہوجاتا ہے تو میرے مریدوں اور شاگردوں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ اگر میں یہ نہ جانتا کہ وہ اپنے دوستوں کے دل میں ایک جگہ رکھتا ہے کہ اس کے سوا دوسرا اسے نہیں لے سکتا اور دوسرے کا اس جگہ گزر نہیں ہو سکتا۔ تو میں ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا۔

"مَا اُبَالِی بِعُیُوْنٍ وَظُنُوْنٍ اَتَّقِیْهَا
لِیْ فِیْ سِرِّیْ مِرْاٰۃٌ اَرٰی وَجْهَکَ فِیْهَا"

حضرت ممشادؒ نے فرمایا، وہ چالیس سال سے بہشت کو مع اپنی تمام نعمتوں کے مجھ پر پیش کرتے ہیں، لیکن میں نے

۱؎ سبب کا نہ پانا۔ ۲؎ دِینَوَرِی منسوب ہے دِینَوَر کی طرف دال کا کسرہ، یا ساکن، نون کا فتح اور واؤ کا فتح آخر میں را۔ کرمان شاہ کے قریب کوہستان کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے۔

۳؎ حجابات مشاہدہ اور ظنی وہمی حجابات سے میں نہیں ڈرتا، کہ ان سے بچوں اور اپنی ذات کو ان حجابوں سے محفوظ رکھوں۔ اس لیے کہ اندرونی طور پر میں ایک آئینہ رکھتا ہوں کہ اس کے ذریعے میں تیری صورت دیکھ لیتا ہوں۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

باقی اگلے صفحہ پر

کبھی گوشۂ چشم سے بھی ادھر توجہ نہیں کی۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اس کی صحبت وحضور میں اس کے غیر کو دیکھنا، اس کے ساتھ شرک ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارہ میں خود فرماتا ہے۔

"مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ"۔

حضرت ممشادؒ نے فرمایا، میں جب بھی کسی بزرگ اور پیر کے پاس گیا، کبھی اس سے کوئی سوال نہیں کیا اور جب اس کے پاس گیا صاف دل اور خالی الذہن ہو کر گیا، تاکہ وہ خود کہے، جو کچھ کہنے میں اس سے سنوں، نہ کہ کچھ کہوں۔"

فرمایا، "ہمہ معرفت صدق افتقارست باللہ تعالیٰ۔ ساری معرفت سچائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونا ہے۔ یعنی ذاتِ حق کے سوا نہ اس کی کوئی حاجت ہو نہ غرض۔"

اور فرمایا، "طَرِیْقُ الْحَقِّ بَعِیْدٌ وَّالصَّبْرُ مَعَ الْحَقِّ شَدِیْدٌ۔ خدا کا راستہ دُور ہے اور خدا کے ساتھ چلنا سخت ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، خُدا تک پہونچانے والی راہ دُور ہے، مگر وہ ہاتھ پکڑے تو آسان بھی ہے اور قریب بھی اور خدا تعالےٰ سے مِلنا، صبر کرنا اور اُس کے ساتھ وقت گزارنا سخت ہے، مگر جب وہ غمخوار ہو تو آسان ہے۔

ممشادؒ نے فرمایا، جب کوئی آدمی اس کے دوستوں میں سے کسی کا انکار کرے گا، یعنی اس کا منکر ہوگا اور اس کو بُرا کہے گا اس کو اللہ تعالیٰ ہرگز وہ چیز نہ دے گا جو وہ رکھتا ہے۔ ہاں جب وہ توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے دوست کے بارہ میں بدگمانی اور بدزبانی سے باز آجائے۔"

ذوالنونؒ نے فرمایا، ہر کہ بر نعرۂ زراقی کر بزرق کند انکار کند ہرگز آنرا بصدق نیابد۔" جو شخص کسی مکار کے جھوٹے نعرہ پر انکار کرے گا تو ہرگز سچا نعرہ نہ پا سکے گا یعنی اصل نعرہ پہ انکار کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا نعرہ از روئے حال ہو۔ تیرا اس کے مکر سے کیا نقصان ہے۔ اس کے مکر کا نقصان تو اس پر ہے تو اس کو سچا دیکھ تاکہ فائدہ حاصل کرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ حاصل یہ ہے، اگر حواس خمسہ) آنکھ، کان وغیرہ اور عقل تیرے غیر میں مشغول ہوں تو ہوں، مَیں اس کی پرواہ نہیں کرتا، کیونکہ میرا سِر (باطن) تجھ میں مشغول ہے۔ ظاہراً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عقل و سِر دو جدا جدا چیزیں ہیں اور بعض حضرات کا یہی مشرب ہے۔

لے قوتِ مدرکہ اشیاء کی حقیقت سمجھنے اور معلوم کرنے کی قوت کو قوتِ مدرکہ کہتے ہیں۔ عقل اور ذہن کو بھی کہتے ہیں یعنی قوتِ مدرکہ نہ اور کسی طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے آگے گئی۔ بایں طور پر کہ وہ غیر پر نظر ڈالے۔

ے کہہ! اللہ، پھر چھوڑ دے اس کے غیر کو، اور غیر کے تصوّر اور خیال کو بھی چھوڑ دے۔

ے اس کی سب سے کم درجہ کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی اس کو وہ چیز نہیں دے گا جو اس نے اپنے دوست کو دی ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ممشاد رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ابو عامر کہتے ہیں۔ ایک دن میں حضرت کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک جوان مرد دروازہ سے آیا اور میزبانی کی اجازت چاہی، حضرت نے فرمایا، کیا تو یہ کر سکتا ہے، کہ صوفیوں کو بغیر بازار میں سے گزارے اپنے گھر لے جائے۔ شیخ نے بہانہ کیا اور اس کی دعوت منظور نہ کی۔ جب وہ باہر چلا گیا تو حاضرین نے کہا، شیخ آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ کسی کی دعوت قبول نہ کریں۔ یہ کیا ہوا۔ فرمایا "یہ شخص ان مردوں میں سے ہے کہ دنیا اس کے ہاتھ میں آئی اور اب جاتی رہی۔ اب آیا ہے تاکہ کچھ خرچ کرے اور چاہتا ہے کہ وہ اپنا سرمایہ واپس پائے۔ بات یہ ہے کہ جب تک اس کی محبت اپنے دل سے نہیں نکالے گا اس کو واپس نہیں پائے گا۔"

ایک روز حضرت خانقاہ سے باہر نکلے، کتا بھونکنے لگا۔ حضرت ممشادؒ نے غصّہ میں کہا، "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ واللہ اکبر" کتّا اسی جگہ مر گیا۔

ممشادؒ نے فرمایا، مرید کے اخلاق یہ ہیں:۔

۱۔ مشائخ کے آداب و احترام کا ہمہ وقت خیال رکھنا۔

۲۔ طریقت کے بھائیوں کی مدد کرنا۔

۳۔ ظاہری اسباب سے نکل جانا۔

۴۔ اپنے اوپر شرعی آداب و احکام کی حفاظت کرنا کہ شریعت کا کوئی حکم اس سے فوت نہ ہو، یعنی شرع میں زندگی گزارنے کے جو طریقے اور آداب بیان کیے ہیں۔ اُن سے سرمو انحراف نہ کرے اور ان کی حفاظت کو اپنے اوپر لازم کرے۔

۸۲۔ حضرت حسن بن علی المسوحی رحمہ اللہ تعالیٰ

ابو علی کنیت تھی۔ کہتے ہیں، جنیدؒ، ابو حمزہؒ کے مشائخ میں سے تھے: ان کے ہم عصر اور اقران سے ہیں یعنی ان کے مشائخ سے نہیں ہیں۔ سری سقطیؒ کے بڑے مریدوں میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ کہتے ہیں، میں نے حسن مسوحیؒ سے انس (محبت) کے بارہ میں ایک بات کی۔ فرمایا، "وَیْحَكَ لَوْ مَاتَ مَنْ تَحْتَ السَّمَآءِ مَا اَسْتَوْحَشْتُ" تیرا ناس ہو، آسمان کے نیچے جتنی مخلوق ہے اگر وہ ایک ہی دفعہ ساری مر جاوے تو نہ مجھے ملال ہوگا، نہ کوئی وحشت اور گھبراہٹ ہوگی۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، محمد نقیبہؒ نے کہا، کہ محمد عبداللہ گازرونی کو ایک تنہا مقام میں بٹھا دیا تھا۔ پھر ہفتہ تک

---

[۱] مطلب یہ تھا کہ اگر بازار میں سے گزرنا نہ ہوتا، تو تیری دعوت قبول ہو جاتی، لیکن تیرے گھر کو جانے کے لیے صوفیوں کو بازار سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس لیے معذوری ہے۔

انھیں بھلا دیا۔ ہفتہ کے بعد اس سے معذرت چاہی کہ میں تجھے بھول گیا۔ میں نے کہا، کوئی فکر نہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں سے تنہائی کی وحشت کو اٹھا لیا ہے۔ یعنی ان کو تنہائی میں گھبراہٹ نہیں ہوتی۔

سمنون محب کا کلام ہے :

عَلَیْكَ یَا نَفْسُ بِالتَّخَلِّیْ
فَالْعَیْشُ فِی الْاُنْسِ وَالتَّسَلِّیْ

اے نفس تو اپنے غیر سے خالی ہونے کو لازم پکڑ، اس لیے کہ عیش و راحت حق تعالیٰ کے ساتھ انس اور تسلی میں ملتا ہے۔ (اور یہ چیز حقیقت تجلی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی)

۸۳۔ حضرت احمد بن ابراہیم المسوحی رحمہ اللہ تعالیٰ

ان کی کنیت بھی ابوعلی ہے۔ بغداد کے اجلّہ مشائخ سے ہیں۔ سری سقطی کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔ ان سے روایت کرتے ہیں اور حسن مسوحی سے بھی روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں، احمد بن ابراہیم ایک کرتہ، ایک چادر اور جوتہ کے ساتھ پانی کا لوٹا یا پیالہ اٹھائے بغیر حج کرتے تھے۔ ہاں ایک شامی سیب کوزہ میں رکھ لیتے اور اس کی خوشبو سونگھ لیتے تھے۔ اور بغداد سے مکہ تک کا درمیانی فاصلہ اس سیب پر پورا کر لیتے تھے۔

احمد بن ابراہیم نے فرمایا، مَنْ فُتِحَ لَهٗ شَیْءٌ مِنْ غَیْرِ مَسْأَلَةٍ فَرَدَّهٗ وَهُوَ مُحْتَاجٌ اِلَیْهِ اَحْوَجَهُ اللّٰهُ عَلٰی اَنْ یَّاْخُذَ مِثْلَهٗ بِمَسْأَلَةٍ۔ —— جس شخص کو بغیر مانگے کوئی چیز فتوح کے طور پر ملے اور وہ اس کا محتاج اور ضرورت مند ہوتے ہوئے بھی اس کو رد کر دے، یعنی قبول نہ کرے تو اللہ اس کو مجبور کر دے گا کہ وہ ایسی چیز کو مانگ کر لے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کو مانگنے کی ذلت میں مبتلا کر دے گا۔

۸۴۔ حضرة رُوَیم بن احمد بن یزید ابن رُوَیم قدس اللہ سرہٗ

دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابومحمد ان کی کنیت ہے۔ بعض کہتے ہیں ابوبکر یا ابوالحسن یا ابوشیبان ان کی کنیت تھی۔ بڑے رویم ان کے دادا تھے، جنہوں نے نافع سے قرأت کی روایت کی ہے۔ حضرت رویم بغداد کے رہنے والے تھے۔ اور بغداد کے اجلّہ مشائخ سے تھے۔ داؤد اصفہانی کے مذہب کے فقیہ اور عالم تھے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، رویم خود کو جنید کا مرید اور ان کے اصحاب سے ظاہر کرتے تھے۔ واقعی وہ ان کے اصحاب سے تھے، مگر مرتبہ میں ان سے بڑے تھے اور میں رویم کے ایک بال کو جنید کے سو بالوں سے زیادہ قابلِ قدر اور قابلِ عزت

---

۱ سیب کے لے جانے میں بھی توکل میں قصور کی وجہ ہے، کیونکہ ان کا سیب سے حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے دوسرے کھانوں سے۔

جانتا ہوں۔"

ابو عبداللہ خفیفؒ کہتے ہیں، توحید کے بارہ میں جیسی بات رویمؒ کہتے تھے ایسی میں نے کسی بزرگ سے نہیں سُنی۔

رویمؒ سے سوال کیا گیا تصوّف کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا، "هُوَالَّذِیْ لَایَمْلِكُ شَیْئًا وَّلَا یَمْلِکُهٗ"۔ صُوفی وہ شخص ہے جو کسی چیز کو بطور ملکیّت کے اپنے پاس نہ رکھے اور نہ کسی چیز کو اس میں ایسا تصرّف حاصل ہو جو اس کو "مطلوب" یعنی حق تعالیٰ سے روک دے۔

اور فرمایا، اَلتَّصَوُّفُ تَرْكُ التَّفَاضُلِ بَیْنَ الشَّیْئَیْنِ۔ "تصوّف دو چیزوں میں سے ایک کو دوسری پر فوقیت نہ دینا ہے[1]"۔

رویمؒ نے آخری عمر میں اپنے کو دنیا داروں میں چھپا لیا تھا، مگر اس مشغلہ میں محجوب نہیں ہوئے، بلکہ مشاہدہ میں ہوتے تھے۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا، ہم فارغ ہو کر مشغول ہیں اور رویمؒ مشغول ہو کر فارغ ہے ہم سب سے فارغ ہونے کے بعد مشغول ہیں، اور رویمؒ دنیا میں مشغول رہتے ہوئے فارغ ہیں[2]۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، رویم ایسے بزرگ ہیں جو تلبیس یعنی اپنے کو چھپانے کی غرض سے خود کو تونگری اور سرداری میں ظاہر کرتے تھے۔ یہ قاضی کے وکیل تھے۔ گاؤ تکیہ اور مسند پر بیٹھتے بڑی شان سے رہتے تھے۔ ابو عمر زجاجؒ عرصہ تک جنیدؒ کی خدمت کرتے رہے۔ انہیں حضرت جنیدؒ منع کرتے، خبردار! رویمؒ کے پاس نہ جانا۔ جب زجاجؒ نے حضرت جنیدؒ سے واپسی کی اجازت چاہی اور اپنے دل میں کہا، "میں بغداد سے واپس جاؤں گا اور رویمؒ کو نہ دیکھوں گا، اگر کسی نے رویمؒ کے متعلق پوچھ لیا، تو کیا جواب دوں گا۔ آخر جنیدؒ سے چھُپ کر ان کی زیارت کے لیے گیا۔ میں نے انہیں گاؤ تکیوں مسند پر شان و شوکت کے حال میں دیکھا۔ جب خلوت ہو گئی لوگ چلے گئے، تو ان کی چھوٹی لڑکی ان کے پاس آئی۔ حضرت رویمؒ نے ابو عمروؒ سے کہا، تیرے ساتھی یعنی جنیدؒ اور ان کے اصحابؒ کہتے ہیں۔ رویم تو یہ دھندا کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ اور ہم میں آکر ہماری طرح طرح کیوں نہیں رہتا؟" پھر خود ہی فرمایا، ہم کیسے آئیں۔ وہ لوگ بچوں کے شغل کو کیوں نہیں اختیار کرتے کہ میں آؤں اور الکو بتاؤں اس چیز کی بابت جو میں نے اس سے پائی اور ان لوگوں کو علم توحید سکھاؤں۔

---

[1] لوگ جن چیزوں کو بڑائی اور فضیلت دیتے ہیں ان میں سے کسی کو فضیلت یعنی بڑائی نہ دینا۔ مثلاً کھانے والی چیزوں میں اور پہننے والی چیزوں میں یا ان کے علاوہ دوسری چیزوں میں ایک کو دوسری پر بڑائی نہ دے! اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد ترک تفاضل سے تمام چیزوں کے درمیان کا تفاضل ہو اور یہ کیفیت غلبۂ توحید کے وقت ہوتی ہے [2] یعنی ہماری فراغت شغل سے زیادہ ہے اور رویم کا شغل فراغت ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، یہ باتیں وہ جنید اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کہہ رہے تھے۔ جب ابوعمروؒ رویمؒ کے پاس گئے تو کسی نے جنید کو بتلا دیا تھا۔ کہ ابوعمرو رویم کے پاس گیا۔ جب میں آیا تو جنیدؒ نے فرمایا، ارے تُو نے اسے کیسا دیکھا؛ میں نے کہا وہ تو پایہ کے بزرگ ہیں۔ جنیدؒ نے کہا، الحمدللہ، میں نے تجھے اس کے پاس جانے سے اس ڈر سے روکا تھا کہ جب تو ان کو اس حال میں اور اس تلبیس میں دیکھے گا جو اس نے اپنے چھپانے کی خاطر اختیار کیا ہوا ہے تو تجھے وہ نہیں جچے گا۔ اور تو اپنا سرمایہ برباد کر بیٹھے گا، یعنی تیرے دل میں ان کی طرف سے بے اعتقادی آئے گی، تو اس کو بزرگوں میں سے نہ جانے گا۔ اور اس انکار کی وجہ سے تو اپنا سارا کیا کرایہ غارت کرلے گا۔ الحمدللہ تو نے اس کو عقیدت کی نظر سے دیکھا، واقعی وہ بزرگ مرد ہے۔

حضرت رویمؒ نے فرمایا، جو شخص صوفیوں میں بیٹھتا ہے اور ان کے اس طریقہ کار میں سے کسی چیز کی مخالفت کرتا ہے۔ جس کو وہ لوگ اپنے لیے صحیح سمجھ چکے ہیں۔ (وہ شخص اس طریقہ میں ان کی موافقت نہیں کرتا۔ جس کو وہ حضرات تحقیق سے صحیح سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہیں۔) اللہ تعالیٰ اس آدمی کے دل کا نور چھین لیتا ہے[1]۔

ایک آدمی نے حضرت رویمؒ کے سامنے ان کے ظاہری لباس اور دنیاداروں کی طرح رہنے سہنے کے متعلق نکتہ چینی کی تو فرمایا، مجھ میں یہ چیز بھی موجود ہے کہ اگر میں اپنے سر پر جرابیں لپیٹ کر بازار میں جاؤں تو اپنے دل میں اس پر کسی چیز کا اندیشہ نہ کروں۔ یعنی مجھے اس کا خیال تک نہ آئے گا کہ اس حال میں دیکھ کر لوگ مجھے کیا کہیں گے۔

ابوعبداللہ خفیفؒ، حضرت رویمؒ کے پاس گئے، واپس ہونے لگے تو ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، اے پسر، هُوَ بَذْلُ الرُّوحِ فَلَا تَشْتَغِلْ بِتُرَّهَاتِ الصُّوفِيَّةِ بیٹے! یہ سودا جان بازی اور سرفروشی کا ہے، لہٰذا صوفیوں کی خرافات میں نہ پھنس جانا۔ اور ان کی بے ہودہ باتوں میں مشغول نہ ہونا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جان بازی اور سرفروشی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جنگ میں جاوے تاکہ وہ جان سے مار ڈالیں۔ بلکہ جانبازی کا مطلب یہ ہے کہ اپنی جان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے کوئی جھگڑا اور خواہش نہ کرے، بلکہ اپنی جان، بدن اور دل اس کی سرکار میں قربان کر دے۔ اور اس کے فیصلوں میں مقابلہ کی صورت نہ آنے دے اور اب بھی خود پر باقی جانے۔ یعنی ایسا قابو یافتہ رہے کہ اگر تجھے کوئی دکھ یا صدمہ اس کی طرف سے پہونچے تو تیرے دل میں نہ کوئی شکایت رہے اور نہ تیری زبان پر شکوہ آوے۔

---

[1] اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صوفی کے لیے طبیعت کے بعض احکام عود کر آتے ہیں اور ملکہ خفار کے ساتھ بعض احکام کا عود کرنا جمع ہو جاتا ہے اور اَلصُّوفِيُّ لَا يُرَدُّ کے معنی یہ ہیں کہ صوفی کو جمیع احکام طبیعت کے ساتھ نہیں لوٹایا جاتا۔

ایک آدمی رویمؒ کے پاس آیا اور پوچھا، کَیْفَ حَالُکَ؟ آپ کا کیا حال ہے؛ فرمایا، "کَیْفَ حَالُ مَنْ کَانَ دِیْنُہٗ ھَوَاہُ، وَھِمَّتُہٗ دُنْیَاہُ، لَیْسَ بِصَالِحٍ تَقِیٍّ وَلَا بِعَارِفٍ نَقِیٍّ"۔ اس آدمی کا کیا حال ہوگا، جس کا دین اس کی خواہش ہو اور اس کا مقصود یا توجہ کا مرکز اس کا دنیا ہو۔ نہ وہ نیکی کار ہو، مخلوق سے جدا رہنے والا، نہ وہ عارف ہو مخلوق میں چُنا ہوا (یہ نفس کے عیوب کی طرف اشارہ ہے جو سائل کے جواب میں سائل کے حال کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے۔ اس وقت حضرۃ رویمؒ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہو تاکہ وہ اپنے متعلق سائل کو بتائیں اور اپنے نفس کی صحیح کیفیت اس کے سامنے ظاہر کردیں۔")

حضرت رویمؒ سے لوگوں سے اُنس، "اللہ" سے مانوس ہوجانے کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا، اَنْ تَسْتَوْحِشَ مِنْ غَیْرِ اللّٰہِ حَتّٰی مِنْ نَفْسِکَ۔ اُنس یہ ہے کہ اللہ کے ماسوا سے تجھے وحشت ہونے لگے، حتیٰ کہ تیرا دل اپنے سے بھی گبھرانے لگے، یعنی تجھے اپنے نفس سے بھی وحشت ہوجائے۔

حضرت سے محبت[1] کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا، اَلْمُوَافَقَۃُ فِیْ جَمِیْعِ الْاَحْوَالِ۔ ہر حال میں اس کے ساتھ موافقت کرنا اور یہ شعر پڑھا۔

وَلَوْ قُلْتَ مُتْ مُتُّ سَمْعًا وَّطَاعَۃً

وَقُلْتُ لِدَاعِی الْمَوْتِ اَھْلًا وَّمَرْحَبًا

"اگر تُو کہے کہ تُو مرجا، میں آپ کا حکم سُن کر خوشی خوشی مرجاؤں گا اور موت کی دعوت لانے والے کو اھلاً و مرحبا کہوں گا۔"

اور فرمایا، اَلرِّضَاءُ اِسْتِلْذَاذُ الْبَلْوٰی وَالْیَقِیْنُ ھُوَ الْمُشَاھَدَۃُ۔[2] رضا مصیبت میں لذت محسوس کرنا ہے اور یقین وہ مشاہدہ ہے۔

شیخ الاسلامؒ خرازؒ کے بعد رویمؒ کو بڑا اور بہتر جانتے تھے اور رویم کے بعد جنیدؒ اور نوریؒ کو۔

حضرت رویمؒ نے فرمایا، "بیس سال سے میری کیفیت یہ ہے کہ کسی کھانے کی خواہش میرے دل میں نہیں ہوئی، مگر اس کے بعد جب کہ وہ سامنے لایا گیا ہو۔" فرمایا، اخلاص یہ ہے کہ، "رُویتِ تو از عمل تو مرتفع شود"۔ تیرے عمل سے

---

[1] یعنی رویمؒ سے محبت کے متعلق پوچھا کہ محبت کسے کہتے ہیں۔ جواب میں فرمایا، محبت کی علامت محبوب کے ساتھ تمام حالات میں موافقت کرنا اور محبوب کے حکموں کو ہر حال میں بے چون و چرا بجالانا ہے

[2] یعنی رویمؒ سے پوچھا رضا یعنی راضی برضا رہنا کیا ہے؟ فرمایا، رضا یہ ہے کہ رضا والا اس مصیبت اور دکھ سے لذت پائے۔ جو اس کو اس کے محبوب کی طرف سے پہونچے اور یقین کا مطلب وہ مشاہدہ ہے جو فنا کے زمانہ میں اس کو حاصل ہوتا ہے۔

تیری نظر اٹھ جائے، یعنی اپنے عمل کو نہ تو اپنی طرف سے دیکھے نہ اپنی طرف سے جانے۔ فتوّت، جوانمردی یہ ہے کہ تو اپنے بھائیوں کو ان کی تمام لغزشوں میں جو ان سے سرزد ہوئی ہوں، معذور جانے اور تو ان سے ایسا سلوک نہ کرے کہ انہیں معذرت اور معافی چاہنے کی نوبت آئے۔

"اِذَا وَهَبَ اللّٰهُ لَكَ مَقَالًا وَفِعَالًا فَاَخَذَ مِنْكَ الْمَقَالَ وَتَرَكَ عَلَيْكَ الْفِعَالَ فَلَا تُبَالِ فَاِنَّهَا نِعْمَةٌ وَاِنْ اَخَذَ مِنْكَ الْفِعَالَ وَتَرَكَ عَلَيْكَ الْمَقَالَ فَنَحْ فَاِنَّهَا مُصِيْبَةٌ وَاِنْ اَخَذَ مِنْكَ الْمَقَالَ وَالْفِعَالَ فَاعْلَمْ فَاِنَّهَا نِقْمَةٌ۔

جب اللہ تعالیٰ تجھے "مقال" قوتِ گویائی" اور فعال قوت عمل بخشے پھر تجھ سے گویائی لے لے اور عمل تجھ پر چھوڑ دے۔ بس فکر نہ کر یقیناً یہ نعمت ہے اور اگر تجھ سے عمل لے لے اور تجھ پر گویائی کو چھوڑ دے تو یہ مصیبت ہے، تو اپنی حالت پر ماتم کر، کہ ترکِ عمل بہت بڑی مصیبت ہے۔ اور اگر تجھ سے گویائی اور عمل دونوں لے لیں، تو جان یہ سزا ہے۔ اور مصیبت کمال کو پہنچ گئی ہے اور محلِ انتقام میں آچکی ہے۔ اور فرمایا، فقر کے لیے بھی ادب اور قاعدہ ہے اور وہ سَتر و اِخفاء۔ اور اس پر غیرت کرنا ہے۔ جس نے اس کو مخلوق پر افشاء کر دیا اور مخلوق کے سامنے اسے ظاہر کر دیا۔ وہ اہلِ فقر نہیں اور اس کے لیے فقر میں کوئی کرامت و عزّت نہیں ہے۔ اور فرمایا۔

مِنْ حِكَمِ الْحَكِيْمِ اَنْ يُّوَسِّعَ عَلٰى اِخْوَانِهٖ فِى الْاَحْكَامِ وَيُضَيِّقَ عَلٰى نَفْسِهٖ فِيْهَا فَاِنَّ التَّوْسِعَةَ عَلَيْهِمْ اِتِّبَاعُ الْعِلْمِ وَالتَّضْيِيْقُ عَلٰى نَفْسِكَ مِنْ حُكْمِ الْوَرَعِ۔

حکیم کی حکمت اور دانائی سے ہے کہ وہ اپنے بھائیوں پر احکام میں فراخی اور کشادگی کی رعایت رکھے، ان پر تنگی نہ کرے، بلکہ اپنے اوپر تنگی اور تکلیف ڈالے، کیونکہ ان پر توسع، کشادگی کرنا علم کی پیروی ہے اور اپنے اوپر تنگی اور تکلیف کو ڈالنا پرہیزگاری کے اصولوں سے ہے۔[1]

اور فرمایا، اَدَبُ الْمُسَافِرِ اَنْ لَّا يُجَاوِزَ هِمَّتُهٗ قَدَمَهٗ وَحَيْثُ مَا وَقَفَ قَلْبُهٗ يَكُوْنُ مَنْزِلُهٗ۔

مسافر کا ادب وہ ہے کہ اس کا ارادہ اس کے قدم سے آگے نہ بڑھے جس جگہ اس کا دل ٹھہر جاوے۔ اسی جگہ منزل بنالے۔

اور مشائخ نے کہا ہے کہ صوفی کو ابن الوقت ہونا چاہیئے یعنی وہ وقت کا تابع ہو اور وقت کے تقاضا پر عمل کرے۔

---

[1] حکیم کے احکام اور احوال سے یہ ہے کہ اپنے بھائیوں پر احکام کو تنگ نہ کرے اور اپنے پر تنگی کرے۔ اس لیے کہ بھائیوں کے ساتھ وسعت کرنا مسئلہ میں علم کی پیروی کرنا ہے اور رخصت پر عمل ہے اور خود پر تنگی کرنا ورع کا تقاضا ہے اور عزیمت پر عمل کرنا ہے۔

۸۵۔ حضرت یُوسف بن حسین اَلرَّازی رحمہ اللہ تعالےٰ

وفات ۳۰۴ یا ۳۰۳ھ ۔ ان کی کنیت ابو یعقوب تھی۔ دوسرے طبقہ کے بزرگوں میں تھے۔ شہر رے کے رہنے والوں، پہاڑی علاقہ کے لوگوں ہمدان کے لوگوں کے مرشد و راہنما تھے۔ اپنے وقت میں امام خصوصًا ملامتیہ کے امام تھے اور تلبیس کے رنگ میں یعنی طریقۂ ملامت کا خیال رکھتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی بزرگی اور کمالات کو لوگوں سے چھپاتے تھے۔ جان بوجھ کر ایسا کام کر دیتے جس سے ملنے والے بدظن ہو کر ان سے دُور رہیں۔ یعنی اپنی شخصیت اور مقبولیت کو بڑھتا دیکھتے تو ان پر اس کا بوجھ ہوتا، کوشش کرتے کہ ان لوگوں کے سامنے کوئی ایسا کام کریں کہ لوگ ان سے بے اعتقاد ہو کر ان کے پاس آئیں۔

ذوالنون مصریؒ کے مرید ہیں۔ ابوتراب نخشبیؒ، یحییٰ معاذ رازیؒ وغیرہم کی صحبتوں میں رہ کر تربیت پائی تھی۔ مختلف سفروں میں ابوسعید خرازؒ کے ہمسفر رہے۔ اور حضرت جنیدؒ کے ساتھ مفید اور اچھی خط و کتابت کرتے رہے۔ وقتِ وصال ان کی زبان پر یہ دعا تھی۔ "الٰہی میں نے تیری مخلوق کو کوشش کے ساتھ تیری طرف بلایا اور جتنا ہو سکا بُرائی اپنے اُوپر ڈالی۔ تو اِن دونوں عملوں میں سے کسی ایک کے وسیلہ سے مجھے بخش دے۔" یہ کہا اور وفات پا گئے۔ مرنے کے بعد کسی نے انھیں خواب میں دیکھا۔ اس نے پوچھا آپ کا کیا حال ہے۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے کہا، "اس بات کو پھر کہہ جو تو نے مرتے وقت کہی تھی۔" میں نے وہی بات اللہ کے سامنے کہی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "ترا بتو بخشیدیم۔" مَیں نے تجھے تیرے طفیل بخش دیا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا، کہ تجھے تیرے طفیل بخش دیا۔ اس لیے کہ وہ اپنے میں اور اس کے درمیان کوئی واسطہ نہیں لایا، کیونکہ اس کے درمیان اور اُن کے درمیان واسطہ اور وسیلہ بھی وہ خود ہے۔ شیخ الاسلام نے اپنے دوستوں کو وصیت کی کہ ایک دوسرے کے ساتھ نیاز رکھو کہ جس کی تم کو ضرورت ہوتی وہ تم سے آ جاتی ہے۔ ان کے درمیان ترجمہ وسیلہ وہ خود ہیں۔

یوسف بن حسینؒ نے فرمایا، میں مصر میں ذوالنون مصریؒ کے پاس گیا۔ جب میں نے انہیں دیکھا تو ان کی ہیبت سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور کہا کہاں سے آیا ہے؟ میں نے کہا، "رے سے۔" فرمایا، کیا تجھ پر زمین تنگ ہو گئی تھی کہ تو مصر میں آیا؟ میں نے کہا، میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کی خدمت کو پاؤں، یعنی آپ کی خدمت میں رہ کر کچھ حاصل کروں۔" ذوالنونؒ نے فرمایا، تو اس سے دُور رہ کہ تو جھوٹ بولے یا تو خیانت کرے[1]۔

---

[1] یعنی اگر تو میری صحبت میں آیا ہے تو دو باتیں خاص طور پر کرنا، ایک تو یہ کہ کبھی جھوٹ نہ بولنا دوسرا یہ کہ کبھی خیانت نہ کرنا۔

پھر فرمایا، "یَا بُنَیَّ صَحِّحْ حَالَکَ مَعَ اللّٰہِ وَلَا یَشْغَلُکَ عَنْہُ شَاغِلٌ، وَلَا تَشْغَلْ بِمَا یَقُوْلُ الْخَلْقُ مِنْکَ فَاِنَّھُمْ لَنْ یُّغْنِیْ عَنْکَ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا ۔ الخ

بیٹے اپنا حال اللہ کے ساتھ صحیح کرلے اور کوئی مشغول کرنے والا تجھے اس سے غافل نہ کرے۔ مخلوق خواہ تیرے متعلق کچھ بھی کہے اس کے ساتھ تو مشغول نہ ہونا، کیونکہ وہ تجھے اللہ کے فیصلہ سے بالکل نہیں بچا سکیں گے۔ جب تیرا حال خدا کے ساتھ صحیح ہوگا تو وہ تجھے خود اپنے تک پہنچنے کا راستہ بتا دے گا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت اور ظاہری علم کی پیروی کرتے رہنا اور تو جس مقام میں نہ ہو تو اس کا دعویٰ نہ کرنا، کیونکہ عام مریدوں کو دعووں نے ہی برباد کیا۔ ایک روز یوسف بن حسین نے ذوالنونؒ سے وصیّت کی درخواست کی، فرمایا، جو اوراد اور معمولات تو مسلسل عرصہ سے پڑھتا اور کرتا ہے اس سے پرہیز کر، کیونکہ ان کے ساتھ نفس مانوس ہو جاتا ہے، بلکہ یہ دیکھا کر کہ نفس کی مخالفت کس کام میں ہے۔ روزہ رکھنے میں یا نہ رکھنے میں۔ اگر نفس روزہ کو چاہے تو روزہ نہ رکھ اور اگر وہ افطار چاہے تو روزہ رکھ۔ کیونکہ نفس کی موافقت کرنے میں خواہ طاعت ہو یا معصیت، فتنہ ہے۔ پس ہر وہ عمل جس سے نفس مانوس ہو، یقیناً اس میں بلاء، تباہی اور خطرہ ہے۔

نیز ذوالنونؒ نے ان کو یہ وصیّت کی۔ لَا تَسْکُنْ اِلٰی مَدْحِ النَّاسِ وَلَا تَجْزَعْ مِنْ قَبُوْلِھِمْ وَرَدِّھِمْ فَاِنَّھُمْ قُطَّاعُ الطَّرِیْقِ وَاسْکُنْ اِلٰی مَا یَتَحَقَّقُہٗ مِنْ اَحْوَالِکَ سِرًّا وَّ عَلَنًا ۔

لوگوں کی تعریف پر مطمئن نہ ہونا کہ اپنا کام چھوڑ بیٹھے اور ان کے قبول اور رَد سے نہ گھبرانا، کیونکہ وہ راستہ کے ڈاکو ہیں۔ یعنی مطلوبِ حقیقی تک پہنچنے میں مانع ہیں اور شریعت کے موافق جو حالات ظاہر و باطن میں تجھے پیش آئیں ان پر مطمئن اور ثابت[ب] قدم رہنا۔

یوسف بن الحسینؒ نے فرمایا،

"اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ بَیْتٍ وَمِفْتَاحُہُ التَّوَاضُعُ وَالشَّرُّ کُلُّہٗ فِیْ بَیْتٍ وَمِفْتَاحُہُ الْکِبْرُ ۔"

[ا] میرے بچے اپنی نسبت و رابطہ کو حق تعالیٰ کے ساتھ اس حد تک درست کرنے کہ کوئی چیز اس نسبت و رابطہ کو روکنے والی اور مشغول کرنے والی نہ ہو اور اپنے دل کو لوگوں کے بُرا بھلا کہنے میں مشغول نہ کر، کیونکہ ساری مُہمّات حق تعالیٰ کی طرف سے حل ہوتی ہیں اور مخلوق حق سبحانہٗ کی طرف سے تیری مہمات وضروریات کی کفایت نہیں کر سکتی اور جب تیری نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ درست صحیح ہو جائیگی۔ حق سُبحانہٗ اپنے لطف و کرم سے تجھے ایسے طریقہ کی رہنمائی کرے گا، جو اس کے وصول کو منتہی ہوگا اور ظاہری علم اور سُنّت نبویہ کی پیروی کر اور غلط دعویٰ سے اپنے کو بچائے رکھ۔

[ب] یعنی صفاتِ حمیدہ کے ساتھ آرام پکڑ جو کہ ظاہر اور باطن میں متحقق ہو چکے ہیں۔

تساری بھلائی ایک گھر میں ہے اور اس کی کنجی خدا تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے مظاہرِ قدرت کے ساتھ تواضع اور انکساری کرنا ہے۔ اور ساری بُرائی ایک گھر میں ہے اور اس کی کنجی تکبر اور بڑائی ہے۔

حضرت نے یہ بھی فرمایا، جب میں ذوالنون ؒ سے رخصت ہونے لگا تو میں نے عرض کیا، مجھے وصیت فرمائیں۔ فرمایا، مخلوق کی برائیوں سے دلگیر نہ ہونا، جہاں تک ہو سکے اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لیے اپنے دل میں جگہ نہ رکھنا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان اور اس کے حکم کی ہر چیز سے زیادہ عزت کرنا، تاکہ وہ تجھے عزت والا رکھے، یعنی اس کے احکام کی عزت و توقیر میں کمی نہ آنے دینا۔ جتنا تو اس کے حکم کو عزت دے گا اور اس کی حرمت بجالائے گا، وہ تجھے عزت دیگا اور حُرمت والا بنا دے گا۔

۸۶۔ حضرت عبداللہ بن حاضر قدس اللہ روحہٗ

یوسف بن الحسین ؒ کے ماموں ہیں۔ یوسف بن حسین کہتے تھے۔ میں ذوالنون مصری ؒ کی خدمت سے فارغ ہونے کے بعد رَےّ[1] جانے کے ارادہ سے مصر سے نکلا۔ بغداد پہنچا، تو میرے ماموں عبداللہ حاضر ؒ وہاں موجود تھے۔ ان کا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ میں ان کے پاس گیا تو بولے "کہاں سے آیا ہے؟" میں نے کہا، "مصر سے آیا ہوں۔ رَےّ جاؤں گا۔" چاہتا ہوں کہ آپ مجھے کوئی وصیت کریں، بولے، تو قبول نہ کرے گا، میں نے کہا، شاید قبول کر لوں۔ کہا، مجھے معلوم ہے تو قبول نہ کرے گا۔ میں نے کہا، ہو سکتا ہے قبول کر لوں، کہا، جب رات ہو جائے تو "دجلہ" کے کنارے جا کر اپنی ساری کتابیں اور جو کچھ تو نے ذوالنون ؒ سے لکھا ہے اِن سب کو دریائے "دجلہ" میں پھینک دے۔ میں نے کہا، "سوچوں گا۔" ساری رات سوچتا رہا، سوچ میں مجھے نیند نہ آئی اور اس پر میرا دل بالکل آمادہ نہ ہوا۔ دوسرے دن جا کر ان سے کہا، میں نے سوچ لیا، مگر میرا دل آمادہ نہیں ہوتا۔ بولے، میں نہ کہتا تھا کہ تو میری وصیت قبول نہ کرے گا۔" میں نے کہا، "کوئی اور بات کہو۔" فرمایا، تو وہ بھی قبول نہ کرے گا۔ میں نے کہا، قبول کر لوں گا۔ بولے، جب تو رَےّ پہنچے تو لوگوں سے یہ نہ کہنا کہ میں نے ذوالنون ؒ کو دیکھا ہے اسے بازار نہ بنانا۔[2] یوسف بن حسین کہتے ہیں، میں نے کہا، میں سوچوں گا۔" آخر تمام رات یہ بھی سوچا، مگر یہ بات مجھے پہلی رات کی بات سے بھی زیادہ سخت معلوم ہوئی۔ دوسرے دن آپ کی خدمت میں گیا اور ان سے کہا، یہ بات تو مجھ پر پہلی بات سے بھی زیادہ مشکل ہے، کہا، "میں نے نہ کہا تھا کہ تو قبول نہ کرے گا؟" پھر خود ہی فرمایا، میں تجھے ایک بات

---

[1] "رَےّ" ایک شہر کا نام ہے۔

[2] ذوالنون کے نام سے اپنی دوکان نہ چمکانا۔

کہتا ہوں۔ جس کے بغیر تیرا چارہ نہیں۔ میں نے کہا، "فرمایئے۔" کہا، جب واپس اپنے گھر پہونچے، تو مخلوق کو اپنی طرف نہ بلانا، کہ میں اللہ اللہ کرتا ہوں، بلکہ گھر پہونچ کر یہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت تیری یاد میں رہے۔

شیخ الاسلام ؒ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا، "اے موسیٰ چناں کن کہ ہمیشہ زبانِ تو بیادِ من بود۔" اسے موسیٰ ایسا کر کہ تیری زبان ہمیشہ میری یاد میں رہے اور تو جہاں بھی پہونچے تیرا گزر مجھ پر ہو[1]۔

ابو عبداللہ نباجی ؒ نے یوسف بن الحسین ؒ سے کہا،

جہاں از صادقاں و راستاں خالی شدہ است۔ اگر توانی صدق را لازم گیر در جمیع احوالِ خود۔

دنیا سچوں اور پختہ کار لوگوں سے خالی ہو چکی ہے۔ اگر ہو سکے تو تو اپنے تمام حالات میں صدق و راستی کو لازم پکڑ اور اس کا یقین کر کہ اس راہ کے مردوں کے زمرہ میں تو راہ نہ پا سکے گا۔ اور ان کے مراتب مقامات و درجات کو تو اس وقت تک نہ پہنچ سکے گا جب تک کہ تمام مخلوق کا رد کیا ہوا نہ ہو گا۔ اور تو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے خالص بندہ اس وقت تک نہ بن سکیگا جب تک کہ علائق[2] سے مہاجرت و مفارقت اختیار نہ کرے گا۔

یوسف بن حسین ؒ کہتے ہیں، کسی آدمی کی بات نے مجھے اس قدر نفع نہیں پہنچایا جتنا کہ ابو عبداللہ نباجی کی بات نے، کیونکہ انھوں نے مجھے جاہ[3] کے ختم کرنے کی ہدایت کی میں نے اسے قبول کر لیا۔

۸۷۔ حضرۃ ابو ثابت الرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ

مشاہیر علماء و فقراء و قرّاء سے تھے۔ کہتے ہیں ایک دن میں مسجد میں بیٹھا ایک بچہ کو قرآن پڑھا رہا تھا۔ یوسف بن حسین وہاں سے گزرے اور مجھے کہا۔ "شرم نہ داری کہ مخنثے را قرآں تعلیم کُنی۔" تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک ہیجڑے کو قرآن کی تعلیم دے رہا ہے۔ میں نے تعجب سے کہا، سُبحان اللہ کودکِ خُرد بہشتی را چنیں گوید۔ ایک معصوم بہشتی بچے کو یہ ایسا کہتے ہیں۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ میں نے اس بچہ کو ہیجڑوں کے ساتھ دیکھا۔ میں یوسف بن الحسین ؒ کی خدمت میں گیا اور مرید ہو گیا۔

۸۸۔ حضرۃ سُمنُون بن حمزۃ المحب الکذّاب قدس اللہ سرّہٗ

دوسرے طبقہ سے ہیں۔ محبت کے امام تھے۔ کنیت ابوالحسن یا ابوالقاسم ہے۔ خود کو کذّاب کا لقب دیا۔ جو کوئی انھیں اس لقب سے نہ پکارتا اس کی طرف نہ دیکھتے تھے۔ محبت کے علم میں یکتائے روزگار تھے۔ ساری عمر عشق و

---

[1] یعنی جہاں بھی تو ہو تیرے پیش نظر میں رہوں۔

[2] کسی دوسری چیز کے ساتھ بندھی ہوئی یا لٹکی ہوئی کوئی شے۔

[3] جاہ سے مراد جاہ جلال بمعنی شان و شوکت اور با عزت بننے کی تمنّا رکھنا۔

محبت کے متعلق ہی کلام کرتے رہے اور سناتے رہے۔ سری سقطیؒ، ابو احمد القلانسیؒ، محمد بن علی القصابؒ سے صحبت یافتہ تھے۔ جنیدؒ اور نوریؒ کے ہمعصر تھے۔ بعض نے جنیدؒ سے پہلے اور بعض نے جنیدؒ کے بعد دنیا سے ان کے رُخصت ہونے کے متعلق کہا ہے۔ (واللہ اعلم)

سمنونؒ نے کہا، آدمی کی محبت اس وقت تک خالص اور صاف نہ ہوگی جب تک برائی سارے جہان پر نہ رکھے۔

اور فرمایا، "اَوَّلُ وِصَالِ العَبدِ لِلحَقِّ هِجرَانُهٗ لِنَفسِهٖ وَ اَوَّلُ هِجرَانِ العَبدِ لِلحَقِّ مُوَاصَلَتُهٗ لِنَفسِهٖ"۔ حق تعالیٰ سے آدمی کے واصل ہونے کی ابتدا اس کا اپنے کو چھوڑ دینا ہے[1]۔ بندے کی حق تعالیٰ کے چھوڑ دینے کی ابتدا اس کا اپنے نفس کی پیروی اور اس کے ساتھ موافقت کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ملنے کی ابتدا اس وقت سے ہوتی ہے جب کوئی اپنے نفس سے ہجرت اختیار کرنے لگتا ہے اور یہ اس امر کی نشانی ہے کہ وہ اللہ سے نزدیک ہو رہا ہے۔ اور جب کوئی اپنے نفس سے میل کرنے اور اس کی خواہشات کو پورا کرنے میں مصروف ہوتا ہے تو یہ پہلی نشانی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُور ہو رہا ہے[2]۔

ایک روز لوگوں نے "دجلہ" کے کنارے حضرت سمنونؒ کو اس حال میں دیکھا کہ لکڑی کی چھڑی ان کے ہاتھ میں تھی۔ جسے وہ اپنی ران پر مارتے تھے۔ وہ پھٹ گئی تھی اور اس سے خون بہہ رہا تھا، مگر انہیں کچھ خبر نہ تھی۔ اور اس حال میں وہ یہ بیت رہے تھے۔

كَانَ لِيْ قَلْبٌ أَعِيْشُ بِهٖ
ضَاعَ مِنِّيْ فِيْ تَقَلُّبِهٖ
رَبِّ فَارْدُدْهُ عَلَيَّ فَقَدْ
ضَاقَ صَدْرِيْ فِيْ تَطَلُّبِهٖ
وَأَغِثْ مَا دَامَ لِيْ رَمَقٌ
يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِ بِهٖ

۱۔ ایک وقت میرے لیے دل تھا کہ میں اس کے ساتھ جیا کرتا اور زندگی کے مزے لیتا تھا۔ اب وہ مجھے چھوڑ

---

[1] جسے خود فراموشی کہتے ہیں۔

[2] خلاصہ آنکہ اپنے نفس سے ہجرت اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے کی نشانی ہے اور نفس سے میل اور اس کی خواہشات کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ سے دوری کی پہلی نشانی ہے۔

چلا گیا کہ اس نے کسی اور کو یار بنا لیا۔
۲۔ اے میرے پروردگار تو اس کو پھر میرے پاس بھیج دے کہ ایں اس کی تلاش میں تنگ آچکا ہوں اور میری ہمتیں جواب دے چکی ہیں۔
۳۔ اے وہ فریاد رس، جس کی جناب میں لوگ فریادیں لے جاتے ہیں۔ جب تک مجھ میں زندگی کی رمق باقی ہے میری فریاد رسی کرتا رہ۔
کہتے ہیں سمنونؒ نے ایک دن یہ دو بیت پڑھے۔

تُرِیْدُ مِنِّی اِخْتِبَارَ سِرِّیْ
وَقَدْ عَلِمْتَ الْمُرَادَ مِنِّیْ
وَلَیْسَ لِیْ فِیْ سِوَاکَ حَظٌّ
فَکَیْفَ مَا شِئْتَ فَاخْتَبِرْنِیْ

۱۔ تُو میرے دل کا امتحان کرنا چاہتا ہے، باوجودیکہ تُو جانتا ہے میری مراد اور میرا مطلوب تُو ہے۔
۲۔ اور میرے لیے تیرے علاوہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے، تو جس طریقہ پر چاہے مجھے آزما لے۔ (خواہ بلا کے ساتھ امتحان کر یا نعمت کے ساتھ)
اسی وقت پیشاب کی بندش میں ان کا امتحان ہوا تو زبان پر شکوہ نہ لائے۔ صبر کرتے رہے۔ کسی پر ظاہر نہ کیا۔ آخر رات کو ان کے کئی مریدوں نے خواب میں دیکھا کہ سمنونؒ گریہ زاری کے ساتھ دعا کر رہے ہیں اور خدا تعالیٰ سے شفا مانگ رہے ہیں۔ جب سمنونؒ کو یہ معلوم ہوا تو سمجھ گئے کہ اس بیماری کو بھیج کر آدابِ عبودیت سکھانا اور مجھ سے عجز و نیاز مندی کا اظہار کرانا چاہتا ہے نہ کہ سترِ حال[1]۔
سمنونؒ مکتبوں کے گرد گھومتے پھرتے تھے اور بچوں سے کہتے تھے "اُدْعُوْا لِعَمِّکُمُ الْکَذَّابِ" بچو! اپنے کذاب چچا کے لیے دعا کرو۔
ایک شخص نے انہیں دیکھا، سر نیچے کیے بیٹھے ہیں تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا۔ ٹھنڈی سانس لی اور یہ بیت پڑھا۔

تَرَکْتُ الْفُؤَادَ عَلِیْلًا یُّعَادُ
وَشَرَدْتُ نَوْمِیْ فَمَالِیْ رُقَادُ

---

[1] حال کا چھپانا۔

میں نے دل کو ایسا بیمار بنا لیا کہ اس کی عیادت کی جاتی ہے اور میں نے اپنی نیند کو بھگا دیا۔ پس میرے لیے سونا اور آرام کرنا ختم ہوگیا۔

ابواحمد القلانسیؒ نے بیان کیا کہ رات دن کے اندر حضرت سمنونؒ کا معمول پانچ سو رکعت نماز پڑھنے کا تھا۔ جسے وہ پابندی سے پورا کرتے تھے۔ کسی نے آکر کہا کہ بغداد میں ایک آدمی نے فقراء پر چالیس ہزار درہم خرچ کیے ہیں۔ حضرت سمنونؒ نے فرمایا، ہم رقم خرچ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اُو ابواحمد! جب ہم کو اس کی استطاعت نہیں تو چل کسی گوشہ میں جا کر ایک ایک درہم کے بدلے ایک ایک رکعت نماز پڑھیں۔ چنانچہ ہم مدائن کے شہر میں چلے گئے۔ وہاں جا کر چالیس ہزار رکعت نماز پڑھی۔

غلام الخلیل ایک ریاکار شخص تھا جو خلیفہ کے سامنے اپنے آپ کو صوفی بنا کر پیش کرتا تھا اور مشائخ اور درویشوں کی طرف سے ہمیشہ ناپسندیدہ باتیں خلیفہ کو پہنچاتا تھا تاکہ خلیفہ کی نظر میں وہ گر جائیں اور اس کے ہاں میرا بھرم رہے اور میرے اثر و رسوخ میں مزید اضافہ ہو۔

ایک دن حضرت سمنونؒ پر ایک عورت کی نظر پڑی۔ اس نے خود کو سمنونؒ پر پیش کیا۔ سمنونؒ نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ عورت حضرت جنیدؒ کے پاس گئی اور کہا، سمنونؒ سے کہو کہ وہ مجھ سے شادی کرلے۔" حضرت جنیدؒ کو یہ بات بُری لگی۔ اس پر ناراض ہوئے اور اسے سختی سے روک دیا۔ وہ عورت غلام الخلیل کے پاس گئی۔ جیسے عورتیں تہمت لگایا کرتی ہیں۔ سمنونؒ پر اس نے تہمت دھری۔ غلام الخلیل کو موقع ہاتھ آیا۔ خلیفہ کے کان بھرے اور سمنونؒ کے خلاف بھڑکا دیا۔ خلیفہ نے حکم دیا۔ سمنونؒ کو قتل کر دو۔ جب جلّاد لائے اس نے چاہا کہ اس کے قتل کا حکم دوں، مگر اس کی زبان بند ہوگئی اور سمنونؒ کے قتل کرنے میں دیر ہوگئی۔ رات کے وقت خلیفہ کو خواب آیا کہ تیرے ملک کا زوال اس کی حیات کے زوال میں ہے۔ دوسرے روز حضرت کو بلایا اور معافی چاہی۔

اُبوفوارسؒ نے سمنونؒ کے یہ شعر پڑھ کر سُنائے۔

وَكَانَ فُـؤَادِي خَالِيًا قَبْلَ حُبِّكُمْ

وَكَانَ بِذِكْرِ الْخَلْقِ يَلْهُو وَيَمْزَحُ

فَلَمَّا دَعَا قَلْبِي هَوَاكَ إِجَابَةً

فَلَسْتُ أَرَاهُ عَنْ فِنَائِكَ يَبْرَحُ

رُمِیتُ بِبَیْنٍ مِنکَ اِنْ کُنتُ کَاذِباً
وَاِنْ کُنتُ فِی الدُّنیَا بِغَیْرِکَ اَفْرَحُ
وَاِنْ کَانَ شَیْءٌ فِی الْبِلَادِ بِاَسْرِھَا
اِذَا غِبْتَ عَنْ عَیْنِی بِعَیْنِی یَمْلَحُ
فَاِنْ شِئْتَ وَاصِلْنِی وَاِنْ شِئْتَ لَاتَصِلُ
فَلَسْتُ اَرٰی قَلْبِی بِغَیْرِکَ یَصْلَحُ

ترجمہ:۔ ۱۔ اور میرا دل تمہاری محبت سے پہلے فارغ تھا اور وہ مخلوق کے ذکر کے ساتھ کھیلتا اور دلچسپی لیتا تھا۔

۲۔ پس جب تیری محبت نے میرے میرے دل کو دی تو اس نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ تو اس وقت سے میں اس کو نہیں دیکھتا کہ وہ تیرے گھر کے چوک سے ہٹ کر کہیں اور جاتا ہو۔

۳۔ مجھے تیری جدائی کی مار پڑے اگر میں جھوٹا ہوں یا میں دنیا میں تیرے غیر سے خوش ہوتا ہوں۔

۴۔ اگر سارے جہان کی چیزوں میں کوئی چیز بھی میری آنکھ کو اچھی لگتی ہو جبکہ تو میری نظر کے سامنے نہ ہو۔

۵۔ پس تیری مرضی ہے کہ تو مجھ سے وصل (میل) کرے یا نہ کرے۔ ہاں میں اپنے دل کو نہیں دیکھتا کہ وہ تیرے غیر سے صلح کرے گا اور اس سے خوش ہوگا۔

۸۹۔ حضرت میمون المغربی رحمۃ اللہ علیہ

بڑے باکرامت بزرگ گزرے تھے۔ ان کا رنگ کالا تھا۔ سماع میں آتے تو ایسا حال وارد ہوتا کہ اس میں سفید ہو جاتے تھے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا، اگر تم لوگ اس حال سے واقف ہو جاؤ جس سے میں واقف ہوں تو تم بھی ایسے ہی ہو جاؤ۔

کہتے ہیں ان کے پاس ایک توبڑا[۱] تھا۔ جس چیز کی انہیں ضرورت پیش آتی اس میں ہاتھ ڈالتے اور نکال لیتے تھے۔

۹۰۔ حضرۃ علی بن سہل بن الاظہر الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ

طبقہ ثانیہ سے ہیں۔ کنیت ابوالحسین ہے۔ اصفہان کے قدیم مشائخ سے ہیں۔ محمد بن یوسف البناء کے شاگرد، جنیدؒ کے اقران سے تھے۔ اور دونوں کے درمیان خط و کتابت رہی ہے۔ ابوتراب نخشبیؒ کی صحبت میں رہے۔ اور ان کی بڑی بڑی ریاضتیں ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کھانے پینے سے بیس دن تک رک جاتے تھے اور وہ راتیں کھڑے

---

[۱] توبڑا۔ یعنی تھیلا۔

ہو کر گزارتے تھے۔ باوجودیکہ ان کی نشو و نما ناز و نعم یعنی خوشحالی میں ہوئی۔

حضرت علی بن سہلؒ نے فرمایا، مناسب نہیں کہ لوگ ہمارے سامنے ان حضرات کو درویش کہیں، کیونکہ یہ لوگ تو تونگر ترین خلائق ہیں۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں "حق سبحانہٗ و تعالیٰ قیمتی پوشاک دنیاداروں کو دیتے ہیں۔ سادہ کپڑے درویشوں کو، اگر طعام پاکیزہ اس جماعت کو دیتے ہیں اور کھانے کی حقیقی لذت درویشوں کو ہی دیتے ہیں۔" حضرت علی بن سہلؒ نے فرمایا: اَعَاذَنَا اللّٰہُ وَ اِیَّاکُمْ مِنْ غُرُوْرِ حُسْنِ الْاَعْمَالِ مَعَ فَسَادِ بَوَاطِنِ الْاَسْرَارِ۔ اللہ ہمیں اور تمہیں نیک عملوں پر دھوکہ کھانے اور ان پر پھولے نہ سمانے سے بچاتے۔ جبکہ ہمارا اندرونی حال خراب ہو۔

اور فرمایا، اَلتَّصَوُّفُ التَّبَرِّیْ عَمَّنْ دُوْنَہٗ وَالتَّخَلِّیْ عَمَّنْ سِوَاہُ۔ تصوّف یہ ہے کہ اللہ سے جو کم ہو اس سے بیزار اور بے تعلق ہو جاتے اور اس کے ماسوا سے اس کا دل خالی ہو جائے۔

کسی نے توحید کی حقیقت پوچھی، تو فرمایا، "قَرِیْبٌ مِنَ الظُّنُوْنِ بَعِیْدٌ مِنَ الْحَقَائِقِ۔ خیالات کے اعتبار سے نزدیک ہے اور حقیقتوں کے لحاظ سے دُور ہے۔" اور کسی کا یہ شعر پڑھا،

فَقُلْتُ لِاَصْحَابِیْ ہِیَ الشَّمْسُ ضَوْءُہَا قَرِیْبٌ

وَلٰکِنْ فِیْ تَنَاوُلِہَا بُعْدٌ

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ وہ سورج[1] ہے۔ اس کی روشنی اور شعاعیں تو قریب ہیں، لیکن اس کو ہاتھ لگانا اور اس تک پہنچنا بعید اور ناممکن ہے۔

حضرت علی بن سہل کہا کرتے تھے۔

"لَیْسَ مَوْتِیْ کَمَوْتِ اَحَدِکُمْ اِنَّمَا ہُوَ دُعَاءٌ وَ اِجَابَۃٌ اُدْعٰی فَاُجِیْبُ۔"

میں ایسے نہیں مروں گا جیسے تم لوگ مرتے ہو۔ میرا مرنا دعوت اور قبولِ دعوت ہوگا۔ مجھے بلایا جائے گا تو میں "لبیک" کہتا ہوا قبول کروں گا۔

"فَکَانَ کَمَا قَالَ کَانَ یَوْمًا قَاعِدًا فِیْ جَمَاعَۃٍ فَقَالَ لَبَّیْکَ وَ وَقَعَ مَیِّتًا۔"

پس ایسا ہی ہوا جیسے انھوں نے کہا تھا۔ ایک دن وہ جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک کہا، لبیک حاضر ہوں اور مر کر گر پڑے۔

---

[1] سورج سے مراد میرا مطلوب اور محبوب ہے جو آفتاب کا حکم رکھتا ہے اس بات میں کہ اسکی روشنی اور اسکا اثر قریب ہے، لیکن اس کی ذات تک پہنچنا ناممکن ہے۔

۹۱۔ حضرت محمد بن یوسف بن معدان البنّاء رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن یوسف بن معدان البنا کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ کہتے ہیں، انہوں نے خود سن کر تین سو شیوخ سے حدیثیں لکھیں۔ اس کے بعد ارادت، خلوت اور مخلوق سے انقطاع ان کی طبیعت پر غالب ہوا۔ سفرِ مکہ کے ارادہ سے نکلے، راستہ میں جنگل کو تجرید کے قدم سے طے کیا۔

کہتے ہیں کہ وہ دن میں راج گیری کرتے، جو کچھ مزدوری پاتے تھوڑا سا خود پر خرچ کرتے باقی مساکین و فقراء میں خیرات کر دیتے۔ باوجود اس محنت و مزدوری کے ایک قرآن روزانہ ختم کرتے۔ جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو پہاڑ کی جانب چلے جاتے صبح تک وہیں رہتے۔ زیادہ تر رات میں یہی کہتے، خداوندا یا مرا آشنائی و شناسائی و معرفت خود روزی کن یا کوہ را فرمان دہ تا بر سرِ من فرود آید۔" خداوندا یا تو مجھے اپنی شناخت و معرفت عطا فرما یا پہاڑ کو حکم دے کہ وہ میرے سر پر گر پڑے، کیونکہ بغیر تیری معرفت کے میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔

انھوں نے فرمایا، جب میں مکہ میں آیا، تو بہت سے بزرگوں کو مقامِ ابراہیم پر بیٹھے دیکھا۔ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ قرآن پڑھنے والے نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا تو میرے دل پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ فریاد کرنے لگا۔ بزرگوں نے قاری سے کہا، "بس کر۔" پھر مجھے کہا، اے جوان تجھے کیا ہوا؟ کہ تو اس قدر جوش میں آگیا اور شور مچانے لگا۔ حالانکہ قاری نے ابھی کوئی آیت بھی نہ پڑھی تھی۔ میں نے کہا، "بِاسْمِهٖ قَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُوْنَ وَبِاسْمِهٖ قَامَتِ الْاَشْيَآءُ وَكَفٰى بِاسْمِ اللّٰهِ سَمَاعًا" ۔ اسی کے نام سے ہی آسمان و زمین قائم ہیں اور ساری چیزیں بھی اسی کے نام سے ہی قائم ہیں اور اللہ کا نام سُن لینا ہی کافی ہے۔

سارے بزرگ کھڑے ہو گئے۔ مجھے اپنے درمیان بٹھا لیا اور میری عزت و تکریم کی۔

حضرت محمد بن یوسفؒ نے فرمایا، کہ میں رہتے ہوئے زیادہ تر یہی دعا کرتا،

"یا رب دل مرا بخود آشنائی و شناسائی دہ، یا جان مرا بستاں کہ مرا بے شناختِ تو بجان حاجت نیست۔ اے رب میرے دل کو اپنی معرفت و دوستی دے یا میری جان لے لے کہ تیری معرفت کے بغیر مجھے جینے کی ضرورت نہیں۔

خواب میں دیکھا کہ کہنے والا کہہ رہا ہے۔ اگر تو یہ چاہتا ہے تو ایک مہینہ کے روزے رکھ اور کسی سے کلام نہ کر۔ اس کے بعد زم زم پر آ اور اپنی مراد مانگ۔" پس میں نے ایسا ہی کیا۔ جب مہینہ پورا ہو گیا۔ میں زم زم پر آیا دعا کی تو زم زم کے کنوئیں سے ہاتفؔ کی آواز آئی اور یہ کہا،

ہاتف: غیبی آواز یعنی آواز سنے، مگر آواز دینے والا نظر نہ آئے۔

"یَا ابْنَ یُوْسُفَ اِخْتَرْ مِنَ الْاَمْرَیْنِ وَاحِدًا اَیُّهُمَا اَحَبُّ اِلَیْكَ الْعِلْمُ مَعَ الْغِنٰی وَالدُّنْیَا اَمِ الْمَعْرِفَةُ مَعَ الْقِلَّةِ وَالْفَقْرِ۔"

ترجمہ: اے ابنِ یوسف دو چیزوں میں سے جو تجھے زیادہ پسند ہو ایک کو اختیار کر، یا تو دولت اور دنیا کے ساتھ علم لے۔ یا تنگی اور فقر کے ساتھ معرفت۔"

مَیں نے کہا، میں فقر و تنگی کے ساتھ معرفت چاہتا ہوں۔ اس کے بعد چاہِ زم زم سے آواز آئی "قَدْ اُعْطِیْتَ قَدْ اُعْطِیْتَ" تجھے دے دیا گیا، تجھے دے دیا گیا۔

کہتے ہیں، حضرت جنیدؒ ان کے فضل و کمال کے معترف تھے۔ ایک خط میں انھوں نے شیخ علی بن سہل کو لکھا "سَلْ شَیْخَكَ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ مَا الْغَالِبُ عَلَیْكَ" اپنے شیخ ابوعبداللہ سے پوچھ کر آپ پر کیا غالب ہے؟ علی بن سہلؒ نے آکر پوچھا، تو فرمایا کہ اسے لکھ دے، وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهٖ[1] اللہ غالب ہے اپنے کام پر۔

۹۲۔ حضرت محمد بن فازہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

کنیت ابوجعفر ہے۔ محمد بن یوسف بنار کے شاگردوں میں سے ہیں۔ "کَانَ مُجْتَهِدًا قَوِیًّا فِی الْعِبَادَةِ سَخِیًّا فِی الْبَذْلِ وَالْعَطِیَّةِ" عبادت و بندگی میں سخت مجاہدہ کرنے والے، خرچ کرنے اور تحائف دینے میں سخاوت کرنے والے تھے۔ ہر روز تین قرآن ختم کرنا ان کا روزمرّہ کا معمول تھا۔ باپ کے ورثہ سے بہت مال و دولت ان کے حصہ میں آئی۔ جسے وہ سالہا سال اپنے مرشد محمد بن یوسف اور ان کے گھر والوں پر خرچ کرتے رہے اور شیخ کو اس کی خبر تک نہ ہونے دی کہ ان کے گھر کا خرچ کون اٹھاتا ہے۔

محمد بن فازہؒ نے اپنے ایک دوست سے حضرت کے گھر کا خرچ اور گھر کی ضروریات ان کے گھر پہنچانے کے متعلق کہا اور کہا کسی کو علم تک نہ ہو کر خرچ کون کرتا ہے؟ جب کئی سال گزر گئے تو محمد بن یوسف نے بڑے اصرار کے ساتھ محمد بن فازہؒ کے دوست سے پوچھا، "کون شخص ہے جو میرے بال بچوں اور کنبہ کی کفالت کرتا ہے؟" اس نے کہا، "محمد بن فازہؒ"۔ یہ سُن کر محمد بن یوسف نے فرمایا، "جَزَاهُ اللّٰهُ عَنِّیْ بِاَفْضَلِ الْجَزَاءِ" اللہ تعالیٰ اس کو میری طرف سے بہتر سے بہتر جزا دے۔

---

[1] یعنی حق تعالیٰ مجھ میں جیسا چاہتا ہے تصرّف فرماتا ہے۔ کہ میں اس کے مظاہر قدرت میں سے ایک ہوں۔ پس وہ میرا متصرّف ہے اور کوئی حال میرے اندر تصرّف نہیں کرتا۔

ایک آدمی نے کہا کہ میں نے محمد بن فاذہ کو سردی کے موسم میں ایک کرتہ میں بیٹھے دیکھا۔ میں نے اُن سے کہا، آپ کو سردی نہیں لگتی؟ بولے، اپنا ہاتھ (میرے کُرتہ کے اندر) لا اور لاالٰہ الا اللہ کہہ۔" میں نے ان کے کُرتہ کے اندر ہاتھ رکھا اور لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کہا، دیکھا کہ گرمی سے وہ پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔

۹۳۔ حضرۃ سہل بن علی المروزی قدس سرہٗ

حضرت سہلؒ ایک دن عبداللہ بن مبارک کی خانقاہ گئے تو کہا، آپ نے یہ گانے والی باندیوں کو سنگھار کرواکر کوٹھے پر کیوں بٹھا رکھا ہے؟ انہیں نیچے آنے کی ہدایت کیوں نہیں کرتے۔" ابن المبارک نے فرمایا۔ "ایسا ہی کروں گا۔" جب سہل بن علی باہر گئے تو حاضرین سے کہا، کوشش کرو اور اس کا خیال رکھو کہ یہ ابھی ابھی دنیا سے رخصت ہوا چاہتا ہے۔ جو کچھ اس نے میرے کوٹھے پر دیکھا ہے یہ جنّت کی حوریں ہیں جو اس کی پذیرائی کے لیے بہشت سے بھیجی گئی ہیں۔ اور وہ جھوٹ بھی نہیں کہتا۔ حضرۃ سہلؒ خانقاہ سے کچھ ہی دور گئے تھے کہ وصال پا گئے۔

سہل بن علیؒ سے پوچھا گیا۔ اللہ کی عنایات و انعامات جو بندہ کو دیئے جاتے ہیں سب سے بہتر کون سا انعام ہے۔ فرمایا، "دل کی فراغت۔"

حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْهِمَا کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغَةُ۔ "دو نعمتیں ایسی ہیں کہ زیادہ آدمی اس میں گھاٹے میں ہیں۔ وہ صحت ہے اور فراغت۔"

حضرت علی بن سہلؒ نے یہ بھی فرمایا، "اَلْفَرَاغُ بَلَاءٌ مِّنَ الْبَلَایَا۔" فراغت بلاؤں[1] میں سے ایک بلاء اور آزمائشوں میں سے ایک آزمائش ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جس شخص پر تقویٰ غالب نہ ہو اس کے لیے کسی نہ کسی کام میں مشغول رہنا فارغ رہنے سے بہتر ہے۔ ایسے آدمی کو فارغ نہ رہنا چاہیئے کہ نٹھلی اور نکمّے رہنے میں اس کو کوئی مصیبت نہ ہو پہنچ جائے، لیکن جو متقی و پرہیزگار اور اہلِ دل ہے اس کے لیے فراغت بے بہا دولت ہے، فراغتِ دل خانہ صحبتِ حق است' سبحانہ وتعالیٰ

---

[1] فراغت بلاؤں میں سے ایک بلاء ہے۔ جو اس حدیث سے مطابق نہیں ہوتی جو ابھی بیان کی گئی ہے کہ دو نعمتیں ان میں زیادہ لوگ گھاٹے میں ہیں صحت اور فراغت۔ اس حدیث میں فراغت کو نعمت بتایا ہے۔ شیخ الاسلام نے ان دونوں کے درمیان مطابقت کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ فراغت نعمت اور بلاء ہے غیر متقی کے لیے کیونکہ یہ شخص اس فراغت کے ساتھ بُعد اور حجاب کے اسباب پیدا کرتا ہے۔ پس اس شخص کے لیے مشغولی بہتر ہوتی ہے تاکہ اسکو بُعد کے اسباب کی تحصیل کیلئے فرصت نہ ملے اور متقی کیلئے فراغت نعمت ہے۔ وہ اس کو قرب کے اسباب کا سرمایہ بناتا ہے۔

و درویشی دکانِ ایں کار"۔ فراغتِ دل حق تعالیٰ سے ملنے اور اس کی ملاقات کا گھر ہے اور درویشی اس کام کی دُکان ہے[1]۔

ابن جریج کہتے ہیں، جس کی عزیمت رخصت پر پختہ نہیں اس کا ترقی کی جانب رُخ نہیں۔ "ہر کہ او را طریقِ حزم نیست اورا برزیادتِ روئے نیست"۔ یعنی جو شخص ترقی کا طالب ہے اس پر لازم ہے کہ عزیمت پر عمل کرے نہ رُخصت پر۔

۹۴۔ حضرۃ علی بن حمزہ الاصفہانی الحلاج رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "یہ منصور حلاج کے علاوہ دوسرے بزرگ ہیں، خود کہتے ہیں، محمد بن یوسف بنار کا مرید ہوں۔ عرصہ تک ان کی خدمت میں رہا۔ اُن کے واقعات اور ان کی باتیں لکھتا رہا۔ آخر حج کے لیے چلا گیا۔ جب واپس آیا، بصرہ پہنچا تو محمد بن یُوسف کی وفات کی خبر بصرہ پہنچ چکی تھی۔ مجھے اس خبر سے اتنا صدمہ ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا، میں اصفہان میں نہ رہ سکوں گا، اور بصرہ میں سَہل تستریؒ کے مریدوں کے پاس ٹھہروں گا۔ وہ لوگ اپنے پیر و مرشد کی باتیں اور واقعات سناتے۔ جب یہ باتیں ہوتیں اور مجھے کوئی بات اچھی لگتی تو میں ان سے کہتا۔ مجھے لکھ دو کیونکہ میں اُمّی ہوں۔ وہ لکھ دیتے۔ ایک دن پانی پر بیٹھا وضو کر رہا تھا۔ میرے پاس جو لکھا ہوا تھا وہ میری آستین سے نکل کر پانی میں گر گیا اور ضائع ہو گیا۔ مجھے سخت رنج ہوا کہ اتنے عرصہ کا جمع کیا ہوا خزانہ برباد ہو گیا۔ اسی روز سہل تستریؒ کو خواب میں دیکھا، وہ مجھے فرما رہے تھے۔ "تجھے اس کا صدمہ ہے کہ تیری محنت پانی میں ضائع ہو گئی"۔ میں نے کہا، ہاں اے استاد!" فرمایا، "تو ان باتوں کی دوستی کے حق کو اور اللہ کے حق اور اللہ کے دوستوں کے حق کو اپنے سے کیوں طلب نہیں کرتا[2]"۔ میں نے کہا، "کیوں نہیں، لیکن کیا کروں۔ مجھے اس مسوّدہ کے ضائع ہونے کا بہت صدمہ ہے۔ اس پر صبر کرنا میری طاقت سے باہر ہے"۔ حضرت سہلؒ سے ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں تو اسی خواب میں حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ اصحابِ صُفّہ کی جماعت کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ جب میں نے یہ دیکھا تو میں دوڑتا ہوا خوشی خوشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے نزدیک پہنچا۔ مجھے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہنس پڑے اور فرمایا، "چرا نہ گوئی ایں صدیق را یعنی سہل تستری را کہ دوستی ایں طائفہ وایں سخنان عین حقیقت است باآں"۔ اس صدیق یعنی سہل تستریؒ سے تو کیوں نہیں کہتا، اس جماعت کے ساتھ اُلفت رکھنا اور ان کی باتوں سے محبت رکھنا۔ عین حقیقت است باآں۔

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لیے درویشی اختیار کی جاتی۔ تمام نیک اعمال کی جزا و ثواب ہے لیکن ان سے اُس کی ملاقات نہیں ہوتی۔ ملاقات کے لیے درویشی ذریعہ ہے۔

[2] ان باتوں کے اور اس کے دوستوں کے جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں تجھے ان کے ادا کرنے کا فکر نہیں۔

اصل میں خدا کے ساتھ محبت رکھنا ہے۔

علی بن حمزہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم یہ بات کہنے کے لیے تشریف لائے ہوں۔ جب سہلؒ نے آنحضرت سے یہ سُنا تو کہا، استغفر اللہ یا رسول اللہ۔ یا رسول اللہ میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔" حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم ہنس پڑے اور خوشی سے میری آنکھ کھل گئی۔

شیخ الاسلام نے فرمایا،

دوستی این کار این کار ست، نزدیک است	قریب ہے کہ اس کام پر انکار کرنا یہ بھی کام ہو،
کہ کارِ این کار بود کہ از حقیقت ہیچ چیز بمجاز نرود	کیونکہ حقیقت سے کوئی چیز مجاز تک نہیں جاتی [1]

غلام الخلیل جو محققین صوفیاء کو اذیتیں دیتا تھا اور ان پر الزام تراشیاں کرتا تھا آخر عمر میں وہ کوڑھی ہو گیا۔ اس طائفہ کے ایک بزرگ نے اس کا حال سُنا تو کہا، یقیناً کسی کچے اور ناپختہ صوفی نے اس پر توجہ ڈال کر بیمار کر دیا ہے، مگر اس نے اچھا نہیں کیا۔ کیونکہ وہ (غلام الخلیل) اس جماعت کی مخالفت کرتا تھا اور ان سے دشمنی رکھتا تھا۔

گاہ گاہ اعمالِ ایشاں بوے انجام می گرفت۔ کبھی کبھی ان کے کام بھی ظاہر میں اختیار کر لیا کرتا تھا۔ خدا اسے شفا دے اس بزرگ کی بات لوگوں نے غلام الخلیل سے کہہ دی تو غلام الخلیل نے یہ بات سُن کر توبہ کی اور جو کچھ بھی اس کے پاس اثاثہ تھا مشائخ کے پاس بھیج دیا۔ مگر انھوں نے قبول نہ کیا۔ دیکھ لے! اس جماعت کے انکار نے آخر اس مرد کو توبہ تک پہنچا دیا۔ پس جو شخص ان حضرات کا اقرار کرنے والا اور ان کا معترف ہوگا۔ وہ کہاں پہنچے گا۔

۹۵۔ حضرت علی بن شعیب السقاء قدس سرہٗ

حیرہ نیشاپور کے علاقہ کے رہنے والے اور ابو حفصؒ کے صحبت یافتہ ہیں۔ کہتے ہیں علی بن شعیب نے احرام باندھ کر بچپن حج کیے اور ہر میل پر دو رکعت نماز نفل پڑھتے۔ لوگوں نے اس نماز کی وجہ پوچھی، "یہ نماز کیسی ہے؟" فرمایا، لِیَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ

---

[1] کیونکہ اس کام کا انکار اس کام کے تصور کا مستلزم ہے اور اس کام کا تصور یہ بھی کام ہے۔ یعنی اس سے بھی کام بن جاتا ہے۔ کہ نفرت وعداوت محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

[2] ناپختہ صوفی۔ یعنی صوفیاء میں جو حضرات بالغ اور پختہ ہوتے ہیں وہ اپنی توجہ اور ہمت کو اس کی اجازت کے بغیر نہیں استعمال کرتے اس بناء پر کہ بلوغ بکمال کا مطلب بندگی کے مقام میں پہنچنا ہے اور بندگی کے مقام کا مقتضاء اطاعت یعنی تصرف نہ کرنا ہے مگر معبود کی اجازت سے۔

تاکہ وہ اپنے واسطے منافع کمائیں۔ ایں منافع من است از حج من باد۔ یہ میرے حج کا منافع ہے جس کے قصد سے میں جا رہا ہوں۔

۹۶۔ حضرت علی بن مُوَفَّق البغدادی رحمۃ اللہ علیہ

قدیم مشائخ عراق میں سے ہیں۔ ذوالنون مصری کو انہوں نے دیکھا تھا۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، علی بن مُوَفَّق نے چوہتر حج کیے۔ ایک دن جب حج سے فارغ ہوتے تو بڑے افسوس سے اپنے دل میں کہا، میں آتا اور جاتا ہوں، مگر پتہ نہیں میرے دل اور وقت کی کوئی قیمت بھی ہے یا نہیں۔ رات کو حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس سے کہہ رہے ہیں۔ اے موفق کے بیٹے کیا تو اس آدمی کو اپنے گھر بلاتے گا، جسے تو نہ چاہے گا؟ اگر میں تجھے نہ چاہتا تو نہ تجھے بلاتا اور نہ یہاں پہچانتا۔

حضرت علی بن موفق نے کہا تھا۔ خداوندا! اگر تجھے میں دوزخ کے ڈر سے پوجتا ہوں تو مجھے دوزخ میں ڈال دے۔ اور اگر بہشت کی امید اور اس کے لالچ سے تیری بندگی کرتا ہوں تو مجھے ہرگز اس میں جگہ نہ دے۔ اگر محض تیری محبت سے بندگی کرتا ہوں تو مجھے اپنے حُسن کا جلوہ دکھا دے، پھر اس کے بعد جو چاہے کیجیے۔

۹۷۔ حضرت ابو احمد القَلانِسی رحمۃ اللہ علیہ

ان کا نام مُصعَب بن احمد البغدادی ہے۔ کہتے ہیں اصل میں یہ "مَرو" کے رہنے والے تھے۔ حضرت جنید اور حضرت رویم کے ہمعصر تھے۔ تاریخ میں ہے کہ ابو احمد قلانسی نے ۲۹۰ھ میں حج کیا اور حج کرلے کے چند دن ہی بعد مکہ میں انتقال کر گئے۔

ابو احمد قلانسی گفتہ۔ روزے درمیانِ قوم بودم گفتم کہ ازارِ من، درمیان سخن از من ببریدند از کہ تو گفتی آن من[1]۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، صُوفیوں کے یہاں دستور نہیں ہے کہ تو کہے 'ازارِ من یا نعلین من'؛ میری چادر یا میرا جوتا۔ ان کا دستور یہ ہے کہ وہ دوستوں کے اندر اپنے کو کسی چیز کا مالک نہیں دیکھتے مگر ظاہر کی ضرورت ہے۔

شیخ شیروانی کہتے ہیں، کہ جب صوفی کہے، نعلینِ من یا ازارِ من۔ میری جوتیاں یا میری چادر۔ تجھے چاہیئے کہ تو اس میں نہ دیکھے۔ یعنی ان حضرات کے لیے مِلک نہیں ہوتی۔ اس نِسبت کو یہ حضرات مجازاً کہتے ہیں، ورنہ ان کا کچھ نہیں ہوتا سب چیزوں کا مالک حقیقۃً اللہ جَلّ شانہٗ ہے۔

---

[1] میں ایک دن صوفیہ کی جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ میری زبان سے نکلا میری چادر۔ ابھی میں پوری بات نہ کرنے پایا تھا۔ ان حضرات نے میری وہ بات پوری نہ ہونے دی۔ بات کاٹتے ہوئے کہا، تو یہ کہتا ہے؟ وہ میری۔

احمد فلانسی جب بیمار ہوئے اور موت کا وقت قریب آیا، تو کہا، "الٰہی اگر تیرے یہاں میری قدر اور کوئی مقام ہے تو مجھے دو منزلوں کے درمیان موت دیجئے۔ آخر کار ایسا ہوا کہ کوئی ضرورت پیش آئی اور ان کو مُحفہ[1] میں لے کر چلے تا کہ دوسری جگہ پہنچ جائیں، لیکن شیخ راستہ ہی میں فوت ہوگئے۔

۹۸۔ حضرت ابوالغریب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

عشقِ الٰہی میں خاص مقام رکھتے تھے۔ عشق میں عین جمع کے مقام پر پہنچے ہوئے تھے۔ صوفیار کرام انہیں حلولی بھی کہتے تھے۔ شیخ ابوعبداللہ خفیف انہیں دوست رکھتے۔ ان سے محبت کرتے اور ان سے دل بستگی بھی فرمایا لیتے تھے۔ ایک دن شیراز میں وہ اپنی زندگی سے ناامید ہوگئے۔ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو بلایا اور ان سے کہنے لگے، اللہ کے واسطے مجھے تم سے کام ہے۔ کیا اسے پورا کروگے؟ انہوں نے کہا، جی ہاں، فرمائیے۔ فرمایا، جب میں مرجاؤں تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کردینا۔" دوست اس بات پر حیران رہ گئے۔ شیخ نے کہا، آپ نے یہ کیا کہا؟" بولے، میں نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ اگر تیرے یہاں میری کوئی قدر و منزلت ہے تو جب مجھے موت آئے طرطوس میں آئے۔ اب میں شیراز میں مر رہا ہوں، میں نے جانا کہ ان کے یہاں میری کوئی قدر نہیں۔" پاس بیٹھنے والوں کا بیان ہے کہ اسی وقت ان پر صحت کے آثار نمودار ہوئے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور طرطوس کی طرف روانہ ہوگئے۔ ایک صوفی کا بیان ہے کہ میں طرطوس میں ان کی طرف گیا تو دیکھا ان کی دونوں رانیں سوجی ہوئی تھیں اور ان کی سرون[2] سے رانوں تک کا گوشت پھٹا ہوا تھا اور پیپ اور خون بہہ رہا تھا اور ان کی حالت عجیب تھی۔ کسی نے ان سے پوچھا، "آپ کس حال میں ہیں؟" کہا، "جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے، لیکن اب تک میں نے یہ نہیں کہا، مَسَّنِیَ الضُّرُّ[3]

۹۹۔ حضرت ابوعبداللہ القلانسی رحمۃ اللہ تعالیٰ

مشائخ میں عالی قدر بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنے سفر کا حال سنایا، کہ میں کشتی میں سوار تھا۔ طوفان آیا اور کشتی ڈوبنے لگی۔ کشتی والوں نے دعائیں شروع کیں۔ وہ لوگ گڑگڑا کر اللہ سے سلامتی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ منّتیں مان رہے تھے۔ مجھے کہنے لگے۔ تو بھی کوئی منت مان۔ میں نے جواب دیا۔ میں دنیا سے محروم ہوں۔ کیا منّت مانوں۔ ساتھیوں کے زیادہ اصرار پر میں نے کہا، الٰہی میں نے نذر کی، اگر اس طوفان سے خلاصی پاؤں تو کبھی ہاتھی کا گوشت[4] کھاؤں گا۔ لوگوں نے

---

[1] مُحفہ۔ ڈولی یا پالکی۔ [2] سرون اور سرین کے معنی چوتڑ کے آتے ہیں۔

[3] مجھے بیماری لگ گئی۔ یعنی جیسے ایوب علیہ السلام نے اپنے زمانۂ ابتلا میں مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَانتَ ارحم الرّاحمین کہا تھا۔

کہا، عجب نذر مانی ہے۔ کوئی شخص کبھی بھی ہاتھی کا گوشت نہیں کھاتا۔ میں نے کہا، میرے دل میں یہی آیا اور خدا تعالیٰ نے میری زبان سے یہی کہلوایا۔" اچانک کشتی ٹوٹ گئی اور ہم سب صحیح و سلامت کنارہ پر پہنچ گئے۔ کئی روز تک ہم نے کچھ نہ کھایا۔ ہم اسی حال میں بیٹھے ہوتے تھے کہ اچانک ہتھنی کا بچہ ہمارے سامنے آیا۔ لوگوں نے اسے پکڑ کر مار ڈالا اور اس کا گوشت پکا کر کھا گئے۔ مجھے بھی کھانے کو کہا، میں نے کہا، میں نے تو نذر کی تھی کہ ہاتھی کا گوشت نہ کھاؤں گا۔ اُنہوں نے زور دے کر کہا، مجبوری اور جان بچانے کا موقع ہے۔ اس حال میں عہد توڑنے کی اجازت ہے، مگر میں نے ان کی بات نہ مانی۔ اپنے عہد پر قائم رہا اور اپنی نذر کو نہ توڑا۔ ان لوگوں نے جب گوشت کھالیا تو سب سو گئے۔ وہ لوگ سو رہے تھے کہ اس بچہ کی ماں آئی۔ سونگھتے سونگھتے اپنے بچہ کی ہڈیوں پر پہنچ گئی۔ انہیں سونگھ کر سونے والوں کے پاس آئی۔ وہ انہیں سونگھتی اور سُونگھ کر اگلے اور پچھلے قدم سے روند کر مار دیتی۔ یہاں تک کہ گوشت کھانے والوں میں سے ہر ایک کے ساتھ اس نے یہی سلوک کیا۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آئی اور دیر تک سُونگھتی رہی۔ جب مجھ سے گوشت کی بُو نہ پائی تو اپنی پیٹھ میری طرف کی۔ اپنی سونڈھ سے اشارہ کیا کہ مجھ پر سوار ہو جا۔ میں نہ سمجھا تو اپنا پاؤں اٹھا کر اوپر کیا۔ تب میں سمجھا کہ یہ چاہتی ہے کہ میں اس پر سوار ہو جاؤں۔ میں سوار ہو گیا۔ سوار ہونے کے بعد اس نے اشارہ کیا کہ اچھی طرح سنبھل کر بیٹھ جا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا تو وہ اپنی تیز رفتاری سے دوڑی کہ راتوں رات ایسی جگہ پہنچا دیا جہاں کھیتی ہو رہی تھی۔ ابھی اندھیرا ہی تھا کہ مجھے اُترنے کا اشارہ کیا۔ میں اتر پڑا تو بڑی تیزی سے وہ واپس ہو گئی۔ جب صبح ہوئی لوگ سامنے سے آتے نظر آئے وہ مجھے اپنے گھر لے گئے اور ترجمان کے ذریعے میرا حال دریافت کیا۔ میں نے سارا واقعہ سنایا، تو کہنے لگے، جانتا ہے کہ یہ ہتھنی تجھے کہاں سے لائی ہے؟ اور وہاں سے یہاں تک کتنا فاصلہ ہے۔ میں نے کہا، نہیں۔ تو ان لوگوں نے کہا، آٹھ دن کا فاصلہ ہے جسے وہ ایک رات میں پورا کر گئی۔

۱۰۰۔ حضرت ابو عبداللہ الجَلّاء[1] قدس سرہٗ

دوسرے طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام احمد بن یحییٰ یا محمد بن یحییٰ الجلاء ہے، مگر احمد زیادہ صحیح ہے۔ بغدادی الاصل ہیں۔ لیکن رَمْلہ[2] میں مقیم رہے۔ شام کے اجلّہ مشائخ سے ہیں۔ ابو تراب نخشبیؒ اور ذوالنون مصریؒ کے شاگرد ہیں۔ ان کے بعد اپنے والد یحییٰ الجلاء اور

---

[1] جیم کی زبر ل کی تشدید۔

[2] رَملہ فلسطین کے ایک بڑے قصبے کا نام ہے۔ بیت المقدس سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر یافہ اور قدس کی درمیانی سڑک پر واقع ہے جو کہ دمشق کا علاقہ ہے۔

ابو عبید بُسریؒ کی صحبت اختیار کی اور سفر میں ساتھ رہے۔ پرہیزگار عالم تھے۔ دُقّی[1] کے استاد تھے۔

ایک دن ابوالخیر مینائی نے ابو عبداللہ جلّار کو ہوا میں کالے بادل کے خلار میں اڑتے دیکھا، ابوالخیر مینائی نے آواز دی کہ "میں پہچان گیا ہوں"۔ جواب دیا، "تو نے نہیں پہچانا"۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوالخیر نے آدمی کی شناخت کے بارہ میں کہا اور ابو عبداللہؒ نے مقام و شرف کی شناخت کے بارہ میں کہا کہ تو نے نہیں پہچانا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوبکر واسطیؒ اپنی جلالت[2] کے باوجود کہتے ہیں۔ میں نے ایک مرد سالم، اور ایک آدھا دیکھا۔ مرد تمام (کامل) ابو اُمیہ الماحوری ہیں اور آدھا مرد ابو عبداللہ الجلّارؒ۔ انہوں نے کہا، ابو اُمیہ کسی مخلوق کے ہاتھ سے کچھ نہ کھاتے تھے۔ وَكَانَ يَاكُلُ مِمَّا لَيْسَ لِلْمَخْلُوْقِيْنَ فِيْهِ صُنْعٌ۔ اور وہ غذا کھاتے تھے جس کی تیاری میں مخلوق کا کوئی دخل نہ ہوتا[3]۔

ابو عبداللہ جلّار ایک آدمی کے مال سے کھا لیتے تھے جس کو علی ابن عبداللہ القطّان[4] کہتے ہیں۔

ابو عبداللہ الجلّار سے محبت کے متعلق پوچھا تو فرمایا، "مَالِيْ وَلِلْمَحَبَّةِ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اَتَعَلَّمَ التَّوْبَةَ"۔ میرا اور محبت کا کیا جوڑ میں تو چاہتا ہوں تو بہ سیکھوں۔ ان سے پوچھا گیا، فقیر پر فقر کا نام کب درست ہوگا[5]، فرمایا، اِذَا لَمْ يَبْقَ عَلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ مُطَالَبَةٌ ظَاهِرًا وَّ بَاطِنًا۔ جس وقت اس پر اس کے نفس کی طرف سے کوئی مطالبہ و تقاضہ باقی نہ رہے۔ نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوتراب نخشبیؒ کے ساتھ تین سو آدمی کاسۂ گدائی لے کر جنگل میں گئے تھے، مگر ان میں سے صرف دو آدمی ان کے ساتھ رہ گئے۔ ایک ابو عبداللہ جلّار اور دوسرے ابو عبید بُسری۔

---

[1] دُقّی۔ دال وقاف مشدد یائے معروف [2] جلالت بمعنی شان [3] یعنی روٹی، ستو، دلیہ وغیرہ کچھ نہ کھاتے تھے، بلکہ گھاس اور سبزیاں وغیرہ کھاتے تھے۔

[4] اَلْقَطَّان۔ قی کے فتح کے ساتھ اور طائے مہملہ کی تشدید کے ساتھ۔

[5] سوال کا مطلب یہ ہے کہ فقیر فقیر کے نام کا کس وقت حقدار ہوتا ہے۔ ابو عبداللہ نے فرمایا جس وقت اس کے نفس کی خواہش نہ رہے۔ ظاہر کے اعتبار سے نہ باطن کے اعتبار سے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ظاہری خواہش سے مراد محض خواہش ہو اور باطنی خواہش سے مراد خواہش کی استعداد ہو

۱۰۱۔ حضرت ابو عبداللہ بُسری[1] رحمۃ اللہ علیہ

نام محمد بن حسّان ہے۔ ابو تراب نخشبیؒ کی صحبت میں رہے۔ ابن الجلاؒ، فرماتے ہیں، میں چھ سو بزرگوں سے ملا۔ ان میں سے چار بزرگوں جیسا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ ذوالنون مصریؒ، ابو تراب نخشبیؒ، ابو عبداللہ بُسری اور ابوالعباس ابن عطار قدس اللہ ارواحہم۔

ابو عبداللہ دمشق میں اپنی جماعت کے ساتھ کسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک سوار سامنے سے گزرا۔ اس کے پیچھے ایک غلام غُصّہ کی حالت میں کپڑوں کی گٹھڑی کندھے پر اٹھائے سوار کے پیچھے دوڑا جا رہا تھا۔ جب ابو عبداللہ اور ان کے اصحاب کے قریب پہنچا تو اس نے کہا، "اَللّٰھُمَّ اَعۡتِقۡنِیۡ وَاَرِحۡنِیۡ مِنۡہُ"۔ پھر ابو عبداللہ بُسری کی طرف مُنہ کیا اور کہا، اے شیخ میرے لیے دعا کر، ابو عبداللہ نے کہا، اَللّٰھُمَّ اَعۡتِقۡہُ عَنِ النَّارِ وَمِنَ الرِّقِّ فِی الۡحَالِ "خدایا اس کو آئندہ دوزخ سے آزاد کر دیجئے اور اب غلامی سے"۔ اسی وقت خدا تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا، سواری نے سوار کو نیچے گرا دیا۔ اس نے غلام کو دیکھا اور کہا، میں نے تجھے خاص اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔ غلام نے کپڑوں کی گٹھڑی اس کے سامنے پھینک دی اور کہا، حضورِ والا! آپ نے مجھے آزاد نہیں کیا بلکہ اس جماعت[2] نے آزاد کیا ہے۔ پھر وہ مرتے دم تک انہیں کے پاس رہا۔

ایک دن شیخ ابو عبید بُسری کا لڑکا ان کے پاس آکر کہنے لگا، روغن کے چند مٹکے میرا سرمایہ تھا۔ میں نے انہیں باہر نکالا جو گر کر ٹوٹ گئے اور میرا سرمایہ ضائع ہو گیا۔ فرمایا، بیٹے اپنا سرمایہ وہ بنا جو تیرے باپ کا سرمایہ ہے۔ اللہ کی قسم دین و دنیا میں تیرے باپ کا سرمایہ سوائے خدا کے اور کچھ نہیں۔

ابو عبداللہ بسریؒ کے ایک مرید نے کہا، کہ ابو عبداللہ کسی کام میں مشغول تھے اور حج میں تین دن باقی تھے۔ اس جماعت کے چند آدمی آئے اور پوچھا، "اے ابو عبید حج کو چلے گا؟" ابو عبداللہ نے کہا، "نہیں"۔ پھر میری طرف دیکھا اور فرمایا، کیا تیرے شیخ نے اپنے نقصان کو چاہے گا۔ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں وہ ان سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ یعنی طیُّ الۡاَرض (زمین کی طنابیں سکڑ جانے) کے متعلق کہتے ہیں جب رمضان آتا تو ابو عبداللہ ایک کوٹھے میں چلے جاتے اور گھر والوں کو ہدایت کر دیتے کہ دروازہ مجھ پر بند کر دو اور ایک روشن دان چھوڑ دو اور ہر رات ایک روٹی اس میں ڈال

---

[1] بصری کی طرف منسوب اور یہاں ص کو س سے بدل دیا۔

[2] یعنی اس جماعت سے اسکی مراد ابو عبداللہ بصری اور انکے ساتھی ہیں اور غلام نے انہیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

دیا کرو۔ عید کے دن جب گھر والے دروازہ کھولتے تو وہ تیس روٹیاں کوٹھے کے ایک کونہ میں پڑی دیکھتے اور ابو عبداللہ نے اس میں سے کچھ نہ کھایا ہوتا نہ پیا ہوتا۔ نہ نیند کی ہوتی۔ تیس دن رات ایک وضو سے نماز پڑھتے رہتے۔

کہتے ہیں ابو عبید ایک غزوہ میں گھوڑے کے بچھیرے پر سوار ہو کر گئے۔ اس اثنا میں وہ بچھیرا گرا اور مر گیا۔ ابو عبید نے کہا۔ خداوندا! اس بچھیرے کو اس وقت تک مانگا دے دے جب تک کہ میں بصرہ پہونچوں۔ گھوڑے کا وہ بچھیرا زمین سے اٹھا اور زندہ ہو گیا۔ جب جنگ سے فارغ ہوئے بصرہ پہونچے۔ اپنے لڑکے کو کہا، بچھیرے کی زین اتار لے۔ بیٹے نے کہا، گرم ہے اسے پسینہ آرہا ہے۔ کہا، اتار لے کہ مانگا ہوا ہے۔ جب زین اتار لی "کہ بیفتاد و بمرد" بچھیرا گر پڑا اور مر گیا۔

حضرت ابو عبیدؒ نے فرمایا، "اَلنِّعَمُ طَرْدٌ فَمَنْ رَضِیَ بِالنِّعَمِ فَقَدْ رَضِیَ بِالطَّرْدِ وَالْبَلَاءُ قُرْبَةٌ فَمَنْ سَاءَهُ الْبَلَاءُ فَقَدْ أَحَبَّ تَرْكَ الْقُرْبَةِ وَالتَّقَرُّبُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی۔"

نعمتیں[1] بندہ کو خدا سے دور کر دینے والی ہیں۔ پس جو شخص نعمتوں پر راضی ہوا وہ خدا سے دوری پر راضی ہوا۔ اور مصیبت و تکلیف اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ پس جس نے بلاء کو برا جانا اس نے قرب کے ترک کو پسند کیا اور تقرب الی اللہ کے ترک کو بھی۔

۱۰۲۔ حضرۃ ابو عبداللہ سجزی رحمہ اللہ تعالیٰ

خراسان کے بزرگ مشائخ اور جوانمردوں میں سے ہیں۔ ابو حفص کے ساتھ صحبت رکھتے تھے۔ اکثر جنگلوں میں توکل پر نکل جاتے تھے۔

حضرت نے فرمایا، ولی میں تین نشانیاں ہونی چاہییں۔ ۱۔ رفعت اور عالی مرتبہ ہونے کے باوجود مخلوق کے ساتھ عاجزی اور انکساری سے پیش آنا۔ ۲۔ دنیا پر قادر ہونے کے باوجود اس کو چھوڑ دینا۔ ۳۔ اور ہر طرح کی قوت رکھنے کے باوجود انصاف دینا۔[2]

---

[1] نعمتیں درگاہِ الٰہی سے مردود اور دھتکارے جانے کا سبب بن جاتی ہیں کبھی نعمت والا نعمت کے ساتھ آرام پکڑ لیتا ہے اور نعمت میں مگن ہو کر منعم (اللہ تعالیٰ) سے غافل ہو کر اس سے دور ہو جاتا ہے اور اس وقت نعمت کے ساتھ خوش ہونا اللہ تعالیٰ سے دوری کے ساتھ خوش ہونا ہے۔ اور بلاء موجب قرب ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بلاء والا بلاء کے بھیجنے والے سے غافل نہیں ہوتا۔ اور رضاء کے ساتھ صبر کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ جب مصیبت زدہ آدمی مصیبت پر صبر کو اپنا لیتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی جناب میں مقرب ہونے کا ذریعہ ہے۔ [2] لوگوں کو ان کا حق دینا۔

اور فرمایا، جس واعظ کی مجلس سے تونگر، درویش بن کر نہ اٹھے اور درویش تونگر بن کر نہ اٹھے وہ واعظ نہیں۔

اور فرمایا، مریدوں کے لیے سب سے زیادہ مفید اور نفع بخش چیز صالحین کی صحبت، ان کے اعمال اور اخلاق میں ان کی پیروی کرنا اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کرنا، اس کے دوستوں اور فقیروں کی خدمت گزاری میں رہنا ہے۔

لوگوں نے ان سے پوچھا، "آپ فقراء کی گدڑی[1] کیوں نہیں پہنتے؟" فرمایا، میں اس کو نفاق سمجھتا ہوں کہ کپڑے تو جوانمردوں کے پہنوں اور جوانمردی کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کروں، پس لوگوں نے کہا، جوانمردی[2] کیا ہے؟ فرمایا، مخلوق کو ان کے حال میں معذور جاننا اور اپنے کو قصوروار سمجھنا اور ساری مخلوق پر شفقت کرنا خواہ وہ نیکوکار ہوں یا بدکار۔" اور فرمایا، جوانمردی کا کمال یہ ہے کہ کوئی مخلوق تجھے خالق سے ہٹا کر اپنے میں مشغول نہ کرے۔

ایک آدمی نے کہا، سونے کی اشرفی رکھتا ہوں۔ جی چاہتا ہے آپ کو دے دوں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا، گر بدھی ترا بہتر و گر نہ دھی مرا بہتر[3]" اگر دے گا تو تیرے لیے بہتر ہے اگر نہ دے گا تو میرے لیے بہتر ہے۔

ایک درویش کہتے ہیں میں نے عبداللہ سجزی کے ساتھ طرابلس سے سفر کیا۔ رات بھر چلتے رہے۔ کچھ نہ کھایا۔ راستہ میں سبز کدو کا ٹکڑا پڑا دیکھا۔ میں نے اسے اٹھالیا کہ کھاؤں۔ شیخ نے مجھے دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ شیخ کو ناپسند ہے۔ میں نے پھینک دیا۔ اس کے بعد پانچ دینار "فتوح" کے پہنچے۔ ہم ایک گاؤں میں پہنچے تو میں نے سوچا یہاں سے کھانا خریدیں گے، مگر یہاں سے بغیر کچھ خریدے آگے چلے گئے اور کہنے لگے۔ شاید تو کہتا ہوگا پیدل ہیں اور بھوکے ہیں اور یہ کچھ نہیں خریدتا۔ قریب ہی راستہ پر ایک گاؤں ہے۔ اس میں ایک عیال دار آدمی ہے۔ جب ہم وہاں پہنچیں گے وہ ہماری خدمت کریگا۔ یہ پانچ دینار اس کو دے دینا وہ اس سے ہمیں بھی کھلائے گا اور اپنے بال بچوں کو بھی۔ جب ہم اس گاؤں میں پہونچے تو ہم نے وہ دینار اس آدمی کو دے دیئے۔ اس نے خرچ کیا۔ جب اس گھر سے رخصت ہوتے اور باہر نکلے تو حضرت نے مجھ سے پوچھا، تو کہاں جائے گا؟ میں نے کہا، آپ کے ساتھ، آپ کی ہمراہی میں سفر کروں گا۔ فرمایا، میں تیرے ساتھ سفر نہ کروں گا، کیونکہ تو سبز کدو کو دیکھ کر خیانت کرنے لگا تھا۔ اس کے باوجود تو میرے ساتھ رہنے کی خواہش رکھتا ہے؟

---

[1] یعنی فقراء کا لباس۔

[2] جوانمردی یعنی فتوت۔

[3] مطلب یہ ہے کہ اگر تو نہ دے گا تو میرے لیے بہتر ہے۔ ایک تو تیرے احسان کے بوجھ سے بچوں گا۔ دوسرے آخرت کے حساب سے اور تیسرا اس کی طرف دل کے مشغول ہونے سے اور چوتھے اس کے خرچ کرنے کی فکر سے۔

میرا دل نہیں چاہتا کہ ایسے آدمی کے ساتھ سفر کروں۔

۱۰۳۔ حضرت ابوعبداللہ خاقانی الصوفی رحمۃ اللہ تعالٰی

وفات ۲۷۹ھ۔ صوفیا کے بغداد میں سے بڑے درجے کے صوفی ہیں۔ جعفر خلدیؒ نے کہا۔ وہ صاحب کرامات تھے۔ اور ابن قصاب رازیؒ سے نقل کیا ہے بغداد کے بازار میں میرے والد کی دوکان تھی۔ میں دوکان پر بیٹھا ہوا تھا اچانک ایک شخص وہاں سے گزرا۔ میرا خیال ہوا کہ یہ فقراء بغداد میں سے ہے۔ میں اس وقت نابالغ تھا۔ میرے دل کو اس کی طرف کشش ہوئی۔ اُٹھا، اسے سلام کیا اور میرے پاس ایک دینار تھا، اس کو دیا اس نے لیا اور چلا گیا۔ میری طرف کوئی توجہ نہ کی۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا، تُو نے اس دینار کو ضائع کر دیا۔ اس کے پیچھے چل پڑا۔ یہاں تک کہ وہ مسجد شونیزیہ[1] پہنچا۔ اس جگہ تین فقیر بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک کو اس نے وہ دینار دیا اور خود نماز میں کھڑا ہو گیا۔ جس نے دینار لیا وہ باہر چلا گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس نے کھانا خریدا اور ساتھیوں کے آگے لا کر رکھ دیا۔ سب نے مل کر کھایا۔ اور وہ شخص بدستور نماز پڑھتا رہا۔ جب یہ نماز سے فارغ ہوا، ان لوگوں کی طرف رُخ کیا اور فرمایا، تم جانتے ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ کیوں نہیں کھایا؟" ان لوگوں نے کہا "نہیں استاد"۔ کہا، جب جوان نے مجھے یہ دینار دیا اس وقت سے میں خدا تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا کہ اس کو دنیا کی غلامی سے آزادی دے اور اس (اللہ تعالیٰ) نے اسے آزاد کر دیا۔" ابن قصاب کہتے ہیں، میں ان کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کہا "آپ سچ کہتے ہیں اے استاد"۔ پھر وہ لڑکا شیخ خاقانی صُوفی ہو گیا۔

۱۰۴۔ حضرت ابوعبداللہ الحُصْری رحمۃ اللہ تعالٰی

بصرہ کے رہنے والے تھے۔ فتح موصلی کے شاگرد ہیں۔ میں نے حضرت فتحؒ سے سُنا، وہ فرماتے ہیں "میں تیس بزرگوں کی صحبت میں رہا ہوں۔ وہ سب کے سب ابدالوں میں شمار ہوتے تھے۔ جب میں ان سے جُدا ہوتا تو وہ سب مجھے یہ وصیت فرماتے "اِیَّاکَ وَ مُعَاشَرَةَ الْاَحْدَاثِ"[2] بے ریش لڑکوں کے ساتھ مل کر رہنے اور ان کے ساتھ زندگی گزارنے سے بچنا۔

جعفر بن المُبرقع فرماتے ہیں، ابوعبداللہ حصری سے میں نے سنا، وہ فرماتے تھے کہ تیس سال سے ایسے آدمی کی تلاش میں ہوں، "مَنْ یَقُوْلُ اللّٰہِ فِیْ تَحْقِیْقِ ھٰذَا الْاِسْمِ فَلَمْ اَجِدْہُ" جو ازروئے تحقیق اللہ کہتا ہو اور تیس سال کے عرصہ میں مَیں

---

[1] رفوگر [2] بغداد کے فقراء اکثر اسی مسجد میں رہتے تھے۔

[3] وہ خوب رُو لڑکے ہیں جس کے داڑھی نہ آئی ہو۔ ان کو الاحداث کہتے ہیں۔

نے ایسا ایک آدمی بھی نہیں پایا۔

۱۰۵۔ حضرۃ علی ابن بُندار بن حُسین الصوفی الصیرفی رحمۃ اللہ تعالےٰ

وفات ۳۵۹ھ۔ کنیت ابوالحسن، پانچویں طبقہ سے ہیں۔ نیشاپور کے متاخرین مشائخ میں سے تھے۔

مشائخ کے دیدار سے بہرہ مند ان کی صحبت سے فیض یاب تھے۔ ابوعثمان حیریؒ اور محفوظؒ سے نیشاپور میں، محمد فضل بلخیؒ سے سمرقند میں، محمد حامد سے بلخ میں، علی جوزجانی سے جوزجان میں، ابویوسف ابن حسین سے رَے میں، جنیدؒ، رویمؒ، سمنونؒ، ابنِ عطاؒ اور جریریؒ سے بغداد میں، طاہر مقدسیؒ، ابنِ جلاء۔ اور ابوعمرو دمشقیؒ سے شام میں اور ابوبکر مصریؒ، ابوبکر دقاق اور ابوعلی رودباری سے مصر میں صحبت اختیار کی، جہان کے مشائخ کو دیکھا تھا۔ حدیث میں ثِقہ تھے۔ اور بہت حدیثیں رکھتے تھے۔

جب علی بُندارؒ، شیخ ابوعبداللہ خفیفؒ کے پاس "تنگی پُلی" میں گئے تو حضرت خفیف نے فرمایا، "پیش رواے ابوالحسن" اے ابوالحسن آگے چل۔ ابوالحسنؒ نے کہا، "بچہ سبب پیش روم؟" کس وجہ سے آگے چلوں، ابوعبداللہ خفیف نے کہا، "توجنید را دیدۂ ای ومن نہ دیدہ ام، تو نے جنیدؒ کو دیکھا ہے اور میں نے اسے نہیں دیکھا"

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "مہینہ نسبت ایں طائفہ دیدار پیرانست وصحبتِ ایشاں" اس جماعت کی اعلیٰ نسبت بزرگوں کا دیدار اور ان کی صحبت ہے۔

حضرت علی بندارؒ نے فرمایا، "یُطْلَبُ الْحَقُّ بِالْهُوَيْنَا وَ إِنَّمَا وُجُودُ الْحَقِّ بِطَرْحِ الدَّارَيْنِ" حق تعالیٰ کو آسانی سے طلب کیا جاتا ہے۔ لیکن حق کا پانا دونوں گھروں[1] کے پھینک دینے سے میسّر ہوگا۔ اور فرمایا، "دَارٌ[2] أُسِّسَتْ عَلَى الْبَلْوٰى بِلَا بَلْوٰى مُحَالٌ" —— جس گھر کی بنیاد مصیبت و محنت پر ہے اس میں بغیر بلا و مصیبت کے رہنا محال ہے۔ یعنی جو گھر بلا پر بنایا گیا ہو۔ اس کا بغیر بلا کے ہونا محال ہے۔

اور فرمایا، مخلوق کی مخالفت[3] سے دُور رہ، جو کوئی حق تعالیٰ کی بندگی سے راضی ہے اسے اس کے کنبہ[4] سے راضی رہنا

---

[1] دونوں گھروں سے مراد دنیا و آخرت ہے۔ پہلا گھر دنیا ہے جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور دوسرا گھر آخرت ہے جسے ہم اپنے علم سے معلوم کرتے ہیں۔ جب تک ان دونوں گھروں کو دل کی آنکھ سے دُور نہ کریں گے۔ خدا تعالیٰ کو نہ پائیں گے۔

[2] مراد دنیا کا گھر ہے۔ [3] مخلوق کی مخالفت حرام چیزوں میں تو کرنی چاہیئے ورنہ اس کی مخالفت سے باز رہنا چاہیئے۔

[4] مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، پس مخلوق کی جانب سے جو تکالیف آئیں انہیں راضی رہنا چاہیئے۔

چاہیئے۔ اور فرمایا، مخلوق میں مشغول رہنے سے دُور رہ، کیونکہ اس زمانہ میں مخلوق میں مشغول رہنے سے کوئی فائدہ نہیں رہا۔ اور فرمایا، مَیں دمشق گیا، تین روز بعد ابو عبداللہ جلّار کی خدمت میں آیا۔ انہوں نے فرمایا "کب آیا تھا؟" میں نے کہا، تین دن ہو گئے۔ فرمایا، تین دن کہاں رہا؟ کہ میرے پاس نہیں آیا۔" مَیں نے کہا، ابنِ جوصَا کے پاس حدیث لکھنے میں مشغول رہا۔ یہ سُن کر ابو عبداللہ جلّار نے کہا، "شَغَلَكَ الْفَضْلُ عَنِ الْفَرْضِ"۔ یعنی نوافل کی فضیلت نے تجھے فریضہ سے مشغول کیا۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، پیروں کا دیدار کرنا اس جماعت کے فرائض سے ہے۔ کیونکہ پیروں کے دیدار سے وہ پاتے ہیں جو دوسری کسی چیز سے نہیں پاتے[1]۔ حدیث میں ہے، مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِی۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، یہ کیا ہے جو تُو نے اپنے دوستوں سے کیا ہے کہ جس نے ان کو ڈھونڈا اس نے تجھے پایا۔ اور جب تک تجھے نہ دیکھا ان کو نہ پہچانا۔ اور ہمیں اپنا یہ شعر سُنایا۔

صَیَّرْتَنِیْ مِرْاٰةَ مَنْ یَّبْغِیْكَ

مَنْ یَّرَانِیْ یَرَاكَ

تُو نے مجھے اس شخص کا آئینہ بنا دیا جو تجھے طلب کرتا ہے۔ پس جب وہ مجھے دیکھتا ہے تجھے دیکھتا ہے[2]۔ اور اس معنی میں یہ آیت ہے: "وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ"۔ ترجمہ: اور تو توان کو دیکھتا ہے کہ وہ تجھے دیکھتے ہیں اور وہ نہیں دیکھتے ہیں۔

جوانمردوں کی بات جوانمردوں سے ہوتی ہے۔ جوانمرد ہونا چاہیئے کہ جوانمرد کو دیکھے۔ جس نے جوانمرد کو دیکھا۔ اس نے اس کو نہیں دیکھا، بلکہ حق کو دیکھا۔ از آنکہ او نہ اوست، اس وجہ سے کہ وہ، وہ نہیں ہے۔

قصہ بہ بردِ حق گاہ گاہ رہے را از دست رہے بر باید، دخوشتن　　قصہ کوتاہ۔ اللہ تعالیٰ کبھی بندے کو اس کی گرفتاری سے چھڑا

---

[1] یعنی پیروں کے دیدار سے حق کو پاتے ہیں، کیونکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے بعض دوستوں کے مرض کو اپنی طرف منسوب کیا اور موسیٰؑ پر عتاب فرمایا۔ "مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ"۔ میں بیمار ہوا اور تو مجھے پوچھنے نہ آیا۔ اور اس کا راز کہ صرف پیروں کے دیدار سے اس کو پا سکتے ہیں نہ اس کے علاوہ سے یہ ہے کہ یہ لوگ مظہرِ جامع ہیں اور دوسرے مظاہر ایسے نہیں ہیں۔

[2] مطلب یہ ہے کہ شیخ الاسلامؒ نے اپنی بات کی تائید میں یہ آیت سنائی جسکا حاصل یہ ہے کہ دوستوں کی جماعت میں سے ایک جماعت کے لوگ جب تجھے دیکھتے ہیں تو تو ان کو دیکھتا ہے کہ اس مظہر میں وہ تیری جناب کو دیکھتے ہیں لیکن وہ لوگ نہ جانتے ہیں نہ دیکھتے ہیں کہ وہ تیری جناب کو دیکھتے ہیں، یعنی انکو علم ہے، لیکن علم کا علم نہیں ہے اس طرح پر آیت کا بیان مسئلہ توحید پر مبنی ہے۔

را بہ بہانہ رہے۔ بدیدۂ قوم نماید تا دیدہا بدیدن او بیاساید آنکہ حقیقت برود در رہے باز آید۔ وگر دہے ہرگز بار ہے نیاید ہم شاید از آنکہ فتنہ رہے ہم از رہے میزاید۔ بہرچہ از بہانہ می کاہد از حقیقت می افزاید۔ چوں بہانہ بتمامی از میان برخاست حقیقت فرود آید۔ آدمی باین کار کیست کہ این کارنہ بابت آدمی ست یکے را دیدہ بر بہانہ آمد و یکے را بر حقیقت کار بر حقیقت دارد بہانہ چہ قیمت۔

دیتا ہے۔ اُسکے آئینے میں اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس وقت اس مظہر کی شکل میں خود کو لوگوں کو دکھلاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ اپنے آپ کو اُس بندے کے بہانے (سبب و حیلے) سے لوگوں کی آنکھوں میں دکھائی دیتا ہے، تاکہ اُس کے دیکھنے سے آنکھیں آرام پائیں۔ پس بعض لوگ تو وہ ہیں کہ حقیقت (تجلّی) جاتی رہتی ہے اور بندگی واپس آجاتی ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کبھی بھی بندگی میں واپس نہیں آتے (جیسے مجذوب) شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ بندگی کا فتنہ بھی بندگی سے پیدا ہوتا ہے۔ جو کچھ بہانے سے کم ہوتا ہے وہ حقیقت سے بڑھ جاتا ہے۔ بہانہ پورے طور پر درمیان سے اُٹھ گیا تو حقیقت آجاتی ہے۔ آدمی اس کام میں کیا ہے، کیونکہ یہ کام آدمی کا نہیں کہ ایک کی نگاہ بہانے پر پڑے اور ایک کی حقیقت پر۔ حقیقت ایک کام کی چیز ہے۔ بہانے کی کیا قیمت ہے۔

علی ابن بندار کا بیٹا محمد نامی تھا، عزیز تھا بزرگوار کا بیٹا، عارف تھا عارف کا بیٹا، اور عارف کا بیٹا عارف کم ہوتا ہے کیونکہ غالب یہ ہے کہ کامل کا بیٹا ناقص ہوتا ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، علی بندارؒ کی لکھی ہوئی تحریر ایک کتاب میں دیکھی کہ واسطیؒ نے فرمایا، اس طائفہ کے[1] پاس جسقدر اس لائن میں علم و گفتگو ہے وہ سب انھوں نے قرآن پاک کی ان دو آیتوں سے پایا ہے ۱۔ "اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً"[2] اور ۲۔ والبلدُ الطَّیِّبُ[3]۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، میں نے اسی آیت سے اسے یعنی واسطی کو پہچانا۔

۱۰۶۔ حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ تعالےٰ

طبقہ ثانیہ سے ہیں۔ کنیت ابو عبداللہ ہے۔ اصل میں بلخ کے رہنے والے تھے۔ تعصّب کرنے والوں نے بغیر قصور کے بلخ سے نکال دیا جب شہر سے نکلے تو شہر کی طرف منہ کر کے ان لوگوں کے لیے بددعا کی۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اس کے بعد خاکِ بلخ سے کوئی

۱؎ اس جماعت کی بات فاعل یعنی کرنے والے خداوند تعالیٰ سے ہوتی ہے یا قابل یعنی قبول کرنے والے سے ہے یا فیض سے ہے۔

۲؎ السمآء۔ اشارہ ہے اسماء کے بلند مرتبہ کی طرف جو فاعل ہے اور ماء فیض موجود اشارہ ہے فیضِ وجود کی طرف۔

۳؎ "وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا" یعنی البلد الطیب سے ممکنات کی زمین استعداد کیطرف اشارہ ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے کہا، میں نے واسطیؒ کے مرتبہ کو اسی آیت سے پہچانا۔

پاکیزہ شہر نکالتا ہے اپنی پیداوار کو میرے رب کے حکم سے اور وہ شہر یعنی زمین جو خبیث ہے وہ نہیں نکالتی مگر قلیل۔

صوفی نہ اٹھا۔ یہاں سے وہ سمرقند چلے گئے۔ وہاں ان کو قاضی بنا دیا گیا۔ حج کا ارادہ کیا اور نیشاپور پہنچے۔ لوگوں نے ان سے نصیحت سُننے کی خواہش کی تو کرسی پر بیٹھے اور فرمایا، "اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ"[1] اللہ سب بڑوں سے بڑا ہے اور اللہ کا ذکر سب مشغلوں سے بڑا مشغلہ ہے اور اللہ کی قلیل خوشنودی دنیا و آخرت کی چیزوں میں سب سے بڑی دولت ہے۔

یہ کہہ کر کرسی سے نیچے اُتر آئے اور سمرقند واپس چلے گئے اور اسی جگہ ۳۱۹ھ میں وفات پائی۔

ابو عثمان نے لکھ کر اُن سے کچھ مسائل پوچھے۔ ان سے نقل ہے کہ ان سے پوچھا گیا، بد بختی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا، تین چیزیں۔ ۱۔ علم دیں اور عمل کی توفیق نہ دیں ۲۔ عمل کی توفیق دیں اور اس میں اخلاص سے محروم رکھیں۔ ۳۔ اللہ کے دوستوں کی صحبت تو پاویں، مگر ان کے ادب احترام کو ملحوظ نہ رکھیں۔ ابو عثمان نے یہ بھی فرمایا، محمد بن الفضل سمسار الرجال[2] تھے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، ابوبکر واسطی کہتے ہیں کہ محمد بن فضل جیسی بات دوسرا کوئی آدمی نہ کہتا تھا اور جب کوئی بات کہتے تو اپنی کہتے اور دوسروں کی حکایت بہت کم کرتے تھے۔ مثلاً انہوں نے کہا، محمد بن فضل نے فرمایا، وہ چیز جس کے ہونے سے تمام نیکیاں نیکی بن جائیں اور نہ ہونے سے ساری خرابیاں برائیاں بن جائیں وہ استقامت[3] ہے۔

---

[1] اللہ اکبر۔ اللہ تعالیٰ ہر اس بزرگی کی نسبت سے بلند ہے جو لوگ اسے بزرگی دیں اور اس سے بہت اونچا ہے جو ہم اس کے متعلق سوچیں۔ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ خدا تعالیٰ کا یاد کرنا ہر یاد کرنے سے زیادہ بڑا ہے، کیونکہ ذکر کی بلندی، مذکور کی بلندی کے ساتھ ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ اور عاشق کے لیے خدا تعالیٰ کی تھوڑی سی خوشنودی سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ قیمتی شے ہے۔ یہاں تک کہ بہشت کی منزلوں سے بھی زیادہ بڑی۔ کیونکہ عاشق کا مقصود رضائے محبوب ہے

بے تو جنت دوزخ است اے دلربا — با تو دوزخ جنت است اے جاں فزا

اے دلربا اگر جنت ہے مگر تیری رضا نہیں وہ دوزخ ہے۔ اے میری روح تازہ کرنے والے! اگر دوزخ ہے اور تو راضی ہے تو وہ دوزخ میرے لیے جنت ہے۔ [2] سمسار، اس شخص کو کہتے ہیں جو چیزوں کی پرکھ رکھتا ہے اور چیزیں اس کی ہاں کے ساتھ خوب تر ہو جاتی ہوں، اور نہ کے ساتھ بد تر۔ [3] اِستقامت حق تعالیٰ کے ساتھ کھڑا ہو جانا یا ٹھہر جانا اور غیر کی طرف نہ بڑھنا اور یہ اخلاص کی طرف راجع ہے کیونکہ اخلاص یہ ہے کہ عمل میں صرف حق تعالیٰ کا دیکھنے والا اور غیر سے منہ پھیرنے والا ہو اور اعمال کا حُسن اخلاص سے ہے اور اعمال کی قباحت و بُرائی اخلاص کے نہ ہونے سے ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، بات بہت اچھی کہی ہے۔ "فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ" : استقامت اختیار کر جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے۔

ایک آدمی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا، قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ کہہ میں اللہ پر ایمان لایا۔ پھر استقامت اختیار کر[1]۔

محمد فضلؒ کہتے ہیں۔ "عجب می مانم از کسے کہ بیابانہا و وادیہا قطع می کند تا برسد بخانۂ وے آنجا آثارِ انبیاء بیند، چرا وادیٔ نفس و ہوا را قطع نمے کند تا بدل برسد و آثار پروردگار خود بیند" (میں حیران ہوں اس آدمی پر کہ جنگلوں اور پہاڑوں کی وادیوں کو قطع کرتا ہے اور ان سے گزرتا ہے تاکہ وہ اس کے گھر پہنچے اور وہاں انبیاء کے نشانات کو دیکھے۔ وہ نفس اور خواہشات کی وادیوں کو کیوں قطع نہیں کرتا تاکہ دل پر پہنچے اور اپنے پروردگار کے نشانات دیکھے۔)

اور محمد فضلؒ فرمایا کرتے تھے، کہ چوں مرید را بینی کہ طلب زیادتی دنیا می کند آن نشانِ ادبار ونگونساری اوست۔ (جب تو کسی مرید کو دیکھے کہ وہ دنیا کی فراوانی چاہتا ہے اور زیادتی کی طلب رکھتا ہے تو یہ اس کی پستی اور بدبختی کا نشان ہے۔)

اور فرمایا کرتے تھے۔ اَعْرَفُ النَّاسِ بِاللّٰہِ اَشَدُّھُمْ مُجَاھَدَۃً فِیْ اَوَامِرِہٖ وَاَتْبَعُھُمْ بِسُنَّۃِ نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ معرفت والوں میں سب سے زیادہ معرفت والا وہ شخص ہے جو شریعت کے احکام بجالانے میں سب سے زیادہ کوشش و محنت کرنے والا ہو اور سنّت کی حفاظت و پیروی میں سب سے زیادہ پیروی کرنے والا ہو۔

جتنا کوئی حق سبحانہٗ سے زیادہ قریب ہوگا اس کے حکم بجالانے پر وہ زیادہ حریص ہوگا۔ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے جو شخص جتنا دور ہوگا اس قدر وہ خدا تعالیٰ سے دور تر اور منہ پھیرنے والا ہوگا۔

زُہد کے بارہ میں ان سے پوچھا گیا تو فرمایا، بچشم نقصان در دنیا نگریستن و بالطرمن از وَے عزیز و گرامی زیستن : دنیا کو حقارت کی نظر سے دیکھنا اور اس کے مال و اسباب سے بے نیاز ہو کر جینا زہد ہے۔

۱۰۷۔ حضرۃ محمد علی الحکیم ترمذی قدس سرہٗ

کنیت ابو عبداللہ۔ طبقہ ثانیہ کے اونچے مشائخ میں سے ہیں۔ ابو تراب نخشبیؒ، احمد خضرویہ اور ابن جلاؒ سے صحبت یافتہ ہیں۔ فنِ حدیث پاک میں مشہور محدّث ہیں۔ بہت باکرامت اور کثیر التالیفات بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی مشہور کتابوں میں ختم الولایت کتاب النہج، نوادرُ الاصول ہیں۔ اس کے علاوہ بھی دوسری تصانیف ہیں۔

حضرت خضر ہر اتوار کو ان کے پاس آتے اور دونوں حضرات ایک دوسرے سے باتیں کرتے اور واقعات پوچھتے

---

[1] کہ وہ ایک ہے اور اس پر ڈٹ کر کھڑا رہ۔

تھے۔ کشف المحجوب کے مصنف کہتے ہیں ان کا مقام میرے نزدیک بہت بلند ہے۔ چنانچہ میرا سارا دل ان کا شکار ہے۔ اور میرے شیخ کہتے، محمد بن علی ایسا نایاب موتی ہے کہ پورے عالم میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ ان کا قول ہے:
مَنْ جَهِلَ بِاَوْصَافِ الْعُبُوْدِيَةِ فَهُوَ بِاَوْصَافِ الرَّبُوْبِيَةِ اَجْهَلُ۔ (جو شخص عبودیّت (بندگی) کے اوصاف (طور طریقہ) سے جاہل ہے وہ ربوبیت کے اوصاف سے زیادہ جاہل ہے۔) جو کوئی خود کو نہیں پہچانتا وہ اسے کیونکر پہچانے گا۔ اور فرمایا، "مَا صَنَّفْتُ حَرْفًا مِنَ التَّدْبِيْرِ وَلَمْ يُنْسَبْ اِلَىَّ شَيْءٌ مِنْهُ وَلٰكِنْ كَانَ اِذَا اشْتَدَّ عَلَىَّ وَقْتِىْ اَتَسَلّٰى بِهٖ۔"
میں نے کوئی حرف از خود اپنی سوچ و تدبیر سے تصنیف نہیں کیا اور میں نے اس لیے کوئی کتاب لکھی، تاکہ لوگ اس کو میری طرف منسوب کریں اور وہ میری تصنیف کہلائے۔ لیکن جب مجھ پر وقت تنگ ہوتا اور اپنی مشغولی سے مجھے کوفت ہوتی تو میں خود کو اپنے سے ہٹا کر تصنیف میں مشغول کر لیتا اور اس سے میں اپنا غم اور اپنی کوفت دُور کر لیتا۔

حضرت حکیم ترمذی نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی حقیقی دوستی یہ ہے کہ اس کی یاد سے ہمیشہ مانوس رہے۔

"وَسُئِلَ عَنْ صِفَتِ الذَّاتِ وَالْفِعْلِ فَقَالَ كُلُّ يَحْتَمِلُ الزِّيَادَةَ وَالنُّقْصَانَ فَهُوَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ وَكُلُّ مَا لَا تَقَعُ عَلَيْهِ الزِّيَادَةُ وَالنُّقْصَانُ فَهُوَ مِنْ صِفَاتِ الذَّاتِ۔"
ترجمہ: صفتِ ذات اور صفت فعل سے متعلق ان سے سوال کیا گیا۔ تو فرمایا، "ہر وہ چیز جو زیادتی اور کمی کی متحمل ہو وہ صفات فعل سے ہے اور جس پر زیادتی نقصان واقع نہ ہو وہ صفاتِ ذات سے ہے[1]۔

وَسُئِلَ عَنِ الْاِيْثَارِ، "فَقَالَ اِخْتِيَارُ حَظِّ غَيْرِكَ عَلٰى حَظِّ نَفْسِكَ وَقَالَ فِى الْيَقِيْنِ اَلْيَقِيْنُ اِسْتِقْرَارُ الْقَلْبِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَعَلٰى قَوْلِهٖ وَاَمْرِهٖ وَقَالَ فِى الشُّكْرِ تَعَلُّقُ الْقَلْبِ بِالْمُنْعِمِ۔"
اُن سے ایثار کے بارہ میں پوچھا گیا تو فرمایا، دوسرے کے حصّے کو اپنے حصّہ پر اختیار کرنا[2]۔ یقین کے بارہ میں فرمایا کہ یقین کی علامت حق سبحانہٗ و تعالیٰ پر دل کا ٹھہر جانا اور اس کے قول پر دل کا ٹھہر جانا ہے[3]۔ اور شکر کے متعلق فرمایا کہ دل کا مُنعم[4] کے ساتھ وابستہ ہو جانا۔

حضرت خواجہ بہاؤ الحق والدین محمد البخاری المعروف بہ نقشبند قدس اللہ سرہٗ نے ایک دفعہ اپنے ابتدائی حالات اور

---

[1] صفت فعل، جو چیز قابلِ تغیّر ہے وہ صفتِ فعلی ہے جیسے ایجاد۔ صفتِ ذات: جو قابلِ تغیّر نہیں ہمیشہ ایک حال پر ہو وہ صفتِ ذاتی ہے جیسے علم اور قدرت۔ [2] دوسرے کے نفع اور نقصان کو اپنے نفع اور مفاد پر مقدم کرنا
[3] یعنی اس کی بات پر شک نہ ہونا۔ اس کے حکم کی تعمیل کرنے سے منحرف نہ ہونا۔ یقین ہے [4] نعمت دینے والا۔

سلوک کا واقعہ بیان کیا۔ فرمایا، کہ جس وقت قدوۃ الاولیار، خواجہ محمد علی الحکیم الترمذی کی روحانیت پر توجہ کرنا اس توجہ کا اثر ظہور بے صفتی محض ہوتا اور جس قدر اس توجہ میں سیر واقع ہوتی کوئی اثر نہ کرتی۔ اور کوئی صفت معلوم نہ ہوتی۔

مشائخ کہتے ہیں اولیار اللہ مختلف ہیں۔ بعض بے صفت اور بے نشان ہیں۔ اور بعض اولیار ایک صفت کے ساتھ ہیں۔ اور بعض اولیار کئی صفات کے ساتھ مشہور ہوتے۔ مثلاً کہتے ہیں اہلِ معرفت ہیں یا اہل معاملہ یا اہلِ محبت یا اہلِ توحید سے ہیں اور اولیار کا کمال حال اور ان کے درجہ کی نہایت (منتہار) بے صفتی و بے نشانی ہے۔ مشائخ کہتے ہیں۔ بے نشانی کشفِ ذاتی کی طرف اشارہ ہے جو ولایت کا سب سے بلند مقام ہے کہ اس مرتبہ کی حقیقت کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی الفاظ و اشارات اس مرتبہ کی اصلیت و حقیقت بیان کر سکتے ہیں۔

۱۰۸۔ حضرۃ ابو عبد اللہ سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ

ان کا نام احمد بن سالم البصری ہے۔ بصرہ میں مقیم رہے۔ سہل تستری کے شاگرد ہیں۔ تیس یا ساٹھ سال ان کی خدمت میں رہے اور ان سے طریقت حاصل کی۔

شیخ الاسلام ؒ نے فرمایا، ابو عبد اللہ سالمی ؒ نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ در ازل ہمہ چیز می دید و یرا مہجور کردن بدیں سبب۔ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہر چیز کو دیکھا تھا۔ اس سبب سے ابو عبد اللہ کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہے۔ شیخ ابو عبد اللہ خفیف ؒ نے کہا ہے۔ "یہ قائل ہونا ہے عالم کے قدیم ہونے کا۔ اس لیے کہ چیز کا دیکھنا وجودِ خارجی پر موقوف ہے۔ پس ازل میں اشیار کا دیکھنا باعتبار وجودِ خارجی کے قدیم ہو گیا۔ جو دھریوں کا مذہب ہے۔ شیخ الاسلام ؒ نے فرمایا، ابو عبد اللہ خفیف ؒ نے انصاف نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ اس نے دیدارِ علم کے متعلق یہ کہا ہو۔

ابو عبد اللہ سالمی ؒ سے لوگوں نے پوچھا، اولیار اللہ کو دوسری مخلوق کے درمیان کس نشان سے پہچانیں؟ فرمایا، لطافتِ[۱] زبان و حسنِ اخلاق[۲] و تازہ روئی[۳] و سخارِ نفس[۴] و قلتِ اعتراض[۵] و پذیر فتنِ[۶] عذر ہر کہ عذر خواہد پیشِ ایشاں و تمامیِ شفقت[۷] بر ہمہ خلق از نیکو کار ایشاں و بدکار ایشاں"۔ ترجمہ: فرمایا، زبان کی نرمی[۱]، حسنِ اخلاق[۲]، تازہ روئی[۳] یعنی خوش روئی، اور نفس کی سخاوت اور اعتراض کی کمی سے (نہ وہ خالق پر اعتراض کرے نہ مخلوق پر) ہر اس شخص کا عذر قبول کرے جو اس سے معذرت چاہے اور ساری مخلوق پر پوری طرح شفقت اور مہربانی کرتا ہو۔ خواہ ان میں نیکوکار ہوں یا بدکار"۔

اور فرمایا، "دیدارِ منت کلید دوستی است"۔ احسانات پر نظر رکھنا دوستی اور محبت کی کنجی ہے

۱۰۹۔ حضرۃ ابو طالب محمد بن علی بن عطیہ الحارثی المکی قدس سرہٗ

مکہ میں رہے۔ پھر بصرہ گئے۔ بعد میں بغداد میں اور وہیں ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

ان کی کتاب "قُوتُ القلوب" اسرارِ طریقت کی جامع ہے۔ کہتے ہیں کہ دقائق طریقت میں اس جیسی کوئی کتاب اسلام میں نہیں لکھی گئی۔ تصوّف میں ان کی نسبت عارف ابوالحسن محمد بن ابی عبداللہ احمد ابن سالم البصری سے ہے۔ اور شیخ ابوالحسن اپنے والد ابوعبداللہ احمد بن سالم سے اور ان کے والد کی نسبت سہل بن عبداللہ تستری سے ہے۔

۱۱۰۔ حضرۃ ابوعبداللہ چاوَپارہ ئی صُوفی ہمدانی رحمۃ اللہ تعالےٰ

چاوَپارہ[1] کے بڑے مشائخ سے ہیں۔ انہوں نے عہد کیا کہ جس کھانے پر میرا دل مطمئن نہ ہوگا اسے نہ کھاؤں گا۔ ایک دن مسجد شونیزیہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگ کھانا لائے۔ اُن کے دل نے شک کیا۔ انہوں نے نہ کھایا۔ ساتھیوں نے کہا۔ کھاؤ، تم ہمیشہ ہماری مخالفت کرتے ہو۔ اُن کے اصرار پر کھالیا۔ اس رات مسجد میں سو گئے تو انہیں احتلام ہوا۔ خواب میں ان سے کہا گیا تُو نے وہ چیز کھائی جسے تیرا دل قبول نہ کرتا تھا۔ کیا تو نے نہ جانا کہ تجھے مصیبت آئے گی۔

شیخ ابوعبداللہ نے فرمایا، میں نے شیخ ابوبکر زقاق مصری سے پوچھا، میں کیسے آدمی کی صحبت میں رہوں؟ فرمایا، اس کے ساتھ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ تیرے متعلق جانتا ہے تو اس حقیقت کو اس کے سامنے بیان کرے تو وہ نہ تجھے دھتکارے اور نہ تیری طرف سے اس کے دل میں حقارت آوے۔ اور نہ وہ تجھ سے بھاگے اور نہ قطع تعلق کرے۔

ایک شخص نے یحییٰ معاذؒ سے پوچھا، کہ کس کی صحبت اختیار کروں؟ فرمایا، اس کے ساتھ کہ جب تو بیمار ہو تو وہ تجھے پوچھنے آئے اور جب کوئی تجھ سے زیادتی دیکھے خود وہ تجھ سے معافی چاہے۔ صحبت کی شرائط میں سے ہے کہ تو صحبت کا حق ادا کرے، مگر اپنا حق اس سے طلب نہ کرے۔ اپنے عیب کو دیکھے اور دوسروں کے عیبوں پر تو ان سے معافی چاہے ——— اور مخلوق کو قہر وجبر کے تحت مجبور و مقہور جانے۔ تاکہ جھگڑا درمیان سے اٹھ جائے اور تاوان کو اپنے اُوپر لازم کرے اور تو عذر نہ لائے۔

شیخ الاسلام گفت، قبولِ صحبت پس از عیب دیدن درست آید کہ آدمی مجرائے عیب است چو بہتر و نکوئی۔ صحبت بہ پیوندی چوں عیب پدید آید۔ صحبت بہری آں نہ صحبت ست صحبت پس از شناخت عیب است مگر عیب دینی و بدعتی باشد کہ آں دیگر ست، کہ چشم آں پوشیدن مداھنت و مخنثی بود در دین۔ مگر بضرورت و آں عیب کہ نہ در دیانت و بدعت باشد جدا بود، آدمی نہ معصوم ست از وے عیب و جرم آید کہ کفور و جہول و ظلوم ست۔
شافعی گوید رضی اللہ عنہ کہ نہ دوست تو بود ہر کہ ترا باو مدارا باید کرد۔ شیخ الاسلام گفت، ہر کہ چوں از تو عیب

---

[1] چاوَپارہ روم کی سرحد پر واقع ہے۔

وعطا آید از وے عذر باید خواست و اگر باتو نیکی کند شکر باید گفت آں بدوستی وصحبت باشد۔ شیخ الاسلام نے فرمایا صحبت کا قبول کرنا عیب دیکھنے کے بعد درست ہوتا ہے کہ آدمی مجرائے عیب ہے۔ اگر خوبی اور کمال کی بنیاد پر رشتۂ صحبت استوار رہے اور جب عیب ظاہر ہو تو رشتۂ صحبت ٹوٹ جائے تو یہ صحبت نہیں۔ صحبت وہ ہے جو عیب کی شناخت کر لینے کے بعد ہو۔ لیکن دین اور بدعت کا عیب یہ دوسری چیز ہے کہ اس عیب سے چشم پوشی کرنا مداہنت اور دین میں ہیجڑا پن ہے، البتہ اگر مجبوری ہے تو دوسری بات ہے۔ اور عیب جو دیانت اور بدعت میں نہ ہو وہ جدا ہے، آدمی معصوم نہیں۔ اس سے عیب اور جرم سرزد ہوں گے۔ کیونکہ کفور، جہول اور ظلوم[۲] ہے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں۔ "وہ تیرا دوست نہ ہو گا جس کے ساتھ تجھے خاطر تواضع اور اچھے سلوک کرنے کی ضرورت پیش آئے۔" شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جب تجھ سے کوئی عیب اور خطا سرزد ہو اور وہ تجھ سے اس کی معافی چاہنے کی خواہش رکھے اور اگر وہ تیرے ساتھ نیکی کرے تو تجھ سے اس کے شکریہ کی خواہش رکھے۔ یہ دوستی اور صحبت نہیں ہوگی۔

ایک دن امیرِ کافور نے شیخ ابو عبداللہ چاہ پارہ کو بہت سامال بھیجا، انہوں نے اسے قبول نہ کیا اور جو سپاہی اُسے لے کر آیا تھا۔ وہ مال اسی طرح واپس امیر کافور کے پاس لے گیا۔ امیرِ کافور نے کہا، "اے سرو، لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی فَاَیْنَ الْکَافُوْرُ۔" او ٹھنڈے، اس کی ہی ہے ہر وہ چیز جو آسمان اور زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے اور وہ بھی جو زمین کے نیچے ہے، پھر کافور کہاں[۳]؟

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، کافور نے یہ بات اپنے ذاتی کمال اور خوبی کے باعث نہیں کہی، بلکہ اس کے پیر کی برکتوں میں ایک برکت تھی۔ جس نے یہ بات کہلوائی۔

---

[۱] یعنی آدمی سرچشمۂ عیب ہے۔ [۲] نعمتوں کی بہت ناشکری کرنے والا، زیادہ جہالت کرنے والا اور زیادہ ظلم کرنے والا۔

[۳] مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی کتاب کہتی ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ یعنی جو کچھ زمین کے اوپر ہے اور جو اس کے اندر ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے۔ آگ ہو یا ہوا اور جو کچھ ہوا میں پیدا ہوتے ہیں افعال و اقوال وغیرہ ان میں حق تعالیٰ کا تصرف ہے اس کے غیر کا نہیں اور حق تعالیٰ ہی ان پر اختیار رکھتا ہے۔ پس کہاں رہا کافور یعنی کافور کے مظہر کے ساتھ جو تصرف منسوب ہے وہ حقیقت میں حق تعالیٰ کا تصرف ہوگا۔ پس کافور سے قبول نہ کرنا حق تعالیٰ سے قبول نہ کرنا ہوگا اور یہ بات مسئلہ توحید پر مبنی ہے۔

[۴] خلاصہ یہ ہے کہ شیخ الاسلام یہ فرماتے ہیں۔ صحبت کا اثر قبول کرنا عیب دیکھنے کے بعد ٹھیک ہوتا ہے کیونکہ آدمی عیب کا چشمہ ہے اور جب اس سے اچھی بات دیکھتے تو اسکی صحبت میں رہے اور جب اسکا عیب ظاہر ہو تو صحبت ہٹالے تو وہ صحبت نہیں ہے۔ صحبت تو دراصل عیب پہچاننے کے بعد معتبر ہوتی ہے۔ ہاں ایک عیب دینی اور بدعتی ہوتا ہے تو یہ اور قسم کا عیب ہے۔ اس سے چشم پوشی کرنا مداہنت اور نامردی ہے۔

لوگوں نے شیخ بو علی کاتب سے کہا، کہ فلاں آدمی پولیس یا سرکاری ملازمین سے کوئی چیز نہیں لیتا اور فلاں آدمی لے لیتا ہے۔ شیخ بو علی نے فرمایا، "آنکہ نمی ستاند از علم می ستاند و آنکہ می ستاند از عین می ستاند"۔ جو نہیں لیتا ہے وہ علم کی وجہ سے نہیں لیتا۔ اور جو لیتا ہے وہ عین یعنی ذاتِ حق سے لیتا ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، مشائخ میں بعض مشائخ ہر شخص کی نذر لیتے تھے، وہ ان کے لیے عین (حق) کی طرف سے درست آتا تھا[1]۔ اور جب وہ علم کے حال[2] میں ہوتے تو ان کا دیا ہوا قبول نہ کرتے، مگر ایسا کم ہوتا۔ ہر کسی کا ہدیہ قبول کرنے اور ہر ایک کا دیا ہوا لے لینے کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ حضرات تمام چیزیں بھلی، بُری، خوشی و غمی، نعمت و مصیبت کو ایک جگہ سے دیکھتے تھے اور اس کے غیر کو نہیں دیکھتے تھے۔ لیکن جب کوئی درویش جس کو وہ عین اور دیدار یعنی مشاہدۂ حق و غلبۂ توحید حاصل نہ ہو وہ ان لوگوں کی طرح کرے گا جن کو عین اور دیدار حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے پردے فاش کرے گا اور اس کا دین و شریعت تباہ کر دے گا۔ أَعَاذَنَا اللّٰہُ وَجَمِیْعَ الْمُسْلِمِیْنَ عَنْ ذٰلِكَ۔

۱۱۱۔ حضرۃ ابوبکر وَرّاق ترمذی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

طبقہ ثانیہ سے ہیں۔ ان کا نام محمد بن عمر الحکیم الترمذی ہے۔ اصل میں وہ ترمذ کے تھے۔ ان کی قبر اسی جگہ ہے۔ انہوں نے احمد خضرویہؒ کو دیکھا اور ان کی صحبت میں رہے۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ابن سورۃ ترمذی یعنی امام ترمذیؒ محدث کے ماموں تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف، تورات، انجیل، زبور اور دوسری آسمانی کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔ ان کے اشعار کا دیوان بھی ہے۔

انہوں نے فرمایا، "اگر حرص سے پوچھیں تیرا باپ کون ہے؟ تو کہے گی۔ "تقدیر میں شک کرنا" اگر کہیں تیرا پیشہ کیا ہے؟ تو کہے گی۔ "ذلت اور خواری کمانا" اگر پوچھیں تیری انتہا کیا ہے؟ تو کہے گی "محرومی"۔

ابوبکر وَرّاقؒ اپنے اصحاب کو اسفار اور سیاحت سے روکتے تھے[3] اور فرماتے تھے، "ہر برکت کی کنجی اپنے مقامِ ارادت میں جم کر بیٹھ جانا ہے یہاں تک کہ تیرے لیے ارادت صحیح ہو جاوے۔ اور جب تیری ارادت صحیح ہو جاوے گی، تو بلاشبہ تجھ پر برکات کی شروعات ظاہر ہوں گی۔

---

[1] یعنی وہ حضرات اس مال کو ٹھیک خدا تعالیٰ کی طرف سے جانتے تھے یعنی مظاہر میں حق کے مشاہدہ کی وجہ سے اور معنیٔ توحید کے غلبہ کے باعث لے لیتے تھے۔ پس اگر کسی پر توحید کے معنی غالب نہ ہوں اور یہ کام کرتا ہو۔ اس کا دین تباہ ہو جائے گا۔

[2] یعنی جب نہیں لیتا ہے تو علم سے نہیں لیتا ہے یعنی اس کا عمل مسئلہ اور ظاہر شریعت پر ہے [3] گھروں کو چھوڑ کر نکلنے سے منع کرتے تھے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اب جو شخص سفر میں رہتا ہے وہ ترکِ مذہب اور ترکِ نماز کا قائل ہوگا اور وہ حق کی حفاظت سے باہر نکل گیا ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ "بیشک اللہ انکے ساتھ ہے جو خدا کے فرمانبردار ہوں اور احسان کرنے والے ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے لطف و حفاظت کے ساتھ اس جماعت کے ساتھ ہے جو منہیات سے اجتناب کریں اور ماموارت کے بجالانے کو لازم پکڑیں اور ابوبکر وراقؒ نے یہ بھی فرمایا، لوگوں کے تین گروہ ہیں۔ ایک امراء دوسرے علماء اور تیسرے فقراء۔ جب امراء خراب ہوں گے تو رعیت کا معاش اور اس کے کاروبار تباہ ہوں گے۔ جب علماء خراب ہونگے تو شریعت کے احکام عبادات اور شریعت پر عمل کرنا ضائع ہو جائے گا۔ اور جب فقراء خراب ہوں گے مخلوق کے اخلاق[1] تباہ ہوں گے۔ امراء کا بگاڑ ظلم سے، علماء کا بگاڑ حرص و طمع سے اور فقراء کا بگاڑ ریاء سے ہوگا۔ فسادِ امراء بظلم باشد۔ فسادِ علماء بطمع و فسادِ فقراء بریاء۔

۱۱۲۔ حضرت ابوالقاسم الرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ

وفات ۳۸۷ھ۔ ان کا نام جعفر بن احمد بن محمد تھا۔ نیشاپور میں رہتے تھے اور ابنِ عطاء محمد بن ابی الحواری اور بوعلی رودباری رحمہم اللہ کی صحبتوں سے فیض حاصل کیا۔ بڑے دولت مند تھے۔ لیکن سب کا سب اس جماعت پر خرچ کر دیا۔ اور فقیروں کی طرح دنیا سے چلے گئے۔ 'رے' کے مشائخ نے کہا ہے، کہ چار چیزیں ابوالقاسم رازیؒ میں ایسی جمع تھیں جو کسی کے لیے جمع نہیں ہوئیں۔ جمال، مال، زہد بکمال اور سخاوتِ تمام۔ کہتے ہیں ابوالقاسم ایک دعوت میں درویشوں کے ساتھ موجود تھے۔ جعفر خلدیؒ بھی وہاں موجود تھے۔ جب دسترخوان بچھایا گیا تو ابوالقاسم کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے تھے۔ جماعت نے کہا، ہماری موافقت کرنی چاہیئے۔ فرمایا، "روزہ سے ہوں۔" خلدیؒ نے کہا، اگر ثواب روزہ تو برتو دوست تر از شادیٔ دلِ برادران ست روزہ کُشا، اگر بھائیوں کے دل خوش کرنے کے مقابلہ میں تجھے روزے کا ثواب زیادہ پسند ہے تو روزہ نہ کھول۔ یہ سنتے ہی ابوالقاسمؒ نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

۱۱۳۔ حضرت ابوالقاسم الحکیم سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ و قدس سرہٗ

وفات ۱۰ محرم الحرام ۳۴۲ھ۔ ان کا نام اسحاق بن محمد بن اسماعیل ہے۔ ان کی صفت میں مشائخ کا یہ قول ہے، "لَمْ یَکُنْ نَظْرُہٗ مِنَ الْعَرْشِ اِلَی الثَّرٰی اِلَّا اِلَی اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَکَانَ مَعَ الْخَلْقِ طَلَبًا لِحُظُوْظِهِمْ دُوْنَ حَظِّهٖ۔" ترجمہ: نہیں تھی ان کی نظر عرش سے ثریٰ (زمین کے نیچے) تک مگر اللہ تعالیٰ کی طرف۔ اور ان کا مخلوق کے ساتھ لین دین اور میل جول محض ان کے مفاد کی خاطر تھا نہ کہ اپنے مفاد کی خاطر۔

ج ۱

[1] فقراء کا بگاڑ مخلوق کے اخلاق تباہ کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ مخلوق ان سے اخلاق حاصل کرتی ہے۔

بڑے بزرگوں میں سے ہیں۔ ابوبکر وراق سے فیض یافتہ ہیں۔ معاملات، عیبِ نفس اور آفاتِ اعمال کے متعلق نہایت قیمتی باتیں فرمائی ہیں۔ حضرت سمرقندیؒ نے فرمایا، اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد اور پیغمبری جائز ہوتی، تو اپنے علم و حکمت اور مخلوق پر شفقت اور عدل و انصاف کی وجہ سے ہمارے زمانہ میں ابوبکر ورّاق نبی ہوتے۔ کہتے ہیں ابوالقاسم حکیم اپنے مکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوطاہر جو اس وقت کے بزرگوں میں سے تھے۔ ان کے گھر تشریف لائے۔ گھر میں پانی کا ایک تالاب اور اس کے چاروں طرف سَرو کے درختوں کو دیکھا۔ ابوطاہر یہ دیکھ کر واپس ہو گئے۔ اور باہر چبوترہ پر بیٹھ گئے۔ ابوالقاسمؒ نے غلام سے کہا، کلہاڑی لاکر ان درختوں کو کاٹ دے۔ جب درخت کٹ گئے تو فرمایا، "بَرو و ابوطاہر را بخوان": جا ابوطاہر کو بُلا۔ جب وہ آگئے تو کہا، ابوطاہر جو چیز تیرے لیے حق سبحانہٗ و تعالےٰ سے حجاب بن گئی تھی ہم نے اسے درمیان سے ہٹا دیا۔ لیکن باحق صحبتِ چناں کُن کہ درختے ترا از وے حجاب نہ شود: لیکن تو حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق اتنا مضبوط رکھ کہ کوئی درخت بھی تیرے واسطے اس سے حجاب نہ ہووے۔"

حضرت شیخ ایک روز لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اور فیصلے کر رہے تھے۔ بزرگوں میں سے کوئی بزرگ ان کی زیارت کے لیے آئے اور انہیں اتنا مشغول دیکھا تو تالاب کے کنارہ پر مصلےٰ بچھایا نماز پڑھنے لگے۔ جب وہ بزرگ نماز سے فارغ ہو گئے تو شیخ ابوالقاسمؒ نے ان کو فرمایا، بھائی یہ کام نماز و غیرہ تو بچے بھی کر لیتے ہیں۔ مرد وہ ہے جو اتنی مشغولیّت میں بھی اپنا دل خدائے عزّوجل کے ساتھ لگانے کی طاقت رکھے۔

۱۱۴۔ حضرت ابوبکر سُغدی رحمۃ اللہ تعالےٰ

سُغد سمرقند کے رہنے والے تھے۔ ابوبکر ورّاق کے شاگرد ہیں۔ ابوبکر سغدیؒ فرماتے ہیں۔ ابوبکر ورّاق ایسا مردِ کریم تھا جو اپنے خدا کا کام ثواب اور اجر کی غرض[1] سے نہ کرتا تھا، بلکہ اس کی عظمت کی خاطر کرتا تھا۔ یعنی خدا تعالیٰ کی بندگی اس لیے کرتا تھا کہ میں اس کا غلام ہوں اور وہ میرا آقا۔ اور غلام کا کام اپنے آقا کی غلامی اور فرمانبرداری کرنا ہے۔

حضرت صالح بن مکتوم بھی ابوبکر ورّاق کے مریدوں میں سے تھے۔ ان کے اعمال اور ان کے اقوال یاد رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ ان کی باتیں کرتے تھے۔

---

[1] کیونکہ کرم کا تقاضہ یہ ہے کہ کام عوض کے مقابلہ میں نہ ہو اس لیے اگر مقابلہ میں عوض ہو گا وہ خرید و فروخت ہو گا۔ حافظؒ کا کلام ہے ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مُزد مکُن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

۱۱۵۔ حضرت ابو ذر الترمذی رحمۃ اللہ تعالےٰ خراسان کے مشائخ اور صاحبِ کرامات بزرگ ہیں۔ ابو عبداللہ خفیفؒ کہتے ہیں، ہم ایک جماعت کے ساتھ ابو ذرؒ کی صحبت میں رہتے تھے۔ جماعت کو جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہوتی ابو ذر اٹھتے، نماز میں کھڑے ہو جاتے۔ اسی وقت غیب سے وہ چیز پیدا ہو جاتی تھی۔

۱۱۶۔ حضرت ابو ہاشم سُغدی رحمۃ اللہ تعالےٰ یہ بھی سُغد سمرقند کے بزرگ ہیں۔ ابوبکر وَرّاق کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اور ان کی وفات تک ان کی خدمت میں رہے۔ حضرت ہاشمؒ نے فرمایا، ابوبکر وراقؒ نے کہا، "سُخن افزونی دلِ را سخت کند"۔ باتوں کی زیادتی دل کو سخت کر دیتی ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوبکر ورّاق سے پہلے بزرگوں نے فرمایا ہے۔ "خوابِ فراواں، وگفتِ فراواں وخوردِ فراواں دلِ را سخت کند"۔ زیادہ سونا زیادہ بولنا اور زیادہ کھانا دل کو سخت کر دیتا ہے۔

مگر ابوبکر ورّاق نے بطورِ خاص یہ بات اس لیے کہی ہے کہ زیادہ بولنا خواہ خیر میں ہو یا شر میں ایک ہے۔ یعنی جس طرح بری باتوں کی زیادتی دل کو سخت کر دیتی ہے اس طرح اچھی باتوں کی زیادتی بھی دل کو سخت کر دیتی ہے۔

کسی درویش نے کہا۔ مَیں راہ میں ابوبکر ورّاق کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ مَیں نے ان کی چادر کے ایک پلتے پر 'خا' لکھی ہوئی دیکھی اور دوسرے پلتے پر 'میم'۔ مَیں نے پوچھا۔ یہ کیا ہے؟ فرمایا، میں نے اس لیے لکھا ہے کہ جب 'خا' کو دیکھوں تو مجھے اخلاص یاد آجاوے اور جب میم کو دیکھوں تو مجھے مرنا یاد آجاوے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "اخلاص آں بود کہ در معاملت با اُو کسے دیگر نہ بینی"۔ اخلاص یہ ہے کہ اپنی اجتماعی زندگی اور حقوق کی ادائیگی میں تو اس کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ دیکھے۔ "و با خلق مروت بَرائے آں بود تا ناگوار نباشی"۔ مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک محض اس کی خاطر ہو تاکہ تو بد دلی اور کسی کے لیے سببِ ملال نہ ہو۔ اور ابوبکر وَرّاق نے یہ بھی فرمایا۔ وہ عارف نہیں جو دنیا داروں کے سامنے عِلم معرفت بیان کرے۔ ابوبکر وَرّاق نے یہ بھی فرمایا، "تصفیۂ عبودیت اثباتِ مجوسیّت است وانکارِ ربوبیت"۔ تصفیہ عبودیت، مجوسیت کا اثبات اور ربوبیّت کا انکار ہے[1]۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ابوبکر ورّاق

---

[1] اپنی عبادت کو پاک صاف سمجھنا۔ مجوسیّت کو ثابت کرنا اور ربوبیّت یعنی خداوند تعالیٰ کا انکار ہے۔ اس بنا پر عمل کو صاف اور ستھرا سمجھنا اور عبادت کو خالص خیال کرنے کا اندرونی طور پر یہ مطلب ہے کہ اس نے خود کو دیکھا۔ خود کو دیکھنا دوئی کو لازم ہے اور دو کا دیکھنا مجوسیّت کی حقیقت ہے کہ وہ لوگ ایک سے زیادہ خداؤں کے قائل ہیں اور مجوسیّت کا ثابت کرنا ربوبیّت کا انکار ہے۔ اس لیے کہ ربِ مطلق وہ ہے کہ تمام چیزیں جس کی مظہر ہوں۔ پس اگر کسی چیز کو اس کا مظہر نہیں جانتا تو وہ ربِ مطلق کا انکار کرنے والا اور اسکے مقابل کو ثابت کرنیوالا ہوا۔

نے فرمایا۔ ایک دن محمد بن مسلم حصیر باف (چٹائی بنانے والا) یُوسف خیاط ترمذی کے ساتھ مہمانی میں تھے اور میزبان کسی چیز میں مشغول تھا ——— محمد بن مسلم نے کہا، جلدی کیجیے کہ میں کچھ کام رکھتا ہوں۔ محمد بن مسلم زاہد و عابد تھے۔ ان کا دل کسی ورد و وظیفہ میں معلق تھا۔ یُوسف نے فرمایا، تجھے اس کام کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ تیرے سامنے لاتا ہے کوئی اور کام بھی ہے یعنی اس وقت کا یہی کام اور یہی وظیفہ ہے کہ تو اپنے میزبان میں مشغول رہے۔ اور اس کے علاوہ کیا تُو اپنے گھر سے اس نیت و ارادہ سے باہر آیا ہے کہ تو اپنے گھر واپس جائے گا۔ ابوبکر ورّاق نے فرمایا کہ یوسف کی یہ دو باتیں محمد مسلم کی سو سال کی عبادت سے بہتر ہیں اور ابوبکر وَرّاق نے یہ بھی فرمایا :

"وَرُبَّمَا اُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ وَ اَنْصَرِفُ مِنْهُمَا وَ اَنَا بِمَنْزِلَةِ مَنْ یَّنْصَرِفُ مِنَ السَّرِقَةِ مِنَ الْحَیَاءِ"۔

بہت دفعہ میرا یہ حال ہوتا ہے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہوں، فارغ ہو کر جب میں واپس ہوتا ہوں تو شرم سے میرا وہ حال ہوتا ہے جو اس چور کا ہو۔ جو چوری کر کے واپس آیا ہو۔ (اور یہ حالت اس وقت ہو گی جب کوئی نماز کے نقصان کو جانے گا اور اپنے عمل پر تہمت لگائے گا۔)

۱۷۱۔ حضرت محمد بن الحسین الجوہری رحمۃ اللہ تعالیٰ

ان کی کنیت ابوبکر ہے۔ اہل بغداد سے ہیں۔ ذوالنون مصری کے شاگردِ ارجمند اور بزرگ ہیں۔ شیخ ابوبکر واسطی جو اس گروہ کے بہت اُونچے درجہ کے بزرگوں میں سے تھے اور توحید میں امام کا درجہ رکھتے تھے، مگر اس کے باوجود جوہری رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال و حکایات سنایا کرتے تھے۔ چنانچہ امامِ توحید شیخ ابوبکر واسطی رح نے فرمایا کہ محمد حسین جوہری نے بیان کیا کہ ایک شخص نے ذوالنون رح سے کہا، میرے لیے دُعا کیجیے۔ ذوالنون رح نے فرمایا، اے جوانمرد! اگر تیرا کام حق تعالیٰ کی تقدیر میں پہلے سے ہو گیا ہو گا تو بہت سی دُعائیں کیے بغیر ہی منظور ہے اور اگر تیرا کام حق تعالیٰ کی تقدیر میں پہلے سے نہ ہوا ہو گا تو پانی میں ڈوبتے ہوئے کو چیخنے اور شور مچانے سے بجز ڈوبنے اور حلق میں پانی زیادہ کرنے کے اور کیا فائدہ ہو گا۔

شیخ الاسلام رح نے فرمایا، کسی آدمی نے ایک پیر سے کہا میرے لیے دعا کیجئے۔ فرمایا، حق تعالیٰ کے حکم سابق میں جو کچھ تیرے لیے ہو چکا ہے وہ معارضہ سے بہتر ہے[1]۔ ایک بزرگ نے یہ بھی فرمایا، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اس نے مجھے حکم کیا کہ مجھے پکارو اور مجھ سے مانگو،[2] اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ یعنی مجھے پکارو، میں تمہاری

---

[1] حق تعالیٰ کے سامنے تکرار کرنے عرض و معروض پیش کرنے سے کیا فائدہ۔ کیونکہ طلب کے مقام میں ہونا تقدیر کے ساتھ راضی نہ ہونے کی نشانی اور حق تعالیٰ کے ساتھ جھگڑنے کی علامت ہے۔ [2] اگلے صفحہ پر دیکھیں۔

پکار سنوں گا۔ اور میں نے نہیں پیدا کیا جنّات اور انسانوں مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں، یعنی مجھے پکاریں اور مجھ سے دعائیں مانگیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہ ہوتا تو میں ہرگز دُعار نہ مانگتا، لیکن اس نے کہا کہ اس نے فرمایا، "مانگ" مَیں مانگ لیتا ہوں۔" شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، کہ دُعا مانگنا صُوفیار کا مذہب نہیں کیونکہ وہ لوگ حکمِ سابق کو دیکھتے ہیں کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔

حضرت ابوحفص "نغاورانؒ" میں ایک پہر رات تک یہ کہتے تھے۔ کاری کہ بودہ است فا بودہ چوں کنم چوں کنم چوں کنم ہمہ خلق بر آنند کہ چہ خواہد بود، حکیم در آنست کہ چہ بود۔ جو کام ہو چکا ہے نہیں ہوگا۔ کیوں کروں، کیوں کروں، کیوں کروں۔ ساری مخلوق اس بات میں ہے کہ آئندہ کیا ہوگا؟ حکیم اس میں ہے کہ کیا ہو چکا ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، مطلب یہ نہیں کہ دعار نہ مانگی جائے اور اوراد و وظائف نہ پڑھے جائیں۔ میں ہر روز اور ہر رات اپنا وِرد پڑھتا ہوں۔ اور وہ "دُولیست فصل و دعار است"۔ (اور وہ دو سو فصل دعار کے ہیں۔) مگر اس پر میں مانگتا ہوں اور نہ کچھ چاہتا ہوں کہ یہ زبان کا ذکر محض تعمیلِ حکم اور اس کی فرمانبرداری کے لیے ہے۔ اور میرا مقصد اور توجہ کا نشان اس کے علاوہ ہے۔

۱۱۸۔ حضرت ابوبکر کسائیؒ دینوری رحمہ اللہ تعالیٰ

قہستان عراق کے تھے۔ دِینوُر میں مردِ بزرگ تھے۔ جنیدؒ کے پُرانے اصحاب اور ان کے اقران سے تھے۔ ان کی ریاضتیں اور سفر بہت مشہور ہیں۔ حضرت جنیدؒ فرمایا کرتے تھے۔ اگر ابوبکر کسائیؒ نہ ہوتے تو میں عراق میں نہ رہتا۔ حضرت جنیدؒ سے ان کی بہت خط و کتابت رہی۔ جنیدؒ سے پہلے وفات پائی۔ جنیدؒ سے انہوں نے ہزار مسئلے لکھ کر پوچھے اور ان سب کے جواب بھی حضرت جنیدؒ نے لکھ کر ان کو بھجوائے تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آگیا تو حضرت جنیدؒ کے لکھے

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ مجھ سے چاہو اور مجھے پکارو تاکہ میں قبول کروں اور نہیں پیدا کیا میں نے جن اور انس کو مگر صرف عبادت کے واسطے۔ یہاں عبادت کا مطلب پکارنا ہے اور صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُدْعُوْنِیْ کے حکم کے واسطہ سے دعار کا حکم کیا گیا ہے اور جس چیز کا بھی حکم دیا جائے وہ عبادت ہے۔ ایسے ہی دعار کرنی فی نفسہٖ عبادت سے ہے۔ اور باعتبار لوازم کے بھی عبادت ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ کو یاد کرنا اور اس کی طرف متوجہ ہونا اور اجمالی طور پر اس چیز کا اعتقاد رکھنا کہ وہ قبلہ حاجات ہے اور مؤثر ہے اور میرے حال کا جاننے والا ہے۔ قدرت رکھنے والا ہے۔ پس دعار پر بھی جزار و سزا مرتب ہوگی۔ [۱] ہرات کے قصبات میں ایک قصبہ کا نام ہے۔

[۲] کِسا، عربی میں چادر کو کہتے ہیں۔ چادر رکھتے ہوں گے یا چادر والے ہوں گے۔

ہوئے ان تمام جوابات کو پانی سے دُھلوا دیا۔ جب ابوبکر کی وفات کی خبر جنیدؒ کو پہنچی تو فرمایا" کاش وہ مسائل جو اس نے مجھ سے پوچھے تھے، دھلوا دیتا" لوگوں نے کہا وہ ایسا کر چکے ہیں۔ جنیدؒ خوش ہو گئے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، جنیدؒ ان خطوط سے اس لیے نہ ڈرتے تھے کہ یہ خطوط عوام کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے یا بادشاہ کے ہاتھ لگ جائیں گے، بلکہ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ صوفیوں کے ہاتھ لگ جائیں اور وہ لوگ ان سے اپنی دکان چمکائیں۔ یعنی حضرت جنیدؒ کو یہ خطرہ تھا۔ صُوفی لوگ یہ باتیں لوگوں کو سنائیں گے اور ان باتوں کی وجہ سے اپنے کو مقبول بنائیں گے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، کہ حضرت جنیدؒ نے فرمایا، "ہزار صوفیوں میں سے ایک عالم ہو۔ صُوفی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ اس سے سُنتا رہے اور وہ جانتا رہے ان لوگوں کے لیے دل کی ضرورت ہے کہ وہ فصیح ہو نہ کہ زبان کی (کیونکہ دل فصیح سے کام نکلے گا نہ کہ زبان خوش بیاں سے)۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، کہ رویم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، جب وہ کسی مرد سے اس کا حال لے لیں اور اسے قال یعنی باتوں میں لگا دیں تو جان لو کہ انھوں نے اسے ہلاکت میں ڈال دیا۔ حضرت شیخ ابوالخیر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابوبکر کسائی جب سوتے ہوئے ہوتے تھے۔ لوگ ان کے سینہ سے قرآن پڑھنے کی آواز سُنا کرتے تھے۔

۱۱۹ حضرۃ ابو العلی الجوزجانی رحمہ اللہ تعالیٰ طبقہ ثانیہ سے ہیں۔ ان کا نام حسن بن علی تھا۔ مشائخ خراسان کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ اپنے وقت میں بے نظیر تھے۔ آفات کے دیکھنے اور معاملات کے بارہ میں انھوں نے کتابیں لکھی ہیں۔ وربّما یتکلم فی شیءٍ من العلوم والمعارف والحکم۔ اور اکثر آپ علوم و معرفت اور حکمت کی باتیں کہا کرتے تھے ——— ابوالعلیؒ نے محمد بن علی ترمذی اور محمد فضل بلخی سے صحبت رکھی اور ان کے قریب العمر تھے۔

حضرت ابوالعلی نے فرمایا، اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ فِی مَیَادِیْنِ الْغَفْلَۃِ یَرْکُضُوْنَ وَعَلَی الظُّنُوْنِ یَعْتَمِدُوْنَ وَعِنْدَھُمْ اَنَّھُمْ فِی الْحَقِیْقَۃِ یَتَقَلَّبُوْنَ وَعَنِ الْمُکَاشَفَۃِ یَنْطِقُوْنَ۔

سب لوگ غفلت کے میدانوں میں دوڑ رہے ہیں ایک غفلت سے دوسری غفلت کے ساتھ رواں دواں ہیں۔ اور اپنے گمانوں اور اعتقادوں کے خزانوں پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں۔ اور اس کے باوجود ان کا اعتقاد یہ ہے کہ ہم حقیقت کی وادی میں کشف و شہود سے کلام کر رہے ہیں۔ سمجھ رہے ہیں کہ ہم حقیقت میں کروٹیں لے رہے ہیں۔ اور مکاشفات یعنی اللہ کے بتانے سے اور اس کے سمجھانے سے ہم باتیں کر رہے ہیں۔ (حالانکہ وہ کشف و حقیقت سے دُور ہیں، کیونکہ کشف و حقیقت وجود نہیں پکڑتی۔ جب تک وہ ظنون، گمانوں اور اعتقادوں سے گزر کر عین یعنی ذاتِ حق

کی جانب نہ ہو جائے اور اس عبور میں جو اعتقادات سے عین کی جانب لازم ہے سے اشارہ کیا شیخ منصور حلاج کے اس قول کی طرف۔ کَفَرتُ بدین اللہِ وَالکُفرُ وَاجِبٌ لَدیَّ وَعِندَ المُسلِمِینَ قَبِیحٌ۔ مَیں نے کفر کیا اس کے دین کے ساتھ۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے اعتقادات کو جو شریعت سے ماخوذ ہیں مشاہدہ اور ذاتِ واحد میں استہلاک کی وجہ سے چھپا لیا ہے اور یہ کفر یعنی چھپانا میرے نزدیک واجب ہے، لیکن ایمان والوں یعنی غیب کا اعتقاد رکھنے والوں کے نزدیک جو ابھی مقامِ مشاہدہ میں نہیں پہنچے ہیں قبیح ہے۔) اور نیز انھوں نے یہ فرمایا کہ سب سے زیادہ بدبخت وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کے گناہوں کو چھپاتا ہو، مگر وہ خود ان کو ظاہر کرتا ہو[1]۔

طبقات میں ہے ابوالعلی جوزجانی بخل کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ بخل میں تین حرف ہیں۔ 'ب' سے بلا ہے۔ 'خ' سے خسران اور گھاٹا اور 'ل' سے لوم یعنی ملامت ہے۔ بخیل اپنی ذات میں بلا و مصیبت ہے۔ اور اپنی کوشش و سعی میں خسارہ و نقصان اٹھانے والا ہے۔ اور اپنے عمل میں ملامت کیا ہوا ہے۔

۱۲۰۔ حضرت محمد و احمد رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں حضرات ابوالورد کے بیٹے عراق کے مشائخ میں اونچے درجے کے بزرگ ہیں۔ طبقہ ثانیہ میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ کے ہمعصر ہیں۔ سری سقطیؒ، ابوالفتح حمالؒ، حارث محاسبیؒ اور بشر حافی کی صحبتوں میں رہ کر تربیت پائی تھی۔

ورع میں ان کا طریقہ بشر حافی سے ملتا جلتا ہے۔ ان کی کنیت محمد بن ابوالحسن ہے۔ بشر حافی کے مرید اور شاگرد ہیں۔ محمد ابوالحسن کا قول ہے۔ ایک روز میں نے شام کی نماز پوری کی۔ "پائے فرو کردم"۔ میں نے پاؤں پھیلائے۔ غیب سے آواز آئی اَھٰکَذَا تُجَالِسُ المُلُوکَ۔ ترجمہ: کیا بادشاہوں کے سامنے تو ایسے بیٹھے گا؟ اور فرمایا کرتے تھے۔ فقر میں فقیر کے آداب سے ہے یہ چیز کہ جو لوگ دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں نہ ان کو ملامت کرے اور نہ انکے ساتھ محاذ آرائی کرے نہ ان کی سرزنش کرے۔ یعنی نہ ان کو جھڑکی دے اور نہ ان پر خفگی کا اظہار کرے بلکہ ان پر شفقت و مہربانی کرے۔ ان کے حال پر خاص توجہ کرے اور ان کے لیے دعائے خیر کرے "تا خدا تعالیٰ خلاصی دہد ایشاں را از آنچہ در آنند"۔ تاکہ خدا تعالیٰ ان کو اس حال سے جس حال میں وہ پڑے ہوئے ہیں خلاصی بخشے اور انہیں دنیا کی محبت سے رہائی دے۔ حضرت ابوالحسن نے فرمایا، ہلاکِ مردم در دو چیز ست۔ اشتغال بنافلہ و تضییع فریضہ و عمل کردنِ جوارح بے موافقتِ دل۔ لوگوں

---

[1] اس لیے کہ گناہ کو چھپا لینا حق تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے اور اس کا ظاہر کرنا انعام کا ٹھکرانا اور قبول نہ کرنا ہے یا اس وجہ سے کہ گناہ کا اظہار کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے موجب منع ہے۔

کی تباہی اور ان کی بربادی دو چیزوں میں ہے۔ نفلوں میں مشغول رہنے اور فرضوں کے ضائع کرنے میں۔ اور بغیر دل کی موافقت کے جوارح[1] سے عمل کرنے میں۔ اور ان سے سوال کیا گیا کہ ولی کی نشانی کیا ہے۔ جواب میں فرمایا، مَنْ یُوَالِیْ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ وَیُعَادِیْ اَعْدَآءَہٗ۔ ولی وہ ہے جو اللہ کے اولیار اور اس کے دوستوں سے دوستی رکھے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے۔ اور آدمی کا اپنا نفس بھی اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ تو اس کی خواہشات کو دشمن رکھنے کا انجام ولایت کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

دوسرے بھائی احمد بن ابوالورد کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ ولی میں تین چیزیں زیادہ کرتا ہے۔ وہ تین چیزوں میں ترقی کرتا ہے۔

چوں در جاہ وے بیفزاید وے در تواضع و فروتنی بیفزاید

جب اللہ تعالیٰ اس کے جاہ و مرتبہ میں زیادتی کرتا ہے اور ترقی دیتا ہے تو اس میں تواضع اور انکساری بڑھ جاتی ہے۔ "چوں در مال وے بیفزاید"۔ اور جب اللہ تعالیٰ اس کے مال میں ترقی دیتا ہے اور دولت میں فراوانی بخشتا ہے تو وہ سخاوت میں بڑھ جاتا ہے۔

و چوں در عمر وے بیفزاید وے در اجتہاد در عبادت بیفزاید

اور جب اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرتا ہے تو وہ عبادت میں زیادہ محنت کرتا ہے اور تندھی سے بندگی کرنے میں مصروف رہتا ہے۔

۱۲۱۔ حضرت طاہر مقدسی رحمہ اللہ

شام کے تیسرے طبقہ کے پرانے بزرگوں اور مشائخ سے ہیں۔ ذوالنون مصریؒ کو دیکھا۔ یحییٰ جلاّ کی صحبت میں رہے۔ عالم تھے۔ اور ذوالنونؒ کہتے ہیں کہ شبلیؒ ان کو شام کا دانشمند کہتے تھے۔

طاہر مقدسیؒ نے فرمایا، ذوالنون مصریؒ نے مجھ سے کہا، "اَلْعِلْمُ فِیْ ذَاتِ الْحَقِّ جَھْلٌ وَالْکَلَامُ فِیْ حَقِیْقَۃِ الْمَعْرِفَۃِ حَیْرَۃٌ وَالْاِشَارَۃُ عَنِ الْمُشِیْرِ شِرْکٌ"۔ ترجمہ: "ذاتِ حق میں علم جہالت ہے اور معرفت کی حقیقت میں کلام کرنا حیرت ہے۔ اور اشارہ کرنے والے کی طرف سے اشارہ کرنا شرک ہے۔" ذاتِ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ادراک جس وجہ سے وہ کرتا ہے جہالت ہے یعنی ذات کے مطابق نہیں اور اس کی شناخت کی حقیقت میں بات

---

[1] جوارح سے مراد ہاتھ پاؤں یعنی ظاہری اعضار

کرنا اس کی انتہا، حیرت اور اس کے معلوم کرنے سے عاجز ہونا ہے۔ خواہ اس کی ذات ہو یا اس کی صفات ان دونوں کا ادراک کرنا ناممکن ہے اور اشارہ عقلیہ یعنی عقلی طور پر اشارہ کرنا کہ وہ ایسا ہے اور ویسا ہے شرک ہے۔ یعنی توحید کے منافی ہے۔ کیونکہ اشارہ مشیر کے بغیر وجود کی صورت نہیں پاتا۔)

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ذاتِ حق میں بات کرنا جہالت ہے[1]، کیونکہ کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی ذاتِ عالی میں وہ زبان کھولے اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کے متعلق کوئی بات کہے، مگر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق خود فرمایا ہے اور جو اس کے پیغمبر نے اس کے متعلق فرمایا اور اس کی کیفیّت جاننے کی چیز نہیں، حق کی ذات کے متعلق بجز تصدیق و تسلیم کے اور کچھ کہنا درست نہیں اور حقیقت و معرفت میں بات کرنا حیرانی ہے۔ کہ پوری اور صحیح حقیقت کے ساتھ اپنے کو وہ خود ہی پہچانتا ہے۔ دوسرے خواہ تمام فرشتے ہوں یا آدمی اسکی حقیقی معرفت سے سب عاجز اور متحیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی معرفت سے عاجز جاننے والے کی معرفت کو اپنے فضل سے اپنی معرفت شمار کرتا ہے۔ یعنی بندہ کی معرفت اور اس کی شناخت حق کی شناخت نہیں ہے، بلکہ اللہ نے اپنے فضل کی بنار پر اس کی شناخت کو اپنی شناخت قرار دے دیا۔ اور لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کے ضابطہ سے اس کی معرفت کو جس قدر بھی وہ کر سکا ہے اپنی معرفت قرار دیا۔ بندہ کا اس کی معرفت اور شناخت میں خود کو عاجز جان لینا ہی معرفت ہے۔ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ تعالیٰ کی ثنار اور دعار میں کہتے تھے "لَا اَبْلُغُ مَدْحَتَكَ وَلَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ" میں نہیں پہنچتا ہوں آپ کی تعریف کو اور میں آپ کی پوری تعریف نہیں کر سکتا، جس قدر آپ کی ثنار کرنے کا حق ہے۔ اور نہ ہی آپ کی نعمتوں کا شمار کرنے کی قوت رکھتا ہوں اور نہ ہی ان کے ساتھ تجھ پر ایسی تعریف کرنے کی طاقت رکھتا ہوں جیسا کہ آپ نے خود ہی اپنی ذات پر تعریف فرمائی۔ یعنی اے اللہ میں آپ کی ثنار کرنے پر حاوی نہیں ہوں کہ آپ کی ہر تعریف کو جانوں جس طرح آپ اپنی تعریف کو جانتے ہیں اور اس کے ایک ایک فرد پر احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ (حدیث پاک کے مندرجہ ذیل معنی نہایہ ج ۱ - ۲۹ سے لکھے گئے۔)

---

[1] اس لیے کہ معرفتِ ذات ممتنع اور اس کی شناخت ناممکن اور محال ہے۔ پس اس ذات کے متعلق اگر کوئی کچھ کہے تو دل سے کہے۔ زبان سے کہنا جہالت ہے اور حقیقت کے مطابق نہیں ہے اور اس کی کیفیت جاننے کی چیز نہیں۔ یعنی جو کچھ ذاتِ حق کے بارہ میں شریعت میں آیا ہے بغیر کیفیّت کے اس کا اثبات کرنا چاہیئے جیسا کہ سلف کا مذہب ہے۔ مثلاً اعتقاداً کہنا چاہیے کہ حق سبحانہٗ عالم ہے، مگر اس کے علم کی حقیقت کا معلوم کرنا اس کی ذات کی طرح ناممکن ہے۔

تیری تعریف کو نہیں پہنچتا ہوں اور تیری ثنار تجھ پر شمار نہیں کر سکتا اور اس کی ثنار کے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہوں، جیسا کہ تو نے خود فرمائی ہے۔ اور تیری ثنار کا جوہر بس وہی کچھ ہے جو تُو نے اپنی زبانِ مقال حال اور فعال سے فرمائی ہے اور آدمیوں کے حال کے متعلق حق تعالیٰ خود فرماتا ہے وَلَا يُحِيطُونَ بِهٖ عِلْمًا اور لوگ نہیں ہیں احاطہ کرنیوالے اس کا ازروئے علم کے یعنی مخلوق کا علم حق تعالیٰ کو محیط نہیں ہوگا کہ اس کو کما حقہٗ جان سکیں۔ پس تو اس کو اتنا جانے کہ " وہ ہے خدائے یگانہ بے ہمتا " یعنی تن تنہا اس کا نہیں ہے کوئی ہمسر اور نہ کوئی مثال اور اشارہ کرنے والے کی طرف سے اشارہ کرنا شرک یعنی شرک خفی ہے[1] کہ اشارہ کے لیے اشارہ کرنے والا ہونا چاہیئے اور وہ دوگانگی میں نہیں آتا۔ ہست (موجود) حقیقت میں وہ ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے بہانہ ہے اور وہ بود و ہستی یعنی کائنات میں یگانہ ہے۔ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهِ بَاطِلٌ۔ سُن لو اللہ کے علاوہ جتنی بھی چیزیں ہیں بے بنیاد اور بے حقیقت ہیں۔ جو کچھ بھی غیرِ خدا ہے فی نفسہٖ باطل و معدوم ہے اور جو اس کا وجود ہے حقیقت میں اس کا وجود نہیں ہے۔

طاہر مقدسی کہتے ہیں کہ اگر عام آدمی عارف کے نُور کو دیکھیں تو اس میں جل جائیں اور اگر عارف نُورِ وجود کو دیکھے تو وہ اس میں جل جائے[2] اور یہ بھی فرمایا " حَدُّ الْمَعْرِفَةِ التَّجَرُّدُ مِنَ النُّفُوْسِ وَتَدْبِيْرِهَا فِيْمَا يَجِلُّ وَيَصْغُرُ۔ معرفت کی تعریف نفس کی خواہشات و تدبیرات اور اس کی چھوٹی بڑی کارسازیوں سے پاک ہو جانا ہے۔

۱۲۲۔ حضرت ابویعقوب السُّوسی[3] رحمہ اللہ تعالےٰ

ان کا نام یوسف بن ہمدان ہے۔ قدمار مشائخ سے ہیں ابویعقوب نہرجوری کے مرشد ہیں۔ صاحبِ تصنیف عالم تھے۔ بصرہ اور اُبلہ[4] میں رہتے تھے۔

---

[1] شرک خفی یعنی پوشیدہ شرک ہے۔ "شرک جلی ظاہر اور کھلم کھلا شرک" دو خداؤں یعنی ایک سے زیادہ خداؤں کا ثابت کرنا ہے اور بصیرت کی نظر میں دو چیزوں کو ثابت جاننا شرکِ خفی ہے۔ خلاصہ یہ کہ شرکِ جلی دو خداؤں کا ثابت کرنا ہے اور شرکِ خفی بصیرت کی نظر میں دو چیزوں کا ثابت کرنا ہے۔ [2] عام لوگ اگر عارف کے نور کو دیکھیں تو اس میں جل جائیں یعنی طبیعت کی صفات ان سے سلب ہو جائیں۔ اگر عارف نورِ وجود یعنی حق تعالیٰ کی یافت کے نور کو دیکھے اس کی ہستی اس کی نظر سے مرتفع ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ فانی ہو جائے اور اس کو فنار ذات حاصل ہو جائے۔ [3] سُوس خوزستان کے ایک شہر کا نام ہے۔ اس شہر میں حضرت دانیال پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر شریف ہے۔ یا یہ منسوب ہو سوسہ کی طرف جو مغرب میں عظیم شہر ہے۔ سمعانی کے انساب میں ایسے ہی مذکور ہے۔ [4] ابلہ بصرہ سے چار فرسنگ پر ایک شہر ہے جو بصرہ سے قدیم ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ شہر دنیا کی جنتوں میں سے ہے اور حضرۃ ابویعقوب نے اس جگہ رحلت فرمائی۔

حضرت ابو یعقوبؒ نے فرمایا، "ہر کہ علمِ توحید گوید بتکلّف اودر شرک است"۔ جو کوئی تکلف اور بناوٹ سے علمِ توحید کے حقائق بیان کرے وہ شرک میں مبتلا ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، "جو کوئی تکلف سے علم تصوّف کو بیان کرے وہ بھی شرک میں مبتلا ہے۔ اور جو شخص کہ اس وقت میں بات کہے جب کہ وہ کہنے کا حق رکھتا ہے وہ اس کا اہل ہے، تو اس کی بات سن۔ یافت کی بات وجدان یعنی مشاہدے کے حال میں کہنی چاہیئے۔ بات اس وقت کہنی چاہیئے جب خاموش رہنے میں تجھے اللہ تعالیٰ کی گرفت کا خوف ہو۔ بات گناہ ہے حقیقت میں پہنچنا اس کو جائز کرتا ہے ہے۔ اس جماعت کا کلام دوسروں کے کلام کی طرح نہیں ہے۔ جب زندگانی نہ ہوگی[1] تو کلام کرنے والے کو زندقہ اور بے دینی تک پہنچادے گی۔ اور اباحت اس سے اٹھ جائے گی۔ جب تو متفرق ہو یعنی خود تفرقہ میں مبتلا ہو تو اس وقت جمع و توحید کی بات تجھے نہ کہنی چاہیئے، البتہ جب تو خود نہ رہے گا پھر تفرقہ کا تیرے ساتھ کیا کام۔"

خراز کہتے ہیں، "لَا یَصْلُحُ ھٰذَا الْعِلْمُ اِلَّا مَنْ یُعَبِّرُ عَنْ وَجْدِہٖ یَنْطِقُ عَنْ فِعْلِہٖ۔ اس علم کا بیان کرنا جائز نہیں مگر اس شخص کے لیے جو اپنی یافت کا حال بیان کرتا ہے نہ دوسرے کی یافت کا اور اپنے فعل سے کلام کرتا ہو نہ کہ دوسروں کے فعل سے۔

۱۲۳۔ حضرت ابو یعقوب النہرجوری رحمۃ اللہ تعالیٰ

المتوفی ۳۳۰ھ۔ چوتھے طبقہ سے ہیں اور ان کا نام اسحاق بن محمد ہے۔ علماء مشائخ سے ہیں۔ جنید اور عمرو ابن عثمان مکی کے صحبت یافتہ تھے۔ ابو یعقوب سوسی کے مرید ہیں۔ سالہا سال مکہ کے مجاور رہے اور مکہ میں ہی ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو کہتا تھا۔ میں نے ابو یعقوب کو دیکھا ہے لیکن مجھے یقین نہیں ہوا۔

حضرت ابو یعقوب نہرجوری فرماتے ہیں، تو اس کام کو نہیں پہنچے گا جب تک کہ علم، عمل اور مخلوق کے چھوڑ دینے کو نہیں کہے گا[2]۔ یعنی دل اور ہمت کے ساتھ علم و عمل سے گزر جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور تو ثواب کے لیے عمل نہ کرے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ خالص اس کے لیے عمل کرے نہ کہ ثواب کے لیے، یعنی

---

[1] زندگانی سے مراد حقیقت کا پالینا ہے۔

[2] اس کام میں پہنچنے کے لیے دو چیزیں چاہییں۔ ایک یہ کہ علم، عمل اور مخلوق کے لیے تیرا جوڑ نہ رہے، بلکہ تیرا جوڑ اور تعلق حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ رہے۔ دوسرے یہ کہ ثواب کے واسطے عمل نہ ہو، بلکہ حکم بجالانے اور اس کی محبت کے واسطے ہو۔

تو اس کے لیے رہے نہ کہ ثواب کے واسطے۔ خلا ملا (جلوت اور خلوت) میں تو اس کے ساتھ رہے نہ عمل کے ساتھ اور نہ تو اس کے ثواب کے ساتھ۔

ابراہیم ابن فاتک کہتے ہیں ابو یعقوب نہرجوری کہتے اَلدُّنیَا بَحرٌ وَّالاٰخِرَۃُ سَاحِلٌ وَّالمَرکَبُ التَّقوٰی وَالنَّاسُ عَلٰی سَفَرٍ۔ دنیا سمندر ہے اور آخرت اس کا کنارہ ہے اور سواری تقویٰ ہے۔ اور لوگ سفر میں ہیں[1]۔

ابو یعقوبؒ یہ بھی فرماتے ہیں اَعرَفُ النَّاسِ بِاللّٰہِ اَشَدُّھُم تَحَیُّرًا فِیہِ۔ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کو پہچاننے والا وہ ہے جو ان میں اللہ کے بارہ میں سب سے زیادہ تحیّر والا ہے۔

اور فرمایا، مَن اَخَذَ التَّوحِیدَ بِالتَّقلِیدِ فَھُوَ عَنِ الطَّرِیقِ بَعِیدٌ۔ جس نے تقلید کے ساتھ توحید اختیار کی وہ راستہ طریقت سے دُور ہے۔"

۱۲۴۔ حضرت ابو یعقوب زیّاتؒ رحمہ اللہ تعالیٰ

قدیم مشائخ سے ہیں۔ جنید کہتے ہیں ہم نے جماعت کے ساتھ ابو زیّات کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ انھوں نے فرمایا، تمہیں خدا کے ساتھ مشغولی نہیں رہی کہ اس بے کاری نے تمہیں میرے پاس آنے پر مجبور کر دیا اور مجھ میں مشغول ہونے میں لگا دیا ہے۔ میں نے جواب دیا، جبکہ ہمارا تمہارے پاس آنا منجملہ مشغولیٔ حق سے ہے، لہٰذا ہم خدا تعالیٰ کی مشغولی سے منقطع نہ ہوں گے۔ ابو یعقوبؒ نے کسی مرید سے پوچھا "قرآن یاد داری؟ تجھے قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا، "نہیں"۔ فرمایا، وَاغوثَاہُ بِاللّٰہِ[2] "اے اللہ مدد کرنے والے"۔ وہ مرید جو قرآن یاد نہیں رکھتا، اس نارنگی جیسا ہے جو خوشبو نہیں رکھتی۔ آخر تو کس چیز سے لذت حاصل کرے گا؟ اور کس چیز سے خوش آوازی کرے گا؟ کس چیز سے دل بہلائے گا؟ اور کس چیز سے اپنے پروردگار کے ساتھ راز و نیاز کرے گا۔

۱۲۵۔ حضرت احمد بن وہب رحمہ اللہ تعالیٰ

ابو جعفر کنیت ہے۔ ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے پیر و مرشد ابو یعقوب زیات تھے۔ مدّت تک مسجد شونیزیہ میں توکّل پر گزر اوقات کرتے رہے۔ ان کا قول ہے جو شخص روزی کی تلاش میں اٹھا فقیر کا نام اس سے

---

[1] دنیا ایک دریا ہے اور آخرت اس کا کنارہ اور سواری جو ساحل پر پہنچاتی ہے وہ تقویٰ ہے اور لوگ سفر میں ہیں یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہیں۔ بعض تو طبیعت کے دریا میں غرق ہو جاتے ہیں اور بعض تقویٰ کی سواری کے ساتھ دنیا اور طبیعت کے دریا سے گزر کر کنارے پر پہنچ جاتے ہیں۔ [2] یہ کلام فریادرس کے نہ ملنے پر افسوس کے لیے کہا ہے۔

اٹھ گیا۔

۱۲۶۔حضرت ابو یعقوب مزابلی رحمۃ اللہ تعالیٰ

بغداد کے رہنے والے اور جنیدؒ کے اقران سے ہیں۔ان سے پوچھا گیا۔ تصوف کیا ہے؟ فرمایا، "حَالٌ یَضْمَحِلُّ فِیْھَا مَعَالِمُ الْاِنْسَانِیَۃِ"۔ تصوّف ایک حال ہے جس میں انسانیت کے آثار و نشانات مضمحل اور ناچیز ہو جاتے ہیں۔ (وہ آثار جن سے کوہ پیدائش سے لے کر آخر تک آرام پکڑتا ہے اور انسیّت رکھتا ہے۔)

۱۲۷۔حضرت خیر النّسّاج رحمۃ اللہ علیہ و قدس اللہ سرہٗ

کنیت ابوالحسن۔ المتوفی ۳۲۲ھ۔نام محمد بن اسماعیل ہے۔اصل میں سامرّہ کے رہنے والے تھے اور بغداد میں سکونت رکھتے تھے۔ابوحمزہ بغدادی کی صحبت میں رہے۔کہتے ہیں سری سقطی سے مسائل کی تحقیق کی اور کہتے ہیں کہ ان سے مرید ہو گئے تھے۔جنیدؒ کے ہمعصر اور طبقہ ثانیہ سے ہیں۔نوری، ابنِ عطار جریری کے استاد و شیخ ہیں۔ابراہیم خواص اور شبلی دونوں حضرات نے خیر النّسّاج کی مجلس میں توبہ کی۔خیر النّسّاج نے حضرت جنید کی حرمت اور عزّت کا پاس رکھتے ہوئے شبلیؒ کو جنیدؒ کے پاس بھیج دیا۔جنیدؒ نے ان کے متعلق فرمایا "خَیْرٌ خَیْرُنَا" خیر ہم میں سب سے بہتر ہے۔حضرت خیرؒ نے بڑی عمر پائی۔ایک سو بیس سال زندہ رہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، خیر النساج کپڑا بُننے والے نہ تھے، بلکہ بات بُننے والے تھے۔جعفر خلدیؒ نے کہا، خیر النّسّاج سے میں نے پوچھا، آپ کا پیشہ کپڑے بُننے کا تھا۔آپ نے فرمایا "نہیں"۔ میں نے کہا، پھر لوگ آپ کو نسّاج کیوں کہتے ہیں۔فرمایا، "میں نے خداوند تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ تازہ کھجوریں نہ کھاؤں گا۔ایک دن نفس نے ان کی خواہش کی اور اتنی طلب بڑھی کہ میں مجبور ہو گیا۔میں نے کچھ تازہ کھجوریں لے لیں۔جب ایک کھجور کھا چکا تو اچانک دیکھا کہ ایک آدمی نے مجھے گھور کر دیکھا۔پھر کہا، او خیر بھگوڑے، اس آدمی کے ایک غلام کا نام خیر تھا۔جو اس سے بھاگ گیا تھا۔اس کی شکل و شباہت مجھ پر واقع ہو گئی۔یعنی میں اس کی صورت میں ہو گیا۔بہت سے آدمی میرے گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے اللہ کی قسم یہی تیرا غلام خیر ہے۔میں حیران رہ گیا اور سمجھ گیا کہ میں کس جرم میں گرفتار ہو گیا ہوں۔اور اپنے قصور کو پہچان گیا[۱]۔ آخر کار وہ شخص مجھے اس جگہ لے گیا جہاں اس کے دوسرے غلام کپڑا بُنتے تھے۔اور مجھ سے کہا، او بدمعاش! تو اپنے مالک سے بھاگتا ہے۔آ اور وہی کام کر جو تو پہلے کرتا تھا۔میں نے بُننے کی

---

[۱] یعنی سارا معاملہ کھجور کھانے کا تھا۔

کارگاہ میں اپنے پاؤں رکھے اور ایسا کپڑا بننے لگا جیسے کئی سال سے یہی کام کرتا ہوں۔ میں چار مہینہ اس کے ساتھ رہا۔ آخر ایک رات اٹھا وضو کیا اور سجدہ میں پڑ گیا۔ اور میں نے عرض کیا، خداوندا! دوسری مرتبہ یہ کام نہ کروں گا، جو کچھ کہ میں کر چکا ہوں۔" جب صبح ہوئی تو اس غلام کی شباہت مجھ سے اٹھالی گئی۔ میں اپنی اصلی صورت میں لوٹ آیا اور غلامی سے میں نے نجات پائی اور یہ نام مجھ پر باقی رہ گیا۔ دراصل نَسَّاج (جولاہے) کا نام مجھ پر اس گناہ اور قصور کا اثر ہے جس کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے مجھے سزا دی تھی۔ کہتے ہیں کہ حضرت خیر النساج اس شخص کو پسند کرتے تھے جوان کو خیر النّسّاج کہہ کر بلاتا۔ اور کہا کرتے تھے کہ مناسب نہیں ایک مسلمان نے جو میرا نام رکھا ہے میں اس کو بدل دوں۔ حضرۃ خیر النّسّاج کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا، خداوند تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا، فرمایا، لَا تَسْأَلْنِیْ عَنْ هٰذَا وَلٰكِنْ اِسْتَرَحْتُ مِنْ دُنْيَاكُمُ الْقَذِرَةِ۔" کہا، اسے نہ پوچھ، ہاں میں نے تمہاری پلید دنیا سے راحت پالی۔ ابو الحسن مالکیؒ فرماتے ہیں، خیر النساج کے نزع کے وقت میں ان کے پاس موجود تھا۔ میں شام کی نماز کے وقت پہنچا۔ ان پر موت کی غشی طاری ہو چکی تھی۔ بیہوش تھے۔ جب آنکھ کھولی تو گھر کے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور کہا، قِفْ عَفَاكَ اللهُ۔ ٹھہر! اللہ تجھے معاف کرے۔ مجھے کچھ دیر مہلت دے کہ تو بھی خداوند تعالیٰ کا مامور ہے اور میں بھی اپنے خداوند کا مامور۔ جو حکم تو رکھتا ہے وہ تجھ سے فوت نہیں ہوگا۔ میں تیرے قبضے میں ہوں۔ لیکن مجھے اس وقت نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ حکم مجھ سے ضائع ہو جائے گا۔ پھر پانی منگوایا، وضو کیا۔ شام کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لیٹ گئے۔ دونوں آنکھیں بند کیں اور جان دے دی۔ وَرَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی رَحْمَةً وَاسِعَةً۔

۱۲۸۔ حضرت محفوظ بن محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ

دوسرے یا تیسرے طبقہ سے ہیں۔ نیشاپور کے قدیم مشائخ اور ان کے بزرگوں سے ہیں۔ ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔ ابوحفص کے اصحاب سے ہیں۔ اور ابوحفصؒ کے بعد ابو عثمان حیری کی صحبت میں رہے۔ جب تک کہ وہ دنیا سے رخصت نہ ہو گئے۔ ابوحفص کے پہلو میں ان کی قبر ہے۔ حضرت محفوظؒ نے فرمایا، اَلتَّوَكُّلُ اَنْ يَأْكُلَ الْعَبْدُ بِلَا طَمَعٍ وَلَا شَرَهٍ[1] توکل یہ ہے کہ آدمی بغیر طمع اور حرص کے کھائے۔ اور فرمایا۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّتَبَصَّرَ طَرِيْقَ رُشْدِهٖ فَلْيَتَّهِمْ نَفْسَهٗ فِي الْمُوَافَقَاتِ فَضْلًا عَنِ الْمُخَالَفَاتِ۔" جو کوئی اپنی رشد و ہدایت کی راہ حاصل کرنے اور دیکھنے کا خواہش مند ہو اسے چاہیئے کہ اپنے نفس کو موافقتوں (طاعات) میں تہمت لگائے چہ جائیکہ مخالفتوں سے[2]

---

[1] توکل کی علامت یہ ہے کہ آدمی کا کھانا طمع و حرص سے نہ ہو۔ [2] اگلے صفحہ پر دیکھیں۔

۱۲۹۔ حضرت محفوظ بن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ

سالکان طریقِ تصوّف میں سے ایک ہیں اور بغداد کے باشندہ ہیں۔ حضرۃ محفوظؒ نے فرمایا، "مَنْ اَبْصَرَ مَحَاسِنَ نَفْسِہٖ اُبْتُلِیَ بِمَسَاوِیِ النَّاسِ وَمَنْ اَبْصَرَ عُیُوْبَ نَفْسِہٖ سَلِمَ مِنْ رُؤْیَۃِ مَسَاوِیِ النَّاسِ اِلَیْہِ۔" جو شخص اپنی خوبیاں دیکھے گا وہ لوگوں کے عیوب میں مبتلا کیا گا اور جو اپنے عیوب اور برائیوں کو دیکھے گا وہ لوگوں کے عیب اور برائیاں دیکھنے سے سلامت رہے گا۔"

اور فرمایا، "اَکْثَرُ النَّاسِ خَیْرًا اَسْلَمُ الْمُسْلِمِیْنَ صَدْرًا۔" "لوگوں میں سب سے زیادہ نیکیوں والا وہ آدمی ہے جو ان میں مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ دل کا صاف رکھنے والا ہو۔"[ا]

۱۳۰۔ حضرۃ ابراہیم بن علیسیٰ قدس اللہ سرّہٗ

وفات ۲۴۷ھ ۔ حضرت معروف کرخیؒ کے صحبت یافتہ ہیں۔ حضرۃ ابراہیم خواص فرماتے ہیں۔ میں بغداد میں دریائے دجلہ کے کنارے وضو کر رہا تھا۔ دجلہ کے ایک جانب ایک آدمی کو دیکھا، جو پانی پر آ رہا تھا۔ میں نے اپنا سر زمین پر رکھا۔ سجدہ میں پڑ گیا اور کہا، قسم تیری عزت و جلال کی، میں اس وقت تک سر نہ اٹھاؤں گا، جب تک کہ میں اس آدمی کو نہ جان لوں۔ اس حال میں میں نے ابراہیم بن علیسیٰ کو دیکھا کہ آیا اور میرا پاؤں ہلایا اور کہا، جب تُو حق تعالیٰ کے اولیاء میں سے کسی کو پہچاننا چاہے تو کہہ، هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ وہ ہے جو جامع ہے صفات متقابلہ کے درمیان اولیّت و آخریت ظاہر اور باطن میں اور وہ تمام چیزوں کا ایسا جاننے والا ہے کہ تمام چیزوں کی علّت اور حقیقت اس کے سامنے ظاہر ہے۔

۱۳۱۔ حضرت ابراہیم بن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ

وفات ۳۶۹ھ ۔ کنیت ابو اسحاق، بغداد کے مشائخ سے ہیں۔ حضرت جنید کی صحبت رکھتے تھے۔ شیخ ابو عبدالرحمٰن سُلمی کہتے ہیں۔ میں نے انہیں دیکھا ہے۔ میں نے ان سے کہا، میرے لیے دعا کریں تو انھوں نے کہا، اللہ نے جو تیرے لیے

حاشیہ صفحہ گزشتہ: مطلب یہ ہے کہ جو شخص چاہے کہ اپنی رشد و ہدایت کی راہ کو حاصل کرے اور اس کو دیکھے اسے چاہیئے کہ ان اعمال میں جو شریعت کے موافق ہوں، اپنے نفس پر تہمت رکھے اور خود کو اس میں قصوروار سمجھتا رہے۔ اور خصوصاً ان اعمال میں جو خلاف شرع ہیں۔ پس خود پر الزام لگائے کہ اس میں میرا ہی نقصان ہوگا۔

[ا] لوگوں کے درمیان سب سے زیادہ نیکیاں اس شخص کی ہیں جس کا سینہ (دل) مسلمانوں کی برائیوں سے باعتبار تصور کے اور ارادہ کے سالم تر اور ان کی طرف سے صاف تر ہو۔

ازل میں لکھ دیا ہے اس پر تیرا راضی رہنا بہتر ہے وقت کے معارضہ اور مقابلہ سے۔ یعنی اس میں دخل دینے سے۔ اور شیخ ابو عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا۔ مجھے کوئی وصیت کیجئے۔ فرمایا، "وہ کام نہ کر جس سے تجھے شرمندگی اٹھانی پڑے۔"

۱۳۲۔ حضرت ابراہیم الخواص[1] رحمۃ اللہ تعالیٰ

المتوفی ۲۹۱ھ۔ کنیت ابو اسحاق ہے۔ تجرید اور توکل کے طریقہ میں بے مثال اور زمانہ کے بزرگوں میں یکتا تھے۔ جعفر خلدیؒ اور سیروانی کبیرؒ کے علاوہ دوسرے مشائخ کے بھی شیخ ہیں۔ کہتے ہیں بغداد کے رہنے والے اور ان کے والد آمل کے رہنے والے تھے۔ جنیدؒ اور نوری کے ہم عصر تھے۔ پیٹ کی بیماری میں ۲۹۱ھ میں انتقال فرمایا۔ اگر یہ بات درست ہو تو یوسف بن الحسین نے ان کو غسل دیا اور مسجد میں دفنایا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ ضرورت (پاخانہ) سے فارغ ہوتے تھے تو غسل کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جس روز دنیا سے رخصت ہوئے ستّر مرتبہ بیت الخلاء گئے اور ہر مرتبہ غسل کیا۔ سخت سردی تھی۔ آخری بار پانی میں ہی رخصت ہو گئے۔ ان کی قبر طبرک کی فصیل کے نیچے ہے۔

شیخ الاسلامؒ کہتے، جس قدر ان کی قبر پر ہیبت وجلال اور رعب اور دبدبہ میں نے دیکھا ہے کسی بزرگ کی قبر پر نہیں دیکھا۔ ایسی ہیبت کہ تم کہو شیر سو رہا ہے کہ جس پر تو اچانک پہنچے گا اور وہ تجھے نگل جائے گا۔ "حضرۃ ابراہیمؒ خضر علیہ السلام کے صحبت دار تھے۔ شیخ ابوبکر کتانی کہتے ہیں سفر سے واپس ہوئے۔ میں نے کہا، اگر آپ نے جنگل میں کوئی عجب چیز دیکھی تو بیان کریں۔ فرمایا، خضر علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا، ابراہیم! کیا تو پسند کرے گا کہ میں تیرے ساتھ رہوں۔ میں نے کہا، "نہیں۔" خضر نے کہا، کیوں؟" میں نے کہا، "وہ غیرت والا ہے۔ ڈرتا ہوں کہیں میرا دل تیرے ساتھ نہ لگ جائے۔" شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، شیخ خرقانی نے مجھ سے باتیں کرتے ہوئے یہ کہا، "اگر تو خضرؑ کے ساتھ صحبت پائے تو توبہ کیجئے اور اگر ہری[2] سے ایک رات میں مکہ چلا جاوے اس سے بھی توبہ کرنا۔ اور فرمایا۔ ابراہیم خواصؒ نے فرمایا۔

"اَلْعِلْمُ كُلُّهٗ فِیْ كَلِمَتَیْنِ لَا تَتَكَلَّفْ مَا كُفِیْتَ وَلَا تُضَیِّعْ مَا اسْتُكْفِیْتَ۔" سارا علم اِن دو کلموں میں ہے۔ ایک لَا تَتَكَلَّفْ مَا كُفِیْتَ۔ اس چیز کی طلب میں تکلیف نہ اٹھا جس کی قسمتِ ازلی میں تیرے لیے

---

[1] اَلْخَوَّاص۔ زنبیل اور ٹوکری بننے والے کو خوّاص کہتے ہیں۔

[2] ہری سے مراد ہرات۔

کفایت کی جا چکی ہے (اور وہ رزق ہے) دوسرا کلمہ اور اسے ضائع نہ کر جس کی کفایت انہوں نے تجھ سے طلب کی ہے۔ (اور وہ خدا تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں اس کی فرمانبرداری کرنا ہے۔)

ابوالحسن علوی نے فرمایا، کہ میں دینور کی مسجد میں تھا کہ میں نے خواص کو مسجد کے صحن میں برف کے درمیان دیکھا۔ میں نے کہا، سَلَامٌ عَلَیْکَ یَا اَبَا اِسْحَاق، آ چھت کے نیچے چلیں۔ کیونکہ مجھے اس پر ترس آ گیا۔ خواص نے یہ سُن کر مجھے کہا، "تو مجھے مجوسیت کی دعوت دیتا ہے۔ یعنی تجرید[1] سے سبب میں آنا اور افراد سے تعلق میں آنا مجوسیت ہوتا ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جب تک دوگانگی کا نشان موجود ہے مجوسیت موجود ہے۔ ابوالحسن فرماتے ہیں اس کے بعد خواص نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے بدن پر رکھا۔ وہ پسینہ میں ڈوبا ہوا تھا۔ قریب تھا کہ میرا ہاتھ جل جائے۔ اس نے مجھے بغور دیکھا اور ہنس پڑا۔ اور یہ دو بیت پڑھے۔

لَقَدْ وَضَحَ الطَّرِیْقُ اِلَیْکَ حَقًّا[2]

فَمَا اَحَدٌ بِغَیْرِکَ یَسْتَدِلُّ

فَاِنْ وَرَدَ الشِّتَآءُ فَاَنْتَ کَھْفٌ

وَاِنْ وَرَدَ الْمَصِیْفُ فَاَنْتَ ظِلٌّ

ترجمہ: تیری طرف جانے والا راستہ بالکل صاف اور کھلا ہے۔ پس نہیں ہے کوئی تیرے سوا جو راستہ بتائے اور راستہ چلائے۔ پس اگر سردی آ جاتی ہے تو تو غار ہے اور جب گرمی آوے تو تو چھاؤں ہے۔

ممشاد دینوری فرماتے ہیں۔ مَیں مسجد میں نیم خواب تھا۔ مجھے آواز آئی کیا تو چاہتا ہے کہ ہمارے دوستوں میں سے ایک کو دیکھے۔ اُٹھ اور توبہ کے ٹیلے پر جا۔ میں بیدار ہوا۔ برف پڑی ہوئی تھی۔ اس جگہ گیا۔ خواص کو دیکھا۔ چوکڑی مار کر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے چاروں طرف ڈھال کے برابر سبز جگہ تھی۔ جو برف سے خالی تھی اور اس کے باوجود کہ ساری برف ان کے سر پر سے آکر گر رہی تھی۔ شیخ اس حال میں بھی پسینے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مَیں نے

---

[1] ترکِ اسباب [2] مطلب یہ ہے۔ اللہ کی قسم ہے کہ اس راستہ کی حقیقت جو جناب تک پہنچانے والا ہے روشن ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ کوئی شخص تیرے بغیر تجھ تک نہیں پہنچتا۔ یعنی راستہ تو ہی بتانے والا ہے۔ اگر سردی آ جائے۔ پس تو پناہ گاہ ہے کیونکہ تکلیف دور کرنے کی تدبیر کرنا تجھے نہ جاننا اور تیری حقیقت سے نادانی ہے۔ جو بھی خلافِ طبع حال پیش آئے تو ہی اس کے لیے پناہ گاہ ہے پس جاڑے میں تو غار اور پناہ ہے اور گرمی میں تو ہی سایہ اور بھاگنے کی جگہ ہے۔

کہا۔ یہ مرتبہ تُو نے کیسے پایا۔" فرمایا،" بخدمتِ فقرار۔" ایک وقت ان کو کسی نے دیکھا کہ بیابان میں گوٹھ مارے[1] دل کی فراغت کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس نے کہا،" اے ابو اسحاق! یہاں کیسے بیٹھے ہو؟" فرمایا،" ارے بیہودے اپنا راستہ لے۔

"گر ملوکِ زمین بدانند کہ من اینجا درچہ حالم بہ شمشیر بر سرِ مَن آئند از حسد۔" اگر زمین کے بادشاہ جان لیں کہ میں یہاں کس حال میں ہوں تو وہ حسد کے مارے تلواریں لے کر مجھ پر چڑھ دوڑیں۔

ایک دن وہ مسجد میں مصلّے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے ایک مٹھی درہم کی ان کے مصلّے پر ڈال دی۔ وہ اٹھے اور مصلّے کو جھٹک دیا۔ وہ رقم مٹی اور پتھروں میں ڈال دی اور فرمایا، اس چاندی سے یہ مصلے میرے لیے زیادہ قیمتی ہے۔ وہ شخص کہتا تھا میں نے اس کی عزت کی مثال کسی میں نہ دیکھی کہ اس نے ایسا کیا۔ اور اپنی ذلت کبھی ایسی نہیں دیکھی۔ جس وقت کہ میں وہ چاندی زمین سے چُن رہا تھا۔

فضل رازیؒ کو ان کے شہر رَے میں میراث سے ایک لاکھ درہم پہنچے، انہوں نے ان کو بکھیر دیا۔ اور جب ہوش میں آئے اور حال سے علم میں واقع ہوئے تو ان کے پاس دس درہم باقی بچے تھے۔ کہا،" اس رقم کو علم سیکھنے پر خرچ کروں گا۔" آخر میں کہا،" مَیں نے یہ کیا کیا؟" وجد چھوڑ کر علم میں پڑ گیا۔ ابراہیم خواصؒ کے پاس گئے۔ اس سے پوچھا ایک لاکھ درہم میں نے میراث کے پائے۔ سب لٹا دیئے۔ دس درہم رہ گئے۔ ان سے علم میں کام لوں گا۔ خواصؒ نے کہا، یہ تجھے اس وجہ سے پیش آیا کہ پہلی مرتبہ اس میراث سے تو نے ایک گھونٹ پانی پی لیا تھا۔ تو نے اس کی طرف ہاتھ کیوں بڑھایا کہ انہوں نے تجھے اس میں پکڑ لیا۔ اس کے بعد ابراہیمؒ نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور کہا،" اس ہاتھ کے قربان جاؤں جب تنزّل کیا تو وجد سے علم میں پڑ گیا[2]۔

ایک شخص نے شبلیؒ سے پوچھا کہ دو سو درہم سے کتنی زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ فرمایا،" تیرے متعلق کہوں یا اپنے متعلق۔" اس نے کہا،" میرے متعلق کتنی ہے؟" حضرت شبلیؒ نے فرمایا، تجھے اس دو سو میں پانچ درہم دینے چاہئیں اور مجھے دو سو میں دو سو اور پانچ درہم۔" اس نے کہا، دو سو کو تو میں سمجھ گیا، لیکن پانچ درہم اور کیوں دے گا؟" فرمایا،

---

[1] اصل کتاب میں حبوہ زدہ لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے دونوں رانوں کو کھڑا کریں اور پیٹ سے چسپاں کریں اور اس کو کپڑے سے یا ہاتھوں کی گرفت میں لے لیں۔ میں نے اس کا ترجمہ گوٹھ مار کر کیا ہے۔

[2] یعنی جہالت میں نہ پڑا کہ علوم کی تحصیل میں خرچ کیا نہ جہالت میں نہ طبعی خواہشات میں۔

دو سو تو وہ ہیں جو تو رکھتا ہے دے دے[1] جو کچھ رکھتا ہو اس کی راہ میں خرچ کر اور ان کے علاوہ پانچ قرض لے کر[2] اس نے کہا، یہ کس کا مذہب ہے؟ حضرت شبلیؒ نے فرمایا، "یہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

۱۳۳۔ حضرۃ ابو محمد جُریری قدس اللہ روحہٗ

المتوفی ۳۱۲/۳۱۴ھ۔ حضرت جنیدؒ کے اونچے درجہ کے مریدوں میں سے تھے۔ حضرت جنیدؒ کے وصال کے بعد جنیدؒ کے دوسرے مریدوں نے ان کی بزرگی کی وجہ سے انہیں حضرت جنیدؒ کی جگہ بٹھایا۔ حضرت ابو محمد مشائخ علماء میں سے تھے۔ حضرت سہل عبداللہ تستری کی صحبت میں وقت گزارا تھا۔ ہبیر[3] کے سال میں قرامطہ کی جنگ میں پیاس سے بیتاب ہو کر ۳۱۲/۳۱۴ھ میں وفات پائی۔ ایک درویش کہتے ہیں۔ اس سال میں بھی ان لوگوں میں تھا جو قرامطہ کے قبضہ سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جب وہ لوگ چلے گئے۔ میں واپس آیا، تاکہ شفقتِ اسلام کے قافلہ کے زخمیوں کو پاؤں اور پانی دوں یا یہ دیکھوں کہ وہ لوگ کس حال میں ہیں۔ جو لوگ زخمی تھے میں ان میں گھوم رہا تھا کہ ابو محمد جریری کو دیکھا کہ وہ بھی ان زخمیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کی عمر اس وقت سو سال سے متجاوز تھی۔ میں نے ان سے کہا، شیخ دُعا نہیں کرتے کہ حق تعالیٰ اس مصیبت کو دُور کرے۔ شیخ نے کہا، میں نے عرض کی تھی، انھوں نے جواب دیا کہ "آں کنم کہ من خواہم" میں وہ کرتا ہوں جو چاہتا ہوں۔ میں نے پھر عرض کیا کہ آپ دعا کریں۔ فرمایا، "بھائی یہ وقت دعاء کا نہیں۔ یہ وقت رضا و تسلیم کا ہے، یعنی دعاء بلاء کے آنے سے پہلے چاہیئے۔ جب مصیبت آجائے تو اس وقت رضا چاہیئے۔ حضرت ابو محمدؒ نے فرمایا، "اَلتَّصَوُّفُ عُنْوَةٌ لَا صُلْحٌ" تصوف جنگ ہے۔ صلح نہیں یعنی تصوف صلح سے نہیں پاتے۔ اس کو جنگ سے حاصل کرتے ہیں نہ کہ صلح سے۔

شیخ الاسلامؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ تصوف کو طلب و صلح کے ساتھ نہیں پاتے۔ کیونکہ وہ زبردستی و قہر ہے۔ وہ ایک تیر ہے جب نورِ اعظم کی بجلی اُوپر سے آتی ہے نہ جانے کس پر ڈال دیں۔ جو اس کے طالب ہیں اس سے بھاگنے والے ہیں اور جواہل ہیں اگرچہ وہ بھی بھاگنے والے ہیں، مگر وہ آناً فاناً ان کو آلیتی ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جنگ یہ ہے کہ تو بھاگتا ہے اور وہ تجھ میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہ تو اس پر ہاتھ ڈالے اور وہ ہاتھ نہ

---

[1] ہر چہ داری صرف کن در راہ او۔

[2] تاکہ صدقہ و نفل دونوں کی صورت پیدا ہو۔

[3] ہبیر نشیبی زمین کو کہتے ہیں اور ہبیر ایک جگہ ہے جس میں قرامطہ یعنی ملحدین کے گروہ کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ ہوئی تھی۔

آوے۔ یہ بات[1] جس نے کہی ہے ذوق سے کہی اور ظاہر سے لی ہے نہ کہ علم سے کہی ہے۔ علم سے ایسی باتیں نہیں ہوتیں۔
ایک درویش نے ابومحمد جریری سے کہا، میں اُن کے فرش پر تھا۔ بسط کا دروازہ انہوں نے مجھ پر کھول دیا۔
میں اپنے مقام سے پھسل گیا اور اس سے محجوب ہو گیا۔ اپنا گم کردہ راستہ کیسے پاؤں۔ مجھے وہ راستہ بتائیں کہ جو مجھے
اس مقام پر جس پر میں پہلے تھا پہنچا دیں۔ ابومحمد رو پڑے اور کہا اے برادر ہمہ بایں ورد گرفتارند و بایں داغ مبتلا۔
بھائی اس درد میں سب گرفتار ہیں اور اس داغ میں مبتلا ہیں، لیکن تجھ پر چند بیت پڑھتا ہوں[2] جو اس جماعت کے
کسی آدمی نے کہے ہیں۔

قِفْ بِالدِّيَارِ فَهٰذِهٖ آثَارُهُمْ تَبْكِي الْأَحِبَّةُ حَسْرَتًا وَتَشَوُّقًا
كَمْ قَدْ وَقَفْتُ بِهَا أُسَائِلُ مُخْبِرًا عَنْ أَهْلِهَا أَوْ صَادِقًا أَوْ مُشْفِقًا
فَأَجَابَنِي دَاعِي الْهَوٰى فِي رَسْمِهَا فَارَقْتَ مَنْ تَهْوٰى تَعِزُّ الْمُلْتَقٰى

ترجمہ: (۱) تو ٹھہار رہ گھروں میں یہ ان کے نشان ہیں۔ عاشق لوگ روتے ہیں حسرت سے اور شوق سے۔

---

[1] یہ بات یعنی تصوّف صلح سے نہیں پاتے بلکہ جنگ سے لیتے ہیں۔ [2] چند بیت تیرے سامنے کہتا ہوں جو کسی صوفی نے اس منتہی کے حال میں کہے ہیں جو ہلاک و فنا کے مقام میں پہنچ کر اس ذوق و وجد اور بسط و لذّت کا طالب ہے جو اس کو ابتدا حال میں ہوتا تھا اور محبوب کے بارہ میں تسلی دینے کا بیان ہے اور ان ابیات کے لانے کا مقصد یہ ہے کہ مقام بسط مبتدی و قِفْ بِالدِّيَارِ ... "خطاب ہے۔ منتہی کا غیر منتہی کو کہتے ہیں گھروں میں ٹھہر اور مقام ذوق و وجد اور بسط و لذت میں جو محبوب کے اسماء وصفات کے آثار و نشان ہیں یہ وہ آثار ہیں جن کی حسرت اور ان کا شوق ان عاشقوں کو رُلاتی ہے جو ہلاک اور فنا میں پہنچ چکے ہیں۔ [3] "كَمْ قَدْ وَقَفْتُ" یعنی دیار اور مقام ذوق و وجد اور لذتوں کے اندر ابتدا کے حال میں بہت رہ چکا ہوں اور اب میں ان حالات و مقامات کو ہر اس شخص سے پوچھتا ہوں جو مجھے ان کی خبر دے اور ان منزلوں کے واقعات بتا کے۔ خواہ وہ شخص سچا ہو یا جھوٹا۔ مشفق ہو یا غیر مشفق اور اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پوچھنے والے کا حال شوق کے درجوں میں مختلف ہو۔ پس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ کبھی میں مخبر سے پوچھتا ہوں اور میں نہیں دیکھتا کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا مہربان ہے یا نامہربان اور اس قسم کا سوال کمالِ شوق کی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی میں پوچھتا ہوں اس خبر دینے والے سے جو سچا ہو اور یہ نہیں دیکھتا کہ وہ مہربان ہے یا نامہربان اور یہ حال شوق کے درمیانی درجہ میں ہوتا ہے اور کبھی میں پوچھتا ہوں اس مرد شخص سے جو میرا مہربان ہو اور یہ حال شوق کے ادنیٰ درجہ میں ہوتا ہے۔ [4] فَأَجَابَنِي دَاعِي الْهَوٰى۔ پس مجھے جواب دیا اس نے جو ان آثار و مقامات کی محبت سے پکارتا تھا کہ تو اس سے جدا ہو گیا جس کو تو دوست رکھتا تھا۔ یعنی اسماء صفات کے درجات اور ان کے مظاہر سے تو جدا اور دور چلا گیا ہے کہ اب تجھے اس چیز کے ساتھ یعنی محبوب کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل ہو چکا اور تو ذات کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

(۲) میں ان گھروں میں بہت رہ چکا ہوں اب میں ان کے متعلق ہر اس آدمی سے پوچھتا ہوں جو مجھے ان کی خبر دے خواہ وہ کیسا ہی ہو۔ سچا ہو یا جھوٹا۔ مہربان ہو یا نامہربان۔

(۳) پس اس نے مجھے جواب دیا۔ اے گھر کے چاہنے والے۔ جن سے تو محبت رکھتا تھا اب تو ان سے جدا ہو گیا ہے، کیونکہ اب تو اس چیز کے ملنے کی جگہ میں پہنچ کر عزّت پا چکا ہے۔

۱۳۴۔ حضرت غیلان سمرقندی رحمۃ اللہ تعالےٰ

حضرت جنیدؒ کی صحبت میں رہے۔ انہوں نے فرمایا، عارف از حق بحق نگرد۔ وعالم از دلیل بحق، وصاحب وجد از ہر دو مستغنی ست۔ عارف[1] حق سے حق کو دیکھتا ہے اور عالم اسے دلیل سے دیکھتا ہے اور صاحب وجد ان دونوں سے بے نیاز ہے۔

۱۳۵۔ حضرۃ غیلان المُوسوس رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

ان کو غیلان المجنون بھی کہتے ہیں۔ عراق کے پُرانے مشائخ سے ہیں۔ اُجاڑ اور ویرانوں میں رہتے نہ کسی سے ملتے نہ کسی سے کوئی چیز قبول کرتے تھے۔ اور کسی نے نہیں دیکھا کہ وہ کیا کھاتے تھے۔ محمد بن سمین نے کہا، میں نے غیلان کو ایک دفعہ کوفہ کے ویرانے میں دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا، آدمی غفلت کے خطرہ سے کب رہائی پائے گا؟ فرمایا، جب کہ وہ ان کاموں میں مشغول رہے گا جن کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ اور ان کاموں سے غافل رہے گا جن سے اسے روکا گیا ہے۔ اور اپنے نفس کے حساب میں چوکنا رہے گا۔

۱۳۶۔ حضرت ابوالعباس بن عطاء رحمۃ اللہ علیہ

تیسرے طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام احمد بن محمد بن سہل بن عطار ابن الآدمی ہے۔ ابن عطار بغداد کے رہنے والے علماء مشائخ سے ہیں۔ ابراہیم فارستانی کے شاگرد ہیں۔ ظریفانِ صوفیا سے تھے۔ بڑی پیاری باتیں کرتے تھے۔ قرآن کے معانی سمجھانے میں فصیح زبان تھے۔ قرآن پاک کی اوّل سے آخر تک اشارات میں تفسیر لکھی ہے۔ جنیدؒ کے اصحاب میں سے ہیں اور ابوسعید خرازان کی بہت عزّت کرتے تھے۔ خرّاز کا قول ہے، تصوّف ایک خصلت (خوبی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ساتھ واصل ہو گیا ہے اور ذات کے ساتھ واصل ہونے پر اسماء وصفات کے احکام یعنی ذوق و وجد (البسط اور لذتوں) سے نکل چکا ہے۔ [1] عارف ہر حال میں حق کا مشاہدہ کرنے والا ہے اور صاحب وجد دلیل سے مستغنی ہے۔ صاحب وجد سے مراد عارف ہے اور ہو سکتا ہے غیر عارف ہو۔

ہے اور میں اس کے حاصل کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ اور میں نے اس کا اہل نہیں دیکھا، مگر جنیدؒ کو اور ابوالعباس ابنِ عطاؒ۔ حلاج کے سبب سے ذی قعدہ ۳۰۹ھ میں قتل کیے گئے۔ اور کہا گیا قاہر باللہ کی خلافت کے ایام میں ۳۱۱ھ میں قتل کیے گئے۔ جس وزیر نے منصور کو قتل کیا اس نے ابوالعباس سے پوچھا کہ منصور حلاج کے متعلق تو کیا کہتا ہے۔ ابوالعباسؒ نے فرمایا، "تو اتنا رکھتا ہے کہ اس سے تیرا چھٹکارا نہ ہوگا، لوگوں کی چاندی واپس کر۔" وزیر نے کہا، "تو تعریض کرتا ہے یعنی مجھ پر اشاروں میں اعتراض کرتا ہے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اس کے ایک ایک دانت کو اکھاڑ دو۔ اور اس کو سر کے بل لٹکا دو یہاں تک کہ یہ مرجائے۔ ابوالعباس نے اللہ تعالیٰ کے کلام یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ" وہ مجھے مارتا ہے پھر وہ مجھے جلا دیتا ہے) کی تفسیر میں فرمایا، یُمِیْتُنِیْ عَنِّیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِیْ بِہٖ کہ وہ مجھے وجود سے فانی کر دیتا ہے اس طور پر کہ میرا وجود میری نظر سے اٹھا دیتا ہے یعنی میری بشری صفات کو فنا کر دیتا ہے اور اس کے بعد وہ مجھے اپنے ساتھ زندہ کر دیتا ہے اور زندہ کرنا یہ ہے کہ وہ مجھے اپنے اخلاق کے ساتھ متّصِف بنا دیتا ہے۔ (اوّل اشارہ فنا سے ہے دوسرا بقاء سے) ابنِ عطاء سے پوچھا گیا، مَا اَفْضَلُ الطَّاعَاتِ قَالَ مُلَاحَظَۃُ الْحَقِّ عَلٰی دَوَامِ الْاَوْقَاتِ۔" سب سے زیادہ فضیلت والی کونسی نیکی ہے۔ فرمایا سارے اوقات میں حق کا ملاحظہ کرتے رہنا۔

فرمایا، "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا[1]۔" جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر پختہ رہے یعنی قائم رہے اور جمے رہے اس کی تفسیر میں ابوالعباس نے فرمایا، ثم استقاموا علی انفراد القلب باللہ۔ یعنی پھر وہ لوگ اپنے دل کو اللہ کے ساتھ منفرد کرنے پر پختہ اور اس حال پر ثابت قدم رہے کہ وہ لوگ صرف اللہ کے ہو گئے اور انہوں نے اپنے دلوں کو غیر حق تعالیٰ کے ساتھ مصروف نہ رکھا۔

فرمایا، "اَلْاَدَبُ[2] الْوُقُوْفُ مَعَ الْحَسَنَاتِ۔" پس کہا گیا اس قول کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ سے سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً ظاہر میں اور باطن میں ادب کا معاملہ کرے اور جب تو خلوت اور جلوت میں اللہ کا ادب

---

[1] جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار کہ ہم ممکن ہیں یعنی خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں اور وہ واجب الوجود ہے۔ پس وہ لوگ اس بات پر قائم رہے اور انہوں نے اپنے دل کو اس کے غیر میں مصروف نہ رکھا۔

[2] ادب اور ہنر "حَسَنات" کے ساتھ کھڑا رہنا ہے۔ لوگوں نے پوچھا، حسنات کیا ہے؟ کہا حق تعالیٰ کے ساتھ اندر اور باہر سے ظاہر میں اور باطن میں ادب کے ساتھ معاملہ کرنا ہے کہ جس کو "صاحب شریعت" شریعت کے مالک نے اچھا سمجھا ہے اور اچھا بتایا ہے اس سے تو تجاوز نہ کرے اور جب تو ایسا ہو جائے گا ادیب اور ہنر مند ہوگا۔ اگرچہ تو عجمی (بے زبان) اور ان پڑھ بھی ہو شیخ الاسلام

کرے گا تو ادیب ہوگا خواہ تو اَن پڑھ بھی ہو۔ اس حال میں جب تو بولے گا کام کی بات بولے گا اور جب تو خاموش رہے گا برکتیں لائے گا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ آب و خاک کے قصے اور نفس کی رعونت سے تو آزاد ہو جائے تو یہ نہ کہے کہ میں اور میرا عمل۔ یہ عمل میں نے کیا، بلکہ یہ کہے وہ ہے اور اس کی عنایت ہے اور اس کی توفیق۔

۱۳۷۔ حضرۃ ابوصالح المزین رحمۃ اللہ علیہ

اپنے زمانہ کے بزرگوں میں سے تھے۔ ابن عطاء کی صحبت رکھتے تھے۔ صاحبِ خلوت تھے۔ کسی سے نہیں ملتے تھے۔ سہل بن عبداللہ نے فرمایا، مجھے شوق ہوا کہ ابوصالح کی صحبت میں وقت گزاروں۔ ایک دن انہیں حرم میں دیکھا۔ میں نے ان سے صحبت میں رہنے کی اجازت چاہی تو کہا اے سہل اگر ابوصالح کل مرگیا تو کس کی صحبت میں رہے گا۔ میں نے کہا، "مجھے خبر نہیں۔" فرمایا، "تو وہی کچھ اب سمجھ لے۔" یہ کہا اور میری نظروں سے غائب ہو گئے۔

۱۳۸۔ حضرۃ ابوالعباس دینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ

وفات ۳۴۰ھ۔ ابوالعباس کا نام احمد بن محمد ہے۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔ یوسف بن الحسین کے ساتھ صحبت اختیار کی۔ اور عبداللہ خراز، جریری، ابنِ عطاء اور رویم کو دیکھا تھا۔ طریقت پر بڑی استقامت کے ساتھ قائم رہے۔ نیشاپور آ گئے اور مدت تک یہاں مقیم رہے۔ معرفت کی زبان میں لوگوں کو نصیحت کرتے تھے اور بڑے اچھے انداز میں لوگوں کو سمجھاتے تھے۔ اس کے بعد نیشاپور سے ترمذ آتے۔ ابوبکر وراق کے شاگرد خواجہ محمد حامدان کی پذیرائی کے لیے آئے اور ان کی رکاب کو بوسہ دیا۔ ان کے مریدوں کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ انہوں نے ان سے کہا، "آپ نے ایسا کیوں کیا؟" خواجہ نے کہا، "من شنیدام کہ او خداوندِ مرا نیکو می ستاید۔" میں نے سنا ہے کہ وہ میرے خداوند کی بڑی اچھی تعریف کرتا ہے۔ اور ترمذ سے وہ سمرقند چلے گئے۔ اور وہاں ۳۴۰ھ میں وفات پا گئے۔ ابوالعباس سے پوچھا گیا، خدائے را بچہ شناختہ ئی۔ گفت باآنکہ نہ شناختم۔" تو نے خدا تعالیٰ کو کس ذریعہ سے پہچانا ہے۔ کہا، اس سے کہ میں نے اس کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: نے ادب کے معنی یوں بیان فرمائے۔ ہر بات نمکین ہو ہر سکوت نمکین ہو۔ یعنی وہ آدمی ایسا ہو جائے کہ جب وہ بات کرے انتہائی مزہ دار اور مفید ہو۔ اگر خاموش ہو جائے تو اس کی خاموشی غایت درجہ نمکین ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نطق و سکوت (بولنا خاموش رہنا) اپنے موقعہ میں ہونا چاہیئے۔ سکوت کے مقام سکوت کرے اور نطق کے مقام پر نطق۔ خاموشی کے مقام پر خاموش رہے اور بولنے کے وقت بولے۔ یہ ادب ہے۔

نہیں پہچانا یعنی اپنے عجز کے ساتھ معترف ہوں اور ابوالعباس نے فرمایا، اَدْنَی الذِّکْرِ اَنْ یُنْسٰی مَادُوْنَہٗ"۔ ادنیٰ ذکر یہ ہے کہ اس کے ماسوا کو بھلا دیا جائے۔

وَنِھَایَۃُ الذِّکْرِ اَنْ یَّغِیْبَ الذَّاکِرُ فِی الذِّکْرِ عَنِ الذِّکْرِ وَیَسْتَغْرِقُ بِمَذْکُوْرِہٖ عَنِ الرُّجُوْعِ اِلٰی مَقَامِ الذِّکْرِ۔ مرتبہ ذکر و آگاہی کی انتہا، یہ ہے کہ ذکر کے وقت میں ذاکر ذکر سے غافل ہو جائے اور مذکور جس کا ذکر کر رہا ہے" میں ایسا مستغرق و معدوم ہو جائے کہ ذکر کے ملاحظہ کی طرف رجوع نہ کرے یعنی اس کا عمل اس کی نظر سے مرتفع ہو جائے" وَھٰذَا حَالُ فَنَاءٍ فِی الْفَنَاءِ" اور یہ حال فنا میں فنا ہونے کا ہے۔

۱۳۹۔ حضرت ابوالعباس بَرْدَعی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ان کا نام احمد بن محمد بن ہارون البردعی الصوفی ہے شیخ ابوبکر طاہر ابہری اور مرتعش سے حکایت کرتے ہیں۔ ابوالعباس کہتے ہیں حضرت مرتعش نے کہا، اگر کسی کا دیدار تجھے نفع نہیں دیتا تو اس کی بات بھی تجھے نفع نہ پہنچائے گی۔ مرتعش کے الفاظ یہ ہیں۔ ہر کہ دیدار وی ترا منفعت نہ کند سخن وے ترا نیز منفعت نرساند۔ ابوالعباس نے کہا، ابوطاہر ابہری نے کہا ہے، لَا یَصْلُحُ الْکَلَامُ اِلَّا لِرَجُلٍ اِذَا سَکَتَ خَافَ الْعُقُوْبَۃَ بِسُکُوْتِہٖ آدمی کا بات کرنا درست نہیں اور کلام کرنا روا نہیں، مگر اس وقت جبکہ وہ اپنی خاموشی پر عذاب آنے سے ڈرتا ہو۔

۱۴۰۔ حضرت ابوالعباس سَیَّاری رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۳۴۲ھ۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام قاسم ابن قاسم المہدی ہے۔ احمد بن سیّار کے نواسہ ہیں مرو کے باشندہ اور مرو والوں کے شیخ ہیں۔ ابوبکر واسطی کے شاگرد و مرید ہیں۔ احوال کی حقیقتوں کے عالم اور فقیہ تھے۔ اور بہت سی احادیث رکھتے تھے۔ ان کو اپنے والد کی میراث میں بہت مال ملا تھا۔ سارا مال دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دو بال مبارک خرید لیے تھے۔ ان بالوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی توفیق دی۔ اور ابوبکر واسطی کی صحبت میں پہنچا دیا۔ اور اس درجہ کو پہنچے کہ صوفیاء کے ایک گروہ کے امام ہوئے۔ جن کو

لہ ذکر کا ادنیٰ مرتبہ ذکر کے ماسوا کو فراموش کر دینا ہے اور ذکر و آگاہی کا آخری مرتبہ یہ ہے کہ ذاکر ذکر کے وقت میں ذکر سے غافل ہو جاوے اور مذکور "اللہ تعالیٰ" میں ایسا مستہلک ہو جاوے کہ ذکر کے دیکھنے کی طرف رجوع نہ کرے یعنی اس کا عمل اس کی نظر سے مرتفع ہو جاوے۔

لہ فنا" فی الفنا" کا مطلب غیر کے شعور کا ساقط ہو جانا ہے۔ اگرچہ وہ غیر سقوط شعور ہی ہووے یعنی اس بے شعوری کا بھی شعور نہ رہے اور بے شعوری استغراق اور استہلاک اس قدر بڑھ جائے کہ اپنی بے شعوری کی بھی خبر نہ رہے۔

سیّاریہ کہتے ہیں۔ جب دنیا کو چھوڑنے لگے تو وصیّت کی کہ ان مبارک بالوں کو میرے منہ پر رکھ دینا۔ ان کی قبر مرو میں ہے جو زیارت گاہ ہے۔

حضرت ابوالعباس نے فرمایا، اَلتَّوْحِیْدُ اَلَّا یَخْطُرَ بِقَلْبِكَ مَادُوْنَهٗ توحید یہ ہے کہ تیرے دل میں ماسوائے حق کا خیال نہ آوے اور مخلوقات کے خیال کا تیرے دل پر گزر نہ ہو" اور فرمایا کہ واسطیؒ سے ان کے مرتے وقت لوگوں نے درخواست کی کہ ہمیں کوئی وصیّت فرماویں تو انہوں نے کہا، اِحْفَظُوْا مُرَادَ اللّٰهِ تَعَالٰی فِیْكُمْ۔ اللہ تعالیٰ کی مراد کی حفاظت کرو جو تم میں ہے[1]

۱۴۱۔ حضرۃ ابوالعباس نہاوندی رحمہ اللہ تعالیٰ

ان کا نام احمد بن محمد بن فضل ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے انہیں چھٹے طبقہ میں شمار کیا ہے۔ جعفر خلدی کے مرید اور شیخ عمو کے پیر ہیں۔

شیخ ابوالعباس ان کو عمو کہا کرتے تھے۔ اور عمو سالار ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، عباس فقیر ہروی نے مجھے کہا، ابوالعباس نہاوندی نے کہا۔ جو شخص اس علم سے وہ بات کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کی حجت نہ ہو[2] اللہ تعالیٰ اسکا دشمن ہوگا۔

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بات کہنا تین طرح کی ہیں۔ ۱: اس ذات کے متعلق کہنا اور اس سے سننا سند ہے، یعنی کتاب و سنّت سے سُنا جائے۔ ۲: اس کے دین کے متعلق بات کہنا اس میں کتاب و سنّت و اجماع اور آثار صحابہ سند ہے۔ ۳: اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی کے متعلق کہنا ہے۔ جو شخص کہ اس کے متعلق یہ بات کہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا موجود نہیں کہ جس کے کان ہوں اور وہ سنتا ہو۔ اس کی آنکھیں ہوں کہ وہ ان سے دیکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا دشمن ہوگا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، نہاوندی کا قول ہے۔ "آنانکہ خداوندان ہمت اند اگر دست چپ ایشاں راز و مشغول دارد بدستِ راست دست چپ خود ببرند"۔ جو لوگ عالی ہمت ہیں اگر ان کا بایاں ہاتھ انہیں حق تعالیٰ

---

[1] جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق چاہا ہے یا اللہ تعالیٰ نے تمہارے پیدا کرنے میں جو مقصد رکھا ہے اس کا ہر وقت خیال رکھو۔ اسے کسی وقت ذہن سے اوجھل نہ ہونے دو جو نیکی کے مقابلہ میں ثواب ہے اور برائی کے مقابلہ میں عذاب ہے۔ پس ان دونوں کو پیش نظر رکھنے اور حفاظت کرنے کا ثمرہ حسنات کرنا ہے اور سیئات سے بچنا ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ مراد کے معنیٰ مطلوب ہو۔ یعنی اس کی حفاظت کرو اور اس کا خیال رکھو جو حق تعالیٰ نے تم سے امر و نہی کی صورت میں مطالبہ کیا ہے کہ وہ تم سے فوت نہ ہو جائے۔

[2] اللہ تعالیٰ اسکی حجت نہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ اس کو اسطرح کی یافت حاصل نہ ہو کہ وہ یافت اس آدمی پر غالب آ جائے۔

سے غافل کردے تو وہ دائیں ہاتھ سے اپنا بایاں ہاتھ خود کاٹ ڈالیں۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ایک مشک فراموش تاجر تھا۔ حضرت نہاوندیؒ اور فقراء دنیا میں اس سے آسودگی حاصل کرتے تھے۔ آخر میں انھوں نے اس کو مہجور کر دیا اور اس سے کوئی چیز نہ لیتے۔ لوگوں نے نہاوندی سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا، وہ اس بات پر خوش ہوا کہ درویشوں کی برکت سے اس کا مال ترقی کرتا ہے اس کا مال فقراء پر حرام ہوگیا۔" نہاوندیؒ نے یہ بھی کہا، کہ شروع میں جب اس کام کے درد نے مجھے اپنی گرفت میں لیا میں بارہ[۱۲] سال سرگریباں رہا۔ ۱۲ سال گریبان میں سر ڈالے رہا، تاکہ وہ میرے دل کا ایک گوشہ ہی میرے ساتھ کر دیں۔" اور نہاوندیؒ نے کہا، سارے جہاں کے لوگ اس آرزو میں ہیں کہ حق تعالیٰ ایک ساعت ان کے ساتھ ہوں اور میں اس آرزو میں ہوں کہ حق تعالیٰ مجھے ایک ساعت میرے ساتھ موقع دے دیں تاکہ میں سوچوں کہ میں خود کیا چیز ہوں اور کہاں ہوں۔" شیخ ابوسعید ابوالخیر کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ اصل اس بات کی وہ ہوگی کہ وہ آدمی کو اس کے ساتھ نہیں چھوڑتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اَللّٰھُمَّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَلَا اَقَلَّ مِنْ ذٰالِکَ اے اللہ! مجھے آنکھ کھولنے کے بقدر میرے حوالے نہ کر اور نہ اس سے کم۔

میں نے ایک بڑھیا کو مرو میں دیکھا، وہ استاد ابوعلی دقاق کی باتیں سُن رہی تھی۔ وہ اٹھ کر چلی گئی۔ وہ کہتی تھی، لوگ کہتے ہیں ہمیں آنکھ جھپکنے کے بقدر ہمارے ساتھ نہ چھوڑ۔" یعنی ہمیں اپنے نفس کے حوالے نہ کر کہ ہم اپنے نفس کو دیکھیں۔ میں عاجزی سے خود یہ دُعا کرتی ہوں اور زاری کرتی ہوں۔ یارَبّ مجھے پلک جھپکنے کی بقدر اپنے نفس کے حوالے کر کہ میں خود کو جان لوں کہ کہاں کھڑی ہوں۔" اور نہاوندیؒ نے فرمایا، خدا تعالیٰ کے ساتھ زیادہ بیٹھو اور مخلوقِ خدا کے ساتھ کم سے کم۔" کسی آتش پرست یا نصرانی[۱] نے سنا کہ مسلمانوں میں صاحبِ فراست ہوتے ہیں۔ شیخ ابو العباس قصابؒ کی خانقاہ میں آیا۔ شیخ نے کہا، "بیگانہ در کوئے آشنا چہ کار دارد" دوست کے کوچہ میں اجنبی کا کیا کام ہے؟ یہ سن کر وہ چلا گیا اور کسی نے کہا معلوم ہوا کہ اسی نصرانی نے یہاں سے شیخ نہاوندی کی خانقاہ کا قصد کیا۔ جب وہاں پہنچا اور اندر آیا۔ شیخ نے اسے کچھ نہ کہا۔ چار مہینے تک درویشوں کے ساتھ وضو کرتا اور نماز پڑھتا رہا۔ چار ماہ بعد جوتا پاؤں میں پہن کر یہاں سے رخصت ہونے لگا تو شیخ نے فرمایا، جوانمرد نہیں ہوتا جو نان و نمک کا حق ضائع کرے۔ بیگانہ بیائی و بیگانہ بروی۔ تو بیگانہ آوے اور بیگانہ واپس جاوے۔" یہ سُن کر نصرانی مسلمان ہوگیا اور وہاں ہمیشہ کے

---

[۱] اصل میں لفظ "ترسا" ہے اور ترسا فارسی میں نصرانی اور آتش پرست کو کہتے ہیں۔

لیے رہ پڑا۔ اور شیخ کے بعد شیخ کی جگہ بیٹھا۔ یعنی شیخ کا جانشین ہوا۔

۱۴۲۔ حضرت اخی فرج زنجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

روز چہار شنبہ آخر رجب ۴۵۷ھ کو رحلت فرمائی۔ ان کی قبر زنجان میں ہے۔ وہ شیخ ابوالعباس نہاوندیؒ کے مرید ہیں۔

کہتے ہیں ان کی ایک ایسی بلّی تھی کہ مہمانوں کی کوئی جماعت جب شیخ کی خانقاہ کا قصد کرتی (وہ لوگ ابھی خانقاہ میں پہنچتے بھی نہ تھے) وہ بلّی ان کی تعداد کے مطابق آواز (میاؤں میاؤں) کرتی یعنی خانقاہ میں آنے والے مہمانوں کے عدد کیمطابق آواز کرتی۔ خانقاہ کا خادم ہر آواز پر دیگ میں ایک پیالہ پانی ڈال دیتا۔ ایک دن مہمانوں کا عدد اس کی آواز کے عدد پر ایک زیادہ ہوگیا۔ یعنی اس کی آواز کے برعکس ایک مہمان زیادہ ہوگیا۔ لوگوں نے اس پر تعجب کیا۔ بلی مہمانوں کی جماعت میں آئی اور ایک ایک کو سونگھنا شروع کیا۔ ان میں سے ایک پر پیشاب کر دیا۔ خانقاہ والوں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ شخص بے دین تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک روز مطبخ کے خادم نے دیگ میں کچھ دودھ ڈالا تاکہ جماعت کے لیے کھیر پکاوے۔ کالا سانپ دھواں نکلنے کی جگہ (چمنی) سے دیگ میں گرا پڑا۔ بلّی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ پس بلّی دیگ کے گرد گھومتی تھی۔ بولتی تھی اور بے چینی کا اظہار کرتی تھی۔ خادم کو اس کا پتہ نہ تھا۔ وہ بلّی کو دھمکاتا تھا اور دور بھگاتا تھا۔ جب خادم کسی طرح متنبّہ نہ ہوا تو بلی نے خود کو دیگ میں ڈال دیا اور مرگئی۔ جب انہوں نے کھیر گرائی اس جگہ کالا سانپ ظاہر ہوا۔ شیخ نے فرمایا "آں گربہ خود را فدائے درویشاں کرد، ویرا در قبر کنید و زیارت کنید۔" چونکہ اس بلّی نے خود کو درویشوں پر قربان کر دیا اس لیے تم اس کو قبر میں دفن کرو اور اس کی زیارت کرو۔ کہتے ہیں اس بلّی کی قبر آج بھی موجود ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔

۱۴۳۔ حضرت ابوالعباس سُریج رحمۃ اللہ علیہ وفات ۳۰۵ھ

ان کا نام احمد بن عمران بن سریج ہے۔ ان کی بزرگی کی وجہ سے ان کو چھوٹا شافعی کہتے تھے۔ عراق کے فقیہ اور زبردست عالم تھے۔ جنید کو دیکھا اور ان کی صحبت میں بھی رہے تھے۔ جس وقت مسائل اصول و فروع میں بات کرتے تو اس انداز سے بیان کرتے کہ سننے والوں کے تمام اشکالات دور ہو جاتے وہ مطمئن ہو جاتے (اور ان کی پوری تسلّی ہو جاتی تھی۔) بات کرنے کے بعد فرماتے، جانتے ہو کہ مجھے یہ بات کہاں سے ملی ہے؟ ابوالقاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھنے کی برکت سے۔

۱۴۴۔ حضرت عبدالعزیز بُحرانی رحمۃ اللہ علیہ

ایک دفعہ ابوالعباس سُریج کی مجلس کے گوشہ میں بیٹھ گئے اور طریقہ سلوک کے متعلق ان سے کوئی سوال کیا۔ بہت اچھا جواب سُن

کرنعرہ مارا اور بے ہوش ہوگئے۔ ہوش میں آئے تو ابوالعباس نے کہا، "میں ایک عرصہ تک آپ کے پیر جنید قدس سرہٗ کے ساتھ رہا ہوں اور میں نے ان کی صحبت اختیار کی ہے۔ اب ان فقہار نے مجھے اپنے میں مشغول کرلیا ہے اگر تمہاری خواہش ہو تو تمہارے لیے ایک دن خاص کرلوں جس میں بطورِ خاص تم سے اس باب میں بات کیا کروں یعنی صرف طریقت کے مسائل تم سے بیان کیا کروں۔ شیخ ابوعبداللہ خفیفؒ کہتے ہیں اس سے پہلے کہ ابنِ سریجؒ شیراز میں آئے۔ شیراز کے علمار صوفیار کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ سب جاہل ہیں۔ جب ابنِ سریجؒ شیراز میں آئے اور انہوں نے صُوفیار کے مرتبہ اور مقام کو بلند کیا اور ان کی زبان میں گفتگو کی اور صوفیار کی فضیلت و عظمت کی گواہی دی۔ اور بار بار علماء کی مجلس میں یہ کہا، واللہ ما آدمی نشدیم مگر بواسطۂ صحبتِ ایشاں وادب نیاموختیم مگر از ایشاں (خدا کی قسم ہم آدمی نہیں بنے، مگر ان حضرات کی صحبت کے ذریعے اور ہم نے ادب اور تمیز نہیں سیکھی، مگر ان حضرات سے۔) اس وقت علمار نے صوفیار کو پہچانا اور ان کی بزرگی اور عظمت کا اعتراف کیا۔ حضرت ابوعبداللہ خفیفؒ کے الفاظ یہ ہیں "آں زماں علمار صوفیار را بشناختند وایشاں را بزرگ داشتند"

۱۴۵۔ حضرت ابومنصور کاو کلاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام ؒ نے فرمایا، مشائخ اہلِ ملامت میں سے سرخس میں شیخ ابومنصور کاو کلاہ تھے۔ جب ان کے اصحاب سفر میں ہوتے اور شیخ فارغ ہوتے تو ان میں سے کسی کے باغ میں چلے جاتے اور کنواں کھودنے لگ جاتے اور پانی تک پہونچا دیتے۔ جب پورا ہو جاتا نکل آتے اور اس کے پہلو میں دوسرا کھودتے تھے اور اس کنویں کا ملبہ دوسرے کنویں میں ڈالتے تھے۔ جب وہ پورا ہو جاتا دوسرا کنواں کھودنا شروع کر دیتے۔ کسی نے ان سے کہا، نہ تو دیوانہ ہے اور نہ تو مزدور، یہ تو کس لیے کرتا ہے؟ کہا اپنے نفس کو شغل یعنی کام میں لگاتا ہوں اس سے قبل وہ مجھے کام میں لگا دے۔ اور مشائخ نے یہ کام کیا ہے۔ ابوعبداللہ دینوری دریا میں رہتے اپنی گدڑی کو ادھیڑنے اور سینے میں مشغول رہتے اور کلاؤتک ایسا ہی کرتے اور جب ایک دفعہ اس سے فارغ ہو جاتے دوسری مرتبہ پھر یہی کرنے لگ جاتے۔

۱۴۶۔ حضرت ابوالعباس حمزہ بن محمد قدس اللہ
وفات ۲۴۲ھ

ہرات کے قدیم مشائخ سے ہیں۔ ورع اور پرہیزگاری میں کامل اور مستجاب الدعوات[۱] تھے۔ بڑی سخاوت کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے رفیق اور امام احمد کا مذہب ہرات میں لے کر آئے تھے۔ ابراہیم ستنبہؒ کی صحبت میں رہ کر تربیت پائی۔ انہوں نے

---

[۱] یعنی ان کی دعائیں قبول ہوتی تھیں۔

فرمایا۔ "ہر کرا صحبت اولیاء و مشائخ مہذب نہ کند بہ ہیچ پند مہذب نہ شود۔" جس کو اولیاء و مشائخ کی صحبت مہذب نہ بنائے وہ کسی نصیحت سے بھی مہذب نہ ہو گا۔[۱]

۱۴۷۔ حضرۃ حُسین بن مَنصُور الحَلّاج البیضاوی قُدِسَ سِرّہٗ

بغداد باب الطاق کے مقام پر ۳۰۹ھ ذیقعدہ کے مہینہ میں قتل کیے گئے۔ تیسرے طبقے سے ہیں۔ ان کی کنیت ابو المغیث ہے۔ بیضار کے باشندہ ہیں۔ جو فارس کے شہروں میں ایک شہر ہے۔ یہ حلّاج یعنی دھنیہ نہیں تھے بلکہ وہ ایک دن دھنیہ کی دوکان پر تھے جو ان کا دوست تھا اور روئی دھنتا تھا۔ منصور نے اسے کسی کام کے لیے بھیج دیا۔ پھر دل میں آیا کہ اس کا کام میں کرلوں۔ انگلی سے اشارہ کیا۔ روئی ایک طرف ہو گئی اور بنولے ایک طرف ہو گئے۔ اس سبب سے لوگوں نے ان کا نام حلّاج (روئی دھننے والا) رکھ دیا۔ واسط عراق میں رہتے تھے۔ جنید اور نوری کی صحبت رکھتے تھے۔ اور عمرو بن عثمان مکی کے شاگرد تھے۔ مشائخ نے ان کے معاملہ میں اختلاف کیا ہے۔ زیادہ علماء نے انہیں قبول نہیں کیا۔ اور ان کے پھانسی دینے کو درست اور صحیح سمجھا۔ اور چند حضرات نے جن میں ابو العباس عطاء، شبلی، ابو عبداللہ خفیف رح اور شیخ ابو القاسم نصر آبادی ہیں ان لوگوں نے ان کو قبول کیا اور ابو العباس بن شریح ان کے قتل پر راضی نہ ہوئے اور نہ فتویٰ پر دستخط کیے اور کہا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کہتا ہے۔" کتاب "کشف المحجوب" میں ہے۔ "تمام متاخرین قدس اللہ ارواحہم نے نہ صرف اس کو قبول کیا بلکہ ان کی بزرگی کا اعتراف کیا ہے۔ اور بعض متقدمین قدس اللہ ارواحہم کا ان کو چھوڑنا اس کے دین میں طعن اور خرابی کی وجہ سے نہ تھا، کیونکہ جس شخص کے ساتھ ہجران کا معاملہ بن جاوے ضروری نہیں کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی قابلِ نفرین و ہجران ہو۔ کہ "مہجور معاملہ، مہجور اصل نباشد۔"[۲] یعنی اس کے اصل یعنی اعتقادات میں قصور نہ تھا بلکہ اس کے معاملہ اور قول میں قصور تھا۔

متاخرین میں سلطانِ طریقت شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا، حسین منصور حلّاج قدس اللہ روحہٗ در علوِ حالست در عہد وے در مشرق و مغرب کس چون او نبودہ۔ حسین منصور حلّاج قدس اللہ روحہٗ اونچے حال میں تھا۔ اس کے زمانہ میں مشرق و مغرب میں اس جیسا دوسرا کوئی اور نہیں ہوا۔

---

[۱] یعنی جس شخص کی اولیاء و مشائخ کی صحبت میں رہ کر بھی اصلاح نہیں ہوگی تو اس پر کوئی نصیحت اثر نہیں کرے گی اور نصیحتوں سے اس کی اصلاح ممکن نہیں۔

[۲] مہجور معاملہ مہجور الاصل نہیں ہوتا یعنی اصل اور اعتقادات میں قصور نہیں ہوتا، مگر معاملت اور اس کے قول میں قصور ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، مشائخ کی موافقت اور شریعت وعلم کی رعایت کی وجہ سے میں اس کو قبول نہیں کرتا اور میں اس کو رَد بھی نہیں کرتا تم بھی ایسا ہی کرو۔ بلکہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میرا حال یہ ہے کہ جو لوگ اس کو قبول کرتے ہیں یعنی اس کو بزرگ اور اہل اللہ جانتے ہیں مَیں انہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا ہوں جو انہیں رَد کرتے ہیں۔ ابُو عبداللہ خفیفؒ نے اس کو امامِ رَبّانی کہا ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، منصور امام ہے لیکن اس نے ہر کس وناکس سے کہا اور ضعفاء پر بوجھ ڈال دیا۔ اور شریعت کی رعایت نہ کی۔ اس پر جو مصیبت وآفت آپڑی اسی سبب سے پڑی۔ اور اس سارے دعویٰ کے باوجود دن رات کے اندر وہ ہزار نفلیں پڑھتا تھا اور اس رات میں جس کی صبح میں وہ قتل کیا گیا پانچ سو رکعت نفل ادا کیے تھے اور شیخ الاسلام نے کہا، اس کو مسئلہ الہام کی وجہ سے لوگوں نے قتل کیا اور اس میں ظلم ہوا کہ لوگوں نے کہا کہ یہ شخص کہتا ہے کہ وہ پیغمبر ہے۔ حالانکہ ایسا نہ تھا۔ حضرت شبلیؒ اُن کے پھانسی کے تختہ کے نیچے کھڑے ہو گئے اور کہا، "اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ"۔ کیا ہم نے تجھے نہیں روکا تھا جہان والوں سے[۱]۔

جس قاضی نے منصور کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اس نے شبلیؒ کی یہ بات سُنی تو اس نے کہا وہ پیغمبری کا دعویٰ کرتا تھا اور یہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ شبلیؒ نے کہا، میں بھی وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا تھا، لیکن یہ دیوانگی مجھے چھڑا لے گی اور عقل نے اس کو پھانس لیا۔ کہتے ہیں منصور پر جو مصیبت آئی اس کا سبب اس کے پیر عمرو بن عثمان کی بددعا تھی۔ ہوا یہ کہ عمرو بن عثمان نے توحید اور علمِ صوفیاء کے بارہ میں چند اوراق تصنیف کیے تھے۔ حلّاج قدس سرہٗ نے چپکے سے (ان اوراق کو) لے لیا۔ ان کو ظاہر کر دیا۔ اور لوگوں کو سنا دیا۔ بات باریک تھی لوگ اسے سمجھ نہ سکے اور مضمون لکھنے والے عمرو بن عثمان کے وہ منکر ہو گئے۔ ان کو مہجور کر دیا۔ (لوگوں نے ان سے ملنا چھوڑ دیا۔) شیخ عمرو بن عثمان نے منصور حلّاج پر ملامت کی اور کہا، "الٰہی کسے بر وگمار کہ دست و پائی او ببرّد وچشم برکند وبردار کند"۔ الٰہی اس پر ایسے شخص کو مسلّط کر جو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے۔ اس کی آنکھیں نکال دے اور اسے پھانسی کے تختہ پر لٹکا دے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے شیخ کی زبان سے نکلی ہوئی بددعا حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ ایک دن منصور نے جنیدؒ کا دروازہ کھٹکھٹایا جنیدؒ نے پوچھا "کون ہے؟" اس نے کہا "حق"۔ جنیدؒ نے کہا، تو حق نہیں بلکہ بحق ہے[۲]۔ اَیُّ خَشَبَۃٍ تُفْسِدُھَا

---

[۱] یعنی ہم نے تجھے جہان والوں کی طرف متوجہ ہونے سے منع نہیں کیا تھا؟ مگر تو نے بے وقوفی سے ان کی طرف التفات کیا اور ہماری بات پر عمل نہ کیا۔

[۲] بحق ہے کا مطلب کہ تو حق نہیں بلکہ حق کے ساتھ قائم اور موجود ہے۔

یعنی "کدام چوب و دار است کہ بتو چرب کند"۔ کون سی لکڑی کا تختہ ہے جسے تو خراب کرے گا۔ (یعنی کونسی لکڑی اور پھانسی ہے جس کو لوگ تیرے خون سے چکنا کریں گے۔)

شیخ الاسلامؒ نے کہا، ابو عبداللہ باکو سے میں نے سنا، انہوں نے کہا، میں نے منصور کے بیٹے احمد سے خجند میں سُنا۔ اس نے بیان کیا، آخری شب میں نے اپنے والد سے کہا، کہ مجھے کوئی وصیّت کریں۔ انہوں نے فرمایا، اپنے نفس کو کام میں لگائے رکھنا اس سے قبل کہ وہ تجھے کسی کام میں لگاتے۔" میں نے کہا، اباجی کچھ اور فرمائیں۔ فرمایا، "جب سارے جہان والے تیری خدمت میں کوشش کرتے ہوں تو اس چیز میں کوشش کرنا جس کا ذرّہ سارے آدمیوں اور سارے جنّوں کے عمل سے بہتر بھی ہے اور بڑا بھی۔" بیٹے نے کہا، "وہ کیا ہے؟" فرمایا، "وہ معرفت ہے۔" اور ابراہیم بن فاتک کے بیان میں شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، لوگ حلّاج پر جھوٹ بولتے ہیں اور ناقابلِ فہم اور غلط باتیں ان پر لگاتے ہیں۔ نامعلوم کتابیں اور حیلے ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور صحیح و درست وہ ہوتا ہے جو اس سے خود ظاہر ہو۔ اور اس کے اشعار صاف اور واضح ہیں۔ جن میں سے شیخ الاسلامؒ نے ہمیں حلّاج رحمۃ اللہ علیہ کے یہ شعر پڑھ کر سنائے۔

أَنْتَ بَيْنَ الشَّغَافِ وَالْقَلْبِ تَجْرِيْ ۔۔۔ مِثْلَ جَرْيِ الدُّمُوْعِ فِي الْأَجْفَانِ
وَتَحِلُّ الضَّمِيْرَ جَوْفَ فُؤَادِيْ ۔۔۔ كَحُلُوْلِ الْأَرْوَاحِ فِي الْأَبْدَانِ
لَيْسَ مِنْ سَاكِنٍ تَحَرَّكَ إِلَّا ۔۔۔ أَنْتَ حَرَّكْتَهُ خَفِيَّ الْمَكَانِ[2]
يَا هِلَالًا بَدَا لِأَرْبَعَ عَشْرٍ ۔۔۔ لِثَمَانٍ وَأَرْبَعَ وَاثْنَانِ[1]

ترجمہ: ۱۔ تو دل اور اس کے پردوں کے درمیان رواں ہے جیسے آنسو پلکوں کے درمیان رواں ہیں۔
۲۔ اور تُو میرے دل کے اندر ایسا آگیا ہے جیسے رُوحیں جسموں کے اندر۔
۳۔ کوئی ساکن حرکت نہیں کرتا اس جگہ[2] میں جو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہے، مگر یہ کہ تو اس کو حرکت دیتا ہے۔
۴۔ اے چودھویں رات کے چاند آٹھ کے لیے، چار کے لیے اور دو کے لیے۔

۱۴۸۔ حضرۃ ابوالحسن الصّبیحی رحمۃ اللہ تعالیٰ

تیسرے طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام حسن ابن عبداللہ ابن بکر ہے اور ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ بعض نے کہا ہے ان کا نام احمد ابنِ محمد ہے۔

---

[1] آخری مصرعہ نظم کے واسطے ہے اور چودہ کا بیان ہے اثنان خبر محذوف کا بمتدا ہے یعنی بعد ذالک اثنان یعنی ثمان اربعہ اور اس کے بعد دو۔ [2] خفی المکان تحرک کا مفعول فیہ ہے اور ترجمہ میں اس کی رعایت کی ہے۔

اور ان کی کنیت ابو عبید ہے۔ اور زیادہ صحیح پہلا قول ہے۔ "بصرہ" کے رہنے والے تھے۔ کہتے ہیں ان کے گھر میں زمین کے اندر گھر یعنی تہہ خانہ تھا۔ تیس سال اس سے باہر نہیں نکلے۔ مجاہدے اور عبادت میں مشغول رہے۔ کہتے ہیں وہ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اہلِ بصرہ نے ان کو بصرہ سے نکال دیا تھا۔ "سوس" چلے گئے اور وہیں وفات ہوئی اور اسی جگہ ان کی قبر ہے۔

شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا، جمعہ کے دن مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ اپنے مرید سے کہا، "یہ ساری خلقت جو تو دیکھتا ہے، بہشت کی بھرتی ہے۔[1] "این کار کہ مارا افتادہ"۔[2] اور مسجدِ بصرہ اس وقت ایسی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی کہ مخلوق زمین پر سجدہ نہیں کر سکتی تھی بلکہ نمازی نمازیوں کی پشت پر سجدہ کرتے تھے۔

ابوالحسن الصُّبَیحی نے کہا، "الغریب هوالبعید عن وَطَنِهٖ مَقِیمٌ فِیہِ۔" (یعنی مسافر وہ ہے جو اپنے وطن سے دور ہو، حالانکہ وہ وطن میں ہو۔)[3] اور انہوں نے یہ بھی فرمایا، اَلْغَرِیْبُ هُوَ الَّذِیْ لَاجِنْسَ لَهٗ۔ (غریب یعنی مسافر وہ شخص ہے جس کیلیے کوئی ہم نشین نہ ہو۔[4]) اور انہوں نے یہ بھی فرمایا، اَلغریب مَن صَحِبَ الاَجْنَاسَ۔ (مسافر وہ ہے جو اپنے ہم جنسوں سے صحبت رکھتا ہے یعنی اللہ کو چھوڑ کر اپنے ہم جنسوں کے پاس رہتا ہے۔

۱۴۹۔ حضرۃ فارس بن علیسیٰ البغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ

ان کی کنیت ابوالقاسم ہے حسین منصور الحلاج کے خلیفہ ہیں۔ خراساں آئے۔ وہاں سے سمرقند چلے گئے۔ مرتے دم تک سمرقند ہی میں رہے۔ اور عَلَمُ الہُدیٰ رئیس اہلِ سنت والجماعت شیخ ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ کے ہمعصر ہیں۔ ایسے ہی شیخ ابوالقاسم حکیم سمرقندی کے بھی معاصر ہیں۔ شیخ ابو منصور ان کے پاس آتے اور یہ ان کے پاس آتے رہے۔ اور موت نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ فارس بغدادی سب مشائخ کے یہاں مقبول تھے اور مشائخ نے ان

---

[1] صوفیاء کرام کو یہ حال اس وقت پیش آتا ہے جب ان پر صفت صمدیت کی تجلی ہوتی ہے۔ [2] یعنی وہ تم بہشت کو ان لوگوں سے بھریں گے۔ [3] پس صوفی اپنے وطن میں مقیم ہونے کے باوجود مسافر ہوتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ غیر حق کے ساتھ چین نہیں پکڑتا اور اسے حق تعالیٰ کے ماسوا کسی سے آرام نہیں ملتا۔

[4] غریب یعنی مسافر وہ شخص ہے جو مخلوق سے دور ہو اور حق تعالیٰ سے نزدیک ہو اس کو اپنی ابنائے جنس یعنی ممکنات سے اور اپنے ابنارِ جنس سے آرام نہیں ملتا۔

ع یعنی یہ معمولی بات ہم پر منکشف ہوئی ہے۔

کے حال کی تصحیح کی ہے۔ اور ان کی باتیں اپنی تصنیفات میں نقل کی ہیں۔ شیخ عارف ابوبکر بن اسحاق الکلاباذی البخاری نے اپنی کتابوں میں بغیر واسطہ کے فارس بن علیٰ سے بہت سی روایات نقل کی ہیں اور شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی اور امام قشیری نے ایک واسطہ سے یا زیادہ سے اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی فارس ابن علیٰ سے بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ حضرت فارس کہتے ہیں کہ حلاج سے میں نے پوچھا کہ مرید کون ہے؟ فرمایا، مرید وہ ہے جو اپنے پہلے نشانہ میں اللہ سبحانہٗ کا قصد کرنے والا ہو۔ پس جب تک کہ وہ اس تک نہ پہنچ جاوے کسی چیز سے نہ آرام پکڑے اور نہ کسی شخص کے ساتھ مشغول ہو۔ اور فرمایا، خَاطِرُ الْحَقِّ هُوَ الَّذِی لَا یُعَارِضُهٗ شَیْئٌ" حق کو پیشِ نظر رکھنے والے کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دل میں حق ایسا بیٹھ جائے کہ کوئی امر اس کا معارض نہ ہو جو اس میں وہم پیدا کرے۔

۱۵۰۔ حضرت ابو عمرو دمشقی قدس اللہ سرہٗ

وفات ۳۲۰ھ۔ شام کے مشائخ میں یکتائے زمانہ تھے۔ ابو عبداللہ جلاؒ اور ذوالنونؒ کے اصحاب کی صحبت میں رہ کر تربیت پائی۔ ابو عمرو نے فرمایا، جس طرح پیغمبروں پر آیات و معجزات کا اظہار کرنا فرض ہے اولیاء پر کرامت کا چھپانا فرض ہے۔ تاکہ مخلوق فتنہ میں نہ پڑے اور فرمایا، "اَلتَّصَوُّفُ رُؤْیَةُ الْکَوْنِ بِعَیْنِ النَّقْصِ بَلْ غَضُّ الطَّرْفِ عَنْ کُلِّ نَاقِصٍ بِمُشَاهِدَةِ مَنْ هُوَ مُنَزَّهٌ عَنْ کُلِّ نَقْصٍ۔ تصوّف کائنات کو نقص کی آنکھ سے دیکھنا ہے، بلکہ اس ذات کے مشاہدہ میں جو ہر نقص سے منزّہ ہے ہر ناقص سے آنکھ بند کر لینا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا، عَلَامَةُ قَسَاوَةِ الْقَلْبِ اِنْ یَّکِلَ اللّٰهُ الْعَبْدَ اِلٰی تَدْبِیْرِهٖ فَیَالِفُهٗ وَلَا یَسْأَلُهٗ حُسْنَ الْکَلَائَةِ وَالرِّعَایَةِ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ، اَکْلَأْنِیْ کَلَائَةَ الطِّفْلِ الْوَلِیْدِ۔ آدمی کی سخت دلی کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کی تدبیر کے حوالے کر دے۔ پھر وہ اپنی تدبیر سے الفت رکھنے لگے۔ اور دلچسپی لینے لگے۔ اور اللہ تعالیٰ سے وہ اچھی حفاظت اور رعایت کو نہ مانگے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باوجود اپنے عالی مرتبہ ہونے کے یہ دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! میری حفاظت کر، جس طرح تو نومولود بچے کی حفاظت کرتا ہے۔

۱؎ جیسا کہ منصور کا قتل مسئلہ الہام کی وجہ سے ہوا۔ ۲؎ مطلب یہ ہے کہ اس تع کے مشاہدے میں جو ہر نقص سے پاک ہے ماسوائے حق کے ہر چیز جو ناقص ہے اس کے ناقص ہونے کو دیکھنا بلکہ اس سے آنکھیں بند کر لینا تصوّف ہے۔

۳؎ بَلْ سے پہلے لفظ پر اشارہ ہے کلمۂ توحید کی صورت پر اور اس کے ساتھ والے لفظ پر اشارہ ہے کلمۂ توحید کی حقیقت پر جو غیرِ حق سے اعراض ہے اور اس کی طرف رُخ کرنا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا، اِذَا صَفَتِ الْاَرْوَاحُ بِالْقُرْبِ اَثَرَتْ عَلَی الْھَیَاکِلِ اَنْوَارُ الْمُوَافَقَاتِ. جب قرب حق سُبحانہٗ کے ساتھ رُوحیں طبیعت کے پردوں سے صاف ہو جاتی ہیں تو طاعات کے انوار و آثار شکلوں پر ظاہر ہو جاتے ہیں[1]

۱۵۱۔ حضرت عبدالملک اِسکاف رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، عبدالملک اِسکاف منصور حلاّج کے مرید ہیں۔ ان کی عمر ۱۲۰ سال ہوئی۔ بلخ میں شریف حمزہ عقیلیؒ کے ساتھ رہے۔ وہ اور میرے والد اور پیرِ فارسی اور ابوالحسن طبری اور ابوالقاسم حنّانہ سب شریف حمزہ کے مُریدوں میں سے ہیں۔ اور شریف حمزہ میرے والد کو ان سب سے اونچا درجہ دیتے تھے۔ میرے والد نے کہا، عبدالملک اسکاف نے فرمایا، کہ ایک دن میں نے منصور حلاّج سے کہا، اے شیخ عارف کون ہوتا ہے؟ فرمایا، "عارف وہ ہوگا جس کو منگل کے دن ذلیقعدہ میں چھ دن باقی ہوں گے ۳۰۹ھ میں باب الطاق (بغداد) میں لے جائیں گے اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ اس کی آنکھیں نکال لیں گے اور اودھا کر کے اس کو پھانسی کے تختہ پر چڑھائیں گے۔ اس کی لاش کو جلائیں گے اور اس کی راکھ کو ہوا میں اڑائیں گے۔" عبدالملک کہتے ہیں، یہ سُن کر میں اس انتظار میں تھا کہ وہ شخص یہی ہوں گے اور جو کچھ منصور نے کہا تھا۔ سب کچھ لوگوں نے ان کے ساتھ کیا۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ بات وہ خود جانتے تھے یا عبدالملک کو منصور نے بتایا تھا۔ کہ میرے ساتھ یہ معاملہ ہوگا اور منصور کا ایک مرید تھا جس کا نام ہیکلؒ تھا اس کو بھی منصور کے ساتھ قتل کر دیا۔ اس کو لوگوں نے الحسینؒ کا مرید بتایا۔ اور ابوالعباس عطاء کو بھی منصور کے سبب قتل کر ڈالا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ (اَللّٰھُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا)

شیخ الاسلامؒ نے ابراہیم بن فاتک کے بیان میں منصور کے قتل کے بارہ میں جو تبصرہ فرمایا ہے وہ سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، منصور کا قتل ہو جانا نقص اور کمزوری ہے کرامت نہیں کہ اگر وہ کامل ہوتے تو ان کو یہ معاملہ پیش نہ آتا۔ بات اہل سے کرنی چاہیئے۔ کہ اس کا راز عام نہ ہو جاوے۔ اور جب تو اس راز کو نا اہل سے کہے گا تو تُو اس پر بوجھ لادے گا۔ اور تجھ کو اس سے نقصان پہنچے گا اور سختی بھی۔ نیز شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، منصور جس حال کے متعلق کہتا تھا وہ اس حال میں ناتمام تھا۔ اگر وہ اس حال میں تمام اور کامل ہوتا تو وہ بات اس کا مقام اور نفس اور اس کی زندگی ہوتی اور اس پر کوئی منکر نہ ہوتا۔ ایک چیز ضروری ہوتی ہے، مگر کہنے کا وقت نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کا کوئی محرم۔ (یعنی اس لیے کہ

---

[1] اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب طاعات کے ذریعے ارواح صاف ہو جاتی ہیں تو موافقات کے نشانات یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ راضی رہنے کے اثرات وجود پر ظاہر ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ارواح جب قُربِ الٰہی کی وجہ سے آلائش سے پاک ہو جاتی ہیں تو شکلوں پر طاعت کے اور موافقت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

وہ ابھی مرتبۂ تمکین میں نہیں پہنچا ہوا ہوتا۔ اور جب بات وقت میں کہی جاتی ہے تو حق تعالیٰ اس شخص کو رَد، طعن اور ایذا سے محفوظ رکھتا ہے۔) میں منصور سے بڑی بات کہتا ہوں حالانکہ وہ عام لوگ ہوتے ہیں مگر انکار نہیں لاتے۔ اور وہ بات مخفی رہتی ہے۔ کیونکہ جو اس کا اہل نہیں ہوگا وہ خود نہیں سمجھے گا۔

۱۵۲۔ حضرت ابراہیم بن فاتک یا احمد بن فاتک رحمۃ اللہ تعالےٰ

ابوالفاتک کنیت ہے۔ بغدادی ہیں۔ جنیدؒ اور نوریؒ سے صحبت یافتہ ہیں۔ جنیدؒ ان کی عزت کرتے تھے اور یہ بھی حلاج کے مرید ہیں اور ان سے منسوب ہیں۔ کہتے ہیں جس رات منصورؒ کو پھانسی دی گئی میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا "خداوندا! یہ کیا ہوا؟ جو آپ نے اپنے بندے حسین کے ساتھ کیا؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "میں نے اس پر اپنا راز ظاہر کیا۔ اس نے مخلوق سے کہہ دیا۔ میں نے اس کو عطیہ دیا۔ اترانے لگا اور مخلوق کو اپنی طرف بلایا۔"[1]

۱۵۳۔ حضرت محمد ابنِ حامد الترمذی رحمۃ اللہ علیہ

طبقۂ ثانیہ سے ہیں۔ کنیت ابوبکر ہے۔ مشائخ خراسان میں جوانمرد اور عالی ہمت بزرگوں میں سے تھے۔ احمد خضرویہ اور ان کے علاوہ دوسرے بزرگوں کو دیکھا تھا۔ ان کا لڑکا ابونصیر محمد بن محمد بن حامد خراسان کے جوانوں میں سے ایک تھا۔ محمد بن حامد فرماتے ہیں۔ "سرمایہ تو دل تُست و وقتِ تُو" تیرا سرمایہ تیرا دل اور تیرا وقت ہے۔ جب تُو اپنے دل کو ہر اس ظن اور گمان میں مشغول کرے گا جو تیرے دل میں آتا ہے تو تُو اپنے اوقات کو اس کے ساتھ ضائع کرے گا جو نہ تیرے کام آویں اور نہ تیرے لائق ہوں۔ پس کیسے نفع کما سکتا ہے وہ شخص جو اپنے سرمایہ کو نقصان میں ڈالتا ہو۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "صوفی، دل ہے وقت ہے اور زندگی ہے۔ اگر صوفی سے وقت اور دل اور زندگی جاتی رہی تو کیا رہے گا؟"

محمد بن حامد نے فرمایا، جب تیرے اوقات میں سے کوئی وقت غفلت کی آفت سے محفوظ رہے تو تُو اس وقت پر اس چیز سے مغرور رہ جو اس کی مخالف ہووے کہ اس کو اختیار کرے، کیونکہ یہ ناراستیٔ باطن باطن کے صحیح نہ ہونے کی علامت ہے۔[2]

---

[1] یعنی اس میں خود بینی پیدا ہوگئی۔ [2] شیخ ابوعبداللہ خفیف کسی صورت سے جیل خانہ میں پہونچ گئے۔ انہوں نے منصور کے حالات عجیبہ و کرامات بتائے ہیں، مگر کتاب کی طوالت کے باعث ہم نے نہیں لکھے، کیونکہ منصور حلاج پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں شوق ہو تو نفحات الانس کے صفحہ ۱۵۱ کو پڑھیں۔ [3] یعنی باطن کی کجائی کی علامت ہے کہ ابھی اس کی نسبت اور اس کے قلب کا رابطہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ اس کی ملکیت نہیں ہوا، بلکہ اس کے پاس مستعار اور عارضی ہے۔

حضرت محمد بن حامد نے یہ بھی فرمایا، اَلْاِنْسَانُ فِیْ خَلِقِہٖ اَحْسَنُ مِنْہُ فِیْ جَدِیْدِ غَیْرِہٖ آدمی اپنے پُرانے میں بہتر ہے اس سے کہ وہ اپنے غیر کے نئے میں ہو[1]۔

۱۵۴۔ حضرۃ عبداللہ بن محمد الخرّاز رحمۃ اللہ تعالیٰ

۳۲۰ھ سے قبل وفات پائی۔ صوفیار کے تیسرے طبقہ سے ہیں۔ رُبے "کے بڑے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔

سالہا سال مکہ میں پرہیز گاری کے ساتھ مجاور رہے۔ حق گوئی میں بے باک اور کسی سے نہ ڈرنے والے بزرگ تھے۔ شیخ ابو عمران کبیرؒ کی صحبت میں رہ کر تربیت پائی تھی۔ ابو حفص حدادؒ کو دیکھا تھا۔ بایزیدؒ کے آدمی انہیں بزرگ جانتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن خرّاز نے فرمایا، "اَلْجُوْعُ طَعَامُ الزَّاھِدِیْنَ وَالذِّکْرُ طَعَامُ الْعَارِفِیْنَ"۔ بھوک زاہدوں کی غذا ہے اور ذکر عارفوں کی غذا ہے[2]۔ اور خراز نے فرمایا، صِیَانَۃُ الْاَسْرَارِ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ اِلَی الْاَغْیَارِ مِنْ عَلَامَاتِ الْاِقْبَالِ عَلَی اللہِ تَعَالٰی۔ "حق تعالیٰ کے غیر کی طرف رُخ کرنے سے دل کی نگہداشت کرنا خدا تعالیٰ پر متوجہ ہونے کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔

اور فرمایا، "اَلْعُبُوْدِیَّۃُ الظَّاھِرَۃُ وَالْحُرِّیَّۃُ الْبَاطِنَۃُ مِنْ اَخْلَاقِ الْکِرَامِ"۔ ظاہر میں خاص خدا تعالیٰ کا مطیع رہنا اور باطن کا آزاد ہونا یعنی غیر حق سبحانہٗ کا تابع نہ ہونا نیک لوگوں کے اخلاق سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انقیادِ ظاہری خاص خدا تعالیٰ کیلیے اور باطن کی آزادی اور غیر حق سبحانہٗ کا تابع فرمان نہ ہونا نیکوں کی عادت ہے۔

یُوسف بن حسین نے کہا، میں نے عبداللہ جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا اور عبداللہ نے بھی اپنے جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ دُقیؒ کہتے ہیں، عبداللہ خراز مکہ میں تھے اور کہتے تھے ہمارا طریقہ فُتُوّہ یعنی جوانمردی اور عالی حوصلگی ہے نہ کہ کم ہمتی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور صوفیوں کی نقالی[3]۔ جب وہ مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے ان لوگوں میں سے ایک بوڑھے نے (جو خرّاز کے ساتھ رہا تھا) کہا، تم چاہتے ہو کہ اپنے شیخ کی جوانمردی کے قصّوں میں سے کوئی قصہ تم سے بیان کروں؟" میں نے کہا، ہاں ضرور" اس نے سنایا کہ شیخ کے ۲۰ مرید مکہ کا ارادہ کر کے وطن سے نکلے۔ ان کے ساتھ شیخ بھی ہو لیے۔ جب اس منزل پر پہنچے جہاں سے مکہ اٹھارہ میل رہ گیا تھا۔ شیخ نے فرمایا، "یَا اَصْحَابُ اَسْتَوْدِعُکُمُ اللہَ"۔ ساتھیو! میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں[4]؛ مریدوں نے کہا، اے شیخ! کہاں جاتے ہو؟ آپ کے اور مکہ کے درمیان تھوڑا ہی فاصلہ رہ گیا ہے" حضرت

---

[1] یعنی آدمی اپنے پرانے میں زیادہ اچھے حال والا ہے دوسرے کے پہننے سے۔ [2] بھوک زاہدوں کی غذا ہے جس سے کہ وہ لذت پاتے ہیں۔ اور ذکر اور آگاہی بحق سبحانہٗ و تعالیٰ عارفوں کی غذا ہے کہ وہ اس سے لذت پاتے ہیں۔ [3] یعنی ہماری روش اور اشتغال باطنی ہے۔ نہ اعمال ظاہری پر اقتصار کرنا اور نہ نشان کا مقرر کرنا جیسے پگڑی کا شملہ اور مسواک کے رکھنا [4] عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ تمہیں اللہ کے پاس امانت رکھتا ہوں۔ [5] علانیہ طور پر اللہ کی عبادت کرنا اور باطنی طور پر مخلوق کی غلامی سے آزاد رہنا نیک بندوں کی خصلتوں سے ہے۔

نے فرمایا، "میں رَے سے اس جگہ تک تمہاری مشایعت کے واسطے آیا ہوں۔ جب اس جگہ تک تمہاری ہمراہی سے میرا دل خوش ہو گیا تو اب میں رَے واپس جاتا ہوں اور اُس جگہ سے حج کی نیّت کروں گا اور تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور اس وقت سے حج کے زمانہ آنے تک پانچ مہینے باقی تھے۔

۱۵۵۔ حضرت بنان بن محمد الحمّال قدس اللہ سرہٗ

تیسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ واسطیؒ الاصل ہیں اور مصر میں قیام فرما رہے۔ وفات رمضان المبارک ۳۱۶ھ مصر میں ہوئی۔

مصر کے مشائخ میں اپنے زمانہ کے اونچے درجہ کے بزرگ تھے۔

وَكَانَ مِنَ الْقَائِلِيْنَ بِالْحَقِّ وَلَآمِرِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَهُ الْمَقَامَاتُ الْمَشْهُوْرَةُ وَالْكَرَامَاتُ الْمَذْكُوْرَةُ۔ حق بات کہنے والے اور سچ کہنے سے نہ ڈرنے والے تھے اور امر بالمعروف یعنی جن نیکیوں کا شرع میں حکم ہوا ہے اس کا حکم کرنے والے تھے۔ ان کے مقامات مشہور تھے اور ان کی کرامات کا ذکر عام تھا۔

جنیدؒ اور اس زمانہ میں جو مشائخ تھے انہوں نے اس کے ساتھ صحبت رکھی۔ ابوالحسن نوریؒ کے شیوخ میں سے تھے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، وہ حمّال (مزدور) نہ تھے بلکہ امام تھے۔ ایک وقت ان کو یہ سزا دی گئی کہ ان کو ایک مکان میں شیر کے سامنے ڈال دیا گیا۔ شیر انہیں سونگھتا تھا اور چاٹتا تھا۔ انہیں باہر نکالا گیا تو پوچھا، "جب آپ کو شیر سونگھتا تھا اور چاٹتا تھا تو آپ کے دل پر کیا گزرتی تھی؟" فرمایا، علماء کے اس اختلاف پر غور کرتا تھا جو انہوں نے درندوں کے لعاب کے بارہ میں یعنی پاک اور ناپاک ہونے میں کیا ہے؟ لوگوں نے ان سے پوچھا، صوفیوں کے حالات میں سب سے بڑا حال کیا ہے؟ فرمایا، "اَلثِّقَةُ بِالْمَضْمُوْنِ وَالْقِيَامُ بِالْاَوَامِرِ وَمُرَاعَاتُ السِّرِّ وَالتَّخَلِّيْ مِنَ الْكَوْنَيْنِ بِالتَّشَبُّثِ بِالْحَقِّ تَعَالٰى۔" رزق مقدر پر بھروسہ کرنا، احکام الٰہی کی تعمیل میں لگے رہنا۔ غیر اللہ کے دل میں آنے سے دل کی حفاظت کرنا اور حق تعالیٰ اور اس کی محبت کو یکسانگی کے ساتھ پکڑنے کی وجہ سے اس کا کونین (دنیا و آخرت) سے خالی ہو جانا ہے۔

فرمایا، میں مکہ میں تھا۔ میرے پاس ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ اس جگہ ایک شخص نے چند درہم کی تھیلی جوان کے

۱۔ یعنی تمہیں رخصت کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔ مسافر کی دل جوئی کے لیے ایک منزل یا اس سے کم تک رخصت کرنے کے لیے گھر سے نکلنے کو مشایعت کہتے ہیں۔ ۲۔ یعنی صوفی کا بزرگ ترین حال یہ ہے کہ جس چیز کا تیرے لیے حق تعالیٰ کفیل ہو چکا ہے۔ مثلاً زندگی و رزق وغیرہ اس میں حق تعالیٰ پر پوری طرح اعتماد کرنا اور دل کی حفاظت کرنا کہ اس میں اللہ کا غیر نہ آنے پائے اور وہ دنیا و آخرت سے خالی رہے۔ خواہ وہ عملی ہو یا علمی، حاضر ہو یا غیب اور حق اور اس کی محبت کے ساتھ وابستہ رہے اور اس کو پوری قوت سے پکڑے رہے۔

آگے رکھ دی۔ جوان نے کہا، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اس نے کہا مسکینوں اور فقیروں کو دے دینا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ شام کو میں نے اس کو دیکھا کہ وہ وادی میں اپنے واسطے کوئی چیز ڈھونڈتا ہے۔ میں نے کہا "کاش کہ تو ان درموں میں سے اپنے لیے کچھ رکھ لیتا۔" اس نے کہا، "میں نہیں جانتا تھا کہ میں اس وقت تک زندہ بھی رہوں گا۔" حضرت بنانؒ نے یہ بھی فرمایا، کچھ عرصہ ہوا میں نے کوئی چیز نہ پائی کہ اس کو اپنی خوراک بنا سکوں۔ میری بھوک اس حد تک پہنچ گئی کہ میں حرام کھا کر زندگی بچا لوں۔ اس حال میں میں نے راستہ میں سونے کی ڈلی پڑی دیکھی۔ خیال آیا کہ اسے اٹھاؤں۔ پھر خیال آیا۔ لُقطہ ہے۔ چھوڑ دیا پھر مجھے حدیث یاد آئی کہ حضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے روایت کرتے ہیں۔ "لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا دَمًا عَبِیْطًا لَکَانَ قُوْتُ الْمُسْلِمِ مِنْهَا حَلَالًا" (اگر ساری دنیا خالص خون ہو جاوے تو مسلمان کو زندگی بچانے کے لیے اس سے کھا لینا حلال ہے) میں نے ڈلی اٹھالی اور اسے منہ میں رکھ لیا۔ میں اس حال میں چلا جا رہا تھا تو بچوں کی ٹولی کو دیکھا کہ حلقہ بنائے بیٹھے ہیں۔ ان میں سے ایک بچہ آ کر اونچی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے تصوّف میں بات چلانے لگا۔ میں کھڑا ہو گیا تاکہ سنوں کہ کیا کہتا ہے۔ ان میں سے ایک نے سوال کیا مَتٰی یَجِدُ الْعَبْدُ حَلَاوَةَ الصِّدْقِ؟ آدمی توکّل میں سچائی کی لذّت کس وقت پائے گا۔ اس نے کہا، اِذَا رَمَی الْقِطْعَةَ مِنَ الشِّدْقِ۔ "جب وہ (سونے کی) ڈلی منہ سے باہر پھینکے گا۔ یہ سُن کر میں نے اس کو منہ سے نکالا اور باہر پھینک دیا۔ اور فرمایا، جب میں مکہ میں مقیم تھا۔ اس وقت ابراہیم خوّاصؒ بھی وہاں ٹھہرے ہوتے تھے۔ میں پہلے سے ان سے واقفیت و شناسائی نہ رکھتا تھا۔ ہاں جب انہیں دیکھتا تھا ایک ہیبت اور شکوہ میرے اندر پیدا ہوتا تھا۔ کئی روز مجھے گزر گئے اور کوئی چیز مجھے نہ پہنچی۔ مکہ میں ایک آدمی تھا جس کا نام مزیّن تھا۔ وہ فقراء کو دوست رکھتا تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی درویش اس کے پاس سینگیاں لگانے کے لیے آتا۔ وہ گوشت خریدتا۔ کھانا پکاتا۔ تاکہ وہ فقیر کھانا کھائے۔ میں بھی اس کی دوکان پر گیا۔ میں نے کہا، میں پچھنے لگوانا چاہتا ہوں۔ اس نے ایک آدمی کو بھیجا کہ گوشت خرید لائے اور کھانا پکوائے۔ پچھنے لگوانے کے درمیان میرے دل میں خیال آیا۔ جب تو حجامت سے فارغ ہو گا تو کھانا بھی پک چکا ہو گا۔ اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ یہ خیال اچھا نہیں ہے۔ آخر میں نے کہا، اے نفس یا تو سنگیاں لگوالے یا کھانا کھالے۔ میں نے عہد کیا کہ یہاں کھانا نہ کھاؤں گا پچھنے لگوانے کے بعد میں اٹھ کر جاؤں۔ مزیّن نے کہا، "سُبحان اللہ! تجھے میرا دستور معلوم ہے کہ میں حجامت کے بعد کھانا کھلایا کرتا ہوں۔" میں نے اس سے معذرت کی اور پھر مسجد حرام میں آ گیا۔ اس دن مجھے کچھ نہ ملا۔ دوسرے دن بھی نمازِ عصر تک کچھ نہ ملا۔ جب عصر کی نماز کے لیے اٹھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ میرے گرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے سمجھا کہ میں دیوانہ ہو گیا ہوں۔ ابراہیم خواص وہاں موجود تھے۔ انہوں نے لوگوں کو میرے پاس سے ہٹا دیا۔ اور میرے سامنے بیٹھ گئے

اور مجھ سے اُنسیت کرنے لگے اور باتیں شروع کیں۔ فرمایا، "کچھ کھائے گا"۔ مَیں نے کہا رات قریب ہے۔ حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا، اسے بتنیدلو! اس پر قدم سیدھے رکھو ——— تاکہ کامیابی حاصل کرو"۔ یہ کہا اور میرے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ جب ہم عشاء کی نماز ادا کر چکے وہ آئے اور اپنے ساتھ مسور کا پیالہ اور دو روٹیاں لے کر آئے اور کہا، "کھا"۔ میں نے کھایا۔ مَیں کھا چکا تو فرمایا، "اور کھائے گا"۔ میں نے کہا "جی ہاں"۔ حضرت ابراہیمؒ گئے۔ ایک پیالہ اور دو روٹیاں دوسری دفعہ لائے۔ مَیں نے وہ بھی کھالیں۔ فرمایا، "اور کھائے گا؟" میں نے کہا "جی ہاں" وہ گئے اور پہلے کی طرح پھر لائے۔ مَیں وہ بھی کھا گیا تو فرمایا "اور کھائیگا؟" میں نے کہا "نہیں بس کافی ہے؟" پھر مَیں سوگیا اور صبح تک نہ اٹھا۔ نہ نمازِ تہجد پڑھی۔ نہ طواف کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا، "بنّان!" میں نے کہا، "لبّیکَ یا رسُول اللہ"۔ آپ نے فرمایا، "مَنْ أَكَلَ بِشَرَهٍ أَعْمَى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَيْنَ قَلْبِهٖ" جو شخص حرص اور لالچ کے ساتھ کھائیگا اللہ تعالیٰ اس کے دل کی آنکھ کو اندھا کر دے گا[1]۔ بیدار ہوا اور اپنے ساتھ عزم و عہد کیا کہ ہرگز پیٹ بھر کر نہ کھاؤں گا۔

احمد بن مسروق فرماتے ہیں کہ بنّان حمّال نے فرمایا، ایک وقت میں مَیں نے اپنے دوست کی دعوت کی اور یہ شعر پڑھا

مَنْ دَعَانَا فَأَبَيْنَا فَلَهُ الْفَضْلُ عَلَيْنَا   فَإِذَا نَحْنُ أَجَبْنَا رَجَعَ الْفَضْلُ إِلَيْنَا

(ترجمہ: جس نے ہماری دعوت کی پس ہم نے انکار کر دیا۔ پس ہم پر اس کا احسان ہے اور جب ہم نے قبول کر لیا تو فضیلت اور احسان ہماری طرف لوٹ آیا کہ ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی)

۱۵۶۔ حضرت بنان بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

کنیت ابوالحسن۔ مصر کے بزرگوں میں بڑے بزرگ تھے۔ ان کا فرمان ہے۔ "ہر صُوفی کہ دلش بغمِ روزی بستہ شود۔ وے را کسب باید فرمود۔"

جس صُوفی کے دل میں روزی کا فکر دامن گیر ہو اسے اپنی روزی کے لیے کوئی نہ کوئی حیلہ اور کوئی پیشہ اختیار کر لینا چاہیئے۔

۱۵۷۔ حضرت شیبان بن علی رحمۃ اللہ تعالےٰ

مصر کے پُرانے مشائخ سے ہیں۔ مستجاب الدعوات تھے۔ بہت سے مشائخ ان کے مرید تھے۔ علم طریقت میں ان کی باتیں دلچسپ ہوتی تھیں۔ کہتے ہیں ان کا ایک مرید آیا، تجرید کے ساتھ حج کو جانے کی اجازت مانگی، فرمایا، اوّل اپنے دل کو سہوُ اور غلطی سے خالی کر۔ اور اپنے نفس کو خواہشات سے اور اپنی زبان کو لغو سے۔ فرمایا "یہ ہے تجرید کا حاصل، خواہ تو دنیا کو رکھ یا نہ رکھ"۔

۱۵۸۔ حضرت ابوالحسن بن محمد بن مُزیّن رحمۃ اللہ تعالےٰ

۳۲۷ھ / ۳۲۸ھ میں مکہ میں وفات پائی۔ تیسرے طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام علی بن محمد ہے۔ بغداد کے رہنے والے ہیں جنیدؒ

[1] یعنی اللہ تعالیٰ اس سے قوتِ ادراک کو سلب کرلے گا۔

اور سہل بن عبداللہ کے صحبت یافتہ ہیں۔ اور ان بزرگوں کی صحبت حاصل کی جوان کے طبقہ کے ہیں۔ مکہ میں رہنے والے تھے۔ یہ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، مزیّن دو ہوئے ہیں۔ ایک کبیر اور ایک صغیر۔ مزیّن کبیر بغداد کے رہنے والے تھے اور بغداد ہی میں مدفون ہیں۔ مزیّن کے ایک شاگرد نے کہا کہ حضرت مزیّن کبیر نے فرمایا، اَلْکَلَامُ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَۃٍ مَقْتَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ تَعَالٰی بِالْعَبْدِ۔" (بغیر ضرورت کے بات کرنا اور بغیر ضرورت کلام کرنا بندوں سے خدا تعالیٰ کے ناراض ہونے کی نشانی ہے۔)

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، گِرد کِردار گَرد کہ از گُفتار جُز گرفتاری نیاید" عمل کے گرد گھوم کیونکہ باتوں سے بجز گرفتاری کے کچھ حاصل نہ ہوگا" اور مزیّن صغیر بھی بغدادی ہیں۔ لیکن مکہ میں مدفون ہیں۔ مزیّن صغیر نے فرمایا، "اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچانے والی راہیں آسمان کے ستاروں کی تعداد سے زیادہ ہیں۔ اور میں ان میں سے ایک کی آرزو میں ہوں اور نہیں پاتا ہوں"۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "وے در موجود غرق بود ولیکن از عطش سخن می رفت کہ عطشان بود وایں طریق چوں مستسقی ست ہر چند آب بیش خورد تشنگی بیش یابد وسیری نیابد" "زر آنجا عزیز است کہ روید، ہر کہ ترا بیش بیند بیش جوید" (کہ وہ موجود میں غرق تھے۔ لیکن پیاس میں یہ بات کہتے تھے، کیونکہ وہ پیاسے تھے اور یہ طریق مستسقی کی مانند ہے۔ جتنا زیادہ پانی پیتا ہے پیاس زیادہ پاتا ہے۔ اور سیری نہیں پاتا۔ سونا اس جگہ عزیز ہے جہاں سے نکلتا ہے (کیونکہ کانوں سے سونا مشقت سے نکلتا ہے جو شخص تجھے زیادہ دیکھتا ہے زیادہ ڈھونڈتا ہے۔)

حضرت مزیّن صغیرؒ نے فرمایا، میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو جگہ سے پھسل گیا۔ مزیّن صغیر کی انگلی زخمی ہو گئی۔ ان کے نفس نے تھوڑا سا زیتون کا تیل چاہا۔ دیکھا کہ روغنِ زیتون کا چشمہ ان کے سامنے جاری ہے اور انہوں نے اسے ایک نظر میں نہ دیکھا[1]۔

شیخ مزیّن صغیرؒ نے یہ بھی فرمایا، "میں مکہ میں تھا۔ دل میں سفر کا خیال آیا تو چل پڑا۔ راستہ میں ایک جگہ پہنچا جسے بئر میمون کہتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک جوان جان دینے میں ہے یعنی آخری وقت میں ہے۔ میں نے کہا کہہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" اس نے آنکھ کھولی اور یہ شعر پڑھا۔

اَنَا اِنْ مِتُّ فَالْھَوٰی حَشْوُ قَلْبِیْ ۔۔۔ وَبِدِیْنِ الْھَوٰی یَمُوْتُ الْکِرَامُ[2]

---

[1] یعنی وہ حق کو پا چکے تھے اور اس میں مستہلک ہو چکے تھے۔ [2] ترجمہ: اگر میں مروں گا تو اس طرح مروں گا کہ اس کی محبت میرا دل پکڑے ہوئے ہوگی۔ نیکوں اور شریفوں کی خصلت یہ ہے کہ وہ محبت کے ساتھ مرتے ہیں اور مرتے وقت بھی ان کا دین محبت ہی ہوتا ہے۔

یہ کہا اور جان دے دی۔ مَیں نے اس کا کام کیا اور اس پر نماز (جنازہ) پڑھی۔ جب دفن کر چکا تو قلب سے سفر کا تقاضا ختم ہو گیا۔ میں واپس ہوا اور مکہ ہی میں آ گیا۔ لوگ کہتے ہیں اس کے بعد مزین صغیر اپنے آپ کو ملامت کرتے تھے کہ حجام آیا ہے اور خدا تعالیٰ کے دوستوں اور اس کے اولیا۔ کو کلمۂ شہادت کی تلقین کرتا ہے۔ وَاَسُوْتَاہُ[1] بڑے افسوس کی بات ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، ابوالحسن مزینؒ ایک شیر کے پاس پہنچے اور کہا ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ۔ شیر اسی جگہ مر گیا۔ جب وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو انھوں نے پڑھا، "ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ"۔ شیر زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

۱۵۹۔ حضرت ابوالحسن صائغ[2] دینوری قدس سرہٗ

نام علی بن محمد سہل ہے۔ دینور کے اونچے مشائخ میں سے تھے اور لوگوں میں بھی بزرگ شمار ہوتے تھے۔ مصر میں رہتے رہیں وفات پائی۔ شیخ ابوسعید مالینیؒ کہتے ہیں شنبہ کی رات کو ۱۵، رجب ۳۳۱ھ میں وفات پائی۔ شیخ ابوالحسن قرافی اور دقی اور ابوعثمان مغربی کے پیرو مرشد ہیں۔ ابوعثمان مغربی کہتے ہیں۔ مشائخ میں میں نے ابو یعقوب نہرجوری سے زیادہ روشن اور نورانی کسی بزرگ کو نہیں دیکھا اور ابوالحسن صائغ دینوری سے زیادہ رعب اور ہیبت والا میں نے کوئی دوسرا بزرگ نہیں دیکھا"۔ ابوالحسن صائغ ابوجعفر صیدلانی کے مرید ہیں۔

حضرت ابوالحسن نے فرمایا، "دوبار از دنیا بیزار باید شد۔ یکبار بیروں آئی کہ خلق بقبول رو بتو نہند باز بدنیا شوی نہ با شغل و حرص، چند آنکہ قبول خلق را ببر دو بباطن ازاں منقطع باشی۔ تا گناہِ ترکِ دنیا بزرگ تر نباشد از گناہِ طلبِ آں، زیرا کہ فتنۂ قبول خلق زیادہ لست از فتنۂ اقبال بر دنیا۔ ترجمہ : دنیا سے دو مرتبہ بیزار ہونا چاہیے۔ ایک مرتبہ اُس وقت تو دنیا سے باہر نکلے جب لوگ تیری طرف متوجہ ہوں اور تجھے ان میں قبول حاصل ہو۔ اس حال میں تو دوسری مرتبہ دنیا کی طرف بغیر شغل اور حرص کے مائل ہو جاوے جس قدر لوگوں کا قبول جاتا رہے اور باطن میں تو اس سے بے تعلق ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے، تاکہ دُنیا کے ترک کا گناہ اس کی طلب کی گناہ سے نہ بڑھ جائے، کیونکہ قبولِ خلق کا فتنہ تیرے لیے دنیا پر متوجہ ہونے کے فتنہ سے بڑھ کر ہے۔

اور فرمایا، مِنْ فَسَادِ الطَّبْعِ اَلتَّمَنِّیْ وَالْاَمَلُ۔ طبیعت کے فساد سے ہے تمنائیں کرنا اور امیدیں رکھنا۔ اور فرمایا، مَحَبَّتُكَ لِنَفْسِكَ هِيَ الَّتِيْ تُهْلِكُهَا۔[3] تیرا اپنی ذات سے محبت کرنا وہی ہے جو اس کو تباہ و برباد کر دے گا۔

---

[1] ترجمہ : ہائے ہائے اس کا ناس ہو جائے۔ [2] صائغ بمعنی زرگر، سنار، سونے کا کام کرنے والا۔ [3] تجھے تیرے نفس کی دوستی و محبت ہلاک کر دے گی یعنی اس کی ابدی حیات سے محروم کر دے گی۔

حضرت ابوالحسن سے پوچھا گیا، مرید کیست وصفتِ او چیست - مرید کون ہے اور اس کی صفت کیا ہے؟ آپ نے یہ آیت پڑھی ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ۔ زمین باوجود اپنی وسعتوں کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان پر ان کے نفس[1] بھی تنگ ہوگئے اور انہوں نے پکا گمان کیا اور پختہ اعتقاد کر لیا کہ اللہ کی طرف سے ہے جو کچھ بھی آئے - اس سے کوئی پناہ کی جگہ نہیں، مگر اسی کے پاس[2]۔

۱۶۰۔ حضرت ابوالحسن سُلیوطی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام نے فرمایا - وہ بھی اس گروہ کے بزرگ ہیں - شیخ ابوعلی رودباری ؒ فرماتے ہیں کہ سہل بن عبداللہ کے صاحب ہارون نے کہا - ہم جنگل میں ابوالحسن سیلوطی کے ساتھ تھے - جب بھوکے ہوتے اور کسی قبیلہ یا شہر کا راستہ نہ جانتے تو ابوالحسن بھیڑیے کی آواز لگاتے تاکہ اگر کہیں نزدیک آبادی ہو تو کتے ان کی آواز پر بھونکیں اور ان کی آواز سے ابوالحسن یہ سمجھ لیتے کہ یہاں لوگ آباد ہیں - اور وہاں جا کر ساتھیوں کے لیے کچھ لے آتے - ابوعلی رودباری کہتے ہیں "مریدوں اور ساتھیوں پر مہربانی کرنے میں ابوالحسن سیلوطی جیسا کوئی اور نہیں ہوا"

شیخ الاسلام نے فرمایا، "چاہیئے کہ تو ساتھیوں کی خدمت کو اپنے اوپر واجب جانے اور ان کی خدمت میں تو مقصود کو دیکھے نہ کہ مخدوم کو" یعنی خدمت کرنے میں تیری نظر مقصودِ حقیقی پر رہے - یعنی حضرت حق سبحانہ کی ذاتِ عالی پر رہے نہ اس پر جس کی تو خدمت کر رہا ہے۔

ایک دن ایک درویش نے شیخ سیروانی کے سامنے دوسرے درویش سے کہا، "اس کام کو میری خاطر کر۔ حکم اور امر سے نہیں بلکہ مہربانی سے"۔ شیخ سیروانی نے اس کو جھڑک کر کہا، "نہ فقیرست آنکہ خدمتِ یار خود بر خود واجب نداند۔ وہ فقیر نہیں جو اپنے ساتھی کی خدمت کو اپنے اوپر واجب نہ جانے - (چہ جائیکہ وہ دوسروں سے خدمت لے)

۱۶۱۔ حضرت ابوالحسن بن شَعْرہ رحمۃ اللہ علیہ

ان کا نام عمرو بن عثمان بن الحکم بن شعرہ ہے - صوفیاء کے مشائخ میں سے ہیں - شیخ ابوسعید مالینی محدث نے اپنی اربعین میں اس کا ذکر بھی کیا ہے - مصر کے مشائخ میں سے ہیں۔

---

[1] تنگ ہوگئے ان پر ان کے نفس باوجود اس کے کہ نفسوں کے ساتھ آدمیوں کو کامل محبت اور لگاؤ ہوتا ہے۔

[2] یہ آیت اصحاب ارادت و مریدین کے حال کا مصداق ہے - مطلب یہ ہے کہ صفتِ ارادت اس وقت وجود پائے گی جبکہ مریدوں پر ساری زمین باوجود اتنے کشادہ ہونے کے تنگ ہو جاوے - یہاں تک کہ خود ان کا وجود بھی ان پر تنگ ہو جاوے اور ان کے لیے حق تعالیٰ کے سوا کوئی بھاگنے اور پناہ حاصل کرنے کی جگہ نہ رہے۔

کہتے ہیں ان کی قبر سے لوگ قرآن پڑھنے کی آواز سنتے تھے اور جو شخص بھی ان کی قبر کی زیارت کے لیے جاتا وہ ان کی قبر سے قرآن پڑھنے کی آواز سنتا تھا۔"

۱۶۲۔ حضرت ابُوحامد الاَسوَدُ المعروف بالزّنجی رحمۃ اللہ علیہ

وہ ابوعلی رودباری کے استادوں (پیروں) میں سے ہیں۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، ابنِ شعرہ مصر کی جامع مسجد میں آئے تو انہوں نے ابوحامد کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ فرمایا، اوابوحامد! بڑی جگہ سے اُتر کر تو نیچے آگیا ہے۔ فرمایا، الشفاعت عاصیاں فرود آمدم۔ گناہ گاروں کی شفاعت کے لیے نیچے آگیا ہوں[1]۔" شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوعبداللہ رودباریؒ نے فرمایا کہ میں نے حسن بن محمد رازیؒ سے سُنا کہ میں سردی اور بھوک کی آزمائش میں تھا۔ میں اس حال میں سو گیا تو ہاتف نے آواز دی کہ کیا تو گمان کرتا ہے کہ نماز، روزہ ہی ساری عبادت ہے۔ نہیں اللہ کے حکموں پر صبر کرنا نماز، روزہ سے افضل ہے[2]۔

ابوالحسن مزیّنؒ نے فرمایا، کہ ابوحامد الاَسوَد تئیس سال مسجد الحرام میں کعبہ کے برابر ایسے جم کر بیٹھے کہ سوائے طہارت کے وہ باہر نہیں نکلے تھے۔ اور اس عرصہ میں انہیں کسی نے نہ کھاتے دیکھا اور نہ پیتے ہوئے۔ ابوحامد جب وجدؒ میں ہوتے تو سفید ہو جاتے اور جب وجد سے نکل آتے تو کالے ہو جاتے تھے۔ یعنی وہ اپنے اصلی رنگ میں لوٹ آتے تھے۔

۱۶۳۔ حضرت ابراہیم بن داوٗد القصّار الرّقی رحمۃ اللہ علیہ
وفات ۳۲۶ھ

تیسرے طبقے سے تھے۔ ان کی کنیت ابواسحاق تھی۔ اور اجلّہ مشائخ شام میں سے تھے۔ جنیدؒ، ابوعبداللہ جلّار وغیرھما کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے بہت عمر پائی اور تیسرے طبقے میں پہنچ گئے۔ شیخ شبلیؒ، سلمیؒ نے صوفیاً کے تیسرے طبقے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کی صحبت شام کے مشائخ سے تھی۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کو دیکھا تھا۔ ہمیشہ سے تجرید پر فقراء کے ساتھ رہے۔ اور فقر و تجرید اور اہلِ فقر کی دوستی میں ساری عمر گزار دی۔

---

[1] یعنی مقامِ ربوبیت اور تصرف سے مقامِ عبودیت اور تذلل میں آگیا۔ جو نماز ہے۔ فرمایا، گناہ گاروں کی شفاعت کے لیے نیچے آگیا ہوں، کیونکہ بغیر تذلل کے شفاعت وجود نہیں پکڑتی یعنی قبول نہیں ہوتی۔ [2] یعنی احکام پر صبر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام ایجاد اور تکوین میں سے جو کچھ اللہ بندے پر ڈالیں اور جو حال وہ بندہ پر بھیجیں اس پر صبر کرنا احکامِ ایجابی نماز، روزہ وغیرہ کے احکام بجا لانے سے افضل یعنی زیادہ بزرگی والا ہے۔ [3] یعنی مشاہدے میں ہوتے تو ان کا رنگ سفید ہو جاتا حالانکہ وہ کالے رنگ کے تھے۔

شیخ الاسلام گفت، "وے سی سال یک سفر کردہ بود۔ تادل خلق را بر صوفیاں بقبول آرد و راست کند ازاں بی اندامیہا کہ بے ادباں کردہ بودند۔ وے آں ہمہ را بصلاح آورد بنگر چہ جوانمردی داشتہ وقبول بایں قوم کہ ہمہ عمر خود را فدا کرد۔ تدارک و اصلاحِ فساد۔ کسانے را کہ بایں قوم باز خوانند۔ جَزَاہُ اللّٰہُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَالطَّرِیْقَۃِ خَیْرًا"۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، "انھوں نے تیس[1] سال تک ایک سفر کیا یعنی مسلسل سفر میں رہے تا کہ لوگوں کے دلوں کو صوفیاء کے قبول کرنے پر آمادہ کریں۔ اور بے ادبوں کو صحیح اور درست اور ان سب کو صحیح طریقہ پر قائم کریں اور ان کی پھیلائی ہوئی خرابیوں کو دور کریں۔ تو دیکھ ان میں کتنی جوانمردی تھی کہ اپنی ساری عمر کو ان حضرات (سچے صوفیاء) کے مقبول بنانے اور اس خلاء کو جو عوام اور اہلِ حق صوفیاء کے درمیان پڑ گیا تھا پُر کرنے اور نقّال صُوفیوں کی خرابیوں کو دُور کرنے اور ان کی اصلاح کرنے میں قربان کر دی۔ خدا تعالیٰ ان کو اسلام اور طریقت کی طرف سے جزائے خیر دے"[2]

"حضرت ابراہیم قصّار کے ملفوظات" فرمایا، قِیْمَۃُ کُلِّ اِنْسَانٍ بِقَدْرِ ھِمَّتِہٖ فَاِنْ کَانَتْ ھِمَّتُہُ الدُّنْیَا فَلَا قِیْمَۃَ لَہٗ وَ اِنْ کَانَتْ ھِمَّتُہٗ رِضَی اللّٰہِ فَلَا یُمْکِنُ اِسْتِدْرَاکُ غَایَۃِ قِیْمَتِہٖ وَلَا الْوُقُوْفُ عَلَیْھَا۔

فرمایا، ہر آدمی کی قیمت اس کی ہمّت اور مقصد کی بقدر ہے۔ اگر اس کا مقصد دنیا (یعنی دنیا اس کی جاہ و مال وغیرہ) تو اس کی کوئی قیمت نہیں[3]۔ اگر اس کی ہمّت اللہ کی رضا و خوشنودی ہے تو اس کی قیمت بے بہا ہے اس کی انتہاء کو کوئی نہیں پا سکتا۔ اور نہ ہی کوئی اس سے واقف ہو سکتا ہے۔

ابراہیم مرادی فرماتے ہیں۔ ابراہیم قصّار سے کسی آدمی نے سوال کیا:

"ھَلْ یُبْدِیْ الْمُحِبُّ حُبَّہٗ اَوْ ھَلْ یَنْطِقُ بِہٖ اَوْ ھَلْ یُطِیْقُ کِتْمَانَہٗ" ——— کیا عاشق (اپنے حال اور افعال سے) اپنی محبت کو ظاہر کرتا ہے؟ دوسری یہ کہ کیا وہ اپنی زبان سے اس کو بیان کرتا ہے؟ یا کیا اس کو چھپانے کی قدرت رکھتا ہے؟

اس کے جواب میں حضرت ابراہیم قصّار نے مثال کے لیے یہ دو شعر پڑھے۔

اُس طریقہ کے دعویٰ کرنے والوں نے جو بے شرمیاں اور بے حیاں پھیلا رکھی تھیں انہیں درست کریں۔

[2] خلاصہ یہ کہ عوام اور صوفیاء کے درمیان جو بدگمانیاں اور بے اعتمادیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کو بحال کیا۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور طریقہ کی طرف سے انہیں جزائے خیر دے۔ انہوں نے اسلام اور ان حضرات کی طریقت کے سلسلہ میں خدمات انجام دیں۔ واقعی اس کی مثال نہیں ملتی۔

[3] کیونکہ حق سبحانہٗ کے نزدیک دنیا کی کوئی قیمت نہیں۔ اگر قیمت ہوتی تو کافروں کو نہ دیتا۔

ظَفِرتُم بِکِتمَانِ اللِّسَانِ فَمَن لَکُم بِکِتمَانِ عَینٍ دَمعُہُ الدَّھرَ یَذرِفُ

حَمَلتُم جِبَالَ الحُبِّ فَوقِی وَ اِنَّنِی لَاَعجَزُ عَن حَملِ القَمِیصِ وَ اَضعَفُ

ترجمہ: ۱۔ تم زبان سے چھپانے پر کامیاب ہو بھی گئے تو اس آنکھ سے کیسے چھپاؤ گے جس کے آنسو ہر وقت بہتے ہوں۔

۲۔ تم نے میرے اوپر محبت کے پہاڑوں کا بوجھ لاد دیا۔ حالانکہ میں قمیص کے بوجھ اٹھانے سے بھی عاجز اور کمزور ہوں۔ (پس محبت کے چھپانے کی طاقت مجھ میں کہاں؟)

اور شیخ الاسلام نے ہمیں یہ شعر سنائے اور فرمایا کہ ہمیں شیخ ابو عبداللہ الطاقی نے اس جماعت کے کسی بزرگ کے یہ شعر سنائے۔

یَبدُو فَاَجھَدُ اَن اُکَاتِمَ حُبَّہُ فَتَبِینُ فِیَّ عَلَامَتُ الکِتمَانِ

خَفَقَانُ قَلبِی وَارتِعَادُ مَفَاصِلِی وَغُبَارُ لَونِی وَانعِقَادُ لِسَانِی

فَمَتٰی یُکَذِّبُنِی شُھُودٌ اَربَعٌ وَشُھُودُ کُلِّ قَضِیَّۃٍ اِثنَانِ

اور ہمیں کسی بزرگ کا یہ شعر پڑھ کر سنایا۔

حَمَّلتُمُونِی عَلٰی ضُعفِی بِفُرقَتِہِم مَالَیسَ یَحمِلُہُ سَھلٌ وَلَا جَبَلُ

ترجمہ: ۱۔ اس کی محبت ظاہر ہوتی ہے پس میں اس کے چھپانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور جب میں اس کو چھپاتا ہوں تو چھپانے کی علامتیں مجھ میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کو کیسے چھپاؤں؟

۲۔ اور چھپانے کی جو علامتیں ہیں وہ یہ ہیں۔ میرے دل کا تڑپنا، میرے جوڑوں کا لرزنا، میرے رنگ کا پھیکا اور خراب ہونا اور میری زبان کا بند ہونا۔

۳۔ اگر میں دعویٰ بھی کروں کہ مجھے محبت نہیں ہے تو چار گواہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ حالانکہ ہر قضیہ (مقدمہ) میں دو گواہ کافی ہوتے ہیں۔ پس میری محبت کیسے ظاہر ہو گی۔

۴۔ تم لوگوں نے میری کمزوری کے ہوتے ہوئے بھی ان کی جدائی کا مجھ پر اتنا بوجھ ڈال دیا جسے نہ میدان اٹھاویں نہ پہاڑ۔

اور ابراہیم قصارؒ نے فرمایا، "تجھے دنیا میں دو چیزیں پسند ہونی چاہئیں۔ ایک کسی فقیر کی صحبت میں رہنا۔ دوسرے

---

[1] یعنی بالفرض اگر تم اس پر کامیاب ہو گئے کہ زبان راز افشا نہ کرے لیکن آنسوؤں کے چھپانے پر کون ذمہ دار ہوگا کہ وہ ہمیشہ آنکھوں سے جاری ہیں۔

اللہ کے دوستوں میں کسی دوست کی خدمت کرنا اور فرمایا، مَنْ تَعَزَّزَ بِشَیٍٔ غیرِاللہ فَقَدْ ذُلَّ فِی عِزِّہٖ ——
جو کوئی اپنی عزّت کو اللہ کے غیر میں حاصل کرے گا پس وہ ذلّت دیکھے گا اپنی عزّت میں (کیونکہ اس نے اپنی عزّت کا سرمایہ اور اپنی شرافت کی پونجی اس چیز کو بنایا جو خود شریف اور عزت والی نہیں۔)

قرآن کو مخلوق کہنے کے زمانہ میں احمد بن حنبلؒ جیل میں تھے۔ لوگوں نے تبلایا کہ ذوالنون مصری کو بھی اس مسئلہ کی وجہ سے جیل میں لے جا رہے ہیں کہ وہ بھی قرآن کو غیر مخلوق کہتا ہے۔ میں نے حضرت ذوالنون مصری کی شہرت پہلے سے سن رکھی تھی اور مخلوق یہ خبر سُن کر حضرت ذوالنون کی زیارت کے لیے جاتی تھی۔ میں اس وقت بچہ تھا۔ میں بھی چل پڑا۔ جب میں نے ذوالنونؒ کو دیکھا تو میری نظر میں وہ حقیر معلوم ہوئے۔ کیونکہ وہ ظاہری حال میں حقیر نظر آتے تھے۔ میں نے دل میں کہا، "اتنی بڑی شہرت اور نام۔ ذوالنّون یہ ہے؟" اسی وقت ذوالنون نے ساری مخلوق میں سے صرف میری طرف اپنا رُخ کیا اور فرمایا، اے پسر چوں اللہ تعالیٰ از بندہ اعراض کند زبان وے بطعن در اولیاء اللہ دراز شود"۔ بیٹا جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے روگردانی فرماتا ہے یعنی ناراض ہو کر اس سے مُنہ پھیر لیتا ہے تو اولیاء اللہ کی گستاخی میں اس کی زبان دراز ہو جاتی ہے۔ ابراہیم قصّار کہتے ہیں ذوالنون کی یہ بات سُن کر میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ میرے منہ پر پانی ڈالتے تھے یہاں تک کہ میں پھر ہوش میں آیا اور میں صُوفی بن کر اُٹھا[1]۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا ایسے شخص کو کیونکر دیکھ سکتے ہیں جس کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اسے اپنے ساتھ چھپایا ہوا ہے۔ ساری خلقت اس کا حجاب اور پردہ ہے اور وہ خود حجاب ہے اپنے دوستوں کے سامنے، کل قیامت میں جب ان حضرات کو دیکھیں گے وہ خود بھی نہ پہچانیں گے۔ جیسے کہ یہاں انہیں دیکھتے ہیں اور نہیں پہچانتے۔ وَتَرَاھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ۔ اے محمد تو انہیں دیکھتا ہے کہ وہ تیری طرف دیکھتے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ تجھے نہیں دیکھتے[2]۔

---

[1] تصوف کی حقیقت کندن ست از غیر و پیوستن بحق۔ غیر سے علیحدہ ہو جانا اور حق کے ساتھ مل جانا ہے۔ یا تصوف کی حقیقت اعراض و اقبال ہے اور یہ دونوں اِنّی الحصول ہیں۔ ایک میں دوسرا وجود پاتا ہے۔ جب دنیا سے اعراض ہو گا حق تعالیٰ کی طرف اقبال ہو گا اور جب دنیا کی طرف اقبال ہو گا حق سے اعراض ہو گا۔

[2] یعنی بصفتِ ولایت ورسالت تجھے نہیں دیکھتے ہیں۔ صرف چہرۂ انور کو دیکھتے ہیں۔

[3] یعنی جس نے ابو یزید کو دیکھا اسے دوزخ میں نہ جلائیں گے۔

سلطان محمود سبکتگین بایزید کی قبر پر گئے۔ وہاں ایک درویش کو دیکھا۔ اس سے کہا، "تمہارے اس پیر نے کیا کہا؟" درویش نے جواب دیا، اس نے کہا، "جس نے مجھے دیکھا وہ اسے نہ جلائیں گے۔ محمود نے کہا، یہ کچھ نہیں ہے ابوجہل نے حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا حالانکہ وہ اس کو جلائیں گے۔" درویش نے کہا، "ندید اے امیر ندید۔" نہیں دیکھا اے امیر اس نے نہیں دیکھا۔ وہ اس کو ابوطالب کا بھتیجا دیکھتا تھا نہ کہ خدا کا پیغمبر۔ ورنہ خدا تعالیٰ اسے کبھی نہ جلاتے۔ (یعنی ابوجہل نے آنحضرت کو تو دیکھا، مگر نبوت کے اعتقاد سے نہیں، بلکہ عام آدمی کی حیثیت میں دیکھا۔ اگر نبوت کی شان میں دیکھتا تو وہ بھی دوزخ کی آگ سے بچ جاتا۔)

۱۶۴۔ حضرت ابوجعفر حفّار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

حضرت جنیدؒ کے مرید اور ان کے قریب العمر تھے۔ مگر لوگ ان کو جنیدؒ کا ہم مرتبہ شمار کرتے تھے اور وہ خود کو جنیدؒ کا مرید اور جنیدؒ کا صحبت وار سمجھتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جنیدؒ نے کہا، میں جوانی میں بغداد کے اندر گھوم رہا تھا کہ ایک ویرانہ میں پہنچ گیا وہاں شیخ ابوجعفر حفّار بغدادی کو دیکھا۔ مجھے اس بات پر رنج ہوا کہ شیخ کو ناگواری ہوئی۔ میں یہاں کیوں آیا کہ ان کی خلوت میں مخل ہوا۔ ندامت اور شرمندگی میں میں نے ان سے کہا، اے شیخ! کوئی بات سناؤ تاکہ میں واپس چلا جاؤں۔ فرمایا، چہ گویم؟ گفتم راہ باو چونست؟ شیخ نے کہا، کیا کہوں؟ میں نے کہا، اس تک پہنچانے والا راستہ کیونکر ہے؟ شیخ نے فرمایا، تجھے بشارت ہو۔ اگر وہ تیرا خریدار نہ ہوتا تو تو اس کا خریدار نہ ہوتا اور اگر وہ تجھے نہ چاہتا تو تو اس کی راہ نہ پوچھتا۔[1]

۱۶۵۔ حضرت ابوجعفر سوہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ نے فرمایا، یہ بھی گروہ صوفیاء سے ہیں۔ ان کا قول ہے صَدِیْقُکَ مَنْ حَذَّرَكَ الذُّنُوْبَ وَرَفِیْقُکَ مَنْ بَصَّرَکَ الْعُیُوْبَ وَ أَخُوْکَ مَنْ سَایَرَکَ اِلٰی عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ تیرا سچا دوست وہ ہے جو تجھے گناہوں اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈراتا ہو اور تیرا رفیق وہ ہے جو تیرے ساتھ رفاقت کے مقام میں ہو۔ اور تجھے تیرے عیب دکھاتا ہو۔ اور تیرا بھائی اور تیرا مددگار وہ ہے جو تیرے ساتھ رہے اور تجھے علّام الغیوب تک پہنچاوے۔

۱۶۶۔ حضرت ابوجعفر صیدلانی رحمۃ اللہ علیہ

ابوالحسن صائغ دینوری کے شیخ ہیں۔ بغداد کے باشندے ہیں۔ جنیدؒ اور ابوالعباس کے ہمعصر ہیں۔ مکہ میں عرصہ تک قیام کیا۔ آخری وقت مصر میں وفات پاگئے۔ ان کی قبر زقاق مصری کے پہلو میں ہے۔ ابوسعید خراز کی صحبت میں رہے۔ حضرت ابن الاعرابی

---

[1] شیخ کے الفاظ یہ ہیں: "اگر او نہ خریدار تو بودے تو نہ خریدار او بودے۔ اگر او ترانمی بالیستی تو راہ باوئی پرسیدی۔

کے شیوخ سے ہیں۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوالحسن صائغ دینوری فرماتے ہیں۔ میرے شیخ ابوجعفر صیدلانی نے فرمایا، میں نے اوّل ارادت میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا کہ وہ صدر مقام میں تشریف فرما ہیں۔ جماعتِ صوفیہ کے مشائخ آنحضرتؐ کے چاروں طرف حلقہ بنائے بیٹھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے آسمان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے آسمان کا دروازہ کھولا اور فرشتہ اس سے نیچے آیا۔ تشلہ اور لوٹا اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ ایک ایک کے سامنے رکھتا تھا۔ وہ لوگ ہاتھ دھوتے تھے۔ جب میرے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا۔ اسے اٹھالو۔ یہ ان میں سے نہیں ہے۔ لوٹے والے نے تشلہ اٹھایا اور چلا گیا۔ مَیں نے کہا، "یا رسول اللہ میں ان میں سے تو نہیں ہوں، مگر آپ جانتے ہیں کہ میں ان کو دوست رکھتا ہوں۔" حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا، "کسے کہ ایشاں را دوست دارد از ایناں ست۔" جو کوئی ان کو دوست رکھتا ہے وہ انہیں میں سے ہے۔ تشت واپس لائے یہاں تک کہ میں نے ہاتھ دھوئے۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مجھے غور سے دیکھا اور فرمایا، "مارا دوست داری باماؒئی۔" تو ہمیں دوست رکھتا ہے تو تُو ہمارے ساتھ ہے۔ ابوجعفرؒ نے کہا، اس وقت تک میری صحبت ان لوگوں کے ساتھ نہ تھی۔

ابراہیم ادہمؒ فرماتے ہیں۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ رجسٹر ہاتھ میں لیے ہوئے ہے اور کچھ لکھتا تھا۔ میں نے کہا، "تو کیا لکھتا ہے؟" کہا، "اس کے دوستوں کے نام۔" میں نے کہا، "تو نے میرا نام بھی لکھا۔" بولا، "نہیں۔" میں نہ ان میں سے ہوں اور نہ ان کا دوست ہوں، ہاں اس کے دوستوں کا دوست ہوں۔ انہیں دوست رکھتا ہوں۔" میں اسی حال میں تھا کہ دوسرا فرشتہ پہنچا۔ اس نے کہا، "کتاب کا شروع حصہ کھول اور سب سے پہلے اس کا نام لکھ کہ وہ میرے دوستوں کا دوست ہے۔" اور دوسرے نُسخہ میں ہے کہ "میرے دوستوں کو دوست رکھتا ہے اور میرا دوست ہے۔" ابوالعباس عطار فرماتے ہیں۔ "اگر نتوانی کہ دست دروزنی دردوستاں اوزن۔" اگر تو طاقت نہیں رکھتا کہ اس میں ہاتھ ڈالے تو اس کے دوستوں میں ہاتھ ڈال۔ اگرچہ تو ان کے درجہ میں نہ پہونچے گا، مگر وہ تیرے لیے شفیع ہونگے۔[1]

۱۶۷۔ حضرۃ ابوجعفر احمد بن حمدان[2] بن علی بن سِنان رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۳۳۱ھ۔ تیسرے طبقہ سے ہیں اونچے درجہ کے بزرگ ہیں۔ ابوعثمان حیری کی صحبت میں رہے اور ابوحفصؒ کو دیکھا۔ خوفِ الٰہی، پرہیزگاری، تقویٰ اور زہد (دنیا سے بے رغبتی میں) اپنے زمانہ میں بے مثال تھے۔

---

[1] پس اگر تجھ میں خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی طاقت نہیں تو اس کے دوستوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے۔

[2] حمدان۔ حمد کے تثنیہ کی صورت ہے۔

حضرت ابوجعفرؒ نے فرمایا "تَکَبُّرُ الْمُطِیْعِیْنَ عَلَی الْعُصَاۃِ بِطَاعَتِھِمْ شَرٌّ مِّنْ مَّعَاصِیْھِمْ وَ اَضَرُّ عَلَیْھِمْ۔" (طاعت وعبادت کرنے والوں کا اپنی طاعات کے ساتھ گناہ گاروں پر تکبر کرنا یعنی اپنے کو ان سے بہتر جاننا گناہ گاروں کے گناہوں سے زیادہ بُرا ہے اور ان کے گناہوں سے زیادہ ان کو نقصان پہنچانے والا ہے۔[ع])

اور یہ بھی فرمایا، "جَمَالُ الرَّجُلِ فِیْ حُسْنِ مَقَالِہٖ وَ کَمَالُہٗ فِیْ صِدْقِ فِعَالِہٖ ـــــــ آدمی کا جمال اور ظاہری حُسن اس کی اچھی باتوں میں ہے اور اس کا کمال اس کے صدق والے افعال میں[ع] ہے اور جب کوئی آدمی دونوں خوبیوں میں جامع ہوگا تو وہ حکیم ہوگا، کیونکہ حکیم راست گفتار، راست کردار ہوتا ہے" اور یہ بھی فرمایا، عَلَامَۃُ مَنِ انْقَطَعَ اِلَی اللّٰہِ عَلَی الْحَقِیْقَۃِ اَلَّا یَرِدَ عَلَیْہِ مَا یَشْغَلُہٗ عَنْہُ (جو شخص حقیقت کے ساتھ اللہ کے غیر سے منقطع ہوگیا اور اللہ کے ساتھ مل گیا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے اُوپر کوئی ایسا حال نہ آوے جو اس کو اللہ سے غافل کردے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے اسے روک دے[ل]) مطلب یہ ہے جو کوئی حقیقت میں خدا کا ہورہیگا۔ اسکی نشانی یہ ہوگی کہ اُس پر کوئی چیز ایسی نہ آئیگی جو اسکو خدا سے غافل کردے۔

۱۶۸۔ حضرت ابُوجعفر الفرغانی رحمہ اللہ تعالےٰ

ان کا نام محمد ابن عبداللہ تھا۔ بغداد میں آکر رہنے لگے تھے۔ حضرت جنیدؒ کے اصحاب اور ان کے کلام کی روایت کرنے والوں میں ہیں۔ حضرۃ جعفر کا قول ہے۔

"اَلتَّوَکُّلُ بِاللِّسَانِ یُوْرِثُ الدَّعْوٰی وَ التَّوَکُّلُ بِالْقَلْبِ یُوْرِثُ الْمَعْنٰی۔" (زبانی توکّل محض زبان تک محدود رہے گا اور قلبی توکل حقیقی توکل بنے گا[ل]) یعنی زبان سے توکّل کا جتلانا دعویٰ کو پیدا کریگا اور دل سے توکّل کرنا معنیٰ کو۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "ابوعبداللہ باکوؒ نے کہا، کہ ابوجعفر فرغانی، ابوعثمان خیری کے خادم ہیں۔ ایک دن وہ نیشاپور میں شیخ کی رکاب میں چلے جارہے تھے۔ بارش برس چکی تھی۔ کیچڑ بہت تھا۔ ابوجعفر کے دل پر گزرا کہ وہ گھوڑے پر کیا

[ع] گناہ گاروں کو ان کے گناہوں کے باعث حقیر جاننا اور خود کو اپنی طاعت وعبادت کے باعث بڑا جاننا اس نیکوکار کے لیے گناہ گاروں کے گناہ سے زیادہ بُرا اور زیادہ نقصان دہ ہے۔ مطلب یہ کہ کسی شخص کو اس کے گناہ کی وجہ سے حقیر نہیں جاننا چاہیئے اور اپنی عبادت کی وجہ سے اپنے کو بڑا نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ گناہ سے بھی بدتر اور نقصان دہ ہے۔

[ل] اس شخص کی نشانی جو غیر سے منقطع ہو کر حق سے پیوستہ ہوگیا۔ یہ ہے کہ اس پر کوئی ایسا حال وارد نہ ہو جو اس کو حق تعالیٰ کی مشغولیت سے روک دے۔

[ل] توکل جب زبان پر آئے دعوے کو پیدا کرے گا اور حقیقت سے بے بہرہ ہوگا۔ اور جب زبان سے توکل کا اظہار نہیں ہوگا۔ بلکہ دل میں وہ موجود ہوگا تو وہ حقیقتِ توکل کو لائے گا۔ [ع] مرد کی خوبصورتی اس کی اچھی باتوں میں ہے اور اس کا کمال اسکے سچے کاموں میں ہے۔

جانے کہ اس کیچڑ میں میرا کیا حال ہے۔ تھوڑی دیر گزری کہ ابوعثمان سواری سے اُتر آئے اور ابوجعفر کو کہا، "اوپر بیٹھ"۔ اس نے کہا، "اے شیخ ہرگز نہیں"۔ ابوجعفرؒ پریشان تھا کہ یہ کیا ہوگیا اور سوار نہ ہوا۔ دوسری مرتبہ کہا، "برنشین"۔ اوپر بیٹھ۔ مجبوراً ابوجعفر سوار ہوگیا۔ ابوعثمان نے زین پوش گردن پر رکھی اور اس کے آگے چلتے تھے اور ابوجعفر شرمندگی اور بدمزگی کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ آخر نیچے اُتر آیا۔ شیخ نے کہا، "فرغانی! چوں بودی بر آنجا؟" فرغانی تو اس جگہ کیسا تھا۔ (اوپر بیٹھے ہوئے تیرا کیا حال تھا؟) کہا، "اے شیخ نہ پوچھ"۔ شیخ نے کہا، جس وقت میں گھوڑے پر سوار تھا تو کندھے پر زین پوش رکھے میرے آگے چلتا تھا، میں بھی تیرے جیسا تھا جس وقت کہ تو گھوڑے پر تھا اور میں تیرے آگے آگے چلتا تھا اور اس عمل سے تنبیہ کی اور اس کو ادب سکھایا۔ خلاصہ یہ کہ جب میں سوار تھا اور تو پیادہ پا تھا میرا بھی وہی حال تھا جو سواری کے وقت تیرا تھا۔

۱۶۹۔ حضرت ابوجعفر حدّاد رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوجعفر حدّاد دو ہیں۔ ایک صغیر (چھوٹے) اور ایک کبیر (بڑے)۔ کبیر بغداد کے رہنے والے ہیں۔ جنیدؒ اور رویمؒ کے ہمعصروں سے ہیں۔ چھوٹے ابوجعفر بن بکیر الحداد الصغیر مصری ہیں۔ ابوجعفر کبیر کے اصحاب میں سے ہیں۔ ابن عطار کے پاس بیٹھے۔ ان کی شاگردی کی یعنی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ابوتراب نخشبی کو دیکھا اور ان کی صحبت اختیار کی۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، ابوجعفر حدّاد مصر میں سترہ سال آہن گر (لوہار) رہے۔ ہر روز ایک دینار اور دس درم مزدوری لاتے اور ان میں سے کچھ بھی اپنے اوپر صرف نہ کرتے درویشوں پر خرچ کردیتے تھے۔ رات کو سرائے جنیدؒ میں چلے جاتے۔ اور روٹی کے چند ٹکڑے لنگر سے لیتے۔ کھا لیتے اور مسجد میں جاکر سو جاتے۔ نہ کسی بزرگ سے سوال کرتے اور نہ کچھ پوچھتے۔[1] بس دیکھتے رہتے اور نظارہ کرتے رہتے کہ ان کی زبان سے کیا نکلتا ہے۔

ابوجعفر حدّادؒ نے فرمایا، "اِذَا رَئَیْتَ سِمَتَ الْفَقْرِ فِیْ ثَوْبِہٖ فَلَا تَرْجُ فَلَاحَہٗ"۔[2] جب تو فقراء کے نشان کو اس کے کپڑے میں دیکھے پس تو اس کے فلاح کی امید نہ رکھنا۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "ابوجعفر حدادؒ جنگل میں کنوئیں کی منڈیر پر سے پانی کے اندر دیکھ رہے تھے۔ ابوترابؒ[3] اس جگہ پہنچے اور کہا، "ابوجعفر یہاں کیا کرتا ہے؟" کہا، سولہ دن ہو چکے ہیں کہ میں نے پانی نہیں پلایا۔ اب پانی پر پہنچا ہوں۔ یقین اور علم کے درمیان بیٹھا ہوں کہ کونسا غالب ہوتا ہے جس پر میں

---

[1] ادب کی وجہ سے کسی پیر یا بزرگ سے کوئی بات نہ پوچھتے تھے بلکہ خاموشی سے دیکھتے رہتے کہ وہ خود کیا فرماتے ہیں یا کیا ہوتا ہے۔

[2] جب تو فقیر کے نشان کو فقیر کے کپڑوں میں دیکھے تو اس کے چھٹکارے کی امید نہ رکھنا، کیونکہ اس کام کی اصل چھپانا ہے۔

[3] یہ ابوتراب نخشبی نہیں، بلکہ دوسرے ابوتراب ہیں۔

چلوں۔" ابوتراب نے کہا، "اے ابوجعفر ترا ازیں شانے بود عظیم و برفت۔" اے ابوجعفر تیرا مرتبہ اسی نوع کی احتیاط سے بلند ہوگا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، کہ یقین یہ تھا کہ اب پیاسا نہیں ہوں، پانی کی ضرورت نہیں اور صبر کر سکتا ہوں۔ اور علم یہ تھا کہ خدا اللہ سبحانہٗ کو پوجنا چاہیئے اور جائز نہیں کہ اپنے خون میں شریک ہوں۔ یعنی خود، اپنا مرنا چاہوں۔ پانی لے لینا چاہیئے۔ شاید پانی نہ پاؤں۔ ابوتراب اس کے راز کو جان گئے۔ مجبوراً ابوجعفر نے راز پوشیدہ نہ رکھا اور ابوتراب پر ظاہر کر دیا۔

۱۷۰۔ حضرت ابوجعفر المجذوم قدس اللہ تعالیٰ

ابوالعباس عطار کے ہم عصر اور اپنے زمانہ کے غوث تھے۔ اور غوث پوشیدہ ہوتا ہے۔ خواہ خیر (اچھے حال میں چھپا ہوا ہو) یا شر (بُرے حال) میں[1]۔

ابن خفیفؒ کہتے ہیں کہ ابوالحسین دراج سے میں نے سُنا۔ انہوں نے فرمایا، سفر میں مجھے اپنے ساتھیوں سے تکلیف پہونچی کہ ان میں نقار یعنی لڑائی لوک جھونک اور شور رہتا تھا۔ میں نے طے کیا کہ میں اکیلا چلوں گا۔ جب شہر قادسیہ کی مسجد میں پہنچا تو ایک مجذوم (کوڑھی) پیر کو دیکھا۔ جس پر بڑی سخت مصیبت تھی۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو سلام کیا اور کہا، "اے ابوالحسین کراہیت (کدورت) اور غصہ کے ساتھ حج کو جاتے گا؟" میں نے کہا، "ہاں۔" اس نے کہا، ایک ساتھی کو اپنے ساتھ لینا پسند کرے گا؟" میں نے دل میں کہا، تندرست ساتھیوں سے تو بھاگا ہوں میں مجذوم کے ہاتھ پڑ جاؤں۔ میں نے کہا، "نہیں۔" اس شخص نے کہا، ساتھی بنالے۔ میں نے کہا، خدا کی قسم! ساتھی نہ بناؤں گا۔ اس نے کہا، ساتھ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کے وہ کام کرتا ہے کہ قوت والا حیران رہ جاتا ہے[2]۔ یہ سُن کر میں نے کہا، "ایسا ہی ہے۔" اور اس کے سوال پر انکار کر کے روانہ ہوگیا۔ جب دوسری منزل پر پہنچا تو چاشت کے وقت اس کو دیکھا کہ فراغت کے ساتھ اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے کہا، یَا اَبَا الْحُسَیْنِ یَصْنَعُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِالضَّعِیْفِ حَتّٰی یَتَعَجَّبَ الْقَوِیُّ۔ میں نے کچھ نہ کہا۔ روانہ ہوگیا، لیکن میرے دل میں اس کے متعلق ایک وسوسہ اور خلش پیدا ہوگئی۔ جب جلدی جلدی کر کے صبح کے وقت اگلی منزل پر پہنچا۔ مسجد میں آیا۔ اس کو دیکھا کہ فراغت و اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے کہا، یَا اَبَا الْحُسَیْنِ یَصْنَعُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِالضَّعِیْفِ حَتّٰی یَتَعَجَّبَ الْقَوِیُّ۔ اللہ تعالیٰ کمزور کے ساتھ وہ سلوک کرتا ہے کہ طاقت والا حیران رہ جاتا ہے۔ میں اس کے سامنے گیا۔ زمین پر سر رکھا اور کہا، اَلْمَعْذِرَۃُ اِلَی اللّٰہِ وَ اِلَیْکَ۔ میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا

---

[1] یعنی غوث کے لیے پردہ ضروری ہے اور پردہ کبھی مناسب کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی نامناسب کے ساتھ جیسے خدا لم (کوڑھ) یا ابوجعفر کو چھپانے والا۔

[2] یا یہ معنی ہوں کہ اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کمزوروں کے ساتھ وہ معاملہ کرے گا کہ اسے دیکھ کر طاقت والا حیران رہ جائے گا۔

ہوں اور آپ سے بھی۔ اس نے کہا، "تیرا مقصد کیا ہے؟" میں نے کہا، "میں نے قصور کیا"۔ (کہ میں نے آپ سے کہا کہ آپ کو ساتھ لے کر نہ جاؤں گا۔) اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کو رفیق بناؤں۔" حضرت ابوجعفر نے کہا، تو نے کہا تھا، میں نہیں چاہتا اور اس پر تُو قسم بھی کھا بیٹھا۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ تیری قسم کو جھوٹا بناؤں۔ (اس وجہ سے تیرے ساتھ سفر نہیں کروں گا) میں نے عرض کیا، "پس ایسا تو کیجیے کہ ہر منزل میں آپ کو دیکھ لیا کروں۔" اس نے کہا، "قبول کردم۔" یہ مجھے منظور ہے۔ فقیر کا یہ کہنا تھا کہ میری راستہ کی کلفت اور بھوک سب دُور ہو گئی اور مجھے کوئی غم نہ رہا۔ اس کے سوا کہ جلدی سے جلدی منزل پر پہنچوں اور اس کو دیکھوں۔ جب میں مکہ پہنچا وہاں صوفیوں سے یہ قصہ بیان کیا تو شیخ ابوبکر کتانیؒ اور ابوالحسن مزینؒ نے کہا، جس کا تو واقعہ سناتا ہے وہ شیخ ابوجعفر مجذوم ہے۔ تیس سال سے ہم اس آرزو میں ہیں کہ اسے دیکھیں۔ کاش کہ تو اسے پھر دیکھ سکے۔ میں خانہ کعبہ گیا۔ طواف میں مشغول ہوا کہ اس کو دیکھا۔ واپس آیا اور ان لوگوں سے کہا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا، "اگر اب تو دیکھے تو اس کا خیال رکھیے اور ہمیں آواز دیجیے۔" میں نے کہا، "ایسا ہی کروں گا۔" جب منٰی اور عرفات پہنچا تو اس کو نہ پایا۔ رمی جمار[1] کے دن کسی نے مجھ سے بات کی اور کہا، "اَلسَّلامُ علیکَ یَا اَبَا الحسین۔" میں نے دیکھا تو وہی مرد تھا۔ اسے دیکھنے سے مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ ہائے ہائے کرنے لگا۔ اور بے خود ہو کر گر پڑا۔ وہ چلا گیا۔ جب مسجد خَیفؒ میں گیا۔ دوستوں سے حال بیان کیا۔ وداع (رخصت) کے دن مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز ادا کر چکا تو میرے پیچھے سے کسی نے پکڑ کر کھینچا۔ اور کہا، "او ابوالحسین! ہنوز بانگ خواہی کرد؟" اب آواز لگائے گا؟ میں نے کہا، "ہرگز نہیں اے شیخ! آپ سے التماس کرتا ہوں کہ میرے لیے دعا کریں۔" فرمایا، میں دعا نہیں کروں گا۔ تو خود دعا کر۔ میں آمین کہوں گا۔" میں نے تین دعائیں کیں اور انہوں نے آمین کہی۔ ایک یہ کہ میں چاہتا ہوں کہ روز روز کی روزی مجھے پہنچ جایا کرے۔ اور ایسا ہی ہو گیا۔ چنانچہ چند سال سے ایسا ہو رہا ہے کہ مجھ پر کوئی رات نہیں گزری کہ کل کے لیے میں نے کوئی چیز نہ رکھی ہو۔ دوسری دعا یہ تھی۔ درویشی را بمن دوست کُن۔ کہ درویشی کی محبت میرے دل میں ڈال دے۔ اور اب میرا حال یہ ہے کہ دنیا میں درویشی سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں۔ تیسری دعا یہ تھی کہ قیامت کے دن جب تو مخلوق کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے تو مجھے اپنے دوستوں کی صفوں میں اٹھائیو اور مجھے اپنی بارگاہ کی حاضری نصیب کیجیو۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ ایسا ہی ہو گا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، کہ محمد تنگرف نے مجھے قصہ سنایا کہ جب محمود غزنوی کا باپ سبکتگین پہلی مرتبہ ہرات میں

---

[1] رمی جمار جہاں شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں۔

آیا۔ تو اس کے سپاہیوں میں سے ایک سپاہی نے ایک دھقان سے گھاس کا بورا خریدا۔ بورے کی پوری قیمت دی اور اس کے علاوہ بھی انعام دیا اور کہا، "دوسری مرتبہ جب گھاس لاوے تو میرے پاس لانا۔" اس دہقان کا بوڑھا باپ تھا۔ دہقان اس کو بھی لے کر آیا۔ اور اس فوجی نے اس سے دوستی کر لی۔ اتفاق سے عید قربان کا عرفہ (ذی الحجہ کی ۹ تاریخ) آگئی۔ بوڑھے دہقان نے کہا، "آج لوگ حج کریں گے کاش ہم بھی وہاں موجود ہوتے۔" پس فوجی نے کہا کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے وہاں لے جاؤں، لیکن شرط یہ ہے کہ تو یہ بات کسی اور سے نہ کہنا۔" بوڑھے نے کہا، "نہیں کہوں گا۔" اسی دن وہ اسے عرفات میں لے گیا۔ دونوں نے حج کیا اور واپس آگئے۔ دہقان نے اس سے کہا، میں حیران ہوں کہ اس حال کو رکھتے ہوئے بھی تو سپاہیوں میں رہتا ہے۔ اس نے کہا، "جب اس لشکر میں مجھ جیسا نہ ہوگا۔ جب کوئی کمزور اور بوڑھی آوے گی اور انصاف چاہے گی تو اس میں کون دیکھے گا۔ اور اس کا انصاف کون لے گا۔ اور اگر جنگ کی لوٹ مار میں فوجی لوگ کسی جوان عورت پر پہنچ جاویں تو اس کو ان کے ہاتھوں سے کون چھڑائے گا۔ میں اس لشکر میں انہی کاموں کی غرض سے ہوں۔ خبردار کسی کو کوئی بات نہ بتانا۔ یہ حکایت سنا کر شیخ الاسلام نے فرمایا، "باید کہ بچشمِ حقارت در کس ننگرید کہ دوستانِ وے پوشیدہ باشند و تا بصیرۃ و فراست صادق نداری در خلق تصرف نہ کنی کہ برخود ستم کنی۔ چاہیئے کہ تم کسی کو بھی حقارت کی نظر سے نہ دیکھو کہ اس کے دوست چھپے ہوتے ہیں اور جب تک تو دل کی آنکھ روشن اور فراست صادق نہ رکھے۔ مخلوق کے اندر تصرف نہ کرنا کہ تُو اپنے اوپر ظلم کرے گا۔

خرقانیؒ نے فرمایا، "جب لوگوں میں امانت اٹھ گئی۔ اس نے اپنے دوستوں کو پوشیدہ کر دیا۔" اور خرقانیؒ نے کہا، "میں کون ہوں کہ تجھے دوست رکھوں۔ میں تو تیرے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں۔

۱۷۱۔ حضرت ابوجعفر دامغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

گروہِ صوفیا میں سے ایک صوفی نے اپنا واقعہ سنایا۔ میں مدینہ میں تھا۔ اچانک میں نے ایک مردِ عجمی سفید سر والا دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو وداع کرتا تھا۔ یعنی زیارت سے فارغ ہو کر مزار مبارک سے رُخصت ہو رہا تھا جب مسجد سے باہر نکلا میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ وہ مسجد ذوالحلیفہ پہونچا۔ نماز پڑھی اور احرام کے لیے لبیک کہی۔ پھر باہر نکلا۔ میں بھی اس کے پیچھے باہر نکلا۔ میری طرف متوجہ ہوا۔ مجھے دیکھ کر کہا، "تو کیا چاہتا ہے؟" میں نے کہا، "میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ جاؤں۔" اس نے مجھے منع کیا۔ میں نے منت کی۔ اس نے کہا، اگر تو میرے ساتھ ضروری ہی جانا چاہتا ہے تو تو صرف میرے قدم کی جگہ پر قدم رکھنا۔ میں نے کہا، بہت اچھا، ایسا ہی کروں گا۔ وہ چل پڑا، مگر اس نے مشہور راستہ اختیار نہ کیا۔ جب رات کا حصہ گزر گیا۔ میں نے چراغ کی روشنی دیکھی۔ اس نے کہا، یہ عائشہ کی مسجد ہے۔ (یہ تنعیم ہے) پھر کہا تو پہلے

جائے گا یا نہیں۔ میں نے کہا، "جو آپ پسند کریں۔" آخر وہ مجھ سے پہلے چلے گئے۔ میں سو گیا۔ جب صبح ہوئی تو مکہ آیا۔ طواف اور سعی کی اور ابوبکر کتانی کے پاس آیا۔ مشائخ کی جماعت ان کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ شیخ ابوبکر کتانیؒ نے مجھ سے کہا، "تو کب پہنچا؟" میں نے کہا، "ابھی ابھی۔" انہوں نے کہا، "کہاں سے آیا ہے؟" میں نے کہا، "مدینہ سے۔" کہا، "مدینہ سے کب نکلا تھا؟" میں نے کہا، "گزشتہ رات۔" وہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ شیخ ابوبکرؒ نے مجھ سے فرمایا، "کس کے ساتھ آیا؟" میں نے کہا، ایک مرد کے ساتھ جس کا حال و قصہ ایسا ایسا ہے۔ شیخ ابوبکر نے کہا، وہ شیخ ابوجعفر دامغانی ہے اور یہ اس کے حالات میں سے اس کا ایک معمولی حال ہے۔ اس کے بعد شیخ نے کہا، "اٹھو اور اس کی تلاش کرو۔ اور ابوبکرؒ نے مجھ سے فرمایا، "بیٹے! میں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ تیرا حال نہیں۔" پھر پوچھا، "تو اس وقت اپنے پاؤں کے نیچے کی زمین کو کیسا پاتا تھا؟" میں نے کہا، "موج کی طرح جو کشتی کے نیچے آتی ہو۔"

۱۷۲۔ حضرت ابوالحسن وَرّاق قدس اللہ سرہٗ

وفات ۳۲۰ھ سے قبل ہوئی۔ تیسرے طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام محمد بن سعد ہے۔ نیشاپور کے اکابر مشائخ اور ان میں پرانے بزرگ ہیں۔ ابوعثمان حیری کے اصحاب سے ہیں۔ ظاہری علوم کے عالم اور باطنی علوم اور معاملات کی باریکیوں اور افعال کے عیوب بیان کرنے میں قادر الکلام تھے۔ حضرت وراق نے فرمایا، "کرم در عفو آنست کہ یاد نہ کنی جنایتِ یارِ خود را پس ازاں کہ عفو کردی۔" عفو میں کرم یہ ہے کہ اپنے دوست کی غلطی اور قصور کو معاف کرنے کے بعد تجھے یاد نہ رہے[1]۔ اور یہ بھی فرمایا،

"حیاتِ دل در یاد کرد زندہ ایست کہ ہرگز نمیرد و عیش گوارندہ زندگانی است با اللہ تعالیٰ نہ غیر آن۔" دل کی حیات (زندگی) اس زندہ کی یاد کرنے میں ہے جو کبھی نہ مرے۔ اور خوشی و آرام کے ساتھ پوری ہونے والی زندگی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے نہ اس کے غیر کے ساتھ۔

یعنی زندگی کی حقیقی مسرتیں صرف ان لوگوں کو حاصل ہیں۔ جن کی زندگی اللہ کے دھیان اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی محبت میں گزرتی ہے۔ کیونکہ لطیفۂ انسانی کی تخلیق اسی مقصد کے لیے ہے۔ اور لذتیں اٹھانا اور مزہ حاصل کرنا الفتوں اور عادتوں کی بنا پر ہے۔ "وہم وے گفتہ کہ علامتِ دوستیٔ اللہ تعالیٰ متابعت دوست اوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔" اللہ سے دوستی کی نشانی اس کے دوست حضرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا ہے[2]۔

---

[1] دوست کا قصور معاف کرنے کے بعد بھول جانے کو کرم در عفو کہتے ہیں۔

[2] آنحضرت کی تابعداری کرنا اور ان کے نقشِ قدم پر چلنا اللہ تعالیٰ کی دوستی کی علامت ہے۔ جسکو اللہ تعالیٰ سے واقعی محبت ہو گی وہ اسکے دوست کی سنتوں کو اختیار کریگا۔

۱۷۳۔ حضرت ابوالحسین دَرّاج البغدادی رحمۃ اللہ علیہ

۳۲۰ھ میں وفات پائی۔ تیسرے طبقے سے ہیں۔ ابراہیم خواصؒ کے خادم ہیں۔ شیخ ابوعمران مزین رازیؒ اور شیخ ابوعمرو دمشقی کی صحبت میں رہے۔ سماع کے حال میں وفات پائی۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوالحسین دَرّاج یوسف بن الحسین کی زیارت (دیدار) کرنے کے لیے بغداد سے چل کر رے آئے۔ یُوسف نے اُن سے کہا، "برائے چہ آمدی" تو کس لیے آیا؟ کہا "برائے دیدار و زیارتِ تُو" آپ کے دیدار اور زیارت کے لیے۔

یوسف بن الحسین نے کہا، راستہ میں اگر کوئی تجھے آراستہ مکان اور حسین باندی دیتا تو کیا میری زیارت سے وہ تجھے روک لیتا؟ کہا، "اگر بود سے نمیدانم۔ اللہ تعالیٰ خود مرا بآں نیاز مود" اگر ہوتا تو میں نہیں جانتا (کیا ہوتا)، لیکن اللہ تعالیٰ نے خود مجھ کو اس آزمائش میں نہ ڈالا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، شیخ یوسفؒ کو اس نے بہت ہی پیارا جواب دیا، مگر شیخ کو اس سے یہ سوال نہ کرنا چاہیئے تھا۔

۱۷۴۔ حضرت بکیر دَرّاج رحمۃ اللہ علیہ

ابوالحسین دراج کے بھائی ہیں۔ بغداد میں رہتے تھے۔ ابوالحسین سے زیادہ فاضل، زیادہ درویش اور زیادہ بزرگ تھے۔ وہ فرماتے ہیں جب سے میں اس راہ میں آیا ہوں کبھی بھی کوئی فاسد خیال مجھ پر نہیں گزرا۔

۱۷۵۔ حضرۃ ابوالحسین سلامی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، یہ بزرگ آدمی تھے اور صاحبِ تاریخ۔ انھوں نے کہا، علیٰ موصلی ایک راہب گزرا ہے۔ اس نے کہا، مسلمانوں پر ایک آیت اتری ہے۔ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس آیت کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کو کیوں ستاتے ہیں۔ وہ یہ ہے مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ[1] (آیت) نہیں ہوتا کوئی راز جو تین کے درمیان ہو مگر وہ (حق سبحانہٗ ان کو چار بنانے والا ہوتا ہے اور ان کے راز سے باخبر ہوتا ہے۔

۱۷۶۔ حضرت ابوالحسین المالکی رحمۃ اللہ علیہ

نام احمد بن سعید المالکی، بغداد کے رہنے والے اور خوش بیان تھے۔ جنیدؒ اور نوری اور اس طبقہ کے دوسرے بزرگوں کی صحبت رکھتے تھے۔ اور وہاں سے جاکر طرطوس میں رہنے لگے۔ اور اسی جگہ وفات پائی۔

---

[1] اس آیت سے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے علم کا محیط ہونا معلوم ہوتا ہے اور اس کے علمِ محیط کے جاننے کے باوجود مسلمان امر و نہی میں اسکی مخالفت کرنیکی کیسی جرأت کرتا ہے۔

۱۷۷۔حضرت ابوالحسین ہاشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

انہوں نے فرمایا، جنیدؒ سے لوگوں نے پوچھا، "دِل کے خوش بود؟" گفت آں وقت کہ اُو در دل بود۔ جنیدؒ سے پوچھا، دل کب خوش گا؟ فرمایا، جس وقت دل میں وہ ہوگا۔"

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "جنیدؒ جوانمردوں سے بات کہتے تھے یعنی ان لوگوں سے بات کہتے تھے جو اس کے مطلب کو سمجھتے تھے۔ اور جانتے تھے۔" اللہ اس کے دل میں ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس کی یاد ہو اس کی محبت ہو اور اس کی صحبت ہو۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، "دِل کے خوش بود کہ او ناظر بود کہ او حاضر بود۔" دل کب خوش ہوگا جبکہ وہ اس کو دیکھنے والا ہوگا۔ کب خوش ہوگا جبکہ وہ اس کے سامنے ہوگا۔ اور اس کو نسبتِ حضور حاصل ہوگی۔

۱۷۸۔حضرت ابوبکر واسطی قدس اللہ سرہٗ

ان کا نام محمد بن موسیٰ تھا۔ اور ابن الفرغانی کی کنیت سے مشہور ہیں۔ جنیدؒ اور نوریؒ کے پُرانے مریدوں میں سے ہیں۔ اس جماعت کے مشائخ میں جو علماء گزرے ہیں ان میں سے ایک ابوبکر واسطی بھی ہیں۔ اصولِ تصوف میں ان جیسی باتیں کسی نے بھی نہیں کہیں۔ علومِ ظاہر کے اصول و فروع کے عالم تھے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "واسطیؒ امامِ توحید ہے اور علمِ اشارت میں مشرق کے امام ہیں۔ اور شیخ الاسلام نے فرمایا، واسطی کے ایک پیر ہیں اور ایک مرید ہیں۔ جنیدؒ پیر ہیں اور ابوالعباس سیّار ان کے مرید ہیں۔ جنیدؒ نے انہیں خط لکھا اس کا سرنامہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سَلَامٌ عَلَیْکَ یَا اَبَا بَکْر ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، عَافَانَا اللّٰہُ وَاِیَّاکَ بِالْکَرَامَۃِ (کرتا ہوں شروع اللہ مہربان و رحیم کے نام سے۔ تجھ پر سلامتی ہو اے ابوبکر اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تجھ کو کرامت کا آرام دے) آخر میں لکھا، علماء حکماء از اللہ تعالیٰ بر خلق رحمت اند۔ چناں کُن در سخن خویش کہ خلق را رحمت باشی و خود را بلاء از حال خویش بیروں آئی و با حال ایشاں شو کہ با ایشاں سُخن می گوئی بقدرِ طاقت و حالِ ایشاں با ایشاں سخن گوئی و خطاب بر آں موضع کہ ایشاں را بر آں می یابی۔ فَھٰذَا اَبْلَغُ لَکَ وَلَھُمْ وَقُلْ لَّھُمْ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَوْلًا بَلِیْغًا[2] (علماء و حکماء اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق پر رحمت ہیں۔ اپنی بات کرنے میں ایسا کیا کر کہ تو مخلوق کے لیے رحمت بنے اور خود کے لیے مصیبت اپنے

---

[1] مطلب یہ نہیں کہ دل میں اللہ تعالیٰ آگیا اور اس کو اپنا گھر بنالیا۔ اللہ ان چیزوں سے پاک ہے۔

[2] قرآنِ پاک کی آیت کا ایک حصہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت دی گئی۔

حال سے باہر آ اور ان کے حال میں ہوجا اور ان سے ان کی طاقت اور ان کے حال کے مطابق بات کہہ اور خطاب اس جگہ پر رکھ جس مقام پر تو ان کو پائے۔ پس یہ تجھے مقتضائے حکمت تک زیادہ پہنچانیوالی ہے اور ان کو بھی۔ اور ان سے ان کے حق میں ایسی بات کہہ جو ان کی سمجھ میں آنے والی ہو۔)

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ جنید کو معلوم ہوگیا کہ یہ لوگوں کی طاقت کے مطابق ان سے باتیں نہیں کرتا۔ اس کو نرمی اور مہربانی کا حکم دیا۔ ابوبکر واسطی جوانی میں عراق سے آگئے۔ وہاں ان کی باتیں کم ہیں۔ مرو آگئے تو انہوں نے کہا، شہر شہر میں اس آرزو کو لیے گھوما کہ کوئی پینے والا ملے[1]۔ ان سے کہا، مرو میں آکر کیوں بیٹھ گئے ہو؟" کہا، ان لوگوں کو فہم میں بہت تیز پاتا ہوں۔ اور یہیں انتقال ہوگیا اور ان کی قبر اس جگہ مشہور ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "اس جماعت میں سے وہ بھی ہے جس کو میں اپنے سے کم دیکھتا ہوں۔ اور وہ بھی ہے جس کے مرتبے کو میں اپنے مساوی و برابر دیکھتا ہوں۔ اور وہ بھی ہے جس کے مرتبے کو اپنے سے بلند تر جانتا ہوں۔ یحییٰ معاذ رازی کو کم دیکھتا ہوں اور نصر آبادی کا درجہ برابر دیکھتا ہوں اور واسطی کو اپنے سے بلند دیکھتا ہوں۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، واسطی کہتا ہے، من واو، واو و من، وکردمن وپاداش او، ودعا رمن ولجابت او ہمہ اِثنینیّت است ودوگانگی۔ (میں اور وہ، وہ اور میں۔ میرا کام اور اس کی جزار۔ میری دعار اور اس کی قبولیّت سب دوئی اور دوگانگی ہے۔) شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "خراسان میں ایسی توحید نہیں آئی جیسی واسطی کی زبان سے۔ جبکہ وہ عراق سے آئے تھے۔ واسطی جب نیشاپور پہنچے۔ ابوعثمان حیری کہیں گئے ہوتے تھے۔ مریدوں نے واسطی کو دیکھا اور ان کی باتیں سنیں۔ لوگوں نے واسطی سے پوچھا۔ آپ نے ان لوگوں کو کیسا پایا۔ فرمایا، ان کے شیخ نے ان کو صرف مجوسیّت سکھائی ہے۔ یعنی دوگانگی "میں اور وہ"۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، ابوبکر قحطبیؒ، ابوعثمان حیری کے شاگردوں میں سے ہیں۔ کسی نے اس کو بغداد میں دیکھا۔ اس سے پوچھا، "تمہارا پیر تمہیں کیا سکھاتا تھا؟" کہا طاعت کرنے کو اور گناہ کو گناہ سمجھنے کو۔" کہا، یہ تو خالص مجوسیّت ہے۔ تصوّف میں تو توحید اور یگانگی چاہیئے[2]۔" شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، تقصیر آن وقت بینی کہ خود را کردار بینی چرانہ ہمہ او بینی۔" تقصیر و قصور تو اس وقت دیکھے گا جب اپنے لیے کردار (عمل) کو دیکھے گا۔ کیوں نہیں تو سارا کچھ اس کو دیکھتا۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوطیب مصریؒ کہتا ہے۔ مَنْ لَمْ یَنْدَرِجْ لَہٗ وَفَاءُ الْعُبُوْدِیَۃِ

ج ۱۲

[1] پینے والے سے مراد کوئی فیض حاصل کرنے والا مل جائے جو نسبت کا لینے والا ہو۔

[2] یعنی فکر حق تعالیٰ کی رہے اور خیال اس میں رہے نہ کہ طاعات اور معصیت میں۔

فی عنِ الربوبیۃِ لم تصف لہ العبودیۃُ (جس شخص کی بندگی کی ادائیگی ربوبیت کے دیکھنے میں گم نہیں ہوئی۔ اس کی بندگی صاف اور خالص نہیں ہوئی۔)[ل]

حاصل یہ ہے کہ شیخ الاسلامؒ نے اپنی بات کی تائید میں ابوطیبؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے یہ بھی فرمایا، واسطیؒ کہتے ہیں، "آنکہ گوید نزدیکم دُور است، آنکہ گوید دور است، در ہستی او نیست است تصوّف اینست۔" جو یہ کہے کہ میں نزدیک ہوں وہ دُور ہے اور جو کہے دُور ہوں اس کی ہستی میں نیستی ہے۔ تصوّف یہی ہے[۲]

۱۷۹۔ حضرت ابوبکر زقاق کبیر قدس اللہ سرہٗ

نام احمد بن نصر۔ دوسرے طبقہ سے ہیں۔ مصر کے رہنے والے تھے۔ شیخ الاسلام نے ان کو تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے۔ ابوبکر زقاق صغیرؒ کے پیر ہیں۔ ابوبکر دُقیؒ کے بھی شیخ ہیں جب زقاق کبیر دنیا سے رخصت ہوتے تو شیخ ابوبکر کتانیؒ نے فرمایا، انقطع حجۃ الفقراء فی دخولہم بمصر۔ فقراء کے مصر میں جانے کی حجت ختم ہوگئی۔ یعنی مصر میں فقراء کے آنے کا بہانہ ختم ہوگیا۔ کیونکہ وہ حضرات ان کی زیارت کے بہانے مصر میں آیا کرتے تھے۔ جنید کے اصحاب واقران سے تھے۔ انہوں نے فرمایا، ثمن ھذا الطریق روح الانسان۔ اس راہ کی قیمت انسان کی جان ہے[۳]۔ یعنی جان دینی چاہیئے تاکہ یہ طریق حاصل ہو۔ اور فرمایا، اس راہ کی باتیں اس کے لائق ہیں اور اس کو زیب دیتی ہیں جس نے برسول اللہ کے لیے کوڑے کے ڈھیر پر گیا ہو۔

۱۸۰۔ حضرت ابوبکر کتانی رحمہ اللہ تعالیٰ

وفات طرطوس میں ۳۲۲ھ۔ اور اسی سن میں عبدالواحد اصفہانی نے بھی رحلت فرمائی۔ ان کا نام محمد بن علی بن جعفر البغدادی الکتانی ہے۔ ان کی کنیت ابوالغریب ہے۔ طبقۂ چہارم اور اصحابِ جنیدؒ سے تھے۔ سالہا سال مکہ میں رہے۔ مرتعش کہتے ہیں۔ کتانی حرم شریف کا چراغ ہے۔

[ل] اپنے وجود سے اور اپنے کردار سے قطع نظر کر لینا ربوبیت کو دیکھنا اور اس میں گم ہو جانا ہے۔ اور جب تک یہ نہ ہوگا اس کی بندگی صاف اور خالص نہ ہوگی

[۲] جو یہ کہتا ہے میں نزدیک ہوں وہ دُور ہے۔ کیونکہ نزدیکی نسبت ہے اور نسبت کے لیے دو کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے نزدیکی ایک سے زیادہ ہونے کو مستلزم ہے۔ جو توحید کے معنیٰ سے دُور ہے اور جو کوئی کہتا ہے کہ دُور ہے اس کی ہستی میں نیست ہے۔ یعنی جو شخص مرتبۂ توحید میں نہیں پہنچا ہوا ہے واقع میں اس کا وجود وجودِ حق میں مستہلک یعنی فنا ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتا ہے۔ اس قسم کے استہلاک کے پا لینے کو تصوف کہتے ہیں۔

[۳] یعنی وہ قیمت جو اس طریق کے عوض میں ہے وہ آدمی کی جان ہے۔ اسے جان دینا چاہیئے تاکہ یہ طریقہ ہاتھ لگے۔

کتانیؒ نے فرمایا، اَلصُّوفِیَّۃُ عَبِیْدُ الظَّوَاھِرِ وَاَحْرَارُ الْبَوَاطِنِ۔ صوفیہ ظاہروں کے غلام اور باطنوں کے آزاد ہیں۔ یعنی صوفیہ حضرات ظاہر میں بندگی اور انقیادِ شریعت کے پابند اور غلام ہیں اور ان کے باطن غیرِ حق سبحانہٗ کے تصرف واستعمال سے آزاد ہو چکے ہیں۔ چاہے وہ طاعت ہو یا طاعت کے علاوہ اور کوئی چیز ہو۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، وہ خضر علیہ السلام کے صحبت دار تھے۔ انہوں نے فرمایا، ایک دفعہ خضر علیہ السلام نے ان کو کہا، اے ابوبکر اس جماعت کے بہت لوگ مجھے پہچانتے ہیں اور میں انہیں نہیں پہچانتا۔ انہوں نے کہا، کہ خضرؑ نے مجھے یہ بھی سُنایا کہ یمن کے علاقہ میں صنعا کی مسجد میں تھا۔ لوگ عبدالرزاق کے پاس حدیث پڑھ رہے تھے اور مسجد کے ایک کونہ میں ایک جوان گریبان میں سر ڈالے بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے کہا، لوگ عبدالرزّاق کے پاس حدیث پڑھ رہے ہیں اور تو یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے پاس تو کیوں نہیں جاتا؟ اور اس سے حدیث شریف کیوں نہیں سنتا؟ اس نے کہا، "میں اس جگہ رزاق سے سُنتا ہوں اور تُو مجھے عبدالرزاق (رزاق کے بندے) کے پاس بھیجتا ہے۔" میں نے کہا، "اگر تو سچ کہتا ہے تو بتا میں کون ہوں؟" اس نے کہا، "خضر" اور پھر سر گریبان میں لے گئے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، یہ زیادہ اچھا ہوتا جیسے وہ رزّاق سے سنتا تھا عبدالرزاق سے بھی سُنتا، کہ مشائخ میں بڑے اور اونچے وہ ہیں جن کا ظاہر عام لوگوں کا ظاہر ہو اور ان کا باطن خاص لوگوں کے باطن کی طرح ہو۔ کیونکہ شریعت بدن پر ہے یعنی ظاہر پر ہے اور حقیقت روح اور سِر پر۔ اور کتانیؒ نے فرمایا، مَنْ لَّمْ یَتَأَدَّبْ بِأُسْتَاذٍ فَھُوَ بَطَّالٌ۔ جس نے استاد سے نہیں سیکھا اور پیر سے تربیّت نہیں پائی وہ نکمّا ہے[1]۔

اور فرمایا، کُنْ فِی الدُّنْیَا بِبَدَنِکَ وَفِی الْاٰخِرَۃِ بِقَلْبِکَ۔ دنیا میں اپنے بدن کے ساتھ رہ اور آخرت میں اپنے دل کے ساتھ[2]۔

حضرت ابوبکر رازیؒ نے کہا، شیخ کتانیؒ نے ایک بوڑھے کو دیکھا جس کا سر سفید اور بدن کے بال بھی سفید تھے۔ وہ بھیک مانگتا پھرتا تھا۔ وہ کہتا تھا۔ ھٰذَا رَجُلٌ أَضَاعَ أَمْرَ اللّٰہِ فِیْ صِغَرِہٖ فَضَیَّعَہُ اللّٰہُ فِیْ کِبَرِہٖ۔ یہ وہ آدمی ہے جس نے اللہ کے حکم کو اپنی جوانی اور چھٹ پن میں ضائع کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے بڑھاپے میں ضائع کر دیا۔ اگر وہ جوانی میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی کوشش کرتا تو بڑھاپے میں بھیک مانگنے کی ذلت میں گرفتار نہ ہوتا۔

---

[1] جو شخص استاد کی تربیّت سے متاثر نہ ہوا اور استاد کے کام کو اختیار نہیں کیا وہ معطل اور بے کار ہے۔ اس کے کام کام نہیں۔

[2] یعنی دنیا سے بے تعلق رہ یعنی ظاہر میں دنیا اور مخلوق کے ساتھ رہ اور دل کے اعتبار سے آخرۃ میں رہ۔ ع اگلے صفحہ پر دیکھیں۔

اہل سنت کے بوڑھے جس قدر زیادہ بوڑھے ہوتے ہیں۔ مخلوق کی آنکھوں اور دلوں میں اسی قدر زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوبکر کتانی کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا شاگرد کہتے تھے۔ کیونکہ جس روز یا جس رات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہوتی تھی انہیں ہر حال میں پہلے اس کا علم ہو جاتا تھا کہ کونسے دن یا کونسی رات وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں گے۔ لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے۔ اور یہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مسائل کو پوچھتے اور آنحضرت سے ان کے جواب سنتے تھے۔ ایک وقت انہیں آنحضرت کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا، جو کوئی ہر روز اکتالیس مرتبہ یاحیُّ یاقیُّومُ یا لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ پڑھے گا۔ جس وقت دل مریں گے اس کا دل نہ مرے گا۔[1]

شیخ الاسلامؒ نے کہا کہ سالمی کے استاد شیخ ابوالقاسم دمشقیؒ نے کہا کہ میں نے کتانی سے پوچھا، تصوف کیا ہے؟ فرمایا،" اس کا کم سے کم یہ ہے کہ تو نہ پاوے۔" ابوحفص سے کسی نے پوچھا" صوفی کون ہے؟" فرمایا،" صوفی نہ پرسد کہ صوفی کیست؟" صوفی نہیں پوچھتا کہ صوفی کون ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا،" ایں علم سر اللہ است و ایں قوم صاحب اسرار پاسباں را با راز ملوک چہ کار۔" یہ علم اللہ کا راز ہے اور اس جماعت کے لوگ اس کے رازدار ہیں۔ پاسباں کو بادشاہ کے راز سے کیا واسطہ اس کام کی اصل یافت ہے نہ کہ دریافت۔ بایں کار آں شتافت کش نیافت نہ بکوشش یابی و طلب کہ بحرمت یابی و ادب سوال سائل از انکار ست برایں کار۔ آنکس کہ ازیں کار بوئی دارد اورا با سوال چہ کار؟ انکار مکن کہ انکار شوم ست، انکار آں کند کہ ازیں کار محروم ست و قومے مشغول انداز یں کار۔ وقومے بریں کار با انکار، وقومے خود درسرایں کار آنکہ بریں کار انکار ست۔ مردود است و آنکہ درسرایں کار است غرقہ نور ست۔ یہ کام یافت ہے نہ دریافت[2]۔ اس کے انکار کے ساتھ سب کی دوڑ کو مات دینے والے آدمی نے نہ پایا۔ نہ کوشش سے پائے گا اور نہ طلب سے، بلکہ عزت اور ادب سے پائے گا۔ سائل کا سوال اس کام پر انکار کی وجہ سے ہے۔ جو اس کام کی بُو (ذوق) رکھتا ہے[3]۔ اس کو سوال سے کیا کام۔ انکار نہ کر کیونکہ انکار نحوست اور بدبختی ہے۔ انکار وہ کرتا ہے جو اس کام سے محروم ہے۔ کچھ لوگ اس کام سے مشغول ہیں[4] اور کچھ لوگ اس کام پر انکار کرتے ہیں[5]

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) جو اپنی جوانی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو ضائع کرے گا اللہ تعالیٰ بڑھاپے میں اسے ذلیل کرے گا۔

[1] غفلت سے دل مر جائیں گے حق سبحانہٗ و تعالیٰ غفلت سے اس کو محفوظ رکھیں گے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ یہ کام وجدان اور ذوق کا ہے دریافت نہیں کہ ادراک اور تصور میں آئے۔ [3] یعنی جس کام سے اس کو ادنیٰ مناسبت بھی ہے اور اس سے وہ کچھ مَس رکھتا ہے۔ [4] یعنی قبول کرنے سے غافل ہیں۔ [5] یعنی اس کو نہیں مانتے۔

ہیں اور کچھ لوگ اس کام میں مقدم اور پیش پیش ہیں۔ جو اس کام پر منکر ہے وہ مردود ہے خواہ وہ جس قدر بھی عبادت میں مشغول رہے۔ وہ قربِ حق سے دُور ہے اور جو اس کام میں پیش پیش ہے وہ نُور میں ڈوبا ہوا ہے۔

۱۸۱۔ حضرت ابوبکر الشّبلی رحمۃ اللہ تعالےٰ

عمر ۸۷ سال وفات ۳۳۴ھ ذی الحجہ۔ حضرت ابوبکر الشبلی چوتھے طبقہ سے ہیں۔ نام جعفر بن یونس۔ اور کہتے ہیں ان کا نام ولف بن جعفر یا دلف بن جحدرہ ہے۔ ان کی قبر بغداد میں ہے۔ قبر کے کتبہ پر جعفر بن یونس لکھا ہوا ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، شبلی مصر کے رہنے والے تھے۔ بغداد آکر رہنے لگے۔ خیر النّساجؒ کی مجلس میں توبہ کی۔ جنیدؒ کے شاگرد اور مرید ہیں۔ عالم اور فقیہ تھے۔ فقہ میں امام مالک کا مذہب رکھتے تھے۔ "موطّا امام مالک" انہیں حفظ یاد تھی۔ مجلس مذاکرہ کیا کرتے تھے۔ ان کے والد خلیفہ کے صاحب الحجاب دربان تھے۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا، لَاتَنْظُرُوْا اِلٰی اَبِیْ بَکْرِ نِ الشِّبْلِیْ بِالْعَیْنِ الَّتِیْ یَنْظُرُ بَعْضُکُمْ اِلٰی بَعْضٍ فَاِنَّہٗ عَیْنٌ مِّنْ عُیُوْنِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ ترجمہ: ابوبکر شبلی کو اس آنکھ سے نہ دیکھو جس سے تم ایک دوسرے کو دیکھتے ہو۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی آنکھوں میں سے ایک آنکھ ہے[1]۔

حضرت جنیدؒ نے یہ بھی فرمایا، "لِکُلِّ قَوْمٍ تَاجٌ وَتَاجُ ھٰذَا الْقَوْمِ الشِّبْلِیُّ"۔ ترجمہ: ہر جماعت کے لیے ایک تاج ہے اور اس جماعت کا تاج شبلی ہے[2]۔

حضرت شبلی نے فرمایا، "اَلْحُرِّیَّۃُ ھِیَ حُرِّیَّۃُ الْقَلْبِ لَاغَیْرُ"۔ ترجمہ: آزادی وہ دل کی آزادی ہے فقط۔ یعنی آزادی کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا دل غیر حق سبحانہٗ کے تصرف سے آزاد ہو۔ چاہے وہ خود کسی کا غلام کیوں نہ ہو۔ اور وہ شخص غلام ہے جس کے دل پر غیر حق سبحانہٗ کا تصرف ہو۔ خواہ وہ آزاد ہی کیوں نہ ہو۔ کسی نے شبلی سے کہا، میرے لیے دعا کرو تو یہ شعر پڑھا۔

مَضٰی زَمَنٌ وَالنَّاسُ یَسْتَشْفِعُوْنَ بِیْ
فَھَلْ لِیْ اِلٰی لَیْلَی الْغَدَاۃَ دَلِیْلٌ

ترجمہ: زمانہ گزر گیا۔ جب لوگ لیلیٰ سے سفارش کرنے کے لیے مجھے لے جاتے تھے۔ پس آیا کوئی ہے جواب مجھے

---

[1] مطلب یہ کہ شبلی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ بظاہر یہ کلام مسئلہ توحید پر مبنی ہے۔

[2] یعنی ہر قوم کا ایک افسر ہے اور اس قوم کا افسر شبلی ہے۔

لیلیٰ کی جانب میری راہنمائی کرے۔ اور ہے کوئی کہ مجھے لیلیٰ کا راستہ بتا دے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، شیخ ابو سعید مالینی اور حافظ صوفی نے یہ حکایت شبلی سے بیان کی کہ شبلیؒ نے فرمایا، کہ وقت کا یہ سرمایہ جو تم رکھتے ہو عزت اور بزرگی کے ساتھ رکھو۔ (اس کے ایک لمحہ کو بھی ضائع نہ ہونے دو اور اسے غنیمت جانو۔) کل یہی کچھ رکھو گے۔ جب تک تم زندہ ہو ہمیشہ اس کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ (مرتے دم تک اس کی عزت اور حرمت میں کوتاہی نہ کرو۔ اور اس کی حفاظت میں لاپرواہی نہ کرو۔)

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "ازیں جامی باید بُرد"۔ کہ اسی جگہ سے لے جانا چاہیئے کہ کل منافقوں کو کہیں گے۔ اِرْجِعُوْا وَرَآئَکُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا۔ اپنے پیچھے لوٹو۔ پس نور کی تلاش کرو[1]۔

شیخ الاسلامؒ نے کہا۔ بلکہ وصیت کی کہ اس حکایت کو لکھ لو اور یاد رکھو کہ تمہارے واسطے شبلی کی طرف سے لوگ اس حکایت سے بہتر کوئی اور چیز نہیں لائے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی اور بات لوگوں نے بیان نہیں کی کہ کل تجھے وقت نہیں دیں گے کہ یہ وقت جو تم اس جگہ رکھتے ہو وہی رکھیں گے۔ لوگوں نے شبلیؒ سے کہا، ہم آپ کو موٹا دیکھتے ہیں۔ اور جس محبت کا آپ دعویٰ کرتے ہیں وہ لاغر یعنی دُبلا ہونے کا تقاضہ کرتی ہے۔ اس پر فرمایا، "اَحَبَّ قَلْبِیْ وَمَا دَرٰی بَدَنِیْ وَلَوْ دَرٰی مَا اَقَامَ فِی السِّمَنِ۔" ترجمہ: میرے دل نے محبت کی اور میرے بدن کو اس کی خبر نہیں ہے۔ اگر وہ جان لیتا تو موٹا نہ رہتا[2]۔

عبدالرحمٰن خراسانی کہتے ہیں، ایک شخص حضرت شبلی کے گھر آیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ شبلی فرا در آمد سر برہنہ و پابرہنہ گفت کرامی خواہی گفت شبلی را گفت نشنیدی مات کافرًا فلا رحمۃ اللہ۔ شبلی ننگے سر اور ننگے پاؤں باہر آئے اور فرمایا، کسے بلاتا ہے؟ اس نے کہا شبلی کو۔ شبلی نے فرمایا۔ تُو نے نہیں سُنا کہ وہ کفر کی حالت میں مرگیا۔ اللہ اس پر رحم نہ کرے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، شبلی یہ بات اپنے نفس کو کہتے تھے[3]۔ ایک دن ایک جماعت ان کے گھر میں جمع

---

[1] یعنی دنیا میں واپس طلب کرو اور حاصل کرو۔ اس کو جو سبب نور ہو۔ یعنی دنیا میں واپس جاؤ اور وہاں سے نور کا سبب تلاش کرو۔ یعنی طاعات وعبادت کرو۔

[2] یعنی دل نے اس کو دوست رکھا اور میرے دل کے حال کو میرے بدن نے نہ جانا۔ اگر وہ جان لیتا تو موٹاپے میں قائم نہ رہتا، بلکہ دبلا ہونے کی طرف مائل ہو جاتا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ کلام سے جو خاص طور پر مراد ہے، اگرچہ وہ نہیں سمجھتا ہے ہاں یہ جانتا ہے کہ فریاد و نالہ و شیون کا منشا کسی محبوب اور مرغوب شغل میں پڑ جانا ہے۔ جیسے کبوتر میرے کلام سے متاثر ہوتے ہیں اور میں ان کی آواز سے یا یہ مطلب ہو کہ میری شکایت اور بیماری کے مضمون پر کسی دوسرے کو کوئی اطلاع نہیں۔

[3] یعنی شبلیؒ کا نفس کفر کے حال میں مرگیا۔ پس اللہ تعالےٰ اس پر رحمت نہ کرے۔ شبلیؒ نے اپنے نفس پر بد دعا کی، کیونکہ نفس ایسا مطمئن نہیں ہوتا کہ اس کی خواہش و ارادہ عقل کے تابع ہو، مگر بہت کم۔

تھی۔ سورج کو دیکھا کہ غروب ہونے والا ہے۔ فرمایا، نماز کا وقت ہے۔ لوگ اٹھے اور عصر کی نماز ادا کی۔ شبلی ہنسے اور کہا، کتنا اچھا کہا ہے جس نے کہا ہے۔

نَسِیْتُ الْیَوْمَ مِنْ عِشْقِیْ صَلَاتِیْ ۔۔۔ فَلَا اَدْرِیْ غَدَاتِیْ مِنْ عِشَائِیْ

فَذِکْرُکَ سَیِّدِیْ اَکْلِیْ وَشُرْبِیْ ۔۔۔ وَوَجْھُکَ اِنْ رَأَیْتُ شِفَآءُ دَائِیْ

ترجمہ: آج میں اپنے عشق کے غلبہ کی وجہ سے اپنی نماز کو بھول گیا۔ پس میں دن اور رات کو نہیں پہچانتا۔ پس اے میرے آقا تیری یاد میرا کھانا ہے اور میرا پینا ہے اور تیری صورت اگر دیکھ لوں تو میرے مرض کی شفا ہے۔

اس جماعت کے کسی درویش نے کہا کہ میں مدینہ کی مسجد میں شبلی کے حلقہ پر کھڑا تھا۔ ایک سائل وہاں پہنچا۔ وہ کہتا تھا۔ یا اللہ یا جَوَادُ۔ اے اللہ۔ اے بہت بخشنے والے۔ شبلیؒ نے آہ بھری اور کہا۔ میری کہاں طاقت ہے کہ حق سبحانہ وتعالےٰ کی سجدوں میں تعریف کروں۔ حالانکہ مخلوق، مخلوق کی تعریف میں کہتی ہے اور آدمی آدمی کی ثنا ہیں۔

تَعَوَّدَ بَسْطَ الْکَفِّ حَتّٰی لَوْ اَنَّہٗ ۔۔۔ اَرَادَ انْقِبَاضًا لَّمْ تُجِبْہُ اَنَامِلُہٗ

تَرَاہُ اِذَا مَا جِئْتَہٗ مُتَھَلِّلًا ۔۔۔ کَاَنَّکَ تُعْطِیْہِ الَّذِیْ اَنْتَ سَائِلُہٗ

وَلَوْ لَمْ یَکُنْ فِیْ کَفِّہٖ غَیْرُ رُوْحِہٖ ۔۔۔ لَجَادَ بِھَا فَلْیَتَّقِ اللہَ اٰمِلُہٗ

ھُوَ الْبَحْرُ مِنْ اَیِّ النَّوَاحِیْ اَتَیْتَہٗ ۔۔۔ فَلُجَّتُہُ الْمَعْرُوْفُ وَالْجُوْدُ سَاحِلُہٗ

۱۔ وہ ہاتھ کھلے رکھنے کا ایسا خوگر (عادی) ہو گیا کہ اگر وہ ہاتھ بند کرے اس کی انگلیاں اس کی نہیں مانتی۔ یعنی انکار کر دیتی ہیں اور مٹھی بند نہیں ہوتی۔

۲۔ جب تو اس سے مانگنے کے لیے آتا ہے تو اس کو دیکھتا ہے کہ اس کا چہرہ کھِلا ہوا ہے گویا کہ تو اس کو وہ دے رہا ہے جو تو اس سے مانگتا ہے۔

۳۔ اگر نہ ہو اس کے ہاتھ میں اس کی جان کے سوا تو وہ اس کو بھی دے ڈالے۔ جب اس کے پاس مانگنے والا آئے۔ پس چاہیئے کہ اس سے مانگنے والا ایسے وقت میں اللہ سے ڈرے اور اس حال میں اس سے کچھ نہ مانگے۔

۴۔ وہ سمندر ہے۔ تو جس طرف سے بھی اس کے پاس آئے۔ اس کا فیضان پہنچے گا[۱]۔ پس اس کی موجیں عطیات ہیں[۲]

---

[۱] وہ سمندر ہے کہ جس طرف سے تو اس کے پاس آوے یعنی اس کے انعامات ایک جہت اور ایک طریقہ میں منحصر نہیں، بلکہ وہ ہر جانب سے دیتا ہے اور جب وہ سمندر ہے۔ سمندر کے لیے موجیں اور ساحل ہوتا ہے۔

[۲] یعنی یہ کہتا ہے کہ اس کی موج اس کی عطا ہے اور ساحل جس کے ساتھ آدمی منتفع ہوتا ہے۔ وہ اس کی بخشش ہے۔ اس کی موجیں عطیات ہیں اور ساحل بخشش ہیں۔

ہیں اور بخشش ساحل ہے۔

حضرت شبلیؒ یہ اشعار پڑھ کر رو پڑے اور کہا، یَا جَوَّادُ فَإِنَّكَ أَوْجَدْتَ تِلْكَ الْجَوَارِحَ وَبَسَطْتَ تِلْكَ الْهِمَمَ ثُمَّ مَنَنْتَ بَعْدَ ذَالِكَ عَلَى أَقْوَامٍ بِالْاِسْتِغْنَاءِ عَنْهُمْ وَعَمَّا فِي أَيْدِيهِمْ بِكَ فَإِنَّكَ الْجَوَادُ كُلُّ الْجَوَادِ فَإِنَّهُمْ يُعْطُونَ عَنْ مَحْدُودٍ وَعَطَاءُكَ لَا حَدَّ لَهُ وَلَا صِفَةَ فَيَا جَوَادًا يَعْلُو كُلَّ جَوَادٍ وَبِهِ جَادَ مَنْ جَادَ۔ ہاں اے جود و کرم والے، ساری مخلوق کو سب کچھ اور بے حساب دینے والے، ہاں تُو نے ہی وجود بخشا اعضاء کو تُو نے ہی فراخ کیا اِن ہمتوں کو۔ پھر اس کے بعد تُو نے احسان کیا کچھ لوگوں پر کہ وہ تیرے ساتھ غنی بن گئے۔ بایں طور کہ وہ بے پرواہ ہو گئے مخلوق سے بھی اور اس چیز سے بھی جو ان کے ہاتھوں میں ہے یا ان کے اختیار میں ہے۔ پس بے شک تُو ہے وہ کریم جو بخشنے والا ہے۔ ہر سخاوت کو یعنی ہر سخی کو سخاوت کی صفت دینے والا بھی تُو ہے۔ اور جس چیز کی کوئی سخاوت کرے اس کا بھی تو دینے والا ہے۔ بیشک لوگ دیتے ہیں محدود سے۔ ان کا دینا محدود ہے یعنی اس کی حد اور انتہا ہے اور تیری عطاء اور تیری بخشش کی نہ کوئی حد ہے اور نہ انتہا۔ نہ کوئی صفت ہے نہ بیان۔ نہ بتائی جا سکتی ہے نہ گنائی۔ پس تُو ہے سخاوت کرنیوالا اور اے جود و کرم کے دریا بہانیوالے تُو سب سخاوت کرنیوالوں پر بلند بھی ہے اور غالب بھی اور اسکی صفت سخاوت کے ساتھ سخاوت کی جس نے سخاوت کی اور اس کے ہی دیئے ہوئے میں سے دیا جس نے دیا۔

اور حضرت شبلیؒ نے حق تعالیٰ کے قول، "قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ" کی تفسیر میں فرمایا، تو کہہ مومنوں کے واسطے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں سروں کی آنکھوں کو حرام کے دیکھنے سے۔ دلوں کی آنکھوں کو ماسوائے اللہ کے دیکھنے سے یعنی کہو اے محمد! ایمان والوں کو اگر تو کہے گا تیری بات قبول کریں گے کہ اپنے سروں کی آنکھوں کو حرام سے اور چشمِ دل کو اغیار سے بند رکھیں۔

کہتے ہیں، شبلیؒ نے سُنا کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا تھا، اَلْخِيَارُ عَشَرَةٌ[1] بِدَانِقٍ۔ دس خیار ایک چھدام میں۔ تو انھوں نے فریاد کی اور کہا، "إِذَا كَانَ الْخِيَارُ عَشَرَةً بِدَانِقٍ فَكَيْفَ الشِّرَارُ۔ یعنی جب دس نیک آدمی ایک دانق (چھدام) میں فروخت ہوں تو بُروں یعنی ہمارا کیا حال ہوگا" حضرت شبلیؒ نے فرمایا، ایک زمانہ میں میں نے ایک

[1] اَلْخِيَارُ۔ ککڑی اور کھیرے کو کہتے ہیں۔ آواز لگانے والا کھیرے ککڑی بیچ رہا تھا۔ اور عربی میں خیار نیک آدمی کو بھی کہتے ہیں۔

عہد کیا کہ حلال چیز کے سوا دوسری چیز نہ کھاؤں گا۔ جنگلوں میں گھوم رہا تھا کہ ایک انجیر کے درخت پر پہنچا۔ اس کے پھل پکے تھے۔ ہاتھ بڑھایا، تا کہ انجیر کھاؤں۔ درخت سے آواز آئی، اپنا عہد یاد رکھ مجھ سے نہ کھا۔ میں یہودی کی ملک ہوں۔"

لوگوں نے شبلیؒ سے پوچھا، "سب سے زیادہ تعجب والی کیا چیز ہے؟" فرمایا، دل کہ خدا را بشناسد و در وے عاصی شود۔ (وہ دل جو اپنے خدا کو پہچانتا ہو اور پھر بھی اس میں عاصی اور نافرمان ہوتا ہو۔)

بکیرہ دینوری حضرت شبلی کے خادم نے یہ فرمایا، کہ حضرت شبلی نے اپنی وفات کے وقت کہا کہ میرے ذمہ کسی کا ایک درہم رہ گیا تھا۔ میں اس کے عوض کئی ہزار درہم اس (درہم والے) کے ثواب کے واسطے دے چکا ہوں مگر اب بھی مجھ پر اس سے بڑھ کر کوئی فکر اور بوجھ نہیں اور اس ایک درہم کا فکر مجھے پریشان کیے ہوئے ہے۔ اور بکیرہ نے یہ بھی کہا۔ اس بیماری میں مجھے شبلیؒ نے فرمایا، "مجھے وضو کرا" میں وضو کرانے میں ان کی داڑھی کا خلال کرانا بھول گیا۔ حضرت شبلی کی زبان بند ہو چکی تھی۔ مگر اس حال میں انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنی داڑھی میں اس سے خلال کرایا اور اسی وقت وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کسی بزرگ نے حضرت شبلیؒ کا یہ واقعہ سنا تو فرمایا، اس بہادر مرد کے بارہ میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ جس کی عمر کے آخری حصہ میں بھی شریعت کے آداب اور مستحبات میں سے ایک مستحب بھی نہ چھوٹا ہو۔"

بکیرہ کہتے ہیں کہ شبلی کو جمعہ کے دن اس بیماری سے افاقہ ہوا تو فرمایا، "جامع مسجد جاؤں گا۔ میرا سہارا لیا اور چل پڑے۔ ایک آدمی راستہ میں نظر آیا تو فرمایا، بکیرہ! میں نے کہا، "لبیک" فرمایا، کل ہمیں اس آدمی سے کام پڑے گا۔" ہم جامع مسجد گئے نماز پڑھی اور واپس آتے۔ اسی رات وفات پا گئے۔ لوگوں نے کہا، فلاں موضع میں ایک دیندار آدمی ہے جو مردوں کو غسل دیتا ہے۔ سحری کے وقت میں اس کے گھر پہنچا۔ آہستہ آہستہ اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے السلام علیکم کہا، اندر سے اس آدمی نے پوچھا، "شبلی فوت ہو گئے؟" میں نے کہا جی ہاں۔" اس کے بعد وہ باہر آیا۔ میں نے دیکھا وہی مرد تھا جو مسجد کو جاتے ہوئے جمعہ کے دن ملا تھا۔ میں نے حیران ہو کر پڑھا، "لا الٰہ الا اللہ۔" اس نے کہا، تعجب کس بات پر کرتا ہے۔ میں نے واقعہ سنایا۔ اس کے بعد میں نے قسم دے کر پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ شبلی مر گئے ہیں؟ اس نے کہا، "او نادان! میں شبلی کی اس بات سے سمجھ گیا تھا جو اس نے کہی تھی کہ کل اس سے میرا واسطہ پڑے گا۔

۱۸۲ حضرۃ ابوبکر یزدانیار ارموی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ارمیہ کے رہنے والے اور صوفیاء کے چوتھے طبقہ سے تھے۔ تصوف میں ان کا اپنا ایک طریقہ ہے۔ بعض مشائخ مثلاً حضرت شبلی وغیرہ نے ان پر انکار کیا ہے اور بعض مشائخ عراق ان کے اقوال پر انکار[1] کرتے تھے۔

[1] یعنی ان کے اقوال کی تردید کرتے تھے۔

علومِ ظاہر، علوم معاملات و معارف کے عالم تھے۔ حضرت ابوبکرؒ نے فرمایا، اَلْمَلٰئِکَةُ حُرَّاسُ السَّمَاءِ وَاَصْحَابُ الْحَدِیْثِ حُرَّاسُ السُّنَّةِ وَالصُّوْفِیَّةُ حُرَّاسُ اللّٰہِ۔ —— فرشتے آسمان کے پاسبان ہیں اور اصحابُ الحدیث سنّت کے پاسبان اور صوفیار اللہ تعالیٰ کے پاسبان ہیں[1]۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوالعباس نہاوندی نے ایک دن صبح کی نماز کے بعد سب صوفیوں کو سوتا ہوا دیکھا تو فرمایا، "ہمہ بخسپند کراو بکوشد"۔ سب سوتے ہیں تو پھر کون کوشش کرے گا[2]۔ حضرت ابوبکرؒ نے یہ بھی فرمایا، لوگ مجھے دیکھتے ہیں کہ میں صوفیوں پر اعتراض کرتا ہوں۔ واللہ میں صوفیوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا، مگر ان پر غیرت کی وجہ سے کہتا ہوں کہ یہ لوگ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے راز نااہلوں سے کہہ دیتے ہیں۔ ورنہ یہ لوگ جہاں والوں کے سردار ہیں اور ان کی محبت کے ساتھ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی جناب میں قرب تلاش کرتا ہوں۔ ان کی محبت کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ سمجھتا ہوں۔ اور فرمایا۔ اَلْمَعْرِفَةُ تَحَقُّقُ الْقَلْبِ بِوَحْدَانِیَّةِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ دل کا ثابت اور پختہ ہو جانا معرفت ہے[3]۔ اور فرمایا، اَلْمَحَبَّةُ اَصْلُھَا الْمُوَافَقَةُ وَالْمُحِبُّ ھُوَ الَّذِیْ یُؤْثِرُ رِضَی مَحْبُوْبِهٖ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ۔ محبت کی اصل موافقت ہے اور محبت کرنے والا وہ ہے جو اپنے محبوب کی رضار کو ہر چیز پر مقدم رکھے[4]۔ اور فرمایا، مَنِ اسْتَغْفَرَ وَھُوَ مُلَازِمٌ لِلذَّنْبِ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْهِ التَّوْبَةَ وَالْاِنَابَةَ اِلَیْهِ۔ جو شخص استغفار کرتا ہوا اور اس حال میں گناہوں کو نہ چھوڑتا ہو[5]۔ اللہ تعالیٰ اس پر توبہ حرام کر دے گا اور اپنی طرف متوجہ ہونے کی توفیق سے محروم رکھے گا[6]۔

---

[1] فرشتے آسمان کے نگہبان ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ آسمانی احکام کو ان کے مواقع میں پہنچاتے ہیں اور محدثین سنّت کے پاسبان ہیں یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر آپ کے افعال و اقوال کے نگہبان ہیں کہ انہیں تحریف اور تبدیلی سے محفوظ رکھتے ہیں اور صوفیار خدا تعالیٰ کے پاسباں ہیں کہ وہ ہر وقت اس کو دیکھنے والے ہیں اور مخلوق کے درمیان اللہ کے اخلاق کے حامل ہیں۔

[2] یعنی اس کے حکم کے بجالانے میں اور اس کی محبت اور دوستی میں کون کوشش کریگا۔ کیا جو کچھ تم کرتے ہو یہ تمہارے لیے کافی ہے؟ اور تمہیں زیادہ عمل کی ضرورت نہیں۔ [3] یعنی اللہ کی وحدانیت دل میں بیٹھ جانے کو معرفت کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا تصور دل میں کرنے اس کی تصدیق کرنے میں حق سبحانہٗ کے غیر سے دل کے فارغ کر لینے کو معرفت کہتے ہیں۔

[4] محبت کی علامت یہ ہے کہ خود کو محبوب کے کہنے کے مطابق بنالے اور محبّ وہ شخص ہے جو محبوب کی رضار کو ہر چیز کے مقابلہ میں مقدم رکھے۔

[5] یعنی توبہ بھی کرتا ہو اور بدستور گناہ بھی کرتا ہو۔

[6] اللہ کی مخالفت سے موافقت کی طرف رجوع کرنا توبہ ہے۔ اور مخلوق سے منہ موڑ کر خالق کی طرف رجوع کرنا انابت ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، ابوبکر یزدانیار رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، عرض کیا، خداوند ایک ضرورت رکھتا ہوں۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "اس سے بہتر تو کیا چیز چاہتا ہے جو میں نے تجھے دی ہے کہ صوفیوں کے دست بند سے میں نے تجھے آزادی بخشی ہے۔" شیخ الاسلام نے فرمایا، "میں نے دیکھا ہے، ایک جانب سے لوگوں نے پوچھا، "دست بند صوفیہ کیا ہے؟" فرمایا، اَلْحَالُ الْمَحَالُ وَالْاِشَارَاتُ الْبَاطِلَةُ۔ وہ حال جو واقع میں نہ ہو اور اشاراتِ باطلہ ہیں[1]۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، اور صوفیوں کے یہاں ان کے انکار کا بڑا قصہ ہے اور اس میں اشکال ہے۔ یہ بزرگ مرد تھا، لیکن ظاہر میں اس کا حال مشتبہ تھا اور باطن میں صاحبِ حقیقت تھا۔

۱۸۳۔ حضرت ابوبکر صیدلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

اس گروہ کے اجلہ مشائخ سے ہوئے ہیں۔ شبلی بھی ان کا احترام کرتے اور بزرگ سمجھتے تھے۔ فارس کے رہنے والے تھے۔ نیشاپور میں وفات پائی۔ حضرت ابوبکرؒ نے فرمایا، صحبت صرف حق تعالیٰ کے ساتھ رکھو اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اس شخص کی صحبت اختیار کرو جو حق سبحانہ وتعالیٰ کا صحبت دار ہو۔ تاکہ خدا تعالیٰ اس کی صحبت کی برکت سے تمہیں بھی اپنے تک رسائی دے دے۔"

اور فرمایا، "عقل مند وہ ہے جو بقدرِ ضرورت بات کرے اور جو ضرورت سے زیادہ ہو اس سے دستبردار ہو جائے۔"

فرمایا، "حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ بیٹھو اور مخلوق کے ساتھ کم۔" ان کے ایک مرید نے بیان کیا کہ حضرت کے انتقال کے بعد میں نے ان کی قبر پر ان کے نام کی تختی لگادی۔ کسی نے اسے خراب کر دیا۔ میں نے دوسری مرتبہ درست کر دیا۔ کسی نے پھر خراب کر دیا۔ غرضیکہ میں نے کئی مرتبہ ایسا کیا، اور ہر مرتبہ اسے خراب کر دیا جاتا تھا۔ میں اس جستجو میں رہا کہ کون ایسا کرتا ہے۔ مگر کوئی آدمی ان کی قبر پر آتا نہیں دیکھا۔ آخر میں نے اس بھید کے متعلق ابو علی دقاقؒ سے پوچھا، انہوں نے فرمایا، "اس مرد آدمی نے دنیا میں گمنامی اختیار کی تھی اور اللہ تعالیٰ بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ گمنام رہے، مگر تو چاہتا ہے کہ اس کو مشہور کرے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کے نام کی تختی اُن کی قبر پر قائم رہے۔

۱۸۴۔ حضرت ابوبکر الخبّاز البغدادی رحمۃ اللہ علیہ

جُریری کے اُستادوں میں سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، "اَلْعِيَالُ عُقُوْبَةُ تَنْفِيْذِ شَهْوَاتِ الْحَلَالِ۔" اولاد حلال خواہشات پوری کرنے کی سزا ہے[2]۔ پھر کیا حال ہوگا جبکہ حرام خواہش پوری کرے۔

---

[1] یعنی اشاراتِ باطلہ سے مراد ان کی صوفیانہ باتیں ہیں جو وہ باطن کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ اور وہ بے مغز اور بے حقیقت ہوں۔ ان کے حال کے مطابق نہ ہوں۔

[2] یعنی آدمی کا بال بچوں کے شکنجہ میں گرفتار ہونا حلال خواہش کا پورا کرنا ہے۔

۱۸۵۔ حضرت ابوبکر بن طاہر الابہری رحمۃ اللہ تعالیٰ

وفات ۳۳۰ھ۔ ان کا نام عبداللہ بن طاہر بن الحارث الطائی ہے۔ ہمدان کے پہاڑ کے مشائخ میں اونچے درجہ کے شیخ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اقران سے تھے۔ عالم اور پرہیزگار تھے۔ یوسف ابن الحسین کے صحبت یافتہ تھے۔ مظفر کرمانشاہی کے رفیق تھے۔

شیخ مہلب مصری[1] کہتے ہیں کہ میں نے مشائخ کی صحبت اختیار کی۔ مجھے ان کی صحبت سے اتنا نفع نہیں ہوا جتنا کہ شیخ ابوبکر طاہر کی صحبت سے۔ "شیخ ابوبکر طاہر نے فرمایا، "اَلْجَمْعُ جَمْعُ الْمُتَفَرِّقَاتِ وَالتَّفْرِقَۃُ تَفْرِقَۃُ الْمَجْمُوْعَاتِ فَاِذَا جُمِعْتَ قُلْتَ اللّٰہَ وَاِذَا فُرِّقْتَ نَظَرْتَ اِلَی الْکَوْنِ۔" متفرقات کو ایک کرنا جمع ہے اور مجموعات کا متفرق اور علیحدہ کرنا تفرقہ ہے۔ پس جب تو جمع کے مقام میں ہوگا تو تُو اللہ کہے گا اور جب تُو تفرقہ کے مقام میں ہوگا تو تُو مخلوق کو دیکھے گا۔[2]

انہوں نے فرمایا، "میں نے ایک آدمی کو دیکھا، کعبہ کو رخصت کر رہا تھا اور دیکھتا تھا۔ اور یہ شعر پڑھتا تھا۔

اَلَا رُبَّ مَنْ یَدْنُوْ وَیَزْعَمُ اَنَّہٗ ‖ یُحِبُّکَ وَالنَّائِیْ اَوَدُّ وَاَقْرَبُ

یاد رکھو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ آدمی جو ظاہر میں قریب رہتا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ وہ تجھ سے محبت کرتا ہے اور حال یہ ہے کہ جو شخص دُور رہنے والا ہے وہ تم سے زیادہ محبت کرتا ہے اور دل کے اعتبار سے وہ تمہارے زیادہ قریب ہے۔[3]

ایک دن ابو طاہرؒ بزاز کی دکان کے سامنے سے گزرے۔ بزاز کا لڑکا ان کا دوست تھا۔ جب اس نے شیخؒ کو دیکھا تو دکان سے اٹھا اور شیخ کے پیچھے ہولیا۔ بزاز آیا۔ دکان پر بیٹے کو نہ پایا۔ غصہ میں بھڑک گیا اور بیٹے کے پیچھے گیا۔ لڑکا اسے مل گیا اور تھوڑی دیر پیچ و تاب کھایا۔ اس کے بعد شیخ ابوبکر نے خود اس لڑکے کو دکان پر بھیج دیا۔ شیخ ابوبکر ساری رات اس وجہ سے

---

[1] یہ مہلب ابنِ احمد بن مرزوق ہیں۔ [2] یعنی جمع اور جمعیت کا مطلب یہ ہے کہ خیالات اور سوچ میں تمام متفرقات سے جُدا ہو کر محض ایک یعنی حق سبحانہٗ کے ساتھ جُڑ جائے اور تفرقہ کے معنی باعتبارِ خیال اور سوچ کو بہت بنانا۔ جب جمعیت موجود ہو گی اور جمع کا مقام حاصل ہوگا، تو زبانِ دل سے کہے گا اللہ، یعنی کہ تُو اس کا دیکھنے والا ہوگا۔ اور سوا سے غافل ہو جائے گا۔ یعنی اس سے بے پرواہی کے باعث اسے بھول جائے گا۔ اور جب تفرقہ موجود ہوگا تو کہے گا فلاں۔ پس اس صورت میں تُو مخلوق کو دیکھنے والا ہوگا اور حق سبحانہٗ سے غافل ہوگا۔ یعنی بے پرواہی کے باعث تو اللہ کو بھول جائے گا۔

[3] مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جسم کے اعتبار سے نزدیک رہنے والا محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر حقیقت کے اعتبار سے دور رہنے والا اس سے زیادہ قریب بھی ہے اور اس سے زیادہ محبت کرنے والا بھی۔ پس ظاہر میں دُور رہنے والے کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا چاہیئے۔

رنج کرتے رہے۔ دوسرے دن اس بزاز کے گھر گئے۔ اور اپنی ایک لونڈی جوان کی ملکیت تھی اپنے ساتھ لے گئے۔ بزاز کو باہر بلایا اور کہا، "کل ساری رات میں پریشان رہا، میں دنیا کے مال سے صرف یہ باندی رکھتا ہوں۔ اگر تو اس تکلیف کے کفارہ میں اسے قبول کرے تو تجھے یہ دیدوں اور اگر قبول نہ کرے تو میں نے اسے آزاد کر دیا۔" وہ آدمی اس شیخ کے پاؤں پر گر گیا اور کہا، "شیخ! جرم تو میں نے کیا ہے، معذرت آپ چاہتے ہیں؟" شیخ نے کہا، "درست ہے کہ جرم تو تُو نے کیا ہے مگر وہ (اللہ) مجھے مارتے ہیں[1]۔"

لوگوں نے شیخ ابوبکر سے پوچھا، حقیقت کیا ہے؟ فرمایا، وہ سب کا سب علم ہے[2]۔ ان سے پوچھا، علم کیا ہے؟ فرمایا، "وہ سب کا سب حقیقت ہے۔"

۱۸۶۔ حضرت ابوبکر بن ابی سعدان قدس سرہٗ

ان کا نام احمد بن محمد بن ابی سعدان ہے۔ چوتھے طبقہ سے ہیں۔ بغداد کے رہنے والے اور اصحاب جنید سے ہیں۔ رُوذباری کے ہم زمانہ ہیں۔ اپنے زمانہ کے مشائخ میں اس گروہ کے علوم کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ ابوالحسن صدیق اور ابوالعباس فرغانی نے فرمایا، اس زمانہ میں اس طبقہ میں سے صرف دو آدمی رہ گئے ہیں۔ مصر میں ابوعلی رودباریؒ اور عراق میں ابوبکر بن ابی سعدان۔ لیکن ابوبکر، ابوعلی سے زیادہ پانے والا اور علم والا ہے۔

حضرت ابوبکرؒ نے فرمایا، ہر کہ با صوفیاں صحبت وارد باید کہ وے را نفس نہ بود و دل نہ بود و ملک نہ بود و چون بچیزی نگرد و از اسباب از بلوغ بمقصود خود بلفتد و بآن نرسد۔ ترجمہ: جو صوفیوں کی صحبت اختیار کرے چاہیئے کہ نہ اس کا نفس رہے نہ دل رہے اور نہ ملک رہے اور جب وہ اسباب میں سے کسی چیز کی طرف دیکھے گا تو اپنے مقصد پر پہنچنے سے قاصر رہے گا[3]۔

اور فرمایا، مَنْ لَمْ یَتَطَرَّفْ فِی التَّصَوُّفِ فَھُوَ غَبِیٌّ اَیْ جَاھِلٌ۔ ترجمہ: جو شخص تصوف میں نئی بات اور عجیب چیز نہیں کہتا وہ غبی ہے یعنی نادان ہے[4]۔

---

[1] یعنی تمہارے رنج کے سبب وہ مجھے مارتے ہیں۔ [2] یعنی حقیقت اور علم ایک ہیں۔

[3] مطلب یہ کہ نفس نہ رہے یعنی اس کی خواہش اور چاہت نہ رہے اور دل نہ رہے کہ اس کی آرزوئیں اور تمنائیں نہ رہیں۔ جو اس طائفہ کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔ اور ملک نہ رہے کہ کسی چیز کو اپنی طرف منسوب نہ جانے یعنی اپنی نہ جانے اور اپنی طرف سے نہ جانے، بلکہ ہر چیز کو اللہ کی جانے اور اللہ کی طرف سے سمجھے۔ [4] کہتے ہیں شیخ محی الدین قدس سرہٗ اپنے اصحاب سے تازہ باتیں طلب فرماتے تھے اور کہتے تھے، سوکھے ہوئے گوشت کا ٹکڑا نہ لاؤ تازہ لاؤ۔

شیخ ابو عبداللہ خفیفؒ نے کہا، رویم نے بغداد میں عید کی نماز کے بعد مجھے کہا، "ابن ابی سعدان کو پہچانتا ہے؟" میں نے کہا، "جی ہاں"۔ فرمایا، جا اسے کہہ آج ہمیں اپنی مجالست اور موانست سے جلدی مشرف کر[۱]۔ میں گیا اور انہیں گھر میں پایا کہ وہ دروازہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وہاں ایک پرانے بوریا کے ٹکڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جس پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے پیغام پہنچایا تو کہا کہ، اس دستر خوان کو لے اور جو آدمی باہر ہے اسے دے کہ وہ کھانے کی چیز لاوے۔ میں نے کہا، "آیا ابورویم کی دعوت قبول نہیں کرتے؟" فرمایا "کیوں نہیں"۔ لیکن حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ولیمہ کی دعوت پر بلایا گیا۔ آپ نے فرمایا، "قُمْ بِنَا يَا عَلِيُّ إِلَى الْبَيْتِ نَأْكُلُ كِسْرَةً نَحْنُ مَوَاكَلْنَا مَعَ النَّاسِ۔ ترجمہ: علی! چلو گھر چلیں، کچھ سوکھے ہوئے ٹکڑے کھا آویں تاکہ ہمارا لوگوں کے ساتھ کھانا اچھا ہو[۲]۔ میں نے دستر خوان اٹھایا اور اس شخص کو دے دیا۔ تین روٹیاں اور کامخ (چٹنی۔ اچار) لایا۔ ہم نے کھایا اور چل پڑے۔ حضرت ابوبکر بن ابی سعدان نے فرمایا، اَلصُّوْفِيُّ هُوَ الْخَارِجُ عَنِ النُّعُوْتِ وَالرُّسُوْمِ وَالْفَقِيْرُ هُوَ فَاقِدُ الْاَسْبَابِ فَفَقْدُ السَّبَبِ اَوْجَبَ لَهُ اِسْمَ الْفَقْرِ وَسَهَّلَ لَهُ الطَّرِيْقَ اِلَى الْمُسَبِّبِ۔ صوفی وہ ہے جو احوال و آثار کی تاثیر و تصرف سے باہر نکل گیا ہو۔ وہ جس حال میں ہے احوال و آثار اس حال سے اس کو باہر نہ نکالیں اور فقیر وہ ہے جو کہ اسباب سے دست بردار ہو جائے، کیونکہ اسباب چھوڑ دینا فقیر کے نام کا موجب ہے۔ تاکہ وہ آسانی سے اسباب کے مسبب تک پہنچ جائے[۳]۔

طبقات الصوفیہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اَلشُّكْرُ اَنْ تَشْكُرَ عَلَى الْبَلَاءِ شُكْرَهُ عَلَى النَّعْمَاءِ۔ ترجمہ: شکر کی حقیقت یہ ہے کہ بلاء و مصیبت پر ایسا شکر کرے جیسا کہ وہ نعمت پر شکر کرتا ہے۔ اور فرمایا، اَلْاِنْقِطَاعُ مِنَ الْاَحْوَالِ سَبَبُ الْوُصُوْلِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔ ترجمہ: حالات سے منقطع ہو جانا اللہ تعالیٰ کی طرف وصول کا سبب ہے۔ (طبقات الصوفیہ ص ۴۲۱)

۱۸۷۔ حضرت ابوبکر عطوفی رحمۃ اللہ علیہ

ان کا نام محمد بن علی بن الحسین بن وہب العطوفی ہے۔ وفات ۳۴۵ھ رملہ میں ہوئی۔ حضرت جنیدؒ کے مرید ہیں۔ یہ کہتے ہیں میرے استاد جنیدؒ نے فرمایا، "اگر کسی کو دیکھے کہ وہ اس گروہ (صوفیاء) پر یقین رکھتا ہے اور ان باتوں کو قبول کرتا ہے تمہارے ذمہ ہے کہ اس سے

---

[۱] یعنی اپنی ہمنشینی اور محبت سے جلد مشرف فرما۔ [۲] یعنی دعوت میں ہمارا کھانا حرص و طمع کی صورت اختیار نہ کرے۔

[۳] یعنی اسباب کو مسبب کی صفت دے، کیونکہ اسباب کی یہ صفت بذاتِ خود نہیں، بلکہ اللہ کے حکم و مشیت سے ہے اور یہی حکما کا مذہب ہے۔

کہوکہ وہ مجھے دعا میں یاد رکھے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، "حلّاج اپنی کتاب عین الجمع کے آخر میں فرماتے ہیں، جو کوئی ہماری ان باتوں پر یقین رکھے اور ان سے ذوق اور دلچسپی رکھے اسے میری طرف سے سلام کرو۔" شیخ عمو رح نے کہا کہ شیخ سیروانی رح نے فرمایا، "اگر پاؤں رکھتے ہو تو اس شخص کی زیارت کے لیے خراسان جاؤ جو ہمیں دوست رکھتا ہے۔"

شیخ عباس رح نے فرمایا کہ شیخ سیروانی نے فرمایا، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں، اس شخص کے ساتھ نیکی کرو جو اس جماعت سے محبت رکھتا ہو۔

۱۸۸۔ حضرۃ ابوبکر سکاک رحمہ اللہ تعالےٰ

حضرت سکاک رح نے فرمایا:۔ مشتاق بد رمرگ لذت بیش ازاں یابد کہ زندہ از شربت شہد (جو اللہ کا عاشق و مشتاق ہوتا ہے وہ مرنے کے وقت اس سے زیادہ لذت پاتا ہے جو لذّت کہ زندہ آدمی شہد کے شربت سے پاتا ہے)

شیخ الاسلام نے فرمایا:

"بآں خدائے کہ جز وے خدائے نیست کہ بندۂ نیک بخت راہرگز روزے نیاید نیکوتر باراحت تر وخوش تر ازاں روزے کہ عزرائیل بوے آید وگوید مترس بارحم الراحمین می شوی و باوطن خود میرسی و لبید مہین می روی۔

قسم ہے اس خدائے پاک کی جس کے سوا دوسرا کوئی خدا نہیں نیک بخت آدمی کے لیے ہرگز اس دن سے زیادہ اچھا اور زیادہ راحت والا اور زیادہ خوشی والا کوئی دن نہیں آتا جس دن عزرائیل اس کے پاس آوے اور کہے مت ڈر اکہ تو ارحم الراحمین کے ساتھ رہے گا اور اپنے وطن میں پہنچ جائے گا اور بڑی خوشی میں جائے گا اور یہ جہان پڑاؤ ہے اور مومن کا قید خانہ ہے۔ یہاں چند دن رہنا ہے۔ یہ بہانہ اور فریب ہے۔ ایک بار گی اس بہانہ اور فریب کو دور کر دے گا اور حقیقت کا دروازہ کھل جائے گا اور آدمی ابدی زندگی میں پہنچ جائے گا۔

مَوْتُ التَّقِيِّ حَيَاةٌ لَا انْقِطَاعَ لَهَا　　قَدْ مَاتَ قَوْمٌ وَهُمْ فِي النَّاسِ أَحْيَاءُ[ل]

متقی و پرہیز گار کی موت ایسی زندگی ہے جس کے لیے انقطاع نہیں۔ ایک جماعت ہے جو مر چکی ہے اور وہ لوگوں میں زندہ ہیں۔

[ل] یعنی حظوظِ نفسانیہ اور لذتوں کے چھوڑ دینے کے ساتھ متقی کا مر جانا موت اختیاری ہے۔ متقی کی یہ موت اختیاری ایسی حیات اور لذتوں کو مستلزم ہے جن کے لیے انقطاع نہیں بلکہ دائمی ہیں اور تقویٰ والے حضرات اپنی موت اختیاری کے ساتھ مرے ہوئے ہیں، مگر لوگوں میں زندوں کی صورت رکھتے ہیں اور مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قوم سے مُراد اہلِ غفلت ہوں جو پرہیز گاروں کے مقابل ہیں اور مراد ان کی موت سے غفلت ہو یعنی ایسے لوگ ہیں جو غفلت کے غلبہ کے سبب مُردوں کے حکم میں ہیں لیکن لوگوں کے درمیان وہ زندہ معلوم ہوتے ہیں۔

۱۸۹۔ حضرت ابوبکر سقار رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ کشتی میں سوار تھا۔ طوفان اٹھا۔ دریا میں طغیانی آئی۔ مخلوق دُعا اور فریاد کرنے لگی۔ کشتی میں ایک درویش گدڑی میں سر لپیٹے بیٹھا ہوا تھا۔ لوگ اس کے پاس گئے اور کہا، دیوانے مخلوق دُعا وزاری میں ہے تو بھی کچھ کہہ۔ اس نے سر گدڑی سے باہر نکالا اور بیت کا آدھا حصّہ کہا، عَجِبْتُ بِقَلْبِکَ کَیْفَ الْقَلْبُ[1] یہ کہہ کر پھر اپنا سر گدڑی میں کر لیا۔ لوگوں نے کہا عجب بے وقوف ہے اس کو کہتے ہیں دعا کرو یہ بیت پڑھتا ہے، اس نے پھر سر نکالا اور بیت کا دوسرا مصرعہ پڑھا، وَشِدَّتُ حُبّکَ لِی لَمْ ذَھَبَ[2]۔ پس سخت ہوا (یعنی طوفان کی شدت کم ہوگئی۔ لوگوں نے کہا، "ارے کچھ اور کہہ"۔ اس نے یہ شعر پڑھا ؎

وَاَعْجَبُ مِنْ ذَاوَذَا اَنَّنِی   اَرَاکَ بعین. الرِّضَا فِی الْغَضَبْ

ترجمہ:۔ اور اس سے زیادہ تعجب اس پر ہے کہ میں تجھے غصّہ کے حال میں بھی رضا اور خوشی کی آنکھ سے دیکھتا ہوں یعنی غصّہ کے عین وقت میں بھی تجھ سے خوش ہوں۔

گدڑی پوش نے جب یہ شعر پڑھا تو دریا کی موج نے آرام پکڑا اور ہوا ٹھہر گئی۔ تلاطم میں سکون ہوا۔ طوفان کی شورش اور اس کا زور ختم ہوگیا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا۔ اس نے دو بیت کہے ہیں میں نے اس کا تیسرا شعر بھی دوسری جگہ دیکھا ہے اور وہ یہ ہے۔

فَاَنْ جُدْتَ فِی الْوُصْلِ اَحْیَیْتَنِی   وَاِلَّا فَھٰذَا الطَّرِیْقُ الْعَطَبْ

ترجمہ: پس اگر تو اپنے وصل کی نعمت سے مجھ پر کرم کر دے تو تُو مجھے زندہ کر دے گا اگر ایسا نہیں کرے گا تو یہ راہ تباہی کی راہ ہے۔

۱۹۰۔ حضرت ابوبکر الدُّقی رحمۃ اللہ علیہ وقدس اللہ سرّہٗ

وفات ۳۵۹ھ۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام محمد بن داود دمشقی ہے کہتے ہیں اصل میں دینور کے تھے۔ شام میں بیٹھ گئے۔ ان کی عمر ۱۲۰ سال ہوئی۔ ابوعلی رودباری وغیرہ کے ہم عصر تھے۔ ابن جلاؒ کے صحبت دار تھے اور ان سے نسبت رکھتے تھے اور زقاق کبیر کے مرید جنید کے دیکھنے والے تھے۔ ابوبکر مصری کے بھی صحبت یافتہ تھے۔ مجرّدِ جہاں تھے اور مشائخ وقت میں بڑے درجہ کے شیخ اور حالات میں نیک تر تھے۔ شیخ الاسلام نے کہا کہ ابوعبداللہ باکو نے کہا کہ دُقیؒ کے غلام نے کہا کہ دُقیؒ نے فرمایا، "اَلْعَافِیَۃُ وَالتَّصَوُّفُ لَا یَکُوْنُ"۔ تصوف عافیت و آرام کے ساتھ جمع نہ ہوگا، بلکہ تصوّف کے لیے ابتلاء و آزمائش لازم ہے۔ حصریؒ نے کہا، مَا لِلصُّوْفِیْ وَالْعَافِیَۃُ۔ صوفی کا عافیت و

[1] عاشق محبوب سے کہہ رہا ہے کہ مجھے تیرے دل پر تعجب شیریں ہے کہ وہ ہم سے کیوں پھر گیا ہے [2] حالانکہ تیری محبت کی شدت میرے دل سے نہیں گئی۔ [3] یعنی سارے جہان سے دست بردار تھے۔

آرام سے کیا کام۔ شیخ ابوعبداللہ رودباریؒ دریا کے کنارہ پر تھے۔ انہیں وسوسہ کی بیماری تھی۔ وضو کرتے تھے ہوا چلتی اور ان کے ہاتھ پاؤں ایسے پھٹ جاتے کہ ان سے خون بہنے لگتا تھا۔ آخر وہ عاجز ہو گئے اور کہا، "الٰہی العَافِیَۃ۔ الٰہی عافیت دے۔ آواز آئی۔ "اَلْعَافِیَۃُ فِی الْعِلْمِ یعنی فِی الشَّرِیْعَۃِ"۔ عافیت و آرام تو علم یعنی شریعت میں ہے اور تیری یہ مصیبت پاؤں کا پھٹنا وسواس کی وجہ سے ہے جو شریعت میں نہیں آتا۔

شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ ابوبکر دُقّی فرماتے ہیں۔ ہم نصیبین میں مہمان بن کر گئے۔ سمیعیؒ کا وقت خوش تھا۔ قوال بھی اچھا تھا۔ کوئی بیگانہ موجود نہ تھا، لیکن کچھ مزہ نہ آیا اور نہ کسی کو حال ہوا۔ سب چپ چاپ بیٹھے تھے۔ سمیعیؒ کہنے لگے۔ وَقْتٌ طَیِّبٌ وَقَوَّالٌ طَیِّبٌ وَمَا فِیْنَا ضِدٌّ فَمَا ھٰذَا الْجُمُوْدُ یعنی وقت بھی اچھا ہے اور قوال بھی اچھا ہے اور ہم میں کوئی مخالفت بھی نہیں ہے۔ پھر یہ سکون کیا ہے۔ دُقّی کہتے ہیں کہ میں نے کہا۔ وَقْتُنَا فَوْقَ السَّمَآءِ۔ یعنی ہمارا وقت آسمان پر ہےؑ۔ سمیعیؒ نے کہا، تم کیا کہتے ہو۔ کہا، جو کچھ وہ پڑھتا ہے وہ سب مَیں اور تُو کی بات ہے اور ہمیشہ کان میں مَیں اور تُو آتا رہتا ہے۔ تصوّف میں مَیں اور تو کہاں ہے۔ صُوفی کے لیے تو سوائے ایک کے کچھ نہیں ہوتا۔ اس بات سے لوگوں میں حال آگیا اور شور مچ گیا۔ سب نے کپڑے پھاڑ لیے۔ گر پڑتے تھے۔ چلّاتے تھے۔ ایسا کوئی نہ تھا کہ جس نے کپڑے نہ پھاڑے ہوں۔

دُقّی نے یہ بھی فرمایا، عَلَامَاتُ الْقُرْبِ الْاِنْقِطَاعُ عَنْ کُلِّ شَیْءٍ سِوَای اللہِ "قرب کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اللہ کے ماسوا ہر چیز سے منقطع ہونا ہے"۔

اور فرمایا، کَلَامُ اللہِ تَعَالٰی اِذَا جَآءَ عَلَی السَّرَآئِرِ بِاِشْرَاقِہٖ زَالَتِ الْبَشَرِیَّۃُ بِرُعُوْنَاتِہَا۔ "جب اللہ کا کلام دلوں پر چمکتا ہوا آتا ہے تو بشریت اپنے غرور کے ساتھ جاتی رہتی ہے۔

لہ عافیت کے معنیٰ روزی کی خواہش رکھنے والے بھی آتے ہیں۔ اس صُورت میں اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ صُوفی کو روزی کی خواہش سے کیا واسطہ خدا تعالیٰ کی طلب اس پر اتنی غالب ہوتی ہے کہ روزی کی طلب اس کے قلب میں نہیں رہتی۔

لہ یعنی قربِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی نشانی جو آدمی کو حاصل ہو یہ ہے کہ اللہ کے سوا جس سے بھی اس کا تعلق اور جوڑ ہے ان سے کٹ جائے اور ماسوائے حق سے قطع تعلق کرے۔

عہ ہمارا وقت اور حال آسمان کے اُوپر ہے یعنی ہماری قُدرت اور اختیار میں نہیں ہے اور سمیعی کے سوال کا جو جواب دیا وہ توحید کے حال کا متضاد ہے اور قوال توحید نہیں کہتا تھا۔ یاد رہے کہ صوفیائے کرام کے یہاں ایسی قوالی نہیں ہوتی تھی جو آج کل پیروں اور فقیروں کے بھیس میں پھرنے والے جاہل لوگ سُنتے ہیں جو نہ خود پاک ہیں نہ قوال پاک ہیں نہ مجلس والوں کے دل۔ پھر اس قوالی میں خلافِ شرع لوگ اور خلافِ شرع باجے اور ساز وغیرہ شامل ہوتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے قطعی طور پر حرام فرمایا ہے اور جن کے مٹانے کے لیے حضورؐ دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ دیکھو آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ الخ۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، غیب اور اہلِ غیب کا پوشیدہ رکھنا اللہ کی رحمت ہے، کیونکہ وہ اس جہان میں سما نہیں سکتا۔ ہر وہ چیز جو اس جہان سے ظاہر ہو گی اس شخص کو اسی وقت ختم کر دے گی یا اس شخص کی عقل اس کی طاقت نہیں رکھے گی۔ اور اس کے حالات اور نشانات متغیر ہو جائیں گے۔ اب جو کچھ غیب ہے اور حقیقت میں ہے اس کا چھپا رہنا بہتر ہے جب تک کہ تو سرائے غیب میں ہے اس کے خیال میں نہ رہنا چاہیئے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا بہانے کا گھر ہے اور تاریک جیل خانہ۔ جب مدت ختم ہو جائے گی اور روزی کھالی جائے گی، غیب اور حقائق کے دروازے کشادہ ہو جائیں گے۔ دقی سے لوگوں نے پوچھا، فقراء بعض حالات میں حق سبحانہٗ کے ساتھ گستاخی کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا، یہ علم کی حقیقت سے اُتر کر ظاہر علم کی طرف ان کا آجانا ہے۔ یعنی ان کی گستاخی کی وجہ حقیقت سے نیچے آجانا اور اس سے خالی ہو جانا اور ظاہری علم کو پکڑنا اور اس پر ٹھہر جانا ہے۔ پس آدمی جب تک حقیقت کے مقام میں ہوگا۔ اُس سے گستاخی سرزد نہ ہوگی۔

۱۹۱۔ حضرت ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ

وفات نیشاپور ۳۴۰ھ کے بعد۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔ فارس کے باشندہ تھے۔ شبلی اور ابراہیم وباغ شیرازی کے شاگرد کبار مشائخ سے تھے۔ صاحب آیات وکرامات تھے۔ حال اور اپنے وقت میں یگانہ تھے۔ شبلی ان کی عزت کرتے اور ان کے مقام کا خاص خیال رکھتے تھے۔ فارس کے مشائخ کے ساتھ صحبت رکھتے تھے۔ وہ حضرات بھی ان کی عزت کرتے تھے۔ سکر اور محبت ان پر غالب تھا۔ رموز وکلام عالی رکھتے تھے۔ فارس میں ان کی بات سُننے کی کوئی شخص قوت نہیں رکھتا تھا۔ مشائخ وقت صحیح ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ خراسان میں گئے اور نیشاپور میں آئے اور وہیں ۳۴۰ھ کے بعد وفات پائی۔

حضرت ابوبکرؒ نے فرمایا، "مَا الْحَیٰوۃُ اِلَّا فِی الْمَوْتِ یعنی مَاحَیَاتُ الْقَلْبِ اِلَّا فِی اِمَاتَۃِ النَّفْسِ" زندگی نہیں ہے، مگر موت میں یعنی دل کی زندگی اور اس کی لذتیں حاصل نہیں مگر نفس کے مارنے میں یعنی نفس کی خواہشات کے ترک کرنے کے ساتھ۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "کوئی زندہ زندگی حاصل نہ کرے گا جب تک کہ وہ اپنے سے نہ مر جائے گا اور اللہ کے ساتھ زندہ نہ ہو جائے گا" کسی نے ابوبکر طمستانی سے کہا، مجھے وصیت کیجیے، فرمایا، "اَلْھِمَّۃَ اَلْھِمَّۃَ فَاِنَّ عَلَیْھَا مَدَارَ الْاُمُوْرِ وَاِلَیْھَا یَرْجِعُ الْاَمْرُ" ہمت کر ہمت، کیونکہ اس پر ساری کامیابیوں کا دارومدار ہے اور اس کی طرف لوٹتا ہے کام[1]۔

---

[1] ہمت پیدا کر ہمت پیدا کر اسلیے کہ مدار کار اس کے ساتھ ہے اور کاموں کا رجوع بھی اس کے ساتھ ہے اور ہمت سے مراد

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور فرمایا "سب سے بڑی نعمت نفس سے نکل جانا ہے، اس لیے کہ تیرے اور اللہ کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ نفس بنا ہوا ہے۔ وہم دے گفتہ کہ ممکن نیست بیروں آمدن ورستن از نفسِ خود بنفس خود کہ از نفس خود باؤتواں رست و بصحبت ارادت اُو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اپنے نفس سے آزاد ہونا اور چھٹکارا حاصل کرنا اپنی طاقت کے بل بُوتے پر ممکن نہیں، بلکہ اپنے نفس سے چھٹکارا پانا اور آزادی حاصل کرنا اس کی یعنی اللہ تعالیٰ کی اعانت اور توفیق سے اور اس کے ارادہ کے ساتھ دینے اور اس کی مشیت کے تعاون سے ہی ممکن ہے۔

۱۹۲۔ حضرت ابوبکر الفرّا قدس اللہ سرہٗ

وفات ۳۷۰ھ میں ہوئی۔ محمد بن احمد ابن حمدون الفرّا نام ہے۔ پانچویں طبقہ کے اجلّہ مشائخ سے تھے اور فراست میں عظیم المرتبہ تھے۔

شیخ عمو نے ان کو دیکھا تھا۔ شیخ عمو نے فرمایا، اگر میں ابوبکر شبلی اور ابوبکر فرّا کو نہ دیکھتا صوفی نہ ہوتا۔ ابوعلی ثقفی، عبداللہ منازل، ابوبکر شبلی، ابوطاہر ابھری، مرتعش وغیرہ کی صحبتوں سے مستفید ہوئے۔ مشائخ میں یگانہ اور طریقت میں پایہ کے شیخ تھے۔ شیخ عمو نے کہا، ایک جماعت کے ساتھ حج کے ارادہ سے نکلے۔ جب ہم نیشاپور پہنچے میرے ساتھیوں نے کہا، ابوبکر فرّار کی زیارت کے لیے نہ جانا۔ وہ کہتا ہے کہ ماں باپ کے پاس رہ کر ان کی خدمت کرتے رہو۔ واپسی میں ان کی زیارت کرلینا۔ کچھ دیر تو میں نے سوچا۔ آخر میں نے کہا۔ کیا ہوا میں جاتا ہوں۔ شاید جب واپس آؤں تو انہیں نہ پاؤں۔ میں گیا اور ان کو مسجد میں نہ پایا۔ تھوڑی دیر گزری تھی میں نے دیکھا کہ وہ مسجد کے دروازہ سے آئے عشق میں مبتلا معلوم ہوتے تھے اور ان کے ہاتھ میں پوستین کے چند ٹکڑے تھے، کیونکہ وہ پوستین بنانے تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے کہا، وعلیکم السّلام، کہاں سے آیا ہے۔ میں نے کہا، ہرات سے۔ فرمایا، کہاں جائے گا؟ میں نے کہا قبلہ کی طرف۔ پوچھا، تیرا باپ ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا، واپس جا اور باپ کی خدمت کر۔ میں نے کہا، بہت اچھا ایسا ہی کروں گا۔ جب ساتھیوں کے پاس آیا تو انھوں نے مجھے ایسا سمجھایا کہ کعبہ جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ لیکن مجھے سخت بخار آگیا۔ دوسرے دن میں پھر شیخ ابوبکر کے پاس گیا تو فرمایا: نَقَضْتَ الْعَہْدَ۔ تُو نے عہد توڑ دیا۔ میں نے کہا، اے شیخ میں نے توبہ کی۔

شیخ نے کہا:

مَن لَّمْ یُؤثِرِ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ لَا یَصِلُ عَلٰے — جو آدمی ہر چیز پر اللہ کو مقدم نہ رکھے گا معرفت کا نُور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جناب حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارادہ کرنا اور اسکی طرف توجہ کرنا اور اس کے غیر سے قصد اور توجہ کو ہٹا لینا ہے۔

قَلْبِہٖ نُوْرُ الْمَعْرِفَۃِ بِحَالٍ — کسی حال میں بھی اس کے دل پر نہ پہنچے گا[1]

اور یہ بھی فرمایا :-

کِتْمَانُ الْحَسَنَاتِ اَوْلیٰ مِنْ کِتْمَانِ السَّیِّئَاتِ فَاِنَّکَ بِذٰلِکَ تَرْجُو النَّجَاتَ — نیکیوں کا چھپانا بُرائیوں کے چھپانے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ تو اس کے ساتھ نجات کی اُمید رکھتا ہے[2]۔

۱۹۳۔ حضرت ابوبکر الشبلی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

پانچویں طبقہ سے ہیں۔ محمد بن جعفر شبلی ان کا نام ہے۔ نیشاپور میں جوانمرد مشائخ میں سے تھے۔ ابوعثمان حیری کی صحبت پائی

ابوبکر نے فرمایا :

اَلْفُتُوَّۃُ حُسْنُ الْخُلُقِ وَ بَذْلُ الْمَعْرُوْفِ — اچھا اخلاق اور احسان کرنا جوانمردی ہے۔

۱۹۴۔ حضرت ابوبکر جوزقی رحمۃ اللہ علیہ

ان کی قبر نسا میں ہے یا نیشاپور میں۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں کہ ہم ابوبکر جوزقی کے مکان پر پہونچے وہ ایک باوقار پُرجلال اور پُرشکوہ شیخ تھا۔ میں اندر گیا اور سلام کیا اور عرض کیا، اے پیر ہم کو حدیث لکھادو۔ ایک جزو نکالا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خدا تعالیٰ کے دو لشکر ہیں ایک آسمان میں اور ایک زمین پر۔ جو لشکر آسمان میں ہے وہ فرشتے ہیں اور ان کے سبز نشان ہیں اور جو لشکر زمین پر ہے وہ خراسانیوں کا لشکر ہے، اب وہ لشکر ان ظالموں کا نہیں ہوگا، بلکہ وہ لشکر صوفیوں کا ہوگا جو تمام خراسان کیا سارا جہان واپس لے لیں گے[3]۔ کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ جب ان میں کی کوئی جماعت کسی راہ سے گزرتی ہے۔ جب تو ان کو دُور سے دیکھتا ہے تو یہ گمان کرتا ہے کہ ایک لشکر آرہا ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ خدائے عزوجل دکھاتا ہے کہ حقیقت میں یہی لشکر ہے اور یہی وہ مردانِ خداوند تعالیٰ ہیں جو خداوند تعالیٰ کو تلاش کرتے ہیں اور اس کی جستجو میں رہتے ہیں اور دنیا سے انہوں نے مُنہ پھیر لیا ہے اور اپنے خداوند میں مشغول ہوگئے ہیں۔ اور دوسروں کا یہ حال ہے کہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر چیزوں کے طالب ہیں اور ان کی جستجو میں رہتے

---

[1] یعنی جو شخص تمام چیزوں پر خدا تعالیٰ کو اختیار نہ کرے گا اور سب چیزوں پر اس کو ترجیح نہ دے گا اس کے دل میں معرفت کا نور نہ پہونچیگا خواہ وہ کسی وصف اور کسی حال میں کیوں نہ ہو اور اس حال میں حق کا اختیار کرنا باپ کی خدمت ہے، کیونکہ حق سبحانہ نے ماں باپ کی خدمت کو حج پر مقدم رکھا ہے۔ [2] یعنی نیکیاں تیرے لیے وسیلۂ نجات بنیں گی اور ان کے ظاہر کرنے میں سمعہ دریا کا اندیشہ ہے جو عمل کو خراب اور برباد کردیتے ہیں۔ [3] اس زمانہ میں یہ گروہ خراساں میں زیادہ تھا اور دوسری جگہ تھوڑا تھا۔

ہیں اور یہ لوگ خدا تعالیٰ کے سوا نہ کسی چیز کو چاہتے ہیں اور نہ طلب کرتے ہیں اور یہی حضرات جہاں کے امیر اور روئے زمین کے بادشاہ ہیں، مگر یہ زیادہ مخلوق پر پوشیدہ ہیں۔ یعنی یہ حضرات اکثر لوگوں سے چھپے ہوئے ہیں۔ انہیں کوئی کوئی دیکھتا ہے۔

۱۹۵۔ حضرت ابوبکر موازینی رحمۃ اللہ تعالیٰ مصر میں رہتے تھے۔ شیخ سیروانی کے شیخ ہیں۔ ان کا بیان ہے میں نے ابن خبازؒ سے سُنا، انہوں نے کہا، عید الضحیٰ کے دن جمرہ[1] کے پاس تھا۔ ایک درویش کو کھڑے ہوئے دیکھا اس کے ہاتھ میں پیالہ یا لوٹا تھا وہ کہہ رہا تھا:

یَا سَیِّدِیْ تَقَرَّبَ النَّاسُ اِلَیْكَ بِذَبَائِحِھِمْ وَقُرْبَانَاتِھِمْ وَلَسْتُ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ فَشَھِقَ شَھْقَۃً وَمَاتَ

اے میرے آقا لوگ آپ کے حضور میں اپنے ذبیحے اور قربانیاں پیش کر کے آپ کا قرب تلاش کرتے ہیں اور میرے پاس سوائے میری جان کے اور کچھ نہیں بس وہی قربان کرتا ہوں یہ کہا اور نعرہ مارا اور مر گئے۔

۱۹۶۔ حضرت ابوبکر مُغازلی رحمۃ اللہ علیہ سیروانی کے شیخ تھے۔ حضرت نے فرمایا، میں نے چاہا کہ ابوالحسن مزینؒ کو آزماؤں۔ ان کے گھر گیا۔ دروازہ پیٹا اور کہا، یَا اَھْلَ الدَّارِ وَاسُوْنِیْ بِشَیْءٍ۔ اے گھر والو کسی چیز سے میری غمخواری کرو۔ یہ سُن کر شیخ نے اپنی اہلیہ سے کہا۔ ایمان والی! اسے کچھ دیدے۔ اگر یہ اللہ کو پہچانتا تو میرے پاس نہ آتا۔ یعنی ہمیں آزمانے کے لیے نہ آتا۔ ابوبکر نے کہا، جب میں نے ان کی یہ بات سُنی تو انہیں چھوڑ دیا اور واپس ہو گیا۔

۱۹۷۔ حضرت ابوبکر قَطیعی رحمۃ اللہ تعالیٰ وفات بغداد میں ماہ ذوالحجہ ۳۶۸ھ میں ہوئی۔ حافظِ حدیث اور امامِ بغداد تھے۔ حدیث میں عبداللہ بن احمد بن حنبل کے شاگرد ہیں۔ جنید کو دیکھا تھا۔ ابوبکرؒ نے کہا میں نے جنیدؒ سے سُنا وہ کہہ رہے تھے:

یَا مَنْ ھُوَ کُلَّ یَوْمٍ فِیْ شَانٍ اِجْعَلْ لِیْ مِنْ بَعْضِ شَانِكَ۔

اے وہ جو ہر دن ایک کام میں ہے کیا اچھا ہو کہ اپنے کام کا کچھ حصہ میرے لیے بنا دے[2]۔

۱۹۸۔ حضرت ابوبکر ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام نے فرمایا، کہ حسین فقیر نے کہا کہ ابوبکر ہمدانی نے کہا، درویشی تین چیزیں ہیں، تَرْكُ الطَّمَعِ وَالْمَنْعِ وَالْجَمْعِ (کسی سے) طمع نہ کرنا، ترکِ منع اگر خود بخود مل جائے تو انکار نہ کرنا۔ اور ترکِ جمع یعنی جب تو کوئی چیز لے لے تو اس کو جمع نہ کرے[3]۔

---

[1] جمرہ۔ شیطان کے اس نشانکو کہتے ہیں جو منیٰ میں ہے۔ [2] یعنی اے وہ خدا جو ہر دن ایک شان میں ہے۔ میرے کام میں بھی کچھ توجہ فرما۔ [3] یعنی کسی چیز کی طمع نہ کرے، اگر آجائے اس کو منع نہ کرے اور جب لے لے تو جمع نہ کرے۔ میرے حضرت مدنیؒ فرمایا کرتے تھے اس بات کو اس طرح فرماتے تھے لا طمع و لا منع و لا جمع

۱۹۹۔ حضرت ابو علی الثقفی رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۳۲۸ھ۔ چوتھے طبقہ سے ہیں ان کا نام محمد بن عبد الوہاب ہے۔ ابو حفص حداد کے ہم عصر تھے۔ حمدون قصار کو دیکھا تھا نیشاپور میں امام و مقدم تھے۔ اکثر علوم شرعیہ میں عالم تھے۔ سب کو چھوڑ دیا اور صوفیاء کے علوم میں مشغول ہو گئے۔ ابو عثمان حیری ان کے متعلق اچھی رائے رکھتے تھے۔ اور ان کی تعریف کرتے تھے۔

وَكَانَ اَحْسَنَ الْمَشَائِخِ كَلَامًا فِيْ عُيُوْبِ النَّفْسِ وَ اٰفَاتِ الْاَعْمَالِ — نفس کے عیوب بیان کرنے اور اعمال کی آفتوں اور قصور و کوتاہیوں کے بیان میں جتنی اچھی اور جچی تلی باتیں انہوں نے بیان کیں دوسرے مشائخ ایسا نہیں کہہ سکے۔ ان کا قول ہے:

اَلْعِلْمُ بِاللّٰهِ حَيَاةُ الْقَلْبِ مِنَ الْجَهْلِ وَ نُوْرُ الْعَيْنِ مِنَ الظُّلْمَةِ — حق سبحانہٗ سے آگاہ ہونا دل کی زندگی ہے جہالت سے۔ اور آنکھ کا نور ہے ظلمت سے، کیونکہ ایسا شخص موجودات کو دوسری نظر سے دیکھے گا[1]۔ اور فرمایا:

"ہر کہ صحبت دارد بزرگاں را نہ بطریق حرمت حرام شود بروئے فائدہ ایشاں و برکات نظر ایشاں و از نور ایشاں ہیچ چیز بروئے پیدا نہ گردد۔" — جو کوئی بزرگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے مگر ان کے آداب اور ان کے احترام کا پاس نہیں رکھتا۔ ایسے شخص پر ان کا فائدہ اور انکی نظر اور توجہ کی برکتیں حرام ہو جاتی ہیں اور ان کی نورانیت سے کوئی چیز بھی اس پر ظاہر نہیں ہوتی۔

حضرت ابو علی سے پوچھا، کس آدمی کی زندگی سخت تر اور ناخوش تر ہے؟ فرمایا، "اس کی جو ناامیدی پر جیتا ہے۔" شیخ الاسلام نے فرمایا، ناامیدی کفر میں آنے کا دروازہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ناامید ہونا کفر ہے۔

لَا يَيْأَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ — نہیں مایوس ہوتے اللہ کی رحمت سے مگر کافر لوگ

وَلَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ — اور تم ناامید نہ ہو اللہ کی رحمت سے باوجود ڈھیروں گناہوں کے۔

اور وہ ایک دن محبت اور عاشقوں کے حالات کے متعلق بات کر رہے تھے۔ باتوں کے درمیان یہ دو[2]

---

[1] حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ آگاہ ہونا اور اس کی معرفت کا حاصل ہونا دل کی زندگانی کا موجب ہے اور جہالت سے خلاصی پانے کا اور آنکھ کی روشنی اور ظلمت سے خلاصی پانے کا موجب ہے کیونکہ وہ موجودات کا دوسری نظر سے مشاہدہ کرتا ہے۔

شعر پڑھے :

اِلیٰ کَمْ یَکُوْنُ الصَّدُّ فِیْ کُلِّ سَاعَةٍ
وَکَمْ لَا تَمَلِیْنَ الْقَطِیْعَةَ وَالْهِجْرَا
رُوَیْدَكِ اِنَّ الدَّهْرَ فِیْهِ کِفَایَةٌ
وَلِتَفْرِیْقِ ذَاتِ الْبَیْنِ فَانْتَظِرِ الدَّهْرَا

کب تک اپنے وصال سے ہر دم منع کرتی رہے گی اور کب تک تو جدائی اور قطع تعلق سے دل گیر نہ ہو گی۔ مجھ کو اپنے وصال سے مت روک اور جدائی کو زمانہ کے لیے چھوڑ دے کہ وہ باہمی تفریق کے واسطے کافی ہے۔ پس تو زمانے کی تاثیر کی منتظر رہ۔

اور اپنی مجلس کے دوران زیادہ تر یہ کہتے تھے۔

اے ہمہ را بہ ہیچ بفروختہ ئی و ہیچ را بہ ہمہ خریدہ ئی۔ اے وہ کہ تُو نے ہیچ کے عوض ہمہ کو فروخت کر دیا اور ہمہ کے عوض ہیچ کو خرید لیا۔[1]

۲۰۰۔ حضرت ابو علی کاتب المصری رحمۃ اللہ علیہ

مشائخ مصر کے کبار مشائخ سے تھے۔ چوتھے طبقہ کے بزرگ ہیں۔ ابوبکر مصری اور ابو علی رودباری کی صحبتوں میں رہے۔ ابو علی مشتولی[2] کے پیر تھے۔ صاحب کرامات ظاہر تھے۔ ابو عثمان مغربی ان کی عزّت کرتے تھے اور انہیں بزرگ سمجھتے تھے۔ بزرگی اور ان کے کمال علم کی وجہ سے ابو عثمان مغربی انہیں رودباری سے بڑا جانتے تھے۔ ابو علی کہتے تھے۔ جب مجھ پر کوئی مشکل ہوتی تو مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھ لیتا اور ان سے دریافت کر لیتا تھا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، شیخ ابو علی کاتب کا مصر میں ایک مرید تھا جو انہیں کچھ دے دیا کرتا تھا وہ مر گیا۔ شیخ ابو علی کاتب اس کی قبر پر گئے اور کہا، الٰہی میرے اور تیرے درمیان یہ واسطہ تھا جو ایک درجہ کا شرک تھا۔ وہ مر گیا، لیکن میری توحید درست کر گیا۔ اس کے وسیلہ سے کہ تیرے لیے میری توحید اس کے چلے جانے سے درست

---

[1] ہمہ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور ہیچ سے مراد ما سوی اللہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ افسوس ہے اس آدمی پر جو خدا کو ما سویٰ کے عوض فروخت کر دے اور ما سِوا کو خدا کے عوض خرید لے۔

[2] مشتولی ایک گاؤں کا نام ہے۔

ہوگئی تو اس پر کرم فرما۔ اور اس کے ساتھ احسان کر۔ شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

وَصَلَ اِلَیْنَا مَنْ صَبَرَ عَلَیْنَا — ہم تک پہنچ گیا وہ جس نے ہم پر صبر کیا[1]۔

شیخ ابوالقاسم نصرآبادی کہتے ہیں کہ ابوعلی کاتب سے لوگوں نے کہا، دوچیزوں میں سے کونسی چیز آپ کو زیادہ پسند ہے؟ فقر یا غنا؟ بولے، "وہ جو درجہ میں بلند تر ہے۔ اس کے بعد یہ دو بیت پڑھے:

وَلَسْتُ بِنَظَّارٍ اِلٰی جَانِبِ الْغِنٰی — اِذَا کَانَتِ الْعُلْیَا فِی جَانِبِ الْفَقْرِ
وَاِنِّیْ لَصَبَّارٌ عَلٰی مَا یَنُوْبُنِیْ — وَحَسْبُكَ اَنَّ اللّٰهَ اَثْنٰی عَلَی الصَّبْرِ[2]

میں تونگری اور غنا کی طرف نہیں دیکھتا جبکہ عزت اور بلندی فقر میں ہے۔ اور میں صبر میں اچھی طرح پختہ ہوں۔ یعنی صبر کرنے والا ہوں اس پر جو مجھے پیش آتا ہے اور کافی ہے تیرے لیے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے صبر پر ثنا فرمائی ہے۔

۲۰۱۔ حضرۃ عبداللہ بن محمد المعروف بالمرتعش رحمۃ اللہ تعالےٰ

المتوفی ۳۲۸ھ۔ چوتھے طبقہ سے ہیں۔ کنیت ابومحمد نیشاپوری بغداد کے محلہ حیرہ کے رہنے والے تھے مشائخ عراق میں بے نظیر شیخ تھے۔ ابوحفص حداد کے مرید اور جنید کو دیکھنے والے تھے۔ ان سے پوچھا گیا۔ تصوف کیا ہے؟ کہا، اِشْکَالٌ وَتَلْبِیْسٌ وَکِتْمَانٌ۔ ترجمہ: تصوف اشکال یعنی لوگوں پر اپنا حال مشکل بنانا اور چھپانا ہے۔ تلبیس ایسی تدبیر اور حیلہ کرنا کہ لوگ اس کو اچھا نہ جانیں اور اپنے حال میں کوئی ایسی آمیزش کرنا کہ لوگ اس کو بزرگ نہ جانیں۔ اور کتمان چھپانا ہے۔ یعنی کہ لوگوں کی نظروں سے چھپے رہنا، کیونکہ نسبت باطنی کو کوئی چیز اس قدر نسبت نہیں دیتی جس قدر کہ کتمان (آپ کو چھپانا) قوت دیتا ہے۔ اور کوئی چیز ظرفِ باطن کو ایسا خالی نہیں کرتا جیسا کہ اظہار یعنی اپنے کو ظاہر کرنا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا؛ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ۔ سب سے افضل عمل کونسا ہے۔ فرمایا، رُؤْیَۃُ فَضْلِ اللّٰہِ۔ اللہ کے فضل کو دیکھنا[3]۔ پھر یہ بیت پڑھا:

---

[1] مطلب یہ کہ جس نے ہمارے احکامِ ایجادی بے تکلیفی اور احکامِ ایجادی تکلیف والوں پر صبر کیا وہ ہم تک پہنچ گیا یعنی جس نے ہمارے ہر طرح کے حکموں پر صبر کیا وہ ہم تک پہنچ گیا خواہ وہ احکام شریعت کے ہوں یا تقدیر و تدبیر کے۔

[2] اور نفس کو صبر کا خوگر بنانے میں یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر پر تعریف فرمائی ہے اپنے کلام پاک میں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں بھی۔

[3] مطلب یہ ہے کہ اعمال سے قطع نظر کرنا یعنی یہ دیکھنا کہ کام اس کے فضل سے بنے گا نہ کہ عمل سے۔

اِنَّ الْمَقَادِیْرَ اِذَا سَاعَدَتْ اَلْحَقَتِ الْعَاجِزَ بِالْحَازِمِ

ترجمہ: جب تقدیریں مدد کرتی ہیں تو عاجز[1] کو قوی سے ملا دیتی ہیں۔ پس کام کا مدار فضل اور تقدیر پر ہوا نہ عمل پر۔

اور فرمایا:-

اَفْضَلُ الْاَرْزَاقِ تَصْحِیْحُ الْعُبُوْدِیَّۃِ وَمُلَازَمَۃُ الْخِدْمَۃِ عَلَی السُّنَّۃِ

آدمی کا سب سے بہتر رزق اور سب سے اچھی روزی عبادت اور بندگی کا صحیح صحیح انجام دینا ہے اور بندگی کو سنّت کے مطابق بنا لینا ہے۔ مثلاً عُجب ریا وسُمعہ سے پاک صاف کرنا ہے اور عبادت کو ظاہر میں ہمیشہ سنّت کے طریقہ پر انجام دینا ہے۔ اور پھر باطن میں اس عبادت کو حق تعالیٰ کے فضل کے حوالے کر دینا اور اس کے تصرف سے جاننا ہے۔)

حضرت مرتعش رحؒ نے بیان کیا اوّل میرا کام اس طرح ہوا کہ میں نیشاپور میں ایک دیہاتی لڑکا تھا۔ اپنے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک ایک نوجوان آیا۔ گدڑی اس کی بغل میں اور پُرانا ٹوپ اس کے سر پر تھا۔ اس نے میری طرف اشارہ کیا اور ایک لطیف انداز میں مجھ سے کسی چیز کی خواہش کی۔ میں نے اپنے دل میں کہا، "جوان تندرست ہے اس سے شرم نہیں رکھتا کہ وہ سوال کرتا اور میں نے اس کو کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے مجھ پر ایسی چیخ ماری کہ میں اس سے بہت خوفزدہ ہو گیا۔ پھر اس نے کہا، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِمَّا خَامَرَ سِرَّكَ وَاخْتَلَجَ بِهٖ صَدْرُكَ" میں پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے ساتھ اس چیز سے جو تیرے دل میں آیا اور تیرے سینہ میں چُبھ گیا[2]۔" میں بے ہوش ہو کر مُنہ کے بل گر پڑا ایک نوکر اندر سے باہر آ گیا تھا۔ جس نے میرا سر اپنی گود میں رکھا اور بہت آدمی میرے گرد جمع ہو گئے۔ جب بہت دیر کے بعد مجھے ہوش آیا، وہ جوان جا چکا تھا۔ مجھے اس پر بڑی حسرت تھی جو میں کر چکا تھا۔ جب رات آئی میں بہت غمگین تھا، نیند آ گئی تو حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا اور اس جوان کو اُن کے ساتھ اور حضرت امیر المؤمنین مجھے اشارہ کرتے تھے اور مجھ پر خفا ہو رہے تھے اور فرما رہے تھے:

---

[1] عاجز بمعنی کمزور۔ مطلب یہ ہے کہ جب تقدیرِ حق سبحانہٗ مدد کرتی ہے تو مقصر، کوتاہ اور کم ہمت کو باہمت اور باکمال لوگوں سے ملا دیتی ہے اور عاجز اور کمزور آدمی زور والے کی مانند ہو جاتا ہے۔ پس کام کا دارومدار فضل پر اور حق سبحانہٗ کی تقدیر پر ہے نہ کہ عمل پر۔ [2] یعنی مجھے اللہ اس بات سے بچائے جو تیرے دل میں کھٹکی۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَا یُجِیْبُ مَانِعَ سَائِلِہٖ بیشک خدا تعالیٰ اس شخص کی دُعا قبول نہیں کرتا جو اپنے سائل کو منع کرے۔

اس کے بعد خواب سے اُٹھا اور جو کچھ میرے پاس تھا سب کو تقسیم کر دیا اور سفر میں نکل گیا۔ پندرہ سال کے بعد میں نے سُنا کہ میرے والد مر گئے ہیں۔ نیشاپور میں واپس آیا اور خدا تعالیٰ سے دُعا کی کہ مجھے اس میراث سے خلاصی دے جو مجھے پہنچی ہے۔ خُدا تعالیٰ نے عنایت فرمائی، میری دل بستگی جاتی رہی کہ اس سے فارغ ہو گیا۔ اور اس جوان کے غُصّہ کو ہمیشہ اور ہر وقت اپنے اُوپر دیکھتا ہوں اور کسی وقت بھی اس کی شرمندگی سے خالی نہ ہوا اور ہونگا تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کے پاس نہ پہنچ جاؤں۔

مشائخ کا قول ہے بغداد کے عجائبات تین ہیں۔ شبلیؒ کی فریاد، مرتعشؒ کے نکتے اور خلدیؒ کی حکایات۔

حضرت مرتعش مسجد شونیزیہ بغداد میں رہتے تھے اور اسی جگہ ۳۲۸ھ / ۳۲۳ھ میں وصال پایا۔ ان کے شیخ ابوحفصؒ نے انہیں سیاحت (باہر نکلتے رہنے کا حکم دیا تھا۔ جس کی تعمیل میں وہ ہر سال ہزار فرسنگ (۳ ہزار میل) ننگے پاؤں اور ننگے سر سفر کرتے تھے اور کسی شہر میں دو روز سے زیادہ نہ ٹھرتے تھے اور کبھی تین دن بھی ٹھہر جاتے تھے۔

ابراہیم بن مولد کہتے ہیں، مرتعش رِقہ میں آئے۔ ابراہیم قصّار نے انہیں ایک طباق میں روٹی اور انگور بھجوائے۔ حضرت مرتعش کے پاس ایک پوستین تھا اور ایک میزر (کندھے پر ڈالنے والی چادر) تھی۔ اس چادر کو لنگی کی جگہ باندھا۔ پوستین اتار کر فروخت کیا اور اس کی قیمت سے روٹی اور انگور خریدے اور ابراہیم قصّار کو بھیج دیئے اور کہا، روٹی اور انگور روٹی اور انگور کا بدلہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا کوئی حال ہے۔ باہر آ کہ ایک دوسرے کا درجہ معلوم کریں۔" ابراہیم مولد نے کہا، کہ ابراہیم قصّار نے ہمیں کہا، جب تک وہ یہاں ہے نہ اس سے بات کرو نہ سلام کرو۔ عرصہ دراز تک رِقہ میں انہوں نے قیام کیا۔ میں ایک دن ان کے پاس پہنچا، میں نے کہا۔ اے ابُو محمد! تو ابھی تک اس بے عزتی کے ساتھ یہاں ٹھہرا ہوا ہے، جو ہماری طرف سے تجھے پہنچی۔ فرمایا اسی بے عزتی کی وجہ سے میں یہاں ٹھہرا ہوا ہوں، ورنہ میں دوسرے شہروں میں چند دنوں سے زیادہ نہیں ٹھہرتا۔ حضرت مرتعشؒ نے فرمایا، ہرگز میں نے اپنے کو باطن میں خاص نہیں دیکھا۔ یہاں تک خود کو عام کے ظاہر میں نہیں دیکھا۔

---

[1] ابراہیم قصّار نے اس لیے بھجوایا کہ ان سے ملنے کے لیے نہیں گئے تھے اور یہی سبب ہوا آپس میں کشیدگی کا۔

[2] یعنی جب تک میں نے اپنے کو عام کے ظاہر سے ممتاز نہ دیکھا خود کو خاص کے باطن میں نہ دیکھا۔

۲۰۲۔ حضرت عبداللہ بن منازل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

چوتھے طبقہ سے تھے۔ ان کی کنیت ابومحمد ہے۔ نیشاپور کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ عام مشائخ کی طریقت کے علاوہ ان کی طریقت جُداگانہ تھی یعنی ان کا طریقۂ تربیّت دوسرے حضرات سے جُدا تھا۔ حمدون قصّار کی صحبت میں رہ کر تربیت پائی اور ان ہی سے طریقت حاصل کی۔ علومِ ظاہری کے عالم تھے۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ مشائخ میں سے مَیں ایک کو آدھا مرد اور دوسرے کو پورا مرد سمجھتا ہوں۔ آدھا مرد نصر آبادی ہے کہ وہ لوگوں کا ذکر بُرائی کے ساتھ نہیں کرتا اور پورا مرد عبداللہ بن منازل ہے کہ وہ لوگوں کا از خود نام بھی نہیں لیتا۔ ان کا فرمان ہے

ہر کہ درین کار بزور در آید فضیحت شود و ہر کہ بضُعف در آید قوی شود۔

جو کوئی اس کام میں زور اور گھمنڈ سے آئے گا۔ اس کا انجام رسوائی اور ناکامی ہوگا۔ اور جو کوئی ضعف وعاجزی کے ساتھ آئے گا قوی ہوگا۔ یعنی نیازمندی اور حرمتِ ارادت کے ساتھ آوے نہ کہ دعویٰ و قوّت کے ساتھ۔[1]

اور فرمایا:

"ہیچ چیز نیست در آں کس کہ ذُلِ کسبِ سوال و ذُلِ رد بخشیدہ باشد۔"

اس شخص میں کچھ نہیں ہے جس نے کسبِ سوال اور رَدّ کی ذِلّت نہ چکھی ہو۔[2]

اور فرمایا:

"ہر کہ لازم گرداند مر نفس خود را چیزے کہ بآں محتاج نباشد۔ ضائع گرداند از احوالِ خود مثلِ آن از چیزہائے کہ بآں محتاج باشد وازاں چارہ نداشتہ باشد۔"

جو شخص اپنے نفس کے لیے اس چیز کو لازم کریگا جس کا وہ محتاج نہیں وہ اس کے بقدر ان ضروری چیزوں سے محروم رہ جائیگا جس کے بغیر اسے چارہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ غیر ضروری چیزوں میں پڑ کر ضروری چیزوں سے محروم ہو جائے گا۔

اور فرمایا، "اگر درست شود بندہ را در ہمہ عمر یک نفس کہ از ریا، وشرک پاک باشد ہر آئینہ برکات آں نفس در آخر عمر در وے سرایت کند۔"

ساری عمر میں اگر کسی کو ایک سانس بھی ریا، وشرک سے پاک صاف نصیب ہو جائے تو اس کی آخری عمر میں ضرور بضرور اس سانس کی برکات کا فیض پہنچے گا۔

---

[1] دعویٰ یعنی اپنے کو کچھ سمجھ کر آنے والا۔ اپنی قوت یا علم و دولت پر ناز کرنے والا، اس راہ میں ناکام رہے گا۔

[2] کیونکہ ان اُمور میں نفس انتہائی طور پر شکستہ ہو جاتا ہے۔

۲۰۳۔ حضرت ابوبکر الداؤد الدینوری رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۳۵۰ھ ۔ شام میں مقیم رہے ۔ ابنِ جلاء کی صحبت اختیار کی ۔ ان کا فرمان ہے ۔ معدہ محلِ طعام ہے ۔ اگر اس میں حلال ڈالے گا طاعت و فرمانبرداری کی طاقت پائے گا ۔ اگر مشتبہ ڈالے گا راہِ حق پوشیدہ کر دے گا ۔ اور اگر حرام ہوگا تو معصیت اور گناہ زیادہ کرے گا ۔ کہتے ہیں سو سال جئے اور دینور میں وفات پائی ۔

۲۰۴۔ حضرت ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۳۲۱ھ ۔ چوتھے طبقہ سے ہیں ۔ نام احمد بن محمد بن القاسم بن منصور ہے ۔ روسار اور وزراء کی اولاد سے تھے ۔ خاندانی نسبت کسریٰ شہنشاہِ ایران سے جاملتی ہے ۔ ایک دن جنیدؒ جامع مسجد میں بات کر رہے تھے ۔ جنیدؒ کی مجلس پر ان کا گزر ہوا ۔ اس آدمی سے کہا ، اِسْمَعْ یَا ھٰذَا ۔ ارے سُن ۔ ابو علیؒ نے سمجھا یہ مجھے کہہ رہے ہیں ۔ وہ بیٹھ گئے اور ان کی بات پر کان لگا لیے ۔ جنیدؒ کی باتیں ان کے دل پر اُتر گئیں ۔ جن کا ان پر پورا اثر ہوا ۔ وہ جس حال میں تھے سب کچھ ترک کر دیا اور صوفیاء کا طریقہ اور ان کی روش اختیار کر لی ۔ حافظ الحدیث تھے ۔ عالم اور فقیہہ ، امام اور ادیب اور قوم کے سردار تھے ۔ ابوعبداللہ رودباریؒ کے ماموں تھے ۔

شیخ ابوعلی کاتب کہتے ہیں :

مَا رَاَیْتُ اَجْمَعَ لِعِلْمِ الشَّرِیْعَۃِ وَالْحَقِیْقَۃِ مِنْ اَبِیْ عَلِیِّ الرُّوْدبَارِیؒ

میں نے علمِ شریعت اور علمِ حقیقت کا جامع ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کوئی دوسرا آدمی نہیں دیکھا ۔

ابوعلی کاتبؒ جب ابوعلی رودباریؒ کا نام لیتے تھے تو ان کے نام سے پہلے سیدنا (ہمارے آقا) کہتے تھے ۔ ان کے شاگردوں کو اس پر رشک ہوتا تھا ۔ انہوں نے کہا "یہ کیا بات ہے کہ آپ ان کو اپنا سید اور آقا کہتے ہیں ۔" ابوعلی کاتبؒ نے کہا ، "ہاں وہ ایسا ہی ہے ۔" وہ شریعت سے طریقت میں آیا اور ہم حقیقت سے شریعت میں آئے ہیں لیے[1] شیخ الاسلام نے فرمایا ، "جب کسی مرد کو پیش گاہ سے آستانہ پر نہیں لے جاتے وہ نہیں جانتا اُن کو جس کو آستانہ سے پیش گاہ[2] میں بھیجتے ہیں ۔ اس کا کیا مقام ہے پس اِک راز ہوتا ہے کہ ناز کے مقام سے نیاز میں بھیج دیں اور

---

[1] اور جب کوئی شخص حقیقت سے شریعت میں آتا ہے تو وہ مجذوب سالک ہوتا ہے ۔ وہ محتاج ہوتا ہے حقیقت سے رجوع کرنے پر بخلاف اس کے جو شریعت سے حقیقت میں آتا ہے وہ سالک مجذوب ہے کہ وہ عین وصل میں ہے ۔ پس وہ زیادہ اچھے حال والا ہے ۔ [2] پیش گاہ کے معنی صحن اور وہ فرش جو بادشاہ کے تخت کے سامنے مقربین کے لیے بچھایا جاتا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

نیاز سے تو ناز کے مقام پر آئے اور وضو سے نماز میں ہو جاوے۔ ابو علی رودباریؒ نے بغداد کے مشائخ میں جنید، نوری، ابو حمزہ، مسوحی اور ان کے ساتھ جو ان کے طبقہ میں تھے صحبت اختیار کی اور شام میں ابو عبداللہ جلاء کے ساتھ رہے۔ وہ اگرچہ بغداد کے رہنے والے تھے مگر مصر میں مقیم ہو گئے۔ مصریوں اور وہاں کے صوفیوں کے شیخ۔ شعراء صوفیوں میں سے تھے۔ نزع کے وقت یہ شعر کہا:

وَحَقِّكَ لَا نَظَرْتُ اِلٰى سِوَاكَا　　بِعَيْنِ مُوَدَّةٍ حَتّٰى اَرَاكَا

ترجمہ: "قسم ہے تیرے حق کی نہ تیرے سوا میں نے کبھی کسی غیر کو دیکھا اور نہ دیکھوں گا جب تک کہ تجھے نہ دیکھ لوں۔ یعنی جب تک تیرا مشاہدہ نہ کروں اور پورا مشاہدہ مرنے ہی کے ساتھ ہو گا۔"

اور ابو علی رُودباری کا کلام ہے:

مَنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ فَانِياً عَنْ حَظِّهِ　　وَعَنِ الْهَوٰى وَالْاُنْسِ بِالْاَحْبَابِ

اَوْ يَتَمَسَّهُ صَبَابَةٌ جَمَعَتْ لَهُ　　مَاكَانَ مُتَفَرِّقاً مِنَ الْاَسْبَابِ

وَكَاَنَّهُ بَيْنَ الْمَرَاتِبِ قَائِمٌ　　لِمَنَازِلِ حَظِّهِ اَوْ جَزِيْلِ ثَوَابِ

۱۔ جو شخص کہ بطریقِ سلوک اپنی خواہش سے اور محبوب چیزوں کی رغبت والنیت سے فانی نہ ہو گیا ہو یعنی کہ وہ فانی ہو کر تیرے ساتھ باقی نہ ہو گیا ہو۔

۲۔ بطریقِ جذبہ اس کو سوزش و گرمیٔ عشق پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اس کو ایک چیز کا مطیع و فرمانبردار بنا دے اور اس کے متفرقات کو ایک کی طرف واپس لے آوے۔

۳۔ گویا کہ یہ شخص حقیقت میں نہیں پہونچا اور راستہ کے درمیان میں کھڑا ہوا ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ مجھے اس شعر میں ان پر حسد ہے کہ کسی شخص کے لیے اس نے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہے اور آستانہ سے مراد چوکھٹ، دروازہ۔

لہ اور راستہ میں اس کے کھڑا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حظوظ میں سے کسی حظ اور مزوں میں سے کسی مزہ میں اُتر آیا ہے اور اعمال کے اثرات میں سے کسی اثر میں اتر آیا ہے جو سالک کے لیے زہر قاتل ہے یا راہ میں اس کے کھڑا رہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کے ثواب میں اتر آیا ہے اور اس کی طلب و خواہش میں پڑ گیا کہ یہ بھی مطلوب کے وصول سے مانع ہے۔

یعنی مبتدی، منتہی، متوسط کا حال بیان کیا اور جذبہ اور سلوک کا طریق بھی اس میں بیان کر دیا۔ اور آپ یہ کہتے ہیں :۔

وَالَاهُمْ قَبْلَ اَعْمَالِهِمْ — ایک جماعت کو اس نے دوست بنا لیا ان کے اعمال سے
وَاَعْدَاهُمْ قَبْلَ اَعْمَالِهِمْ — پہلے اور ایک جماعت کو دشمن بنا دیا ان کے اعمال سے پہلے
ثُمَّ جَازَاهُمْ بِاَعْمَالِهِمْ — اس کے بعد سب کو جزا دی ان کے اعمال کے مطابق۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، کُلٌّ عَیْنٍ عِلْمٌ۔ یعنی یہی سب علم ہے اور مخلوق اس سے غافل ہے مخلوق پوست (چھلکے) کے ساتھ مشغول ہے۔ مغز چاہیئے یعنی حقیقت جس میں وہ مشغول ہووے۔

اور فرمایا : اَضْیَقُ مِنَ السُّجُوْنِ مُعَاشَرَةُ الْاَضْدَادِ — قیدخانوں میں سب سے زیادہ تنگ قیدخانہ مخالفوں کے ساتھ رہنا ہے۔[1]

اور فرمایا : فَضْلُ الْمَقَالِ عَلَی الْفِعَالِ مَنْقَصَةٌ — فعل پر قول کا بڑھ جانا نقصان اور عیب کی بات ہے اور
وَفَضْلُ الْفِعَالِ عَلَی الْمَقَالِ مَکْرَمَةٌ — قول پر فعل کا بڑھ جانا بزرگی کی بات ہے[2]

اور فرمایا : عَلَامَةُ اِعْرَاضِ اللّٰہِ عَنِ الْعَبْدِ اَنْ یُّشْغِلَهٗ بِمَا لَا یَنْفَعُهٗ۔ — بندہ سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے اعراض کرنے کی نشانی بندہ کو مشغول کرنا ہے اس چیز میں جو اس کو آخرت میں نفع نہ دے۔

اور فرمایا : مَا لَمْ تَخْرُجْ مِنْ کُلِّیَّتِکَ لَمْ تَدْخُلْ فِیْ حَدِّ الْمَحَبَّةِ — جب تک تو اپنی ذات سے پوری طرح نہیں نکلے گا محبّت کی حدود میں داخل نہ ہو گا۔[3]

۲۰۵۔ حضرت ابو علی خیران رحمۃ اللہ علیہ

نام حسن بن صالح بن خیران ہے۔ شافعی مذہب کے فقیہ اور عالم تھے فقہ اور پرہیزگاری میں جامع تھے۔ انہیں قاضی القضات (چیف جسٹس) کا عہدہ قبول کرنے کے لیے کہا گیا، قبول نہ کیا۔ کہتے ہیں مقتدر باللہ کا وزیر علی بن علیلی تھا۔ اس نے شہر کے کوتوال سے

---

[1] یعنی غیر موافق لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنا تنگ ترین جیل خانہ ہے۔
[2] یعنی عمل کے مقابلہ میں باتیں زیادہ کرنا ناقص ہونے کی دلیل ہے اور باتوں کے مقابلہ میں عمل کا زیادہ ہونا عزّت و کرامت کی دلیل ہے۔ یا گفتار کی زیادتی کردار پر نقصان و وبال ہے اور کردار کی زیادتی گفتار پر خوبی اور کمال ہے۔
[3] یعنی جب تک تو اپنی خواہشات سے پوری طرح باہر نہ آ جائے گا۔ مقامِ محبّت میں نہ آئے گا۔

کہا، شیخ ابوعلی خیران کو لے کر آ۔ تا کہ ان پر قضا پیش کریں۔ ابوعلی نے یہ بات سُن لی تو وہ چھپ گئے۔ چند آدمی ان کے گھر پر تعیّنات کر دیئے گئے کہ جب وہ پانی کا محتاج ہوگا باہر آئے گا۔ آخر دس دن یا زیادہ عرصہ تک وہ باہر نہ نکلے تو وزیر کو اس کی خبر پہنچی۔ وزیر نے حکم دیا اسے چھوڑ دو۔ ہمارا مقصد اس سے یہ تھا کہ لوگ جان لیں کہ ہمارے ملک میں ایک ایسا آدمی بھی ہے کہ مشرق و مغرب کی قضا اس پر پیش کی مگر اس نے قبول نہ کی۔ ابوعلی خیرانؒ کا فرمان ہے: اِذَا اِسْتَنَدَ الرَّجُلُ نَامَ عَقْلُہٗ، جب کوئی آدمی مخلوق پر بھروسہ کرتا ہے[1]۔ اس کی عقل سو جاتی ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، "جب دل بیدار ہوتا ہے مردِ مُعلّق ہوتا ہے۔

۲۰۶۔ حضرت عبداللہ بن حداد رازی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ عبداللہ بن حَدّاد نے فرمایا: "ہر کہ حق تعالیٰ را در جوانی فرو گذارد وَیرا در پیری فروگزارند و یاری نہ دھند۔" جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حق کو جوانی میں ضائع کر دے گا وہ (خدا تعالیٰ) اس کو بڑھاپے میں فراموش کر دیں گے۔

۲۰۷۔ حضرت عبداللہ بن عِصام المقدسی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام نے فرمایا، انہوں نے حضرت محمد مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خواب میں دیکھا، پوچھا، یارسُول اللہ! جس کام میں ہم ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا، حق تعالیٰ سے شرم رکھنا کہ جب تو مخلوق کے ساتھ ہو تو اس سے خالی رہے۔ یعنی جب تو ظاہر میں مخلوق کے ساتھ ہو تو دِل میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہو اور تو اس سے شرم کرے کہ دل میں بھی تو مُخلوق کے ساتھ مشغول ہو۔

جنابِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہ فرمایا اور واپس تشریف لے گئے۔ میں آپ کے پیچھے گیا اور کہا، یارسُول اللہ کچھ اور فرمائیں۔ فرمایا، "جس وقت تو دل کے ساتھ حق میں مشغول ہو تو مخلوق پر بخشش اور مہربانی کرنا۔ یعنی جب تو باطن میں حق سبحانہٗ کے ساتھ ہو اس حال میں تجھے چاہیئے کہ اپنے ظاہر کے ساتھ مخلوق میں رہے اور

---

[1] مطلب یہ ہے کہ آدمی جب کسی چیز پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے اس کی قوّتِ مدرکہ حق تعالیٰ سے غافل ہو جاتی ہے اور اس بات کا لازم یہ ہے کہ جب مرد غافل نہیں ہوتا کسی چیز سے معلّق اور وابستہ نہیں ہوتا اور وہ پُختہ ہوتا ہے۔ یعنی جب وہ اس کو دیکھتا ہے کہ سب کا فاعل و متحرک وہ سُبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔ غیر پر اعتماد کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ پس شیخ الاسلام کا کلام اس کی تفسیر ہو گی، لیکن تفسیر بالازم۔

ان پر بخشش کرے اور ان کے حقوق کو ضائع نہ کرے۔

۲۰۸۔ حضرت عبداللہ نباذانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام نے فرمایا، کہ انہوں نے فرمایا، میں نے حضرۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا، یا رسول اللہ! "با کدام قوم نشینم"۔ یا رسول اللہ! میں کن لوگوں کے ساتھ بیٹھوں۔ فرمایا، "باآں قوم کہ بمہمانی شوند"۔ اُن لوگوں کے ساتھ جو مہمانی میں رہتے ہیں یعنی درویشوں کے ساتھ۔ نہ ان لوگوں کے ساتھ جو مہمانی کرتے ہیں۔ یعنی تونگر اور دولت مندوں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔

۲۰۹۔ حضرت ابوالخیر التیناتیؒ الاقطع رحمۃ اللہ تعالےٰ

وفات ۳۳۶ھ۔ چوتھے طبقہ کے بزرگوں میں سے تھے حمّاد نام ہے۔ غلام تھے۔ شیخ ابوالخیر زنبیل (ٹوکریاں) بناتے تھے۔ لوگوں میں کوئی اس بات کو نہ جانتا تھا کہ وہ کیسے بناتے ہیں اور ان لوگوں نے ان کے دو ہاتھ نہیں دیکھے تھے۔ جب ان کے پاس کوئی نہ ہوتا تو شیر سے دل بہلاتے تھے۔ اُن سے کہا گیا:

بَلَغَنَا اَنَّ السِّبَاعَ تَأْنِسُ بِکَ۔ قَالَ، "نَعَمْ اَلْکِلَابُ یَانِسُ بَعْضُھَا بِبَعْضٍ۔" لوگوں نے کہا، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ درندے آپ سے اُنسیت کرتے ہیں اور آپ سے دل بہلاتے ہیں، فرمایا، "ہاں! کُتّے ایک دوسرے سے دل بہلا لیا کرتے ہیں۔"

وہ زنہار زمین تھے یعنی قطب وقت تھے۔ جو مخلوق کے حال پر اشراف رکھتے تھے۔ یعنی ان سے باخبر تھے۔ اُن سے بہت ہی نشانات و کرامات ظاہر ہوتے۔ ابوالخیر نے ابوعبداللہ جلاّرؒ، جنیدؒ اور ان کے علاوہ دوسرے مشائخ کی صحبتیں اختیار کیں۔ طریقۂ توکّل میں یگانہ بے مثال تھے۔

اِرشادات: ہر کہ عمل خود ظاہر کند مرائی ست وہر کہ حال خود ظاہر کند مدّعی۔ فرمایا جو کوئی اپنا عمل ظاہر کرتا ہے وہ ریا کار ہے اور جو اپنا حال ظاہر کرتا ہے وہ مُدعی ہے[2]۔

ایک دن یہ دریا کے کنارے پر تھے کہ ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ پانی پر چلتا تھا۔ اسے دیکھ کر فرمایا:

ایں چہ بدعت است باخشکی آئی وغیرہ یہ کیا بدعت ہے تو خشکی پر آ اور زمین پر چل۔

ایک دن کسی اور کو دیکھا کہ وہ ہوا میں جا رہا تھا۔ فرمایا یہ کیا بدعت ہے۔ نیچے آ اور چل۔ پھر زور سے اس کو آواز دی

---

[1] تینات ایک گاؤں کا نام ہے جو مصر سے دس فرسنگ (۳۰ میل) دور تھا۔ [2] مدّعی یعنی بزرگی کا دعویدار ہے۔

کہ تُو کہاں جارہا ہے۔ اس نے کہا "حج کو"۔ فرمایا، "پھر جا"۔ یعنی اس نیّت پر تو جا سکتا ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، کرامت فروش کہ لوگ اسے قبول کریں وہ مغرور ہے اور کرامت خر کرامت کا خریدار اگرچہ وہ کتے کیطرح نہ بھونکے کتا ہے۔ یعنی حقیقت کرامات نہیں بلکہ اس کے علاوہ دوسری چیز ہے کہ جو زاہدوں اور ابدالوں کو پسند ہے۔ صوفی عارف کرامات سے بڑا ہے۔ وہ خود کرامتوں کی کرامت ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، کہ عباس بن محمد الخلال ایک مرد سے نقل کرتے ہیں کہ ابوالخیر تینائی نے مجھے کہا، گدڑی گردن میں ڈالے ہوئے کہا جارہا ہے؟ اس نے کہا۔ "طرطوس اور بیت المقدس"۔ فرمایا، چرا بکنجے باز نہ نشینی و رُو تے باؤ نہ کُنی۔ کسی گوشہ میں کیوں نہیں بیٹھتا اور رُخ کو اس کی طرف کیوں نہیں کرتا[1]۔ شیخ الاسلام نے کہا، وہ گوشہ کہاں ہے؟ خود فرمایا، "اس جگہ جہاں تو نہ ہو، صرف وہ ہو"۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، ابو صالح حدثانی جن کا نام ہارُون ہے، نے کہا، مَیں ابوالخیر تینائی کے گھران کی زیارت کے لیے گیا۔ مجھے کہا، اب کس جگہ کا سفر کرنا ہے۔ میں نے کہا، طرطوس کا۔ بولے اب تُو کہاں کی نیّت رکھتا ہے۔ میں نے کہا، مکہ کی نیت رکھتا ہوں۔ فرمایا، "اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک دولت دی ہے تم نے اس کا حق پہچانا اور نہ تم نے اس کی قدر کی۔ اس نے تم کو جنگلوں اور دریاؤں میں پراگندہ کردیا۔" ابو صالح نے کہا، اے شیخ حج اور جہاد کو یہ کہتے ہو؟ فرمایا، "ہاں، حج اور جہاد کو ہی کہہ رہا ہوں۔ کیوں نہیں تم اپنے وقت کو غنیمت سمجھتے اور اس کے ساتھ یعنی حق سُبحانہٗ کے ساتھ مشغول ہو کر کیوں نہیں بیٹھ جاتے"۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، ایک مرید ابوالقاسم خلال مروزی کے پاس گیا۔ ان سے سفر کی منظوری چاہی کہ مَیں سفر میں رہوں۔ پیر نے کہا، "چرا می رَوی؟" سفر کیوں کرتا ہے؟ بولا، اگر پانی ایک جگہ ٹھہرا رہے تو گدلا اور خراب ہو جاتا ہے۔ پیر نے کہا تو سمندر کیوں نہیں بن جاتا، کہ وہ نہ چلتا ہے نہ خراب ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تُو خود کو ایسا کیوں نہیں بنا لیتا کہ کوئی چیز تجھ میں تصرف نہ کرے اور تجھ میں تبدیلی نہ لائے۔

ابوالخیر تینائی کے ایک آدمی نے کہا کہ ایک دن شیخ بیٹھے ہوئے تھے کہا، "وعلیکم السلام"۔ مَیں نے کہا، فرشتوں کا جواب دے رہے ہو؟ کہا، "نہیں"۔ آدم کی اولاد میں سے ایک آدمی ہوا میں گزر رہا تھا اس نے مجھے سلام کیا۔ میں نے اس کا جواب دیا۔

ابوالحسین قرافی کہتے ہیں مَیں ابوالخیر تینائی کی زیارت کے لیے گیا۔ جب ان سے رخصت ہونے لگا تو وہ مسجد تک باہر آئے اور کہا، "او ابوالحسین کوئی معلوم[2] چیز تُو اپنے پاس نہیں رکھتا ہے لیکن یہ دو سیب لے، اور اپنے پاس رکھ۔" مَیں نے انہیں لے لیا اور جیب میں رکھ لیا۔ تین دن چلا کوئی فتوح[3] نہ پہنچی تو ان میں سے ایک سیب نکالا اور

---

[1] یعنی گوشہ میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی طرف کیوں نہیں متوجہ ہوتا [2] یعنی خرچ نہیں رکھتا [3] کہیں سے کچھ نہ ملا۔

تک میں پاتا تھا۔ اس کے بعد اشارہ یہ ہوا کہ ثغر (سرحد)[1] پر جانا چاہیئے۔ میں یہاں سے سرحد کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ ایک بستی میں پہونچا۔ اتفاق سے اس دن جمعہ تھا۔ جامع مسجد کے صحن میں ایک شخص حضرت زکریا علیہ السلام کے درخت میں پناہ لینے اور آرہ سے ان کے دو ٹکڑے کرنے اور ان کے صبر کرنے کا قصّہ بیان کر رہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا، "الٰہی سیدی و مولائی زکریا علیہ السّلام تو بڑے صابر مرد تھے۔ اگر تُو مجھے بھی مصیبت میں مبتلا کرے تو میں صبر کروں گا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو گیا یہاں تک کہ انطاکیہ میں آیا۔ میرے کچھ دوستوں نے مجھے دیکھا۔ انہوں نے جان لیا کہ سرحد کا ارادہ رکھتا ہے۔ میرے واسطے تلوار، نیزہ اور ڈھال لے آئے۔ میں انہیں لے کر سرحد پر گیا اپنے خُدا تعالیٰ سے شرمندہ رہا کہ دشمنوں کے خوف سے دیوار کے پیچھے[2] میں نے مقام کیا۔ دن مورچہ میں، جو دیوار سے باہر تھا قیام کرتا اور رات کو دریا کے کنارے آتا اور برچھے کو زمین میں گاڑ دیتا اور ڈھال کو اس پر رکھ کر محراب بنا لیتا اور تلوار کو گلے میں ڈال لیتا اور دن تک نماز پڑھتا رہتا۔ جب صبح کی نماز پڑھ لیتا تو مورچہ میں واپس آجاتا۔ ان دنوں میں مَیں نے ایک دن دیکھا میری نظر ایک درخت پر پڑی کہ اس کے کچھ پھل سُرخ اور کچھ سبز تھے اور جگنو ان پر بیٹھا ہوا چمک رہا تھا۔ یہ حسین منظر مجھے اتنا اچھا لگا کہ اس نے میرے عہد کو مجھ پر فراموش کر دیا۔ میں نے اس درخت کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ اس کے پھل سے چکھ لوں۔ چکھ لیا اور اس میں کچھ پھل مُنہ میں ڈال لیا اور کچھ میرے ہاتھ میں تھا کہ انہوں نے میرا عہد یاد کرایا تو میرے ہاتھ میں جو تھا میں نے اسے پھینک دیا اور جو میرے مُنہ میں تھا اسے تھوک دیا۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا اب محنت اور ابتلاء کا وقت آن پہنچا۔ زرہ اور برچھے کو دُور پھینکا۔ ایک جگہ بیٹھ گیا اور ہاتھ سَر پر مارا۔ ابھی دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ چند سواروں اور پیادوں نے مجھے آگھیرا اور کہا اٹھ، وہ لوگ مجھے لے گئے اور مجھے دریا کے ساحل پر پہنچا دیا۔ مَیں نے دیکھا اس علاقے کا حاکم سواری پر سوار ہے اور سواروں و پیادوں کا گروہ اس کے چاروں طرف ہیں۔ سپاہیوں کی وہ جماعت جس نے آج سے ایک دن پہلے ڈاکہ ڈالا تھا۔ سپاہیوں نے ان کو اس کے سامنے روکا ہوا تھا۔ جب میں حاکم کے سامنے پہنچا تو اس نے پوچھا کہ تو کون شخص ہے؟ میں نے کہا، "خدا تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔" پھر اس نے ان سپاہیوں سے پوچھا۔ اسے پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا، "نہیں۔" امیر نے کہا، "یہ تمہارا سردار ہے تم خود کو اس پر قربان کر رہے ہو" اس کے بعد اس نے

---

[1] ثغر، اس جگہ کو کہتے جس جگہ مسلمانوں کو خوف ہو کہ یہاں سے کفّار حملہ کریں گے۔ پس اس جگہ کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کی حفاظت کرنے کا بہت ثواب ہے۔ یا جہاد کی مانند اسکا ثواب ہے [2] یعنی شہر کی فصیل کے پیچھے۔

کھالیا۔ میں نے چاہا کہ دوسرا بھی نکال لوں۔ دیکھا کہ دونوں سیب میری جیب میں ہیں۔ پس جب میں ان میں سے ایک کھاتا تھا میری جیب میں دوسرا پیدا ہو جاتا تھا۔ اور یہاں تک کہ جب میں موصل پہنچ گیا تو میرے دل میں یہ بات آئی یہ سیب میرے معلوم ہیں۔ جب ان سیبوں نے میرے توکل کو مجھ پر خراب کر دیا۔ میں نے ان کو جیب سے باہر نکالا۔ میں نے اسی وقت ایک درویش کو دیکھا۔ جس نے خود کو جُبّہ میں لپیٹ رکھا تھا۔ کہتا تھا، مجھے سیب کی آرزو ہے۔ مَیں نے دونوں سیب اسے دے دیئے۔ جب اس سے آگے گیا تو میرے دل میں یہ بات آئی کہ شیخ ابوالخیر نے یہ سیب اس کو بھیجے تھے۔ واپس لوٹا اور اس کو تلاش کیا۔ مجھے نہ ملا۔ اس گروہ کے ایک آدمی نے کہا، مَیں شیخ ابوالخیر تیناتی کے پاس موجود تھا تو شیخ اپنے ابتدائی حالات کے متعلق اپنی ہدایت پانے کا ابتدائی حال بیان کرنے لگے۔ مَیں نے انسے پوچھا کہ آپ کے ہاتھ کٹ جانیکا کیا سبب ہوا، فرمایا، "میرے ہاتھ نے گناہ کیا۔ اُنہوں نے اسے کاٹ ڈالا۔ میں نے خیال کیا۔ شاید انہوں نے جوانی میں ایسا کوئی کام کیا ہوگا۔ جو ان کے ہاتھ کٹنے کا سبب ہو گیا۔ اِس کے سِوا میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ آخر چند سال کے بعد چند مشائخ کے ساتھ مَیں ان کی زیارت کے لیے پھر گیا۔ یہ حضرات آپس میں حق سُبحانہٗ کی عنایات و کرامات کے متعلق جو ان کو حق سُبحانہٗ کیطرف سے ملی تھیں۔ باتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ بات طیُّ الارض پر پہنچ گئی اور اس سلسلہ میں ہر شخص بات کہتا تھا۔ ابوالخیر ان کی باتوں سے اکتا گئے اور فرمانے لگے تم کب تک یہ کہتے رہو گے کہ فلاں ایک رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے اور فلاں ایک دن میں۔ مَیں ایک حبشی غلام کو جانتا ہوں کہ ایک دن جامع طرابلس[1] میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنا سر گدڑی میں ڈالے خوش و خرم تھا۔ اس کے دل میں آیا اور خیال میں کہا۔ کاش میں اس وقت حرم میں ہوتا۔ جب گدڑی کے ایک حصہ سے اپنا سر باہر نکالا تو خود کو حرم میں پایا۔ وہ حضرات جماعت کو تکنے لگے۔ ایک دوسرے کو اشاروں میں کہتے تھے وہ غلام حبشی یہ خود ہی ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک نے گستاخی کی اور کہا، لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ کٹنے کا کیا سبب ہوا۔ بولے، "میرے ہاتھ نے گناہ کیا۔ انہوں نے اسے کاٹ دیا۔ مشائخ نے کہا، یہ بات تو آپ مدّت سے کہتے چلے آ رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کا سبب بتائیں۔ آپ نے فرمایا، "مَیں مغرب کے علاقہ کا رہنے والا تھا۔ میرا دل چاہا کہ سفر کروں۔ اسکندریہ آیا اور وہاں پر بارہ سال تک رہا۔ پھر سفر کی سُوجھی۔ دوسرے بارہ سال شطا و دمیاط[2] کے درمیان قیام کیا ان لوگوں نے کہا اسکندریہ بڑا با رونق شہر ہے۔ وہاں

---

[1] لیبیا کا شہر ہے۔ [2] شطا و دمیاط مصر کے نواح میں ایک گاؤں کا نام ہے

توڑ سکتے تھے، لیکن شطا و دمیاط کے درمیان کسی قسم کی آبادی بھی نہیں۔ وہاں آپکا گزرِ اوقات کیسے ہوتا ہوگا اور اسکندریہ یہ کیوں نہیں چلے گئے۔

شیخ نے فرمایا، خلیج[1] اور دمیاط کے کنارے سے مَیں نے بانس کی جھونپڑی بنالی تھی اور اس زمانہ میں بہت راہگذر (مسافر) دمیاط میں اُترتے تھے۔ جب وہ رات کے وقت کچھ کھاتے تھے اپنے دسترخوان کو فصیل کے باہر جھاڑ دیتے تھے۔ روٹی کے جو ٹکڑے وہاں وہ ڈالتے تھے، ان کتّوں کے ساتھ مَیں مزاحمت کرتا تھا اور اپنا حصّہ اٹھالیتا تھا۔ گرمیوں میں میری خوراک کا بندوبست یہ تھا اور جب جاڑا ہوتا تھا تو میری جھونپڑی کے گرداگرد برَوی (ایک بُوٹی) بہت اُگتی تھی۔ میں زمین کھود کر اس کی جڑ نکالتا۔ اس کی جڑ جو تازہ اور سفید ہوتی تھی وہ میں کھالیتا تھا اور جو اس میں سبز اور خشک ہوتی اُسے پھینک دیتا تھا۔ یہ تھی میری خوراک۔ اچانک ایک دن میرے دل میں انہوں نے (حق تعالی نے) یہ خیال ڈالا، اے ابوالخیرَ! آیا تیرا یہ گمان ہے کہ تو مخلوق کے ساتھ ان کے رزق میں شریک نہیں؟ اور تُو تو توکّل کا دعوٰی کرتا ہے۔ حالانکہ تو معلوم کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ مَیں نے کہا، الٰہی سیدی و مولائی مَیں تیری عزّت کی قسم کھاتا ہوں کہ میں ہرگز اس پر ہاتھ نہ بڑھاؤں گا جو زمین سے اُگتا ہے اور میں کچھ نہ کھاؤں گا۔ بجز اس کے جو تُو مجھے اپنی قدرت سے پہنچائے گا۔ بارہ دن دوسرے گزر گئے۔ مَیں فرض، سُنّت، نفل نمازیں بدستور پڑھتا رہا اس کے بعد نفلیں پڑھنے سے عاجز ہوگیا پھر بارہ روز تک صرف فرض اور سُنّتیں پڑھتا رہا اس کے بعد سنتوں سے بھی عاجز ہوگیا، پھر بارہ روز تک صرف فرض پڑھتا رہا۔ اس کے بعد کھڑا ہونے سے بھی عاجز ہوگیا اور بیٹھ کر فرض ادا کرتا رہا۔ پھر بیٹھنے سے بھی عاجز ہوگیا تو میں نے دیکھا کہ دوسرا فرض بھی مجھ سے فوت ہوجائے گا۔ پس خدا تعالیٰ کی پناہ میں گیا اور اپنے دل میں کہا، الٰہی و سیدی تُو نے مجھ پر کچھ عبادت فرض کی ہے کہ اس کے متعلق میں تجھ سے سوال کروں گا اور میرے رزق کی تُو نے اپنے ذمّے ضمانت لی ہے کہ تو وہ مجھے پہنچائے گا۔ اس رزق کے وسیلہ سے جو تُو نے اپنے ذِمّہ لیا ہے مجھ پر فضل فرما۔ اور اس عہد سے جو میں نے تجھ سے کیا ہے میری پکڑ نہ فرما۔ مَیں نے اسی وقت دیکھا میرے سامنے دو روٹیاں ظاہر ہوئیں اور ان دونوں کے بیچ میں کوئی چیز ہے[2]۔ راوی کہتے ہیں شیخ نے یہ نہیں بتایا کہ دو روٹیوں کے درمیان کیا چیز تھی اور نہ اہلِ مجلس میں سے کسی نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا تھا جو روٹیوں کے بیچ میں تھا۔ شیخ نے فرمایا، اس کے بعد ہمیشہ دو روٹیاں اس رات سے لے کر دوسری رات

---

[1] خلیج پانی کی ندی ہے جس سے دریا جُدا ہوتا ہے۔ [2] یعنی دو روٹیوں کے درمیان کچھ رکھا ہوا ہے۔

حکم دیا۔ اِن کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ وہ ایک ایک کو پیش کرتے اور ہر کسی کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ دیتے تھے۔ جب مجھ پر نوبت پہنچی۔ مجھے کہا، "آگے آ۔" اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا۔ مَیں نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔ انہوں نے کاٹ دیا۔ کہا اپنا پاؤں آگے کر پاؤں آگے بڑھا دیا۔ اور مُنہ آسمان کی طرف کیا اور کہا، الٰہی وسیّدی دستِ مَن گناہ کردہ بود۔ پائے راچہ گناہ است؟ الٰہی اور میرے آقا! میرے ہاتھ نے گناہ کیا تھا، مگر پاؤں کا کیا قصور۔ اچانک ایک سوار جوان میں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے خود کو زمین پر ڈال دیا۔ اور کہا، کیا کر رہے ہو؟ تم چاہتے ہو کہ آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے۔ یہ فلاں مردِ صالح ہے اور اس نے میرا نام لیا۔ اس امیر نے خود کو گھوڑے سے نیچے ڈال دیا اور میرے کٹے ہوئے ہاتھ کو اٹھایا، بوسہ دیا اور میری منّت وزاری کرتا تھا اور روتا تھا۔ وہ مجھے کہتا تھا مجھے معاف کر۔ مَیں نے کہا، "مَیں نے پہلے ہی تجھے معاف کر دیا ہے۔ ایک ہاتھ تھا جس نے گناہ کیا انہوں نے اس کو کاٹ دیا۔ اس کے بعد میں رو پڑا اور کہا کہ اس سے بڑی کون سی مصیبت ہوگی کہ ہاتھ بھی کاٹا گیا اور وہ دو روٹیاں بھی ہاتھ سے گئیں۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، زہیر بن بکیر ایک بزرگ عالم تھے اور صاحب تصنیفات بھی۔ اِن کا بیان ہے کہ ایک زمانہ تک میرا یہ حال رہا کہ موالی جو غلامی سے آزاد ہو جاتے اور غلام خواہ کیسے ہی کامل ہوتے میری نظر میں نہ آتے اور میں انہیں کچھ نہ سمجھتا تھا، مگر ان لوگوں کو جو اصل کے اعتبار سے عرب نسل سے ہوتے! ایک رات خواب میں دیکھا کہ اس جماعت کے لوگ حلقہ در حلقہ اور جوق در جوق آسمان تک ہیں۔ ان لوگوں نے مجھ کو کہا، اوبکیر کے بیٹے کہ یہ سب لوگ جو تُو نے دیکھے یہ سب عجم کے رہنے والے غلام ہیں ان لوگوں کے درمیان صرف ایک آدمی ہے جو عربی ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، مَیں اس جماعت کے تیرہ ابوالخیر نام کے لوگوں کو پہچانتا ہوں جو سب غلام تھے مگر جہاں کے آقا اور سردار تھے اور چند ایک کے نام بتاتے:۔

ابوالخیر تیناتی، ابوالخیر عسقلانی، ابوالخیر حمصی، ابوالخیر مالکی، ابوالخیر حبشی اور ابوالخیر حبشی سب سے پچھلا ابوالخیر ہے۔ یعنی سب کے بعد ہوئے ہیں۔

۲۱۰۔ حضرت ابوالخیر حبشی رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۳۸۳ھ۔ شیخ عمو اور شیخ عباس ان کے دیدار پر فخر کیا کرتے تھے۔ وہ مکہ جا کر رہنے لگے تھے۔ ایک وقت ایک شخص مسجد حرام میں آیا اور بولا، "کہاں ہیں؟ وہ جن کو جوانمرد کہتے ہیں۔ پھر صُوفیاء کی طرف اشارہ کیا اور حقارت سے کہا جوانمرد یہی ہیں؟ کچھ ہی وقت گزرا تھا شیخ ابوالخیر حبشی بڑی ہیبت اور پورے غُصّہ کے ساتھ آئے۔ اُن

ان کے چہرہ پر زردی کھنڈ رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس آدمی نے صوفیاء کے متعلق جو بات کہی تھی انھیں معلوم ہو گئی تھی۔ شیخ ابوالخیر نے آ کر فرمایا:

کیست آں کہ میگوید کجا نند جوانمرداں جوانمردے بیہ تا جوانمرد بیند۔

وہ کون ہے جو کہتا ہے کہ جوانمرد کہاں ہیں؟ جوانمرد ہونا چاہئیے تا کہ جوانمرد کو دیکھے۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ ابوالخیر وہی ہے جس کی قبر ابرقوہ میں ہے اور اس کا نام اقبال تھا۔ اور اس کا لقب طاؤس حرمین اور کنیّت ابوالخیر۔ یہ حبشی غلام تھا۔ جرجان کے سرداروں میں سے کسی سردار کے جو غلامی کے زمانہ میں بھی حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بندگی میں پوری طرح مشغول رہتا تھا۔ اس کا خواجہ یعنی مالک ہمیشہ یہ کہتا تھا، مجھ سے کچھ مانگ مگر وہ کچھ نہیں مانگتا تھا۔ اور کوئی فرمائش نہیں کرتا تھا۔ ایک دن اس کے مالک نے بہت خوشامد کی اور بہت منّت سماجت کی۔ اس پر ابوالخیر نے کہا، اگر تو چاہتا ہے تو مجھے خالص اللہ کی رضا کے لیے آزاد کر دے۔ آقا نے کہا، کئی سال ہو گئے مَیں آپ کو آزاد کر چکا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ میرے آقا ہیں اور مَیں آپ کا غلام۔ آزاد ہو جانے کے بعد ابوالخیر نے مالک کو رخصت کیا اور بغداد کا رُخ کیا تا کہ وہاں جا کر ایک بزرگ کی زیارت کریں۔ جب وہاں پہنچے تو وہ شیخ قریب المرگ تھے۔ جب انہیں سلام کیا اس نے کہا، وعلیکم السّلام۔ اے ابوالخیر مجھے تیرا اشتیاق تھا اور تیرا لقب شریف ہے تو حجاز میں اسی لقب سے مشرف ہوگا اور انہیں حرمین شریفین زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً میں رہنے کی وصیت کی اور کہا تیرا مقصود اس جگہ حاصل ہوگا۔ ابوالخیر ساٹھ سال تک حرمین میں رہے اور اس عرصہ میں انہوں نے کبھی کسی سے کوئی سوال نہیں کیا۔ خود فرمایا، میں مکّہ اور مدینہ میں ساٹھ سال تک رہا اور بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ جب کسی سے سوال کرنے کا خیال ہوتا اور چاہتا کہ اس سے مانگ لُوں۔ اُسی وقت ہاتف آواز دیتا شرم نہیں رکھتا؟ کہ جس مُنہ سے تو ہمیں سجدہ کرتا ہے اس کو دوسرے کے سامنے خوار کریگا۔ کہتے ہیں جب روضۂ مقدسہ مصطفویہ علیٰ ساکنہا الصَّلوٰۃُ والسّلام پر آتے اور کہتے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ الثَّقَلَیْنِ۔ جواب آتا وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا طَاوٗسَ الْحَرَمَیْنِ۔ ابوالخیر نے فرمایا، اَلْحُرُّ مَنْ یُوْجِبُ عَلٰی نَفْسِہٖ مِنْ خِدْمَۃِ الْاَحْرَارِ۔ آزاد مرد وہ ہے جو اپنے اوپر لازم کر لے آزاد مردوں کی خدمت کو۔

وَالْفَتٰی مَنْ لَّا یَرٰی لِنَفْسِہٖ عَلٰی اَحَدٍ مِّنَّۃً وَّلَا یَرٰی لِنَفْسِہٖ اِسْتِغْنَآءً عَنْ اَحَدٍ

اور جوانمرد وہ ہے جو اپنی طرف سے کسی پر احسان نہ دیکھے اور نہ خود کو کسی سے مستغنی دیکھے۔

اور فرمایا، "برّ تجارت احرارست و تواضع سود ایشاں۔ نیکی آزاد مردوں کی تجارت ہے اور تواضع اُن کا نفع۔

۲۱۱۔ حضرت ابراہیم بن شعبان الکرمانشاہی قزوینی قدس اللہ سرّہٗ

وفات ۳۲۷ھ۔ چوتھے طبقہ سے ہیں۔ ان کی کنیت ابو اسحاق ہے۔ اپنے زمانہ میں کوہستان میں رہنے والوں کے شیخ تھے۔ تقویٰ اور ورع میں وہ مقامات رکھتے تھے کہ مخلوق اس مقام پر پہنچنے سے عاجز ہے۔ ابو عبداللہ مغربی اور ابراہیم خواص کے اصحاب میں سے تھے۔ کسی نے عبداللہ منازل سے پوچھا کہ ابراہیم کے متعلق کیا کہتے ہو۔ فرمایا، ابراہیم "حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَى الْفُقَرَآءِ وَ أَهْلِ الْاٰدَابِ وَ الْمُعَامَلَاتِ"۔ ابراہیم اللہ کی حجت[2] ہے فقراء اور اہلِ آداب و معاملات پر۔

حضرت ابراہیم نے فرمایا، "جو کوئی مشائخ کی عزت اور ان کے آداب کا پاس نہ رکھے گا وہ جھوٹے دعووں اور بے ہودہ باتوں، شیخی مارنے اور اپنی بڑائی کرنے میں گرفتار ہوگا اور ان کے ساتھ ذلیل ہوگا۔"

اور فرمایا، جب درویش کہے نعلین من باید کہ درویش نگاہ نہ کُنی یعنی در صحبت باید کہ تُرا ملک نباشد۔ جب درویش کہے کہ میرے جوتے تو ایسے درویش میں نظر نہ کر یعنی اس کی صحبت میں نہ رہنا چاہیئے۔ مطلب یہ کہ چاہیئے کہ تیرے لیے ملک نہ ہو[3]۔

حضرت ابراہیم نے فرمایا، میرے والد نے مجھے وصیت کی علم سیکھ ظاہر کے آداب کے واسطے، پرہیزگاری کو اختیار کر باطن کے آداب کے واسطے اور اس چیز سے دُور رہ جو تجھے خدا تعالیٰ سے غافل کر دے کیونکہ ایسا کم ہوتا ہے کہ کوئی اس سے رُوگردانی کرے اور پھر اس دولت کو پائے کہ اس کی طرف رُخ کرے۔

۲۱۲۔ حضرت ابو زید مرغزی خراسانی رحمۃ اللہ علیہ و قدس اللہ سرّہٗ

شیخ الاسلام نے فرمایا، خواجہ ابو زید مرغزی فقیہ خراسانی حج کے لیے گئے۔ کرمان شاہی پہنچے تو وہاں پر ابراہیم شیبان کو پایا۔ اس سال حج کو جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور دل زندہ کرنے کے لیے ان کی صحبت میں رہنے

---

[1] بعض نسخوں میں قرمیسنی ہے جو کرمان شاہ کا اسم معین معرّب ہے [2] اللہ کی حجت ہے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب گروہوں پر ابراہیم کے ساتھ الزام دیں گے [3] اس لیے کہ عقدِ صحبت مقتضی اتحاد ہے اور ایک دوسرے میں گم ہونا ہے اور کسی چیز کو اپنی طرف نسبت کرنا یعنی کہنا کہ یہ میری چیز ہے۔ یہ میر تیر ہے، اتحاد نہیں۔

لگے اور اس کے بعد تین حج کیے۔ جس دن خواجہ ابو زید دنیا سے رخصت ہوئے اس دن اتنی زور کی بارش ہوئی کہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ آخر عارضی طور پر انہیں گھر میں ہی دفن کر دیا، کہ پھر نکال لیں گے۔ جب ان کی نعش نکالنے کے لیے قبر کھولی گئی قبر میں موجود نہ تھے۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ یہ ولایت انہوں نے فقہ و علم سے نہیں پائی تھی، بلکہ اس پیر سے اور اس کی صحبت سے پائی تھی۔

۲۱۳۔ حضرت ابراہیم بن احمد المولّد الصوفی الرقی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۳۴۲ھ۔ چوتھے طبقہ سے تھے۔ کنیت ابو اسحاق رقہ کے مشائخ اور ان کے جوانمردوں میں سے تھے۔ ابو عبداللہ جلاّء اور ابراہیم قصّار رقّی کے صحبت یافتہ تھے۔ ابراہیم رقّی کہتے ہیں میں نے ابتدائی دور میں مسلم مغربی کی زیارت کا قصد کیا۔ جب ان کی مسجد میں آیا تو انہوں نے امامت کی اور اَلْحَمْدُ کئی جگہ غلط پڑھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا، میری محنت برباد ہو گئی۔ اُس رات وہیں رہا۔ دوسرے دن طہارت کی غرض سے اٹھا تا کہ فرات کے کنارے جاؤں۔ راستہ میں ایک شیر سو رہا تھا جب میں نے دیکھا تو واپس ہو گیا۔ تو دوسرا میرے پیچھے آتا تھا۔ جب میں عاجز اور بے بس ہو گیا تو میں نے شور مچایا۔ مُسلم مغربی اپنے عبادت خانہ سے باہر آئے جب شیروں نے انہیں دیکھا تو وہ عاجزی کا اظہار کرنے لگے۔ شیخ نے ہر ایک کا کان پکڑ کر مروڑا اور کہا، اے خدا عزوجل کے کتّو! کیا میں نے تمہیں نہیں کہا ہے کہ میرے مہمانوں کے کام میں مُخل نہ ہوا کرو۔ اس وقت مجھ سے فرمایا، او ابو اسحاق! تم لوگ اپنے ظاہر درست کرنے میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ تم مخلوق سے ڈرتے ہو۔ اور ہم اپنے باطن کو درست کرنے میں مشغول ہیں یہاں تک کہ مخلوق ہم سے ڈرتی ہے۔

وفات کے بعد ان کے بھائی ابوالحسن علی بن احمد نے انہیں خواب میں دیکھا۔ کہا، "مجھے وصیّت کر"۔ فرمایا، عَلَيْكَ بِالْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ إِلَى اَنْ تَلْقَى رَبَّكَ لازم پکڑ اپنی قِلّت اور ذِلّت کو یہاں تک کہ تُو ملے اپنے رب کو۔ یعنی مرنے دم تک قِلّت اور قناعت کو لازم پکڑ یعنی مرتے دم تک عزّت و بڑائی کی خواہش نہ کرنا۔

اور فرمایا حَقِيْقَةُ الْفَقْرِ اَنْ لَّا يَسْتَغْنِيَ الْعَبْدُ بِشَيْءٍ سِوَا الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰے فقر و درویشی کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی ماسوا حق سبحانہ و تعالیٰ کے کسی چیز سے غنا حاصل نہ کرے۔

اور فرمایا، مجھے اس چیز پر حیرانی ہوتی ہے جس نے یہ پہچان لیا کہ میرا واسطہ خداوند تعالیٰ سے ہے وہ غیر حق سبحانہ و تعالےٰ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) یعنی اس کیطرف متوجہ ہونے کی دولت اس کو پھر مل جاتی۔ جب ایک دفعہ راندہ گیا تو بس راندہ گیا۔

کے ساتھ کیوں زندگی گزارتا ہے، حالانکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَ أَنِیبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَ أَسْلِمُوا لَهُ مخلوق کو چھوڑ کر اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو یعنی اس کے ہی ہو رہو۔ اور اس کے ہی اطاعت گزار اور فرمانبردار رہو نہ کہ اپنے نفس اور اپنی طبیعت کے۔

۲۱۴۔ حضرت ابراہیم دِھِستانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام نے فرمایا: شیخ محمد قصاب نے دامغان میں مجھ سے کہا، جس وقت اس علاقہ میں اہل کلام متکلمین ظاہر ہوتے میں اس سے رنجیدہ ہوا۔ اٹھا، شیخ ابراہیم دِھِستانی کی خدمت میں گیا تاکہ ان سے پوچھوں یعنی اہلِ کلام ان کے مذہب اور انکی باتوں کے متعلق پوچھوں۔ جب انکے پاس پہنچا۔ ابھی میں نے اِنسے کوئی بات نہیں کی تھی تو انہوں نے خود ہی مجھے کہا، محمد واپس جا، لَا يَعْرِفُهُ أَحَدٌ غَيْرُهُ اللہ کو اللہ کے سوا کوئی نہیں پہچانتا ہے۔ ذوالنون کی بات صحیح ہے کہ اَلْعِلْمُ فِي ذَاتِ اللّٰهِ جَهْلٌ اللہ کی ذات کے متعلق ہر علم جہالت ہے[1]۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، "اس کو کوئی نہیں پہچان سکتا بغیر اس کے اور اس کے کلام کے اور جب تو اس کو قرآن و سُنّت کی مدد سے پہچانے گا تو اس کو اس کے ساتھ پہچانے گا یعنی شناخت تصدیقی اور تسلیمی[2] ہے اور عقل محض سے اس کو کوئی نہیں پہچان سکتا کیونکہ عقل مخلوق ہے۔ وہ اپنے جیسی مخلوق کو بتاتی ہے اور بتائے گی۔ جو کوئی اس کے متعلق اس کی بات کہے اس کو قبول کر، کیونکہ وہ خود کہتا ہے"، اپنی عقل اور قیاس کو قبول نہ کر کہ ایمان سمعی ہے یعنی سُنا ہوا ہے نہ کہ عقلی ہے۔

۲۱۵۔ حضرت ابراہیم مَرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا، حضرت ابراہیم مرغینانی نے فرمایا، جسے کان معلوم کریں وہ علم ہے اور جسے فہم اور عقل دریافت کرے یعنی قوّتِ فکر سے معلوم کرے وہ حکمت ہے اور جو کچھ تو اس سے (اللہ تعالیٰ سے) سُننے اور معلوم کرے یعنی ذوق کے ذریعہ سے معلوم کرے وہ حیات (زندگی) ہے۔"

---

[1] یعنی ذاتِ حق میں کچھ سوچنا اور اس کو حق سمجھنا یہ ایک صورت ہے۔ حق سبحانہٗ کی ذات کے مطابق نہیں ہے۔ قوّتِ مدرکہ میں اس کی کوئی صورت نہیں آسکتی۔

[2] یعنی شناخت تصدیقی سے مُراد ذوقی شناخت ہے اور تسلیمی سے مُراد شناخت وجدانی ہے۔

۲۱۶۔ حضرت مظفر کرمان شاہی رحمۃ اللہ علیہ

چوتھے طبقہ سے تھے۔ پہاڑ کے مشائخ میں بڑے شیخ اور فقراء صادق میں سے تھے۔ عبداللہ خرّاز کی صحبت میں تربیت پائی۔ اوران سے زیادہ بزرگ تھے۔ اور اپنے طریقہ میں یگانہ مشائخ ہوتے ہیں۔ عباس شاعر کے اُستاد ہیں شیخ الاسلام قُدّس سرہٗ نے فرمایا، انہوں نے رات کے تین حصے کر رکھے تھے۔ ایک تہائی میں نماز پڑھتے دوسری میں قرآن اور تیسری میں مناجات۔ یعنی اللہ سے التجائیں کرتے اور اپنے حال پر روتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

لَقَدْ لَسَعَتْ حَیَّةُ الْھَوٰی کَبِدِیْ   فَلَا طَبِیْبَ لَھَا وَلَا رَاقِیْ
غَیْرُ الْحَبِیْبِ الَّذِیْ شُغِفْتُ بِہٖ   فَعِنْدَہٗ رُقْیَتِیْ وَ تِرْیَاقِیْ

ترجمہ: محبّت کی ناگن نے میرا کلیجہ ڈس لیا۔ پس نہ اس کا کوئی طبیب ہے اور نہ دم کرنے والا، مگر وہ یار جس کا میں عاشق ہوں اس کے پاس میرا تعویذ ہے اور میرا تریاق وعلاج [۱]

انہوں نے فرمایا، "اَلْعَارِفُ مَنْ جَعَلَ قَلْبَہٗ لِمَوْلَاہُ وَجَسَدَہٗ لِخَلْقِہٖ" عارف وہ ہے جو اپنا دل اپنے مولا کے لیے اور اپنا جسم اس کی مخلوق کے لیے وقف کر دے [۲]

یہ بھی فرمایا، "مَنْ صَحِبَ الْاَحْدَاثَ عَلٰی شَرْطِ السَّلَامَۃِ وَالنَّصِیْحَۃِ اَدَّاہُ ذٰلِکَ اِلَی الْبَلَاءِ فَکَیْفَ بِمَنْ صَحِبَھُمْ عَلٰی شَرْطِ غَیْرِ السَّلَامَۃ" جو حداث جوانوں اور بے داڑھی لڑکوں کی صحبت اختیار کریگا۔ بشرطیکہ وہ فساد اور خراب ہونے سے بچا رہیگا اور خیر خواہی کرتا رہیگا ان کی صحبت بلائیں اور مصیبتیں لائیگی۔ اور جب ان لڑکوں کے ساتھ سلامتی اور عفّت کے ساتھ رہے گا اس پر بلاء اور مصیبت آتے گی پھر اس کا کیا حال ہوگا جو ان لڑکوں کے ساتھ عفّت وسلامتی کی شرط کے ساتھ صحبت نہ رکھے۔

اور فرمایا، چاہیئے کہ تیری نظر دنیا میں عبرت کے واسطے ہو اور دُنیا میں تیری سعی و کوشش اضطرار اور مجبوری کی

---

[۱] مطلب یہ کہ عشق ومحبت کے سانپ نے میرے جگر کو ایسا کاٹا ہے کہ میرے علاج کے واسطے نہ کوئی طبیب ہے اور نہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا، مگر وہ محبوب جس کا میں عاشق ہوں میرا جھاڑ اور تریاق، میری دوائی اور علاج اس کے پاس ہے اور میری شفا بھی اس کے ہاتھ میں ہے اور کوئی بندہ میرا علاج نہیں کر سکتا۔

[۲] یہ ترجمہ اس شعر کا ہے ؎ از درون شو آشنا و از برون بیگانہ وش
این چنین زیبا روش کم می بود اندر جہاں

حد پر ہو اور دنیا کو تیرا چھوڑنا بر سبیل اختیار ہو یعنی تُو دنیا کو اپنے اختیار سے اور خود بخود چھوڑے نہ کہ مجبور ہو کر۔

لوگوں نے ان سے پوچھا "فقیر کون ہے؟" فرمایا "فقیر آنکہ باو حاجتش نہ باشد۔" فقیر وہ ہے کہ اس کو اس کے ساتھ کوئی حاجت نہ ہو[1]۔

۲۱۷۔ حضرت ابوالحسین بن نبان رحمۃ اللہ تعالیٰ

چوتھے طبقہ سے ہیں۔ ابوسعید خرّاز کی صحبت میں رہ کر تربیّت پائی اور ان کے ساتھ اپنی نسبت درست کرتے تھے۔ میدان تیہ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ ابوعلی کاتب نے کہا کہ ابوالحسین وجد و رقص میں تھے۔ اس وقت انہوں نے فرمایا:

"ہمہ خلق در بادیہ تشنہ باشد و من بر کنار نیل۔" ساری مخلوق جنگل میں پیاسی ہوتی ہے اور میں نیل کے کنارہ پر پیاسا ہوں۔

اور فرمایا، "بزرگ نہ دارد، قدر دوستاں اللہ تعالیٰ را، مگر بزرگ قدرے نزدیک وے۔" اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی عزّت اور ان کی قدر وہی آدمی کرتا ہے جو اللہ کے نزدیک بزرگ قدر ہو۔

۲۱۸۔ حضرت ابوالحسین بن ہند الفارسیؒ

چوتھے طبقہ سے ہیں علی بن ہند القرشی نام ہے۔ فارس کے علماء و مشائخ میں اونچے درجہ کے شیخ ہیں۔ جعفر حداد کے ساتھ صحبت رکھی اور ان سے بڑوں مثلاً عمرو بن عثمان اور جنید اور ان کے طبقہ کے بزرگوں کی صحبتوں میں رہ کر بھی استفادہ کیا۔ فرمایا:

"ہر کہ راہ خدا تعالیٰ بر بساط قرب خود جائے دہد وَیرا راضی و خوشنود دارد بہ ہر چہ بروئے گزارند زیراکہ بر بساطِ قرب بی رضائی و ناخوشنودی نباشد۔" جس کو اللہ تعالیٰ اپنے مسندِ قرب پر جگہ دیتا ہے ہر اس چیز پر جو اس پر وہ بھیجتا ہے اس کو راضی اور خوش رکھتا ہے کیونکہ بساطِ قرب پر ناراضگی اور ناخوشی نہیں ہوتی، بلکہ بساطِ قرب پر بٹھانا موقوف ہے، رضا بر تقدیر پر[2]۔

---

[1] اس کے ساتھ اس کی حاجت نہ ہو یہ ترجمہ ہے الفقیر المحتاج الی اللہ کا۔ ہر شخص نے اس کا مطلب اپنے پیرایہ کے موافق بیان کیا ہے کہ فقیر اس کا محتاج نہیں ہوتا کہ اس سے کوئی چیز لے بلکہ اس کی احتیاج و طلب محض اس کی ذات ہے۔ شیخ الاسلام نے اس کا مطلب یوں بیان کیا کہ اس کی ساری ضرورت وہ ہو اور بس۔

[2] یعنی جب تک کوئی تقدیراتِ الٰہی پر راضی رہنے کو اپنی خصلت نہ بنائیگا اس کو قُربِ الٰہی کا مسند حاصل نہیں ہو گا۔

اور فرمایا، "اللہ تعالیٰ کے ساتھ حُسنِ خلق یہ ہے کہ تو اس کے احکام اور فرامین پر شکایت نہ کرے اور دل کی نشاط اور نفس کی مسرتوں کے ساتھ تو اس کے ساتھ معاملہ کرے یعنی اس کے احکام و فرامین کے بجالانے میں خوش رہے اور مخلوق کے ساتھ نیکوکاری اور بُردباری کرے۔" اور فرمایا:

"اِجْتَهِدْ اَنْ لَا تُفَارِقَ بَابَ سَيِّدِكَ بِحَالٍ فَاِنَّهٗ مَلْجَاءُ الْكُلِّ فَمَنْ فَارَقَ تِلْكَ السُّدَّةَ لَا يَرٰى بَعْدُ قَرَارًا وَّلَا مَقَامًا۔"

کوشش کر کہ تُو اپنے مالک کے دروازہ سے کسی حال میں جُدا نہ ہونے پائے کیونکہ وہ سب کا ٹھکانہ اور پناہ کی جگہ ہے، پس جو کوئی اس چوکھٹ کو چھوڑ دیگا کسی جگہ قرار و سکون نہ دیکھے گا۔

اور فرمایا، كُنْتُ مِنْ كُرُبَتِيْ اَفِرُّ اِلَيْهِمْ فَهُمْ كُرُبَتِيْ فَاَيْنَ الْمَفَرُّ

پہلے جب مجھے تکلیف ستاتی تو میں ان کے پاس بھاگ جاتا تھا۔ پس اب وہی میرا درد ہیں پھر بھاگنے کی جگہ کہاں۔

شیخ ابو عبداللہ خفیف رح نے کہا، شیخ ابوالحسن ہند شیراز کے شہر میں جماعت کے ساتھ ایک دعوت میں تھے اور میں سفر میں تھا۔ شیخ نے فرمایا، ابو عبداللہ کا حصہ رکھ چھوڑو۔ جماعت عذر کرنے لگی تو دوسری دفعہ پھر فرمایا، نہیں اس کا حصہ ضرور رکھو۔ ان لوگوں نے رکھ چھوڑا۔ اتفاقاً میں پہنچ گیا۔ اندر آیا سلام کیا۔ ابوالحسن ہند اُٹھے اور کپڑا بغل میں لیا۔ وہ گھومتے تھے اور کہتے تھے، قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَكْذِبُ ایمان والوں کے دل جھوٹ نہیں بولتے۔ پس میں نے اُسی وقت کہا، کھانے کی کوئی چیز رکھتے ہو؟ کہ میں بھوکا ہوں۔" جو کچھ انہوں نے بچا رکھا تھا وہ لے آئے۔

۲۱۹۔ حضرت ابُوالادیان رحمۃ اللہ علیہ

کنیت ابوالحسین، نام علی ہے۔ ابوالادیان انہیں اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سارے دینوں میں مناظرہ کرتے اور مخالفین کو شکست دیتے تھے۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ جنید رح کے زمانہ میں ہوتے۔ ابوسعید خرّاز کی صحبت میں رہ کر تکمیل کی تھی۔ عالم اور صاحب لسان تھے۔ ان کا ایک غلام جس کا نام احمد تھا وہ کہتا تھا ایک دن ابوالادیان اور مجوسی کے درمیان بات چلی، تو ابوالادیان کی زبان سے یہ بات نکلی، "آتش باذن اللہ تعالیٰ کار میکند۔" آگ اللہ کے ارادہ اور اس کی مشیئت سے کام کرتی ہے۔ مجوسی نے کہا، "نہیں آگ اپنی طبیعت اور ذاتی تاثیر سے کام کرتی ہے۔" اگر تو مجھے یہ دکھا دے کہ آگ اللہ کے امر سے کام کرتی ہے تو میں تیرے دین میں آجاؤں۔ دونوں کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ آگ جلائی جاوے اور ابوالادیان اس میں آویں۔ لوگوں نے بہت سی لکڑیاں جمع کیں اور خوب آگ جلائی۔ بہت مخلوق اسے دیکھنے کو آئی۔ جب ساری لکڑیاں جل چکیں تو جلتے ہوئے انگاروں کو زمین پر بچھا دیا گیا۔ ابوالادیان مصلّٰی بچھائے

ہوئے نماز پڑھتے رہے۔ جب سلام پھیرا تو اٹھے اور جلتے ہوئے انگاروں پر چلے تو مجوسی کو کہا۔ بس یہ کافی ہے یا دوسری دفعہ چلوں۔ یہ بات کہہ کر مجوسی کو دیکھا مجوسی مسلمان ہو گیا۔ احمد کہتے ہیں جب رات آئی۔ میں نے ان کے پاؤں دبائے تو دیکھا کہ ان کے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے سیب کے برابر آبلہ پڑا ہوا ہے۔ میں نے کہا "حضرت والا یہ کیا ہے؟" فرمایا، "جب میں نے انگاروں پر قدم رکھا تھا تو میں اپنے سے غائب تھا۔ جب میں آگ کے آخری حصہ پر پہنچا۔ اس وقت میں اپنے پر حاضر ہوا۔ اور مجوسی کو یہ بات کہی، اگر یہ حضور آگ کے درمیان ہوتا تو آگ مجھے جلا دیتی۔[1]

شیخ الاسلام نے فرمایا، جب بھی وہ حج کے لیے جاتے اپنے گھر سے لبیک کہتے اور اسی جگہ سے احرام باندھ لیتے۔ ایک دفعہ حج سے واپس آئے اور جلدی لبیک کہنے لگے۔ لوگوں نے کہا جلدی نہ کیجئے ابھی تو آپ واپس آئے ہیں۔ اور ابھی پھر لبیک کہنے لگے۔ فرمایا، اس دفعہ حج کے لیے لبیک نہیں کہتا بلکہ اس کو یعنی حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو لبیک کہتا ہوں۔ ایک مہینہ نہیں گزرا تھا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

۲۲۰۔ حضرۃ ابو جعفر محمد بن علی النّسَوی المعروف بہ محمد عَلیان رحمۃ اللہ علیہ چوتھے طبقہ سے ہیں۔ شہر نسا کے کبار مشائخ اور ابو عثمان حیری کے اَجلّہ اصحاب سے تھے۔

محفوظ فرماتے ہیں وہ اہلِ معارف کے امام ہیں۔ وہ نسا کے شہر سے ابو عثمان سے مسائل پوچھنے کی غرض سے روانہ ہوتے تو راستہ میں نہ روٹی کھاتے اور نہ پیتے اور نہ ہی سوتے تھے۔ اور باوضو سفر کرتے۔ جب وضو ٹوٹ جاتا تو جب تک وضو نہ کر لیتے روانہ نہ ہوتے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، اگر ابو عثمان کے پاس جاتے تو کھانا کھانا اور بے وضو چلنا درست تھا، مگر وہ ابو عثمان کے پاس نہ جاتے تھے۔ ان کا مقصود دوسری چیز تھی۔ ابو جعفر نے فرمایا، "ہر کہ با اختیار و خواستِ خود اظہار کرامت کند وے مدعی ست و ہر کہ بیخواست وے کرامتے ظاہر می شود وے ولی ست۔" جو کوئی اپنی خواہش اور اپنی طبیعت کے تقاضا پر کرامت کا اظہار کرتا ہے وہ مدّعی ہے حقیقت میں ولی نہیں اور جو شخص کہ بغیر اس کی خواہش کے کرامت ظاہر ہوتی ہو وہ وَلی ہے۔

---

[1] یعنی پاؤں کا اس قدر جلنا اس غفلت کے باعث تھا جو بات میں مشغول ہونے کے باعث ان پر طاری ہو گئی تھی، کیونکہ تاثرات کا قبول نہ کرنا اور کسی چیز سے متاثر نہ ہونا اور طبعی احکام سے نکل جانا غیر حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے پوری طرح ذہول اور بھول جانے سے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہا، جب آگ پر گیا تو میں غائب ہو گیا تھا۔

اور فرمایا، "ہر کہ با غیر خدای تعالیٰ آرام گیرد اللہ تعالیٰ وَیرا فرو گزارد و ہر کہ باللہ تعالیٰ آرام گیرد طریق آرام با دیگراں ازو سے ببُرد۔ جو کوئی ما سوا خدا تعالیٰ کے ساتھ آرام و سکون پکڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو چھوڑ دیتا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ آرام پکڑتا ہے اللہ تعالیٰ دوسروں سے آرام پکڑنے کی راہ اس سے دُور کر دیتا ہے۔

۲۲۱۔ حضرت ابو سعید الاعرابی رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۳۴۰ھ ۳۴۱ھ۔ بصری ہیں۔ پانچویں طبقہ سے تھے۔ مکہ میں مقیم ہو گئے۔ اپنے وقت میں شیخِ حرم تھے۔ اس طائفہ کے لیے بہت سی کتابیں لکھیں۔ حضرت جنیدؒ، عمرو بن عثمانؒ، ابوالحسن نوریؒ، حسن مسوحی، ابو جعفر حفارؒ، ابوالفتح حمّالؒ کی صحبت میں رہ کر تربیت پائی۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، "ان کا ایک جزو توحید کے نکات سمجھانے کے لیے بہت ہی اچھا ہے۔ اس میں تحریر ہے:

لَا تَكُونُ قُرْبٌ اِلَّا وَ ثَمَّةَ مُسَافَةً

نزدیکی نہیں کہتے جب تک مُسافت یعنی فاصلہ نہ ہو یعنی مسافت فاصلہ و بعد کے بغیر قرب نہیں ہوتا

شیخ الاسلام نے فرمایا، قرب میں دوگانگی ہے کہ ایک دوسرے کے نزدیک ہوتا ہے پس جب تو بغور دیکھے گا تو قُرب بُعد ہو گا۔ تصوف یگانگی ہے۔ ان کا قول ہے:

اَلتَّصَوُّفُ كُلُّهٗ تَرْكُ الْفُضُوْلِ وَالْمَعْرِفَةُ كُلُّهَا الْاِعْتِرَافُ بِالْجَهْلِ۔ سارا تصوّف زیادتی کا چھوڑ دینا ہے اور ساری معرفت اپنی جہالت و ناشناسی کا اقرار کرنا ہے۔

یعنی اس حقیقت کو پالینا کہ اس کو نہیں پہچان سکتے۔ یہی ساری معرفت ہے۔ اور زیادتی کے سوا کو چھوڑ دینا تصوّف ہے۔

فرمایا، لَا يَكُوْنُ الشَّوْقُ اِلَّا اِلٰى غَائِبٍ۔ شوق نہیں ہوتا، مگر غائب کی طرف۔[۱]

شیخ الاسلام نے فرمایا، "لوگوں نے داؤد طائی سے کہا، تُو مشتاقی؟ تو اس کا مشتاق ہے؟ بولے "مَن

---

[۱] یعنی جو چیز حاصل نہیں شوق اس کا ہوتا ہے، کیونکہ کسی چیز کے ظاہر ہونے کی رغبت کرنے اور کسی چیز کے پیدا ہونے کے جوش کو شوق کہتے ہیں اور یہ معنی معدوم کے ساتھ نسبت میں موجود ہوں گے اور موجود کے ساتھ نسبت سے یہ معنی موجود نہ ہوں گے لیکن محبوب کے حضور زمانہ میں جو آدمی کو شوق باقی ہے وہ شوق حصول نہیں، بلکہ آنے والے زمانہ میں بقاءِ حضور محبوب کا شوق اور یہ معنیٰ شوق کی حالت میں معدوم ہے۔ [۲] یعنی وہ غیر اللہ سے آرام لینا چھوڑ دیتا ہے۔ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

چو دل با دلبرے آرام گیرد ز وصل دیگراں کے کام گیرد

نہ دورم غائب مشتاق بود و دوست من حاضر ست۔" میں دُور نہیں۔ غائب مشتاق ہوتا ہے اور میرا دوست حاضر اور موجود ہے۔

ابن الاعرابی نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے بعض اخلاق دشمنوں کو دیئے تاکہ وہ اِن اخلاق کے ساتھ ان درویشوں پر مہربانی کریں اور اس سبب سے اس کے دوست آسائش حاصل کریں۔

۲۲۲۔ حضرت ابوعمرو الزّجاجی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۳۴۸ھ۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔ محمد بن ابراہیم نام ہے۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ ابوعثمان حیری، جنید، رویم اور خواص کی صحبت میں رہے۔ کہتے ہیں کہ ابوعمرو خواص چالیس سال مکہ میں رہے اور حدودِ حرم میں نہ پیشاب کیا اور نہ اس میں بال ڈالے۔ اپنی عمر میں ساٹھ حج کیے ابوعمرو نجید نے کہا، میں مکہ میں تھا اور اس وقت کے مشائخ جیسے کتانی، ابوالحسین، مزین کبیر و صغیر اور ان کے علاوہ دوسرے مشائخ ابوعمرو زجاجی کے دوسرے حلقہ میں بیٹھے تھے اور ابوعمر ان سب کے صدر نشین ہوتے تھے۔ جب کوئی بات چلتی تو ان کو ثالث بناتے اور وہ فیصلے کرتے تھے۔ حضرت ابوعمرو ہمیشہ کہتے تھے۔ مَیں نے جنیدؒ کے بیت الخلاء کو تیس سال تک اپنے ہاتھ سے صاف کیا اور اس پر وہ فخر کرتے تھے۔

ان کا قول ہے: "لَاَنْ تَنْتَقِصَ مِنَ الْبَشَرِیَّۃِ شَیْءٌ" اگر میری بشریت[1] میں سے کوئی چیز کم ہو جاوے یہ أَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَمْشِیَ عَلَی الْمَاءِ مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں پانی پر چلوں۔

فرمایا، میری والدہ مرگئی۔ ان کی میراث سے مجھے پچاس دینار پہنچے۔ حج کے ارادہ سے باہر نکلا جب بابل پہنچا ایک آدمی میرے سامنے آیا اور کہا، تیرے پاس کیا ہے؟ میں نے خود کو کہا کہ سچائی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ میں نے کہا، "پچاس دینار۔" اس نے کہا، مجھے دے۔ میں نے تھیلی اسے دے دی۔ اس نے شمار کیا وہی پایا جو مَیں نے بتایا تھا۔ اس نے کہا لیجئے اپنی رقم آپ کی سچائی نے مجھے آپ کا گرفتار بنا دیا۔ اس کے بعد وہ سواری سے اُترا اور کہا آپ سوار ہوں۔ مَیں نے کہا، میں نہیں چاہتا۔ اس نے کہا آپ کو یہ کام کرنا ہی پڑے گا۔ میری بہت منّت کی تو مَیں سوار ہو گیا۔ اس نے کہا، میں آپ کے پیچھے پہنچ رہا ہوں۔ اگلے سال وہ میرے پاس مکہ پہنچ گیا اور دنیا سے رخصت ہونے تک میرے پاس رہا۔ کہتے ہیں موسمِ حج میں ایک عجمی ان کے پاس آکر کہنے لگا۔ میری برأت مجھے دو کہ میں نے حج کر لیا ہے اور تیرے دوستوں نے مجھے پتہ دیا ہے کہ حج کی برأت تجھ سے لوں۔ شیخ نے

---

[1] بشریت سے مراد انسانی کمزوریاں اور نقائص۔

اُس کی سادگی اور دل کی صفائی دیکھکر جان لیا کہ ساتھیوں نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ پس شیخ نے مُلتزم کی طرف اشارہ کیا اور کہا، "وہاں جا" اور یہ کہہ "یَارَبِّ اَعْطِنِی اَلْبَرَائَۃَ" اے میرے رب مجھے برأت دے یعنی جہنّم سے آزادی کا پروانہ دے۔ ایک ساعت نہ گزری تھی کہ وہ عجمی واپس آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا اس پر سبز رنگ میں لکھا ہوا تھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، هٰذِهٖ بَرَائَۃُ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ مِّنَ النَّارِ۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ برأت ہے فلاں ابن فلاں کے لیے جہنّم کی آگ سے - یعنی فلاں فلاں کے بیٹے کو ہم نے دوزخ سے بری کر دیا۔

۲۲۳۔ حضرت ابراہیم بن یوسف بن محمد الزّجاجی قدس سرہٗ

کنیت ابو اسحاق۔ ابو عمرو زجاجی کے والد تھے۔ تاریخ مشائخ میں ہے کہ ابراہیم ابن یوسف، ابو حفص کے بڑے مریدوں میں سے تھے۔ ملامت کے طریقہ اور نفس کی مخالفت میں صاحب مذہب تھے۔

اُن سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:-

فِیْ خِلَافِ النَّفْسِ عَلٰی دَوَامِ الْاَوْقَاتِ بَرَکَۃٌ — ہمیشہ نفس کی مخالفت میں رہنا برکت یعنی بہت بڑی خیر ہے

وَقَدْ سَاعَدْتُ نَفْسِیْ مَرَّۃً فِیْ خُطْوَۃٍ فَمَا — اور میں نے ایک دفعہ ایک قدم میں اپنے نفس کی موافقت

اَمْکَنَتْنِیْ تَدَارُکُھَا اِلٰی سِنِیْنَ۔ — (اعانت) اب کئی سال ہو گئے کہ اس موافقت (اعانت)

کا نقصان پورا نہیں کر سکا (کیونکہ اس کا تدارک اور نقصان پورا کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ ہر وقت کے لیے کوئی کام ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ کام بھی چلا جاتا ہے اور جب دوسرا وقت آتا ہے اور اس وقت کا بھی کوئی کام ہوتا ہے جسے اس وقت میں پورا کرنا ہوتا ہے۔

۲۲۴۔ حضرت جعفر بن نُصیر الخلدیؒ[1] الخواص قدس اللہ سرہٗ

المتوفی ۳۴۸ھ۔ ان کی قبر شونیزیہ میں سرّی سقطی اور جنیدؒ کی قبروں کے ساتھ ہے۔ یہ شیخ ابوالعباس نہاوندی کے پیر ہیں۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام ابو محمد ہے۔ حصیر باف تھے یعنی چٹائی بنانے کا پیشہ کرتے تھے۔ بغداد کے رہنے والے ہیں۔ جنید اور ابراہیم خواص کے شاگرد ہیں۔ نوریؒ، رویمؒ، سمنون اور جریری کی صحبتوں میں رہے۔ اس طائفہ کے علوم سے واقف تھے۔ تواریخ، حکایات اور حالاتِ مشائخ کی کتابیں لکھنے والے بزرگ تھے۔ انہوں نے فرمایا، مشائخ کے حالات کے دو سو دفتر رکھتا ہوں۔ اور ان حضرات میں سے دو ہزار مشائخ کو پہچانتا ہوں۔

---

[1] خلدی۔ خلد کی طرف نسبت ہے۔ وہ خلد میں رہتے تھے۔

انہوں نے فرمایا، "عراق کے عجائبات تین چیزیں ہیں شطح[1] شبلی و نکتہ مرتعش و حکایت من"۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، "میں نے ان کے دیکھنے والے ایک آدمی کو دیکھا تھا۔ وہ ان کی حدیث سناتا تھا۔ قاضی ابو منصور ہروی نے اس کو بغداد میں دیکھا تھا۔ وہ کہتا تھا، خلدی نے فرمایا:

اَلْفُتُوَّةُ اِحْتِقَارُ النَّفْسِ وَ تَعْظِیْمُ حُرْمَةِ الْمُسْلِمِیْنَ۔ جوانمردی خود کو حقیر سمجھنا اور سب مسلمانوں کی عزت کرنا ہے۔

کُنْ شَرِیْفَ الْھِمَّةِ فَاِنَّ الْھِمَمَ تَبْلُغُ بِالرِّجَالِ لَا الْمُجَاھَدَاتِ۔ عالی ہمت[2] بن کیونکہ ہمتیں ہی مردوں کو کمال تک پہنچاتی ہیں نہ کہ مجاہدے اور محنتیں۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، جعفر خلدی سے لوگوں نے پوچھا "عارفاں کیانند؟" عارف کون لوگ ہیں؟ فرمایا،

ھُمْ مَا ھُمْ وَلَوْ کَانُوْا ھُمْ لَمَا کَانُوْا ھُمْ۔ وہ وہ ہیں جو نہ رہیں اور اگر رہیں تو وہ عارف) نہیں ہیں۔[3]

شیخ الاسلام نے فرمایا، "خلیفہ معتز نے مجھے کہا، "صُوفی نہ بود، اگر بود، صوفی نہ بود"۔ صوفی نہیں ہوتا، اگر ہوتا ہے تو وہ صوفی نہیں۔

اور ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا اور یہ بات اس کی طاقت میں نہ تھی۔ مجھے خبر نہیں کہ اس نے کس سے سُنی تھی۔

شیخ الاسلام نے کہا، سُبحان اللہ! اس سے زیادہ عجیب یہ ہے۔

کہ وید در جہاں نیست در ہست نہاں شخص در پیرہن رواں و می گویند کہ او نہ آن کالبد در دل کم و دل در جان و جان بآنست جاودان۔

جہاں میں خود کو نیست دیکھنا نہاں یعنی اللہ تعالے میں ہست ہو جانا ہے آدمی لباس میں دوڑ رہا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ نہیں ہے قالب دل میں کم اور دل جان میں کم اور جان اس کے ساتھ ہمیشہ ہے

---

[1] شبلی کی شطح۔ شطح ان باتوں کو کہتے ہیں جو ظاہر میں خلافِ شرع اور قابلِ ملامت معلوم ہوں مگر حقیقت میں وہ اچھی ہوں اور مطابق شرع شریف ہوں۔

[2] بلند مقصد رکھنے والے یعنی صرف اللہ کی رضا کو مقصد بنانے والے حضرات کو عالی ہمت کہتے ہیں اور ہمّت کی بلندی مقصد کی بلندی کے بقدر ہوتی ہے۔

[3] جن لوگوں کا نفس ان کے پیشِ نظر نہ رہے ان کو فنا کا درجہ حاصل ہو گیا اور اگر ان کا نفس ان کی نظر سے مرتفع نہ ہوا تو وہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) مطلب یہ ہے کہ جو بندہ اپنے سے فانی ہے وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ باقی ہے (۲) اس کا مقصد یہ ہے کہ طبیعت کے آثار جاتے رہیں اور دل کے احکام سے تعلق ہو جائے (۳) دل کا جان میں گم دیکھنا یہ ہے کہ دل کے احکام و آثار جاتے رہیں اور جان کے آثار کے ساتھ تعلق ہو جائے جو دل سے نہایت لطیف ہے (۴) اور جان کا اس زندۂ جاوداں میں گم ہونا یہ ہے کہ جان کے آثار جاتے رہیں اور اخلاقِ الٰہی اور اُسکے احکام ثابت ہو جائیں۔ یعنی اُن سے طبیعت کا تعلق قائم ہو جائے اور اسکے احکام مقتضارِ طبیعت بن جائیں۔

۲۲۵۔ حضرت ابوالحسن الصوفی القوشنجی رحمۃ اللہ تعالےٰ

المتوفی ۳۴۸ھ۔ طبقہ پانچواں۔ خراسان کے یگانۂ روزگار اور جوانمردوں میں سے تھے۔ علی بن احمد بن سہل ان کا نام ہے۔ ابوعثمان حیری کو دیکھا تھا۔ عراق میں ابوالعباس، عطار و جریری کی صحبتوں میں رہے۔ شام میں طاہر مقدسی ابوعمرو دمشقی کی صحبتوں میں رہے۔

مشائخ وقت میں توحید اور معاملات کے علم میں وہ زیادہ عالم تھے۔ فتوت، جوانمردی، تجرید میں نہایت عمدہ طریقہ رکھتے تھے۔ صاحبِ خلق اور باشرع فقرار کے خدمت گار تھے۔ نیز حضرت شبلی سے مسائل میں گفتگو کی تھی۔ بوشنگ کے رہنے والے تھے اور نیشاپور میں مقیم ہو گئے تھے۔ ابوالحسن صوفیار کی طریقت کو خوب جانتے تھے۔ سفر بھی بہت کیے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ فرمایا:

"اِسْمٌ وَلَا حَقِیْقَۃٌ وَقَدْ کَانَ قَبْلَ ذَالِکَ حَقِیْقَۃً وَلَا اِسْمَ" تصوّف نام ہے حقیقت نہیں اور پہلے حقیقت تھی نام نہ تھا، یعنی اب تصوف کا نام رہ گیا ہے حقیقت نہیں اور اس سے پہلے تصوّف کی حقیقت تھی نام نہ تھا۔

ابوعثمان مغربی کہتے ہیں، ابوالحسن سے پوچھا گیا، ظریف یعنی عقل مند کون ہے؟ فرمایا:

اَلْخَفِیْفُ فِیْ ذَاتِہٖ وَاَخْلَاقِہٖ وَاَفْعَالِہٖ وَشَمَائِلِہٖ مِنْ غَیْرِ تَکَلُّفٍ۔ ظریف وہ ہے جو اپنی ذات اپنی عادات اپنے افعال اور خصائل میں، بغیر بناوٹ اور بغیر تکلّف کے ہلکا پھلکا ہو[۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فانی نہیں ہوتے اور جب تک فنا نہ ہوگی معرفت نہ آئے گی۔ یعنی وہ عارف اور صاحبِ معرفت نہ ہوگا۔

[۴] یعنی معترض اس درجہ کا آدمی نہ تھا کہ وہ اتنی اُونچی بات کہے۔

[۱] یعنی عقلمند وہ شخص ہے جو اپنی ذات، اپنے اخلاق و عادات اپنے کاموں اور اپنی زندگی کے دوسرے خصائل میں لوگوں پر گرانی کا موجب نہ ہو اور اس کی یہ صفت بے تکلف ہو یہ نہیں کہ تکلّف کے ساتھ لوگوں کے دکھانے کو ایسا بنتا ہے۔

ابوبکر رازی کہتے ہیں، "میں نے سُنا کہ ابوالحسن قوشنجی کہتے تھے، لوگوں کے تین گروہ ہیں (۱) اولیاء کہ ان کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر ہے (۲) علماء ان کا ظاہر و باطن برابر ہے (۳) جاہل جن کا ظاہر ان کے باطن سے بہتر ہے۔ خود کو انصاف نہیں دیتے اور دوسروں سے انصاف طلب کرتے ہیں۔" اور فرمایا:

"لَیْسَ فِی الدُّنْیَا شَیْءٌ اَسْمَجُ مِنْ مُحِبٍّ بِسَبَبٍ وَغَرَضٍ۔" دنیا میں کوئی چیز اتنی بھونڈی نہیں جتنا وہ شخص جو کسی غرض یا کسی سبب کی خاطر دوستی کرتا ہو[1]

حضرت ابوالحسن نے عہد کر رکھا تھا کہ جب مجھے احتلام ہوگا تو میں درویش کو کچھ دوں گا کہ یہ لقمہ کے خلل کی وجہ سے یا غلط خیالات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ فرمایا، ایک دفعہ جنگل میں تھا۔ مجھے احتلام ہوگیا۔ میرے پاس صرف ایک ازار تھا اور اس وقت تنہا تھا۔ اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے میں نے اپنی ازار پاؤں سے نکالی اور کیکر کے درخت پر لٹکا دی (تاکہ جب کوئی یہاں پہنچے، اتار لے)

۲۲۶۔ حضرۃ بُندار ابن الحسین بن محمد بن المُہَلَّب الشیرازی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۳۵۳ھ۔ شیخ ابوزرعہ طبری نے انکو غسل دیا اور اس سال شیخ ابوغالب نے بھی وصال پایا۔

پانچویں طبقہ کے بزرگوں میں سے تھے۔ شیراز کے اصل باشندہ تھے۔ پھر اَرّجان میں جاکر رہنے لگے۔ وہیں ان کی قبر ہے۔ اصول اور حقائق ربانی کا اچھا علم رکھتے تھے۔ شبلی کے مرید، جعفر حداد کی صحبت میں رہے اور شبلیؒ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ آپ ابوعبداللہ خفیفؒ کے استاد ہیں۔ بہت سے مسائل میں ان دونوں کے درمیان بہت خط و کتابت رہی ہے۔ ان سے سوال کیا گیا تصوّف کیا ہے؟ فرمایا کہ عہد پر وفا کرنا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، عہد پر وفا یہ ہے کہ جب دل میں یہ خیال گزرے کہ تُو اس کے واسطے کر۔ تو اس کام کو کرلے۔ ایک دفعہ ایک چالاک آدمی نے ایک صُوفی سے کہا کہ ہم تم میں یہ فرق ہے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے ہیں اور تم لوگ جو تمہارے دل میں آتا ہے وہ کرتے ہو۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، کہ مشائخ نے فرمایا، پہلا خیال جو دل پر گزرے وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

شیخ ابوالحسین جہضم کہتے ہیں بُندار ارجانی نے کہا، جب اللہ تعالیٰ اپنی معرفت میں سے کوئی حصہ اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کو دیتا ہے اور وہ بندہ اس کے بموجب برتاؤ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کو اس سے واپس نہیں لیتا۔

---

[1] مطلب یہ کہ اس کی دوستی ذاتی مناسبت اور اخلاق کے باعث نہ ہو، بلکہ غرض اور سبب پر مبنی ہو ایسے لوگوں کی محبت مکڑی کی طرح ہے کہ وہ خود اپنے اوپر جالا تنتی ہے اور خود اس میں بند ہوکر ہلاک ہوجاتی ہے۔

بلکہ جنّت کے لیے اس کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ تاکہ کل قیامت کے دن اس سے اس کا حساب اور مطالبہ کرے، ہاں اس کی ترقی روک دیتا ہے اور زیادتی کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، "جو کوئی ترقی یعنی زیادتی میں نہیں ہے وہ نقصان میں ہے اور یہ اس جماعت کے لیے سخت چیز ہے۔"

بُندار نے یہ بھی کہا:

مَنْ لَمْ يَتْرُكِ الْكُلَّ رَسْمًا فِي جَنْبِ الْحَقِّ لَا يَحْصُلُ لَهُ الْكُلُّ حَقِيقَةً وَهُوَ الْحَقُّ سُبْحَانَهُ۔	جس شخص نے اللہ کے مقابلہ میں کل رسمی کو نہ چھوڑا اس کو کل حقیقی حاصل نہ ہوگا۔ اور کل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور ماسوائے اللہ تعالیٰ سب کل رسمی ہے۔[1]

حضرت بندار نے فرمایا، یہ بات شریعت کے آداب کے خلاف ہے کہ دوست سے یہ پوچھے کہ تو کہاں سے آتا ہے اور تو کس کام میں مشغول ہے (یہ اس لیے شاید وہ اس کے اظہار کو مناسب نہ جانے اور یہ شخص اس کے جھوٹ بولنے کا سبب بن جائے۔)

۲۲۷۔ حضرت ابو عمرو نُجید قدس اللہ سرّہٗ

المتوفی ۳۶۵ھ۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام اسمٰعیل بن نُجید بن احمد سُلمی ہے۔ یہ شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی صاحب طبقات الصوفیہ کے نانا ہیں۔ اُنہوں نے جنیدؒ کو دیکھا تھا اور اپنے وقت کے بڑے مشائخ میں تھے۔ ابو عثمان حیریؒ کے بڑے مریدوں میں سے تھے۔ اور ان کے لوگوں میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ وقت کی نگاہ داشت و تلبیس حال، حال کا مشتبہ رکھنا ان کا خاص طریقہ تھا۔ بڑے محدّث اور ثقہ تھے۔ ایک روز ابو عثمان حیری نے مسلمانوں کی سرحدوں کی حفاظت کرنے والے مسلمانوں کے لیے کچھ خرچ طلب کیا۔ کسی نے کچھ نہ دیا تو ابو عثمان اتنا تنگ دل اور رنجیدہ ہوئے کہ مجلس میں رو پڑے۔ رات ہوئی تو عشاء کی نماز کے بعد ابو عمرو نے دو ہزار درہم کی تھیلی ابو عثمان کو پیش کی اور فرمایا، "اس کو آپ جہاں چاہتے ہیں خرچ کریں۔ ابو عثمان خوش ہو گئے۔ ان کے لیے دعائے خیر کی۔ جب صبح ہوئی تو ابو عثمان مجلس میں بیٹھے اور کہا، اے

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے ظاہر کے اعتبار سے سب اشیاء اور سب اشغال کو نہ چھوڑا اس کو حقیقت کے اعتبار سے کُل حاصل نہ ہوگا۔ یہ حکم غیر کاملوں کا ہے کہ ان کے ظاہری اشتغال شغل باطن سے مانع ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو آدمی خدا تعالیٰ کے مقابلے میں بظاہر سب کو نہیں چھوڑ دیتا اس کے باطن کو کُل حقیقی حاصل نہیں ہوتا اور کُل حقیقی حق سبحانہٗ ہے۔ خلاصہ یہ کہ سب کو چھوڑو گے تب اس کو پاؤ گے۔

لوگو! ہم ابوعمرو سے بہت اُمیدیں رکھتے ہیں۔ گزشتہ رات دو ہزار کی تھیلی لے کر مسلمانوں کی سرحدوں کی حفاظت کرنے والوں کے لیے وہ میرے پاس آیا "جَزَاهُ اللهُ خَيْرًا" اللہ تعالیٰ اس کو بہتر جزا دے۔ ابوعمرو لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ اُٹھے اور مجمع میں کہا، وہ مال میری ماں کا تھا اور وہ اس کے دینے پر راضی نہیں، لہٰذا مجھے واپس کر دیویں۔ تاکہ میں اس کو واپس کر دوں۔" ابوعثمان نے وہ تھیلی واپس منگائی اور انہیں دیدی۔ جب دوسری رات آئی تو ابوعمرو، ابوعثمان کے سامنے وہی تھیلی لے گئے اور کہا، جناب آپ ان کو ایسے خرچ کریں کہ ہمارے سوا دوسرا کوئی نہ جانے۔" ابوعثمان رو پڑے اس کو کہا شاباش۔ اور فرمایا "ایسا ہی کروں گا۔"

ابوعمرو نے فرمایا :-

رُبَّ سُكُوْتٍ اَبْلَغُ مِنَ الْكَلَامِ اکثر اوقات خاموشی کی تاثیر، بات کی تاثیر سے زیادہ قوی ہوتی ہے اور خاموش رہنا بولنے سے بہتر ہوتا ہے۔

اور فرمایا :-

تَرْبِيَةُ الْاِحْسَانِ خَيْرٌ مِّنَ الْاِحْسَانِ۔ احسان کی تربیت کرنا احسان سے بہتر ہے۔[1]

اور فرمایا :- مَنْ كَرُمَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهٗ هَانَ عَلَيْهِ دِيْنُهٗ۔ جس پر اس کا نفس عزیز ہوگا اس پر اس کا دین ذلیل معلوم ہوگا۔[2]

ابوعمرو سے پوچھا گیا وہ کونسی چیز ہے جس کے بغیر بندہ کا چارہ اور گزارہ نہیں۔

فرمایا :- "مُلَازَمَةُ الْعُبُوْدِيَّةِ عَلَى السُّنَّةِ وَدَوَامُ الْمُرَاقَبَةِ۔" سُنّت کے طریقہ پر اللہ کی بندگی کرنے کو لازم پکڑ لینا اور ہمیشہ دل کی نگرانی کرنا کہ ماسوا کا اس میں خیال نہ رہے۔

اور فرمایا :- "اَلْاُنْسُ بِغَيْرِ اللهِ تَعَالٰى وَحْشَةٌ" حق سبحانہٗ کے غیر کے ساتھ محبت لگانا اور آرام پکڑنا حق تعا

---

[1] احسان کر کے احسان کی پرورش کرنا یہ ہے کہ احسان کرنیوالا جس پر اس نے احسان کیا ہے اسکو اذیت نہ دے اور نہ اس کو اپنا احسان جتائے۔ اس احسان سے جس کے بعد تکلیف اور اذیت دیجائے احسان مند ہونا زیادہ بہتر ہے۔

[2] اس بات سے یہ لازم آیا کہ جس شخص پر دین عزت والا اور قدر والا ہوگا اس کا نفس اس پر خوار و ذلیل ہوگا۔

سے دُور بھاگتا ہے۔

۲۲۸۔حضرت عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن الرّازی الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ ۔ المتوفیٰ ۳۵۳ھ ۔

پانچویں طبقہ سے ہیں اصل میں رَے کے رہنے والے تھے اور نیشاپور میں بڑے ہوئے۔ جنید رح، ابو عثمان، رویم، سمنون ابو علی جرجانی، محمد حامد، محمد بن فضل اور ان کے علاوہ انہوں نے دوسرے مشائخ کی صحبت اختیار کی۔ ابو عثمان رح کے بڑے اصحاب میں سے تھے۔ ابو عثمان ان کی بہت تکریم کرتے تھے۔ اس طائفہ کے علوم کے عالم اور محدث و ثقہ تھے۔

حضرت عبداللہ رح نے فرمایا، عارف اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی موافقت پر نہیں پوچھتا، بلکہ وہ خالق کی موافقت اور محض اس کے حکم پر کام کرتا ہے۔

اور فرمایا۔ "معرفت حجاب را بدرد میان بندہ و اللہ تعالےٰ ۔" معرفت اس پردہ کو پھاڑ دیتی ہے جو بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے۔

اور فرمایا، شکایت و تنگ دلی و از کئ معرفت زائد۔" شکایت و تنگ دلی معرفت کی کمی سے پیدا ہوتی ہے اور بڑھ جاتی ہے۔

۲۲۹۔حضرت ابوالحسین السیروانی کبیر قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ

علی بن محمد سیروانی نام ہے۔ ابوالحسین سیروانی صغیر کے شیخ ہیں جو سیروان مغرب کے رہنے والے بزرگ تھے۔ دمیاط میں قیام کرتے تھے۔

شیخ ابو سعید مالینی اپنی کتاب اربعین مشائخ میں فرماتے ہیں کہ ابوالحسین سیروانی کبیر رح کہتے ہیں کہ سہل عبداللہ تستری رح فرماتے ہیں؛

كُلُّ مَنْ لَمْ يَكُنْ لِحَرَكَتِهٖ وَ سُكُوْنِهٖ اِمَامٌ يَقْتَدِىْ بِهٖ فِىْ ظَاهِرِهٖ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى بَاطِنِهٖ قُطِعَ بِهٖ

مطلب یہ ہے کہ جو آدمی کہ اس کی حرکت و سکون جو اس سے صادر ہوں ان میں اس کا کوئی پیشوا نہ ہو جس کی وہ ظاہر میں پیروی کرے اس کے بعد حقیقت کے لحاظ سے وہ اس کے احوال باطنی بن جاتے ایسا آدمی منزل تک پہنچے گا۔ جس شخص کی حرکت و سکون کا کوئی ایسا امام نہ ہو جس کی وہ ظاہر میں اقتداء کرتا ہو پھر وہ اپنے باطن کی طرف رجوع کرتا ہو تو وہ منزل تک نہیں پہنچتا[1]۔

اور فرماتے تھے، "اَلرِّضَآءُ فَوْقَ الْهَوٰى فَقْهٌ مَعَ" جو امر کہ غیب سے ظاہر ہو، اس پر خوش ہونا اس پر موافقت

---

[1] عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔ جس کی حرکت و سکون کا کوئی ایسا امام نہ ہو جس کی وہ ظاہر میں اقتداء کرتا ہو تو وہ منزل تک پہنچے گا یعنی بے پیر آدم کو منزل ہاتھ نہ آئے گی۔

مَا يَبْدُو مِنَ الْغَيْبِ[1]: کرنے سے اُونچا مرتبہ ہے۔

اور کہا، میں نے خواص سے وصیت چاہی، تو خواص نے فرمایا:۔

اِلْزَمِ الْفُقَرَاءَ فَاِنَّ الْخَيْرَ فِيْهِمْ۔ ہر وقت فقیروں کے ساتھ رہ اور انہیں کسی حال میں نہ چھوڑ۔ بے شک بھلائی ان میں ہے۔[2]

۲۳۰۔ حضرت ابوالقاسم نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۳۷۲ھ۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔ ابراہیم بن محمد بن محمویہ نام ہے۔ نیشاپور میں پیدا ہوئے اور یہیں مقیم رہے۔ اپنے زمانہ میں اہلِ اشارات وحقائق کے شیخ اور لسانِ تصوّف تھے اور کئی طرح کے علوم میں عالم، سُنن اور علمِ تاریخ کے حافظ تھے۔ علومِ خصائص میں تو خصوصیّت رکھتے تھے۔ ابراہیم شیبانی کے شاگرد و مرید تھے۔ شبلیؒ اور واسطیؒ کی زیارت کی تھی۔ ابوعلی رودباری، مرتعش اور ابوبکر طاہر ابہری کے علاوہ دیگر مشائخ کی صحبتوں میں رہ کر تربیّت پائی تھی۔ آخر عمر میں مکہ مکرمہ چلے گئے۔ ابوعثمان مغربی ان کی پذیرائی اور استقبال کے لیے تشریف لائے اور خوش طبعی میں ان سے کہا، "مکہ چہ جائے تست؟" کیا مکہ آپ کی جگہ ہے؟ آپ نے جواب دیا "بلکہ مکہ چہ جائے تست جائے من است۔" بلکہ مکہ آپ کی جگہ نہیں، میری جگہ ہے۔ عرصہ نہ گزرا تھا کوئی سبب پیش آیا اور ابوعثمان نیشاپور آگئے اور وہیں فوت ہو گئے۔ اور نصر آبادی مکہ میں ایسے رہے کہ آخر مکہ میں ہی ۳۷۲ھ میں وفات پائی۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، نصر آبادی کے صاحبزادے اسماعیل نے مجھے بتایا کہ میرے والد نے کہا:

اِذَا بَدَلَكَ شَيْءٌ مِنْ بَوَادِي الْحَقِّ فَلَا تَلْتَفِتْ بِهَا اِلٰى جَنَّةٍ وَلَا اِلٰى نَارٍ وَلَا تُخْطِرْهُمَا بِبَالِكَ وَاِذَا رَجَعْتَ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلّیات میں سے تجھے کچھ ظاہر ہو تو اس وقت نہ تو جنت کی طرف توجہ کرنا اور نہ دوزخ کی طرف اور نہ تو اپنے دل میں ان کا خیال لانا اور جب تو اس حال

---

[1] یعنی غیب سے ظاہر ہونے والی چیزوں سے جو خوش ہوتا ہے وہ اس شخص کے مقابلہ میں اُونچا درجہ کا ہے جو غیب سے ظاہر ہونیوالی چیز کے ساتھ موافقت کرتا ہے۔ کیونکہ تکلیف اور رنج کے ساتھ موافقت تو ہو سکتی ہے، مگر خوشنودی و رضا رنج کے ساتھ نہیں ہوتی۔ [2] مطلب یہ ہے کہ فقراء (اللہ والوں) کی صحبت کو لازم پکڑ، کیونکہ خیر ان کی صحبت میں منحصر ہے۔ لہٰذا باشرع فقراء کا دامن پکڑے رہو، کیونکہ خیر تم ان میں ہی پاؤ گے۔

عَنْ ذٰلِكَ الْحَالِ تَعَظَّمَ مَا عَظَّمَهُ اللہ تعالیٰ" — سے رجوع کرے تو اللہ نے جن کو بڑائی بخشی ہے تو بھی ان کی عزت کرنا[1]

اور فرمایا:-

اَلرَّاغِبُ فِي الْعَطَاءِ لَا مِقْدَارَ لَهُ وَالرَّاغِبُ فِي الْمُعْطِي عَزِيزٌ" — جس شخص کی رغبت عطا میں ہو اس کی کوئی قدر قیمت نہیں اور جو دینے والے میں رغبت رکھتا ہے وہ عزت والا ہے۔

۲۳۱- حضرت ابوبکر الرازی بجلی رحمۃ اللہ علیہ

ان کا نام محمد بن عبداللہ الرازی ہے۔ نیشاپور میں قیام فرمایا، مشائخ خراسان میں اونچے درجہ کے شیخ ہیں۔ مشائخ کی ملاقات کی دولت پائی۔ ابوعبدالرحمن سُلمی کے استاد ہیں۔ ابوعبدالرحمن سُلمی نے اپنی تاریخ کو ان کی تاریخ کی طرز پر مرتب کیا۔ ابوبکر بیکندی کے شاگرد ہیں۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، ان کا وقت عظیم اور ان کی قبولیت زیادہ تھی۔ نیشاپور میں ایک لڑکے کے عشق میں مبتلا ہو گئے۔ لوگوں نے اس لڑکے کے ساتھ ان پر تہمت لگائی اور انھیں چھوڑ دیا۔ پھر لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان کا یہ خیال غلط اور تہمت بے جا تھی۔ دوسری مرتبہ پھر انہیں قبول نصیب ہوا۔ ایک دن یہ جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ علی بُندار صیرفی نے اُن سے کہا:

اے شیخ! ایں چہ بود کہ واقع شُد و آں از کجا اُفتاد تُرا۔ — آخر کیا ماجرا ہے جو تمہارے ساتھ ہو گزرا اور کیسے ہوا؟

گُفت اے پیر گر عزم ابراہیم و صدق و یقین مُوسیٰ و عصمت عیسیٰ و ہمت و صبر احمد عربی صلوات اللہ علیہم اجمعین کسے را بود و نگہداشت وے نہ بود چوں باد فتنہ جہد ہمہ را باد برد و مرد درمیان آن بود۔ — کہا، اے پیر اگر ابراہیم کا عزم موسیٰ کا صدق و یقین اور عیسیٰ کی عصمت اور احمد عربی علیہم الصلوٰۃ والسلام کا صبر و ہمت کسی کو حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کی نگاہداشت و حفاظت نہ ہو۔ جب فتنہ کی ہوا چلے گی تو وہ ان تمام خوبیوں اور تمام صفات کو برباد کر دے گی اور آدمی اس کے درمیان میں رہ جائیگا۔

---

[1] یعنی اس وقت جنت و دوزخ کی عزت و بڑائی کا خیال کرنا اور ان کی حقارت نہ کرنا جیسے ملحد اور بے دین کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام نے کہا، کسی نے ابوبکر رازیؒ سے کہا، سماع کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کہا:-

"بس فتنہ آمیز است و طرب انگیز خویشتن را از فتنہ گوشہ میدار۔" اس میں فتنہ بھی بہت ہے اور خوشی بھی پیدا ہوتی ہے لیکن تو خود کو فتنہ کی وجہ سے بچا اور ایک طرف ہو جاؤ، اس سے دُور رہ۔

اُس نے کہا، کیا مشائخ نے یہ کام نہیں کیا؟ فرمایا، باپ کے پیارے تیرا وقت جب اُن کا سا وقت ہو جاوے تو بھی ایسا کر لینا[1]

۲۲۲۔ حضرت ابُوالحسین الحُصری رحمۃ اللہ علیہ

وفات جمعہ ماہ ذی الحجہ ۳۷۱ھ۔ پانچویں طبقہ سے ہیں ان کا نام علی ابن محمد بن ابراہیم ہے۔ بصرہ کے باشندہ تھے۔ بغداد میں آکر رہنے لگے۔ شیخ عراق تھے۔

شیخ سُلمیؒ اُن کے بارہ میں کہتے ہیں مَیں نے مشائخ میں ان سے زیادہ کسی کو بھی کامل حال نہیں دیکھا اور نہ ان سے زیادہ اونچی اور اچھی باتوں کا کہنے والا دوسرا کوئی اور بزرگ دیکھا۔ لسانُ الوقت تھے۔ یعنی اس وقت میں معرفت ان سے ظاہر ہوئی۔ علمِ توحید و تفرید میں یگانہ مشائخ تھے۔ کسی نے بھی توحید و تفرید میں اُن جیسی باتیں نہیں کہیں۔ وہ حنبلی مذہب رکھتے تھے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، شبلیؒ کے بس یہی ایک مرید تھے۔ ہاں شبلی کی باتیں سُننے والے بہت لوگ تھے۔ جنہوں نے ان کی باتیں سُنیں۔ مگر یہ بات اور ہے یعنی شبلی کی میراث حصری نے ہی لی تھی۔ حصری کے لیے سوائے شبلی کے دوسرا کوئی پیر نہ تھا۔ شبلی ان کا بلند مرتبہ ظاہر کرتے تھے اور ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔

شبلی نے انہیں کہا،

"اَنْتَ دِیْوَانَۃٌ مِثْلِی بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ تَالِیْفٌ اَزَلِیٌّ" تو مجھ جیسا دیوانہ ہے۔ میرے اور تیرے درمیان ازلی محبت اور ذاتی مناسبت ہے۔

حصری اور ابوعبداللہ خفیف ایک دوسرے کے ہم مرتبہ تھے اور خفیف کا علم آلیہ یعنی وہ علم جو دوسرے علوم کا وسیلہ ہے وہ خفیف کا زیادہ تھا اور حصری باطنی علم میں بڑھے ہوئے تھے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ شیخ عمو نے حصری کو نہ دیکھا تھا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے حصری کو نہیں دیکھا

---

[1] یعنی جس وقت ان مشائخ جیسا تیرا وقت ہو جائے تو پھر تو بھی ویسا ہی کر لینا۔ یعنی سماع سُن لینا ورنہ نہیں۔

ہے۔ میں ۳۷۱ھ میں مکہ پہنچا۔ میں نے کہا، جب واپس ہوں گا تو حصریؒ اور ابوعبداللہ خفیف کی زیارت کرونگا۔ اسی سال مکہ میں خبر پہونچی کہ حصریؒ بغداد میں اور ابوعبداللہ شیراز میں وفات پا گئے۔

حصری نے کہا، سحری کے وقت مَیں نے یہ مناجات کی، "الٰہی تو مجھ سے راضی ہو؟ کیونکہ میں تجھ سے راضی ہوں۔ آواز آئی، اے کذّاب! اگر تو ہم سے راضی ہوتا ہماری رضار طلب نہ کرتا۔" لوگوں نے اُن سے کہا، ہمیں وصیّت کیجئے۔" فرمایا، اس کام کی ابتدار میں تنہائی لازم پکڑو۔ پھر علوم و معارف میں مشائخ کی زیارت کرو۔ اور پھر (کائناتی) صورتوں کو دُور کرکے تفرید پر ٹھہر جاوؔ۔[۱]

حصریؒ نے کہا، "اَلصُّوْفِیُّ لَا یَنْزَعِجُ فِیْ اِنْزِعَاجِہٖ وَلَا یَقِرُّ فِیْ قَرَارِہٖ۔" صُوفی کا کوئی حال اس کو نہیں بدلتا نہ ظاہری بے چینی اس کو بے قرار کرتی ہے اور نہ وہ ظاہری آرام و سکون میں قرار پکڑتا ہے۔[۲]

اور کہا، "اَلصُّوْفِیُّ الَّذِیْ لَا یُوْجَدُ بَعْدَ عَدَمِہٖ وَلَا یَعْدَمُ بَعْدَ وُجُوْدِہٖ۔" صُوفی وہ ہے جو عدم کے معدوم کرنے کے بعد موجود نہیں ہوتا اور اس کے وجود کے بعد معدوم نہیں ہوتا۔[۳]

۲۳۳۔ حضرت ابوالحسین بن سمعون رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۳۸۶ھ، ۳۸۷ھ۔ ان کا نام محمد بن احمد بن اسماعیل بن سمعون ہے۔ ان کا لقب الناطق بالحکمۃ[ع] ہے (کیونکہ یہ حقائق کو بہت بیان کرتے تھے۔) مشائخ بغداد میں سے تھے۔ ان کی زبان بڑی اچھی تھی۔ صوفیہ کے علوم میں وعظ کرتے تھے۔ شیخ ابوبکر اصفہانی خادمِ شبلی کہتے ہیں۔ میں جمعہ کے دن جامع مسجد میں شبلیؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ابوالحسین بن سمعون اس وقت بچہ تھا۔ سامنے آیا۔ بڑی پر تکلّف ٹوپی سر پر اوڑھے ہوئے ہمارے پاس سے گزر گیا۔

---

[۱] یعنی اس کام کی ابتدار میں مخلوق سے تنہائی کو لازم پکڑو۔ اس کے بعد معارف یعنی معرفت کے علوم اور فنار حاصل کرنے کے لیے مشائخ کی زیارت کو لازم کرو۔ اس کے بعد تفرید پر ٹھہر جاؤ جو کہ کائناتی صورتوں کو قوتِ مدرکہ سے ساقط کر دینے کا نام ہے۔

[۲] خلاصہ یہ کہ صوفی پر خواہ کتنے جھٹکے اور مصائب آئیں وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ اپنے مقصد پر پہاڑ کی طرح ڈٹا رہتا ہے اور اگر اس کو تاج بھی پہنا دیا جاوے اس وقت بھی وہ اپنے حال پر قائم رہتا ہے اور اس میں منہمک ہو کر اپنی جگہ سے نہیں اُترتا۔

[۳] مطلب یہ ہے کہ صوفی وہ شخص ہے جو احکامِ طبعیہ کے زوال کے بعد احکامِ طبعی کی طرف نہیں لوٹتا اور حق کے پالینے اور اس کی بقار کے ساتھ باقی ہو جانے کے بعد معدوم نہیں ہوتا۔ [ع] یعنی حکمت اور دانائی کی باتیں کرنے والا۔

اور سلام نہ کیا۔ شبلیؒ نے اس کو پیچھے سے دیکھا اور فرمایا، "ابوبکر تُو جانتا ہے کہ اس جوان میں خدا تعالیٰ کے کتنے ذخیرے ہیں؟" ایک درویش کہتے ہیں کہ میں ابنِ سمعون کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک درویش ان کے ممبر کے پاس بیٹھا ہوا اچانک سو گیا۔ ابنِ سمعون نے بیان ختم کر دیا اور خاموش بیٹھے رہے۔ جب وہ بیدار ہوا ابن سمعون نے ان سے کہا، "کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم را با خواب دیدی گفت آرے؟" تُو نے خواب میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زیارت کی ہے۔ اس نے کہا، "ہاں"۔ فرمایا، "میں اسی وجہ سے خاموش ہو گیا تھا، کہ تیرے خواب کو خراب نہ کروں اور تُو جس حال میں ہے اُس میں مُخل نہ ہوں۔"

لوگوں نے اُن سے کہا، "آپ لوگوں کو تو زہد اور ترکِ دُنیا کی دعوت دیتے ہو مگر خود بہترین کپڑے استعمال کرتے ہو اور اچھے سے اچھے کھانے کھاتے ہو یہ کیا بات ہے؟"

ابنِ سمعُون نے کہا، "وقتیکہ حال تو باللہ تعالیٰ چناں باشد کہ می باید نرمیٔ جامہ وخوشیٔ طعام زیاں نمی دارد[1]۔" جب تیرا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہو جاوے جیسے کہ چاہیئے تو کپڑوں کی نفاست و نرمی اور کھانے کی لذّت تجھے کوئی نقصان نہ دے گی۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، کہ میں ابنِ سمعون کو اچھا نہیں سمجھتا کیونکہ وہ میرے پیر حصری کی دل آزاری کرتا تھا اور جو آدمی تیرے اُستاد اور پیر کی دِل آزاری کرے، اگر تو اس سے رنج نہ رکھے بلکہ راضی رہے تو تجھ سے کُتا بہتر ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے یہ بھی فرمایا، "ابنِ سمعونؒ صاحب کلام ہوتے ہیں اور حصری صاحب دَرد۔ ابنِ سمعون کا قول ہے:-

"ہر سُخن از ذکر خالی است لغو است و ہر خاموشی کہ از فکرت خالی است سہو ست و ہر نظر کہ از عبرت خالی است لہو ست۔" جو بات ذکر سے خالی ہے لغو ہے، جو خاموشی فکر سے خالی ہے بھُول ہے اور جو نظر عبرت سے خالی ہے لہو یعنی کھیل ہے۔

ابنِ سمعون نے جب انتقال فرمایا تو وفات کے بعد لوگوں نے انہیں ان کے گھر میں دفن کر دیا۔ اُنتیس[29] سال کے بعد لوگوں نے چاہا کہ انہیں قبرستان میں منتقل کریں۔ اس مقصد سے ان کی قبر کھولی تو دیکھا ان کا کفن نیا اور تازہ ہے اس پر پُرانے اور بوسیدہ ہونے کا کوئی اثر نہ تھا۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح ہو جائے گا تو بڑھیا کپڑوں کا استعمال اور لذیذ کھانے کھانے سے اس کا کچھ نہیں بگڑے گا

۲۳۴۔ حضرۃ ابو النصر خبازؒ اور ابو الحسن سوھان آزن رحمہم اللہ تعالےٰ

شیخ الاسلام نے فرمایا "گازرگاہ کے مشائخ میں دو آدمی قدیم تر ہیں۔ اس میں سے ایک شخص ابو نصر خباز بڑے بزرگ تھے۔ ان کے مریدوں میں سے ایک جماعت حج کو جاتے ہوئے حضرت حصری کی زیارت کرنے گئی۔ حصریؒ نے ان سے خواہش کی کہ کچھ پڑھو۔ اگر پڑھ سکتے ہو۔ ان میں سے ایک نے آواز نکالی۔ حصری بیقرار ہو گئے، سماع کے دوران کہا، اس سال تمہارا حصہ نہیں ہے واپس چلے جاؤ۔" پھر کہا "کیا تم لوگ ابو نصر خباز کے مرید نہیں ہو؟ جو ہری کے پہاڑ میں رہتے ہیں؟" انہوں نے کہا "ہاں"۔ حصریؒ نے فرمایا "تم اس سے منظوری حاصل کیے بغیر نکل پڑے ہو، واپس چلے جاؤ اور اس کے پاس رہو"۔ پھر جو لوگ واپس ہو گئے سلامت رہے۔ جو واپس نہ ہوئے، بلکہ حج کے لیے چلے گئے وہ گرم ہوا، لُو سے جل مر گئے اور عرفات نہ پہنچ پائے۔

گازرگاہ کے دوسرے بزرگ شیخ ابو الحسن سوہان آزن تھے۔ جو ہماری جامع مسجد میں رہا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، اُن کے مُرید نے مجھے یہ بات سُنائی کہ ہمارے پیر رمضان کی آخری رات میں سجدہ کرتے اور صبح تک روتے رہتے اور کہتے رہتے، خداوندا! جتنے روزے میں نے آپ کے واسطے رکھے ہیں، جو نماز اور حج میں نے کیے اور جو قرآن کریم میں نے پڑھے ہیں مَیں سب سے توبہ کرتا ہوں۔ الٰہی مجھے بغیر کیے بخش دے اور بے کیے قبول فرما۔

۲۳۵۔ حضرت ابو الخیر مالکی رحمہ اللہ تعالےٰ

بُندار بن یعقوب مالکیؒ ان کا نام ہے۔ بزرگ مشائخ سے ہے اور مختلف علوم جمع کیے تھے۔ شیخ ابو عبد اللہ خفیفؒ نے فرمایا، "میں اپنی جوانی میں صومِ وصال یعنی بغیر کچھ کھائے روزہ کے بعد دوسرا روزہ رکھتا تھا۔ رات کو جامع مسجد میں رہتا تھا۔ میرے واسطے وہ لوگ ایک قندیل چھوڑ دیتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات بارش ہوئی اور چراغ گُل ہو گیا۔ کوئی شخص مسجد کا دروازہ پیٹنے لگا، خادم نے کوئی جواب نہ دیا۔ میرا دل تنگ ہوا۔ میں گیا اور دروازہ کھولدیا۔ دیکھا کہ ابو الخیر مالکی ہیں۔ اندر آئے اور بیٹھ گئے۔ ان کی ہیبت سے مَیں پُر ہو گیا یعنی ان کی ہیبت مجھ پر چھا گئی۔ اُنہوں نے چادر پھیلائی اور اس پر کھانا رکھا اور کہا، "کھا کہ میں اپنے گھر میں تھا یہ کھانا میرے سامنے لایا گیا۔ میں نہ کھا سکا کیونکہ میرا دل تیری طرف لگا ہوا تھا"۔ ابو عبد اللہ نے فرمایا، "ان کی ہیبت اور رعب کی وجہ سے میں یہ نہ کہہ سکا کہ میرا روزۂ وصال ہے۔ میں نے

---

[1] سوہان بمعنی ریتی اور آژن بمعنی سوراخ کرنے والا۔ یعنی ریتی میں سوراخ کرنے والا۔

[2] دھوبیوں کا گھاٹ یا جگہ [3] روٹی پکانے والے کو عربی میں خباز کہتے ہیں۔

ان کے ساتھ کچھ کھا لیا۔ جب ہم فارغ ہو گئے۔ مَیں نے کہا، اے شیخ! ایک سوال رکھتا ہوں۔ فرمایا، "پوچھ۔"
میں نے کہا،

"مَتٰی یَصْفُو الْعَیْشُ مَعَ اللّٰہِ ؟" اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندگی کب صاف ہوتی ہے؟[1]

"قَالَ ، اِذَا رُفِعَتِ الْمُخَالَفَةُ ۔" فرمایا، جب حق تعالیٰ کے ساتھ آدمی کی مخالفت اور دوگانگی اُٹھ جاتی ہے۔
میں اس بات پر حیران ہو گیا، کیونکہ اس کی یہ بات بہت اُونچی تھی اور ایسی بات پہلے انہوں نے کبھی نہیں کہی تھی۔
صبح ہوئی تو میں نے یہ بات مشائخ کو سنائی وہ بھی حیران ہو گئے اور کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس کی زبان سے سنیں۔
چنانچہ مشائخ نے یہ بات ابوالخیر سے پوچھی تو ابوالخیر نے کہا،
"مَا یَجْرِیْ بِاللَّیْلِ لَا یُذْکَرُ بِالنَّهَارِ ۔" جس بات پر رات گزر جائے دن میں اس کا ذکر نہیں کیا
جاتا۔ ابوالخیر نے اس کا اقرار نہیں کیا کہ یہ بات میں نے کہی ہے۔

۲۳۶۔ حضرت ابو عبداللہ ابنِ خفیف الشیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ

المتوفی ۳۳۱ھ۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔
ان کا نام محمد بن خفیفؒ ابنِ اسفکشار الضبّی
ہے۔ شیراز کے رہنے والے تھے۔ اِن کی والدہ نیشاپور کی تھیں۔ اپنے وقت میں شیخ المشائخ ہوتے ہیں۔
لوگ انہیں شیخ الاسلام بھی کہتے تھے۔ شیخ ابوطالب حزرج بغدادی کے مرید ہیں۔ رویمؒ کو دیکھا تھا۔ کتانی اور
یوسف بن الحسین الرازی، ابوالحسین مالکی، ابوالحسین دراج اور ابوالحسین مزین سے صحبت رکھی، نیز طاہر مقدسی
ابوعمرو دمشقی وغیرہما کی صحبتیں بھی حاصل کیں اور مشائخ کے دیدار کی دولت سے شرف حاصل کیا۔ علومِ
ظاہری اور علومِ حقائق میں عالم تھے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، "اس علم میں کسی کی بھی اتنی تصانیف نہیں ہیں جسقدر
ان کی ہیں۔ صاف ستھرے عقیدہ اور اچھی سیرت کے مالک شافعی المذہب تھے۔" شیخ الاسلامؒ نے فرمایا،
"مجھے ان کی دو باتیں یاد ہیں لیکن کرے گا کون؟" پھر کہنے لگے ایک یہ ہے کہ ان سے پوچھا گیا، تصوّف کیا ہے؟
فرمایا، "وُجُوْدُ اللّٰہِ فِیْ حِیْنِ الْغَفْلَةِ ۔"[2] غفلت کے وقت بھی اللہ کا موجود جاننا۔

---

[1] یعنی جب قضا وقدر اور اللہ تعالیٰ کے اوامر تکوینیہ اور تشریعیہ کی مخالفت بندہ سے دُور ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی زندگی صاف اور خالص ہو جائے گی۔

[2] یعنی تصوّف اِن اوقات میں خدا تعالیٰ کو پانا ہے جن اوقات میں کہ لوگ غافل ہوتے ہیں۔ جیسے کھانے پینے کیوقت اور جماع وغیرہ کے اوقات میں اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ یافت و مشاہدہ اس پر اتنی غالب ہو کہ یافت کا بوجھ غفلت کے ساتھ دور کرتا ہو اور اس کی غفلت کا حال وجدان اور یافت کے حال میں شمار ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان سے پوچھا گیا، عبدالرحیم چرا با سگباناں بدشت می شود و قبا می بندد۔ عبدالرّحیم اصطخری سگ بانوں[1] کے ساتھ جنگل میں جاتے ہیں اور قبا پہنتے ہیں۔ کہا، "یَتَخَفَّفُ مِنْ ثِقْلِ مَا عَلَیْهِ"۔ وہ اس لیے جاتا ہے کہ اس پر جو مشاہدہ کا بوجھ ہے اس سے وہ ہلکا ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، "در وجود لذّت نبوُد کہ در وجود فروشکستن و صدمت بود کہ دراں حواس مرد بَرسد"
وجود دریافت میں لذّت نہیں ہوتی، کیونکہ وجود و شہود میں ٹوٹ پھوٹ اور صدمہ یعنی ٹکراؤ ہوتا ہے جو آدمی کے حواس میں پہونچتا ہے۔

اور ہمیں کسی شاعر کا یہ کلام سنایا:-

اُرِیدُ لِاُنْسٰی ذِکْرَهَا فَکَاَنَّمَا   تَمَثَّلُ لِی لَیْلٰی بِکُلِّ مَکَانٍ

میں چاہتا ہوں کہ اس کی یاد کو فراموش کر دوں تاکہ کچھ دیر آرام پاؤں، لیکن میں فراموش نہیں کر سکتا اس لیے کہ جس طرف بھی منہ کرتا ہوں اس طرف سے مثالی صورت میں مجھے لیلیٰ دکھائی دیتی ہے یعنی لیلیٰ کی تصویر ہر طرف سے میرے سامنے آجاتی ہے۔

شیخ ابوعبداللہ خفیف نے کہا کہ ایک روز رقّی میرے پاس آئے کہ فلاں جگہ شیراز کے نواحی گاؤں کی زمیندار بوڑھی شیخ سے ایک سوال رکھتی ہے اور خود آنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ شیخ نے فرمایا کہ میں خود اس کے پاس گیا۔ اس نے کہا، ہمیں ایک عجیب قصہ پیش آیا جس نے ہمیں حیران کر دیا ہے۔ ہمارے قبیلہ میں ایک لڑکا تھا دن میں نہ روزہ کی افطار کرتا اور نہ کسی سے بات کرتا تھا۔ ہمارے پاس سے بکریاں چرانے کے لیے باہر جایا کرتا تھا لیکن جنگل میں بکریاں چھوڑ کر ایک طرف چلا جاتا اور خود نماز پڑھتا رہتا تھا۔ وہ لڑکا ان دنوں بیمار ہو گیا۔ اس کی خاطر ہم نے قبیلہ سے باہر سایہ کا انتظام کر دیا۔ وہ وہاں سوتا اور آرام کرتا تھا ایک دن قبیلہ کے لوگ اپنی ضروریات میں نکلے ہوئے تھے۔ اچانک میں نے اسے دیکھا کہ وہ زمین سے اونچا ہوا اور ہوا میں ایسا چکر لگاتا تھا جیسے چکی پھرتی ہے جب اس کی ماں نے اسے دیکھا تو وہ دوڑی تاکہ اسے پکڑے، لیکن وہ اس تک نہ پہنچی تھی کہ وہ اُوپر کو چلا جا رہا تھا۔ ہم اس کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ خلا میں وہ ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔ ہم نے قبیلہ کے مردوں کو بتایا اور انہیں اِدھر اُدھر پھیلا دیا۔ ہم نے کہا شاید وہ اِن پہاڑوں یا وادیوں میں گر گیا ہو۔ مردوں نے بہت تلاش کیا لیکن کسی جگہ

---

[1] سگ بان یعنی کتے پالنے والے۔

اس کا نشان نہ پایا۔ شیخ نے کہا، مَیں تامّل کرنے لگا یعنی سوچ میں پڑ گیا۔ اس عورت نے کہا، شاید میری اس بات کا آپ کو یقین نہیں۔ قبیلہ کی عورتوں کو بُلایا۔ سب نے اس واقعہ پر گواہی دی۔

شیخ نے جس مجلس میں یہ واقعہ سنایا۔ اس میں ایک آدمی نے کہا، "اے شیخ! ایسا ہو سکتا ہے؟" شیخ نے کہا، ارے بے وقوف! یہاں ایک آدمی ایسا بھی ہے جو اس حقیقت کا منتظر ہوگا۔ ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے[1] اور شیخ ابو عبداللہ خفیف نے یہ بھی کہا، کہ ایک نوجوان خراسان سے حاجیوں کے ساتھ شیراز آیا اور سخت بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ ہمارے پاس ایک آدمی ایسا تھا جو خود بھی نیک تھا اور اس کی بیوی بھی صالح تھی۔ اس جوان کو ہم نے اس کے گھر بھیج دیا تاکہ وہ اس کی خدمت اور تیمارداری کریں۔ اچانک ایک دن وہ آدمی آیا۔ اس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ اس نے کہا، عَظَّمَ اللّٰہُ اَجْرَکُمْ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ وہ جوان فوت ہو گیا ہے۔ ہم نے کہا، "تیرا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے؟" اس نے کہا، گزشتہ رات اسی جوان نے ہمیں کہا تھا، "آج رات میرے پاس رہنا۔ اس رات کے علاوہ میں دوسری کوئی رات نہیں رکھتا۔" میں نے اپنی بڑھیا سے کہا، رات کے پہلے حصّہ میں تُو اس کا خیال رکھنا اس کے بعد مجھے جگا دینا اور تُو سو جانا۔ جب اس نے مجھے بیدار کیا، مَیں صبح تک اس کا حال دیکھتا رہا۔ اس دوران مجھے نیند آ گئی۔ اچانک کسی نے مجھے آواز دی تُو سو رہا ہے اور خدا تعالیٰ تیرے گھر میں نزول[2] فرما ہیں۔ مَیں نیند سے بیدار ہوا تو میں کانپ رہا تھا اور میرے گھر میں چلت پھرت کی آواز اور عظیم روشنی تھی اور وہ جوان آخری سانس میں تھا۔ مَیں نے اس کی آنکھیں بند کیں اور اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کیے۔ اس نے جان دیدی۔ مَیں نے اس آدمی سے کہا، "یہ بات کسی اور سے نہ کہنا۔" اور ہم اس کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔

۲۳۷۔ حضرت ابو محمد العَتائدی رحمۃ اللہ علیہ

ابو عبداللہ خفیف کے استادوں میں سے ایک استاد تھے۔ حضرۃ خفیف رح نے فرمایا، مَیں نے محنت کر کے کھانے والے جتنے بھی مشائخ کو دیکھا ان میں ابو محمد عتائدی جیسا دوسرا کوئی نہیں دیکھا جو ابو محمد کی طرح کسب کی حقیقت کی رعایت کرتا ہو۔ ہر روز آدھا دانگ[3] کماتے۔ اس سے ان کی غذا ہوتی تھی۔ دو حبہ[4] کی بوسی خرید لیتے اور اُس کی دو

---

[1] شیخ کی مراد اس سے اپنی ذات ہے، مگر اُن سے ایسا کوئی واقعہ منقول نہیں ہے۔ [2] نزول فرما ہیں یعنی آئے ہوئے ہیں۔
[3] دانگ۔ ایک دانگ چھ رتی کو کہتے ہیں۔ [4] حبہ۔ ایک رتی برابر وزن ہوتا ہے۔

روٹیاں پکاتے تھے۔ ایک سے روزہ افطار کرتے اور دوسری کو خیرات کر دیتے تھے۔ نیز حضرت خفیفؒ نے فرمایا، مَیں ایک دن ان کے گھر آیا۔ اُن کے سامنے ایک جزو پڑا ہوا تھا۔ جسے چوہوں نے کاٹ کر ٹکڑے کیا ہوا تھا۔ مَیں نے کہا، یہ کیا ہے؟ فرمایا، چوہوں نے کاٹ کر اس کے ٹکڑے کر دیئے اور میں چوہوں سے اتنا پریشان رہتا ہوں کہ راتوں کو وہ میرے سر اور میرے چہرے پر دوڑتے پھرتے ہیں۔" مَیں نے کہا، چراغ کیوں نہیں روشن کر لیتے۔ فرمایا، چالیس[۴] سال ہو گئے ہیں مَیں نے چراغ روشن نہیں کیا، کیونکہ میں اس کے حساب سے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ چراغ کے لیے چند[لہ] چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے تب وہ چراغ بنتا ہے اور سب کا حساب ہے۔

۲۳۸۔ حضرت علی بن شُلُّویہ رحمۃ اللہ تعالٰی

شیخ ابو عبداللہ خفیفؒ نے فرمایا، "علی بن شُلُّویہ اور ایک دوسرے بزرگ کے درمیان بات ہو رہی تھی۔ علی بن شُلُّویہ نے فرمایا، مَیں اس مَرد[۲] کو جانتا ہوں جو ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا جب نماز کا وقت ہو گیا اور پانی اس کے برابر والے دوسرے پہاڑ پر تھا۔ اس نے چاہا کہ وضو کرے تو دونوں پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے۔ اس نے اپنا پاؤں اس پہاڑ سے اٹھا کر دوسرے پہاڑ پر رکھ دیا اور وضو کیا، پھر نماز ادا کی۔"

شیخ ابو عبداللہ خفیفؒ نے یہ بھی فرمایا، چونکہ علی بن شلّویہ اکثر جنگلوں اور پہاڑوں میں رہتے تھے۔ پہاڑوں میں رہنے والے کُردوں کی ایک جماعت ان پر عاشق تھی۔ ان میں کے دو سردار علی بن شلویہ کے پاس آتے اور کہنے لگے۔ ہم دونوں ایک ایک لڑکی رکھتے ہیں۔ ہر ایک کے پاس چار ہزار بکریاں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرمالیں[۳] اور وہ بکریاں آنے والے مہمان فقراء کے کام آویں۔ شیخ نے ان دونوں لڑکیوں سے نکاح کر لیا۔ ایک روز مؤمّل نے علی ابن شلویہ کو دیکھا، کہا، "اس زمانہ میں ہم پر بڑائی نہ کر اب تو تُو بھی ہمارے جیسا ہو گیا ہے۔" کہا، "مَیں نے یہ خدا تعالیٰ کے لیے کیا ہے۔" مؤمّل نے کہا، ہم نے بھی تو خدا تعالیٰ کے لیے کیا ہے۔ علی ابن شلویہ نے کہا، میں نے انہیں تین طلاقیں دے دیں، اگر تم سچ کہتے ہو تو

---

[۱] یعنی بتی ہو۔ دیا ہو، تیل اور اس کو روشن کرنے والی دیا سلائی ہو یا آگ ہو۔

[۲] مرد سے مراد خود ہی ہیں۔

[۳] یعنی ان سے نکاح کر لیں۔

تو تم بھی طلاق دو۔" موّل نے ان سے کہا، او منحوس! طلاق میں تو سُنّت کو بھول گیا[لہ]۔"

۲۳۹۔ حضرت ابوبکر الاِسکاف[عہ] رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابوعبداللہ خفیف رحؒ نے بیان کیا کہ ابوبکر اسکاف نے تیس سال روزے رکھے۔ جب نزع[عہ] کا وقت آیا۔ لوگوں نے پانی میں روئی کا پھایہ بھگویا اور ان کے منہ کے سامنے لے گئے، مگر انہوں نے اسے پھینک دیا۔ اور روزہ کے ساتھ چلے گئے

۲۴۰۔ حضرت ابوالضّحاک رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابوعبداللہ خفیف رحؒ نے فرمایا، کہ میں نے ابوالضّحاک سے خود سُنا وہ کہتے تھے، میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ابلیس کو گلی میں پھرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا، او ملعون! یہاں تیرا کیا کام ہے؟ اس نے اپنا پاؤں زمین سے اٹھایا اور کوٹھے پر آ گیا۔ ہم آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ میں نے اس کے تھپڑ مارا اور اسے گرا دیا۔ اس واقعہ کو کئی سال گزر گئے۔ مجھے حج پر جانے کا اتفاق ہوا۔ واپس ہوا تو ایک نہر پر پہونچا جس کا پُل ٹوٹا ہوا تھا اور پانی بہت زیادہ تھا۔ جس سے گزرنے کی میں نے اپنے میں طاقت نہ پائی۔ اچانک ایک کمزور بوڑھے کو دیکھا کہ وہ پانی میں داخل ہوا میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں اس سے زیادہ کمزور تو نہیں۔ میں نے ہمت کی اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ جب میں پانی کے بیچ میں پہونچا اس بوڑھے نے اپنا پاؤں نہر کے کنارے پر رکھا پھر باہر نکل گیا اور میں پانی کے اندر رہ گیا۔ پانی نے مجھ پر غلبہ کیا۔ میں ڈوب گیا اور میرے سارے کپڑے بھیگ گئے۔ پانی مجھے گھماتا تھا اور لیے جاتا تھا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور پانی نے مجھے کنارہ پر ڈال دیا۔ وہ بوڑھا کھڑا ہوا میرا تماشا دیکھتا رہا۔ جب خدا تعالیٰ نے مجھے نجات دی اور باہر نکل آیا تو اس بوڑھے نے کہا، "تُو نے دیکھ لیا، او ابوالضّحاک تُو نے اس سے توبہ کر لی کہ آئندہ تو مجھے تھپڑ نہ مارے گا۔

۲۴۱۔ حضرت ابومحرز رحمۃ اللہ علیہ

شیراز کے قرب و جوار میں رہتے تھے۔ ذوالنون مصری کے اصحاب سے تھے۔ شیخ ابوعبداللہ خفیف رحؒ نے کہا کہ ابومحرز نے بیان کیا کہ میں شیراز جانے کے لیے نسا سے نکلا اور بادشاہ کے افسر اور ان کے ماتحت لوگوں کے ساتھ ہو لیا۔ جب میں نے ان کی باتیں اور ان کے حالات کو دیکھا تو اپنے دل میں ان کو پسند نہ کیا۔ مجھے ان سے نفرت ہو گئی اور میں نے

[لہ] یعنی تین طلاقیں ایک بار دینا بدعت ہے اور طلاق میں سُنّت یہ ہے کہ ایک ایک مہینہ کے بعد عورت کی پاکی کی حالت میں تین مہینہ کے اندر تین طلاقیں پوری کریں۔ [عہ] اَلاِسکاف موچی کو کہتے ہیں [عہ] جان نکلنے کا وقت جسے دمِ آخر کہتے ہیں۔

ان کو اپنا دُشمن سمجھا۔ مَیں نے ارادہ کیا کہ ان سے جدا ہو جاؤں۔ اچانک آواز آئی کہ قافلہ کے قائد یعنی افسر کی پیٹی (پٹکہ) گم ہوگئی ہے۔ قائد نے قسم کھائی ہے کہ سارے قافلے کی تلاشی لی جاوے۔ سب کی تلاشی لے لی۔ بس میں رہ گیا۔ لوگوں نے کہا، قافلے میں صرف یہ بوڑھا رہ گیا ہے مگر ایسے نیک بندہ کا یہ کام نہیں ہو سکتا۔ قافلہ کے افسر نے کہا میں قسم کھا چکا ہوں اس کی بھی تلاشی لی جاوے۔ ان لوگوں نے میری گدڑی اوپر اٹھائی تو وہ پٹی میری کمر میں تھی۔ مَیں نے کہا، خدا کی قسم مجھے اس کا علم نہیں۔" قائد نے کہا، "یہ اس کی چوریوں میں بڑی چوری ہے۔"

اس کے بعد لوگوں نے کہا، اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاوے۔ ہر کوئی اپنی اپنی بات کہہ چکا تو قائد نے کہا، اس کو قافلے کے راستہ پر بٹھا دو تاکہ قافلہ میں جو مسافر ہیں وہ ایک ایک کر کے اس کے سامنے سے گزرے اور اس کے رُوبرو توبیخ اور سرزنش کرے اور اس کو بُرا کہے اور ذلیل کرے، اس کے بعد اس کو چھوڑ دو اور اس کے ساتھ نہ رہو۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور مجھے اسی جگہ چھوڑ دیا اور چلے گئے۔

۲۴۲۔ حضرت عبدالرحیم اصطخری رحمۃ اللہ علیہ

ان کی کنیت ابو عمرو ہے۔ حجاز، عراق اور شام کے سفر کیے۔ رویم کی صحبت میں رہے۔ سہل بن عبداللہ تستری کی زیارت کی تھی۔ ان کی طریقت خود کو چھپانے اور رندانہ طریقہ کے ظاہر کرنے پر مبنی تھی۔ لباس بھی رندوں کا پہنتے تھے۔ کُتّے رکھے ہوئے تھے جن کو شکار میں لے جاتے اور کبوتر بھی پالے ہوئے تھے۔ عبداللہ خفیف کہتے ہیں جب میں رویم کے پاس آیا تو مجھ سے انہوں نے عبدالرحیم اصطخری کے متعلق دریافت کیا۔ مَیں نے کہا وہ اسی سال دنیا سے رخصت ہو گئے۔ فرمایا، خدا تعالیٰ اس پر رحمت کرے اس جماعت کے بہت سے لوگوں کے ساتھ کوہ لکام اور اس کے علاوہ دوسری جگہوں پر میں نے ان کی صحبت رکھی۔ مگر عبدالرحیم سے زیادہ صابر میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ وہی لوگ کہتے ہیں عبدالرحیم ایک دفعہ شکار کے لیے باہر نکلے۔ ایک شخص چھپ کر ان کے پیچھے ہو لیا۔ اس نے بیان کیا، جب عبدالرحیم پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو کتوں کو چھوڑ دیا اپنی دُرّاعہ[1] جو ان کے پاس تھی اسے پہن لیا۔ کھڑے ہوتے اور خدا تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو گئے۔ وہ شخص کہتا ہے "پہاڑیں سے ایسی آواز بلند ہو رہی تھی کہ اس وقت میرا یہ تصور تھا کہ کوئی درخت، کوئی پتھر اور کوئی جانور ایسا نہیں جو ان کے ساتھ مل کر ذکر نہ کر رہا ہو۔" کہتے ہیں کہ ان کے گھر گائے کی ایک کھال تھی۔ جس کے سینگ اس کے ساتھ لگے ہوتے تھے۔ جب

---

[1] دُرّاعہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جس میں عبادت کرتے ہیں۔

گرمی کا موسم ہوتا تو سینگ پکڑ کر اس کھال کو صحن میں کھینچ لیتے اور جب سردی ہوتی تو سینگ پکڑ کر اسے اندر کھینچ لیتے تھے۔ انہیں اپنے باپ کی میراث سے بیس ہزار درہم پہنچے تھے لیکن وہ لوگوں کے ذمہ قرض تھے۔ عبدالرحیم نے ان لوگوں سے کہا، دس ہزار درہم مجھے دے دو اور دس ہزار تمہیں بخشتے۔ لوگوں نے ان کو دس ہزار درہم دے دیئے۔ تو شیخ نے انہیں توبڑہ (تھیلے) میں ڈال لیا۔ رات بھر انہیں وساوس اور خیالات نے پریشان رکھا۔ کبھی کہتے کہ ان سے تجارت کروں اور کبھی یہ وسوسہ ہوتا کہ فقراء پر خرچ کروں اور کبھی کہتے تھے انہیں گھر میں رکھوں اور روز بروز خرچ کروں۔ آخر آدھی رات کو اٹھے اور تھیلے کو اٹھا کر کوٹھے پر لے گئے۔ ایک ایک مٹھی اس میں سے لیتے تھے اور ہر طرف پھینکتے تھے۔ یہاں تک کہ تھیلہ خالی ہو گیا جب صبح ہوئی پڑوسی کہنے لگے شاید گزشتہ رات درہموں کی بارش برسی ہے۔ عبدالرحیم نے جب توبڑہ جھاڑا تو اس میں سے آدھا درم گرا۔ اپنے ساتھیوں سے کہا، تم کو بشارت ہو کہ تمہاری روٹی اور دال کا سامان ہو گیا۔ وہ لوگ آپس میں کہنے لگے اس دیوانہ کو دیکھو۔ دس ہزار درہم تو لوگوں کی چھتوں پر بکھیر دیئے اور آدھے درہم پر خوشی کر رہا ہے۔

جعفر حذّا نے کہا، "میں اصطخر گیا تا کہ عبدالرحیم کی زیارت کروں۔ اُن کے گھر پہنچا۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ ویران تھا۔ اُن کے پاس آیا تو دیکھا کہ گھر میں ایک پرانی گدڑی کے ساتھ ایک کونہ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے بدن پر ٹاٹ تھی۔ میں حیران ہو گیا اور مجھے ترس آیا۔ عبدالرحیم نے مجھ سے کہا، "تجھے کیا ہو گیا؟" مَیں نے کہا تیرا ناس ہو تُو تو ابھی مر جائے گا۔ عبدالرحیم اپنی جگہ سے اٹھے اور گھر کے نچلے حصہ میں آئے۔ وہاں ایک بڑا پتھر پڑا ہوا تھا اُسے اٹھایا اور چھت پر لے گئے اور کہا، "اٹھ اے طاقتور! اس پتھر کو نیچے لے چل۔" میں حیران رہ گیا پھر کہا، "سترہ دِن ہو گئے ہیں کہ میں نے کچھ نہیں کھایا، باہر جا، جو کچھ تو لا سکتا ہے لے آ، شاید کہ مجھے خواہش ہووے اور تیرے ساتھ کھالوں۔" میں باہر گیا اور جو کچھ بازار میں پایا اس میں سے کچھ لے کر آ گیا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔ عبدالرحیم نے اس کو غور سے دیکھا اور کہا، بیٹھ اور کھا شاید کہ مجھے رغبت ہووے۔" میں بیٹھ گیا اور رغبت سے کھانے لگا۔ جو چیزیں مَیں لایا تھا ان میں ایک خربوزہ بھی تھا۔ مَیں نے اس کو کاٹا تو کہنے لگے "اس کا کچھ حصہ مجھے بھی دے۔" میں نے دے دیا، وہ دانتوں سے اسے چبانے لگے، لیکن نگل نہ سکے، باہر پھینک دیا اور کہا، "اُٹھا لے کہ دروازہ بند ہو چکا ہے۔"

لہ یعنی ضعف اور نقاہت کی وجہ سے۔

ایک زمانہ میں عبدالرحیم اباداںؔ گئے۔ اکیس(۲۱) روز وہاں ٹھہرے لوگ ہر روز ان کے افطار کے واسطے کچھ لاتے تھے۔ صبح کو وہ ویسا ہی پڑا ہوا ہوتا تھا۔ ابادان والے ان کے عاشق ہو گئے۔ جب عبدالرحیم نے ان لوگوں کا یہ عشق اور اعتقاد دیکھا تو وہاں سے سہل تستریؒ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ اُن کے پاس پہنچے تو کہا، "میں آپ کا مہمان ہوں۔" اس نے کہا، "کیا کرنا چاہیئے؟" کہا، "سکباج[۲] پکانا چاہیئے۔" سہلؒ نے کہا "کیسے کروں؟ میرے ساتھی گوشت نہیں کھاتے۔" عبدالرحیم نے کہا، "میں کیا جانوں تو میری ضیافت کا انتظام کر۔" سہلؒ نے کہا، "سکباج پکا لیا ہے۔" کہا، "سارا دیگچا لے آؤ۔" جب لائے تو سائل نے دروازے پر اللہ کے واسطے کوئی چیز مانگی۔ کہا، یہ دیگچا اسے دے دو۔" انھوں نے دے دیا اور عبدالرحیم نے کچھ نہ کھایا۔ دوسرے روز سہلؒ نے ان سے کہا "کیا چاہتا ہے؟" کہا، "وہی جو میں کہہ چکا ہوں۔" جب اس کو پکا لیا تو کہا، "سارا دیگچا میرے پاس لے آ۔" وہ لے آئے اور سہلؒ کا غلام بغیر اس کے کہ عبدالرحیم کو خبر ہو، دروازہ پر کھڑا ہو گیا تاکہ اگر کوئی سائل آئے تو منع کر دے۔ سہلؒ کو کہا، اپنے غلام کو کہو کہ وہ سائل کو منع نہ کرے۔" سہل نے غلام کو منع کر دیا۔ اچانک ایک سائل نے سوال کیا۔ کہا، دیگچا اسے دے دیدو۔" انھوں نے دے دیا۔ تیسرے دن حضرت سہلؒ نے فرمایا "کیا چاہتا ہے؟" کہا، "وہی جو میں پہلے کہہ چکا ہوں۔" جب وہ پکا چکے تو عبدالرحیم باہر آ گئے اور کچھ نہ کھایا یہاں تک کہ مہینہ پورا ہو گیا۔ اس کے بعد ایک مرد کو دیکھا کہ خشک روٹی کے چند ٹکڑے رکھتا ہے اور پانی کے کنارے بیٹھا ہوا گیلے کرتا ہے اور کھاتا ہے۔ عبدالرحیم نے اس سے استدعا کی اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیا۔

۲۴۳۔ حضرت مؤمل جصاص[۳] قدس سرہٗ

شیراز کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ حجاز اور عراق کے سفر کے علم توحید اور علوم المعارف میں بہت اچھا بیان کرتے تھے۔ مَعَ اَنَّہٗ اُمِّیٌّ لَا یَکْتُبُ۔ باوجودیکہ آپ اُمی تھے نہ پڑھ سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے۔ علی سہل اصفہانی نے شیراز میں دریافت کے لیے جو مسائل بھیجے تھے ان کے جوابات دیئے۔ صبح کی نماز پڑھ کے طلوعِ آفتاب تک قرآن پڑھنے میں مشغول رہتے۔ سورج نکل آتا چاشت کی نماز پڑھتے پھر مسجد سے نکلتے۔

---

[۱] جزائر عرب کے آخری حصہ پر ایک بستی ہے جہاں لوگ عبادت کے لیے جاتے تھے۔

[۲] سکباج ایک کھانے کا نام ہے جس میں شکر چاول اور گوشت ڈالتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اس کھانے کو متنجن کہتے ہیں۔ [۳] جصاص چونہ پکانے والے کو کہتے ہیں اور چونہ فروش کو بھی۔

ایک صاحب کہتے ہیں وہ ایک دن نماز پڑھ کر جب مسجد سے نکلے تو میں ان کے پیچھے ہو لیا۔ ان کے گھر پہنچا۔ وہاں دیکھا تقریباً تین سو ضرورت مند آ کر جمع ہو گئے تھے۔ ہر ایک کے کام اور اس کی ضرورت کو توجہ سے سنا اور اپنے آدمیوں کو انکی ضرورتیں پوری کرنیکے لیے مختلف جگہوں یعنی جہاں جہاں انھیں جانا تھا بھیج دیا۔ اور غلاموں سے کہا اوزار فلاں جگہ لے جاؤ۔ میں بھی تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔ یہ سارا کام ایک ساعت میں پورا کر دیا۔ میں حیران ہوا تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "بیٹے! صبح کے وقت تو نے مجھے مسجد میں دیکھا، لیکن میں اس وقت کے اندر اللہ کے ذکر میں زیادہ مشغول ہوں بہ نسبت اُس وقت کے جبکہ میں مسجد میں تھا۔" جب حضرت موملؒ کام میں مشغول ہوتے سلام کے جواب کے علاوہ کسی سے بھی کوئی اور بات نہ کرتے اور کہتے کہ میں مزدور ہوں اگر سلام کا جواب واجب نہ ہوتا تو میں اس کا بھی جواب نہ دیتا۔ حضرت شیخ ابو عبداللہ خفیفؒ نے بیان کیا۔ میں نے حج کا ارادہ کیا۔ اس وقت میں نو عمر تھا۔ حضرت موملؒ نے مجھے وصیت کی کہ "جب موقف[1] (ٹھیرنیکی جگہ) میں پہنچے تو کوہِ عرفات کے پیچھے جانے کا قصد کرنا اور اس جگہ اولیاء کو تلاش کرنا کہ ان کی جگہ وہی ہے۔" جب میں وقوف کے موقعہ پر گیا تو یہاں سے جلدی سے گزرا اور لوگوں کو چھوڑ دیا۔ وہاں مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ میں ڈرا اور چاہا کہ واپس جاؤں، مگر شوق نے مجھ پر پھر غلبہ کیا اور کچھ اور آگے بڑھا، نشیب میں پہنچا تو دیکھا وہاں دس آدمی کھڑے ہوئے ہیں اور اپنے سر آگے کو ڈالے یعنی نیچے کیے ہوئے ہیں۔ اور ان کے درمیان ایک بڑا شیخ ہے اور میرے شیخ ابو محمد عنابیدی بھی ان کے ساتھ ہیں۔ جب ان لوگوں نے مجھے دیکھا تو مجھے میرے پیر کی طرف اشارہ کیا۔ پس میں ان کے سامنے گیا اور سلام کیا۔ اُن سب نے جواب دیا۔ شیخ نے مجھے دیکھا تو مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ جب یہ لوگ فارغ ہو گئے تو اسی ہیئت میں جس میں کہ وہ تھے روانہ ہو گئے۔ ان لوگوں نے میرے شیخ کو کہا، "لڑکے کی حفاظت کرنا اور اس کا خاص خیال رکھنا۔" میں اس شیخ اور اپنے شیخ کے درمیان چلا جا رہا تھا اور اس کے کلام میں سے حرف 'س' میرے کان میں پڑتا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ استغفار کرتا ہے۔ جب میں مزدلفہ پہنچا میرے شیخ نے مجھے کہا، "اپنے ساتھیوں کو آواز دے۔" میں نے پکارا۔ انہوں نے جواب دیا۔ میں ان کے پاس گیا اور وہ جماعت مشعرِ حرام کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہاں کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھتے رہے۔ میں نے بھی اپنی ضرورت پوری کی اور ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ صبح تک یہ حضرات نماز پڑھتے رہے۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو سب غائب ہو گئے۔ پھر دوسری دفعہ میں نے ان کو کبھی نہ دیکھا۔ عبداللہ خفیفؒ نے یہ بھی کہا کہ موملؒ حصاص جب مکہ میں آئے تو ابو الحسن مزین کے پاس گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے اور کہا "اے شیخ! میرا ایک سوال ہے

---

[1] یعنی اولیاء اللہ کے طلب کی جگہ۔ مراد عرفات ہے۔

اور میں ایک عجمی آدمی ہوں اور ان پڑھ بھی ہوں، مجھ سے نرمی سے بات کیجئے۔ کہا، کوئی بات نہیں نرمی ہو گی، پوچھ۔ موٴمّل نے کہا، هَلْ تَرْتَقِيَ الْفُهُوْمُ إِرْتِقَاءَ الْمَوَاجِيْدُ۔ کیا عقل بھی وجدان کے مرتبہ تک پہنچ سکتی ہے۔ ابوالحسن نے ان کو دیکھا اور کہا تو کہاں سے آیا ہے۔ انہوں نے کہا، شیراز سے۔ کہا تو کس نام سے مشہور ہے۔ کہا مجھے موٴمّل کہتے ہیں۔ ابوالحسن نے کہا، وہاں سے اُٹھ وہ تیری جگہ نہیں اور اس کو اپنے برابر بٹھا لیا اور ہمیشہ اس سے کہتے أَنْتَ رَجُلٌ أَعْجَمِيٌّ امی تُو تو عجمی اور اُمی ہے اور ہنستے تھے۔ اور اس کے بعد جو شخص ان سے مسئلہ پوچھتا تو موٴمّل کی طرف اشارہ کر دیتے اور کہتے شیخ سے پوچھ اور سائل کو ان کے حوالہ کر دیتے۔

۲۴۴۔ حضرت ابو محمد الخفاف رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ ابو عبداللہ خفیفؒ نے کہا۔ ابوالحسن مزین نے ہمیں لکھا کہ تمہارا ایک مرید دریاء (حقیقت) کے اندر ہے۔ اگر اس سے صحیح وسلامت نکل آیا تو تمہارے لیے جلد ہی جواہرات لے کر آئے گا اور اس کو ابو محمد خفاف کہا جائے گا۔ شیخ ابو عبداللہ خفیفؒ نے یہ بھی بیان کیا کہ ابو محمد خفاف شیراز کے مشائخ کے ساتھ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ مشاہدہ کے بارہ میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ہر ایک بزرگ اپنے حال کے مطابق بات کہتا تھا۔ ابو محمد خفاف خاموش تھے۔ موٴمّل جصاص نے کہ تُو بھی تو کچھ کہہ۔ کہا، "ہر اچھی بات جو اس باب میں تھی وہ یہ حضرات کہہ چکے ہیں۔ موٴمّل نے کہا، بہرحال تو بھی کچھ کہہ۔ ابو محمد نے کہا، جو کچھ آپ لوگوں نے کہا وہ علم کی حد ہے مشاہدہ کی حقیقت نہیں۔ مشاہدہ کی حقیقت یہ ہے کہ حجاب منکشف ہو جاوے (پردہ اُٹھ جائے) اور تو اسؑ کو ظاہر میں دیکھ لے۔" ابو محمد سے ان لوگوں نے کہا، یہ بات تو کہاں سے کہتا ہے اور تجھے یہ کیسے معلوم ہوا کہ مشاہدہ یہ ہے؟" ابو محمدؒ نے کہا، "میں تبوک کے جنگل میں تھا۔ فاقہ اور تکلیف مجھے حد سے زیادہ پہنچی ہوئی تھی۔ میں مناجات میں مشغول ہوا اچانک پردہ کھلا۔ میں نے اس کو اپنے عرش پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میں نے سجدہ کیا اور کہا،

"مَوْلَائِي مَا هٰذَا مَكَانِي وَمَوْضِعِي مِنْكَ — اے مولا، اے میرے آقا واہ واہ میرا آپ کے نزدیک کیا مقام ہے اور کیا مرتبہ ہے۔

یعنی حیران ہو کر کہا، آپ کے نزدیک میرا کسقدر اونچا مقام اور کتنا بلند مرتبہ ہے۔

جب ان حضرات نے یہ بات سنی تو سب خاموش رہے۔ موٴمّل نے اس سے کہا، اٹھ تا کہ بعض مشائخ کی زیارت کر آئیں۔" ابو محمد اُٹھے موٴمّل نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ابن سعدان محدث کے گھر آئے انھیں سلام کیا۔ ابن سعدان عزت واحترام سے پیش آئے اور انہیں مرحبا کہا۔ موٴمّل نے کہا،

اَیُّھَا الشَّیْخُ نُرِیْدُ اَنْ تَرْوِیَ لَنَا الْحَدِیْثَ الْمَرْوِیَّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لِلشَّیْطَانِ عَرْشًا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِذَا اَرَادَ بِعَبْدٍ فِتْنَةً کُشِفَ لَهٗ عَنْهُ۔

اے شیخ ہمیں وہ حدیث سنائیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان شیطان کا تخت ہے۔ جب وہ کسی بندہ کو فتنہ میں ڈالنا چاہتا ہے تو اس تخت کو اسکے سامنے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

ابن سعدان نے کہا۔

حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ وَاَسْنَدَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلشَّیْطَانِ عَرْشًا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِذَا اَرَادَ بِعَبْدٍ فِتْنَةً کُشِفَ لَهٗ عَنْهُ۔

مجھے حدیث سنائی فلاں نے فلاں سے اور اس کی اسناد بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اوپر والی بات بیان فرمائی کہ شیطان کا ایک تخت آسمان و زمین کے درمیان ہے جب وہ کسی بندہ سے فتنہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ پردہ اس سے کھول دیا جاتا ہے۔

ابنِ سعدان نے سند کے ساتھ اس حدیث کو پڑھا تو ابو محمد محدث سعدان سے کہا، اس حدیث کو دوسری مرتبہ سناؤ۔" حضرت سعدان نے دوسری مرتبہ سنائی وہ رو پڑا پھر اٹھ کر باہر چلا گیا اور عرصہ تک ہم نے اسے نہ دیکھا۔ اس کے بعد وہ آیا تو میں نے کہا، غیر حاضری کے دنوں میں تو کہاں رہا؟ ابو محمد نے کہا، وہ نمازیں جو اس زمانہ میں میں نے پڑھی تھیں ان کی قضا کر کے آیا ہوں۔ اس لیے کہ میں نے شیطان کی بندگی کی اور اس دور میں میں نے اس کو معبود بنا لیا تھا۔" پھر کہا، میرے لیے اس کے بغیر چارہ نہیں کہ میں اس جگہ واپس جاؤں جہاں میں نے اس کو دیکھا اور سجدہ کیا تھا اور اس کو لعنت کروں۔ اس کے بعد وہ باہر نکل گیا۔ پھر ہم نے اس کی کوئی خبر نہیں سُنی۔

۲۴۵۔ حضرت عبداللہ قصّار[1] رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابو عبداللہ خفیف نے کہا کہ عبداللہ قصار نے کہا، "ایک دفعہ میں نے حج کا ارادہ کیا تو شیراز کے مشائخ نے مجھ سے کہا۔ جب سہل بن عبداللہ تستری کے پاس جاوے تو ہمارا انہیں سلام کہنا اور کہنا کہ ہم آپ کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہیں اور جو آپ کہتے ہیں اسے قبول اور تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کے متعلق ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عرفہ کے دن آپ اپنی جگہ سے نکلتے ہیں اور عرفات کے موقف میں حاجیوں کے ساتھ پہنچ جاتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو

---

[1] قصار عربی میں اس کو کہتے ہیں جو دھوبی کا پیشہ کرتا ہو یا اس کے آباؤ اجداد یہ پیشہ کرتے ہوں۔

ہمیں بتائیں تاکہ ہم اس پر یقین کریں۔ عبداللہ قصار کہتے ہیں مَیں سہل کے پاس گیا انہیں سلام کیا وہ اپنے اوپر چادر لپیٹے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور لکڑی کی جوتیاں "کھڑاوں" اپنے سامنے رکھی ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی حیران و پریشان دیوانوں کی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھ پر ان کا رُعب اور ہیبت اتنی غالب ہوئی کہ میں ان سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ ابھی مَیں بیٹھا ہوا تھا ایک عورت آئی اور کہا، "اے شیخ! میرا ایک لڑکا ہے جو اپاہج ہو گیا۔ اُٹھ نہیں سکتا اسے لے کر آئی ہوں تاکہ آپ دعا کریں" حضرت سہل نے کہا، "لِمَ لَا تَحْمِلِیْهِ اِلٰی عِنْدِ رَبِّهٖ" اری اس کو اس کے رب کے پاس کیوں اٹھا کر نہ لے گئی؟" اس عورت نے جواب دیا۔ "اَنْتَ مِنْ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ آپ بھی تو اس کے رب کے قرب والے ہیں۔ حضرت سہل رح نے میری طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ مَیں اُٹھا اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ اُٹھے کھڑاوں پہنیں اور چل پڑے اور وہ عورت بھی ساتھ ہولی اور ان کو دریا کے کنارہ پر لے گئی تو اس بچہ کو سمار یہ[1] میں دیکھا۔ پس لڑکے کو کہا، "مجھے اپنا ہاتھ پکڑا" عورت نے کہا، یہ ہاتھ نہیں پکڑا سکتا۔ سہل نے اس عورت کو کہا دور ہو جا۔ اس بچہ نے انھیں اپنا ہاتھ دیا تو سہل نے کہا، "اٹھ!" وہ اٹھ گیا اور کنارہ پر آگیا۔ سہل نے کشتی والے سے کہا تو جا۔ بچے سے کہا، "تو وضو کر، پھر دو رکعت نماز پڑھ" بچے نے ایسا ہی کیا۔ پھر اس عورت سے کہا، اس کا ہاتھ پکڑ لے۔ اس نے ہاتھ پکڑا اور دونوں روانہ ہو گئے۔ عبداللہ نے کہا، جب مَیں نے یہ واقعہ دیکھا تو میری وحشت دور ہو گئی۔ مَیں نے خوش ہو کر مشائخ کا پیغام اور سلام پہنچایا۔ سہل رح نے تھوڑی دیر تک سر نیچے کیا اور اس کے بعد کہا، اے دوست

اَهٰؤُلَآءِ الْقَوْمُ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ؟ کیا یہ لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَمَا سُؤَالُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ میں نے کہا ہاں۔ آیا وہ اس کو مانتے ہیں کہ اللہ تعالے جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ میں نے کہا، "جی ہاں" فرمایا، پھر اس کے متعلق (میرے عرفات میں اس طرح پہنچ جانے پر) ان کا سوال کیوں ہے۔

۲۳۶۔ حضرت ابراہیم المتوکّل رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابوعبداللہ خفیف رح نے کہا، مجھے اس جماعت کے ایک درویش نے کہا، مَیں جنگل میں نکلا تو دیکھا ابراہیم المتوکّل نے اپنے کپڑوں کو دھو کر دھوپ میں ڈال رکھا ہے۔ مَیں نے انہیں کہا، چلو مل کر کچھ کھائیں گے تو گیلے ہی کپڑے پہن کر میرے ساتھ

---

[1] کشتی کی ایک قسم ہے۔

ہو لیے۔ ابھی ہم کچھ ہی راستہ چلے تھے۔ میں نے دیکھا عنبُ الثّعلب (مکو کے دانے) راستہ میں پڑے ہوئے تھے۔ ابراہیم نے انھیں اٹھا لیا۔ اچھی طرح انہیں دھویا اور کھا لیا اور بیٹھ گئے۔ مجھے کہا، "تو جا کہ مرا ہمیں کفایت است" میرے لیے یہی کافی ہے۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ آپ میرے ساتھ چلیں مگر نہ آئے! مشائخ میں سے کسی نے ابراہیم متوکل سے کہا، "میں چاہتا ہوں کہ اس ماہ میں آپ میرے ساتھ افطار کریں۔" قبول کر لیا۔ ایک رات ان سے کہا، "اٹھو کہ سحری کھائیں۔" اُٹھے، میزبان نے کہا، "اس دستر خوان کو اتار لو۔" ابراہیم نے کہا، "میں یہ نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ یہ اسباب میں حرکت ہے اور میں اسباب میں حرکت نہیں کرتا۔ یعنی ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا ہوں۔" ایک رات انہیں دیکھا کہ دستر خوان سامنے رکھا ہوا ہے اور کچھ کھا رہے تھے۔ میں نے کہا، "تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اسباب میں حرکت نہیں کرتا۔ اور یہ کیا ہے؟ کہا، اللہ کی قسم میں نے اسباب میں حرکت نہیں کی، میں اپنی جگہ سے اُٹھا ہوں۔ میرا خیال سُفرہ دستر خوان پر گیا اور وہ میرے سامنے گر پڑا۔ یہ ہے جو میں کھا رہا ہوں۔

۲۴۷۔ حضرت ابو طالب خزرج ابن علی رحمہ اللہ تعالٰے

شیخ ابو عبداللہ خفیفؒ کہتے ہیں۔ حضرت ابو طالب خزرج جنیدؒ کے اصحاب سے تھے۔ شیراز میں آئے۔ پیٹ کی تکلیف میں مبتلا تھے[1]۔ مشائخ نے کہا، ان کی خدمت کون پسند کرے گا۔ ابو عبداللہ خفیفؒ نے کہا، میں نے ان کی خدمت کو اختیار کیا۔ وہ ہر رات تقریباً سولہ[16] سترہ[17] مرتبہ اٹھتے تھے۔ شبوں میں سے ایک شب میں بیٹھا ہوا تھا۔ رات کا زیادہ حصہ گزر چکا تھا۔ میری آنکھ گرم ہو گئی۔ یعنی آنکھوں میں نیند بھر گئی تھی[2]۔ (اس حال میں) انہوں نے ایک دفعہ آواز دی جسے میں نے نہیں سُنا۔ دوسری دفعہ پھر آواز دی میں اٹھا اور تشلہ سامنے لے گیا، کہا، "اے فرزند وقتیکہ خدمت مخلوقی راہچوں خود نیکو نتوانی کرد۔ خدمت خالق راچگونہ بجای توانی آورد۔" بیٹے جب تم اپنی جیسی مخلوق کی صحیح خدمت نہیں کر سکتے تو خالق کی خدمت اور صحیح بندگی کیسے کرو گے۔

اور ابو عبداللہ نے فرمایا، ایک دفعہ میں غیر حاضر تھا۔ مجھے آواز دی "شیرازی"۔ میں نے نہ سُنا۔ دوسری دفعہ پھر آواز دی۔ کہا، شیرازی ھیّن لَعَنَکَ اللہ ذلیل، اللہ تجھ پر لعنت کرے۔ میں دوڑا اور تشلہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ علی دیلم نے ابو عبداللہ سے پوچھا، "آپ نے ان سے لَعَنَکَ اللہ کو کیسے سُنا؟ یعنی آپ پر اس کا کیا اثر ہوا تھا؟" ابو

---

[1] یعنی اسہال کی بیماری میں مبتلا تھے۔ [2] مطلب یہ ہے کہ میں سو گیا۔

عبداللہ نے کہا، جیسے انھوں نے رَحِمَکَ اللّٰہُ[1] کہا ہو۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اس مرید کو کوئی فلاح نہیں جو استاد اور پیر کی طرف سے خواری اور ذلّت کو نہ برداشت کرے اس کے تھپڑ نہ کھائے اس کی لَعنَکَ اللّٰہ نہ سُنے اور اس کو یَرحمکَ اللّٰہ نہ سمجھے اور درد و ناکامی کے ساتھ زندہ نہ ہو گیا ہو وہ خود اپنے سے چھوٹ گیا ہو۔ اُستاد اور پیر کی لَایفلح نجات نہ پاوے حاصل کی ہو یعنی ایسا مرید ہی فلاح پائے گا اور کامیاب ہو گا جو پیر کے سامنے اپنے کو مٹی سمجھے گا اور اپنی ہستی کو نیستی میں تبدیل کرے گا۔" آدمی بے باپ کے تو حرام زادہ ہوتا ہے اور بے پیر و بے استاد کے لایفلح ہوتا ہے یعنی کامیاب نہیں ہوتا۔ اور فلاح کو نہیں پہنچتا۔ ایک رات پیٹھ کی طرف سے آواز آئی۔ شیخ ابوطالب نے کہا شیرازی یہ کیا آواز ہے۔ ابوعبداللہ خفیفؒ نے کہا، مَیں رات دن میں ایک سو خشک مٹر یا لوبیا کھاتا تھا۔ پھر ہر روز کم کرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مہینہ میں ۱۹ دانوں تک لے آیا ہوں۔

حضرت ابوطالب نے فرمایا، "شیرازی اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ جو کچھ مجھے آفت پڑی اس سے پڑی کہ مَیں ابوالحسن مزیّن کے ساتھ ایک دعوت میں شریک تھا۔ بُھنا ہوا بکرا یا ہرن کا بچہ دسترخوان پر لائے۔ اور میں نے عہد کر رکھا تھا کہ بُھنا ہوا نہ کھاؤں گا۔ اپنا ہاتھ اس سے کھینچ رکھا۔ ابوالحسن مزیّن نے کہا، کُلْ بِلاَ اَنْتَ کھا بغیر اس کے کہ اپنے کو درمیان میں دیکھے۔ مَیں نے خیال کیا کہ حال ایسا ہی ہو گا جیسا کہ شیخ کہتا ہے۔ ایک لقمہ کھا لیا۔ میں نے احساس کیا کہ ایمان مجھ سے باہر نکل گیا اور مَیں اس وقت سے ہر روز نیچے ہی نیچے جاتا ہوں۔"

شیخ الاسلام نے فرمایا، "یعنی اس کے لیے پردہ پڑ گیا اور انتشار واقع ہو گیا کیونکہ اس کا ایمان معاینہ و مشاہدہ تھا۔ تیرا ایمان شہادت ہے اور عارف کا ایمان مشاہدہ ہے[2]۔"

شیخ ابوعبداللہ خفیفؒ نے یہ بھی کہا کہ مرید کو اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نقصان نہیں پہونچاتی کہ وہ نفس کو ڈھیل دے اور رخصت کو ڈھونڈے۔ یعنی عزیمت کو چھوڑ دے اور تاویلوں کے قبول کرنے میں نفس کے

---

[1] رَحِمَکَ اللّٰہ اللہ تجھ پر رحمت کرے۔ کیونکہ ابوطالب کا مقصد ابوعبداللہ کو بد دعا دینا نہ تھا بلکہ ادب سکھانا تھا کہ اچھی طرح خدمت کرنی چاہیئے۔ [2] مطلب یہ کہ ایمان کی حقیقت مجھ سے جاتی رہی۔ جس کا مطلب مطلوبِ حقیقی کا وجدان ہے جو کلمہ شہادت کا پھل ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام نے بیان فرمایا کہ تیرا ایمان شہادت ہے یعنی کلمہ شہادت اور اس کے مضمون پر اعتقاد ہے اور عارف کا ایمان مشاہدہ ہے۔

ساتھ مصالحت کرے۔ اس کو ڈھیل دے، اس سے چشم پوشی کرے اور اسے آسانیاں دے۔

شیخ ابو عبداللہ خفیف رح نے کہ شیراز میں پہلی مجلس جو ابو طالب نے کی اس وقت وہ ٹاٹ پہنے، عصا ہاتھ میں لیے ہوئے آئے اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ میں ان کے پہلو میں تھا۔ انہوں نے لوگوں کو دیکھا اور کہا، "میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں۔ ایک گنہگار ہوں گنہگاروں کے درمیان۔" پھر رو پڑے اور لوگوں کو رلایا اور یہ حال ہوگیا کہ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ چیخیں مارتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ ان کو اتنا قبولِ عام ہوا کہ ان کے قدم کی مٹی کو بیماروں کی شفا کی نیت سے لوگ اٹھا کر لے جاتے تھے۔ اس کے بعد کوئی ایسا سبب ہوا کہ کوئی شخص ان کی طرف التفات نہ کرتا تھا اور ان کے پاس آنے سے سب لوگ ہٹ گئے۔ شیراز سے فارس میں چلے گئے۔ وہاں بھی ان کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوا۔ یہاں سے اصفہان چلے گئے۔ میں نے علی سہل کو کچھ لکھا اور ان کے درجہ و مقام کو تفصیل و وضاحت سے لکھ دیا۔ لیکن اب وہ علی سہل کے پاس نہیں آئے بلکہ اس کے بارے میں کچھ باتیں کہیں۔ علی سہل نے ان سے اعراض کیا۔ ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ وہاں سے وہ عراق کے پہاڑی علاقے میں چلے گئے اور ہمدان آ گئے۔ ابو علی وراجی ہمدان کا حاکم تھا۔ پوچھا کہ تیری کوئی ضرورت ہے۔ اس نے کہا، قرض کا ادا کرنا جو میں رکھتا ہوں۔ ابو علی نے اس کو ادا کر دیا۔ اور پوچھا کوئی اور کام ہے؟ کہا، "فلاں موضع میں میرے واسطے سرائے بنا دے۔ اس نے بنا دی۔ ابو طالب یہاں آ گئے اور اس جگہ کو سیاہ بنا دیا اور کالا ٹاٹ پہنا دیا۔ اور یہیں رہتے رہے۔ یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

شیخ الاسلام نے کہا، "جوانمرد وہ ہے جب اس کو کوئی مصیبت پہنچے یا اس سے کوئی چیز جاتی رہے تو وہ مصیبت کے ساتھ موافقت کرے۔ حسرت اور ندامت سے اس کا تدارک تلاش کرے۔ نہ یہ کہ وہ مصیبت والا اور فوت والا بن جاوے۔ اور اس کو چھپا رکھے اور دعوے کا اظہار کرے اور پوری طرح مغرور ہو جاوے۔

شیخ الاسلام نے کہا، شیخ ابو طالب نے کہا ہے کہ ایک جوان جنید کی زیارت کے لیے خراسان سے آیا۔ جنید رح اس کا لوٹا اور عصا اپنے گھر میں لے گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ اس رات آپ کے اصحاب کا اجتماع تھا۔ جنید نے کہا، "وے را بخانہ ببرید۔" اس کو گھر لے جاؤ اور صبح کو میرے پاس لاؤ۔ یہ لوگ جب رات کا کھانا کھا چکے تو دل لگی اور خوش طبعی کے طور پر وہ لوگ انگوٹھی کے ساتھ کھیلنے لگے اور جوان کو اشارہ کیا کہ تو ہماری موافقت کر۔ اس نے انکار کیا تو وہ لوگ بگڑ گئے۔ شبلی رح نے اس جوان کو گھور کے دیکھا اور کہا خاموش رہ، ورنہ میں اٹھوں گا اور تیرا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ جوان خاموش ہو گیا کچھ نہ بولا اور چلا گیا۔ دوسرے روز لوگوں نے یہ قصہ جنید رح سے

بیان کیا۔ حضرت جنیدؒ اٹھے اور گھر میں گئے تاکہ عصا اور لوٹا تلاش کریں۔ نہ پایا۔ باہر آئے اور اپنے اصحاب سے کہا، میں کئی دفعہ تمہیں وصیّت کر چکا ہوں کہ جب کوئی مسافر یہاں آجاوے اس کو ذلیل نہ کیا کرو۔ خدا تعالیٰ کی قسم گھر سے عصا و لوٹا خود اٹھا کے لے گیا ہے۔ یعنی میں نے اس کو نہیں دیا اور یہ اس کی کرامت ہے۔

۲۴۸۔ حضرت ابو علی وراجی رحمۃ اللہ علیہ

ابو عبد اللہ خفیفؒ نے بیان کیا۔ ابو علی وراجی شیراز میں حاکم اور عامل بن کر آیا۔ آنے جانے والے فقراء کے واسطے اس کا دستر خوان عام تھا۔ وہ ہر روز شام (مغرب) کی نماز کے بعد آتے اور ہمارے ساتھ بیٹھتے تھے۔ ہم ایک دوسرے سے باتیں کرتے۔ ایک رات ایام مریدی کا ذکر آیا تو اپنا کرتہ اُٹھا لیا تو ان کی گردن پر طوق اور گھنٹے کے برابر نشان تھے۔ میں نے کہا، "یہ کیا ہے؟" بولے، میں لکام پہاڑ میں تھا۔ میں ٹاٹ کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ جس نے میری گردن کا گوشت کھا لیا تھا۔ جب اس جگہ سے واپس آیا تو نیا گوشت پیدا ہوا اور یہ اس کا نشان ہے۔ جو باقی رہ گیا ہے۔ میں نے کہا تو پھر آپ کے حکومت میں آنے کا کیا سبب ہوا؟ فرمایا، میری والدہ ضعیف ہو گئی تھی اور مجھ پر قرض زیادہ ہو گیا تو میں محتاج ہو کر اس حالت میں آگیا جو تم دیکھ رہے ہو۔

۲۴۹۔ حضرت ابو القاسم قصری رحمۃ اللہ تعالیٰ

حضرت جنیدؒ کے بڑے مریدوں میں سے تھے۔ شیخ ابو عبد اللہ خفیفؒ نے فرمایا، "ابو القاسم قصری کثیر الاطراق تھے۔ یعنی اکثر گردن جھکائے رکھتے تھے۔ میں نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ کہا، "پہلے زمانہ میں میں سات دن رات میں ایک دفعہ کچھ کھا لیتا تھا۔ اس زمانہ میں ایک جن آتا۔ مجھے سلام کرتا تھا، لیکن میں اسے نہیں دیکھتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے کہا، تمہارا کیا حرج ہے اگر تم ظاہر ہو جاؤ۔ میں نے اسی وقت دیکھا کہ وہ ایک بہت ہی خوبصورت شکل میں ظاہر ہوا۔ میں نے کہا، آپ کس میں سے ہیں۔ جواب دیا کہ ان جنّوں میں سے ہوں جو ایمان والے ہیں۔ جب میں آپ جیسوں کو دیکھتا ہوں تو دل چاہتا ہے کہ ان کی زیارت کروں، میں نے کہا، اس کے بعد جس وقت تُو میرے پاس آئے تو ظاہر ہو کر آیا کر۔ اس نے مجھے دوست بنا لیا۔ بڑی محبت کرتا تھا اور بہت چیزیں مجھے سکھایا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے کہا آؤ مسجد چلیں اور کچھ دیر بیٹھیں۔ اُس نے کہا جب تو بیٹھے گا اور بات کرے گا لوگ تجھے دیکھیں گے اور مجھے نہ دیکھیں گے تو تجھے وسواسی کہیں گے۔ میں نے کہا، چل مسجد کے آخری حصّہ میں بیٹھیں گے۔ جہاں ہمیں کوئی نہ دیکھے گا۔ پس ہم آئے اور بیٹھ گئے۔ اس نے کہا ان لوگوں کو جو مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں تو کیسے دیکھتا ہے۔ میں نے کہا، بعض کو نیم خواب اور بعض کو سوتے میں اور بعض کو بیدار اور ہوشیار دیکھتا

ہوں ۔ اس جن نے کہا ، ان لوگوں کے سروں پر جو چیز ہے کیا تو اسے دیکھتا ہے ؟ میں نے کہا ، نہیں ۔ پس اس نے میری آنکھوں پر ہاتھ پھیرا ۔ مَیں نے دیکھا کہ ہر ایک کے سَر پر ایک کوّا بیٹھا ہوا ہے ۔ بعضوں کے سروں پر اس طرح بیٹھا ہوا ہے کہ اس نے اپنے پَر ان کی آنکھوں پر ڈال رکھے ہیں اور بعض کے سَر پر ایسے ہی بیٹھا ہوا ہے اور بعض کا یہ حال ہے کہ کبھی آکر اُس کے سر پر بیٹھ جاتا ہے اور کبھی اُوپر کو اُڑ جاتا ہے ۔ مَیں نے کہا یہ کیا معاملہ ہے ، وہ جن بولا تُم نے اللہ کا کلام نہیں پڑھا

" وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ "[1] یہ شیاطین ہیں جو ان کے سروں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور جتنا کوئی غافل ہے اسی قدر یہ اس پر غلبہ پائے ہوئے ہیں ۔

اور یہ جن اسی طریقہ سے میرے پاس آتا تھا اور مجھ پر ظاہر ہوتا تھا ۔ یہاں تک کہ ایک دن میں سخت بھوکا تھا اور میرے سامنے صدقہ کی روٹیوں میں سے کچھ بچی ہوئی تھیں اور کھانے کے وقت میں جس کی مَیں نے عادت ڈال رکھی تھی چار دن باقی تھے ۔ مَیں نے ایک ٹکڑا اس میں سے اٹھایا اور کھا لیا ۔ میری بھوک ختم ہو گئی ۔ اچانک وہی جن آیا ۔ مجھے سلام کیا مگر ظاہر نہیں ہوا اور کہا ہم ان ریاضتوں اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے تمہیں چاہتے تھے اور جب ہم نے تمہارا امتحان لیا تو اس پر تُو صابر نہ نکلا ۔ یہ کہا اور چلا گیا اور پھر کبھی وہ ہمارے پاس نہ آیا ۔ پس میرا سر ڈالنا اور جھکانا اسی وقت سے ہے ۔ یعنی ہر وقت جو مَیں سَر کو جھکائے رکھتا ہوں اس کا سبب وہی پشیمانی اور شرمساری ہے ۔

۲۵۹ ۔ حضرت عبدالعزیز بحرانی[2] قدس سرہٗ

شیخ ابو عبداللہ خفیف رحؒ نے فرمایا ، عبدالعزیز بحرانی سردی کے موسم اور کڑاکے کے جھاڑے میں شیراز آئے ۔ ان کے کپڑے پُرانے تھے ۔ جو فتوحات اور تحائف انہیں مِلتے ۔ انہیں فقراء پر خرچ کر دیتے تھے ۔ تین دن تک شیراز ٹھہرے رہے ۔ لوگوں نے اس کے متعلق یعنی کپڑوں کے بارہ میں اُن سے بات کی تو کہا ، " میرا نفس تمہارے کپڑوں سے بھاگتا ہے " ۔ اس کے بعد مجھے کہا ، " اے ابو عبداللہ مجھے اس شہر سے باہر لے چل ، کیونکہ میری نیّت میں نہیں ہے کہ میں اس شہر میں رہ کر نئے کپڑے پہنوں ۔ مَیں نے کہا ، " کہاں جاؤ گے ؟ " کہا ، " سمندر کے کنارے " ۔ مَیں انہیں پہنچانے کے لیے ان کے

---

[1] جو شخص بھی اس ذات کی یاد سے باز رہے گا جو تمام موجودات کا مبدا ہے ہم اس پر کوئی شیطان مقرر کر دیں گے ۔ پس وہ شیطان اس کا دوست اور ہمراہی رہے گا ۔

[2] بحرانی ، صوبہ بحرین کی طرف نسبت ہے ۔

ساتھ کچھ دُور چلا اور جو دروازہ اس جانب تھا، اس سے باہر نکلے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ ابوالخیر مالکی اپنے اُونٹ پر بیٹھے ہوئے اُونٹ کو ایڑیاں مار رہے ہیں۔ اُنھوں نے ہمیں پکارا۔ وہ اپنے ساتھ کھانے کا کچھ سامان رکھتے تھے ہم کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس پُہنچ گئے اور کہا، مہربانی کرو کہ ہم مِل کر کھانا کھائیں۔ ہم بیٹھ گئے اور ہم نے مِل کر کھانا کھایا۔ جب فارغ ہو گئے۔ بحرانی اٹھ کو کھڑے ہو گئے۔ جا نماز اپنے کندھے پر ڈالی۔ ابوالخیر نے کہا، کاش کہ اس کھانے میں سے کچھ کھانا اپنے ساتھ لے جائیں۔ کہا، "میرا باورچی خانہ آگے جا چکا ہے۔" ابوالخیر نے کہا، ہم اس کھانے کو کیا کریں گے؟" بحرانی نے کہا، "پیش سگاں انداز" کتوں کے آگے ڈال دے۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔

۲۵۱۔ حضرت ابوالحسین الحکیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ابوالحسین الحکیمی نے فرمایا، مَیں نے جنیدؒ سے سُنا، انھوں نے کہا کہ میں ایک دن سری سقطیؒ کی مجلس میں تھا اور وہاں بہت سے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ مَیں ان میں سَب سے چھوٹا تھا۔ سرّیؒ نے پوچھا وہ کون سی چیز ہے جو نیند کو دُور کرتی ہے؟" ہر ایک نے کچھ کہا۔ ایک نے کہا، بھُوک ہے۔ ایک نے کہا، تھوڑا پانی پینا۔ (یعنی پانی تھوڑا پینے سے نیند کم آتی ہے) جب میرا نمبر آیا تو مَیں نے کہا،

عِلْمُ الْقُلُوْبِ بِاطِّلَاعِ اللّٰہِ تَعَالٰے عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ۔" دلوں کا یہ جان لینا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر نفس کے عمل کی خبر ہے یعنی جب دل کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر آدمی کے عمل پر جو اس نے عمل کیا پوری طرح واقف ہے[1]۔

یہ سُن کر حضرت سرّی نے فرمایا، "اَحْسَنْتَ یَا بُنَیَّ" میرے بیٹے! تو نے بڑی اچھی بات کہی اور مجھے بُلا کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اس دِن کے بعد میں جہاں بھی [illegible]تا ہوں سب پر مقدم ہوتا ہوں۔ نیز حضرت حکیمی نے یہ بھی فرمایا کہ مشائخ میں سے ایک شیخ کے متعلق مَیں نے حضرت جنیدؒ سے پوچھا کہ وہ اقتدار یعنی پیر بنانے کے لائق ہے۔ جنیدؒ نے کہا، اگر تُو اس میں پرہیزگاری اور رزقِ حلال کی طلب کو پائے تو وہ اقتدار کے لائق ہے ورنہ اسے چھوڑ دے۔

۲۵۲۔ حضرت شیخ ابُو اِسحاق ابراہیم ابن شہریار گازرُونی رحمۃ اللہ تعالیٰ

المتوفیٰ ذیقعدہ ۴۲۶ھ۔ فارسی نسل کے ہیں۔ ان کی پیدائش اور پرورش کی جگہ نورو گازرون ہے اور ان کے والد شہریار مسلمان ہو گئے تھے۔ ابواسحاق اور ان کے والد کی ساری اولاد

[1] خلاصہ یہ کہ دلوں کا اس بات کو جان لینا کہ خداوند تعالیٰ ہر کسی کے عمل پر مطلع ہے اور ہر اس عمل کے ساتھ وہ واقف ہے جو کچھ وہ کرتا ہے اس یقین سے نیند کم آئے گی۔ بھُوکے پیاسے رہنے سے کچھ نہ بنے گا۔

اُن کے اسلام لانے کے بعد پیدا ہوئی۔ تصوّف میں ان کی نسبت شیخ ابوعلی حسین بن محمد الفیروزآبادی الاکّار سے تھی۔ اورگازرون، شیراز، بصرہ، مکہ اور مدینہ کے بہت سے اصحابِ حدیث کی صحبتوں میں زیادہ وقت گزارا ہے۔ اور حدیث اور آثار کی ان سب حضرات سے روایات رکھتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جہضم الہمدانی کو دیکھا تھا۔ اور ان سے روایت کرتے ہیں اور ذوالنون مصری نے کہا

عَلَيْكَ بِالْقَصْدِ فَإِنَّ الرِّضَا بِقَلِيْلِ الرِّزْقِ يُزَكِّي يَسِيْرَ الْعَمَلِ۔ اپنے پر میانہ روی کو لازم کر یعنی توسط احوال کو اختیار کرنا چاہیئے۔ تھوڑے رزق پر راضی رہنا تھوڑے عمل کو پاکیزہ بنادے گا۔

مطلب یہ کہ ضرورت کے وقت قناعت کر اور زیادہ کا طالب نہ بن۔ تھوڑے رزق پر راضی رہنا تھوڑے عمل کو پاکیزہ بنادے گا اور یقیناً پاک عمل ہی حضرت پاک تعالیٰ کے ہاں قبولیت کے لائق ہوتا ہے۔ چونکہ عدمِ قناعت شر اور حرام میں پڑ جانیکی مستلزم ہے۔

ایک وزیر شیخ کے ساتھ پوری پوری عقیدت رکھتا تھا۔ جس قدر اس سے ہوسکا اس نے کوشش کی کہ شیخ اس کا ہدیہ قبول کرلیں، مگر شیخ نے قبول نہ کیا۔ آخر ایک دفعہ شیخ کو پیغام بھیجا، مَیں نے ہر طرح کوشش کی (کہ آپ میرا ہدیہ قبول فرمالیں) مگر آپ نے مجھ سے کبھی بھی قبول نہ فرمایا، (آخرکار) مَیں نے چند غلاموں کو آزاد کردیا اور ان کا ثواب مَیں نے آپ کو بخش دیا ہے۔ شیخ قدس اللہ سرّہٗ نے جواب بھیجا۔ لوگوں نے تمہارا پیغام مجھے پہنچادیا ہے۔ تمہاری اس نیکی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لیکن بندوں کو آزاد کرنا میرا مذہب نہیں ہے۔ میرا مذہب نرمی اور اچھے سلوک کے ساتھ آزاد لوگوں کو غلام بنانا ہے۔ شیخ قدس اللہ سرّہٗ نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو پوچھا یا رسُول اللہ، تصوّف کیا ہے؟" آنحضرت نے فرمایا،

"اَلتَّصَوُّفُ تَرْكُ الدَّعَاوِيْ وَكِتْمَانُ الْمَعَانِيْ" تصوّف دعووں کا ترک کرنا اور باطنی حالات کا چھپانا ہے۔

پھر پوچھا۔ مَا التَّوْحِيْدُ، توحید کیا ہے؟ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

كُلُّ مَا هَجَسَ بِبَالِكَ اَوْ خَطَرَ فِيْ خَيَالِكَ فَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِخِلَافِ ذٰلِكَ التَّوْحِيْدُ۔ جو کچھ تیرے دل میں آواز پڑے یا تیرے خیال میں اس کا خطرہ آئے خدا تعالیٰ اس سے علاوہ ہے

اَنْ تَنَزَّهَهٗ عَنِ الشَّكِّ وَالشِّرْكِ وَالتَّعْطِيْلِ ؕ — توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شک، شرک اور تعطیل سے پاک سمجھے۔

توحید یہ ہے کہ اس کو شک سے پاک کرے اور دُور رکھے یعنی اس کی الوہیت میں شک نہ لائے۔ یہ ایمان کا پہلا درجہ ہے اور تو کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ بنائے نہ شرک جلی سے نہ شرک خفی سے اور تو اس کی صفات کو مُعطّل اور بیکار نہ جانے یعنی ہر چیز کو کرنے والا بذاتِ خود صرف اس کو جانے

پھر پوچھا "عقل کیا ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَدْنَاهُ تَرْكُ الدُّنْيَا وَأَعْلَاهُ تَرْكُ التَّفَكُّرِ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى — اس کا ادنیٰ دنیا کو چھوڑ دینا ہے اور اعلیٰ "سب سے اونچی عقل" اللہ کی ذات میں تفکر اور غور کرنے کو چھوڑ دینا ہے۔[1]

۲۵۳۔ حضرتِ شیخ روزبہان البقلی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۶۰۶ھ نصف محرم۔ کنیت ابو محمد ابی النصر البقلی النسوی پھر شیرازی ہے۔ سلطان العرفاء، برہان العلماء اور قدوۃ العشاق تھے۔ ابتدائے حال میں عراق، حجاز اور شام کے سفر کیے۔ سرحد اسکندریہ میں شیخ ابوالنجیب السہروردی کے ساتھ صحیح بخاری کی سماعت میں شریک رہے ہیں اور شیخ سراج الدین محمود بن خلیفہ بن عبدالسلام بن احمد بن سالبہ سے خرقۂ خلافت[2] پہنا ہے۔ شیراز کے اطراف اور اس کے پہاڑوں میں بڑی سخت ریاضتیں کیں۔ صاحبِ ذوق اور صاحبِ استغراق تھے اور ہمیشہ مشاہدے والے بزرگ تھے اور ان کے یہ حالات دوامی تھے۔ نہ اُن کی سوزش کبھی ٹھنڈی ہوتی تھی اور نہ کبھی اُن کے آنسو تھمتے تھے اور دن رات کے اوقات میں کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا تھا کہ ان کو کسی وقت چین نصیب ہو۔ کسی گھڑی رونے چلانے سے وہ غافل نہ ہوتے تھے۔ ساری رات ہائے ہائے کرتے، آہیں بھرتے کراہتے اور روتے ہوئے گزار

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ادنیٰ درجہ اور کم سے کم عقل کی نشانی دنیا کو چھوڑ دینا ہے اور اعلیٰ درجہ کی عقل کی نشانی ذاتِ حق سبحانہٗ میں غور نہ کرنا ہے۔

[2] "خرقۂ خلافت" خرقہ کی ایسی تاثیر ہوتی ہے جیسے کہ جگہ کی تاثیر ہوتی ہے اور مرید کو خرقہ دینا اس بات کی علامت ہے کہ شیخ نے اس کو اپنے احوال کا جامع پایا ہے۔

دیتے ۔ غرضیکہ کسی لمحہ بھی ان کو چین اور سکون نصیب نہ تھا اور کوئی گھڑی ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں وہ روتے چلّاتے اور آہیں نہ بھرتے ہوں ۔ؔ

عربی فارسی میں بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں ۔ مثلاً تفسیر عرائس، شرح شطحیات (عربی و فارسی) کتاب الانوار فی کشف الاسرار اس کے علاوہ بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں ۔ جن کی فہرست طویل ہے ۔ قوال[۲] کو خوبصورت ہونا چاہیئے، کیونکہ عارف لوگ سماع کی مجلس میں قلوب کو راحت پہنچانے کی غرض سے تین چیزوں کے محتاج ہیں ۔ اچھی خوشبوئیں، خوبصورت چہرہ اور اچھی آواز ۔ بعض نے کہا ہے کہ ایسے قوال سے بچنا بہتر ہے ۔ اس لیے کہ ایسا کام قوالی و سماع اس عارف کے لیے درست اور مسلّم ہے جس کے دل کی طہارت کمال کو پہنچ گئی ہو اور اس کی آنکھ غیر حق کو دیکھنے سے بند اور پوشیدہ ہو گئی ہو ۔

لوگ کہتے ہیں پچاس سال تک وہ شیراز کے اندر جامع عتیق پرانی جامع مسجد میں وعظ و نصیحت کرتے رہے پہلے پہل جب یہ شیراز میں آئے ۔ مجلس بیان کرنے کو جا رہے تھے ۔ راستہ میں ایک عورت سے سُنا وہ اپنی بیٹی کو نصیحت کر رہی تھی ۔ "بیٹی اپنے حُسن کو کسی پر ظاہر نہ کرنا کہ وہ ذلیل اور بے اعتبار ہو جائے گا ۔" بیٹی شیخ نے کہا، "بی بی! حُسن اس پر راضی نہیں کہ تنہا اور اکیلا رہے ۔ وہ تمام تر یہی چاہتا ہے کہ عشق کے ساتھ رہے ۔ حُسن اور عشق نے ازل میں ایک دوسرے سے عہد کیا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے ۔" شیخ کی یہ بات سُن کر ان کے اصحاب پر ایسا وجد و حال طاری ہوا، کہ بعض تو اسی حال میں اس عالم سے رحلت کر گئے ۔

شیخ ابوالحسن کردویہ کہتے ہیں، بعض صوفیاء کی دعوت میں شیخ روزبہان کے ساتھ میں بھی موجود

ؔ اس سارے نقشے کو حضرتِ اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو شعروں میں بیان کیا ہے ؎

وہ جن آنکھوں میں خارِ ہجر ہووے
بھلا وہ عمر بھر کیونکر نہ رووے
تڑپ کر غم میں شب کو صبح کرنا
صبح سے شام تک رو رو کے مرنا

[۲] حمدیہ یا نعتیہ کلام سنانے والے کو صوفیا قوال کہتے نہ کہ بے دین گویوں اور میراثیوں کو ۔

تھا۔ اس وقت تک میں انہیں نہیں پہچانتا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ علم اور حال میں میں اس سے زیادہ ہوں۔ شیخ میرے اس خیال پر مطلع ہو گئے۔ شیخ نے کہا اوابوالحسن اس خیال کو اپنے دل سے نکال دے کیونکہ آج کوئی شخص روزبہان کے برابر نہیں ہے۔ وہ اپنے وقت میں یکتائے روزگار ہے۔ اور اسی مطلب کا انہوں نے اپنی اس نظم میں اشارہ کیا ہے۔

دریں زمانہ منم قائدِ صراط اللہ	اس زمانہ میں میں اللہ کی راہ کا قائد ہوں۔
ز حدِ خاور و آستانۂ اقصیٰ	مشرق کی حد سے آستانۂ اقصیٰ تک۔
روندگان معارف مرا کُجا بینند	معارف کی راہ چلنے والے مجھے کہاں دیکھیں گے۔
کہ ہست منزل و جائم ماورائے وری	کیونکہ ہماری منزل و جگہ ماوریٰ سے بھی آگے ہے[1]۔

معارف کی راہ چلنے والے مجھے کہاں دیکھیں گے کیونکہ میری منزل و جگہ ماوریٰ سے بھی آگے ہے۔

ابتدا میں یہ صاحب سماع تھے لیکن آخر عمر میں اس سے کنارہ کش ہو گئے یعنی قوالی کے سماع سے رُک گئے۔ لوگوں نے اس بارہ میں بات کی تو کہا،

إِنِّي أَسْمَعُ الْآنَ مِنْ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ	بیشک اب میں اپنے رب عزوجل سے سنتا ہوں
فَأَسْتَعْرِضُ مِمَّا سَمِعْتُ مِنْ غَيْرِهِ	پس میں اس سماع سے جو میں نے اس کے غیر سے

سنوں اب اعراض کرتا ہوں اور اپنے کو دُور رکھتا ہوں[2]۔

کہتے ہیں آخر عمر میں ان کو فالج کی شکایت ہو گئی تو ان کے مریدوں میں سے ایک مرید بغیر ان کے کہے مصر گیا اور بادشاہوں کے خزانوں میں سے ان کے علاج کے لیے روغن بلسان خالص اپنے ساتھ لایا۔ جب اسے شیخ کی خدمت میں لایا تو شیخ نے فرمایا جَزَاكَ اللهُ عَنْ نِيَّتِكَ۔ اللہ تعالیٰ تجھے تیری نیت کی جزا

---

[1] یعنی مشرق کی حد سے مسجد اقصیٰ کے آستانہ تک جو جانب مغرب ہے معرفت کی راہ طے کرنیوالے مجھے کہاں دیکھیں گے، کیونکہ میری منزل اور مقام ماوریٰ سے بھی آگے ہے یعنی ہر چیز کی انتہا ہے۔ میرا مقام اور میری منزل اس سے آگے ہے۔ [2] یعنی اب چونکہ معرفت حاصل کر چکا ہوں اور میرا یہ وقت حصولِ معرفت کا ہے، لہٰذا اس وقت میں اپنے رب سے سنتا ہوں اور میں سماع سے روگردانی چاہتا ہوں۔ یعنی میں نے غیرِ حق سے جو سُنا ہے اس سے مُنہ پھیرنا چاہتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ سماع اور قوالی اسوقت تک ہوتی ہے جب معرفت کے مقام میں پہونچا ہو۔ صاحب معرفت کا اس سے کیا واسطہ۔

دے۔ خانقاہ کے دروازے سے باہر جا، وہاں خارش کی مرض والا کتا سویا ہوا ہے۔ اس تیل کو اس کے بدن پر مالش کر اور تُو خوب سمجھ لے کہ روزبہان کسی بھی روغن سے اچھا نہ ہوگا۔ یہ عشق کی بیڑیوں میں سے ایک بیڑی ہے جو خدا تعالیٰ نے اس کے پاؤں میں اس وقت تک کے لیے ڈال دی ہے جب تک کہ وہ اس کی ملاقات کی سعادت سے بہرہ ور نہ ہو جائے۔"

شیخ کے مریدوں میں سے ایک مرید شیخ ابوبکر بن طاہر نے بیان کیا کہ میں تہجد میں ہر سحری کے وقت باری باری شیخ کے ساتھ قرآن پاک کا دور کرتا تھا۔ دس دن وہ پڑھتے تھے اور دس دن میں۔ جب وہ فوت ہو گئے دنیا مجھ پر تنگ ہو گئی۔ آخر میں رات کو اٹھا، نماز پڑھی اور پھر شیخ کی قبر کے سرہانے بیٹھ گیا اور قرآن شروع کیا۔ بے اختیار مجھ پر گریہ طاری ہو گیا (رونا غالب ہو گیا) کیونکہ میں اس سے تنہا رہ گیا تھا۔ جب دس دن میں نے پورے کیے تو شیخ کی آواز سنی کہ قبر سے آ رہی تھی اور وہ دوسرے عشرے تک برابر پڑھتے رہے۔ تاآنکہ جب لوگ ان کی قبر پر جمع ہو جاتے تو شیخ کی آواز بند ہو جاتی۔ مدت تک یہی حال رہا۔ ایک دن میں نے ان کے ایک مرید سے یہ قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد میں نے ان کی قبر سے کبھی کوئی آواز نہ سنی۔ صاحب فتوحات مکیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا ہے کہ شیخ روزبہان مکہ میں مجاور تھے:

وَكَانَ كَثِيرَ الزَّعْقَاتِ فِي حَالِ وَجْدِهِ فِي اللهِ بِحَيْثُ أَنَّهُ كَانَ يُشَوِّشُ عَلَى الطَّائِفِينَ بِالْبَيْتِ فَكَانَ يَطُوفُ عَلَى سُطُوحِ الْحَرَمِ وَكَانَ صَادِقَ الْحَالِ

جس وقت وہ وجد کے حال میں ہوتے ایسی ہائیں مارتے تھے کہ بیت اللہ کے طواف کرنیوالوں کو تشویش میں ڈال دیتے تھے[عہ]۔ لہٰذا وہ حرم کی چھت پر طواف کرنے لگے اور وہ سچے حال والے تھے۔

اتفاق سے وہ ایک گانے والی کے عشق میں گرفتار ہو گئے اور کسی شخص کو اس کی خبر نہ تھی، مگر جو وجد آوازیں و چیخیں وہ اللہ کے مشاہدہ میں مارتے تھے بدستور باقی رہیں، لیکن پہلے خدا کے واسطے ہوتی تھیں اور اس زمانہ میں گانے والی کے واسطے۔ شیخ کو خیال آیا کہ لوگوں کا تو وہی عقیدہ ہوگا کہ اس کا وجد اور چیخیں اس وقت بھی خدائے تعالیٰ کے لیے ہیں، لہٰذا وہ حرم کے صوفیاء کی مجلس میں آئے اور اپنی گدڑی اتار کر ان کے سامنے پھینک دی۔ اپنا قصہ لوگوں سے بیان کیا اور کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ اپنے حال میں

[عہ] یعنی طواف کرنیوالے ان کے شور اور چیخوں میں طواف نہ کر سکتے یا اس کے شوط کی گنتی یاد نہ رکھ سکتے تھے۔

جھوٹا اور فریبی ہوں۔

اس کے بعد انہوں نے گانے والی کی خدمت کو اپنے اُوپر لازم کر لیا۔ لوگوں نے ان کے عشق و محبّت کا قصہ گانے والی کو سنایا۔ اور کہا، "یہ تو اکابر اولیاء اللہ سے ہے۔" گانے والی نے توبہ کی اور اس نے شیخ کی خدمت کو سرمایۂ سعادت بنایا۔ پھر گانے والی کی محبت ان کے دل سے زائل ہو گئی تو صُوفیہ کی مجلس میں آئے اور اپنی گدڑی واپس لے کر پھر سے پہن لی۔

۲۵۴۔ حضرت شیخ ابوالحسن کُردُویہ رحمۃ اللہ تعالےٰ

المتوفی آخر محرّم ۶۰۶ھ۔ صاحب علم و تقویٰ تھے۔ شیراز میں اپنے گھر کے اندر ۶۰ سال تک ایسے گوشہ نشین رہے کہ صرف جُمعہ کی نماز پڑھنے یا اپنی بعض ضروریات کی کفایت کے لیے ہی کبھی کبھی باہر نکلتے تھے۔ خضر علیہ السّلام گاہ بگاہ ان پر ظاہر ہوتے اور ان کے ساتھ وقت گزارتے تھے۔ کہتے ہیں ان کی موت کا سبب یہ ہوا کہ ایک آدمی نے اُن کے پاس آ کر کہا۔ یہاں ایک مرد ہے جو کہتا ہے میری پھونک عیسٰیؑ کی پھونک کی مانند ہے کہ عیسٰی علیہ السلام مردہ طبیعت کو زندہ کرتے تھے اور میں مردۂ غفلت[1] کو زندہ کرتا ہوں۔ شیخ ابوالحسن نے آہ بھری اور بولے، "الٰہی تُو نے مجھے یہ اتنی لمبی عمر اس لیے دی ہے کہ میں ایسا زمانہ پاؤں جس میں اس قسم کی باتیں سنوں؟ اب اور زندگی نہیں چاہتا۔" ان کے پیٹ میں درد اٹھا اور اسی حال میں آخر محرم الحرام ۶۰۶ھ میں رُخصت ہو گئے۔

جب شیخ روزبہان بقلی بیمار ہوئے تو شیخ ابوالحسن کردویہ اور شیخ علی سراج جو بزرگ اور عارف مرد تھے اور شیخ روزبہان کے بچوں کے ماموں بھی، ان کی عیادت کے لیے آئے۔ شیخ روزبہان نے ان کی طرف مُنہ کیا اور فرمایا:

"بیایید کہ از قید این حیات جسمانی و زندگانی فانی بیروں آئیم و بحیات ابدی روحانی متصف شویم۔ ایشاں قبول کردند۔ شیخ گفت، من پیش از شما میروم و تو اے ابوالحسن بعد از پانزدہ روز بمن	آؤ کہ اس جسمانی زندگی اور فانی زندگی کی قید سے باہر نکلیں اور حیاتِ ابدی و رُوحانی کے ساتھ متصف ہوں۔ انہوں نے قبول کیا، شیخ نے کہا، میں تم لوگوں سے پہلے جاتا ہوں اور تو اے

---

[1] غفلت کے مردہ کو زندہ کرتا ہوں یعنی اسکے قلب کو ذاکر بنا دیتا ہوں اور اسکی غفلت کو ذکر کے ساتھ زندہ کر دیتا ہوں۔

میرسی و تو اے علی بعد از یک ماہ۔ ابوالحسن پندرہ دن بعد میرے پاس پہنچے گا اور اے علی تو ایک مہینہ کے بعد۔

٭ ٭

چنانچہ شیخ روزبہان نصف محرم کو رخصت ہوتے۔ شیخ ابوالحسن آخر محرم کو اور شیخ علی نے نصف صفر کو رحلت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے۔

۲۵۵۔ حضرت شیخ ابوعبداللہ بلیانی قدس اللہ سرہ العزیز المتوفی (۱۰ محرم ۶۸۶ھ) ان کا لقب اوحدالدین ہے۔ شیخ ابوعلی دقاق کی اولاد سے تھے۔

اور ان کا نسب شیخ ابوعلی کے ساتھ اس طرح ہے۔ عبداللہ بن مسعود بن محمد بن علی بن احمد بن عمر بن اسمٰعیل بن ابی علی دقاق قدس اللہ اسرارہم اور استاد ابوعلی دقاق رح کا ایک لڑکا اسماعیل ایک لڑکی فاطمہ بانو شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی منکوحہ تھی اور ان کا سلسلہ خرقہ اس طرح ہے کہ وہ اپنے والد ضیاء الدین مسعود سے جسے امام الدین مسعود بھی کہتے ہیں خرقہ رکھتے تھے اور وہ شیخ اصیل الدین شیرازی سے اور وہ رکن الدین سنجاسی سے اور وہ شیخ قطب الدین ابوالرشید ابہری سے اور وہ شیخ جمال الدین عبدالصمد زنجانی سے اور دونوں شیخ ابوالنجیب سہروردی قدس اللہ اسرارہم سے۔

خود کہتے ہیں ابتداء میں مجھے خلق سے دور رہنے کا شوق ہوا اور اسی وجہ سے بارہ سال کوہ لکام میں بسر کیے۔ پہاڑ سے واپس آ کر ابوبکر زاہد ہمدانی کی صحبت اختیار کی اور ان کی خدمت میں رہنے لگا۔ وہ صاحب کرامات تھے اور فراست صادق رکھتے تھے۔ ان کا سارا وظیفہ یہ تھا کہ ہر روز اُٹھتے۔ لوہے کا ایک عصا تھا جس کو ٹھوڑی کے نیچے رکھ لیتے تھے اور صبح تک پاؤں پر کھڑے رہتے۔ میں بھی ان کی موافقت میں ان کے پیچھے کھڑا رہتا تھا۔ زاہد ابوبکر کئی دفعہ میری طرف مُنہ کرتے اور غیرت کھاتے[1] اور کہتے جا اور کسی جگہ سو جا۔ میں زمین پر بیٹھ جاتا۔ جب وہ اپنے کام میں مشغول ہوتے تو پھر اُٹھ جاتا اور ان کی موافقت کرتا تھا۔ یہاں تک کہ جب ان کا حال مجھ میں[2] آگیا اس وقت میں نے تنہائی اختیار کی۔ اور زاہد ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ اس بے انتہا مسرت اور خوش طبعی سے جو وہ میرے ساتھ رکھتے تھے مجھے "لُولی" کہتے تھے۔ میں نے سُنا ایک روز وہ کہتے تھے کہ "لولی آیا اور مجھ سے ایک چیز لے کر

---

[1] محاورہ میں یہ ان کو غیرت آتی تھی کہ یہ بھی کھڑا ہوا ہے۔ [2] یعنی ان کی کیفیت مجھ میں آگئی۔

چلا گیا اور میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں گیا۔"

تھوڑی دیر بعد مَیں ان کے پاس گیا۔ فرمایا، "کہاں تھا اور تُو کیا لایا؟" مَیں نے عاجزی کی اور کچھ نہ کہا۔ تھوڑی دیر بیٹھا رہا تو زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ایک سوال کیا جس کا جواب یہ تھا۔ میں نے کہا، "مَیں غیر خدا نہیں ہوں۔" زاہد نے کہا، "تو منصور کی بات کہنے لگا۔" میں نے کہا، مَیں اگر ایک آہ نکالوں تو منصور جیسے ایک لاکھ پیدا کر سکتا ہوں۔" جب مَیں نے یہ کہا، زاہد نے عصا، پکڑا اور مجھ پر مارا، مَیں اپنی جگہ سے کود گیا اور وہ عصا، اپنے سے دُور کر دیا۔ زاہد نے مجھے سخت گالی دی اور کہا، "منصور کو انہوں نے پھانسی پر چڑھا دیا اور وہ نہ بھاگا اور تو ایک عصا سے بھاگتا ہے۔ مَیں نے جواب دیا کہ وہ منصور کی ناتمامی اور کچے پن سے تھا ورنہ وہ بھاگ جاتا، کیونکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ و تقدس کے نزدیک بھاگنا اور نہ بھاگنا ایک ہے۔" جب یہ بات مَیں نے کہی زاہد نے کہا، "شاید تو نے گھاس کھایا ہے؟" مَیں نے کہا، "ہاں، میں نے گھاس کھایا ہے لیکن حقیقت کے سبزہ زار سے۔" زاہد نے فرمایا، اچھا کھایا ہے اور خوب کھایا ہے۔ "آ مُصلّے پر بیٹھ اور اس کی حفاظت رکھ۔" اس کے بعد زاہد نے کہا، "جو تو نے کہا کہ منصور کی ناتمامی سے تھا کہ وہ نہ بھاگا اور اس کو سُولی پر چڑھا دیا، تُو نے کس دلیل سے کہا؟" میں نے کہا، دلیل ایک یہ ہے کہ جو سوار سواری کا دعویٰ کرے ایسا گھوڑا دوڑائے کہ اس کے ہاتھ سے اس کی لگام نہ چھوٹنے پاوے اور اگر چھوٹ جاوے تو وہ گھوڑے کا سر[1] پکڑ کر اس کو موڑ سکے تو اس نے سچ کہا ہے کہ وہ ہوشیار اور قابل سوار ہے اور اگر وہ گھوڑے کا سر پکڑ کر اس کو موڑ نہیں سکتا تو وہ سواری میں ناتمام اور ناقص ہے۔ جب یہ بات میں نے کہی زاہد نے تصدیق کی اور فرمایا، "تو نے سچ کہا۔ میں نے تجھ سے زیادہ دیدہ ور[2] دانا اور بینا دوسرا کوئی اور نہیں دیکھا۔"

ابوبکر کہتے تھے کہ مجھے بتلایا گیا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ کے مریدوں میں سے ایک مرید جس کو شیخ نجیب الدین بزغش کہتے ہیں وہ شیراز میں آئے ہوئے ہیں۔ یہ سُن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اس وجہ سے کہ صوفیا کے جو مقامات و احوال میں نے جان لیے تھے اور مَیں

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ منصور پر حال غالب تھا اور میں حال پر غالب ہوں۔

[2] دیدہ ور بمعنی حقیقت پر نظر ڈالنے والا۔ عقلمند۔

اضافہ اور زیادتی کی خواہش رکھتا تھا اور میرے والد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے میں نے جو کچھ مانگا تھا وہ میں نے عبداللہ کو دے دیا اور جو کچھ مجھ پر دریچہ (کھڑکی) کے بقدر انہوں نے کشادہ فرمایا انہوں نے اس کو عبداللہ پر دروازہ کے بقدر کشادہ فرمایا۔ میں اٹھا اور شیراز گیا۔ وہاں پہنچ کر شیخ نجیب الدین کی خدمت میں جانے کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے اپنے بعض احوال و مقامات اور کچھ واقعات ان سے بیان کیے۔ شیخ نے میری باتیں توجہ سے سُنیں، خاموش رہے کوئی جواب نہ دیا۔ میں کچھ دیر بیٹھا پھر باہر گیا۔ اس کے بعد مجھے ایک ضرورت سے وطن جانا پڑا، تو خیال کیا کہ جاؤں اور شیخ کی زیارت کر آؤں دیکھوں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ جب میں اُن کی ڈیوڑھی پر گیا تو لوگوں نے کہا، شیخ اندر ہیں تو جا اور جب تک وہ آئیں باہر والے گھر میں جہاں شیخ بیٹھا کرتے ہیں جا کر بیٹھ جا۔" جب میں اس جگہ بیٹھا تو ان کے مصلّے کے سامنے کچھ کاغذ دیکھے، جن پر وہی سب باتیں لکھی ہوئی تھیں جو میں نے شیخ سے کہی تھیں۔ میں نے دل میں کہا، شیخ ان باتوں کا محتاج تھا اسی لیے شیخ نے ان باتوں کو اتنی اہمیت دی کہ انہیں لکھ کر محفوظ کر لیا۔ مجھے شیخ کا اندازہ ہو گیا کہ وہ کس مقام کے ہیں" میں نہ بیٹھا اور باہر چلا آیا۔ جب گازرون پہنچا، میں نے اپنے کو للکارا اور خود اعتمادی میں نے اپنے اندر پیدا کی۔ تنہائی میں جا بیٹھا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ سے میں چاہتا تھا اس پانچ روزہ خلوت کے اندر اُس نے مجھے عطا فرما دیا۔ ابوعبداللہ شیراز میں تھے تو ایک دن شیخ سعدی کی خانقاہ میں گئے۔ شیخ سعدی پلیسوں کی مٹھی لے کر آئے اُن کے آگے رکھ دیئے اور کہا کہ حکم دیں تاکہ درویش اس تبرک کو دسترخوان میں دیدیں۔ شیخ نے کہا:

"اے سعدی فلوس مے آوری بردو آں ظرف آقچہ بیار کہ شصت و دو آقچہ دراں نہادہ تا درویشاں بسفرہ دہند۔

اے سعدی! تو پیسے لایا ہے؛ جا آقچہ[1] کا برتن لیکر آ جس میں باسٹھ آقچہ رکھے ہوئے ہیں، درویشوں کے دسترخوان کے لیے دیں۔

شیخ سعدیؒ اسی وقت گئے اور وہ برتن لائے جیسا کہ انہوں نے فرمایا تھا ان کو بھیج دیا اور درویشوں کے لیے پورا پورا کھانا لے کر آئے۔

---

[1] آقچہ ایک قسم کی سفید چیز جو کھیت میں پیدا ہوتی ہے اور کھائی جاتی ہے۔

شیخ کا ایک مرید طبّاخ (بھٹیارہ) تھا۔ جو بازار میں جَو کا دلیہ پکاتا تھا۔ شیخ جب بھی اس کی دوکان پر پہنچتے دلیہ کا پیالہ لیتے اور ویسے ہی کھڑے کھڑے کھا لیتے تھے۔ ایک دن دلیہ کا پیالہ ان کے ہاتھ میں تھا کہ ایک درویش آیا جس کا لباس سفید خرقہ ہزار میخی[1] تھا جسے وہ تکلّف کے ساتھ پہنے ہوئے تھا۔ سلام کیا اور کہا، "مے خواہم کہ مرا با اللہ تعالیٰ دلالت کُنی و بگوئی کہ فائدہ در چیست تا چناں کُنم"۔ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے خدا کا راستہ بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ فائدہ کس میں ہے تاکہ میں وہی کروں۔ شیخ کے ہاتھ میں دلیہ کا جو پیالہ تھا وہ اس کو دیا اور فرمایا، پہلے تو اس کو لے اور کھا۔" درویش نے اُسے لے لیا اور کھا لیا۔ جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہو گیا تو شیخ نے کہا، "یہ ہاتھ جس کو کھانا لگا ہوا ہے اس گدڑی سے پونچھ کر صاف کر دے اور جب بھی تو کچھ کھایا کرے ایسا ہی کیا کر۔" درویش نے کہا،

"اے شیخ! ایں نتوانم کرد مرا بچیزے دیگر اشارت کُن۔" اے شیخ! میں ایسا نہ کر سکوں گا۔ کوئی اور چیز بتا۔

شیخ نے فرمایا: چوں ایں قدر نتوانستی کرد ہر چیز دیگر کہ ترا بگویم ہم نتوانی کرد برو کہ تو مرد ایں کار نیستی۔ شیخ نے کہا، جب تو اتنی سی بات نہ کر سکا تو دوسری جو بات بھی میں کہوں گا وہ بھی تُو نہ کر سکے گا۔ جا تو اس کام کا مرد نہیں ہے۔

شیخ کے مریدوں میں سے ایک شخص جو پہاڑ میں گوشہ نشین تھا۔ تنہائی اختیار کی ہوئی تھی۔ ایک سانپ اس کے سامنے پہنچا، اس نے چاہا کہ اسے پکڑے تو سانپ نے اُسے کاٹ لیا۔ جس سے اس کے جسم کے تمام اعضاء سُوج گئے۔ شیخ کو خبر پہنچی۔ چند آدمیوں کو بھیجا یہاں تک کہ وہ لوگ اسے لے آئے۔ شیخ نے کہا، "تُو نے اس سانپ کو کیوں پکڑا تھا جو اس نے تجھے زخمی کر دیا؟" مرید نے کہا، شیخا تو گفتہ ای کہ غیر خدا نیست"۔ جناب شیخ آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ خدا کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں نے اس سانپ کو خدا کا غیر نہیں دیکھا، اسی وجہ سے میں نے دلیری کی اس کو پکڑ لیا۔

شیخ نے فرمایا: "ہر گاہ خدا تعالیٰ را بلباس قہر بہ بینی بگریز و بہ نزدیک وَے مرو۔" جب تو خدا تعالیٰ کو قہر کے لباس میں دیکھے تو بھاگ جا اور اس کے نزدیک نہ جا نہیں تو وہ ایسا کرے گا جس میں تو اس وقت مبتلا ہو گیا ہے۔

پھر اس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھا اور اس کو بٹھایا اور کہا، "جب تک کہ تو اسے اچھی طرح نہ

---

[1] خرقہ ہزار میخی درویشوں کی خاص قسم کی گدڑی کو کہتے ہیں۔

نہ پہچان لے پھر ایسی گستاخی نہ کرنا۔ شیخ نے اس وقت دعا کی اور اس پر پھونک ماری۔ اسی وقت سُوج اتر گئی اور اس نے شفا پائی۔

انہوں نے فرمایا، "درویشی نہ نماز و روزہ است و نہ احیاء شب است۔ ایں جملہ اسباب بندگی است۔ درویشی نہ رنجیدہ[1] نیست اگر ایں حاصل کنی واصل گردی۔"

درویشی نہ نماز ہے نہ روزہ نہ رات کو زندہ کرنا۔ یہ سب بندگی کے اسباب ہیں۔ درویشی رنجیدہ نہ ہونا ہے۔ اگر تو یہ حاصل کرے گا، واصل ہو جائے گا۔

اور فرمایا:

"خدائے داں باشید و اگر خدائے داں نہ آید خود داں نیز مباشید، از برائے آنکہ چوں خود داں نباشید خدائے داں باشید۔"

خدا تعالیٰ کے جاننے والے بنو اور اگر تم خدا کے جاننے والے نہیں ہو تو اپنے جاننے والے بھی نہ ہو[2]۔ اس لیے کہ جب تم خود کو جاننے والے نہ ہوگے خدا کو جاننے والے ہو جاؤ گے

پھر فرمایا اس سے بہتر کہتا ہوں۔

"خدائے باشید و اگر خدائے نباشید خود مباشید کہ اگر خود نباشید خدائی باشید۔"

خدا بنو اور اگر خدا نہ بنو تو خود بھی نہ بنو کیونکہ اگر خود نہ رہو گے تو خدا ہو گے[3]۔

شیخ کے بہت سے اشعار میں سے چند اشعار یہ ہیں۔

---

[1] یا درویشی کسی سے رنجیدہ نہ ہونے کا نام ہے۔ کیونکہ سب کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے ؎

اَمَا وَالَّذِی اَبْکیٰ وَ اَضْحَکَ وَالَّذی اَمَاتَ وَ اَحْیٰ وَالَّذِیْ اَمْرُہٗ الْاَمْرُ

ترجمہ: سنو اللہ کی قسم وہی ہنساتا ہے وہی رلاتا ہے۔ وہی مارتا ہے وہی جلاتا ہے اور جو کچھ ہوا۔ ہو رہا ہے ہوگا سب اس کے حکم سے ہے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ اولاً اس کی کوشش کرو کہ حق آگاہ ہو اور مخلوق سے غافل ہو اور اگر اس کی طاقت نہ رکھو تو اولاً اس کی کوشش کرو کہ خود سے غافل ہو یعنی خود کو بھولنے کی کوشش کرو تاکہ حق سے آگاہ ہو جاؤ۔

[3] خدا ہو جاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خیال اور سوچ کے اعتبار سے نہ کہ واقع کے اعتبار سے اس لیے کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ خالق نہیں بن سکتی اور جو واجب ہوتا ہے وہ ممکن نہیں ہوتا۔

(۱) ما جملہ خدائے پاک پاکیم
نے ز آتش و باد و آب و خاکیم

ہم خدائے پاک کا پاک مجموعہ ہیں۔
نہ آگ سے ہیں نہ ہوا سے نہ پانی اور خاک سے۔

(۲) از ہستی و نیستی و ہمیشہ
عریاں شدہ ایم و جامہ چاکیم

ہستی اور نیستی سے ہم ہمیشہ آزاد
اور جامہ چاک رہے ہیں۔

(۳) حقیقت جز خدا دیدن روا نیست
کہ بیشک ہر دو عالم جز خدا نیست

حقیقت خدا کے دیکھنے کے بغیر درست نہیں،
کہ بیشک دونوں جہاں خدا کے غیر نہیں ہیں۔

(۴) نمیگویم عالم او شدہ نہ
کہ این نسبت باو کردن روا نیست

میں یہ نہیں کہتا کہ جہان وہ بن گیا ہے۔
کیونکہ یہ نسبت اس کے ساتھ کرنا جائز نہیں ہے۔

(۵) نہ او عالم شد و نہ عالم او شد
ہمہ او را چنیں دیدن خطا نیست

نہ تو وہ جہان ہے اور نہ جہان وہ ہے کہ وہ خالق و قیوم ہے
اور سارا جہان اور مخلوق اس کے ساتھ قائم ہے۔
اس کو اس طرح دیکھنا غلطی نہیں ہے۔[1]

(۶) تا حق بدو چشم سر نہ بینم ہر دم
از پائے طلب می نہ نشینم ہر دم

جب تک سر کی دونوں آنکھوں سے اسکو نہ دیکھ لونگا۔
پائے طلب سے کسی وقت بھی نہ بیٹھوں گا یعنی مرتے
دم تک طلب و جستجو میں رہوں گا۔

(۷) گویند خدا بچشم سر نتوان دید
آں ایشاں نشد و من چنینم ہر دم

لوگ کہتے ہیں سر کی آنکھوں سے خدا کو نہیں دیکھ سکتے
وہ ایسے ہیں اور میں ہر وقت ایسا ہوں۔

ایک دن شیخ ابو عبداللہ شیخ روزبہان بقلی قدس سرہٗ کی زیارت کے لیے گئے اور شیخ صدر الدین روزبہان قدس سرہٗ اپنے والد کی قبر کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ ابو عبداللہ ان کی قبر کے برابر کھڑے رہے تو شیخ صدر الدین ان کی تعظیم کے لیے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ دیر تک کھڑے رہے پھر بیٹھ گئے پھر اُٹھے اور دیر تک کھڑے رہے لیکن شیخ ابو عبداللہ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ جب وہ

---

[1] ساری کائنات کو اس طرح دیکھنا غلطی نہیں ہے یعنی کائنات اور ہے اور خدا تعالیٰ اور ہے۔ یہ اثنینیت پر دلالت کرتا ہے اور اثنینیت خطا اور غلطی ہے اور سب کو وہ دیکھنا خطا نہیں ہے کیونکہ اس میں اثنینیت اور دوئی کی نفی ہے۔

قبر کی زیارت سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کہا، اے شیخ مدت سے میں کھڑا ہوں لیکن آپ نے کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ کہا کہ شیخ روزبہان نے مجھے انار دیا تھا میں اس کے کھانے میں مشغول تھا۔

رُباعی

تا حق بدو چشم سر نہ بینم ہر دم   از پائے طلب می نہ نشینم ہر دم
گویند خدا بچشم سر نتوان دید   آں ایشاں نندو من چنینم ہر دم

ترجمہ: جب تک سر کی دونوں آنکھوں سے اس کو نہ دیکھوں گا پائے طلب سے کسی وقت نہ بیٹھوں گا لوگ کہتے ہیں سر کی آنکھوں سے خدا کو نہیں دیکھ سکتے وہ ایسے ہیں اور میں ہر وقت ایسا ہوں۔

۲۵۶۔ حضرت شیخ جمال الدین محمد باکلنجار[1] قدس اللہ سرہ العزیز

المتوفی ۷۵۶ھ۔ قبر شیراز میں ہے۔ آپ قدر و منزلت والے، خوبصورت باوقار اور پاکیزہ حکایات والے، مجاہدوں، خلوتوں بڑے وظیفے اور خدا تعالیٰ کی طاعت کرنے والے عبادات میں بکثرت مشغول رہنے والے بزرگ تھے، ان کی باتیں رُوح کو آرام دینے والی اور ان کے اشارات رحمانیہ تھے۔ (یعنی رحمان کی رحمتوں کے متعلق اشارے فرماتے تھے) شیخ ابو عبداللہ بلیانی قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا، میں جس زمانہ میں خُرد سال (کم عمر) تھا تو شیخ باکلنجار میرے والد خواجہ ضیاء الدین مسعود کی صحبت میں رہتے تھے اور میں ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتا تھا۔ میری آواز اچھی تھی اور خیالات کی جمعیت و یکسوئی کی غرض سے ذکر کرتے وقت بعض اوقات کچھ شعر ترنّم سے پڑھتا تھا۔ شیخ جمال الدین میری آواز پہ کان لگا لیتے اور اس وقت وہ خوش ہوتے تھے مگر میں ان کے حال سے خبر نہ رکھتا تھا کہ شیخ مجھ پہ کان رکھتے ہیں اور مجھ سے اشعار سُن کر محظوظ ہوتے ہیں اور میں جو اشعار پڑھا کرتا تھا اُنہ خاموش ہو جاتا پھر ذکر میں مشغول ہو جاتا تھا بہت دنوں کے بعد ایک دن شیخ جمال الدین میرے پاس تشریف لاتے اور فرمایا، شیخ عبداللہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ کہ ذکر کرتے وقت جب تو کوئی اچھی چیز پڑھتا ہے ہم اپنے کان تجھ پر رکھتے ہیں اور تُو خاموش ہو جاتا ہے اور ہمیں نیم بسمل چھوڑ دیتا ہے۔ آئندہ ایسا نہ کرنا اور فقیروں کے دلوں کو خرید جب کہ وہ تجھ سے آواز خریدتے ہیں۔ میرے والد ضیاء الدین مسعود نے بھی یہی فرمایا۔ میں نے ان حضرات کی بات کو قبول کیا۔ شیخ جمال الدین اللہ تعالیٰ کے

---

[1] کاف ل کا فتحہ ن ساکن اور ر

قول وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ[1] کی تفسیر میں فرمایا، ذاتِ قدیم کے دیکھے بغیر یقین نہیں ہو سکتا۔ ذاتِ قدیم کو دیکھنے کی نیت بغیر صورتِ عمل کے عبادت ہے اور جو نیّت کہ عمل سے وہ بہتر[2] ہے وہ یہی ہے اور محض عمل کی صورت ذاتِ قدیم کے دیکھنے کی نیّت کے بغیر عبادت نہیں بلکہ رسم و عادت ہو گی اور طالب وہ ہے جس کا مطلوب ذاتِ قدیم کے دیکھنے کے بغیر اور کچھ نہ ہو اور جو چیز بھی ذاتِ قدیم کے دیکھنے کے علاوہ ہے اس کے نزدیک محال اور باطل ہے۔

۲۵۷۔ حضرت خواجہ علی حسن بن حسن کرمانی قدس سرہٗ

خواجہ حسن کرمان کے شیخ اور کرمان کے سب سے پچھلے شیخ تھے۔ ان کا گھر بھی تھا اور گھیر بھی۔ ان کے کام کا ایک نظام تھا۔ بہت لوگ ان کے مرید تھے۔ اچھے معاملہ والے تھے۔ شیخ عمو کی مریدی کا دعویٰ کرتے تھے جب تک شیخ عمو کا انتقال نہیں ہوا۔ انہوں نے پیٹھ سیدھی نہ کی یعنی مسندِ ارشاد پر نہیں بیٹھے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، کرمان میں خواجہ علی حسن اور خلیل خازن کے درمیان جو صوفیا میں سے تھے رنجش پڑ گئی۔ خلیل نے خواجہ حسن کو ایک خط بھیجا اور اس میں یہ لکھا تو لذت اور مزہ کے لیے صبح سے چاشت تک دوا، شربت جوارش کھاتا ہے تاکہ اس کے باعث تو اچھے کھانے کھا سکے۔ اور میرے لیے صبح سے چاشت تک ادھر ادھر پھرنا ضروری ہے تاکہ کچھ پاؤں جسے کھاؤں پھر صوفی تو ہوا یا میں۔

۲۵۸۔ حضرت موسیٰ بن عمران جیرفتی رحمۃ اللہ تعالےٰ

جیرفت میں بزرگ گزرے ہیں۔ شیخ ابو عبداللہ طاقی کے پیر ہیں۔ شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا، شیخ ابو عبداللہ خفیفؒ کو شیخ موسیٰ بن عمران سے کچھ رنجش ہو گئی تھی۔ ابو عبداللہ نے انہیں ایک خط اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ میں شیراز میں ہزار مرید ایسے رکھتا ہوں کہ اگر ہر ایک سے ہزار ہزار دینار طلب کروں تو رات کی ضمانت نہ چاہیں یعنی رات آنے سے پہلے پہلے وہ پورا کر دیں۔ موسیٰ بن عمران نے واپسی جواب میں لکھا، میں

---

[1] تو اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین آ جائے۔

[2] اشارہ اس حدیث کے معنی کی طرف جس میں ارشاد ہے نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے کا مطلب یہ ہے۔ اللہ کے دیدار و مشاہدہ کی نیت رکھنا اس کے دیدار سے بہتر ہے۔

جیرفت میں ایسے ہزار دشمن رکھتا ہوں کہ جب وہ مجھ پر قابو پائیں تو مجھے رات تک نہ مہلت دیں نہ زندہ چھوڑیں
صوفی تو ہوا یا میں؟[1]

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، مخلوق میں مقبول ہونے یعنی مرید زیادہ ہونے کی خواہش اور مخلوق کے قبول کرنے کو مشائخ بُرا کہتے ہیں اور پسند نہیں کرتے، کیونکہ اس میں یقیناً غرور کا زہر بھرا ہوا ہے۔ یہ لوگ تیری پُونجی کھائیں گے اور خوش نفس کو ایسا غرور میں ڈالیں گے کہ وہ اپنی حد سے آگے نکل جائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ محفوظ نہ رکھے تو اس قوم کے لیے یہ بڑی گھاٹی ہے۔

۵۹۷۔ حضرت میرہ نیشاپوری رحمہ اللہ تعالےٰ

گروہ صوفیا میں بلند پایہ کے ملامتی بزرگ تھے۔ زیارت یا کسی کام سے ایک خادم کو لے کر نیشاپور گئے۔ یہاں انہیں قبولیت عظیم حاصل ہوئی اور بہت سی مخلوق مرید ہوگئی، مگر شیخ اس قبولیت پر رنجیدہ تھے، کیونکہ لوگوں کی مشغولیت سے دل کی مشغولی بڑھتی جاتی تھی (اور اس کی یکسوئی ختم ہوتی جارہی تھی) جب یہاں سے واپس ہونے لگے تو ان کے ساتھ بہت لوگ شہر سے باہر نکل آئے اور ان کے ساتھ چلنے میں کھڑے ہوگئے یعنی چلتے چلتے ٹھہر گئے۔ خادم سے پوچھا کہ "ایناں کہ اند؟" یہ کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا، آپ کی خدمت کے لیے آئے ہیں۔ صبر کیا اور کچھ نہ بولے، یہاں تک کہ چڑھائی پر پہنچے اس وقت سخت ہوا چل رہی تھی۔ شلوار کا بند کھولا اور اس طرح پیشاب کرنے لگے کہ اپنے کپڑوں اور لوگوں کے کپڑوں کو پلید کر دیا۔ لوگوں نے کہا، تُو نے اچھا کام کیا۔ واہ عجیب شیخ ہے، عجیب اس کا معاملہ ہے۔ شیخ کی یہ حرکت دیکھ کر سب لوگ ان سے منکر اور بے اعتقاد ہو کر شہر کو واپس ہوگئے، مگر جو خادم ان کے ساتھ وہ ان کے پیچھے چلتا رہا، لیکن اس کے دل میں بڑی بے اعتقادی آچکی تھی کہ یہ ہوگیا جو شیخ نے کیا۔ مریدوں کی جماعت تازی تازی عقیدت کے ساتھ اچھی نظروں سے اس کے ساتھ آرہی تھی۔ دیکھ اس نے کیا کیا (یعنی شیخ نے خواہ مخواہ ان لوگوں کو اپنے سے بے اعتقاد بنا دیا) حضرت میرہ چلے جارہے تھے یہاں تک کہ وہ پانی پر پہنچے۔ گدڑی اور دوسرے کپڑوں کے ساتھ پانی کے اندر اُتر گئے اپنے کپڑوں اور بدن کو اچھی طرح دھویا اور اچھی طرح پاک کر کے پانی سے باہر نکل آئے پھر چلتے چلتے کھڑے ہوگئے۔ منہ پیچھے کیا، خادم سے کہا، تجھے منکر نہ ہونا چاہیئے کہ اتنی بڑی آفت، اتنے بڑے فتنہ اور اتنی بڑی مشغولیت

---

[1] معلوم ہوا کہ صوفی کے لیے ضروری نہیں کہ امیر لوگ اس کے مرید ہوں تو وہ صوفی ہے اور دشمن ہوں تو صوفی نہیں۔

کو میں پیشاب کی اس مقدار کے ساتھ ہی اپنے سے دُور کر سکتا تھا۔ آخر اس تکلیف کو کیوں اٹھایا جاتے۔ یہ لوگ کس کام آویں گے بجز اس کے کہ لوگوں کو مَست اور خود پسند بنا دیں اور لوگوں کا مال کھا جائیں اور دل کا شُغل بڑھائیں (اس کی یکسوئی اور جمعیت کو گنوا بیٹھیں) اور یہ قبولیت عیب دیکھنے سے پہلے ہوتی ہے۔ جب تھوڑا سا عیب ظاہر ہو جاوے یا کوئی کام ان کی خلاف مرضی ان کے مطلب اور مراد کے خلاف ہو جاوے پھر سب لوگ منکر ہو جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام رحؒ نے فرمایا، تو جانتا ہے ؟ کہ میرہؒ نے یہ کیوں کیا ؟ اس وجہ سے کہ اس کی طبیعت اور اس کا نفس اس سے خوش ہو گئے تھے پس یہ کام اس پر واجب تھا۔

۲۶۰۔ حضرۃ ابو عبداللہ التُّرُوغبذِی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۳۵۰ھ کے بعد۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام محمد بن محمد بن الحسین ہے۔ طوس کے اجلۂ مشائخ سے تھے۔ ابو عثمان حیریؒ اور ان مشائخ سے جو ان کے طبقہ سے تھے ان کی صحبتوں میں رہ کر سلوک حاصل کیا۔ طریقت میں اپنے وقت کے یگانہ مشائخ، بلند حال اور عالی ہمت صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ ان کا قول ہے طُوبیٰ لِمَنْ لَمْ یَکُنْ لَہٗ وَسِیْلَۃٌ اِلَیْہِ غَیْرُہٗ۔ مبارکبادی اور خوش حالی ہے اس کے واسطے جس کے لیے خدا تعالیٰ تک پہنچانے میں اللہ کے سوا دوسرا اور کوئی وسیلہ[1] نہ ہو اور فرمایا، "تَرْکُ الدُّنْیَا لِلدُّنْیَا مِنْ جَمِیْعِ الدُّنْیَا"۔ دنیا کو دنیا کی خاطر چھوڑنا بھی دنیا میں داخل[2] ہے۔ اور فرمایا، "جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنی معرفت میں سے کچھ حصہ دیتا ہے تو جس قدر کہ اس نے اس کو معرفت دی ہے اسی قدر اس پر آزمائش و مصیبت ڈال دیتا ہے تاکہ وہ اس معرفت کی قوت کے ساتھ اس مصیبت کو برداشت کرے۔" اور فرمایا:

"دور باش از تمیز در خدمت زیرا کہ کسانیکہ ایشاں را در خدمت ممتاز گردانی ظاہر نماندہ اند۔ پس ہمہ را خدمت کن تا مراد حاصل شود و مقصود فوت نہ	خدمت کرنے میں تمیز کرنے سے دُور رہ، کیونکہ جن لوگوں کو خدمت میں تو ممتاز کریگا وہ ظاہر میں نہیں رہے ہیں پس سب کی خدمت کر، تاکہ مراد حاصل ہو اور

---

[1] یہ حقیقت اواخرِ کار میں وجود پکڑتی ہے یعنی تکمیل کے بعد سالک کو خدا تعالیٰ کے قرب کے لیے وسیلہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور ابتدار میں عام طور سے وسیلہ یعنی شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ دنیا کو دُنیا کمانے کی غرض سے اور مخلوق کو معتقد بنانے کی غرض سے چھوڑنا دنیا میں ہی داخل ہے۔

شود۔ مقصود فوت نہ ہو[1]

۲۶۱۔ حضرت ابو عبداللہ رودباری رحمۃ اللہ تعالےٰ

المتوفی ۳۶۹ھ ذی الحجہ۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام احمد بن عطا ہے۔ شام کے پیر۔ صور میں رہتے تھے اور صور دریا کے کنارے واقع ہے۔ ان کی قبر صور میں تھی، مگر اب دریا میں ہے۔ ابو علی رودباری کے بھانجے تھے۔ قاریوں کی صورت میں بزرگ اور صوفی تھے۔ ان کی والدہ فاطمہ ابو علی رودباری کی بہن اپنے بیٹے کے متعلق کہتی تھیں هٰذَا قُرَّآءٌ وَخَالُهُ كَانَ صُوْفِيًا[2]۔ یہ تو قاری ہے اور اس کا ماموں وہ صوفی تھا۔ یعنی یہ وہ شخص ہے جس کا ظاہر آراستہ ہے مگر اس کا باطن اس کے ماموں کا باطن ہے کہ اس کا باطن آراستہ تھا۔

ابو علی علمِ قرآن، علمِ شریعت، علمِ حقیقت کے عالم تھے، محدث تھے۔ درویشوں کی دوستی اور ان کے ساتھ اچھے سلوک کرنے کا خاص خیال رکھتے، فقراء کی عظمت اور ادب کا خاص کر اہتمام کرتے تھے۔ ان کے اخلاق اور شمائل قابل تعریف تھے۔ ان کی تصنیف کردہ ایک کتاب آدابِ فقر ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، ابو عبداللہ رودباری وہ ہے کہ جنگل میں جب ان کے اونٹ کا اگلا پاؤں ریت میں دھنس گیا تو فرمایا، جَلَّ اللہُ تو اونٹ نے بھی صاف زبان میں ان کے جواب میں کہا جَلَّ اللہُ[3]۔

شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ مَیں نے دو آدمی دیکھے ہیں جنہوں نے ابو عبداللہ کو دیکھا ہے۔ شیخ ابو عبداللہ باکو اور شیخ ابو القاسم ابو سلمہ بادروی۔ شیخ ابو عبداللہ باکو نے کہا کہ ابو عبداللہ رودباری نے کہا، "اَلتَّصَوُّفُ تَرْكُ التَّكَلُّفِ وَاِسْتِعْمَالُ التَّظَرُّفِ وَحَذْفُ التَّشَرُّفِ"[4] تصوّف تکلف کو چھوڑ دینا اور پاکیزگی کا برتاؤ کرنا اور بڑائی کا دور کر دینا ہے۔

---

[1] مطلب یہ کہ جو شخص حقیقت میں اس جماعت میں داخل ہے اور واقعی اس جماعت کا فرد ہے وہ غیر سے ممتاز (جدا) نہیں ہے جسے تو دیکھ کر پہچان جائے۔ پس اس زمانہ میں سب کی خدمت کرنی چاہیئے تاکہ اس شخص کی خدمت بھی کی جائے جس کی تو خدمت کرنا چاہتا ہے۔ [2] یہ مطلب ہو کہ یہ لڑکا اپنے ماموں کا مشکیزہ ہے جو ان کی نسبت سے بھرا ہوا ہے۔ کیونکہ دوسرے نسخے میں ہے۔ هٰذا قِرابُ خالِہ۔ یہ اپنے ماموں کا مشکیزہ ہے۔

[3] ایسے مقام میں ذکرِ حق اس لیے ہوتا ہے تاکہ اس بھنور سے نجات پائیں۔ [4] اگلے صفحہ پر دیکھیں۔

شیخ الوالقاسم ابوسلمہ بادروی نے کہا کہ شیخ ابوعبداللہ نے فرمایا، حدیث کا لکھنا آدمی سے جہالت کو دور کرتا ہے اور درویشی مرد سے تکبر کو دور کرتی ہے۔ "فَإِذَا اجْتَمَعَتَا فَنَاهِيكَ بِهٖ نَيلاً"۔ اور جب تجھ میں حدیثِ نبوی یعنی علم اور درویشی دونوں جمع ہو جائیں تو یہ فضیلت تیرے لیے پسندیدہ اور کافی ہے[1]۔

شیخ الاسلام نے کہا، ابوسعید مُقری نے کہا، ہم ابوعبداللہ رودباری کے ساتھ لوبیا کھاتے تھے۔ مجھے اچھا لگا۔ میں نے اٹھا کر آگے رکھ دیا۔ شیخ نے فرمایا، دوسری جگہ نہ رکھ۔ جو چیز تو اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ دوسرے درویش کے سامنے رکھتا ہے کہ وہ کھائے۔ شیخ الاسلام کا قول ہے کہ محمد شگرف نے فرمایا، "در کلوخِ خلاہم انصاف است"۔ استنجا کے ڈھیلوں میں بھی انصاف کرنا چاہیئے۔

۲۶۲۔ حضرت ابوعبداللہ مولی رحمۃ اللہ علیہ

پیر ابوسعید دوئی زاہد کے زمانہ میں وہ ہرات میں رہتے تھے۔ ایک دن ابوسعید ابھی مسجد میں نہ آئے تھے تو انہوں نے تھوڑی سی بات کی پھر کہا، اگر توحید خالص چاہیئے تو یہ چھوٹی سی بات ہے جو میں نے کہہ دی اور اگر کفج اور کدّو کا علم چاہیئے تو کل ابوسعید آئے گا وہ تم سے کہے گا[2]۔ شیخ الاسلام نے کہا، اس کام سے پہلے سب کہنے والے ایک ہی بات کہتے ہیں ایک اندام تر، تر جسم سے کہتا ہے اور چھوٹ جاتا ہے اور ایک بے اندام تر کہتا ہے، یعنی خشک پیرایہ میں وہ اس سے چمٹ جاتا ہے یعنی وہ بات اس کے گلے کا ہار بن جاتی ہے[3] اور وہ کہا ہے جو ابوعبداللہ مولی کہتا تھا کہ بچے اس کے پیچھے آتے تھے وہ کہتے تھے کہ ابوعبداللہ مولی۔ ابوعبداللہ کہتا تھا، "اے دوست! ابوعبداللہ کو چھوڑ مولی کہہ[4]"۔

گزشتہ صفحہ کا حاشیہ: تصوف کی حقیقت یہ ہے کہ تکلفات اور رنگ آمیزیوں کو چھوڑ دے اور اپنے کو بزرگ جاننے سے باز رہے اور پاکیزگی کا برتاؤ کرے جس کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی انانیت کو دور کر دے اور اپنے ظاہر کو صاف ستھرا رکھے۔ [1] علم کفج اور کدّو سے اشارہ علوم آلیہ صرف و نحو منطق وغیرہ کی طرف ہے جو علم توحید و حقیقت کے مقابلہ میں کم تر ہیں [2] مراد یہ ہے کہ لوگ اس میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ [3] شیخ الاسلام کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے کو مولی یعنی حق سے تعبیر کیا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ حق کے اوپر کوئی چیز نہ لگانی چاہیئے یا اس معنی میں کہا ہو کہ مجھے چھوڑ و اور مولی کے ساتھ جڑ جاؤ جو سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔ [4] مشائخ کا قول ہے "در راہ درویشی قدم نہی اگرچہ ترا قصدے نبود"۔ درویشی کی راہ میں پڑنا چاہیئے خواہ تیرا کوئی مقصد نہ بھی ہو۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، شیخ ابو عبداللہ مولیٰ اس کام کو ایک بات میں لایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ وہ بھوکا تھا۔ اس کو خواہش ہوئی کہ دو گرم روٹیاں ہوں اور انگور کا ترش شیرہ جسے وہ کھائے۔ اسی بھوک کی حالت میں وہ جامع مسجد میں سو گیا۔ اس کے مریدوں میں سے ایک مرید اس جگہ پہنچا۔ اس نے ابو عبداللہ کو جائے نماز پر اس حال میں سوتے ہوئے دیکھا کہ تکیہ کی بجائے ہاتھ سر کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ مرید نے خیال کیا شاید وہ بھوکا ہے۔ وہ بازار گیا۔ دو گرم روٹیاں اور کچھ انگور کا شیرہ ان کے درمیان میں رکھ کر لایا اور اس کے مصلّٰے کے نیچے رکھ دیا۔ اُسے گرم روٹیوں کی خوشبو آئی وہ بیدار ہو گیا۔ "آں را دید کہ آرزو کردہ بود" وہی کچھ دیکھا جس کی اُس نے خواہش کی تھی منہ آسمان کی طرف کیا اور کہا، "الٰہی! کارکسے کہ ترا باید بتوانی ساخت یعنی اگر عنایت بود کارک دوستاں خود بے سبب وجہد می سازی۔" میرے معبود! جب تو کسی کا کوئی کام بنانا چاہتا ہے تو بنا سکتا ہے۔ یعنی جب تیری عنایت و مہربانی ہوتی ہے تو تُو اپنے دوستوں کے چھوٹے چھوٹے کام بھی بے سبب اور بے محنت بنا دیتا ہے۔ بغیر سبب اور سعی کے اپنے دوستوں کی خواہش اور ان کی مراد پوری کر دیتا ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا:

"از جہد ما و طلب ما ہیچ چیز نیاید و بہ ہیچ چیز نرسیم مگر آنکہ او را عنایتی باشد بکسے۔"

ہماری کوشش محنت اور طلب سے کچھ نہیں آتا اور ہم کسی چیز پر نہ پہنچے ہیں نہ پہنچیں گے، مگر یہ کہ کسی پر اس کی عنایت و مہربانی ہو جائے[1]

۲۶۲۔ حضرت ابو عبداللہ مُقری رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۳۶۶ھ۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام محمد بن احمد بن محمد المقری ہے۔ یوسف بن الحسین، عبداللہ خرّاز رازی، مظفر کرمان شاہی، رُویم، جَریری اور ابنِ عطار کے ساتھ محبت رکھی۔ جوانمرد مشائخ میں سے تھے اور ان میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ زمین و جائداد کے علاوہ انہیں پچاس ہزار دینار میراث میں پہنچے تھے مگر تمام نقدی اور زمین وغیرہ سے دست کش ہو گئے اور سارا مال فقراء پر خرچ کر دیا۔ پھر وحدت و تجرید پر حج کا احرام باندھ لیا۔ یعنی بے سروسامانی کے عالم میں حج کا احرام باندھ کر حج کے لیے روانہ ہو گئے

---

[1] دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہے ہماری سعی طلب جستجو سے کچھ نہیں ہو سکتا اور ہم اسکی عنایت کے بغیر کسی چیز تک نہیں پہونچ سکتے۔

حالانکہ اس وقت نَو عمر نابالغ تھے۔

اِن کا قول ہے :۔ اَلْفَقِیْرُ الصَّادِقُ الَّذِیْ یَمْلِكُ كُلَّ شَیْءٍ وَلَا یَمْلِكُهُ شَیْءٌ
فقیر صادق یعنی فقر میں سچا وہ شخص ہے جو ہر چیز کا مالک ہو اور کوئی چیز اس کی مالک نہ ہو[1]

اور فرمایا :۔ "مَنْ تَعَذَّرَ عَنْ خِدْمَةِ اِخْوَانِهٖ اَوْرَثَهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ ذُلًّا لَا اِنْفِكَاكَ مِنْهُ"
جو کوئی اپنے بھائیوں کی خدمت سے پہلوتہی اور کنارہ کریگا اللہ تعالیٰ اس کو ایسی ذلّت دیگا جس سے وہ کبھی چھٹکارا نہ پاسکے گا۔

اور فرمایا :۔ "مَا قَبِلَ مِنِّیْ اَحَدٌ شَیْئًا اِلَّا رَاَیْتُ لَهٗ مِنَّةً عَلَیَّ لَا یُمْكِنُنِی الْقِیَامُ بِوَاجِبِهَا اَبَدًا"
جس شخص نے مجھ سے کوئی چیز قبول کی اس کے قبول کرنے پر میں اس کا ایسا احسان مند ہوتا ہوں جس کا بدلہ میں اسکو کبھی نہ دے سکوں اور جسکا حق کبھی ادا نہ کرسکوں[2]

اور فرمایا، "فتوّت (جوانمردی) یہ ہے کہ جس کو تو اپنا دشمن جانے اس کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آئے اور جسے تیرا دل پسند نہ کرے اس پر مال خرچ کرے اور جس سے تیری طبیعت نفرت کرے اس کے ساتھ دوستوں کی طرح رہے"۔

اور فرمایا، "جب میں عبداللہ خراز کی صحبت میں پہنچا، مَیں نے کہا، اے شیخ مجھے آپ کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟" شیخ نے فرمایا، تین چیزوں کا۔ ۱۔ فرائض کے ادا کرنے پر پورے اہتمام اور قوّت کے ساتھ حریص رہنے کا ۲۔ مسلمانوں کی جماعت یعنی سارے مسلمانوں کی عزّت واحترام کرنے کا ۳۔ اپنے خیالات کو متّہم رکھنے کا۔ہاں وہ خیالات جو حق کے موافق ہوں ان کا کوئی مضائقہ نہیں۔

۲۶۴۔ حضرت ابوالقاسم المُقرِی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۳۶۸ھ نیشاپور۔ پانچویں طبقہ سے ہیں۔ جعفر بن احمد بن محمد المقری نام ہے۔ ابوعبداللہ مُقرِی کے بھائی اور خراسان کے مشائخ میں سے تھے۔ اپنے وقت میں بلند پایہ اور اپنی طریقت میں عالی حال اور عالی ہمّت

---

[1] یعنی ہر چیز پر اس کا قابو ہو وہ سب چیزوں پر غالب متصرف ہو اور کوئی چیز اس کو مغلوب نہ بنائے یعنی اپنے اثر میں نہ لائے کہ اس کو مجبور کردے۔ اور اس کو اپنا تابع بنالے۔

[2] خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص مجھ سے کوئی چیز لے لیتا ہے اس کا مجھ پر اسقدر احسان ہے جسکا حق میں کبھی ادا نہیں کرسکتا۔

تھے۔ شیخ سلمیؒ فرماتے ہیں :-

لَمْ نَلْقَ اَحَداً مِنَ الْمَشَائِخِ فِیْ سَمْتِہٖ وَ وَقَارِہٖ وَجَلْسَتِہٖ۔ ہم جتنے بھی مشائخ سے ملے ہیں ان میں ہمیں ایسا کوئی اور نہیں ملا جس میں ان جیسی طریقت ہو اور ان جیسا باوقار ہو اور پُرتاثیر مجلس والا ہو۔[1]

ابنِ عطار، جریری، ابوبکر بن ابی سعدان، ابوبکر ممشاد اور ابوعلی رودباری کی صحبتوں میں رہے۔ ابوالقاسم نے یہ بھی فرمایا، کہ عارف[2] وہ شخص ہے جس کو اس کا معروف یعنی اللہ تعالیٰ اس بات سے روک دے کہ وہ مخلوق کی طرف دیکھے۔ ردّ کی آنکھ سے ہو یا قبول کی آنکھ سے۔

اور فرمایا : تصوف میں داخل ہونے کی پہلی برکت یہ ہے کہ ان خبروں میں جو صالحین اپنے متعلق کہتے ہیں یا اپنے مشائخ کے بارہ میں ذکر کرتے ہیں تو ان کو سچا جانتا ہے اور ان کا یقین کرتا ہے۔

۲۶۵۔ حضرت ابو محمد الرّاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ

المتوفی ۱۳۶۷ھ۔ ان کا نام عبداللہ بن محمد الرّاسبی بغدادی ہے۔ کبارِ مشائخ بغداد میں سے تھے ابنِ عطاء اور جریری کے صحبت یافتہ تھے۔ شام کے ملک چلے گئے پھر بغداد واپس آگئے اور بغداد میں ہی وفات پائی۔

ان کا قول ہے :

اَعْظَمُ حِجَابٍ بَیْنَکَ وَبَیْنَ الْحَقِّ سُبْحَانَہٗ اِشْتِغَالُکَ بِتَدْبِیْرِ نَفْسِکَ وَاِعْتِمَادُکَ عَلٰی عَاجِزٍ مِثْلِکَ فِیْ اَسْبَابِکَ۔ تیرے اور حق تعالیٰ کے بیچ میں سب سے بڑا پردہ[3] یہ ہے کہ تُو اپنے نفس کی تدبیر میں لگا رہے اور اپنے جیسے عاجز شخص پر اپنے اسباب میں بھروسہ رکھے۔

---

[1] یعنی طریقت رعب و دبدبہ اور سندِ ارشاد میں بیٹھنے کے اندر ہم نے ان جیسا کوئی دوسرا شیخ نہیں دیکھا

[2] عارف وہ ہے جو خدا تعالیٰ میں مشغول رہے اور وہ یہ نہ دیکھے کہ مخلوق اسے قبول کرتی ہے یا ردّ کرتی ہے۔ وہ اللہ تم میں اس درجہ مشغول ہے کہ مخلوق کو بالکل نہیں دیکھتا کہ مخلوق اس کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ عارف وہ ہے جو صرف اپنے معروف کو دیکھے اور غیر معروف یعنی ماسویٰ کو ایک نظر بھی نہ دیکھے۔

[3] تیرے اور حق تعالیٰ کے درمیان عظیم تر حجاب دو ہی ہیں ایک تیری مشغولی اپنے نفس کی تدبیر کے ساتھ یعنی اس کی دیکھ بھال میں مشغول رہنا اور دوسرے اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں اپنے جیسی عاجز چیزوں پر اسباب کے درجہ میں اعتماد اور بھروسہ کرنا۔

اور فرمایا:

اَلْهُمُوْمُ عُقُوْبَاتُ الذُّنُوْبِ — غم گناہوں کے نتیجے اور سزائیں ہیں[1]۔

اور فرمایا، " صوفی، صوفی نہیں بنتا جب تک اس کا حال یہ نہ ہو کہ زمین اس کو قبول نہ کرے آسمان اس پر سایہ نہ کرے اور مخلوق کے نزدیک اس کو قبول نہ ہو اور ان تمام حالات میں اس کا رجوع حق تعالیٰ کی طرف ہو[2]۔

ایک دن ان کے یہاں محبت کا ذکر چل نکلا تو کہا:

"اَلْمَحَبَّةُ اِذَا ظَهَرَتْ اِفْتَضَحَ فِيْهَا الْمُحِبُّ — محبت جب ظاہر ہوتی ہے عاشق رسوا ہو جاتا ہے اور

وَ اِذَا كَتَمَتْ قُتِلَ الْمُحِبُّ كَمَداً" — جب پوشیدہ رہتی ہے تو دکھ اور درد سے وہ مرجاتا ہے۔

اور پھر یہ اشعار سنائے۔

(۱) وَلَقَدْ اُفَارِقُهُ بِاِظْهَارِ الْهَوٰى — کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں اس کی محبت کو ظاہر کرنے سے جان بوجھ

عَمَداً لِيَسْتُرَ سِرَّهُ اِعْلَانُهُ — کر علیحدہ رہتا ہوں تاکہ اس کا اظہار اس کے باطن کو چھپا دے۔

(۲) وَلَرُبَّمَا كَتَمَ الْهَوٰى اِظْهَارُهُ — اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ محبت کا اظہار اس کو چھپا دیتا ہے[3]۔

وَلَرُبَّمَا فَضَحَ الْهَوٰى كِتْمَانُهُ — اور اکثر اس کا چھپانا عاشق کو رسوا کر دیتا ہے۔

(۳) عِيُّ الْحَبِيْبِ لَدَى الْحَبِيْبِ بَلَاغَةٌ — دوست کا دوست کے پاس گم سم و خاموش رہنا بلاغت اور بولنا ہے

وَلَرُبَّمَا قَتَلَ الْبَلِيْغَ لِسَانُهُ — اور لبا اوقات بلیغ بولنے والے کو اس کی زبان مار ڈالتی ہے۔

(۴) كَمْ قَدْ رَأَيْنَا قَاهِرًا سُلْطَانُهُ — ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ غلبہ اور سلطنت کی وجہ سے انسان غالب ہو جاتا ہے

لِلنَّاسِ ذَلَّ لِحُبِّهٖ سُلْطَانُهُ — اور غلبۂ محبت سے اسکا غلبہ (زور اور قوت) مغلوب ہو جاتی ہے۔

۲۶۶۔ حضرت ابو عبد اللہ الدینوری رحمۃ اللہ تعالیٰ

پانچویں طبقہ سے ہیں۔ ان کا نام محمد بن عبد الخالق الدینوری ہے۔ وہ اجلّ مشائخ اور حال کے اعتبار سے ان میں سب سے بڑے تھے اور اس جماعت کے علوم سنانے میں سب سے زیادہ فصیح[4] (خوش بیان) تھے اور ان کی

---

[1] مطلب یہ ہے کہ وہ فکرات اور غم جن کے اسباب معلوم نہ ہوں وہ گناہوں کے شکنجے ہیں۔

[2] یعنی اتنی مخالفتوں کے باوجود ہر حال میں اس کا اعتماد اللہ کی ذاتِ عالی پر رہے اور مخلوق کی پرواہ نہ کرے۔

[3] مطلب یہ ہے کہ محبت کے اظہار سے محبت کی نفی کا ارادہ ہوتا ہے اور اس سے مقصود محبت کا چھپانا ہے۔ [4] خوش بیان آدمی کو بلیغ کہتے ہیں۔

"بازگشت" (دوڑ دھوپ) فقراء کی صحبت میں تھی اور ان کے آداب کے پابند اور ان کا خاص خیال رکھتے اور اہلِ فقر سے محبّت رکھتے۔ صوفیاء سے ان کو خاص دلچسپی تھی۔ برسوں وادیٔ القراء میں مقیم رہے اور اس کے بعد دینور واپس آ گئے اور اسی جگہ وفات پائی۔ جیسا کہ طبقات السّلمیؒ میں منقول ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، آخری عمر میں وادی القریٰ کی ایک مسجد میں آ ئے۔ لوگ مسجد سے چلے گئے۔ نہ ان کی مہمانداری کی نہ انھیں کھانے کے لیے کوئی چیز دی۔ آخر بھوک کی تاب نہ لا کر اسی رات فوت ہو گئے۔ دن میں لوگ آئے انہیں کفن دیا۔ دوسرے دن لوگ مسجد میں آئے تو محراب میں کفن پڑا ہوا دیکھا اور اس کفن میں ایک کاغذ رکھا ہوا تھا اس میں لکھا ہوا تھا۔ "ہمارے دوستوں میں سے ایک دوست تمہارے پاس آیا۔ نہ تم نے اس کی مہمانداری کی اور نہ اسے کھانا دیا اور تم نے اُسے بھوک سے مار ڈالا۔ ہم تمہارا کفن نہیں چاہتے۔"

شیخ الاسلام نے فرمایا، ابو عبداللہ دینوری نے فرمایا، اللہ تعالیٰ خود فقراء کو سلام کرتا ہے۔ وہ قرآن میں فرماتا ہے۔ "فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ"۔

کہتے ہیں یہ ایک سال کشتی میں رہے۔ ہوا نہیں چلتی تھی۔ اپنی گدڑی سیتے، ادھیڑتے اور پھر سیتے تھے۔ جب ٹوپی تک پہنچ جاتے پھر ادھیڑ دیتے (خود اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ میں یہ اس لیے کرتا ہوں) تاکہ اپنے نفس کو مشغول رکھوں۔ اس سے قبل کہ وہ مجھے اپنے میں مشغول کر لے۔ فرمایا، چھوٹوں کے لیے بڑوں کی صحبت چھوٹوں کے واسطے اللہ تعالیٰ کی توفیق میں سے ایک توفیق ہے اور ان کی عقلمندی کے نشان سے ہے اور بڑوں کی رغبت رکھنا چھوٹوں کی صحبت کے ساتھ بڑوں کے محروم ہونے کی علامت انکی بے عقلی اور حماقت کی دلیل ہے۔ نیز اپنے بعض اصحاب سے فرمایا: لَا يُعْجِبَنَّكَ مَا تَرىٰ مِنْ هٰذِهِ اللِّبْسَةِ الظَّاهِرَةِ عَلَيْهِمْ فَمَا زَيَّنُوا الظَّوَاهِرَ إِلَّا بَعْدَ أَنْ خَرَّبُوا الْبَوَاطِنَ۔ "ان کے ظاہری لباس کو دیکھ کر ہرگز تعجب نہ کر، کیونکہ ان لوگوں نے اپنے جسموں کو جب ہی آراستہ کیا ہے جب کہ انہوں نے اپنے باطنوں کو اجاڑ لیا اور خراب کر لیا[1]۔"

شیخ الاسلام نے فرمایا، ابو عبداللہ نے کہا، مَیں نے اپنے آدمیوں کو باطن کی تعمیر سکھائی ہے نہ کہ ظاہر کی سجاوٹ اور کپڑوں کی آرائش۔ خداوند تعالیٰ ان لوگوں سے خوش نہ ہو جنہوں نے یہ کام کیا۔ ہاں ان لوگوں

---

[1] مطلب یہ ہے کہ پہلے ان لوگوں نے اپنے باطن کو خراب کیا پھر اپنے ظاہر کو آراستہ کیا۔

نے صرف کپڑوں اور گدڑی، مصلّے، مونڈھے اور اس جیسی دوسری چیزوں کی آرائش کی۔ حقائق اور صفائی باطن کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہاں تک کہ جس شخص نے انہیں دیکھا اس نے یہی سمجھا کام۔ سارا یہی کچھ ہے (کہ اپنے ظاہر کو صوفیوں کے لباس میں ملبوس کر لیں اور ان کی ظاہری رسومات کا پابند بنالیں۔ اور جو لوگ حقیقتوں والے اچھے باطن اور اچھی زندگی والے ہیں نہ ان کے ایسے دل ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت پاتے ہیں کہ اللہ کے سوا وہ کسی دوسری چیز میں مشغول ہوں۔"

حضرت دینوریؒ نے فرمایا، میں نے ایک سفر میں ایک لنگڑے کو دیکھا کہ وہ اپنے ایک پاؤں پر اچھل اُچھل کر چلتا تھا۔ میں نے اس کو کہا، "تجھے سفر کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ تو اس کے آلات و سامان نہیں رکھتا۔" اس نے کہا، "تو مسلمان ہے؟" میں نے کہا، "ہاں" کہا، یہ آیت پڑھ:

وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[1]۔ اور ہم نے اٹھایا ان کو خشکی 'جنگل' اور تری 'پانی' میں۔

جب اٹھانے والا وہ ہے تو بغیر آلہ کے بھی وہ اٹھا سکتا ہے۔" کوئی شخص ابو عبداللہ کے پاس آیا اور کہا، آپ نے رات کیسے گزاری؟" تو یہ شعر پڑھا ؎

اذا اللَّيْلُ اَلْبَسَنِي ثَوْبَهُ تَقَلَّبَ فِيْهِ فَتًى مُوْجَعُ

ترجمہ:۔ جب رات مجھے اپنا سیاہ کپڑا پہناتی ہے یعنی اندھیرا ڈالتی ہے تو دردوں سے مارا ہوا ایک جوان اس میں لوٹ پوٹ ہوتا اور کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔

۲۶۷۔ حضرت ابو الحسن السِّیرَوانی الصغیر قدس سرہٗ

چھٹے طبقے سے ہیں۔ علی بن جعفر بن داؤد ان کا نام ہے۔ مغربی سیروان کے باشندہ تھے۔ سیروانی کبیر کے مرید و شاگرد ہیں اور وہ خواص کے مرید تھے۔ ابو الحسن مصر میں رہتے تھے آخر میں مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے اور وہیں رحلت فرمائی۔ معاذ مصری کے شاگرد اور ابو بکر موازنی اور جنید و شبلی، ابو بکر مصری، ابو الخیر تینانی، کتانی اور ابو علی کاتب اور ان کے علاوہ دوسرے مشائخ وقت کو دیکھا تھا۔ اپنے وقت میں شیخ حرم

---

[1] اس لیے کہ ہر چیز ایسی ابتداء کے لحاظ سے اس کے ساتھ منسوب ہے کہ "لَا فَاعِلَ فِي الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰه"۔ بجز اللہ تعالیٰ کے سارے جہان میں کوئی اور کرنے والا نہیں سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے اور کرے گا۔

[2] س کا زیر۔ ی ساکن ہے۔

اور اپنے زمانہ میں یگانہ مشائخ تھے۔ شیخ سلمیؒ نے تاریخ صوفیاء میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی عمر ایک سو چوبیس سال کی ہوئی۔ آخری عمر میں ان کی ٹانگیں رہ گئی تھیں (اپاہج ہو گئے تھے) مگر جب مؤذن قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کہتا خود ہی اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے اور نماز پڑھ لیتے تھے۔ جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے تو پھر اپاہج ہو جاتے۔ اور سماع کے وقت بھی ان کا یہی حال ہو جاتا تھا۔ شیخ عمو اور شیخ عباس ان کے دیدار پر فخر کرتے تھے اور کہا کرتے اگر فخر نہ کرتے تو کیا کرتے کہ اس پیر کے ساتھ فخر کرنا ان کا فرض تھا۔

ابوالحسن سے پوچھا گیا "تصوف کیا ہے؟" فرمایا، "اَلْاِفْرَادُ وَ الْاِنْفِرَادُ"۔ ہمت کو یگانہ رکھنا اور مخلوق سے یگانہ ہو کر جینا۔

اور فرمایا، "صوفیاء واردات کے ساتھ ہوتے ہیں نہ کہ اوراد کے ساتھ[1]۔"

شیخ الاسلامؒ نے کہا، فتح حاجی نے بیان کیا، "کہ شیخ سیروانی نے کہا، صوفی مقامات اور حالات سے گزر چکا ہے وہ سب اس کے زیر قدم ہیں اور سب اس کے حال میں جمع ہیں[2]۔"

شیخ الاسلامؒ نے کہا، شیخ عمو نے فرمایا، شیخ سیروانی نے کہا، "آخِرُ مَا یَخْرُجُ مِنْ رُؤُسِ الصِّدِّیْقِیْنَ حُبُّ الرِّیَاسَۃِ۔" سب سے آخر میں جو چیز صدیقین کے دماغ سے نکلتی ہے وہ سرداری اور جاہ کی محبت ہے[3]۔

---

[1] الفاظ یہ ہیں: اَلصُّوْفِیَۃُ مَعَ الْوَارِدَاتِ لَا مَعَ الْاَوْرَادِ۔ صوفیاء حضرات واردات کے ساتھ ہوتے ہیں نہ اوراد وظیفوں کے ساتھ۔ واردات سے مراد دل میں آنے والے وہ اچھے خیالات جو بے تامل پیدا ہوتے ہوں۔ بعض کہتے ہیں وارد وہ حالت ہے جو دل کے لیے پیدا ہو اور موجب قبض یا بسط ہو۔

[2] وہ تمام اس کے زیرِ قدم ہیں یعنی صوفی مقام پر غالب ہے مقام اس پر غالب نہیں کہ وہ صوفی کو اس حال سے جس میں کہ وہ ہے نکال دے اور اس کا حال سلب کر لے۔

[3] اور بعض کبراء نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں۔ آخری چیز جو صدیقین کے باطن سے ظاہر ہوتی ہے وہ قیامت میں اللہ کے نزدیک جاہ پانے کی خواہش یعنی مقامِ شفاعت کی اُمید رکھنا کہ حق تعالیٰ مجھے بھی مقامِ شفاعت میں کھڑا کریں۔ یہ حب جاہ عند اللہ ہے۔ حب جاہ عند الخلق نہیں۔ اللہ کے یہاں جاہ کی طلب ہے مقامِ صدیقین کے اوّل مقام پر پہونچنے کی خواہش ہے جس کے چھوڑنے پر جاہ عند الخلق موقوف ہے۔

اور عباس نے کہا، سیروانی نے فرمایا، "میں تمہیں ان آدمیوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں جو تمہیں دوست رکھتے ہوں یعنی تم ان کے ساتھ بھلائی کرنا اور نیکی سے پیش آنا۔

شیخ عمو نے فرمایا، سیروانی نے کہا، "اگر پاؤں رکھتا تو میں اس آدمی کی زیارت کے لیے خراسان جاتا جو تم کو دوست رکھتا ہے۔"

فتح حاجی نے کہا کہ سیروانی نے فرمایا، "کوئی ایسا ہوتا ہے کہ بزرگ اس میں نظر اور توجہ رکھتے ہیں۔ اور اس کے مقام کو دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ خود نہیں جانتا کہ وہ کوئی چیز رکھتا ہے۔"

شیخ سیروانی نے یہ بھی فرمایا :-

"مَنْ طَلَبَ عِزًّا بِبَاطِلٍ اَوْرَثَهُ اللّٰهُ ذُلًّا بِحَقٍّ۔" جو شخص باطل کے ذریعہ عزّت کو طلب کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کو حقیقۃً ذلّت میں مبتلا کر دیتا ہے یا کر دے گا۔[۱]

اور فرمایا :-

"مَنْ تَرَكَ تَدْبِيْرَهٗ عَاشَ طَيِّبًا۔" جس شخص نے اپنی تدبیر اور اپنے فکر کو چھوڑ دیا۔ اس کی زندگی پاکیزہ اور خوش حال ہو گئی یعنی وہی آدمی خوشحال زندگی گزارے گا جو اپنی تدبیروں اور بکھیڑوں کو چھوڑ دیگا۔

اور فرمایا، مَا اٰفَتُ النَّاسِ اِلَّا النَّاسُ نہیں ہے لوگوں کی آفت و مصیبت، مگر لوگ ہیں[۲]

اور فرمایا، اَلْفُقَرَاءُ هُمْ مُلُوْكُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِسْتَعْجَلُوا الرَّاحَةَ۔" فقراء (حضرات اہل فنا) دنیا و آخرت کے بادشاہ ہیں جنہوں نے راحت و خوشی کو جلدی پا لیا[۳]

فرمایا : اَلْفَقِيْرُ اِبْنُ وَقْتِهٖ فَاِذَا تَطَلَّعَ اِلٰى وَقْتٍ ثَانٍ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْفَقْرِ فقیر اپنے وقت کا بیٹا ہے اور جب اس نے دوسرے وقت کو جھانکا تو وہ فقر سے نکل گیا[۴]

---

[۱] مطلب یہ ہے جو آدمی باطل۔ حرام ناجائز مثلاً دھوکہ فریب ڈھونگ پراپگنڈہ کو اپنی عزّت کا ذریعہ بنائیگا حق تعالیٰ فی الواقعہ اس پر ذلّت کو پہونچائیگا یا کوئی صوفی فریب اور ڈھنگ کے ساتھ صوفی گری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو خواری دیگا [۲] یعنی آدمی کی مصیبت خود آدمی ہیں کہ اختلاط اور میل جول میں بلائیں اور آفات آتی ہیں۔ [۳] فقراء سے مراد اہلِ فنا ہیں جو دنیا اور دین کے بادشاہ ہیں۔ یہ لوگ اگلی راحت کی طرف دوڑ رہے ہیں اور اس وقت بھی راحت میں ہیں یعنی وہ حضرات ہیں جو فنا نفس حاصل کر چکے ہوں۔ [۴] اگلے صفحہ پر دیکھیں۔

انہوں نے فرمایا، مَیں نے جنیدؒ سے سُنا، جنیدؒ نے فرمایا، جس کو فاقہ پہنچے اور اس کے پاس ضرورت سے زیادہ کپڑے ہوں تو یہ فاقہ اس کو بخیلی کی وجہ سے پہونچا ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ مرتعش نے فرمایا، "لَوْ لَعِبَ الْفَقِيْرُ عِشْرِيْنَ سَنَةً ثُمَّ صَدَقَ سَاعَةً نَجَا" (اگر فقیر بیس سال تک کھیلتا رہے[1] پھر ایک گھڑی کے لیے صدق اختیار کرلے یعنی یقین حاصل کرلے وہ نجات پالیگا) یہ سنا کر سیروانیؒ نے کہا ، حَاشَاهُمْ مِنَ اللَّعِبِ اِنَّمَا اَرَادَ بِهٖ قِلَّةَ الْيَقِيْنِ ۔ یہ جماعت تو کھیل اور تماشہ سے بیزار ہے اور پناہ مانگتی ہے۔ بھلا فقراء کھیل کریں گے ہرگز نہیں۔ سیروانیؒ نے ازخود کہا، اس کھیل سے مراد یقین کی کمی ہے۔

اور سیروانی نے یہ بھی فرمایا ، کہ ابوالخیر تینناتی سے مَیں نے سُنا ، انہوں نے فرمایا کہ مجھے انہوں نے دوزخ پر اشراف دیا یعنی اللہ نے دوزخ کو جھانک کر دیکھنے کا موقع بخشا۔ مَیں نے دیکھا کہ اس میں زیادہ تر اصحاب الرَّكْوَة اور مُرقّع یعنی کوزہ اور گدڑی والے تھے ۔ اس کے بعد شیخ سیروانی نے فرمایا ، یہ لوگ اس لیے مستوجب جہنّم ہوئے کہ ان لوگوں کا یقین کمزور تھا ۔ اور فرمایا ، حَثُّوْنَا عَلَى الطَّلَبِ وَهُوَ لَا يَجِيْئُ بِالطَّلَبِ ۔ لوگوں نے ہمیں طلب اور تلاش کرنے پر برانگیختہ کیا اور حال یہ ہے کہ وہ طلب کے ساتھ نہیں آتا (بلکہ فضل سے ملتا ہے)

اَلتَّصَوُّفُ تَرْكُ الْخَلْقِ وَاِفْرَاطُ الْهِمَّةِ تصوّف مخلوق کو ترک کرنا اور ہمت کو بڑا کرنا ہے۔ یعنی تصوّف مخلوقات سے قطع نظر کرلینا اور ہمّت کو بڑا کرلینا یعنی اپنا مقصد حق تعالیٰ کو بنالینا اور اپنی دوڑ دھوپ کو اس کے لیے خاص کردینا ہے۔

اس کے بعد فرمایا :

اَلْخَلْقُ مِحْنَةٌ مَا دَخَلُوْا فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَفْسَدُوْهُ مخلوق مصیبت اور بلاء ہے جس چیز میں وہ داخل ہوگی اس کو تباہ و برباد کردے گی[2]

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) [3] یعنی فقیر حال پر نظر رکھتا ہے اور مقتضائے حال بجالاتا ہے۔ پس جس کسی کی نظر زمانۂ آئندہ پر پڑے اور آج کا کام کل پر ڈالے وہ مقتضائے فقر سے نکل کر باہر آجائے گا

[1] کھیل سے مراد عدم یقین اور صدق سے مُراد یقین ہے۔ [2] لہٰذا دل میں مخلوق کو نہ آنیدو کہ اسکو برباد کردیگی۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎ آب اندر زیر کشتی پشتی ست آب در کشتی ہلاکِ کشتی ست

۲۶۸۔ حضرت الوالحسین بن جہضم ہمدانی قدس اللہ سرہٗ العزیز

المتوفی ۴۱۴ھ ۔ چھٹے طبقہ میں ہیں ۔ نام علی بن عبداللہ بن الحسین ابن جہضم ہے ۔ اپنے وقت کے بزرگ ہوئے ہیں ۔ جعفر خُلدی اور کوکبی کے شاگرد ہیں ۔ اور شیخ حرم تھے ۔ ان کی کتاب بُھجۃُ الاسرار اس گروہ کے حالات و مقالات اور حکایات کے ذکر میں قابلِ اعتماد اور مُستند ہے ۔ شیخ احمد کوفانی نے ان کو دیکھا تھا ۔ شیخ الاسلام رحؒ نے فرمایا ، میں اس آدمی کو جانتا ہوں جو الوالحسن جہضم کی زیارت کے لیے مکہ گیا مگر حج نہ کیا اور اس نے کہا تھا کہ میں ان کی زیارت کے لیے آیا ہوں اور اس نے ان کی بزرگی کی وجہ سے اس میں حج کو نہیں ملایا اور یہ حج فرض نہ تھا بلکہ نفلی ہوتا ۔ شیخ الاسلام نے فرمایا ، مشائخ کی زیارت اور خدمت اس جماعت پر فرض ہے ۔

شیخ الاسلام رحؒ نے فرمایا کہ عقیل بُستی بُست سے حج کے لیے گئے تھے ۔ اُنہوں نے کہا ، شیخ الوالعباس کی زیارت کے لیے جاؤں گا ان سے ایک شلوار مانگوں گا ، کیونکہ ان کے پاس شلوار نہ تھی ۔ جب وہ ان کے پاس گئے ۔ شیخ نے انہیں ایک شلوار دی اور کہا ، پہن لے اور واپس چلا جا اور الوالعباس نے اس کو بیٹھ جانے کی بھی مہلت نہ دی ۔ وہ ہر منزل میں شلوار پاتا تھا [۱] اور پھر اسے مکہ میں بھی نہ رہنے دیا کہ وہ حج کرلے ۔

شیخ الوالعباس جہضم کا ایک بیٹا نالائق تھا اور اپنے والد کے طریقہ پر نہ تھا ۔ شیخ اس سے رنجیدہ تھے ایک دن وہ مسجد حرام سے گزر رہا تھا ۔ کسی شیخ نے شیخ سیروانی سے کہا ، اے شیخ ! یہ لڑکا شیخ الوالحسین کا لڑکا ہے ۔ اس لڑکے کیوجہ سے اس بزرگ پر کس قدر رنج اور ملامت ہے ۔ شیخ سیروانی نے کہا ، تکلیف تو بیٹے پر پیر کیوجہ سے ہے نہ کہ پیر پر بیٹے کی وجہ سے ۔ اگر اس کے باپ کی بزرگی نہ ہوتی تو بیٹے کو کون یاد کرتا ۔ اس کے باپ کی بزرگی کی وجہ سے ہی بیٹا مخلوق کی زبان پر ہے اور لوگوں کی انگلیاں اس پر اُٹھ رہی ہیں ۔

۲۶۹۔ حضرت الوالحسین طَرَزِی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

شیخ الاسلام رحؒ نے فرمایا ، طَرَز فارس کے اندر ایک مقام کا نام ہے ۔ وہ خود بزرگ تھے اور درویشوں کی بڑی عزت کرتے تھے ۔ اُن کے مرید باادب اور درویشوں کے آداب کی خاص کر رعایت رکھتے تھے ۔

---

[۱] ہر منزل پر شلوار پانے کی غرض یہ تھی کہ تیری نیت یہاں آنے کی خالص نہ تھی اس لیے شیخ نے اس کو تنبیہ کرنی تھی کہ جب حج کو آئے تو خالص اللہ کے گھر کی نیت کرکے آئے نہ کہ شلوار کی نیت لے کر آئے ۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابونصر حاجی نے مجھے کہا تھا کہ مَیں نے شیخ ابوالحسین طرزی کو دیکھا کہ وہ درویش کا پامتابہ[1] لیے ہوئے تھے اور اسے اپنے سر اور چہرے پر ملتے تھے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، کواشان میں روشن ضمیروں، نورانی دل والوں کی ایک جماعت میرے ساتھ تھی۔ اُنہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ ہمیں شیخ عبداللہ طاقی کے پاس لے چلو۔ میں نے ان سے اجازت چاہی اور انہیں ان کے پاس لے گیا۔ مَیں نے شیخ سے کہا۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ انہیں کوئی وصیت کریں۔ بولے، بال بچوں والے ہیں؟ مَیں نے کہا، ہاں۔ بولے، کاروبار کرتے ہیں؟ مَیں نے کہا، جی ہاں۔ فرمایا، بہت اچھے لوگ ہو۔ کام کرتے ہو اور اپنے بال بچوں کو اچھی طرح رکھتے ہو اور رات کے وقت اپنے حصہ کا کھانا لے لیتے ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ مِل جُل کر کھا لیتے ہو۔ تھوڑی دیر اکٹھے رہتے ہو پھر منتشر ہو جاتے ہو اور ابوالحسین نے ان کے لیے دعا کی تو ہم یہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مَیں نے یہ حکایت شیخ عمو کو سنائی، تو شیخ نے فرمایا، عبداللہ دونی اور ابوالحسین طرزی کے مرید جب تک وہ لوگ اپنی جگہ پر قائم رہے ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

۲۷۰۔ شیخ محمد ساخری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، شیخ محمد ساخری وہی ہے جو حضرۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر آئے تو کہا یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میں آپ کا مہمان ہوں آپ یا تو مجھے پیٹ بھر کر کھانا دیں، نہیں تو میں ان قندیلوں کو توڑ دونگا کچھ دیر بعد ایک آدمی آیا اور اس کو بلایا۔ کھجوروں اور پکے ہوئے کھانے سے اس کا پیٹ بھر دیا۔ پھر اس آدمی نے کہا، رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تو نے کیا کہا تھا؟ وہ ہنستا تھا اور وہی بات کہتا تھا جو شیخ ساخری نے کہی تھی۔ شیخ نے کہا، تجھے کیسے پتہ چلا؟ اس نے کہا، میں سو رہا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آنحضرت نے فرمایا، میرا ایک مہمان ہے۔ بڑا بد مزاج ہے۔ اُسے گھر لے جا پیٹ بھر کر کھِلا اور اس سے کہہ دے کہ جگہ بدل دے، کیونکہ یہ جگہ آرزو کی جگہ نہیں۔

۲۷۱۔ حضرت ابوالمظفر ترمذی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

چھٹے طبقہ کے بزرگ ہیں۔ نام جبال بن احمد ہے۔ امام اور زاہد تھے۔ حنبلی مذہب کے مقلد، ترمذ میں وعظ کرتے اپنے وقت کے شیخ تھے۔ جب وہ بات کرتے (یعنی حقائق و معارف بیان کرتے تھے) تو خضر علیہ السّلام

---

[1] موزۂ درویشی۔

ان کی مجلس میں موجود ہوتے تھے۔ محمد حامد واشکردی کے مرید تھے۔ وہ ابوبکر ورّاق کے مرید تھے۔ جو شیخ الاسلام کے پیر کے پیر ہیں۔ اور معاملہ زہد و ورع وتقوی میں اچھی حکایات اور ان کی باتیں بہت ہیں۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابوالمظفر ترمذی اور ان کے اُستاد محمد بن حامد اور ان کے استاد ابوبکر وراق ترمذی اپنے بدن سے مکھی نہیں ہٹاتے تھے۔ ابوبکر ورّاق کہتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان بیٹھا ہوا ہو اپنے سے مکھی نہ اڑا کہ وہ تجھ سے اُٹھ کر اس پر نہ بیٹھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی آدمی ہوتا تھا اس وقت وہ اپنے سے مکھی نہیں ہٹایا کرتے تھے اور کہتے ہیں اکثر اوقات لوگ کوشش کرتے کہ کوئی مکھی اُن پر بیٹھی ہوئی دیکھیں، مگر نہ دیکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نیک نیتی کی وجہ سے ان کے شغل کی کفایت فرما دی تھی کہ مکھی ان پر نہ بیٹھتی تھی۔

۲۷۲۔ شیخ احمد جوالگر قدس اللہ سرہٗ

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ جوالگر اکیلے روٹی کھاتے تھے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا، اس وجہ سے کہ ایک دن میں ایک پیر کے ساتھ ہم پیالہ تھا۔ میں نے بوٹی اٹھالی پسند نہ آئی میں نے پھر اس کو اس کی جگہ رکھ دیا۔ پیر نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتا دوسروں کے لیے کیوں پسند کرتا ہے۔ اسے اپنے مُنہ میں رکھ۔ اس وقت سے میں اکیلا کھاتا ہوں تاکہ بادب رہوں۔ شیخ عمو نے فرمایا، اس کے بعد میں نے انہیں خراسان میں دیکھا، وہاں بھی وہ اکیلے ہی کھاتے تھے۔

۲۷۳۔ حضرت ابوالحسین حدّادؔ[1] دھروی رحمۃ اللہ تعالیٰ و قدس سرہٗ

شیخ الاسلام نے فرمایا، وہ بزرگ تھے، درویش مجرد اور ظریف از ظرفاءِ صوفیاں یعنی خوش طبعی کرنے والے صوفیوں میں سے تھے۔ دوسرے مشائخ کے ساتھ یہ بھی مکہ میں رہتے تھے۔ اور مکہ سے شیخ ابوالعباس قصاب کے پاس آئے۔ ان سے پوچھا جوانمردی کیا ہے؟ شیخ نے فرمایا، کہوں اے ابوالحسین! جوانمردی یہ ہے کہ :۔

"ہرلیسہ بر یاران سرد نہ کنی بر ہوائے دل۔ جوانمردی یہ ہے کہ تو اپنے دل کی خواہش پر دوستوں پر ہرلیسہ[2] ٹھنڈا نہ

---

[1] حدّاد۔ لوہار کو کہتے ہیں۔

[2] ہرلیسہ ایک قسم کا مشہور کھانا ہے جو کُٹے ہوئے گیہوں، گوشت، یخنی اور دودھ سے پکاتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں اس نام سے اب بھی بازار میں ملتا ہے۔

کیونکہ غیر کی صحبت خدا کے لیے ہے اور اپنی صحبت خواہش کی پرورش اور ترقی کے لیے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بے پیر رہنے سے یہ بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لیے کسی کو پیر بنا لے اور وہ جو حکم دے اس پر ہاں کہے۔

۴۰۷۔ حضرت شیخ عمران ثُلثی قدس اللہ سرہٗ

ثُلث مصر کے نزدیک ایک گاؤں کا نام ہے۔ شیخ عمران وہاں رہتے تھے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، ابراہیم پیغمبر علیہ السّلام کا طریقہ یہ تھا کہ بے مہمان کے نہ کھاتے تھے۔ ان کو ابوالضیفان (مہمانوں کا باپ) کہتے تھے۔

شیخ عَمو نے کہا، کہ نہاوندی جب تک مہمان نہ ہوتا نہ ہنڈیا پکاتے تھے اور نہ کھاتے تھے۔

شیخ عباس فقیر ھروی نے کہا کہ عمران ثلثی دن میں بے مہمان کے کچھ نہ کھاتے تھے۔ جب مہمان پہنچ جاتا اس کے ساتھ کھا لیتے جب نہ پہنچتا روزہ رکھ لیتے تھے۔ ایک روز کوئی مہمان نہ پہنچا تو روزے کی نیت کر چکے تھے۔ شام کی نماز کا وقت قریب ہو گیا اچانک مہمان پہنچا اس کو باتوں میں لگا لیا تاکہ دن پورا ہو جاوے اس لیے کہ رات قریب تھی، اس شب میں حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ نے ان سے فرمایا، اے عمران! تو ہمارے ساتھ ایک اچھی عادت و خصلت رکھتا تھا ہم بھی تیرے ساتھ اچھا دستور رکھتے تھے تو نے اپنی عادت کو بدل دیا ہم نے بھی اپنے طریقہ کو بدل دیا۔ عمران بیدار ہوئے۔ فکرمند اور رنجیدہ تھے۔ کچھ دیر نہ گزری کہ والیِٔ مصر نے ثلث کے گاؤں میں جو عمران کی ملک تھا ایک عامل کو بھیجا تاکہ اس کا حساب کرے۔ وہ حاکم آتش پرست تھا اس نے ان پر ایسا جبر کیا کہ ان کو یہاں سے بھاگنا پڑا۔ شیخ الاسلامؒ نے کہا، شیخ عباس فقیر نے میرے سے کہا کہ میں شیخ ابوالحسین کی خانقاہ میں شیراز میں تھا۔ ایک آدمی آیا ہم نے نہیں پہچانا کہ وہ کون ہے۔ شیخ ابوالحسین نے اس کو غور سے دیکھا اور کہا، "تو عمران ہے؟" اس نے کہا، "ہاں" شیخ اُٹھے اور ان کا استقبال کیا اور بغل گیر ہو گئے۔ اپنی جگہ پر لے گئے اور بٹھا دیا۔ ایک پتنگا (اُڑنے والا جانور) کہ ان کی آنکھ میں پھرتا تھا۔ شیخ نے کہا، یہ کیا ہے جو تیری آنکھ میں پھرتا ہے۔ عمران نے کہا، وَفِی عَیْنِیْ شَیْئٌ۔ کیا میری آنکھ میں کچھ ہو گیا ہے اور اس پرندے کی ان کو خبر نہ تھی (یعنی استغراق کی وجہ سے جو شیخ کو حاصل تھا نہ جانا کہ میری آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے) عباس نے کہا کہ شیخ ابوالحسین نے مجھ سے کہا کہ ھروی! اس کو جلدی حمام میں لے جا" میں ان کو حمام میں لے گیا۔ شیخ ابوالحسین نے اپنے بدن کے کپڑے اتارے

کرے۔" اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ شیخ ابوالحسین نے اپنے کسی کام میں مشغولیت کی وجہ سے اپنے مریدوں کو کھانے کی انتظار میں رکھا تھا اور ہریسہ ان پر ٹھنڈا کر دیا تھا۔

شیخ الاسلامؒ نے کہا، میرے چمڑے کے تھیلہ میں شیخ احمد کوفانی سے ایک حکایت ہے کہ ایک قیمتی چیز اس کے حوالہ سے کہی کہ ابوالحسین آخر عمر میں استر آباد میں رہتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا، جس رات آپ کا کوئی میزبان نہ ہو اس رات آپ میرے پاس آجایا کریں۔ شیخ نے کہا، یہ کبھی کبھی ہوتا ہے اور مجھے خود اس کی ضرورت ہے۔ شیخ احمد کوفانی نے یہ بھی فرمایا کہ ابوالحسین نے آخر عمر میں بعض رسمی صوفیاء کے حالات سے اظہار ملال کیا۔

وگفت مرا برگ آں نمی بود۔ ازاں نم ملال گرفت خداوندا مرا پیش خود ببر۔ — میں اس کا تدارک نہیں کر سکتا اس وجہ سے مجھے ملال نے گھیر لیا ہے۔ خداوندا مجھے اپنے پاس لے چل

اس دُعا کے بعد وہ تین دن جیئے اور چوتھے دن حق تعالیٰ کے جوار میں جا ملے۔

۲۷۵۔ حضرت شریف حمزہ عقیلی قدس اللہ سرہٗ

آپ ہرات کے رہنے والے تھے۔ بلخ میں مقیم ہو گئے۔ صاحب کرامات و مقامات، خضر علیہ السلام کے صحبت دار اور مستجاب الدعوات تھے۔ شیخ الاسلام کے پیر کے پیر تھے۔ ان کے تمام مریدین سب کے سب بزرگ اور راز و کرامات والے تھے۔ جیسے کہ پیر فارسی اور عبدالملک اسکاف اور ابوالقاسم حنانہ، حسن طبری، عارف عیّار اور شیخ الاسلام کے والد ابو منصور محمد بن علی الانصاری۔

شیخ الاسلام نے کہا میرے والد نے کہا، ابو مظفر ترمذی نے کہا "جس شخص نے تیرے ساتھ بھلائی کی اس نے تجھے اپنا غلام بنا لیا۔ اور جس نے تیرے ساتھ ظلم اور زیادتی کی اس نے تجھے اپنے سے آزاد کر دیا۔ پس آزاد ہونا قید ہونے سے بہتر ہے۔"

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، آسمان و زمین میں جس سے بھی تو آزاد رہے فائدے میں رہے گا۔ ایک پیر نے دوسرے پیر کے حوالے سے مجھے یہ حکایت سُنائی کہ محمد ابن عبداللہ گازرونی کو ابتدار ارادت میں سفر کی خواہش ہوئی۔ نیشاپور آئے۔ ایک روز ایک مسجد میں تھے۔ ایک بارُعب پیر آیا۔ کہنے لگا، کہاں جاتا ہے؟ اس نے کہا، "سفر میں۔" اس نے کہا، "کہ خرچ رکھتا ہے؟" گازرونی نے کہا، "نہیں۔" پیر نے کہا، "پھر کیسے کرے گا؟" گازرونی نے کہا، "ضرورت پڑے گی تو مانگ لوں گا۔" اس نے کہا، "بتا

تو ان میں سے کس کو دوست رکھتا ہے؟ اس کو جو تجھے کچھ دے، یا اس کو جو نہ دے؟" گازرونی نے کہا، اس کو جو دیتا ہے۔ اس نے کہا، "ابھی تو کچا ہے۔" (ابھی تو پہنچ نہیں پایا) اس کو دوست رکھنا چاہیئے جو تجھے کچھ نہ دے۔ چونکہ جو شخص تجھے کوئی چیز دیتا ہے وہ تجھ کو اللہ سے ہٹا کر اپنی طرف بلاتا ہے یعنی تیرا دل اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جو تجھے کچھ نہیں دیتا وہ تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف بھیجتا ہے۔ پس اس آدمی کو اس سے زیادہ دوست رکھنا چاہیئے جو تجھ کو اپنے سے ہٹا کر اس کا (اللہ تعالیٰ کا) راستہ دکھاتا ہے۔ گازرونی نے کہا، میں واپس ہو گیا تاکہ اپنے کو اس بات میں پختہ اور درست کرلوں۔ جوتا پاؤں میں ڈالا اور آگے کا ارادہ ترک کر کے ہرات میں آگیا اور اس کے بعد ہوا جو کچھ کہ ہوا اور اسی پیر نے ایک اور قصہ سنایا کہ ایک پیر نے کہا، نیشاپور میں ایک پیر معتمر[۱] قہندزی آیا، اس نے کہا، میں جہان کے گرد گھوما ہوں نہ میں نے آزاد دیکھا نہ میں خود آزاد ہوں۔

۲۷۶۔ حضرت عارف عیّار قدس اللہ سرہٗ

شریف حمزہ کے اصحاب سے تھے۔ بلخ میں رہتے تھے منصور ان کا نام ہے۔ ایک دن وہ کہنے لگے "لوگ کہتے ہیں، علی مرتضیٰ رضؓ نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ دیا، اگر اللہ تعالیٰ میری مدد کرے اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ اور ذوالفقار مجھے دے دیں تو میں اگر کوہ قاف کو اکھاڑ نہ پھینکوں تو مجھ پر تاوان و جرمانہ لگایا جائے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، یہ بات علی مرتضیٰ کی شان میں نقص نہیں ہے بلکہ تین چیزوں کی حضرت علی پر گواہی ہے۔

۲۷۷۔ حضرت ابوالحسین سالبہ رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۳۷۳ھ۔ ان کو شیخ الشیوخ کہتے تھے۔ شیراز میں رہتے تھے اور اپنے زمانہ کے یکتا بزرگ تھے۔ عباس ہروی کے پیر ہیں۔ جہان کے مشائخ ان کی خانقاہ میں آتے تھے۔ شیخ ابومسلم نسوی کے اصحاب سے تھے۔ شیراز میں خانقاہ بنائی۔ تیس سال فقراء کی خدمت میں مشغول رہے۔ آنے جانے والوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ علماء اور صلحاء کی ایک بڑی جماعت ان کی خانقاہ میں رہتی تھی۔ وہ اپنی خانقاہ میں ہی دفن کیے گئے۔ جب نزع، مرنے کا وقت قریب آیا شیخ عبداللہ ابن عبدالرحمٰن جوان کے خادم تھے انہیں بھیجا تاکہ ان کے کفن کی ترتیب دیں۔ وہ بازار میں گئے اور دو کفن خرید لائے اور دو میتوں کا سامان کیا۔ جب واپس آئے شیخ رحلت فرما چکے تھے۔ شیخ کو بغل میں لیا اور اللہؔ کہا پھر جان دے دی اور ان کو بھی شیخ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مرید کو کسی کی ہاں کے حکم میں رہنا اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ وہ اپنے حکم میں رہے

---

[۱] معتمر کے معنی زیارت کرنے والا یا قابلِ زیارت۔

اور حمام میں بھیج دیئے۔ جب وہ باہر نکلے تو میں نے شیخ کے کپڑے ان کو پہنا دیئے اور ہم خانقاہ میں آ گئے۔ اس رات شیخ ابو الحسین نے بڑی پُر تکلف دعوت کی، کیونکہ شیخ ابو الحسین شیخ عمران کے گھر میں بہت رہا کرتے تھے۔ ہر سال ایک دفعہ مصر سے تمام مشائخ ان کے گھر موضع ثلث میں آیا کرتے تھے اور وہ ان کی دعوت کیا کرتے تھے۔ شیخ ابو الحسین نے عمران سے کہا، برائے مہربانی کچھ عرصہ میرے پاس ٹھہر یئے تاکہ میں بھی آپ کی بعض خدمتوں کے عوض جو آپ نے کی تھیں کچھ خدمت کا حق ادا کروں۔ دوسرے دن کی صبح کو عمران نے جانا چاہا۔ شیخ نے کہا، "تم جاتے ہو؟" کہا، "ہاں"۔ شیخ رنجیدہ ہو گئے اور کہا، کچھ دن تو یہاں قیام کیجئے تاکہ آرام کر لو، عمران نے کہا، میں جانتا ہوں، کہ میں وہ آدمی ہوں جو عتاب میں ہے، ایسا نہ ہو کہ مجھ کو آسائش نعمت وناز میں دیکھیں اور وہ پسند نہ کریں۔ جانتا ہوں اپنی محنت ومشقت میں دیکھوں کہ خود کیا ہوتا ہے۔" شیخ عباس نے کہا کہ اس کے بعد لوگوں نے ان کو مصر کے ایک ویرانے میں ان کی لاش کو پایا۔ چوہے نے ان کا ایک کان کھا لیا تھا۔

۲۷۸۔ حضرت ابو الحسین مَروَرودی رحمۃ اللہ تعالےٰ

اُنھوں نے شبلی کو دیکھا تھا۔ حضرت ابو الحسین نے کہا کہ لوگوں نے شبلی سے پوچھا کہ اکرم الاکرمین[1] کون ہوتا ہے؟ کہا، "وہ ہوتا ہے کہ اگر وہ ایک دفعہ کسی کے گناہ کو بخش دے تو پھر کبھی کسی اور کو اس گناہ میں عذاب نہ دے۔ کہ یہ وہی گناہ ہے کہ فلاں دوست اور فلاں بندے کو میں نے بخش دیا ہے[2]۔" شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ کل قیامت کے دن وہ کرم کا ایسا دستر خوان بچھائے گا کہ اوّلین وآخرین کے گناہ گُم ہو جائیں گے۔

۲۷۹۔ حضرت ابو حامد دوستان رحمۃ اللہ تعالےٰ

وہ مرو میں رہتے تھے۔ شیخ الاسلام نے کہا، میں نے ایک آدمی کو دیکھا ہے کہ جس نے اس کو دیکھا وہ احمد چشتی ہے۔" اور دوسری دفعہ کہا، "کہ احمد چشتی نے کہا کہ ابو سعید مالینی نے کہا اور یہ زیادہ درست ہے کہ احمد چشتی نے نہیں، بلکہ ابو سعید مالینی نے ابو حامد کو دیکھا تھا۔" لوگوں نے ابو حامد سے پوچھا:

مَتٰی تَسۡقُطُ الۡحُشۡمَۃُ قَالَ اِذَا قَدِمَتِ الصُّحۡبَۃُ سَقَطَتِ الۡحُشۡمَۃُ۔ حشمت کس وقت ساقط ہوتی ہے؟ کہا، جب صحبت پرانی اور دیرپا ہو جاتی ہے تو حشمت ساقط ہو

---

[1] الاکرم الاکرمین سخیوں کا سخی اور شریفوں کا شریف۔ [2] یعنی اس گناہ کی معافی کو دوسرے گناہ گاروں کے حق میں نظیر بنا لینے والے کو اکرم الاکرمین کہتے ہیں کہ جب اس گناہ کو فلاں کے حق میں معاف کر چکا ہو تو اس گناہ کے سبب دوسروں کو سزا نہ دے۔

ہو جاتی ہے[1]

شیخ الاسلام نے کہا، حشمت یعنی دبدبہ ایسی چیز ہے جو ہیبت اور وحشت کے درمیان ہوتی ہے۔ جب صحبت پرانی اور دیرپا ہو جاتی ہے تو وحشت اور حشمت اُٹھ جاتی ہے اور ہیبت باقی رہ جاتی ہے۔ اور شیخ الاسلام نے ابوسعید مالینی کو دیکھا تھا لیکن پہچانا نہ تھا، کیونکہ وہ بچے تھے اور کوئی ان کی تعریف نہ کرتا تھا۔ شاید وہی ایک شخص تھا جس نے ابوحامد کو دیکھا تھا جس کے متعلق شیخ الاسلام کہتے تھے۔

شیخ الاسلام نے کہا، کہ احمد چشتی نے کہا، "ابوحامد دوستان مرو میں دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سقّے نے ان کو پانی دیا۔ کچھ دیر پانی کو ہاتھ میں رکھا۔ سقّے نے کہا، "اے شیخ! پیتے کیوں نہیں؟" کہا، "ایک مکھی پی رہی ہے۔ میں صبر کرتا ہوں تاکہ وہ پانی پی لے، کیونکہ اس کے دوست زحمت کے ساتھ یعنی کسی کو تکلیف دے کر اور کسی کا مقابلہ کر کے کوئی چیز نہیں کھاتے[2]۔" شیخ الاسلام نے کہا کہ زحمت کے

---

[1] جب صحبت دراز ہوتی ہے تو حشمت یعنی وحشت جاتی رہتی ہے اور ہیبت یعنی خوف باقی رہتا ہے، کیونکہ اگر ہیبت اور خوف نہ رہے تو یہ اس کی نشانی ہے کہ وحشت و منافرت کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔ اس لیے کہ ہیبت باطن کی تاثیر سے حاصل ہوتی ہے اور کثرتِ اختلاط یعنی زیادہ ملنے اور پاس رہنے سے باطنی اثر مرتفع ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جماعت سے نماز پڑھائی۔ ابھی نماز میں ایک رکعت باقی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے سلام پھیر دیا اور جلدی سے جانے لگے۔ اس جماعت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں حضرات موجود تھے، لیکن روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:—
فَهَابَاهُ اَنْ يَّتَكَلَّمَا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بات کرتے ہوئے ان دونوں پر ہیبت طاری ہوئی، مگر ذوالیدینؓ نے عرض کیا۔ "اَقُصِرَتُ الصَّلٰوةُ يَارَسُوْلَ اللهِ اَمْ نَسِيْتَ" کہا، یارسول اللہ کیا نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے۔ بہرحال ابوبکر و عمر کو جس قدر قُرب اور صحبت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھا وہ کسی اور کو نصیب نہ تھا، مگر اس کے باوجود ان کے قلب میں آپ کی ہیبت موجود تھی کہ آپ سے بات نہ کر سکے۔

ساتھ کھانا یہ ہوتا ہے کہ جو چیز تو کھاتا ہے اسے وہ اپنے بجائے علانیہ طور پر دوسرے کو دے ڈالے کہ وہ دل گیر ہو جاوے اور اس پر بوجھ آوے اور جو کچھ تو اس سے زیادہ کھائے گا وہ خود حرص ہے۔ پس یا تو چھپا کر ایثار کر یا درمیانہ کھا[1]۔ اور شرح تعرف میں لکھا ہے کہ ابو حامد دوستان پر حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کی تعظیم اتنی غالب تھی کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور اللہ کہتے اور اکبر کہنے سے پہلے ہی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ برسوں ان کی عمر اسی حال پر گزری اور اسی حال میں وفات پا گئے۔

کہتے ہیں وہ کبھی خود کپڑے نہیں پہنتے تھے، بلکہ مریدان کو پہنا دیتے تھے۔ اگر کسی کو ان کپڑوں کی ضرورت ہوتی تو فرصت یعنی لوگوں کی علیحدگی کا انتظار کرتا اور جب اُن کے پاس کوئی نہ ہوتا تو ان سے کپڑا لے لیتا اور وہ پہنانے والے اور اتارنے والے کو نہ کہتے کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے۔ ابو حامد دوستان ایک رفیق کے ساتھ جا رہے تھے۔ راستے میں اس رفیق نے کہا: "یہاں میرا ایک آدمی ہے تو یہاں ٹھہر تا کہ میں اس کے پاس ہو آؤں اور صلہ رحمی کا حق ادا کروں۔" وہ چلا گیا اور ابو حامد بیٹھ گئے۔ وہ آدمی اس رات باہر نہ آیا اور اس رات بڑی برف پڑی تھی۔ دوسرے روز وہ آدمی باہر آیا۔ ابو حامد برف کے درمیان ہل رہے تھے اور برف ان پر گر رہی تھی۔ اُس آدمی نے کہا، "تو ابھی تک یہیں ہے؟" ابو حامد نے کہا: "تُو نے نہیں کہا تھا کہ اس جگہ ٹھہر، دوست لوگ دوستوں کے ساتھ کی ہوئی بات پوری کرتے ہیں[2]۔"

۲۸۰۔ حضرت باب فرغانی قدس سرہٗ

ان کا نام عمر ہے۔ فرغانہ میں رہتے تھے اور اس علاقے یعنی ترکستان کے درویش، بڑے مشائخ کو باب کہتے تھے۔

صاحب کرامات ظاہری تھے۔ کشف المحجوب کے مصنف نے کہا ہے۔ وہ زمین کے اوتاد[3] میں سے تھے۔ شیخ الاسلام نے کہا، شیخ عمو نے ان کو دیکھا تھا۔ شیخ عمو کہتے ہیں: "ایک روز میں اُن کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کوئی آدمی آیا اور کہنے لگا دُعا کرو کہ سرکب باز آ جاوے (اور سرکب ایک حاکم تھا جو جنگ کے لیے آیا تھا) حضرت باب چولہے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جرابیں پاؤں میں پہنے ہوئے تھے اور لوٹا اس جگہ رکھا ہوا تھا۔ لوٹے پر پاؤں مارا اور کہا افگندم (میں نے اس کو گرا دیا) سرکب اسی وقت شہر کے دروازے پر سر کے بل گھوڑے سے گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ نیز شیخ عمو کہتے ہیں۔ ایک دن آیا اور کہا، اے باب! دعا کر بارش آوے۔ دُعا کی اور بارش برسنے لگی۔ پھر ہفتہ کے بعد ایک دن وہی شخص آیا اور کہا دُعا کر کہ بارش ٹھہر جائے کہ ہمارے گھر گر گئے ہیں۔ دُعا کی بارش

---

[1] یعنی اپنی بھوک پر اور اپنی خواہش پر دوسرے کی بھوک اور خواہش کو اس طرح مقدم رکھے کہ اُسے عبرت نہ ہونے دے۔

[2] اصل عبارت یہ ہے: دوستان وفائے دوستان بجا آرند یعنی دوستوں کا فرض ہے کہ وہ دوستوں کے ساتھ کی ہوئی بات کو پورا کریں خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ [3] اوتاد۔ اولیاء اللہ کے درجوں میں ایک درجہ ہے۔

ٹھہر گئی۔ صاحب کشفُ المحجُوب کہتے ہیں باب کی ایک بڑھیا تھی جس کا نام فاطمہ تھا۔ مَیں نے جب باب کی زیارت کا ارادہ کیا اور ان کے پاس پہنچا۔ کہا، کس لیے آیا ہے۔ میں نے کہا، اس لیے کہ شیخ کو ان کی صورت میں دیکھوں اور مجھ پر شفقت کے ساتھ نظر کرے۔ فرمایا: بیٹے! میں خود تجھ کو فلاں دن سے دیکھ رہا ہوں۔ جب تک کہ وہ مجھ کو تجھ سے غائب نہیں کریں گے۔ میں تجھ کو دیکھتا رہوں گا۔ میں نے اس دن کا حساب کیا تو وہی دن میری توبہ کی ابتدا کا دن تھا۔ پھر باب نے کہا: بیٹے! سفر کرنا اور باہر نکلنا بچوں کا کام ہے۔ اس کے بعد ہمت سے زیارت کیا کر، کیونکہ بزرگ اور بلند مرتبہ کا آدمی اس کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ اس کی زیارت کریں۔ پھر شکلوں اور صورتوں کے پاس آنے اور قریب ہونے کے اندر کوئی چیز موقوف بھی نہیں یعنی مدار کار صورتوں کی زیارت پر نہیں[1] رکھا گیا۔ پھر کہا، اے فاطمہ! جو کچھ تیرے پاس ہے لے آ، تاکہ یہ فقیر کھاوے۔ وہ تازہ انگور کا طباق لے کر آئی، حالانکہ وہ موسم انگور کا نہ تھا اور اس پر کچھ تازہ کھجوریں بھی رکھی ہوئی تھیں اور فرغانہ میں تازہ کھجور کا ملنا ممکن نہیں ہے[2]۔

۲۸۱۔ حضرت ابو منصور مُعمّر ابن احمد الاصفہانی قدس سرہٗ

شیخ الاسلام نے کہا۔ وہ اصفہان کے شیخ تھے۔ بزرگ تھے امام علوم حقائق اور علوم ظاہر کے عالم اور اپنے وقت میں یگانہ مشائخ تھے۔ حنبلی مذہب رکھتے تھے۔ شیخ احمد کوفانی کو دیکھا تھا۔ میَں نے ان سے پوچھا، شیخ احمد کی کوئی بات یاد رکھتے ہو؟ کہا، ہاں۔ ایک دن باتوں ہی باتوں میں کہنے لگے اَلْفَقِیْرُ عَزِیْزٌ " فقیر عزّت والا ہوتا ہے۔ میں نے اس کو کہا، کہ پیر کی ایک بات بہت ہوتی ہے۔

۲۸۲۔ حضرت ابو نصر سرّاج رحمۃ اللہ علیہ

ان کو طاؤس الفقرا[3] کہتے ہیں۔ علم کے فنون میں کامل تھے۔ ریاضتوں اور معاملات میں بڑی شان والے تھے۔ لمعہ نامی کتاب کے مصنّف ہیں اور اس کے علاوہ علم طریقت و حقیقت میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان کا گھر طرطوس میں تھا۔ ان کی قبر بھی وہیں ہے۔ ابو محمد مرتعش کے مرید، سری سقطی اور سہیل تستری کو دیکھا تھا۔ بغداد

---

[1] کیونکہ بزرگان دین کی زیارت کا اصل مقصد ہمت کے ساتھ زیارت کرنا ہے۔ ان کی صورتوں اور شکلوں کی زیارت نہیں، لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ اُن کی زیارت سے بالکل نفع نہیں ہوتا، کیونکہ بعض اوقات صورتوں کی زیارت بھی سلسلہ ہمت کی محرک ہو جاتی ہے، لیکن فقط بزرگوں کی زیارت سے آدمی کی اصلاح نہیں ہوتی۔ [2] مطلب یہ ہے کہ فرغانہ دو ہیں۔ ایک فرغانہ عراق میں ہے اور ایک ترکستان میں ہے۔ عراق تازہ کھجوروں کا گھر ہے اور ترکستان میں تازہ کھجور ملنا ناممکن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت باب ترکستان کے فرغانہ میں رہتے تھے۔ عراقی فرغانہ میں نہیں۔ [3] طاؤس الفقرا۔ فقیروں کے مور۔ کیونکہ ان کو علم و عمل میں یقین راسخ تھا۔ اس لیے اُن کو طاؤس الفقرا کہتے تھے۔

میں پہنچے تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ مسجد شونیزیہ میں ان کو خلوت خانہ دیا گیا اور ان کو درویشوں کی امامت سونپی گئی۔ عید تک امامت کرتے رہے اور تراویح میں پانچ (قرآن) ختم کئے۔ ہر رات خادم ایک روٹی ان کے حجرے میں لاتا تھا۔ جب عید کا دن ہوا تو کہیں چلے گئے۔ خادم حجرہ میں گیا تو اُس نے دیکھا کہ سب روٹیاں وہیں رکھی ہوئی تھیں اور ایک روٹی بھی اس میں سے کم نہیں ہوئی۔ ابونصر سراج کہتے ہیں حفظِ آداب[1] میں لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ دنیا والوں کا ہے۔ ان کا ادب[2] ہنر، پیشہ، شغل یا کام، بلاغت و فصاحت[3]، علوم کے یاد کرنے، بادشاہوں کے نام، تاریخ اور عرب کے اشعار یاد کرنے میں ہے[4]۔ دوسرا طبقہ دین والوں کا ہے۔ اُن کا مشغلہ اور کام نفسوں کی ریاضت اور جوارح[5] یعنی اعضاء کی تادیب ہے۔ حدود کی حفاظت اور خواہشات[6] کے چھوڑنے میں ہے۔ اور تیسرا طبقہ خاص الخاص لوگوں کا ہے۔ ان کا شُغل دلوں کو پاک کرنا[7]، اسرار[8] کی حفاظت، عہد کی[9] وفا کرنا، وساوس و خیالات کی طرف کم توجہ کرنا[10]، اوقات کی حفاظت[11] کرنا، ظاہر و باطن کو یکساں اور ایک[12] بنانا، مواقف طلب اور وجہاء کے موقعوں میں اور اوقاتِ حضور اور عنایاتِ قُرب میں حُسنِ ادب کی رعایت رکھنا،

---

[1] یعنی ادب فن و ہنر کی نگہداشت لوگوں کے تین درجہ ہیں [2] ادب عربی زبان کا لفظ ہے جو ان معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ہنر، پیشہ، خوبی، جوہر لیاقت اور قابلیت۔ حضرت مُلّا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ باب آداب الخلاء میں لکھا ہے۔ الآداب استعمال مَا یُحمَدُ قولاً وَ فِعلاً پسندیدہ قول یا فعل کو عملاً اختیار کرنا یعنی اچھی بات کہنے کی عادت ادب ہے اور اچھا کام کرنے کی خصلت ادب ہے [3] بلاغت کے معنی کلام کو درجۂ کمال تک پہنچا دینا۔ رَوانی سے بات کرنا، فصاحت، خوش بیانی، صاف اور شُستہ باتیں کرنے کو کہتے ہیں [4] مطلب یہ ہے کہ اہلِ دنیا کا پیشہ اور فن الفاظ کی یادداشت ہے تاکہ وہ اپنے اور دوسروں کے خیالات کو فصیح و بلیغ یعنی صاف ستھرے اور دلکش الفاظ میں بیان کریں اور اپنی سحر بیانی سے لوگوں کو مسحور کر دیں۔ مختلف علوم و فنون اور عربی اشعار یا دوسری زبانوں کے اشعار کو یاد کریں اور ان کو دنیا حاصل کرنے کا وسیلہ بنائیں یعنی ان چیزوں کو عزت، عہدہ، منصب و ملازمت کا وسیلہ بنائیں اور لوگوں میں اس کو اپنے اثر و رسوخ کا ذریعہ بنائیں۔ [5] دوسرا طبقہ اہلِ دین کا ہے۔ اُن کا مشغلہ اور کام خود کو اپنے رب تعالیٰ کے حکموں کا تابع کرنا، اپنے کو دیکھتے رہنا، اپنی نگرانی کرنا اور اپنے اُوپر محنت کرنا اور اپنے نفس کی مخالفت میں ہر وقت کمربستہ رہنا ہے۔ [6] جوارح یعنی ہاتھ پاؤں، آنکھ کان، زبان وغیرہ کی نگرانی رکھنا کہ اُن سے وہ کام نہ ہو جائے جسے ان کا رب تعالیٰ پسند نہ کرے [7] خواہشات یعنی جی چاہتی چیزوں کو چھوڑنے کا یہ مطلب ہے کہ نفسانی لذتوں کو ترک کر دینا۔ حدُود کی حفاظت یہ ہے کہ کتاب و سُنت کی ہدایتوں پر عمل کرنا، اوامر کو بجالانا، نواہی سے باز رہنا ہے [8] ان کا مشغلہ اور پیشہ دل کی تطہیر ہے، یعنی حق تعالیٰ کے ماسوائے کی رغبت اور میلان اور غیرِ حق سُبحانہٗ کی فکر سے دل کو پاک صاف رکھنا ہے [9] اسرار کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اوّل تو دل میں غیر کا خیال نہ آنے دے اور اگر آوے تو

(باقی اگلے صفحہ پر)

شوخی اور بے ادبی سے بچے رہنا۔

ایک دفعہ جاڑے کی شب تھی، آتشدان میں آگ جل رہی تھی اور معرفت کے متعلق بات ہو رہی تھی۔ شیخ کے لیے حالت ظاہر ہوئی۔ اس آتش دان میں منہ رکھا اور آگ کے اندر پیشانی رکھ کر اللہ کو سجدہ کیا۔ لیکن ان کے چہرہ پر آگ سے کوئی تکلیف نہیں پہونچی۔ لوگوں نے شیخ سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: جو آدمی اس کے آستانہ پر اپنی آبرو لٹا چکا ہو، تو آگ کی کیا طاقت ہے کہ اس کے چہرہ کو جلا سکے۔ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ نے فرمایا تھا جس جنازہ کو مسلمان میری قبر کے سامنے لاکر رکھیں گے بفضلہ تعالیٰ بخشا جائے گا۔ اس بشارت کی وجہ سے طوس کے لوگ جنازوں کو ان کی قبر کے سامنے لاتے ہیں اور تھوڑی دیر قبر کے سامنے رکھ دیتے ہیں، پھر اٹھا کر اپنے قبرستانوں میں لے جاتے ہیں۔

۲۸۳۔ حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن سرخسی قدس سرہٗ

ان کا نام محمد ابن الحسن ہے۔ ابونصر سراج کے مرید، شیخ ابوسعید ابوالخیر کے پیر تھے۔ شیخ ابوسعید کو جب بھی قبض کا حال ہوتا، پیر ابوالفضل کی قبر کا قصد کرتے تھے۔ خواجہ ابوطاہر ابن شیخ ابوسعید کہتے ہیں کہ ایک دن ہمارے شیخ کو قبض پہنچا۔ وہ مجلس میں تھے۔ رونے لگے اور ساری جماعت بھی رونے لگی۔ فرمایا جب کبھی ہمیں قبض ہو جاتا تھا پیر ابوالفضل کی قبر کی طرف جایا کرتے تھے تو وہ قبض بسط سے بدل جاتا تھا۔ فرمایا، گھوڑے پر زین کسو۔ اُسی وقت گھوڑے پر بیٹھ گئے۔ سب اصحاب آپ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جنگل میں پہنچے۔ شیخ کی طبیعت کھل گئی اور وقت کا حال خوش ہو گیا۔ درویشوں نے نعرہ لگایا اور فریاد کرنے لگے۔ شیخ ہر قسم کی باتیں کرتے تھے۔ جب سرخس میں پہنچے تو راستہ میں پیر کے مزار پر پہنچے اور قوال سے اس بیت کے پڑھنے کی درخواست کی ؎

معدنِ شادیست یا معدنِ جود و کرم   قبلہ ما روئے یار و قبلہ ہر کس حرم

یہ خوشی کی کان ہے یا جود و کرم کی کان ہے۔ ہمارا قبلہ یار کا مکھڑا ہے اور ہر آدمی کا قبلہ حرم ہے۔

(صفحہ گزشتہ سے آگے) رہنے دو سے نہ عہد کی وفا کا مطلب یہ ہے کہ حق سبحانہٗ سے اس نے جو عہد کیا ہے اس کو پورا کرنا۔ جو اس نے لا الٰہ الا اللہ کے اقرار میں کیا یہ کہ میں تجھے چاہوں گا۔ تیری مانوں گا۔ ؎ اوقات وقتوں کی حفاظت کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اوقات کو اللہ کے غیر میں صرف نہیں کرتے اور مخلوق میں ضائع نہیں ہونے دیتے ؎ یعنی وسوسوں اور خیالات کے دروازوں کو اپنے اوپر بند کرنا اور جو چیزیں خیالات و وساوس آنے کی موجب ہوں اُن سے اپنے کو بچانا۔ ؎ ظاہر کو باطن کے موافق بنانے کا مطلب یہ ہے اندر اور باہر سے ایک ہو۔ یہ نہیں کہ اوپر سے زاہد اور درویش ہو اندر سے دنیادار ہو۔

شیخ کا لوگوں نے ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور مستی میں قبر کے گرد گھوم رہے تھے اور نعرے مار رہے تھے۔ فقراء کی جماعت ننگے پاؤں اور ننگے سر خاک میں لوٹ رہی تھی۔ جب آرام آگیا، شیخ نے کہا، اس دن کی تاریخ بتاؤ کہ تم اس دن سے بہتر پھر نہ دیکھو گے۔ صاحب کشف المحجوب نے ایک بزرگ کا ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ میں نے سرخس میں اس سے سُنا۔ وہ کہتا تھا میں بچہ تھا اور ریشم کے کیڑوں کی خوراک کے لیے ایک محلہ میں توت کے پتّے لینے گیا تھا۔ میں ایک درخت پر چڑھا ہوا پتّے جھاڑ رہا تھا۔ شیخ ابوالفضل اس کوچہ سے گزرے، مگر مجھے نہیں دیکھا مجھے کوئی شک نہیں ہے وہ اپنے سے غائب (بے خبر) تھے۔ بسطہ کے حال میں سر اٹھایا اور کہا، "خداوندا! ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے کہ آپ نے مجھے ایک پیسہ بھی نہ دیا کہ میں اپنے بال ہی کٹوالوں۔ کیا اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں؟" اس شخص نے کہا کہ اسی وقت میں نے دیکھا کہ درختوں کے سب پتّے، سب ٹہنیاں اور تنے سونے کے بن گئے۔ اُس وقت اُنہوں نے جوش میں آکر سر اُٹھایا اور کہا، عجیب کام ہے کہ کھلے دل کے ساتھ آپ سے بات بھی نہیں کہہ سکتے؟ صاحب کشف المحجوب ہی کہتے ہیں کہ ایک دن ابوالفضلؒ ابن الحسن کے پاس طمان آیا۔ اس نے ان کے ہاتھ میں کچھ کاغذ دیکھے۔ اس نے کہا، اے ابوالفضل! ان کاغذات میں تو کیا چاہتا ہے؟" کہا، یہی کہ جو ہو سکے خودی کا ترک کرنا۔" کہا، "پھر یہ خلاف کیوں ہے؟" کہا، "خلاف تو تو دیکھتا ہے کہ مجھ سے پوچھتا ہے تو کیا چاہتا ہے؟ مستی سے ہوشیار ہو اور ہوشیاری سے بیدار ہو۔ تاکہ مخالفت

لہ ہوشیاری سے بیدار ہو کہ مخالفت اُٹھ جائے اور تو اس بات کو سمجھ کہ میں اور تو کیا طلب کرتے ہیں۔ ہوشیاری سے بیدار ہو یعنی دل کی آنکھ سے دیکھ اور اچھی طرح جان کہ مطلوب کو کئی طرف اور کئی طریقوں سے طلب کر سکتے ہیں، کیونکہ اللہ کے قُرب کے لیے نہ کوئی راہ معین ہے نہ قطعی اور ضروری، البتہ قُرب کی راہوں میں سب سے زیادہ قُرب والی راہ جس سے یہ حضرات قُرب حاصل کرتے ہیں زحمت اور تنگی کی راہ ہے، کہ فرمان ہے انا عند منکسرۃ القلوب منہم، کہ میں شکستہ دل والوں کے قریب ہوں یعنی کئی ذریعوں سے اس کی طلب کر سکتے ہیں اور کئی راستوں سے اس تک پہنچ سکتے ہیں، کیونکہ اس کے قُرب کے لیے نہ تو کوئی راہ مقرر ہے کہ بس یہی راستہ ہے جس سے قربِ حق کو پائیں اور نہ ہی کوئی عمل اس تک پہنچانے کے لیے قطعی اور ضروری ہے۔ جس کے ذریعہ بہر صورت اس تک پہونچ جائیں۔ یعنی کسی کو قطعی طور پر معلوم نہیں کہ وہ کس راہ سے قُربِ حق کو پائیگا ــــــ البتہ دل کی شکستگی و گمنامی دو چیزیں ایسی ہیں جن کے ساتھ قربِ حق کی خبر دی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قُربِ حق کی راہیں بعدد انفاس الخلائق جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اُٹھ جائے اور جان لے کہ میں اور تو کیا چاہتے ہیں۔ میں اور تو کس کی تلاش میں ہیں۔ شیخ ابو الفضل ابن حسن خرسی ایک دفعہ فضا سے آئے اور درخت پر بیٹھ گئے۔ کسی نے اُن کو دیکھا۔ شیخ ابو الفضل نے کہا، کیا دیکھتا ہے؟ یہ چیز تجھے بھی چاہیئے؟ اس نے کہا، "چاہیئے۔" فرمایا، تو اس وجہ سے نہیں پائے گا کہ تو چاہتا ہے۔ یعنی میں نے اس کی نہ خواہش کی ہے اور نہ اسے طلب کیا ہے[1]۔ شیخ ابو سعید قدس سرہٗ کہتے ہیں پیر ابو الفضل چلے جا رہے تھے۔ میں نے کہا، اے شیخ! آپ کو کہاں دفن کریں؟" آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ لوگوں نے کہا، فلاں فلاں قبرستان میں ہم آپ کو لے جائیں گے۔" کہا، "اللہ اللہ! مجھے وہاں نہ لے جانا۔" انہوں نے کہا، "کیوں؟" فرمایا، اس لیے کہ وہاں خواجگان، اماماں اور بزرگان مدفون ہیں۔ بھلا ہماری کیا ہستی ہے؟" لوگوں نے کہا، "پھر کہاں دفن کریں؟" فرمایا، مجھے سرتل میں دفن کرنا۔ جہاں جوئے باز، گناہ گار، شرابی، فریبی اور دغا باز لوگ مدفون ہیں، کیونکہ ہماری خصلت میں بھی وہی کچھ ہے جو ان کے اندر ہے۔ ان دوسرے حضرات کے قبرستان میں دفن ہونے کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ ہم ان گناہ گاروں کے ساتھ رہیں، کیونکہ یہ لوگ اس کی رحمت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

شیخ ابو سعید فرماتے ہیں۔ مَیں نے شیخ ابو الفضل محمد ابن الحسن اپنے وقت کے شیخ سے سرخس میں سُنا وہ فرماتے تھے، اَلْمَاضِیْ یُذْکَرُ وَالْمُسْتَقْبَلُ لَا یُنْتَظَرُ مَافِی الْوَقْتِ یُعْتَبَرُ گزشتہ کا ذکر چھوڑ دیا جاوے آئندہ کا انتظار نہ کیا جاوے اور حال یعنی وقت موجود کو ضائع نہ کیا جاوے اور یہ ہی بندگی کی صفت اور اس کی شان ہے۔ اس کے بعد فرمایا، بندگی کی حقیقت دو چیزیں ہیں (۱) ہر حال میں اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ کا محتاج رہنا اور یہ سب سے بڑی عبادت اور اصل بندگی ہے[3]۔ جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اچھی اقتدا کرنا[4] اور وہ ہے جس میں نہ نفس کی لذت ہو اور نہ اس کی مراحت ہو۔ شیخ ابو الفضل دنیا سے رحلت فرما گئے تو ان کے مریدوں نے یگانہ

---

[1] یعنی خواہش سے رُوحانی کمالات حاصل نہیں ہوتے، بلکہ کمالات اس کو حاصل ہوتے ہیں جو اس کے سوا دُوسرے کو نہ چاہے۔

[2] گزرے ہوئے زمانہ کو بھول جاؤ۔ آئندہ کا انتظار نہ کرو اور موجودہ وقت کی قدر کرو اور یہی بندگی کا تقاضا ہے اور یہی بندہ کو حکم ہے۔

[3] ہر حال میں خود کو اللہ تعالیٰ کا محتاج دیکھنا۔ ہر وقت اپنی محتاجی پر نگاہ رکھنا کہ میں سر سے پاؤں تک اللہ کا محتاج ہوں اور اس کا یقین رکھے کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اس کی طرف سے ہے۔ اس قسم کا خیال اور عقیدہ بندگی کی اصل اور اس کا اعلیٰ حصہ ہے۔

[4] حضرۃ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اچھی اقتدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مقصود تعمیل حکم اور سنّت کی پیروی ہو۔ سنّت کی ادائیگی میں نفس کی راحت و آسائش، لذت، زینت یا حفاظت کا لحاظ نہ رکھے۔

کی گدڑی ہیں ان کو کفنا دیا۔ دوسرے دن لوگ مسجد میں بیٹھے ہوتے تھے۔ کسی نے مسجد کا دروازہ کھولا اور گدڑی کو مسجد میں پھینک دیا اور کہا، تمہاری یہ بیگانی گدڑی ہم نہیں لیتے۔ یہ کہا اور چلا گیا۔

۲۸۴ حضرت خالوی نیشاپوری قدس سرہٗ

ان کا نام احمد ہے۔ سرخس میں رہتے تھے اور وہیں فوت ہو گئے۔ ظاہری ولایت اور بڑی کرامات والے بزرگ تھے۔ ان کا ایک مرید محمد ابن حسن تھا۔ جس نے اپنی ساری دُنیا ان پر بکھیر دی تھی۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں۔ پیر کے لیے ایک مُرید کافی ہے۔ بات کے لیے ایک کان کافی ہے۔ جہاں کی روشنی کے لیے ایک صبح کافی ہوتی ہے۔

خالوی نیشاپوری اکثر محمد ابن حسن سے کہتے تھے۔ جو کچھ وہ مجھے تازہ دیتے ہیں وہ میں تجھ کو تازہ دے دیتا ہوں"۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔ محقق یعنی صاحب حقیقت وہ شخص ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ تازہ بات دیتے ہیں اور وہ اپنے مریدوں کو تازہ دیتا ہے۔ خالوی جس وقت دنیا سے جا رہے تھے لوگ اُن کے کفن کی تیاری کر رہے تھے۔ فرمایا! "میں تمہارا کفن نہیں چاہتا، کیونکہ اس نے مجھے اپنی مہربانی کی آغوش میں لے لیا ہے"۔ یہ بات کہی اور جان دے دی۔

۲۸۵ حضرت شیخ ابو العباس الآملی قدس اللہ سرہٗ

آپ کا نام احمد بن محمد بن عبد الکریم ہے۔ آمل اور طبرستان کے شیخ تھے۔ محمد بن عبد اللہ طبری کے مُرید اور محمد ابن عبد اللہ ابو محمد جریری کے مرید تھے۔ ابو العباس صاحب کرامات عظیمہ، بڑے دانا اور فراست تیز رکھتے تھے۔ اپنے زمانہ کے قبلہ اور غوث تھے۔ جب تک وہ زندہ رہے سب لوگ ان کے پاس رحلت کر کے آتے تھے۔

اُنہوں نے کہا تھا کہ یہ ہمارا بازار آخر میں خرقانی کے لگنے لگے گا؛ چنانچہ اُن کے بعد وہ بازار خرقانی کے ہاں لگنے لگا۔ لوگوں نے ان سے کہا، شیخ سُلمیؒ نے مشائخ کے طبقات لکھے ہیں۔ فرمایا، اس میں میرا نام نہیں لایا؟ لوگوں نے کہا "نہیں"۔ فرمایا: "پھر اس نے کچھ نہیں کیا"۔

شیخ ابو العباس اُمّی تھے، لیکن کلام اور بلند نکتے بیان کرتے تھے۔ طبرستان کے آئمہ میں سے کسی امام نے کہا، خدا کی مہربانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کو بغیر تعلیم و تعلّم کے ایسا کر دیتا ہے کہ دین کے اُصول اور دقائق توحید (توحید کی باریکیوں) میں جب ہم جیسے لوگوں کو کوئی چیز مشکل ہوتی ہے تو ہم اس سے پوچھتے ہیں تو وہ ابو العباس قصاب ہے۔ شیخ الاسلام نے کہا، وہ میرے زمانہ میں ہوتے ہیں۔ میں ہمیشہ شیخ عمو سے کہتا تھا کہ میں تین مشائخ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ آملی میں شیخ ابو العباس کی، نیشاپور میں شیخ احمد نصر کی اور مرو میں شیخ ابو

ملی بیّاہ کی۔" اُنہوں نے فرمایا، میں موسمِ بہار میں جاؤں گا، تجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ آخر وہ خود فوت ہو گئے۔ قسمت میں نہ تھا، لیکن ہمیشہ کوئی نہ کوئی ان کے پاس سے شیخ عمو کی خانقاہ میں آجاتا تھا تو میں ان کا حال دریافت کرتا تھا اور ان کی باتیں پوچھ لیتا تھا۔ ان کے حال اور ان کی باتیں اس قدر کسی کو بھی معلوم نہیں جتنی مجھے معلوم ہیں۔ ابوالعباس نے فرمایا کہ وقت کیمیا ہے۔ شیخ احمد کوفانی نے کہا کہ وہ ساری رات فریاد کرتے رہتے اور باتیں کرتے رہتے تھے۔ آخر میں کہتے مَابَقِیَ شَیءٌ لَیسَ کَمِثْلِہٖ شَیءٌ یعنی مَابَقِیَ شَیءٌ۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، مَیں نے دو آدمی دیکھے کہ ان سے پوری باتیں نہ کہہ سکتے ہیں۔ ایک شیخ ابوعلی گازر جنہوں نے اس جوان اور "کُتے" کا واقعہ دیکھا کہ وہ کہتے ہیں کہ کام دکھانے والے کا ہے نہ کہ دیکھنے والے کا۔ اور ابوعلی نے یہ بات شیخ محمد قصاب کی طرف سے کہی ہے۔ دوسرے شیخ محمد قصاب آملی جو ان کے مرید تھے۔

شیخ الاسلامؒ نے کہا کہ ابوالعباس کرمان شاہی نے شیخ ابوالعباس کے پاس کوئی آدمی بھیجا کہ یہاں قحط پڑ گیا ہے دُعا کیجیے۔ شیخ نے وہاں ایک سیب بھیج دیا۔ بارش آئی اور قحط دُور ہو گیا۔

شیخ ابوالعباس نماز بہت پڑھتے تھے۔ جس وقت وہ نماز پڑھتے تھے ان کا ایک درویش درزی کا کام کرتا تھا اور بڑے تکلّف سے کپڑے سیا کرتا تھا۔ شیخ نماز پوری کرتے اُسے دیکھتے تھے، کہ جو سلائی سیدھی نہ ہوتی اس کو ادھیڑ دیتا تھا۔ شیخ نے کہا، آں تی صنمے آں تی صنمے یعنی یہ تیرا بُت ہے یہ تیرا بُت ہے جس کو تو پوجتا ہے۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرّہ العزیز کہتے ہیں کہ ایک شخص شیخ ابوالعباس کے پاس آیا اور ان سے کرامات طلب کیں۔ شیخ ابوالعباس نے کہا، تو نہیں دیکھتا کیا یہ کرامات سے نہیں ہے کہ ایک قصّاب کا بیٹا ہو۔ باپ سے قصّابی سیکھا ہو۔ اُنہوں نے اس کے ساتھ کچھ ایسا کیا کہ اس کو اچک کر لے گئے اور شبلیؒ کے پاس بغداد تک دوڑایا اور بغداد سے مکہ تک دوڑایا اور مکہ سے مدینہ دوڑایا۔ پھر مدینہ سے بیت المقدس دوڑایا اور خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کو دکھایا اور اُنہوں نے خضرؑ کے دل میں ڈالا۔ یہاں تک کہ اس نے اس کو قبول کیا اور اس کی صحبت کا موقعہ ملا اور یہاں واپس لے آیا۔ اور ایک جہان کو اس کی طرف متوجہ کر دیا۔ یہاں تک کہ لوگ شراب خانوں سے آتے ہیں اور ظلمتوں[1] سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ توبہ کرتے ہیں اور نعمتیں قربان کرتے ہیں اور اطرافِ عالم سے دل جلے آتے ہیں اور ہمارے ذریعہ اس نعم کو تلاش کرتے ہیں۔ کرامات اس سے بڑھ کر اور کیا ہوں گی؟ اس آدمی نے پھر کہا، اے شیخ کرامات چاہیے کہ میں دیکھوں۔ شیخ نے

---

[1] جہالت کی اندھیریوں اور گناہوں کی ظلمتوں سے۔

کہا اچھی طرح دیکھ یہ اُس نے عزّت نہیں بخشی کہ بکریوں کے ذبح کرنے والے کا لڑکا بزرگوں کے صدر میں بیٹھتا ہے اور زمین میں نہیں دھنستا اور یہ دیوار اس پر نہیں گرتی اور یہ گھر بھی اس کے سر پر نہیں گرتا۔ بغیر مُلک اور ملک بادشاہی رکھتا ہے۔ بغیر آلات اور کسب کے روزی کھاتا اور مخلوق کو کِھلاتا ہے کیا یہ کرامات نہیں ہیں؟ شیخ ابوسعید نے کہا، "ہم آمل میں تھے ایک آدمی مِصر سے آیا جس نے شیخ ابوالعباس کی باتیں سُنی ہوئی تھیں اور وہ خدا سے ناشناسلے تھا۔ مصر سے آمل میں اس لیے آیا تھا کہ صُوفی گری کرے اور شیخ کو جگہ سے ہٹادے یعنی شیخ کی عزّت گھٹادے۔ جب وہ آیا سلام نہیں کہا اور جوتے بھی نہیں اتارے۔ سیدھا غُسل خانے چلا گیا اور وہ لوٹے جن سے ہاتھ مُنہ دھوتے تھے انہیں اُٹھاتا تھا اور توڑ دیتا تھا۔ جب کوئی لوٹا نہ رہا۔ اس نے کہا، اپنے شیخ سے کہو کہ وہ کلا لاوے (اور یہ لوگ کوزے کو کلا کہتے ہیں) لوگوں نے شیخ سے کہا، دوسرا کوزہ لے آو۔ لوگوں نے کہا۔ جتنے کوزے یہاں تھے اُس نے سب توڑ دیئے ہیں۔ شیخ نے کہا، بازار سے لادو۔ اُنہوں نے بازار سے لانے میں دیر کی۔ وہ بے وقوف طہارت خانے سے باہر آیا اور کہا:۔

چرا کلا نیاورید اگر کلاہ نیاورید شیخ را بگوید تا بیاید بارِیش خود را فرامن دہد تا بداں استنجا کنم۔ شیخ چوں ایں سخن بشنید۔ از جائے بجُست و محاسنے دراز داشت و سفید در دست خود نہاد و می رفت و می گُفت کار قصاب پسرے بداں جا رسید کہ ریش او استنجا را شاید آں غافل بشکست در پائے شیخ افتاد و گفت اے شیخ از تو مُسلمان مے شوم۔

کوزہ کیوں نہیں لاتے اگر تم نہیں لاتے ہو تو شیخ سے کہو کہ وہ خود آئے اپنی ڈاڑھی مجھے دے تاکہ میں اس سے استنجا کروں شیخ نے جب یہ بات سُنی فوراً اپنی جگہ سے اُٹھے اور وہ لمبی اور سفید ڈاڑھی رکھتے تھے اسکو اپنے ہاتھ پر رکھا اور چل پڑے اور کہتے تھے قصاب کے بیٹے کا کام یہاں تک پہنچا کہ اس کی ڈاڑھی استنجے کے لائق ہوگئی وہ غافل شکست کھا گیا اور شیخ کے پاوں پر گر پڑا اور کہا اے شیخ تُجھ سے مسلمان ہوتا ہوں۔

ایک دن ایک لڑکا اُونٹ کی مہار پکڑے ہوئے اس پر بھاری بوجھ لادے ہوئے آمل کے بازار میں کھینچ کر لا رہا تھا۔ بازار میں کیچڑ تھا۔ جس سے اُونٹ کا پاوں پھسل گیا۔ وہ گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ لوگ اس کی طرف لپکے کہ اس کا بوجھ اُتاریں۔ شیخ اسی جگہ سے گزر رہے تھے۔ کہا، "یہاں کیا ہوگیا ہے" لوگوں نے اس کا حال سُنایا۔ شیخ نے اُونٹ کی نکیل پکڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا:۔

لے یعنی غیر عارف تھا اور خدا کو جاننے والا نہ تھا۔

پائے ایں شُتر را دُرست کُن و اگر درست نہ خواہی کردچرادلِ قصاب رابگریستن ایں کودک سوختی۔ اس اُونٹ کا پاؤں درست کر۔ اگر درست نہ کرنیکا ارادہ فرما چکا ہے پھر تونے ایک قصاب کا دل اس بچے کے رونے سے کیوں جلایا۔

اونٹ اُسی وقت اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور چلنے لگا۔ شیخ ابوالعباس نے یہ بھی فرمایا، ہم چاہیں یا نہ چاہیں سارے جہاں کو اپنے خداوند تعالیٰ کے ساتھ عادت اور اس کے فیصلوں کو مقتضائے طبیعت بنا لینی چاہیئے ورنہ رنج اور تکلیف میں رہیں گے۔ اس لیے کہ جب تو اس کے ساتھ عادت بنالے گا یعنی موافقت کرے گا تو تُو مصیبت میں بھی میل اور رغبت دیکھے گا اور مصیبت تجھ پر مصیبت بن کر نہ آئے گی اور تکلیف تجھ پر کلفت نہ بنے گی۔ اور تو دل میں رنجیدہ نہ ہوگا، کیونکہ خداوند تعالیٰ ہماری خوشی اور ناراضگی کے ساتھ اپنی تقدیر کو نہیں بدلتا۔ پس حکم کے بموجب راضی رہنا راحت ہے جو شخص اس کے ساتھ عادت اور موافقت کرلے گا اس کا دل راحت میں رہے گا اور جو کوئی اس سے اعراض کرتا ہے وہ قضا یعنی تقدیر کے آنے سے رنجیدہ اور ملول ہوتا ہے۔

۲۸۶۔ حضرت شیخ احمد نصر قدس سرہٗ

آپ بڑے مشائخ وقت میں سے تھے۔ حضرت شیخ ابوالعباس کے ہم زمانہ تھے۔ حصری کو دیکھا تھا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر مہنہ سے شیخ ابوالعباس کی صحبت و زیارت کے لیے نکلے تھے۔ شیخ احمد نصر شہر نسا میں ایک خانقاہ میں رہتے تھے جو شہر کے بالائی حصّہ میں قبرستان کے کنارے واقع ہے۔ جس میں مشائخ کی قبریں اور بزرگوں کے مزارات ہیں۔ اوستاد ابوعلی دقّاق نے اس مقام پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اشارہ سے یہ خانقاہ بنائی تھی[1]۔ جب شیخ

---

[1] جب استاد ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نسا میں آئے تو یہاں صوفیوں کی قبور کی زیارت کے واسطے کوئی جگہ نہ تھی۔ اس رات سو گئے تو حضرت مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے ان کو فرمایا صوفیوں کے واسطے ایک خانقاہ اور جگہ اس مقام پر بنا اور اسی جگہ کا اشارہ فرمایا۔ جہاں اس وقت خانقاہ بنی ہوئی ہے اور اس کے گرد آپ نے خود ہی خط کھینچ دیا۔ اُستاد ابوعلی اُٹھے اور اس جگہ پر آئے جو خواب میں دیکھی تھی آکر دیکھا کہ حضرت مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے لکیر کھینچ کر جو نشان دیا تھا وہ اُسی طرح موجود تھا جیسے کہ خواب میں دیکھا تھا۔ استاد نے اس نشان پر خانقاہ کی بنیاد رکھی اور خانقاہ کو مکمل کردیا اور اس قبرستان میں جو خانقاہ کے ایک پہلو میں موجود ہے بڑے بڑے مشائخ اور مشاہیر اولیاء کی چار سو قبریں ہیں۔ اس سبب سے صوفیائے کرام نسا کو چھوٹا شام کہتے ہیں۔ یعنی جیسے کہ شام میں انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک قبریں ہیں نسا میں اولیاء کرام قدس اللہ تعالیٰ ارواحھم کی پُرنور قبریں ہیں۔

ابوسعید شہر نساء کے قریب پہنچے۔ شہر میں نہیں آئے، بلکہ شہر کے نشیبی دیہات سے گزرے اور لسمہ گاؤں کی طرف جہاں شیخ محمد علیان کی قبر ہے۔ متوجہ ہوئے۔ شیخ احمد نصر نے خانقاہ کے حجرے سے سر کو باہر نکالا اور صوفیوں کی جو جماعت وہاں موجود تھی اُن سے کہا۔ جو شخص شہبازِ طریقت کو دیکھنا چاہتا ہے دیکھ لے۔ وہ جا رہا ہے۔ اور لسمہ میں جانا چاہیئے کہ اس شخص کو وہاں پائیں۔ احمد نصر نے بیس[2] حج کیے اور اکثر خراسان سے ہی احرام باندھتے تھے۔ ایک روز حرم میں اس طائفہ کے اسرار و حقائق میں سے اصحابِ[1] طامات کی زبان میں باتیں کیں (جن کو حضرات صوفیہ شطحیات[2] کہتے ہیں) اور وہ حضرات دو سو اسّی تھے۔ ان سب نے کہا، تو نے یہ بات کیوں کہی ہے۔ پھر ان کو حرم سے باہر نکال دیا۔ اسی وقت حصریؒ اپنے گھر سے جو بغداد میں تھا باہر آئے اور خادم سے کہا، "وہ خراسانی جوان جو ہر سال آتا ہے جب آوے اس کو اندر نہ آنے دینا"۔ جب احمد بغداد آئے اور حصریؒ کے مکان پر پہونچے تو خادم نے کہا کہ شیخ فلاں وقت میں باہر نکلے اور کہا، "کہ اس کو اندر نہ آنے دینا"۔ احمد نے جب یہ سُنا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کئی دن وہیں پڑے رہے۔ آخر ایک دن حصریؒ باہر آئے اور کہا۔ وہ بے ادبی جو تُو نے کی ہے اس کا تاوان یہ ہے کہ تو رُوم جائے اور ایک سال تک خنزیروں کو چرائے اور رات کو آکر طرطوس میں رہنا جسے کافروں نے مسلمانوں سے لے لیا ہے اور ویران کر دیا ہے۔ ساری رات نماز پڑھتے رہنا ایک گھڑی بھی نہ سونا، شاید کہ پیروں کے دل تجھے قبول کرلیں۔ احمد چونکہ صادق تھا۔ شیخ نے جو کچھ فرمایا اسے بجا لایا۔ اس کے بعد وہ شیخ کے گھر آئے خادم نے کہا "جلدی آ کہ آج شیخ تیری طلب میں ۷ دفعہ باہر نکلے ہیں۔ اچانک شیخ باہر آئے اور کہا، اے احمد اور اے میرے بیٹے، اے میری آنکھ کی ٹھنڈک۔ شیخ احمد نے خوشی سے لبیک کہا اور اسی وقت حرم کی طرف رُخ کیا۔ پیرانِ حرم نے ان کا استقبال کیا اور کہا۔ "یَا وَلَدَاهُ یَا قُرَّةَ عَیْنَاهُ"۔ اے بیٹے۔ اے آنکھوں کی ٹھنڈک۔

۲۸۷۔ حضرت ابوعلی سیاہ قدس اللہ سرہٗ

المتوفی شعبان ۴۲۴ھ۔ مَرو کے اکابر مشائخ میں سے تھے صوفیاء کی جماعت میں ابوالعباس قصاب احمد نصر وغیرہ کے ہم زمانہ اور استاد ابوعلی دقاق کی صحبت رکھنے والے تھے۔ ابتداء میں کسانی یعنی کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ۳۰ سال تک انہوں نے ایسا روزہ رکھا کہ کسی کو بھی پتہ نہ چلا۔ ہر روز صبح کو گھر سے دو روٹیاں لے آتے اور کہتے اپنے شریک کے ساتھ جنگل میں کھائیں گے اور راستہ میں وہ درویشوں کو دے دیتے تھے۔ جنگل میں ان کے شریک کہتے کچھ کھائے گا تو کہتے گھر میں کھا چکا ہوں۔ ابوعلی کا قول ہے کہ میں جنگل کے اندر زمین میں جو کدال[3] مارتا دوسرے کے لیے مٹی اور کیچڑ نکلتا اور میرے

---

[1] اصحاب طامات: بے اصل اور بے سند باتیں کہنے اور کشف کو ظاہر کرنے والوں کو کہتے ہیں۔ [2] شطحیات خلاف شرع باتوں کو کہتے ہیں۔ [3] یعنی پھاوڑا مارتے۔

لیے سب دِل کا نور نکلتا تھا۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ایک آدمی نے اُن سے کہا، کوئی ایسا بھی ہے جو مخلوق کا عیب جانتا ہو۔ کہا، "ہاں" ہوتا ہے۔ اس نے کہا، تو پھر اللہ علیموں کا چھپانے والا نہ ہوا۔ شیخ ابوعلیؒ نے کہا[1]، اچھا اب مجھ سے اپنے کو چھپا۔ اُسی وقت وہ شخص سُوج گیا۔ اس کے بدن کے کپڑے پھٹ گئے اور وہ ننگا ہو گیا۔ شیخ کی منّت کرنے لگا یہاں تک کہ شیخ نے دعا کی اور وہ اپنے حال میں آگیا۔ ایک دفعہ شیخ نے اپنے گاؤں کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں کاغذ ہے۔ کہا "یہ کیا ہے"۔ کہا۔ یہ فتویٰ ہے جس کو امام ابوعلی نے (جو اس وقت کے مفتی تھے) مسئلہ کے جواب میں لکھا ہے۔ فرمایا، اس کو امام کے پاس لے جا۔ اس نے جواب میں غلطی کی ہے وہ شخص امام ابوعلی کے پاس فتویٰ لے گیا۔ امام نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں نے غلطی کی ہے۔ امام نے اس شخص سے پوچھا، کہ شیخ کو تو نے یہ فتویٰ دیا ہے اور اس نے اس کو پڑھا ہے؟ اس نے کہا، "شیخ خط نہیں پڑھ سکتا"۔ امام ابو علی اُٹھے اور شیخ کے پاس آئے اور کہا اگر وہ ابوعلی نہ ہوتا تو یہ بوعلی دوزخ کی آگ میں پہنچ گیا ہوتا۔ شیخ ابوعلی سیاہ نے مرو میں وفات پائی۔

۲۸۸۔ شیخ ابوعلی دقاق قدس سرہٗ

المتوفیٰ ذیقعدہ ۴۰۵ھ۔ ان کا نام حسن ابن محمد الدقاق ہے۔ نیشاپور میں اپنے وقت کی زبان[2]، اپنے فن کے امام اور اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ صاف سُتھرا بیان اور فصیح زبان رکھتے تھے۔ بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا اور نصر آبادی کے مرید ہوئے۔ نیشاپور میں وعظ کیا کرتے تھے اور نیشاپور میں وفات پائی۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، وہ ہر سال ایک جگہ جاتے اور دوسرے شہر میں مقام کرتے اور آخر میں واپس آجاتے تھے۔ استاد ابوالقاسم قشیری ان کے داماد اور شاگرد تھے۔ انہوں نے ان کی مجالس جمع کی ہیں۔ دقاق حال اور قال والے اور گرم طبیعت کے بزرگ تھے۔ وہ کہتے تھے۔ مجھے چاہیئے کہ ہری کے چمن میں نعرہ ماروں، کیونکہ وہ ہری والوں میں دُور تک بڑھ گئے تھے۔ لوگوں نے کہا، تم ہری میں جاؤ۔ تم کو نعرہ کے لیے اُٹھائیں گے، کیونکہ جو شخص ان کی مجلس میں نعرہ مارتا تھا اس کے مقابلہ میں وہ بھی نعرہ مارتے تھے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، شیخ عمو نے کہا، میں دقاق کی مجلس میں موجود تھا۔ کسی نے ان سے (یعنی حضرۃ دقاق) سے حق سُبحانہٗ کے نزول کے متعلق پوچھا تو اس کے جواب میں آپ نے یہ دو شعر سُنائے ؎

---

[1] شیخ ابوعلیؒ نے جو کہا، اس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا پردہ نہ ہوتا تو عورت منکشف ہو جاتی۔ وہ ننگا ہو جاتا جیسا کہ واقع ہوا۔

[2] یعنی اُس زمانہ میں صُوفیہ کی باتیں اُن سے ظاہر ہوئیں۔

خَلِیْلَیَّ ھَلْ اَبْصَرْتُمَا اَوْ سَمِعْتُمَا ۔۔۔ بِاَکْرَمَ مِنْ رَبٍّ تَمَشّٰی اِلٰی عَبْدٖ
اَتٰی زَائِرًا مِنْ غَیْرِ وَعْدٍ وَقَالَ لِیْ ۔۔۔ اَصُوْنُکَ مِنْ تَعْلِیْقِ قَلْبِکَ بِالْوَعْدٖ

ترجمہ :- اے میرے دوستو کیا تم نے رب سے زیادہ کوئی کرم والا دیکھا یا سُنا ہے جو خود اپنے بندہ کے پاس چل کر آگیا اور بغیر وعدہ کے دیکھنے آگیا اور مجھے کہا میں تجھے اس بات سے بچاتا ہوں کہ تیرا دل وعدہ پر لٹکا رہے یعنی کہ وہ انتظار میں رہے اور وعدہ کی گھڑیاں شمار کرتا رہے۔

اور دقاق یہ بھی کہتے تھے "جب کوئی مدعی دیکھو اس کا پلہ مضبوط پکڑ لو، کیونکہ اہل باطن اور حقیقت والے دُنیا سے چلے گئے۔" صاحب کتاب کشف المحجُوب کہتے ہیں۔ میں نے ایک پیر سے سُنا۔ اس نے کہا، "میں ایک دن دقاقؒ کی مجلس میں اس لیے آیا کہ اس سے توکّل کے متعلق پوچھوں۔ وہ طری دستار (عمدہ قسم کی پگڑی) سر پر رکھے ہوئے تھے۔ میرے دل میں اس کی رغبت پیدا ہوئی۔ میں نے کہا، اے استاد! توکل کیا ہوتا ہے۔ کہا یہی کہ تو لوگوں کی پگڑیوں کی حرص چھوڑ دے۔ یہ کہہ کر اپنے سر سے پگڑی اتاری اور میرے اُوپر پھینک دی۔" ابو علی دقاقؒ نے یہ بھی فرمایا، اگر ہم ایک آدمی کو رد کر دیں تو وہ چلا جائے گا، پھر نہ آئے گا۔ میدان خالی رہے گا۔[۱]"

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا: نہ ردنازست۔ باز آئی کہ درازست۔ نہ جانا ناز ہے۔ واپس آ کہ قصہ دراز ہے۔[۲]

دقاقؒ نے یہ بھی کہا۔ خودرو درخت جس کو کسی نے نہ پالا ہو پتّے تو نکالتا ہے، لیکن پھل نہیں لاتا، مگر پھل لاتا ہے، تو بے مزہ لاتا ہے۔ پھر کہا، مَیں نے یہ طریقہ نصر آبادی سے لیا اور اُس نے شبلیؒ سے اور اُس نے جنیدؒ سے۔" میں نصر آبادی کی خدمت میں بغیر غُسل کیے کبھی بھی نہیں گیا۔ ایک روز ایک پیر پہنچا۔ ایک آدمی نے اس کو پہچان لیا۔ کہا، "وہ استاد ابو علی دقاق ہیں۔" بزرگ آئے اور درس کی استدعا کی۔ قبول نہیں کیا۔ انھوں نے بہت اصرار کیا اور منبر دکھایا کہ وعظ کہیں۔ آپ منبر پر چڑھے اور دائیں طرف اشارہ کیا اور کہا: "اَللّٰہُ اَکْبَرْ" اور قبلہ کی طرف رُخ کیا اور کہا: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرْ اور بائیں جانب اشارہ کیا اور کہا: فَاللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی[۳]۔ یکبار گی شور

---

[۱] یعنی کوئی شخص ایسا نہیں جس سے زَلّت اور لغزش نہ ہوتی ہو۔ [۲] اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھوڑی سی خوشنودی عاشق کے نزدیک سب سے بڑی دولت ہے اور سب چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے، اگرچہ وہ جنّت کے درجات ہی کیوں نہ ہوں ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر شیخ رَد کر دے اور تجھے نکال دے، تو اس کے در کو نہ چھوڑ یہ اس کا ناز ہے اور ناز چاہنے والوں پر کیا کرتے ہیں۔

[۳] یعنی اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ خوبیوں والا ہے۔ "وَاَبْقٰی" اور سدا باقی رہنے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ہر عدم محال ہے اور اس کے علاوہ ساری مخلوق ممکن العدم ہے، کہ ان سب پر ہر ایک دفعہ عدم آچکا ہے، جبکہ وہ پیدا نہیں ہوئی تھیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

برپا ہوا۔ لوگوں کی چیخیں نکلنے لگیں۔ کئی آدمی اسی جگہ مر گئے اور استاد ان چیخوں کے درمیان منبر سے اتر کر چلے گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے انہیں تلاش کیا، مگر نہ پایا۔ ایک سوداگر ان کا مرید تھا۔ بیمار ہو گیا۔ شیخ ان کی عیادت کے لیے آئے اور پوچھا، تجھے کیا ہو گیا؟ اُس نے کہا، رات کو اٹھا، تاکہ وضو کر کے تہجد پڑھوں۔ اچانک میری پیٹھ پر چھالا پڑ گیا۔ یا چنکا آ گیا؏۔ جس سے سخت درد ہونے لگا۔ پھر بخار چڑھ گیا۔ استاد نے کہا، اس فضول اور بے فائدہ کام سے کیا فائدہ کہ تو رات کو اٹھ کے نماز پڑھے۔ تجھے اپنے دل سے مردار دُنیا دور کرنی چاہیئے۔ جس شخص کا سر درد کرتا ہو اگر وہ پاؤں پر لیپ لگائے گا کبھی اچھا نہ ہو گا۔ جب ہاتھ ناپاک ہو جائے اور وہ آستین کو دھونے لگے تو ہاتھ پاک نہ ہو گا۔ اُستاد ابو علی اپنی مناجات میں کہتے تھے۔ خداوندا! رسوانہ کیجیو، کیونکہ میں نے منبر پر تیری طرف سے بہت سی لافیں[۱] ماری ہیں اور رسوا کرے بھی تو مجھے میری مجلس والوں میں رسوا نہ کرنا، مجھ کو صوفیوں کی گدڑی میں ہی چھوڑ دینا۔ اور میرے ایک ہاتھ میں کوزہ اور دوسرے ہاتھ میں عصا دے دینا، کیونکہ میں صُوفیوں کے طریقہ کو پسند کرتا ہوں، پھر مجھے کوزہ، عصا اور گدڑی کے ساتھ دوزخ کے میدانوں میں سے کسی میدان میں داخل کر دینا تاکہ میں ابدالآبدین[۲] یعنی ہمیشہ ہمیشہ فراق کا خالص خون پیتا رہوں اور اس میدان میں پیٹتا رہوں۔ اپنی بدبختی پر روتا رہوں اور اپنی ناکامی پر ماتم اور سوگ میں رہوں، تاکہ اگر مجھ کو تیرا قُرب نصیب نہ ہو، تو مجھے تیری گریہ وزاری ہی رہے۔" وہ یہ بھی کہتے تھے کہ خداوندا! ہم نے اپنے اعمال ناموں کو گناہوں سے کالا کر لیا ہے اور تو نے عمر کے ساتھ ہمارے بالوں کو سفید کر دیا ہے۔ اے سیاہ و سفید کے مالک! خاص فضل کر اور ہمارے سیاہ کیے ہوئے کو اپنے سفید کیے ہوئے میں ملا دے[۳]۔ اوستاد ابوالقاسم قشیریؒ نے وفات کے بعد ان کو خواب میں دیکھا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور دوسری دفعہ پھر عدم آئے گا جب خدا تعالیٰ سب کو فنا کر دے گا۔ اس وقت اللہ کے سوا کچھ نہ رہے گا۔ "کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَام"۔

؏ فارسی میں یہ عبارت ہے: "تابی بر پشت من افتاد"۔ تاب۔ گرمی۔ پیچ و خم مراد چھالہ ہو یا چنکا واللہ اعلم۔

[۱] لافیں۔ لاف فارسی کا لفظ ہے۔ جس کے معنی شیخی و بڑائی مارنا، جھوٹ بولنا، ڈینگ مارنا، گھمنڈ کرنا ہیں۔

[۲] ابدالآبدین ابد وہ زمانہ ہے جو آئندہ کی طرف سے لامتناہی ہو اور ابدالآبدین سے وہ ابد مراد ہے جو تمام ابدوں پر مشتمل ہو۔ مثلاً بولنے کا وقت آنے والے سارے زمانوں کے ساتھ ابدالآبدین ہے، کیونکہ جس دوسرے ابد کو فرض کریں وہ اسی ابد کا حصّہ ہے۔

[۳] یعنی تُو نے کالے بالوں کو سفید کیا ہے تو کالوں کو سفید کرنا تیرا کام ہے۔ اسی طرح اس کام میں میرے اعمالنامہ کو بھی شامل فرما لے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے بڑھاپے پر رحم فرما۔

بڑی بے قراری کرتے اور روتے تھے۔ ابوالقاسم نے کہا: "اے استاد! کیا ہوگیا ہے؟ آیا دنیا میں واپس آنا چاہتے ہو" کہا، ہاں، لیکن دنیا کی خاطر نہیں اور نہ اس لیے کہ مجلس میں وعظ کہوں، بلکہ اس لیے کہ کمر باندھوں اور صبح سے شام تک ایک ایک دروازہ پر جاؤں اور ہر اک دروازہ پر کنڈی اور عصا ماروں اور کہوں:
مکنید کہ نمی دانید کہ از کہ بازی مانید۔ تم گناہ نہ کرو کہ تم نہیں جانتے کہ کس گناہ کے باعث دُور جا پڑو اور اس کے قرب سے محروم رہو۔

کہتے ہیں آخر عمر میں استاد پر ایسا درد اور بیکلی ظاہر ہوئی کہ ہر شام کوٹھے پر چڑھ جاتے اور آفتاب کی طرف منہ کر لیتے اور کہتے:

اے سرگردان مملکت امروز چوں بودی وچوں گزاریدی ہیچ جائے براندوہگین ایں حدیث تافتی وہیچ جائے از زیر وزبر شدگان ایں کار واقعہ خبرے یافتی، ہم ازیں جنس می گفتے تا آفتاب فروشدے۔

اے خداوند کی بادشاہی میں گھومنے والے آج تو کیسا رہا اور تجھ پر کیا گزری؟ کسی جگہ اس بات کے غمزدوں پر بھی تو چمکا ہے اور کسی جگہ اس کام اور واقعہ کے زیروزبر ہونے والوں کی تو نے کوئی خبر پائی۔ اسطرح کی باتیں کرتے رہتے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جاتا۔

کہتے ہیں آخر عمر میں اُن کی باتیں ایسی ہوگئی تھیں کہ ان کو کوئی سمجھ نہ سکتا تھا اور نہ اس کی طاقت رکھتا تھا۔ ۱۷، ۱۸ آدمیوں سے کم آدمی ان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں جب بوعلی دقاق کی بات اُونچی ہوگئی اس کی مجلس خلق سے خالی ہوگئی۔

۲۸۹ حضرۃ ابوعلی الشبوی المروزی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ان کا نام محمد بن محمد بن عمر بن شبویہ ہے۔ اپنے وقت میں بے مثال اپنے علاقہ میں زبانِ وقت تھے۔ یعنی ان اطراف میں مشائخ کی باتیں ان سے ظاہر ہوتی تھیں۔ ابنِ عباس سیاری کے اصحاب سے ہیں۔ تاریخ مشائخ صوفیا میں ہے۔ قاسم بن قاسم ابوالعباس بن امام احمد بن سیار المروزی کے نواسے ہیں۔ علوم حقائق میں زبان تھے۔ محمد بن عمر بن شبویہ کے اجلّہ اصحاب میں سے ایک یہی باقی رہ گئے تھے۔ انساب سمعانی میں ہے کہ ابوعلی شبوئی ابی عبداللہ محمد ابن یوسف عزیزی[1] سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ استاد ابوعلی دقاق پیر شبوی کے پاس آئے اور ہم مَرو میں تھے۔ پیر شبوی کو صحیح بخاری شریف حفظ یاد تھی اور ہم نے صحیح بخاری کا سماع ان سے کیا ہے۔ اس کے

---

[1] عزیزی ابی عبداللہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

باوجود پیر کو اس مطلب یعنی باطن کی بھی پوری پوری واقفیت حاصل تھی اور استاد ابوعلی دقاق کو اس بات میں پیر صاحب لائے۔ع پیر شبوئیؒ نے استاد ابوعلی سے کہا کہ ہم کو اس مطلب یعنی باطن کی باتیں سناؤ۔ استاد ابوعلی نے کہا یہ بات ہم پر بند ہے۔ کھلی نہیں ہے۔ پیر نے کہا، ممکن ہے کہ ہم اپنی عاجزی کو پیش کریں، تاکہ ہماری عاجزی پر آپ کے لیے بات کھل جائے۔ وہ بات آگ ہے اور ہماری عاجزی اس کا ایندھن ہے۔ استاد ابوعلی نے مان لیا۔ استاد نے مجلس قائم کی۔ منبر پر اُن کے لیے بات نہ کھُلتی تھی، کیونکہ لوگ اس کے اہل نہ تھے۔ اِس دوران پیر شبوئیؒ مسجد کے دروازے سے اندر آئے، تو استاد کی نظر اُن پر پڑی۔ اس کی بات کھل گئی۔ جب مجلس ختم ہوئی، تو پیر شبوئیؒ نے کہا۔ تو بھی وہی تھا جو پہلے تھا۔ ہم یہ تھے، نیاز و عاجزی کی ضرورت تھی۔ خداوند تعالیٰ کی طرف لے جانے والوں راستوں میں نیاز و عاجزی سے زیادہ کوئی راستہ قریب تر نہیں ہے، اگر وہ سخت پتھر پر پڑ جائے، تو پانی کا چشمہ کھول دے۔

گرمی کے موسم میں ایک دن گرد و غبار تھا۔ سخت گرمی کا وقت تھا۔ ابوعلی شبوئیؒ کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ جا رہے تھے۔ وہ کہنے لگے۔ اے شیخ تم کہاں جاتے ہو؟ کہا، میں فلاں خانقاہ میں جاتا ہوں، کیونکہ وہاں درویش رہتے ہیں اور میں نے لکھا ہے کہ آسمان سے ایک دن میں ایک سو بیس رحمتیں درویشوں پر برستی ہیں۔ خصوصاً قیلولہ کے وقت میں۔ اب میں جاتا ہوں کہ وہاں جا کر قیلولہ کروں تاکہ اس رحمت میں سے مجھ پر بھی کچھ برس جائے۔ کیونکہ بزرگوں نے کہا کہ اپنے کو اُن میں شامل رکھ۔ ان کی عادتوں کو اختیار کر اور خود کو ان میں اور ان کے دوستوں میں ظاہر کر۔ اگرچہ تو جانتا ہو کہ کتنی رسوائی ہے اور دنیا والوں کے یہاں کیسی خواری ہے۔ مصرع: عاشق نمائی خویشتن ارچہ چنیں نہ۔ اپنے آپ کو عاشق ظاہر کر، اگرچہ تو عاشق نہ ہو۔ تاکہ اگر کل وہ کہیں کہ تو کون ہے؟ تو تو کہے کہ میں اُن کے دوستوں میں سے ہوں۔ اور جب تو ان کی بات سُنے، اگرچہ تو اس کے معنی نہ جانتا ہو اور اس کا مطلب نہ سمجھتا ہو سر ہلا دیا کرتا کہ تو کل کے دن کہے کہ میں اُن کے سامنے سر ہلانے والوں میں سے ہوں۔ وہ کہیں، آ تیرا حق ہے۔ شاید تو اس سبب سے نجات پائے اور اس کے عذاب سے بچ جاوے۔

بیت:

با عاشقاں نشین و ہم عاشقی گزیں
با ہر کہ نیست عاشق با او مشو قرین

ع یعنی باطن اور صوفیا کے کلام میں۔ لے حدیث شریف میں ہے: مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ۔ جو کوئی کسی جماعت

(باقی اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: تو عاشقوں کے ساتھ بیٹھ اور پوری طرح عاشقی اختیار کر۔ جو بھی خداوند تعالیٰ کا عاشق نہیں، خبردار اس کے پاس کبھی نہ بیٹھنا، بلکہ اس کے سایہ سے بھی بچنا۔

۲۹۰۔ حضرت شیخ ابوالقاسم بشر یٰسین رحمۃ اللہ تعالیٰ

المتوفی مِھنہ ۳۱۰ھ۔ اپنے زمانے کے مشاہیر علماء اور کبارِ مشایخ سے تھے۔ مِھنہ میں رہتے تھے اور اسی جگہ رحلت فرمائی۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ نے فرمایا، کہ میں بچپن میں جب قرآن پڑھتا تھا۔ میرے والد ابوالخیر مجھے جمعہ کی نماز کے لیے لے جا رہے تھے۔ راستے میں پیر ابوالقاسم بشر یاسین سامنے سے آ گئے۔ کہا، اے ابوالخیر! یہ کس کا بچہ ہے۔ میرے باپ نے کہا، یہ ہمارا ہے۔ پیر ابوالقاسم ہمارے قریب آ گئے اور پاؤں کی طرف بیٹھ گئے۔ رُخ ہماری طرف کیا۔ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ کہنے لگے۔ اے ابوالخیر! ہم جہاں سے جا نہیں سکتے تھے، کیونکہ ہم جگہ خالی دیکھتے تھے۔ اور فقراء ضائع ہوتے جاتے ہیں[1]۔ اب جب کہ تیرے بیٹے کو ہم نے دیکھ لیا ہے ہم بے خوف ہو گئے ہیں اور ہمیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ولایتوں کو اس بچے سے ضرور حصہ ملے گا۔ پھر انہوں نے میرے باپ سے کہا، جب تو نماز سے فارغ ہو جاتے تو اس کو میرے پاس لانا۔ جب ہم فارغ ہو گئے میرا باپ ہمیں پیر شیخ ابوالقاسم کے پاس لے گیا۔ جب ہم ان کے حجرے میں گئے اور ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ ان کے حجرے میں ایک بہت اونچا طاق تھا۔ پیر ابوالقاسم نے میرے باپ سے کہا۔ ابوسعید کو کندھے پر اٹھا، تا کہ ایک ٹکیہ جو اس طاق میں رکھی ہوئی ہے۔ وہ نیچے اتار لے۔ میرے والد نے مجھے کندھے پر اٹھایا۔ میں نے ہاتھ بڑھایا اور اس ٹکیہ کو اٹھا لیا۔ وہ ٹکیہ جَو کی تھی اور اتنی گرم تھی کہ میرے ہاتھ نے اس کی گرمی محسوس کی۔ شیخ ابوالقاسم نے وہ ٹکیہ میرے سے لے لی۔ پھر ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس ٹکیہ کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک ٹکڑا مجھے دیا اور کہا کھا لے۔ ایک ٹکڑا خود کھا گئے اور میرے والد صاحب کو اس میں سے کچھ نہ دیا۔ میرے والد صاحب نے کہا، اے شیخ! کیا سبب ہے کہ مجھے اس تبرک میں سے آپ نے کوئی حصہ نہ دیا۔ شیخ ابوالقاسم نے کہا، اے ابوالخیر! تیس (۳۰) سال ہو چکے ہیں کہ اس ٹکیہ کو ہم نے اس طاق میں رکھا ہوا ہے اور انہوں نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ یہ ٹکیہ جس شخص کے ہاتھ میں گرم ہو گی ایک جہان اس سے زندہ ہو گا اور اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی مشابہت اختیار کرتا ہے یعنی خود کو اس کا نمونہ بناتا ہے وہ انہیں میں شمار ہے اور ان میں کا ایک ہے۔ یہ حدیث اِخبار ہو یا انشار و دُعا ہو۔ واللہ واعلم وعلمہٗ اتم۔

[1] فقراء دنیا سے اُٹھتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ سنبھالنے والا نہیں ہوتا اس لیے جگہ خالی رہتی ہے۔

بات کا آخر اس پر ہوگا۔ اب خوشخبری جو پوری خوشخبری ہے وہ یہ ہے کہ وہ شخص تیرا بیٹا ہوگا۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر کہتے ہیں۔ ایک دن ہم ابوالقاسم بشر یٰسین کی خدمت میں حاضر تھے۔ اُنہوں نے ہم سے کہا۔ بیٹے! کیا تو خدا تعالیٰ سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ ہم نے کہا۔ "ہاں" ہم چاہتے ہیں۔ اور کیوں نہ چاہیں۔ اُنہوں نے کہا جب بھی تو خلوت میں ہو یہ کہا کر اور اس سے زیادہ نہ کہہ۔ رباعی:

من بے تو دمے قرار نتوانم کرد — احسان ترا شمار نتوانم کرد
اگر بہ تن من زبان شود ہر موئے — یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

ترجمہ: میں تیرے بغیر ایک سانس بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ تیرے احسان کو شمار نہیں کر سکتا۔ اگر میرے بدن کے ہر بال پر زبان ہو جائے تیرے ہزار احسانوں میں سے ایک کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔

۲۹۱۔ حضرت شیخ لقمان سرخسی قدس سرہٗ

شروع میں بڑے مجاہدے والے، صاحب معاملہ اور صاحب احتیاط تھے۔ اچانک اُن کو کشف ہوا جس سے ان کی عقل جاتی رہی۔ لوگوں نے کہا، لقمان! یہ کیا ہو گیا اور یہ کیا قصہ ہے؟ کہا، اگرچہ میں نے بہت بندگی کی، لیکن ابھی اور زیادہ چاہیئے تھی، لیکن میں عاجز اور بے طاقت ہو گیا۔ میں نے کہا، الٰہی! جب بادشاہوں کے غلام بوڑھے ہو جاتے ہیں تو وہ ان کو آزاد کر دیتے ہیں۔ تو عزیز رحمدل بادشاہ ہے۔ میں تیری بندگی میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ مجھے آزاد کر دے۔ لقمان نے کہا، میں نے آواز سُنی کہ "اے لقمان! ہم نے تجھے آزاد کر دیا۔" اِس آزادی کی نشانی یہ ہوئی کہ انہوں تعؐ نے اس کی عقل لے لی۔ پس وہ عقلاء مجانین سے ہوئے۔ اور شیخ ابوسعید ابوالخیر نے بہت دفعہ کہا۔ لقمان آزاد کردۂ خدا لیست سبحانہٗ وتعالیٰ از امر و نہی۔ ترجمہ: لقمان کو خداوند تعالیٰ نے شریعت کے احکام سے آزاد کر دیا ہے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر یہ بھی کہتے تھے۔ ایک رات فقراء کی جماعت خانقاہ میں سوئی ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے خانقاہ کا دروازہ بند کیا ہوا تھا۔ ہم پیر ابوالفضل کے ساتھ صفہ کے سرے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ معرفت میں بات ہو رہی تھی۔ مسئلہ مشکل ہو گیا۔ ہم نے لقمان کو دیکھا کہ خانقاہ کی چھت سے اُڑا اور ہمارے سامنے بیٹھ گیا اور اس مسئلہ کا ایسا جواب دیا کہ اشکال دُور ہو گیا۔ پھر اُڑا اور چھت سے باہر نکل گیا۔ پیر ابوالفضل نے کہا، اے ابوسعید! تو اس مرد کا مرتبہ دیکھتا ہے؟ میں نے کہا، دیکھتا ہوں۔ ابوالفضل

؎ یعنی خداوند سبحانہٗ وتعالیٰ نے لقمان کی عقل لیکر امر و نہی کی تعمیل سے اس کو آزاد کر دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ شریعت والے نے شریعت کی پابندی سے اس کو آزاد کر دیا ہے۔ کیونکہ اس میں عقل نہیں ہے اور شریعت کی پابندی کے لیے عقل شرط ہے۔

نے فرمایا :-

اقتدار را نہ شاید گفتم چرا گفت ازاں کہ علم ندارد۔ — لیکن اقتدار کے لائق نہیں ہے۔ میں نے کہا "کیوں؟" ابوالفضل نے کہا اس وجہ سے کہ وہ علم نہیں رکھتا[1]۔

لوگوں نے شیخ ابوسعید سے پوچھا، کہ سرخس میں سمجھ دار آدمی کون ہے؟ کہا، تمہارے شہر میں لقمان۔ لوگوں نے کہا، سبحان اللہ! ہمارے شہر میں اس سے بڑھ کر کوئی شخص بدحال مصیبت کا مارا ہوا نہیں ہے۔ شیخ نے کہا، تمہیں غلطی لگی ہے۔ عقلمند پاکیزہ ہوتا ہے اور پاکیزہ وہ ہوتا ہے جس کا کسی چیز سے تعلق نہ رہے۔ اور مخلوق کی طرف اس کو رغبت نہ رہے۔ اور اس سے بڑھ کر کسی اور آدمی کو مخلوق سے بے تعلق اور پاکیزہ تر نہیں دیکھتا ہوں، کیونکہ وہ سارے جہان میں کسی چیز کے ساتھ رغبت اور تعلق نہیں رکھتا۔ نہ دنیا کے ساتھ نہ آخرت کے ساتھ اور نہ اپنے نفس کے ساتھ۔ اور شیخ ابوسعید نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم سرخس میں پیر ابوالفضل حسن کے پاس تھے۔ ایک آدمی آیا اور کہا، لقمان مجنون کو بیماری آگئی ہے اور وہ عاجز اور بے طاقت ہو گیا ہے اور اس نے کہا تھا، ہمیں فلاں سرائے لے چلو۔ تین دن ہو گئے ہیں وہ وہیں پڑا ہے۔ اس دوران اس نے کوئی بات نہیں کی۔ آج اس نے کہا، کہ پیر ابوالفضل سے کہو کہ لقمان جاتا ہے۔ مرنے کے قریب ہے۔ پیر ابوالفضل نے جب یہ بات سُنی کہا، او ابوسعید اُٹھ تاکہ وہاں جائیں۔ شیخ ابوالفضل اپنی جماعت کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ جب لقمان نے شیخ کو دیکھا تبسّم اس کے لبوں پر ہنسی ظاہر ہوئی۔ پیر ابوالفضل اس کے سرہانے بیٹھ گئے۔ وہ پیر کو بغور دیکھتا رہا اور گرم آہ نکالتا رہا اور لب نہیں ہلاتا تھا، یعنی مُنہ سے کچھ نہیں بولتا تھا۔ جماعت میں سے ایک شخص نے کہا، لا الٰہ الا اللہ۔ لقمان نے تبسّم کیا اور کہا، اے جواں مرد! ہم نے خراج دے دیا ہے اور برأت لے لی ہے یعنی بے باقی کا پروانہ حاصل کر لیا ہے اور توحید پر باقی رکھتے ہیں[2]۔ درویش نے کہا، پھر بھی اپنے کو یادِ الٰہی میں رکھنا چاہیئے[3]۔ لقمان نے کہا، مارا عربدہ فرمائی بر درگاہِ حق[4]۔ ہمارا مقدمہ حق تع

---

[1] کیونکہ اقتدار کے لیے طریقت کا علم ہونا ضروری ہے اور مجذوب غیر سالک کو طریقت کا علم نہیں ہے یعنی پیر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ طریقت کا علم رکھتا ہو اور مجذوب جس نے سلوک نہیں سیکھا اس کو طریقت کا علم کیسے حاصل ہوگا، لہٰذا اس کو پیر نہ بنانا چاہیئے، کیونکہ وہ پیری اور مقتدائی کا اہل نہیں ہے۔ اسی طرح جو عالم علم شریعت، حدیث، فقہ، تفسیر کا پورا علم رکھتا ہے، مگر طریقت کو اس نے کبھی نہیں سیکھا اس کو بھی پیر نہیں بنانا چاہیئے۔ کیونکہ اس نے بھی طریقت کا علم نہیں سیکھا اس لیے وہ بھی پیر بنانے کے قابل نہیں ہے۔ "آں خود گم است کرا رہبری کند"۔ جو خود ہی کھویا ہوا ہے وہ دوسرے کی رہبری کیسے کرے گا۔ میرے حضرت اقدس مولانا عبدالغفور العباسی مہاجر مدنی قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ فرمایا کرتے تھے۔ جس ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہیں وہ بچہ کو کیا خاک پلائے گی۔

[2] توحید پر جو چیز ہم پر واجب نہیں تھی ہم نے سنا دی ہے۔ ([3]، [4] اگلے صفحہ پر دیکھیں)

کی درگاہ پر چھوڑ دے۔ پیر ابو الفضل کو لقمان کی یہ بات پسند آئی اور انہوں نے کہا، بات یہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد لقمان کا سانس بند ہو گیا اور لقمان پیر ابو الفضل کو مرنے کے بعد بھی اسی طرح دیکھتے رہے جس طرح زندگی میں وہ دیکھ رہے تھے۔ اُن کی زندگی میں کوئی تغیر نہ ہوا۔ بعض نے کہا، وہ فوت ہو گئے اور بعض نے کہا، نہیں ابھی ان کی نظر صحیح اور درست ہے۔ پیر ابو الفضل نے کہا، وہ فوت ہو گیا ہے، لیکن جب تک ہم بیٹھے ہیں آنکھیں بند نہ کرے گا۔ آخر جب پیر ابو الفضل اُٹھ گئے لقمان نے آنکھیں بند کر لیں۔

۲۹۲۔ شیخ محمد قصاب آملی قدس سرہٗ

وہ دامغان میں رہتے تھے۔ شیخ الاسلام نے کہا ہے، شیخ محمد قصاب ابو العباس قصاب کے مرید ہیں۔ شیخ ابو العباس نے اُن کو مجلس رکھنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ وہ عام کے لیے بات نہیں کہتے تھے۔ اُن کی بات اونچی ہو چکی تھی۔ وہ خود بزرگ آدمی تھے اور دامغان جیفہ[1] تھا اور وہ اس کی رُوح۔ نیز شیخ الاسلام نے یہ بھی کہا، کہ اگر خرقانی اور محمد قصاب زندہ ہوتے میں تم کو قصاب کے پاس بھیجتا خرقانی کے پاس نہ بھیجتا۔ کیونکہ وہ تم کو خرقانی سے زیادہ سود مند اور نفع بخش ہوتا، یعنی خرقانی منتہی ہو گئے تھے۔ مُرید ان سے کم حصہ پاتا تھا۔

شیخ الاسلام نے کہا کہ محمد قصاب نے مجھ سے کہا تھا، جو لوگ یگانہ صفات ہوتے ہیں یعنی عفو و کرم کی طرف راغب رہتے ہیں وہ صفات سے آگے کچھ نہیں دیکھتے ہیں اور صُوفیوں کا معاملہ ذات کے ساتھ ہے۔ مُعطی کے ساتھ ہے نہ کہ عطا کے ساتھ۔[1] و ہر چہ جز ذات اوست حجاب ست از و۔ اور اس کی ذات کے سوا جو کچھ بھی ہے حجاب ہے اُس سے۔

۲۹۳۔ حضرت سیدنا شیخ ابو الحسن خرقانی قدس سرہٗ

وفات شب سہ شنبہ عاشورہ ۴۲۵ھ۔ نام علی ابن جعفر ہے۔ اپنے وقت کے یگانہ قبلۂ وقت اور غوث زمانہ تھے کیونکہ اُن کے زمانہ میں ان کی طرف رحلت ہوتی تھی۔ شیخ ابو العباس قصاب نے کہا تھا۔ یہ ہمارا مختصر بازار خرقانی کے ساتھ واقع ہو گا۔ یعنی ابو العباس کی وفات کے بعد رحلت و زیارت خرقانی کی طرف ہو گئی۔ جیسے کہ اُنہوں نے کہا تھا۔ چنانچہ اللہ کا نام پہنچنے کے لیے قریب سے اور دُور سے سفر کر کے طالبین ان کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ تصوّف میں ان کی نسبت

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) [1] اس سے مراد صورت یار ہے نہ اس کی حقیقت، کیونکہ حق سُبحانہٗ پر غفلت محال ہے۔ [2] ہمارا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد فرمادے۔ جو کچھ وہ چاہے گا کرے گا۔ ہم اس سے راضی ہیں خواہ بھُول اور غفلت کیوں نہ ہو۔

[1] یعنی صوفیوں کا معاملہ معطی "دینے والے" کے ساتھ ہے اس کے عطیہ کے ساتھ نہیں، کیونکہ اس کے سوائے جو کچھ بھی ہے وہ اسکے اور اسکے بندہ کے درمیان حجاب ہے۔ جو اسکو اسکے خدا تک پہنچنے میں آڑ بنا ہوا ہے۔ [1] جیفہ عربی لغت ہے اسکے معنی مُردہ حیوان جس میں بُو آ گئی ہو۔

شیخ ابویزید بسطامی قدس اللہ تعالیٰ رُوحہٗ کے ساتھ ہے اور سُلوک میں ان کی تربیت روحانی طور پر ابویزید کی روحانیت سے ہے۔ اُن کی ولادت شیخ ابویزید کی وفات کے کئی سال بعد ہوئی ہے۔ حضرت خرقانی نے ایک دن اپنے اصحاب سے کہا: "کیا چیز بہتر ہے؟ یعنی سب سے اچھی چیز کونسی ہے؟" مریدین نے کہا۔ جناب شیخ آپ ہی کہیں۔ حضرت نے فرمایا: "وہ دل جس میں صرف اس کی یاد ہو۔" اُنہوں نے پوچھا، صُوفی کون ہے؟ صوفی گدڑی اور مصلّے سے نہیں ہوتا اور صوفی رسم و عادات سے صوفی نہیں ہوتا "صوفی آں بود کہ نہ بود۔" صوفی وہ ہے جو نہ رہا ہو۔[1] اور خرقانی نے ہی فرمایا، صوفی اس روز ہوتا ہے جس دِن اُسے آفتاب کی ضرورت نہ رہے اور اس رات ہوتا ہے جس رات میں اسے چاند اور ستاروں کی ضرورت نہ رہے۔ اور نیستی یہ ہے کہ اُسے ہستی کی ضرورت نہ ہو۔[2] حضرت خرقانی سے لوگوں نے پوچھا۔ "آدمی کس طرح جانے کہ وہ بیدار ہے؟" کہا، "اس سے کہ جب وہ حق کو یاد کرے تو سر سے اپنے قدم تک حق کی یاد کرد سے خبر رکھتا ہو۔"[3] لوگوں نے ان سے پوچھا "صدق کیا ہے؟" کہا، "صدق یہ ہے کہ دل کی بات کہے، یعنی وہ کہے جو اس کے دل میں ہو۔" اور اُن سے پوچھا اخلاص کیا ہے؟ کہا "جو کچھ تو حق کے واسطے کرتا ہے اخلاص ہے۔ اور جو مخلوق کے لیے کرتا ہے ریا ہے۔" لوگوں نے اُن سے پوچھا، فنا اور بقا میں بات کرنے کا کس کو حق پہنچتا ہے۔ فرمایا، اس آدمی کو کہ اگر اس کو ریشم کے ایک دھاگے کے ساتھ آسمان سے لٹکا دیں اور ایسی ہوا آوے جو درختوں اور عمارتوں کو گرا دے اور سارے پہاڑوں کو اکھاڑ دے اور سارے دریاؤں کو پاٹ دے تو اس کو اس کے مقام سے نہ ہلا سکے۔[4] اور اُنہوں نے یہ بھی کہا، ہرگز اس شخص کے ساتھ صحبت نہ رکھو کہ تم تو کہو کہ خدا نے دیا وہ دوسری چیز کہے۔ اور یہ بھی فرمایا: "غم طلب کرتا کہ تیری آنکھ کا پانی نکل آوے۔ کیونکہ حق تعالیٰ بندوں کے رونے کو پسند کرتا ہے۔" اور یہ بھی فرمایا: "اگر گانا گائے اور اس سے خدا کو چاہے یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ قرآن پڑھے اور اس کے ساتھ حق کو نہ چاہے[5]" اور اُنہوں نے یہ بھی فرمایا: "کہ

---

[1] یعنی اس کی ہستی فنا ہو چکی ہو اور اس کا وجود مِٹ گیا ہو [2] چونکہ صوفی کا وجود اس کی نظر سے مرتفع ہو جاتا ہے، لہٰذا ہر قسم کی ضرورتیں اس کی نظر سے مُرتفع ہو جاتی ہیں اس لیے کہ احتیاج اور ضروریاتِ جسم اور وجود کی فرع ہیں۔ جب وجود ہی مرتفع ہو گیا تو اس کی ضرورتیں خود بخود ختم ہو گئیں۔ [3] یعنی ذکر کی تلقین اُس کے سَر سے پاؤں تک پر ظاہر ہو اور اس کے بدن کا کوئی حصّہ ذکر کے اثر سے خالی نہ ہو۔

[4] یعنی وہ جس حال میں بھی ہو۔ بڑے سے بڑا حادثہ بھی اس کو اس کے حال سے نہ نکالے۔ کسی آزمائش اور آفت کی وجہ سے اپنے مقام کو نہ چھوڑے اور اپنے کام سے نہ بھاگے۔

[5] اس لیے کہ اس کے گانے پر فائدہ مرتب ہوگا اور اُس کے قرآن پڑھنے پر کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

یعنی وہ یہ کہتا ہو کہ مخلوق دیتی ہے۔ میں دیتا ہوں اور فلاں دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث وہ شخص ہوتا ہے جو رسولؐ کے فعل (سنّت) کی اقتدا کرے نہ وہ جو کاغذ کا منہ کالا کرے۔"
شبلی نے کہا ہے، یہ چاہتا ہوں کہ نہ چاہوں۔ اور خرقانی نے کہا ہے۔ یہ بھی چاہنا ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آج چالیس سال ہو چکے ہیں کہ ایک ہی وقت میں ہوں اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ میرے دل میں دیکھتا ہے اپنے سوا کو نہیں دیکھتا ہے[1]۔

مَا بَقِیَ فِیَّ لِغَیْرِ اللهِ شَیْءٌ — غیر اللہ کے واسطے میرے اندر کوئی چیز نہیں رہی۔
وَلَا فِی صَدْرِی لِغَیْرِهٖ قَرَارٌ — اور اس کے غیر کے لیے میرے سینہ میں راحت و سکون نہیں رہا۔

اور یہ بھی فرماتے تھے کہ چالیس سال سے میرا نفس ٹھنڈے پانی کا ایک گھونٹ مانگ رہا ہے یا کھٹی لسّی مانگتا ہے اور اب تک مَیں نے اس کو نہیں دیا۔ اور یہ بھی فرمایا، علما اور عبّاد جہان میں بہت ہیں۔ تجھے اس سے ہونا چاہیئے کہ تو دن کو رات میں اس طرح لائے جیسے کہ حق پسند فرماتا ہے اور رات کو دن میں ایسے لائے جیسے کہ حق پسند فرماتا ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا، دلوں میں سب سے زیادہ روشن وہ دل ہے جس میں مخلوق نہ ہو اور کاموں میں بہتر وہ کام ہے جس میں مخلوق کا اندیشہ نہ ہو۔ اور حلال نعمتوں میں سب سے زیادہ حلال وہ نعمت جو تیری اپنی محنت اور کوشش سے ہو[2]۔ اور رفیقوں میں سب سے بہتر وہ رفیق ہے جس کی زندگی حق کے ساتھ ہو۔

۲۹۴۔ حضرت شیخ ابو عبداللہ داستانی قدس سرہٗ

المتوفی رجب ۴۱۷ھ۔ ان کا نام محمد ابن علی الداستانی ہے اور اُن کا لقب شیخ المشائخ تھا۔ مختلف علوم کے عالم بارگاہِ خداوندی میں بڑے عزت والوں میں سے تھے۔ اُن کا کلام مہذب (صاف ستھرا) اور اشارات لطیف ہیں۔ شیخ ابوالحسن خرقانی کے ہم عصر لوگوں میں سے تھے۔ ان کی ارادت کی نسبت تین واسطوں سے سلطان العارفین کے بھتیجے اور مرید شیخ عمّی بسطامی تک پہنچ جاتی ہے۔ اُن کی عمر اُنسٹھ سال ہوئی۔ صاحب کشف المحجوب کہتے ہیں۔ ابو عبداللہ کے اصحاب میں سے ایک شخص شیخ سہلکی سے مَیں نے سُنا، اُنہوں نے کہا، کہ ایک دفعہ بسطام کے اندر اتنا ٹڈی دل آیا کہ ساری

---

[1] غیر اللہ کے ساتھ نسبت میں سے نسبت کا کوئی حصہ بھی میرے اندر نہیں رہا اور نہ غیر اللہ کے لیے میرے سینہ میں رنجش رہی نہ خوشی اور چین۔ حاصل یہ ہے کہ غیر اللہ کی طرف جو نسبتیں کی جاتی ہیں ان میں سے کوئی نسبت میرے اندر نہیں رہی، کہ "التوحید اسقاط الاضافات"۔ مخلوق کی طرف نسبت کا کاٹ رہنا توحید ہے۔ دوسرا حصہ جب ہی درست ہو گا جب تمام تصرفات کو حق تعالیٰ کا تصرف ماننے گا۔

[2] مثلاً تجارت، زراعت، ملازمت، صناعت، دستکاری وغیرہ سب آدمی کی محنت میں شامل ہے۔

کھیتیاں اور سارے درخت ان کی کثرت سے کالے ہوگئے۔ لوگوں نے شور مچانا شروع کیا۔ شیخ نے مجھ سے پوچھا، شور کیوں ہو رہا ہے؟ مَیں نے کہا، ٹڈی آگئی ہے اور لوگ اس کی وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں۔ شیخ اُٹھے اور چھت پر گئے۔ چہرہ آسمان کی طرف کیا۔ اُسی وقت تمام ٹڈیاں اُٹھ گئیں۔ عصر کی نماز کے وقت ایک نہ رہی اور کسی کی ایک ٹہنی کو بھی نقصان نہ پہنچا۔

۲۹۵۔ حضرت شیخ ابوسعید بن ابوالخیر قدس سرہٗ العزیز

ان کا نام فضل اللہ بن ابی الخیر تھا۔ سلطان الوقت، جمال[1] اہلِ طریقت اور دلوں کے مشرف تھے یعنی لوگوں کے خیالات ان کو بغیر بتائے خود معلوم ہوجاتے تھے۔ اُن کے وقت کے تمام مشائخ ان کے گرویدہ اور تابع تھے۔ طریقت میں شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسی کی پیروی کرتے تھے۔ شیخ ابوسعید نے فرمایا، شہر سرخس کے اندر جو راکھ کا ٹیلہ ہے میں ایک دن اُس پر آیا اور لقمان مجنون اُس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مَیں نے اُن کا قصد کیا۔ مَیں اُس ٹیلہ کے اُوپر چڑھ گیا، تو دیکھا کہ لقمان پوستین پر پیوند لگا رہے ہیں۔ شیخ ابوسعید اتنے قریب کھڑے رہے کہ اس پوستین پر ان کا سایہ پڑ رہا تھا۔ لقمان جب پوستین پر پیوند لگا چکے تو کہا، اے ابوسعید! ہم نے اس پیوند کے ساتھ تجھے اس پوستین میں سی دیا۔ پھر اُٹھے اور ہمارا ہاتھ پکڑا اور پیر ابوالفضل کی خانقاہ تک لے گئے۔ پیر ابوالفضل کو آواز دی۔ وہ باہر نکلے اور کہا، او ابوالفضل! اس کو سنبھال کہ یہ تم میں سے ہے۔ پیر نے ہمارا ہاتھ پکڑ لیا۔ مجھے خانقاہ میں لے گئے اور اندر جا کر صفّہ میں بیٹھ گئے اور ایک جزو[2] ہاتھ میں لی اور اس میں دیکھنے لگے اور جیسے کہ علم والوں کی عادت ہوتی ہے ہمارے سینہ میں اس کی خواہش ہوئی۔ کہ ہم معلوم کریں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔ پیر نے ہماری اس خواہش کو از خود جان لیا اور کہا، "او ابوسعید! انھوں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مخلوق کی طرف بھیجے۔ کہا، تم مخلوق میں جا کر کہو "اللہ" وہ آئے۔ جن لوگوں نے یہ کلمہ کہا، وہ اس کلمہ میں مستغرق ہوگئے یعنی اس کلمہ میں گم ہوگئے اور اس کے ہو رہے۔" حضرت شیخ ابوسعید نے فرمایا، پیر کی اس بات نے اس رات ہمیں سونے نہ دیا۔ صبح آفتاب نکلنے سے قبل ہم نے پیر سے رُخصت ہونے کی اجازت مانگی۔ اور تفسیر کے درس میں بوعلی فقیہ کی مجلس میں آگئے۔ جب ہم بیٹھ گئے تو خواجہ بوعلی کا پہلا سبق یہ تھا:

قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ کہ اللہ، پھر چھوڑ ان کو کہ اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں یعنی اللہ کے غیر میں دوڑتے اور بے مقصد زندگی گزارتے رہیں۔

---

[1] جمال "حسن ظاہری و باطنی" یعنی صورت و سیرت کی خوبی کو جمال کہتے ہیں [2] کئی کاغذوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

جب ہم نے اس آیت کو سُنا تو اس کے سنتے ہی حق تعالیٰ شانہٗ نے ہمارے قلب میں ایک دروازہ کھول دیا اور ہم کو ہمارے سے لے لیا، تو خواجہ بُوعلی نے ہمارے اندر کی اس تاثیر کو دیکھا۔ دیکھ کر کہا "گزشتہ رات تو کہاں رہا ہے ؟" مَیں نے کہا، پیر ابوالفضل کے پاس۔ اُنہوں نے کہا، اُٹھ اور اسی جگہ کا ہورہ۔ تیرے اوپر حرام ہے اس جگہ سے اور اس کام سے یہاں آنا۔ ہم پیر ابوالفضل کے پاس چلے گئے۔ اس حال میں کہ ہم اس کلمے کے حیران اور عاشق تھے۔ جب پیر ابوالفضل نے ہمیں دیکھا تو اُنہوں نے کہا، بیت :

مستک شُدۂ ہمی ندانی پس و پیش — تو ایسا دیوانہ ہو گیا ہے کہ آگے پیچھے کی تجھے خبر نہیں
ہاں گم نہ کنی تو این سر رشتۂ خویش — رہی ہاں تو اپنے اس مقصد اور مقام کو گم نہ کر دینا۔

مَیں نے کہا، اے شیخ! اب مجھے کیا حکم دیتے ہو۔ اُنہوں نے فرمایا، اس مقصد میں بیٹھ اور اس کلمے کا ہورہ کہ یہ کلمہ تیرے سے بہت کام لے گا اور اس کلمے کے تیرے سے بہت تقاضے ہیں اور جب پیر ابوالفضل رحمتِ حق سے جا ملے یعنی وفات پا گئے تو چونکہ پیر کی زندگی کے زمانے میں ہمیں جو اشکال ہوتا ہم ان سے رجوع کر لیتے تھے اور اُن کے ہمارے اشکال کے حل کے لیے کوئی شخص متعین نہیں تھا، مگر شیخ ابوالعباس اس لیے ہم شیخ ابوالعباس کے پاس آمل میں چلے گئے اور ایک سال اُن کے پاس رہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ ابوالعباس کے لیے صوفیوں کی جماعت خانے میں ایک جگہ تھی جہاں وہ اکتالیس سال جمع کے درمیان بیٹھے رہے۔ اگر کوئی درویش رات کو زیادہ نماز پڑھتا، تو فرماتے او بیٹے! اٹھ سو جا، یہ بوڑھا جو کچھ کرتا ہے تمہارے لیے کرتا ہے، کیونکہ اس کو اس کام سے کوئی سروکار نہیں اور اسے اس کی ضرورت نہیں ہے، مگر اس ایک سال میں اُنہوں نے شیخ ابوسعید کو نہیں کہا کہ تو جا یا نماز نہ پڑھ جیسا کہ وہ دُوسروں کو فرماتے تھے اور ابوسعید کو اپنی برابر ایک حجرہ دیا ہوا تھا۔ ایک رات شیخ ابوالعباس عبادت خانے سے باہر آئے۔ شاید اُنہوں نے فصد کرائی ہوئی تھی اور اس کی رگ کھل گئی تھی اور شیخ ابوسعید اس حال سے باخبر تھے۔ جلدی اپنے حجرے سے باہر آئے اور شیخ کے قریب آئے، شیخ کے ہاتھ دھوئے اور اس رگ کو باندھ دیا۔ اُن کے کپڑے اتارے اور اپنے کپڑے اُن کے سامنے رکھ دیے۔ شیخ نے انہیں لے لیا اور پہن لیا۔ پھر شیخ کے کپڑوں کو اُنہوں نے دھویا اور نماز کے قابل بنا کر یعنی پاک کر کے ڈوری پر لٹکا دیا۔ رات میں ہی وہ خشک ہو گئے۔ ان کی شلوٹیں نکال کر چاندنی میں دیکھا اور شیخ کے پاس لے کر آئے۔ شیخ نے اشارہ کیا کہ تو ہی پہن لے۔ شیخ ابوسعید نے پہن لیے اور اپنے حجرے میں چلے گئے۔ جب صبح ہوئی، جماعت کے لوگ اٹھے اور حاضر ہوئے۔ شیخ ابوالعباس کو شیخ ابوسعید کے کپڑوں میں دیکھا اور شیخ ابوسعید کو شیخ ابوالعباس کے کپڑوں میں۔ تعجب میں رہ گئے۔ شیخ ابوالعباس نے کہا، ہاں رات بڑی بکھیریں ہوئیں

جو سب کی سب اس کہنک کے رہنے والے جوان کے حصّے میں آگئیں۔ اس کو مبارک ہو۔

شیخ ابو سعید نے فرمایا ہے کہ ایک روز شیخ ابوالعباس کے پاس دو آدمی آئے اور اُنہوں نے کہا، ہماری ایک دوسرے کے ساتھ ایک بات ہوئی ہے ایک کہتا ہے ازل سے ابد تک یعنی ہمیشہ کا غم تمامتر ہے اور دوسرا کہتا ہے ازل سے ابد تک یعنی دائمی خوشی تمامتر ہے۔ شیخ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ شیخ نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا اور کہا، الحمد للہ قصاب کے بیٹے کا مقام نہ غم ہے نہ خوشی[1]۔

لَیْسَ عِنْدَ رَبِّكَ صَبَاحٌ وَّلَا مَسَاءٌ ‏ نہ تیرے رب کے نزدیک اور قُرب میں صبح ہے نہ شام[2]

غمی اور خوشی تیری صفت ہے اور جو تیری صفت ہے مخلوق ہے اور فانی۔ اور مخلوق اور فانی کا قدیم سے کوئی واسطہ اور کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر کیا قصاب کا بیٹا خدا کا بندہ ہے امر و نہی میں۔ اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی پیروی میں اُن کا تابع ہے۔ اگر کوئی شخص جوانمردوں میں سے راہِ راست کا دعویٰ کرے اس کا گواہ اور ثبوت یہ ہے۔ جب وہ دونوں آدمی چلے گئے تو ہم نے پوچھا، یہ دو آدمی کون تھے۔ اُنہوں نے کہا، ایک ابوالحسن خرقانی ہے اور ایک عبداللہ داستانی۔

اور شیخ ابو سعید نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب شیخ ابوالعباس کے پاس مَیں نے ایک سال قیام کر لیا، تو فرمایا کہ اب واپس جا اور مہنہ میں رہو، تاکہ چند دن تیرے گھر کے دروازے پر یہ علم رکھیں اور لوگ وہاں سے حاصل کریں۔ ہم آپ کے فرمان کے بموجب ہزار خلعتوں اور فتوح یعنی کشادگیوں کے ساتھ واپس آگئے

ماوراء النہر کے مشائخ میں سے مرو میں ایک پیر جس کا نام محمد ابونصر حبیبی تھا اور اُس نے کبھی شیخ کو نہیں دیکھا تھا اور جس وقت خواجہ ابوبکر لطیف جو مرو کے آئمہ میں سے تھے اور قفال کے درس میں شیخ کو دیکھا تھا کسی کام کی غرض سے اُنہوں نے نیشاپور کا قصد کیا۔ محمد حبیبی اُن کے پاس آئے اور کہا، کہ مَیں نے سُنا کہ تم نیشاپور کا عزم کر چکے ہو۔ میرا ایک سوال ہے مَیں چاہتا ہوں کہ وہ شیخ ابو سعید سے تم پوچھو اور اُس کا جواب لے کر آؤ، لیکن اس کا خیال رکھنا کہ وہ نہ جانیں کہ یہ سوال مَیں نے کیا ہے۔ اُس نے کہا، اُس سے پوچھ کہ:

---

[1] قصاب کے بیٹے کی منزل نہ غم ہے نہ خوشی یعنی وہ کسی حال میں تردُّد میں نہیں آتا اور کوئی حال اس پر اثر انداز نہیں ہوتا، بلکہ وہ حال پر غالب اور اثر انداز ہے جو حال وہ چاہتا ہے ظاہر ہو جاتا ہے۔

[2] نہ تیرے رب کے قُرب میں نہ صبح ہے نہ شام۔ مطلب یہ ہے کہ جب ذات کے ساتھ واصل ہونے کے درجے کو پہنچ جاتا ہے، تو امور متقابلہ مثلاً صبح و شام خوشی اور غم گم ہو جاتے ہیں۔

آثار را محو بود گفت ایں من یاد نتوانم نشانات کے لیے مٹنا ہوتا ہے یعنی نشانات بھی مٹ جاتے ہیں۔ میں نے کہا ایں داشت بر کاغذ بنویس بنوشت و بوی داد۔ یاد نہیں رکھ سکونگا۔ ایک کاغذ پر لکھ دو۔ اُنھوں نے کاغذ پر لکھا اور الکو دیدیا۔

خواجہ ابوبکر خطیب نے کہا، جب میں نیشاپور میں آیا اور کارواں سرائے میں اُترا تو دو صوفی آئے۔ اُنھوں نے آواز دی کہ خواجہ ابوبکر خطیب نام کا قافلے میں کون آدمی ہے۔ مَیں نے آواز دی کہ میں ہوں۔ اُنھوں نے کہا، شیخ ابوسعید سلام پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں چین نہیں آتا کہ تو کارواں سرائے میں اُترا ہے۔ تجھے چاہیئے ہمارے پاس آجائے۔ میں نے کہا حمام میں جاتا ہوں اور غسل کرتا ہوں۔ پھر آتا ہوں اور اس سلام اور کلام سے مجھ پر ایک عظیم حال آیا۔ میں نے یقین سے جان لیا کہ کسی نے اُن کو نہیں بتایا ہے۔ غسل خانے میں گیا اور غسل کیا۔ جب باہر نکلا تو مَیں نے انہیں دو درویشوں کو دیکھا کہ عود اور گلاب لیے کھڑے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ شیخ نے ہم کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے جب میں شیخ کی خدمت میں آیا اور شیخ نے مجھے دیکھا، کہا ؎

اَھْلاً لِسُعْدیٰ وَالرَّسُوْلِ وَحَبَّذَا خوش آمدید کہتا ہوں سُعدیٰ[1] کو اور اُس کے پیغام لانے والے کو
وَجهُ الرَّسُوْلِ لِحُبِّ وَجْهِ الْمُرْسِلِ اور بڑا پیارا ہے پیغام لانے والے کا چہرہ بھیجنے والے کے چہرہ کی محبت کی وجہ سے[2]

---

[1] سُعدیٰ عرب کی محبوبہ کا نام ہے۔

[2] محبوبہ کا چہرہ تو اس کی محبت کی وجہ سے حسین اور خوبصورت ہے لیکن پیغام لانے والے کا چہرہ اس کے قاصد ہونے کی وجہ سے خوبصورت۔

میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور کہا، اگرچہ تو اس پیر کے پیغام کو بے قدر جانتا ہے، مگر ہمارے نزدیک اس کی بات عزیز اور قیمتی ہے۔

تا از مرو بیروں آمدہ ای ما منزل بہ منزل می شماریم بیا تا چہ داری و آں پیر چہ گفتہ است ؟"

جب سے تو مرو سے نکلا ہے ہم ایک ایک منزل کو گنتے رہے ہیں۔ آ تیرے پاس کیا ہے اور اس پیر نے کیا کہا ہے؟

شیخ کی ہیبت سے وہ سوال میرے دل سے فراموش ہو گیا۔ میں نے کاغذ نکالا اور شیخ کے ہاتھ میں دے دیا۔ شیخ نے کہا، اگر میں اب جواب دُوں تو تجھ پر ابھی واپس ہونا لازم ہو جائے گا۔ اگر تیرا کوئی کام ہے تو اُسے کرلے اور جب تو جائے گا میں جواب دوں گا۔ جب تک میں نیشاپور میں رہا ہر رات شیخ کی خدمت میں جاتا رہا۔ واپسی کے وقت پیر کے سوال کا جواب میں نے طلب کیا۔ کہا اس پیر کو کہو لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ۔ جب اصل ہی باقی نہیں رہتا، تو اثر کہاں رہے گا[1]۔ میں نے سر نیچے کر لیا اور کہا، میری سمجھ میں نہیں آیا۔ فرمایا یہ بات اور یہ مضمون علمی بیان میں ادا نہیں ہو سکتا۔ یہ اشعار یاد کرلے اور جا کر اُسے سُنا دینا۔ رباعی

جسمم ہمہ اشک گشت وچشمم بگریست　　در عشقِ تو بے جسم ہمی باید زیست

از من اثرے نماند وایں عشق چیست　　چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

ترجمہ:- میرا جسم سب کا سب آنسو بن گیا اور میری آنکھ رونے لگی۔ تیرے عشق میں بغیر جسم کے بھی جینا چاہیئے۔ جب میرا نام ونشان نہ رہا پھر یہ عشق کس کا ہے؟ جب میں پورا پورا معشوق ہو گیا تو عاشق کون ہے؟

میں نے کہا شیخ حکم دیں کہ کسی پرچہ پر لکھ دیں۔ حسن مودّب کو فرمایا کہ یہ رُباعی لکھ دے۔ اُس نے لکھ دی۔ جب میں مَرو آیا تو اُسی وقت پیر محمد حبیبی آ گئے۔ میں نے سارا واقعہ انہیں سُنایا اور یہ شعر اُن کے سامنے پڑھے۔ جب ان شعروں کو سُنا تو اُنہوں نے نعرہ مارا اور زمین پر گر پڑے۔ دو آدمی اٹھا کر ان کو باہر لے گئے۔ ساتویں دن وہ قبر میں تھے۔

---

[1] لا تبقی ولا تذر یہ سورۃ مدثر کی آیت ہے۔ اس سے پہلے کی آیت یہ ہے: وَمَا اَدْرٰکَ مَا سَقَرُ ترجمہ: اور تو سمجھا کہ کیسی ہے وہ آگ۔ نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی۔ اور شیخ کا مطلب لا تبقی ولا تذر سے یہ ہے کہ پیر سے کہ جب حقیقت ظاہر ہوتی ہے تو کسی چیز کو باقی نہیں رہنے دیتی اور نہ کسی چیز کو چھوڑتی ہے، بلکہ سب کو فنا کر دیتی ہے۔ پس طبیعت جو مبدا آثار و انفعال ہے وہ فنا ہو جاتی ہے اور کسی چیز کے مبدا کا فنا ہو جانا اس چیز کے فنا ہونے کا مستلزم ہے۔ پس جب طبیعت ہی نہ رہی طبیعت کا اثر کہاں رہیگا۔ لیکن اس حال میں جو آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ طبیعت کے آثار کی صورت ہے ان کی حقیقت نہیں ہے۔

شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے ایک رُستہ پر ہوتا ہے ایک بستہ پر ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ علوم میں سے جو علم زبان کی تقریر سے تعلق رکھتا ہے اس گروہ کا تمسک اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰی اُمَّۃٍ پر ہے، وہ بستہ پر ہے یعنی وہ علم بندھا ہوا اور مقیّد ہے۔ یہ علم عارضی طور پر زبان کے ہلانے کے ساتھ زندگی تک مدد کرتا ہے اور دھوکہ کے جنگل بھی اس کو سراب دکھائی دیتا ہے۔ جب ملک الموت کی پیشانی ظاہر ہوگی زبان کی نوک سے اس کی عارضی عادت لے لیں گے۔ اور آدمی کی رسوائی ظاہر ہو جائے گی۔ اور جو علم دل سے تعلق رکھتا ہے وہ رُستہ پہ ہے یعنی وہ آزاد ہے اور دین و دنیا میں اس سے بڑے فوائد کی امید ہے۔[1]

ایک دفعہ کسی پڑھنے والے نے شیخ کے سامنے یہ بیت پڑھا؛

؎ اندر غزل خویش نہاں خواہم گشت　　تا بر لب تو بوسہ دہم چونش بخوانی

ترجمہ: اپنی غزل میں چھپ جاؤں گا تاکہ جب تو اس کو پڑھے تو میں تیرے لب پر بوسہ دوں۔

شیخ نے فرمایا، یہ بیت کس نے کہا ہے۔ لوگوں نے کہا، "عمارہ نے" کہا، "اُٹھو تاکہ اس کی زیارت کر آویں"۔ شیخ اس کی زیارت کے لیے جماعت کے ساتھ گئے اور یہ رباعی شیخ کی زبان پر جاری ہوئی۔

در راہ یگانگی نہ کفرست و نہ دین　　یک گام زخود بیروں نہ و راہ بہ بین
اے جانِ جہاں تو راہ اسلام گزین　　با مارِ سیاہ بہ نشین و با خود منشین

ترجمہ: یگانگی کی راہ میں نہ کفر ہے نہ دین۔ ایک قدم اپنے سے باہر رکھ اور راستہ دیکھ۔ اے جانِ جہاں تو اسلام یعنی تسلیم و رضا کی راہ اختیار کر۔ کالے سانپ کے ساتھ بیٹھ اور اپنے ساتھ نہ بیٹھ۔

---

[1] شیخ کے فرمانے کا مطلب اور خلاصہ یہ ہے کہ محض تصور فقط تصدیق ایک دوسرے کو دیکھا دیکھی اور باپ دادا کی تقلید کرنا ہے جو اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰی اُمَّۃٍ (یعنی پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین اور ایک طریقہ پر) کی نشانیاں ہیں۔ اس تصدیق سے نجات نہیں ہوگی، بلکہ نجات کا طریقہ یہ ہے کہ حق سبحانہٗ کی نسبت آگاہی کی تحصیل کو اس درجہ میں پہنچادیں کہ وہ نسبت طبیعت کی قوت پکڑے اور پیدائشی خصلت کی طرح استحکام اور پختگی اختیار کرے تاکہ موت کے سکرات اور اُس کی سختیاں بھی اس نسبت کو زائل نہ کر سکیں۔ اور اس کی ہمہ وقتی یاد کو نہ بھلا سکیں۔ حلِّ لغات: "نسبت" لگاؤ اور تعلق کو کہتے ہیں نیز کسی چیز کی طرف منسوب ہونیکو بھی کہتے ہیں۔ مَلَکہ۔ مَلَکہ آدمی کے نفس کی وہ کیفیت جو جلدی سے زائل نہ ہو۔ اگر یہ کیفیت جلدی زائل ہو جاتی اس کو حال کہتے ہیں۔ نسبت آگاہی بحق کا مطلب یہ ہے کہ اس نسبت کے حاصل ہو جانے کے بعد اس نسبت والا کسی حال میں بھی حق تعالیٰ شانہٗ سے بے خبر (باقی آگے)

حضرت شیخ نے فرمایا کہ ان ابیات کو ہمارے جنازے کے آگے پڑھنا۔ ابیات یہ ہیں

خوب تر اندر جہاں ازیں چہ بود کار　　دوست بر دوست رفت و یار با یار

آں ہمہ اندوہ بود و ایں ہمہ شادی　　و آں ہمہ گفتار بود و ایں ہمہ کردار

ترجمہ: جہاں میں بھلا اس سے بڑھ کر کونسا کام ہوگا کہ دوست دوست کے گھر جائے اور یار یار کے پاس۔ وہ یعنی دنیاوی زندگی سب غم ہی غم تھا اور یہ سب خوشی ہی خوشی اور وہ سب قول تھا اور یہ سب حقیقت۔

لوگوں نے شیخ سے اس حدیث کے معنی پوچھے:

تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ سَنَۃٍ　　ایک گھڑی بھر فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی نیستی میں گھڑی بھر فکر کرنا ایک سال کی اس عبادت سے بہتر ہے جو اپنی ہستی کے خیال میں ہو۔ اس کے بعد یہ رباعی پڑھی ؎

تا روئے ترا بدیدم اے شمع طراز　　نہ کار کنم نہ روزہ دارم نہ نماز

چوں با تو بوَم مجاز من جملہ نماز　　چوں بے تو بوم نماز من جملہ مجاز

ترجمہ: اے شمع کی طرح چمکنے والے جب تک میں تجھے دیکھ نہ لوں نہ کام کروں گا نہ روزہ رکھوں گا نہ نماز پڑھوں گا۔ جب میں تیرے ساتھ رہوں میرا مجاز نماز ہے۔ جب تیرے بغیر رہوں تو میری ساری نماز مجاز[1] ہے۔

ابو صالح جو شیخ کے مُقری (قاریٔ حدیث) تھے بیمار ہو گئے۔ حضرت شیخ نے ابوبکر ادیب کو جو آپ کے صاحبزادوں کے اُستاد تھے بطور خاص بلایا اور فرمایا۔ دَوات قلم اور کاغذ کا پرچہ لاؤ تاکہ ابو صالح کے لیے کچھ لکھوں۔ ادیب دوات قلم اور

(گزشتہ صفحہ سے آگے) اور غافل نہیں ہوتا۔ پس نسبت آگاہی کسی حال میں بھی حق تعالیٰ سے بے خبر نہ رہنے کو کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نسبت آگاہی حاصل ہو جانے کے بعد خواہ تجارت کرے یا بادشاہت کرے یا کوئی اور پیشہ کرے۔ بازار میں رہے یا مسجد میں اُسکی نسبت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ از بروں درمیانِ بازارم　　و از دروں خلوتیست با یارم　　اور اسی مسئلہ کو خلوت در انجمن کہتے ہیں۔ مَلکات ردیۂ ہشتگانہ: ۸ مہلک خصلتیں یہ ہیں۔ حسد، حرص، بغض، بخل، بے حیائی، غضب، غرور، تکبر۔

[1] اس شعر سے مراد یہ ہے کہ راہِ یگانگی میں یعنی جب دل غیر حق سبحانہٗ سے خالی ہونے کے مقام میں پہونچ جائے گا تو تمام اوصاف متقابلہ مثلاً کفر اور اسلام نظر شہود سے سلب ہو جائیں گے۔ پس کفر اور ایمان چونکہ دو متقابلہ صفتیں ہیں اس لیے وہ مسلوب ہو گئیں۔ (صفحہ ہذا) مجاز کے معنی بے حقیقت، صورت اور بے جان کے ہیں۔

کاغذ لے کر آتے۔ شیخ نے کہا لکھ، رباعی

حوراں بہ نظارۂ نگارم صف زد ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ رضوان ز تعجب کف خود بر کف زد

آں خال سیہ برآں رخان مطرف زد ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ ابدال ز بیم چنگ بر مصحف زد

ترجمہ: حوریں میرے معشوق کے نظارہ کے لیے قطار باندھے کھڑی ہیں[1] رضوان نے حیران ہو کر اپنا ہاتھ ہاتھ پر مارا۔ محبوبوں کے رخساروں پر وہ کالا تل لگایا کہ ابدال نے خوف سے قرآن ہاتھ میں پکڑ لیا۔

خواجہ ابوبکر معلم نے اسے لکھا، ابو صالح کے پاس لے گئے اور اُن پر باندھ دیا۔ اُسی وقت اُنہوں نے صحت پائی اور اُسی وقت باہر نکل آئے۔

ایک دن شیخ باہر نکلے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے جس کے پتّے زرد ہو گئے تھے۔ یہ بیت پڑھا ؎

تو از مہر زرد و من از مہر زرد ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ تو از مہر و ماہ و من از مہر ماہ

ترجمہ:۔ تو بھی محبّت کے مارے زرد ہے میں بھی محبّت کے مارے زرد ہوں۔ تو چاند کے عشق سے زرد ہو گیا میں بھی چاند کے عشق میں زرد ہوں[2]

لوگوں نے شیخ سے کہا، فلاں آدمی پانی پر چلتا ہے۔ فرمایا، آسان ہے بطخ اور ممولا[3] بھی پانی پر چلتے ہیں۔ لوگوں نے کہا، فلاں شخص ہوا میں اُڑتا ہے۔ فرمایا، چیل اور مکھی بھی ہوا میں اُڑتی ہے۔ کہا۔ فلاں آدمی ایک لحظہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں چلا جاتا ہے۔ فرمایا، شیطان ایک سانس میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جاتا ہے۔ اور ایسی چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ مرد وہ ہوتا ہے کہ مخلوق میں بیٹھتا ہو، لین دین کرتا ہو، عورت رکھتا ہو، مخلوق کے ساتھ مِلا جُلا رہتا ہو اور ایک لحظہ بھی اپنے خدا سے غافل نہ رہتا ہو۔ لوگوں نے شیخ سے پوچھا، تصوّف کیا ہے؟ فرمایا، جو کچھ تو باطن میں رکھتا ہے اس کو رکھے یعنی ظاہر نہ کرے اور جو کچھ ہاتھ میں رکھتا ہے دے ڈالے اور جو کچھ تیرے پاس آتے اس پر

---

[1] حوریں میرے معشوق کے نظارے میں قطار باندھے کھڑی ہیں۔ رضوان جنّت کا داروغہ حیران ہو کر اپنی ایک ہتھیلی دوسری ہتھیلی پر مار رہا ہے۔ ایسا کالا تل معشوق کے چہرہ پر لگایا کہ ابدال نے خوف کی وجہ سے قرآن ہاتھ میں رکھ لیا۔ (ابدال اولیاء اللہ کے ایک خاص گروہ کو کہتے ہیں۔

[2] تو آسمان کے چاند کی محبّت سے زرد ہے اور میں حقیقت کے چاند (اللہ تعالیٰ کی محبّت سے زرد ہوں۔)

[3] ممولا۔ عربی میں صعوہ کو کہتے ہیں۔ اس کے پاؤں ضعیف کمزور ہوتے ہیں اور پَر بڑے بڑے ہوتے ہیں۔

آپے سے باہر نہ ہو جاتے اور مچل نہ جاتے اور شیخ نے یہ بھی فرمایا:

اَللّٰہُ بَسْ! مَاسِوَاہُ ھَوَسْ ۔ اللہ بس ہے۔ اس کا غیر ہوس ہے۔

وَانْقَطَعَ النَّفَسُ ۔ اور سانس منقطع ہو گیا۔[1]

شیخ نے یہ بھی کہا، بندے اور خدا کے درمیان زمین و آسمان حجاب نہیں[2]۔ عرش و کرسی حجاب نہیں، بلکہ تیرا غرور اور "میں" حجاب ہے۔ جب تو اس کو درمیان سے دُور کر دے گا خداوند تعالیٰ تک پہنچ جائے گا۔[3]

شیخ فرماتے ہیں، ہم سفر میں تھے۔ ایک گاؤں میں پہنچے۔ ہم نے پوچھا، یہاں کوئی پیر بھی ہوا ہے۔ لوگوں نے کہا، ایک ہوا ہے، لوگ اس کو واد کہتے تھے۔ ہم نے کہا، کوئی ہے جس نے اُسے دیکھا ہو۔ لوگوں نے کہا، ایک پُرانا بوڑھا ہے جس نے اس کو دیکھا ہے۔ ہم نے پیغام بھیجا وہ بوڑھا آ گیا۔ وہ ایک بارُعب دبدبہ والا آدمی تھا۔ ہم نے پوچھا، تو نے واد کو دیکھا ہے؟ اُس نے کہا، میں بچہ تھا جب میں نے اُسے دیکھا تھا۔ ہم نے کہا، تُو نے اس سے کیا سُنا؟ اُس نے کہا، مجھے اس کی لیاقت نہیں تھی کہ اس کی باتوں کو سمجھتا۔ ہاں اس کی ایک بات یاد رکھتا ہوں۔ ایک دن راستہ سے ایک گدڑی پوش آیا[4]۔ اُن کو سلام کیا اور کہا، جُوتے اتارتا ہوں اے شیخ! تاکہ آپ سے چین و اطمینان سکونِ قلبی حاصل کروں، کیونکہ میں سارے جہان کے گرد پھر چکا ہوں[5] میں نے کہیں بھی سکون نہ پایا۔ اور نہ کسی سکون والے کو دیکھا پیر نے کہا، تُو نے اپنے سے کیوں نہیں ہاتھ اُٹھاتے کہ خود بھی سکونِ قلب پا لیتا، یعنی تُو خود بھی اطمینان اور چین سے رہتا اور دوسرے لوگ بھی تجھ سے سکون اور اطمینان حاصل کر لیتے۔ ہم نے کہا، بس یہ بات جو اس پیر نے کہی ہے پوری ہے۔ "کہ برتر ازیں سُخن نباشد۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی بات نہ ہو گی۔ شیخ ابوسعید نے یہ بھی فرمایا، اس بات کی اصل کہ آدمی کو اس کے ساتھ نہ چھوڑیں۔ یہ دُعا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ ۔ یا اللہ! مجھے آنکھ جھپکنے کے بقدر میرے نفس پر نہ چھوڑ اور

وَلَا اَقَلَّ مِنْ ذٰلِکَ ۔ نہ اس سے کم میں۔

---

[1] دوسری بات نہیں کہی [2] "حجاب" پردہ اور اس رکاوٹ کو کہتے ہیں جو آدمی کو اُسکے خالق تک نہیں پہونچنے دیتی۔

[3] حضرت عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎ میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست تو خود میان خودی حافظ از میاں برخیز
عاشق و معشوق کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے تو خود ہی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اپنے درمیان سے خودی اور نفس کو دُور کر دے۔

[4] ایک مسافر فقیر آیا [5] یعنی سکونِ قلبی کی تلاش میں سارے جہان میں گھوم چکا ہوں، مگر کہیں نہیں پایا۔

اور شیخ نے یہ بھی فرمایا، ہم مرو میں تھے۔ ہم نے ایک بوڑھے صرّاف[1] کو دیکھا، وہ کہتا تھا۔ اے شیخ سارے جہان میں وہ کسی کو رخصت نہیں دیتا کہ وہ مجھے پانی کا گھونٹ دے یا مجھے سلام کرے اور سارے لوگ ایک ایسی گھڑی چاہتے ہیں جس میں وہ اپنے سے رہائی پائیں اور آزادی حاصل کریں۔ اور میں ایک ایسی گھڑی چاہتا ہوں جس میں میں یہ جان لوں کہ میں کہاں کھڑا ہوں۔ آخر عمر میں اس صرّاف میں عشق کی آگ بھڑک گئی اور وہ جل گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

اور شیخ نے یہ بھی فرمایا:۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور البتّہ اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

نہ وہ ذکر جب کہ تو اس کو یاد کرتا ہے، بلکہ وہ ذکر ہے جب کہ وہ تجھے یاد کرتا ہے، کیونکہ:

ذکر خداوند بزرگ تر بود و ذکر تو پیدا بود کہ تا کجا بود۔ خداوند تعالیٰ جلّ شانہٗ کا ذکر سب سے بڑا ہے اور تیرا ذکر ظاہر ہے کہ کہاں تک ہوگا

تجھے اس بات کی جستجو میں رہنا چاہیئے اور پوری قوت سے اس بات کو پلّے باندھ لینا چاہیئے جو بات اس مرد نے اس بوڑھی عورت سے کہی:۔

کہ خدارا کجا جویم؟ گفت دوست مادر کجا جُستی کہ نیافتی ہر کجاش جوئی یابی، مَنْ طَلَبَ وَجَدَ وَجَدَّ ہر کہ جُست یافت و ہر کہ جوید یابد۔ کہ خدا تعالیٰ کو کہاں تلاش کروں؟ اس نے کہا ہمارے دوست کو تو نے کس جگہ تلاش کیا کہ تو نے نہیں پایا۔ جس جگہ بھی تو اس کو تلاش کریگا پالیگا جس نے اسکو تلاش کیا اور محنت کی اس نے اسے پالیا اور جو کوئی تلاش کرے گا پالیگا۔[2]

شیخ یہ بھی فرماتے ہیں۔ ایک جوان ایک بوڑھے کے پاس گیا۔ اس نے کہا، اے پیر! میرے سے کوئی بات کر۔ بوڑھے نے تھوڑی دیر سر نیچے کیا اور سوچتا رہا۔ پھر سر اٹھایا اور کہا، "اے جوان! جواب کا انتظار کرتا ہے"۔ اس نے کہا، "جی ہاں"۔ پیر نے کہا، "جو کچھ حق جلّ جلالہٗ کے سوا ہے اس کی بات کرنے کو دل نہیں چاہتا اور جو حق عزّ وجلّ علیٰ کی بات ہے وہ لفظوں

---

[1] "صرّاف" عربی کا لفظ ہے۔ پرکھنے والا اور وہ آدمی جو نقدی کی تجارت کرتا ہو۔ سونا چاندی کی خرید و فروخت کرتا ہو۔ نیز علم صرف جاننے والے کو بھی صرّاف کہتے ہیں اور شیخ کی مراد کون ہے یہ اللہ جانتا ہے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ جس نے تلاش کیا۔ مسلسل ان تھک کوشش کی اُس نے پالیا اور جو آئندہ کرے گا وہ بھی پائے گا۔

میں نہیں آتی۔

إِنَّ اللهَ تَعَالَىٰ أَجَلُّ مِنْ أَنْ يُوصَفَ بِوَصْفٍ أَوْ يُذْكَرَ بِذِكْرٍ۔

یقیناً اللہ تعالیٰ اُس سے بلند تر ہے کہ کسی صفت کے ساتھ اس کی تعریف کی جائے یا کسی ذکر کے ساتھ اس کا ذکر اور بیان کیا جاوے۔

ایک صوفی نے کہا ہے کہ میں عرصہ تک شیخ ابو سعید کی خدمت میں رہتا رہا۔ مَیں نے بغداد جانا چاہا۔ مجھ سے کہا، جب تو بغداد جائے گا اور لوگ تجھ سے پوچھیں گے، تُو نے کیا دیکھا اور کیا فائدہ حاصل کیا؟ تو تُو کیا کہے گا۔ یہی کہ ایک درویش کا منہ دیکھا؟ اس نے کہا شیخ جو فرمائیں گے کہوں گا۔ فرمایا جو عربی جانتا ہے اس پر یہ بیت پڑھنا۔

قَالُوا خُرَاسَانُ أَخْرَجَتْ شَيْئاً لَيْسَ لَهُ فِي جَمَالِهِ ثَانِيْ

فَقُلْتُ لَا تُنْكِرُوا مَحَاسِنَهُ فَمَطْلَعُ الشَّمْسِ مِنْ خُرَاسَانِي

ترجمہ: لوگوں نے کہا، کیا خراسان نے کوئی ایسی چیز پیدا کی ہے کہ صورت و سیرت کی خوبی میں اس کا ثانی نہ ہو۔ پس میں نے کہا، اس کی خوبیوں کا انکار نہ کرو، کیونکہ اس وقت خراسان ہی آفتاب نکلنے کی جگہ ہے[1]۔

اور اگر کوئی عربی نہ سمجھتا ہو اس پر یہ رباعی پڑھنا:

آنی کہ بخُلد یادگار از تو برند سبزیٔ بہشت و نوبہار از تو برند

درچین وخطا نقش و نگار از تو برند ایراں ہمہ فال روزگار از تو برند

ترجمہ: تو وہ ہستی ہے کہ "خلد" یعنی بہشت میں تجھ سے یادگار لے جاتے ہیں۔ بہشت کی سرسبزی اور تازہ بہار تجھ سے ہی لے جاتے ہیں اور چین اور خطا میں نقش و نگار، خوبصورتی اور آرائش تیرے پاس سے لے جاتے ہیں۔ ایران کیا، بلکہ سارے جہان کے لوگ نیک فال تجھ سے لے جاتے ہیں[2]۔

---

[1] ان اشعار میں اہل طلب کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اپنے حال کی خبر دے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خراسان ایسی چیز لایا ہے کہ جمال ظاہری اور باطنی حسن میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ جیسا کہ اُنہوں نے خود کہا، جو بات مَیں نے کی ہے اور جو حالات مَیں نے بیان کیے ہیں۔ تم دل میں اُس کا یقین و اعتقاد رکھنا اور اس کا انکار نہ کرنا۔ اس لیے کہ اس وقت میں آفتاب حقیقت کا طلوع خراسان سے ہو رہا ہے اور آفتابِ حقیقت سے مراد حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔

[2] نیک فال کے معنی نیک شگون اچھا شگون۔ دوسرے نُسخہ میں ہے: خوباں ہمہ فال روزگار از تو برند۔ یعنی اس زمانہ میں سب اہل کمال معرفت و حقیقت کی باتیں تجھ سے لے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ نے اُستاد ابو علی دقاق سے پوچھا کہ یہ بات ہمیشہ ہوتی ہے۔ اُستاد نے کہا، "نہیں"۔ شیخ نے سر نیچے کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور کہا، "اے اُستاد یہ بات ہمیشہ ہوتی ہے۔" اُستاد نے کہا، اگر ہوتی ہے تو کبھی یعنی کبھی کبھی اور کم ہوتی ہے۔ شیخ نے تالی بجائی اور کہا، "اے استاد! یہ انہی نوادرات میں سے ہے۔" حضرت شیخ نے جمعہ کی شب عشاء کی نماز کے وقت ۴، شعبان سنہ ۴۴۰ھ میں وفات پائی۔ اُن کی عمر ایک ہزار مہینہ کی ہوئی۔

۲۹۶۔ حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی قدس سرہٗ

ان کا نام علی ہے۔ اپنے وقت میں بے نظیر اور اپنے زمانہ میں لاجواب تھے۔ ان کی نسبت تین واسطوں یعنی شیخ ابو عثمان مغربیؒ شیخ ابو علی کاتبؒ اور شیخ ابو علی رود باری کے ذریعہ سید الطائفہ حضرت جنیدؒ تک پہنچتی ہے۔ آپ قوی حالت رکھتے تھے، چنانچہ سب مشائخ کی توجہ ان کی درگاہ کی طرف رہی ہے۔ مریدوں میں جن حالات و کیفیات کا ظہور ہوتا، حضرت شیخ ان کو کشف سے معلوم کرنے میں ایک کھلا نشان تھے۔ صاحب کشف المحجوب کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھ پر ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ جس کے حل کا طریقہ مجھ پر دشوار ہو گیا۔ میں نے شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کا قصد کیا۔ میں نے ان کو ایک مسجد میں پایا جو ان کے گھر کے دروازے کے آگے تھی۔ وہ تنہا بیٹھے ہوئے میرے قصے کو بعینہٖ ستون سے کہہ رہے تھے۔ میں نے بغیر پوچھے اپنا جواب پالیا۔ میں نے کہا، اے شیخ یہ واقعہ تو میرا ہے۔ کہنے لگے بیٹے! خدا تعالیٰ نے اس ستون کو اسی وقت میرے ساتھ بولنے والا بنا دیا۔ یہاں تک کہ خود اُس نے مجھ سے یہ سوال کیا۔ ایک دن شہر طوس میں شیخ ابوسعید اور شیخ ابوالقاسم قدس اللہ روحہما ایک چارپائی پر اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے اور درویشوں کی ایک جماعت ان کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ ایک درویش کے دل میں خیال گزرا کہ ان دونوں بزرگوں کا مرتبہ کیا ہے؟ شیخ ابوسعید نے اس درویش کی طرف مُنہ کیا اور کہا، جو شخص چاہے کہ دو بادشاہوں کو ایک وقت میں ایک جگہ اور ایک تخت پر جمع دیکھے اسے کہو کہ دیکھ لے۔ درویش نے جب یہ سنا تو اس نے ان دونوں بزرگوں کو غور سے دیکھا۔ حق تعالیٰ نے اس کی آنکھوں سے پردہ اُٹھا دیا یہاں تک کہ شیخ کی سچائی اس کے دل پر کھل گئی اور ان کی بزرگواری اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ پھر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آج روئے زمین پر کوئی اور بھی ایسا خدا کا بندہ ہے جو ان دونوں بزرگوں سے بڑھ کر ہو۔ شیخ ابوسعید پھر اس درویش کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا، "مختصر ایک ملک ہے جس میں ہر روز ابوسعید اور ابوالقاسم جیسے ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) آتے

لہ ک عربی کے پیش کے ساتھ، را کی تشدید اور کاف عجمیہ یعنی گ اور نون کے ساتھ۔ صحیح لفظ کُرَّگانی ہے جو عام لوگ گرگانی کہتے ہیں وہ صحیح تلفظ نہیں۔

ہیں اور ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) جانتے ہیں۔

۲۹۷۔ حضرت خواجہ مُظفر بن احمد بن حمدان قدس سرہٗ ان کی کنیت ابو احمد ہے۔ خدا تعالیٰ نے گاؤ تکیہ اور مسند میں اس کام کے اندر اُن پر سرداری کو کشادہ کیا اور اُن کے سر پر عزت کا تاج رکھ دیا۔ فنا و بقا پر کھلی اور صاف باتیں کہنے کا سلیقہ رکھتے تھے اور ان کا طرزِ کلام عالی اور بلند تھا۔ شیخ ابو سعید فرماتے ہیں کہ ہمیں بندگی کے راستہ سے اس درگاہ میں لائے اور خواجہ مظفر کو صاحبی اور آقائی کے راستہ سے۔ یعنی ہم نے مجاہدات کر کے پایا اور وہ مشاہدہ سے مجاہدہ میں آیا۔ صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ میں نے خواجہ مظفر سے سُنا وہ کہتے تھے، جو کچھ لوگوں کو گھنے جنگلوں، سنسان وادیوں اور میدانوں کے قطع کرنے میں مارے مارے پھرنے سے ملا، یعنی ظاہر ہوا، میں نے وہ گاؤ تکیہ، امارت وصدارت میں پا لیا۔ متکبر اور احمق لوگ ان کے اس قول کو دعویٰ کہتے ہیں اور ان لوگوں کا یہ گمان اصل میں ان کے ناقص ہونے کی وجہ سے ہوا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو بات صدقِ حال سے کہی جائے وہ دعویٰ نہیں ہوا کرتی۔ خصوصًا وہ بات جو اس کے اہل سے ہو۔ ایک دن خواجہ مظفرؒ نے نوقانؔ[1] میں کہہ دیا۔ ہمارا کام شیخ ابو سعید کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ چنے کی بوری میں ایک دانہ۔ شیخ ابو سعید ایک دانہ ہیں اور باقی میں ہوں۔ شیخ ابو سعید کا کوئی مرید وہاں موجود تھا۔ یہ سُن کر جوش اور گرمی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ جوتا پہنا اور شیخ ابو سعید کی خدمت میں آیا۔ جو کچھ خواجہ مظفر سے سُنا تھا وہ شیخ سے کہہ دیا۔ شیخ نے کہا، تو جا اور خواجہ مظفر سے کہہ دے کہ، "وہ ایک دانہ بھی آپ ہی ہیں ہم کچھ نہیں ہیں۔

۲۹۸۔ حضرت شیخ ابو علی عبد الرحمٰن السُلمی قدس سرہٗ النیشاپوری المتوفی ۴۱۲ھ اُن کا نام محمد ابن حسین ابن محمد ابن موسیٰ السلمی ہے۔ طبقات[2] مشائخ الصوفیہ اور تفسیر حقائق کے علاوہ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ شیخ ابو القاسم نصر آبادی کے مرید اور خرقہ بھی ان سے لیا اور نصر آبادی شبلی کے مُرید تھے اور شیخ ابو سعید ابو الخیر پیر ابو الفضل کی وفات کے بعد ان کی صحبت میں پہنچے اور اُن کے ہاتھ سے خرقہ پہنا۔ شیخ ابو سعید ابو الخیر فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابو عبد الرحمٰن

---

[1] نوقان، خراسان شہر کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ ن کے فتح واؤ کے سکون کے ساتھ۔

[2] طبقات مشائخ صُوفیہ عربی زبان میں ہے جو اس وقت بھی ملتی ہے۔ مسکین نے "حالات و مقالات صُوفیہ" میں طبقات الصوفیہ سے سرخیل صوفیہ و امام المحدثین حضرت فضیل بن عیاض کے مفصل حالات نقل کیے ہیں اور حضرت ابو عبد الرحمٰن السُلمی کے حالات بھی دیباچہ میں لکھ دیئے ہیں۔ شائقین اس کتاب میں ملاحظہ فرمالیں۔

سُلمیؒ کے پاس گیا۔ پہلی مرتبہ جب مَیں نے اُن کو دیکھا تو اُنہوں نے مجھ سے کہا، "تیرے لیے اپنے قلم سے کوئی یادداشت لکھ دُوں؟" میں نے کہا، لکھ دیجئے۔ پس اُنہوں نے اپنے قلم سے لکھا:۔

سَمِعْتُ جَدِّیْ اَبَاعمرو بن نُجَیدِ السَّلمی یَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ الجنید بن مُحَمَّدٍ البغدادیَّ یَقُوْلُ التصوّفُ ھوالْخُلُقُ مَنْ زَادَعَلَیْكَ بالخلق زادعلیك باالتصوف واحسن ما قیل فی تفسیر الخلق ما قال الشیخُ الامامُ اَبُوسھل الصعلوکیُّ الخُلُقُ ھُوَالْاِعْرَاضُ عَنِ الْاِعْتِرَاضِ

میں نے اپنے دادا عمر ابن نُجَیدُ السُّلمی سے سُنا، وہ فرماتے تھے مَیں نے ابوالقاسم جنید ابن محمد البغدادی سے سُنا وہ فرماتے تھے تصوّف وہ خلق ہے جو تجھ سے اخلاق میں بڑھ گیا وہ تجھ سے تصوّف میں بڑھ گیا[1] اور سب سے اچھی بات جو خلق کی تفسیر میں کہی گئی ہے، وہ ہے جو شیخ امام ابوسہل صعلوکی نے کہی۔ خُلق اعتراض سے اعراض کرنا ہے۔

صاحب کتاب فتوحاتِ مکیّہ قدس اللہ سرہٗ باب ۱۵۶ میں اس مقام پر جو صدیقیّت اور نبوّت کے درمیان ہے۔ کہتے ہیں کہ محرم ۵۹۷ھ میں مَیں اس مقام پر آیا[2]۔ مَیں اس وقت بلادِ مغرب سے سفر میں تھا۔ مجھ پر حیرت غالب ہوئی اور اکیلے ہونے کی وجہ سے مجھ پر بڑی وحشت ظاہر ہوئی اور میں نہیں جانتا تھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے۔ حالانکہ وہ مقام مجھے حاصل تھا۔ پس اُس حیرت و وحشت کے باوجود اس مکان سے جس میں میں ٹھہرا ہوا تھا چھوڑ کر نکل گیا اور عصر کی نماز کے بعد میں اس شخص کے گھر آگیا جس سے میرے گہرے تعلقات اور بے تکلفی تھی۔ اس حیرت و وحشت کے متعلق میں اس سے باتیں کر رہا تھا، اچانک مَیں نے دیکھا کہ ایک شخص کا سایہ ظاہر ہوا۔ مَیں جلدی اپنی جگہ سے اُٹھا۔ مَیں نے کہا، شاید کوئی ایسا آدمی ہو جس کے پاس میرے مسئلہ کا حل ہو اور مجھے خوشی حاصل ہو۔ اُس نے مجھ سے معانقہ کیا۔ جب مَیں نے غور کیا، تو دیکھا کہ شیخ ابوعبدالرّحمان السّلمی ہیں جن کی رُوح جسمانی شکل میں آگئی ہے اور حق سُبحانہٗ نے اپنی رحمت سے اس کو میرے پاس بھیجدیا ہے۔ مَیں نے اُن سے کہا، کیا وجہ ہے کہ مَیں آپ کو اس مقام میں دیکھتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا، اس مقام پر اُنہوںؒ نے میری رُوح کو قبض کیا تھا اور اسی مقام میں مَیں دنیا سے عقبیٰ میں گیا ہوں اور ہمیشہ سے

---

[1] خلاصہ یہ کہ تصوّف خُلق کا نام ہے یعنی اچھی خصلت کو تصوّف کہتے ہیں اور خلق کی تفسیروں میں اچھی تفسیر وہ ہے جو ابوسہل صعلوکی نے کہی ہے کہ خُلق اعتراض سے چشم پوشی اور اعراض کرلینے کو کہتے ہیں بیت:۔

علامت عرفان زِ اعتراض اعراض نہ عارف است نہ محقق کس ایں علامت نیست

ترجمہ:۔ معرفت کی نشانی اعتراض سے مُنہ پھیر لینا ہے۔ جس میں وہ نشانی نہیں وہ عارف ہے نہ محقق۔

[2] یا یہ معنی ہوں جس نے تجھے اخلاق کی بلندیوں پر پہنچادیا اس نے تجھے تصوّف کے بلند مقام پر پہنچادیا [3] یعنی اس مقام پر پہنچا جو صدیقیت و نبوت کے درمیان میں ہے

مقام میں ہوں - پھر مَیں نے اس مقام میں اپنے مانوس نہ ہونے کا اور اپنی وحشت کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا :-

نادر اور انوکھی چیز سے وحشت اور حیرانی ہوا کرتی ہے۔

اس کے بعد کہا، چونکہ عنایت الٰہیہ نے تیرے حق میں سبقت فرمائی ہے کہ تجھے اس مقام میں پہنچا دیا ہے، لہٰذا تُو اللہ کی تعریف کر اور اس کا شکر ادا کر اور تو اس سے خوش ہو کہ تو اس مقام میں خضر علیہ السلام کا شریک ہونے والا ہوگا۔

مَیں نے ان سے کہا، اے ابوعبدالرحمان میں اس مقام کا کوئی نام نہیں جانتا کہ اس کا نام لے سکوں - کہا،

هذه یسمی مقام القربة فتحقق به

اس مقام کو مقامِ قُربت کہتے ہیں - پس اس مقام کے احکام کے ساتھ پختہ ہو جا اور اس پر ثابت قدم رہ۔

شیخ ابوعبدالرحمن سلمیؒ کا قول ہے :

الذی لابد للصوفی منه شیئان الصدق فی الاحوال والادب فی المعاملات

وہ چیز جو صُوفی کے لیے لازم اور ضروری ہے - وہ دو چیزیں ہیں۔ تمام حالات میں سچ بولنا اور سب معاملات میں ادب کا لحاظ رکھنا۔

تاریخ یافعی میں ہے کہ سُلمی کی وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی۔

۲۹۹ - حضرت حسین ابن محمد ابن موسیٰ السُّلَمی قدس اللہ سرہ العزیز

المتوفی ۳۴۰ھ - شیخ ابوعبدالرحمان کے والد ماجد ہیں اور بڑے مشائخ میں سے ہیں - عبداللہ منازل اور ابوعلی ثقفی کی صحبت میں رہے ہیں اور شبلیؒ کو دیکھا تھا۔ دائمی مجاہدہ رکھتے تھے۔ علومِ معاملہ میں کامل تھے۔ جب شیخ ابوعبدالرحمان پیدا ہوتے تو تمام جائداد بیچ ڈالی - لوگوں نے اُن سے کہا، تیرے ہاں لڑکا پیدا ہوا - اُس کے واسطے تُو نے کچھ نہ چھوڑا کہا، اگر وہ نیک اور صالح ہوگا وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ[1] - اور اگر بے دین ہوگا تو میں بے دینی کے آلات و وسائل کا دینے والا نہ بنوں گا۔ اُن کی وفات کچھ اُوپر ۳۴۰ھ میں ہوئی ہے۔

۳۰۰ - حضرۃ ابوسہل الصَّعلوکی قُدِّسَ اللہُ سِرَّہٗ

المتوفی ۳۶۹ھ ذی قعدہ - ان کا نام محمد ابن سلیمان الصّعلوکی الفقیر ہے۔ آپ علومِ شریعت میں اپنے وقت کے امام اور یکتائے زمانہ تھے - اپنے پرائے دوست اور دُشمن اُن کی پیشوائی پر متفق تھے - آپ شبلی، مرتعش اور ابوعلی ثقفی کی صحبتوں میں رہے - ابوالحسن قوشنجی اور ابونصر صفار نیشاپوری کی رفاقت میں رہے - اچھے سماع والے اور اچھے وقت والے تھے[2]۔

---

[1] یعنی حق سُبحانہٗ و تعالیٰ صالحین کی ضروریات از خود پوری کرے گا۔

[2] یعنی سماع میں اُن کے لیے اچھا وقت ظاہر ہوتا

شیخ ابو عبد الرحمان کہتے ہیں کہ ابو سہل صعلوکی سے لوگوں نے سماع کے بارے میں پوچھا۔ اُنہوں نے کہا۔ سماع اہل حقیقت کے لیے مستحب[1] ہے۔ اور علماء کے لیے مباح اور خلافِ شرع اور بے دینوں کے لیے بُرا ہے۔ حضرۃ ابو سہل صعلوکی فرماتے ہیں میں نے کبھی جیب میں ہاتھ نہیں ڈالا اور کسی چیز پر گرہ نہیں لگائی۔ میرے پاس نہ قفل ہے نہ کُنجی۔ اور یہ بھی حضرۃ ابو سہل نے فرمایا:

قَدْ تَعَدّٰی مَنْ تَمَنّٰی — حد سے بڑھ گیا اور ظالم ہو گیا ہے وہ آدمی جس نے آرزو کی کہ وہ اس کی طرح
اَنْ یَکُوْنَ کَمَنْ تَغَنّٰی — ہو جاوے جو بے نیاز ہو گیا۔

شیخ ابو عبد اللہ ختنی نے کہا، خواجہ ابو سہل بات کو خوبصورت، مقفّٰی اور باوزن بنانے میں مشغول ہو گئے۔ اُنہوں نے ایسا کیوں نہیں کہا جو اس سے بہتر ہے۔

قَدْ تَخَنّٰی مَنْ تَمَنّٰی اَنْ یَّکُوْنَ تَغَنّٰی — ٹیڑھا ہو گیا وہ شخص جس نے تمنّا کی کہ وہ ہو جائے بے نیاز کی طرح۔

شیخ الاسلامؒ نے کہا، یہ بہتر ہے۔ اور کسی شخص نے ویسا نہیں کہا جو مَیں نے کہا ہے کہ اس کو طلب سے نہیں پاتے لیکن طالب رہنا چاہیئے۔

شیخ الاسلامؒ نے کہا، کہ سہل صعلوکی نے کہا:

مَنْ تَصَدّٰی قَبْلَ اٰوَانِہٖ — جو شخص اپنے وقت سے پہلے صدارت اور بزرگی کے مقام میں آیا۔
فَقَدْ تَصَدّٰی لِھَوَانِہٖ — وہ اپنی ذلّت کا درپے ہوا۔

ایک روز سہل صعلوکی نے درس میں کہا، "رَحِمَہٗ" (یعنی اس کی بیوی نے کہا ہے) کہ سارے قرآن میں مجھے یہ آیت سب سے پیاری معلوم ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ موسیٰؑ سے کہتا ہے کہ:

---

[1] اہلِ حقیقت کے لیے سماع مُستحب ہے۔ اس بنا پر کہ یہ حضرات سماع کے ذریعہ یا کسی اچھی حالت کو جذب کرتے یعنی اپنے اُوپر کھینچ لاتے ہیں یا خراب حالت کو دُور کر دیتے ہیں اور علماء کے لیے مباح ہے۔ اس لیے کہ علماء اگرچہ اچھی حالت کا انجذاب نہیں کرتے ہیں، لیکن وہ اس کے ذریعہ بُری حالت کا بھی اکتساب نہیں کرتے اور فساق و فجار کے لیے مکروہ، بُرا اور ناپسندیدہ ہے۔ اس لیے کہ وہ سماع کے ذریعہ ردّی اور خراب حالت کا اکتساب کرتے ہیں اور ان کے خیالاتِ فاسدہ قوی ہو جاتے ہیں۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي — اور مَیں نے تجھے اپنے لیے بنا لیا۔

شیخ الاسلامؒ نے کہا، مجھے اس بات پر رشک آتا ہے جو وہ کہہ گئی۔ اُن کے بیٹے امام ابو طیّب سہل بن محمد بن سلیمان صعلوکی نے رجب ۴۰۴ھ میں وفات پائی۔

۳۰۴۔ حضرت شیخ ابو القاسم قُشیری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ربیع الآخر ۴۶۵ھ۔ ان کا نام عبدالکریم ابن ہوازن قشیری ہے۔ صاحب رسالہ اور تفسیر لطائف الاشارات کے مصنّف ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ہر فن میں اُن کے بہت سے لطائف ہیں۔ اور لطیف تصانیف رکھتے ہیں۔ ابو علی دقاق کے مُرید اور ابو علی فارمدی کے اُستاد ہیں۔ صاحب کشف المحجُوب فرماتے ہیں کہ امام قُشیری سے مَیں نے اُن کا ابتدائی حال پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا، ایک دفعہ مجھے گھر کی کھڑکی کے لیے ایک پتھر چاہیئے تھا۔ میں جس پتھر کو ہاتھ لگاتا تھا وہ جوہر بن جاتا تھا اور مَیں اُسے پھینک دیتا تھا۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ اس فقیر کے نزدیک دونوں برابر تھے۔ نہیں، بلکہ اُس وقت اس کے نزدیک جوہر زیادہ ذلیل تھا، کیونکہ اس کو اس کی خواہش نہ تھی پتھر کی خواہش تھی۔ صاحب کشف المحجُوب کہتے ہیں کہ مَیں نے اُن سے سُنا۔ اُنہوں نے کہا، صُوفی کی مثال اور صوفی کی مثال برسام کے مریض کی طرح ہے کہ اُس کا شروع ہذیان بے تکی باتیں کرنا اور اُس کا آخر سکُون ہے اور جب تو قرار پکڑلے گا اور تمکین حاصل کرلے گا تو گونگا ہو جائے گا، یعنی خاموش اور گم سم ہو جائے گا۔ اور قشیریؒ نے یہ بھی کہا ہے:[۱]

اَلتَّوحِيدُ سُقُوطُ الرَّسْمِ عِنْدَ ظُهُورِ الْاِسْمِ	توحید یہ ہے کہ اسم کے ظہور کے وقت رسم کا دور ہو جانا اور انوار
وَفَنَاءُ الْاَغْيَارِ عِنْدَ طُلُوعِ الْاَنْوَارِ وَتَلَاشِي	کے طلوع کے وقت غیروں کا فنا ہو جانا اور حقائق کے ظہور کے
الْخَلَائِقِ عِنْدَ ظُهُورِ الْحَقَائِقِ وَفَقْدُ رُوْيَةِ	وقت مخلوق کا معدوم اور لاشے ہو جانا اور حضرت جبّار جلّ ذکرہٗ
الْاَغْيَارِ عِنْدَ وَجْدِ قُرْبَةِ الْجَبَّارِ جَلَّ ذِكْرُهٗ	کے قرب کے وقت غیروں کا دیکھنا گم کر دینا ہے۔

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ اسم الٰہی کے ظہور کے وقت رسم یعنی طبیعت کے آثار زائل ہو جاتے ہیں۔ جیسے آگ کا اثر حرارت ہے، پانی کا اثر بھگونا ہے، تو آگ کے اثر کا زائل ہو جانا یہ ہے کہ اس میں گرمی نہ رہے۔ ایسے ہی طبیعت کے آثار ہوتے ہیں جن کو شیخ نے اسم سے تعبیر فرمایا اور جب انوار کا طلوع ہوتا ہے یعنی صفات کا ظہور ہوتا ہے تو غیروں کی فنا ہو جاتی ہے، یعنی مخلوق کی بے تاثیری ذہن میں بیٹھ جاتی ہے اور اس کے غیر مؤثر ہونے کا یقین دل میں اُتر جاتا ہے۔ پھر حقائق کا ظہور ہونے لگتا ہے، یعنی اللہ کی ذات اور اس کی حقیقتوں کا ظہور ہونے لگتا ہے تو ساری مخلوق لاشئے اور بے حقیقت معلوم ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے گویا کہ ساری مخلوق

(بقیہ آگے)

اور اپنے اشعار میں سے یہ شعر سناتے :

سَقَى اللهُ وَقْتاً كُنْتُ اَخْلُوْ بِوَجْهِكُمْ
وَثَغْرُ الْهَوٰى فِي رَوْضَةِ الْاُنْسِ ضَاحِكُ
اَقَمْنَا زَمَاناً وَالْعُيُوْنُ قَرِيْرَةٌ
وَاَصْبَحْتُ يَوْماً وَالْجُفُوْنُ سَوَافِكُ

ترجمہ : اللہ تعالیٰ اس وقت کو آباد اور خیرو والا بنائے جس وقت کہ میں سب سے یکسو ہو کر آپ کے مشاہدہ میں ہوتا تھا اور عشق کے دانت محبّت کے چمن میں کھکھلا کر ہنسا کرتے تھے ۔ ہم پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے جس میں آنکھیں ٹھنڈی اور چمکا کرتی تھیں اور ایک روز میں ایسا ہو گیا کہ آنکھوں کی پلکیں خون گرا رہی تھیں[1] ۔

۳۰۲ - حضرت شیخ ابو العباس شقّانی قدس اللہ سرّہ العزیز

ان کا نام احمد بن محمد ہے ۔ اصول ہوں یا فروع سبھی علوم میں وہ امام کا درجہ رکھتے تھے ۔ بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا ۔ خود اہل تصوّف کے اکابر میں سے تھے ۔ صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں ، مجھے ان سے بڑی محبّت تھی اور ان کو مجھ پر سچی شفقت تھی ۔ بعض علوم میں وہ میرے اُستاد بھی تھے ۔ میں نے کسی طبقہ کے لوگوں میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کے نزدیک ان سے زیادہ شرع کی تعظیم ہو ۔ ہمیشہ دنیا و آخرت سے دُور رہتے تھے اور کہتے تھے : أَشْتَهِي عَدَماً لَا وُجُوْدَ لَهُ ۔ میں ایسے عدم کو چاہتا ہوں جس کے لیے وجود نہ ہو[2] ۔ فارسی میں کہتے ۔ ہر آدمی کو ایک مقام کی ضرورت ہوتی ہے ۔ جو یقیناً نہ ہو گا وہ یہ ہے ۔ میں چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے ایسے عدم میں لے جائے جس کا کبھی

(بقیہ حاشیہ صد گزشتہ) کا وجود ہی نہیں ۔ اصل وجود اللہ کا وجود ہے اور جب قُربِ حق کو پا لیتا ہے تو مخلوق کو دیکھنا ختم ہو جاتا ہے گویا کہ مخلوق اس کی نظر سے غائب ہو جاتی ہے ۔ (واللہ اعلم)

[1] اقمنا زمانا میں سالک کے ابتدائی حال کا بیان ہے جو اسرار کے تصرّف میں ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ میں مقامِ اُنس میں رہنے والا اور خوش حال تھا اور اَصْبَحْتُ يَوْماً میں سالک کے حال کے انتہا کی خبر ہے جس کا لازم شکستگی اور ٹوٹ پھوٹ ہے ۔

[2] یعنی میں ایسا عدم چاہتا ہوں جس کے لیے لوٹنا نہ ہو اور ایسی نیستی یعنی نہ ہونے کا شوق رکھتا ہوں کہ اس نیستی میں وجود کی طرف لوٹنا نہ ہو ۔ ایسا عدم چاہتا ہوں جس کے لیے وجود نہ ہو ہمیشہ عدم ہی رہے اور ایسا مٹنا چاہتا ہوں جس کے لیے پھر اُبھرنا نہ ہو ۔

وجود نہ ہو، کیونکہ جتنے بھی مقامات و کرامات ہیں یہ سب (خدا تعالیٰ کے دیدار میں بلا حجاب ہیں) اور آدمی اپنے ہی حجاب کا عاشق ہو رہا ہے۔ دیدار میں نیستی بہتر ہے حجاب کے ساتھ آرام کرنے سے اور جب حق تعالیٰ ایسی ہستی ہے کہ عدم اس پر جائز نہیں، تو اس کے ملک میں کیا نقصان ہوگا کہ میں ایسی نیستی اختیار کروں کہ اس خاص نیستی کے لیے کبھی بھی ہستی نہ ہو۔
اور صاحب کشف المحجوب ہی فرماتے ہیں کہ میں ایک دن ابو العباس کی خدمت میں گیا۔ میں نے انہیں دیکھا کہ یہ پڑھتے تھے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا — اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کی مثال دی جو کسی کی مِلک
لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ — ہو اور کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو[1]

اور وہ روتے تھے اور ایسے نعرے مارتے تھے کہ میں نے خیال کیا کہ وہ دُنیا سے چلے جائیں گے۔ مَیں نے کہا "اے شیخ! کیا حال ہے؟" کہا، گیارہ سال ہو گئے ہیں۔ اب تک یہاں پہونچا ہے اور اس جگہ سے میں آگے نہیں گزر سکوں گا۔

شیخ ابو سعید ابو الخیر نیشاپور میں اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نیشاپور کے اکابر سادات میں سے ایک بڑے سیدؒ شیخ کے سلام کے لیے آئے ہوئے تھے اور شیخ کے برابر بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ ابو العباس شقانیؒ آئے۔ شیخ نے اُن کو سیدؒ صاحب سے اُونچی جگہ پر بٹھایا۔ سیدؒ بزرگ اس سے رنجیدہ ہوا اور اس کے نفس میں بڑائی اور بزرگی پیدا ہوئی۔ شیخ نے بڑے سیدؒ صاحب کی طرف مُنہ کیا اور کہا، آپ کو جو دوست رکھتے ہیں تو محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے واسطے سے دوست رکھتے ہیں اور ان لوگوں کو جو دوست رکھتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے واسطے سے دوست رکھتے ہیں۔

شیخ ابو العباس شقانیؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مَیں گھر آیا، دیکھا کہ زرد رنگ کا پلّہ[2] ایک جگہ سو رہا ہے۔ میں سمجھا کہ محلّے سے آگیا ہے۔ مَیں نے اُسے بھگانے کا ارادہ کیا۔ وہ میرے دامن کے نیچے آیا اور غائب ہو گیا۔

---

[1] ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا، اس جُملہ میں تُصرفات میں آدمی کے کمزور ہونے اور قدرت نہ رکھنے میں اس غلام غیر ماذون کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کو تصرّف پر اختیار نہ ہو اور آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ تبلا رہا ہے کہ جس طرح آدمی کے غلام کو جس کو اس کا مالک کاروبار اور معاملہ کرنے کی اجازت نہ دے چیزوں میں تصرّف کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے اس طرح ہمارے بندوں کو تصرف کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ ہاں جس تصرّف کا مالک اجازت دے، پھر وہ ایک طرح کا ماذون ہوگا اور یہ تصرف اُس کا نہیں، بلکہ اُس کے مولیٰ کا تصرّف شمار ہوگا، اگرچہ اس کے ہاتھ اور زبان سے ہو۔ [2] پلّہ کُتیا کے بچے کو سہارنپوری زبان میں کہتے ہیں۔

۳۰۳۔ حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی قدس سرہٗ

یہ شیخ ابوالفضل بن حسین بن سرخسی کے علاوہ ہیں، جنہوں نے بیت الجن میں وفات پائی۔ اور بیت الجن دمشق کے قریب عقبہ کے سرے پر ایک گاؤں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں طریقت میں اُن کا تابع ہوں۔ وہ علوم تفسیر و روایات کے عالم تھے۔ حصری کے مرید اور رازداں تھے۔ ابو محمد قزوینی کے ہم عصر تھے۔ ابوالحسن "عزلت" یعنی مخلوق سے دُور بھاگنے کے اصول پر اُنہتر (۶۹) سال گوشوں میں بھاگتے رہے۔ اپنا نام لوگوں میں گم کر دیا اور زیادہ وقت کوہِ لکام میں رہے۔ اُن کی عمر بہت ہوئی ہے اور اُن سے نشانات و کرامات بہت ظاہر ہوئی ہیں۔ لیکن صُوفیوں کے لباس اور اُن کی عادات اور رسموں کے پابند نہ تھے اور اہلِ رسم یعنی رسمی صُوفیوں کے ساتھ متشدد اور سخت تھے۔ میں نے اُن سے بڑھ کر دوسرا کوئی مرد بھی اس قدر ہیبت والا نہیں دیکھا جس قدر وہ رُعب اور دبدبہ والے بزرگ تھے۔ اُنہوں نے فرمایا، اَلدُّنیا یَومٌ وَلَنَا فِیھَا صَومٌ۔ دنیا ایک دن ہے اور اس میں روزہ رکھنا ہمارا کام ہے۔

حضرت علی ہجویری ثم لاہوریؒ فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ مَیں اُن کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا تھا۔ میرے دل میں آیا، ہر کام تقدیر اور قسمت پر موقوف ہے۔ کرامت و عزّت کی اُمید پر آزاد لوگ پیروں کی کیوں خدمت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، بیٹے! جو کچھ تُو نے سوچا ہے مجھے پتہ چل گیا ہے۔ ہر حکم کے لیے ایک سبب ہوتا ہے جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ سردار کے بچے کو مُلک کا تاج دے۔ پہلے اس کو توبہ دیتا ہے[1]۔ اور کسی دوست کی خدمت میں مشغول کر دیتا ہے تاکہ یہ خدمت اس کی کرامت و عزّت کا سبب بن جائے۔ شیخ نے ایک دفعہ بیت الجن سے دمشق جانے کا ارادہ کیا۔ بارش ہو چکی تھی اور کیچڑ میں بمشکل چلتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ شیخ کی جوتی خشک تھی۔ مَیں نے اُن سے یہ بات کہی تو اُنہوں نے کہا، ہاں۔ جب سے مَیں نے توکل کی راہ سے تہمت کے قدم اٹھا لیے ہیں، یعنی سچے توکّل کو اختیار کیا اور اپنے باطن کو وحشت کی راہ سے محفوظ کر لیا۔ خداوند تعالیٰ نے ہمارے قدم کو کیچڑ سے محفوظ کر دیا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے، کہ میرے شیخ ابوالفضل ابن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے چھپّن سال تک ایک کپڑا رکھا۔ جس پر بے تکلّف پیوند پر پیوند لگاتے رہے۔ صاحب کشف المحجُوب نے یہ بھی فرمایا۔ ایک دفعہ جبل عرفات میں خداوند تعالیٰ کے اولیاء کا اجتماع تھا۔ میرے پیر حصری مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ مَیں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ ہر کوئی تخت پر آتا تھا اور شیخ حصُری نے اِن میں سے کسی کی طرف بھی التفات نہ کیا یہاں تک کہ میں نے ایک جوان کو آتے ہوئے دیکھا۔ جس کی جُوتی پُرانی تھی۔ اُس کا عصا

---

[1] یعنی اپنی طرف رجوع ہونے کی توفیق دیتا ہے۔

ٹوٹا ہوا۔ ننگا سر اور بدن جلا ہوا، کمزور اور دُبلا ہو گیا تھا۔ حضرتؒ اُسی وقت کھڑے ہو گئے۔ خود اس کی پیشوائی کے لیے گئے اور اس کو بلند درجہ پر بٹھا دیا۔ میں حیران ہو گیا۔ اجتماع کے بعد مَیں نے شیخ سے پوچھا "وہ کون تھا؟" کہا، وہ خدا تعالیٰ کے اولیاء میں ایسا ولی ہے کہ وہ ولایت کا پابند نہیں، بلکہ ولایت اس کی پابند و تابع ہے اور کرامات کی طرف التفات نہیں کرتا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ولایت کا قیدی اور پابند نہیں، کہ ولایت پر قناعت کر کے ولایت کا ہی ہو رہے اور ولایت اس کا مطلوب و منظور ہو، بلکہ ولایت اس کے ساتھ مقیّد ہے کہ اس کا مطلوب ذات حق شانہٗ ہے۔

۳۰۴۔ حضرت علی ابن عثمان ابن علی الجلابی الغزنوی قدس سرہ العزیز

اُن کی کنیّت ابوالحسن ہے۔ عالم اور عارف ہوئے ہیں۔ شیخ ابوالحسن ختلی کے مرید تھے اور بہت سے دوسرے مشائخ کی صحبت میں بھی پہونچے تھے۔ کتاب کشف المحجوب ان کی تصنیف کی ہوئی اس فن میں مشہور اور معتبر کتابوں میں سے ہے۔ اِس کتاب میں اُنھوں نے بہت سے لطائف اور حقائق کو جمع کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا، شیخ المشائخ ابوالقاسم گرّگانی سے مَیں نے پوچھا۔ درویش کو کم سے کم کیا ہونا چاہیئے جس سے کہ فقر کا نام اس سے درست ہو جائے۔ کہا، تین چیزیں چاہیئں اور تین سے کم نہ ہونی چاہیئں۔ ایک یہ کہ کپڑے پر سیدھا پیوند لگانا جانتا ہو[1]۔ دوسرے سیدھی بات کہنا اور سُننا جانتا ہو اور تیسرے زمین پر سیدھا قدم رکھ سکتا ہو۔ جب یہ بات شیخ نے کہی، درویشوں کی جماعت میرے ساتھ موجود تھی۔ جب ہم اپنے گھر واپس آ گئے تو ہم نے کہا، آؤ تاکہ ہر کوئی اس بات کے متعلق کچھ کہے۔ ہر ایک نے کچھ کہا اور جب میری باری آ گئی تو مَیں نے کہا، دُرست اور سیدھا پیوند لگانا یہ ہوتا کہ فقر کے ساتھ سیویں نہ کہ زینت کے ساتھ۔ جب فقر کے ساتھ پیوند لگائیگا وہ ٹیڑھا بھی ہوگا، تو درست ہوگا۔ سُخن راست (سیدھی بات) یہ ہوتی ہے کہ حال سے کہے اور حال سے سُنے نہ کہ خودی اور نفسانیّت کے ساتھ۔ حق اور نیکی کے ساتھ اس میں تصرّف کرے نہ کہ بیہودگی اور مذاق کیساتھ۔ اور زندگی کے ساتھ اسکو سمجھے نہ کہ عقل کیساتھ۔ اور زمین پر سیدھا پاؤں رکھنا یہ ہوتا ہے کہ وجد و مشاہدہ کیساتھ زمین پر قدم رکھے نہ لہو اور غفلت کے ساتھ۔ ان لوگوں نے بعینہٖ اس بات کو اس بزرگ یعنی ابوالقاسم کے سامنے نقل کیا تو فرمایا، اَصَابَ عَلِیٌّ جَبَرَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ علی نے صحیح بات کہی، اللہ تعالیٰ اسکے نقصان کو پورا کرے اور ہر طرح ٹوٹ پھوٹ سے اسکو بچائے۔

---

[1] یعنی اگر گدڑی پر پیوند لگائے تو اس کے سیدھا ہونے کا پابند نہ ہو، بلکہ اگر وہ ٹیڑھا بھی لگ جائے تو اس کو سیدھا جانے۔

[2] یعنی حقیقت اور مشاہدہ کے ساتھ کہتا ہو نہ تصور اور خیال کے ساتھ۔ مطلب یہ کہ اس کی بات از روئے تحقیق ہو یعنی یہ کہ اس پر بیتی ہوئی ہو نہ یہ کہ کسی سے سُنی ہوئی ہو یا پڑھی ہوئی ہو۔ خلاصہ یہ کہ آپ بیتی سُنائے جگ بیتی نہ سُنائے۔

حضرت علی بن عثمانؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں میہنہ میں ابوسعید کی قبر پر تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ مَیں نے ایک سفید کبوتر دیکھا، وہ آیا اور قبر پر جو غلاف پڑا ہوا تھا اُس کے اندر چلا گیا۔ مَیں اُٹھا، دیکھا تو اس کپڑے میں کچھ نہ تھا۔ دوسرے دِن بھی یہی اور تیسرے دن بھی یہی قصہ پیش آیا۔ میں حیرانی میں تھا۔ ایک رات ابوسعید کو خواب میں دیکھا۔ مَیں نے اُن سے یہ واقعہ پوچھا۔ فرمایا، یہ کبوتر میرے معاملے کی صفائی ہے جو ہم نشینی کے لیے ہر روز میری قبر پر آتی ہے۔

۳۰۵۔ حضرت احمد حمّاد سرخسیؒ[1] قدس سرّہٗ

صاحب کشف المحجوب کہتے ہیں کہ وہ وقت کے عابدوں میں بہادر تھے۔ ایک زمانہ تک میرے ساتھ رہے۔ مَیں نے اُن کے زمانہ سے بہت سے عجائبات دیکھے ہیں۔ ایک دن مَیں نے اُن سے پوچھا، کہ تمہاری ابتدائی حالت کس طرح ہوئی۔ کہا، ایک دفعہ میں سرخس سے رَوانہ ہوا اور اونٹوں کے گلہ پر بیابان میں آیا اور مدّت تک وہاں رہتا تھا اور میں ہمیشہ اس بات کو پسند کرتا تھا کہ بھوکا رہوں اور اپنا حصّہ دوسروں کو دے دُوں اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان میرے دل کے سامنے تازہ رہتا تھا۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ — وہ اپنے اُوپر دوسروں کو مقدّم رکھتے ہیں، اگرچہ ان کو کتنی ہی ضرورت ہو۔

اور اس جماعت سے اچھا اعتقاد رکھتا تھا۔ ایک دن ایک شیر جنگل سے آیا اور میرے اُونٹوں میں سے ایک اونٹ کو مار ڈالا۔ پھر اُسے ٹیلے پر لے گیا اور دھاڑا۔ اس جنگل میں مختلف قسم کے جتنے درندے رہتے تھے اُس کی آواز سُن کر سب جمع ہو گئے تو شیر آیا، اُونٹ کو پھاڑ ڈالا اور کچھ نہ کھایا، پھر ٹیلے پر چلا گیا۔ تمام درندے بھیڑیا، گیدڑ، لومڑی سب اس پر پڑ گئے اور خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ شیر وہاں بیٹھا رہا۔ جب سب جانور کھا کر چلے گئے اس وقت آیا اور چاہا کہ کچھ اس میں سے کھائے۔ اچانک ایک لومڑی دُور سے ظاہر ہوئی، شیر نے دیکھا، تو واپس چلا گیا اور پھر ٹیلے پر چڑھ گیا۔ جب یہ لومڑی بھی خواہش کے مطابق کھا کر چلی گئی، پھر وہ اُترا اور اس میں سے کچھ کھایا۔ میں دُور سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ چلتے ہوئے زبانِ فصیح یعنی صاف زبان میں شیر نے مجھ سے کہا۔ احمدؔ! لقمے کا ایثار کرنا کتوں کا کام ہے اور دین کے مَردوں کا کام جان قُربان کرنا ہوتا ہے۔ جب مَیں نے یہ روشن دلیل اس شیر سے دیکھی تو تمام مشغلوں اور کاروبار سے ہاتھ اُٹھائے۔ بس میری توبہ کی ابتدا یہ ہوئی۔

۳۰۶۔ حضرت ادیب کُمندیؒ[2] قدس سرّہٗ

یہ بھی صاحب کشف المحجوب کے ہم زمانہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ ادیب بیس سال تک کھڑے رہے اور نماز کے تشہد یعنی التحیات وغیرہ کے علاوہ

---

[1] حمّاد۔ یہ اُن کے اجداد کی طرف نسبت ہے۔ اسی لیے بعض نسخوں میں حمّادی بھی لکھا ہے۔ [2] ک مُ ن دِی

کسی وقت بھی نہ بیٹھتے تھے۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا، آپ کیوں نہیں بیٹھتے؟ کہا، مجھے یہ درجہ حاصل نہیں ہوا کہ حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں ہوتے ہوئے بیٹھ جاؤں۔

۳۰۷۔ حضرت ابوالحسن بن مثنیٰؒ قدس سرہٗ

ان کا نام علی ابن مثنیٰؒ ہے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کہتے ہیں مَیں جوانی کی عمر میں اُستر آباد کے شہر میں ابوالحسن بن مثنیٰؒ کے پاس آیا۔ وہ بڑی فضیلت والے اور بارُعب بُزرگ تھے۔ شبلی کی صحبت میں رہے اور ان کے درمیان اختلافات بھی رہے تھے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کہتے ہیں۔ میرے پاس ایک درویش بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا، پیر ابوالحسن سے درخواست کر کہ وہ ہمیں شبلیؒ کی باتیں سُنائے۔ مَیں نے کہا، اے شیخ! ہم کو شبلیؒ کی باتیں سناؤ۔ کہا کہ یہ کیوں نہیں کہتا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتیں سناؤں؟ مَیں نے کہا، دونوں کی سنایئے۔ اُس نے کہا، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے "اگر میری اُمّت میں سوائے سورۂ کہف کے اور کوئی سُورت نہ اُترتی تو وہ کافی تھی۔ شیخ ابوسعید کہتے ہیں کہ مَیں نے شیخ ابوالحسن بن مثنیٰؒ سے سُنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں بغداد کی جامع مسجد میں شبلی کی مجلس کے ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔ ایک شخص وہاں پہنچا جو صُوفیاء کے لباس میں تھا۔ اُس نے پوچھا۔ اے شیخ! وصل کیا ہے؟ شبلیؒ نے اس کی طرف منہ کیا اور کہا،

أَيُّهَا السَّائِلُ عَنِ الْوَصْلِ أَسْقِطِ الْعَطْفَتَيْنِ وَقَدْ وَصَلْتَ

اے وصل کی بابت سوال کرنے والے دونوں جانبوں کی اہمیّت کو دُور کر دے، تو تُو واصل ہو گیا۔

سائل نے کہا، اے ابوبکر! دونوں جانب کیا ہیں؟ شبلیؒ نے کہا:

قَامَ ذُرْوَةٌ بَيْنَ يَدَيْكُمْ فَحَجَبَتْكُمْ مِنَ اللهِ۔

تمہارے سامنے ایک بلندی کھڑی ہو گئی ہے جس نے تم کو خدا تعالیٰ سے حجاب میں ڈال دیا۔

پھر سائل نے کہا، وہ بلندی کیا ہے؟ کہا:

الدُّنْيَا وَالْعُقْبٰى كَذَا قَالَ رَبُّنَا مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ فَأَيْنَ مَنْ يُرِيْدُ اللهَ

یہ بلندی دنیا و آخرت ہے جیسا کہ ہمارا رب فرماتا ہے کہ تم میں سے بعض دنیا کو چاہتے ہیں اور بعض آخرۃ کو۔ پس کہاں ہیں وہ لوگ جو اللہ کو چاہتے ہیں یعنی جو خدا تعالیٰ کا چاہنے والا وہ دنیا اور آخرۃ کا چاہنے والا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد شبلیؒ نے کہا:

---

[۱] یعنی اُن پر نظر رکھنا چھوڑ دے۔

اِذَا قُلْتَ اللّٰہ فَھُوَ اللّٰہُ وَاِذَا سَکَتَّ فَھُوَ اللّٰہُ یَا اَللّٰہُ یَا اللّٰہُ۔ — جب تو اللہ کہے تو وہ اللہ ہے۔ جب تو خاموش رہے اُس وقت بھی وہ اللہ ہے۔ اے اللہ، اے اللہ[1]۔

اے وہ کہ وہ ہے[2] اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے، مگر وہ اپنے کو خود ہی جانتا ہے۔ وہ پاک اور منزّہ ہے۔ یعنی تمام تصورات اور ان خیالات سے جو ذہن میں آئیں اور دماغ میں گھومیں ان سب سے وہ پاک ہے اور دور ہے۔ تنہا اور اکیلا ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کے بعد شبلیؒ کو غش آگیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگ اسی حال میں اُن کو اٹھا کر گھر لے گئے۔

۳۰۸۔ حضرت ابوذرعہ رازی قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ

ان کا نام احمد بن محمد ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، مَیں نے تیرہ آدمی دیکھے ہیں جنہوں نے اُن کو دیکھا ہے۔ وہ شبلی کے مُرید تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا، آپ سارا دن خوش طبعی کرتے اور ہنساتے رہتے ہیں، تو فرمایا، میں اِس کے سوا دوسرا کوئی سرمایہ نہیں رکھتا کہ درویش و فقراء میری بات سے ہنسیں اور خوش ہوں۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، اُن کی وفات کے بعد لوگوں نے انہیں خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا "آپ کا کیا حال ہے؟" کہا، "اُنہوں نے مجھے اپنے سامنے بلایا اور کہا، تو ہی ہے[3] جس نے مخلوق کے ساتھ میرے دین میں زرہ پہنی تھی؟" مَیں نے کہا جی ہاں۔ اُنہوں نے کہا:

هَلَّا وَكَلْتَ خَلْقِیْ اِلَیَّ وَاَقْبَلْتَ بِقَلْبِكَ اِلَیَّ — کیوں نہ تُو نے میری مخلوق کو مجھ پر چھوڑ دیا اور کیوں نہ اپنے دل

چرا خلق مرا بامن نگذاشتی وروئے دل بسوئے من نہ داشتی — کا رُخ میری طرف رکھا۔ (مطلب یہ ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد کرنا کفّار کے ساتھ جہاد کرنے سے بہتر ہے۔ پس تجھے چاہیئے تھا کہ اوّل کو اختیار کرتا)

۳۰۹۔ حضرت شیخ ابوذرعہ اُردبیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ

المتوفی ۴۱۵ھ۔ اُن کا نام عبدالوہاب بن محمد بن ایوب اُردبیلی ہے۔ عالم اور تارک الدنیا تھے۔ انہوں نے بہت سفر کیے اور بہت عمر پائی۔

شیخ ابو عبداللہ خفیف کے ساتھ حجاز کے راستہ میں مدینہ تک ہمسفر رہے۔ کہتے ہیں شیخ ابو عبداللہ خفیفؒ نے سفر کا قصد کیا تھا۔ دریں اثنا ابوذرعہ کے پاس آئے۔ ابوذرعہ شیخ ابو عبداللہ کے پاس پکا ہوا کچھ گوشت لے کر آئے جس میں

---

[1] یعنی اس کا نام لینے یعنی ذکر کرنے اور نہ کرنے سے اس کی خدائی اور اس کی الوہیت میں تبدیلی نہیں آتی۔ وہ ہر حال میں اللہ ہے۔

[2] یعنی اے وہ ذات کہ اپنی ہویت و حقیقت پر باقی ہے اور کوئی حادثہ اس کو بدلنے والا اور انقلاب لانے والا نہیں ہے۔

[3] یعنی میرے دین کی نصرت اور مدد کے لیے تو مسلح ہو کر جنگ میں گیا۔

بو آ رہی تھی۔ شیخ نے اُسے نہ کھایا۔ جب سفر کے لیے نکلے تو جنگل میں راستہ بھول گئے اور چار روز ایسے بھوکے رہے کہ کچھ نہ کھایا۔ شیخ نے ساتھیوں سے کہا، تلاش کرو شاید کوئی شکار پالو۔ اچانک اُنھوں نے ایک کتا دیکھا، اُسے پکڑنے کی تدبیریں کیں، آخر اُسے پکڑ لیا امام مالکؒ کے مذہب پر اُسے مار لیا اور آپس میں تقسیم کر لیا۔ اُس کی سری شیخ کے حصّہ میں آگئی۔ ہر کسی نے اپنا حصّہ کھا لیا۔ شیخ اُس کے کھانے کے متعلق سوچتے رہے، یہاں تک کہ رات گزر گئی۔ جب سحری کا وقت ہوا، تو اس کُتّے کا سر بات کرنے لگا اور کہا، یہ اس کی سزا ہے جس نے اُبوزُرعہ اُردبیلی کے دسترخوان سے بدبُودار گوشت نہ کھایا۔ شیخ اُٹھے۔ اصحاب کو بیدار کیا اور کہا، آؤ اُبوزُرعہ کے پاس چلیں اور اُن سے معافی مانگیں۔ آخر یہ لوگ شیراز واپس آئے اور اُن سے معذرت چاہی اور اُسی وقت سفر کے لیے باہر نکل گئے۔ اور کہتے ہیں آخر عمر میں اُبوزُرعہ صوفیاء کی مخالفت میں نکل آئے۔ کھلے عام ان کو بُرا کہنے لگے۔ ہو سکتا ہے کہ اُبوزُرعہ کا یہ معاملہ بعض اُن صُوفیوں کے ساتھ ہوگا جو اس کے مستحق ہو گئے ہوں گے۔

۳۱۱۔ حضرت ابوعبداللہ المشتہر بہ بابُونی قُدِّسَ سِرُّہٗ

ان کی قبر مشہور مزارات میں سے ہے۔ کہتے ہیں، اُنھوں نے فرمایا: اَمسَیتُ کُردِیًّا وَ اَصبَحتُ عَرَبِیًّا میں رات کو کردی تھا اور صبح کو عربی بن گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ابوعبداللہ کردی تھے۔ ایک روز وہ شیراز کے کسی مدرسہ میں گئے۔ دیکھا کہ طالبُ العلم درس اور مباحثہ میں مشغُول ہیں۔ ان سے کوئی سوال کیا، وہ سب ہنس پڑے، تو ابوعبداللہ نے کہا، چاہتا ہوں کہ میں تمہارے علم میں سے کچھ سیکھوں۔ طلباء نے (مذاق میں) کہا، اگر عالم بننا چاہتا ہے تو آج رات ایک ڈوری اپنے مکان کی چھت پر لٹکا دے اور اپنے پاؤں اس پر کس کر باندھ لے اور جس قدر کہہ سکے کہتا رہ کُزبُرَۃٌ عُصفُرَۃٌ تجھ پر علم کے دروازے کُھل جائیں گے اور اس نے یہ نہ جانا کہ یہ لوگ میرے ساتھ مذاق اور ٹھٹھہ کر رہے ہیں (یعنی بے وقوف بنا رہے ہیں) ابوعبداللہ گئے اور حُسنِ نیّت اور صدق یقین کے ساتھ اُسی طرح کیا جس طرح اُنھوں نے تلقین کی تھی۔ ساری رات ان لفظوں کو بار بار کہتے رہے۔ سحری کے وقت حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نے اُن کے دل پر علمِ لدنی کے دروازے کھول دیے۔ اُن کا سینہ انوارِ قدس سے منشرح ہو گیا اور ولی ہو گئے اور اللہ کی قدرت سے ایسے عالم بن گئے کہ ہر گہرے اور باریک مسئلہ کا جواب دیتے تھے اور ہر معاند و معارض (ضدی و جھگڑالو) پر غالب آجاتے تھے۔

۳۱۲۔ حضرت خواجہ احمد بن مودود بن یُوسُف الچشتی رحمۃ اللہ تعالٰی

المتوفی ۵۷۷ھ۔ یہ بہت بزرگ تھے۔ اپنے والد کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ تمام طبقوں میں مقبول

اور تمام لوگوں پر پوری شفقت رکھتے تھے۔ کہتے ہیں ایک رات حضرت رسالت پناہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو واقعہ میں دیکھا۔ فرمایا، "اے احمد! اگر تو مشتاقِ ما نیستی ما مشتاقِ توایم۔" اے احمد! اگر تو ہمارا مشتاق نہیں ہم تو تیرے مشتاق ہیں۔ جب صبح ہوئی، تو اپنے ہم خیال تین ساتھی اختیار کیے اور اپنے آپ کو اور اپنے سفر کو مخفی رکھا، تاکہ کوئی نہ پہچانے۔ زیارت حرمین شریفین زادہما اللہ تعالیٰ تشریفاً وتکریماً کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ارکان وشرائط حج پورے کر لیے حرم محترم مدینہ و روضۃ الشریفہ مصطفویہ علیٰ زوّارِھا التحیّۃ کا رُخ کیا اور چھ ماہ تک حرم شریف مدینہ منوّرہ میں مقیم رہے اور کہتے ہیں اُن کی ہمہ وقت حرم شریف کی حاضری اور مواظبت حرم پاک کے خدّام کو گراں گزری۔ اُنہوں نے چاہا کہ شیخ کو رنجیدہ کریں —— رَوضۃ الرّسول صلّی اللہ علیہ وسلّم سے آواز آئی، جس کو سب حاضرین نے سُنا۔ خبردار! اس کو اذیّت نہ دو۔ یہ ہمارے عاشقوں میں سے ایک عاشق ہے۔" مدینہ پاک سے رُخصت ہو کر بغداد آئے اور شیخ شہابُ الدّین کی خانقاہ میں آکر ٹھہرے۔ شیخ نے اُن کی بہت عزّت وتکریم کی اور خلیفہ بغداد نے اس خواب کی بنا پر جو اس نے دیکھا تھا اُن کو طلب کیا اور ابلاکرالعلم احترام کے فرائض پوری طرح بجا لایا۔ اُنہوں نے خلیفہ کو دل میں گھر کرنے والی نصیحتیں کیں اور دل پسند وعظ سنائے۔ اور سب محلِ قبول میں اُتریں۔ اُن لوگوں نے فتوحات اور نذرانے پیش کیے۔ خلیفہ کی دل جوئی کے لیے اس میں سے کچھ اٹھا لیا اور جب باہر آئے وہ فقراء کو تقسیم کر دیا اور خراسان کی طرف توجّہ فرمائی۔ اُن کی ولادت ۵۰۰ھ اور وفات ۵۷۷ھ میں ہوئی۔

۳۱۲۔ حضرت ابوالولید احمد بن ابی الرجا قدس سرہ

المتوفی ۲۳۲ھ۔ ہرات کے قریب ایک بستی آزادان کے رہنے والے تھے۔ علوم ظاہری وباطنی کے عالم اور امام احمد بن حنبل کے شاگرد تھے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اُن سے حدیث روایت کی ہے ابتدا میں بہت مال و دولت رکھتے تھے، مگر سارا مال طلب حدیث، حج وجہاد میں خرچ کر ڈالا۔ شہر ہرات سے سفر کرتے تھے اور جب مال ختم ہونے لگتا ہرات واپس آجاتے اور اپنی املاک میں سے کچھ فروخت کر کے پھر سفر پر چلے جاتے۔ یہاں تک کہ سارا مال اللہ کی راہ میں اسی طریقہ پر خرچ کر دیا۔ کہتے ہیں کہ ان کے کسی دوست کو چار ہزار درہم کی ضرورت ہوئی۔ اُس نے اُن سے اپنی ضرورت کا اظہار کیا۔ جب وہ اپنے گھر چلا گیا، ابوالولید نے چار ہزار درہم تھیلی میں بند کیے اور اس کے گھر بھجوا دیے۔ جب اس دوست کی ضرورت پوری ہوگئی اور کافی مدّت گزر گئی، تو اس نے اس رقم کو تھیلی میں بند کر کے ابوالولید کو بھیج دیا۔ ابوالولید نے قبول نہ کیا۔ وہ دوست ان کے پاس آیا۔ سلام کیا۔ ابوالولید نے کہا، "اگر سلام کا جواب واجب نہ ہوتا، تو میں تیرے سلام کا جواب نہ دیتا۔ آخر چار ہزار درہم کی حقیقت کیا ہے کہ تو نے ان کو واپس بھیج دیا۔" اُن کی قبر بستی آزادان میں ہے۔ لوگ

اس کی زیارت کرتے ہیں اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

۳۱۳۔ حضرت ابو اسماعیل خواجہ عبداللہ بن ابی منصور محمد الانصاری الھروی قدس سرہٗ

پیدائش ۳۹۶ھ ، وفات ۴۸۱ھ۔ اُن کا لقب شیخ الاسلام ہے۔ اس کتاب میں جہاں بھی لفظ "شیخ الاسلام" آیا ہے۔ اس سے مراد یہی یعنی حضرت خواجہ عبداللہ انصاری ہیں۔ آپ ابومنصور مت یا مست الانصاری کی اولاد سے ہیں اور مت الانصاری بیٹے تھے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے جو جنابِ رسول اللہ علیہ وسلم کے صاحبِ رحل و کجاوہ[1] تھے۔ اور مت الانصاری امیر المؤمنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں احنف بن قیس کے ساتھ خراسان آئے تھے اور ہرات میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، میرے والد ابومنصور شریف حمزہ عقیلی کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک وقت ایک عورت نے شریف عقیلی سے کہا، کہ منصور کو کہو کہ وہ مجھ سے شادی کرلے۔ میرے والد نے کہا، کہ میں شادی کرنے کی بالکل خواہش نہیں رکھتا اور اس کی فرمائش کو قبول نہیں کیا۔ شریف عقیلی نے کہا، آخر کب تک بے شادی رہے گا؟ اور تیرے لڑکا آئیگا۔ اور کیا لڑکا؟ جب میرے والد یہاں سے ہرات میں آگئے اور شادی کرلی تو میں زمین پر آگیا۔ شریف نے بلخ میں کہا ہرات کے اندر ہمارے ابو منصور کے یہاں لڑکا آیا ہے۔ اتنا بزرگ کہ جامع مقامات ہے۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں یہ بات، یعنی شریف کا یہ قول ایسا تعریفی قول ہے جس کے ضمن میں تمام کمالات اور خوبیاں آگئی ہیں اور یہ ایسا کلمہ ہے جس کی خوبی کی حد بیان نہیں ہوسکتی۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، میں قہندز[2] میں پیدا ہوا اور اسی جگہ بڑا ہوا ہوں اور میری ولادت شعبان کی دوسری تاریخ کو جمعہ کے دن، غروبِ آفتاب کے وقت ۳۹۶ھ میں ہوئی۔ اور فرمایا، میں ربیع یعنی بہار ہوں۔ بہار میں پیدا ہوا ہوں اور موسم بہار کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ آفتاب ثور کے سترھویں درجہ میں تھا جب میں پیدا ہوا ہوں۔ جب بھی آفتاب اس جگہ پہنچتا ہے میرا سال پورا ہوجاتا ہے اور وہ موسم بہار کا درمیانی زمانہ ہے جو پھولوں اور خوشبوؤں کا زمانہ ہوتا ہے۔ آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابوعاصم میرے پیر اور رشتہ دار ہیں۔ میں بچپن میں اُن کے یہاں جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مَیں اُن کے گھر گیا۔ روٹی اور آب کلہ (ترش پانی) کا پیالہ میرے سامنے رکھا اور میرے لیے قوّالی کی یعنی مجھے اچھے اشعار سنائے۔ اُن کی بوڑھی بیوی بڑے دبدبہ والی اور صاحبِ ولایت تھی۔ کہنے لگی کہ میرے پیر یعنی خضر علیہ السّلام نے

---

[1] رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تھے، تو ابوایوب کے مکان میں مہمان رہے تھے۔

[2] یہ کہندز سے عربی بنایا گیا ہے۔ جس کے معنیٰ کہنہ حصار۔ کہنہ کے معنی پُرانا اور حصار کے معنی قافلہ، احاطہ اور گھر کے ہیں۔

کہا، تمہارے شہر میں ایک بچہ سترہ سال کا ہے۔ نہ اُس کو اُس کا باپ جانتا ہے نہ اس کی ماں۔ وہ ایسا ہوگا کہ تمام رُوئے زمین میں کوئی شخص اُس سے برتر نہ ہوگا۔ پھر کہا، اس سے مشرق و مغرب تک پُر ہو جائے گا۔ اور اس بانو عالیہ کے حالات یہ تھے کہ اس کی ڈیڑھ سال کی لڑکی تھی۔ اُس نے اس کو چاہا، یعنی حق سُبحانہٗ کو چاہا[1]۔ وہ بچی کو چھوڑ کر حج کو چلی گئی۔ شیخ ابواسامہ جو شیخ حرم تھے وہ بانو کے چچا تھے۔ اُنھوں نے اس کی پذیرائی اور خاطر مدارات کی۔ بانو عالیہ ایک کاغذ اپنے پاس رکھتی تھی اور اسے پیروں کے پاس لے جاتی تھی کہ میرے لیے اس کی طرف سے یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے اس کاغذ پر کچھ لکھ دو۔

خواجہ عبداللہ اپنی تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں۔ پہلے پہل مجھے مکتب میں بٹھایا، تو لوگوں نے کہا اس کا نقصان ہوگا۔ جب چار سال کی عمر کو پہنچا، تو مجھے مالینی کے مدرسہ میں داخل کیا اور جب نو سال کا ہوا، تو قاضی ابومنصور اور جارُوزی[2] سے میں نے املاء لکھی[3] اور میں چودہ سال کا تھا کہ مجھے مجلس کے لیے بٹھا دیا[4]۔ اور میں مکتب میں ابھی بچہ ہی تھا کہ میں اس وقت ایسے شعر کہتا کہ دوسروں کو مجھ پر حسد ہوتا ہے اور فرمایا، خواجہ یحییٰ عمار کے عزیزوں میں سے ایک لڑکا میرے ساتھ مکتب میں پڑھتا تھا۔ میں فی البدیہہ عربی شعر کہتا تھا اور مدرسے کے بچے اگر مجھ سے فرمائش کرتے کہ فلاں مطلب اور فلاں عنوان میں شعر کہہ میں اس سے زیادہ کہتا جتنا کہ وہ چاہتا تھا۔ ایک دن اس لڑکے نے اپنے باپ سے کہا کہ عبداللہ جس عنوان پر چاہتا ہے شعر کہہ لیتا ہے۔ اس کا باپ فاضل تھا۔ اس نے کہا، کہ جب تو مدرسہ میں جاوے اس سے فرمائش کرنا کہ اس بیت کو عربی میں کہے۔ بیت:

روزے کہ بشادی گزرد روز ہمانست
واں روزِ دگر روزِ بد اندیشان ست

ترجمہ: جو دن خوشی میں گزرتا ہے، دن وہی ہے اور جو دن اس کے ماسوا ہے وہ دشمنوں کا دن ہے۔

میں نے اُسی وقت یہ شعر کہا:

وَیَوْمُ الْفَتیٰ مَا عَاشَهُ فِی مَسَرَّةٍ
وَسَائِرُهٗ یَوْمُ الشَّقَاءِ عَصِیْبُ
رُمِ الْوَصْلَ مَا رُمْتَ السَّعَادَةَ فَالدُّجیٰ
بِتَنْغِیْصِ عَیْشِ الْاَکْرَمِیْنَ رَقِیْبُ

ترجمہ: زندگی کے دنوں میں جوان کا دن وہ دن ہے جس کو وہ مسرّت میں گزارے اور جس میں اس کی آرزو پوری ہو

---

[1] یعنی حق کی طلب اس میں پیدا ہوئی اور ڈیڑھ سال کی بچی چھوڑ کر حج کو چلی گئی۔ [2]، [3]، [4] اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اور اس کے سوا باقی تمام دن مصیبت، بدبختی اور سختی کے ہیں۔ جب تو سعادت وخوش بختی کو چاہتا ہے جو تجھے حاصل ہے تو وصل کا ارادہ کر، کیونکہ فراق کا اندھیرا عزت والوں کے عیش کو مکدر اور بدمزہ کرنے کا انتظار کر رہا ہے۔

اور شیخ الاسلام سے اِس مصرع کی عربی بنانے کی فرمائش کی۔

آب آید باز در جوئے کہ روزے رفتہ بود

ترجمہ:۔ اس نہر میں وہی پانی پھر آیا جو کل چلا گیا تھا۔

شیخ نے جواب میں کہا:

عَهِدْنَا الْمَآءَ فِي نَهْرٍ وَنَرْجُوْ كَمَا زَعَمُوْا رُجُوْعَ الْمَآءِ فِيْهِ

ترجمہ: پچھلے دنوں ہم نے نہر میں پانی پیا تھا اور ہم اس نہر میں پانی کے لوٹ آنے کی اُمید رکھتے ہیں۔

شیخ الاسلامؒ نے کہا کہ مکتب میں ایک خوبصورت لڑکا تھا اور اس کا نام ابواحمد تھا۔ ایک لڑکے نے کہا کہ اس کے واسطے کچھ کہہ۔ میں نے یہ شعر کہا؎

لِاَبِيْ اَحْمَدَ وَجْهٌ قَمَرُ اللَّيْلِ غُلَامُهُ
وَلَهُ لَحْظُ غَزَالٍ رَشَقَ الْقَلْبَ سِهَامُهُ

ترجمہ:۔ ابواحمد کا چہرہ ایسا حسین ہے کہ رات کا چاند اس کا غلام ہے اور اُس کی آنکھیں ہرن کی آنکھیں ہیں۔ جس کے تیروں نے دل کے ٹکڑے کر دیے۔

اور خواجہ فرماتے تھے چھ ہزار عربی کے اشعار میرے ایسے ہیں کہ:

بروزن راست در دست مردمان جو صحیح وزن پر لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں اور میرے اجزا
و بر پشت اجزائے من است کی پشت یعنی کاغذوں پر لکھے ہوئے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صد گزشتہ) ؎ جاروزی ایک شخص کا نام ہے۔ جس کا چہرہ نہایت حسین تھا۔

؎ مطلب یہ ہے کہ نو سال کی عمر میں حدیث لکھنے لگا اور اس کو املاء کہتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں محدثین کی عادت تھی کہ وہ حدیث کو پڑھتے تھے اور سُننے والے اس کو لکھتے تھے۔

؎ یعنی وعظ کہنے لگا تھا۔

اور شیخ الاسلام نے یہ بھی کہا ایک دن میں نے اندازہ کیا، کہ مجھے عربی کے کتنے اشعار یاد ہونگے، تو مجھے ستر ہزار اشعار سے زیادہ یاد نکلے۔ دوسرے وقت میں کہا۔

من صد ہزار بیت بتازے از شعرائی عرب چہ متقدمان چہ متاخران بتفاریق یاد دارم۔ میں متقدمین و متاخرین شعرائے عرب کے ایک لاکھ اشعار جدا جدا یاد رکھتا ہوں۔

اپنے نظام الاوقات کے متعلق یہ فرمایا، "صبح اندھیرے یعنی تڑکے کے وقت قرآن پاک پڑھنے کے لیے قرآن پڑھانے والے کے پاس جاتا۔ جب واپس آتا، تو درس میں مشغول ہو جاتا اور چھ اوراق لکھ لیتا اور انہیں یاد کر لیتا اور جب درس سے فارغ ہوتا، تو چاشت کے وقت ادیب[1] کے پاس آتا اور سارا دن لکھتا رہتا۔ میں نے اپنا سارا وقت اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ مجھے بالکل فراغت نہ ہوتی تھی۔ سارا وقت گزر جاتا، مگر اس میں کام پورا نہ ہوتا تھا، بلکہ مجھے مزید وقت کی ضرورت ہوتی تھی اور ایک یہ کہ دن اور زیادہ ہوتا۔ میں اس قدر مشغول رہتا کہ عشاء کے بعد بھی نہار منہ ہوتا۔ (دن میں کھانے کی بالکل فرصت نہ ملتی) اور یہ بھی فرماتے تھے کہ رات کو چراغ کی روشنی میں حدیث لکھتا اور روٹی کھانے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ ہاں لکھنے کی حالت میں میری والدہ روٹی کے ٹکڑوں کا لقمہ بناتی اور میرے منہ میں رکھ دیتی تھی۔"

شیخ الاسلامؒ نے یہ بھی کہا، "حق تعالیٰ نے مجھے ایسا حافظہ عطا فرمایا کہ جو کچھ میرے قلم سے نکل جاتا، مجھے حفظ ہو جاتا تھا۔ اور فرمایا تین لاکھ احادیث ہزار ہزار سندوں کے ساتھ یاد رکھتا ہوں۔" اور فرمایا، "حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب اور تلاش کرنے میں جس قدر میں نے تکلیف اٹھائی اور محنت کی ہے کسی نے بھی اتنی محنت و تکلیف نہیں اٹھائی ہوگی۔" اور فرمایا، نیشاپور سے زیاد تک ایک منزل ہے۔ جب بارش آجاتی تھی میں رکوع کی حالت میں جھکے جھکے چلتا تھا اور حدیث کے اجزاء (کاپیوں) کو اپنے پیٹ کے ساتھ لگائے رکھتا تھا، تاکہ وہ بارش میں بھیگ نہ جاویں۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، مجھے وہ نیت بس کافی ہے جو ابتداء میں علم سیکھنے سے تھی، یعنی دنیا کی طلب کے لیے نہ تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و طریقہ کی نصرت و مدد کے لیے تھی۔ نیز یہ بھی فرمایا، میرے زمانہ میں کوئی بھی وہ کام نہ کر سکا جو میں نے کیا۔ میں اگر اپنے بدن پر ہاتھ رکھتا، تو لوگ کہتے، یہ کیا ہے؟ میں اس کیلئے حدیث رکھتا تھا[2]

---

[1] ادیب علم ادب کے متبحر زبان اور قواعد کے جاننے والے کو کہتے ہیں۔

[2] میری ہر حرکت جو مجھ سے صادر ہوتی اس میں میری سند اور دستاویز حدیث ہوتی، یعنی میری کوئی بھی حرکت حدیث کے خلاف نہیں ہوتی تھی۔

اور فرماتے تھے۔ مَیں نے تین سو شیوخ سے حدیث لکھی۔ جو سب کے سب سُنّی، یعنی اہلِ سنّت، حدیث کے ماہر اور عامل بالحدیث تھے۔ نہ بتدع (بدعتی) تھے نہ صاحب الرّائے (قیاس پر عمل کرنے والے) اور یہ بات کسی اور کو میسّر نہیں ہوئی۔ اور فرمایا، میں نے بہت سی عالی سندیں اس لیے چھوڑ دی ہیں اور نہیں لکھی ہیں کہ وہ آدمی صاحب الرّائے تھا یا اہلِ کلام تھا، کیونکہ محمد بن سیرینؒ کا فرمان ہے:

اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاخُذُوْنَہٗ — بے شک یہ علم (حدیث) دین ہے۔ پس جس سے حاصل کرو اُس (کے عمل اور اخلاق) کو دیکھو[1]۔

اور نیشاپور میں مَیں نے قاضی ابوبکر حیری کو پایا۔ اُن سے مَیں نے کوئی حدیث نہیں لکھی، کیونکہ وہ متکلّم اور اشعری مذہب رکھتے تھے، اگرچہ وہ اسناد عالی رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں وعظ کہنے، قرآن کی تفسیر میں خواجہ امام یحیٰی عمّار کا شاگرد ہوں۔ اگر میں ان کو نہ دیکھتا تو اپنی زبان نہ کھولتا۔ یعنی وعظ کہنے اور قرآن پاک کی تفسیر کرنے میں زبان سے ایک حرف بھی نہ نکالتا۔ اور فرمایا میں چودہ سال کا تھا۔ خواجہ یحیٰی نے قہندز والوں سے فرمایا۔ عبداللہ را بناز دارید۔ عبداللہ کو ناز سے رکھنا، یعنی لاڈلوں کی طرح رکھنا۔ اس سے ایک امام کی خوشبو آتی ہے۔

۳۱۴ حضرت خواجہ یحیٰی بن عمّار الشّیبانی السجستانی مقیم ہرات قدس اللہ سرّہٗ

المتوفی ۴۰۳ھ۔ اُنہوں نے شیخ ابو عبداللہ خفیفؒ کو شیراز میں دیکھا تھا اور ان کے لیے مجلس قائم کی تھی۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ہرات میں علم کی مجلس قائم کی تھی۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، ہرات میں علم کی رسوم خواجہ یحیٰی لائے۔ مجلس قائم کرنا اور دین احمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو سُنّت کے مطابق اور موافق کرنا ان کی وجہ سے تازہ ہو گیا۔ قاضی ابو عمرو بسطامی ہرات آ کر خواجہ یحیٰی عمار کی مجلس میں تشریف لائے۔ جب مجلس ختم ہو چکی تو خواجہ یحیٰی چوکی سے اترے اور قاضی بسطامی کے پاس گئے۔ قاضی بسطامی انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

از مشرق تا مغرب در برّ و بحر بگشتم۔ دین تر و تازہ بہرات یافتم۔ — میں مشرق سے مغرب تک خشکی اور تری میں پھرا ہوں مگر دین کو صرف ہرات میں تر و تازہ (اپنے اصلی خدوخال میں) پایا۔

---

[1] یعنی یہ دیکھو کہ دین کس سے لے رہے ہو۔ نقلی علوم میں کہنے والے پر نظر رکھنی چاہیئے اور علوم عقلی میں معقول بات پر نظر رکھنی چاہیئے۔ ایک بزرگ کہتے تھے علوم عقلی میں قائل سے صرف نظر کرنی چاہیئے کیونکہ عقلیات زیادہ تر وہم سے حکم کے باہر نہیں نکلیں۔ سب توہمات اور تمثیلات ہیں۔

اور نیشاپور میں بھی جاکر قاضی ابوعمرو بسطامی نے بزرگوں سے یہ فرمایا تھا۔

طُفْتُ الدُّنْیَا شَرْقًا وَ غَرْبًا فَوَجَدْتُ الدِّیْنَ غَضًّا بِھِرَاتٍ۔

میں نے مشرق سے مغرب تک دُنیا کا طواف کیا۔ پس میں نے سارے جہان میں صرف ہرات کے اندر دین کو تازہ پایا۔

اور قاضی ابوعمرو بسطامی بزرگ اور امام یگانۂ جہان تھے۔

امامِ یافعی کی تاریخ کے مطابق ابوعمرو بسطامی محمد بن حسین شافعی قاضی نیشاپور اور نیشاپور میں شوافع کے شیخ کا ۴۰۸ھ میں انتقال ہوا اور نیشاپور سے رحلت کی۔ بہت سے مشائخ سے حدیث سنی تھی۔ مذہب شافعی کے مدرّس تھے۔ طبرانی اور ان کے طبقہ سے املا حدیث کیا تھا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا "ایک دفعہ خواجہ یحییٰ عمّار بیمار ہوئے۔ جب افاقہ ہوا کُرسی پر مجلس کی۔ دو غلام اُن کا ہاتھ پکڑ کر اُنھیں منبر پر لے گئے۔ اس وقت یحییٰ عمار نے فرمایا۔ یحییٰ عمار نے ساری عزّت اس لکڑی یعنی منبر و کُرسی سے پائی ہے، لیکن اب میں طاقت نہیں رکھتا"۔ پھر کہا، میں نے سنا، کہ لوگوں نے کہا، کہ یحییٰ عمّار کا پاؤں اُنھوں نے کھینچ لیا۔ (اس کا قصہ آخیر ہو چکا ہے) اُنھوںؒ نے حضرت مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاؤں مبارک کو کھینچا ہے۔ ابوبکرؓ اُن کی جگہ بیٹھے اور جب ابوبکرؓ کے پاؤں کو کھینچا تو ان کی جگہ عمرؓ بیٹھے۔ اُنھوں نے عمرؓ کا پاؤں کھینچا تو ان کی جگہ عثمانؓ آگئے۔ عثمان کے بعد علیؓ بیٹھے اللہ ان سب سے راضی ہو۔ جب وہ میرا پاؤں کھینچیں گے تو عبداللہ آئے گا اور میری جگہ بیٹھ جائے گا۔ وہ ملحدوں، بے دینوں اور اہلِ بدعت کے دماغوں پر ضرب لگائے گا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، مَیں اُس دن ان کی کرسی کے پایہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اُنھوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ وہ عبداللہ جو لڑکا ہے۔ اس کے بعد شیخ عمو نے مجھ سے فرمایا، وہ عبداللہ تو ہی تھا اور قسم ہے میری جان کی کہ وہی ہوا اور تاریخ یافعی میں ہے کہ ۴۲۲ھ میں امام الواعظ یحییٰ بن عمّار الشیبانی السجستانی مقیم ہرات فوت ہوئے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اس طائفہ کی اونچی نسبت مشائخ کا دیدار ہے۔ اس جماعت کے لیے پہلا مرتبہ جو اس قوم کے متعلق وہ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس نے فلاں پیر کو دیکھا ہے اور اس نے فلاں شیخ کی صحبت اختیار کی ہے اور فرمایا کہ: دیدارِ مشائخ را غنیمت باید گرفت کہ دیدارِ پیران اگر دست بشود آں را در نتواں یافت آں ہمیشہ نبود عرفاں ہمیشہ بود دیدار ایشاں نبود وفایت آں را تدارک نبود

دیدارِ مشائخ کو غنیمت جان کر حاصل کرو کہ پیروں کا دیدار اگر ہاتھ سے نکل گیا اس کو پھر نہ پاسکو گے، کیونکہ بزرگوں کا دیدار ہمیشہ نہ رہے گا عرفان تو ہمیشہ رہیگا۔ جو دیدار سے محروم

نہ توان یافت۔ رہا وہ اسی کا تدارک نہ کرسکیگا اور پھر نہ پا سکے گا۔

شیخ الاسلامؒ قدس سرّہٗ نے فرمایا، حدیث اور علم شرح میں میرے مشائخ بہت ہیں، لیکن اس کام میں یعنی طریقت اور تصوّف میں میرے پیر شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔

اگر من خرقانی را ندیدم حقیقت ندانستمی ہموارہ این بآں درمے آمیختی یعنی نفس با حقیقت۔ اگر میں خرقانی کو نہ دیکھتا تو حقیقت کو نہ جانتا۔ ہمیشہ یہ اس کے ساتھ ملا رہتا یعنی نفس حقیقت کے ساتھ مخلوط رہتا ایک دوسرے کی تمیز نہ ہوتی۔

اور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا:

وے پیر من است بیک سخن کہ گفتہ این کہ مے خورد و می خسپد چیزے دیگر است مرا بوئے پس ازیں ہیچ چیز نماند کہ علم حقیقت مرا دیدہ دانستہ شود۔ وہ میرا پیر ہی ہے جس نے ایک بات کے سبب جو اس نے کہی کہ یہ چیز جو کھاتی ہے اور سوتی ہے وہ دوسری چیز ہے مجھے وہ کافی ہے اور اس کے بعد کوئی چیز نہ رہی کہ علم حقیقت میرے لیے دیکھا ہوا اور جانا ہوا ہو گیا۔

(مطلب یہ ہے کہ بدن میں محض ایک امر متصرّف ہے۔ جس کو نفس کہتے ہیں۔ یعنی بدن میں تبدیلی لانے والی اور اس کو کھانے سونے کی طرف مائل کرنے والی چیز نفس ہے اور شیخ ابوالحسن کی محض اس بات نے شیخ الاسلام میں یہ تصرّف کیا کہ اُن پر تجرّد نفس اور اس کے لوازم کی حقیقت ظاہر ہو گئی۔)

اور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، میں نے حج اسلام یعنی فرض حج کا ارادہ کیا۔ یہاں تک کہ 'رے' سے روانہ ہو گیا۔ اس سال میں قافلہ نہ پہنچ سکا۔ واپسی پر خرقانی کی صحبت میں پہونچا۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا، "تو آگیا؟"

اے من ماشوکہ تو یعنی معشوقہ تو۔ گفت از دریا آمدی۔ از دریا آمدی۔ از دریا آمدی۔ اے وہ کہ میں تیری معشوقہ ہوں۔ پھر کہا۔ تو دریا سے آیا۔ تو دریا سے آیا۔ تو دریا سے آیا۔

ع یعنی اس نقصان اور اس گھاٹے کو پورا نہ کرسکے گا۔ ؎ یعنی نفس کی خواہش اور حقیقت کی خواہش یا نفس کا تقاضا اور حقیقت کا تقاضا دونوں ملے جلے رہتے میں ان میں تمیز نہ کرسکتا کہ نفس کا کونسا تقاضا ہے اور حقیقت کا کونسا؛ جب شیخ ابوالحسن خرقانی کی صحبت میں پہنچا تو نفس اور حقیقت دونوں کے تقاضوں میں تمیز کرنا مجھے آگیا۔

؎ یعنی بدن میں تصرف کرنے والا ایک امر مجرّد ہے جسے نفس کہتے ہیں۔ بس اتنی بات کہہ کر خرقانی نے شیخ الاسلام میں یہ تصرف کیا کہ اُن پر نفس کے تجرّد کی حقیقت اور اس کے لوازمات کی حقیقت ظاہر ہو گئی۔

شیخ الاسلام کے مقامات لکھنے والے نے کہا، "اس کا مطلب یہ ہے کہ تو تفرقہ کے دریا سے جمع کی کشتی میں آگیا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ۔ کسی نے نہ جانا کہ وہ کیا تھا جو وہ غیب سے کہہ گیا۔"

شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔ اُس نے جو بات کہی اس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پتہ نہ تھا۔ اس نے یہ بات غیب سے کہی اور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، کہ اُن کی کرامات میں سے میرے لیے یہ بات کافی اور پوری تھی کہ (مُرا گفت از دریا آمدی) تو دریا سے آیا اور اُن کے علم سے یہ بات کافی تھی جو اُنہوں نے مجھ سے کہی کہ "این کہ می خورد و می خُسپر چیز دیگر است۔ یہ جو کھاتا ہے اور سوتا ہے وہ دوسری چیز ہے۔"

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جب یہ بات مَیں نے سُنی "تو خرقانی من بودم۔ خرقانی میں تھا۔" خرقانی میرے لیے عزّت و حُرمت کا سلوک فرماتے اور مجھے بزرگوں کی طرح رکھتے تھے۔ باتیں کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ میرے ساتھ مناظرہ کر، کہ تو عالم ہے اور میں جاہل ہوں۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، مَیں نے دو آدمیوں سے بہتر نہ سُنے ہیں نہ دیکھے۔ خرقان میں خرقانی اور ہرات میں طاقی۔ اور کسی شخص کے متعلق نہ میں نے سُنا ہے نہ دیکھا کہ یہ دونوں اس کی ایسی عزّت کرتے ہوں جیسی وہ میری عزّت کرتے تھے۔ چنانچہ خرقانی کے مریدوں نے مجھے بتایا کہ وہ تیس سال سے اُن کی صحبت میں رہتے ہیں یعنی خرقانی کی صحبت میں تیس (۳۰) سال گزر گئے ہیں، مگر ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ خرقانی نے کسی کی اس قدر عزّت کی ہو۔ جس قدر تیری عزّت کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام قدّس سرّہٗ نے فرمایا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اُنہوں نے مجھے اس کے پاس بھیجا تھا۔ اور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جب مَیں نے اُن سے کہا، شیخ ایک سوال ہے، تو کہا، "پُرس اے من ماشوکہ تو۔" ارے پوچھ! میں تیری معشوقہ ہوں۔ میں نے ان سے پانچ سوال کیے۔ تین زبان سے متعلق اور دو دِل سے متعلق اُنہوں نے سب کا جواب دیا اور میرے دونوں ہاتھ اپنی رانوں میں دبائے ہوتے تھے اور وہ اس سے بے خبر تھے۔ اور اُن کی آنکھوں سے نہر کی طرح پانی چل رہا تھا اور اسی مستی کے حال میں وہ مجھ سے باتیں کر رہے تھے۔

۳۱۵۔ حضرت ابوالحسن نجّار قدس سرّہٗ

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ وہ قہندز میں بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ باہیبت اور بزرگ مرد تھے۔ اُن کو کسی نے نہ پہچانا۔ ایک دفعہ لوگوں نے اُن کو مکہ میں دیکھا ہے کہ پچاس کوزہ بردار مُریداُن کے ساتھ تھے۔ اُن کے ایک مرید نے مجھ سے حصریؒ کے خادم ہلال کے حوالہ سے یہ حکایت بیان کی کہ حُصریؒ نے کہا،

لَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ اِلَّا بِاِذْنِی۔ بغیر میرے حکم کے سُورج طلوع نہیں ہوتا۔[۱]

۱۔ یعنی میرے حکم کے بغیر سُورج نہیں چڑھتا اس وجہ سے کہ وہ قطب ہوئے ہیں کہ اُن کے ذریعہ عالم کو فیض پہونچتا ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ قاضی ابراہیم باخرزی نے مجھ سے کہا، کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ مَیں نے کہا، خداوندا! آدمی تجھ تک کب پہونچے گا۔ فرمایا اس وقت کہ اُس کے لیے کوئی مانع نہ رہے جو اس کو مجھ سے باز رکھے۔

اور شیخ الاسلامؒ نے کہا، شیخ ابوعلی سیاہ کی زیارت میرے نصیب میں نہ تھی، لیکن جب خرقانی سے رُخصت ہو کر آیا۔ تقدیر سے مَیں نے شیخ عمو کو دیکھا۔ جو شیخ ابوعلی سیاہ کے یہاں سے واپس ہو رہے تھے۔ وہ مجھے ابوعلی کے حالات و حکایات سُناتے تھے اور مَیں خرقانیؒ کے سُناتا تھا اور ابوعلی سیاہ مَرْو میں بزرگ آدمی تھے۔ صاحب سُخن، صاحب کرامات اور ولایت عظیم تھے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، پیر محمد کشُور تائب اور صادق تھے۔ ریاضتیں کرتے تھے۔ وصال کے روزے رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وہ وصال میں تھے۔ مَیں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ چالیس روز تک وصال کیا۔ لوگوں نے مجھ سے کہا۔ اس نے ۸۰ روز تک بغیر افطار کے روزے پورے کیے ہیں اور بعض نے کہا، سَو دن تک بغیر افطار کے روزے رکھے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اُس نے مجھ سے کہا تھا، کہ اگر تو اس پر قائم ہو جائے، تو مشرق و مغرب میں تیرے جیسا کوئی نہ ہو۔ شیخ الاسلامؒ نے کہا، میں دو دفعہ ابوسعید ابوالخیر کے پاس رہا ہوں اور اُنہوں نے اپنے سَر سے اپنی دستار اتار کر اور مصری گدڑی مجھے دی ہے اور پکا ہوا شلغم میرے مُنہ میں دیا ہے۔ جب مَیں اُن کے پاس گیا میرے لیے وہ پورے کھڑے ہو گئے اور وہ میری اس قدر تعظیم کرتے تھے کہ کسی اور کی اتنی تعظیم نہ کرتے تھے، لیکن میری اُن کے اعتقاد کی وجہ سے مخالفت ہے اور دوسرے اُن کی طریقت میں کہ اُنہوں نے مشائخ کے طریقہ کو اختیار نہیں کیا[1]۔ بعض مشائخ وقت اُن سے اچھی طرح پیش نہ آتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ نے کہا، احمد خضرویہ نے ایک دن بایزیدؒ کے سامنے کہا۔ اپنے سے کاٹ دے۔ شیخ الاسلام نے کہا، کہ جو کچھ احمد نے کہا، وہ عام کے لیے ہے اور جو کچھ بایزیدؒ نے کہا وہ خاص کے لیے ہے۔ کیونکہ اُمید علّت ہے۔ (یعنی کمی و نقصان ہے) اُمید ناموجود پر ہوتی ہے۔ یافت پر اُمید کب ہوتی ہے[2]۔

ابوبکر الدّقیؒ نے فرمایا، اَلْعَافِیَۃُ وَالتَّصَوُّفِ لَا یَکُوْنُ[3]۔ آرام اور تصوّف جمع نہیں ہوتے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اگر تو صُوفی ہے تو اپنے حالات پر تہمت لگا، کہ یہ دعویٰ ہے اور اپنے افعال پر تہمت لگا کہ یہ ریا ہے اور اپنے اقوال پر تہمت لگا کہ یہ بے حقیقت ہیں۔ ایک جوانمرد جنگل میں مضطرب اور بے قرار ہوا۔ اس

---

[1] یعنی ظاہر میں وہ مشائخ کے طریقہ پر نہ تھے۔ اس وجہ سے ان کے یہاں کھانے میں تکلفات تھے اور سماع میں مبالغہ۔

[2] یعنی اُمید نقص اور کمی ہے اس بنا پر کہ وہ مطلوب کے نہ پانے پر ہوتی ہے۔ جب مطلوب کو پالیا تو اُمید کس بات کی۔

[3] یعنی بلا و مصیبت کا نہ ہونا اور تصوّف کا ہونا یہ دونوں جمع نہیں ہوتے یعنی صُوفی ہو اور اُس پر دکھ آزمائش یا کوئی مصیبت نہ ہو وہ صُوفی، صُوفی نہ ہوگا۔

نے کہا،" اگر تو سلامتی کے ساتھ باہر نکال دے گا، ہرگز تجھے یاد نہ کروں گا۔" جب وہ جنگل سے باہر نکل آیا، ایک آدمی اسے اپنے گھر لے گیا اور کھانا دیا۔ اُس نے سیر ہو کر کھایا اور مر گیا۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اگر وہ زندہ رہتا اور یاد نہ کرتا، تو شریعت تباہ ہو جاتی اور اگر یاد کرتا تو عہد واقرار تباہ ہو جاتا۔ وہ سچا تھا۔ اس کے شغل نے اس کی کفایت کی۔ اس نے ہنسی اور تحقیر سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں یاد نہ کروں گا، بلکہ اپنی یاد کی شرم سے کہا تھا۔[1]

شیخ ابو علی سیاہؒ نے ایک مرد سے کہا:

از ہر چہ چیزے بشود چیزے بماند، مگر شریعت	ہر چیز میں سے اگر کوئی چیز جاتی رہے تب بھی کچھ رہ جاتی ہے مگر
کہ چوں چیزے ازاں بشود، ہیچ چیز نماند۔	شریعت جب اس سے کوئی چیز جاتی رہے، تو کوئی چیز نہیں رہتی۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، بہت اچھا کہا اور یہ ایسے ہے کہ شریعت ہمہ گی (پورا کام) چاہتی ہے۔ شریعت میں زیادتی بھی شریعت کا نقصان ہے۔ شریعت پانی کی طرح ہے۔ پانی اندازہ کا ہونا چاہیئے۔ اگر بڑھے گا ویران کر دے گا اگر گھٹ جائے گا سیراب نہ کرے گا۔

مرتعش نے کہا، ہرگز خود را بباطن خاص نہ دیدم	مَیں نے ہرگز اپنے کو خاص کے باطن میں نہیں دیکھا جب
تا خود بظاہر عام ندیدم۔	تک کہ مَیں نے ظاہر میں اپنے کو عام نہیں دیکھا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اس کے معنی یہ ہیں۔ میری حقیقت درست نہیں ہوگی جب تک میری شریعت صاف اور خالص نہ ہوگی۔

شیخ الاسلامؒ کی عادت یہ تھی کہ جو کچھ وہ سُنتے، خواہ وہ اچھی خصلتیں ہوں یا پسندیدہ افعال خواہ حدیث میں ہوں یا حکایات مشائخ میں وہ اس پر ضرور عمل کر لیتے تھے اور فرماتے تھے۔ اگر تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی سنّت معلوم ہو، اگر اس پر ہمیشہ عمل نہ کر سکو، تو ایک دفعہ ضرور کر لیا کرو، تاکہ تمہارا نام سنّیوں کے زمرہ میں کر دیں۔ اسی طرح مشائخ کے اچھے معاملات اور ان کے احوال واخلاق کے متعلق ہمیشہ فرمایا کرتے، ان کی پیروی کرو اور ان کی سیرت وعادات کو اختیار کرو، اگر ساری نہ کر سکو تو کچھ نہ کچھ ضرور کر لیا کرو۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، میں ایک دن سفر میں تھا۔ ایک درویش نے مجھے قسم دی کہ مجھے اپنی شلوار دے۔ مجھے اس امام کا واقعہ یاد آ گیا جو سوار ہو کر آ رہا تھا۔ اس کو ایک درویش نے خدا کی قسم دی کہ مجھے اپنی شلوار دے۔ وہ امام گھوڑے سے اُترا اور شلوار اُسے دے دی۔ لوگوں نے کہا، آپ نے یہ کیا کیا؟

---

[1] یعنی وہ اپنے ذکر کو بارگاہِ الٰہی کے لائق نہیں سمجھتا تھا۔

بھکاریوں کا کام جھوٹ بولنا اور فریب دینا ہے۔ فرمایا، "میں جانتا ہوں، لیکن میرے لیے جائز نہیں کہ وہ مجھے خُدا کی قسم دے اور مَیں اسے چھوڑ کر چلا جاؤں یا اس کا سوال پورا نہ کروں"۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، "میں نے بھی وہی کام کیا۔ اپنی شلوار اس درویش کو دے دی اور مَیں بغیر شلوار کے وعظ کی مجلس میں وعظ کرتا رہا۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، میں بہت مرتبہ مانگے ہوئے کپڑے پہن کر وعظ کہنے کے لیے باہر آیا ہوں اور بہت مرتبہ گھاس کھا کر زندگی گزاری ہے۔ بہت مرتبہ اینٹ کو تکیہ بنا کر سَر کے نیچے رکھ کر سویا ہوں۔

واں وقت یاراں داشتم و دوستاں وشاگرداں ہمہ سیم داراں و تونگراں بودند ہرچہ من خواستمے و براِیشاں پیدا نہ کردمے و حاجات خود ظاہر نہ کردمے، و من گفتمے چرا خود ایشاں ندانند کہ من ہیچ ندارم و از کسے چیزے نہ خواہم۔

اور اُس وقت میرے یار دوست اور شاگرد سب سیم دار و مالدار تھے، لیکن نہ مَیں اُن سے کچھ مانگتا تھا اور نہ ہی اپنی ضرورت اُن پر ظاہر کرتا تھا اور میں یہ کہتا کہ یہ لوگ خود کیوں نہیں سمجھتے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے اور یہ کہ میں کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔

میں چھوٹا سا تھا کہ میرے والد نے دُنیا سے ہاتھ اٹھالیا۔ اور سارا مال و اسباب خرچ کر دیا۔ اور ہمیں تکلیف میں چھوڑ دیا۔ ہماری تکالیف کی ابتدار اور درویشی کا آغاز اُسی وقت سے شروع ہوگیا۔ اور فرمایا، سردی کے زمانہ میں میرے پاس جُبّہ نہیں ہوتا تھا، حالانکہ سردی بہت پڑتی تھی اور میرے سارے گھر میں ایک بوریا صرف اتنا تھا جس پر میں سوتا اور نمدہ کا ایک ٹکڑا تھا جسے اوڑھ لیتا تھا اور وہ بھی اتنا چھوٹا کہ اگر پاؤں کو ڈھکوں تو سر کُھلا رہتا اور اگر سر کو ڈھکتا تو پاؤں کُھلے رہتے اور ایک اینٹ تھی جس پر سر رکھ کر سو جاتا تھا اور ایک میخ (کھونٹی) تھی جس پر مجلس میں آنے والے کپڑے اتار کر لٹکا دیتا تھا۔

ایک دن ایک عزیز آیا۔ مجھے اس حال میں دیکھ کر انگلی دانتوں میں دبائی اور رونے لگا۔ کچھ دیر روتا رہا، پھر اُس نے اپنے سر سے دستار اتاری اور رکھ کر چلا گیا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، مجھے یہ استطاعت وطاقت نہ تھی کہ مجلس میں آنے والے قاریوں کی کچھ خدمت کر سکوں۔ کسی سے مانگتا بھی نہ تھا، البتہ میرے دل میں اس کا بوجھ ضرور رہتا تھا (کہ میرے پاس آکر یہ لوگ مجھے قرآن سنائیں۔ میں اُن کی کوئی خدمت نہ کروں اور یہ لوگ میرے پاس سے خالی جائیں۔) آخر کار ایک آدمی نے حضرت دانیال پیغمبر علیہ السّلام کو خواب میں دیکھا۔ اُنہوں نے فرمایا، کہ فلاں دُکان عبداللہ کے لیے چھوڑ دے، تاکہ وہ اس کی آمدنی قاریوں کو دیا کرے۔

حضرت دانیال علیہ السّلام نے اس شغل کی کفایت کی اور وہ آدمی اس دکان کی آمدنی قاریوں کو دے دیتا تھا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، میرے زمانہ میں چھ سیر روٹیاں ایک طشتوئی[لہ] میں آجاتی تھیں، مگر میں پالک کھا کر گزارا کرتا تھا۔

(لہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

شیخ الاسلامؒ نے یہ بھی فرمایا، مجھے ساری عمر میں اللہ تعالیٰ نے آدھے دن بھی دنیا کی طلب میں نہیں دیکھا اور اب مجھ پر اس کی کشائش فرماتے ہیں، لیکن اگر میں اس کو قبول نہ کروں تو کافر ہو جاؤں۔ اور اگر میرے دل میں اس کی کوئی قدر و قیمت ہو، تب بھی کافر ہو جاؤں۔ اور جس وقت تک کہ میں نے دُنیا سے چھٹکارا نہیں پا لیا اور اُنہوں نے خواہش کو میرے دل سے نہیں نکال دیا، مجھ پر اس کی فراغت نہ کی۔ اور اگرچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک ہی کیوں نہ ہو، مجھے ہر اس چیز سے جو مَیں نے کبھی دیکھی تھی اور وہ مجھے اچھی لگی تھی اور میرے لیے ضروری تھی اور کسی وقت میری آنکھ اور دل پر گزری تھی، آج ایک ایک کر کے مجھے نقد دیتے ہیں اور میں یہ کہتا ہوں۔ یہ وہ چیز ہے جو فلاں وَقت میں نے دیکھی تھی اور میرے دِل میں اس کا خیال آیا تھا۔ (عجب معاملہ ہے) جس وقت مجھے اس کی ضرورت تھی نہیں دی اور اب دیتے ہیں۔

ایک تُرک حضرت شیخ الاسلام کی مجلس میں ہمیشہ آیا کرتا تھا اور شیخ الاسلام کے سر کے پیچھے سُپر (ڈھال) کے برابر ایک نُور دیکھتا تھا۔ ایک دن وہ شیخ احمد کوفانی کے پاس آکر کہنے لگا کہ خواجہ کے سر پر تو بھی نور کی ڈھال دیکھتا ہے؟ اُس نے کہا۔ "دیکھتا ہوں"۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ احمد کوفانی دیکھتا نہ تھا، لیکن اس کو گوارا نہ تھا کہ جس چیز کو ترک دیکھتا ہے۔ وہ کہے، مَیں نہیں دیکھتا ہوں۔ اس لیے شیخ احمد نے ذو معنی لفظ کہہ دیا۔ میں دیکھتا ہوں، تاکہ اس کی تردید نہ ہو۔ آخر وہ تُرک حج کو گیا، واپس آیا تو اس کو وہ نُور نظر نہ آیا۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اس ترک نے کہا، اب وہ نور نہیں دیکھتا اس کا کیا سبب ہے؟ مَیں نے کہا، اب تُو اپنے کو بخشا ہوا سمجھتا ہے اور اپنی نگاہ میں اپنے کو بزرگ جانتا ہے کہ میں نے حج کر لیا ہے۔ میں حاجی ہوں، لیکن جب تجھے نُور نظر آتا تھا اُس وقت تُو صاحب نیاز ہمارا محتاج و پیاسا تھا[۲]۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ہر آدمی کا ایک بُت یعنی معشوق اور رَغبت کی چیز ہے۔ بہار کا موسم میرا بُت ہے کہ میں اُس کی بہار کو پسند کرتا ہوں۔ ایک زمانہ میں ایسی گرم ہوا چلی کہ اُس نے سارے پھولوں کو جلا دیا۔ مجھے بے قراری تھی کہ پھُول دیکھوں تاکہ میری آنکھوں کو چین ملے۔ گازرگاہ[۳] جاتا تھا کہ باغیچہ میں ایک بڑا پھُول دیکھا جو سُکرّہ[۴] کے برابر تھا اور بہت خُوبصورت تھا اور اس سے بڑا پھُول ممکن نہ تھا۔ ایک دفعہ میں بہت تنگ دل تھا۔ کسی معاملہ سے پریشان ہو کر گھر کے دروازہ

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) [۵] طسّوج ایک دانگ کا چوتھائی حصہ اور دانگ ۲ رتّی کا وزن ہوتا ہے۔

صفحہ ہذا: [۱] یعنی اب مجھ پر دُنیا کھولتے ہیں۔ [۲] شیخ الاسلام کے الفاظ یہ ہیں: آں وقت خداوند نیاز و تشنہ ما بودی۔

[۳] گازرگاہ شیراز کا ایک مقام ہے جہاں شیخ سعدی شیرازی مدفون ہیں۔ دھوبیوں کا گھاٹ۔

[۴] سُکرّہ۔ مٹی کا چھوٹا پیالہ جس میں پانچ مثقال پانی آسکے۔

پر غمگین بیٹھا ہوا تھا۔ زور کی ہوا چلی۔ اچانک ہشت پہلو (آٹھ تہہ والے) کاغذ کا پُرزہ اُوپر سے نیچے گرا جس میں سُرخ روشنائی سے (فرج، فرج) لکھا ہوا تھا۔ " خوش ہو جا، خوش ہو جا یا اپنے دل کا رنج و فکر دُور کر دے اور فراخی میں آ۔" شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، شیخ ابوالخیر مکہ میں آٹھ سال مقیم رہے اور اس عرصہ میں اُنہوں نے کسی سے کوئی سوال نہیں کیا اور مکہ میں رہتے ہوئے یہ چیز بہت مشکل ہے کہ کسی کے پاس کچھ نہ ہو اور وہ کسی سے سوال نہ کرے۔ ایک دفعہ آٹھ دن رات اُن پر ایسے گزر گئے کہ اُنہوں نے کوئی چیز نہیں کھائی تھی۔ فاقہ اور بیماری دونوں جمع ہو گئے۔ وہ سُست اور نڈھال ہو گئے۔ کسی تدبیر سے اپنے آپ کو مقامِ ابراہیم پر لے گئے تاکہ وہاں دو رکعت نماز پڑھیں۔ کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے نیند آ گئی۔ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ اُن سے کہہ رہے ہیں۔ چہ خواہی؟ تو کیا چاہتا ہے؟ عرض کیا؛ اشراف بر مملکت۔ فرمود "بدادم"۔ گفت دیگر چہ خواہی؟ تیری مملکت پر باخبر رہنا۔ فرمایا، مَیں نے دیدیا۔ فرمایا، اور کیا چاہتا ہے۔ میں نے عرض کیا حکمت (دانائی، موقع شناسی گُفت حکمت۔ گُفت "بدادم" "بے وارشد" اور درست کرداری) فرمایا، مَیں نے دے دی۔ اس کے بعد وہ بیدار ہو گئے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، مملکت پر ابوالخیر کے باخبر اور مطلع ہو جانے میں ایک بات یہ تھی کہ وہ کہتے ہیں کہ کئی لوگوں کے سروں پر سفید تحریر میں لکھا دیکھتا ہوں کہ سعید (خوش نصیب) ہے اور کئی سروں پر کالی تحریر میں دیکھتا ہوں کہ شقی (بدبخت) ہے۔ اور دوسری بات وہ یہ کہتے تھے کہ جس ملک یا جس اقلیم سے کوئی آدمی حج کے لیے رُخ کرتا ہے یعنی حج کے لیے آتا ہے میں اس کو دیکھ لیتا ہوں۔ شیخ الاسلامؒ نے یہ سُنا کر فرمایا، مجھے یہ نہیں چاہیئے کہ میں یہ جانوں کہ کون شقی (بدبخت) ہے۔ اس میں کیا کرامت ہوئی، یہی کہ ہر کسی کا غم کھانے لگے۔ میں بُرائی میں کم کام کرتا ہوں، البتہ خیر میں جلدی کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں اور مَرد کا مقام ایک نظر سے دیکھ کر بتا دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اس کا مقام کہاں تک ہے۔ ہاں شقاوت و بدبختی نہ تو جانتا ہوں اور نہ جاننا چاہتا ہوں یعنی اگر چاہوں تو جان لوں۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، وہ مجھے نہیں چھوڑتے یعنی رُخصت نہیں دیتے کہ میں اہلِ ولایت کو دُوسروں سے جُدا کروں[1]۔ ایک دفعہ مَیں نے کہا کہ مَیں جدا کر دُوں تو اُنہوں نے مجھے اجازت نہ دی۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، ایک آدمی تو وہ ہے جو فراست یعنی نورِ بصیرت سے بات کہتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ کیا کہتا ہے، یعنی اگر چاہے تو جان لے اور جو کچھ کہتا ہے وہ دیکھ لیتا ہے۔ اس کا یہ دیکھنا ہمیشہ رہتا ہے۔ اور کوئی ایسا ہوتا ہے جس کے لیے فراست سے

---

[1] یعنی کھرے کھوٹے کو، اصلی اور نقلی کو کہ کون ولی ہے اور کون نہیں اس کی نشاندہی کر دوں۔ اس کی اجازت نہیں دیتے۔

سے دیکھنا کسی وقت ہوتا ہے اور کسی وقت نہیں ہوتا۔ اگر غلبۂ حال اور جوش میں کچھ کہہ دیتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے کیونکہ جو بات اس کی زبان پر آتی ہے وہ حقیقت بن جاتی ہے اور اس کی فراست سے درست ہو جاتی ہے، حالانکہ وہ اس سے آگاہ نہیں۔ اِن دونوں میں تمہارے نزدیک کس کا درجہ اُونچا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا وہ پہلا جس کے لیے فراست دائمی ہے۔ وہ اہلِ ولایت ہے اور ایسی فراست زیادہ تر اَبدال، اَبرار اور زاہدوں کے لیے ہوتی ہے۔ اور پچھلا شخص وہ مُحقّق ہے، کبھی وقت ہوتا ہے کہ واقعہ اس سے پوشیدہ رہتا ہے اور ایک وقت ہوتا ہے کہ واقعہ اُس پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر اُس کی زبان پر بات بے اختیار آجاتی ہے تو وہ حقیقت بن جاتی ہے۔ یا بے ارادہ اگر اس کی زبان سے کوئی بات نکل جاتی ہے وہ سچ ہو جاتی ہے۔ اگر وہ غفلت میں کچھ کہہ دیتا ہے، تو چونکہ اللہ تعالیٰ اس کی بات کا پاس رکھتے ہیں، لہٰذا ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے وہ کہہ دیتا۔ جامع مقامات شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ایسے ہی تھے۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ ابوالحسن درّاج، یوسف بن الحسین کی آرزو میں رے شہر میں آئے۔ ابوالحسن جس سے ان کا حال پوچھتے۔ وہ کہتا تھا کہ تیرا اس زندیق سے کیا کام ہے؟۔ جب وہ ایک مہینہ کے بعد یوسف بن الحسین کے پاس آئے تو یُوسُف نے ابوالحسن سے کہا، تجھے کوئی عربی شعر یاد ہے اُس نے کہا، ہاں ہے۔ پس جوان کو عربی شعر یاد تھا وہ پڑھا۔ یُوسف بن الحسین سماع میں شور کرنے لگے، لوٹ پوٹ ہونے لگے اور ان کی آنکھ سے طوفان جاری ہوا۔ اس حال میں اُنہوں نے کہا، اے ابوالحسن تعجب نہ کر، تُو ایک مہینہ رَے میں پھرتا رہا اور لوگوں سے میرا حال پوچھتا رہا۔ وہ کہتے رہے کہ، بآن زندیق چہ کار داری۔ اُس زندیق سے تجھے کیا کام پڑگیا ہے۔ صُبح کے وقت سے اُس وقت تک قرآن پڑھتا رہا اور میری آنکھوں میں آنسُو نہ آئے، لیکن اس ایک بیت پر جو تُو نے پڑھا دیکھ کیا حال ظاہر ہوا۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں، میں تو یہی جانتا ہوں کہ یُوسف بن الحسین نے اوّل سے ہی اس کو پہچان لیا۔ رنگریزی کرتا تھا یعنی تلبیس اور نہ کہا، مگر غلبۂ حال کے وقت میں کہہ گئے۔ پہلے خود کو چھپایا اور اس حالت میں خود کو درست کیا یعنی ابوالحسن کو یوسف بن الحسین نے اپنا مقام بتا دیا۔ آگے حضرت مولانا جامی لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام کے بیان کردہ نکات میں سے یہ نکتہ بڑا نکتہ ہے اُن نکتوں کے مقابلہ میں جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ مولانا جامی پھر فرماتے ہیں۔ جو حکمتیں اور نکتے حق تعالیٰ شانہٗ نے شیخ الاسلام کی زبان سے ادا کرائے ان کی تفصیل دشوار بلکہ محال ہے ان میں سے بہت گزر چکے ہیں۔ شاید اور بھی کچھ آئیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور یہاں اس مقدار پر بس ہے۔ اُن کی وفات ۸۴ سال کی عمر میں جُمعہ کے دن ۲۲، ذالحجہ ۴۸۱ھ کو ہوئی۔

۲۱۶- شیخ ابو عبداللہ الطاقی قدس سرّہٗ

المتوفی ۱۰ صفر المظفر ۴۱۶ھ - ان کا نام محمد بن الفضل بن محمد الطاقی السجستانی الہروی ہے - یہ موسٰی عمران جیرد فتی کے مُرید اور علوم ظاہر و باطن کے عالم تھے - شیخ الاسلام نے فرمایا، وہ میرے پیر ہیں اور حنبلیوں کے اعتقاد میں میرے اُستاد - اگر مَیں اُن کو نہ دیکھتا حنبلیوں کے اعتقاد کو نہ جانتا - اور میں نے طاقی سے زیادہ باہیبت کوئی بزرگ نہیں دیکھا - اور میں نے اُن کو نابینا دیکھا ہے۔ مشائخ ان کی تعظیم کا خاص خیال رکھتے تھے - وہ کرامات اور ولایت والے تھے - فراست تیز رکھتے تھے - جس قدر وہ میرے کام میں دلچسپی لیتے تھے دوسروں کے کام میں ایسی نہیں لیتے تھے - میری عزّت کرتے اور مجھے اچھا جانتے تھے - جس قدر وہ میری عزّت کرتے تھے کسی کی اتنی عزّت نہ فرماتے تھے - مجھ سے کہا تھا، عبداللہ ابن ابی منصور سُبحان اللہ! "وہ کیا نُور ہے جو اس نے تیرے دل میں رکھا ہے" شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، چالیس سال گزر گئے تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ کیا نُور ہے جو وہ کہتے تھے - شیخ الاسلام نے فرمایا، آنکھ اور دل سے محمد قصاب نے مجھے بزرگ بنایا، مگر خرقانی نے مجھے پہچانا اور محمد قصاب نے میری پوری طرح عزّت کی اور میری موافقت میں آئے کہ میرا یار اپنے والد کے لیے دستارچہ خریدتا ہے - اور اُنہوں نے کہا، تیس سال ہو گئے ہیں کہ میں یہاں موجود ہوں، لیکن اس بازار میں نہیں آیا - (خرقانی نے مجھے پہچانا، اس کا مطلب یہ ہے کہ محمد قصاب نے مجھے بطریقِ اجمال پہچانا اور خرقانی نے تفصیل کے ساتھ پہچانا - پہلے گزر چکا ہے کہ تفرقہ سے جمع میں آیا اور نفس اور حقیقت میں تمیز نہ کرتا تھا -) شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، شیخ ابو عبداللہ ابن باکو الشیرازی نے بہت سفر کیے - جہان کے مشائخ کو دیکھا اور بہت سے واقعات و حکایات ان کو حفظ یاد تھیں - مَیں نے انہیں سے چُن کر تیس ہزار حکایتیں اور تیس ہزار حدیثیں لکھیں - شیخ الاسلام نے فرمایا، وہ تصوّف کی صُورت میں بادشاہ تھے - یعنی اُن کا سلوک تصوّف کی صورت میں بادشاہانہ تھا - وہ تمام علوم سے بانصیب تھے - جس قدر وہ میری عزّت کرتے تھے اور کسی کی نہیں کرتے تھے - جب بھی میں اُن کی خدمت میں آتا اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے - اور نیشاپور کے مشائخ ابن ابوالخیر اور ان کے علاوہ کے لیے نہ اُٹھتے تھے - اور فراست عظیم رکھتے تھے - شیخ الاسلام نے کہا، جب میں رَے سے واپس ہوا تو شیخ ابو عبداللہ باکو کی خانقاہ میں آیا - یہاں میرے تین دوست تھے - ایک مکّی شیرازی، ایک ابوالفرج ایک ابوالنصر ترشیزی - شیخ نے آواز دی، ابوالفرج! وہ خانقاہ سے باہر دوڑا اور کہا، لبّیک - شیخ نے کہا، جب دانشمند خانقاہ سے باہر گیا تھا تو مَیں نے تجھے کیا کہا تھا - اس نے کہا، آپ نے کہا تھا کہ وہ سفر میں رہتا ہے اور وہ سفر کے لیے نہیں ہے اور نہ سَفر اس کے لیے ہے - وہ تو اس لیے ہے کہ اس کے گرد حلقہ بیٹھیں اور وہ اس کی کہتا رہے - مَیں نے کہا، کاش! یہ بات اس وقت کہتے، تاکہ یہ تمام رنج اور سَفر نفع بخش ہوتا، لیکن خرقانی کو دیکھنا ضروری تھا، یعنی میرا سفر اُس کے لیے تھا۔

۱۷۰ ۴۳۰۔ شیخ ابوالحسن بشری سنجری قدس سرہٗ

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، وہ میرے پیروں میں سے ہیں۔ جن مشائخ کو مَیں نے دیکھا ہے تین اُن میں بڑے بزرگ تھے۔ خرقانی[1]، طاقی[2]۔ یہ دونوں تو جاسوس القلوب[3] تھے۔ تیسرے ابوالحسن بشریؒ۔ وہ خود تو ثقہ تھے، لیکن روایات میں صُوفی تھے۔ اور اُنہوں نے بہت مشائخ کو ایسا دیکھا جیسے کہ اُن کو دیکھنا چاہیئے۔ اور بات کرنے اور بات سننے کو ان حضرات سے اچھی طرح سیکھا۔ اور اُنہوں نے مشائخ حرم کو بھی دیکھا تھا۔ جیسے کہ شیخ سیروانی اور سرکی، ابوالحسن جہضم، ابوبکر طرطوسی اور ابوعمرو نجید اور ان مشائخ کے علاوہ دوسرے مشائخِ وقت کو بھی دیکھا تھا۔ شیخ ابوعبداللہ خفیف کے شاگرد و مرید تھے۔ ان کے علاوہ حصری، نوری اور ابوزرعہ طبری کو بھی دیکھا تھا۔

۱۷۱ ۴۳۱۔ شیخ ابومنصور محمد الانصاری قدس سرہٗ

المتوفی ۴۳۰ھ۔ شیخ الاسلام کے والد تھے۔ شریف حمزہ عقیلی کے مرید اور ابوالمظفر ترمذی کی خدمت میں رہے۔ شیخ الاسلامؒ نے کہا، شیخ احمد کوخانی نے مجھے کہا، یہ سب کچھ جو تُو نے کیا اور جہاں کے گرد[1] تو نے گشت کیا اپنے والد کو تُو نے کیوں نہ دیکھا۔ شیخ الاسلامؒ نے کہا، مَیں نے ستر (۷۰) سال سے زیادہ عرصہ علم سیکھا ہے۔ لکھا ہے اور مشقت اُٹھائی ہے اعتقاد میں پہلے وہ سب اپنے والد سے سیکھا، لیکن وہ اچھا قرآن پڑھنے والے، صادق، متقی اور ایسے صاحب ورع تھے کہ کوئی بھی اُن جیسا نہ ہو سکا اور نہ اُن جیسی صفات اپنے اندر پیدا کر سکا۔ شیخ الاسلام یہ بھی فرماتے تھے کہ میرے والد میرے بارے میں ایک گمان رکھتے تھے۔ اُنہوں نے مجھے کہا تھا۔ عبداللہ! کب تک تو ایسا کیگا کہ فضیل بن عیاض

---

[1] گرد کے معنی آس پاس، اِدھر اُدھر۔ حلقہ گھیرے دائرے اور ہر گول چیز اور مجلس کے دَور کو کہتے ہیں۔
[2] جاسُوس القلوب یعنی دونوں کو لوگوں کے خیالات معلوم ہو جاتے تھے۔

اور ابراہیم ادہم۔ تجھ سے فضیل آئے گا اور ابراہیم ادہم بھی۔ اُنہوں نے میرے متعلق خواب دیکھا تھا جو مجھ سے تو بیان نہیں کیا۔ ہاں، یہ کہتے تھے کہ ہر روز تعبیر کرتا ہوں۔ صحیح نکلتی ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، مجردّی کے زمانہ میں میرے والد کا وقت خالص تھا۔ وہ فراغتِ دل رکھتے تھے۔ پھر جب وہ بیوی بچوں میں پڑ گئے، تو وہ کیفیت اُن سے جاتی رہی۔ ہمیشہ افسوس کرتے اور خود کو بُرا کہتے اور تنگ دلی کا اظہار کرتے تھے اور اِس تنگ دِلی کے زمانہ میں ہم سے کہتے

میانِ من و شما دریائے آتش باد اما چہ گناہ کردہ بودیم وی زن خواست و فرزند آمد۔ — میرے اور تمہارے درمیان آگ کا دریا ہو جاتا ہم نے کیا گناہ کیا تھا۔ اُس نے عورت چاہی اور بیٹا آگیا۔

ایک دِن اِسی تنگدلی میں دوکان سے اُٹھے اور "سُبحانَکَ اللّٰھُمَّ" کہا اور دوکان سے ہاتھ اٹھالیا اور بلخ چلے گئے اپنے پیر شریف حمزہ عقیلی کے پاس۔ اور شعبان کی تاریخ میں ۴۳۰ھ میں دنیا سے رُخصت ہو گئے۔ بلخ میں شریف حمزہ عقیلی کے نزدیک اُن کو دفن کیا گیا۔ شیخ الاسلامؒ نے یہ بھی فرمایا، جب میں چھوٹا تھا۔ جمعے کے دن میرے والد بزرگوں کے پاس لے جاتے تھے، تاکہ وہ میرے سر پر ہاتھ رکھیں۔

۳۲۱۔ حضرت شیخ احمد حاجی قُدِّسَ سِرُّہٗ

المتوفی ۴۲۱ھ۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، شیخ احمد حاجی میرے پیروں میں سے ہیں۔ اُنہوں شیخ حُصری کو دیکھا تھا۔ اور ابوالحسن طرزی اور اُن کے علاوہ دوسرے مشائخ سے حکایت کرتے تھے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ آپ کو حصری کی کوئی بات یاد ہے؟ کہا، کسی شیخ کے ساتھ ہم حُصری کے پاس آئے تو اُنکے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ شیخ کہتے تھے:

نَحنُ دَوَابُّكَ يَاسَيِّدِي اِعلِفْ دَوَابَّكَ يَاسَيِّدِي — ہم آپ کے چوپایہ ہیں اے میرے مالک۔ اپنے چوپایوں کو چارہ دے اے میرے مالک۔

اور ہاتھ کو ہاتھ پر مارتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، اس بات میں یہ نہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ چارہ کی ضرورت اور خواہش رکھتے تھے۔ دراں نگر کہ بجز او ہیچ حاجت نداشت۔ اس میں یہ دیکھنا کہ اس کے غیر سے اُمید نہ رکھی اور اس کے غیر کے آگے سوال نہ کیا۔

۳۲۲۔ حضرت شیخ عمو قدس سرہٗ

ان کی کُنیت ابو اسمٰعیل ہے۔ احمد بن محمد بن حمزۃ الصوفی نام ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، شیخ عمو خراسان کے اہلِ خدمت تھے۔ وہ میرے پیر اُستاد یعنی صُوفیوں کے آداب و رسوم مَیں نے اُن سے سیکھے ہیں۔ اور عمو میرے مرید تھے۔[2] اور باوجود مرید ہونے کے مَیں اُن

(لہ، [2] اگلے صفحہ پر دیکھیں)

کا ہم پیالہ تھا۔ جب وہ نہ ہوتے ہیں اُن کی جگہ ہوتا اور جب وہ سفر میں ہوتے تو مجھے خطوط بھیجتے تھے۔ شیخ عموؒ نے جہان کے مشائخ کو دیکھا تھا۔ شیخ ابوالعباس نہاوندیؒ نے اُن کو "عمو" کا لقب دیا تھا۔ جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے نیشاپور میں شیخ ابوبکر فرّار کو دیکھا تھا۔ اور پہلا سفر اور حج اسلام شیخ احمد طالقانی کے ساتھ کیا تھا۔ اور شیخ ابوبکر فالیزبان کو بخارا میں دیکھا تھا اور اُنہوں نے جنید اور شیخ ابوبکر مفید کو بھی دیکھا تھا۔ نیز جنید اور شیخ سروانی کے ساتھ صحبت بھی رکھی تھی اور حرم کے تمام مشائخ جیسے ابوالحسن جہضم ہمدانی، شیخ ابوالخیر حبشی، محمد ساخری، شیخ جوال گرد، شیخ ابواسامہ ابوالحسن ترکی، ابوالعباس نسایمی اور ابوالحسن قصاب وغیرہم مشائخ وقت کو بھی دیکھا تھا اور ان حضرات نے اس کو نوازا تھا یعنی ان حضرات نے شیخ عموؒ پر خاص مہربانیاں کی تھیں اور اس نے ان حضرات کی خوب خدمتیں کی تھیں اور ان حضرات کو راحتیں پہونچائی تھیں اور شیخ ابوالفرج طرطوسی کو بھی دیکھا تھا۔ رجب ۴۴۱ھ میں دنیا سے چلے گئے۔ ان کی عمر ۹۹ سال کی ہوئی۔

۳۲۱۔ شیخ احمدؒ کوفانی قدس سرہٗ

شیخ الاسلام نے فرمایا، کوفانی عمو کے خادم تھے۔ بہت سے پیروں کو دیکھا اور خوب سفر کیے تھے۔ اُس نے مجھے کہا،

ماراز تو بدانستیم کہ ما کرا دیدہ ایم یعنی تو ایشاں را شناختۂ بہ حقیقتِ تمام۔ — ہم نے تجھ سے جانا، کہ ہم نے کس کو دیکھا، یعنی تو نے ان حضرات کو پوری حقیقت کے ساتھ پہچانا۔

۳۲۲۔ حضرت شیخ ابوعلی کیالؒ قدس سرہٗ

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، میں نے ابوعلی کیال کو دیکھا ہے لیکن میں بچہ تھا۔ میں نے انہیں نہیں پہچانا۔ ویسے وہ بزرگ تھے۔ سیستان کے شیخ اور ملامت کا طریقہ رکھتے تھے۔ کرامات سے ان کی تعریف نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ وہ خود کرامت سے بڑے تھے۔ وہ اور شیخ احمد نصر اور شیخ ابوسعید مالینی تینوں سرائے صوفیاء کے ایک صفہ میں رہے ہیں اور میں بھی وہیں موجود تھا۔

۳۲۳۔ حضرت شیخ ابواسماعیل نصر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام نے فرمایا، کہ وہ شیخ ابوالقاسمؒ نصر آبادی کے بڑے لڑکے ہیں۔ میں ان سے حدیث رکھتا ہوں اور ان کے والد سے حکایت رکھتا ہوں۔

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) ۱؎ مجرّدی کے زمانہ میں یعنی جب میرے والد نے شادی نہیں کی تھی۔ ۲؎ یعنی اگرچہ میں آدابِ طریقت میں اُنکا مرید ہوں، لیکن حقائق میں وہ میرے مرید تھے کہ حقائق کو اُنہوں نے مجھ سے سیکھا۔

۳۲۱۔ حضرت شیخ اسماعیل دبّاس جیرُوفتی قدس سرہٗ

شیخ الاسلامؒ نے کہا، اسماعیل دبّاس میرے پیروں میں سے ہیں۔ پیر روشن تھے اور محدّث بھی تھے۔ شیخ مومن شیرازی کو دیکھا تھا اور اُن سے حکایات سناتے تھے۔

۳۲۲۔ حضرت شیخ ابو سعید مُعلّم قدس سرہٗ

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابو سعید معلّم پیر روشن تھے۔ نیک دل صدق والے تھے۔ سفید گدڑی استعمال کرتے تھے۔ شیخ ابراہیم کیالؒ کو دیکھا تھا۔

۳۲۳۔ حضرت شیخ محمد ابو حفص کورتی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، یہ بزرگ ہوئے ہیں۔ وقت عظیم والے تھے۔ میرے پیروں میں سے ہیں۔ ایک دفعہ بیمار ہو گئے۔ لوگ انہیں پوچھنے کے لیے آئے۔ بات چل رہی تھی۔ کسی نے اُن کے سامنے دعویٰ کیا۔ انہیں اس کے سُننے کی طاقت نہ رہی۔ غیرت میں آگئے۔ دفعۃً اُٹھ بیٹھے اور کہا۔ حقؒ۔ حقؒ۔ حقؒ۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد ہوش میں آئے اور کہا۔ اَسْتَغْفِرُاللہ، استغفراللہ، استغفراللہ۔ کمزور ہوگیا ہوں حاضرین سے معذرت چاہی۔

۳۲۴۔ حضرت شیخ احمد چشتی اور اُنکے بھائی خواجہ اسماعیل چشتی قُدِّسَ سِرُّہُمَا

شیخ احمد چشتی ابو احمد اَبدالؒ[1] کے علاوہ ہیں، کیونکہ وہ ان سے پہلے ہوئے ہیں اور شیخ الاسلامؒ نے اُن کو نہیں دیکھا تھا۔ اور خواجہ احمد بن مودودؒ[2] بھی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ وہ ان کے بعد ہوئے ہیں اور اُنہوں نے شیخ الاسلامؒ کو نہیں دیکھا تھا۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا۔ طریق ملامت میں تمام تر اور قوی تر مَیں نے احمد چشتی سے بڑھ کر کوئی دوسرا بزرگ نہیں دیکھا اور سارے چشتی حضرات ایسے تھے کہ:

از خلق بے باک در باطن سادات جہاں — مخلوق سے بے خوف اور نڈر اور باطن میں جہاں کے سردار۔

تین مرتبہ وہ بیابان میں گئے تھے، پھر لوٹ آتے، کیونکہ اس میں انہوں نے اپنے اندر پورا پورا اخلاص نہ دیکھا تھا۔ ان کے

---

[1] خواجہ ابو احمد اَبدال چشتی قُدِّسَ سِرُّہٗ سلطان فرسنافہ کے صاحبزادہ چشت کے شرفا اور اس ولایت کے امیر تھے۔ ان کا حال نفحات الانس صہ ۲۹۶ میں پڑھیں۔ طوالت کی وجہ سے مَیں نے ان کا حال نہیں لیا، لیکن پڑھنے کے قابل ہے۔

[2] خواجہ احمد بن مودود بن یُوسف چشتی ان کا بیان نفحات کے صہ ۳۰۲ پر ہے۔

تمام حالات باخلاص اور ترکِ ریا کے ساتھ ہوتے تھے اور شرع میں کسی طرح کی سُستی جائز نہ رکھتے تھے۔ تہاون یعنی شریعت کے استخفاف اور ہلکا سمجھنے کی کب نوبت آتی ہے اور شیخ احمد نجار اور اُن کے علاوہ دوسروں بزرگوں کو بھی دیکھا تھا۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، احمد چشتی بزرگ ہوئے ہیں اور میری ایسی عزت اور ادب کرتے تھے دوسرے کسی شخص کی بھی اتنی عزت اور ادب نہ فرماتے تھے۔ سب سے پہلے جس نے اپنے سفید بال میرے پاؤں پر ملے وہ وہ تھے اور وہ شیخ ابونصر طالقانی کی زیارت کے لیے گئے تھے اور اُنہوں نے یہ بیت اُن سے سُنا تھا۔

دریغا کت ندانستم ہمی پنداشتم دانم
ازیں پندارِ[1] گوناگوں ازیں دانش پشیمانم[1]

ترجمہ:۔ ہائے مَیں نے تجھے نہ جانا اور گمان یہ کرتا رہا کہ میں جانتا ہوں۔ میں اس طرح بہ طرح کے غرور اور سُوجھ بُوجھ سے پچتا رہا ہوں۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، مَیں نے دیدار اور فراست میں احمد چشتی کے بھائی جیسا دُوسرا اور کوئی نہیں دیکھا۔ وہ میری خدمت کرتے اور پُوری طرح میری تعظیم کرتے تھے۔

۴۴۔ حضرت شیخ ابواللّیث فوشنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلامؒ نے کہا، ابواللّیث فوشنجہ کے بُزرگ اور عارف تھے۔ ننگے پاؤں رہتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ میں پوشنگ سے ہرات میں آیا۔ مَیں اس سبب سے وہاں رہ پڑا کہ خیابان[2] سے گزر رہا تھا۔ گورستان میں ایک عورت ایک قبر پر بیٹھی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "جانِ مادر و یگانۂ مادر۔ ماں کی جان اور ماں کے اکلوتے۔" اس کی یہ بات سُن کر مجھے ایک حال پیدا ہو گیا۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ابووایل شقیق بن سلمۃ الکوفی بزرگ تابعین میں سے تھے۔ جب وہ نوحہ سُنتے تھے تو روتے تڑپتے تھے۔ کسی صوفی نے کہا ہے۔ اَلتَّلَذُّذُ بِالْبُکَاءِ ثَمَنُ الْبُکَاءِ۔ رونے میں لذت پانا رونے کی قیمت اور نفع ہے۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں۔ جب تیری صحبت اور قُرب سے رہا ہوا یعنی تیرے قُرب کا نہ پانے والا حسرت کے آنسوؤں سے لذت پاتا ہے تو تیرا پانے والا کیا پاتا ہوگا۔

---

[1] پندار کے معنی تکبر و غرور، خیال و تصوّر اٹکل اور دانش کے معنی سُوجھ بُوجھ دانائی، علم اور عقلمندی اور سمجھ کے ہیں۔ پشیمان کے معنی شرمندہ افسوس کرنے والا اور پچھتانے والا۔ [2] خیابان، پھلواری کیاری و چمن کو کہتے ہیں۔

لیث فوشنجی ایک دفعہ ہرات کی ندی میں غرق ہو کر تڑپ رہے تھے۔ اس حال میں کہا، "الٰہی! اب تو نے مجھے ایسا پکڑا ہے کہ میں باہر آنے کا ذریعہ نہیں رکھتا۔ اگر سلامتی کے ساتھ تو مجھے باہر لے آیا، تو تیرے لیے تین مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھوں گا۔ لیث نے کہا، میں نے اس سے رہائی پائی۔ نو سال ہو گئے ہیں۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ پڑھوں۔ مگر نہیں پڑھ سکا۔ جس وقت میں اَحد کہتا ہوں۔ مولا کہتا ہے میں وہ نہیں ہوں جو تو کہتا ہے۔ تو جانتا ہے کہ اَحد کون ہے[1]؟ مجھے پھر شُروع پر لے جاتا ہے۔ لیث فوشنجی کی قبر خیابان[2] میں ہے۔ جب وہ رحلت فرما گئے تو اُن کے مخلص مریدوں نے اُن کی قبر پر ایک چھوٹا سا حُجرہ بنا لیا اور مکان کے بالاخانہ پر چار چھوٹی محرابیں اور اُن میں وہ رہنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے سب فوت ہو گئے اور اس کے پہلو میں دفن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔

شیخ عمو کہتے تھے۔ یہ قبر فلاں انار فروش کی ہے اور یہ اس فلاں کی اور مجھے اُن کے یاروں کی قبریں دکھاتے تھے۔ شیخ الاسلام ان لوگوں کی موافقت واستقامت سے خوش بھی ہوتے تھے اور پسند بھی فرماتے تھے۔ اور کہا۔ کہ محمد عبداللہ گاذر نے کہا، کہ اپنی تمام خوبیاں جو میں اپنے میں دیکھتا ہوں اُن کا سبب اس کو سمجھتا ہوں کہ لیث فوشنجی میرے ساتھ ایسا راز کرتے جس کا مزہ میرے حلق میں اُتر جاتا تھا۔

۳۲۹ حضرت محمدؒ بن عبداللہ گاذر[3] ہرویؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ

ہرات میں جماعت صُوفیہ کے بزرگ ہوئے ہیں صاحب کرامات تھے۔ تاریخ میں محمد عبداللہ القصّار ہروی کے نام سے موسوم ہیں۔ اپنے وقت کے مشائخ میں سب سے زیادہ جوانمرد تھے۔ اخلاق، سیرت اور طریقہ کے اعتبار سے وقت کے سب بزرگوں سے اچھے تھے اور خواجہ ابو عبداللہ بوذھل اُن کے ساتھ عقیدت رکھتا تھا اور اُس نے اُن کے لیے بہت کام کیے تھے۔ ایک دن اُنہوں نے اُس سے کہا، خواجہ یہ سب کچھ تو کرتا ہے۔ ایک دن تو مجھے شہر سے نکال کر رہے گا۔ اُس نے کہا "میں"۔ فرمایا، تو نوکری کرے گا یعنی حاکم بنے گا۔ بوذھل شہر کا رئیس تھا۔ آخر ایک وقت آیا کہ وہ ہرات کا حاکم بن گیا۔ محمد بن عبداللہ گاذر ترکِ دُنیا میں بڑی پُر تاثیر باتیں کہتے تھے۔ لوگوں کے دِلوں

---

[1] یعنی اَحدیّت کے متعلق جو تو نے سمجھا وہ میری احدیّت نہیں ہے، کیونکہ اس کی اَحدیّت کا اور اک بندہ کی طاقت نہیں اور یہ بات کہ صفت احدیت کے ساتھ تجلّی کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حال میں ماسوائے حق کا شعور ساقط ہو جاتا ہے۔

[2] خیابان۔ چمن۔ کیاری، پھلواری، لمبا چوڑا راستہ۔ وہ سڑک جس کے دونوں جانب درخت ہوں۔

[3] گاذر فارسی میں دھوبی کو کہتے ہیں اور عربی میں قصار کہتے ہیں۔

میں اس کا اتنا اثر ہوتا تھا کہ لوگ دُنیا کا کاروبار چھوڑ بیٹھتے اور اپنی اِملاک سے دستبردار ہو جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر خواجہ عبداللہ بوذھل نے انہیں حکم دیا کہ شہر سے نکل جائیں اور شہر کے گردونواح میں جہاں چاہیں چلے جائیں، کیونکہ آپکی باتیں لوگوں کو نقصان دیتی ہیں۔ یعنی آدمی دنیا سے ہاتھ اُٹھا لیتا ہے۔ بادشاہ کی آمدنی ختم ہو جاتی ہے اور خواجہ عبداللہ بوذھل نے چار سال شبلی کی بےسوال[1] خدمت کی اور بہت سامال اُن پر خرچ کیا۔ شبلی اُن کو جوادِ خراسان کہتے تھے۔ اور خواجہ عبداللہ خود حافظ الحدیث ثقہ اور مُکثِر[2] تھے۔

۳۳۴۔ حضرت خواجہ خیر چہ قُدِّسَ سِرُّہٗ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، خیر چہؒ گاذرگاہ[3] کے مقام میں مدفون ہیں۔ وہ غلام تھے اُن کا مالک ان کی کراماتِ عظیمہ کا مشاہدہ کرتا اور اُن کی بہت سی چیزیں دیکھتا تھا۔ اس وجہ سے اُس نے انہیں آزاد کر دیا۔ وہ گاذرگاہ میں آگئے۔ وہاں چھوٹا سا گھر بنالیا اور رہنے لگے۔

شیخ الاسلامؒ کہتے ہیں۔ مَیں نے اُن کے مالک کے لڑکے کو دیکھا اور اُس نے مجھے خواجہ خیر چہ کا واقعہ سُنایا۔ اُس نے کہا، ایک دفعہ لوگوں نے بارش طلب کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے دُعا کی۔ بارش برسی۔ جس سے سیلاب آگیا تھا۔ وہ پتھر کے ٹیلہ پر چڑھ گیا۔ اُس نے کہا، خداوندا! جو آپ سے چاندی مانگے اُسے چاندی دے۔ جو سونا مانگے اسے سونا دے اور جسے غلام کی ضرورت ہوا سے غلام دے اور زمین والے کو زمین اور جو کچھ کوئی چاہتا ہے اُسے وہ دے۔ خیر چہؒ کے واسطے بس تُو کافی ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے کہا، اس کا حال کتنا محلِ غیرت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں میں کسی کا پسند کرنا اور اپنا بنا لینا سبب اور علّت پر موقوف نہیں۔ بلالؓ باوجودیکہ وہ حبشی غلام تھا اُسے اُس نے بُلا لیا۔ ابُوجہل، عُتبہ، شَیبہ اور سردارانِ مکّہ کو دھتکار دیا۔ بلالؓ نے کیا کیا؟ اور اُنہوں نے کیا کیا؟ کچھ نہیں۔ سارا معاملہ اس کی عنایت اور قسمت کے ساتھ وابستہ ہے۔ کسی کو اس میں نہ دم مارنے کی گنجائش ہے اور نہ بولنے کا حق۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جب کوئی بیمار ہوتا یا کسی کو درد ہوتا۔ وہ خیر چہ کے پاس جاتا۔ وہ اَلحمد پڑھتے اور دم کرتے اُسی وقت اُسے آرام آجاتا تھا۔ ایک دن ایک صاحبِ علم کے دانت میں درد ہُوا۔ وہ اُن کے پاس گیا۔ اُنہوں نے

---

[1] یعنی شبلیؒ کی عظمت و بزرگی اور اُن کے ادب کی وجہ سے ۴ سال سے خواجہ عبداللہ نے شبلی سے کوئی مسئلہ اور کوئی بات نہیں پوچھی۔ [2] مُکثِر۔ جس کو بہت سی حدیثیں یاد ہوں یا بہت دولت مند۔ پہلا مطلب ظاہر ہے کہ وہ حدیث کے سلسلہ کی کڑی ہے۔ [3] گاذرگاہ شیراز کا ایک قصبہ ہے جہاں سعدی شیرازی مدفون ہیں۔

اُلحمدُ للہ پڑھ کر دم کیا۔ اُسے آرام آگیا اور کہنے لگا:

خیر چہ الحمد نہ راست می خوانی آن را بر تو راست کُنم، گفت ۔ نہ ۔ تو دلِ خود را راست کُن۔ فی الحال وَرد بروے مستولی شُد۔ پس تضرّع نمود۔ باز الحمد بخواند۔ وَرد ساکن شُد و شفا یافت۔ شیخ الاسلام گُفت کہ من از خرقانی الحمد للہ شنیدیم کہ وے اُمّی بود ۔ الحمد للہ نمے توانست گُفت و وے سیّد و غوث روزگار بودہ است ۔

خیر چہ آپ الحمد للہ صحیح نہیں پڑھتے۔ مَیں آپ کی الحمد صحیح کرا دیتا ہوں۔ خیر چہ نے کہا، نہیں تو اپنے دل کو صحیح کر۔ اسی وقت اس پر وَرد کا غلبہ ہوا تو اس نے منّت وزاری کی پھر الحمد پڑھی۔ دَرد ٹھہر گیا اور وہ شفایاب ہوگیا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا، کہ مَیں نے خرقانی سے الحمد سُنی، چونکہ وہ اُمّی (اَن پڑھ) تھے۔ الحمد للہ اچھی نہیں پڑھ سکتے تھے، مگر وہ اپنے وقت کے سردار اور غوثِ[1] زماں ہوئے ہیں۔

۱۱۱۔ حضرت ابونصر بن ابی جعفر بن ابی اسحاق الہروی الخانچہ آبادی قدس اللہ سرّہٗ۔ المتوفی ۱۰۵۶ھ

کہتے ہیں ان کا نام محمد بن احمد تھا۔ ابوجعفر کے بیٹے ہیں اور ان کی کنیت ابونصر ہے۔ علومِ ظاہر و باطن کے عالم تھے۔ اپنے زمانہ کے فقیہہ تھے۔ اصل میں وہ کرمان کے باشندہ تھے

ابونصر کی توبہ کا یہ سبب ہوا کہ ایک دن ایک آدمی فتویٰ لایا کہ آئمہ دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے جوانی میں غصّہ کی وجہ سے چند لکڑیاں گدھے پر ماریں اس گدھے نے مڑ کر دیکھا اور کہا،

اے خواجہ این خشم تیز بر من مظلوم راندہ گیر۔ اما فردا از عہدۂ این خشم راندن چوں بیرون خواہی آمد۔

اے خواجہ! یہ سخت غصّہ مجھ مظلوم پر نکال لے، مگر کل تو اس غصّہ کے نکالنے کی ذمّہ داری سے کیسے باہر آئیگا اور اس کی سزا سے کیسے بچیگا۔

اَب بیس سال ہوگئے ہیں کہ وہ شخص رو رہا ہے۔ اب اس کی آنکھوں کے آنسو خُون سے بدل گئے ہیں۔ اس کی طہارت اور نماز کا کیا حکم ہے۔ جب ابونصر نے اس فتویٰ کو پڑھا۔ اس بات کی ہیبت سے بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے اس شخص کی صحبت کا احرام باندھا یعنی قصد کیا۔ جب اس کے گھر پہونچے تو وہ اس گریہ وغم کے باعث دُنیا سے انتقال کر چکا تھا۔ جب اس کا منہ دیکھا تو وہی بوڑھا تھا۔ نورانی چہرے والا۔ جس کے سَر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہوچکے تھے۔ اس کی دونوں آنکھوں سے خُون نکل کر چہرے پر خشک ہوگیا تھا، مگر وہ ہنستا تھا۔ ابونصر اس کی ہنسی کو دیکھ

---

[1] غوث کے معنی فریاد رس کے ہیں اور صوفیاء کی اصطلاح میں ولیٔ کامل کو غوث کہتے ہیں۔ جو صوفیاء کی بات کو نہیں جانتے ان لوگوں کو اس کے لفظی معنی کا دھوکہ ہوتا ہے۔ فریاد رس ذاتِ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔

کر حیران رہ گئے۔ اس کی تجہیز و تکفین کی۔ نماز جنازہ ادا کی۔ جب ابو نصر اس جگہ سے واپس آئے تو رونے کے حال میں تھے۔ ایک بزرگ ان کے پاس پہنچا۔ اس نے کہا، اے نوجوان کیوں روتا ہے؟ شاید تجھے کتاب اللہ کی آیات میں سے کوئی آیت پہونچی ہے جس پر تو نے عمل نہیں کیا، لیکن تیرا یہ رونا دامن جلوں کا رونا رہے گا۔ دل جلوں کا نہیں۔ یہ بات بوڑھے نے کی اور چلا گیا۔ ابو نصر کا درد پر درد اور سوز پر سوز بڑھ گیا اور جو کچھ وہ رکھتے تھے اس سے باہر آگئے۔ یعنی مال و متاع چھوڑ دیا۔ اور سفر و سیاحت کو اختیار کیا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے تین ہزار پیروں کی خدمت کی اور خضر علیہ السّلام کی صحبت میں رہے اور حرم مکہ و مدینہ، بیت المقدس اور ان کے علاوہ دیگر مقامات میں ریاضتیں اور عبادتیں کیں۔ آخر ہرات میں واپس آگئے ان کی عمر ۱۳۴ سال کو پہونچی اور ۳۰۶ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کی قبر ہرات میں خانچہ باد میں ہے۔

۳۲۴۔ حضرتِ ابو عبداللہ احمد بن ابو عبدالرحمٰن بن نصر المالینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہرات کے مشائخ کے سردار، شیخ عمو کے ہم زمانہ اور اُن کے ساتھ حج اسلام کیا تھا۔ مشائخ حرم کو دیکھا اور اُن کی صحبت میں رہے۔ ظاہر و باطن کے علوم کے عالم۔ زہد، ورع، توکّل میں یگانۂ زمانہ تھے۔ تجرید اور ترکِ دنیا میں بات کرتے اور ان کی بات کا دلوں پر پورا اثر ہوتا تھا۔ صاحب کرامت اور ولایت بزرگ تھے۔ عبداللہ بن محمد بن عبدالرحیم ان کے اصحاب میں مشہور بزرگ ہیں۔ اُنہوں نے کہا، میرے شیخ ابو عبداللہ احمد نے ایک دن مجھے کہا، مکہ جا اور فلاں شخص کو کہہ کہ وہ ایسا ایسا کرے۔ مَیں نے چند قدم اٹھائے تو خود کو مکہ میں پایا۔ اس شخص کو پیغام پہونچایا جس کے متعلق شیخ نے کہا تھا۔ پھر عصر کی نماز سے قبل شیخ کے پاس آگیا۔ جس وقت میں مکہ پہونچا تھا۔ مَیں نے چاہا کہ حج ادا کر لوں، لیکن جس شخص کے پاس میں گیا تھا اس نے مجھے کہا، یہاں سے چلا جا اور شیخ کی بات کی مخالفت نہ کر، ورنہ تو واپس نہ جا سکے گا۔ اور تین میلنے راستہ ہی میں رہے گا۔ حضرت ابو عبداللہ کی قبر مالین ہرات یعنی ہرات کے شمال حصّہ میں ہے۔ شیخ الاسلام قدس سرّہٗ اوائل حال میں ان کی زیارت کے لیے بہت جایا کرتے تھے۔

۳۲۵۔ حضرت سلطان مجد الدین طالبہ قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ

کہتے ہیں کہ وہ عسکر[1] والوں میں سے تھے۔ ترک و تجرید اور توکّل میں یگانۂ روزگار تھے۔ ایک درویش محمد چرگر[2] جو ابدالوں میں سے تھا۔ جامع ہرات میں زندگی گزارتا تھا۔ ایک دن وہ مسجد میں سو رہا تھا کہ اُن کے پانی کا لوٹا گر گیا تھا۔ مسجد کا خادم اس جگہ پہنچا۔ وہ سمجھا کہ اُس نے پیشاب کیا ہے۔ اُس نے اسے اتنا مارا کہ اس کے اعضا زخمی ہو گئے۔ چرگر نے آہ بھری اور

[1] محکمہ پولیس یا فوج میں ملازم تھے۔ [2] چرگ یعنی چرخاب بنانے والا۔

مسجد سے چلا گیا۔ مسجد لکڑی کی تھی اس میں آگ ظاہر ہوئی اور مسجد جل گئی اور اس سے اس بازار میں آگئی۔ جسے بازار جملہ[1] فروشان کہا کرتے تھے۔ سلطان مجد الدین طالبہ کو خبر ہوئی تو وہ چرگر کے پیچھے چل پڑے۔ جب اس کے پاس پہنچے تو فرمایا، چرگر! مسلمانوں کے شہر کو کیوں جلاتا ہے۔ یہ سن کر چرگر واپس آئے اور اپنے آنسو اس آگ پر ڈالے تو آگ بجھ گئی اور اس کا نشان بھی باقی نہ رہا اور یہ رباعی کہی ؎

آں آتش دوشیں کہ برافروختہ بود
او سوختن از دلِ من آموختہ بود
اگر آبِ دو چشم مَن نہ دادی یاری
چہ جُملہ فروشاں کہ ہرات سوختہ بود

ترجمہ: کل جو آگ لگی تھی اس نے میرے دل سے جلنا سیکھا تھا۔ اگر میری دونوں آنکھوں کے آنسو مدد نہ کرتے تو جلہ فروشاں کا بازار کیا، بلکہ سارا ہرات جلا ہوا ہوتا۔

کہتے ہیں ایک دفعہ اتنا سیلاب آیا۔ قریب تھا کہ ہرات کو بہا کر لے جائے۔ لوگوں نے سلطان مجد الدین سے جا کر کہا۔ فرمایا، میری گدڑی سیلاب کے سامنے رکھ دو۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اُسی وقت سیلاب واپس لوٹ گیا۔ امام فخر الدین رازیؒ جو اُن کے وقت میں ہوئے ہیں ان کی محبت کے ذریعہ تبرک اور تقرب تلاش کرتے تھے۔ جب اُنہوں نے وفات پائی تو لوگوں نے انہیں شہر ہرات کے خوش دروازہ اور فیروز آباد کے درمیان دفن کیا۔

شیخ محمود اشنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ جو رسالہ "غایت الامکان فی معرفۃ الزّمان والمکان" کے مصنف ہیں یہ شیخ سلطان مجد الدین کے مقبرہ کے گنبد میں مدفون ہیں اور یہ شیخ محمود مولانا شمس الدّین محمد بن عبد الملک دیلمی رحمۃ اللہ کے اصحاب و تلامذہ میں سے ہیں، جو اکابر مشائخ و محققین سے ہوئے ہیں اور زمانہ کی حقیقت اور اس کی تحقیق میں جو بات اُن کی تصنیفات میں کہی گئی ہے دوسروں کی تصنیفات میں کم پائی جاتی ہے۔

۴۲۴ حضرت ابو عبد اللہ مختار بن محمد بن احمد الہروی رحمۃ اللہ علیہ

ہرات کے بزرگ مشائخ میں سے ہیں۔ علوم ظاہر و باطن کے جامع اور صاحبِ کرامات و ولایت ہوئے ہیں۔ اُن کی قبر کی تختی پر یہ لکھا دیکھا گیا۔ در سبع وسبعین و مائتین بر رفتہ۔ ۲۷۷ھ میں دُنیا سے رُخصت ہوئے۔

---

[1] دُوسرے نسخہ میں بازار کا نام جُلہ فروشان ہے۔ آج کل لوگ اس بازار کو جنرل اسٹور یا بساتیوں کا بازار کہتے ہیں جہاں ہر قسم کا سامان ملتا ہے۔

ملفوظات :- فرمایا، اتنا کھا کہ تُو نے اُسے کھایا ہو نہ اتنا کہ اُس نے تجھے کھایا ہو۔ اگر تُو اُسے کھائے گا سارا نُور بنے گا۔ اگر وہ تجھے کھائے گا سارا دھواں بنے گا۔ لباس ایسا پہن کہ رعونت، تکبّر، فخر اور اترانے کو جو تیری طبیعت میں موجود ہے جلا دے نہ کہ اِن بیماریوں کو بھڑکا دے اور اُنھوں نے فرمایا:

در ہر کار کہ باشی چناں باش کہ اگر عزرائیل نزا دریابد ازاں کار نزا بکار دیگر نباید شُد و دراں کار ہمہ حالات تو با تو باشد اگر طعام خوردن یا عملے مباح باید کہ در باطن خالصاً للہ بود و نیت تو در آن رضائے حق بود سبحانہٗ و تعالےٰ و نگاہ داشت شرع۔

اور تو جس کام میں رہے وہ ایسا ہونا چاہیئے کہ اگر عزرائیل یعنی موت کا فرشتہ اس کام کو کرتے ہوئے تیرے پاس آجائے تو اس کام کو چھوڑ کر تجھے دوسرے کام میں نہ جانا پڑے اور اس کام میں تیرے تمام حالات تیرے ساتھ ہوں، اگرچہ کھانا کھانا ہو یا مباح و جائز عمل ہو اور چاہیئے کہ اندرونی طور پر وہ کام خالص اللہ کے لیے ہو اور اس میں تیری نیت حق سبحانہٗ و تعالےٰ کی خوشنودی اور شرع کی حفاظت ہو۔

اور فرمایا، "اصل عبودیّت یعنی بندگی یہ ہے کہ تُو ظاہر میں ایسا ہو جائے کہ ساری شریعت تجھ سے ظاہر ہو اور باطن میں ایسا ہو کہ تجھ میں غیر کی یاد کے لیے گنجائش نہ ہو۔" بہت لوگ ان کے مرید ہوتے اور سب صاحب ولایت، اولیار اور صاحبِ کرامات ہوئے ہیں۔ جیسے کہ ابو علی بن مختار علوی الحسینی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان سے بے شمار کرامات، خوارق اور عادات منقول ہیں۔ اور وہ سیّد امام کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کی قبر ابو عبداللہ مختار کے قدموں کے نچلی طرف ہے۔

فقیہ ابو عثمان مرغزی رحمۃ اللہ علیہ کو غایت شوق و سوختگی کے باعث لوگ ان کو شوق سوختہ کہتے تھے۔ کہتے ہیں اُن کے عجیب و غریب واقعات ہیں۔ کہتے ہیں جس دن ہرات میں سیّد امام کی وفات ہوئی ابو عثمان اس دن ہرات میں نہ تھے، بلکہ مرغاب میں تھے۔ وہاں ان کے دل میں بڑی بے کلی پیدا ہوئی اور اتنی بیقراری کہ وہ مجبور ہو کر ہرات میں آگئے۔ لوگوں نے کہا، اُسی وقت سیّد امام نے وفات پائی تھی۔ اور ان کا اضطراب اور بے قراری اسی وجہ سے تھی۔ جب شوق سوختہ نے وفات پائی تو خانچہ باد کے قبرستان میں عبدالواحد ابن مسلم کے قدموں کے بہت نیچے ان کو دفن کیا گیا۔

۳۳۵۔ حضرت شیخ ابوذر بوزجانی رحمہ اللہ تعالےٰ

شیخ الاسلام نے فرمایا، مَیں نے صرف ایک شخص کو دیکھا ہے جس نے ابوذر بوزجانی کو دیکھا تھا۔ ایک شکاری گور گیر نے کہا، کہ مجھے بوزجان میں بڑی تکلیف پہونچی اور مَیں نے اس کو بہت تلاش کیا، تب کہیں اس کو پایا اور مَیں نے بوذر کو دیکھا جو کرامات ظاہر والے تھے۔ کہتے ہیں کہ بوزجان میں ایک مدرسہ تھا۔ جس میں رہنے والے طالب علموں کو شیخ ابوذر اولیار کہتے تھے۔ ایک دن وہ مدرسہ کے دروازہ پر سو رہے تھے۔ مدرسہ کا خادم باہر آیا۔ اس نے کہا اولیار کس حال میں ہیں۔ اس نے کہا کہ آج اُن کو

کھانا نہیں ملا ہے۔ اس مدرسہ کے اندر شہتوت کا درخت تھا۔ خادم سے کہا، جا اس درخت کو ہلا۔ خادم نے اس درخت کو ہلایا۔ جو پتہ بھی جھڑا وہ خالص سونا تھا۔ خادم انہیں شیخ کے پاس لایا۔ فرمایا، جا، ان کے واسطے کھانا خرید لا۔ ایک دن محمود غزنوی کے والد سبکتگین جن کی وفات ۳۸۷ھ میں ہوئی ہے شیخ کی زیارت کے لیے آیا۔ اس کو سخت نصیحتیں کیں۔ سلطان محمود اس وقت بچہ تھا اس کو شیخ کے سامنے لائے۔ شیخ نے اُس پر بڑی مہربانی فرمائی اور اُسے اپنی گود میں بٹھالیا۔ شیخ ابوذر کے کہے ہوئے شعروں میں ایک شعر یہ ہے ؎

یعرفنا من کان من جنسنا

وسائر الناس لنا منکرونا

ترجمہ :- ہمیں وہ پہچانتا ہے جو ہماری جنس سے ہے اور عام لوگ ہمارے منکر ہیں۔ وہ ہمیں نہیں پہچانتے۔ یعنی جو ہماری لائن کا آدمی ہے وہی ہمیں پہچانے گا دُوسرا ہمیں کب پہچانے گا۔

اور یہ بھی اُن کے شعر ہیں ؎ تو بعلمِ ازل مرا دیدی

دیدی آنگہ بعیب خریدی

تو بعلم آں و من بعیب ہماں

رد مکن آنچہ خود پسندی

ترجمہ : علم ازل میں تُو مجھے دیکھ چکا ہے۔ تو نے دیکھا اور عیب دیکھتے ہوئے تُو نے خرید لیا۔ تو اسی علم کے ساتھ ہے اور میں اُسی عیب کے ساتھ ہوں۔ پس جس کو تُو خود پسند کر چکا ہے اس کو رَد نہ کر۔

۲۳۶ شیخ الاسلام احمد النامقی الجامی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

ولادت ۴۴۱ھ ۔ وفات ۵۳۶ھ ۔ ان کی کنیت ابوالنصر احمد بن ابوالحسن ہے اور وہ جریر بن عبداللہ بجلی صحابی رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد سے ہیں۔ جریر بن عبداللہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے سال مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب سے مَیں نے اسلام قبول کیا جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مجھے کبھی بھی اپنی ملاقات سے نہیں روکا اور جب بھی آپ مجھے دیکھا کرتے میرے سامنے تبسّم فرما دیتے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے دیکھ کر آپ ہمیشہ مسکرا دیتے اور آپ کے چہرہ مبارک پر خوشی ظاہر ہو جاتی تھی۔

حضرت جریرؓ بلند قامت، بہت خُوبصورت اور حسین آدمی تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا

نام اس اُمّت کا یُوسف رکھا تھا۔

حضرت شیخ کو حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نے بیالیس بچے عطا فرمائے تھے۔ انتالیس لڑکے اور تین لڑکیاں۔ اُن کی وفات کے بعد چودہ لڑکے اور تین لڑکیاں زندہ رہیں اور یہ چودہ لڑکے سب کے سب عالم و عامل، کامل، صاحب تصانیف، صاحب کرامات، صاحب ولایت، مقتدا و پیشوائے خلق ہوئے ہیں۔ شیخ احمد خود اُمّی تھے اور بائیس سال کی عمر میں توبہ کی توفیق پاکر پہاڑ میں چلے گئے تھے۔ وہاں اٹھارہ سال ریاضت کی اور چالیس سال کی عمر میں انہیں مخلوق کی رشد و ہدایت کے لیے مخلوق میں بھیج دیا گیا۔ علمِ لَدُنّی کے دروازے ان پر کھول دیئے گئے۔ تین سو سے زیادہ کاغذ کے تختے، علم توحید و معرفت، علم اسرار و حکمت، قوانین طریقت اور اسرارِ حقیقت میں ایسے تصنیف کیے جن پر کسی عالم اور حکیم نے نہ اعتراض کیا ہے اور نہ کر سکا ہے اور ان کی تمام تصانیف قرآنِ پاک کی آیات اور رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اخبار و احادیث کے ساتھ مقیّد و مؤیّد ہیں [1]۔

حضرت شیخ قدّس اللہ تعالیٰ سرّہٗ نے اپنی کتاب "سراج السائرین" میں بیان کیا کہ میں بائیس سال کا تھا کہ حق عزّ و شانہٗ نے اپنے لطف و کرم سے مجھے توبہ کی عزّت بخشی اور چالیس سال کا تھا کہ مجھے مخلوق میں بھیج دیا۔ اب باسٹھ سال کا ہوں کہ اس کتاب کو بموجب فرمان [2] کے جمع کر رہا ہوں اور اب تک ایک لاکھ اسّی ہزار مرد ہمارے ہاتھ پر توبہ کر چکے ہیں اور اس کے بعد کئی سال تک وہ زندہ رہے۔

شیخ ظہیر الدین علیٰ ان کے فرزندوں سے ہیں۔ وہ اپنی کتاب رموز الحقائق میں لکھتے ہیں کہ میرے والد شیخ الاسلام احمد قدّس اللہ تعالیٰ سرّہ کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمیوں نے توبہ کی اور معصیت کے راستے سے اطاعت و فرمانبرداری کے راستے میں واپس آگئے۔ شیخ ابو الخیر قدّس اللہ تعالیٰ روحہٗ کا ایک خرقہ تھا جسے پہن کر وہ عبادت کرتے تھے اور ایسا کہتے ہیں کہ یہ خرقہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطور میراث کے مشائخ کے لیے چلا آرہا تھا۔ یہاں تک کہ شیخ ابوسعید کی باری آگئی۔ انہوں نے شیخ ابوسعید کو دکھایا کہ اس خرقہ کو احمد کے سپرد کر دینا۔ شیخ نے شیخ ابوطاہر اپنے فرزند کو وصیّت کی کہ میری وفات کے چند سال بعد ایک جوان نو عمر لمبے قد اور نیلی آنکھوں والا جس کا نام احمد ہوگا، تیری خانقاہ کے دروازے سے اس حال میں تیرے پاس آئے گا کہ تو دو ستونوں کے درمیان میری جگہ بیٹھا ہوگا۔ دیکھنا اس خرقہ کو اسے ضرور دے دینا۔ جب شیخ ابوالخیر کا کام آخر کو پہنچا، تو شیخ ابوطاہر کو اس کی آرزو ہوئی کہ جو ولایت حضرت شیخ کو حاصل تھی وہ میرے سپرد کر دیں، تو شیخ نے آنکھیں

---

[1] مقیّد یعنی پابند۔ مؤیّد کے معنی تائید کی ہوئی مدد اور قوت دی گئی۔ [2] یعنی اس کتاب کو اللہ کے حکم سے جمع کر رہا ہوں۔

کھولیں اور کہا۔ جس ولایت کی تم حرص رکھتے ہو وہ اُنھوں نے دوسرے کو سپرد کر دی اور اُنھوں نے ہماری پیری کا علم خراباتی کے دروازے پر مار دیا اور جو کام ہمارے متعلق تھا وہ بھی اُنھوں نے اس کے سپرد کر دیا۔ کسی نے نہ جانا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ تا آنکہ شیخ کی وفات کے چند سال بعد ایک رات شیخ ابوطاہر نے خواب میں دیکھا کہ شیخ ابوسعید اپنے مریدوں کی جماعت کے ساتھ تیز تیز جاتے تھے۔ ابوطاہر نے پوچھا اے شیخ! جلدی کیوں ہے؟ شیخ نے فرمایا، تو بھی چل کہ قطب الاولیاء پہنچ رہا ہے۔ شیخ ابوطاہر جانا چاہتے تھے کہ آنکھ کھل گئی۔ دوسرے دن شیخ ابوطاہر خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک جوان اُس حلیہ کا جو شیخ ابوسعید بتا چکے تھے آ پہنچا۔ شیخ ابوطاہر سمجھ گئے اور ان کی بہت عزت و تکریم کی، لیکن جیسا کہ بشریت کا تقاضا ہے سوچنے لگے کہ اپنے والد کا خرقہ اپنے ہاتھ سے کیسے دے دوں۔ اس جوان نے کہا، اے خواجہ! امانت میں خیانت جائز نہیں۔ خواجہ ابوطاہر کا وقت خوش ہو گیا۔ اُٹھ گئے اور اس خرقہ کو شیخ ابوسعید نے خود اپنے ہاتھ سے کھونٹی پر رکھا ہوا تھا اور وہ آج تک اُسی جگہ موجود تھا۔ خواجہ اُس کو لے کر آئے اور اس جوان کے سر پر رکھ دیا۔ کہتے ہیں اس خرقہ کو بائیس مشائخ نے پہنا تھا اور آخر میں شیخ الاسلام احمد کے سپرد ہوا۔ اس کے بعد کسی کو معلوم نہیں کہ وہ خرقہ کہاں گیا۔ بزرگوں نے فرمایا، چالیس مردِ ولی ہوئے ہیں کہ ان کی ارادت و عقیدت شیخ قدس اللہ سرہٗ کے ساتھ تھی۔ اُن میں سے ایک شیخ الاسلام احمد تھے۔ ایک خواجہ ابوعلی جن سے مراد ابوعلی فارمدی ہیں۔ یہ دونوں زمانہ میں مشہور و معروف ہوئے ہیں۔ اس جماعت کے کسی بزرگ نے کہا ہے۔ خواجہ ابوعلی کو لوگوں کے دلی خیالات پر اُنھوں نے یعنی اللہ تعالیٰ نے آگاہی بخشی، لیکن اس کے اظہار کی انھیں اجازت نہ تھی اور اُنھوں نے شیخ الاسلام احمد کو بھی دلوں کے خیالات پر واقف کیا اور ظاہروں پر حاکم بنایا۔ اُن کے ظاہر کرنے کی بھی اُن کو اجازت دی گئی۔ شیخ الاسلام احمد سے لوگوں نے پوچھا کہ ہم نے مشائخ کے مقامات سُنے ہیں اور اُن کی کتابوں کو ہم نے دیکھا ہے، لیکن جیسے حالات آپ سے ظاہر ہوئے ایسے حالات کسی اور سے ظاہر نہیں ہوتے۔ شیخ احمدؒ نے فرمایا، ہم نے ریاضت کے زمانہ میں ہر وہ ریاضت کی جس کا ہمیں علم ہوا کہ وہ ریاضت اولیائے خدا تعالیٰ نے

کی تھی۔ ہم نے وہ ریاضت بھی کی ہے اس سے زیادہ اور بھی کی ہے۔ حق سُبحانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں علٰحدہ علٰحدہ دیا تھا ایک بارگی احمد کو دے دیا اور ہر چار سو سال میں احمد کی طرح ایک شخص ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت کے آثار اُس کے بارہ میں ایسے ہوں گے کہ ساری مخلوق اُسے دیکھے گی۔ ھٰذا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔ یہ میرے رَب کے فضل سے ہے۔ ایک زمانہ میں حضرت شیخؒ کا خیال ہوا کہ ہرات جائیں۔ جب وہ موضع شکیبان میں پہونچے تو اُن کے ساتھ جو بزرگ تھے۔ اُنہوں نے پوچھا۔ حضرت شیخ! ہرات جائیں گے؟ فرمایا، اگر وہ لے جائیں گے، کیونکہ گزشتہ زمانے کے مشائخ نے شہر ہرات کو باغیچۂ انصاریاں کہا ہے۔ یہ خبر شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کے صاحبزادے حضرت جابرؒ کو پہونچی، تو فرمایا، ہم جائیں گے اور شیخ الاسلام کو کندھوں پر اُٹھا کر اپنے شہر لائیں گے۔ پھر فرمایا، میرے والد شیخ الاسلام عبداللہ انصاری قدس سرہٗ کی پالکی باہر نکالیں اور شہر میں منادی کر دیں۔ کہ تمام اکابر شیخ الاسلام احمد کے استقبال کے لیے باہر آجائیں۔ جب شکیبان گاؤں میں پہنچے۔ حضرت شیخ کی خدمت میں آئے اور شیخ کی نظر مبارک ان لوگوں پر پڑی تو وہ اپنی جگہ پر نہ ٹھہر سکے اور عظیم حالتیں پیدا ہو گئیں۔

دوسرے دن پالکی لائے اور شیخ الاسلام سے استدعا کی کہ یہ بات طے کر کے آئے ہیں کہ ہم آپ کو کندھوں پر اٹھا کر شہر لے جائیں گے، کرم فرمائیں اور پالکی میں بیٹھ جائیں۔ شیخ الاسلامؒ نے ان کی استدعا قبول فرمائی اور پالکی میں بیٹھ گئے سامنے کے دو ڈنڈے شیخ جابر بن عبداللہ اور قاضی ابوالفضل یحییٰ نے اٹھائے اور پیچھے کے دو بازو امام ظہیر الدین زیادؔ اور امام فخر الدین علی ہیصم نے پکڑے اور روانہ ہو گئے۔ اور کسی اور شخص کو نہ دیتے تھے۔ حضرت شیخ خاموش رہے۔ کچھ دیر تک چلے تو شیخ نے فرمایا، پالکی نیچے رکھ دو تاکہ ایک بات کہوں۔ جب اُنہوں نے پالکی نیچے رکھ دی تو فرمایا، تمہیں معلوم ہے کہ ارادت اور عقیدت کیا ہے؟ بولے فرمائیں۔ فرمایا، "ارادت و عقیدت فرمانبرداری ہے۔" سب نے کہا، بے شک۔ فرمایا، جب یہ بات ہے تو تم لوگ سوار ہو جاؤ، تاکہ دوسرے لوگ پالکی اٹھائیں اور ہر کسی کو حصّہ مل جائے۔ اکابر سوار ہو گئے اور دوسرے لوگوں نے پالکی اٹھائی۔ شہر اور دیہات سے اتنی مخلوق آئی تھی کہ بہت سے لوگوں کو پالکی اٹھانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ جب شہر میں پہونچ گئے تو شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ ایک دن حضرت شیخ کو شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کی خانقاہ سے ایک دعوت میں لے جا رہے تھے۔ جب خادم نے شیخ کا جوتا سیدھا کیا۔ شیخ نے فرمایا، تھوڑی دیر توقّف کر۔ ایک کام آپڑا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ترکمان اپنی بیوی کے ساتھ اندر آیا اور اُن کے ساتھ اُن کا بارہ سالہ لڑکا جو بہت حسین تھا، مگر دونوں آنکھوں سے نابینا تھا اس کو لے کر آئے اور کہا، اے شیخ حق سُبحانہٗ نے ہمیں مال و نعمت بہت دی ہے، مگر اس بچے کے سوا ہمارا اور کوئی بچہ نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے اس میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی،

مگراس کی آنکھوں کو بینائی عنایت نہیں فرمائی۔ سارے جہان میں گھوم چکے ہیں۔ جس جگہ کوئی بزرگ، کوئی مزار اور کوئی طبیب ہم نے سُنا، اس جگہ لے گئے، مگر فائدہ نہ ہوا۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ جو کچھ خداوند تعالیٰ سے چاہتے ہیں وہی کچھ ہو جاتا ہے۔ براہِ کرم آپ ہمارے بچے کے معاملے میں مہربانی فرمائیں تاکہ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں۔ ہمارے پاس جسقدر دولت ہے آپ پر قربان کرینگے اور ہم آپکے غلام اور مددگار ہو جائینگے اور اگر ہمارا مطلب پورا نہ ہوا تو اپنے آپ کو اس خانقاہ کے اندر زمین پر مارینگے یہاں تک کہ مر جائیں گے۔ شیخ نے فرمایا، عجیب کام ہے۔ مُردہ کو زندہ کرنا، نابینا کو بینا کرنا، کوڑھی اور برص[1] والے کا علاج کرنا حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ ہے۔ احمد کون ہے کہ یہ بات سُنے۔ یہ کہہ کر کھڑے ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ مرد اور عورت خانقاہ کے اندر اپنے سر زمین پر مارنے لگے۔ شیخ احمد جب خانقاہ کے دالان[2] میں پہنچے تو شیخ پر ایک عظیم حالت ظاہر ہوئی اور ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔ "ماکنیم ما" ہم کرتے ہیں ہم۔ شیخ نے یہ بات اتنی اُونچی آواز میں کہی کہ وہاں پر جو کئی امام موجود تھے اُنھوں نے بھی اس کو سُنا۔ اُس کے بعد شیخ واپس ہوئے۔ خانقاہ میں آئے اور صُفّہ[3] کے کنارے بیٹھ گئے اور فرمایا، اس بچے کو ہمارے پاس لاؤ۔ یہ لوگ لے آئے تو اپنے دونوں انگوٹھے بچے کی دونوں آنکھوں پر رکھے اور اس کو کھینچتے ہوئے کہا،

اُنْظُرْ بِاِذْنِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ — دیکھ اللہ عزّ و جل کے حکم سے۔

اُسی وقت بچے کی دونوں آنکھیں بینا ہو گئیں۔ آئمہ کی جماعت نے حضرت شیخ سے سوال کیا کہ پہلے تو آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے تھے۔

اِحْیاءِ مُوتیٰ وَ اِبْراءِ اَکْمَہَ وَ اَبْرَصْ مُعْجِزَہِ عیسیٰؑ است۔ — مُردوں کا زندہ کرنا، مادرزاد اندھے اور برص کی بیمار کا اچھا کرنا حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ ہے۔

اور دوسری دفعہ آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا "ماکنیم ما" ہم کرتے ہیں ہم۔ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ کیسے درست ہو گئیں۔ یعنی اِن دونوں باتوں کا جوڑ ایک وقت میں کیسے ہو گیا؟ شیخ نے فرمایا، جو بات پہلے کہی گئی تھی وہ احمد کی بات تھی اور اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا، لیکن جب ہم دالان میں پہنچے تو انہوںؑ نے دل میں ڈالا:

احمد باشی مردہ را زندہ عیسیٰ می کرد و ابرار اکمہ و ابرص عیسیٰ می کرد آں ماکنیم ما۔ بانگِ برمن زوند و گفتند باز — احمد بھلا مردہ کو عیسیٰ زندہ کرتا تھا اور کوڑھی اور ابرص کو عیسیٰ اچھا کرتا تھا۔ آں ماکنیم ما۔ وہ ہم کرتے ہیں ہم اُنہوں

---

[1] سفید داغ اور پنجابی میں پھلبہری کے مرض کو کہتے ہیں۔ جس سے تمام جسم پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں۔ کوڑھ جس میں بدن کے حصّے گل جاتے ہیں۔
[2] دالان عربی لفظ ہے۔ گھر کے بڑے کمرہ، سہ دری اور پٹے ہوئے راستہ کو بھی کہتے ہیں [3] صُفہ۔ دالان کے آگے کا صحن، چبوترہ اور جس حصّہ پر چھت ڈلی ہوئی ہو اس کو بھی صُفہ کہتے ہیں۔ یہاں کیا مطلب اس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

گرو کہ ما روشنائی چشم آں کرکوک در نفسِ تو نہادیم ایں حدیث بردلِ من چنداں زور کرد کہ بر زبان بیروں آمد۔ پس آں قول و فعل ہمہ از حق بود اما بر دست و نفسِ احمد ظاہر شد۔

نے مجھے آواز دی اور کہا، واپس جا کہ ہم نے اس بچہ کی آنکھوں کی روشنی تیری پھونک میں رکھی ہے یعنی وہ تیرے دم اور سانس میں رکھ دی ہے۔ اس بات نے میرے دل میں اتنا زور کیا کہ زبان پر باہر آگئی یعنی وہ قول و فعل بات اور کام سب حق تعالیٰ کا تھا، لیکن احمد کے ہاتھ اور پھونک پر ظاہر ہو گیا۔

ایک روز اکابرِ ہرات شیخ کے پاس آئے اور توحید و معرفت کے موضوع پر بات ہو رہی تھی۔ شیخ نے فرمایا، تم لوگ تقلید[1] کے ساتھ یہ بات کہتے ہو۔ تم اپنی بات نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو شیخ کی یہ بات سُن کر از حد دکھ ہوا یعنی شیخ کی بات بڑی ناگوار گزری اور کہنے لگے۔ ہم میں سے ہر ایک کو صانع جلّ شانہٗ کی ہستی کے اثبات پر ہزار دلیل حفظ ہو گی اور آپ ہمیں مقلّد کہتے ہیں؟ شیخ نے فرمایا، خواہ آپ لوگ دس دس ہزار دلیلیں کیوں نہ یاد رکھتے ہوں پھر بھی آپ مقلّد ہی ہیں۔ ان حضرات نے کہا، ہمیں اس بات پر دلیل چاہیئے۔ حضرت شیخ نے خادم کو کہا، ایک طشتری اور تین سچّے موتیوں کے دانے لے آ۔ خادم نے پیش کیے۔ شیخ نے ان حضرات سے فرمایا، ان موتیوں کی اصل کیا تھی؟ یعنی یہ موتی پہلے کیا تھے؟ ان حضرات نے فرمایا۔ خاص قسم کی بارش کے قطرے جنہیں سیپ نے لے لیا اور اُس کے پوٹے میں حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے موتی بن گئے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا، اچھا ان موتیوں کو طشت میں ڈال دیں۔ پھر فرمایا، ہر شخص حقیقت معلوم کرنے کی خاطر اس طشت میں مُنہ کرے اور بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم پڑھے۔ یہ موتی اگر پانی بن کر ایک دوسرے سے مل جائیں وہی صاحبِ حقیقت ہے۔ اِن حضرات نے کہا، یہ عجیب بات ہو گی۔ آپ کہیں، شیخ نے فرمایا، پہلے آپ لوگ کہیں۔ جب میرا نمبر آئے گا میں بھی کہوں گا۔ ان حضرات نے نمبروار بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم پڑھی۔ مروارید یعنی موتی اُسی طرح اپنے حال پر قائم رہے۔ جب شیخ کا نمبر آیا۔ اُن پر حالت ظاہر ہو گئی۔ چہرہ طشتری کی طرف کیا اور کہا بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم۔ تینوں موتی پانی بن گئے اور ایک دوسرے میں مل کر طشتری میں گھومنے لگے۔ حضرت شیخ نے کہا، اُسکُنْ بِاِذْنِ اللہِ۔ اللہ کے حکم سے ٹھہر جا۔ اُسی وقت ایک موتی بغیر سوراخ کے بن گیا۔ سب لوگ حیران رہ گئے اور جو کچھ حضرت شیخ نے فرمایا تھا اُس کے معترف اور قائل ہو گئے۔ حکایت دستِ غیب خواجہ ابو القاسم گرد، بزرگ مال دار اور صاحبِ خبر آدمی گزرا ہے۔ اُس نے بیان کیا،

---

[1] تقلید سُنی سنائی۔ جیسے کسی نے کہہ یا تم نے اس کو تسلیم کر لیا۔ یہ تنقید ہے تحقیق نہیں ہے۔

مجھے ایک حادثہ پیش آیا۔ جو کچھ میرے پاس تھا سب میرے ہاتھ سے نکل گیا اور میرا حال اضطرار[1] اور مجبوری کے درجہ کو پہنچ گیا تھا۔ کنبہ بہت رکھتا تھا اور کوئی کسب نہ جانتا تھا۔ ہمیشہ علماء، مشائخ اور مزاروں پر جاتا تھا اور ہمّت کا استمداد کرتا تھا کہ طاقت احتیاج سجلق نداشتم۔ مخلوق کی محتاجی کی مجھ میں طاقت نہ تھی۔ ایک دن مَیں مسجد میں بڑا پریشان اور اُداس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک پیر دروازہ سے آیا۔ دو رکعت نماز گزاری۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آگیا۔ مجھے سلام کیا۔ اس کی عظیم ہیبت نے مجھے دہشت زدہ کر دیا، کیونکہ وہ بہت نورانی اور ہیبت والا تھا۔ اُس نے مجھ سے پوچھا، "تو پریشان اور اداس کیوں ہے؟" مَیں نے اسے اپنا حال سُنایا۔ اُس نے کہا، احمد بن ابی الحسن کو جو اس پہاڑ میں ہے تُو جانتا ہے۔ میں نے کہا، میرا پُرانا دوست ہے۔ اُس نے کہا، اُٹھ اور اُس کے پاس جا۔ وہ صاحب کرامات مَرد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تُو اس میں اپنے دَرد کے لیے علاج پائے۔ دوسرے دِن مَیں اٹھا۔ اس مرد کے پاس گیا۔ سلام کیا۔ اُس نے جواب دیا اور پوچھا "تیرا کیا حال ہے؟" مَیں نے کہا، نہ پوچھ اور اپنا قِصّہ اُس سے کہا — تو اُس نے فرمایا، چند روز سے تیری طرف ہمارے دل کو کشش ہو رہی تھی۔ مَیں نے اندازہ کر لیا تھا کہ تجھے کوئی کام پڑ گیا ہے۔ جا اور اپنے دل کو مشغول نہ رکھ۔ اطمینان رکھ کہ حق تعالیٰ مشکل آسان کر دے گا۔ مَیں نے قبول کیا۔ آج رات مناجات کے وقت حضرۃ حق تعالیٰ کے سامنے عرض کروں گا۔ دیکھیے کیا جواب آتا ہے۔ دوسرے دن مَیں صُبح صُبح ان کی خدمت میں گیا۔ جب اُن کی چشمِ مبارک مجھ پر پڑی تو کہا، آگے آ کہ حق تعالیٰ نے تیرا کام درست کر دیا۔ یعنی تیرا کام بنا دیا ہے۔ پھر فرمایا، ہر روز تجھے کتنا چاہیئے۔ مَیں نے کہا، چار دانگ۔ فرمایا، اُنہوں تعؑ نے تیرے لیے چار دانگ روزانہ اس پتھّر کے حوالے کر دیئے ہیں۔ آجایا کر۔ اور لے جایا کر۔ اس زمانہ کے کسی فاضل نے اسی واقعہ کے متعلق یہ شعر کہا ؎

بو القاسم گرد شُد چویک سَر مضطر
بگشاد بر و کرامت احمد در
کردند حوالہ کفافش بحجر
ہر روز چار دانگ می آمد و بہ بُرد

ترجمہ: ابوالقاسم گرد جب بالکل مجبور ہو گیا اور حالت اضطرار کو پہنچ گیا تو اس نے اس پر احمد کی کرامت کا دروازہ کھول دیا۔ اُنھوں نے اس کا گزارہ پتھّر کے حوالہ فرما دیا کہ ہر دن آیا کر اور چار دانگ لے جایا کر۔

---

[1] اس حال میں مردار جانور کا کھانا جائز ہو جاتا ہے۔

ابوالقاسم نے کہا، مَیں حضرت احمد کی ہدایت پر اس پتھر کے سامنے گیا۔ سونے کا ٹکڑا دیکھا جو اس پتھر سے باہر نکلا ہوا تھا۔ مَیں نے اٹھا لیا اور شیخ احمد کی خدمت میں گیا اور مَیں نے کہا، مَیں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرے بچے چھوٹے ہیں۔ جب مَیں نہ رہوں گا تو ان کا کیا حال ہو گا اور اُن کا گزارہ کیسے ہو گا۔ فرمایا، جب تک وہ لوگ خیانت نہ کریں گے تیرے بچوں میں سے جو بھی آئے گا اُٹھا کر لے جایا کرے گا اور اُس کے مَر جانے کے بعد مدّت تک اس کے لڑکے لے جاتے رہے۔ جب اُس کے لڑکوں میں سے ایک نے خیانت کی پھر اس کو نہ پایا۔ سُبحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ۔

۴۳۷۔ حضرت ابوعلی فارمدی قدّس اللّٰہ تعالیٰ سرّہٗ

ان کا نام فضل بن محمّد ہے۔ خراسان کے شیخ الشیوخ اور اپنے زمانہ میں اپنے طریقہ خاصہ میں منفرد تھے۔ وعظ و نصیحت کرنے میں امام ابوالقاسم قشیری کے شاگرد ہیں۔ تصوّف میں ان کی نسبت دو طرف سے ہے۔ ایک شیخ ابوالقاسم گورگانی طوسی سے اور دوسری شیخ بزرگوار ابوالحسن خرقانی سے جو کہ مشائخ کے پیشوا اور اپنے زمانہ کے قطب ہوئے ہیں۔ شیخ ابوعلی فارمدی نے خود فرمایا، میں ابتدائے جوانی میں نیشاپور میں طلبِ علم میں مشغول تھا۔ مَیں نے سُنا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدّس سرّہٗ مِہنہ سے آئے ہیں اور مجلس فرماتے ہیں۔ میں گیا تاکہ انہیں دیکھوں۔ جب میری نظر اُن کے جمال پر پڑی عاشق ہو گیا اور اس طائفہ کی محبت میرے دل میں بہت زیادہ ہو گئی۔ مَیں ایک دن مدرسہ کے اندر اپنے حُجرہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ شیخ کی زیارت کا شوق میرے دل میں پیدا ہوا، مگر ایسا وقت نہ تھا کہ شیخ باہر آئیں۔ مَیں نے صبر کرنا چاہا، لیکن نہ ہو سکا اور باہر نکل آیا۔ جب چہار سوق (چوک) کے سرے پر پہنچا تو شیخ کو دیکھا کہ ایک بھاری جماعت کے ساتھ جا رہے تھے۔ مَیں بھی اُن کے پیچھے ہو لیا، مگر بے خود یعنی خود سے بے خبر تھا۔ شیخ اپنی جگہ پہنچ گئے اور جماعت بھی پہونچ گئی۔ میں بھی گیا اور ایک گوشہ میں ایسے بیٹھ گیا کہ شیخ مجھے نہ دیکھتے تھے۔ جب شیخ سماع میں مشغول ہوئے تو شیخ پر وجد ظاہر ہوا اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ سماع سے فارغ ہوئے تو شیخ نے جسمِ مبارک سے کپڑا اتارا اور اُس کے اگلے حصّہ کو پھاڑنے لگے۔ شیخ نے ایک آستین تریز[ع] کے ساتھ جدا کی اور رکھ لی اور آواز دی اے ابوعلی طوسی تو کہاں ہے؟ مَیں نے جواب نہ دیا۔ مَیں نے خیال کیا کہ وہ مجھے دیکھتے ہیں اور نہ اُن کو میرا آنا معلوم ہے۔ شاید شیخ کے مریدوں میں کوئی ابوعلی طوسی ہو گا۔ شیخ نے دُوسری مرتبہ آواز دی۔ مَیں نے پھر جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ پکارا۔ جماعت نے کہا، شیخ شاید تجھے ہی پکارتے ہیں۔ مَیں اُٹھا اور شیخ کے سامنے گیا۔ شیخ نے وہ تریز اور آستین مجھے دی اور فرمایا تُو میرے لیے اس آستین اور تریز کی مانند ہے۔ مَیں نے وہ کپڑا لیا۔

[ع] تریز چوغہ و کپڑے کے حصّے کو کہتے ہیں۔ (غیاث اللغات)

اس کا ادب کیا۔ عزت والی جگہ میں رکھا اور میں ہمیشہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اُن کی خدمت میں مجھے بہت فائدے پہنچے۔ بڑے انوار ظاہر ہوئے اور حالات رونما ہوئے۔ جب شیخ نیشاپور چلے گئے مَیں استاد ابوالقاسم قشیریؒ کے پاس آ گیا۔ جو حال مجھ پر ظاہر ہوتا تھا مَیں اس کو اُستاد سے بیان کر دیتا تھا اور وہ ہمیشہ کہہ دیتے تھے۔

بروائے پسر بعلم آموختن مشغول باش وہر روز آں روشنائی زیادت مے بود و سہ سال دیگر بتحصیل مشغول بودم تا یک روز قلم از محبرہ برکشیدم سفید برآمد۔ برخاستم وپیش استاد امام رفتم وحال باوے گفتم اُستاد امام بگفت چوں علم دست تو برداشت تو نیز دست از دے بدار کار را باش و بمعاملہ مشغول گرد۔

جا اے بیٹے علم سیکھنے میں مشغول رہ اور ہر روز وہ روشنی بڑھتی جاتی تھی۔ میں مزید تین سال علم میں مشغول رہا یہاں تک کہ ایک دن دوات سے قلم نکالا تو صاف نکلا۔ اُس نے روشنائی نہیں اٹھائی۔ مَیں اٹھا اور استاد امام کے پاس گیا۔ اُن سے حال بیان کیا۔ استاد امام نے کہا جب علم نے تجھ سے علٰحدگی اختیار کر لی تو بھی علم سے علٰحدہ ہو جا، کام کر اور علم کو عمل کے اندر لانے میں مشغول ہو جا۔ یعنی کام کر اور ریاضت میں مشغول رہ۔ مَیں گیا اور مدرسہ سے سامان اٹھا کر خانقاہ میں لے آیا اور استاد امام کی خدمت میں مشغول ہو گیا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ استاد امام حمّام میں تنہا گئے ہوئے تھے۔ میں گیا اور پانی کے چند ڈول حمام میں ڈال دیئے۔ جب اُستاد باہر آئے اور نماز ادا کر چکے تو فرمایا وہ کون تھا جس نے حمام میں پانی ڈالا تھا؟ مَیں خاموش رہا اور دل میں سوچا مَیں نے بے وقوفی کی ہے۔ دُوسری دفعہ پھر فرمایا، پانی کس نے ڈالا؟ مَیں پھر خاموش رہا۔ جب تیسری دفعہ فرمایا، تو میں نے کہا، مَیں تھا۔ یہ سُن کر اُستاد نے فرمایا، اے ابوعلی! ہرچہ ابوالقاسم در ہفتاد سال بیافت تو بیک دلو آب یافتی۔ او ابوعلی! ابوالقاسم نے جو کچھ ستّر سال میں پایا، تُو نے پانی کے ایک ڈول میں پا لیا۔ آخر عرصہ تک امام کی خدمت میں رہ کر مجاہدہ کرتا رہا۔ ایک دن مجھ پر ایسی حالت آئی کہ مَیں اس میں گم ہو گیا۔ یہ واقعہ استاد امام کے پیش کیا۔ اُستاد نے فرمایا، اے ابوعلی! میری دوڑ اس سے آگے نہیں اور جو اس سے آگے ہے اس تک پہنچنے کا راستہ میں نہیں جانتا۔ استاد کی یہ بات سُن کر مَیں نے اپنے دل میں سوچا کہ میرا کوئی پیر ہونا چاہیئے جو مجھے اس مقام سے اُوپر لے جائے۔ ابوعلی کہتے ہیں میری یہ حالت زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ مَیں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی کا نام سُنا تھا۔ اُن کے پاس جانے کے لیے مَیں نے شہر طوس کا رُخ کیا۔ مَیں اُن کی جگہ نہیں جانتا تھا۔ جب شہر پہونچا اُن کی جگہ دریافت کی۔ لوگوں نے پتہ بتایا۔ مَیں وَہاں پہونچا تو دیکھا کہ شیخ اپنی جماعت کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مَیں نے مسجد میں دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کی اور اس کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ سر کو نیچے کیے بیٹھے تھے۔ ایک دم سر اوپر اٹھایا اور کہا، اے ابوعلی! آ تو کیا رکھتا ہے اور تیرا کیا حال ہے؟ مَیں نے سلام کیا اور بیٹھ گیا اور اپنے واقعات اُن سے بیان

کیے۔ شیخ ابوالقاسم نے کہا، "آرے ابتدائات مبارک باد"۔ بہت اچھا تجھے ابتدار مبارک ہو۔ ابھی تو ایک درجہ یعنی ایک منزل بھی نہیں پہنچا۔ ہاں اگر تربیت حاصل کرے گا تو بڑے رُتبے اور بڑے مقام پر پہنچ جائے گا۔ میں نے دل میں کہا، میرا پیر یہ ہے اور ان کی خدمت میں رہتا رہا اور جب مدّت تک میرے لیے طرح طرح کی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز فرما چکے تو اس کے بعد مجھ پر خاص توجہ کی اور مجلس منعقد فرمائی اور اپنے صاحبزادہ کو میرے حکم میں کر دیا یعنی ان کو میری تربیت میں دیا[1]۔

خواجہ ابوعلی فارمدیؒ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے کہ شیخ ابوالقاسم مجلس منعقد فرمائیں شیخ ابوسعید مَہنہ سے طوس آئے ہوئے تھے۔ میں ان کی خدمت میں گیا، تو فرمایا، اے ابوعلی! جلدی وقت آئے گا جب تجھے طوطی کی طرح بولنے میں لائیں گے یعنی طوطی کی طرح تجھ سے باتیں کرائیں گے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ شیخ ابوالقاسم نے میرے لیے مجلس منعقد فرمائی اور بات مجھ پر کشادہ ہو گئی یعنی اسرار و معرفت کی باتیں مجھ پر کھل گئیں۔

۳۳۸۔ حضرت شیخ ابوبکر بن عبداللہ الطوسی النّسّاج رحمۃ اللہ علیہ

یہ بھی شیخ ابوالقاسم کُرگانی کے مرید ہیں۔ ابوبکر دینور کی صحبت میں بھی رہے ہیں۔ لوگوں نے ان سے پوچھا مطلوب کا دیدار کس کے ساتھ اور کس ذریعہ سے دیکھا جا سکتا ہے؟ فرمایا، "بدیدۂ صدق در آئینہ طلب۔ سچائی والی آنکھ کے ساتھ طلب کے آئینہ میں"۔ اور فرمایا، پانی کا تصوّر پیاس نہ بجھائے گا۔ آگ کا تصوّر گرمی نہ بخشے گا اور طلب کا دعویٰ مطلوب تک نہ پہونچائے گا۔ اور فرمایا، جب تک ہستی موہوم کو جلایا نہ جائے اور دل کی آنکھ کو غیرت کی سوئی کے ساتھ اس کے غیر سے نہ سیا جائے گا اس وقت تک خلوت خانۂ جان معشوق کی تجلیات کی شمع سے روشن نہ ہو گا۔ اس لیے کہ تخم زمین میں بو کر ہی کاٹتے ہیں۔ اور جس کاغذ پر لکھا جا چکا ہو اس پر نقشے بیل بوٹے نہیں لکھتے۔ کہتے ہیں ابتدار طلب میں اُنھوں نے بہت مجاہدے کیے، لیکن ان کا مجاہدہ مشاہدہ کے مقام پر نہ پہونچا۔ تو درگاہِ خداوندی میں بہت روئے۔ آخر ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز آئی کہ اے نسّاج!

بادر طلب قناعت کن ترا با یافت چہ کار — طلب کے در پر قناعت کر یافت سے تیرا کیا کام[2]

---

[1] یا اس کا مطلب یہ ہو کہ شیخ نے فرمایا جیسا میرا بیٹا ہے ویسا ہی میں اس کو سمجھتا ہوں۔ فقیر کو یاد ہے کہ میرے محترم اُستاد میرے مربّی اور میرے شیخ حضرت اقدس مولانا محمد الیاس کاندھلوی قدس اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ مجھے یہ کہا، ادریس! جیسا میں یوسف کو سمجھتا ہوں ویسا ہی تجھے سمجھتا ہوں — جو استاد کی سب سے بڑی عنایت اور توجّہ کی دلیل ہے۔ (۲ے اگلے صفحہ پر دیکھیں)

شیخ نے فرمایا، توکّل آنست کہ منع و عطا[1] جز از خدا تعالیٰ نہ بینی۔ توکل یہ ہے کہ منع و عطا کو صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے دیکھے۔ اور دوسرے کی طرف سے نہ دیکھے۔

عین القضات ہمدانی نے اپنی تصنیفات میں بیان کیا ہے کہ شیخ احمد غزالیؒ نے کہا، میرے شیخ ابوبکر نسّاج نے اپنی مناجات میں کہا:

اِلٰہِی مَا الْحِکْمَۃُ فِی خَلْقِی۔ جواب آیا۔ اَلْحِکْمَۃُ فِی خَلْقِکَ رُؤْیَتِی فِی مِرْآۃِ رُوْحِکَ وَ مُحَبَّتِی فِی قَلْبِکَ۔

الٰہی! میرے پیدا کرنے میں تیری کیا حکمت ہے؟ جواب آیا، تیرے پیدا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ میں اپنے حُسن و جمال کو تیری رُوح کے آئینے میں دیکھوں اور اپنی محبت کو تیرے دل میں ڈالوں۔

۲۳۹۔ حضرت حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی[2] الطوسی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

متوفی ۵۰۵ھ۔ اُن کی کنیت ابوحامد اور لقب زین العابدین ہے۔ تصوف میں ان کی نسبت شیخ ابوعلی فارمدی سے ہے۔ امام غزالی خود فرماتے ہیں:

لَقَدْ سَمِعْتُ الشَّیْخَ الْاِمَامَ عَلِیَّ الفارمدیَّ قَدَّسَ اللہُ تَعَالیٰ رُوْحَہٗ عَنْ شَیْخِ اَبِی الْقَاسِمِ کَرگانِی قَدَّسَ اللہُ رُوْحَہٗ اِنَّ الْاَسْمَاءَ التِّسْعَۃَ وَالتِّسعِیْنَ تَصِیْرُ اَوْصَافًا لِلْعَبْدِ السَّالِکِ وَھُوَ بَعْدُ فِی السُّلُوْکِ غَیْرُ وَاصِلٍ

بے شک میں نے شیخ ابوعلی فارمدی قدس اللہ روحہٗ سے سنا وہ اپنے شیخ ابوالقاسم کرگانی قدس اللہ روحہٗ سے روایت کرتے ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ سلوک والے شخص کے لیے ۹۹ اسماء الٰہی وصف بن جائیں یعنی وہ متخلّق باخلاق اللہ بن جاتے اس وقت بھی وہ سلوک میں واصل نہیں ہے۔[3]

حضرت امام اوائل حال میں طوس اور نیشاپور میں تحصیل علوم اور اس کی تکمیل میں مشغول رہے۔ اس کے بعد نظام الملک سے ملاقات کی اور پوری طرح قبولیت حاصل کی۔ نظام الملک کی صحبت میں فاضل علماء کی جو جماعت رہتی تھی اُن

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) یافت یعنی مشاہدہ سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ طلب کے درد میں تڑپتا رہے۔

[1] یعنی منع روکنا نہ دینا اور عطا یعنی دینا۔ [2] غزالی غزالہ کی طرف منسُوب ہے جو طوس کے علاقہ میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ اس وقت اس کا کوئی نشان نہیں۔ [3] یعنی اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام سالک کے اوصاف ہو جاتے ہیں اور سالک اُن سے اپنا حصہ بقدر ظرف لے لیتا ہے، مگر اس حال کے باوجود یہ شخص منتہی نہیں ہوتا یعنی اس کی انتہا کو نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ فنا کے ساتھ سیر الی اللہ منتہی ختم ہو جاتی ہے مگر سیر فی اللہ کے لیے انتہا نہیں ہوتی۔

کے ساتھ مختلف موضوعات پر مختلف مجالس میں مناظرے و مجادلے، بحث و مباحثہ کئے اور غزالی ان سب پر غالب ہوگئے۔ نظام الملک نے نظامیہ بغداد کی تدریس ان کے سپرد کی۔ ۴۸۴ھ میں بغداد گئے۔ تمام اہل عراق اور اہل بغداد ان پر شیفتہ و فریفتہ ہوگئے۔ وہاں بہت عزّت اور بڑی قدر و منزلت اور بلند مقام پایا۔ اور اس کے بعد تمام کو اپنے اختیار سے ترک کر دیا اور زہد و انقطاع کے طریقہ کو زندگی کا نصب العین بنایا۔ حج کے قصد سے روانہ ہو گئے اور ۴۸۸ھ میں حج ادا کیا، پھر شام میں واپس آگئے۔ مدّت تک وہاں رہے۔ وہاں سے بیت المقدس گئے۔ یہاں سے مصر چلے گئے اور مدّت تک اسکندریہ کے شہر میں رہے۔ پھر 'شام' آگئے۔ شام میں جس قدر رہنا چاہا رہے۔ اس کے بعد وطن کو واپس ہوئے اور اپنے حال کی اصلاح میں مشغول ہوگئے۔ مخلوق سے خلوت اختیار کی اور مفید کتابیں تصنیف کیں۔ جیسے کہ کتاب احیاء العلوم، جواہر القرآن، تفسیر یاقوتُ التاویل، کی چالیس جلدیں اور مشکوٰۃ الانوار اور اس کے علاوہ بھی دوسری بہت سی مشہور کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اور ان سب کے بعد نیشاپور میں واپس آئے اور مدرسہ نظامیہ میں درس دیتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد درس ترک کر دیا اور پھر وطن کو واپس ہوگئے۔ اور صوفیہ کے لیے خانقاہ اور طلبہ کے لیے مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اپنے اوقات کو مشاغل خیر میں اس طرح تقسیم کیا :- (۱) ختم القرآن (۲) اربابِ قلوب یعنی اہلِ دل کی صحبت (۳) علومِ ظاہری کے طلبہ کے لیے درس۔ یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تک کہ غزالی ۱۴ رجمادی الآخر ۵۰۵ھ میں جوارِ رحمت میں جا ملے۔ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی قدّس اللہ تعالیٰ رُوحہٗ جو اپنے وقت کے قطب تھے، اُنہوں نے خواب دیکھا اور خبر دی حضرت رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلم، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السّلام کے سامنے غزالی پر فخر و مباہات یعنی خوشی و بڑائی کا اظہار فرما رہے ہیں، نیز آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے غزالی کے منکروں میں سے ایک منکر کو سزا دینے کا حکم فرمایا اور مرتے وقت تک اس کے بدن پر کوڑے[1] کا نشان ظاہر رہا۔ اور غزالی کے مضامین میں سے ایک مضمون اور ان کی باتوں میں سے ایک بات جو اُنہوں نے اپنے ایک دوست کو خط میں لکھی تھی یہ ہے :

رُوح ہست نیست نمائی ست کہ کس را بدو راہ نبود	رُوح ہے، لیکن نیست نمائی ہے، لیکن کسی کو اس تک راہ نہیں۔
و سلطان و قاہر و مُتصرّف وے بود، و قالب اسیر و	کہ اس کی حقیقت معلوم کر سکے۔ جسم پر اُس کی حکومت ہے۔ وہ
و بے چارۂ الست ہر چہ بیند از قالب بیند و قالب	اس پر قابض و دخیل ہے۔ جیسے چاہتی ہے اسکو استعمال کرتی یعنی
را ازاں بے خبر۔ کل عالم را با قیوم عالم ہمیں مثال است	اس سے کام لیتی ہے۔ جسم اس کا قیدی ہے اور اس کے آگے لاچار،

[1] بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کوڑے کا اثر اس شخص کے مرجانے کے بعد اس کی اولاد میں بھی وراثۃً چلتا رہا۔

کہ قیوم عالم است، نیست نمائی ہست کہ ہیچ ذرہ را
از ذرات عالم قوام و وجود نیست بخود، بل بقیومی ویست
و قیوم ہر چیزے بضرورت بادے بہم باشد و حقیقت
وجود وے را با او و وجود مُقَوَّم از وے بر سبیل عار
بود۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ این بود ولیکن کہ معیّت
نداند اِلّا معیت جسم با جسم یا معیت عرض با عرض
یا معیت عرض با جسم وآں ہر سہ در حق قیوم عالم محال
باشد این معیت فہم نتواند کرد و معیت قیّومیّت
قسم رابع ست بلکہ معیت بحقیقت این است و این
نیز ہست، نیست نمائی ہست کسانیکہ این معیت
را نشاسند، قیوم را می جویند و بازمی یابند۔

عاجز و بے بس ہے۔ جو کچھ دیکھتے ہیں وہ قالب سے ہوتا ہوا دیکھتے
ہیں اور قالب کو اس کی خبر نہیں۔ سارے جہان یعنی کل مخلوقات کو اپنے
قیوم یعنی پیدا کرنے والے اور قائم رکھنے والے کے ساتھ یہی مثال ہے
جو رُوح کو جسم کے ساتھ ہے کہ حضرت قیوم عالم ہے تو سہی، لیکن
نیست نمائی ہے کہ اس تک نہ کسی کو راہ ہے اور نہ کوئی اس کی حقیقت
کا ادراک کر سکتا ہے، کیونکہ عالم کے ذرات میں سے کوئی ذرّہ اور
مخلوقات میں سے کوئی مخلوق نہیں ہے کہ اس کے لیے بذاتِ خود
قوام و وجود ہو یعنی یہ کہ وہ از خود پیدا ہو گئی ہو اور از خود وہ قائم
رہتی ہو، بلکہ اس کا وجود و قیام، پیدا ہونا اور قائم رہنا اس قیوم کی
قیومی کے ساتھ قائم ہے اور ہر چیز کا قیوم لازمی اور ضروری طور پر
اُس کے ساتھ رہتا ہے[1] اور اس چیز کے وجود کی حقیقت اس کے
قیوم، قائم رکھنے والے کے ساتھ قائم ہے اور جو چیز وجود میں لائی گئی اور اس کو وجود دیا گیا ہے اس کا وجود یعنی موجود رہنا قیوم
یعنی قائم رکھنے والے کی طرف سے عاریۃً عارضی اور غیر حقیقی ہو گا۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ۔ وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو،
کے یہ معنی ہیں لیکن جو شخص صرف جسم کی معیت کو جسم کے ساتھ جانتا ہو یا عرض کی معیت کو عرض کے ساتھ یا عرض کی[2] معیت
کو جسم کے ساتھ جانتا ہو اس کو جاننا چاہیئے کہ یہ تینوں حقیقتیں قیوم عالم کے حق میں محال اور ناممکن ہیں، کیونکہ قیوم شانہٗ نہ جسم
ہے نہ عرض ہے اور تینوں حقیقتوں کو حق تعالیٰ کی معیت نہ سمجھنا چاہیئے، کیونکہ قیومیت کی معیت ان تین قسموں کے علاوہ چوتھی
قسم ہے، بلکہ حقیقت میں معیت یہی ہے اور یہ حقیقت موجود تو ہے، مگر یہ بھی نیست نما ہے۔ جو لوگ اس معیت کو نہ پہچانیں
گے۔ قیوم کو ڈھونڈیں گے، مگر پھر بھی نہ پائیں گے۔

نیز حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے۔ ایک بگولا صاف ہوا میں زمین سے

---

[1] اور ضروری و لازمی کا مطلب یہ ہے کہ جس کے بغیر کام نہ چلے۔ مثلاً ستون پر چھت قائم ہے تو ستون چھت کی ضرورت ہے ستون
نہ ہو گا تو چھت نہ رہے گی۔ اسی طرح اگر قیوم کی قیومی نہ ہو گی تو مخلوق نہ رہے گی۔

[2] جیسے کپڑا جسم ہے اور رنگ عرض۔ حیوان اور آدمی کا جسم، جسم ہے اور بخار اس کا عرض ہے۔

اُٹھتا ہے اور منارہ مستطیل کی شکل میں اُوپر کو اُٹھتا ہے۔ جو آدمی اُسے دیکھتا ہے یہ سمجھتا ہے کہ مٹی خود اپنے کو پیچ دے رہی ہے اور ہلا رہی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ اُس کے ہر ذرہ کے ساتھ ہوا ہے جو اُس کو حرکت دیتی ہے، لیکن ہوا کو یہ دیکھ نہیں سکتا اور مٹی کو دیکھ سکتا ہے۔ لہٰذا مٹی حرکت کرنے میں نیست، ہست نما" ہے، یعنی وہ حرکت تو کرتی نہیں، لیکن حرکت کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور اس صورت میں ہوا ہست، نیست نما ہے، یعنی حرکت تو ہوا کرتی ہے، لیکن اس کی حرکت نظر نہیں آتی یعنی ظاہر میں معلوم نہیں ہوتی۔ مٹی حرکت کرنے میں ہوا کی مسخر اور تابع ہے اور اُس کے آگے عاجز و لاچار ہے۔ اختیار اور اقتدار ہوا کو حاصل ہے، مگر وہ ظاہر میں معلوم نہیں ہوتا۔ اکابر علماء میں سے ایک بڑے عالم نے امام غزالی کا سنایا ہوا واقعہ سنایا۔ امام غزالیؒ نے بیان کیا کہ میں ظہر و عصر کی نماز کے درمیان حرم کعبہ میں آیا۔ اُس وقت وُجد نے مجھے ایسا پکڑ رکھا تھا کہ میرا قرار اور سکون ختم ہو گیا تھا نہ لیٹ کر چین آتا تھا نہ بیٹھ کر۔ اس حال میں کوئی جگہ تلاش کر رہا تھا جہاں کچھ دیر تکان دُور کروں اور تھوڑی دیر زمین سے کمر لگاؤں۔ آخر کار حرم کی ایک رباط کے جماعت خانہ میں آیا اور دائیں کروٹ پر خانہ کعبہ کے قریب لیٹ گیا۔ اپنے ہاتھ کو ستون کے نیچے رکھ لیا تاکہ مجھ پر نیند غالب نہ آجائے اور وضو قائم رہے۔ اسی حال میں اہلِ بدعت میں سے ایک آدمی جو بدعت میں مشہور تھا آ نکلا۔ اس نے اس جماعت خانہ کے دروازہ پر جانماز بچھائی۔ اپنی جیب سے ایک تختی نکالی۔ میرا خیال ہے کہ وہ پتھر کی تھی جس پر بہت کچھ لکھا ہوا تھا۔ اس نے اُسے بوسہ دیا اور اپنے سامنے رکھ کر لمبی نماز پڑھی۔ دونوں رخساروں کی طرف سے اُس پر اپنا چہرہ مَلا۔ اور بڑی عاجزی وزاری کی۔ اس کے بعد سر اٹھایا۔ اس کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں پر مَلا۔ پھر اُسے بوسہ دے کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ جب مَیں نے یہ دیکھا تو مجھے اس سے سخت نفرت ہوئی اور مَیں نے اپنے دل میں کہا، کتنا اچھا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تاکہ ان بدعتیوں کو ان کی اس بُرائی کی خبر دیتے جو یہ لوگ کرتے ہیں اور اُن کے افعال کی قباحتوں کو اُن پر ظاہر فرماتے۔ مَیں اسی سوچ و فکر میں اپنے سے نیند کو دُور کر رہا تھا تاکہ میرا وضو قائم رہے۔ اچانک مَیں اپنے جسم سے غائب ہو گیا۔ مَیں نے خواب و بیداری کے درمیان میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا میدان ہے۔ بہت لوگ اس میں کھڑے ہیں اور ہر ایک کے ہاتھ میں مجلّد کتاب ہے۔ یہ سب لوگ ایک شخص کے سامنے کھڑے ہیں۔ مَیں بھی وہاں چلا گیا۔ مَیں نے اُن سے سوال کیا۔ وہ کہنے لگے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس جگہ تشریف فرما ہیں۔ سب لوگ اصحابِ مذہب ہیں چاہتے ہیں کہ اپنے مذاہب اور عقائد کو اپنی کتابوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھیں اور اپنے عقائد و مذاہب کی آپ سے تصحیح کرائیں۔ اسی دوران ایک آدمی آیا۔ لوگوں نے کہا شافعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں ایک

کتاب تھی۔ حلقہ کے درمیان آئے اور رسول اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے سلام کا جواب دیا۔ اور مرحبا کہا۔ شافعیؒ آپ کے سامنے بیٹھ گئے اور اس کتاب سے جو اُن کے پاس تھی اپنے مذہب ملّت اور اعتقاد کو پڑھا۔ اس کے بعد دوسرا آدمی آیا۔ لوگوں نے کہا، یہ ابوحنیفہؓ ہے۔ اُن کے ہاتھ میں بھی کتاب تھی۔ ابوحنیفہؒ شافعیؒ کے پاس بیٹھ گئے اور اِس کتاب سے اپنے مذہب وملّت و عقائد پڑھ کر سنائے۔ اس طرح اصحاب مذاہب میں ایک ایک آتے تھے۔ یہاں تک کہ تھوڑے باقی رہ گئے۔ جو شخص اپنے مذہب کو پیش کرچکا ہوتا اس کو دُوسرے کے پاس بٹھادیتے تھے۔ جب سب فارغ ہوگئے اچانک روافض میں سے ایک آدمی آیا۔ اُس کے ہاتھ میں کچھ کاغذ بے جلد کے تھے جس میں اُن کے عقائد باطلہ کا ذکر تھا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ اس حلقہ میں جائے اور ان کاغذوں کو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے رُوبرو پڑھے۔ ایک آدمی اُن لوگوں میں سے جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشی میں تھے۔ باہر نکلا۔ اُس کو جھڑکی دی اور اسے اندر جانے سے روک دیا اور کاغذات اُس کے ہاتھ سے لے کر پھینک دیئے۔ اس کو نکال دیا اور ذلیل کیا۔ جب مَیں نے دیکھا کہ لوگ فارغ ہوگئے ہیں اور کوئی پڑھنے والا باقی نہیں رہا۔ میں آگے بڑھا۔ میرے ہاتھ میں ایک مُجلّد کتاب تھی۔ مَیں نے عرض کیا :۔

یارسُول اللہ ایں کتاب معتقدِ من و معتقدِ اہلِ اسلام است۔ اگر اِذن فرمائی بخوانم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرمود چہ کتاب است۔ گفتم کتاب قواعد العقاید است کہ غزالی تصنیف کردہ است مرا بقرأت آن اِذن داد بنشستم و از اوّل کتاب خواندن گرفتم تا بآں جا رسیدم کہ غزالی مے گوید واللہُ تعالےٰ بَعَثَ النَّبِیَّ الاُمِّیَّ القرشیَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسلّم اِلیٰ کَافَّۃِ العربِ وَ العَجَمِ وَ الجِنِّ وَالاِنسِ۔

یارسُول اللہ ! اس کتاب میں میرے اعتقادات اور اہلِ اسلام کے اعتقادات لکھے ہوئے ہیں۔ اگر اجازت فرمایئں تو پڑھوں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، کیا کتاب ہے؟ میں نے کہا، قواعد العقاید ہے جسکو غزالی نے تصنیف کیا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے اس کے پڑھنے کی اجازت دی۔ مَیں بیٹھ گیا اور شروع سے پڑھنے لگا۔ جب میں اِسجگہ پہنچا کہ غزّالی کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی اُمّی قریشی محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کو سارے عرب اور عجم سارے جنّوں اور انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔

جب مَیں یہاں پر پہنچا تو آپ کے چہرہ مُبارک پر خوشی اور تبسّم کا اثر ظاہر ہوا۔ جب آپ کی تعریف و توصیف پر پہنچا تو آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، "این الغزّالی" غزالی کہاں ہے؟ غزّالی اس جگہ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا غزّالی مَنم یارسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ غزّالی مَیں ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔ اور آپ کے قریب آ

گیا۔ سلام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے میرے سلام کا جواب دیا اور اپنا ہاتھ مبارک اس عاجز کو دیا غزّالی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا اور اپنے چہرہ کو اُس پر ملا۔ اس کے بعد وہ بیٹھ گیا۔ امامِ غزّالی نے فرمایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کسی کی کتاب کو سُن کر اتنا خوشی کا اظہار نہیں فرمایا جتنا قواعد العقائد کے پڑھنے پر خوش ہوئے۔ جب خواب سے بیدار ہوا میری آنکھوں پر گریہ کا اثر تھا۔ اس عزّت افزائی و ران حالت کی وجہ سے جن کا میں نے مشاہدہ کیا۔

۳۴۰۔ حضرت شیخ احمد غزّالی قدس اللہ سرّہٗ المتوفی ۵۱۷ھ۔ قزوین میں ان کی قبر ہے۔ ابوبکر نسّاج کے بڑے مریدوں میں سے تھے۔ ان کی تصنیفات نہایت معتبر اور رسائل بے نظیر ہیں۔ اُن میں ایک رسالہ سوانح ہے۔ شیخ فخر الدین عراقی کی لمعات اس رسالہ کی طرز پر لکھی گئی۔ جیسے کہ وہ لمعات کے دیباچہ میں لکھتے ہیں، "امّا بعد! یہ چند کلمات سوانح کے طریقوں پر بزبان وقت املا کی اور سوانح کی فصلوں میں سے ایک یہ ہے:

معشوق بہمہ حال خود معشوق است۔ پس استغنا صفت اوست و عاشق بہمہ حال خود عاشق است پس افتقار صفت اوست۔ عاشق را ہمیشہ معشوق دربایدپس افتقار ہمیشہ صفت اوست ومعشوق راہیچ چیز درنمی یابدکہ خود را دارد لاجرم صفت او استغنا باشد۔

معشوق اپنے ہر حال میں معشوق ہے۔ پس اس کی صفت استغناؔ (بے نیازی) ہے اور عاشق اپنے ہر حال میں عاشق ہے۔ پس اُس کی صفت محتاجی ہے۔ عاشق کو ہمیشہ اپنے لیے معشوق چاہیے پس محتاجی اس کی صفت ہے اور معشوق کو کسی چیز کی ضرورت نہیں کہ وہ خود رکھتا ہے۔ پس یقیناً اس کی صفت استغنا ہوگی۔

بیت: ہموارہ تو دِل ربودہ ای معذوری
غمِ ہیچ نیاز مودہ ای معذوری

لہ یعنی معشوق کی ذات جب کہ صفت معشوقیت کو نہ دیکھا جائے عاشق کی محتاج نہیں۔ ہاں صفت معشوق کو اگر دیکھا جائے تو وہ عشق کی اور عاشق دونوں کی محتاج ہے اور معشوق کو کسی چیز کی محتاجی نہیں، کیونکہ وہ خود کو رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بذاتہٖ ثابت ہے اور اس ثبوت میں اس کو کسی چیز کی احتیاج و ضرورت نہیں بخلاف عاشق کے کہ اس کے لیے معشوق ثابت نہیں، لہٰذا معشوق کی صفت اس کی ذات کے اعتبار سے استغنار و بے پروائی ہوئی اور عاشق کی صفت احتیاج ہوگی۔

من بے تو ہزار شب بخوں در بودم
تو بے تو شبے نہ بودہٴ می معذوری

ترجمہ :۔ ہمیشہ تو نے دل لیا ہے۔ میری مجبوری قبول فرما۔ کسی کا غم تُو نے نہیں آزمایا، میرا عُذر قبول فرما۔
میں تجھ بن ہزار رات خون میں تڑپتا ہوں۔ تیرے بغیر کوئی رات نہیں ہوئی۔ معذرت پیش کرتا ہوں۔

ایک روز ان کی مجلس وعظ میں قاری نے قُل یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللہِ آخر آیت تک پڑھا تو شیخ نے فرمایا "شَرَّفَھُمْ بِیَاءِ الْاِضَافَةِ اِلٰی نَفْسِہٖ بِقَوْلِہٖ یَا عِبَادِیَ" خدا تعالیٰ نے اُن کو شرف بخشا کہ اپنے قول یا عبادی میں ان کو اپنی طرف منسوب فرما دیا۔

پھر یہ شعر پڑھا :

وَھَانَ عَلَیَّ اللَّوْمُ فِیْ جَنْبِ حُبِّھَا
وَ قَوْلُ الْاَعَادِیْ اِنَّہٗ لَخَلِیْعٌ
اَصَمُّ اِذَا نُوْدِیْتُ بِسْمِیْ وَ اِنَّنِیْ
اِذَا قِیْلَ لِیْ یَا عَبْدَھَا لَسَمِیْعٌ

ترجمہ :۔ اُس کی دوستی و محبت کے مقابلہ میں مجھ پر ملامتوں کا بوجھ ہلکا اور حقیر ہو گیا اور مجھ پر دُشمنوں کی یہ بات بھی حقیر ہو گئی کہ وہ راندہ اور نکالا ہوا ہے۔ جب مجھے میرے نام سے پکارا جاتا ہے میں بہرہ ہو جاتا ہوں اور جب مجھے کہا جاتا ہے او فلانی کے غلام تو میں خوب سنتا ہوں۔

ایک دن کسی نے اُن کے بھائی حُجّۃ الاسلام امام غزالی کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں ہیں ؟ فرمایا ، وے درخون است۔ "وہ خون میں ہے۔" سائل نے انہیں تلاش کیا تو مسجد میں پایا۔ شیخ احمد کی بات پر اُسے تعجب ہوا اور حجۃ الاسلام سے

لہ پوری آیت یہ ہے : قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللہِ اِنَّ اللہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی، تم اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو اس لیے کہ خدا تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دیگا اس لیے کہ اس کی صفات میں ایک صفت مغفرت ہے اور اس کی رحمت کی تو کوئی حد ہی نہیں۔

عہ یعنی خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس سبب سے شرافت و بزرگی بخشی کہ ان کو اپنے ساتھ یعنی یائے متکلم کے ساتھ نسبت دی اور کہا۔ "اے میرے بندو!"

قصہ کہا۔ امام غزالیؒ نے فرمایا، اُس نے صحیح کہا۔ میں اس وقت مُستحاضہ[1] کے مسائل پر غور کر رہا تھا۔

صوفیوں میں سے ایک صُوفی قزوین سے طوس آیا اور حُجۃُ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس سے حجۃ الاسلام نے اپنے بھائی احمد کا حال دریافت کیا۔ جو اُسے معلوم تھا اُس نے بیان کیا۔ امام غزالیؒ نے فرمایا، اُن کی کوئی بات تجھے یاد ہے؟ اُس نے کہا، جی ہاں اور جو اُسے یاد تھا اُن کے سامنے بیان کیا۔ اس کلام میں کچھ غور کیا پھر فرمایا، سبحان اللہ! آنچہ ما طلب کردیم احمد یافت۔ سُبحان اللہ! جو کچھ ہم نے طلب کیا، احمد نے پا لیا[3]۔

۳۴۱۔ حضرت خواجہ یُوسف ہمدانی[2] قدس اللہ سرہٗ

وفات ۵۳۵ھ۔ کنیت ابو یعقوب ہے۔ امام عالم، عارف ربّانی، صاحب کرامت اور عالی مقامات رکھتے تھے۔ ابتدا میں بغداد گئے اور شیخ ابو اسحاق شیرازی کی مجلس میں رہتے رہے۔ اُن کا کام اُونچا ہوا اور اپنے زمانہ کے علماء پر علم فقہ اور اُس کے ماسوا میں خصوصاً علم نظر یا علم منطق و فلسفہ میں فائق ہو گئے۔ شیخ ابو اسحاق ان کی کم عمری کے باوجود اپنے بہت سے شاگردوں پر اُن کی تقدیم فرماتے تھے اور آپ نے بغداد، اصفہان، سمرقند میں جماعت کثیرہ سے سماعِ حدیث کیا۔ اُس کے بعد سب کچھ ترک کر دیا اور طریقہ عبادت و ریاضت و مجاہدہ کو اختیار کر لیا۔ مشہور یہ ہے کہ تصوّف میں آپ کی نسبت شیخ ابو علی فارمدی سے ہے اور کہتے ہیں شیخ ابو عبداللہ جوینی اور شیخ حسن سمنانی کے ساتھ بھی صحبت رکھی تھی۔ مَرو میں سکونت رکھی اور یہاں سے ہرات آ گئے۔ کچھ عرصہ یہاں قیام کیا۔ بعد ازاں مَرو کے لوگوں نے مَرو آنے کی درخواست کی۔ خواجہ صاحب مَروؔ آ گئے، مگر پھر ہرات چلے گئے۔ اس کے بعد مَروؔ آنے کا قصد کیا، مگر راستہ میں وفات پا گئے۔ جہاں پر فوت ہوئے اُسی جگہ اُنہیں دفن کر دیا گیا۔ ان کا مزار مبارک مَرو میں مشہور و معروف ہے۔

شیخ محی الدین ابن العربی اپنی کسی تصنیف میں فرماتے ہیں کہ ۶۰۲ھ میں شیخ اوحد الدین شہر قونیہ میں میرے مکان میں تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے علاقہ میں خواجہ یُوسف ہمدانی جس کو علم اور ارشاد (یعنی راہِ حق بتلانے) کی گدی پر بیٹھے ہوئے ساٹھ سال سے زیادہ ہو گئے تھے۔ ایک روز وہ اپنی خانقاہ میں تھا۔ اُس کے دل میں باہر نکلنے کا خیال آیا۔ اس کی عادت یہ نہ تھی کہ جمعہ کے سوا خانقاہ سے باہر آوے۔ باہر نکلنا اس کے لیے موجبِ گرانی ہوا۔ وہ نہ جانتا تھا

---

[1] مستحاضہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کو حیض کے علاوہ دوسرے دنوں میں بیماری کی وجہ سے خُون آتا رہتا ہے

[2] ہمدان ایران میں ایک شہر کا نام ہے یا یمن میں ایک قبیلہ کا نام ہے۔ [3] یعنی جیسے ہم نے تلاش کیا اس کو احمد نے پا لیا۔

کہ کہاں جائے گا۔ سواری پر سوار ہوا اور اُس کے سَر یعنی لگام کو چھوڑ دیا کہ خدا تعالیٰ جہاں چاہے گا اس کو لے جائے گا۔ وہ سواری اس کو شہر سے نکال کر جنگل میں لے آئی اور اس کو ایک غیر آباد مسجد تک پہنچا کر کھڑی ہو گئی۔ شیخ نیچے اُترا اور مسجد میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص سَر نیچے کیے ہوئے ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے سَر اٹھایا۔ وہ ایک ہونہار باہمّت جوان تھا۔ کہنے لگا، اے یُوسُف! مجھے ایک مسئلہ مشکل ہو گیا اور اُس کا ذکر کیا۔ شیخ نے اُسے سمجھا دیا۔ اُس کے بعد شیخ نے کہا، اے بیٹے! جب بھی تجھے کوئی مشکل ہوا کرے۔ شہر آجایا کر۔ مجھ سے پوچھ لیا کر۔ اور مجھے تکلیف میں نہ ڈالا کر۔ شیخ نے کہا کہ اس نوجوان نے مجھے گھُور کر دیکھا اور کہا۔ جب بھی کوئی مشکل ہو گی ہر پتھّر میرے لیے تیرے جیسا یُوسُف ہے۔ (جوان کا مطلب یہ تھا کہ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ تیرے بغیر بھی میری مشکل حل کر سکتا ہے)

شیخ ابن العربی کہتے ہیں کہ مَیں نے اس جگہ سے جانا کہ مرید صادق اپنے صدق[1] سے اپنے شیخ کو اپنی جانب کھینچ سکتا ہے۔

شیخ نجیب الدین بُزغُش شیرازی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمایا، ایک دِن مشائخ کے اقوال کے چند اوراق میرے ہاتھ لگ گئے۔ مَیں نے انہیں پڑھا۔ مجھے وہ بہت پسند آئے۔ مَیں اس کی جستجُو میں تھا کہ جانوں کہ یہ کس کی تصنیف ہے تاکہ اُس کے کلام سے کچھ اور حاصل کروں۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک باوقار اور بارعب بزرگ سفید ریش اور بہت ہی نورانی شکل والا خانقاہ کے اندر آیا۔ وضو خانہ میں چلا گیا، تاکہ وضو کرے اور وہ بہت ہی سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اُس لباس پر اُبھرے ہوئے خط میں سونے کے پانی سے آیت الکرسی اس طرح لکھی ہوئی تھی کہ سَر سے پاؤں تک سارے کپڑے کو گھیر رکھا تھا۔ میں اس کے پیچھے گیا۔ اُس نے کپڑا اتارا اور مجھے دے دیا۔ اُس کپڑے کے نیچے دوسرا سبز کپڑا پہنے ہوئے تھا جو اس سے بھی زیادہ اچھا تھا اور اُس پر بھی پہلے کی طرح آیت الکُرسی لکھی ہوئی تھی۔ اس کو بھی مجھے دے دیا اور کہا "کہ جب تک میں وضو کروں اس کی حفاظت کر۔" وضو سے فارغ ہو کر کہا، "اِن میں سے ایک تجھے دوں گا۔ تُو کون سا چاہتا ہے؟ مَیں نے خود کوئی پسند نہ کیا۔ مَیں نے کہا، "جو آپ پسند کریں گے وہ اچھا ہو گا۔ سبز کپڑا مجھے پہنا دیا اور سفید کپڑا خود پہن لیا۔ پھر کہا، تو مجھے پہچانتا ہے؟ مَیں ان اوراق کا مصنّف ہوں کہ جس کا تو طالب تھا۔ ابو یوسف ہمدانی ہوں اور اس کا نام "زبدۃ الحیٰوۃ" ہے۔ اور میری اور بھی

---

[1] اپنی سچی طلب سے۔

تصنیفات ہیں جو اس سے بھی اچھی ہیں مثلاً "منازلُ السّائرین اور منازلُ السّالکین"۔ جب ہیں خواب سے بیدار ہوا، تو بہت خوش ہوا۔ ایسا بھی کہتے ہیں کہ ایک دن مدرسہ نظامیہ بغداد میں حضرت خواجہ وعظ کہتے تھے۔ ایک عالم جو ابن السّقا کے نام سے مشہور ہے مجلس سے اٹھا اور مسئلہ پوچھا، حضرت نے فرمایا:

بنشیں کہ در کلام تو بوئے کُفر می یابم و شاید مرگ تو نہ بر دین اسلام باشد۔

بیٹھ جا کہ مَیں تیرے کلام میں کُفر کی بُو پاتا ہوں اور ممکن ہے کہ تیری موت بھی دین اسلام پر نہ ہو۔

اس کے کچھ دنوں بعد بادشاہ رُوم کا پیغام لے کر ایک نصرانی خلیفہ کے پاس آیا۔ ابن السّقا اس نصرانی کے پاس گیا اور اُس کے پاس رہنے کی درخواست کی اور کہا کہ میں چاہتا ہوں دینِ اسلام چھوڑ دوں اور تمہارے پاس آ جاؤں۔ نصرانی نے اس کی درخواست کو قبول کیا اور وہ اس کے ساتھ قسطنطنیہ چلا گیا۔ بادشاہ روم کے ساتھ ملاقات کی اور نصرانی ہو گیا اور نصرانیّت پر مر گیا۔ کہتے ہیں ابن السّقا قرآن کریم کا حافظ تھا۔ مرض الموت میں لوگوں نے اس سے پوچھا "تیرے حافظہ میں قرآن سے کچھ رہ گیا ہے"۔ کہا، کچھ باقی نہیں رہا، مگر قرآن کی یہ آیت:

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ایک وقت کافر لوگ چاہیں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔

اور بعض حضرات نے ابن السّقا کا قصّہ دوسری طرز پر نقل کیا ہے۔ جیسے کہ شیخ محی الدّین عبد القادر گیلانی قدّس سرّہٗ کے ذکر میں آئے گا۔ (انشاء اللہ تعالےٰ)

خواجہ یوسف ہمدانی قدّس اللہ سرّہٗ کے چار خلفاء ہیں:

۱۔ خواجہ عبداللہ برقی ۲۔ خواجہ حسن اندقی ۳۔ خواجہ احمد یسوی ۴۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدّس اللہ تعالےٰ اسرارہم۔ اور خواجہ یوسف کے بعد ان چاروں خلفاء میں سے ہر ایک خلیفہ مقامِ دعوت میں پہنچ چکے تھے، مگر دوسرے خلفاء ادب کے طریقہ پر اُن کی خدمت میں رہے اور جب خواجہ احمد یسوی نے ترکستان کا عزم کیا۔ تمام دوستوں کو خواجہ عبدالخالق کی پیروی کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس خاندان کے متاخرین مشائخ میں سے کسی کے رسالہ میں یہ ہی لکھا ہوا ہے۔

۳۴۳۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی[1] قدس اللہ سرّہٗ العزیز

المتوفی ۶۱۶ھ یا ۶۱۷ھ۔ ان کی تربیت کا ممتاز طریقہ طریقت میں صحبت ہے اور حضرت خواجہ تمام فرقوں میں مقبول ہیں۔ صدق وصفا کی راہ میں رہتے ہوئے شریعت کی تابعداری اور سُنّت مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم

[1] غجدوان صوبہ بخارا کے ایک بڑے شہر کا نام ہے۔ وفات غجدوان میں ۵۷۵ھ یا ۶۱۶ھ یا ۶۱۷ھ میں ہوئی۔

کی متابعت اور اہل ہوا اور اہلِ بدعت کی مخالفت اور اُن سے دُور رہنے کی علی الدّوام کوشش فرماتے رہے اور اپنے پاک طریقہ کو اغیار کی نظر سے پوشیدہ رکھا۔ دِل کے ذکر کا سبق جوانی میں اُن کو حضرت خضر علیہ السّلام سے ملا تھا اور اُس پر مواظبت کرتے رہے یعنی ہمیشہ یہی ذکر کرتے رہے۔ اور خواجہ خضر نے اُن کو فرزندی میں قبول فرمایا۔ اُن کو تلقین کی کہ پانی کے تالاب میں داخل ہو کر غوطہ لگا اور دِل سے کہہ : لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ خواجہ نے یہی کیا۔ اس سبق کو لیا اور کام میں مشغول رہے۔ فتوحات پائیں، رفعتیں حاصل ہوئیں، (راہیں کھلتی چلی گئیں) اور اوّل حال سے آخر حال تک ان کا زمانہ و کاروبار مخلوق کے نزدیک مقبول و محمود یعنی قابلِ تعریف ہو گیا۔ اس کے بعد شیخ الشیوخ عارف و عالمِ ربّانی خواجہ امام ابو یُوسُف ہمدانی قدّس اللہ سرّہٗ بخارا میں تشریف فرما ہوئے۔ خواجہ عبد الخالق نے ان کی صحبت کو پایا۔ خواجہ کو معلوم ہوا کہ اُن کا شُغل بھی دل کا ذکر رہا ہے۔ پس جتنی مُدّت وہ بخارا میں رہے حضرت خواجہ اُن کی صحبت میں رہے۔

کہتے ہیں خواجہ خضر اُن کے پیر سبق ہیں اور خواجہ یوسف پیر صحبت و خرقہ۔

خواجہ ابو یُوسُف کے بعد خواجہ عبد الخالق ریاضت میں مشغول رہے۔ اپنے حالات پوشیدہ رکھتے تھے۔ اُن کی ولایت اس درجہ کو پہنچ گئی کہ نماز کے ایک ہی وقت میں خانہ کعبہ میں جاتے اور واپس بھی آجاتے تھے۔ شام کے علاقہ میں اُن کے بہت مرید پیدا ہوئے اور وہاں ان کی خانقاہ و آستانہ بن گیا۔ عاشورہ کے دِنوں میں ایک بہت بڑی جماعت خواجہ کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی اور حضرت خواجہ معرفت میں بات کرتے تھے۔ اچانک ایک جوان درویشوں کی صُورت میں آیا۔ گدڑی اُس کے بدن پر مصلّیٰ کندھے پر اور وہ گوشہ میں بیٹھ گیا۔ خواجہ نے نظر اٹھا کر اس کو دیکھا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور کہا۔ حضرت رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے :

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ تم مومن کی فراست سے ڈرو۔ اس لیے کہ وہ اس نُور سے دیکھتا ہے جو حق تعالیٰ نے اس کو دیا ہے۔ یعنی لوگوں کے بھید اُن کے چھپے ہوئے رازوں اور دل میں آنے والے خیالات کو وہ نورِ بصیرت سے دیکھ لیتا ہے۔

اس کی حقیقت کیا ہے ؟

خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس حدیث کی حقیقت یہ ہے کہ تُو زُنّار توڑ دے اور ایمان لے آ۔ جوان نے کہا، نعوذ باللہ میرے لیے زُنّار ہوگا۔

خواجہ نے خادم کو اشارہ فرمایا، خادم اُٹھا۔ اُس نے جوان کے سَر سے گدڑی اتار دی۔ گدڑی کے نیچے زُنّار ظاہر

ہوا۔ اُس جوان نے اُسی وقت زُنّار توڑ دیا۔ اور ایمان لے آیا۔ یہ دیکھ کر حضرت خواجہؒ نے فرمایا، اے دوستو! آؤ ہم بھی اس نَومُسلم کی موافقت میں زُنّار توڑ دیں اور ایمان لائیں۔ جیسا کہ اس نے ظاہر کے زنّار کو توڑ دیا۔ ہم بھی باطن کے زنّار کو (جس کا مطلب عجب و ریا ہے) توڑ پھینکیں، تاکہ جس طرح وہ بخشا گیا ہے ہم بھی بخشے جائیں۔ حاضرین کی کیفیّت دگرگوں ہوگئی۔ اُن پر عجیب حال ظاہر ہوا۔ وہ لوگ خواجہ کے قدموں میں پڑتے تھے اور تجدیدِ توبہ کرتے تھے[1]۔

ایک دن ایک درویش نے خواجہ کے سامنے کہا، اگر خدا تعالیٰ جنّت و دوزخ کے درمیان مجھے اختیار دے میں دوزخ کو اختیار کروں، کیونکہ میں ساری عمر اپنے نفس کی خواہش پر نہیں چلا ہوں اور اس حال میں بہشت میرے نفس کی خواہش ہوگی اور دوزخ حق تعالیٰ کی مراد۔ (اس کا مطلب یہ تھا کہ میری مراد کے بَرخلاف اگر حق تعالےٰ نے چاہا تو وہ دوزخ کا حکم ہوگا یہ بات نہیں کہ حق تعالیٰ کی مراد واقعی دوزخ ہوگی) خواجہ نے اس بات کو رَد فرمایا اور فرمایا، بندہ کا اختیار سے کیا مطلب؟ وہ جہاں کہے گا چلے جائیں گے اور جہاں رہنے کو کہے گا رہیں گے۔ بندگی یہی ہے۔ وہ نہیں جو تو کہتا ہے۔ اُس درویش نے کہا، شیطان کو اللہ کی راہ چلنے[2] والوں پر کوئی اختیار ہے؟ خواجہ نے فرمایا، جو چلنے والا فنائِ نفس کی حد پر نہ پہنچا ہوگا جب وہ غُصّہ میں ہوگا شیطان اس پر قابو پالے گا۔ البتّہ جو سالک فنائِ نفس میں پہنچ گیا ہوگا اس کو غصّہ نہ ہوگا۔ غیرت ہوگی اور جہاں غیرت ہوگی، شیطان بھاگ جائے گا اور ایسی صفت اس شخص کے لیے مُسَلَّم ہے جو :-

روبرُوحق دارد وکتابِ خدا راعزوجل بدستِ راست گیرد و سنّت رسول رابدستِ چپ گیرد و درمیانِ این روشنائی راہ را سلوک کند۔	اپنا رُخ حق تعالیٰ کے راستہ پر رَکھے۔ خدا تعالیٰ کی کتاب دائیں ہاتھ میں رَکھے اور سُنّت رسول اللہ کو بائیں ہاتھ میں اور ان دونوں روشنیوں کے درمیان راستہ کا سلوک کرے۔ یعنی کتاب و سنّت کی روشنی میں اللہ کے قُرب کا راستہ طے کرے۔

ایک دن ایک مسافر بڑی دُور سے سَفر کر کے حضرت خواجہ کی خِدمت میں آیا ہوا تھا۔ اچانک ایک خوبصورت جوان حضرت خواجہ کی خِدمت میں آیا اور دُعا کی درخواست کی۔ خواجہ نے دُعا فرمائی تو وہ جوان غائب ہوگیا۔ اُس مسافر نے پوچھا۔ یہ خوبصورت جوان کون تھا؟ فرمایا، فرشتہ تھا۔ اُس کا مقام چوتھے آسمان میں تھا۔ ایک قصور کے سَبب وہ اپنے مقام سے دُور جا پڑا تھا اور پہلے آسمان پر آگیا تھا۔ اس نے دوسرے فرشتوں سے کہا، چہ کنم کہ حق تعالیٰ مرا باز

---

[1] نئے سرے سے توبہ کرتے تھے یا اپنی توبہ کو نیا بناتے تھے۔

[2] صوفیہ کی اصطلاح میں اللہ کی راہ میں چلنے والے اور نفس کی گھاٹیوں سے گزرنے والے کو سالک کہتے ہیں۔

باں مقام رساند۔ کیا کروں کہ حق تعالیٰ مجھے پھر اُسی مقام پر پہنچا دے۔ فرشتوں نے اُسے ہماری جانب اشارہ کیا۔ وہ آگیا اور اُس نے دعا کی درخواست کی۔ ہم نے دعا کی۔ دعا قبول ہوگئی اور وہ پھر اپنے مقام پر پہنچ گیا۔

اس مسافر نے کہا حضرت والا ! ایمان کی دعا فرماکر میری مدد کریں۔ کہ ہم شیطان کی اس فریب گاہ سے ایمان سلامت لے جاویں۔ خواجہ نے فرمایا، وعدہ یہ ہے کہ فرائض ادا کرنے کے بعد جو کوئی دُعا کرے گا قبول ہوگی۔ تُو اپنے کام پر رہ اور فرض ادا کرنے کے بعد ہمیں دُعائے خیر میں یاد کر اور ہم بھی تجھے یاد رکھیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اس حال میں دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہو جاوے۔ تیرے حق میں بھی اور ہمارے حق میں بھی۔ حضرت خواجہ کا وصال غجدوان میں ہوا۔

۲۴۳ حضرت خواجہ عارف ریوگری رحمہ اللہ تعالےٰ

المتوفی ۶۱۶ھ۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی کے تین خلیفہ ہوئے ہیں۔ ۱۔ خواجہ احمد صدیق ۲۔ خواجہ ریوگری ۳۔ خواجہ اولیاء کلاں۔ اس جماعت کے ساتھ حضرت خواجہ بہاء الحق والدین نقشبند رحمہ اللہ تعالیٰ کی نسبت و بیعت کا سلسلہ حضرت خواجہ عارف ریوگری کے واسطہ سے مِلتا ہے۔ حضرت خواجہ محمود الخیر فغنوی المتوفی ۱۷ ربیع الاوّل ۷۱۷ھ خواجہ عارف ریوگری کے خلفاء سے ہیں۔

۲۴۴ حضرۃ خواجہ علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ محمود کے خلفاء سے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا لقب عزیزان ہے۔ اُن کے مقامات عالی تھے اور صاحب کرامات ظاہرہ بھی تھے۔ کپڑا بُننے کے پیشہ میں مشغول رہے ہیں۔ اور اس فقیر نے بعض اکابر سے یہ سُنا ہے کہ مولانا جلال الدین رُومی نے اپنی غزلیات میں جو یہ شعر کہا ہے ؎

گر نہ علمِ حال فوق قال بودے کے شدے
بندہ اعیانِ بخارا خواجۂ نسّاج را

ترجمہ:۔ اگر علم حال علم قال سے اونچا نہ ہوتا تو بخارا کے بڑے بڑے علماء خواجہ نسّاج کے غلام کیسے ہوتے۔

لے سلسلہ نقشبندیہ میں اُن کا پورا نام خواجہ محمود الخیر فغنوی ہے۔ مقام ولادت انجیر فغنہ ہے جو شہر بخارا سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور انجیر فغنہ بخارا کے ایک قصبہ امکنہ کے ایک گاؤں کا نام ہے۔

ے ریوگر غجدوان سے ایک فرسخ ہے اور بخارا سے ۱۸ میل ہے۔

ے یعنی حدیث پاک میں آیا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دُعا قبول ہوتی ہے۔ دُعا کی مقبولیت کے چند مقامات کا تذکرہ مسکین نے کتاب "خاص خاص نمازیں و دعائیں و وظیفے" میں کیا ہے۔

اس شعر میں مولانا رومی کا اشارہ خواجہ عزیزان علی کی طرف ہے۔ خواجہ عزیزان کی قبر خوارزم میں مشہور ہے۔ لوگ اس کی زیارت کرتے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ لوگوں نے خواجہ عزیزان سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا، کندن و پیوستن " اکھڑنا اور جڑنا۔ لوگوں نے یہ بھی پوچھا، جس کی نماز رہ گئی ہو، وہ آدمی رہی ہوئی نماز پڑھنے کے لیے کب اُٹھے گا۔ فرمایا، صبح سے پہلے۔ یعنی وقت سے پہلے اُٹھیگا کہ نماز فوت نہ ہو جائے۔ اور اُن سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر روئے زمین پر خواجہ عبد الخالق غجدوانی کے باطنی بیٹوں میں سے ایک بیٹا ہوتا تو منصور کبھی تختۂ دار پر نہ جاتا (یعنی منصور کو اُس کے مقام سے آگے لے جاتا)۔

۴۴۳۔ حضرۃ خواجہ محمد بابا سماسی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ حضرت عزیزان کے خلیفہ ہیں اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین کو انہوں نے ہی فرزندی میں قبول فرمایا تھا۔ حضرت بابا جب بھی قصرِ ہندواں سے گزرتے تو فرماتے کہ اس خاک سے مرد کی خوشبو آتی ہے اور جلدی ہو گا کہ قصرِ ہندواں قصرِ عارفاں ہو جائے گا۔ آخر ایک دن حضرت بابا اپنے خلیفہ امیر سید کلال کے گھر سے قصر ہندواں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ وہ خوشبو زیادہ ہو گئی ہے۔ یقیناً وہ مرد پیدا ہو چکا ہے۔ بابا صاحب نے جب سفر ختم فرما کر نزول فرمایا خواجہ بہاؤ الدّین کی وفات کو تین دن گزر چکے تھے کہ خواجہ کے دادا نے بابا صاحب کے سینہ پر چھوڑ دیا اور پوری نیازمندی سے حضرت خواجہ محمد بابا کی خدمت میں لے گئے۔ آنحضرت نے فرمایا، یہ ہمارا فرزند ہے اور ہم نے اس کو قبول کیا۔ اور اپنے اصحاب کی طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا، یہ وہی مرد ہے جس کی ہم نے خوشبو سونگھی تھی۔ زمانہ کا مقتدا ہو گا۔ اور امیر سید کلال سے فرمایا کہ میرے فرزند بہاؤ الدین کے حق میں تربیّت و شفقت میں کوتاہی نہ کرنا اور اگر تو کوتاہی کرے گا تو میں تجھے معاف نہیں کروں گا امیر نے کہا:

مرد نباشم اگر در وصیّت خواجہ تقصیر کنم ‌ ‌ ‌ مرد نہ ہوں گا اگر آقا کی وصیّت میں کوتاہی کروں۔

خواجہ بہاؤ الدّین فرماتے تھے جب میں نے شادی کرنی چاہی تو میرے دادا نے مجھے خواجہ محمد بابا سماسی کی خدمت میں بھیجا کہ ان گھروں میں ان کے قدم کی برکات پہنچیں۔ جب میں حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچا اور اُن کی ملاقات سے مُشرّف ہوا تو پہلی کرامت جو میرے مشاہدہ میں آئی وہ یہ تھی کہ اُس رات مجھ میں ایک طرح کا نیاز[1] اور تضرّع[2] پیدا ہو گیا تھا۔ اُٹھا اور حضرت کی مسجد میں آیا۔ دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر سجدہ میں سر رکھا۔ پوری طرح تضرّع اور نیاز کر رہا

---

[1] بمعنی عاجزی۔ اظہارِ محبّت اور ضرورت [2] بمعنی گڑگڑانا۔ منّت و زاری کرنا۔ اللہ کے سامنے ذلیل ہونا۔

کہ اس دوران میری زبان پر گزرا:

الٰہی قوّتِ کشیدنِ بارِ بلائے خود و تحملِ محنت و محبّتِ خود مرا کرامت فرمائی۔	اے اللہ! مجھ کو اپنی بھیجی ہوئی مصیبت و آزمائش کے بوجھ اُٹھانیکی قوّت اور غم سہنے اور محبت کا شرف بخشدے۔

جب مَیں صبح صبح حضرت خواجہ کے حضور حاضر ہوا۔ فرمایا، بیٹے! دُعا میں ایسا کہنا چاہیئے:

الٰہی آنچہ برضائے حضرتِ تو در آنست کہ این بندۂ ضعیف را برآں وار بفضل و کرمِ خود۔	الٰہی حضورِ والا کی جس کام میں رضا و خوشنودی ہو اپنے فضل و کرم سے اس کمزور بندہ کو اس پر قائم رکھ۔

اگر خداوند تعالیٰ کسی حکمت سے اپنے دوست پر کوئی آزمائش یا کوئی مصیبت بھیجتا ہے۔ اپنی عنایت سے اُس دوست کو اُس بوجھ اور تکلیف کے برداشت کرنے کی قُوّت بھی بخش دیتا ہے اور اُس کی حکمت اُس پر ظاہر کر دیتا ہے بلا کو خود طلب کرنا دشوار و سخت ہے۔ گستاخی نہ کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد کھانا آگیا۔ جب ہم کھا چکے تو آپ نے ایک ٹکیہ مجھے دی۔ مجھے خیال آیا، یہاں ہم سیر ہو کر کھا چکے ہیں۔ اور ابھی ابھی گھر پہونچ جائیں گے۔ یہ روٹی ہمارے کس کام آئے گی۔ جب حضرت رُوانہ ہوئے تو میں حضرت کی رکاب میں پوری عاجزی اور عقیدت کے ساتھ چل رہا تھا۔ اگر میرے قلب میں تفرقہ پیدا ہوتا تو حضرت فرماتے:

خاطر رامی باید نگاہ داشت	خیالات کی حفاظت رکھنی چاہیئے۔

راستہ میں حضرت بابا ایک عقیدت مَند کے گھر پر پہونچے۔ وہ شخص بڑی بشاشت، خوشی اور مسرّت اور پوری نیاز مندی سے سامنے آیا۔ جب حضرت اُتر پڑے تو حضرت نے اس فقیر میں کچھ بے چینی و پریشانی کا مشاہدہ کر کے فرمایا۔ سچ بتا کہ حقیقتِ حال کیا ہے۔ اُس نے کہا، دودھ موجود ہے، مگر روٹی نہیں ہے۔ خواجہ نے مجھے دیکھا اور فرمایا، وہ ٹکیہ لا کہ آخر کام آجاوے اور میرا یقین ان احوال کے مشاہدہ سے اور زیادہ ہو گیا۔

۳۴۶۔ حضرت سید امیر کلال قدس سرّہٗ

آپ خواجہ محمد بابا سماسی کے خلیفہ ہیں اور حضرت خواجہ بہاء الدّین کی نسبت صحبت اور آدابِ طریقت کی تعلیم اور ذکر کی تلقین آپ سے ہے۔ ایک دن بڑا مجمع تھا۔ حضرت امیر نے خواجہ کو طلب فرمایا اور اُن کی طرف مُنہ کیا اور کہا:

ۓ بلا، زحمت، آفت و مصیبت کو کہتے ہیں۔

ۓ آزمائش نعمت سے ہو یا زحمت سے۔ محنت رنج اٹھانا، تکلیف پانا۔ بلا، آزمائش کو بھی کہتے ہیں۔

فرزند بہاؤ الدین نفس خواجہ محمد بابا سماسی را۔ قدّس سرّہٗ درحقِ شما بہ تمامی بجا آوردیم کہ گفتہ بودند کہ آنچہ از تربیّت درحقِ تو بجا آوردم درحقِ فرزندم بہاؤ الدین بجائی آری و دریغ نداری۔ چناں کردم و اشارہ بسینۂ خود کردند و گفتند پستان را برائے شما خشک کردم تا مرغِ رُوحانیتِ شما از بیضۂ بشریّت بیروں آمد امّا مرغِ ہمّتِ شما بلند پرواز افتادہ است اکنوں اجازتست ہر جا کہ بوئی بمشام شما می رسد از تُرک و تاجیک طلبید و در طلبگاری بموجب ہمّتِ خود تقصیر مکنید۔

فرزند بہاؤ الدین خواجہ محمد بابا سماسی قدّس سرّہٗ کا فرمان ہم تیرے حق میں پوری طرح بجا لائے جو کہ اُنہوں نے فرمایا تھا کہ جیسے ہم نے تیری تربیّت کا حق پورا کیا ہے۔ ایسا ہی تو میرے فرزند بہاؤ الدّین کے حق میں بجا لانا اور فروگزاشت نہ کرنا۔ مَیں نے ایسے ہی کیا اور اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ نے فرمایا، مَیں نے اپنے پستان کو تمہارے لیے خشک کر دیا یہانتک کہ تمہاری رُوحانیت کا مُرغ بشرّیت کے بیضہ سے باہر نکل آیا، لیکن تمہاری ہمّت کا مُرغ بلند پرواز واقع ہوا ہے۔ اب اجازت ہے جہاں بھی تمہارے دماغ میں خوشبو پہنچے ترک سے ہو یا عربی سے طلب کرو اور اپنی ہمّت کے مطابق خداوند تعالیٰ کی طلب میں کوتاہی نہ کرو۔

اور حضرت خواجہ سے اس طرح بھی نقل کرتے ہیں کہ خواجہ نے فرمایا کہ جب حضرت امیرؒ سے یہ فرمان ظاہر ہوا وہ مصیبت و آزمائش کا سبب ہو گیا۔ کہ اگر اسی صُورت پر یعنی بدستور ہم امیر کی متابعت میں رہتے تو ابتلا اور آزمائش سے دور اور سلامتی سے زیادہ قریب[1] ہوتے۔ ایک دن حضرت امیر نے حضرت خواجہ کو کہا، جب استاد شاگرد کی تربیت کر دیتا ہے تو وہ ضرور چاہتا ہے کہ اپنی تربیّت کے اثر کو شاگرد میں دیکھے تاکہ اس کو اس پر اعتماد ہو جاوے کہ اس کی تربیّت ٹھکانے لگ گئی اور اگر شاگرد کے کام میں کوئی خلل اور کمی دیکھے اس خلل کی اصلاح کر دے۔ اس وقت فرمایا، میرا فرزند امیر بُرہان حاضر ہے اور کسی نے بھی تصرّف کا ہاتھ اس پر نہیں رکھا اور اس کی باطنی تربیّت نہیں کی ہے۔ میرے خیال میں تم اس کی تربیّت میں مشغول ہو جاؤ، تاکہ ہم اس کے اثر کو دیکھیں اور مجھے تمہاری صفت اور کام پر اعتماد ہو جاوے۔ حضرت خواجہ مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت امیر کی طرف متوجہ تھے۔ ادب کی پوری پوری رعایت کر کے اس حکم کی تعمیل میں متوقّف[2] رہے۔ حضرت امیر سیّد کلال نے فرمایا، توقف (دیر) نہ کرنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور امیر بُرہان کے باطن کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے باطن

---

[1] شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت امیر سے جدا ہونے کے بعد حضرت خواجہ کے لیے تفرقہ کے اسباب پیدا ہو گئے ہوں گے۔

[2] متوقف، دیر کرنے والا، تامّل کرنے والا۔

میں تصرّف کرنے میں مشغول ہوگئے۔ اُس وقت امیر بُرہان کے باطن اور ظاہر میں اس تصرّف کے اثرات ظاہر ہوگئے اور ان میں حالِ عظیم ظاہر ہوا۔

۷،۴۳۔ حضرت قشم شیخ قدّس اللہ تعالیٰ سرّہ

وہ مشائخ ترک سے تھے اور خواجہ احمد یسوی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ بہاؤالدینؒ امیر کلالؒ کے اس فرمان کے بموجب جو اُنہوں نے حضرت خواجہ کو فرمایا تھا کہ اب اجازت ہے۔ جہاں بھی تمہارے دماغ میں خوشبو پہنچے خواہ وہ خوشبُو ترکی سے ہو یا عربی سے طلب کرو اور طلب میں کوتاہی نہ کرو۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین قشم شیخ کے پاس پہنچے۔ پہلی ملاقات اس حال میں ہوئی کہ شیخ خربوزے کھا رہے تھے۔ شیخ نے خربوزہ کا چھلکا اُن کی طرف ڈال دیا۔ حضرت خواجہ نے گرمیٔ طلب کی زیادتی کے باعث تبرک کے طور پر سارا چھلکا جُوں کا تُوں کھا لیا۔ اس مجلس میں تین دفعہ ایسا ہی ہوا۔ اس دوران شیخ کا خادم آیا اور کہا،

سہ شُتر و چہار اسپ گم کردہ ام — تین اونٹ اور چار گھوڑے میں نے گم کر دیئے ہیں۔

شیخ نے حضرت خواجہ کو اشارہ کیا اور ترکی میں کہا، "آنی بخشئے تو تو نیگز" اس بات کو اچھی طرح قبول کر اور ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھ۔ شیخ کے مریدوں میں سے چار آدمی ایسے رُعب کے ساتھ شیخ سے پیش آئے۔ تو تُو کہے۔ درمیان میں سخن ہے۔ حضرت خواجہ قدّس سرّہٗ نے فرمایا، جو شخص ترک کے مشائخ کا مزاج شناس نہ ہوگا اور ان کی صفت کو نہ پہچانے گا۔ یقیناً ان کے ان طریقوں سے کُلّی طور پر نا اُمّید ہو جائے گا اور ان کا مقابلہ کرنے لگے گا۔ یا اُن سے متنفّر ہو جائے گا۔ حضرت خواجہ ادب سے دو زانو ہو کر مراقبہ میں آگئے اور دِل سے مُتوجّہ رہے۔ شام کی نماز کے بعد خادم آیا اور کہا، گھوڑے اور اونٹ خود آگئے ہیں۔ حضرت خواجہ کم و بیش دو تین مہینہ حضرت قشم شیخ کی خدمت میں رہ کر متابعت و ملازمت میں رہے۔ آخر کار قشم شیخ نے حضرت شیخ کو خلوت و اجازت سے نوازا۔ اور فرمایا، میرے نُو لڑکے ہیں اور دسواں تُو ہے۔

لہ یعنی خیالات میں یکسوئی نہ رہتی اور خدا تعالیٰ سے ہٹ کر دوسری چیزوں کی طرف دھیان چلا جاتا۔ حضرت محمّد بابا کا وصال سماس میں ہوا اور سماس ہی میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ سمّاس رامیتن سے ایک کوس اور بخارا سے ۹ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ ٹہ فقیر اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ہمیشہ اپنے قصور کا اعتراف کرنا اور بُرائی کی نسبت کو اپنی طرف کرنا مرید کا پہلا سبق ہے۔

اور تو سب پر مقدم اور فائق ہے۔ پھر برسوں تک جب وہ نخشب[1] کے علاقہ سے بخارا میں آیا کرتے خواجہ اُن کی رعایت کرتے یعنی ان کی خدمت میں کمی نہ کرتے۔ اور فرماتے:

این صفتِ طلبگاری کہ در تو می بینم از طالبان و صادقاں مطالعہ نہ کردہ ام۔

یہ طلب کی صفت جو مَیں تجھ میں دیکھتا ہوں۔ طالبین صادقین یعنی سچی طلب والوں میں مَیں نے ایسی طلب کسی شخص میں نہیں دیکھی ہے۔

اور قثم شیخ جو نہایت الفطاع[2] اور کمال بے تعلقی کے باعث جواُن کے مزاج میں تھی۔ آخری حیات میں بخارا گئے مسافر خانوں میں سے ایک مسافر خانہ میں آکر ٹھہر گئے۔ دیوانوں اور مستانوں والی حرکتیں کرتے رہے اور کئی طرح کی دیوانگی کی باتیں کر کے مُسافر خانہ سے باہر نکل آئے اور ان میں صحت کے آثار پیدا ہوئے یعنی دیوانگی اور فریفتگی کے جو آثار پیدا ہو چکے تھے وہ دُور ہو گئے۔ حضرت شیخ ایک چھوٹی دُکان یا چبوترہ پر بیٹھ گئے۔ اپنے سارے ساتھیوں اور صاحبزادوں اور ماننے والوں کو بُلا بھیجا اور کہا،

زمان نقل ما رسیدہ است کلمۂ توحید را بر موافقت بگوئیم او بگفت و دیگراں بگفتند و درحال جاں بحق تسلیم کرد۔

ہمارے انتقال کا وقت پہنچ چکا ہے آؤ کلمہ توحید مل کر پڑھیں، چنانچہ شیخ نے خود بھی پڑا اور دوسروں نے بھی پڑھا اور اسی وقت جان کو حق تعالیٰ کے سپرد کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

۳۴۸۔ حضرت خلیل اُتا[3] قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

جناب خواجہ بہاؤ الدین نے فرمایا، اس کام کے شروع میں ایک رات مَیں نے خلیل اُتا کو جو کہ ترک کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ خواب میں دیکھا کہ وہ مجھے درویشی اختیار کرنے کی سفارش کر رہے ہیں۔ میں خواب سے بیدار ہوا تو ان کی صُورت میرے ذہن میں محفوظ تھی۔ میری دادی جو نیک بی بی تھیں مَیں نے اُن سے خواب بیان کیا تو اُنھوں نے فرمایا:

اے فرزند! ترا از مشائخ ترک نصیبے خواہد بود

بیٹے! ترک کے مشائخ سے تجھے حصّہ ملے گا۔

مَیں نے جب سے خواب دیکھا تھا۔ اُس وقت سے ہمیشہ اس صورت کے درویش کی جستجو میں رہتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن بخارا کے بازار میں اس کے ساتھ ملاقات ہوگئی۔ میں نے اُسے پہچان لیا۔ مَیں نے پوچھا تو اس کا نام خلیل

---

[1] نخشب ترکمان کا ایک شہر ہے۔ جہاں حکیم ابن مُقنّع نے مصنوعی چاند بنایا تھا اُسے ماہ نخشب کہتے تھے۔

[2] یعنی مخلوق سے انتہائی طور پر علٰحدہ رہنا اور اس سے پوری طرح بے تعلق ہو جانا ان کا مزاج اور عادتِ ثانیہ بن گئی تھی۔

[3] اُتا ترکی زبان میں باپ کو کہتے ہیں۔

تھا اور اس وقت نہ تو ان کے ساتھ بات کرنے کا موقعہ ملا نہ پاس بیٹھنے کا۔ جب میں گھر گیا۔ رات ہو گئی تو ایک قاصد آیا کہ درویش خلیل تجھے بلاتا ہے اور وہ شمسی سال کے چوتھے مہینہ کا زمانہ تھا یعنی ساوا کا مہینہ تھا۔ میں نے کچھ میوہ لیا اور اُن کے پاس گیا۔ جب انہیں دیکھا تو میں نے چاہا کہ اس خواب کو ان سے کہوں۔ اُنہوں نے ترکی زبان میں کہا:
آنچہ در خاطر تست پیش ما عیاں است   جو کچھ تیرے دل میں ہے وہ ہمارے سامنے عیاں اور ظاہر ہے۔ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ میری حالت دگرگوں ہو گئی اور اُن کی صحبت میں رہنے کا شوق زیادہ ہو گیا۔ اُس درویش کی صحبت میں عمدہ حالات کا مشاہدہ ہوتا تھا اور اُن سے عجیب و غریب چیزیں دیکھنے میں آتی تھیں۔ اور مدّت کے بعد اس درویش کو ماوراالنہر کے علاقہ کی بادشاہی مل گئی۔ مجھے ان کی صحبت میں رہنے اور خدمت کرنے کی ضرورت تھی۔ میں اس دوران بھی ان کی صحبت میں رہا۔ اور اس زمانہ میں بھی بڑی بڑی چیزیں مشاہدہ میں آیا کرتی تھیں۔

شیخ اس عرصہ میں میرے ساتھ بڑی شفقت فرماتے رہے۔ کبھی نرمی سے کبھی سختی سے مجھے خدمت و بندگی کے آداب سکھاتے تھے۔ اس وجہ سے مجھے بہت فائدے پہنچے اور اس راہ کے مقام سیر و سلوک میں خوب کام آئے۔ میں چھ سال کی مدّت تک آپ کی خدمت میں اس طرح رہا کہ باہر اُن کے آداب سلطنت کی رعایت کرتا تھا یعنی شاہانہ آداب کا پوری طرح پاس رکھتا۔ ان کے احکام بجالانے میں کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ اور خَلوت میں اُن کی صحبتِ خاص کا محرم یعنی رازدار و واقف کار تھا اور ملک ملنے سے پہلے بھی چھ سال تک آپ کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا اور اپنے خاص خاص لوگوں کی موجودگی میں بہت دفعہ آپ کہا کرتے تھے:۔

ہر کہ از جہت رضائے حق تعالیٰ مرا خدمت   جو کوئی حق تعالیٰ کی رضا کی خاطر میری خدمت کرے گا۔
کند در میانِ خلق بزرگ شود۔   مخلوق میں بزرگ ہوگا اور بزرگ ہو کر رہے گا۔

اور مجھے معلوم ہو جاتا تھا ان کا مقصود کون آدمی ہے۔ اس مدّت کے بعد جب ان کی مجازی حکومت کو زوال ہوا۔ ایک لحظہ میں وہ ملک، لشکر، جاہ و جلال غبار ہو کر اڑ گیا، تو دُنیا کے سارے کام میرے دل پر سرد ہو گئے۔ میں بخارا میں آ گیا اور ریوَرتُون بخارا کے ایک گاؤں میں مقیم ہو گیا۔

ع ماوراالنہر۔ دریا پار کا علاقہ جو کہ ملک توران و ایران کے درمیان، جیحون دریا پر واقع ہے۔ اس لیے عربی جاننے والے ایرانی اس علاقہ کو ماوراالنہر کہتے تھے۔

لہ غبار، وہ گرد جو کسی سوراخ سے آفتاب کی روشنی میں اُڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ مجازاً حقیر و ذلیل شے۔

۳۴۹۔ حضرت خواجہ بہاء الحق والدین النقشبندؒ[1] قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ

وفات شب دوشنبہ ۔ ۳۰ ربیع الاول ۷۹۱ھ

نام محمد بن محمد البخاری ہے ۔ خواجہ محمد بابا سماسی نے اُن کو اپنی فرزندی میں قبول کیا ۔ اگرچہ ظاہر میں طریقت کے آداب سید امیر کلالؒ سے سیکھے ، مگر حقیقت کے اعتبار سے آپ اویسیؒ[2] ہیں اور آپ نے خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی رُوحانیت سے تربیت پائی ۔ جیسے آپ خود فرماتے تھے کہ مبادی احوال و غلبات جذبات میں ایک رات میں بخارا کے مزاراتؒ[3] میں سے تین متبرک مزاروں پر پہنچا ۔ مَیں نے ہر قبر پر ایک چراغ جلتا ہوا دیکھا اور چراغ دان میں تیل بھی پورا ہے اور بتی بھی ، لیکن ہر ایک کی بتی کو حرکت دینے (باہر نکالنے) کی ضرورت ہے ۔ تاکہ وہ تیل سے باہر آوے اور اچھی طرح روشن ہو جاوے ۔ اور آخری مزار پر میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گیا ۔ اور اس توجہ میں مجھے ایک قسم کی غیبت واقع ہوئی ۔ مَیں نے مشاہدہ کیا کہ قبلہ کی دیوار پھٹ گئی ہے ۔ اور ایک بہت بڑا تخت نمودار ہوا ۔ اس کے سامنے سبز پردہ ڈالا ہوا ہے اور اس کے گرداگرد ایک جماعت ہے ۔ مَیں نے ان لوگوں میں بابا سماسی کو پہچان لیا ۔ پس میں جان گیا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اس جہان سے گزر گئے ہیں ۔ اس جماعت میں سے ایک نے مجھے کہا ، تخت پر خواجہ عبدالخالق غجدوانی جلوہ افروز ہیں اور یہ اُن کے خلفاء کی جماعت ہے اور ہر خلیفہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ خواجہ احمد صدیق ہیں ۔ یہ خواجہ اولیاء کلاں ہیں ۔ یہ خواجہ ریوگروی ، خواجہ محمود الخیر فغنوی اور یہ خواجہ علی رامیتنی (قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم) ہیں ۔ جب خواجہ محمد بابا سماسی پر پہنچا ، اس نے کہا ، تو نے ان کی زندگی میں خود ان کو پایا ہے ۔ تیرے شیخ ہیں اور اُنہوں نے تجھے کلاہ دیا ہے اور تجھے وہ کرامت بخشی ہے کہ اتری ہوئی بلا تیری برکت سے دفع ہو جاتی ہے ۔ اس وقت اس جماعت نے فرمایا ، کان لگا اور اچھی طرح سُن کر حضرت خواجہ بزرگ ایسی باتیں فرمائیں گے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی راہ کے سلوک میں تیرے لیے اُن کے بغیر چارہ نہ ہوگا ۔ مَیں نے اُس جماعت سے درخواست کی کہ مَیں حضرت خواجہ کو سلام کروں اور اُن کے جمال مبارک کی زیارت سے مشرف ہوں ۔ میرے سامنے سے اُنہوں نے پردہ اٹھا دیا ۔ مَیں نے ایک نورانی بزرگ کو دیکھا ۔ سلام کیا ۔ اُنہوں نے جواب دیا اور وہ باتیں جو ابتدائی

---

[1] نقش بند کے معنی کاریگر ، صنعت کار اور خالق کے آتے ہیں ۔ [2] حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ حقیقت از غائب گرفتہ ایم ۔ ہم نے حقیقت کو غائب (یعنی غیر حاضر سے) لیا ہے اور جو شخص حقیقت کو غیر سے حاصل کرے ۔ خواہ وہ اس کی زندگی میں یا اس کی وفات میں ایسے آدمی کو صوفیاء کرام اویسی کہتے ہیں جیسے کہ حضرت اویسؓ نے یمن میں رہتے ہوئے غائبانہ طور پر حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقت کو پا لیا ۔ [3] مزارات سے مراد صالحین اور اہل اللہ کی قبریں ہیں ۔

سلوک اور اس کے درمیان اور اس کی انتہا سے تعلق رکھتی تھیںؓ۔ میرے سامنے بیان فرمائیں۔ کہ فرمایا، اور چراغ جو اس کیفیت پر تجھے دکھاتے ہیں۔ تیرے لیے اشارہ ہے۔ تیرے لیے بشارت ہے کہ تجھ میں اس راہ کی استعداد اور قابلیت تو موجود ہے، لیکن استعداد کی بتی کو حرکت میں لانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ روشن ہو جائے اور اسرار الٰہیہ ظاہر ہوں۔ دوسری مرتبہ فرمایا اور زور دیکر کہا:

در ہمہ احوال قدم بر جادۂ امر و نہی و عمل باعزیمت و سنّت بجای آری۔ و از رخصت ہا و بدعت ہا دور باشی و دائماً احادیث مصطفیٰ را پیشوائی خود سازی و متفحص و متجسس اخبار و آثار رسول اللہ وصحابہ کرام او رضی اللہ عنہم باشی۔	ہر حال میں امر و نہی کی سیدھی راہ پر قدم رکھنا یعنی احکام شرعیہ کی پابندی کرتے رہنا اور ممنوعات شرعیہ سے اجتناب کرنا عزیمت والے کاموں اور سنّت والے طریقوں پر پوری طرح عمل کرتے رہنا رخصتوں اور بدعتوں سے دور رہنا۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ہمیشہ اپنا راہ نما بناتے رکھنا اور ہمیشہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی اخبار و آثار یعنی ان کے اقوال و افعال کی تلاش اور جستجو میں رہنا۔

ان باتوں کے بعد اس جماعت نے مجھ سے کہا، "تیرے اس حال یعنی مشاہدہ کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ کل علی الصباح تُو فلاں جگہ جائے گا اور فلاں کام کرے گا۔ اس کی تفصیل حضرت خواجہ کے مقامات میں مذکور ہے۔

ان لوگوں نے فرمایا، اس کے بعد تُو نَسَف جانے کا قصد کر اور جناب سیّد امیر کلالؒ کی خدمت میں حاضر ہو۔ ان حضرات کے فرمانے کے بموجب میں نَسَف گیا۔ حضرت امیر کلال کی خدمت میں پہونچا۔ حضرت امیر نے خاص مہربانیاں فرمائیں۔ مجھے ذکر کی تلقین کی اور خفیہ طریقہ پر نفی اثبات کے ذکر میں مشغول فرما دیا اور چونکہ خواب میں مجھے عزیمت

پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس لیے ذکرِ علانیہ (یعنی ذکرِ جہری) پر میں نے عمل نہ کیا۔ کسی نے پوچھا، تمہاری درویشی موروثہ ہے یا مکتسب؟ (ورثہ میں ملی ہے یا محنت سے حاصل ہوئی) حضرت خواجہ نے فرمایا:۔

جَذْبَةٌ مِّنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ — رحمٰن کی کششوں میں سے ایک کشش تمام آدمیوں اور جنوں کے

تُوَازِیْ عَمَلَ الثَّقَلَیْنِ — عمل کی برابری کرتی ہے۔

کے قاعدہ سے میں اس سعادت[1] کے ساتھ مشرف ہوا ہوں۔ پھر اُن سے پوچھا۔ تمہارے طریقہ میں ذکرِ جہر اور خلوت اور سماع ہوتا ہے؟ فرمایا "نہیں ہوتا ہے۔" اُس نے پھر کہا، تمہارے طریقہ کی بنا کس پر ہے۔ فرمایا، خلوت درانجمن۔ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ اور باطن میں حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ۔

از دروں شو آشنا و زبروں بیگانہ وش — اندر سے دوست رہ اور باہر سے اجنبی اور غیر کی طرح

ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں — ایسا سجیلہ اور خوبصورت طریقہ جہان میں کم ہوتا ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ[2] سے اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

کہتے ہیں حضرت خواجہ کے ہاں نہ کوئی غلام تھا نہ کوئی لونڈی۔ آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو فرمایا:۔

"بندگی باخواجگی راست نیاید۔" آقائی کے ساتھ بندگی سجتی نہیں[3]۔ ایک آدمی غلام بھی ہو اور آقا بھی۔ یہ بات اچھی نہیں لگتی۔ کسی نے پوچھا، حضرت والا کا سلسلہ شریف کہاں پہونچتا ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا:۔

از سلسلہ کسے بجائے نمی رسد۔ — محض سلسلہ سے کوئی شخص کہیں نہیں پہونچتا۔

اور فرماتے تھے اپنے نفس پر بدی کی تہمت لگاتے رہو، کیونکہ جو شخص بھی حق سبحانہٗ کی عنایت سے اپنے نفس کو بُرائی کے ساتھ پہچانتا ہوگا اور اس کے مکروفریب کو سمجھتا ہوگا۔ اس کے نزدیک یہ عمل سہل[4] ہے۔ اس راہ کے چلنے والوں میں بہت ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے دوسروں کے گناہ اپنے اوپر رکھ لیے اور ان کے بوجھ اپنے اُوپر اٹھا لیے

---

[1] سعادت سے مراد خوش نصیبی یعنی درویشی کی سعادت سے مشرف ہوا۔ یعنی ہم نے کیا دھرا کچھ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ جس کی ایک کشش سارے آدمیوں اور جنوں کے عمل کی برابر ہے۔ [2] حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے اس ارشاد کا ترجمہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو خرید و فروخت یعنی کاروبارِ دنیاوی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر حضور و آگاہی سے اُن کو نہیں روکتی۔ ان لوگوں کا دھیان کاروبار میں ہوتے ہوئے بھی حق سبحانہٗ میں رہتا ہے۔ [3] میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اگر کوئی لونڈی یا غلام رکھوں تو میں ان کا آقا بنوں گا تو بندہ ہو کر آقا بننا زیب نہیں دیتا۔ [4] یعنی ایسے آدمی کو نفس پر بُرائی کی تہمت لگانا آسان ہے۔

اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ ؕ[1] میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ:

در ہر طرفۃ العینی نفیٔ ایں وجودِ طبیعی مے باید کرد و اثباتِ معبودِ حقیقی مے باید نمود۔
ہر لمحہ اور ہر پل میں اس وجود طبیعی کی نفی کرنی چاہیئے اور حقیقی کا اثبات کرنا چاہیئے۔

شیخ جنید قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔ شصت سال ست کہ در ایمان آوردن۔ ایمان لانے میں ساٹھ سال ہو گئے یعنی ساٹھ سال ایمان لانے کی کوشش میں بیت گئے ہیں۔ اور حضرت خواجہ نے فرمایا ہے۔ موجود کی یعنی کائنات کی تاثیر و تصوّف کی نفی ہمارے نزدیک سب سے زیادہ قریب راستہ ہے[2]۔

جُز بہ ترک اختیار و دیدِ قصورِ اعمال حاصل نمی شود۔ لیکن اختیار کے ترک کے بغیر اور اعمال میں قصور کو دیکھے بغیر نفی موجود حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت خواجہؒ نے فرمایا، اس راہ کے چلنے والے کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ اور بڑا پردہ ماسوا کے ساتھ دل کا لگاؤ ہے ؎

تعلق حجابست و بے حاصلی ۔۔۔ چو پیوند ہا بگسلی واصلی

ترجمہ: مخلوق سے دل لگانا حجاب اور بے نتیجہ ہے۔ جب تو بندھنوں کو توڑے گا پھر تو واصل ہوگا

اہلِ حقیقت نے ایمان کی یہ تعریف کی ہے۔

---

[1] اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر۔ پہلے ایمان سے مراد یہ ہے کہ جو احکام اور جو واقعات ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ قرآن پاک اور حدیث رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پہنچے ہیں اُن کو بے چون وچرا تسلیم کر لینا اور دل سے مان لینا ہے اور دوسرے ایمان سے مراد جس کا ایمان والوں کو باوجود ایمان لانے کے حکم دیا گیا ہے یہ ہے کہ اس تصدیق کو تصدیق حقیقی بناؤ۔ جس کو ایمان حقیقی بھی کہتے ہیں اور حقیقی ایمان یعنی حقیقی تصدیق یہ ہے کہ قوّتِ مدرکہ سے تمام ماسوا کو نفی کرنا اور اس قوّتِ مدرکہ میں حق سبحانہٗ کا ثابت ہونا ہے۔ [2] مُراد کائنات، زمین و آسمان اور ان میں بسنے والی تمام مخلوقات کی تاثیر اور تصرّف کی نفی کرنا، معبودِ حقیقی کی تاثیر اور تصرّف کا اثبات ہے

اَلْاِیْمَانُ عَقْدُ الْقَلْبِ بِنَفْیِ جَمِیْعِ مَاتَوَجَّهَتِ الْقُلُوْبُ اِلَیْهِ مِنَ الْمَنَافِعِ وَالْمَضَارِ سِوَ اللّٰهِ تَعَالٰی — ایمان حقیقی جب ہی وجود میں آئے گا جب صرف حق تعالیٰ سبحانہٗ کے ساتھ دل کا لگاؤ اور جوڑ ہو جاویگا اور تمام چیزیں جن پر دل عاشق ہے اور جن میں انکے نفع ونقصان کے باعث پھنس گیا ہے ان سے اُسکا واسطہ نہ رہے گا۔ (جو مخلوق سے علحدہ ہوجانا اور اللہ سے جُڑ جانا ہے)

حضرت خواجہ یہ بھی فرماتے تھے:

طریقۂ ما صحبت است و در خلوت شہرت است و در شہرت آفت، خیریت در جمعیت است و جمعیت در صحبت بشرط نفی بودن در یک دیگر — ہمارا طریقہ صحبت[1] ہے اور خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے۔ خیریت جمعیت میں ہے اور جمعیت صحبت میں ہے بشرطیکہ ایک دوسرے میں نفی ہو[2]۔

اور جو کچھ اس بزرگ نے فرمایا ہے تَعَالَ نُؤْمِنُ سَاعَةً[3] آ تھوڑی دیر ایمان لائیں میں اس پر اشارہ[4] ہے کہ اس راہ کے طالبوں کی جماعت اگر ایک دوسرے کے ساتھ صحبت رکھیں گے اور مل جُل کر رہیں گے اس میں زیادہ خیر و برکت ہے۔ امید ہے کہ اس صحبت پر ملازمت یعنی ہمیشگی اور مداومت ایمان حقیقی پر منتہی ہوگی اور فرماتے تھے:—

طریقۂ ما عروۃ الوثقیٰ است چنگ در ذیل متابعت — ہمارا طریقہ ایک مضبوط کڑا ہے کہ پوری قوت سے پانچوں

---

[1] صحبت سے مُراد مل جُل کر رہنا خلوت سے مراد جدا ہو کر رہنا۔ جمعیت سے مراد دل کی یکسوئی ہے کہ اس میں غیر اللہ کے خیالات آ کر نہ ٹھہریں یعنی اگر غیر کا خیال آ جائے تو اس میں ٹھہرے نہیں آوے اور چلا جاوے۔ [2] یعنی ایک دوسرے پر نظر نہ ڈالیں یعنی اُن کی نظر تعمیل حکم ہو اور جمعیت کی نسبت کا حاصل کرنا ان کا مقصد ہو۔ [3] ایک صحابی غالباً حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے صحابی سے کہا، آ تھوڑی دیر ایمان لائیں۔ اس سے اشارہ نفی اثبات کی حقیقت کی طرف ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ نفی و اثبات کی صورت نہیں، کیونکہ تمام مومنوں کو صورتاً ایمان حاصل ہے اور صحابی کا یہ کہنا کہ "آ تھوڑی دیر ایمان لائیں"۔ اگر ایمان کی صورت ہو جو ہر ایک ایمان والے کو حاصل ہے تو تحصیل حاصل ہوگی اور تحصیل حاصل محال ہے۔ [4] اس امر کا اشارہ ہے کہ اگر راہ کے سارے طالب ایک دوسرے کے ساتھ صحبت رکھیں گے اس میں خیر و برکت ہے اس بنا پر کہ ہر ایک طالب دوسرے کے حال سے متاثر ہوگا۔ اور ہیبت اجتماعی جیسے کہ پیر کی صحبت میں نسبت قوی ہوتی ہے [5] یعنی جسطرح کڑے یا کنڈہ میں پانچوں انگلیاں ڈال کر اُسے ایسا پکڑیں کہ وہ چھوٹ نہ سکے۔ اسی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے دامن کو پانچوں انگلیوں کے ساتھ ایسا پکڑے کہ کسی وقت اور کسی حال میں بھی وہ چھوٹنے نہ پائے اور صحابۂ کرام کے اقوال و افعال کی اقتدار کرنا ہے، کیونکہ دین کو جیسا انہوں نے سمجھا دوسرا نہ کوئی سمجھا نہ کوئی سمجھ سکے گا۔

حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم زدن است و انگلیوں کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اتباع کے دامن اقتدار بآثار صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کردن است کو پکڑ لینا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کے آثار کی اقتدار کرنا ہے اور ہمارے اس طریقہ میں تھوڑے عمل کے ساتھ فتوح اور کشائش زیادہ ہے۔

لیکن سنّت کی متابعت کی نگہداشت و حفاظت اور ہمہ وقت سنّت کی اتباع کا خیال رکھنا بڑا کام ہے۔ جو کوئی ہمارے اس طریقہ سے روگردانی کرتا ہے یعنی مُنہ پھیرتا ہے اس کے دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ طالب کو چاہیئے کہ جس زمانہ میں حق تعالیٰ کے دوستوں میں سے کسی دوست کی صحبت میں رہتا ہوا اپنے حال کا واقف رہے اور صحبت کے زمانہ کا گزشتہ زمانہ سے موازنہ کرتا رہے۔ اگر فرق پاوے تو اَصَبْتَ فَالْزِمْ[1] کے حکم کے مطابق اس بزرگ کی صحبت کو غنیمت جانے۔

اور آپ نے فرمایا ہے کہ لَا اِلٰہَ میں طبیعت اور خواہش کے الٰہ کی نفی[2] ہے۔ الّا اللہ میں حق جلّ جلالہٗ کے ساتھ معبود کا اثبات ہے۔ مُحَمَّد رسول اللہ خود کو فاتّبعُونی کے مقام میں لے آنا ہے۔ مقصودِ ذکر یہ ہے کہ ذکر کرنے والا کلمۂ توحید کی حقیقت تک پہنچ جائے اور حقیقت کلمہ یہ ہے کہ کلمہ کہنے سے ما سوا اللہ کی پوری طرح نفی ہوجاوے۔ بہت کہنا شرط نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ذاکر کے دل میں غیر خداوند تعالیٰ کا وجود باقی نہ رہے۔ زیادہ تعداد میں کلمہ کا ذکر کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ دل کو غیر خدا سے پاک کرنا ضروری ہے۔ اور فرماتے تھے کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ والغفران نے کہا ہے

---

[1] تو راستہ کے اوپر پہونچ گیا ہے۔ پس اسے ہرگز نہ چھوڑنا۔ یہ ایک حدیث کا حصّہ ہے جو جناب صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک صحابی کا حال سُن کر فرمایا تھا۔ پورا حال کتاب الارکان فی الاسلام میں لکھا ہوا ہے۔ تفصیل درکار ہو تو وہاں پڑھیں۔ [2] طبیعت کے خداؤں سے مراد طبیعت کے تقاضے ہیں کہ آدمی کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ طبیعت کے خداؤں کی نفی سے مراد ان کی صفت تصرُّف و جذب کی نفی ہے یعنی طبیعت کے خداؤں یعنی اس کے تقاضوں میں طبیعت کے مائل ہونے اور تصرّف کرنے سے روکنا ہے اور اِلّا اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف دل کی ایسی کشش ہے کہ اس میں غیر حق سبحانہٗ کی طرف نہ رغبت رہے نہ کشش رہے۔ محمد رسول اللہ سے مراد خود کو فاتّبعُونی کے مقام پر لانا ہے۔ یعنی اپنے آپ کو آنحضرت کی اطاعت و فرمانبرداری میں لانا ہے۔ کلمۂ توحید کا قبول کرنا آپ کے احکام میں سے ایک حکم کی تعمیل ہے کیونکہ جو شخص کلمہ کے مضمون کو آپ کے حکم کے مطابق قبول نہیں کرتا وہ شخص آپ پر ایمان لانے والا نہ ہوگا اور محض عقلی دلیل کام نہ دے گی۔ پس اس وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو دیکھنا اور اس کا لحاظ رکھنا اور خود کو آپ کے انقیاد کے مقام پر رکھنا ایمان کی ضروریات میں سے ایک ضرورت ہے۔ اس بنا پر کہ خیر کے آثار کا مرتب ہونا (یعنی جمع ہونا اور ٹھہرنا) تسلیم و انقیاد پر موقوف ہے نہ کہ عقل اور اسی طرح دوسری چیزوں تجربات و مشاہدات پر۔

کہ زمین اس جماعت کی نظر میں مثل دستر خوان کے ہے اور ہم کہتے ہیں وہ ناخن کی برابر ہے۔ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔ اور فرماتے تھے:

بسرِ توحید می تواں رسیدن امّا بسرِ معرفت رسیدن دشوار است۔ — توحید کی انتہا تک پہنچنا ممکن ہے۔ لیکن معرفت کی انتہا کو پہونچنا دشوار ہے[1]۔

حضرت خواجہ جس وقت سفر مبارک پر حج کے لیے تشریف لے گئے۔ خراسان کے ایک بزرگ زادہ کو ذکر کی تعلیم فرمائی جب حج سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے۔ لوگوں نے کہا، فلاں آدمی نے جو ذکر کا سبق لیا تھا۔ اس کی تعداد میں اس نے کمی کر دی۔ فرمایا "کوئی ڈر نہیں"۔ پھر اس سے پوچھا، کیا کبھی تُو نے ہمیں خواب میں دیکھا۔ اس نے کہا "جی ہاں"۔ فرمایا، یہی کافی ہے۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے۔ جس کسی کو ان حضرات سے تھوڑا سا بھی رابطہ[2] ہوتا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ آخر کار ان سے ملحق ہوگا۔ اور یہ رابطہ اس کے لیے سببِ نجات اور سبب بلندئ درجات بن جائے گا۔ ایک آدمی حضرت خواجہ کی خدمت میں آیا۔ اس نے کہا، فلاں آدمی بیمار ہے۔ آپ کی دلی توجہ شریف کا سائل ہے۔ فرمایا:

اوّل بازگشت خاطر خستہ می باید آنکہ توجہ خاطر شکستہ۔ — پہلے تو عاجزانہ رجوع چاہیئے۔ پھر خاطر شکستہ کی توجہ۔

لوگوں نے حضرت والا سے کرامت دیکھنے کی درخواست کی تو فرمایا، ہماری کرامت ظاہر ہے کہ باوجود گناہوں کے اتنے بوجھ کے ہم زمین پر چل سکتے ہیں اور فرماتے تھے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا کہ ہم آپ کے جنازہ کے آگے کونسی آیات پڑھیں۔ فرمایا، آیات کا پڑھنا بڑا کام ہے۔ یہ بیت پڑھو ؎

---

[1] کیونکہ توحید کی انتہا غیر حق سُبحانہٗ سے دل کا فارغ ہو جانا ہے اور معرفت کی انتہا سے مراد معرفت تفصیلی ہے اور اس میں شک نہیں کہ توحید کی نہایت کو پا سکتا ہے، لیکن دوسری یعنی معرفت تفصیلی کو کوئی بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس بنا پر کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ شعر

اے برادر بے نہایت در گہیست — ہرچہ بر وے مے رسی بر وے مایست

ارے بھائی! اللہ کی معرفت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تم معرفت کے مقام پر جتنا پہونچو گے یہ سمجھ کر ابھی پہونچے ہی نہیں۔ مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ

[2] رابطہ کا مطلب پیر سے مناسبت اور اس کے ساتھ دل کا جُڑ جانا ہے۔ جو خوش قسمت مرید کو اپنے پیر سے ہو جاتا ہے۔

چیست ازیں خوب تر در ہماں آفاق کار
دوست رسد نزد دوست یار بہ نزدیک یار

ترجمہ: سارے جہان میں اس سے اچھا کون سا کام ہے کہ دوست دوست کے نزدیک پہونچ جاوے اور یار یار کے قریب چلا جاوے۔

پھر خواجہ نے فرمایا، ہمارے جنازہ کے آگے یہ بیت پڑھو ۵

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو شیئاً للہ از جمال روئے تو

ترجمہ:۔ ہم تیرے کوچے میں مفلس ہو کر آئے ہیں۔ ہمیں اپنے رُخِ انور کے جمال کا کچھ حصہ عطا فرما۔

حضرت مولانا جلال الدین خالدی سے پوچھا کہ خواجہ بہار الدین کا طریقہ اور اُن کے سلوک کی نسبت متاخرین مشائخ میں سے کس کے طریقہ سے مناسبت رکھتی ہے۔ فرمایا، ان سے پہلوں کی بات کہو۔ دو سو سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ جس قسم کی ولایت کے آثار حضرت خواجہ بہاؤ الدین پر اللہ کی عنایت سے ظاہر ہوئے ہیں پچھلے مشائخ طریقت میں کسی پر بھی ظاہر نہیں ہوئے۔

شیخ قطب الدین نامی ایک بزرگ خواجہ کے اصحاب میں سے خراسان تشریف لائے تھے۔ وہ فرماتے تھے۔ مَیں چھوٹی عمر میں تھا حضرت خواجہ نے مجھے فرمایا، فلاں کبوتر خانہ میں جا کر کچھ کبوتر وہاں سے لے آ۔ جب مَیں کبوتر لے کر آیا، تو دل چاہا کہ ایک کبوتر زندہ رکھ لوں۔ مَیں اس کبوتر کو خواجہ کے حضور میں نہ لایا۔ جب کبوتر پک گئے اور حاضرین پر حضرت خواجہ نے تقسیم فرمائے تو مجھے کبوتر نہ دیا اور فرمایا، فلاں شخص نے اپنا حصّہ زندہ لے لیا ہے۔

۳۵۰۔ حضرت خواجہ علاء الدین عطّار قدس اللہ سرّہٗ

المتوفی ۲۰ رجب ۸۰۲ھ۔ ان کا نام محمد بن محمد البخاری ہے۔ خواجہ بہاء الدین کے بزرگ اصحاب میں سے تھے۔ حضرت خواجہ نے اپنی زندگی میں طالبین کی تربیت کو اُن کے سپرد فرمایا تھا اور آپ فرمایا کرتے تھے:

علاؤ الدین خیلے بار برما سُبک کردہ است علاء الدین نے ہمارا بہت بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔

اور یقیناً ولایت کے انوار و نشانات ان سے پورے پورے اور کامل طور پر ہمیشہ ظاہر ہوتے رہے۔ اور اُن کی حُسنِ تربیت اور صحبت کی برکت سے بہت سے طالبان (خداوند تعالیٰ) بُعد اور نقصان کے درجہ سے قُرب و کمال کی درگاہ تک پہنچے اور تکمیل و اکمال[۵] کا مرتبہ پا گئے۔

---

۵ دوسروں کو کامل کرنے کا مقام پا گئے۔ جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقام ہے جسے حالی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس فقیر[a] نے بعض حضرات سے سُنا ہے کہ قدوۃُ العلماء واسوۃ الکبراء المدققین، صاحب التصانیف الفائقۃ والتحقیقات الرّائقۃ السیّد الشریف الجرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ جنھوں نے آپ کے اصحاب کے رشتہ میں داخل ہونے اور اُن کے مریدوں کی لڑی میں منسلک ہونے کی توفیق پائی تھی اور حضرت کے خادموں اور ان کی صحبت میں رہنے والوں کے ساتھ پورا پورا نیاز واخلاص رکھتے تھے۔ بارہا فرمایا کرتے تھے۔ جب تک میں شیخ زین الدین علی وکلا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں نہیں پہونچا۔ رِفض[b] سے نجات نہیں پائی اور جب تک خواجہ عطار قدس سرّہٗ کی صحبت سے پیوستہ نہ ہوا۔ خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانا۔ خواجہ علاء الدین عطار قُدِّسَ سِرُّہٗ کے بعضے پاک کلمات جو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحبت کی مجالس میں فرماتے ان کو خواجہ محمد پارسا قُدِّسَ سِرُّہٗ لکھ لیتے تھے۔ ان میں سے چند ایک کو تبرک اور رہنمائی[1] حاصل کرنے کی غرض سے ذکر کیا جاتا ہے:

(۱)

وسابقہ عنایت ازلی را مے باید دید واز اُمید واری بآں عنایت بے علّت وطلبِ آں عنایت لحظہ غافل نمی باید نمود۔

اور سابقہ عنایت ازلی یعنی اللہ تعالیٰ کی پہلی مہربانی کو دیکھنا چاہیئے اور اس بے وجہ مہربانی کی امّید واری اور اس مہربانی کی طلب سے ایک لحظہ بھی غافل نہ رہنا چاہیئے۔[2]

(گزشتہ سے آگے) در فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کا ہادی کر دیا کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

[1] یعنی رہنمائی طلب کرنے اور راہِ حق معلوم کرنے کی غرض سے۔ [2] قولی فعلی، جانی مالی عبادتوں اور ہر اچھی خصلت کو عنایت سابقہ کا ظہور جاننے اور جن اچھے اقوال وافعال کا ظہور ہو اُسے اللہ کے فضل وعنایت کا سبب جاننے، تاکہ نیاز مندی اور ذلت وخواری کی صفت جو اس طریقہ کے لیے لازم ہے اس سے جدا نہ ہو جائے، کیونکہ کاموں کے وجود میں آنے کا سبب اگر حق تعالیٰ کے فضل اور اس کی عنایت کو نہ جانے گا تو ان کاموں کے وجود میں آنے کو اپنی طرف سے جانیگا اور اپنی لیاقت کو سمجھیگا اور یہ چیز استغنا وبے نیازی ہے جو اس حال کے منافی ہے اور اس کے برعکس محتاجی و دائمی فقر اس طریقہ کیلئے لازم ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو نیکی عبادتوں کا سبب اپنی استعداد وصلاحیت کو جانے گا وہ خود کو دیکھے گا، خدا کو نہ دیکھے گا۔ جس کی وجہ سے اس میں استغناء یعنی اللہ سے بے نیازی پیدا ہوگی اور اللہ سے بے نیازی اس راہ میں چلنے والوں کے لیے مہلک اور مانع وصول ہے، کیونکہ اس راہ میں ہر وقت اللہ کے آگے نیازمند رہنا لازم اور ضروری ہے۔

[a] اس فقیر سے مُراد کتاب کے مصنف مولانا عبدالرحمٰن جامی ہیں۔

[b] رفض معنی رافضی ہونے اور دوسرے نسخہ میں رقص ہے اور رقص سے مُراد ناچنا ہے۔

وازاستغنار خود را نگاہ می باید داشت واندک حق سُبحانہٗ وتعالیٰ را بزرگ می باید شمرد وترساں ولرزاں باید ایں ظہور استغناء حقیقی۔

(۲) خاموشی از سہ صفت باید کہ خالی نہ بود یا نگہداشت خطرات یا مطالعہ ذکر دل کہ گویا گشتہ باشد یا مشاہدۂ احوال کہ بر دل گزرد۔

وخطرت موانع نبود احتراز ازاں دشوار باشد اختیار طبعی کہ مدت بیست سال در نفی آں بودیم۔

ناگاہ بر نسبت خطرہ گزشت اما قرار نیافت خطرات را منع کردن کار قویست و بعضے بر آنند کہ خطرات را اعتباری نیست اما نباید گزاشت تا متمکن گردد کہ بمتمکن آں سدہ در مجاری۔ فیض پدید آید بنا بریں دائماً متفحصِ احوال باطن باید بود۔ وخود را نفس زدن تہی کردن ظاہراً بامر مُرشد در حضور یا غیبت برائے نفی خطرات ست کہ تمکن یافتہ است در باطن و سبب آں انیست کہ ہر معنیٰ در لباس صورتے بود۔ بہر وقت خود را بنفس زدن از خطرات موانع کہ تمکن

اور استغنا و بے پرواہی سے اپنے آپ کو بچاتے رہنا چاہیئے۔ اور حق سبحانہٗ کی تھوڑی مہربانی کو بڑی شمار کرنی چاہیئے[۱] اور استغنار حقیقی کے ظہور سے ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہیئے۔

خاموشی تین صفتوں سے خالی نہ رہنی چاہیئے۔ یا تو اس خاموشی کیوقت خطرات کی نگہداشت ہو یا دل کے ذکر کا مطالعہ کہ گویا دل ذکر[۲] بنا ہے یا دل پر جو حالات گزرتے ہیں ان کا مشاہدہ کرتا رہے۔

اور خطرات[۳] مانع نہیں۔ ان سے بچنا دشوار ہے۔ بقدر طاقت بشری ہم ان خطرات کو دُور کرنے میں بیس سال تک مصروف رہے۔" پھر بھی" اچانک نسبت پر خطرہ گزرا، لیکن ٹھہرا نہیں (آیا اور چلا گیا) خطرات کا روکنا کہ بالکل نہ آئیں قوت ولے کا کام ہے اور بعضے اس پر ہیں کہ خطرات کا اعتبار نہیں، ہاں ان کو چھوڑنا نہ چاہیئے۔ انھیں چھٹی نہ دینی چاہیئے کہ وہ ٹھہر جائیں کیونکہ انکے ٹھہرنے سے فیض کی نالیوں میں سدہ اور گرہ پڑ جاتی ہے۔ اس بنا پر ہمیشہ باطن کے حالات کا نگراں اور ان حالات کے تجسس اور تلاش میں رہنا چاہیئے اور مُرشد کے امر[۴] کے مطابق سانس نکالنے کیساتھ خود کو خالی بظاہر اس لیے ہے کہ حضور یا غیبت میں ان خطرات فکرات اور اندیشوں کی نفی ہو جائے جو باطن میں قرار پا چکے ہیں اور اسکا سبب[۵] یہ ہے کہ ہر معنی یعنی چھپی ہوئی چیز یا ہر حقیقت کسی صورت کے لباس میں ہوا کرتی

---

[۱] یعنی اس طریقہ کی تھوڑی سی توفیق کو بھی بڑی اور قابلِ قدر جاننا چاہیئے اور اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے اور ہر وقت خیال کرتے رہنا چاہیئے کہ مجھ ذلیل ترین آدمی کو اللہ تعالیٰ بارگاہِ کبریا میں پہونچنے کا راستہ دے رہے ہیں۔ [۲] یعنی ذکر کی محافظت کرنا کہ وہ زائل نہ ہونے پائے اور بدستور جاری رہے اور دل کے حالات کا مشاہدہ کرتا رہے نہ کہ ذکر کے اثرات و ثمرات کا [۳] خطرات مانع نہ ہوں گے جبکہ وہ دل میں نہ ٹہریں آئیں دُور چلے جائیں۔ خطرات کو ایسا روکنا کہ وہ بالکل نہ آوین کہ دل پر ان کا گزر نہ ہو۔ یہ طاقت ولے کا کام ہے۔ ہاں انہیں اسطرح پر نہ آنے دے کہ وہ اس کے دل میں اپنی جگہ بنائیں اور چھوڑ جانے کا نام نہ لیں کیونکہ انکا ٹھہرانا اس کی طرف سے ہے، لیکن ان کا آنا اس کی طرف سے نہیں ہے [۴] ظاہر میں سانس ۔۔۔ (باقی آگے)

یافتہ است تہی می باید کردن درخود رفتن است و از خود رفتن واصل معتبر دریں راہ ایں ست و علامت درخود رفتن ازخود رفتن است

ہے ہر وقت میں سانس نکالنے کے ساتھ ان خطرات سے جو موانع ہیں اور جو دل میں بیٹھ گئے ہیں اپنے آپ کو خالی کرتے رہنے کو درخود رفتن اور از خود رفتن کہا جاتا ہے۔ اور اس راہ یعنی طریقت میں وہ قاعدہ اور وہ ضابطہ جس کا اعتبار اور اعتقاد کیا جاتا ہے یہی ہے اور درخود رفتن کی علامت ازخود رفتن ہے۔ یعنی اپنے میں چلنے کی علامت اپنے سے جانا یعنی اپنے سے بے خبر ہو جانا ہے۔

(۴) غیبت از خود و حضور با حق سبحانہٗ بقدر عشق ست و نتیجہ عشق محبّت مفرطہ است۔ عشق ہر کہ بیشتر غیبت او از خود و حضور با معشوق بیشتر۔

اور خود سے غائب اور پوشیدہ ہونا اور حق سبحانہٗ کا حضور اور اس کے سامنے رہنا عشق اور محبّت کا نتیجہ ہے جو حد سے گزر گئی ہو۔ جس کا عشق جتنا زیادہ ہوگا اپنے سے اس کی غیبت زیادہ ہوگی اور معشوقِ حق کے ساتھ اس کا حضور زیادہ ہوگا۔

---

(۵) چوں ملک و ملکوت بر طالب پوشیدہ شود و فراموش گردد فنا بود۔

جب طالب پر یہ جہاں اور وہ جہاں اور ان کے تصرفات پوشیدہ ہو جائیں اور فراموش ہو جائیں۔ تو یہ فنا ہوگی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نکالنا مرشد کے حکم اور ہدایت سے چاہیئے اس بنا پر کہ یہ نوع تلقینی ہے۔ از خود کرنیکی نہیں ۵ نفی خواطر، خیالات کے دُور کرنے کے لیے سانس کو کیوں نکالنا چاہیئے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جس طرح بے دیکھی چیز کی کوئی مناسب صورت ہوتی ہے کہ اس معنیٰ کی تحصیل میں بطریقِ سہولت صورت کو دخل ہے۔ پس سانس کے نکالنے کے لیے جو خواطر و خیالات دور کرنے کی صُورت ہے نفی خواطر کی تحصیل میں بطریقِ سہولت ایک طرح کی رسائی ہے اور خواطر کو دور کرنے میں کامیابی پانے کے لیے سہولت کے ساتھ ایک تصرّف ہوگا۔

(حاشیہ صفحۂ ہٰذا) لہ اور درخود رفتن ہے یعنی اپنے غیر سے غائب ہونا اور اپنے غیر سے کھویا جانا اور گم ہو جانا اور ازخود رفتن کے معنیٰ اپنے شعور سے غائب ہو جانا یا یں طور کہ شعور کا شعور نہ رہے۔ یہ نہیں کہ بالکل شعور نہ رہے۔ اس لیے کہ اپنا شعور علم حضور کے قبیلے سے ہے اور آدمی کا اپنے متعلق علم ہونا اس کا عین ہے۔ پس شعور مرتفع نہیں ہو سکتا جیسے کہ آدمی واقع میں مرتفع نہیں ہوتا۔

سہ اور درخود رفتن کی علامت ازخود رفتن ہے۔ اس لیے کہ ازخود رفتن درخود رفتن کا نتیجہ اور اس کا اثر ہے اور اثر موجب اور مؤثر پر بیان اور دلیل ہے۔

یادداشت :۔ درخود رفتن اپنے غیر سے غائب ہونے اور اپنے غیر سے دور اور لاتعلق ہو جانے کو کہتے ہیں اور ازخود رفتن اپنے اس شعور کے ادراک سے غائب ہو جانے کو کہتے ہیں۔

وچوں ہستی سالک ہم بر سالک پوشیدہ شود۔ فنار فنا بود۔

اور جب سالک کی ہستی سالک پر پوشیدہ[ع] ہو جائے تو یہ فنار کی فنا ہوتی ہے۔

بعد از ہر نمازی از پنج بار و بعد از مذاکرہ علمی بیست بار کلمہ استغفار گفتن مدوست در سعی و توجہ کہ ذکر کردہ شد۔

ہر نماز کے بعد پانچ مرتبہ اور علمی گفتگو اور مسائل کے مذاکرہ کے بعد بیس مرتبہ کلمہ استغفار کہنا اس کوشش و توجہ میں مدد ہے جو ذکر کی گئی۔

(۷) صیقل بر روئے آئینہ باید نہ بر دستہ یا بر پہلو یا بر پُشت، فائدہ نہ دہد۔

صیقل یعنی قلعی آئینہ کے رُخ پر کرنی چاہیئے[۱] نہ کہ دستہ پر یا پہلو یا پُشت پر، کہ فائدہ نہ دے گا۔

(۸) دریں زماں بذکر خفیہ کہ مشغول اند بمعدہ می گویند نہ بدِل، مقصود بسیار گفتن نیست۔ دریک نفس سہ کرّت گوید لا الٰہ الا اللہ از طرف راست آغاز کند و بر دل فرود آرد۔ محمدٌ رسول اللہ از جانب بیروں آرد بے مجاہدہ نمی شود پیش از صبح و بعد از نماز شام در خلوت و فراغت از خلق

اس زمانے میں جو لوگ ذکرِ خفیہ میں مشغول ہیں وہ معدہ سے کہتے ہیں۔ دِل سے نہیں کہتے (یعنی سمجھتے یہ ہیں کہ ہم دِل سے ذِکر کرتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں وہ معدہ سے ذکر کرتے ہیں) مقصود بہت کہنا نہیں ہے۔ ایک سانس میں تین دفعہ لا الٰہ الا اللہ اس طرح کہے کہ دائیں طرف سے شروع کرے اور دل پر لائے۔ محمد رسول اللہ بائیں جانب سے نکالے بغیر مجاہدہ[۲] اور محنت کے نہیں ہوگا، یعنی نفی اثبات کے اس ذکر میں خاص محنت کی ضرورت ہے اور اس کا وقت صبح صادق سے قبل اور نمازِ مغرب کے بعد ہے، جبکہ خلوت میں ہو اور مخلوق سے علٰحدہ ہو کر ہو۔

شیخ عطّار رحمۃ اللہ علیہ می گوید۔

شیخ عطّار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

بیت : صد ہزاراں قطرۂ خوں از دل چکید
تا نشانِ قطرۂ زاں یافتم

جب ایک لاکھ خون کے قطرے دل سے ٹپکے اس وقت مَیں نے اُس کے نشان کا ایک قطرہ پایا۔

ع بایں طور کہ اپنے شعور کا شعور بھی نہ رہے اس کو فنا الفنار یعنی فنار پر فنا کہتے ہیں۔

۱ صیقل بروئے آئینہ باید۔ شیشہ کا رُخ چمکانا چاہیئے۔ شیشہ سے مراد قوتِ مدرکہ ہے یعنی اشیار کی حقیقت کو سمجھنے اور دریافت کرنے کی قوت ادراک، ذہن یا عقل کو بھی کہتے ہیں اور شیشہ کو چمکانا اور اس کے رُخ پر صیقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قوتِ مدرکہ فکر کا اثر قبول کرے اور اس کے اثر قبول کرنے کی نشانی یہ ہے کہ اعضار پر نشانات و اثرات ظاہر ہونے لگیں۔

۲ مراد اس مجاہدہ سے ذکر میں مجاہدہ کرنا ہے نہ کوئی دوسرا مجاہدہ۔

یا دریک نفس نہ کرت گوید یا ہجدہ کرت اگر نتیجہ ندہد از سر گیرد۔

یا تو ایک سانس میں نو دفعہ یا اٹھارہ دفعہ ہے۔ اگر نتیجہ نہ دےؔ تو از سرِ نو پھر سے شروع کرے۔

(۹) و از مزارات مشائخ کبار رَوّح اللہ ارواحہم زیارت کنندہ بہماں مقدار فیض می تواں گرفتن کہ صفت آں بزرگ را شناختہ است و بہماں صفت توجّہ نمودہ و در آں صفت در آمدہ، اگرچہ قرب صوری را در زیارت مشاہد مقدسہ آثار بسیار است۔ امّا در حقیقت توجّہ بارواح مقدسہ بعد صوری مانع نیست در حدیثِ نبویؐ کہ صَلّوا عَلَیَّ حَیثُمَا کُنتُم بیان و بُرہان ایں سخن ست۔ و مشاہدہ صور مثالیہ اہل قبور کم اعتبار دارد و در جنب شناختن صفت ایشاں در آں توجہ و در آں زیارت۔ و با ایں ہمہ خواجہ بزرگ قَدَّسَ اللہُ تعالیٰ رُوحَہٗ می فرمودند، مجاور حق سبحانہٗ بودن احق و اولی ست از مجاورت خلق بحق عزّ و جل و ایں بیت بر زبانِ مبارک ایشاں

اور مشائخ کبار (اللہ تعالیٰ انکی روح کو راحت بخشے) کے مزارات کی زیارت کرنیوالا اسی قدر فیض اور فائدہ حاصل کر سکتا ہے جسقدر اس بزرگ کی صفت کو پہچانا ہےؔ اور اس صفت میں توجّہ کی ہو اور اسی صفت میں ہو کر زیارت کی ہو۔ اگرچہ ظاہری قُرب کو مشاہد مزارات مقدسہ کی زیارت میں بڑے اثرات ہوتے ہیں، لیکن در حقیقت ارواح مقدّسہ کی توجہ کو بعد صوریؔ یعنی قبر سے ظاہر دُوری مانع نہیں۔ حدیث میں جو یہ وارد ہے کہ "صَلّوا عَلَیَّ حَیثُمَا کُنتُم" ۔ تم مجھ پر دُرود بھیجو خواہ تم کہیں ہو"۔ اس بات کی کھلی دلیل ہے۔ اور اہلِ قبور کی مثالی صورتوں کا دیکھنا بمقابلہ ان کی صفات کے پہچاننے کے جو توجہ و زیارت کی حالت میں ہوتی ہے کم معتبر ہے۔ اور ان تمام فائدوں کے باوجود خواجہ بزرگ قدّس اللہ تعالیٰ رُوحہٗ فرماتے تھے کہ حق سُبحانہٗ کا مجاور رہنا زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر ہے مخلوق کی مجاورتؔ سے حق عزّ و جل کے ساتھ اور اکثر آپکی

ؔ اس ذکر کا نتیجہ بے خودی کی کیفیت میں نکلے گا اور نتیجہ حاصل کر لینے کے بعد خود کو بے خودی میں دے دینا چاہیئے اور اگر نتیجہ نہ دے تو از سرِ نو شروع کرے یعنی ایک سانس کا ذکر اٹھارہ مرتبہ پر پہنچ جائے اور بے خودی کی کیفیت ظاہر نہ ہو تو اس ذکر کو پھر سے شروع کرے یعنی ۱۹ کے عدد پر نہ بڑھ جاوے، بلکہ ایک سے شروع کرے، کیونکہ نتیجہ کا نہ نکلنا ذکر کی شرائط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ہے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ از سرِ نو ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اب دوبارہ ۹ مرتبہ سے شروع کرے اور بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے اٹھارہ پر لے جائے۔

ؔ یہ صفت اس بزرگ کی بطریقہ سلم کے نہ پہچانی ہو۔ مقصود یہ ہے کہ جب وہ اس بزرگ کی صفت میں اس کے شریک ہوگا تو اس کو اس صفت میں ترقی واقع ہوگی اور اس صفت کا حکم اس میں ظاہر ہوگا اور اس وجہ سے صفت میں ترقی بہتر ہے صورت مثالی میں روح کے متمثل ہونے سے۔ جیسے کہ فرمایا، اہلِ قبور کی مثالی صورتوں کے مشاہدہ کا اعتبار کم ہے۔ ؔ یعنی جسم سے دُور رہنا اور دل سے قریب رہنا محبت کے اثر کے لیے مانع نہ ہوگا ؔ یعنی حق تعالیٰ کے قُرب کے لیے مخلوق کے قُرب کو وسیلہ بنانے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ براہِ راست خدا تعالیٰ کا مجاور بنا رہے۔

بسیار گزشتے۔ بیت:

زبان مبارک پر یہ بیت گزرتا تھا

تو تا کے گورِ مرداں را پرستی
بگرد کارِ مرداں گر درستی

ترجمہ: مردوں کی قبروں کو کب تک پُوجتا رہے گا۔ مردوں کے کام کے گرد گھوم نجات پائے گا۔

مقصود از زیارت مشاہدِ اکابرِ دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین می باید کہ توجہ با حق سُبحانہٗ بود۔ رُوح آں برگزیدۂ حق را وسیلۂ کمال توجہ بحق گردانیدن چنانچہ در حال تواضع با خلق باید کہ ہر چند تواضع ظاہراً با خلق بود بحقیقت با حق سبحانہٗ باشد۔ زیرا کہ تواضع با خلق آنگاہ پسندیدہ افتد کہ خاص مر خدائی را باشد عزّ و جل باں معنی کہ ایشاں را مظاہر آثار قدرت و حکمت بلند و الاّ آں صنعت بود نہ تواضع۔

اکابرِ دین کے مزارات کی زیارت کا مقصد توجہ بحق سبحانہٗ ہونی چاہیئے اور اس برگزیدۂ حق کی رُوح کو کمال توجہ بحق کا وسیلہ بنانا ہے۔ جیسے مخلوق کے ساتھ تواضع کے حال میں ہونا چاہیئے کہ ہر چند ظاہر میں تواضع مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے، مگر حقیقت میں حق سبحانہٗ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ مخلوق کے ساتھ تواضع اس وقت اچھی اور پسندیدہ ہوتی ہے جب کہ وہ خاص خدا تعالیٰ کے لیے ہو۔ اس لحاظ سے کہ مخلوق کو اس کی قدرت و حکمت کے آثار و نشان دیکھے اور اس کی قدرت و حکمت کے مظاہر جانے، ورنہ اس کی یہ تواضع بناوٹ اور چاپلوسی ہوگی تواضع نہیں ہوگی۔

(۱۰) طریقہ مراقبہ از طریقہ نفی و اثبات اعلیٰ است و اقرب است بجذبہ۔

مراقبہ کا طریقہ نفی و اثبات کے طریقہ سے اعلیٰ اور جذبہ کے زیادہ قریب ہے۔

از طریق مراقبہ بمرتبہ وزارت و تصرّف در ملک و ملکوت می تواں رسید و اشراف بر خواطر موہبت و بہ نظر کردن و باطن را منوّر گردانیدن از دوام مراقبہ است۔

طریقہ مراقبہ[۱] سے وزارت اور ملک و ملکوت میں تصرف کرنے کے مرتبہ کو پہونچ سکتا ہے اور خواطر پر مطلع ہونا[۲]، یعنی دلوں میں جھانکنا اور لوگوں کے خیالات کا معلوم کرلینا مہربانی اور بخشش کی نظر[۳] سے دیکھنا اور باطن کو روشن کر دینا مراقبہ کے دوام سے ہے[۵]۔

---

[۱] مراقبہ کی حقیقت حق کا انتظار ہے اور مراقبات کے بہت طریقے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی یہ خیال پیش نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ میرے حال کو جانتا ہے اور یہ دھیان رکھنا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، یہ بھی مراقبہ ہے، دل کے حال کو دیکھنا کہ اللہ کے ماسوا کوئی چیز اس میں نہ آئے یہ بھی مراقبہ ہے اور اس کے علاوہ اور بھی طریقے ہیں۔ جن کی اہلِ سلوک تلقین فرماتے ہیں۔

[۲] مراقبہ کے طریقہ سے وزارت کے مرتبہ اور ملک و ملکوت یعنی عالم سفلی و علوی میں تصرف کے درجہ کو پہونچ سکتا ہے۔ (۳، ۴، ۵ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

از ملکہ مراقبہ دوام جمعیت خاطر و دوام قبول دلہا حاصل است و این معنی جمع و قبول نامند۔

ملکۂ[1] مراقبہ سے جمعیت[2] خاطر کا دوام اور دلوں کا دوام قبول حاصل ہے۔ اور دونوں کیفیتوں اور نسبتوں کو مشائخ کرام جمع و قبول کا نام دیتے ہیں۔

عزیزاں را رحمہ اللہ تعالیٰ سوال کردند از ذکر علانیہ فرمودہ اند باجماع علماء در نفس آخیر بلند گفتن و تلقین کردن جائز است۔ درویش راہر نفسے نفس اخیر ست

خواجہ عزیزان علیؒ سے لوگوں نے ذکر علانیہ (ذکر جہری) کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، آخری سانس میں اونچی آواز سے کہنا اور تلقین کرنا باجماع علماء جائز ہے۔ اور ہر سانس درویش کا آخری سانس ہے۔

وفات: حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ قدس اللہ تعالیٰ نے عشاء کی نماز کے بعد بدھ کی شب میں ۲۰ رجب ۸۰۲ھ میں وصال پایا۔ آپ کا روضۂ مطہرہ نوچغانیاں کے گاؤں میں ہے۔

۳۵۱ حضرت خواجہ محمدؒ پارسا قدس اللہ سرّہ العزیز

ان کا نام محمد بن محمد بن محمود الحافظ البخاری قدس اللہ سرّہٗ ہے۔ یہ بھی حضرت خواجہ کلاں قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ کے اکابر اصحاب سے ہیں۔ حضرت خواجہ نے اپنے اصحاب کی موجودگی میں انہیں مخاطب کر کے فرمایا، خاندان خواجگان قدس اللہ اسرارہم کے خلفائے جو حق اور جو امانت اس فقیر کو پہونچی ہے۔ نیز فقیر نے جو کچھ اس راستہ میں کمایا ہے وہ امانت بھی تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ جس طرح دینی بھائی مولانا عارف (ریوگردی) نے ہم کو سپرد کی تھی۔ قبول کیجیے اور اس امانت کو خلق حق سُبحانہٗ کو پہچانی چاہیئے۔ خواجہ

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ) [3] دلوں کے اندرونی خیالات پر آگاہی کو اشراف کہتے ہیں [4] بخشش کی نظر کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو کوئی حالت بخش دینا اور کوئی کمال کسی کو دے دینا۔ [5] یعنی جو کوئی طریقہ کے مطابق ہر وقت مراقبہ میں رہے گا اس سے مذکورہ کمالات ظاہر ہوں گے

[1] یعنی ہمیشہ مراقبہ کی حالت میں رہنے کے اندر جب رسوخ اور پختگی آجاتی ہے تو خود کو اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل کو ہمیشہ جمعیت اور یکسوئی رہتی ہے اور سلیم الطبع لوگوں کے دلوں میں اُسے ہمیشہ کے لیے قبولیت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کیفیت کو جمع اور قبول کہتے ہیں۔ ملکہ انسان کی وہ کیفیت راسخہ ہے جو اس سے جُدا نہ ہو۔ اگر کوئی کیفیت آتی ہے اور چلی جاتی ہے تو اس کو حال کہتے ہیں۔ مسکین نے اپنی ہوش میں اس نسبت سے مالا مال جن بزرگوں کی زیارت کی ہے وہ یہ ہیں: (۱) حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنیؒ (۲) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۳) اپنے شیخ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ (۴) اور حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ (۵) اور اپنے قبلہ حضرت مولانا عبد الغفور العباسی المدنی نوّر اللہ مراقدہم اور موجودہ وقت میں اپنے استاد حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث مہاجر مدنی دامت برکاتہم

[2] جمعیت خاطر یہ ہے کہ دل کو یکسوئی حاصل رہے۔ اس پر وساوس و خیالات کا نہ ہجوم ہو اور نہ ٹھہراؤ ہو۔ اور دلوں کا دوام قبول یہ ہے کہ جو لوگ سلیم الطبع ہوتے ہیں ان کے دل ان حضرات کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

محمد پارسا نے تواضع کی اور قبول کیا۔ خواجہ نے اپنی آخری بیماری کے اندر اپنے احباب کی موجودگی میں جب کہ خواجہ پارسا اس مجلس میں موجود نہ تھے، تواضعاً یعنی کسرِ نفسی سے فرمایا، ہمارے ظہور کا مقصد اس کا وجود ہے۔ مَیں نے طریقۂ جذب اور طریقۂ سلوک دونوں میں اس کی تربیت کی ہے۔ اگر وہ مشغول رہے گا یعنی سلسلہ کی خدمت کرتا رہے گا تو ایک جہان اس سے منوّر اور روشن ہوگا اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور موقعہ پر نظر کرم سے خواجہ محمد پارسا کو صفت برخ[1] عنایت فرمائی اور برخ رضی اللہ عنہ کا قصہ کتاب "قوتُ القلوب" میں مذکور ہے۔ اور دوسرے موقعہ پر آپ نے اُن کو نظر کرم کے ساتھ نَفَس[2] بخش دیا۔ یہاں تک کہ جو کچھ وہ کہہ دیتے تھے وہ ہو جاتا تھا ایک اور موقع پر خواجہ بزرگ نے یہ فرمایا، جو کچھ یہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے۔ صحیح حدیث" اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ لَاَبَرَّ؛ کے قاعدہ پر یعنی

---

[1] صفتِ بُرخ کا مطلب یہ ہے کہ بُرخ ایک مستجاب الدعوات آدمی تھا۔ اس کی صفت سے مراد یہ ہے کہ اس کی دعا بھی اسی طرح قبول ہو جایا کرے گی جس طرح بُرخ کی دعا قبول ہو جاتی تھی۔

[2] نفس سے مراد سانس اور طریقہ وطرز کے معنی بھی کرتے ہیں۔ یعنی حضرت شیخ نے خواجہ پارسا کو وہ سانس یا وہ طریقہ بخش دیا کہ اُن کی زبان سے جو نکلے پورا ہو جاوے۔
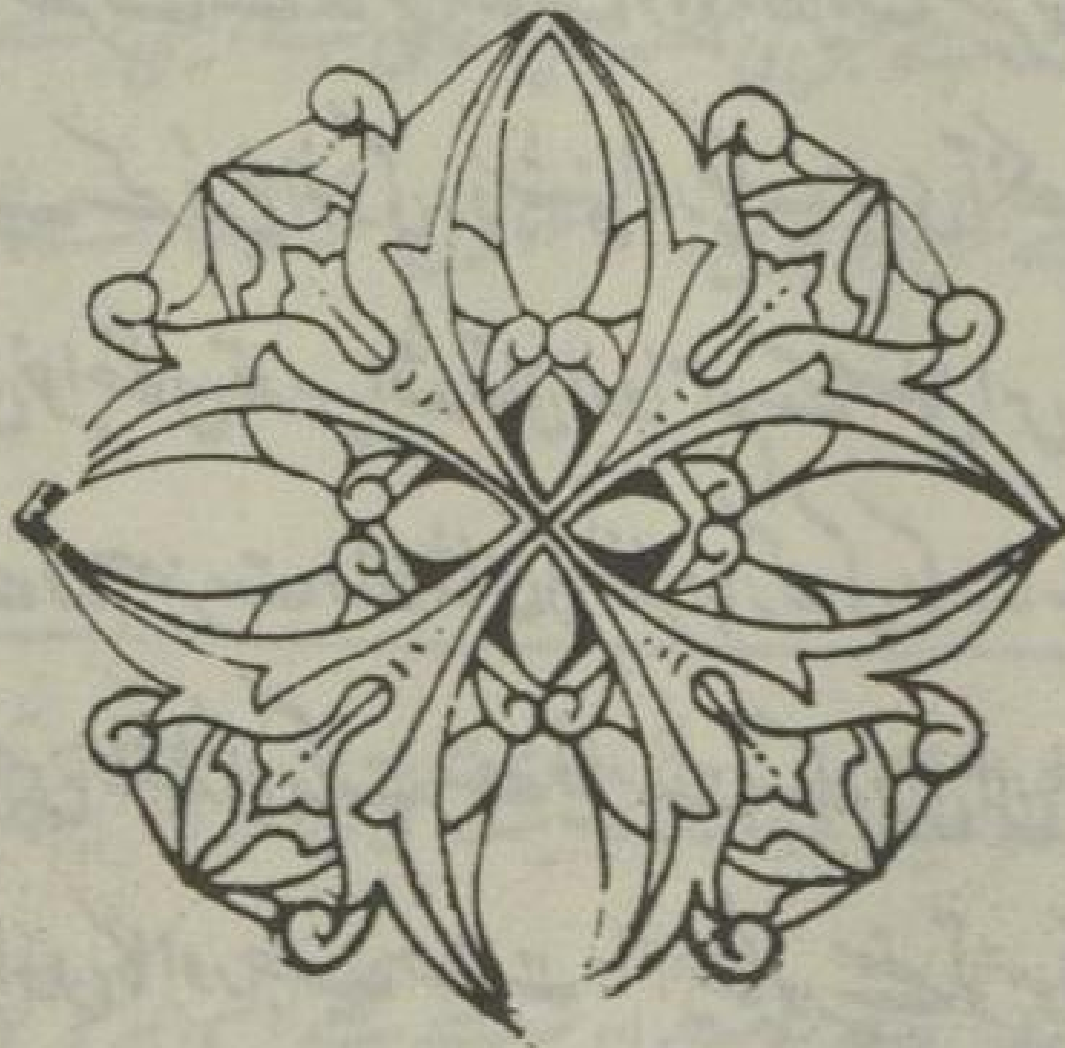
خداوند تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ کسی کام میں خداوند تعالیٰ کو قسم دیں[عہ] تو اللہ سبحانہٗ اس کی قسم کو سچا کر دیتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کر تو کہہ یہ نہیں کہتا۔ اور حضرت خواجہ نے ایک اور موقعہ میں اُن کو ذکرِ خفیہ کی تلقین فرمائی اور حضرت خواجہ نے فرمایا: آدابِ طریقت کے حقائق اور دقائق جو بھی تم جانتے ہو اُن کے بموجب تم کو عمل کرنے اور دوسروں کو تعلیم دینے کی اجازت دیتا ہوں اور اس کے علاوہ خواجہ بزرگ نے ان کو جو کرامتیں بخشی ہیں نہ وہ گنی جائیں گی نہ اُن کا احاطہ ہو سکے گا۔

حضرت خواجہ محمد پارسا جب محرم ۸۲۲ھ میں بیت اللہ الحرام کے طواف اور اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی زیارت کی نیت کر کے بخارا سے باہر آئے اور زیارت متبرکہ کی تلاش و تحقیق کے لیے نَسَف کے راستہ سے صغانیان، بلخ، ترمذ، ہرات کیلئے رَوانہ ہوئے تو سب جگہ کے سادات اور مشائخ اور علماء نے آپ کی تشریف لانے کو غنیمت شمار کیا اور پورے اکرام و اعزاز کے ساتھ اُن سب نے ملاقات کی۔ خیال[عہ] میں آتا ہے کہ حضرت خواجہ محمد پارسا جب جام کی ولایت سے گزرے اور اندازہ ہوتا ہے کہ وہ وقت سال ۸۲۲ھ کی جمادی الاوّل کی آخری تاریخیں ہوں گی یا جمادی الآخر کی پہلی تاریخیں۔ اس فقیر[عہ] کے والد نیازمندوں مخلصوں کی کثیر جماعت کے ساتھ آنحضرت کی زیارت کے لیے باہر آگئے تھے اور اس وقت میری عمر پانچ سال کی پُوری نہ ہوئی ہوگی۔ میرے والد نے اپنے متعلقین میں سے ایک شخص کو کہا کہ مجھے کندھے پر بٹھا کر آپ کی اس ڈولی کے سامنے رکھیں۔ جس کے چاروں کھونٹیں اَنوار سے روشن ہو رہی تھیں۔ ڈولی کے چاروں کونے ذکرِ الٰہی کے انوار سے منوّر تھے) حضرت نے مجھ پر التفات فرمایا اور ایک سیر کرمانی مصری عطا فرمائی اور آج اس واقعہ کو ساٹھ سال ہو چکے ہیں۔ اب تک آپ کے رُخِ انور کی روشنی اور چمک میری آنکھوں میں ہے اور دیدار مبارک کی لذت میرے دل میں موجود ہے اور یقیناً خاندان خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کے متعلق اس فقیر کو اخلاص و اعتقاد اور ارادت و محبت کا جو رابطہ یعنی دلی تعلق موجود ہے وہ حضرت والاشان کی نظرِ مبارک کی برکت سے ہوا ہوگا۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور اُس کے احسان سے اس رابطہ کی برکت سے قیامت کے دن ان حضرت سے محبت کرنے اور اُن سے اخلاص رکھنے والوں کے زُمرہ میں اٹھایا جاؤں گا اور جب حضرت والا نیشاپور پہنچے تو ہوا کی حرارت اور راستہ کے خوف کی وجہ سے اصحاب کے درمیان باتیں ہونے لگیں اور ہم سفر یعنی ساتھیوں کے ارادہ میں کچھ فتور (کم ہمتی) واقع ہوگئی، تو حضرت والا

عہ حق تعالیٰ کو قسم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تیرے حق کی قسم تو یہ کام کر دے یا اس مہم مقصد اور مشکل کی کفایت کر، تو اللہ تعالیٰ اس کی اس مہم کی کفایت کرتا ہے اور اس کا کام بنا دیتا ہے۔

عہ فقیر سے مراد حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ سرّہٗ ہیں۔

نے مولانا جلال الدین رُومی کے دیوان کو فال کے لیے کھولا تو یہ اشعار نکلے۔ بیت

روید اے عاشقاں بحق باقبال

رواں باشید ہمچو مہ بسوئے برج مسعودی

مبارک باد تا ایں رہ بہ توفیق و امان اللہ

بہر شہرے و ہر جائے بہر دشتے کہ پیمودی

ترجمہ:۔ اے حق کے عاشقو! ابدی خوش بختی کے ساتھ سفر کے لیے روانہ ہو۔ چلتے رہو جیسے کہ چاند بُرج مسعودی میں چلتا ہے۔ آپ لوگوں کو یہ راہ مبارک ہو۔ ہر شہر اور ہر جگہ اور ہر جنگل کو اللہ کی امان اور توفیق کے ساتھ قطع کرو۔

اور یہاں سے اہلِ بخارا کے لیے یہ خط لکھایا:

باسمہٖ سبحانہٗ۔ جس دن یہ خط لکھا گیا۔ وہ جمادی الآخر کی گیارہ تاریخ ۸۲۲ھ اور وہ دن ہے۔ جس میں صحت و سلامتی و سکون و مسرّتوں کے حال میں اور اللہ ذکرجلّ ذکرہٗ کے فضل و اکرام پر پورے اعتماد اور فضل لاتناہی کے فیضان پر حسبِ اشارات و بشارات کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فال لیتے اور جانور اُڑنے پر بدفالی و شگون نہ لیتے تھے۔ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے، کہ نبوّت میں سے میرے بعد سوائے مُبشّرات کے جن کو مومن دیکھے گا یا اس کو دکھایا جائے گا اور کچھ باقی نہیں رہے گا۔ یہ وہ حدیث ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے، یعنی اسے ہر کوئی تسلیم کرتا ہے۔ قوّتِ قلب اور قوّتِ یقین کے ساتھ میں نیشاپور سے نکل رہا ہوں۔ مسلمانوں کے سارے شہر آفتوں، بلاؤں اور خطروں سے محفوظ رہیں۔

ا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَفَاءَلُ وَلَا يَتَطَيَّرُ ۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فال لے لیتے تھے اور پرندہ کے اُڑنے پر شگون نہ لیتے تھے کہ کسی چیز کو منحوس خیال کریں۔ جیسے بعض عرب بعض جانوروں کے اُڑنے کو منحوس خیال کرتے تھے۔

۲ لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ يَرَاهَا الْمُؤْمِنُ اَوْ يُرٰى لَهٗ وَهٰذَا حَدِيْثٌ مُتَّفَقٌ عَلٰى صِحَّتِهٖ۔

(اور اس حدیث کی صحت پر محدثین متفق ہیں)

شعر:۔ • یَا نَبِیَّ الْهُدٰی حَدِیْثُکَ غَوْثِیْ
• وَ اِعْتِصَامِیْ بِبَابِکُمْ وَ الْتِجَائِیْ

ترجمہ:۔ اے ہدایت کے پیغمبر آپ کی صحیح حدیث میری فریاد رَس ہے۔ اور آپ کی چوکھٹ پر میرا اعتصام[1] ہے اور آپ کا دروازہ میری اُمیدوں اور آرزوؤں کی جگہ ہے۔

اور جب صحت و عافیت، سلامتی اور خوشحالی کیساتھ مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور ارکانِ حج پورے کر چکے تو حضرت خواجہ ایسے بیمار ہوئے کہ طواف و وداع ڈولی میں بیٹھ کر کیا۔ پھر یہاں سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں اپنے ہمراہیوں کو طلب فرمایا اور یہ لکھوایا[2]۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفتہ کے دن تاریخ ۱۹ ذوالحج ۸۲۲ھ۔ چاشت کے وقت جب ہم مکہ مکرمہ سے (اللہ تعالیٰ اس کی قدر کو بڑھائے اور اس کی برکتوں میں اضافہ عطا فرمائے) فارغ ہو کر واپس آرہے تھے اور ہم قافلہ کے ساتھ چل رہے تھے۔ میں سونے اور جاگنے کی حالت میں تھا۔ سیّد الطائفہ جنید قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ میرے پاس آئے۔ پھر اُنہوں نے (اللہ تعالیٰ اُن سے راضی رہے) اپنی بشارت اور زیارت کے حال میں کہا، اَلْقَصْدُ مَقْبُوْلٌ۔ تیرے حج کا قصد قبول کر لیا گیا ہے۔ یعنی جس نیّت کے ساتھ تو حج کے لیے روانہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو قبول کر لیا ہے۔ مَیں نے اُس کی بات کو یاد کر لیا اور مجھے اس سے خوشی ہوئی۔ پھر میں اس حالت سے (جو سونے اور جاگنے کے درمیان تھی) ہوشیار ہو گیا۔ اس حال پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس کی تعریف کرتا ہوں۔ اور ان کلمات کے بعد کچھ اور کلمے بھی عربی میں تحریر کرائے جن کا ترجمہ یہ ہے یہ ایک کلمہ جو سیّد الطائفہ کی زبان مبارک پر جاری ہوا ہے۔ یہ کلمہ جامع بھی ہے (یعنی سب کو جمع کرنے والا ہے) اور کامل بھی ہے اور ایسی خوشخبری ہے، جو ہم کو، ہماری اولاد کو، ہمارے اصحاب و احباب، حاضر و غائب سب کو شامل ہے۔ اس لیے کہ ہمارا مقصد اور میری نیّت مشاعرِ عظام[3] اور اُن دعاؤں میں جو ہر موقف[4] اور ہر مقام میں کی گئیں ہیں۔ سب کی دینی و دنیاوی مصلحتیں اور

---

[1] کسی کے پلّہ کو مضبوط پکڑ لینے کو اعتصام کہتے ہیں اور التجا کے معنٰی آرزو اور امید کے ہیں۔

[2] اصل مضمون عربی میں ہے۔ فقیر نے اس کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ شائقین اصل عبارت کو نفحات الانس میں حضرت خواجہ محمد پارسا کے عنوان میں مطالعہ فرمائیں۔ [3] مشاعرِ عظام حاجیوں کی قربانیوں اور عبادات کے مقام جیسے منیٰ، مزدلفہ۔ [4] موقف ٹھہرنے کی جگہ یعنی عرفات کا میدان جو کہ مکہ مکرمہ سے ۶ کوس پر ہے۔

بھلائیاں تھیں اور وہ قصد اس بشارت کے لحاظ سے قبول کے ساتھ پیوستہ ہو چکا ہے۔" وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ طَیِّبًا مُبَارَکًا یُوَافِیْ نِعَمَہٗ وَیُکَافِیْ مَزِیْدَہٗ[1] اور بدھ کے روز ۲۳ ذالحج کو مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے بشارتیں اور خوش خبریاں پائیں اور لکھے ہوئے اس مسوّدہ کو طلب فرمایا، تاکہ اس میں اضافہ کریں۔ جب مطالعہ فرما چکے تو فرمایا، وہی ہیں۔ مزید اور کچھ نہیں لکھایا اور جمعرات کے دن رحمتِ حق کی ہمسائیگی میں پہونچ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مولانا شمس الدین فناری رومی اور قافلہ والوں اور اہلِ مدینہ نے حضرت پر نمازِ جنازہ گزاری اور جمعہ کی شب میں اس منزلِ مُبارک میں نزول فرما رہے۔ جس میں مقیم تھے۔ پھر امیر المؤمنین حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قُبّۂ شریفہ کے قرب میں حضرت والا کو دفن کیا گیا۔ اور جناب زین الدین الخوافی رحمۃ اللہ تعالیٰ مصر سے ایک سفید پتھر بنوا کر لائے اور اس کو حضرت کی قبر کی لوح بنا دیا۔ تاکہ اس پتھر کے ساتھ آپ کی قبرِ مُبارک دُوسری قبور سے نمایاں اور ممتاز رہے۔ خواجہ محمد پارسا کے صاحبزادہ خواجہ برہان الدین ابو نصر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خاص معتبر آدمی نے خواجہ ابونصر کے حوالہ سے یہ بیان کیا کہ خواجہ برہان الدین ابو نصر نے یہ فرمایا، جس وقت میرے حضرت والا وفات پا رہے تھے۔ مَیں اُن کے سرہانے موجود نہ تھا۔ جب حاضر ہوا۔ اُن کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا، تاکہ زیارت کروں۔ حضرت خواجہ نے آنکھیں کھولیں اور تبسّم فرمایا، میری بے چینی اور بے قراری زیادہ ہو گئی۔ مَیں حضرت کے قدموں کی طرف آیا۔ اپنا مُنہ آپ کے کفِ پا یعنی تلووں پر رکھا، تو اُنہوں نے اپنا پاؤں اُوپر کو کھینچ لیا۔ اور جب اکابرِ عجم میں سے بعض اکابر[2] کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مدینہ میں انتقال فرمایا، تو اُس نے یہ کہا:۔ ہم آنجا بازید[3] کہ از اینجا تا زید اُسی جگہ پا را جہاں سے دوڑا۔

حضرت خواجہ کے مریدوں و معتقدوں میں سے ایک مرید کہتا ہے کہ جب حضرت خواجہ نے حجاز کا عزم فرمایا، تو وداع کے وقت مَیں نے کہا، "خواجہ شما رفتید؟ فرمودند۔ رفتیم۔ رفتیم" حضرت آپ جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہم چلے، ہم گئے۔

---

[1] اور تعریف اللہ کے لیے ہے ایسی تعریف جو پاکیزہ ہو۔ برکت والی ہو اور اس کی ساری نعمتوں کو شامل ہو جاوے اور اس کی مزید نعمتوں کی مکافات کر دے۔ [2] بعض اکابرِ عجم سے مُراد سیّد نعمت اللہ رحمۃ اللہ ہیں۔

[3] بازید یائے معروف کے ساتھ، پاؤں پھیلائے یعنی اُس نے وہاں پیر پسار دیے۔ جہاں سے اُس نے دوڑ لگائی، یعنی جس کی نسبت سے چمکا۔ ان کے پاس جا کر روپوش ہو گیا۔

حضرت خواجہ قدس اللہ روحہٗ کے وہ قیمتی اور بابرکت ارشادات جو انہوں نے اپنے کسی مرید کو لکھے تھے :

این فقیر دائماً نگران احوال ظاہری و باطنی شمامی باشد وعلی الدوام بہ نسبت آں برادر منتظر نظرات بے علت الہٰی می بود۔ سید الطائفہ جنید قدس سرہٗ فرمودہ است: اِنْ بَدَتْ عَیْنٌ مِنَ الْکَرَمِ اَلْحَقَتْ السَّابِقِیْنَ[1] بِالاَحِقِیْنَ

یہ فقیر تمہارے ظاہری و باطنی حالات کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتا ہے اور بھائی ہمیشہ آپ کی بابت خداوند تعالیٰ کی بے وجہ اور بے سبب عنایات کا منتظر رہتا ہے۔ سیّد الطائفہ جنید قدّس سرّہٗ نے فرمایا ہے اگر کرم والے کی نظرِ کرم ظاہر ہو جاوے تو پیچھے آنے والوں کو پہلے والوں کے ساتھ ملا دیتی ہے[1]

اور اس کے باوجود بزرگانِ دین کے نزدیک اصل معتبر اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کوشش کو نہ چھوڑے اور اُس کی عنایات کا منتظر رہے۔ اور اس کے کرم کا اُمّیدوار رہے۔

اور ہمارے حضرت خواجہ قدّس اللہ روحہٗ سے لوگوں نے پوچھا کہ :

طریقت بچہ توان یافت گفت بہ تَشَرُّع بَعْدَ المحافظۃِ عَلَی الاَمْرِ الْوَسَطِ فِی الطَّعَامِ لَا فَوْقَ الشَّبْعِ وَلَا الْجُوْعِ الْمُفْرِطْ

طریقت کیونکر حاصل کی جا سکتی ہے ؟ آپ نے فرمایا ، باشرع بننے سے یعنی شرع کے احکام کی تعمیل کرنے کے بعد۔ امرِ الٰہی کی حفاظت و اہتمام کے بعد اہم چیز یہ ہے کہ کھانے میں طریق وسط یعنی میانہ رُوی کو پیشِ نظر رکھے۔ نہ بھوک سے زیادہ کھائے اور نہ زیادہ بھوکا رہے[2]۔ اور اعتدال مزاج کے[3] مطابق سونے کو کم کرنے کی کوشش

---

[1] سابقین سابق کی جمع ہے ، جس کے معنی پیچھے رہنے والا۔ لاحقین لاحق کی جمع جو پہلے سے ملے ہوتے ہوں۔ جیسے مسبوق اس نمازی کو کہتے ہیں جو نماز کی ایک رکعت یا زیادہ کے بعد شریک نماز ہو اور لاحق اس نمازی کو کہتے ہیں جس نے امام کے ساتھ شروع سے نماز پائی ہو مطلب یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم کسی پر پڑ جاتی ہے ، تو اس کے باوجود اعمال و محنت کے حساب سے وہ پیچھے ہے ، مگر اللہ کی نظرِ کرم اس کو ان لوگوں سے ملا دیتی ہے۔ جو اعمال اور محنتیں کر کے اللہ کا قُرب حاصل کر چکے ہیں۔ قرآنِ پاک میں ہے :
اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا خاص بنا لیتا ہے اور اپنی طرف اُس کو راہ دیتا ہے جو اس کی طرف انابت کرتا ہے۔

[2] یعنی نہ بھوک سے زیادہ کھائے ، کیونکہ یہ فیض کے راستوں کو بند کر دے گا اور نہ زیادہ بھوکا رہے کہ یہ طبیعت کو ضعیف ، مزاج کو کمزور اور مرید کو بے قوت بنا دے گا۔ کہتے ہیں کھانے میں فرشتہ صفت ہونا چاہیئے کہ نہ وہ سیر ہیں نہ بھوکے ہیں۔

[3] یعنی سونے میں اعتدال کے ساتھ کمی کرنا۔ نہ زیادہ سونا نہ زیادہ جاگنا کہ دونوں اس میں نقصان دہ ہیں۔

کرنا۔ علی الخصوص، احیاء بین العشائین "مغرب و عشاء کے درمیانی وقت کو اللہ کی یاد میں زندہ رکھنا اور صبح صادق سے پہلے رات کے وقت یادِ الٰہی میں گزارنا، اس طریقہ پر کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو[1] اور خود رفتن میں توجہ کرنا اور نفی خواطر میں خصوصاً حال، ماضی اور مستقبل کے متعلق آرزوؤں کو دل سے دُور رکھنے میں اہتمام کرنا[2] ایک موثر ست فِیْ رَفْعِ الحُجُبِ عَنِ القَلْبِ - دل سے پردوں کے اُٹھ جانے میں اچھی، مؤثر اور کامیاب تدبیر ہے۔

"اِذا سَکَتَ اللِّسَانُ عَنْ فُضُوْلِ الکَلَامِ نَطَقَ القَلْبُ مَعَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَاِذا نَطَقَ اللِّسَانُ سَکَتَ القَلْبُ

جب فضول باتوں سے زبان خاموش رہتی ہے تو دل حق سبحانہٗ کے ساتھ بات کرتا ہے اور جب زبان بولتی ہے، تو دل چُپ رہتا ہے۔

وَالصَّمْتُ عَلٰی قِسْمَیْنِ صَمْتٌ بِالقَلْبِ عَنْ خَوَاطِرِ الاَکْوَانِ فَمَنْ صَمَتَ لِسَانُہٗ وَلَمْ یَصْمُتْ قَلْبُہٗ خَفَّ وِزْرُہٗ وَمَنْ صَمَتَ لِسَانُہٗ وَقَلْبُہٗ ظَھَرَ لَہٗ سِرُّہٗ وَتَجَلّٰی لَہٗ رَبُّہٗ عَزَّ وَجَلَّ وَمَنْ لَمْ یَصْمُتْ بِلِسَانِہٖ وَلَا بِقَلْبِہٖ کَانَ مَمْلِکَۃً لِّلشَّیْطَانِ وَسُخْرَۃً لَّہٗ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ وَمَنْ صَمَتَ قَلْبُہٗ وَلَمْ یَصْمُتْ بِلِسَانِہٖ فَھُوَ نَاطِقٌ بِلِسَانِ الحِکْمَۃِ سَاکِتٌ عَنْ فُضُوْلِ الکَلَامِ رَزَقَنَا اللّٰہُ

اور خاموش رہنا دو قسم پر ہیں۔ ایک زبان کا خاموش رہنا دوسرے دل کا خاموش رہنا مخلوقات کے خیالات و خطرات سے ہے۔[3] پھر جس آدمی کی زبان خاموش ہوگئی، لیکن اس کا دل خاموش نہیں ہوا۔ اس کا بوجھ ہلکا ہوا۔ اور جس کی زبان خاموش رہی اور اس کا دل بھی خاموش رہا تو اس پر اس کی حقیقت ظاہر ہوگئی اور اس کا رب عزّوجل اس پر تجلّی فرمائے گا اور جو شخص نہ اپنی زبان سے خاموش رہا نہ اپنے دل سے، تو وہ شیطان کا محل تصرّف اور اسکے تابع ہوگا۔ جیسے وہ نچائے گا ناچے گا اور جو کچھ اُس سے کرانا چاہے گا کرائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس حال سے بچائے اور اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ اور جس شخص کا دل خاموش رہا، مگر وہ اپنی زبان سے خاموش نہ رہا، تو وہ

---

[1] یعنی کسی کو نہ اس کے شغل کی خبر ہو، نہ عبادت کی، بلکہ رات کی عبادات کو خاص کر چھپانے کی نیت رکھے۔ نیت کے باوجود اگر ظاہر ہو جائے تو نقصان نہیں ہوگا۔

[2] یعنی دل میں یہ خیال آنا کاش! ایسا ہو جائے یا ایسا ہو گیا ہوتا یا آئندہ یہ ہو جائے۔ اس قسم کے خیالات کے آنے سے دل کی حفاظت کرے اگر آتے ہوں تو ٹھہرنے نہ دے۔ اگر ایسا نہ کرے گا یعنی ان خیالات کی روک تھام نہ کرے گا تو دل کے حجابات دُور نہ ہوں گے۔ [3] صوفیاء کی اصطلاح میں دل کا خاموش ہونا یہ ہے کہ اس کے اندر نہ مخلوق کے نقشے رہیں نہ اس کے اندر مخلوق

(باقی آگے)

تَعَالیٰ ذٰلِکَ بِفَضْلِہٖ وَکَرَمِہٖ" اپنی زبان سے حکمت کی باتیں بولے گا یعنی دل میں اُترنے والی گفتگو کریگا اور ذہنوں کو بدلنے والا کلام کرے گا۔ فضول اور لغو کلام سے خاموش رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں یہ حال نصیب کرے۔

خواجہ ابونصر پارسا رحمۃ اللہ تعالیٰ خواجہ محمد پارسا کے بعد اُن کے شجرہ طیبہ کے پھل ہوئے۔

۳۵۲۔ حضرت خواجہ حافظ الدّین ابونصر محمد بن محمد ابن محمود الحافظی البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۸۶۵ھ

شرعی علوم اور طریقت کے دستور و رسموں کا پایہ اُنہوں نے اپنے والد تک پہنچا دیا تھا۔ "نفی و نبودؔ اور بذل موجود" میں کام کو اپنے والد سے آگے بڑھا دیا۔ اور حال کے چھپانے اور تلبّسؔ میں ایسے تھے کہ اُن سے کبھی یہ ظاہر نہ ہوتا تھا کہ اُنہوں نے اس راہ میں قدم رکھا ہے اور اس جماعت کے علوم ہی نہیں، بلکہ باقی علوم میں سے بھی یہ کچھ جانتے ہیں۔ اگر اُن سے کوئی مسئلہ پوچھتے تو فرماتے، کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جب کتاب کھولتے یا تو وہی مقام نکلتا جہاں وہ مسئلہ موجود ہوتا یا ایک دو ورق آگے پیچھے ہوتے۔ اس سے کم پیچھے یا آگے نہ کرتے۔ ایک دن اُن کی مجلس میں شیخ محی الدّین ابن العربی اور اُن کی تصنیفات کا ذکر چلا، تو انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا کہ حضرت فرماتے تھے کہ فصوصؔ جان ہے اور فتوحات دل اور یہ بھی فرماتے تھے کہ جو کوئی فصوص الحکمت کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہے اس کے لیے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا ارادہ اور آنحضرت کی تابعداری کا جذبہ قوی ہوجاتا ہے۔

۳۵۳۔ حضرت خواجہ حسن عطّار رحمۃ اللہ تعالیٰ

متوفی شب دوشنبہ، عیدِ قربان ۸۲۶ھ۔ آپ حضرت خواجہ علاء الدّین کے فرزند اور ان کی ولایت کے درخت کا پھل ہیں۔ جذبۂؔ قوی رکھتے۔ جذبہ کی صفت کے ساتھ جس کسی میں چاہتے اور جس وقت چاہتے تصرّف کر دیتے تھے اور اس کو حضور و شعور

(صفحہ گزشتہ سے آگے) کی طلب رہے، بلکہ اس میں صرف ذات کی یاد اور اس کی طلب و تڑپ موجود ہو۔

لہ نفی و نبود کا مطلب فنا اور بے نشان ہونا ہے اور بذل موجود جو کچھ پاس ہوتا تھا اُس کے خرچ کرنے اور اس کی سخاوت کرنے میں اپنے والد سے بڑھ کر تھے ۔ ؎ یعنی اپنا حال چھپانے اور اپنی بزرگی کو مشتبہ بنانے میں ۔ ؎ فصوص کو جان کہا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نے فتوحات پر فصوص کو فضیلت دی ہے اور یہ کہ حضرت خواجہ فتوحات سے اس کو اچھا جانتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ اجمال و تفصیل کی رعایت سے فرمایا ہو، کیونکہ جان مرتبہ اجمال میں ہے اور دل مرتبہ تفصیل میں۔

؎ جذبہ کے معنی کشش اور مجازاً قلبی کشش کو کہتے ہیں۔

کے مقام سے نکال کر بے خودی اور بے شعوری کی کیفیت میں پہونچا دیتے تھے اور ذوق[1] و غیبت اور فنا کی کیفیت جو بعض ارباب سلوک کو بہت سے مشاہدوں کے بعد شاذ و نادر ہی میسر ہوتی تھی۔ اس کو حضرت خواجہ حسن عطار ایک توجہ میں چکھا دیا کرتے تھے اور سارے ماوراءالنہر اور خراسان کے علاقہ میں ان کے تصرّف[2] کی تاثیر طالبین اور زائرین میں اچھی طرح مشہور تھی۔ اور جو شخص بھی آپ کے دست شریف کے بوسہ سے مشرف ہوتا تھا زمین پر گر پڑتا اور غیبت و بے خودی کی دولت سے مالامال ہو جاتا تھا۔ اور سُننے میں یہ بھی آیا ہے کہ ہم ایک دن صبح صبح گھر سے باہر نکلے اور اُن پر خاص کیفیت کا غلبہ تھا۔ جس کسی کی بھی اُن پر نظر پڑتی سب پر بے خودی کی کیفیت ظاہر ہوتی اور بے خود ہو کر گر پڑتا تھا۔ درویشوں میں سے ایک درویش سفر مبارک کے ارادہ سے ہرات میں پہونچا۔ جذبہ کے آثار اور غیبت و بے خودی اور حیرانی اس سے ظاہر تھی۔ کبھی بازاروں میں سے گزرتا تھا، تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کو کسی باطنی امر نے پکڑ رکھا ہے اور مخلوق کے آنے جانے اور ان کی گفت و گوئی کا کوئی شعور نہیں رکھتا۔ اس سلسلہ کے ایک بزرگ[3] جن کی خدمت میں یہ فقیر پہنچا تھا۔ فرماتے تھے کہ اس درویش کا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ وہ ہر وقت خواجہ حسن کی صورت کا مراقبہ[4] رہتا ہے اور ہر وقت اس پر نظر رکھتا ہے[5]۔ اور اس نگہداشت اور تصوّر کی برکت سے خواجہ حسن کی جذبہ کی صفت اس میں سرایت[6] کر گئی ہے اور جیسے کہ خواجگان کا طریقہ ہے خواجہ حسن عطار گاہے بزیر بارِ بیماراں درمی آمدہ اند و بیماریٔ ایشاں بر می داشتہ اند۔ کبھی بیماروں کے بوجھ تلے آ گئے ہیں اور اُن کی بیماری کو اپنے اُوپر اٹھا لیا ہے۔

جس وقت سفر مبارک کے عزم سے آپ شیراز میں پہونچے۔ یہاں کے اکابرین سے ایک شخص جس کو آپ کے ساتھ ارادت و اخلاص کی نسبت تمام حاصل تھی۔ ایک مرض میں مبتلا ہو گیا اور حضرت خواجہ اُس کے بوجھ تلے آ گئے۔ یہ بزرگ تو صحتیاب

---

[1] ذوق کے معنیٰ مزہ چکھنا۔ چکھنے کی قوّت کو بھی کہتے ہیں۔ غیبت کے معنیٰ غائب ہونا، پوشیدہ ہونا۔ چھُپ جانا، مجازاً جُدائی اور مفارقت کے ہیں۔ یعنی اُسے کوئی خبر نہ رہے۔ فنا کے معنیٰ نیست و نابود ہو جانا۔ مراد بشریّت کی صفات کا زائل ہو جانا ہے۔

[2] تصرُّف کے معنیٰ دخل دینا۔ کسی شئے پر قابض ہونا، اس میں تغیّر و تبدُّل کرنا اور اس کے حال کو بدل دینا۔

[3] وہ بزرگ جن کا یہاں ذکر کیا گیا مولانا جلال الدین سبائی ہیں۔ بڑے فاضل اور محدث بزرگ تھے۔ ان کا مزار بھی شیراز میں حافظیہ کے قریب ہے۔ [4] یعنی ان کی صورت کا تصوّر رکھتا ہے۔

[6] سرایت کے معنیٰ اثر کرنا اور گھُس جانا جیسے برف پانی کو برف کی طرح بنا دیتا ہے اور آگ اس کو گرم بنا دیتی ہے۔

[5] یعنی ہر وقت ان کی صُورت کا تصوّر رکھتا ہے۔

ہو گیا اور خواجہ بیمار ہو گئے اور اسی مرض میں انتقال فرما گئے۔ آپ کا انتقال شب دوشنبہ ذی الحجہ ۸۳۶ھ میں ہوا۔ آپ کی نعش مبارک کو شیراز سے ولایت صغانیاں لے گئے جو آپ کے والد بزرگوار کا مدفن ہے۔

۲۵۴۔ حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمہ اللہ تعالیٰ

چرخ غزنین کے دیہات میں سے ایک گاؤں کا نام ہے۔ حضرة مولانا اصل میں اس گاؤں کے رہنے والے تھے۔ حضرت خواجہ علاء الدین عطّار کے اصحاب سے ہیں، بلکہ خواجۂ بزرگ قدّس سرّہٗ کے اصحاب سے ہوئے ہیں اور خواجۂ بزرگ کی وفات کے بعد خواجہ علاء الدین قدّس سرّہٗ کی خدمت میں پہونچے اور روایت کرنے والے مولانا یعقوب سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت مولانا فرماتے تھے۔ مَیں پہلی مرتبہ خواجۂ بزرگ قدّس سرّہٗ کی صحبت میں پہنچا، مَیں نے التماس کیا مجھے قبول کیجئے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا: مَا بخود کارے نمی کنیم امشب بہ بینیم اگر ترا قبول می کنند ما نیز قبول کنیم۔ ہم از خود کوئی کام نہیں کرتے۔ آج رات دیکھیں گے۔ اگر وہ تجھے قبول کر لیتے ہیں۔ ہم بھی قبول کر لیں گے۔

حضرت مولانا یعقُوب فرماتے تھے اس رات سے زیادہ سخت مجھ پر کوئی رات کبھی نہیں گزری تھی کہ ساری رات میں اس فکر میں رہا کہ: ایں دَر بر من بقبول بکشایند یا رَد کنند۔ کہ یہ دروازہ مجھ پر قبول کے ساتھ کھولتے ہیں یا رَد کر دیتے ہیں۔ جب صُبح کے وقت حضرت کے سامنے گیا۔ فرمایا کہ اُنھوں نے قبول کر لیا، لیکن تجھے خواجہ علاء الدین کی صحبت میں رہنا ہو گا۔ اس کے بعد میں بَدخشاں کے علاقہ میں رہا اور حضرت خواجہ بزرگ کے وصال کے بعد حضرت خواجہ علاء الدینؒ صغانیاں میں آئے اور اس مقام کو وطن بنا کر رہنے لگے، پھر اُنھوں نے میرے پاس ایک آدمی بھیجا کہ حضرت خواجہ نے فرمایا تھا کہ تو ہماری صحبت میں رہے گا اور جناب مخدومی ارشاد مآبی (میری ہدایت کی جگہ) خواجہ ناصر الدین عبید اللہ (اللہ تعالیٰ ان کے ارشاد و رہنمائی کے سایوں کو طلب کرنے والوں کے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے) مولانا یعقوب کی صحبت میں پہونچے ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا، مَیں ہرات میں تھا۔ دل چاہا کہ جناب مولانا یعقوب سے ملوں۔ صغانیاں کے علاقہ کی طرف روانہ ہوا۔ بڑی محنت اور بڑی مشقّت سے وہاں پہونچا۔ اور ان کی یعنی خواجہ عبید اللہ کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا راستہ یا اکثر راستہ اُنھوں نے پیدل طے کیا تھا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ جب میں مولانا کی صحبت سے مشرّف ہوا تو اُن کے چہرہ پر تھوڑی سی سفیدی[۲] تھی جو طبیعت کی نفرت کا موجب ہوتی تھی۔ اس ملاقات میں وہ میرے ساتھ سیاست اور سخت کلامی کے لباس میں ظاہر

[۱] مُراد حق تعالیٰ تک پہونچنے کا طریقہ بتانا اور اللہ سے ملنے کی تدبیریں کرنا۔
[۲] یعنی سفید داغ تھا جسے دیکھ کر مولانا کی طرف کشش و رغبت نہ ہوتی تھی۔

ہوتے اور اتنی سیاست ظاہر کی اور سخت کلامی کی کہ قریب تھا کہ میرا دل اُن سے پھر جائے اور میری عقیدت کٹ جائے اور مجھے اُن سے پوری طرح یاس و ناامیدی حاصل ہوئی اور میں بہت محزون و مغموم ہوا۔ جب دُوسری مرتبہ اُن کی مجلس شریف میں پہونچا تو مجھ پر ایسی محبوبی کی صفت میں ظاہر ہوئے کہ مَیں نے کبھی کسی کو ایسا محبوب نہ دیکھا تھا۔ میرے ساتھ بہت مہربانی اور لُطف سے پیش آئے اور جس وقت حضرت خواجہ یہ باتیں فرما رہے تھے تو وہ اس فقیر کی نظر میں ایک ایسے بزرگ کی صورت میں آگئے جن سے کہ میرا رابطۂ ارادت اور جس سے مجھے بے حد محبت دی تھی اور کچھ دن ہوئے تھے کہ وہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے تھے[1] اور اسی وقت اُنہوں نے اس صورت کا خلع کر دیا یعنی جس بزرگ کی صورت میں آگئے تھے اس کو چھوڑ دیا۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید وہ صورت میرے تصوّر میں اور خیال میں ہو گی۔ اس کے بعد میں نے ساتھیوں میں سے ایک سے سُنا کہ اُس نے بھی اس کا مشاہدہ کیا تھا اور فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ اس صورت کا چھوڑنا اور اس صورت میں آنا مولانا کے شعور یعنی علم اور اختیار سے تھا اور اس حقیقت کے اثبات کو لوگوں نے حضرت مولانا یعقوب سے نقل کیا ہے۔ سُننے میں یہ آیا ہے کہ حضرت مولانا نے فرمایا ہے۔ جو طالب اللہ کا چاہنے والا کسی عزیز کی صحبت میں آتا ہے اس کو خواجہ عبید اللہ کی طرح آنا چاہیئے کہ:

چراغ مُہیّاً ساختہ و روغن و فتیلہ آمادہ کردہ ہمیں کہ گوگرد سے بہ آں می باید داشت۔ چراغ تیار کیے ہوئے اور روغن اور بتی کو آمادہ کیے ہوئے کہ بس اس میں گندھک رکھنے کی ضرورت پڑے۔ یعنی ماچس دکھلانے اور دیوے کو روشن کرنے کی ضرورت باقی ہو۔ باقی سب کچھ مرید از خود کر کے آوے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا یعقوب اور شیخ زین الدین خوافی، مولانا شہاب الدین سیرانی کے پاس ہم سبق رہے ہیں۔ ایک دن لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ زین الدین واقعات یعنی حالات اور مشکلات کے حل اور خوابوں کی تعبیر میں مشغول رہتے اور اس باب میں پورا اہتمام رکھتے ہیں۔ مَیں نے کہا، ہاں ایسا ہی ہے۔ اس گھڑی وہ اپنے سے غائب ہو جاتے ہیں اور ان کا طریقہ یہی تھا کہ گھڑی گھڑی اپنے سے غائب ہو جایا کرتے تھے اور جب حاضر ہوتے یعنی ہوش میں آتے تو یہ بیت پڑھتے تھے:

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم — نہ شبم نہ شب پرستم — شب خواب گویم

---

[1] مراد مولانا سعد الدین الکاشغری قدس سرہٗ ہیں۔ [2] محزون کے معنی غمگین ہونا اور اُداس ہونا مغموم غم رسیدہ اور رنجیدہ ہونا مغموم اور محزون دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔

ترجمہ :۔ جب میں آفتاب کا غلام ہوں۔ سب کچھ آفتاب کی طرف سے کہتا ہوں۔ نہ میں شب ہوں نہ شب پرست ہوں کہ خواب کی باتیں کہوں۔

۳۵۵۔ حضرت خواجہ علاء الدین غجدوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

حضرت خواجہ عبید اللہ نے فرمایا کہ خواجہ علاء الدین غجدوانی خواجہ بزرگ کے اصحاب سے تھے اور حضرت خواجہ نے اُن کو حضرت خواجہ محمد پارسا کی صحبت میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ وہ استغراق تمام رکھتے تھے اور نہایت شیریں سخن تھے۔ یعنی بڑی میٹھی باتیں کہتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بات کرتے کرتے خود سے غائب ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ محمد پارسا سفر مبارک کے لیے نکل رہے تھے۔ اُن کو بھی ساتھ لے گئے۔ سمرقند کے اکابرین سے کسی بزرگ نے کہا ہے کہ میں نے حضرت خواجہ سے درخواست کی کہ خواجہ علاء الدین بہت کمزور اور بوڑھے ہو گئے ہیں۔ ان سے کوئی کام نہیں ہوتا، اگر ان کو اس سفر سے معذور رکھیں تو آپ کی عنایات سے بعید نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ ہم اس سے کوئی کام نہیں رکھتے ہیں سوائے اس کے کہ جب مَیں اس کو دیکھتا ہوں بزرگوں کی نسبت یاد آ جاتی ہے۔

۳۵۶۔ حضرت مولانا نظام الدین خاموش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت خواجہ علاء الدین عطار کے مریدوں میں سے تھے۔ خواجۂ بزرگ کو طالب علمی کے زمانہ میں ایک عالم کے پاس بخارا کے علاقہ میں دیکھا تھا اور اس کے بعد خواجہ علاء الدین کی صحبت میں پہونچے۔ حضرت خواجہ کی صحبت میں پہنچنے سے قبل طرح طرح کی ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہ چکے تھے اور تزکیۂ نفس اور تصفیۂ دل میں بہت کوشش کر چکے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں جب مَیں نے پہلی بار حضرت خواجہ علاء الدین کی صحبت میں جانے کا قصد کیا تو خواجۂ بزرگ کے اصحاب میں سے ایک صاحب[2] ان کے مکان کے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ جب اُس نے مجھے دیکھا تو کہا،

مولانا نظام الدین وقت شد کہ از زہدہا و پاکیزگیہائے خود بگذری آں بر خاطر من گراں آمد۔

مولانا نظام الدین اب وقت ہو گیا کہ تُو اپنی پرہیزگاریوں اور اپنی صفائیوں سے توبہ کرے اور انہیں چھوڑ دے۔ یہ بات میرے دِل پر دشوار گزری یعنی مجھے شدید رنج ہوا اور جب میں خواجہؒ کے پاس آیا، تو اُنھوں نے بھی یہی الفاظ کہے، لیکن میرے دِل پر اُس کا ملال نہ آیا۔

---

[1] آفتاب سے مراد آفتاب حقیقت یعنی اللہ تعالیٰ ہے اور شب سے مراد غیر اللہ ہے۔ نہ مَیں غیر ہوں نہ غیر پرست ہوں۔ خواب سے مراد دنیا ہے یا وہ باتیں جن کے پیچھے حقیقت نہ ہو۔ [2] اُن کا نام مولانا سعد الدین تھا۔

[3] یعنی ان میں ہی نہ پڑا رہے، بلکہ اس سے آزادی حاصل کرے اور اُن سے آگے گزر جائے۔

حضرت مخدومی مولوی سعدالدین کاشغری فرماتے تھے کہ مولانا نظام الدین کے سامنے کا کپڑا ہمیشہ چکنا رہتا تھا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ آخر معلوم ہوا کہ اس غلبۂ حال کی وجہ سے جو وہ رکھتے تھے کھاتے ہوئے اُن کے دستِ مبارک سے چمچہ گِر جاتا تھا اور جو شوربا وغیرہ وہ کھاتے تھے وہ ان کے کپڑوں پر گر جاتا تھا اور اس کی چکنائی باقی رہ جاتی تھی۔ اور یہ بھی فرماتے تھے جب خواجہ علاء الدین کی صحبت میں اُن پر جذبہ اور غلبۂ حال کے آثار اور علامات ظاہر ہونے لگے حضرت خواجہ نے چاہا کہ انہیں اس حال سے واپس لائیں، تو حضرت نے فرمایا، اچھا بغرا[1] پکائیں گے اور حضرت خواجہؒ فوطہ[2] یعنی کپڑے کے اُوپر کا کپڑا باندھے ہوئے تھے اور خود اس کو پکانے میں مشغول رہے۔ جب ڈالنے اور اتارنے کا وقت آیا۔ اُس وقت مولانا نظام الدین کو طلب فرمایا، کفگیر اُن کے ہاتھ میں دیا تاکہ پلاؤ اتاریں۔ ایک دفعہ پلاؤ ڈال چکے تو مغلوب ہو گئے اور کف گیر اُن کے ہاتھ سے گر پڑا۔ خواجہ نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین اٹھ کر جس کو حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے میں مشغول بنا لیا ہے ہم طاقت نہیں رکھتے کہ اُس کو اس سے واپس لائیں۔ اور مولانا نظام الدین نے یہ بھی فرمایا، ایک دن حضرت خواجہ نے خواجہ محمد علی حکیم ترمذی کی زیارت کا عزم فرمایا۔ مَیں آپ کے ساتھ نہیں گیا۔ اور جہاں تھا وہیں سے خواجہ محمد علی حکیم ترمذی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ان کی روحانیت میرے پاس آ گئی۔ جب حضرت خواجہ اُن کے مزار پر پہنچ گئے تو مزار کو خالی پایا اور شاید جس طرف اُن کی روحانیت چلی گئی تھی اس کی جہت کو جان گئے ہوں۔ جب واپس آئے، تو چاہا کہ مجھ میں مشغول ہوں اور میرے حال میں کچھ تصرّف کریں[3]۔ میں بھی متوجہ ہو گیا۔ مَیں نے اپنے آپ کو کبوتر کی مانند پایا اور حضرت خواجہ کو اس شہباز کی طرح جو میرے تعاقب میں پرواز کر رہا ہے۔ میں جہاں بھاگتا تھا وہ میری دُم کے پیچھے ہوتے تھے۔ آخر جب میں بے طاقت اور مجبور ہو گیا تو حضرت رسالت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بے نہایت انوار میں گم ہو گیا۔ خواجہ کو مجھ میں تصرّف کرنے کی قدرت نہ رہی۔ اس غیرت[4] و شرم کی وجہ سے وہ بیمار ہو گئے، لیکن کوئی شخص اُن کی بیماری کے سبب کو نہ جانتا تھا اور حضرت مولانا یہ بھی فرماتے تھے کہ اُن کے معتقدوں اور مخلصوں میں سے ایک شخص کو ایک قوی مرض لاحق ہوا۔ فرمایا، اُس کی عیادت (بیمار پرسی) کے لیے جاتے ہیں۔ راستہ میں چلتے ہوئے فرمانے لگے کہ فلاں شخص نے ہماری خُوب خدمتیں کی ہیں۔ چاہیئے کہ جب ہم

---

[1] بغرا، ایک قسم کا پلاؤ ہوتا ہے۔ جس میں گوشت، میدہ، چنا اور گھی پڑتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس قسم کا پلاؤ ترکستان میں پکتا ہے اور تُرشی وغیرہ بھی اس میں پڑتی ہے اور چونکہ بغرا خاں بادشاہ نے اس کی ایجاد کی تھی اس لیے اس کو بغرا کہتے ہیں۔ [2] جیسے کہ کھانا پکانے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ کپڑوں پر ایک کپڑا اور پہن لیتے ہیں تاکہ نچلا کپڑا صاف رہے [3] یعنی تبدیلی لائیں یا قوی حال کو ضعیف بنائیں۔ [4] غیرت کے معنی حیا و شرم جوش اور رشک کرنا ہے۔

اس کی عیادت کریں تو ہم اُس کے زیرِ بار[1] میں آجائیں۔ اس بات سے میرا دل بہت ڈرا اور خوفزدہ ہوگیا۔ جب آپ اُس کے سرہانے بیٹھے وہ اس وقت بستر پر پڑا ہوا تھا اور بات کرنے اور ہلنے جُلنے کی قدرت نہ رکھتا تھا۔ حضرت مولانا کچھ دیر تک متوجہ رہے۔ وہ شخص اُٹھ بیٹھا اور بات کہنی شروع کی۔ حضرت مولانا نے سر اٹھایا اور فرمایا،

این بار ہم حوالہ بہ تست کہ بسیار سُخن می گوئی ۔ یہ بوجھ یعنی بیماری پھر تیرے سپرد ہے، کیونکہ تُو بہت بات کرتا ہے۔

جب باہر آئے، فرمایا، ہم نے دیکھا کہ وہ جانے والا ہے اور اس کی بیماری اٹھانے کی نہیں ہے۔ ہم نے پھر اُس کے حوالہ کر دی۔ اور وہ شخص اُسی مرض میں انتقال کر گیا۔ مولانا فرماتے تھے کہ ایک رات منکروں میں سے ایک منکر حضرت خواجہ کے متعلق کوئی بات کہتا تھا اور اس کے مقابلہ میں مَیں بھی بات کہتا تھا۔ یہاں تک کہ بات لمبی ہوگئی اور جس جگہ پر ہم تھے اُس جگہ سے حضرت خواجہ کے مکان تک اتنا فاصلہ تھا کہ آواز کا پہنچنا ممکن نہ تھا۔ جب صُبح سویرے میں حضرت کی خدمت میں گیا تو فرمایا:

دوش آواز تو مارا تشویش می داد باید کہ ہر کس ہر چہ گوید خاطر خود بآں مشغول نداری و در کار خود باشی۔ ۔ گئی رات تیری آواز ہمارے قلب کو پراگندہ کرتی رہی۔ کوئی شخص خواہ کچھ کہے تجھے چاہیئے کہ تو اپنے دل کو اس میں مشغول نہ رکھے اور اپنے کام میں لگا رہے۔

جنابِ مخدومی خواجہ عبید اللہ ادام اللہ تعالیٰ[2] نے فرمایا، مَیں نے ایک دن ان کی زیارت کا احرام[3] باندھا۔ مَیں چلا جا رہا تھا۔ راستہ میں مجھے ایک دوست ملا۔ اُس نے شراب پی ہوئی تھی اور اُس کے اثرات اُس پر ظاہر ہو رہے تھے۔ اُس نے مجھے بات میں لگا لیا۔ جب حضرت کی صحبت میں پہنچا تو اُنھوں نے فرمایا، شاید تُو نے شراب پی ہے؟ مَیں نے کہا، نہیں۔ فرمایا، پھر تیرا یہ حال کیوں ہو رہا ہے۔ مَیں نے کہا کہ راستہ میں شراب سے مست ایک شخص پر پہونچا اور اُس سے کچھ باتیں کی تھیں۔ فرمایا، بس یہ اُس کی حالت ہے جو تیرے میں سرایت[5] کر گئی ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت مولانا نظام الدین نے فرمایا کہ اکابرِ سمرقند میں سے ایک بزرگ[4] جو ہم سے اخلاص و محبّت اور بہت ارادت و عقیدت رکھتا تھا بیمار ہوگیا اور مرنے کے قریب پہنچ گیا۔ اُس کے بیٹوں اور متعلّقین نے بہت عاجزی اور نیازمندی کی۔ مَیں اُس طرف مشغول ہوا۔ دیکھا کہ اُس

---

[1] اس کے بوجھ تلے آجائیں یعنی اس کی بیماری کو اپنے اُوپر لے لیں [2] اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کو باقی رکھے [3] یعنی زیارت کی نیّت سے نکلا [4] یہ بزرگ خواجہ عصام الدین تھے۔

[5] یعنی شرابی سے بات کرنے کا یہ اثر ہوا کہ اس کی شراب کا اثر ان میں ظاہر ہوگیا جسے حضرت خواجہ نے نُورِ بصیرت سے دیکھ لیا۔

کے واسطے بقا اور زندگی ممکن نہیں بجز اس کے کہ اس کو ضمن[1] میں لیا جائے۔ مَیں نے اُس کو ضمن میں لے لیا اور وہ تندرست ہوگیا۔ کچھ دنوں کے بعد ہماری نسبت ایک تہمت واقع ہوگئی جو ہماری توہین و تذلیل کا باعث ہوئی اور وہ شخص قدرت رکھتا تھا کہ اس بات میں کوشش کرتا تو اس کو رفع دفع کر دیتا۔

اما خویشتن داری کرد و خود را بآں نیاورد خاطر ما ازوے گرفته شد و یرا از ضمن اخراج کردیم بیفتاد و بمرد۔

لیکن اُس نے خودداری کی اور اپنے کو اس میں لایا نہ ہمارا دل اس کی طرف سے پکڑا گیا۔ ہم نے اُس کو ضمن سے نکال دیا وہ اسی وقت گرا اور مرگیا۔ اور اُنہوں نے یہ بھی فرمایا، کہ مجھے لوگوں نے خبر دی کہ حضرت مولانا بیمار ہو گئے ہیں۔ جب مَیں اُن کے قریب پہنچا تو اُن کو شدید لرزہ نے پکڑا ہوا تھا یعنی ایسا سخت جاڑہ چڑھا ہوا تھا کہ جس قدر بھی آگ جلاتے تھے اور اُن پر زیادہ سے زیادہ کپڑے ڈالتے تھے وہ کوئی تسکین نہ پاتے تھے۔ مَیں تھوڑی دیر بیٹھا تھا کہ اُن کے مریدوں میں سے ایک مرید جو چکی پر گندم لے گیا تھا بھیگے ہوئے کپڑوں کے ساتھ آیا اور وہ سخت سردی کھائے ہوئے تھا، کیونکہ چکی کے راستہ میں وہ پانی میں گر گیا تھا۔ جب حضرت مولانا نے اس کو دیکھا فرمایا، اس کو گرم کرو کہ میری یہ سردی اس کی ہی سردی[2] ہے جو مجھ میں سرایت کر گئی ہے۔ اصحاب نے ایسا ہی کیا تو حضرت والا کے لرزے نے تسکین پائی اور وہ اپنے حال میں واپس آگئے۔

۳۵۷۔ حضرت خواجہ عبید اللہ امامی اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ بھی حضرت خواجہ علاء الدین قدس اللہ روحہٗ کے اصحاب میں سے ہیں۔ خواجہ عبید اللہ نے فرمایا، پہلی بار جب میں خواجہ کی صحبت میں پہنچا اُنہوں نے یہ بیت پڑھا ؎

تو ز خود گم شو کمال اینست و بس
تو نماں اصلاً وصال اینست و بس۔

ترجمہ:۔ تو اپنے سے گم ہو جا یعنی اپنے سے بے خبر ہو جا کمال یہی ہے۔ تو بالکل نہ رہے یعنی تیری خواہش نہ رہے حق سبحانہٗ کا وصال یہ ہے۔

حضرت خواجہ موصوف نے اپنے بعض رسائل میں ذکر کیا ہے کہ ان حضرات کی علانیہ توجہ کا طریقہ اور ان کی باطنی نسبت کی پرورش اس طرح ہے کہ جب چاہتے ہیں کہ اس میں مشغولی اختیار کریں اولاً اس شخص کی صورت کو جس سے کہ یہ نسبت پائی

---

[1] ضمن میں لے لیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مَیں نے اس کو بمنزلہ اپنے بعض اجزار کے سمجھ لیا اور اپنے بدن کے کسی عضو کی مانند فرض کر لیا۔

[2] یعنی جب کوئی شخص بے رنگ ہو جاتا ہے یعنی صاحبِ حال ہو جاتا ہے تو دوسرے کا حال اس میں سرایت کرتا ہے اور نیرنگی یعنی جادوگری اور مکر و حیلہ سے سردی کا اشراف اور احساس پیدا ہو جاتا ہے حقیقت میں سردی نہیں ہوتی۔

ہے خیال میں لاتے ہیں اور یہ تصوّر اس وقت تک رکھتے ہیں جب تک کہ حرارت کا اثر اور اس کی معیّنہ کیفیّت پیدا ہو جاوے اور اسکے بعد بھی اس خیال کو نہیں ہٹاتے اور اس کی نفی نہیں کرتے، بلکہ اسکی نگہداشت کرتے ہیں اور آنکھ اور کان اور قوتوں سے اس خیال کے ساتھ دل کی طرف[۱] متوجہ ہوتے ہیں جس سے مراد حقیقت جامعہ انسانی ہے جو کہ موجودات علوی[۲] و سفلی کا مجموعہ یعنی اس کی تفصیل ہے، اگرچہ ذات حق سبحانہٗ اجسام میں اُترنے اور داخل ہونے سے پاک ہے، لیکن چونکہ اس کے اور اس صنوبری گوشت کے ٹکڑے کے درمیان ایک نسبت واقع ہے۔ پس اس صنوبری گوشت پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ آنکھ اور فکر اور خیال اور تمام قوتوں کو اس پر لگا دینا اور اس پر حاضر رہنا اور دل کے دروازہ پر بیٹھے رہنا چاہیئے اور ہم شک نہیں رکھتے (بلکہ یقین رکھتے ہیں کہ اس حال میں غیبت اور بے خودی کی کیفیّت کا آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کیفیّت کو ایک راستہ فرض کرنا چاہیئے اور اس کے پیچھے چلنا چاہیئے۔ اور جو خیال بھی آوے اپنے قلب کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو کر اس خیال کو نفی کرنا اور اس چیز میں مشغول نہ ہونا اور اس مجمل سے کُلّی کی طرف بھاگنا چاہیئے اور جب تک وہ خیال دُور نہ ہو جاوے اس شخص کی صورت کے ساتھ التجا کرنی اور اس کو اتنی دیر تک نگہداشت کرنی چاہیئے کہ وہ نسبت پھر پیدا ہو جاوے۔ جب وہ نسبت پیدا ہو جاتی ہے وہ صورت اور اس کا تصوّر خود بخود غائب ہو جاتا ہے، لیکن چاہیئے کہ توجہ کرنے والا اس صورت کو خود دُور نہ کرے اور کلمہ طیبہ کے معنٰی کے متعلق یہ فرمایا، کلمہ طیبہ کے معنی یہ ہیں کہ:

نفی عبارت است از راجع گردانیدن کثرت و صور اشیاء بہ آن عین واحد کہ مقصود و مطلوب ہمہ سالکان ست	نفی یعنی لا، کا مطلب یہ ہے کثرت اور چیزوں کی صورتوں کو اس عین وحدت کی طرف لوٹا دینا جو کہ تمام سالکوں کا مقصود و مطلوب ہے۔

---

[۱] کیونکہ وہ واسطہ ہے۔ اس کی نفی کرنا مطلوب تک پہونچنے میں مانع ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اس صورت کی نفی کرنا اس واسطہ کی تحقیر کا متضمن ہے [۱] قلب پر توجہ ہوتے ہیں۔ قلب سے مراد آدمی کی انانیّت ہے اور وہ کائنات کا مجمل و خلاصہ ہے۔ اس بنا پر کہ اس میں ہر نوع یعنی ہر قسم کی مخلوق کا نمونہ موجود ہے اور ہر اسم جو اس نوع کا آفاق میں مدبر ہے۔ وہ اسم اس نمونہ کا انسان میں مدبّر ہے۔ پس جب انسان سارے عالم کا نمونہ ہے تو جمیع اسماء الٰہی اس کے مدبّر ہوں گے اور قلب پر توجہ کرنے سے مراد اس پر بحیثیت مظہریت کے توجہ ہوگی نہ اس حیثیت سے کہ وہ قلب ہے۔ اس لیے کہ قلب کائنات میں سے ایک کون ہے یعنی مخلوقات میں سے ایک مخلوق اور حقائق میں سے ایک حقیقت ہے اور مطلوب و مقصود مکوّنِ کون اور حقیقۃ الحقائق یعنی کائنات کا بنانے والا اور حقیقۃ الحقائق یعنی حقیقتوں کی حقیقت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے [۲] علوی یعنی اُوپر والی چیزیں مثلاً آسمان، عرش و کرسی، جنّت و دوزخ وغیرہ سفلی نیچے والی چیزیں۔ سمندر، پہاڑ، نباتات، جمادات، حیوانات وغیرہ۔

واثبات عبارت است از مشاہدہ کردن آں عین واحد درہمہ صور و اینہارا عین آں واحد دیدن۔ پس لاَ الٰہ یعنی این صور متوہمہ غیریتش منفی ست و راجع بآں یک اصل است و الا اللہ یعنی این معنیٰ واحد ست کہ باین صور می نماید۔

اور اثبات کا مطلب یہ ہے کہ ساری صورتوں میں اُس ایک ذات یعنی اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنا اور اُن سب کو اس واحد کا عین دیکھنا۔ پس لا الٰہ یعنی ان وہمی اور فرضی صورتوں کی غیریت کی نفی ہے۔ یعنی ان خیالی صورتوں سے اس کی غیریت کی نفی کی گئی ہے اور وہ سب صورتیں اس ایک اصل کی طرف راجع ہیں[1]۔

اور الاّ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ اُس واحد کی حقیقت ہے جو ان صورتوں میں دکھائی دیتی ہے[2]۔

۳۵۸۔ حضرت مولانا سعد الدین کاشغری رحمۃ اللہ تعالیٰ

وفات بُدھ کے دن ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے ۸۶۰ھ

شروع حال میں علوم کی تحصیل میں مشغولیت رکھی اور کتب متداولہ کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور ظاہری جمعیت بھی رکھتے تھے یعنی کوئی مالی پریشانی نہ تھی۔ ظاہری اسباب اور ضروریات زندگی ان کو بافراغت حاصل تھے۔ جب اس طریقہ کا تقاضا اور شوق پیدا ہوا تو پوری طرح ترک و تجرید کر کے مولانا نظام الدین کی صحبت سے مشرّف ہو گئے۔ اور خود فرماتے تھے کہ جب میں کئی سال حضرت مولانا کی صحبت سے مشرّف رہا، تو میرے لیے حرمین الشریفین زادہما اللہ تعالیٰ تشریفاً و تکریماً کی زیارت کا تقاضا قوی ہو گیا۔ میں نے ان سے اجازت چاہی۔ اُنہوں نے فرمایا، ہرچند کہ می نگرم تُرا امسال درمیانِ قافلۂ حاجیاں نمی بینم۔ میں جتنا بھی دیکھتا ہوں اس سال تجھے حاجیوں کے قافلہ میں نہیں دیکھتا ہوں۔

اور اس سے پہلے میں بہت سے واقعات دیکھ چکا تھا۔ جس کے باعث میں متوہم[3] تھا اور حضرت کی بات پر اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ اور آپ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ چلا جا اور کوئی اندیشہ نہ کر اور یہ بھی کہا، تو جاوے گا، تو ان واقعات کو مولانا زین الدین سے عرض کر دینا کہ وہ باشرع مرد ہے اور سنّت کے طریقہ پر قائم ہے۔ اُن کا مقصد شیخ زین الدّین خوافی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] مطلب یہ ہے کہ کائنات کے نقشے جو ہمیں نظر آتے ہیں نہ از خود کوئی چیز ہیں اور نہ ان کی کوئی حقیقت ہے، بلکہ اُسی ایک اصل یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں حضرت مولانا رُومی قدس اللہ سرّہٗ نے اس مضمون کو اس طرح ادا فرمایا ؎

ہرچہ بینم در جہاں غیرِ تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

[2] یعنی اس سے قبل بہت سے واقعات میں مولانا نظام الدین کو ایسے طریقہ پر دیکھ چکا تھا جو شریعت کے معیار پر پورے نہ اُترتے تھے اس لیے مجھے مولانا کی اس بات پر دل جمعی نہیں ہوئی۔

سے تھا جو اس زمانہ میں خراسان کے اندر مقامِ ارشاد اور مشیخت میں متعین تھے۔ جب حج کو جانے کے قصد سے میں خراسان پہنچ گیا۔ مولانا نظام الدین نے جیسے فرمایا تھا میرا حج کو جانا توقّف میں پڑ گیا یعنی ملتوی ہوتا رہا۔ پھر کئی سال کے بعد میسّر[1] ہوا اور جب میں شیخ زین الدین رحمہ اللہ کی خدمت میں پہونچا۔ اُن سے وہ واقعات بیان کیے جن کی مولانا نظام الدین نے ہدایت فرمائی تھی، تو شیخ نے فرمایا :

بابا بیعت کُن و در قیدِ ارادتِ ما در آئی　　　ہم سے بیعت کر اور ہماری مریدی کی پابندیاں قبول کر۔

مَیں نے کہا، وہ بزرگ جن سے مَیں نے یہ طریقہ لیا ہے ابھی بقیدِ حیات ہیں۔ آپ امین ہیں۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ ان حضرات کے طریقہ میں یہ جائز ہے تو میں ایسا کر لوں گا۔ مولانا نے فرمایا استخارہ کرے۔ مَیں نے کہا، مجھے اپنے استخارہ پر بھروسہ نہیں، آپ استخارہ کریں۔ فرمایا، تو استخارہ کر ہم بھی کریں گے۔ رات آگئی۔ مَیں نے استخارہ کیا۔ مَیں نے دیکھا کہ خواجگان کی جماعت ہرِی کی زیارت گاہ میں جہاں جناب مولانا زین الدینؒ رہتے تھے، آئی۔ وہ حضرات درختوں کو اکھاڑتے اور دیواروں کو گراتے تھے۔ اور قہر و غضب کی علامات اُن پر ظاہر تھیں۔ مَیں نے سمجھ لیا کہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حضرات مجھے دوسرے طریقہ میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں۔ مجھے اطمینان ہوگیا۔ مَیں نے پاؤں پھیلائے اور سوگیا۔ جب صبح صبح شیخ کی مجلس میں آیا بغیر اس کے کہ مَیں اپنا واقعہ اُن سے کہوں۔ شیخ نے از خود فرمایا، طریقہ ایک ہے اور سب ایک کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اپنے طریقہ میں مشغول رہ۔ اگر کوئی واقعہ یا کوئی مشکل پیش آئے ہم سے کہہ۔ جس قدر ہو سکے گا ہم مدد کریں گے۔

حضرت مولانا پر خاص غلبہ (استیلاء) جس میں وہ شغل کرتے تھے ظاہر ہوتا تھا۔ تھوڑی سی توجہ سے غیبت کی علامات اور بے خودی کی کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ جس شخص کو اس حقیقت کا پتہ نہ ہوتا وہ اس کا وہم کرتا تھا کہ شاید مولانا کو نیند آتی ہے۔ پہلے پہلے جب میں ان کی صحبت میں پہنچا۔ جامع مسجد میں مَیں اُن کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کی جیسے عادت تھی اپنے سے غائب ہوگئے۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید حضرت کو نیند آجاتی ہے۔ مَیں نے عرض کیا اگر کچھ دیر آرام فرمالیں، تو کوئی حرج نہ ہوگا۔ آپ نے تبسّم کیا اور فرمایا، شاید تو اعتقاد نہیں رکھتا کہ ہمارا سونے کے علاوہ دوسرا کام بھی ہوتا ہے۔ ایک دن آپ فرمانے لگے بعض درویش سونے اور جاگنے میں اس کے سوائے کوئی اور فرق نہیں کر سکتے کہ اپنے میں ایک قسم کا ہلکاپن جو سونے کے بعد ہوا کرتا ہے پالیتے ہیں، ورنہ ان کی مشغولی کی کیفیت سونے اور جاگنے میں ایک طریقہ پر رہتی ہے، بلکہ سونے کی حالت میں چونکہ بعض موانعات مرتفع ہو جاتے ہیں یعنی بعض رکاوٹیں دُور ہو جاتی ہیں۔ اس لیے سونے

---

[1] یعنی کئی سال کے بعد جانا نصیب ہوا۔

میں ان کی مشغولی زیادہ صاف اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ یہ میرا خیال ہے کہ یہ بات جو آپ نے فرمائی۔ اس سے وہ اپنے حال کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک درویش جوان کی صحبت میں جایا کرتا تھا اس نے یہ حکایت بیان کی، کہ جس وعظ کی مجلس میں درویشوں کے علوم اور معرفت کی باتوں کا بیان ہوتا تھا میری حالت غیر ہو جاتی تھی۔ میں بہت شور مچاتا تھا۔ بڑی فریاد کرتا تھا اور اس سے محجوب ہو جاتا تھا۔ ایک دن میں نے اپنے اس حال کو حضرت سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا، جس وقت تیری حالت بدلے، مجھے اپنے خیال میں لے آیا کر یعنی میرا تصور کر لیا کر۔ جن دنوں میں کہ آپ حجاز کے سفر میں جا رہے چکے تھے۔ مدرسوں میں سے ایک مدرسہ کے اندر جہاں ایک بزرگ وعظ کر رہے تھے۔ میری حالت بدلنے لگی۔ میں نے آپ کی طرف توجہ کی۔ میں نے دیکھا کہ اس مدرسہ کے دروازہ سے اندر آئے اور میرے سامنے آ گئے۔ اپنے دونوں ہاتھ میرے کندھے پر رکھے۔ میں اُسی وقت بے خود ہو گیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جس وقت کہ میں اپنے حال میں آیا وعظ کی مجلس ختم ہو چکی تھی۔ مجلس والے جا چکے تھے اور دُھوپ مجھ پر پہنچ چکی تھی اور وہ دن ماہِ رمضان کا آخری پنجشنبہ تھا کہ جس کے بعد عید تک اور کوئی جمعرات نہ ہوئی۔ میں نے اس کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا کہ جب آپ مکہ سے آئیں گے اُن سے کہوں گا۔ جب آپ مکہ سے تشریف لائے میں اُن کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوا۔ اُن کے پاس ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اپنا حال اُن سے نہ کہہ سکا۔ آپ نے از خود میری طرف مُنہ کیا اور فرمایا:

پنجشنبہ بود کہ بعد ازاں تا عید دیگر پنجشنبہ نہ بود — وہ جمعرات تھی جس کے بعد عید تک دوسری جمعرات نہیں ہوئی۔

۳۵۹۔ خواجہ عبید اللہ اَدَامَ اللہُ بَرَکَاتَ وُجُودِہٖ علیٰ مَفَارِقِ الطَّالِبِیْنَ[1]

اس وقت آیات و نشانات کے مظہر[2] اور طبقۂ خواجگان کی ولایتوں اور کرامتوں کی وہ مجلس جہاں لوگوں کی بھیڑ رہتی ہے۔ آپس میں ایکدوسرے سے ملنے اور ناقصوں کے کامل ہونے اور ان حضرات کے سلسلہ کے انتظام کا ذریعہ اہلِ حاجات اور اہلِ اخلاص کے آقا و شیخ حضرت خواجہ موصوف ہیں۔ اُمید یہ ہے کہ خواجہ موصوف کے وجود کی برکت سے اس سلسلہ کا انتظام یعنی اس لڑی میں اُمّت کا منسلک ہونا قیامت تک جاری رہے گا۔ اگرچہ فقیر کی یہ باتیں بے اَدبی اور بے باکی کی صورت یعنی چھوٹا مُنہ بڑی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن میں نے اپنے میں جس قدر غور کیا ہے

---

[1] ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ مذکور کے وجودِ مسعود کی برکتیں، طالبوں کے سروں پر ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھیں۔

[2] مظہر۔ جائے ظہور۔ ظاہر ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

یعنی اس کے کہنے یا نہ کہنے کے متعلق سوچا ہے۔ مَیں نے اپنے میں یہ حوصلہ نہیں پایا کہ اس پر دل کو مطمئن کر سکوں اور دل کی بات دل میں رہنے دوں، کیونکہ یہ مجموعہ جس کے جمع کرنے سے میرا مقصود ان حضرات کے معارف معرفت اور ان کی معلوم کی ہوئی باتوں کا ذکر اور ان کے اوصاف حمیدہ کا پھیلانا ہے، پھر یہ مجموعہ حضور والا کے ذکر سے خالی ہو۔ اس لیے اس سلسلہ شریفہ کے حالات اور مناقب کی شرح کو حضرت والا شان کے پاکیزہ کلمات سے جن کو معرفت کے لکھنے والی آنجناب کی قلم مبارک نے لکھا ہے بطور سکیتہ الختام یعنی مُشک کی مہر لگانے کے کر دیا جو یہ ہیں۔

بریدن و تہی شدن دل از غیر حق سبحانہٗ و تعالیٰ دلیل ست بر مظہریّت دل بر تجلّی حق سبحانہٗ بوصف اَحدیّت کہ نیلِ معارف بحقائق اسماء و صفات بےاین معنی متعذر ست چہ قابلیت قبول عکوس انوارِ تجلّیات ذات بہ تہی شُدن از التفات ہر چہ وسمت حدوث یافتہ است میّسر نیست

غیر حق کی اُمیدوں اور آرزوؤں کو دل سے جُدا کر دینا اور غیر کی محبت سے اس کا خالی ہو جانا اس کی دلیل ہے کہ یہ دل وصفِ احدیّت کے ساتھ حق سبحانہٗ کی تجلّی کا مظہر[1] بن گیا ہے کہ اسماء و صفات کے حقائق کے علوم کو پانا اور اُن تک رسائی حاصل کرنا اس خاص تجلّی کے بغیر مشکل ہے، کیونکہ تجلّیات ذات کے انوار کے عکس[2] کو قبول کرنا مخلوق کی طرف سے دل کی توجہ[3] کو ہٹائے بغیر اور دل سے مخلوق کی رغبت

---

[1] دِل وصف احدیت کے ساتھ حق سبحانہٗ کی تجلّی کا مظہر بن گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دل پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ احدیت کو ظاہر فرما دیا [2] عکس اس شبیہ اور تصویر کو کہتے ہیں جو پانی یا آئینہ میں دکھائی دے۔ انوارِ الٰہی جو صُورتِ مثالیہ میں ظاہر ہوتے ہیں ان کے فوٹو تصویریں اس قلب پر ظاہر ہوتی ہیں جس میں غیر نہ رہتا ہو۔ مثلاً پانی اگر صاف ہوگا باہر کے عکس اور تصویریں اس میں ظاہر ہوں گی اگر اس میں مٹی وغیرہ ملی ہوئی ہو گی، تو پانی گدلا ہوگا۔ اس میں باہر کے عکس نہ آئیں گے۔ ذات کی تجلّی احدیّت کے ساتھ اس میں ذات سے مراد حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات ہے اور تجلّی کے معنی ظاہر ہونا۔ احدیّت اللہ کی صفتِ یکتائی کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قلب پر اپنی یکتائی کی صفت کا کوئی حصّہ ظاہر فرماتے ہیں۔ اس وقت دل میں اس کے سوا کچھ نہیں رہتا

[3] غیر کے التفات سے دل کا خالی ہونا یہ ہے کہ بطریقِ مزاحمت غیر کا شعور نہ رہے۔ یہ نہیں کہ مطلقاً شعور نہ رہے اور شعور بالکل ختم ہو جائے۔ اس لیے کہ شعور کا سقوط نادر ہوتا ہے اور برق خاطف کی طرح گزر جاتا ہے یعنی یہ حال کبھی کبھی ہوتا ہے اور جس طرح آسمان پر بجلی چمکتی ہے اور فوراً گزر جاتی ہے۔ اسی طرح یہ حال بھی آنکھ جھپکنے کے بقدر یعنی ایک سیکنڈ میں ختم ہو جاتا ہے۔ بطریقِ مزاحمت کا مطلب یہ ہے کہ غیر کا شعور ہووے اور دفع کرنے سے دُور ہو جاوے۔

؎ عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق وہ شعلہ ہے کہ جب چمکنے لگتا ہے تو معشوق کو چھوڑ کر دوسری سب چیزوں کو جلا دیتا ہے۔

تہی شُدنِ دل موقوف افتادہ ست بر تجلّی ذات بوصف احدیت وحصول ایں معنیٰ را بعد از تحقیق با یمان باللہ وبرسول اللہ وَبِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلٰى مُرَادِ اللّٰهِ وَعَلٰى مُرَادِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اسباب است از انتخاذ ریاضات کہ شریعت از اخذ آں منع نہ کردہ است و دوام ذکر بشرط وجدان مذکور بوصف انکسار وخضوع بکمال بر مطابعت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم را لیکن ہیچ سببے در تحصیل ایں نسبت قوی تر ازاں نیست کہ بصدق ونیاز تمام مجالست بجماعتے لازم وقت خود گرداند کہ باطن ایشاں مظہر ایں تجلّی گشتہ

دل کا خالی ہونا موقوف ہے[1]۔ وصفِ احدیت کے ساتھ تجلّی پر ہے کہ اس پر ذات حق کی تجلّی اور اسکا ظہور احدیّت کے وصف کیساتھ ہو اور احدیت کی صفت میں اللہ تعالیٰ کی تجلّی ان اسباب اور طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔ جو بھی اللہ اور رسول اللہ کی طرف سے آیا۔ اللہ اور اس کے رسُولؐ کے منشار اور مقصد کیمطابق ان سب پر ایمانِ حقیقی بنانے یعنی ان سب پر دل سے یقین لانیکے کے بعد (نفس کو زیر کرنے کیلیے) ان ریاضتوں مشقتوں اور تکلیفوں کو اپنے اُوپر لازم کرلینا جنکو اختیار کرنے سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔ اور دائمی ذکر اس شرط سے کہ ذاکر مذکور کیطرف متوجّہ رہے یعنی کہ اللہ کے یکساتھ اسکا حضور قائم رہتا اور اس میں عاجزی اور انکساری کی صفت ہو اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کمال متابعت، لیکن اس نسبت کے حاصل کرنیکے اسباب میں اس سے بڑھکر اور کوئی سبب اور

[1] خلاصہ یہ کہ غیر سے دل کا خالی ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ احدیت کے ساتھ دل پر تجلّی فرمائے یعنی اپنی صفتِ احدیت کو اس پر ظاہر کردے اور اس حالت کے حاصل ہونے کے لیے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے پختہ بنانے اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا اور اللہ کے رسول کی طرف سے آیا اللہ کے اور اللہ کے رسول کے منشار کے مطابق پختہ یقین کرلینے کے بعد ان اسباب کو یعنی ان ریاضتوں اور مشقتوں اور تکلیفوں کو اپنے اُوپر لازم کرلے جن کے کرنے سے شریعت نے منع نہ کیا ہو اور دائمی ذکر اس شرط سے کہ ذکر کرنے والا مذکور یعنی اللہ کی طرف متوجہ رہے اور اس کے ساتھ اس کا حضُور قائم رہے اور ذکر کرنے والے میں عاجزی اور انکساری کی صفت موجود ہو اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی اُس میں کمال درجے کی اتباع ہو، لیکن اس نسبت کے حاصل کرنے کے اسباب میں اس سے بڑھ کر دوسرا کوئی سبب اور ذریعہ نہیں۔ سچے اعتقاد اور پوری نیازمندی کے ساتھ اس جماعت کی صحبت میں رہنے کو اپنی زندگی کے لیے لازم کرلے جن کے قلوب اس تجلّی کے مظہر بن گئے ہوں اور اس تجلّی کے غلبے اور قوت کے باعث غیر کا وجود ان کی بصیرت کے سامنے سے پوری طرح اٹھ گیا ہو اور غیر کے شہود سے وہ پوری طرح آزاد ہو ہوگئی ہو۔

باشد و بہ سطوت ایں تجلّی چساں وجودِ غیر
از پیشِ بصیرت ایشاں برداشتہ شُدہ
واز شہودِ غیر بتمامی آزاد گشتہ و بفنارِ حقیقی
از مزاحمت شعورِ بخود و غیرِ خود خلاص
گشتہ بعد از تحقیق بفنا حق تعالیٰ ایشاں
را نزد خود بوجود موہوب حقّانی بشرف
گردانیدہ از بیخودی و سُکرِ حال
افاقت یافتہ دیگراں را واسطہ حصولِ سعادت
حقیقی کہ عبارت از بقا و فناست شُدہ ۔ پس
واجب بر ازکیار آنکہ در تخلیص از گرفتاریٔ دل بوجود
اکواں کہ بحقیقت حجاب عبارت ازیں گرفتاری است
باشیای کہ سبب خلاصیٔ دل می شود و تمسّک نمودہ
خود را پیش از مردن خلاص گردانند ۔ اگر مناسب
استعداد خود اشتغال بذکر دانند تقصیر و اہمال را در
استعداد آں نہ بیلند و دانند کہ بصحبتِ اربابِ شہودِ
دل از گرفتاری زود تر خلاص مے شود ۔ خود را بصحبتِ
ایں برگزیدگان بنگاہ داشتِ آدابِ صحبت التزام
کنند زماں خلاص دل از گرفتاری بغیرِ حق بحقیقت
زمانِ وصول و شہود است ۔ چوں دل از مزاحمت

ذریعہ نہیں ہے ۔ سچے اعتقاد اور کامل نیازمندی کیساتھ ایسی جماعت کی
صحبت میں رہنے کو اپنی زندگی کے لیے لازم کرلے جنکے قلوب اس
تجلّی کے مظہر بن گئے ہوں اور اس تجلّی کے غلبہ اور قوت کے ذریعہ غیر
کا وجود اُن کے دِل کی نظر سے اُٹھ گیا ہو اور اُنکا قلب غیر کے شہود سے
پوری طرح آزاد ہو گیا ہو اور حقیقی فنا کے ساتھ اپنے اور دوسرے کے
شعور کی مزاحمت سے رہائی حاصل کر چکا ہو[1] ۔ اور فنا کے پختہ ہو جانے
کے بعد حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نے اُنکو اپنے نزدیک وجودِ حقّانی سے مشرّف
بنا دیا ہو ۔ بے خودی اور مستی کے حال سے صحتیاب ہو چکا ہو یعنی ہوش و
حواس میں آکر دوسروں کیلیے سعادتِ حقیقی کے حاصل ہونیکا واسطہ
اور ذریعہ ہو گیا ہو ۔ سعادتِ حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی فنار
اور بقار کے لیے ذریعہ بن گیا ہو ۔

لہٰذا عقل اور دانائی رکھنے والوں پر یہ واجب
ہے کہ آسمان و زمین کی جس چیز میں دل گرفتار اور پھنسا ہوا ہے کہ
درحقیقت دِل کے اس میں پھنس جانے اور گرفتار ہو جانے کو ہی حجاب
کہا جاتا ہے ۔ جو چیزیں بھی دِل کی خلاصی و رہائی کا سبب بنتی ہوں ان
کو مضبوط پکڑ کر مرنے سے پہلے خود کو اس گرفتاری سے چھڑا لیں
آزاد کرالیں اور رہائی حاصل کرلیں ۔ اگر ذکر میں مشغول ہونے کو اپنی استعداد
کے مناسب جانیں تو تقصیر و اہمال[2] کو اپنے اندر آنیکا موقعہ نہ دیں اور اگر اپنے
میں اسکی استعداد نہ دیکھیں اور یہ جانیں کہ اربابِ شہود کی صحبت میں دل غیر کی

---

[1] اپنے شعور اور غیر کے شعور کی مزاحمت سے خلاصی پاچکا ہو ۔ اس میں مزاحمت کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ فنار حقیقی شعور یعنی غیر کے خیال کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے ، لیکن مزاحمت اور ممانعت کے ساتھ جمع نہیں رہتی ۔ مزاحمت کے معنی بر تکلف دُور کرنا ہے ۔ ممانعت کے معنی روکنا اور باز رکھنا ۔ مطلب یہ ہے کہ جب غیر کے خیال کو دِل میں جمع ہونے سے روکے گا تو غیر کا خیال دِل میں نہ رہے گا ۔ بلکہ نکل جائے گا ۔ [2] یعنی ذکر میں جی لگتا ہو تو پھر ذکر میں کوتاہی اور کمی نہ کریں اور سُستی اور لاپرواہی کی وجہ سے ذکر کو نہ چھوڑیں انشاء اللہ اسی سے کام بنے گا ۔

شعور بوجودِ غیر نجات یافت غیر گرفتاری بشہودِ حق سبحانہٗ ہیچ نیست۔

گرفتاری سے جلد تر آزاد ہو جائیگا۔ اور رہائی پائیگا۔ تو صحبت کے آداب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اِن برگزیدہ بندوں کی صحبت میں رہنے کا التزام کریں۔ غیرِ حق کی گرفتاری اور قید سے دِل کا آزاد ہو جانا اور مخلوق کے پنجرہ سے نکل جانا ہی حقیقت میں وصول و شہود کا زمانہ ہے۔ جب دِل نے وجودِ غیر کے شہود سے نجات پالی تو اس کے بعد حق سبحانہٗ کے شہود کی گرفتاری کے سوائے اور کچھ نہیں۔

مصرعہ: بلا رمحنت شیریں کہ جز بآں نیاساید۔ بعد از آنکہ سطوت نفی ما دونِ حق دل از غبارِ التفات بغیر آزاد گشت غیر اثبات حق ہیچ نماند۔

مصرعہ: بلا رمحنت شیریں کہ جز بآں نیاسائے۔ اس کے بعد جب کہ دل ماسوی اللہ کی نفی کے غلبہ کی وجہ سے غیرِ حق کے التفات اور خیال کے غبار سے آزاد ہو گیا، تو پھر حق کے اثبات کے سوا اور کچھ نہ رہا۔

بیت: تیغ لا در قتل غیر حق براند
در نگر زاں پس کہ غیر لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت
شاد باش اے عشق شرکت سوز گشت

غیر حق کے قتل میں لا کی تلوار چلادی،
پھر دیکھ کر لا کے علاوہ کیا رہ گیا۔
اللہ باقی رہ گیا، اس کے علاوہ سب کچھ چلا گیا
تو خوش رہ کہ تیرا عشق شرکت سوز یعنی ماسوا کو جلانے والا بن گیا۔

زمانِ غیبت از مادونِ حق سبحانہٗ بحقیقت زمان وصول و شہود وجود است زیادہ ازاں نیست کہ بحکم انما الاعمال بخواتیمہا ارباب کشف و وجود پیش از تمکین دریں معنی ارباب فوق را بالغان بایں مقام نشمردہ اند۔ ظہور ایں معنی مقدمہ فناست و بشارت بظہور بتاشیر صبح سعادۃ وصول از مطلع احدیت کہ استغراق و استہلاک ست۔ در شہود ذات بے مزاحمت شعور بوجو غیرے، بلکہ دریں مقام اگر ترقی واقع شود شعورش از ذوق تجلیات اسماء نیز منقطع

حق سبحانہٗ کے ماسوا سے غائب ہونے کا زمانہ ہی حقیقت میں وصول شہود اور وجود کا زمانہ ہے اس سے زیادہ نہیں ہے، کیونکہ اعمال کا اعتبار اُن کے خاتموں[1] پر ہے۔ ارباب کشف و وجود اور وصل والوں نے اس حال میں تمکین قدرت اور قابو پا لینے سے پہلے اہل ذوق کو اس مقام میں پہنچنے والوں میں سے شمار نہیں کیا ہے۔ اس کیفیت کا ظاہر ہونا فنا کا مقدمہ ہے اور اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ سعادت کے مطلع سے سعادت وصول کی صبح کی روشنی ظاہر ہو چکی ہے جو شہود ذات میں غیر کے وجود کے شعور کی مزاحمت کے بغیر استہلاک و استغراق ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ ذات کے شہود میں ایسا ہلاک اور غرق ہو جانا کہ غیر کا شعور نہ رہے یہی وصول ہے، بلکہ

---

[1] یعنی دارومدار خاتمہ پر ہے۔ تلوین یعنی ناپختگی اور کچائی کی حالت میں خاتمہ کی خیر نہیں، چونکہ یہ کیفیت متمکن اور پختہ نہیں ہوتی ہے، لہٰذا آدمی کوشش کرتا رہے تاکہ تلوین سے تمکین کے مقام میں پہنچ جائے۔

شود اشارت آں بزرگ کہ بر ایں فرمودہ است کہ سالک می تواند بود کہ متصف شود باوصاف حق سبحانہٗ فہو غیر واصل ایں معنیٰ خواجہ بود۔ چہ از وصل، مقصود شہود ذاتی ست بے مزاحمت شعور بوجود کثرتی۔ مرتبۂ اتصاف باوصاف کہ مرتبۂ تجلیات صفات است بے کثرت از وجہے متعذر ست۔

اگر اس مقام میں ترقی واقع ہو جاتی ہے۔ تو اسماء کی تجلیات کے ذوق سے بھی اس کا شعور جاتا رہتا ہے۔ یہ فرما کر حضرت خواجہؒ نے اس بزرگ کے قول کی طرف اشارہ کیا جس نے کہا تھا، کہ ہو سکتا ہے کہ سالک حق سبحانہٗ کی صفتوں سے متصف ہو جائے یعنی وہ متخلّق باخلاق اللہ ہو جائے، لیکن وہ اب تک واصل نہیں یعنی اس مقام اور اس کیفیت تک پہونچنے والا نہیں ہے، کیونکہ وصل سے مقصود تو وہ شہودِ ذاتی ہے جس میں وجودِ کثرتی یعنی مخلوق کے شعور کی مزاحمت نہ ہو۔ اوصاف سے متصف ہونے کا مرتبہ جو تجلیاتِ صفات بے کثرت کا مرتبہ ہے ایک وجہ سے مشکل ہے۔

اگر خواہی در مقام حضور باشی با حق سبحانہٗ از مکر و وسوسۂ شیطان آزاد باشی بلکہ ملک را اطلاع بر حضور تو نشود، بلکہ نفس ترا وقوفی برحضور تو نشود برتو باد کہ ہم نشینی با مردے کنی کہ دل و جان ایشاں در ذکرِ ذات مستغرق شدہ باشد و از خود رہائی یافتہ تعبیر ازیں معنیٰ بعضی بشہود و بعضی بیاد داشت کردہ اند اگر سعادت دست ندہد باید کہ طریقۂ ذکر یا طریقۂ توجہ و جذبۂ خواجگان را قبول کردہ ہمگی خود را بورزش ایں طریقہ برسانی تا بریں دولتِ عظمیٰ و سعادت کبریٰ کہ فوق آں مقصود نیست برسی لیس

اگر تو یہ چاہتا ہے کہ حق سبحانہٗ کے ساتھ حضور کے مقام میں رہے اور شیطان کے مکر اور وسوسے سے آزاد رہے، بلکہ تیرے حضور پر فرشتہ کو بھی اطلاع نہ ہو، بلکہ تجھے خود بھی اپنے حضور پر وقوف اور خبر نہ ہو، تو تجھ پر لازم ہے کہ تو ایسے مرد کی ہمنشینی اختیار کرے جس کا دل اور جان ذکر ذات میں مستغرق ہو گیا ہو اور اپنے سے رہائی پا چکا ہو اور دل و جان سے ذکرِ الٰہی میں مستغرق ہو جانے اور اپنے وجود سے رہائی پانے کو بعض حضرات نے شہود سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نے وجود سے کیا ہے اور بعض نے تجلّی ذات سے اور بعض نے یادداشت سے تعبیر کیا ہے۔ اگر یہ سعادت وخوش قسمتی میسّر نہ ہو سکے تو چاہیئے کہ خواجگان حضرات نقشبند کا طریقۂ ذکر یا ان کے طریقۂ توجّہ وجذبہ کو قبول کر کے یعنی دل سے تسلیم کر کے اپنے آپ کو پورے طور پر اس طریقہ کی ورزش یعنی ریاضت و محنت میں پہنچا دے، تاکہ تو اس بڑی سے بڑی دولت اور بڑی سے بڑی خوش قسمتی کو پہنچ جائے۔ جس سے بڑھ کر نہ کوئی دولت ہے اور نہ سعادت وخوش بختی۔

وَرَاءَ اللہِ الْمُنْتَھٰی وَاِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَھٰی۔ لَیْسَ وَرَاءَ عِبَادَانَ قَرْیَۃٌ

اور بے شک تیرے ربّ تک ہے تیری انتہا۔ اور عبّادان کے گاؤں سے آگے کوئی اور گاؤں نہیں ہے۔[1]

نظم	ترجمہ
عاشقاں را شادمانی و غم اوست	عاشقوں کے لیے خوشی اور غم وہ ہے۔
مُزدہ کار واُجرت خدمت ہم اوست	کام کی مزدوری اور خدمت کا معاوضہ وہ ہے۔
غیر معشوق ار تماشائے بود	معشوق کے سوائے اگر کوئی تماشا[2] ہو گا۔
عشق نبود ہرزہ سودائی بود	تو عشق نہ ہوگا دیوانہ کی بڑ ہوگی۔
عشق آں شعلہ است کوچوں برفروخت	عشق وہ شعلہ ہے۔ جب وہ مشتعل ہوگا۔
ہر چہ جُز معشوق باقی جُملہ سوخت	معشوق کو چھوڑ کر باقی جو بھی ہوگا اُس کو جلا دے گا۔

باید کہ شغل در نگاہداشت آگاہی ایں وصف بود کہ در خروج و دخولِ نفس واقف باشد کہ در نسبت حضور مع اللہ فتور سے واقع نشد تا برسد بآنجا کہ بے تکلّف نگاہداشت او ہمیشہ ایں نسبت حاضرِ دل اُو بود بتکلّف نتواند کہ ایں صفت از دل دُور کند۔

آگاہی کی حفاظت میں اس طرح مشغول رہنا چاہیئے کہ سانس کے باہر آنے اور اندر جانے میں چوکنا اور خبردار رہے، تاکہ حضُور مع اللہ کی نسبت میں کوئی فتور، خرابی اور کمی واقع نہ ہو، تاکہ وہ اس مقام پر پُہنچ جائے کہ اس کی نگاہداشت کے تکلّف کے بغیر بھی یہ نسبت ہمیشہ اس کے دل کے ساتھ ایسی موجود رہے کہ تکلّف کے ساتھ بھی اس حال یا وصف کو دُور نہ کر سکے۔

گاہ باشد کہ اورا از خود تمام بستانند نہ از خودش خبر بود نہ از وقوف قلبی بمقصود باید کہ چوں اورا بخود دہند بطریقہ مقررہ در نگاہ بداشت۔ نسبت آگاہی کمال

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب اس کو خود سے پوری طرح لے لیتے ہیں اور وہ ایسا ہوش کھویا ہوجاتا ہے کہ اسکو نہ اپنی خبر رہتی ہے اور نہ مقصود کے ساتھ وقوفِ قلبی کی یعنی دل کی آگاہی کی بھی اسکو خبر نہیں ہوتی۔ جب اللہ تعالیٰ اسکو ہوش میں لائیں تو چاہیئے کہ مقررہ طریقہ پر نسبت آگاہی کی نگہداشت میں پوری

---

[1] ہر چیز کا آخر اور ہر شے کا انجام بجز اللہ کے اور کوئی نہیں [1] تیرا آخر تیرا رب ہے جو تیرا ہی نہیں، بلکہ ساری مخلوقات کے سلسلہ کا آخر ہے اور عبّادان جزائرِ عرب کا آخری گاؤں ہے جس کے آگے اور کوئی گاؤں نہیں۔

[2] تماشا کے معنی خوشی اور مسرت کے ہیں نیز شوق سے کسی چیز کے دیکھنے کو بھی تماشا کہتے ہیں۔

سعی بجا آرد تا فتورے بواسطۂ عوارضِ نفسانیہ باو راہ نیابد و دوامِ التجا و افتقار بصفتِ انکسار بجنابِ حق سبحانہٗ قوی‌ترین سببی ست در دوامِ این نسبت باید کہ ہمیشہ از حق سبحانہٗ بوصفِ نیاز بقائے این صفت جوید اگر بعمرِ ابدی در نگاہداشتِ این نسبت سعی کند ہنوز حقِ وے گزاردہ نشود۔ غَرِیْمٌ لَا یُقْضٰی دَیْنُہٗ گویا در شانِ این نسبت ست۔

پوری کوشش کرتا رہے، تاکہ عوارضِ نفسانیہ کی وجہ سے کوئی فتور یعنی کوئی خرابی یا کمزوری اس میں راہ نہ پائے اور انکساری کے حال اور نیاز مندانہ انداز سے حق سبحانہٗ کی جناب میں ہمیشہ التجا کرنا اور محتاج بن کر مانگتے رہنا اور اس نسبت کے دوام اور اس کی پائداری میں سب سے زیادہ طاقت والا سبب ہے۔ چاہیے کہ ہمیشہ نیازمندی کے ساتھ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے اس صفت کی بقا کو طلب کرتا رہے۔ اگر اس نسبت کی حفاظت میں ابدی عمر کے ساتھ کوشش کرتا رہے اس حال میں بھی وہ اُس کا حق ادا نہ کر سکے گا۔ غَرِیْمٌ لَا یُقْضٰی دَیْنُہٗ وہ ایسا قرض خواہ ہے جس کا قرض ادا نہیں ہو سکتا۔ بظاہر اس نسبت کی شان میں ہے۔

معنیٔ مشاہدہ نہ آنست کہ حق سبحانہٗ را بحاسۂ بصر تواں دید چوں لمعۂ از انوارِ بے نہایت بر ارواح و اشباح تاختن آرد جملہ کان لم یکن چناں نیست گردند کہ از ایشاں نام ماند و نہ نشان بلکہ این بآں معنی است کہ چوں حضورِ دل بحقیقتِ ذکر کہ منزہ است از حرف و صوت بواسطۂ مواظبت بر ذکر بدرجۂ ترقی کند کہ دیگرے را در حقیقتِ دل گنجائی نماند درین حال دل را مشاہدہ گویند۔

مشاہدہ کے یہ معنی نہیں کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو کوئی آنکھ کی حس سے دیکھ سکتا ہے۔ ارواح اور اجسام پر جب جلّ جلالہٗ کے انوار کی چمک دوڑنے لگتی ہے اور اُس کے انوار کا پرتو پڑنا شروع ہوتا ہے تو ہر چیز ایسی ہو جاتی ہے جیسے کہ وہ موجود ہی نہ تھی اور تمام اجسام و ارواح ایسے نابود ہو جاتے ہیں کہ اُن کا نام و نشان بھی نہیں رہتا[1] بلکہ یہ مشاہدہ اس معنی میں ہے کہ جب دل کا حضور ذکر کی حقیقت کے ساتھ جو حرف اور آواز سے پاک ہے۔ ذکر پر مداومت کے ذریعہ اس درجہ میں ترقی کرے کہ دل کی حقیقت میں دوسرے کی گنجائش نہ رہے۔ دل کے اس حال کو مشاہدہ[2] کہتے ہیں۔

---

[1] یہ فقرہ دلیل کے طور پر ہے، یعنی جب اس کے انوار کی چمک ارواح و اجسام پر پڑتی ہے تو سب کو فنا کر دیتی ہے تو پھر آنکھ سے اس کو کیسے دیکھا جا سکتا ہے، کیونکہ جب ارواح و اجسام ہی نابود ہو جائیں گے تو اُن کے تابع جو بھی قوتیں ہیں سب فنا ہو جائیں گی اور آنکھوں کی بینائی بھی اُس کے توابع میں سے ہے وہ بھی نہ رہے گی، لہٰذا آنکھ کی بینائی سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کیسے ہو گا۔ [2] یعنی مشاہدہ کا مطلب یہ نہیں کہ حق تعالیٰ کو حسِ بصر سے دیکھیں یا کسی حس سے معلوم کریں، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب دل کا حضور حقیقتِ ذکر کے ساتھ یعنی مذکور میں (باقی آگے)

وحق را مشاہد وکمال ذوق ازیں مشاہدہ وقتی دست بدہد۔ کہ آگاہی او از وَصف حضور لشود حضوری باشد بی مزاحمت شعور بحضور چہ بمقدار شعور بحضور نقصانی در حضُور بحق سبحانہٗ واقع شود و ذاتِ مقدس او ازاں برتراست کہ در دیدۂ بصیرت دل آید فکیفَ کہ در نظرِ حِس آید ازینجاست کہ عَطش مُتعطِشان زلالِ وصال بمشاہدہ سرّی ہرگز تسکین نیابد، بلکہ تشنگی بر ایشاں زیادت گردد و واللہ اعلم بحقایق الامور۔

اور حق تعالیٰ کو مشاہد کہتے ہیں اور اس مشاہدہ کا کمال اس وقت حاصل ہوگا جبکہ اس کی آگاہی حضُور کے وَصف کے ساتھ ہوگی جو ایسا حضور ہو کہ اس میں شعور کی رکاوٹ نہ ہو، چونکہ جس قدر حضور کا شعور ہوگا اُسی قدر حق سبحانہٗ کے حضور میں نقصان اور کمی واقع ہوگی اور اس کی ذاتِ مقدّس اس سے برتر ہے کہ دل کی آنکھ میں آئے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حِس کی نظر میں آوے۔ یہی وجہ ہے کہ وصال کے شیریں پانی کے پیاسوں کی پیاس باطنی مشاہدہ[1] سے ہرگز تسکین نہیں پاتی۔ بلکہ اُن پر پیاس اور زیادہ ہوجاتی ہے[2]۔ واللہ اعلم بحقایق الامور۔

ایک رات محبّت ذاتیہ میں گفتگو ہو رہی تھی جس سے مراد حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ دل کا مربُوط ہوجانا یعنی اُس پر عاشق ہوجانا بغیر اس کے کہ اس محبّت کا کوئی سبب جانیں یا اُس کی کوئی وجہ پہچانیں، بلکہ ایسی رغبت اور کشش ہے جس کے روکنے اور دُور کرنے پر قدرت نہ ہو۔ حضرت خواجہ نے فرمایا، "تاشکند کے اطراف میں دو کم عمر لڑکوں سے ہم نے اس نسبت کو معلوم کیا۔ ایک لڑکا تو ہمیشہ ہمارے اصحاب کے حلقہ کے گرد پھرتا رہتا تھا۔ وہ دُور جاکر بیٹھ جاتا اور گردن ٹیڑھی رکھتا تھا۔ ایک دن میں وَضو کے لیے اُٹھا تو اس نے لوٹے کی طرف مسارعت (جلدی) کی۔ جب میں فارغ ہو گیا۔ مَیں نے اس سے پوچھا۔ تیرے یہاں آنے کا سبب کیا ہے؟ بہت عرصہ سے تو یہاں پھرتا ہے۔ اُس نے کہا:۔

(گزشتہ صفحہ سے آگے) گم ہوجانا جو کہ حرف اور آواز سے پاک ہے ذکر پر مداومت اور مواظبت کے ذریعہ اس درجہ میں ترقی کر لیتا ہے کہ دل کی حقیقت میں دوسرے کے لیے گنجائش اور سمائی نہیں رہتی اور اس حالِ دل کو مشاہدہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو مشاہَد کہتے ہیں۔

[1] کہتے ہیں مشاہدہ سرّی باطنی مشاہدہ جو ادراک یعنی دریافتوں اور معلومات کی انتہا ہے وہ ہرگز خالی نہیں ہوتا اور شہود حق سے تسکین نہیں پاتا۔ اس لیے کہ ذاتِ حق کی ماہیّت اور حقیقت اور اُس کے انتہار کو پہونچنا ناممکن ومحال ہے بہر حال اور مراتب اگرچہ مجمل ہو پھر بھی بے نہایت ہیں ؎

اے برادر بے نہایت درگہے ست ہرچہ بروے میرسی بروے یَست

[2] جس قدر مشاہدہ ہوگا پیاس یعنی مشاہدہ کی طلب بڑھے گی۔ اس حالت کو اس شعر میں بیان کیا گیا ؎

شَرِبتُ الکاسَ کاساً بعدَ کاسٍ فَما نَفِدَ الشرابُ وَلاَ رُوَاءٌ

مَیں نے پیالہ پر پیالہ پیا پھر بھی نہ شراب ختم ہوئی اور نہ پینے والے

من ہمی نہ دانم ایں قدرے دانم کہ ہر گرگہ اینجامی آیم درباطن خود کششی بحضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ بازمے یابم وخود را از ہمہ بایستہا خالی بینم - ترجمہ :- مَیں نہیں جانتا ہوں - ہاں اتنا جانتا ہوں کہ جب یہاں آجاتا ہوں تو اپنے دل میں حق تعالیٰ کی محبّت اور اپنے اندر اس کی طرف کشش اور جذب کو پاتا ہوں اور خود کو تمام تقاضوں اور ضرورتوں سے خالی دیکھتا ہوں -

وازاں لذّتے عظیم بمن میرسد چوں بیروں مے روم ازاں نسبت تہی مے شوم - اور اس کیفیّت سے مجھے بڑی لذّت محسوس ہوتی ہے اور جب باہر چلا جاتا ہوں تو اس نسبت اور لگاؤ سے خالی ہو جاتا ہوں -

اور دوسرا لڑکا بے انتہا خوبصورت تھا اور ہمارے اصحاب کے ساتھ گھلا ملا رہتا تھا اور ان اطراف میں بہت لوگ اس سے دلی لگاؤ (محبّت رکھتے) اور ہمارے اصحاب کو بھی اُس کی محبّت کے ساتھ مطعون رکھتے تھے یعنی عیب لگاتے تھے - مَیں نے کہا ، اس سے معذرت چاہو یعنی معافی مانگ کے یہاں سے رُخصت کر دو - اُنہوں نے ہر چند اس میں مبالغہ کیا - اس نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا - آخر کار وہ رونے لگا اور بڑی بے قراری اور سخت بے تابی کی اور کہا ، آخر اس میں آپ لوگوں کا کیا فائدہ ہے کہ مَیں یہاں نہ آؤں - باہر رہنے میں لوگ مجھے پراگندگی میں ڈالتے ہیں اور میری طمانیّت کو دُور کر دیتے ہیں اور میرا باطن تقاضوں اور خواہشوں کی کشاکش (کھینچا تانی) اور رنج و مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جو جمعیت کی نسبت یہاں اَز خود پاتا ہوں اِس نسبت سے دُور جا پڑتا ہوں - دوستوں نے اُس کو مجبور جان لیا یعنی اس کو معذور جان کر کہنا چھوڑ دیا اور اُس کی مجبوری کو سمجھ لیا - اس کا کام یہاں تک پہنچ گیا کہ اس نسبت کا مغلوب ہو گیا یعنی محبّت ذاتی و عشق کی نسبت نے اُس کو مغلوب الحال ہوش کھویا اور ایسا حواس باختہ بنا دیا کہ کئی دفعہ وہ اپنے گھر کا راستہ بھی بھُول جاتا تھا اور جس وقت مجھے اس سے کام ہوتا - جب میں گھر سے باہر آتا تو وہ یا تو دروازہ پر ہوتا یا راستہ میں ہوتا تھا اور جب میں چاہتا کہ اُسے کوئی کام کہوں تو وہ اس کام کو کیے ہوئے ہوتا یا کرتا ہوا ہوتا تھا -

رہانیدن مُرغ لاہوتی کہ محبوس قفس ناسوتی ست بے تاثیر جذبہ کہ لازم است مقامِ محبوبی را باز بستہ بمتابعت مصطفویست میسّر نہ گردد فَعَلَيْكَ بِاتِّبَاعِهٖ - مُرغِ لاہوتی[1] جو ناسوتی پنجرہ میں مقیّد ہے - جذبہ کی تاثیر کے بغیر جو مقامِ محبوبی کے لیے لازم ہے - پھر مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ وابستہ ہے - رِہائی پانا ممکن نہیں[2] - پس اگر تم حقیقۃ الحقائق کی

---

[1] لاہوت وہ زندگی جو تمام چیزوں پر اثر انداز ہے اور دخیل ہے ، ناسوت رُوح کے مقام اور جگہ کو کہتے ہیں اور بعض کتابوں میں یہ ہے :-
اَللَّاهُوْتُ عَالَمُ الذَّاتِ ، وَالنَّاسُوْتُ اَلْعَالَمُ الْاِنْسَانِيَّةُ - لاہوت عالمِ ذات ہے اور الناسوت عالمِ انسانیہ ہے -

[2] مطلب یہ ہے کہ رُوح جسم کے ڈھانچہ میں مقیّد کر دی گئی ہے اور اس قید سے اس کی رہائی اس صورت میں ممکن ہے جبکہ (باقی آگے)

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ کُنْتَ مُتَوَجِّهًا اِلٰی حَقِیْقَۃِ الْحَقَائِقِ الَّتِیْ لَہَا وَجْہٌ فِیْ کُلِّ مَوْجُوْدٍ وَبِہٖ تَحَقَّقَتِ الْمَوْجُوْدَاتُ گویا اشارت لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ باین حقیقت است این جا۔ بدانی وَھُوَ مَعَکُمْ - طرف دلی رغبت رکھتے ہو جس کی ہر چیز اور موجود میں توجّہ ہے اور اس توجّہ سے ہی تمام موجودات قائم بھی ہیں اور وجود میں بھی آتے ہیں۔ گویا کہ اس آیت وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی مشرق و مغرب صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ کہ اس کی ذات اور توجہ ان میں ظاہر ہے۔ پھر جب اس کا رُخ ہر جانب ہے۔ پس مشرق و مغرب کی جس سمت میں بھی تم رُخ کرو گے۔ تمہارا رُخ اس کی طرف ہی ہوگا۔ اور جس طرف بھی تم متوجہ ہوگے اللہ کی ذات کو موجود پاؤ گے۔ یہاں سے تو جانے گا وَھُوَ مَعَکُمْ وہ تمہارے ساتھ ہے" اس کا کیا مطلب ہے یعنی چیزوں کے ساتھ حق سُبحانہٗ کی معیّت کی حقیقت یہاں ظاہر ہوگی۔

بیت: او بما از ما بے نزدیکتر داند آں کس کوز خود دارد خبر

وہ ہم سے زیادہ ہمارے قریب تر ہے۔ اس حقیقت کو وہی جانتا ہے جو اپنی حقیقت سے باخبر ہے۔[۲]

(صفحہ گزشتہ سے آگے) کشش اور جذبہ کا عمل اس رُوح کو اس پنجرہ سے نکال لے اور جذبہ و کشش مقام محبوبی کے لیے لازم ہے یعنی ایسا چپٹا ہوا ہے جو اس سے جدا نہیں ہوتا۔ پس یہ نہ ہوگا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے لیے جذبہ و کشش نہ ہو اور مقامِ محبوبی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنائے اور غیر سے چھڑا دے تو تم میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو مقامِ محبوبی عطا فرما دے گا۔ خلاصہ یہ کہ تم اللہ کے محبوب کی پیروی کرو گے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلوگے تو اس اتباع سے تم بھی اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ ؎ حقیقۃ الحقائق سب اصلیتوں کی اصل اور سب ماہیتوں کی ماہیّت اور سب جواہر کے جوہر یعنی اللہ کی ذاتِ اقدس ہے جو ہر وجود کی علّت اور سبب ہے اور اس کی توجّہ اور ارادہ سے تمام موجودات موجود ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎ پہلا مصرع اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ترجمہ ہے: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ ہم آدمی کے ساتھ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ مگر اس قرب کی حقیقت اس شخص کی سمجھ میں آئے گی جو اپنی اصلیت اور حقیقت کو سمجھتا ہوگا۔

برخورداری از حیات کسے راست کہ دلش از دنیا سرد باشد و بذکرِ حق گرم۔ حرارتِ قلبش نہ گزارد کہ محبّت دُنیا گرد حریمِ دلِ او گردد۔ تا چناں گردد کہ اندیشہ اَش جز حق سبحانہٗ ہیچ نباشد۔

زندگی سے اصل فائدہ اس کو حاصل ہے جس کا دِل دنیا سے سرد ہو گیا ہو اور حق کے ذکر کے ساتھ گرم اور اتنا گرم کہ اُس کے دل کی گرمی اس کا موقع نہیں دیتی کہ دنیا کی محبت اس کے دل کے پاس بھی پھٹک سکے۔ اس کا حال یہاں تک ہو جاتا ہے کہ اس کی فکر اور سوچ میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یعنی اس کی سوچ اور فکر کا محور صرف حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات عالی رہ جاتی ہے اور ماسوا کا فکر اور خیال اُس کے قلب و دماغ سے کافور ہو جاتا ہے۔

فیض بخشیں را مظاہر کثیرہ است۔ ہر چہ موجود است او را از تجلّی ذاتی نصیب است کہ آں را وجہ خاص مے گویند این وجہ را انجذاب بحق سبحانہٗ واقع ست بحسب دوام توجہ اگر بتاثیر اسم الہادی از تصرّف اسم المُضِلّ نجات یابد بدوام انجذابش بذاتِ مقدسہ از خود بکلّی نیست شدہ بہ مہیمن ملحق شدہ غیر از حق سبحانہٗ نہ بیند و نداند۔ وَالعِیَاذُ بِاللہِ اگر بتاثیر اسم المضل طریقۂ مستقیمہ انجذاب بذات گم کند۔ گرفتار خود گشتہ جز خود نہ بیند و خبر خود نداند۔ ہماں آں کند کہ ظلمتش بر ظلمت افزاید ہمیشہ محجوب و ممنوع از شہود وحدت گردد۔ نہ او را روح در طاعت باشد، بلکہ طاعت نیز نباشد۔ ہمہ عذابہائے دینوی و اُخروی و صوری و معنوی را مستعد و مہیّا گردد۔ وخلاص ازیں بلیّہ اسباب ست از توبۂ نصوح و مباشرت اعمال صالحہ۔ بہترین آنکہ از سرِ صدق بخدمت طائفہ کہ بمحبت ذاتی از خود رہائی یافتہ اند قیام نماید تا بتمامی خود را در ایشاں گم کند۔ رَزَقَنَا اللہُ وَ اِیَّاکُمْ۔

پہلے فیض کے لیے بہت مظاہر ہیں۔ موجودات میں جو کچھ بھی موجود ہے اس کے لیے تجلّی ذاتی سے حصّہ ہے کہ اس حصے کو وجہ خاص کہتے ہیں۔ اس وجہ کو باعتبار دوام توجہ کے، حق سبحانہٗ کے ساتھ انجذاب اور کشش واقع ہے۔ اگر اسم الہادی کی چمک اور نورانیت کے ساتھ اسم المضل کے تصرّف سے نجات پا جاتا ہے تو ذاتِ مقدسہ کے ساتھ اپنی دوام کشش کی وجہ سے وہ اپنے آپ سے پورے طور پر نیست و نابود ہو کر مہیمن "مہربانی کرنے والے" اور حفاظت کرنے والے کے ساتھ مل کر نہ وہ حق سبحانہٗ کے ماسوا کو دیکھتا ہے اور نہ جانتا ہے۔ اللہ بچائے۔ اگر اسم مضل "گمراہ کرنے والے" کی ظلمت و اثر سے ذاتِ حق کے ساتھ انجذاب کے طریقہ کو گم کر دے تو اپنا گرفتار ہو کر اور اپنے میں پھنس کر پھر وہ اپنے سوا کو نہ دیکھتا ہے اور نہ اپنے سوا کو جانتا ہے، بلکہ وہ صرف اپنے کو دیکھتا ہے اور اپنے کو ہی جانتا ہے۔ اور سارا کچھ وہی کرتا ہے کہ جس سے اسکی سیاہی پر سیاہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور اللہ کی یکتائی کے شہود اور حضور کو پیش نظر رکھنے سے وہ محجوب یعنی پردہ میں کر دیا جاتا ہے۔ اور اُس کے تصور و خیال سے وہ روک دیا جاتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ بندگی میں اُس کے لیے لذت اور راحت نہیں رہتی ہے، بلکہ اللہ کی فرمانبرداری اور بندگی بھی نہیں رہتی۔ وہ

دُنیوی اور اُخروی، ظاہری اور باطنی تمام عذابوں کے لیے آمادہ اور تیار رہتا ہے اور اس مصیبت و بلا سے نجات پانے کے اسباب میں توبۂ نصوح ایسی سچی اور خلوص والی توبہ ہے جسکے بعد پھر گناہ نہ کرے اور اس کے بعد اعمالِ صالحہ کو کرنا ہے اور اس باب میں سب سے بہتر یہ ہے کہ صدق نیت سے اس جماعت کی خدمت میں جنہوں نے ذاتی محبت کے ساتھ اپنی ہستی سے رہائی پالی ہو حاضر ہوکر رہنے لگے۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو پورے طور سے ان میں گم کردے اور اپنی مرضی اور خواہش کو اُن کی مرضی اور خوشنودی میں فنا کردے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں یہ نعمت نصیب کرے۔ آمین۔

دانی کہ پیر کیست؟ پیر آنکس ست کہ آنچہ مرضیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، نیست از و نیست شُدہ باشد و آنچہ نہ از وست صلّی اللہ علیہ وسلّم نماندہ، بلکہ او و بایست او از و تمام گم شُدہ باشد و او آئنہ شُدہ باشد کہ جز اخلاق و اوصاف نبوی در وہیچ نباشد و دریں مقام بواسطۂ اتصافِ اوصافِ نبویہ مظہرِ تصرّفِ حق سبحانہٗ گشتہ بتصرفِ الٰہی در بواطن مستعدان تصرّف کردہ تمام از خود خالی شد و بمرادِ حق سبحانہٗ ایستادہ۔ بیت:

تجھے معلوم ہے کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے کہ جو چیز کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پسندیدہ نہیں ہے وہ اس سے جاتی رہی ہو اور جو کچھ کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے نہیں ہوا وہ اس میں نہ رہا ہو۔ بلکہ وہ اپنے سے کامل طور پر غائب ہوگیا ہو۔ اور اس سے اس کی خواہش پوری طرح مفقود ہوگئی ہو اور وہ ایسا آئینہ ہوگیا ہو کہ اُس میں اخلاق و اوصاف نبویؐ کے سِوا دُوسری کوئی چیز باقی نہ رہی ہو اُس مقام میں صفاتِ نبویہ سے موصوف ہونے کے سبب حق سُبحانہٗ کے تصرف کا مظہر بن کر اور خدا تعالیٰ کے تصرّف کے ساتھ اہلِ استعداد کے باطنوں میں تصرّف کرتا ہو اور اپنے سے پورے طور پر خالی ہوکر حق سبحانہٗ کے مقصد اور مراد کے ساتھ کھڑا ہوا ہو۔

از بس کہ در کنار ہمیں گیرد آں نگار
بگرفت بوئے یار و رہا کرد بوئے طین

یقیناً وہ معشوق اُس کو ہی بغل میں لے گا جو یار کی خوبی لے گا اور مٹی کی خصلت چھوڑ دے گا۔ یعنی اللہ کے اخلاق اختیار کرے گا اور بشری صفات، حرص، اُمیدوں اور خودغرضیوں کو چھوڑ دے گا۔

مرید آنکہ بتاثیر آتش محبّت و ارادت بایست او سوختہ باشد و از مرادات او ہیچ نماندہ و بصیرتِ دل در آئینۂ پیر جمالِ مراد دیدہ روئے از مجموع قبلہا

مرید وہ ہے کہ محبّت اور عقیدت کی آگ سے اس کی چاہت اور ضرورت جل چکی ہو۔ اور مرادوں اور چاہتوں میں سے کچھ نہ رہا ہو اور دل کی بصیرت سے پیر کے آئینہ میں مراد کا چہرہ دیکھ کر سب قبلوں سے مُنہ پھیر لیا ہو۔

لے خلاصہ یہ ہے کہ اصلی پیر وہ ہے۔ جس کا کوئی قول، کوئی فعل خلافِ سُنّت نہ ہو۔ اس میں خودغرضی نہ ہو۔ اللہ کی یاد اس پر اتنی غالب ہو کہ وہ خود کو بھول گیا ہو۔ اللہ کی دی ہوئی طاقت کے ذریعہ لوگوں کو بے دینی سے ہٹا کر دین پر لگا دیتا ہو۔ اس کا اپنا کوئی مقصد نہ ہو، بلکہ اللہ کی مراد یعنی اس کے مقصد کی تکمیل پر کمربستہ ہو۔ ہر وقت حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ادا کرنے کی فکر میں رہتا ہو۔

گردانیده و قبلهٔ او جمال پیر گشته و در بندگی پیر از آزادی فارغ آمده و سرِ نیاز جز بر آستانهٔ پیر نینداخته و اعراض از مجموعے کرده سعادت خود در قبول او دانسته و شقاوت خود را در ردِّ او بلکه رقمِ نیستی بر ناصیهٔ وجود کشیده و از تفرقهٔ شعور بوجودِ غیرِ پیر خلاص گشته۔ بیت:

اور اس کا قبلہ پیر کا حسن و جمال ہو گیا ہو اور نیاز کا سر پیر کے آستانہ کے بغیر اور کہیں نہ رکھتا ہو اور سب سے منہ پھیر کر اپنی سعادت و خوش نصیبی کو اس کے قبول میں جانتا ہو اور اپنی بدنصیبی کو اس کے رد کرنے اور اس کے دل سے گر جانے میں، بلکہ کچھ نہ ہونے کی تحریر اپنے وجود کی پیشانی پر لکھ دی ہو اور پیر کے ماسوا کے شعور کے تفرقہ سے آزاد اور خلاص ہو گیا ہو۔

آں را کہ در سرائے نگاریست فارغ است
از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

جو آدمی معشوق کے گھر میں ہے وہ باغ[1] و بوستان اور لالہ زار کے تماشا سے فارغ ہے۔

اگر پرسند کہ توحید چیست۔ بگو تخلیصِ دل و تجرید از آگاہی بغیرِ حق سبحانہٗ

اگر پوچھیں کہ توحید کیا ہے؛ تو کہہ حق سبحانہٗ کے غیر کی واقفیت اور خبرداری سے دل کو خالی کر لینا۔

اگر پرسند کہ وحدت چیست۔ بگو تخلیصِ دل از عدم و شعور بوجودِ غیر۔

اگر پوچھیں کہ وحدت یعنی تنہائی اور یگانگی کیا ہے؛ تو کہہ کہ غیر کے وجود کا علم و شعور دل سے نکال[2] دینا۔

اگر پرسند کہ اتحاد چیست استغراق در ہستیِ حق سبحانہٗ۔

اگر پوچھیں کہ اتحاد، ایک ہو جانا کیا ہے؛ تو کہہ کہ حق تعالیٰ کی ہستی میں غرق ہو جانا۔

اگر پرسند سعادت چیست بگو خلاصی از خود بدید حق سبحانہٗ

اگر پوچھیں سعادت اور خوش نصیبی کیا ہے؛ اپنے سے چھٹکارا پانا حق کے دیکھنے کے ساتھ۔

اگر پرسند شقاوت چیست۔ بگو بخود در ماندن و از حق باز ماندن

اگر پوچھیں شقاوت[3]، بدبختی، سنگدلی کیا ہے؛ تو کہہ اپنے میں مشغول رہنا اور حق تعالیٰ سے دور رہ جانا ہے۔

اگر پرسند وصل[4] چیست۔ بگو نسیانِ خود بشہود و نورِ وجودِ حق سبحانہٗ۔

اگر پوچھیں کہ وصل کیا ہے؛ تو کہہ کہ حق سبحانہٗ کے وجود کے نور کے مشاہدہ میں خود کو بھول جانا۔

---

[1] باغ، چمن کو کہتے ہیں۔ بوستان پھلواری کو اور لالہ زار وہ کھیت جس میں لالہ کے بہت پھول ہوں۔ لالہ ایک مشہور پھول ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اردو میں بھی اس پھول کو لالہ کہتے ہیں۔ ہندوستان میں ہوتا ہے کچھ گلابی اور سرخ رنگ۔ بغیر کھلے گلاب کی برابر ہوتا ہے [2] مطلب یہ ہے کہ دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ مخلوق کا وجود اپنا وجود نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے موجود ہے۔ ہر چیز کا وجود مجازی ہے اور اللہ تعالیٰ کا وجود حقیقی ہے۔ [3] شقاوت کے معنی بدبختی اور سنگدلی دونوں آتے ہیں [4] معشوق سے ملنا اور ملاقات کرنا۔
[5] میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے خط کے ذریعے حق تعالیٰ کے ساتھ وصل کا مطلب پوچھا۔ حضرت مدنی نے اس کے جواب میں یہ شعر لکھا۔

قرب او را وصال می گویند وصل او را محال می گویند

اگر پرسند فصل چیست۔ بگو جدا کردن سر از غیر حق سبحانہٗ۔

اگر پوچھیں کہ فصل[1] کیا ہے؟ تو کہہ غیر حق سبحانہٗ سے دل کو جدا کر دینا اور غیر حق سے اُس کے تعلق کو کاٹ دینا۔

(۷)

اگر پرسند سکر چیست۔ بگو، ظاہر شدن۔ حالے بر دل کہ دل نتواند کہ پوشیدہ دارد چیزے را پوشیدن دارد چیزے را پوشیدن آن چیز پیش ازیں حال واجب ست۔

اگر پوچھیں کہ سُکر (مستی و نشہ) کیا ہے؟ تو کہہ دل پر ایسے حال کا ظاہر ہو جانا جس چیز کا اس حال سے پہلے چھپانا واجب تھا۔ اس حال میں اس کے چھپانے کی دل میں طاقت نہ رہے۔ یعنی دل اُس کے ظاہر کرنے پر مجبور ہو جاوے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ نے فرمایا کہ مولانا حسام الدین شاشی حضرت امیر سیدؒ کلال کے صاحبزادہ امیر حمزہ رحمہم اللہ تعالےٰ کے اصحاب میں سے تھے۔ ان کو پورا استغراق رہتا تھا۔ ان کو بخارا کی قضا کے منصب پر مقرر کر دیا گیا۔ مَیں ان کی عدالت میں حاضر ہوتا۔ ان کے بالمقابل ایک کٹہرہ تھا کہ مَیں تو ان کو دیکھتا اور وہ مجھے نہ دیکھتے تھے۔ مَیں وہاں بیٹھا رہتا اور غور سے انہیں دیکھتا رہتا تھا۔ مَیں نے کسی لمحہ بھی اُن کے ذکر میں فراموشی و غفلت کو نہ پایا۔ اور نہ ہی اس میں نقص یا خرابی اور سستی کو پایا۔ اور حضرت خواجہ نے یہ بھی فرمایا کہ مولانا حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ اس کام کے لیے کوئی لباس اس سے بہتر نہیں ہے کہ فایدہ پہونچانے اور فایدہ حاصل کرنے کے اہلِ علم کی صُورت میں[2] رہے اور حضرت خواجہ عبید اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا کہ میرے اندر تصرّف فرمایا، یعنی مجھے توجہ دی اور میں بے خود ہو کر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو حضرت خواجہ میرے پاس سے آگے جا چکے تھے۔ مَیں نے چاہا کہ آپ کے پیچھے جاؤں۔ میرے پاؤں لڑکھڑا جاتے تھے۔ بڑی تکلیف سے خواجہ کے پاس پہنچا، تو فرمایا مُبارک ہو۔ حضرت خواجہ عبید اللہ نے یہ بھی فرمایا، ایک اور دفعہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا، اُنہوں نے چاہا کہ مجھ میں تصرف کریں، لیکن نہ ہو سکا[3]۔ شاید اس کی یہ وجہ ہوئی ہوگی کہ خواجہ بزرگ پہلے تصرّف کر چکے تھے۔ یہ فقیر جس زمانہ میں بخارا پہونچا اور مولانا حسام الدین اور مولانا

---

[1] فصل۔ وصل کی ضد ہے یعنی جدا ہو جانا، دُور ہو جانا اور کٹ جانا۔

[2] یعنی درویشی کو چھپانے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ علم والوں کی صورت میں علم لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور دوسروں سے فائدہ حاصل کرے۔ مثلاً طالب علم بن کر علم حاصل کرتا رہے یا معلّم بن کر دوسروں کو علم سکھاتا رہے یا اُمّت کے عقاید اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لیے زبان و قلم سے جہاد کرتا رہے۔ [3] یعنی توجہ کے ذریعے میرے حال میں تبدیلی فرمائیں۔

حمید الدین شاشیؒ کی خدمت کے شرف سے مشرف ہوا۔ اس فقیر میں اضطراب و اضطرار[1] تھا۔ آپ نے فرمایا، مراقبہ حقیقت میں انتظار ہے۔ اور حقیقت مراقبہ اسی انتظار کی تعبیر اور بیان[2] ہے۔ نہایت سیر۔ سیر کی انتہا اس انتظار کے حصول کی تعبیر اور بیان[3] ہے۔ اور اس کے انتظار کے ثابت اور پختہ ہو جانے کے بعد کہ اس کا ظہور غلبۂ محبت ہے[4]۔ اس کی رہنمائی کرنے والا صرف انتظار ہی ہے اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی بھی اس کے لیے راہ بتانے والا نہیں ہے۔

بیت :۔ گر ندارم از شکر جز نام بہر   ایں بسے بہتر کہ اندر کام زہر

آسمان نسبت بعرش آمد فرود   ورنہ بس عالیست پیش خاک تود

ترجمہ :۔ اگر میں مٹھائی کے نام کے سوا کچھ نہ کہوں بہر صورت یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ منہ میں زہر ہو۔ آسمان عرش کی نسبت تو نیچا ہے، لیکن مٹی کے ٹیلوں کے سامنے اونچا ہے۔

چوں امثال ما فقیراں را بطریق ذوق دریافت ایں معانی میسر نیست گرفتاری بایں چنیں گفت و گوئی شیریں   جبکہ ہم جیسے فقیروں کو بطریقہ ذوق یہ مطالب میسر نہیں تو ایسی باتوں میں گرفتاری بڑی میٹھی معلوم ہوتی ہے[5]۔ خدا تعالیٰ

---

[1] مجھ میں بے قراری، بے چینی، تڑپ اور بے کلی تھی یعنی اس کی طلب نے مجھے بے تاب کیا ہوا تھا۔

[2] جیسے کوئی بھکاری کریم کے دروازہ پر خیرات کے انتظار میں بیٹھا ہوا انتظار کرتا ہے کہ اس دروازہ سے جو آئے گا لوں گا۔

[3] مراقبہ کی اصلیت و ماہیت یہی انتظار ہے۔ دوسرے الفاظ میں انتظار کو ہی مراقبہ کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مراقبہ انتظار کی کیفیت اور حالتِ انتظار کو کہتے ہیں۔ اور نہایت سیر انتظار کی کیفیت اور حالت کے حاصل ہو جانے کو کہتے ہیں۔ مختصر طور پر سمجھو کہ سیرالیٰ کی انتہا یہی انتظار ہے۔ اس بنا پر کہ اس کا انتظار نتیجہ کا انتظار ہے اور نتیجہ کا انتظار قطع مسافت یعنی دوری اور فاصلہ کو ختم کرنے کے بعد ہوتا ہے اور اس وجہ سے کہ چونکہ نہایت ہے یعنی انتظار سالک کی آخری منزل ہے۔ مشائخ کہتے ہیں کہ نہایات مقامات، بدایت ابن طائفہ خواجگان است قدّس اللہ اسرارہم یعنی دوسرے حضرات کو جس کی انتہا میں اور آخر میں ضرورت ہوتی ہے۔ حضرات نقشبند ابتدا میں اس کا امر فرماتے ہیں۔

[4] محبت کا غلبہ یعنی محبت کا زور جسے عشق بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ کافر اپنے بتوں سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان والے ہیں۔ وہ اللہ سے سب سے زیادہ قوی محبت رکھتے ہیں۔ یعنی اُن پر محبت کا غلبہ اور ایسا زور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلے میں انکی ساری محبتیں کمزور اور ضعیف ہو جاتی ہیں۔

[5] یعنی یہ باتیں جو ہم نے کہی ہیں اگرچہ یہ ہمارا حال نہیں اور ان کے ذائقہ سے ہم ناآشنا ہیں، مگر ان باتوں کی گرفت اور ان کے (باقی آگے)

ترمے نماید از اشتغال بغیر ایں گفتگو رَزَقَنَا اللّٰہُ وَ اِیَّاکُمُ اِنْتِظَارًا یُغْنِیْنَا عَنْھَا بِحُرْمَۃِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم

ہم کو اور تم کو ایسا انتظار نصیب کرے جس کے سبب دوسروں سے ہم کو بے پرواہ اور بے نیاز کر دے بحرمتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۶۰ حضرت عین القضاۃ ہمدانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

ان کا نام عبداللہ بن محمد المیانجی[1]، کنیت ابو الفضائل اور لقب عین القضاۃ ہے۔ شیخ محمد بن حمویہ اور شیخ احمد غزالی کی صحبت میں رہے۔ ان کے فضائل و کمالات صوری و معنوی ان کی لکھی ہوئی کتابوں سے ظاہر ہیں، خواہ فارسی کی ہوں یا عربی کی اور جسقدر حقائق کو اُنہوں نے کھولا ہے اور باریکیوں کی تفصیل و تشریح اُنہوں نے کی ہے دوسرے کسی نے کم ہی کی ہے۔ ان سے خرق عادات مثلاً زندہ کرنا اور مارنا بھی ظہور میں آیا۔ شیخ احمد اور ان کے درمیان خط و کتابت کا طویل سلسلہ رہا۔ ان میں سے رسالہ عینیہ ہے جو شیخ احمد نے ان کو لکھا تھا۔ کہہ سکتے ہیں کہ فصاحت و بلاغت روانی و سلاست میں اس جیسا کوئی دوسرا رسالہ نہیں۔

کتاب زبدۃ الحقائق میں عین القضاۃ لکھتے ہیں کہ جب میں علومِ رسمیہ کی گفتگو سے اُکتا گیا اور دل برداشتہ ہوگیا، تو حجۃ الاسلام کی تصنیفات کے مطالعہ میں مشغول ہوگیا اور چار سال تک اس مطالعہ میں مشغول رہا۔ جب میں نے اپنا مقصود اس سے حاصل کیا تو میں نے سمجھا کہ میں اپنے مقصد کو پہنچ گیا اور واصل ہوگیا۔ اپنے دل میں کہا،

اِنْزِلْ بِمَنْزِلِ زَیْنَبَ وَ رُبَابَ وَارْبَعَ ۔۔۔ زینب اور رباب کے مکان میں اُتر اور قیام کر[2]

فَھٰذَا مَرْبَعُ الْاَحْبَابِ ۔۔۔ کیونکہ یہ دوستوں کے رہنے کی جگہ ہے۔

یعنی زینب اور رباب کی منزل میں قیام کر اور اسی جگہ عمر گزار دے کہ یہ دوستوں کی منزل ہے اور قریب تھا کہ میں طلب سے دستکش ہو کر بیٹھ رہوں اور جو علوم حاصل کر چکا ہوں اُن پر قناعت کروں۔ ایک سال تک اسی حال میں رہا۔ اتفاق سے سیدی و مولائی الشیخ الامام احمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ میرے وطن ہمدان تشریف لائے اور اُن کی صحبت میں بیس دن کے اندر مجھ پر وہ چیز ظاہر ہوئی کہ مجھ سے میری طلب اور خواہش سے اُس نے اپنے علاوہ کچھ باقی نہ چھوڑا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) محدود رہنا زیادہ پیارا اور شیریں معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کو چھوڑ کر دوسری باتیں کیں اور ان میں اپنے وقت کو ضائع کریں۔ اگلا شعر اس مضمون کی تائید میں ہے کہ مٹھائی مٹھائی کہنا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ حلق میں زہر ہو کہ اگر وہ پیٹ میں چلا جائے تو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔

[1] المیانجی تبریز اور ہمدان کے درمیان میں رہتے تھے۔ [2] زینب اور رُباب عرب کی دو محبوب عورتوں کے نام ہیں۔

اِلّا ماشاء اللہ اور اب میرے لیے کوئی کام نہیں بجز اس چیز میں فنا کی طلب کے اور اگر میں نوحؑ جیسی عمر پاؤں اور اس طلب میں اس کو ختم کر دوں، تو یہی خیال کروں گا کہ مَیں نے کچھ بھی نہیں کیا اس چیز نے سارے جہان کو ایسا گھیر لیا ہے کہ میری نظر اب کسی چیز پر بھی نہیں پڑتی کہ جس میں اس کی ذات کو نہ دیکھوں[1] اور جس سانس میں میرے استغراق میں اضافہ نہ ہو۔ وہ میرے لیے مبارک نہ ہو[2]۔ اور اُنھوں نے یہ بھی کہا، کہ میرے باپ، مَیں اور ہمارے شہر کے آئمہ کی ایک جماعت صُوفی کے گھر کے اگلے حصہ میں حاضر تھے۔ ہم رقص کرتے تھے اور ابو سعید ترمذی ایک بیت کہتا تھا۔ میرے باپ نے دیکھا اور کہا، مَیں نے خواجہ احمد غزالی قدّس اللہ روحہٗ کو مکاشفہ کے طریقہ[3] میں دیکھا کہ وہ ہمارے ساتھ رقص کرتے تھے اور ان کا لباس ایسا اور ایسا تھا اور نشانیاں دیتے تھے۔ ابو سعید نے کہا، مجھے مرنے کی آرزو ہے۔ مَیں نے کہا، مرجا۔ وہ اُسی وقت بیہوش ہو گیا اور مر گیا۔ مفتی وقت اُس وقت موجود تھا۔ اُس نے کہا، جب تو زندہ کو مردہ کر دیتا ہے تو مُردہ کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔ مَیں نے کہا، مردہ کون ہے؟ اس نے کہا، فقیہہ محمودؒ! مَیں نے کہا، خداوندا! فقیہہ محمود کو زندہ کر دے۔ وہ اُسی وقت زندہ ہو گیا۔ عین القضاۃ نے یہ بھی کہا، اے عزیز! جس کام کی نسبت تو خدائے تعالیٰ کے غیر کی طرف دیکھے (کہ یہ کام فلاں نے کیا ہے یا فلاں کرتا ہے) اُس کو مجازی[4] جان۔ حقیقی یعنی اصلی نہ جان۔ فاعل مطلق اصل میں اللہ تعالیٰ کو جان۔ جس جگہ اُس نے کہا،

---

[1] مولانا رُومی نے اس حقیقت کو اس طرح ادا فرمایا ؎

ہرچہ بینم در جہاں غیرے تو نیست یا توئی یا خوئے تو یا بُوئے تو

غیر سے بالکل ہی اُٹھ جائے نظر تُو ہی تُو آئے نظر دیکھوں جدھر

[2] مبارک نہ ہو یعنی میرے لیے بدبخت ہو [3] یعنی کشفی طور پر دیکھا کہ خواجہ احمد غزالی مثالی جسم کے ساتھ زندہ ہو گئے۔

[4] مجازی جان یعنی مصنوعی ظاہری اور فرضی جان کہ یہ کام ظاہر میں تو اس سے ہو رہا ہے اور حقیقت میں یہ کام اللہ تعالیٰ کر رہا ہے مثلاً بارش ظاہر میں تو بادلوں سے اُتر رہی ہے، مگر حقیقت میں اللہ برسا رہا ہے۔ زمین غلّہ اُگا رہی ہے اس کو مجازی جان، مگر حقیقت میں اللہ اُگا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ (واقعہ) خلاصہ یہ ہے کہ جو کام بھی تم غیر سے ہوتا دیکھو ظاہر میں اس کا کرنے والا اس کو جانو اور حقیقت میں اس کا کرنے والا اللہ جلّ شانہٗ کو جانو۔ لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ کوئی ذرہ بھی اللہ کی مرضی اور اُس کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرتا۔

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔ کہا اے محمد! تمہاری رُوح کو موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تمہارے ساتھ لگایا گیا ہے۔

کو مجازی یعنی اس کی صورت جان۔

اس کی حقیقت یہ آیت ہوگی: اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا خداوند تعالیٰ تمہاری جانوں کو قبض کرتا ہے۔ انکی موت کے وقت[1]۔ اور محمدؐ کی راہ دکھانے کو مجازی جان۔

اور ابلیس کے گمراہ کرنے کو مجازی جان، یعنی ظاہر میں ابلیس کو گمراہ کرنے والا سمجھ اور قرآن شریف کی آیت:

یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے

کو حقیقت جان۔ میں مانتا ہوں کہ مخلوق کو ابلیس گمراہ کرتا ہے، مگر ابلیس میں یہ صفت کس نے پیدا کی؟ شاید موسیٰ علیہ السّلام نے اسی حقیقت کے پیشِ نظر کہا تھا: اِنْ ھِیَ اِلَّا فِتْنَتُکَ یہ تو بس تیرا ہی فتنہ ہے[2]۔

بیت

ہمہ جورِ من ز بلغاریاں ست	مجھ پر سب ظلم و ستم بلغاریوں کی طرف سے ہوا ہے
کہ مادام ہمی باید کشیدن	کہ جس کو ہمیشہ مجھے برداشت کرنا ہوگا۔
گنہ بلغاریاں را نیز ہم نیست	بلغاریوں کا کوئی گناہ اور قصور نہیں ہے۔
بگویم گر تو بتوانی شنیدن	ہاں! اگر تو سُن سکتا ہے تو میں تجھ سے کہتا ہوں۔
خدایا ایں بلاء و فتنہ از تست	اے خدایا! یہ مصیبت اور فتنہ تیری طرف سے ہے۔
ولیکن کس نمی یارد چخیدن	لیکن کوئی شخص چیخنے اور چلّانے کی ہمّت نہیں رکھتا۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ موت کے فرشتہ کی طرف جان کا قبض کرنا مجازی ہے یعنی ظاہر میں ایسا ہے اور اُس کی حقیقت وہ ہے جو دوسری آیت میں بیان کی گئی ہے، کیونکہ قرآن کے ایک حصّہ کو دوسرا حصّہ واضح کرتا ہے کہ حقیقت میں جس وقت کوئی مرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کی جان لیتا ہے۔

[2] موسیٰ علیہ السّلام نے یہ بات اُس وقت کی تھی جب اُن کے تھپڑ سے قبطی مر گیا تھا اور اُس وجہ سے کی تھی کہ ہر چیز کی ابتداء اُس پر ہی قائم ہے۔ ازل میں ہر چیز کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ عقل مند کی عقل اور بے وقوف کی بے وقوفی کا بھی۔ حضرت موسیٰؑ کی بات حق سبحانہٗ کے ساتھ جرأت اور مقام انبساط میں ہے۔ یعنی حضرت نے بسط کے حال میں یہ بات کہی ہے۔

ہمی آرند ترکاں راز بلغار[1] — وہی یعنی اللہ تعالیٰ ترکوں کو بلغار سے لاتے ہیں۔
زبہرِ پردۂ مردم دریدن — لوگوں کے پردے فاش کرنے اور اُن کے سکون کو خاک میں ملانے کیلئے
لب و دندان آن خوبان چو ماہ — اُن چاند جیسے محبوبوں کے دانت اور ہونٹ
بدین خوبی نبایست آفریدن — اس خوبصورتی کے ساتھ پیدا نہیں کرنا چاہیئے تھے۔
کہ از بہر لب و دندان ایشاں — کہ اُن کے ہونٹوں اور دانتوں کی وجہ سے۔
بدنداں لب ہمی باید گزیدن — ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹا جاتا ہے۔

۳۶۱ حضرت شیخ برکہ ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیفات میں اُن کے حوالہ سے حکایات کرتے ہیں۔ وہ ایک جگہ کہتے ہیں کہ برکہ سورۃ فاتحہ اور قرآن پاک کی چند سورتوں کے علاوہ اور کچھ یاد نہ رکھتے تھے اور اُن کو بھی شرائط کے ساتھ نہ پڑھ سکتے تھے اور "قال یقول" کو بھی نہ جانتے تھے کہ وہ کیا ہوتا ہے اور اگر صحیح پوچھو تو ہمدانی زبان میں بھی موزوں اور صحیح بات نہ کر سکتے تھے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ قرآن پاک کو وہ صحیح طور پر جانتے تھے اور میں صرف اس کا کچھ حصّہ جانتا ہوں۔ وہ بھی تفسیر وغیرہ کی مدد سے نہیں، بلکہ مَیں نے جتنا کچھ جانا ہے ان کی خدمت کے طفیل جانا ہے۔

اور دوسرے موقعہ پر کہا ہے کہ مَیں نے خواجہ احمد غزالی سے سُنا ہے کہ شیخ ابو القاسم کرگانی نے کبھی ابلیس نہیں کہا۔ جب وہ اس کا نام لیتے تو خواجہ خواجگان و سرِ مہجوراں کہتے تھے۔ مَیں نے جب یہ واقعہ برکہ سے کہا، تو انہوں نے کہا، سرِ مہجوراں کہنا بہتر ہے بہ نسبت خواجۂ خواجگان[2]۔ اور دوسرے موقعہ پر یہ بھی کہا ہے کہ برکہ رضی اللہ عنہ نے قصّہ بیان کیا۔ کہ ایک آدمی تھا جس نے اپنے بیٹے کو کہا، کبھی تو ریش گاؤ (گائے کی ڈاڑھی) بنا ہے۔ اس نے کہا، ریش گاؤ کون تھا اور کیا تھا۔ کہا وہ جو صبح کو اپنے گھر سے نکلتا اور کہتا، آج مَیں خزانہ پاؤں گا۔ بیٹے نے کہا، اے باپ! اب تک تو میں گائے

---

[1] بلغار ترکستان کے ایک علاقہ میں ایک مقام ہے کہ وہاں حسین بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔

[2] خواجہ خواجگان کے معنی سرداروں کا سردار اور آقاؤں کا آقا۔ حضرت ابو القاسم کی مراد یہ ہے کہ شیطان مالداروں اور دنیاداروں کا سردار اور آقا ہے اور چونکہ دنیادار اُس کے تابع ہیں تو وہ ان کا خواجہ ہو گیا۔ اور شیخ برکہ نے اس لفظ کو بنا بر توہم عموم پسند نہ کیا یعنی خواجۂ خواجگان کا لفظ عام ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ وہ بزرگوں اور اہل اللہ کا آقا و سردار ہوا اگرچہ حضرت ابو القاسم کرگانی کی یہ نیّت نہ تھی۔ پس احتیاط اس میں ہے کہ شیطان کو خواجۂ خواجگان نہ کہا جائے، بلکہ سرِ مہجوراں، مردودوں کا سردار کہنا بہتر ہے۔

گائے کی داڑھی بنا رہوں۔

۳۶۲ حضرت شیخ فتحہ ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

عین القضاۃ اپنی تصنیفات میں اُن سے حکایت کرتے ہیں اور ایک جگہ کہتے ہیں کہ مَیں نے ایک معتبر آدمی سے سُنا کہ فتحہ نے کہا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کو شر نہیں پہونچتا۔[1] اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مَیں نے بَرَکہ قدس سرہٗ سے سنا کہ ابلیس نے کہا، جہان میں مجھ سے بڑھ کر کالی گدڑی والا فتحہ ہے۔ اور فقط اس بات سے وہ رونے لگ جاتے اور ایک اور جگہ فرمایا، پیر جب کامل ہو جاتے ہیں کہ ہر مرید انجام کے لحاظ سے کس مقام پر پہونچے گا، چنانچہ فتح سے لوگ اکثر سُنتے تھے کہ فلاں کے لیے فلاں[2] کا قدم ہوگا اور فلاں کے لیے فلاں کا۔

۳۶۳ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر السہروردی قُدِّسَ سِرُّہٗ المتوفیٰ ۵۶۳ھ

ظاہری اور باطنی عُلُوم میں کامل تھے۔ آپ کی تصنیفات اور تالیفات بہت تھیں۔ ان کا نسب ۱۲ واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہونچ جاتا ہے اور طریقت میں ان کی نسبت شیخ احمد غزالی کے ساتھ ہے۔ اُنہوں نے اپنی کتاب آداب المریدین میں کہا ہے کہ اہل اللہ کی جماعت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ فقر جب رضا کے ساتھ مِلا ہوا ہو تو وہ غنیٰ اور تونگری سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اگر اس کے مقابلہ میں کوئی یہ دلیل دے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلیٰ اُوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

اُس سے کہا جائے گا اُوپر والا ہاتھ اُس مال کے نکالنے کے سبب فضیلت پاتا ہے کہ جو اُس میں ہے اور نچلا ہاتھ نقصان کو اس لیے پاتا ہے کہ اس میں وہ شے موجود ہوتی ہے۔ پس سخاوت اور عطا کو فضیلت اور بزرگی دینے میں اس کی دلیل ہو گی کہ فقر افضل ہے، لہٰذا جو شخص فقر پر تونگری کو اس لیے فضیلت دیتا ہے کہ اس میں خرچ کرنا اور بخشش کرنا ہے۔ تو یہ

---

[1] یہ اس بات پر مبنی ہے شر صرف عدم کا نام ہے اور عدم واجب کے ساتھ مستند اور قائم نہیں ہے، بلکہ اُس کے ساتھ ہر چیز کا وجود قائم ہے اور وجود محض خیر ہے [2] کبھی یہ حضرات کہتے ہیں۔ فلاں کے لیے فلاں کا قدم ہے اور کبھی اس عبارت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ فلاں فلاں کے قلب پر ہے۔ اس سے ان دونوں کے ہم مشرب اور مناسبت کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لیکن قلب کے مقابلہ میں قدم کہنا ادب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے اور اسی وجہ سے جب کسی شخص کی مناسبت کو یا اُس کے مشرب کو کسی پیغمبر کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، تو اس صورت میں یہ نہیں کہتے کہ فلاں بر قلب موسیٰ یا ابراہیم ہے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ فلاں بر قدم عیسٰی و موسیٰ و ابراہیم ہے۔

ایسا ہوگا جیسے کوئی شخص طاعت پر گناہ کو اس لیے فضیلت دیتا ہے کہ اس میں توبہ کی فضیلت پائی جاتی ہے۔ امام یافعیؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابو نجیب سہروردیؒ کے ایک مرید نے کہا کہ ہم ایک روز شیخ کے ساتھ بغداد کے بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک قصائی کی دکان پر پہنچے۔ ایک بکری لٹکی ہوئی تھی۔ شیخ کھڑے ہوگئے اور کہا، بکری یہ کہتی ہے۔ کہ "من مردہ ام نہ کشتہ"۔ میں مردار ہوں یعنی از خود مری ہوں مجھے ذبح نہیں کیا گیا ہے۔ قصائی سنتے ہی بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ اور جب ہوش میں آیا تو اس نے شیخ کی بات کا اقرار کیا اور تائب ہوگیا۔

۳۶۴ حضرت عمّار یاسر قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ

یہ شیخ ابو نجیب سہروردی کے اصحاب میں سے تھے۔ ناقصوں کی تکمیل اور مریدوں کی تربیّت اور ان کے واقعات کے کشف میں پورا پورا کمال رکھتے تھے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ اپنی کتاب فواتح الجمال میں لکھتے ہیں۔ جب میں عمّار یاسر کی خدمت میں پہونچا اور ان کی اجازت سے خلوت میں آیا تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ چونکہ میں علومِ ظاہری حاصل کر چکا ہوں جب فتوحاتِ غیبی حاصل ہوں گی منبروں پر جا کر طالبانِ حق کو پہونچاؤں گا، چونکہ میں اس نیت سے خلوت میں آیا تھا تو خلوت کا پورا کرنا میسّر نہ ہوا۔ میں باہر نکل آیا۔ شیخ نے فرمایا:

اوّل تصحیح نیت کُن بعد ازاں بخلوت در آئی	پہلے نیّت کو صحیح کر اس کے بعد تو خلوت میں آ۔
پرتوِ نورِ باطن او بر دل من تافت	اُن کے نورِ باطن کا عکس میرے دل پر چمکا
کتابہا را وقف کردم و جامہا را بفقرا	میں نے ساری کتابوں کو وقف کر دیا اور سارے کپڑے
بخشیدم بغیر یک جُبّہ کہ پوشیدہ بودم	فقرا کو دیدیے سوائے ایک جُبّے کے جسے میں پہنے ہوئے تھا۔

اور میں نے کہا یہ خلوت خانہ میری قبر ہے اور یہ جُبّہ میرا کفن ہے اور دوسری دفعہ میرے لیے باہر آنا ممکن نہیں اور میں نے عزم کر لیا کہ اگر باہر آنے کا تقاضا غالب آجائے گا تو اس جُبّہ کو پھاڑ دوں گا تاکہ شرم کی جگہوں کے لیے پردہ نہ رہے اور باہر نکلنے سے حیا مانع ہو۔ شیخ نے میرے باطن میں نظر فرمائی اور فرمایا:۔

در آئی کہ نیّت درست ساختی چوں در آمدم	باہر نکل آ، کیونکہ تُو نے نیّت درست کرلی۔ جب میں باہر نکلا تو
اتمام خلوت دست داد و بیمن ہمّت شیخ	خلوت کا اتمام یعنی خلوت کا مقصد پورا ہوگیا اور شیخ کی ہمت کی برکت
ابواب فتوحات بر من بگشاد۔	سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فتوحات کے دروازے کھول دیے۔

۳۶۵ حضرت شیخ روزبہان کبیر مصری قدس اللہ روحہٗ

اصل میں گازرون کے رہنے والے تھے، لیکن مصر میں رہائش اختیار کی۔ یہ شیخ ابو نجیب سہروردی کے مریدوں

میں سے تھے اور اکثر اوقات استغراق کے مقام میں رہتے تھے۔ یہ شیخ نجم الدین کبرےؒ اُن کی صحبت میں گئے تھے اور وہیں پر وہ ریاضت میں مشغول رہے اور خلوتوں میں بیٹھے۔ شیخ روز بہان نے اُن کو اپنی دامادی میں قبول کیا پھر شیخ کی صاحبزادی سے شیخ نجم الدین کبریٰ کے دو صاحبزادے پیدا ہوئے اور کتاب تحفۃ البررہ میں مذکور ہے کہ میں نے اپنے شیخ ابوالجناب یعنی شیخ نجم الدین کبریٰ سے سُنا کہ وہ کہتے تھے میں نے مصر میں روزبہان سے سُنا وہ کہتے تھے:

قِيلَ لِي مِرَاراً اُتْرُكِ الصَّلٰوةَ فَاِنَّكَ لَاتَحْتَاجُ اِلَيْهَا فَقُلْتُ يَارَبِّ اِنِّي لَا اُطِيقُ ذَالِكَ كَلِّفْنِي شَيْئاً آخَرَ

مجھے کئی دفعہ کہا گیا کہ تو نماز کو چھوڑ دے یقیناً تجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔[1] میں نے کہا، اے میرے رب! میں اس امر کی تعمیل کی طاقت نہیں رکھتا (کہ نماز کو چھوڑ دوں) ہاں مجھے کچھ اور حکم کر کہ میں وہ بھی کروں۔

۳۶۶ حضرت شیخ اسماعیل قصری قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

یہ بھی شیخ ابونجیب سہروردی کے اصحاب میں سے تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ ان کی صحبت میں پہنچے ہیں اور اصل[2] خرقہ اُن کے ہاتھ سے پہنا ہے اور اُنہوں نے محمد بن بالکیل سے اور اُنہوں نے محمد بن داؤد المعروف خادم الفقراء سے اور اُنہوں نے ابوالعباس ادریس سے اور اُنہوں نے ابوالقاسم بن رمضان سے اور اُنہوں نے ابویعقوب طبری سے اور اُنہوں نے ابوعبداللہ بن عثمان سے اور اُنہوں نے ابویعقوب نہرجوزی سے اور اُنہوں نے ابویعقوب سنوسی سے اور اُنہوں نے عبدالواحد بن زید سے اور اُنہوں نے کمیل بن زیاد قدس اللہ ارواحہم سے اور اُنہوں نے امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اور اُنہوں نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے خرقہ پہنا۔

۳۶۷ حضرت شیخ نجم الدین الکبریٰ قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ

ان کی کنیت ابوالجناب[3] ہے۔ نام احمد بن عمر الخیوقی، لقب کبریٰ ہے۔ کبریٰ کا لقب لوگوں نے انہیں اس لیے دیا تھا کہ جوانی میں جب وہ تحصیل علوم میں مشغول تھے۔ جس کے ساتھ بھی وہ مناظرہ و مباحثہ کرتے اُس پر غالب آجاتے تھے۔

---

[1] یہ حکم بر سبیل آزمائش و امتحان تھا نہ کہ حقیقۃً، کیونکہ کوئی مسلمان بھی جب تک اس کے ہوش و حواس باقی ہیں مرتے دم تک اسے نماز معاف نہیں ہوتی [2] اور اصل خرقہ سے مراد یہ ہے کہ تبرک کی غرض سے ہوا ہوگا۔

[3] جنَاب مخفف نہیں۔ یعنی جَنَاب نہیں ہے، بلکہ مُشدّد بصیغہ مبالغہ ہے جس کے معنی یہ ہیں۔ اللہ کے ماسوا جو کچھ بھی ہے ان سب سے پوری طرح کنارہ کرنے والا اور ایک طرف کو ہٹ جانے والا۔

اس سبب سے لوگوں نے ان کو طامۃ الکبریٰ سب سے بڑی آفت والا کا لقب دے دیا۔ پھر یہ لقب اُن کے نام پر غالب آگیا۔ اور لوگوں نے الطامۃ کو حذف کر دیا اور ان کو کبریٰ کا لقب دے دیا۔ آپ کے قابلِ اعتماد مریدین سے یہی وجہ منقول ہے جو صحیح ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اصل میں وہ نجم الکبرا، کبیر کی جمع تکسیر ہے۔ یعنی بڑوں کا ستارہ، مگر صحیح بات وہ ہے جو پہلے لکھی گئی۔ تاریخ یافعی رحمۃ اللہ میں ایسا ہی لکھا ہے اور ان کو شیخ ولی تراش بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ وَجد کے غلبوں میں جس پر آپ کی نظر مبارک پڑ جاتی وہ ولایت کے درجہ میں پہونچ جاتا۔ ایک دن ایک سوداگر کام کی فراخی کی غرض سے شیخ کی خانقاہ میں آیا۔ اُس وقت شیخ کی حالت قوی تھی۔ اُن کی نظر سوداگر پر پڑ گئی۔ وہ اسی وقت ولایت کے درجہ کو پہونچ گیا۔ شیخ نے پوچھا کہ تو کس ملک سے آیا ہے۔ کہا، فلاں ملک سے۔ اس کو ارشاد کی اجازت لکھ دی، تاکہ اپنے ملک میں جا کر مخلوق کو حق کا راستہ بتائے اور مخلوق کو اللہ سے ملنے کی تدبیریں سکھائے۔ ایک دن شیخ اپنے مریدوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک باز خلا میں مولہ کا پیچھا کر رہا تھا۔ اچانک شیخ کی نظر اس مولہ پر جا پڑی، تو مولا لوٹا اور باز کو پکڑ کر شیخ کے پاس اُتر آیا۔

ایک دن اصحاب کہف کی تحقیق و تقریر چل رہی تھی۔ شیخ کے ایک مُرید شیخ سعد الدین حمویؒ کے دل میں آیا۔ کاش اس امّت میں کوئی ایسا ہو کہ اُس کی صحبت کُتّے پر اثر کرے۔ شیخ نے فراست کے نُور سے اس کو جان لیا۔ اٹھے اور خانقاہ کے دروازہ پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ اچانک ایک کتا اُس جگہ پہنچا اور کھڑا ہو گیا۔ اپنی دُم ہلاتا رہا۔ شیخ کی نظر اُس پر پڑی۔ اُسی وقت اُس نے بخشش پائی۔ وہ اُسی وقت متحیر اور بے خود ہو گیا۔ شہر سے منہ پھیر کر گورستان میں چلا گیا۔ زمین پر سر رگڑتا تھا۔ یہاں تک کہتے ہیں کہ جدھر وہ جاتا تھا تقریباً پچاس ساٹھ کُتّے اس کے گرد اگرد حلقہ لگا لیتے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھتے۔ نہ آواز سے بولتے نہ کچھ کھاتے، بلکہ عزّت و تعظیم کے ساتھ وہ کھڑے رہتے۔ آخر تھوڑے ہی دنوں میں وہ کتا مر گیا۔ شیخ نے تاکید فرمائی کہ اس کو دفن کریں اور اس کی قبر پر عمارت بنائیں۔

شہر تبریز میں محی السنہ کے ایک شاگرد جو عالی سند رکھتے۔ شیخ نجم الدین اُن سے شرح السنۃ پڑھا کرتے تھے۔ جب کتاب کے آخری حصّوں میں پہونچ چکے تو ایک دِن اُستاد کی مجلس میں ائمہ کی جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے شرح السنّۃ پڑھ رہے تھے۔ ایک درویش آیا، اگرچہ وہ اُس کو پہچانتے نہ تھے، لیکن اُن کے دیکھنے سے آپ کی ایسی حالت ہو گئی کہ انہیں کتاب پڑھنے کی طاقت نہ رہی۔ آپ نے پوچھا، یہ کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا، بابا فرج تبریزی ہے جو حق تعالیٰ کے مجذوبوں اور محبوبوں میں سے ایک ہے۔ اُس رات شیخ بے قرار رہے۔ صبح کو شیخ جب اُستاد کی خدمت میں آئے تو عرض کیا کہ اُٹھیں کہ بابا فرج کی زیارت کے لیے جائیں۔ اُستاد نے شاگردوں سے اتفاق کیا۔ بابا فرج کی خانقاہ

کے دروازہ پر ایک خادم تھا۔ جس کا نام بابا شاداں تھا۔ اس نے جب اس جماعت کو دیکھا تو خانقاہ میں گیا اور اجازت چاہی۔ بابا فرج نے کہا، اگر وہ لوگ اس طرح آسکتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں جاتے ہیں تو تو اُن سے کہہ دے کہ وہ اندر آجائیں۔ شیخ نجم الدین نے کہا، چونکہ میں بابا کی نظر سے حصّہ پا چکا تھا۔ میں اُن کی بات کا مطلب سمجھ گیا اور جو مَیں نے چھپایا ہوا تھا اس کو باہر نکال دیا۔ سینہ پر ہاتھ رکھا۔ اُستاد اور ساتھیوں نے میری موافقت کی۔ اِس کے بعد ہم سب بابا فرَج کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیٹھ گئے۔ ایک لحظہ کے بعد بابا کی حالت میں تبدیلی آگئی اور اُس کی صورت پر بڑائی ظاہر ہوئی اور آفتاب کی ٹکیہ کی طرح چمک اُٹھی۔ اور جو کپڑا وہ پہنے ہوئے تھے۔ اُن کے بدن پر پھٹ گیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ ہوش میں آئے تو اُٹھے اور اس کپڑے کو مجھے پہنا دیا اور کہا یہ وقت تیرے دفتر پڑھنے کا نہیں ہے۔ یہ وقت ہے کہ تو جہان کا سرِ دفتر ہو جائے۔ میرا حال بدل گیا اور میرے دل میں حق کے سوا جو کچھ بھی تھا وہ اس سے منقطع اور بے تعلق ہو گیا۔ جب ہم وہاں سے باہر آگئے تو اُستاد نے کہا، شرح السنّہ تھوڑی رہ گئی ہے۔ دو تین دن میں پڑھ لے۔ پھر تُو جان۔ جب میں درس کے سلسلہ میں گیا۔ مَیں نے بابا فرج کو دیکھا کہ وہ آگئے اور کہا، کل تو علم الیقین کی ہزار منزل سے بھی آگے بڑھ گیا تھا۔ آج پھر علم کے ارادہ سے جا رہا ہے۔ مَیں نے درس کو چھوڑ دیا۔ خلوت کی ریاضت میں مشغول ہو گیا۔ علومِ لدنی اور وارداتِ غیبی معلوم ہونے لگے۔ مَیں نے کہا، ظلم ہو گا یعنی زیادتی ہو گی جو یہ ضائع ہو جائے۔ مَیں اس کو لکھ لیتا تھا۔ مَیں نے بابا فرج کو دیکھا کہ دروازہ سے آئے اور کہا، کہ شیطان تیرے دل کو پراگندہ کرتا ہے اور اُس کی یکسوئی میں مخل ہوتا ہے۔ اِن باتوں کو نہ لکھ۔ مَیں نے دوات قلم کو پھینک دیا اور دل کو سب سے خالی کر لیا۔ امیر اقبال سیستانی نے ایک کتاب میں جہاں اُنھوں نے اپنے شیخ شیخ رُکن الدین علاء الدولہ قدس سرّہٗ کی باتیں جمع کی ہیں شیخ مذکور سے نقل کرتے ہیں کہ شیخ نجم الدّین کبریٰ ہمدان گئے اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔ پھر سُنا کہ اسکندریہ میں ایک عالی سند والے بڑے محدّث رہتے ہیں۔ شیخ نجم الدین یہاں سے اسکندریہ چلے گئے اور اُس محدّث سے بھی حدیث کی اجازت حاصل کی اور واپسی میں ایک رات جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا تو آنحضرت سے درخواست کی کہ مجھے کوئی کنیت بخشیے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، ابو الجناب۔ پوچھا، ابو الجَنَاب مُخفّفہ۔ آپ نے فرمایا، نہیں مُشَدّدَہ یعنی ابو جَنّاب

---

[۱] علمی گھمنڈ یا عالم ہونے کا خیال دل سے نکال کر اپنی عاجزی کی حالت میں آگیا۔ [۲] دفتر کاغذوں کے مجموعہ اور یادداشت کی کاپیوں کو بھی کہتے ہیں اور سرِ دفتر سے مراد افسر اور انچارج ہے۔ [۳] نہیں مشدّد مخفف نہیں جنّاب صیغۂ مبالغہ ہے۔ جو جانب سے بنا ہے جیسے قاتل سے قتّال سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی مخلوق سے بہت بچنے والا اور ماسوائے حق سے بڑا دور رہنے والا۔

ہے۔ جب خواب سے بیدار ہوئے تو اس کا مطلب آپ کو یہ معلوم ہوا۔ دُنیا سے پوری طرح کنارہ کر لینا چاہیئے۔
اسی وقت مخلوق کے سب تعلقات سے علٰحدہ ہو گئے اور سب کو چھوڑ کر مُرشد کی طلب میں مسافر ہو گئے۔ جن
کے پاس جاتے ارادت وعقیدت پوری نہ کر پاتے۔ اس سبب سے کہ آپ عالم تھے اور کسی کے آگے سر نہ ڈلاتے تھے۔
جب صوبہ خوزستان[۲] پہنچے وہاں درد ثُربول لاحق ہوا اور اس جگہ بیمار ہو گئے۔ کوئی شخص اُن کو جگہ نہ دیتا تھا کہ اُس جگہ
اُتر جائیں۔ عاجز ہو کر کسی سے پوچھا یہاں کوئی ایسا مسلمان نہیں ہے جو ایک بیمار مسافر کو جگہ دے، تاکہ مَیں چند دن وہاں
آرام کر لوں؟ اس نے کہا، یہاں ایک خانقاہ ہے اور شیخ ہے۔ اگر اس جگہ تو جائے گا، تو وہ تیری خدمت کرے گا۔
مَیں نے کہا، اُس کا کیا نام ہے؟ اُس نے کہا، شیخ اسماعیل قصری۔ شیخ نجم الدین وہاں پر گئے۔ انہوں نے ان کو اس حجرہ
میں جگہ دے دی۔ جو درویشوں کے صُفہ کے سامنے تھا۔ شیخ نجم الدّین اس جگہ ٹھہر گئے اور ان کی بیماری لمبی ہو گئی۔ وہ فرماتے
تھے کہ بیماری سے مجھے اس قدر تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی جتنا کہ اُن کے سماع کی آواز سے، کیونکہ میں سماع کا غایت درجہ
منکر تھا۔ اور نقل مکانی کی قوّت بھی نہ رکھتا تھا[۱]۔ ایک رات وہ سماع کرتے تھے۔ شیخ اسماعیل سماع کی گرمیٔ جوش سے
میرے سرہانے آگئے اور کہا، تو چاہتا ہے کہ اٹھ جائے۔ مَیں نے کہا، جی ہاں! شیخ نے میرا ہاتھ پکڑا اور بغل میں دَبا
لیا۔ اور سماع میں لے گئے۔ بہت دیر تک مجھے گھمایا، چکر دیتے رہے اور دیوار پر مجھے ٹکا دیا۔ مَیں نے کہا، میں اسی
وقت گر پڑوں گا۔ جب مجھے ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایسا تندرست پایا کہ میں اپنے اندر کوئی بیماری نہ دیکھتا تھا مجھے
ارادت حاصل ہو گئی۔ دوسرے دن شیخ کی خدمت میں گیا۔ اِرادت کا ہاتھ پکڑا یعنی مرید ہو گیا اور سلوک میں مشغول ہو
گیا۔ اور مدّت تک وہیں رہا۔ جب مجھے باطنی حالات کی خبر ہو گئی اور میرا علم تو پہلے ہی زیادہ تھا۔ ایک رات میرے
دل میں خیال آیا کہ علم باطن سے تو باخبر ہو چکا ہے اور نیز اعلم ظاہر شیخ کے علم سے زیادہ ہے۔ صبح کو شیخ نے مجھے طلب
فرمایا اور کہا،

برخیز و سفر کُن کہ تُرا بر عمّار یاسر باید رفت — اُٹھ اور سفر کر کہ تجھے عمّار یاسر کے ہاں جانا چاہیئے۔ میں سمجھ گیا کہ شیخ
من دانستم کہ شیخ بَر آں خاطر من واقف شد — میرے اندرونی خیال پر واقف ہو چکا ہے۔ مَیں کچھ نہ بولا اور (خاموشی
ایا ہیچ نہ گفتم و برفتم بخدمت شیخ عمار — سے) شیخ عمّار کی خدمت میں روانہ ہوا۔ شیخ عمّارؒ کی خدمت میں پہونچا

---

[۱] یہاں سے چلے جانے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔

[۲] خوزستان فارس کے علاقے کا نام ہے جو آج کل ایران کی مملکت میں ہے۔

اور وہاں بھی ایک مدّت تک سلوک طے کیا اور یہاں بھی ایک رات وہی بات میرے دل میں آئی۔ صبح کو شیخ عمّار نے فرمایا،

نجم الدّین برخیزد و بمصر او بخدمت روز بہان که این ہستی را وے سیلے از سرِ تو بیروں بُرد برخاستم و بمصر رفتم۔

نجم الدّین اُٹھ۔ مصر میں روز بہان کی خدمت میں جا کر وہ مکّے[1] کے ساتھ تیرے دماغ سے تیری مستی و انا کو باہر نکالے گا۔ مَیں اُٹھا اور مصر روانہ ہو گیا۔

جب اُن کی خانقاہ میں پہنچا، شیخ وہاں نہ تھے؛ البتّہ اُن کے سارے مرید مراقبہ میں تھے۔ کسی شخص نے میری طرف توجہ نہ کی۔ وہاں ایک اور آدمی تھا۔ مَیں نے اُس سے پوچھا کہ ان لوگوں میں شیخ کون ہے؟ اُس نے کہا، شیخ باہر ہے۔ وضو بناتا ہے۔ میں باہر گیا۔ شیخ روز بہان کو اس حال میں دیکھا کہ تھوڑے پانی سے وضو کر رہے تھے۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ کیا شیخ کو یہ خبر نہیں کہ اس قدر پانی سے وضو جائز نہیں۔ شیخ کس طرح ہوگا؟ اس نے وضو پورا کر لیا اور میرے مُنہ پر ہاتھ کو جھاڑ دیا۔ جب میرے مُنہ پر پانی پہنچا، مجھ میں بے خودی پیدا ہو گئی۔ شیخ خانقاہ میں آئے اور میں بھی آ گیا اور شیخ وضو کے شکر[2] میں مشغول ہو گئے اور میں انتظار میں کھڑا رہا کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو میں سلام کروں۔ کھڑے کھڑے میں غائب ہو گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اور دوزخ ظاہر ہو گئی ہے اور لوگوں کو پکڑتے ہیں اور آگ میں ڈالتے ہیں اور جہنّم کے راستہ پر ایک ٹیلہ ہے اور ایک شخص اس ٹیلہ کی چوٹی پر بیٹھا ہوا ہے جو کوئی یہ کہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ تعلق رکھتا ہوں یعنی اس کا آدمی ہوں اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور دوسرے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ اچانک اُنہوں نے مجھے پکڑ لیا اور کھینچا۔ جب میں وہاں پہونچا تو مَیں نے کہا، اس سے تعلق رکھتا ہوں۔ مجھے ان لوگوں نے چھوڑ دیا۔ مَیں ٹیلہ کے اُوپر گیا تو مَیں نے دیکھا شیخ روز بہان ہیں۔ مَیں اُن کے قریب گیا اور اُن کے پاؤں میں پڑ گیا۔ اُنہوں نے میری گدّی پر اتنی بے رحمی سے مکّا مارا کہ میں اس کی قوّت سے زمین پر پڑ گیا۔ پھر کہا، اس سے آگے اہل حق کا انکار نہ کرنا۔ جب میں گر پڑا تو غیبت یعنی بے ہوشی سے ہوش میں آ گیا۔ شیخ نماز کا سلام پھیر چکے تھے۔ مَیں آگے بڑھا اور اُن کے قدموں میں پڑ گیا، تو شیخ نے بیداری میں بھی اسی طرح میری گدّی پر زور سے مُکّا مارا اور وہی لفظ کہے جو خواب میں کہے تھے۔ وہ باطن کی بیماری مجھ سے چلی گئی۔ اس کے بعد مجھے حکم کیا کہ واپس ہو اور شیخ عمّار کی خدمت میں جا۔ جب

---

[1] اصل لفظ سیلے ہے جس کے معنی مکّہ، تھپڑ اور طمانچہ کے ہیں۔ مَیں نے اس کے معنی مکّہ کے لیے ہیں۔ واللہ اعلم برادر شیخ۔

[2] یعنی تحیۃ الوضو کی نفلوں کے پڑھنے میں۔

میں واپس لوٹا انھوں نے ایک مکتوب شیخ عمّار کو لکھا کہ جو کوئی بھی تانبے کی مانند ہو اُس کو میرے پاس بھیجدیا کر، تاکہ میں اس کو خالص سونا بنا کر تیرے پاس بھیج دیا کروں۔ یہاں سے میں شیخ عمّار کی خدمت میں آیا اور مدت تک وہاں مقیم رہا۔ جب میں نے سلوک پورا کر لیا تو شیخ عمّار نے مجھے فرمایا، خوارزم[1] میں جا۔ میں نے کہا، وہاں تو عجیب قسم کے لوگ ہیں۔ جو اس طریقہ کے مُنکر ہیں، بلکہ قیامت میں مشاہدہ یعنی دیدار الٰہی کے بھی مُنکر ہیں۔ فرمایا، تُو جا اور خوف نہ کر۔ یہ فقیر خوارزم میں آیا اور اس طریقہ کو منتشر[3] کر دیا۔ اور بہت مرید اس پر جمع ہو گئے۔ اور میں ان کی اصلاح و تربیت میں مشغول رہا۔

جب تاتاری کفار[2] خوارزم میں پہنچے۔ شیخ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا جو ساٹھ سے زیادہ تھے۔ اور یہاں کا حاکم سُلطان محمّد خوارزم شاہ بھاگ چکا تھا۔ اور کفّار تاتار نے یہ سمجھا ہوا تھا کہ وہ خوارزم میں موجود ہے۔ وہ لوگ خوارزم میں آ گئے۔ شیخ نے اپنے کئی مریدوں کو جیسے شیخ سعد الدین حموی اور شیخ رضی الدّین علی لالہ اور اُن کے علاوہ دوسرے مریدوں کو بھی طلب فرمایا اور کہا، جلدا اٹھو، تیاری کرو اور اپنے اپنے علاقہ میں چلے جاؤ۔ (کہ آتشے از جانب شرق برافروخت کہ تا نزدیک بمغرب خواہد سوخت۔ ایں فتنہ است عظیم کہ دریں اُمّت مثل ایں واقع نہ شُدہ است) یہ ایک آگ ہے جو مشرق کی طرف سے بڑھکی ہے اور وہ مغرب کے قُرب و جوار تک کو جلا دے گی۔ ایک عظیم فتنہ ہے کہ اس جیسا اس اُمّت میں کبھی واقع نہیں ہوا۔ کچھ مریدوں نے کہا، اگر شیخ دُعا کریں ہو سکتا ہے کہ یہ بلا مسلمانوں کے شہروں سے ٹل جائے۔ شیخ نے فرمایا، یہ قضاءِ مبرم ہے (یعنی اللہ کا قطعی فیصلہ ہے) دُعا اس کو نہیں ٹال سکتی۔ یہ سُن کر اصحاب نے درخواست کی کہ سواریاں موجود ہیں اگر ایسا ہی ہے تو حضرت شیخ بھی اپنے اصحاب کے ساتھ موافقت کریں تاکہ جناب کے ساتھ ہی ہم لوگ خراسان کی طرف رَوانہ ہوں۔ جدائی بھی نہ ہو گی۔ شیخ نے فرمایا،

کہ من اینجا شہید خواہم شد و مرا اذن نیست کہ بیروں روم پس اصحاب متوجّہ خراسان شدند۔

میں یہیں شہید ہوں گا اور مجھے اجازت نہیں کہ باہر چلا جاؤں یہ سُن کر اصحاب خراسان کی جانب رَوانہ ہو گئے۔

جب کفّار شہر میں داخل ہو گئے۔ شیخ نے باقی ماندہ اصحاب کو بلایا اور کہا،

قُومُوا عَلٰی اِسْمِ اللّٰہِ نُقَاتِلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ کے نام پر بھروسہ کر کے اُٹھ کھڑے ہو تاکہ ہم اللہ کی راہ میں قتال

---

[1] خوارزم چینی ترکستان کے ایک شہر کا نام ہے۔ [2] تاتار ایک علاقہ کا نام ہے۔ یہاں کا مشک مشہور ہے۔ یہ علاقہ ترکستان میں واقع ہے۔ ہلاکو اور چنگیز خاں اس علاقے کے ہی رہنے والے کافر تھے۔ مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی اولاد کو مسلمان بنا دیا۔

[3] منتشر جگہ جگہ پھیلا دیا اور قریہ بقریہ اس طریقہ کو پہنچا دیا۔

کریں یعنی دوسروں کو قتل کریں اور خود قتل ہو جائیں۔
اس کے بعد گھر تشریف لائے۔ اپنا خرقہ پہنا، کمر کو مضبوط باندھا۔ خرقہ سامنے سے کھلا ہوا تھا۔ دونوں طرف سے بغلوں میں پتھّر بھر لیے۔ ہاتھ میں نیزہ لیے باہر آ گئے۔ جب کفّار سے مقابلہ ہوا ان کے چہروں پر پتھّر مارتے رہے یہاں تک کہ جب ایک پتھر بھی نہ رہا۔ کافروں نے ان پر تیر برسائے۔ ایک تیر ان کے سینہ مبارک پر آ لگا۔ اُسے باہر نکالا اور گر پڑے اور اسی پر دُنیا سے چلے گئے۔ کہتے ہیں شہادت کے وقت اُنہوں نے ایک کافر کا جھنڈا پکڑا ہوا تھا۔ جس کو شہادت کے بعد دس آدمی بھی شیخ کے ہاتھ سے نہ چھڑا سکے۔ آخر اس پرچم کو ان لوگوں نے کاٹ ڈالا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا جلال الدّین رُومی قدّس سرّہٗ نے اپنی غزلیات میں اسی قصّہ کی طرف اشارہ کیا اور ان میں اپنی نسبت حضرت شیخ کی طرف ظاہر کی ہے۔ جس موقعہ پر کہ اُنہوں نے کہا ہے۔ رباعی

رُباعی

ما از اں محتشمانیم کہ ساغر گیرند
نہ از اں مفلسگاں کاں بز لاغر گیرند
بیکے دست مے خالص ایمان نوشند
بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند

ترجمہ :- ہم ان دبدبہ والوں بہادروں سے تعلق رکھتے ہیں جو ساغر لیتے ہیں۔ ان ناداروں اور غریبوں سے نہیں جو کہ دُبلی بکری لیتے ہیں۔ جو ایک ہاتھ سے ایمان کی خالص شراب پیتے ہیں اور دوسرے ہاتھ میں کافر کا پرچم پکڑتے ہیں۔

وکانت شہادتہٗ قَدَّسَ اللّٰہُ رُوحَہٗ شُہورَ سَنَۃَ ثَمانٍ وَعَشَرَۃ سنۃ آپ کی شہادت ۶۱۸ھ کے مہینوں میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی رُوح کو مقدّس اور برگزیدہ بنائے۔

حضرت شیخ کے بہت لوگ مرید ہوئے ہیں، مگر کچھ ان میں یگانۂ جہان اور مقتدائے زمان ہوئے ہیں۔ مثلاً شیخ مجدالدین البغدادی، شیخ سعدالدین حموی، بابا کمال جندی، شیخ رضی الدّین علی لالاؔ، شیخ سیف الدّین باخرزی، شیخ نجم الدین رازی، شیخ جمال الدین گیلی اور بعض کہتے ہیں مولانا جلال الدّین رُومی کے والد یا صاحبزادہ مولانا بہاالدین ولا بھی ان میں سے تھے۔ قدّس اللہ ارواحہم۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کی روحوں کو مقدّس بنائے (اور ہماری روحوں کو بھی ان حضرات کے طفیل میں مقدّس بنائے۔)

۴۶۸ حضرت شیخ مجد الدین بغدادی قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ

آپ کی کنیت ابو سعید اور نام مجد الدین شرف بن مؤید ابن ابی الفتح بغدادی رحؒ ہے۔ اصل میں بغداد کے رہنے والے تھے۔ خوارزم شاہ نے خلیفۂ بغداد سے ایک طبیب مانگا۔ اس نے آپ کے والد کو بھیج دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ بغداد کے رہنے والے تھے جو خوارزم کے گاؤں میں ایک دیہات کا نام تھا۔ اور وہ سلطان کے مُقرّبوں یعنی حدیث پڑھ کر سنانے والوں میں سے تھے۔ شیخ رکن الدین علاء الدولہؒ نے فرمایا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ جب وہ شیخ کی صحبت میں پہنچے تو وہ اَمرد[1] تھے خلاف واقع ہے۔ پورے مرد تھے، لیکن لطیف صورت تھے۔ شیخ نے پہلے خود خدمت ان کے سپرد کی وہ وضوخانہ کی خدمت تھی۔ اُن کی والدہ نے سُنا وہ طبیبہ تھیں اور شیخ بھی طبیب تھے۔ اُن کی والدہ نے شیخ کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ فرزند مجد الدین نازک آدمی ہے یہ کام اُس کے لیے بہت مشکل ہے اگر شیخ فرمائیں تو میں دس غلام بھیج دوں جو وضوخانہ کی خدمت کریں اور اس کو کسی دوسری خدمت میں لگا دیں۔ شیخ نے فرمایا، اُسے کہہ دو کہ یہ بات تجھ سے حیران کُن ہے، کیونکہ تو علم طلب کو جانتی ہے۔ اگر تیرے بیٹے کو صفراوی بخار تکلیف دیتا ہو میں ترک غلام کو دَوا دوں تو تیرا بیٹا صحت یاب نہ ہوگا۔ شیخ رکن الدین علاء الدولہؒ نے کہا کہ سلطان بایزید کے مریدوں میں سے ایک مرید جو صاحب معاملہ اور تجربہ کار مرد تھا۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ تُو نے اس خاندان سے کیسے ارادت کی اور بایزید کی پیروی چھوڑ کر دوسرے طریقہ میں کیوں سلوک کیا؟ مَیں نے کہا، اس کی مجھے بھی خبر نہیں۔ ہاں ایک دفعہ میں وضو کر رہا تھا۔ وضو کرتے ہوئے مَیں نے دیکھا کہ قبلہ کی دیوار پھٹ گئی اور اس طرف سے ایک فضا ظاہر ہوئی۔ مَیں نے آسمان اور مشتری ستارہ کو دیکھا۔ مَیں نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ کسی نے کہا، یہ بایزید کا نُور ہے۔ ایک لمحہ گزرا تھا کہ مَیں نے دُوسرا آسمان دیکھا۔ جو تمام نورانی ہے اور آفتاب کی طرح روشن ہے۔ مَیں نے کہا، یہ کیا ہے؟ ایک نے کہا، یہ مجد الدین بغدادی کا نُور ہے۔ یہ سُن کر وہ درویش حیران ہو گیا (اور تعجّب کرنے لگا) اس کے بعد مَیں نے کہا، مَیں یہ بات اس لیے نہیں کہتا ہوں کہ مَیں ان کے مراتب بیان کروں یا مَیں شیخ مجد الدینؒ کو سلطان بایزیدؒ پر ترجیح دوں، لیکن خدا تعالیٰ نے ہر ایک آدمی کو ایک مشرب "گھاٹ" کے حوالہ کیا ہے۔ جب اُس نے اس گھاٹ کی طرف توجّہ کی اور اس طریق کا تابع ہو گیا تو حق تعالیٰ نے اس طریقہ میں ثابت قدم رکھنے کے لیے اس پر اس کے شیخ کو اعلیٰ مراتب میں ظاہر کر دیا۔

واگرنہ علی التحقیق مراتب در قیامت پیدا شود و نشان ورنہ بر بنائے تحقیق و ثبوت آدمی کے مرتبے تو صرف قیامت

---

[1] بے ریش تھے۔

علو مرتبہ دریں عالم جز بہ مطابعت حبیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم نیست ۔ ہر کس را کہ متابعت وے بیشتر مرتبہ وے عالی تر۔

میں ظاہر ہوں گے اور اس جہاں میں بلند مرتبہ کی نشانی بجز حبیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے اور کچھ نہیں جس شخص کی متابعت جتنی زیادہ ہے اس کا مرتبہ اُسی قدر بلند اور اُونچا ہے۔

ایک دن شیخ مجد الدین درویشوں کی جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے۔ اُن پر سُکر یعنی مستی غالب ہوئی۔ اس حال میں کہہ بیٹھے۔

ما بیضۂ بط بودیم در کنار دریا شیخ نجم الدین مرغی بود۔ بال تربیت بر سرِ ما فرود آورد تا از بیضہ بیرون آمدیم ما چوں بچہ بط بودیم در دریا رفتیم و شیخ بر کنار بماند۔ شیخ نجم الدین بنورِ کرامت آں دانست بر زبان ایشاں گذشت "در دریا میرو" و شیخ مجد الدین او را شنید بترسید پیش شیخ سعد الدین حمویؒ آمد و تضرع بسیار کرد کہ روزے کہ حضرت شیخ را وقت خوش بود۔ مرا خبر کن تا بحضرت آیم و معذرت بخواہم۔ وقتے شیخ را در سماع حال خوش شد۔ شیخ سعد الدین شیخ مجد الدین را خبر کرد۔ شیخ مجد الدین پائے برہنہ کردہ بیامد و طشتے پُر آتش کرد و بر سر نہاد و بجائے کفشگاہ بایستاد و شیخ بوے نظر کرد و فرمود کہ چوں بطریق درویشاں عذر سخن پریشاں می خواہی۔ ایمان و دین بسلامت بروی اما سرت برود و دریا دریا میرمی و ما نیز در سرِ تو شویم و سرہائے سرداران و ملک خوارزم در سرِ تو شد و عالم خراب گردد۔ شیخ مجد الدین در قدم شیخ افتاد و باندک فرصتے سخن شیخ بظہور آمد۔

ہم بطخ کا انڈہ تھے۔ دریا کے کنارے پر اور ہمارا شیخ نجم الدین ایک مُرغی تھا۔ جس نے تربیت کے پَر ہم پر ڈالے۔ یہاں تک کہ ہم انڈے کے اندر سے باہر نکل آئے، چونکہ ہم بطخ کے بچے تھے دریا میں چلے گئے اور شیخ کنارہ پر رہ گئے۔ شیخ نجم الدین کرامت کے نُور سے اس کو جان گئے۔ شیخ کی زبان پر بے ارادہ یہ لفظ جاری ہو گئے "دریا میں مرے گا" شیخ مجد الدین یہ بات سُن کر ڈر گئے اور شیخ سعد الدین حموی کے پاس آئے اور بہت عاجزی کی اور کہا، کہ جس روز شیخ کا وقت خوش ہو مجھے خبر کرنا کہ میں اُن کے حضور میں آؤں اور معذرت چاہوں۔ ایک دفعہ سماع میں شیخ کا حال خوش ہوا۔ شیخ سعد الدین نے شیخ مجد الدین کو خبر کی تو شیخ مجد الدین ننگے پاؤں آئے۔ طباق آگ سے بھر لیا اور سر پر رکھا اور جوتیوں کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ شیخ نے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا، جب تو درویشوں کے طریقہ پر پریشان بات کی معافی چاہتا ہے تو ایمان اور دین تو سلامت لے جائے گا، لیکن تیرا سر جاتا رہے گا اور تو دریا میں مرے گا اور ہم بھی تیرے سر کے پیچھے سر دیں گے اور سرداروں کے سر اور خوارزم کے بادشاہ کا سر بھی تیرے سر کے پیچھے جائے گا اور جہان ویران ہو جائے گا۔ شیخ مجد الدین شیخ کے قدموں میں گر پڑے اور تھوڑے عرصہ میں شیخ کی بات ظاہر ہو گئی۔

شیخ مجدالدّین خوارزم میں وعظ کہتے تھے اور سلطان محمد کی ماں جو بے انتہا حسین صورت تھی یہ شیخ مجدالدّین کے وعظ میں آیا کرتی تھی اور کبھی کبھی اُن کی زیارت کے لیے بھی جایا کرتی تھی۔ مخالف موقع کی تلاش میں تھے۔ یہاں تک کہ ایک رات جب بادشاہ سلطان محمد نشہ میں خوب مست تھا۔ اُس وقت ان لوگوں نے عرضداشت پیش کی۔

مادرِ تو بمذہب امام ابوحنیفہ نکاح بشیخ مجدالدین در آمدہ است۔ سلطان رنجہ شد۔ فرمود شیخ را دجلہ اندازند۔ انداختند خبر بشیخ نجم الدین رسید۔ متغیّر گشت و گفت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ فرزند مجدالدّین را در آب انداختند و مُرد۔ سر بسجدہ نہاد و زمانے نیک در سجدہ بود۔ پس سر از سجدہ بر آورد و گفت۔ از حضرت عزّت خواستم تا خون بہائے فرزند ملک از سلطان محمد باز ستانند۔ اجابت فرمود۔

آپ کی والدہ ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق شیخ مجدالدّین کے نکاح میں آگئی ہے۔ سلطان کو دکھ ہوا۔ حکم دیا کہ شیخ کو دجلہ میں ڈال دیں۔ اُنہوں ڈال دیا۔ شیخ نجم الدّین کو خبر پہنچی۔ اُن کی حالت غیر ہو گئی اور کہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ فرزند مجدالدین کو پانی میں ڈال دیا اور وہ مر گیا۔ سر سجدہ میں رکھا اور بہت دیر تک سجدہ میں رہے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھایا اور کہا، مَیں نے حضرت عزّت سے درخواست کی میرے فرزند کے خوں بہا میں سلطان محمّد سے ملک واپس لے لے۔ اُنہوں نے میری دعا قبول کی۔

لوگوں نے سلطان کو اس بات کی خبر دی۔ وہ بہت پشیمان ہوا۔ حضرت کی خدمت میں پیدل چل کر آیا۔ ایک طشت سونے کا بھرا ہوا لایا۔ تلوار اور کفن اس کے سر پر رکھے ہوئے سر ننگا کیے ہوئے جوتیوں کی قطار میں کھڑا ہو گیا اور کہا، اگر جان کا عوض چاہتے ہو تو یہ حقیر سونا ہے۔ اگر خون کا بدلہ خون سے لیتے ہو تو یہ تلوار ہے۔ شیخ نے جواب میں فرمایا: وَكَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا۔ یہ واقعہ کتاب لوحِ محفوظ یعنی اللہ کے علم میں لکھی جا چکی ہے۔ اُس کا خون بہا تیرا ملک ہے اور تیرا سر جائے گا، بلکہ بہت لوگوں کے سر اور ہمارا سر بھی تمہارے سروں کے ساتھ جائیگا۔ سلطان محمد نا اُمّید ہو کر واپس لوٹ آیا۔ اور جلد ہی چنگیز خاں نے خروج کیا اور گزرا جو گزرا۔ ایک دن شیخ مجدالدّین کی مجلس میں شعر سنانے والے نے یہ بیت پڑھا ؎

خوش بافتہ اند در ازل جامۂ عشق　　گر یک خطِ سبز بر کنارش بودے

ترجمہ: ازل میں عشق کا جامہ بڑا اچھا بُنا ہے۔ اگر اس کے کنارہ پر ایک سبز دھاری ہوتی۔

یہ سُن کر شیخ نے اپنی داڑھی کو پکڑا اور تلوار کا دستہ گلے پر رکھا اور کہا:

---

[1] یعنی اگر عشق کے ساتھ لذت ساتھ ہوتی، لیکن غم کے سوا عشق کے ہمراہ دوسری کوئی چیز نہیں ہے۔

گر یک خط سُرخ بر کنارش بودے   اگر ایک سُرخ دھاری اُس کے کنارہ پر ہوتی۔

بیشک اس سے اپنی شہادت کا اشارہ کیا ہوگا اور اس کے بعد یہ رباعی پڑھی

در بحرِ محیط غوطہ خواہم خوردن   یا غرق شُدن یا گہرے آوردن

کارِ تو مخاطرا ست خواہم کردن   یا سُرخ کنم روئے ز تو یا گردن

شیخ نجم الدین کُبریٰ قدّس سرّہٗ کی خدمت میں بسکر آباد کا رہنے والا ایک درویش تھا۔ جس کو حبشی بسکروی کہتے تھے اور وہ اس قدر اُونچے مقام میں پہنچا ہوا تھا کہ جب تک وہ خلوت سے باہر نہیں آتا تھا سماع کی مجلس برخاست نہ ہوتی تھی۔ ایک دِن سماع کی حالت میں اس کا وقت خوش ہوا۔ زمین سے اُٹھا اور وہاں ایک اُونچا طاق تھا۔ اُس اونچے طاق پر بیٹھ گیا۔ اُوپر سے اُترنے کے وقت شیخ مجد الدین کی گردن پر کُودا اور پاؤں نیچے لٹکا دیے۔ شیخ مجد الدّین اُسی طرح چکر لگاتے رہے جیسے کہ وہ پہلے لگا رہے تھے۔ یہ حبشی بلند قامت اور وزنی آدمی تھا اور شیخ مجد الدین بڑے نازک اور لطیف تھے۔ جب سماع سے فارغ ہوئے تو شیخ نے فرمایا، مجھے معلوم بھی نہیں ہوا کہ میری گردن پر حبشی ہے یا کوئی چڑیا ہے۔ جب وہ گردن سے اُترا تو آپ کے رخسارہ کو دانتوں میں ایسا پکڑا کہ اُس کا نشان ہو گیا۔ شیخ مجد الدین بارہا فرماتے کہ ”مرا در قیامت ہمیں مفاخرت تمام است   میرے لیے قیامت میں یہی بڑے فخر کی بات ہوگی کہ حبشی

کہ اثرِ دندان زنگی بروئے من باشد   کے دانتوں کا نشان میرے چہرہ پر ہوگا۔

شیخ علاء الدولہ قدّس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ شیخ مجد الدین بغدادی نے فرمایا ہے کہ میں نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں پوچھا

مَا تَقُوْلُ فِیْ حَقِّ ابْنِ اَبِیْ سِیْنَا۔ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ رَجُلٌ اَرَادَ اَنْ یَّصِلَ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰے بِلَا وَاسِطَتِیْ فَحَجَبْتُہٗ بِیَدِیْ ھٰکَذَا[1] فَسَقَطَ فِی النَّارِ

ابن سینا کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ ایسا آدمی ہے جس نے میرے واسطے یعنی میرے ذریعہ کے بغیر براہِ راست اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کا ارادہ کیا تو میں نے اسکو اپنے ہاتھ سے ایسے روکدیا پھر وہ دوزخ میں گر پڑا۔

---

[1] ھٰکذا سے روکنے کی صورت کو ظاہر فرمایا، اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ ایک تو ابن سینا خدا تک نہ پہنچے دوسرے جہنّم میں پڑ گئے۔ یہ بات اس پر دلیل نہیں کہ وہ کافر ہوگئے، کیونکہ بہت سے اہلِ ایمان بھی واصل بحق نہیں اور گنہ گار مومن بھی آگ میں جائیں گے اور ایسی کوئی دلیل نہیں کہ ابن سینہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ جس سے اُن کا کفر معلوم ہو۔

اور اس کے بعد فرمایا کہ مَیں بغداد سے شام جا رہا تھا کہ وہاں سے رُوم جاؤں۔ جب موصل میں پہنچا۔ رات کو جامع مسجد میں رہا۔ جب سو گیا تو دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ وہاں نہیں جاتا کہ فائدہ حاصل کرے۔ مَیں نے دیکھا کہ ایک جماعت حلقہ بنا کر بیٹھی ہوئی ہے۔ ایک آدمی اُن کے بیچ میں بیٹھا ہوا ہے۔ جس کا نور اس کے سر سے آسمان تک پہنچتا ہے۔ وہ بات کر رہا ہے اور لوگ سُن رہے ہیں۔ مَیں نے کہا، یہ کون ہے؟ اُنہوں نے کہا، مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم ہیں۔ مَیں اُن کے سامنے گیا۔ سلام عرض کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور مجھے حلقہ میں جگہ دی۔ جب میں بیٹھ گیا۔ مَیں نے پوچھا، یا رسول اللہ ماتقول فی حق ابی سینا۔ ابنِ سینا کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا:

رَجُلٌ اَضَلَّہُ اللہُ عَلٰی عِلْمٍ۔ وہ آدمی ہے جس کو اللہ نے علم پر گمراہ کر دیا یعنی علم کے باوجود اللہ نے اس کو بے راہ کر دیا۔ پھر مَیں نے کہا، مَاتقول فِی حق شہابِ الدّین لمقتولِ اور شہاب الدین مقتول کے حق میں کیا فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، ھُوَ مِنْ مُتَّبِعَیْہِ۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے ابن ابی سینا کی پیروی[1] کی۔ اس کے بعد میں نے کہا، کہ علماء اسلام کے متعلق بھی پوچھ لُوں۔ مَیں نے کہا، ماتقول فی حق فخرالدّین رازی۔ فخرالدین رازی کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا، ھُوَ رَجُلٌ مَعَاتَبٌ۔ وہ وہ آدمی ہے جس پر عتاب کیا گیا۔[2] مَیں نے کہا، ماتقول فِی حق حَجَّۃُ الاسلام مُحَمَّد الغَزَّالِیُ۔ حجۃ الاسلام محمد غزّالی کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا، رَجُلٌ وَصَلَ اِلٰی مَقْصُوْدِہٖ۔ فرمایا، وہ ایک مَرد ہے جو اپنے مقصود تک پہنچ گیا۔[3] مَیں نے کہا، مَاتَقُوْلُ فی حق امام الحرمین۔ قَالَ ھو ممن نصر دینی۔ امام الحرمین کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے میرے دین کی مدد کی۔ مَیں نے کہا، مَاتَقُوْلُ فِی حَقِ اَبِی الْحَسَنِ الْاَشْعَرِیِ۔ ابوالحسن الاشعری کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں، فرمایا، اَنَا قُلْتُ وَ قَوْلِیُ صَدَقَ الْاِیْمَانُ یمانٍ والحکمۃِ یمانیۃٌ۔ مَیں کہہ چکا ہوں اور بات سچی یعنی واقعہ کے مطابق ہے کہ ایمان یمن والوں کا ہے اور حکمت یمنی ہے۔[4]

---

[1] یعنی ان اعمال میں جو ابن سینا نے روایت کیے ہیں تبع تھے، اگرچہ افکار و خیالات میں وہ ابنِ سینا کے مخالف تھے۔ [2] معاتب کے معنی عتاب کیا ہوا اور عتاب کے معنی غُصّہ، سلامت اور ناز کے معنی میں بھی آتا ہے۔ واللہ اعلم بمراد نبیہ صلی اللہ علیہ وسلّم

[3] یعنی اپنے مقصود تک پہنچے گا۔ اس میں اشارہ ہے کہ مقصود مطلق تک نہیں پہنچا۔ جیسے کہ شیخ مجدالدین عبدالرحمٰن اسفرائنی کے ذکر میں لکھا گیا ہے۔ [4] یعنی ایمان یمن والوں کا ہے۔ یعنی ایمان کی کان یمن ہے اور حکمت یمن سے ظاہر ہو گی۔ یہ الفاظ امام ابوالحسن الاشعری کے مقبول ہونے پر دلالت کرتے ہیں، کیونکہ وہ یمن کے رہنے والے تھے۔

اس کے بعد جو شخص میرے قریب بیٹھا ہوا تھا اُس نے مجھے کہا. ان سوالات کو پوچھ کے کیا حاصل کرنا ہے۔ دُعا کے لیے درخواست کر جو تجھے فائدہ دے اور جس کا تجھے نفع پہنچے ۔ اس کے بعد مَیں نے کہا ، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مجھے کوئی دعا سکھایئے ۔ آپؐ نے فرمایا ، تو کہہ :

اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیَّ حَتّٰی اَتُوْبَ وَ اَعْصِمْنِیْ حَتّٰی لَا اَعُوْدَ وَحَبِّبْ اِلَیَّ الطَّاعَاتِ وَکَرِّہْ اِلَیَّ الْخَطِیَّاتِ

اے اللہ ! مجھ پر توجہّ فرما ، یہاں تک کہ مَیں توبہ کروں اور میری حفاظت کر ، تاکہ مَیں پھر گناہ نہ کروں اور میرے دل میں عبادات کی محبّت ڈال دے اور گناہوں کی کراہت ڈال دے ۔

اس کے بعد مجھ سے آپؐ نے پوچھا تو کہاں جارہا ہے ۔ مَیں نے کہا رُوم ۔ آپ نے فرمایا :

اَلرُّوْمُ مَادَخَلَہُ الْمَعْصُوْمُ رُوم میں معصوم داخل نہیں ہوا ۔

جب مَیں خواب سے بیدار ہوا ، یہاں ایک بالاخانہ تھا ۔ جس میں مولانا مُوفّقُ الدّین کواشی رہتے تھے اور آخر عُمر میں اُن کو بہت کم نظر آتا تھا ۔ مَیں اُن کی زیارت کو گیا ۔ پھر اُنہوں نے پوچھا ، تو کون ہے ؟ مَیں نے کہا ، جمال الدّین ۔ کہا ، کہاں سے آ رہا ہے ۔ مَیں نے کہا ، بغداد سے ۔ کہا ، کہاں جارہا ہے ۔ مَیں نے کہا ، رُوم میں ۔ فرمایا ، روم میں جائے گا ۔ مَیں نے کہا ، جی ہاں ۔ اُنہوں نے فرمایا ، الرّوم مادخلہ المعصومُ ۔ روم میں معصوم نہیں آیا ۔ مَیں حیران ہوگیا اور اُن کا دامن ہاتھ میں پکڑ کر عرض کیا ۔ شاید آپ کل کی مجلس میں موجود تھے ۔ فرمایا ، دَعْنِیْ ، دَعْنِیْ ۔ مجھے چھوڑ دے ، مجھے چھوڑ دے ۔ مَیں نے اُن کے دامن سے ہاتھ ہٹالیا اور واپس آگیا ۔ شیخ رُکن الدین علاء الدولہ قدّس سرّہٗ کہتے ہیں کہ مولانا جمال الدّین ایک مردِ بزرگ تھے ۔ اُن کی مشہور تصنیفات علوم میں بہت ہیں ۔ امام غزّالی اور ان میں دو واسطوں سے زیادہ نہیں تھے اور ان کا یہ واقعہ شیخ مجدالدّین کے خواب کے صحیح ہونے کی دلیل ہے ۔ اور شیخ مجدالدین کو ۶۰۶ھ اور بعض کے نزدیک ۶۱۶ھ میں شہید کیا گیا ، تو ان کی خاتون یعنی اہلیہ جو نیشاپور کی تھیں ان کی نعش کو نیشاپور لے گئیں اور بعد میں ۸۳۶ھ میں لوگوں نے اُن کو اسفرائن میں منتقل کر دیا ۔

۳۶۹ حضرت شیخ سعدالدین حَمُوِی قدّس اللہ تعالیٰ سرّہٗ

ان کا نام محمد بن المویّد بن ابی بکر ابن ابی الحسن بن محمد بن حمویہ ہے ۔ یہ شیخ نجم الدّین کبریٰ کے مریدوں سے تھے امام یافعیؒ

لہ خطیات خطیۂ کی جمع ہے ۔ گناہ اور قصور کو کہتے ہیں ۔ کراہت ، ناپسندی ، ناگوار ، ناپسند ، گھناونی یعنی گناہوں سے مجھے نفرت اور گھن آنے لگے اور تیری نافرمانی والے کام مجھے ناپسند اور بھونڈے معلوم ہوں ۔ مجھے ان سے کوئی رغبت نہ رہے ۔

کی تاریخ میں ہے کہ شیخ سعدالدین صاحب احوال و ریاضتیں کرنے والے بزرگ تھے۔ اور ان کے بہت لوگ اصحاب و مرید تھے۔ صاحب کلام تھے۔ مدت تک قاسیوں کے کنارہ پر رہتے رہے پھر خراسان واپس آگئے اور یہاں وفات پائی۔ ظاہری اور باطنی علوم میں ایسے بے نظیر تھے۔ ان کے زمانہ میں ان جیسا دوسرا کوئی نہیں تھا۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں بہت تھیں۔ 'کتاب محبوب' اور 'سجنجل الارواح' بھی ان کی ہی لکھی ہوئی ہیں۔ اُن کی لکھی ہوئی کتابوں میں اسرار راز کی باتیں اور اشارے و کنایہ اور مشکل باتیں، نقشے شکلیں یعنی ایک دُوسرے سے ملتی جلتی باتیں اور دائرے زیادہ تر ایسے ہیں کہ عقل و فکر اُن کے کھولنے اور حل کرنے سے عاجز ہے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ جب تک دل کی آنکھ کشف کے نُور سے نہ کھلے اُن کا سمجھنا مشکل ہے۔

اُنہوں نے فرمایا،

بَشَّرَنِی اللّٰہُ سُبحَانَہٗ ۔ وَقَالَ مَنْ اَصغٰی کَلَامَکَ بِحُسْنِ القبولِ وَالاِعْتقادِ فِی ذِکْرِی وَ تَعْرِیفِی فقد اندرجت فیہ نطفۃُ العِلمِ والمعرفۃ وانِ التبسَ علیہِ فی الحال فقد ثبت لہٗ النصیب فِی طورٍ مِن اَطوارہ۔

اللہ سبحانہٗ نے مجھے بشارت دی اور فرمایا، جس شخص نے تیرے اس کلام پر جو میرے ذکر اور میری تعریف میں ہے حسن قبول اور اعتقاد کے ساتھ کان لگایں تحقیق اس میں علم و معرفت کا نطفہ داخل ہو گیا۔ اور اگرچہ فی الحال اس پر شبہ پڑ جائے اور وہ نہ جانے یقیناً اس کے حالات اور اوقات میں کوئی وقت آئیگا کہ اسکو اسکا حصہ ضرور ملیگا۔ اور وہ اس کو سمجھ جائے گا۔

شیخ صدرالدین قونیوی قدس اللہ سرہٗ ان کی صحبت میں پہنچے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اُن سے سُنا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ نے جو عہد بنی آدم کی رُوحوں سے ازل میں لیے ہیں، صرف اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے میثاق میں منحصر نہیں۔ اس کے علاوہ چھ اور ہیں۔ میں نے یہ بات اپنے شیخ محی الدین قدس سرہٗ سے کہی۔ اُنہوں نے کہا، اُس نے کُلیات کو بتایا ہے، ورنہ جزئیات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ شیخ مؤیدالدین الجندی شرح فصوص الحکم میں لکھتے ہیں کہ شیخ صدرالدین ایک دن شیخ سعدالدین کے ساتھ محفل سماع میں موجود تھے۔ شیخ سعدالدین سماع کے دوران صفہ کی طرف منہ کر کے (جو اس مکان میں تھا) باادب تمام دیر تک کھڑے رہے اور اس کے بعد آنکھیں بند کر لیں اور آواز دی۔ این صدرالدین۔ صدرالدین کہاں ہے جب شیخ صدرالدین سامنے آگئے، تو اُن کے سامنے آنکھیں کھولیں اور کہا، حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس صُفّہ[2]

---

[1] مراد صالحہ دمشق ہے [2] صُفّہ چھپرے، چبوترہ اور حجرہ کو بھی کہتے ہیں۔

میں تشریف فرما تھے ۔ مَیں نے چاہا کہ جو آنکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال مبارک کے مشاہدہ سے مشرف ہوئی ہیں ۔ پہلے ان کو تیرے چہرہ پر کھولوں ۔

شیخ سعد الدین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری رُوح کو ایسا عروج واقع ہوا کہ وہ میرے جسم سے جُدا ہو گئی اور جسم تیرہ دن تک یوں ہی پڑا رہا ۔ پھر کہیں قالب میں آئی اور قالب ان تیرہ دنوں میں مردہ کی طرح پڑا رہا ۔ وہ کوئی حرکت نہیں کرتا تھا ۔ اور جب روح قالب میں آئی ، قالب کھڑا ہو گیا ۔ وہ خبر نہ رکھتا تھا کہ کتنے روز پڑا رہا اور جو لوگ موجود تھے اُنہوں نے کہا ۱۳ دن سے تیرا قالب[۱] یونہی پڑا رہا ہے اور اپنے جو اشعار انہوں نے کتاب محبوب میں درج کیے ہیں ان میں یہ عربی رباعی بھی ہے ۔

یَا رَاحَةَ مُهْجَتِیْ وَ نُوْرَ الْبَصَرِ   اِسْتَيْقَظَ قَلْبِیْ بِكَ وَقْتَ السَّحَرِ

نَاجَيْتُ ضَمِيْرَ خَاطِرِیْ يَا قَمَرِیْ   اِنِّیْ اَنَا فِيْكَ وَاَنْتَ لِیْ فِیْ نَظَرِیْ

ترجمہ :۔ اے میرے دل کی راحت اور آنکھوں کے نُور ، میرا دل تیری یاد میں سحری کے وقت بیدار ہو گیا ۔ میں نے اس سے مناجات کی جو میرے دل میں چھُپا ہوا ہے ۔ بیشک اے میرے چاند میں تجھ میں ہوں اور تو میری نظر میں ہے[۲] ۔

اور فارسی کی رباعیات بھی اسی طرز کی ہیں ۔

کافر شومی ار زُلف[۳] نگارم بینی   مومن شوی ار عارض یارم بینی

در کفر میامیز و در ایمان منگر   تا عزّت یار و انتقارم بینی

ترجمہ :۔ اگر میرے معشوق کی زُلف کو دیکھ لے تو تو کافر ہو جائے ، اگر میرے یار کے رُخسار کو دیکھ لے تو تُو مومن ہو جائے ۔ کفر میں نہ مل اور نہ ایمان میں دیکھ ، تا کہ یار کے غلبہ اور اپنی محتاجی کو دیکھے ۔

---

[۱] قالب مُردہ کی طرح پڑا رہا ۔ جس کا مطلب یہ ہے اس میں حس و حرکت نہیں تھی ، اگرچہ تنفس یعنی سانس کی آمد و رفت جاری رہی ہو گی اور ممکن ہے سانس کا آنا جانا بھی بند ہو گیا اور چونکہ اس قسم کے حالات کا لوگ شیخ میں مشاہدہ کرتے رہتے تھے ۔ اس لیے ان کے مریدین نے اس حال کو موت قرار نہ دیا ہو

[۲] یعنی میرا وجود تجھ سے ظاہر ہے اور میرے دیکھنے میں تو میرے وجود کا آئینہ ہے ۔ جس کے ذریعہ میں اپنے وجود کو دیکھتا ہوں ۔

[۳] کبھی تو اُس کے مظہر جلال میں قید ہے اور کبھی مظہر جمال میں قید ہے جو کفر و ایمان سے مراد ہے ۔ اگر میرے یار کی زلف کو تو دیکھے گا تو کافر ہو جائے گا اور اگر اُس کے چہرہ کو دیکھے گا تو مومن ہو جائے گا اور دوسرے شعر میں اس کے اُوپر کا درجہ کا بیان ہے کہ تو مظہر جلال اور مظہر جمال کی قید سے آزاد ہو جائے یعنی صفات کے درجہ سے نکل کر ذات کے مشاہدہ میں آجائے ۔

دوسری رباعی

بے تو نظرے نیست مرا در کارے بے روئے تو خوش نیایدم گلزارے
در باغ رضا چوں تو زیبا یارے پیدا و نہاں روئے تو بینم بارے

ترجمہ :- مجھے تیرے دیدار کے سوا کچھ اور نہیں چاہیئے۔ تیری صورت کے بغیر مجھے پھولوں کا چمن بھی اچھا نہیں لگتا۔ اے کاش کہ تیری رضا کے باغ میں ظاہر ہو کر اور چھپ کر ایک دفعہ تیری پیاری صورت کو دیکھ لوں۔

تیسری رباعی

بے تو نہ بہشت بایدم نہ رضواں نے کوثر و زنجبیل و بحرِ حیواں
با مہر تو دوزخ است دارِ رضوان با لطف تو دوزخ ہمہ روح و ریحان

ترجمہ :- تیرے علاوہ نہ مجھے بہشت چاہیئے نہ خوشی، نہ بہشت کی نہر کوثر اور وہاں کی شراب اور نہ ابدی زندگی کا دریا۔ تیری خفگی کے ساتھ خوشی کا گھر یعنی جنّت کا مقام دوزخ ہے۔ تیری مہربانی کے ساتھ دوزخ ہمہ تن خوشی راحت و آسائش کا سبزہ زار ہے۔

اور یہ شعر بھی اسی رنگ میں ہے :

اَنْتَ قَلْبِیْ وَ اَنْتَ فِیْہِ حَبِیْبٌ تو میرا دل ہے اور تو اس میں بسنے والا محبوب ہے۔
وَلِسُقْمِ الْقُلُوْبِ اَنْتَ طَبِیْبٌ اور دلوں کی بیماریوں کے واسطے تُو ہی طبیب اور معالج ہے۔
لَیْسَ فِیْ قَلْبِ مَنْ یُحِبُّکَ صِدْقًا اور جو کوئی تجھ سے سچی محبّت رکھتا ہے اس کے دل میں تیرے ذکر
غَیْرَ ذِکْرَاکَ حَالَۃٌ یَسْتَطِیْبُ کے سوا کوئی حال ایسا نہیں جس سے وہ خوش ہوتا ہو۔
اَنْتَ سُقْمِیْ وَ صِحَّتِیْ وَشِفَائِیْ تو میری بیماری ہے اور میری صحت اور شفا بھی تُو ہے۔
وَبِکَ الْمَوْتُ وَالْحَیٰوۃُ تَطِیْبُ اور تیرے[1] ساتھ مرنا بھی لذیذ ہے اور جینا بھی خوشگوار ہے۔
وَ اِذَا مَا نَظَرْتَ بِیْ بِلُطْفٍ اور جب تو مجھے لُطف اور مہربانی کی نظر سے دیکھتا ہے۔
عَنْ فُؤَادِیْ وَعَیْنِیْ لَا تَغِیْبُ تو تُو نہ میرے دِل سے غائب ہوتا ہے اور نہ میری نظر سے[2]۔

---

[1] یعنی جب تیرا حضور حاصل ہو تو مرنے میں بھی مزا ہے اور جینے میں بھی [2] یعنی جب آپ مجھے لُطف کے ساتھ دیکھتے ہیں اور مجھے انعامات سے نوازتے ہیں تو اس وقت بھی تو میرے دل اور نظر سے اوجھل اور دور نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہ میں تیری نعمتوں میں مست ہو کر تجھے چھوڑ جاؤں یا تجھے بھول جاؤں۔

لَکَ سِرِّی وَ مُھْجَتِیْ وَضَمِیْرِی — میرے دل کی جان، میری جان، میرا دل تیرے لیے سرنگوں ہیں۔
سَاجِدٌ شَاھِدٌ وَمَالِی نَصِیْبُ — تیرے مشاہدہ میں مشغول ہیں اور میرے لیے حصہ نہیں۔

آپ نے ۹۲ سال کی عمر پائی اور ۱۰ ذوالحج عید کے دن ۶۵۰ھ کو دنیا سے کوچ کیا۔ آپ کی قبر مبارک بحرآباد میں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔

۳۷۰ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ

المتوفی ۶۵۸ھ۔ آپ کی قبر بخارا میں شیخ العلم کے نام سے مشہور ہے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلفاء میں سے ہیں۔ علوم کی تحصیل و تکمیل کے بعد شیخ کی خدمت میں آئے اور تربیت حاصل کی۔ شروع میں جب اُن کے شیخ نے ان کو خلوت میں بٹھایا دوسرے چلّے میں شیخ ان کی خلوت میں تشریف لائے اور اپنی انگشت مبارک ان کے خلوت کے دروازہ پر ماری۔ اور بلند آواز سے کہا، اے سیف الدین!

منم عاشق مرا غم ساز وارست — عاشق میں ہوں غم میرے لیے ہے۔
تو معشوقی ترا با غم چہ کارست — تو معشوق ہے غم سے تیرا کیا واسطہ۔

اُٹھ اور باہر آ۔ اُسی وقت ان کا ہاتھ پکڑا، خلوت سے باہر نکالا اور بخارا کی طرف روانہ کر دیا۔ ایک دفعہ لوگ خطا کی طرف سے شیخ کے لیے ایک باندی لائے تھے۔ شب زفاف میں شیخ نے اپنے مریدوں سے کہا، آج رات ہم شرعی لذت میں مشغول رہیں گے تم لوگ بھی ہماری موافقت میں ریاضت چھوڑ دو۔ فراغت اور آرام سے رات گزارو۔ جب حضرت شیخ یہ کہہ چکے تو شیخ سیف الدین نے اس رات بڑی کیتلی پانی سے بھر لی اور شیخ کی خلوت کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ جب صبح کے وقت شیخ باہر نکلے اُن کو دیکھا تو فرمایا، ہم نے نہ کہا تھا کہ آج رات اپنی لذت و حضور میں مشغول رہو؟ پھر تو نے خود کو اس تکلیف میں کیوں ڈالا۔؟ شیخ سیف الدین نے عرض کیا۔ جناب کا یہ فرمان تھا کہ ہر شخص اپنی لذت و حضور میں مشغول رہے۔ مجھے اس سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں۔ حضرت شیخ کے آستانہ پر خدمت کے لیے کھڑا رہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ "تجھے خوشخبری ہو کر بادشاہ تیری رکاب میں دوڑیں گے۔"

ایک دن ایک بادشاہ شیخ سیف کی زیارت کے لیے آیا۔ واپس ہوتے وقت بادشاہ نے شیخ سے درخواست کی کہ میں نے ایک گھوڑا شیخ کی نذر کیا ہے۔ التماس کرتا ہوں شیخ قدم رنجہ فرمائیں تاکہ اپنے ہاتھ سے میں آپ کو سوار کراؤں۔ شیخ نے اس کی درخواست منظور فرمائی اور خانقاہ کے دروازہ پر آئے۔ بادشاہ نے اس کی رکاب پکڑی۔ جب آپ سوار ہو گئے گھوڑے نے سرکشی کی اور لگام ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ تقریباً پچاسی قدم بادشاہ شیخ کی رکاب میں دوڑتا رہا۔ شیخ نے بادشاہ کو کہا، اس گھوڑے کی سرکشی میں یہ حکمت تھی کہ ہم ایک رات شیخ الاسلام شیخ نجم الدین کی خدمت میں تھے۔ ہمیں اُنھوں نے بشارت دی تھی کہ بادشاہ تیری رکاب میں دوڑیں گے۔ شیخ کی بات سچّی ہونے کا اب وقت آیا۔

شیخ سیف الدین کے پاک کلمات میں سے یہ ہے:

رُباعی

هر شب بمثال پاسبان کویت — می گردم گرد آستان کویت
باشد که برآید اے صنم روز حساب — نامم زِ جریدۂ سگانِ کویت

ترجمہ:- ہر رات تیرے کوچے کے چوکیداروں کی طرح تیرے آستانے کے گرد گھومتا رہتا ہوں۔ اے میرے معشوق کیا ہی اچھا ہو کہ حساب کے دن میرا نام تیری گلی کے کتوں کے دفتر میں ہو۔

رُباعی

هر چند گہے زِ عشق بیگانہ شوم — با عافیت آشنا و هم خانہ شوم
ناگاہ پری رُخ بمن بر گزرد — بر گردم ازاں حدیث و دیوانہ شوم

ترجمہ:- جب کبھی مَیں عشق سے بیگانہ ہوتا ہوں۔ عافیت کے ساتھ آشنا و ہم خانہ ہوتا ہوں۔ دفعتاً میرا محبوب میرے سامنے سے گزرتا ہے۔ اس سارے قصّہ سے لوٹ جاتا ہوں اور دیوانہ ہو جاتا ہوں۔

ایک دن شیخ ایک درویش کے جنازہ پر تشریف لائے لوگوں نے کہا، حضرت والا تلقین فرمائیں۔ میّت کے چہرہ کے پاس آئے اور یہ رباعی فرمائی:

گر مَن گنہ جملۂ جہاں کرد ستم — لطف تو امیدست کہ گیرد دستم
گفتی کہ بوقت عجز دستت گیرم — عاجز تر ازیں مخواہ کہ اکنوں ہستم

ترجمہ: اگرچہ مَیں نے سارے جہان کے ظلم و ستم کیے ہیں مگر تیری مہربانی سے اُمید ہے کہ تو میری دستگیری فرمائیگا۔ تو کہہ چکا ہے کہ عجز کے وقت تیری دستگیری کروں گا۔ اس سے زیادہ میں کب عاجز ہوں گا جیسے کہ مَیں اب ہوں۔

۱۷۲ حضرت عین الزمان جمال الدین گیلی رحمۃ اللہ علیہ

یہ بھی شیخ نجم الدین کے خلفاء میں بڑے عالم اور فاضل ہوئے ہیں۔ شروع میں جب اُنھوں نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا تو کتب خانہ میں آئے اور علوم عقلی و نقلی کے لطائف میں ایک مجموعہ انتخاب کیا، تاکہ وہ سفر میں ان کا غم خوار رہے اور سفر کی وحشت سے باز رکھے۔ جب خوارزم کے قریب پہنچے تو رات کو خواب میں دیکھا کہ شیخ ان سے کہتے ہیں، اے گیلی! اپنی گٹھڑی پھینک کر آ۔ جب بیدار ہوئے تو سوچنے لگے کہ گٹھڑی کیا ہے۔ نہ میرے پاس دُنیا ہے اور نہ مجھے اس کے جمع کرنے کی فکر ہے۔ دوسری رات پھر یہی خواب دیکھی۔ آخر شیخ سے پوچھا، "اے شیخ! وہ گٹھڑی کیا ہے؟" فرمایا، وہ مجموعہ جو تُو نے جمع کیا ہے۔ جب بیدار ہوئے تو اس کو جیحون 'دریا میں ڈال دیا۔ جب شیخ کی حضور میں پہنچے، تو شیخ نے فرمایا، اگر تو اس مجموعے کو نہ پھینکتا تو تجھے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ پھر ان کو خرقہ پہنایا اور چلّہ میں بٹھادیا۔ چلّہ پُورا ہونے کے بعد ان کو "عین الزمان" کا لقب بخشا۔ شیخ جمال الدین قزوین میں رہتے تھے۔ قزوین کے ایک سیّد نے شیراز کے سفر کا ارادہ کیا اور شیخ سے بادشاہ کے لیے سفارش کی درخواست کی، کیونکہ وہ شیخ کے ساتھ پوری عقیدت رکھتا تھا۔ شیخ نے کاغذ کا پرچہ طلب کیا اور اس پر لکھا۔ "عسلؔ و رازیانہ[1]" اور یہ پرچہ اس کو دے دیا۔ جب وہ شیراز میں پہنچا، بادشاہ سے ملنے کا قصد کیا۔ لوگوں نے کہا، وہ پیٹ کے درد میں مبتلا ہے۔ حمام میں ہے۔ یہ حمام پر پہنچا۔ دیکھا کہ بادشاہ حمّام پر بیٹھا ہوا ہے اور پیٹ کے درد سے سخت بے چین ہے۔ اُس نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ بادشاہ نے پوچھا، "تو کہاں سے آیا ہے؟" اس نے کہا، "قزوین سے۔" اس نے شیخ کا حال دریافت کیا۔ اس نے وہ کاغذ دے دیا۔ بادشاہ نے کھولا، تو دیکھا کہ اس میں "عسل" و رازیانہ" لکھا ہوا ہے۔ بادشاہ نے کہا، شیخ نے نورِ فراست و کرامت سے ہمارا علاج لکھا ہے۔ حکم دیا کہ بہت جلد یہ دوائی لاؤ۔ چنانچہ شہد اور رازیانہ پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے اُسے کھایا اور اُسی وقت شفایاب ہوا اور اس سیّد کی خوب خاطر مدارت کی۔

---

[1] عسل شہد کو اور رازیانہ بادیان کو کہتے ہیں جو سونف بُستانی کے نام سے مشہور ہے۔ جنگلی سونف سے یہ اچھی ہے۔ اس کا مزاج گرم تر ہے۔ جڑ اور پتّوں سے زیادہ قوی ہے۔ بینائی اور معدہ کے لیے مقوی ہے۔ ریاح کو کھولتی اور سُدّہ کو تحلیل کرتی ہے سینہ، گردہ، مثانہ اور تلی کے راستوں کو کھولتی ہے۔ خوراک ۴ ماشہ سے ۹ ماشہ تک ہے۔

منقول از خلاصہ معالجات قلمی۔ مصنفہ، شیخ محمد اکبر عرف حسین بخش ابن شیخ سعد اللہ انصاری ساکن انبہٹہ ضلع سہارنپور (بھارت) یہ قلمی نسخہ فقیر کے کتاب خانہ میں موجود ہے۔ طبی معالجات میں نایاب قیمتی اور مجرب نسخہ جات جمع کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو جزاء خیر دے۔

۴۷۔ حضرت باباکمال جندی رحمۃ اللہ علیہ

جب حضرت باباکمال جندی نے شیخ نجم الدین کی صحبت میں رہ کر تکمیل و اکمال کا درجہ پایا۔ حضرت شیخ نے ان کو ایک خرقہ دیا اور کہا، "ترکستان" کے ملک میں مولانا شمس الدین مفتی کا فرزند ہے جسے احمد مولانا کہتے ہیں۔ یہ ہمارا خرقہ اس کو پہنچانا اور اس کی تربیت کرنے میں کوتاہی نہ کرنا۔ جب باباکمال جُند میں پہنچے۔ بچوں کی ایک ٹولی کو کھیلتے ہوئے دیکھا۔ احمد مولانا جو ابھی بچے تھے ان میں موجود تھے، مگر وہ کھیل نہیں رہے تھے، بلکہ ان کے کپڑوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ جب اُنہوں نے باباکمال کو دیکھا، اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ان کا استقبال کیا۔ اور سلام کیا۔ اس کے بعد کہا، جندی! ہم دُوسروں کے کپڑوں کی حفاظت کرتے ہیں اور تم ہمارے کپڑوں کی حفاظت کرتے ہو۔ حضرت بابا نے ان کو گود میں اٹھا لیا اور مُفتی کے گھر آئے مُفتی نے کہا، یہ فرزند مجذوب ہے۔ شاید اچھی طرح خِدمت نہ کر سکے۔ اس کا چھوٹا بھائی دانشمند مولانا بڑا دانا ہے اور بادب بھی۔ بابا نے کہا، وہ بھی بانصیب ہوگا، لیکن ہم تو اپنے شیخ کے حکم سے ان کی خِدمت میں آئے ہیں۔ احمد مولانا نے تھوڑے سے عرصہ میں پوری تربیت حاصل کر لی اور ان کے کمالات کا آوازہ اور شہرہ عام و خاص میں منتشر ہو گیا۔ اور بہت سے طالبین ان کی صحبت سے درجۂ کمال کو پہنچے۔ ان میں سے ایک شیخ بہار الدین کبریٰ ہیں۔ احمد مولانا نے اپنے چھوٹے بھائی دانش مند مولانا جن کا نام محمد تھا ان کی تربیّت ان کے حوالہ کی تھی اور شیخ بہار الدین کبریٰ نے اپنے بیٹے ابوالفتوح کی تربیّت دانشمند مولانا کے حوالے کی تھی۔ بیشک حضرت خواجہ ابوالوفا خوارزمی کی نسبت ابوالفتوح کے ساتھ ہے جیسے کہ اپنے مشائخ کے سلسلہ میں اُنہوں نے کہا ہے۔

نظم

رسید فیضِ علیؓ را ز احمدِ مختارؐ
پس از علی حسنؓ آمد خزانۂ اسرار
حبیب و طائی و معروف پس سری و جنید
دو بوعلی ست وگر مغربی سرِ اخیار
عقیب ایں ہمہ بوالقاسم و پس از
نسّاج امام احمد و پس سہروردی و عمّار
پس از اکابرِ مذکور شیخ نجم الدین
کہ بود قدوۂ اخیار و سرورِ ابرار

کمال احمد وانگہ بہاءِ ملّت و دین
دگر محمّد و پس بوالفتوح فخرِ کبار

ترجمہ :- علیؓ کو فیض پہنچا احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ پھر علیؓ سے حسن بصریؒ خزانۂ اسرار کو۔ پھر حبیبؒ اور طائیؒ، پھر سریؒ اور جنیدؒ کو اور ابوعلی رودباریؒ اور بوعلی کاتبؒ کو اور عثمان مغربیؒ کو ان سب کے بعد ابوالقاسمؒ کو اور پھر ابوبکر نساجؒ و امام احمدؒ اور پھر ابوالنجیبؒ سہروردی کو پھر عمارؒ کو اور ان اکابر مذکور کے بعد شیخ نجم الدین کو جو اخیار کے مقتدار اور ابرار کے سردار ہیں۔ ان سے کمال جندیؒ کو، ان سے احمدؒ مولانا کو اور ان سے بہار الدین کبریٰؒ کو، پھر محمد (دانشمند مولانا) کو اور ان سے ابوالفتوح فخرِ کبار کو۔

۴۷۔ حضرت خواجہ ابوالوفا خوارزمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
المتوفی ۸۳۵ھ

خواجہ ابوالوفا کو اربابِ توحید اور اصحابِ ذوق کے مشارب سے پورا حصہ ملا ہوا تھا جو ان کے رسائل و اشعار سے خصوصًا ان رباعیات سے یہ مطلب ظاہر کرتا ہے۔ اس مطلب کو ثابت کرنے کے لیے ان کی چند رباعیاں نقل کی جاتی ہیں:

۱۔ اے آنکہ توئی حیاتِ جانِ جانم	اے وہ کہ تو میری جان کی زندگی ہے۔
در وصفِ تو گرچہ عاجز و حیرانم	اگرچہ تیرا حال بیان کرنے میں عاجز اور حیران ہوں۔
بینائیِ چشمِ من توئی می بینم	میری آنکھ کی بینائی تُو ہے کہ جس سے میں دیکھتا ہوں۔
دانائیِ عقلِ من توئی می دانم	میری عقل کا جوہر تُو ہے جس سے کہ میں سمجھتا ہوں۔
۲۔ من از تو جدا نہ بودہ ام تا بودم	میں تجھ سے جدا نہیں ہوں جب تک کہ میں ہوں۔
اینست دلیلِ طالعِ مسعودم	میرے سعادت کے ستارہ کی یہ دلیل ہے۔
در ذاتِ تو ناپدیدم از معدومم	تیری ذات میں ناپدید ہوں گا اگر میں معدوم ہوں گا۔
در نورِ تو ظاہرم اگر موجودم	اور تیرے نور میں ظاہر ہوں گا اگر میں موجود ہوں گا۔
۳۔ چوں بعض ظہوراتِ حق آمد باطل	جب حق کے بعض ظہورات کا وجود باطل ہے۔
پس منکرِ باطل نہ شود جز جاہل	پس باطل کا منکر بجز جاہل کے اور کوئی نہیں ہوتا۔
در کلِ وجود ہر کہ جز حق بیند	تمام موجودات میں جو حق کے غیر کو دیکھتا ہے۔
باشد زحقیقت الحقائق غافل	وہ حقیقت الحقائق (اللہ تعالیٰ کی ذات) سے غافل ہے۔

۴ — او ہست نہاں و آشکار است جہاں
وہ نہاں اور پوشید ہے اور جہاں کھلا اور ظاہر ہے۔ بلکہ اہلِ عرفاں

بل عکس بود شہود اہلِ عرفاں
کا شہود اسکے برعکس ہوتا ہے کہ وہ ظاہر ہے اور جہان کی نظر سے پوشیدہ ہے۔

بل اوست ہمہ چہ آشکارا چہ نہاں
بلکہ سب وہی ہے خواہ کھلا ہوا ہو یا چھپا ہوا۔

گر اہلِ حقی غیر یکے ہیچ مداں
اگر تو اہلِ حق سے ہے ایک کے سوا کچھ نہ جان۔

۵ — یکے است ولے نہ یکے کش دانی
وہ ایک ہے، لیکن ایسا ایک نہیں ہے جس کو تو جان جائے۔

یکے کہ نہ باشد آں یکے را ثانی
ایسا ایک ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔

خود را ز قیود خود را اگر برہانی
اگر تو خود کو خودی کی قیدوں سے آزاد کرائے گا تو تُو اس کو جان لے گا۔

دانیش نہ از دلائل برہانی
نہ تو عقل اور دلائل سے اسکو جانیگا نہ علم و دلائل سے اسکی حقیقت کو پہچانیگا

۶ — بد کردم و اعتذار بدتر ز گناہ
مَیں نے بدی کی اور خود کو معذور جاننا گناہ سے بدتر ہے۔

چوں ہست دریں عذر سہ دعوی تباہ
کیونکہ اس عذر میں تین دعوے ہیں۔

دعوئ وجود دعوئ قدرت و فعل
وجود کا[۱] دعویٰ ، قدرت[۲] و فعل[۳] کا دعویٰ۔

لَاحَولَ وَلا قُوَّۃَ اِلّا بِاللہ
کوئی طاقت نہیں اور کوئی قوت نہیں، مگر اللہ کے ساتھ

۷ — دردِ دلِ خود مگو بہ بیگانہ و خویش
اپنے دردِ دل کو نہ اپنوں سے کہہ اور دوسرے سے۔

ہر شر بلبت کہ ازیں آید پیش
کہ ہر برائی تیری زبان پر اس کی وجہ سے ہی آئے گی۔

جز صبر مداں چارۂ کارِ دلِ خویش
اپنے دل کا چارۂ کار (علاج) صبر کے سوا کچھ نہ جان۔

تسلیم و رضا سپر شناس اے درویش
اے درویش تسلیم و رضا کو مصائب کے لیے ڈھال سمجھ۔

۴۷۳ — حضرت شیخ نجم الدّین رازی المعروف بدایہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۶۵۴ھ

یہ بھی شیخ نجم الدین کبریٰ کے مریدوں سے تھے۔ شیخ نے ان کی تربیّت کو شیخ مجد الدّین کے حوالہ کر دیا تھا۔ مرصاد العباد اور تفسیر بحر الحقائق کے یہ مصنّف ہیں۔ کشفِ حقائق اور شرح دقائق میں پوری قدرت و قوت رکھتے تھے۔ چنگیز خاں کی لڑائی کے وقت خوارزم سے نکل آئے تھے اور رُوم چلے گئے تھے۔ یہاں پر شیخ صدر الدین قونیوی اور مولانا جلال الدین رُومی سے ان کو ملاقات کا موقع ملا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک مجلس میں سب جمع تھے۔ شام کی نماز کھڑی ہوئی تو ان سے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ شیخ نے دونوں رکعتوں میں "قُلْ یَا اَیُّھَا الْکٰفِرُوْن" پڑھی۔ جب نماز پڑھ چکے تو مولانا جلال الدّین رُومی نے شیخ صدر الدّین سے خوش طبعی کے طور پر

فرمایا، "بظاہر ایک دفعہ اُنھوں نے تمہارے لیے پڑھی اور دوسری دفعہ میرے لیے۔ ان کی قبر "شونیزیہ" بغداد میں سری سقطیؒ و جنید کے مقبرہ سے باہر ہے۔ ان کی قبر کے متعلق لوگ یہی کہتے ہیں۔ آگے خدا تعالیٰ زیادہ علم والا ہے۔

ان کے کلام میں سے ایک رباعی یہ ہے :

شمع ارچہ چو من داغ جدائی دارد
با گریہ و سوز آشنائی دارد
سر رشتۂ شمع بہ کہ سر رشتۂ من
کان رشتۂ سری بر روشنائی دارد

ترجمہ : شمع اگرچہ میری طرح داغ جدائی رکھتی ہے، مگر رونے اور جلنے میں مجھ سے آشنائی رکھتی ہے[1]۔ شمع کا دھاگہ بہتر ہے یا میرا دھاگہ، کیونکہ اس کے دھاگے کا سرا روشنائی رکھتا ہے یعنی شمع مجھ سے زیادہ بہتر ہے کہ اس کی لَو سے مکان روشن ہوتا ہے۔

۲۷۵۔ حضرت شیخ رضی الدین علی لالا غزنوی قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ

المتوفیٰ ۳۔ ربیع الاول ۶۴۲ھ ۔ ان کا نام علی ابن سعید ابن عبدالجلیل لالا غزنوی ہے اور یہ شیخ سعید ابوعلی لالا کے والد ہیں۔ حکیم سنائی کے چچازاد بھائی ہیں۔ حج کے قصد سے خراسان میں آئے تھے اور شیخ ابویعقوب یوسف الہمدانی رحمہ اللہ کی صحبت میں پہنچے تھے۔ جن دنوں میں کہ شیخ نجم الدین کبریٰ طلب حدیث کے لیے گئے تھے۔ وہاں سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا جس میں شیخ علی لالا رہتے تھے۔ یہاں شیخ نجم الدین کبریٰ نے قیام فرمایا تھا۔ اتفاقاً ساری رات علی لالا نے خواب میں دیکھا کہ ایک سیڑھی آسمان تک لگی ہوئی ہے اور ایک آدمی سیڑھی کے پاس کھڑا ہوا ہے۔ لوگ ایک ایک کر کے اس کے پاس آتے ہیں۔ وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو آسمان کے دروازہ تک لے جاتا ہے اور وہاں ایک اور آدمی کھڑا ہوا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ پکڑا دیتا ہے اور وہ ان کو آسمان میں لے جاتا ہے۔ جب اس خواب کو شیخ نے اپنے والد سے بیان کیا۔ ان کے والد نے کہا، "تو شخص کو پہچانتا ہے؟" میں نے کہا پہچانتا ہوں اور اس کا نام بھی جانتا ہوں۔ والد نے کہا، اس کو تلاش کرنا چاہیئے کہ تیری کنجی اس کے ہاتھ میں ہے۔ پس شیخ علی لالا اس کی تلاش میں مسافر ہوئے اور کئی سال تک جہاں کے گرد گھومتے رہے اور ان کے نام و نشان کا پتہ نہ چلا۔

---

[1] شمع اور میں اگرچہ جدا جدا چیزیں ہیں، مگر رونے اور جلنے میں وہ اور میں ایک ہیں۔

یہاں تک کہ شیخ نجم الدّین خوارزم میں آئے اور اُنہوں نے اس طریقہ کو وہاں پھیلایا۔ اس وقت شیخ علی لالار ترکستان میں احمد لسبوی کی خانقاہ میں تھے۔ ایک دن ایک شیخ جو خوارزم سے آیا ہوا تھا اور شیخ علی لالار خلوت میں تھے وہ سنتے تھے کہ شیخ احمد اس سے پوچھتے تھے کہ خوارزم میں کوئی درویش بھی ہے؟ اور لوگ کس شغل میں مشغول ہیں؟ اس نے کہا، اس وقت ایک جوان آیا ہے اور مخلوق کے ارشاد یعنی لوگوں کی ہدایت میں مشغول ہے اور لوگ اس پر جمع ہو گئے ہیں۔ اُنہوں نے پوچھا "اس کا کیا نام ہے"؟ اس نے کہا، "نجم الدّین کبریٰ"۔ جب شیخ علی لالار نے یہ نام سنا تو ایک دم خلوت سے باہر نکل آئے اور سفر کے لیے کمر باندھ لی۔ شیخ احمد لسبوی نے فرمایا "کیا ہو گیا؟" کہا، "میں سفر کرتا ہوں"۔ فرمایا، صبر کر، سردی گزر جانے دے۔ شیخ علی نے کہا، مَیں صبر نہیں کر سکتا۔ آخر کار شیخ نجم الدین کی خدمت میں آئے اور سلوک میں مشغول ہو گئے۔ اس کے کچھ دن بعد شیخ مجد الدین آئے اور مرید ہو گئے۔ اور شیخ نجم الدین تقریباً ۲۵ سال سے سلوک مشغول تھے اور شیخ مجد الدین علی لالار سے عمر میں ۳ یا ۴ سال بڑے تھے، لیکن شیخ علی لالار بہت سے مشائخ کی صحبت میں رہ چکے تھے اور شروع جوانی سے ہی اس میں مشغول تھے۔ اور شیخ مجد الدین اس وقت سلوک میں مشغول نہ تھے، بلکہ تحصیل علوم کرتے تھے۔ کہتے ہیں ایک سو چوبیس مشائخ کامل اور مکمّل سے انہوں نے خرقے حاصل کیے۔ ان کی وفات کے وقت ان خرقوں میں سے ایک سو تیرہ خرقے باقی رہ گئے تھے اور یہ رباعی ان کی قلمی تحریر سے ہے جو منقول ہے۔

هم جان بهزار دل گرفتار تو است
هم دل بهزار جان خریدار تو است
اندر طلبت نه خواب باید نه قرار
هر کس که در آرزوے دیدارِ تو است

ترجمہ:۔ جان بھی ہزار دل سے تیری گرفتار ہے۔ دل بھی ہزار جان سے تیرا خریدار ہے۔ جو شخص بھی تیرے دیدار کی آرزو میں ہے تیری طلب میں نہ اُسے سونے کی خواہش ہے نہ آرام کرنے کی ضرورت۔

۴۷۳۔ حضرت شیخ جمال الدّین احمد جُورفانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

متوفی آخر ربیع الاول ۶۶۹ھ

آپ شیخ جمال الدّین، شیخ رضی الدّین علی لالار کے مریدوں میں سے ہیں۔ شیخ رکن الدین علاء الدولہ فرماتے ہیں کہ شیخ احمد عجیب ذاکر مرد گزرے ہیں۔ عالی مرتبہ رکھتے تھے۔ مَیں نے عالمِ غیب میں ان کے سلوک کا مرتبہ شیخ ابوالحسن خرقانی کے مناسب اور برابر پایا۔ اور شیخ رضی الدّین علی لالار کے مرتبہ وسلوک کو سلطان بایزید بسطامی قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ کے مناسب پایا۔ شیخ رضی الدّین علی لالار نے فرمایا، جو کوئی ہمارے احمد کی خاموشی میں موافقت کرے گا، تو لوگوں نے جو کچھ

جنیدؒ اور شبلیؒ سے پایا ہے وہ اس سے پائے گا۔

ایک دن شیخ سعید الدین حمویؒ جورفان میں پہنچے۔ ایک آدمی کو بھیجا اور شیخ احمد کو طلب کیا۔ شیخ احمد گوشہ نشینی کی نیت کر چکے تھے۔ بلانے پر نہ آئے۔ پھر کسی اور کو بھیجا کہ اُسے چاہیئے کہ وہ آجائے، کیونکہ مجھے اشارہ ہوا ہے کہ جیسے تیرے لیے شیخ علی نے اجازت نامہ لکھا ہے میں بھی لکھ دُوں۔ شیخ احمد نے جواب بھیجا کہ،

من خدائے تعالیٰ را با جازت نامہ نہ خواہم پرستد میں اجازت نامہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی بندگی نہیں کرنا چاہتا۔

شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ کہتے ہیں مجھے اس کی یہ بات بہت پسند آئی۔ شیخ جمال الدین احمد نے ایک دفعہ اپنے کسی مرید کو دیکھا کہ وہ مراقبہ کر رہا ہے۔ شیخ نے پاؤں سے جوتا اُتارا اور زور زور سے کئی جوتے اس کی گُدّی پر مارے۔ مرید نے کہا، "مَیں نے مراقبہ کیا ہے۔ شیخ کیوں خفا ہوتے ہیں؟" فرمایا، "مراقبہ اس آدمی کا ہوتا ہے جس نے ہفتہ سے کھانا نہ کھایا ہو اور جب وہ پاؤں کی آہٹ سُنے، تو اس کے دل میں یہ خیال نہ آوے کہ یہ آدمی میرے لیے کھانا لاتا ہے۔"

۳۷۷ حضرت شیخ نور الدین عبد الرحمٰن اسفرائنی کسرقی رحمۃ اللہ تعالیٰ ولادت ۶۳۹ھ وفات بغداد میں ہوئی

یہ شیخ احمد جورفانی کے مریدوں میں سے تھے۔ طالبوں کو راہِ سلوک طے کرانے اور مریدوں کی تربیت اور ان کے کشف وقائع میں بڑی شان والے بزرگ تھے۔ شیخ رکن الدین علاء الدولہ نے کہا ہے کہ میرے والد نے مجھ سے پوچھا، اس زمانہ میں اولیاء میں سے کون کون سے رہ گئے ہیں۔ مَیں نے کہا، یمن میں ابن عجیل[1] اور شستر میں شمس الدین ساوجی اور ابہر میں خواجہ حاجی ہیں۔ رحمہم اللہ تعالےٰ کئی اور مشائخ کے نام گنوائے جو صراطِ مستقیم پر تھے۔ والد نے کہا، جب یہ لوگ موجود ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ کہ تو نے شیخ نور الدین عبد الرحمٰن سے ارادت وعقیدت رکھی اور ان لوگوں کی طرف تو نے توجہ نہ کی۔ مَیں نے کہا، میرا ایک مقصد تھا جو ان کی ہدایت و رہنمائی کے بغیر درست نہیں ہوتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ سلوک کروں اور اس طریقہ کو پہچانوں۔ اور اس وقت سارے جہان میں اس کے سوا کوئی دوسرا استاد نہیں ہے اور میرا اس سے واسطہ نہیں، کہ میں یہ دیکھوں کہ بزرگ کون کون ہیں اور جس کو لوگ سب سے بڑھ کر بتائیں اس کی خدمت کروں۔ اس لیے کہ اگر کسی لوہار سے کام ہو اور وہ سونار کی دوکان پر چلا جاتا ہے تو عقل اس پر ہنستی ہے۔

---

[1] ان کا نام احمد ابن موسیٰ ابن عجیل ہے۔ ان کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ احمد بن موسیٰ کی مثال اولیاء میں ایسی ہے جیسا کہ یحییٰ ذکریا کی مثال انبیاء کے درمیان کہ نہ انہوں نے معصیت کی اور نہ معصیت کا قصد کیا۔ ان سے سماع کے بارے میں لوگوں نے پوچھا تو فرمایا، اگر جائز رکھتا ہوں تو اس کے اہل سے نہیں ہوں اور اگر انکار کرتا ہوں تو صوفیاء نے یقیناً سماع کیا سے بہتر ہیں۔

شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ قدس سرہٗ نے فرمایا، کہ آخر زمانہ میں اگر شیخ نور الدین عبد الرحمٰن قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ کا وجود نہ ہوتا تو سلوک پوری طرح مٹ گیا ہوتا اور اس کا نشان بھی نہ رہتا۔ لیکن چونکہ حق تعالیٰ شانہٗ اس طریقہ کو قیامت تک باقی رکھے گا اس لیے وہ ان کے ذریعہ نیا ہو گیا۔ اور شیخ رکن الدین نے یہ بھی فرمایا، کہ ایک دن میں جماعت خانہ میں غائب ہو گیا تو مَیں نے امامِ غزالی کو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ سر زانو پر رکھے ہوئے ہیں اور دو انگلیوں میں قلم پکڑے ہوئے حیران و پریشان ہیں۔ مَیں نے ان سے پوچھا، کیا ہو رہا ہے اور امام کس فکر میں ہیں۔ فرمایا، فکر مند کیوں نہ ہوں کہ میں نے دنیا میں سیمرغ کی ۲۰ صفتیں لکھی ہیں اور اس وقت میں دیکھتا ہوں کہ سب غلط تھیں۔ مَیں نے اس واقعہ کو شیخ نور الدین عبد الرحمٰن کی خدمت میں عرض کیا، فرمایا، عجیب بات ہے۔ مَیں بھی شقان کے گاؤں میں تھا اور اس زمانہ میں معرفت کی بات کہنے میں مجھے پوری شہرت حاصل تھی۔ مَیں نے غیبت میں دیکھا کہ حق تعالیٰ مجھ سے کہتا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ امامِ غزالی کو جس قدر حسرتیں ہیں ان میں سے سب سے بڑی حسرت اس کو یہ ہے کہ وہ سلوک کو پورا نہ کر کے ہمارے حضور میں آیا۔ جب میں غیبت سے ہوش میں آیا تو اپنی زبان پر گرہ لگائی اور خاموشی کو اپنا دستور بنا لیا اور اپنے کام میں مشغول رہا۔

۷۳۸۔ ابو المکارم رکن الدین علاؤ الدولہ احمد بن محمد البیابانکی السمنانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ المتوفی ۷۳۶ھ

وہ شاہانِ سمنان سے تھے۔ ۱۵ سال عمر پوری کرنے کے بعد بادشاہِ وقت کی نوکری کی۔ ایک جنگ میں جو بادشاہ کے دشمنوں کے ساتھ ہو رہی تھی ان کو جذبہ پہنچا۔ اس کے بعد ۶۸۷ھ کے مہینوں میں بغداد میں شیخ رکن الدین عبد الرحمٰن کسرقی کی صحبت میں پہنچے۔ اور ۶۸۸ھ میں جب وہ حجاز واپس ہوئے تو ارشاد کی اجازت پائی اور ۷۲۰ھ کے بعد خانقاہ "سکاکیہ" کے اندر ۱۶ سال کے اندر ایک سو چالیس چلّے نکالے۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں اس کے بعد تمام اوقات میں ایک سو تیس چلّے اور نکالے۔ جب ان کی عمر ۷۷ سال کو پہنچی تو شبِ جمعہ ۲۲، رجب ۷۳۶ھ برج احرار صوفی آباد میں جوارِ رحمت سے جا ملے اور قطبِ زماں عماد الدین عبد الوہاب کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔ ایک دن چوپان (چرواہوں) کے بادشاہ نے شیخ کو ایک ہرن بھیجا اور سلام بھیجا اور نیاز مندی سے عرض کیا، یہ گوشت شکار کا ہے تناول فرمائیں، حلال ہے۔ شیخ کہتے ہیں اس وقت مجھے امیر نوروز کی حکایت یاد آئی کہ جس وقت میں خراسان میں تھا اور میں مشہد طوس کی زیارت کو گیا تھا اور وہ پچاس سواروں کے ساتھ میرے پیچھے آ گیا اور کہا جب تک آپ خراسان میں رہیں میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کے ساتھ رہوں۔ چند روز اس کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔ ایک دن وہ آیا۔ دو خرگوش لایا۔ مَیں نے کہا، "خرگوش کا گوشت، خواہ کسی نے بھی اس کو مارا ہو، میں نہیں کھاؤں گا"۔ اس

نے کہا "کیوں؟" مَیں نے کہا کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے قول پر یہ حرام ہے اور جب بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے اس کو حرام قرار دے دیا ہے اس کا نہ کھانا بہتر ہے۔ وہ (امیر نوروز) چلا گیا اور دوسرے دن آیا۔ اور اس دن ہرن لے کر آیا۔ کہا، اس ہرن کو مَیں نے مارا ہے اس تیر کے ساتھ جو مَیں نے خود تراشا ہے۔ اور اس گھوڑے پر بیٹھ کر جو حملہ جنگ سے پہلے تخم بہ تخم نسل بہ نسل ہمارے قدیم باپ دادوں سے ہم تک پہنچا ہے۔ مَیں نے کہا، یہ تو وہ قصّہ ہے جو مولانا جلال الدّین درگزینی کو پیش آیا کہ ایک مُغل حاکم جو ہمدان کے اطراف میں رہتا تھا ان کے ساتھ عقیدت کا دعویٰ کرتا تھا۔ ایک دن وہ ان کے پاس آیا، دو مرغابیاں لایا۔ ان کے سامنے رکھ دیں اور کہا، "اس کو میرے باز نے پکڑا ہے اور حلال ہے۔ مولانا تناول فرمائیں۔" مولانا نے کہا، "مرغابی میں کلام نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ کل گزشتہ تک تیرے باز نے کس بڑھیا کی مُرغی کھائی ہے کہ آج اس کو مرغابی پکڑنے کی قوّت حاصل ہوئی۔ اٹھا لے اور لے جا کہ تمہارے لائق ہے۔" تیرے گھوڑے نے کل تک کس مظلوم کے جَو کھائے ہیں کہ آج اس کو دوڑنے کی طاقت آگئی۔ یہاں تک کہ تُو اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر ہرن مارنے کی طاقت پائی۔ میرے لیے اس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔ القصّہ اس نے جتنا بھی کہا، میں نے اس کا گوشت نہ کھایا، لیکن مَیں نے درویشوں سے کہا، تم کھالو، شاید وہ جس نیاز مندی سے لایا ہے اس کی نیاز مندی کی برکت سے کام بن جاوے۔

ایک درویش نے شیخ سے سوال کیا، قبر پر جانے کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ اس کے بَدن کے لیے قبر میں ادراک نہیں اور جو بدن رُوح سے فائدہ حاصل کرتا تھا وہ اس سے جُدا ہو چکا ہے اور عالِم ارواح میں کوئی حجاب نہیں۔ پھر قبر پر جانے کی کیا ضرورت ہے اور کیا فائدہ؟ کیونکہ جس مقام میں بھی کسی بزرگ کی رُوح پر توجّہ کریں گے وہ ایسی ہی ہوگی جو اس کی قبر پر جا کر کریں۔ شیخ نے فرمایا، وہاں جانے میں بہت فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ جب کسی بزرگ کی زیارت کو جاتا ہے جس قدر وہ چلے گا۔ اس کی توجّہ زیادہ ہوگی اور جب اس کی قبر پر پہنچے گا اور اس کی قبر کا حِس کے ساتھ مشاہدہ کرے گا، تو اس کی حس بھی اس کے ساتھ مشغول ہو جائے گی اور پُوری طرح متوجّہ ہوگا۔ نفع زیادہ ہوگا۔ دوسرے یہ ٹھیک ہے کہ ارواح کے لیے حجاب نہیں اور سارا جہان اُن کے لیے ایک اور برابر ہے، لیکن جس بدن میں یہ ستّر سال رہی ہے اور اس کا وہ بدن جس کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور حشر کے بعد ابدالآباد تک وہ باقی رہے گا وہی بدن اسی جگہ رہتا ہے لہٰذا رُوح کا گزر اور اس کی نظر اور اس کا تعلق اس جگہ یعنی قبر کے ساتھ دوسری جگہوں کی بہ نسبت زیادہ ہوگا۔ یہ سنا کر ایک واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ مَیں جنید قدّس سرّہٗ کے خلوت خانہ میں رہا اور اُن کے خلوت خانہ میں بڑا لُطف آتا تھا۔ اس سبب سے کہ جنید قدّس سرّہٗ اس خلوت خانہ میں رہتے تھے اور ان کی قبر پر گیا تو مَیں نے وہاں وہ ذوق نہ پایا۔ میں نے

اس حقیقت کو حضرت شیخ قدس سرہٗ کی خدمت میں بیان کیا۔ شیخ نے فرمایا، "خلوت میں جو ذوق تم نے پایا تھا وہ جنیدؒ کے سبب سے پایا تھا یا کسی اور وجہ سے؟" میں نے کہا، جنیدؒ کے سبب سے۔ شیخ نے فرمایا، ظاہر ہے کہ وہ اپنی عمر میں چند مرتبہ یہاں رہے ہوں گے۔ جب اس خلوۃ خانہ میں ذوق حاصل ہوتا ہے تو جس بدن میں وہ سالہا سال ہمیشہ رہے ہوں زیادہ مزہ حاصل ہونا چاہیئے، لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ حس (نظر) قبر کے دیکھنے میں مشغول رہی ہوگی اور توجہ میں قصور اور کمی واقع ہوگئی ہوگی۔ آخر جس خرقہ میں اہلِ دل اپنے بدن کو چھپاتے ہیں اس کے ذوق کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور بدن خرقہ سے زیادہ قریب ہے۔ اور قبر کی زیارت کے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ جو شخص یہاں مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی روحانیت پر توجہ کرے گا فائدہ حاصل کرے گا، لیکن اگر مدینہ جائے گا تو رسولِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی روحانیت اس کے جانے اور اس کے سفر کی کلفتوں سے باخبر ہوتی ہے اور جب وہاں پہنچ جاتا ہے اور اپنی آنکھ سے آنحضرتؐ کے روضۂ پاک کو دیکھتا ہے اور پوری طرح متوجہ ہوتا ہے تو اس فائدہ کو پہلے فائدہ سے کیا نسبت؟ اور جو لوگ اہلِ مشاہدہ ہیں وہ اس فرق کو واقعتاً محسوس کرتے ہیں اور یہ حقیقتاً کھلے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

پیغمبروں کی بعثت کا مقصد:- حضرت ابوالمکارم فرماتے ہیں کہ سارے پیغمبر اس لیے آئے ہیں تاکہ مخلوق کی آنکھیں کھولیں۔ اپنے عیب اور حق کے کمالات کے ساتھ، اپنے عجز اور حق کی قدرت کے ساتھ، اپنے ظلم اور حق کے عدل کے ساتھ، اپنی جہالت اور حق کے علم کے ساتھ، اپنی ذلّت اور حق کی عزّت کے ساتھ، اپنی بندگی اور حق کی خداوندی کے ساتھ۔ اپنے فقر اور حق کے غنا کے ساتھ، اپنی تقصیر اور حق کی نعمتوں کے ساتھ، اپنی فنار اور حق کی بقا کے ساتھ، اور اس قیاس و قاعدہ پر شیخ اس لیے ہے کہ مریدوں کی آنکھ ان معنیٰ میں کھولے۔ پس مرید جس قدر اپنے اثبات و کمال میں زیادہ کوشش کرے گا یا ایسا کوئی عمل کرے گا، تاکہ اس کا کمال ظاہر ہو، شیخ اس سے اتنا ہی زیادہ رنجیدہ ہوگا۔ کیونکہ شیخ یہ ساری مشقت اس لیے اٹھاتا اور سارا رنج اس لیے برداشت کرتا ہے، تاکہ وہ اس کے نفس کا کمال دیکھنے والی آنکھ کو سی دے۔ اور جو آنکھ خدا کے دیکھنے والی ہو اس کو کھول دے۔ اور جو شخص ہر لحظہ اور جس گھڑی اپنے کمال دیکھنے میں دوسری آنکھ کھولتا ہے پس وہ شیخ کی محنت ضائع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ درویش کو چاہیئے کہ وہ اپنے معاملہ میں اپنے نفس کی گھات میں لگا رہے تاکہ جو آنکھ اپنے کمال دیکھنے میں کھلے اُسی وقت اس کو بند کردے، اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا نفس رویئں رویئں سے اپنے کمال کو دیکھنے کی آنکھ کھولے گا اور حق کے کمال کو دیکھنے سے اندھا بنا دے گا۔ کیونکہ نفس کی خاصیت یہی ہے۔ اور شیخ ابوالمکارم نے فرمایا، یہ لوگ عجب اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ لوگ از بس یہ کہتے ہیں کہ درویش کے لیے ضروری ہے کہ وہ محتاج اور گدا ہو۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ نے کبھی

بھی کسی مُرشد کو مخلوق کا محتاج نہیں رکھا۔ اور ایسا کیوں ہو کہ خدا تعالیٰ کے بندے خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کے محتاج ہوں۔ آخر وہ اس دنیا کو اس کی ساری نعمتوں کے ساتھ انہی کی برکت سے قائم رکھتا ہے، بلکہ جہان بنانے کا مقصود یہی حضرات ہیں۔ کیا شیخ مجدالدین بغدادی قدس سرہٗ کی خانقاہ میں خوراک کا سالانہ خرچ دو لاکھ دینار زرِ سُرخ نہ تھا؟ (یعنی ان کی خانقاہ کے باورچی خانہ یعنی لنگر پر ایک سال میں دو لاکھ اشرفیاں خرچ ہوتی تھیں) اور میں حساب لگاتا ہوں کہ مَیں نے پانچ لاکھ دینار کی املاک خرید کر کے ان صوفیوں پر وقف کی ہے جو ہمارے طریقہ کو اختیار کریں۔" اور شیخ ابوالمکارم یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نے اس زمین اور کھیتوں کو حکمت سے پیدا کیا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ آباد ہوں اور مخلوق کو فائدہ پہنچے۔ اگر لوگ یہ جان لیں کہ دنیا کی آبادی اور آمدنی بغیر اسراف کے کرنے کا کتنا ثواب ہے تو ہرگز اس کی آبادی کو ترک نہ کریں۔ اگر جان جائیں کہ آبادی کے ترک کرنے اور زمین کو بیکار چھوڑنے میں کسقدر گناہ ہوتا ہے تو کبھی اس کو برداشت نہ کریں کہ اس کے اسباب خراب ہو جائیں۔ جو شخص ایک زمین رکھتا ہے۔ وہ اس زمین سے ہر سال ہزار مَن غلّہ حاصل کر سکتا ہے۔ اگر وہ سُستی اور کوتاہی سے نو سو من غلّہ حاصل کرے گا اور اس کی وجہ سے سو من غلّہ کم ہو گا۔ اس نقصان کی بابت اللہ تعالیٰ اس سے باز پرس فرمائیں گے۔ ہاں اگر کسی کا یہ حال ہو کہ وہ دنیا اور اس کی آبادی کی طرف مشغول ہی نہ ہو تو اس کا وقت اچھا رہیگا۔ (وہ خوش نصیب ہے) ہاں اگر وہ سُستی کی وجہ سے زمین کے آباد کرنے کو چھوڑ دے اور اس کا نام ترکِ دنیا اور زہد رکھے تو یہ شیطان کی پیروی کے سوا اور کچھ نہیں۔ کوئی شخص نکمے آدمی سے بڑھ کر دنیا و آخرت میں کم درجہ کا نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا، جو شخص بھی ولایت کے درجہ کو پہنچے گا، یہ ممکن نہیں کہ حق تعالیٰ اس کے سر پر پردہ نہ ڈالے اور اس کو مخلوق کی آنکھوں سے نہ چھپائے۔ اور اولیائی تَحْتَ قَبَابِی کے یہی معنیٰ ہیں اور یہ قباب بشریّت کی صفات میں نہ کہ ریشم وغیرہ کا پردہ اور صفات یہ ہیں کہ اس میں عیب ظاہر کرے یا اس کے ہنر اور کمال کو لوگوں کی نظر میں عیب کر کے دکھاوے اور لَا یَعْرِفُهُمْ غَیْرِیْ کے معنی یہ ہیں کہ جب تک ارادت کے نُور کے ساتھ کسی کے باطن کو وہ نورانی نہ بنائے گا وہ اس ولی کو نہ پہنچانے گا۔ پس یہ نُور اس کو پہچانے گا نہ کہ وہ آدمی۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں، جو درویش کہ کام میں مشغول ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ نکما آدمی ان میں نہ آنے پائے۔

کہ یک مردِ بیکار صد مرد درکار را از کار باز دارد ۔ کیونکہ ایک نکما آدمی کام میں لگے ہوئے سو مردوں کو کام سے روک دیتا ہے

؎ عَدْوَ الْبَلِیْدِ اِلَی الْجَلِیْدِ سَرِیْعَةٌ
وَالْجَمْرُ یُوْضَعُ فِی الرَّمَادِ فَیَخْمَدُ

ترجمہ:۔ کُند ذہن اور سُست آدمی کی چھوت ذہین اور تیز رفتار کو جلدی پہنچ جاتی ہے[1] دیکھو چنگاری

(۱؎ اگلے صفحہ پر دیکھیں

کو جب راکھ میں رکھ دیا جاتا ہے تو وہ بجھ جاتی ہے[۱]۔

اور یہ بھی فرماتے تھے کہ درویشوں کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ کھانے کے وقت اچھی طرح حاضر رہیں، یعنی خدا تعالیٰ کے تصوّر اور ذکر کی حالت میں کھائیں، کیونکہ اعمال کا تخمِ انسانی قالب کی زمین میں لقمہ ہے۔ جب غفلت کے ساتھ بیج ڈالیں گے تو ممکن نہیں کہ کبھی بھی جمعیت خاطر حاصل ہو۔ اگرچہ وہ لقمہ حلال ہی کیوں نہ ہو[۲]۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ ترمذی اور مغاربہ کی ایک جماعت نے جو یہ کہا ہے کہ، بِدَايَةُ الْاَوْلِيَاءِ نِهَايَةُ الْاَنْبِيَاءِ (اولیاء کی ابتداء انبیاء کی انتہاء ہے)

ایک دن میں بغداد کے اندر شیخ قدس سرہٗ کی خدمت میں تھا کہ آپ نے فرمایا، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بِدَايَةُ الْاَوْلِيَاءِ نِهَايَةُ الْاَنْبِيَاءِ فِى الشَّرِيْعَةِ وَنِهَايَةُ الْاَوْلِيَاءِ بِدَايَةُ الْاَنْبِيَاءِ فِى الطَّرِيْقَةِ[۳] انکے پاس ایک عذر ہے اس بات سے ان لوگوں کا یہ مطلب ہے کہ شریعت میں اولیاء کی ابتداء انبیاء کی انتہاء ہوتی ہے اور طریقت میں اولیاء کی انتہا انبیاء کی ابتداء ہوتی ہے۔

کیونکہ شریعت کا کمال نبی کے آخر کام میں پورا ہو چکا — اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ "آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا" اور ولی جب تک شریعت کو پورے طور پر نہ پکڑے گا یعنی کامل طور پر دین کو اختیار نہیں کرے گا ولایت میں قدم نہیں رکھ سکے گا۔ شریعت کے احکام میں نبی کا انتہاء میں جو کام ہوتا ہے وہ ولی کے لیے ابتداء میں ہوتا ہے۔ اس لیے

---

[۱] گرم چیز جب ٹھنڈی کے ساتھ ملے گی تو وہ ٹھنڈی ہو جائے گی اور اس کا جوش و خروش سرد پڑ جائیگا۔ اسی طرح بلید غبی اور نکما کاہل آدمی جب جلید یعنی ذہین اور چاق و چوبند آدمی کے ساتھ ملے گا تو اس کو بھی اپنے جیسا نکما اور کم ہمت بنا دے گا، کیونکہ جلتا ہوا کوئلہ اگر راکھ میں دبا دیا جائے تو وہ بجھ کر اپنی گرمی کھو بیٹھے گا۔ میرے شیخ حضرت اقدس مولانا عبد الغفور العباسی نور اللہ مرقدہٗ نے ایک دفعہ مجھے فرمایا، "دیکھو ناقص کے پاس نہ بیٹھنا کہ وہ ناقص ہو جائے گا"۔ [۲] میرے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، "کھانا حضور یعنی ذکر کی حالت میں کھاؤ تو وہ نور بنے گا"۔

[۳] اولیاء کی ابتداء انبیاء کی انتہاء ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء کے کام کی بنیاد وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں پر انبیاء کا کام ختم ہوتا ہے، کیونکہ ظاہر میں یہ کام صحیح معلوم نہیں ہوتا، اس لیے شیخ ابو المکارم کہتے ہیں کہ شیخ نور الدین عبد الرحمٰن اسفرائنی نے فرمایا، اس قول سے ان حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ اولیاء وہاں سے کام شروع کرتے ہیں جہاں پر شریعت میں انبیاء کا کام ختم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب تک پورے احکامِ شریعہ پر شریعت میں عمل نہیں کیا جائے گا آدمی دائرۂ ولایت میں قدم نہیں رکھ سکے گا اور اولیاء کی باطنی سیر کی انتہاء انبیاء کی باطنی سیر کی محض ابتداء ہے۔ چنانچہ ولی کی رُوح کے عروج کی انتہاء نبی کے جسم کے عروج کو نہیں پہنچ سکتی۔ پھر اس کی رُوح کے عروج تک کیسے پہنچے گی۔

کہ جو شخص ان احکام پر چلے جو مکہ میں نازل ہوئے تھے اور ان احکام کی پرواہ نہ کرے جو مدینہ میں نازل ہوئے وہ ہرگز ولی نہیں ہو سکتا، بلکہ اگر انکار کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ پس ابتدار ولایت یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکامات کو پورے طور پر قبول کرے اور ان کی اتباع کرے، لیکن طریقت میں یہ ہے کہ خواہ ولی جتنی بھی کوشش کرے اور اس کا مرتبہ جس قدر بھی عالی ہو جاوے اس کی رُوح کو وہ معراج جو نبی کے جسم کو حاصل ہوئی ہے، حاصل نہیں ہوگی، بلکہ ایسا ہونا اس کے لیے محال ہے۔ پس جب ولایت کی انتہار میں ولی کی رُوح نبی کے جسم کے ساتھ مشابہت پالیتی ہے تو اس وقت طریقت میں اولیار کی انتہار انبیار کی ابتدار ہوتی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا، انبیار عمداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیار گناہ کی ذلتوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے۔ آپ نے عرض کیا۔

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰھُمَّ فَاغْفِرْ جَمًّا وَ اَیُّ عَبْدٍ لَكَ لَا اَلَمَّا — اے اللہ اگر تو بخشتا ہے تو ساری مخلوق کو بخش دے اور تیرا کونسا بندہ ہے کہ جس کو گناہ نہ پہنچا ہو۔

اور اس عاجز کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں کہ بندہ اپنے کو مجرم اور قصوروار نہ جانے۔

۳۷۹۔ حضرت اخی علی مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ

آپ ملک شام اور رُوم کے شیخ تھے۔ ان پر بہت سے مُرید جمع ہو گئے تھے، لیکن چونکہ وہ انصاف والے مَرد تھے۔ مریدوں کی اس جماعت سے جو صلاحیّت والے تھے اور اس فن شریف کی استعداد والے تھے۔ کہا،

"اگر شما طالب حق اید من نیز طالبم و مُرشدے نہ یافتہ ام کہ پیش او سلوک کردمی اکنون در واقعہ دیدہ ام و در شہادت نیز می شنوم کہ در خراسان مرشدی است مُکمّل برخیزید تا برویم او را دریابیم و در خدمتِ مُرشدی روزے چند سلوک کنیم و از انچہ خلق بما گمان می بُرند چیزے حاصل کنیم۔ القصہ بنا برین قصبیہ آمدہ بود و در حلقہ مریدان شیخ داخل شُدہ با جمعے از اصحاب خود۔"

اگر تم حق کے طالب ہو تو مَیں بھی اسی کا طالب ہوں اور میں نے کوئی مرشد نہیں پایا کہ جس کے پاس مَیں پُورا سلوک کرتا۔ میں نے اب خواب میں دیکھا ہے اور ظاہر میں بھی سُنتا ہوں کہ "خراسان" میں ایک کامل بنانے والا مرشد ہے۔ اٹھو تا کہ چلیں، سفر کریں، اس کو پائیں اور مرشد کی خدمت میں کچھ روز سلوک کریں اور لوگ جیسا ہم پر گمان رکھتے ہیں اس میں سے کچھ حاصل کریں۔ القصہ وہ اس بنا پر اپنا گھر چھوڑ کر قصبیہ آئے تھے اور شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ کے مریدوں کے حلقہ میں اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ داخل ہوئے۔

شیخ رُکن الدین علاؤ الدولہ نے ان سے فرمایا، پہلے ان کی ارادت و عقیدت تیرے ساتھ ہے۔ اس کے بعد

میرے ساتھ اور درمیان میں تیرا واسطہ ان کو نفع دے گا، کیونکہ میرے نزدیک شیخ اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے درمیان جس قدر خرقے زیادہ ہوں گے راستہ زیادہ روشن اور سلوک زیادہ آسان ہوگا۔ بخلاف حدیث کی اسناد کے کہ وہاں جس قدر درمیانی واسطہ کم ہوگا حدیث زیادہ صحیح ہوگی۔ چونکہ وہاں خبر ہے اس میں جس قدر واسطے زیادہ ہوں گے تغیرؔ کا احتمال زیادہ ہوگا، لیکن یہاں چونکہ خرقہ ہے۔ پس جس قدر مشائخ کا نُور زیادہ ہوگا، اسی قدر راستہ زیادہ روشن ہوگا۔ اور ان کی مدد بھی زیادہ ہوگی۔ ایک دن شیخ رُکن الدّین علاؤالدولہ کی مجلس میں منصور حلّاج کا قصّہ چل پڑا۔ اخی علی مصری نے اس کے حال کی بابت دریافت کیا، حضرت اس کے بعد کہ اس باب میں بہت کچھ فرما چکے تو فرمایا، کہ جس زمانہ میں میرا حال گرم تھا۔ مَیں اس کی زیارت کو گیا۔ جب مَیں نے مراقبہ کیا، مَیں نے اس کی رُوح کو علّیین میں عالی مقام میں پایا۔ مَیں نے دُعا مانگی اور کہا، خداوندا! یہ کیا حالت ہے کہ فرعون نے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (مَیں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) کہا اور حسین منصورؒ نے اَنَا الْحَقُّ (میں خدا ہوں) کہا۔ دونوں نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اب حسین منصور کی رُوح علّیین میں ہے جبکہ فرعون کی رُوح سجّین میں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ اُنہوں نے میرے دل میں کہا، یعنی مجھے القا فرمایا،

"فرعون در خود بینی در افتاد و ہمہ خود را دید و مارا گم کرد، و حسین منصورؒ ہمہ مارا دید و خود را گم کرد بنگر چہ فرق باشد۔"

فرعون خود بینی میں پڑ گیا اور اُس نے صرف اپنے آپکو دیکھا اور ہم کو گم کر دیا اور حسین منصور نے سب کو چھوڑ کر ہم کو دیکھا اور خود کو گم کر دیا۔ تُو خود دیکھ کہ کس قدر فرق ہے۔[1]

۳۸۰ حضرت شیخ نجم الدّین محمّد بن محمّد آذکانی رحمۃ اللہ تعالےٰ

المتوفی ۶۷۸ھ۔ یہ شیخ رکن الدّین علاؤالدولہ قدس سرّہٗ کے مرید ہیں۔ آپ کی عمر ۸۰ سال تک پہنچی تھی۔ "اسفرائن" کے علاقہ میں ایک قلعہ میں دفن ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی یہ حدیث "عَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ اَیْ بِالْقُرْاٰنِ" (تم لازم پکڑو سوادِ اعظم[1] یعنی قرآن کو)

۳۸۱ حضرت اخی محمّد دہقانی رحمۃ اللہ تعالےٰ

جلوۂ کشش۔ شیخ نے فرمایا، مَیں چلّہ میں تھا۔ مَیں نے اس کی انتالیسویں ۳۹ رات کو جمعرات کی شب میں عالمِ غیب میں دیکھا کہ مُسافروں

---

[1] سوادِ اعظم سے مراد اہلِ علم و اہلِ اصلاح کی بڑی جماعت ہے، لیکن حضرت شیخ بڑی جماعت کی تفسیر قرآن پاک سے کرتے ہیں۔ اس لیے کہ قرآن تمام حقائق کا جامع ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کو اپنی بغل میں لو اور اس کی راہنمائی میں چلتے رہو اور ان حضرات کے ہاں مشہور یہ ہے کہ حدیث میں جو سوادِ اعظم آیا ہے اس سے مراد فنا ہے یعنی اپنے کو فنا کے مقام میں پہنچا دو۔

[1] مولانا رُومی نے اس حکمت کو اپنی مثنوی میں ان اشعار میں بیان فرمایا:

گفت و منصورے انا الحق گشت مست — گفت و فرعونے انا الحق گشت پست

رحمۃ اللہ این انا را در وفا — لعنت اللہ این انا را در قفا

کی ایک جماعت بیٹھی ہے اور ان میں ایک جماعت ہے جس پر حق تعالیٰ کی نظرِ عنایت ہے۔ اس کو میرے حوالے کر دیا جب میں ہوش میں آیا تو مَیں نے خادم سے کہا، میرے باہر آنے سے پہلے کسی مُسافر کو باہر جانے کی اجازت نہ دینا۔ خدا کے حُکم سے اُسی وقت مسافروں کی ایک جماعت پہنچ گئی۔ مَیں نے کہا، کل جُمعہ کے دن جب چِلّہ پورا ہو چکے گا جامع مسجد میں جہاں میں بیٹھتا ہوں وہاں ان کو لے آنا تاکہ میں انہیں دیکھوں۔ جب میں جمعہ کے دن مسجد میں گیا مسافر درویش آ گئے اور سلام کیا۔ جتنا کہ مَیں نے انہیں دیکھا ان میں وہ شخص موجود نہ تھا جسے مَیں نے دیکھا تھا۔ مَیں نے خیال کیا شاید دوسری جماعت آئے گی۔ نماز ادا کر لی اور ہم خانقاہ میں آ گئے۔ خادم آیا اور کہا، ان درویشوں میں سے ایک آدمی جوان کی خِدمت میں مشغُول ہے ان کے سامان اور اسباب کے پاس رہ گیا ہوگا اور مسجد میں نہ آیا ہوگا وہ درخواست کرتا ہے کہ آپ کو دیکھے۔ مَیں نے کہا، "بہت اچھا۔" جب وہ آیا اس کو دُور سے دیکھا۔ مَیں نے جان لیا کہ وہی ہے اُس نے سلام کیا اور کچھ دیر بیٹھ کر باہر چلا گیا۔ مَیں نے خادم کو طلب کیا۔ مَیں نے کہا، جا اس جوان کو جو چلا گیا ہے کہہ کہ کچھ دن یہاں ہمارے پاس رہے اور اس جماعت سے علیحدہ ہو جائے کہ ہم کو تجھ سے کام ہے۔" جب خادم باہر گیا اس کو دیکھا کہ وہ واپس آ گیا تھا اور کھڑا ہوا تھا۔ خادم نے اس سے پوچھا، "کہ تیرا حال کیا ہے؟" اس نے کہا، مَیں شیخ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ شیخ سے کہہ کہ وہ مجھے قبُول کر لے اور میں یہاں درویشوں کی خدمت کروں۔" خادم نے کہا، شیخ نے مجھے اِسی قصد سے بھیجا ہے۔" وہ اس کو لے کر آ گیا اور مسافر چلے گئے اور مَیں نے اس کو خدمت میں مشغُول کر دیا۔ اس نے ایسی خدمت کی کہ آدمی سے اس سے بہتر نہیں ہو سکتی اور تین سال ذکر کرتا رہا اور کئی خلوتوں میں بیٹھا۔ اس کے بعد اس پر اچھے حالات ظاہر ہونے لگے تھے۔ ایک دن ہم سفر میں تھے اور وہ صُفّہ" میں بیٹھا ہوا تھا اور میں جس جگہ تھا اس کے حال پر میری نظر پڑی۔ مَیں نے دیکھا کہ اس پر عالی وارد نازل ہو رہا تھا اور اس پر عجیب حال منکشف ہو رہا تھا۔ میں اُسی وقت اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس جگہ گیا جہاں وہ تھا۔ وہ مغلوب اور اس حال میں مست ہو رہا تھا۔ مَیں نے اس کو آواز دی اور کہا، "تو کس حال میں ہے اور تُو نے کیا دیکھا ہے، بیان کر۔ اُس نے کہا، مَیں بیان نہیں کر سکتا۔ مَیں نے کہا، "بے ہودگی نہ کر۔" اور غُصّہ سے کہا "بیان کر۔" اُس نے کہہ دیا، "سچ تو یہ ہے کہ مقام بہت عالی تھا، لیکن جب مَیں نے دیکھا کہ اس میں عُجب اور غرور پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ مَیں نے کہا، یہ کوئی چیز نہیں اور مَیں نے اس کی نفی کر دی۔ مگر اس مقام میں اس نے اپنے اندر کچھ پیدا کر لیا اور بڑی مدت تک اس کے دماغ سے یہ خیال نہ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد جب وہ تجلّیٔ صمدیت سے متجلّی ہو گیا اور یہ ایسا مقام ہے کہ جس میں سالک سے مادی ضرورتوں کی احتیاج اٹھالی جاتی ہے۔ اور جب اُس نے خود کو اس حال میں دیکھا اس میں غرور پیدا ہو گیا اور مَیں نے خود کو کہا، نہ کھانا خدا کی صِفت ہے اور یہ صِفت مجھے حاصل ہے۔ اس کے باطن میں خدائی کا دعویٰ آنے لگا۔ اس نے کھانا

چھوڑ دیا۔ ہر چند میں اُسے لکڑیاں مارتا اس کے مُنہ میں لکڑیاں دیتا اور شربت اس کے منہ میں ڈالتا، مگر وہ باہر نکال دیتا اور اُس کے حلق میں نہ اترتا تھا۔ آخر میں نے چھوڑ دیا کہ شاید وہ اپنی خوشی سے کھاتے گا، مگر اس نے کچھ نہ کھایا اور اسی طرح اس کو چھ سال کا عرصہ گزر گیا لیکن خدمت پوری طرح کرتا رہا اور اس کی ایک سعادت یہ تھی کہ اپنے آپ کو مجھ سے کبھی دُور نہیں رکھا اور نہ بے نیاز جانا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اسی گرداب میں ہلاک ہو جاتا۔ مجھے چھپیس سال ہو گئے ہیں کہ شیخ کے حکم سے، ارشاد میں مشغول ہوں۔ میں نے اس عرصہ میں بہت سے طالبین کو دیکھا، لیکن مرد جیسا کہ محمد ہے جس کو دنیا اور اپنے نفس سے کوئی بھی رغبت نہیں دوسرا اور کوئی نہ دیکھا پچیس (۲۵) سال ہو چکے ہیں کہ وہ درویشوں میں ہے۔ اس کا بھائی بھی خادم ہے دوسرے بھی خادم ہیں جو اس سے پہلے کے ہیں، لیکن کسی نے اس کے مُنہ سے نہ سنا ہو گا کہ مجھے یہ چیز چاہیئے خواہ کھانا ہو یا کپڑا۔ ہر وہ چیز جو نفس کے مزہ سے تعلق رکھتی ہے کبھی اس کی زبان سے نہ سُنی گئی اور اس کے باوجود کہ جو جو اس نے بیماریاں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں کبھی اس کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور کسی سے کچھ نہ کہا اور کسی آدمی سے بھی اس نے کبھی دوائی نہیں مانگی۔ خلاصہ یہ کہ وہ نہ کھانے کے مقام میں چھ سال تک رہا۔ اس کے بعد میں کعبہ گیا اور اس کو اپنے ساتھ لے گیا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ میں دیکھتا تھا کہ جماعت اس حال پر تعجّب کرتی ہے اور خدا تعالےٰ کی قُدرت میں شک میں رہتی ہے اور ان کو یہ بات نقصان دیتی ہے۔ وہ لوگ اس کو راستہ میں دیکھیں اور یقین سے جان لیں کہ یہ کچھ نہیں کھاتا اور ان کا وہ شُبہ رفع ہو جاوے۔ ہم گئے اور لوگوں کا شک دُور ہو گیا۔ جب ہم مدینہ شریف میں پہنچے۔ میں نے اُس سے کہا "اگر تُو رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت ہے اور میرا مرید ہے تو تجھے وہ کام کرنا چاہیئے جو رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کیا ہے اور میں کرتا ہوں، ورنہ اٹھ اور چلا جا کہ تُو اس سے زیادہ ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔" علی دوستی وہاں موجود تھا۔ اُس نے اس کے منہ میں لقمہ ڈال دیا۔ میں نے مکہ تک تین لُقمے روزانہ کے لیے مقرّر کر دیے کہ وہ کھا لیا کرے۔ اس کے بعد جب مکہ پہنچ گئے تو میں نے اس سے کہا کہ جس طرح دوسرے درویش کھاتے ہیں تُو بھی کھایا کر۔ وہ کھانے لگا اور اس بھنور سے نکل گیا اور نجات پائی:

۳۸۴ حضرت ابوالبرکات تقی الدین علی دوستی سمنانی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

یہ بھی شیخ رُکن الدّین علاءُ الدّولہ کے مریدوں میں سے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ فرماتے تھے۔ سالک جس وقت تک تجلّیٔ صوری کا ادراک کرتا ہے، وہ تجلّی صوری ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کو اس صورت سے منزّہ رکھنا چاہیئے، لیکن اس کو تجلّی حق جاننا چاہیئے۔ جیسے کہ مُوسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے درخت سے سُنا: "اِنِّیۤ اَنَا اللّٰہُ" (بے شک میں اللہ ہوں) جو شخص یہ کہے کہ درخت خدا تھا وہ کافر ہو جائے گا اور جو یہ کہے گا

کہ یہ بات خدا نے نہیں کہی وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ پس تجلّی صوری کا اسی نوع کے ساتھ اعتقاد کرنا چاہیئے اور اس دن علی دوستی موجود تھے۔ شیخ نے فرمایا، مجھے اس سال علی دوستی کا واقعہ بہت پسند آیا اور مَیں درویشوں کے اعتقاد کو پختہ بنانے کے لیے کہتا ہوں۔ اس سال حق تعالیٰ نے اس پر کل موجودات کی صورت میں تجلّی کی اور اس کے بعد وہ حق کی تسبیح اور اس کی تنزیہ صورتوں سے ایسے الفاظ جو حق تعالیٰ اس کی زبان سے جاری کراتا تھا۔ وہ کہتا تھا۔ اس نے کہا:

حق تعالیٰ بخودیٔ خود از وے پرسید کہ مرا دیدی؟ گفت نہ، خداوند تعالیٰ فرمود کہ پس ایں ہا کہ دیدی کہ چہ بود؟ گفت آثار و افعال و صُورِ صفات تو و تو از ہمہ صُور منزہی حق تعالیٰ ویرا دریں سخن ثنار گفت و ایں را از وے پسندیدہ داشت۔

حق تعالیٰ نے خود بخود اس سے پوچھا "تُو نے مجھے دیکھا؟" اس نے کہا "نہیں"۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا "پھر یہ جو کچھ تُو نے دیکھا کیا تھا؟" کہا نشانات، افعال اور تیری صفاتی صورتیں اور تو تمام صورتوں سے پاک ہے۔ حق تعالیٰ نے اس بات میں اسکی تعریف کی اس مطلب کو اس سے پسند فرمایا۔

۳۸۳ حضرت امیر سیّد علی بن شہاب بن محمد الہمدانی قدّس اللہ تعالےٰ سرہٗ۔ المتوفےٰ ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ

علومِ ظاہر و باطن کے درمیان جامع تھے اور اہلِ باطن کے علوم میں ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ جیسے اسرارُ الیقظہ یا[1] اسرار النقطہ، شرح اسمار[2] اللہ، شرح فصوص[3] الحکم، شرح قصیدہ[4] حمزیہ فارضیہ اور ذخیرۃ[5] الملوک وغیرہ۔

حضرت امیر سیّد علی، شیخ شرف الدّین محمود بن عبد اللہ المزدقانی کے مرید تھے، لیکن کسبِ طریقت، صاحب السرّ بین الاقطاب تقی الدّین علی دوستی سے حاصل کی۔ اور جب شیخ تقی الدّین علی دنیا سے رحلت فرما گئے تو پھر شیخ شرف الدّین محمود سے رجوع کیا اور کہا، کیا حکم ہے۔ اُنہوں نے توجہ دی اور کہا، فرمان یہ ہے کہ جہان کے گرد گشت کر۔ تین دفعہ ساری دنیا کی سیاحت کی اور چودہ سو اولیار کی صحبت حاصل کی اور چار سو کو ایک مجلس میں پایا۔ آخر ۷۸۶ھ میں ولایت کبر اور سواد کے علاقہ کے قریب فوت ہو گئے اور یہاں سے لوگوں نے ان کو ختلان میں منتقل کیا۔

۳۸۴ حضرت شیخ عبد اللہ غرجستانی رحمہ اللہ تعالےٰ

شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ کے مریدوں میں سے تھے اور غرجستان کے دیہات میں ایک گاؤں میں رہنے والے تھے۔ چھوٹے تھے کہ ان کے والد فوت ہو گئے۔ ان کی والدہ نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا تھا۔ ایک دن سوتیلے باپ سے کوئی ایسا واقعہ ہو گیا کہ ان کو اس سے وہم ہو گیا۔ بھاگ کر گاؤں سے باہر نکل آئے۔ اطراف میں ایک بڑا درخت تھا اور اس کے نیچے پانی کا ایک چشمہ تھا۔ اس درخت پر چڑھ گئے۔ پتوں اور ٹہنیوں کے درمیان چھپ گئے۔ اتفاق سے مولہ کے

درویشوں کی ایک جماعت نے یہاں پڑاؤ کیا انہوں نے پانی کے چشمہ میں ان کا عکس دیکھا تو ان کو درخت سے اتار لیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ ان لوگوں کا گزر سمنان کی طرف سے ہوا یہ لوگ شیخ کی صحبت میں گئے اور ان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ جب شیخ کی نظر ان پر پڑی تو نورِ فراست کے ساتھ شیخ نے ان میں کمال قابلیت کو معلوم کیا۔ جب درویش سفر پر روانہ ہوئے چند لوگوں کو بھیجا اور اُن کو واپس کروا لیا۔ ان درویشوں نے بہت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور سلطانِ وقت سے رُجوع کیا۔ چونکہ حضرت شیخ کی حقانیت سب پر ظاہر تھی۔ اس مقدمہ میں ان درویشوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ پھر حضرت شیخ ان کی تربیت میں مشغول ہوئے اور

وبحسنِ التفات شیخ بمقامات عالیہ رسید و آں قدر التفات و اہتمام کہ شیخ را نسبت بوے بودہ است معلوم نیست نسبت بکسے دیگر بودہ باشد۔

اور شیخ کی حسنِ توجّہ سے مقامات عالیہ کو پہنچ گئے اور جس قدر شیخ کو ان کے حال پر توجّہ تھی اور ان کی تربیت کا اہتمام تھا، معلوم نہیں کسی اور مُرید پر ایسی توجّہ ہوئی ہو۔

جیسے کہ ان رباعیوں سے جو ان کو خطاب کر کے کہی ہیں ظاہر ہوتا ہے۔ جب یہ تکمیل اور ارشاد طالبین کے مرتبہ کو پہنچے تو ولایتِ طوس ان کے حوالہ ہوئی۔ وہاں آ کر یہ ارشاد طالبین میں مشغول ہو گئے۔ بادشاہِ وقت نے ان سے استدعا کی کہ جنگوں میں سے کسی جنگ میں جو اس کے دشمنوں سے ہو رہی تھی۔ آپ بھی میرے ساتھ رہیں۔ آپ اس کے ساتھ ہو گئے اور اس لڑائی میں شہادت کا درجہ پایا۔ ان کے جسدِ مُبارک کو اٹھا کر طوس لے گئے۔ ان کی قبر طوس میں ہے۔

۳۸۵ حضرت بابا محمود طوسی رحمہ اللہ تعالےٰ

شیخ عبداللہ کے مریدوں میں سے ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ شیخ عبداللہ نے درویشوں کی ایک جماعت کو چلّہ میں بٹھایا ہوا تھا۔ ایک رات خانقاہ کے خادم سے کہا، کہ آج کی رات دو درویشوں کو قوی حال پہنچے گا۔ ہوشیار رہنا کہ وہ بے خودی نہ کریں اور خلوت کی کھڑکی سے باہر نہ چلے جائیں۔" خادم موجود رہا، اچانک بابا محمود نعرہ لگاتے ہوئے اور فریاد کرتے ہوئے خلوت سے باہر کُود آئے اور دُوسرا درویش جس کا نام ہندو الیاس تھا وہ بھی بابا محمود کے پیچھے باہر کود پڑا۔ خادم دونوں کے پیچھے دوڑا۔ ہندو الیاس کے پاس پہنچا اور اس کو پکڑ لیا، مگر بابا محمود نے پہاڑ اور جنگل کا رُخ کیا۔ ہندو الیاس شیخ کی اچھی تربیّت اور سیاست سے کچھ کچھ ہوش میں آ گیا، مگر بابا محمود اسی طرح پوری زندگی مجذوب اور مغلوب رہے اور ان سے کرامات اور بہت سے خوارق عادات ظاہر ہوتے رہے۔ جیسا کہ مشہور ہے۔

۳۸۶ حضرت مولانا فخرالدین نُورستان رحمہ اللہ تعالےٰ

آپ نے علومِ ظاہری کی تحصیل کی ہوئی تھی۔ ہمیشہ سے ان کے دل میں تھا کہ علوم کی تحصیل کے بعد خدا تعالیٰ کی راہ کے سلوک میں مشغول ہوں گا۔ ایک دفعہ وہ مصر کے ایک مدرسہ کے حجرہ میں مقیم تھے اور وہاں مطالعہ میں مشغول تھے۔ مطالعہ

ُاسے اُکتا گئے۔ طبیعت بہلانے کے لیے گھر سے باہر نکلے تو سلوک کا تقاضہ ان کے دل میں تازہ ہوا۔ اپنے دل میں کہنے لگے آخر ایک دن اس سارے بکھیڑے سے جس مَیں مشغول ہوں نکلنا پڑے گا وہ آج کا ہی دِن ہے۔ دوسری مرتبہ گھر میں نہ گئے اور تمام کتابوں اور سارے سامان کے ساتھ گھر کو کُھلے دروازے چھوڑ دیا اور شیخ شیئاً للہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو اس وقت مصر میں ارشاد کے لیے مقرّر تھے چلے گئے۔ اور سلوک میں مشغول ہو گئے۔ جب تک وہ زندہ رہے ان کی صحبت میں رہتے رہے اور جب وہ دُنیا سے رُخصت ہو گئے تو کسی کامل مکمل کی تلاش میں سفر اختیار کیا۔ اس وقت شیخ محی الدین طوسی جو امام غزالی کی اولاد میں سے تھے پوری شہرت رکھتے تھے اور شہر طوس میں رہتے تھے ان کی صحبت میں رہنے لگے، لیکن جو وہ چاہتے تھے وہ یہاں نہ پایا۔ وہاں سے ایک اجاڑ گاؤں میں رضی علی قلقی کے فرزندوں کے پاس گئے۔ یہاں بھی وہ نہ پایا۔ جس کے یہ خواہش مند تھے۔ جب یہاں سے سفر کرنے لگے تو علی کے فرزندوں نے ان سے کہا، ہمارے والد کے درویشوں میں سے "ابردہ" گاؤں میں ایک درویش رہتا ہے اگر آپ ان کو دیکھیں تو دُور نہیں معلوم ہوتا اپنے دل میں کہا، وہ تو خراسان کا شہر تھا اور یہ شیخ زادگان ہیں، تو دُوسرا درویش کیا ہوگا؟ لیکن احتیاطاً "ابردہ" میں گئے۔ جب یہاں پہنچے تو شیخ حافظ کسی اہم کام کے لیے دُوسرے گاؤں میں گئے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے وہاں اپنی ولایت کے نُور سے اُن کا آنا معلوم کر لیا اور اپنے درویشوں سے کہا، کہ "ہمارا ایک عزیز مہمان آیا ہے۔" اپنا کام کیے بغیر "ابردہ" میں واپس آ گئے۔ جب اس کی آنکھ مولانا پر پڑی تو اس مشہور مصرعہ کو پڑھنے لگے ؎

یار در خانۂ ما گِردِ جہاں می گردیم   یار ہمارے گھر میں ہے اور ہم جہان کے گِرد گھُوم رہے ہیں۔

یہ ان کی خدمت میں رہنے لگے اور جب تک شیخ حافظ زندہ رہے مولانا اَن کی صحبت میں رہتے رہے۔ اِن کے ساتھ بہت سے چلّوں میں بیٹھے اور تربیتیں حاصل کیں۔ ان کی وفات کے بعد "جام" کی ولایت میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت شیخ الاسلام قُدِّسَ سِرّہٗ کی تُربتِ مقدّسہ کے جوار میں چلّہ میں بیٹھے اور جام کے مشائخ کو وقت کے مشائخ میں سے کسی سے بھی اتنی عقیدت اور اخلاص نہ تھا جس قدر کہ ان کے ساتھ تھا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام احمد قدّس اللہ رُوحہٗ کو اپنی تمام اولاد کے ساتھ بہت توجّہ ہے۔ یہاں تک کہ خواجہ محمد خلوتی جو کہ ظاہر میں بہت پریشان معلوم ہوتے ہیں اِن کی طرف بھی بہت توجّہ رکھتے تھے اور "ہرات" کے علماء میں سے ایک عالم جو زہد و تقویٰ میں مشہور تھے اور سلوک راہِ خدا میں پوری کوشش کرتے تھے آپ کی خدمت میں آتے تھے اور طلب کا اظہار کیا تھا۔ اِن سے آپ نے کہہ دیا تھا کہ آپ "ہرات" واپس جائیں اور اپنے گھر والوں کے ساتھ رہیں۔ اُنہوں نے یہاں رہنے کا بہت اصرار کیا، مگر فائدہ نہ ہوا۔ جب وہ اُن کے حکم کے مطابق واپس ہوئے اور ہرات پہنچ گئے تو جلد ہی بیمار ہو گئے۔

اور خدا کی رحمت سے جا ملے۔ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ آتا ہے۔ خرجرد جام کے اس سرائے میں جو فقیر کے والدین سے تعلق رکھتی تھی اترے تھے۔ مَیں چھوٹا تھا اور مجھ کو اپنی زانو کے سامنے بٹھایا تھا۔ اپنی مُبارک انگلیوں سے مشہور نام جیسے عمر اور علی ہوا پر لکھتے تھے۔ مَیں ان کو پڑھ لیتا تھا۔ وہ تبسّم فرماتے اور حیران ہوتے تھے اور ان کی اس شفقت و محبّت کی وجہ سے میرے دل میں اس گروہ کی محبّت وارادت کا بیج پڑ گیا اور اس وقت سے ہر روز اس کی نشو نما پاتا ہوں کہ آج کچھ ہے اور کل کچھ۔ مَیں اُمّید رکھتا ہوں کہ ان کی محبّت پر جیوں اور ان کی محبت پر مَروں اور ان کے ساتھ محبّت رکھنے والوں کے زُمرہ میں اٹھایا جاؤں۔

اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاکِیْنِ۔ — اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مجھے مسکین کر کے مارنا اور میرا حشر مساکین کی جماعت میں کرنا۔

مولانا نے ۸۴۰ھ کے بعد خراسان سے حرمین شریفین کی زیارت کا ارادہ کیا اور وہاں سے مصر گئے اور وہیں جوارِ رحمتِ حق سے جا ملے۔ اِن کی قبر امامِ شافعیؒ کی قبر کے قریب "قرافہ" میں ہے اور وہاں پر سیدّی فخر الدّین کے نام سے مشہور ہیں۔

۳۸۷ حضرت شاہ علی فراہی رحمۃ اللہ تعالیٰ

آپ شیخ رکن الدّین علاؤ الدولہ کے مرید ہیں۔ آپ کے والد "فرہ" کے حاکم تھے اور بوڑھے ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے چاہا کہ حکومت سے استعفےٰ دے دیں اور آخری زندگی میں گوشہ نشین ہو کر طاعت و عبادت میں مشغول ہو جائیں۔ اپنے بیٹے شاہ علی کو بادشاہِ وقت کی چھاؤنی کی طرف بھیجا تا کہ حکومت کا فرمان اپنا نام لے لے اور اس کے باپ کو معذور رکھیں۔ ان کا گزر سمنان کے اطراف پر ہوا۔ اور اس نواح میں ڈاکوؤں کے ساتھ ان کا ایسا مقابلہ ہوا کہ ان کے سارے متعلقین مارے گئے اور یہ بھی زخم خوردہ ہو کر مقتولین کے درمیان گر پڑے۔ شیخ رکن الدّین علاؤ الدولہ کو غیب میں اُنھوں نے دکھایا کہ فلاں موضع میں مقتولین کی ایک جماعت ہے اور اُن کے درمیان ایک آدمی زندہ رہ گیا ہے اور وہ بڑی صلاحیتیں رکھتا ہے، اس کو تلاش کر۔ شیخ اس موضع میں گئے کسی کو زندہ نہ پایا۔ دوبارہ پھر حکم کیا گیا، دوسری دفعہ پھر اسی جگہ گئے، مگر اس بار بھی ان میں کوئی شخص زندہ نہ پایا۔ تیسری دفعہ پھر اسی کا حکم ہوا۔ اس دفعہ خُوب تلاش کیا تو ان میں سے ایک آدمی ایسا پایا، جس میں کچھ نہ کچھ زندگی کو محسوس کیا۔ اُس کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے اور ایسی دیکھ بھال کی کہ وہ اپنے حال میں واپس آگیا۔ اس کے زخم اچھے ہو گئے اور وہ صحتیاب ہو گیا۔ شیخ نے اس سے کہا، اب جبکہ تو تندرست ہو گیا ہے۔ اپنے مقصد کی کفایت کے لیے بادشاہ کے پاس جانا چاہیئے اور اپنے باپ کے پاس رہنا چاہیئے۔ اس نے کہا، میرا دل نہیں چاہتا کہ حضرت شیخ سے جُدائی اختیار کروں۔ چاہتا ہوں کہ ارادت کا ہاتھ حضرت شیخ کے دامن میں ڈال دُوں۔ آخر کار وہ باپ کے پاس گیا اور

اس سے اجازت لے کر شیخ کی خدمت میں واپس آگیا۔ "و بحسنِ تربیت شیخ رسید بآنچہ رسید"۔ اور شیخ کی حسنِ تربیت سے وہ پہنچ گیا جہاں تک پہنچا۔

۳۸۸ حضرت شیخ محمد شاہ فراہی رحمۃ اللہ تعالےٰ ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ تھے اور ایک واسطہ سے شاہ علی فراہی کے مرید تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں "ہرمز" کی راہ سے حج کا عزم کیا۔ جب "منوجان" پہنچے بیمار ہو گئے۔ اور اسی جگہ وفات پا گئے۔ اور ان کی قبر اسی مقام پر ہے۔ صاحب کشف و کرامات و الہام ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سفرِ حج کے درمیان ایک شہر میں پہنچے جہاں بدچلن لوگ رہتے تھے۔ آپ مراقب ہو کر بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعتاً ایک چیخ ماری۔ ایک عالم نے جوان کے ہمراہ تھا اس کا سبب پوچھا۔ کہا، اس شہر کے بدکردار لوگوں کا حال مجھ پر منکشف ہوا۔ مَیں نے ایک عورت کو دیکھا جو بہت خوبصورت ہے۔ مَیں نے کہا، خداوندا او را بمن بخشش بسرِ مَن در دادند کہ چرا نگوئی کہ ترا بوے بخشیم، آں زن در ہماں وقت توفیق توبہ یافت۔ خداوندا اس عورت کو میری خاطر بخش دے۔ اُنھوں نے میرے دل میں یہ بات ڈالی یہ کیوں نہیں کہتا کہ تجھے اس کے وسیلہ سے بخشدیں۔ اس عورت نے اُسی وقت توبہ کی توفیق پائی۔

۳۸۹ شیخ بہاؤ الدین عمر قدس اللہ روحہٗ المتوفیٰ ۲۹ ربیع الاوّل بروز منگل ۸۵۷ھ۔ آپ شیخ محمد شاہ کے بھانجے اور مرید تھے۔ مَیں نے بعض اکابر سے سُنا ہے وہ کہتے تھے کہ معلوم نہیں کہ شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ کے سلسلہ کے اصحاب میں کوئی ان جیسا خوبیوں والا ہو۔ بچپن سے مجذوب تھے اور جذبہ کے آثار ان پر ظاہر تھے۔ نماز پڑھتے وقت کسی کو اپنے پاس بٹھا لیا کرتے تا کہ ہر رکعت کے شمار کی ان کو اطلاع دے دیا کرے، کیونکہ خود ان رکعتوں کو یاد نہ رکھ سکتے تھے۔ ایک دفعہ اوائل حال میں انتہائی تشنگی سے جو جماعت کو ہوتی ہے اپنے ماموں شیخ محمد شاہ سے مقصود کی نایافت کے متعلق بات کی تھی تو اُن کے ماموں نے یہ بیت پڑھا تھا۔

؎ اگر نالد کسے نالد کہ یارے در سفر دارد	اگر روئے تو وہ روئے جس کا یار پردیس میں ہو۔
تو بارے از چہ می نالی کہ یارے در بغل داری	پھر تو کس لیے روتا ہے، جبکہ تُو یار بغل میں رکھتا ہے۔

ان کی یہ عادت تھی کہ جب وہ جامع مسجد میں حاضر ہوتے تو حکّام اور ان کے خواص سے مسلمانوں کی ضروریات کی کفایت کے بارہ میں بات کہتے اور ان کے اکثر حالات اسی مشغلے میں گزرتے۔ ان کے ایک رازدار دوست نے ان سے سوال کیا کہ مسجد میں آکر یہی باتیں کیوں کرتے رہتے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر مَیں چُپ بیٹھا رہوں اور خود کو گفتگو میں مشغول نہ کروں تو میں مغلوب اور مستہلک ہو جاؤں۔ میرے حواس بے کار ہو جائیں۔ نہ کان سُنے اور نہ آنکھ دیکھے۔ ایک دن

ایک درویش طلوعِ آفتاب کے وقت ان کے پاس آیا۔ شیخ زانو میں سر رکھے مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سر اٹھا کر فرمایا "کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے کہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد سے اس وقت تک خدا تعالیٰ کی طاعت و عبادت پچاس ہزار سال تک کر چکا ہو۔ اس بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت زمانہ کے لیے ان کو بسط کی نسبت واقع ہو گئی تھی اور پچاس ہزار سال گزر چکے تھے۔ جس کو انھوں نے طاعت و عبادت میں صرف کیا تھا۔ آپ صائم الدہر یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے والے بزرگ تھے۔ حضرت مخدومی مولانا سعد الدین کاشغری رحمہ اللہ واقعہ سناتے تھے کہ ان کو مکہ کے جنگل میں ایک مرض لاحق ہو گیا۔ اصحاب نے ان پر بڑا زور دیا، مگر اُنہوں نے افطار نہ کیا۔ ایک دن مَیں نے دیکھا کہ اہلِ غیب کی ایک جماعت ان کے مکان کی طرف جا رہی تھی۔ جب وہ مکان کے دروازہ پر گئے تو اندر گئے اور چلے گئے۔ مَیں نے اس قصہ کو ان سے بیان کیا۔ اُنہوں نے کہا، ہاں وہ قطب تھا اور اس کے اصحاب تھے۔ جب مکان کے دروازہ پر پہنچے۔ مَیں نے اپنے پاؤں لمبے کیے ہوئے تھے۔ یہ جان کر وہ واپس چلے گئے۔ مَیں نے اپنے پاؤں سکیڑ لیے۔ واپس آئے اور میرے پاس بیٹھ گئے اور فاتحہ پڑھی۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ اُسی دن ان پر صحت کے آثار ظاہر ہوئے اور انہیں اس کی ضرورت نہ پڑی کہ افطار کریں۔ ان کا یہ بیت فقیر کے دل پر ہے کہ جس وقت وہ بعض فقرا کو دوامِ توجہ اور مطلوبِ حقیقی پر متوجہ رہنے کی ترغیب دیتے تھے تو وہ یہ پڑھتے تھے۔

"دلا رامے کہ داری دل درو بند — جو معشوق رکھتا ہے اس میں دل لگائے رکھ۔
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند" — باقی سارے جہان سے آنکھ بند کر۔

جب وفات پائی تو ان کے بڑے صاحبزادے اور تمام مرید "موضع چغارہ" کے اندر اسی جگہ میں جہاں وہ روزانہ بیٹھا کرتے تھے ان کی قبر کھودنے کے لیے مشغول ہوئے، لیکن بادشاہِ وقت نے التماس کی کہ ان کی قبر شہر کے نزدیک ہو سب نے قبول کر لیا اور جب بادشاہ ان کے جنازہ پر حاضر ہوا تو ان کے جنازہ کو سارے راستہ اپنے کندھے پر اٹھا کر لے گیا اور ہرات کی عیدگاہ میں بجانبِ شمال ان کو دفن کیا اور قبر پر بڑی عمارت بنائی جو اب تک مشہور و معروف ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور برکت حاصل کی جاتی ہے۔

۳۹۰ مولانا شمس الدین محمد اسد رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ
المتوفی ۲۹ شعبان المبارک ۸۶۸ھ

ظاہری علوم، طبیعت کی جودت اور تیز فہمی میں خوب مشہور تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ تحصیلِ علم کے زمانہ میں میرے لیے راہِ خدا کے سلوک کا تقاضا قوی ہوا۔ اس وقت میں جناب زین الدین خوافی رحمہ اللہ تعالیٰ طالبین کے ارشاد اور مریدین کی تربیت میں مشغول تھے۔ ایک دن مَیں ان کی مجلس میں پہنچا۔ وہ ایک جماعت کو بیعت کر رہے تھے اور ان کو توبہ کراتے اور ذکر کی تلقین

کرتے تھے۔ درویشوں کا دستور ہوتا ہے کہ جس وقت شیخ کسی درویش کے ہاتھ کو بیعت کے وقت پکڑتا ہے۔ بعض درویش اس درویش کے دامن کو پکڑ لیتے ہیں اور بعضے اس دُوسرے کے دامن کو، جہاں تک کہ پہنچ سکے پکڑ لیتے ہیں۔ میں نے بھی ان میں سے ایک کا دامن پکڑ لیا۔ جب میں اس مجلس سے باہر نکلا تو مدرسہ کے ایک حُجرہ میں جہاں میں پڑھتا تھا ذکر میں مشغُول ہوا اور دن بدن اپنے اندر ذکر کی تاثیر زیادہ دیکھتا تھا۔ تاآنکہ میرا باطن پوری طرح اس جانب کھنچ گیا اور مَیں نے تحصیلِ علم کو ترک کر دیا۔ مولانا شمسُ الدّین حضرت بہاؤ الدّین عمر کی صحبت میں بہت رہے تھے اور بہت سے چلّوں میں بیٹھے تھے، چنانچہ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ مولانا ان کے مرید ہیں، مگر انہوں نے اس کا اعتراف نہیں کیا اور مولانا فخر الدّین نورستانی کی صحبت میں بھی پہنچے تھے اور حضرت مولانا نے اپنا لباس ان کو پہنایا تھا۔ مولانا تبرّک کے طور پر اس کو کبھی کبھی زیبِ تن فرما لیتے تھے۔ آخر میں حضرت مولانا سعد الدّین کاشغری کے ساتھ بہت صحبت رکھی۔ حضرت مولانا سعد الدّین ان کی تعظیم و تقدیم کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کے ساتھ راستہ میں چلا جا رہا تھا کرتے کرتے یہاں تک پہنچے کہ اُنہوں نے کہا، مجھے ان چند دنوں میں ایسا امر واقع ہو گیا کہ مجھے خود پر اس کا بالکل گمان نہ تھا اور نہ ہی اس کی توقع رکھتا تھا۔ مختصراً اس کا اشارہ کیا اس طرح کہ مَیں نے اس سے یہ سمجھا کہ یہ مقام جمع میں پہنچ گئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

'قَالَ بَعْضُ الْعَارِفِیْنَ اِذَا تَجَلّٰی اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِذَاتِہٖ لِاَحَدٍ یَرٰی کُلَّ الذَّوَاتِ وَالصِّفَاتِ وَالْاَفْعَالِ مُتَلَاشِیَۃً فِیْ اَشِعَّۃِ ذَاتِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَ اَفْعَالِہٖ وَیَجِدُ نَفْسَہٗ مَعَ جَمِیْعِ الْمَخْلُوْقَاتِ کَاَنَّھَا مُدَبِّرَۃٌ لَھَا وَھِیَ اَعْضَاءُھَا۔ لَا یُلِمُّ بِوَاحِدٍ مِّنْھَا شَیْءٌ اِلَّا وَیَرَاہُ مُلِمًّا بِہٖ وَیَرَای'

بعض عارفوں نے کہا ہے جب اللہ سُبحانہٗ کسی پر اپنی ذات کیساتھ تجلّی کرتا ہے تو یہ شخص ساری ذوات اور صفات اور افعال کو اُسکی کی ذات و صفات اور افعال کی شعاؤں میں فانی اور لاشی دیکھتا ہے، اور اپنے نفس کی ساری مخلوقات کے ساتھ ایسی نسبت پاتا ہے کہ گویا وہ ان سب کا مدبّر (نظام چلانیوالا) ہے اور یہ مخلوقات اس کے اعضاء ہیں[1]۔ اور ان موجودات میں سے کوئی چیز نہیں اُترتی مگر یہ شخص اس کو اپنے سے اُترتا ہوا دیکھتا ہے[2] اور وہ اپنی

---

[1] یعنی ان موجودات کی نسبت اپنے ساتھ ایسی سمجھتا ہے جیسے اپنے اعضاء کی نسبت اپنی ذات کے ساتھ۔

[2] یعنی ان موجودات اور مخلوقات میں سے جو چیز بھی دُنیا میں ظہور پذیر ہوتی ہے خواہ اسکا کوئی سبب ہو یہ یوں خیال کرتا ہے کہ میں اسکے ظہور اور وجود کا سبب ہوں۔

ذَاتَہٗ الذَّاتَ الْوَاحِدَۃَ وَصِفَتَہٗ صِفَتَہَا وَفِعْلَہٗ فِعْلَہَا لِاِسْتِھْلَاکِہٖ بِالْکُلِّیَّۃِ فِیْ عَیْنِ التَّوْحِیْدِ وَلَیْسَ لِلْاِنْسَانِ وَرَاءَ ھٰذِہِ الْمَرْتَبَۃِ مَقَامٌ فِی التَّوْحِیْدِ وَلَمَّا انْجَذَبَ بَصِیْرَۃُ الرُّوْحِ اِلٰی مُشَاھَدَۃِ جَمَالِ الذَّاتِ اسْتَتَرَ نُوْرُ الْعَقْلِ الْفَارِقِ بَیْنَ الْاَشْیَآءِ فِیْ غَلَبَۃِ نُوْرِ الذَّاتِ الْقَدِیْمَۃِ وَارْتَفَعَ التَّمْیِیْزُ بَیْنَ الْقِدَمِ وَالْحُدُوْثِ لِزُھُوْقِ الْبَاطِلِ عِنْدَ مَجِیْءِ الْحَقِّ وَتُسَمّٰی ھٰذِہِ الْحَالَۃُ جَمْعًا

ذات کو اور ذاتِ حق کو ایک دیکھتا ہے اور اسکی صفت کو اپنی صفت اور اسکے فعل کو اپنا فعل یہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ ذاتِ توحید میں کلیتاً مستہلک[1] ہو چکا ہے اور عین توحید میں استہلاک اسکا مستلزم ہے کہ جو کچھ اسکے ساتھ منسوب ہے اسے وہ اپنے ساتھ منسوب کرے اور انسان کے لیے اس مرتبہ سے بڑھ کر توحید میں اور کوئی مقام نہیں اور جب رُوح کی بینائی جمالِ ذات کے مشاہدہ کیطرف کھنچ جاتی ہے یا منجذب ہو جاتی ہے تو عقل کا وہ نُور جو اشیاء میں فرق کرتا اور واجب اور ممکن کو ایک دوسرے سے جُدا کرتا تھا ذاتِ قدیم کے نُور کے غلبہ میں پوشیدہ ہو جاتا ہے اور قدیم[2] اور حادث کے درمیان تمیز جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ حق کے ظاہر ہونے کے وقت باطل ناچیز[3] اور نابود ہو جاتا ہے۔ مشائخ اس حالت کو جمع کا نام دیتے ہیں، یعنی سالک کے اس حال کو صوفیاء کی اصطلاح میں جمع کہا جاتا ہے۔

ایک دفعہ مولانا کے سامنے خربوزہ کاٹا گیا جو بہت شیریں، عمدہ اور لطیف تھا۔ جب آپ نے اُسے چکھا اس سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا، اس سے میرا لذّت حاصل کرنا مجھے اس حال سے روکتا ہے جس حال میں کہ میں ہوں۔ آپ کو حال تمام اور وجد عظیم تھا۔ جب مجلس سماع میں آپ کی حالت بدلتی تو ایسی چیخیں اور نعرے مارا کرتے کہ جس سے اہلِ مجلس پر آپ کا حال سرایت کر جاتا۔ سب کا حال اور وقت اچھا ہو جاتا۔ آپ کی قبر شریف "گازرگاہ" میں شیخ الاسلام قدّس اللہ تعالیٰ سرّہٗ کی قبر کے نیچے ہے۔

۳۹۱ حضرت شیخ بہاؤ الدین ولد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بعض نے کہا ہے کہ یہ شیخ نجم الدین کبریٰ کی صحبت میں پہنچے ہیں اور ان کے خلفاء میں سے تھے۔ ان کا نام محمد بن الحسین بن احمد الخطیب البکری ہے۔ امیر المومنین ابابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں اور ان کی والدہ خراسان کے بادشاہ

---

[1] مٹ چکا ہے اور فنا ہو چکا ہے [2] قدیم، صفاتِ خالق تعالیٰ کو اور حدوث مخلوق اور موجودات کو کہتے ہیں۔ [3] باطل ناچیز و ناپیدا شود در زمان پیدا شدنِ حق۔

علاؤالدین محمد بن خوارزم شاہ کی بیٹی تھیں۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس بادشاہ کو خواب میں اشارہ فرمایا کہ اپنی بیٹی کا نکاح حسین خطیب سے کر دے اور نو مہینہ کے بعد بہاؤالدین وَلَد پیدا ہوئے۔ جب یہ دو سال کے ہو گئے تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور جب سنِ تمیز کو پہنچے تو علومِ دینی اور معارفِ یقینی کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ ان کا کمال یہاں تک پہنچا کہ خواب میں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا لقب سلطان العلماء رکھا۔ جب ان کا پوری طرح ظہور ہوا اور خواص و عام کے مرجع بن گئے تو علماء کی ایک جماعت مثلاً امام فخر الدین رازی وغیرہ کی ان پر حسد کی رگ پھڑکی اور انھوں نے ان پر بادشاہِ وقت کے خلاف بغاوت اور خروج کرنیکی تہمت رکھی اور شہر بلخ سے ان کو نکالنے کا بہانہ بنایا۔ اس وقت مولانا جلال الدین خُرد سال بچے تھے شیخ نے بغداد کی راہ سے مکہ کا قصد کیا۔ جب بغداد میں پہنچے تو ایک جماعت نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ مولانا بہاؤالدین نے فرمایا، مِنَ اللّٰہِ وَ اِلَی اللّٰہِ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ[1] لوگوں نے اس بات کو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں پہنچایا۔ شیخ نے فرمایا، "مَاھٰذَا اِلَّا بَھَاءُ الدِّیْنِ الْبَلْخِیْ" (اس بات کا کہنے والا بہاؤالدین بلخی ہی ہو سکتا ہے) حضرت شیخ مولانا کے استقبال کے لیے نکل آئے۔ جب مولانا کے برابر پہنچے تو خچر سے اُتر آئے اور مولانا کے زانو کو بوسہ دیا اور خانقاہ کی طرف جانے کی استدعا کی۔ مولانا نے کہا،

"موالی را مدرسہ مناسب ترست در مستنصریہ نزول کرد۔"	غلاموں کے لیے مدرسہ زیادہ مناسب ہے مستنصریہ میں نزول قیام کیا۔[2]

اور شیخ نے اپنے ہاتھ سے آپ کے موزے اتارے اور تیسرے دن "مکہ مبارکہ" کا قصد کیا۔ واپسی پر رُوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ چار سال تک "آذر بائیجان[3]" میں رہے اور سات سال "لارندہ" میں اور "لارندہ" میں ہی حضرت مولانا جلال الدین کی اٹھارہویں سال شادی کر دی۔ ۶۲۳ھ میں سلطان وَلَد پیدا ہوئے اور جب سلطان وَلَد پیدا ہو گئے تو کوئی شخص ان

---

[1] اللہ کے پاس سے آئے ہیں اور اللہ کے پاس جا رہے ہیں اور ہماری کوئی نقل و حرکت اور قوت نہیں ہے، مگر اللہ کے امر کے ساتھ۔

[2] نزول پر مجھے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا پڑھا ہوا ایک شعر یاد آیا جو موضع ماچھی گوٹھ سے رُخصت کے وقت ریل میں بیٹھ کر سُنایا۔ شعر یہ ہے ؎

نَزَلْنَا هٰهُنَا ثُمَّ ارْتَحَلْنَا ۔۔۔ كَذَا الدُّنْيَا نُزُوْلٌ وَّ ارْتِحَالٌ

ہم یہاں رہے پھر کوچ کر گئے۔ دنیا کا یہی حال ہے آنا اور کوچ کر جانا۔

[3] ایران کے مغرب میں مشہور صوبہ کا نام ہے۔

کو پہچانتا نہ تھا کہ مولانا جلال الدین کے ہم شکل اور نمونہ تھے۔ جو ان کو دیکھتا دونوں کو بھائی سمجھتا۔ اس کے بعد بادشاہ نے ان کو "لارندہ" سے "قونیہ" آنے کی استدعا کی اور مولانا بہاؤالدین اسی جگہ خدا کی رحمت سے جا ملے۔

۳۹۲ حضرت سیّد بُرہان الدین محقق رحمہ اللہ تعالےٰ

آپ حسینی سیّد ہیں۔ ترمذ کے رہنے والے ہیں۔ مولانا بہاؤالدین وَلَد کے مرید اور تربیّت یافتہ لوگوں میں سے ہیں۔ لوگوں کے خیالات پر مطلع ہو جانے کے سبب "خراسان" اور "ترمذ" میں سید سرِّ دان[1] کے لقب سے مشہور تھے۔ جس دِن مولانا بہاؤالدین وَلَد نے وفات پائی یہ ترمذ میں جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کہا:

"دریغا کہ حضرت استاد و شیخم ازین عالم رحلت فرمود" افسوس کہ حضرت اُستاد اور میرے شیخ اس عالم سے رحلت فرما گئے۔

چند دن بعد مولانا جلال الدین "صاحبزادہ" کی تربیّت کے واسطے "قونیہ" کو رَوانہ ہوئے اور حضرت مولانا پُورے نو (۹) سال تک اِن کی خدمت و ملازمت میں نیاز مندی کرتے رہے اور تربیتیں حاصل کیں۔ کہتے ہیں شیخ شہاب الدین سہروردی جب "رُوم" میں آئے تھے تو سیّد برہان الدین کی زیارت کے لیے آئے تھے۔ سیّد راکھ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ شیخ نے دُور سے تعظیم کی اور وہیں بیٹھ گئے[2] اور کوئی بات نہیں ہوئی۔ مریدوں نے پوچھا کہ سکوت کا کیا سبب تھا۔ شیخ نے فرمایا، "اہلِ حال کے سامنے زبانِ حال ہونی چاہیئے نہ کہ زبانِ قال"۔ لوگوں نے پوچھا۔ "ان کو کیسا پایا؟" فرمایا،

"کہ دریائیست موّاج پُر از درِ معانی و حقائقِ محمّدی بغایت آشکار و بغایت پنہاں"

کہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ معانی کے موتیوں اور حقائقِ محمّدی سے بھرا ہوا، انتہائی طور پر ظاہر اور انتہائی طور پر چھپا ہُوا۔

اور حضرت شیخ صلاح الدین رحمہ اللہ تعالیٰ سیّد کے مریدوں میں سے تھے۔ جن کے متعلق سیّد نے فرمایا:

"حالم را بشیخ صلاح الدّین بخشیدم و قالم را بمولنا" مَیں نے اپنا حال شیخ صلاح الدّین کو بخش دیا اور اپنا قال مولٰنا رومی کو۔

سیّد کا مزار مبارک دار الفتح قیصریہ میں ہے سَلَامُ اللهِ تَعَالٰی وَتَحِیَّاتُہٗ عَلَیْہِ وَعَلٰی جَمِیْعِ عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِیْنَ۔

۳۹۳ حضرت مولانا جلال الدین محمّد البلخی الرومی قدس اللہ تعالےٰ سرّہٗ

ولادت مقام بلخ ۶، ربیع الاوّل ۶۰۴ھ۔ وفات ۵، رجب ۶۷۲ھ۔ کہتے ہیں کہ رُوحانی صورتیں اور غیبی شکلیں، یعنی لکھنے والے فرشتوں اور نیک جنّات اور خواص انسان جو ربّ العزت کے قبوں میں چھپے ہوئے

---

[1] یعنی دل کا بھید جاننے والا سیّد [2] بات کرنے کی ضرورت نہیں [3] مُراد سیّد برہان الدین محقق [4] یعنی صورت مثالی میں ظاہر ہوتی تھیں۔

ہیں۔ ان کی شکلیں جناب مولانا پر پانچ سال کی عمر میں ظاہر اور متمثل ہو جاتی تھیں۔ مولانا بہاؤ الدین وَلَد کی تحریر میں یہ لکھا ہوا پایا گیا۔ "جلال الدین چھ سال کا تھا جبکہ وہ دُوسرے بچّوں کے ساتھ بلخ میں جمعہ کے دن ہمارے کوٹھوں پر سیر کرتا تھا۔ ایک بچّے نے دُوسرے سے کہا کہ آؤ اس چھت سے دُوسری چھت پر کُود جائیں۔ جلال الدین محمّد نے کہا، ایسی حرکت تو کُتّا، بلّی اور دوسرے جانور کرتے ہیں۔ بُرا ہوگا کہ آدمی اِن میں مشغول ہو۔ اگر تمہاری جان میں قوّت ہے تو آؤ آسمان پر اُڑیں"۔ اور اُسی وقت بچوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ بچے فریاد کرنے لگے۔ ایک لحظہ کے بعد اس کا رنگ بدلا ہوا اور آنکھیں بدلی ہوئی واپس آ گیا اور کہا، جب مَیں تم سے بات کہ رہا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ سبز قباؤں والی ایک جماعت مجھے تمہارے درمیان سے لے گئی۔ اور مجھے آسمان کے گِرداگِرد پھرایا۔ اور عالمِ بالا کے عجائبات دکھائے۔ اور جب تمہاری فریاد کی آواز اور تمہارا شور پہنچا تو پھر مجھے وہ اسی جگہ لے آئے"۔ لوگ مولانا رُوم کے متعلق کہتے ہیں کہ مولانا اس عُمر میں تین چار دِن کے اندر ایک دفعہ کھاتے تھے۔ اور کہتے ہیں مولانا جب مکّہ گئے تو راستہ میں نیشاپور پہنچے۔ شیخ فرید الدین عطّار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ نے اُن کو کتاب اسرار نامہ دی تھی جسے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ حضرت مولوی فرماتے ہیں کہ:

"من این جسم نیستم کہ در نظر عاشقاں منظورم، بلکہ من آں ذوقم و آں خوشی ام کہ در باطنِ مریدان از کلام مَن سَر می زند۔ اللہ اللہ چوں آں دم یابی و آں ذوق را بحشی غنیمت می وار و شکرہا می گزار کہ من آنم۔

مَیں وہ جسم نہیں ہُوں جو عاشقوں کی نظر میں دیکھا جاتا ہوں، بلکہ مَیں تو وہ ذوق اور وہ خُوشی ہوں جو مریدوں کے باطن میں میرے کلام سے ظاہر ہوتا ہے اور سَر نکالتا ہے۔ اللہ اللہ جب تو اس لمحہ کو پائے اور اس ذوق کو چکھے تو غنیمت سمجھ اور شکر کر کہ وہ مَیں ہُوں۔

لوگوں نے حضرت مولوی کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں کہتا ہے کہ میرا دل و جان خدمت میں حاضر ہے۔ فرمایا، "چپ رہ۔ لوگوں میں جھوٹ کی یہ قسم رہ گئی ہے۔ جو یہ لوگ کہتے ہیں اس نے ایسا دِل و جاں کہاں سے پا لیا کہ وہ مردوں کی خدمت میں رہے"۔ اس کے بعد حسام الدین کی طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا:

"کہ اللہ اللہ با اولیائے حق زانو بہ زانو باید نشستن کہ آں قُرب را اثرہاست عظیم"۔

اللہ اللہ اولیائے حق کے ساتھ زانو بہ زانو ہو کر بیٹھنا چاہیئے کہ اس قُرب کے بڑے اثرات ہیں۔

رُباعی:

یکے لحظہ از و دُوری نہ شاید
کہ از دوری خرابیہا فزاید

ایک لحظہ بھی اُس سے دُور نہ رہنا چاہیئے۔
کیونکہ دُوری سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

بہر حالے کہ باشی پیش او باش — خواہ تو کسی حال میں ہو اس کے سامنے رہ۔

کہ از نزدیک بودن مہر زاید — کیونکہ قریب رہنے سے محبت بڑھتی ہے اور توجہ زیادہ ہوتی ہے۔

اور فرمایا، جو پرندہ زمین سے اُوپر اُڑتا ہے، اگرچہ وہ آسمان پر تو نہیں پہنچتا، مگر اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ جال سے دُور تر ہو جاتا ہے اور بچا رہتا ہے اور ایسے ہی اگر کوئی درویش ہو اور درویشی کے کمال کو نہ پہنچے، مگر اتنا ضرور ہو جاتا ہے کہ مخلوق اور بازاری لوگوں کے گروہ سے ممتاز ہو جاتا ہے اور دُنیا کی زحمتوں اور بکھیڑوں سے چھُوٹ جاتا ہے اور ہلکا ہو جاتا ہے، کیونکہ "نَجَا الْمُخَفَّفُونَ وَهَلَكَ الْمُثَقَّلُونَ۔" (نجات پا گئے تھوڑے بوجھ والے اور ہلاک ہو گئے زیادہ بوجھ والے۔) ایک دُنیادار حضرت مولانا کے سامنے معذرت کرنے لگا کہ میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں۔ فرمایا، معافی چاہنے کی ضرورت نہیں۔ جس قدر اور لوگ تیرے آنے سے ممنون ہوتے ہیں ہم تیرے نہ آنے سے ممنون ہوتے ہیں۔

مولانا نے اپنے اصحاب میں سے کسی کو مغموم اور اُداس دیکھا تو فرمایا،

همه دل تنگی از دل نهادگی برین عالم است مردی آنست که آزاد باشی ازین جهان وخود را غریب دانی و در هر رنگے که بنگری، و هر مزه که بچشی دانی که بآن نمانی وجائے دیگر روی هیچ دل تنگ نه باشد وگفت آزاد مرد آنست که از رنجانیدن کس نه رنجد وجواں مرداں باشد که مستحق رنجانیدن را نه رنجاند۔

ساری دل تنگی اس عالم پر دل لگانے سے ہے۔ مردانگی یہ ہے کہ تُو اس جہان میں آزاد رہے اور اپنے کو مُسافر جانے اور ہر رنگ میں کہ جسکو تو دیکھے اور ہر مزے میں جسکو تُو چکھے، یہ جانے کہ تُو اس کے ساتھ تو نہیں رہیگا۔ دُوسری جگہ چلا جائے گا، پھر تو کبھی دل تنگ نہ ہوگا۔ اور فرمایا، شریف آدمی وہ ہے جو کسی کے دِل دکھانے سے رنجیدہ نہ ہو اور جواں مرد وہ ہے جو دل آزاری کے مستحق کا بھی قلب نہ دکھائے۔

مولانا سراج الدین قونیوی صاحبِ صدر اور وقت کے بزرگ تھے، لیکن حضرت مولوی سے ناخوش تھے، لوگوں نے اُن سے بیان کیا کہ مولانا نے کہا ہے کہ میں تہتر (۷۳) مذہب کے ساتھ ایک ہوں[1]۔ چونکہ وہ صاحبِ غرض تھا۔ اُس نے چاہا کہ مولانا کو اذیت دے اور اُن کی بے عزتی کرے۔ اس کے مقربین میں سے ایک بڑا عالم تھا۔ اس کو اس لیے بھیجا کہ مجمع میں مولانا سے پوچھا کہ کیا تُو نے ایسا کہا ہے۔ اگر وہ اقرار کرے تو اس کو خوب سنانا، ذلیل کرنا اور اس کی دل آزاری میں کمی نہ کرنا۔ وہ شخص آیا اور بَرملا سوال کیا۔ کیا تُم نے ایسا کہا ہے کہ میں ۷۳ مذہبوں کے ساتھ ایک ہوں۔ مولانا نے فرمایا "ہاں مَیں نے کہا ہے۔" اس نے زبان درازی کی، گالی نکالنے اور بے ہودگی کرنے لگا۔ مولانا ہنس پڑے

---

[1] یعنی سب مذاہب کو ایک جگہ سے دیکھتا ہوں۔

اور کہا، اس کے ساتھ جو بھی تو کہتا ہے میں ایک ہوں۔ وہ آدمی شرمندہ ہو کر واپس ہو گیا۔

شیخ رکن الدین علاؤالدولہ نے فرمایا، مجھے ان کی یہ بات بہت پسند آئی جو حضرت مولانا خادم سے ہمیشہ دریافت کرتے کہ ہمارے گھر میں کوئی چیز ہے؟ اگر وہ کہتا، خیر ہے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ خوش ہوتے اور بہت شکر کرتے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، آج ہمارا گھر پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر کی طرح ہو گیا ہے۔ اگر وہ کہتا کہ لنگر کی ضرورت اور اس کا خرچ موجود ہے تو نادم اور شرمندہ ہوتے اور کہتے کہ اس گھر سے فرعون کی بُو آتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ان کی مجلس میں تیل کے چراغ سے روشنی کی جاتی تھی اور شمع روشن نہیں کی جاتی مگر کبھی کبھی اور مولانا کہتے تھے۔ ھٰذَا لِلْمُلُوْکِ وَھٰذَا لِلصَّعْلُوْکِ ہے اور یہ فقیروں کے لیے ہے[1]۔ ایک دن مولانا کی مجلس میں شیخ اوحدالدین کرمانی کا قصہ چل پڑا کہ وہ عشق باز تھے لیکن پاک باز تھے۔ ناشائستہ کام نہ کرتے تھے۔ مولانا نے فرمایا، کاش وہ کرتے اور گزر جاتے۔

اے برادر بے نہایت در گہے ست — ارے بھائی اس کی درگاہ بے نہایت ہے۔

بہر ہر آنچہ میرسی بروے مایئست — خواہ تو کتنا ہی بدحال اور خطاکار ہو اسکے ہاں اسکی کوئی حقیقت نہیں۔

ایک دن فرماتے تھے کہ رباب کی آواز بہشت کا دروازہ کھلنے کی آواز ہے جو کہ ہم سُنتے ہیں۔ ایک منکر نے کہا ہم وہ آواز سُنتے ہیں پھر کیا بات ہے کہ ہم ویسے گرم نہیں ہوتے جیسے مولانا ہوتے ہیں حضرت مولوی نے فرمایا، کَلَّا وَحَاشَا۔ جو کچھ ہم سنتے ہیں۔ وہ اس دروازہ کے کھلنے کی آواز ہے اور جو کچھ تُو سُنتا ہے وہ بند ہونے کی آواز ہے۔ اور فرمایا، ایک شخص کسی درویش کی خلوت میں آیا۔ اُس نے کہا، اکیلا کیوں بیٹھا ہے۔ درویش نے جواب دیا اس وقت تنہا ہوا ہوں جبکہ تو آیا ہے۔ اور مجھے حق سے روکنے والا ہوا[3]۔ ایک جماعت نے حضرت مولوی سے امامت کے لیے درخواست کی اور حضرۃ مولانا شیخ صدر الدین قونیوی بھی اس جماعت میں موجود تھے۔ مولانا رُومی نے فرمایا:

---

[1] یعنی شمع بادشاہوں کے ہاں روشن کی جاتی ہے اور تیل والا دیا فقیروں کے ہاں [2] میرے استاد حضرت و شیخ اوّل مخدومی حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی قدس اللہ سرّہٗ اس شعر کو اکثر ترنم اور آواز سے پڑھتے تھے کہ نزدیک اور دُور والے سب ہی سُنتے تھے اور ان الفاظ میں پڑھا کرتے تھے ؎ اے برادر بے نہایت در گہے ست — ہرچہ بروے می رسی بروے مایئست

فقیر کے نزدیک حضرت کے شعر کا وزن نہیں ٹوٹتا اور کتاب میں جو منقول ہے اس میں سکتہ آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خواہ تم کتنے ہی گنہگار ہو اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے [3] ہرگز نہیں اور بالکل نہیں پہلے میں اللہ کے ساتھ مشغول تھا تنہا نہیں تھا۔ جب تو آیا تُو نے مجھے خُدا سے ہٹا کر اپنے میں لگا لیا۔ اب میں تنہا ہوں۔

ما مردم ابدالیم بھر جائے کہ می رسیم می نشینم و می خیزیم امامت را . امامت را ارباب تصوّف و تمکین لائقند بخدمت صدر الدّین قونیوی اشارت کرد تا امام شد فرمود مَنْ صَلّٰی خَلْفَ اِمَامٍ تَقِیٍّ فَکَاَنَّمَا صَلّٰی خَلْفَ نَبِیٍّ ۔

ہم بدال لوگ ہیں جہاں پہنچتے ہیں بیٹھ جاتے ہیں اور اٹھ جاتے ہیں امامت کے لیے ۔ تصوّف و تمکین والے لائق ہیں ۔ جناب شیخ صدر الدّین قونیوی کو اشارہ کیا ، تاکہ وہ امام ہوں اور فرمایا ، جس نے پرہیز گار امام کے پیچھے نماز پڑھی وہ ایسا ہے گویا اُس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی ۔

ایک روز حضرت مولانا سماع میں تھے ۔ ایک درویش کے دل میں یہ خیال آیا کہ سوال کروں کہ فقر کیا ہے ؛ مولانا نے سماع کے دوران یہ رباعی پڑھی :

رُباعی[1]

اَلْجَوْهَرُ فَقْرٌ وَسِوَی الْفَقْرِ عَرَضٌ — فقر جوہر ہے اور فقر کے سوا سب عرض ہے ۔
اَلْفَقْرُ شِفَاءٌ وَسِوَی الْفَقْرِ مَرَضٌ — فقر شفا ہے اور فقر کے سوا سب مرض ہے ۔
اَلْعَالَمُ كُلُّهٗ خِدَاعٌ وَ غُرُوْرٌ — سارا جہان فریفتہ ہونے اور مغرور ہونے کا سبب ہے ۔
وَالْفَقْرُ مِنَ الْعَالَمِ سِرٌّ وَغَرَضٌ — اور فقر جہان کی حکمت اور اُس کی غرض و غایت ہے ۔

مولانا سے پوچھا ، درویش کب گناہ کرتا ہے ؟ فرمایا ، اُس وقت جب وہ بے بھوک[2] کے کھانا کھائے کہ بے بھوک کے کھانا کھانا درویش کے لیے گناہِ عظیم ہے ۔ اور فرمایا ، صحبت پیاری اور قیمتی چیز ہے ۔

لَا تُصَاحِبُوْا غَیْرَ اَبْنَاءِ الْجِنْسِ — ناجنسوں کے ساتھ صحبت مت رکھو[3] ۔

کہ قبول یافتہ مرید کی نشانی یہ ہے کہ بیگانہ لوگوں کے ساتھ صحبت رکھنے کی طاقت نہ رکھے اور اگر اتفاق سے وہ بیگانہ اور غیر

---

[1] "جوہر" ہر چیز کی اصل اور خلاصہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس چیز کو کہتے ہیں جو بذاتِ خود قائم ہو اور اس جواب کے مقابلہ میں عرض ہے اور عرض اس کو کہتے ہیں جو بذاتِ خود قائم نہ ہو ، بلکہ عرض کا قیام جوہر کے وسیلہ اور ذریعہ سے ہوتا ہے جیسے تختی اور اس پر لکھا ہوا ۔ تختی جوہر ہے ، مگر اس پر لکھا ہوا عرض ہے ۔ کپڑا اور رنگ ۔ کپڑا جوہر ہے اور رنگ عرض ہے ۔ (غیاث اللغات)

[2] یعنی صفتِ درویش کے ساتھ جس گناہ کا تصوّر کیا جا سکتا ہے وہ بے بھوک کھانا ہے ۔

[3] کیونکہ طبیعت چور ہے اور خفیہ راستہ سے چیزیں لے لیتی ہے اور آدمی اس سے بے خبر ہوتا ہے ۔ حافظؒ نے فرمایا :-

نخست موعظۂ پیرِ صحبت این حرفست — پیر صحبت کی پہلی نصیحت یہ ہے کہ ناجنس
کہ از مصاحبِ ناجنس احتراز کنید ۔ — مصاحب سے اپنے کو بچاؤ ۔

کی صحبت میں جا پھنسے تو وہاں ایسا رہے جیسے منافق مسجد میں اور بچہ مکتب میں۔ اور قیدی قیدخانے میں۔ آخری بیماری میں مولانا نے اپنے اصحاب اور مریدوں سے فرمایا، میرے جانے کے بعد غمناک نہ ہونا کہ منصور کے نور نے ڈیڑھ سو سال بعد شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح پر تجلّی کی اور اس کا مُرشد ہوا۔ اور فرمایا، تم جس حالت میں رہو میرے ساتھ رہنا اور مجھے یاد کرنا تاکہ مَیں تمہارا معاون و مددگار رہوں۔ خواہ کسی لباس میں بھی ہوں۔ اور یہ بھی فرمایا:

در عالم مارا دو تعلق ست یکے بہ بدن و یکے بشما چوں بعنایت حق سُبحانہٗ تفرید رُوی نماید آں تعلق نیز ازاں شما خواہد بود۔

جہان میں ہمارے دو تعلق ہیں۔ ایک بدن سے اور ایک تمہارے سے اور جب حق سبحانہٗ کی مہربانی سے اکیلا اور تنہا ہو جاؤں گا اور عالم تجرید و تفرید ظاہر ہو جائیگا تو بدن سے جو تعلق تھا وہ تعلق بھی تمہارے لیے ہو جائیگا

جناب شیخ صدرالدین قدس سرہٗ آپ کی عیادت کے لیے آئے اور فرمایا:

شَفَاکَ اللّٰہُ شِفَآءً عَاجِلاً رفعِ درجات باشد اُمّید است کہ صحت باشد خدمت مولانا جان عالم ست۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جلدی شفا دے۔ درجات بلند ہو رہے ہیں۔ اُمّید ہے کہ صحت ہو جائے گی۔ حضرت مولانا جہان کی جان ہیں۔

مولانا رومؒ نے فرمایا، اس کے بعد شفاک اللہ تمہارے لیے ہو۔ یقیناً عاشق اور معشوق کے درمیان شعر سے بڑھ کر کوئی پردہ نہیں رہا۔ تم نہیں چاہتے کہ نُور نُور کے ساتھ مل جائے۔؟

بیت: مَن شدم عُریاں ز تن اُو از خیال — مَیں بدن سے عُریاں ہوگیا وہ خیال سے[۱]
می خرامم در نہایات الوصال — مَیں وصال کی نہائتوں میں ٹہل رہا ہوں۔

شیخ صدرالدین اپنے ساتھیوں کے ساتھ رونے لگے اور حضرت مولانا نے یہ غزل فرمائی:

چہ دانی کہ در باطن — تو کیا جانے کہ میں باطن میں کس بادشاہ کو
چہ شاہے ہم نشیں دارم — ہم نشین رکھتا ہوں۔

اور حضرت مولانا نے اپنے اصحاب کی وصیّت میں اس طرح فرمایا ہے:

"اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ — مَیں تمہیں وصیّت کرتا ہوں اس تقویٰ کی۔ جس کا خدا تعالیٰ نے

---

[۱] میں بدن سے عریاں ہوگیا ہوں۔ یعنی جب نفس کا تعلق بدن کے ساتھ تھا تو اس وقت جو خیالی صُورتیں مکاشفہ میں ظاہر ہوتی تھیں ان سے آزاد و برہنہ ہوگیا ہوں۔

وَبِقِلَّۃِ الطَّعَامِ وَقِلَّۃِ الْمَنَامِ وَقِلَّۃِ الْکَلَامِ وَھِجْرَانِ الْمَعَاصِی وَالْاٰثَامِ وَمُوَاظَبَۃِ الصِّیَامِ وَدَوَامِ الْقِیَامِ وَتَرْکِ الشَّھَوَاتِ عَلَی الدَّوَامِ وَاِحْتِمَالِ الْجَفَاءِ مِنْ جَمِیْعِ الْاَنَامِ وَتَرْکِ مُجَالَسَۃِ السُّفَھَاءِ وَالْعَوَامِ وَمُصَاحَبَۃِ الصَّالِحِیْنَ وَالْکِرَامِ وَاِنَّ خَیْرَ النَّاسِ وَخَیْرَ الْکَلَامِ مَاقَلَّ وَدَلَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ

تمہیں حکم دیا کھلے میں اور چھپے میں[1] اور تھوڑا کھانے کی اور تھوڑا سونے کی اور تھوڑا بولنے کی۔ نافرمانیوں اور گناہوں کے چھوڑ دینے کی۔ اور ہمیشہ روزہ رکھنے اور ہمیشہ شب بیداری کی اور ہمیشہ کے لیے لذّتوں کے چھوڑ دینے کی اور ساری مخلوق کے ظلم اور زیادتیوں کے برداشت کرنے کی اور کم عقلوں اور عام لوگوں کی ہم نشینی اور ان کی صحبت اختیار نہ کرنے کی اور صالحین اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی۔ اور لوگوں میں سب سے زیادہ نیکیوں والے وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو نفع پہنچاتے ہیں اور سب سے اچھی بات وہ ہے جو لفظوں میں کم ہو اور مطلب پر دلالت کرتی ہو اور تعریف اس اللہ کی جو ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت کی خلافت کے لیے کون آدمی مناسب ہے؟ فرمایا، "چلپی حسّام الدّین"۔ جب یہ سوال وجواب تین بار ہو چکا تو چوتھی مرتبہ لوگوں نے کہا، سلطان وَلَد کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا،

وَے پہلوان ست حاجت بوصیّت نیست — وہ پہلوان ہے وصیّت کی ضرورت نہیں۔

چلپی حسّام الدّین نے پوچھا، آپ کی نماز کون پڑھائے گا۔ فرمایا، شیخ "صدر الدین"۔ اور فرمایا،

یاران مارا ازیں سومی کشند و مولانا شمس الدین ازاں جانب می خواند یا قَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہُ

دوست ہمیں اس طرف کھینچتے ہیں اور مولانا شمس الدین اس طرف سے یَا قَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ[2] پڑھتے ہیں۔

جانا ضروری ہے۔ چنانچہ غروبِ آفتاب کے وقت ۵ رجادی الآخر ۶۷۲ھ کو آپ نے وفات پائی۔

شیخ مویّد الدین جُندی سے لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت شیخ صدر الدین حضرت مولانا کی شان میں کیا کہتے تھے۔ کہا، واللہ ایک دن شیخ اپنے خاص یاروں مثلاً شمس الدین ایکی اور فخر الدین عراقی اور شرف الدین موصلی اور شیخ سعید فرغانی

---

[1] یعنی باطن اور ظاہر میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی مَیں تم کو وصیّت کرتا ہوں۔

[2] اے ہماری قوم اللہ کی طرف بُلانے والے کی بات مان لو اور اس کا خیال رکھو جو خدا تعالیٰ کی طرف بُلاتا ہے اور مولانا شمس الدین کے موافق ہو جاؤ جو خدا تعالیٰ کی طرف بُلاتے ہیں۔

وغیرہم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا کی سیرت اور عادت و خصلت کے متعلق بات ہونے لگی۔ حضرت شیخ نے فرمایا:

"اگر بایزید و جنید دریں عہد بودندے غاشیہ این مردِ مردانہ را برگرفتندے و منت بر جان خود نہادندے خوان سالارِ فقر محمدی اوست ما بطفیل وے ذوق می کنیم ہمہ اصحاب انصاف دادند و آفرین کردند۔"

اگر بایزید اور جنید اس زمانہ میں ہوتے تو اس مردِ مردانہ کے غاشیہ بردار ہوتے اس کے پلّے کو پکڑتے اور اپنے اُوپر بڑا احسان سمجھتے فقر محمدی کے خوان کا سالار وہ ہے۔ ہم اسکے طفیل میں مزے لے رہے ہیں۔ تمام اصحاب نے اسکی تائید کی اور داد دی۔

اس کے بعد شیخ مؤیّد نے کہا، مَیں بھی اس سلطان کے نیاز مندوں سے ہوں اور یہ شعر پڑھا،

لَوْكَانَ فِينَا لِلْأُلُوهِيَّةِ صُورَةٌ
هِيَ أَنْتَ لَا أَكْنِي وَلَا أَتَرَدَّدُ

اگر ہم میں خدائی کے لیے کوئی صورت ہوتی[1] تو وہ تم ہی ہوتے نہ میں کنایہ کرتا ہوں نہ تردد اور شک سے کہتا ہوں۔

۳۹۴ حضرت مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داؤد التبریزی رحمۃ اللہ تعالےٰ

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے القاب میں یہ الفاظ لکھے ہیں:- اَلْمَوْلَى الْأَعَزُّ الدَّاعِيْ إِلَى الْخَيْرِ

میرے عزیز ترین دوست خیر کیطرف دعوت دینے والا

خُلَاصَةُ الْأَرْوَاحِ سِرُّ الْمِشْكٰوةِ
وَالزُّجَاجَةِ وَالْمِصْبَاحِ شَمْسُ الْحَقِّ
وَالدِّيْنِ نُوْرُ اللّٰهِ فِي الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ

رُوحوں کا جوہر اور خلاصہ، طاق[2] اور شیشے کا قندیل اور چراغ کا بھید حق اور دین کا آفتاب۔ پہلوں پچھلوں میں اللہ کا نُور۔

مولانا شمس الدین نے خود بیان کیا کہ میں مکتب میں تھا اور قریب بلوغ نہ ہوا تھا۔ اگر مجھ پر چالیس دن بھی گزر جاتے

---

[1] یعنی بالفرض اگر ہم مخلوقات میں اللہ کے لیے کوئی صورت اور نمونہ ہوتا تو وہ صورت آپ ہوتے اور میں اس بات کو اشاروں کنایوں میں نہیں کہتا ہوں، بلکہ صریح اور کھلے الفاظ میں کہتا ہوں۔ اور مجھے اس معاملہ میں کوئی تردّد اور کوئی شک نہیں۔

[2] مشکوٰۃ کے معنی طاق، زجاجہ کے مُراد شیشہ کا قندیل اور مصباح سے مراد چراغ ہے۔ رُوح البیان جلد۶ صفحہ ۱۰۱ پر ہے۔ مومن کا سینہ مشکوٰۃ طاق ہے اور سینہ میں جو اس کا دل ہے وہ شیشہ کا قندیل ہے اور چراغ اس کا ایمان ہے۔ اور جس طرح شیشہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ ادنیٰ آفت سے ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح دل اَدنیٰ سی آفت سے جو اس میں داخل ہو خراب ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں معرفت مانند چراغ کے ہے جو جلدی بجھ جاتی ہے اور مومن کا دِل شیشہ کی مانند ہے جلدی ٹوٹ جاتا ہے۔ اس پر تنبیہ ہے کہ وہ پُرخطر ہے۔ اس کی پوری حفاظت کرو۔ صُوفیاء کے نزدیک مصباح سے مراد نفسِ انسانیت ہے اور مشکوٰۃ اس کی ہمّت اور شیشہ اس کا دِل ہے۔

تو سیرتِ محمدی کے عشق کے باعث مجھے کھانے کی آرزو نہ ہوتی۔ اگر لوگ کھانے کی بات کرتے تو ہاتھ اور سر سے ان کو منع کر دیتا۔ مولانا شیخ ابوبکر سلہ باف[1] تبریزی کے مرید تھے۔ بعض کہتے ہیں شیخ رکن الدین سنجاسی کے مرید تھے اور بعض کہتے ہیں کہ بابا کمال جندی کے مرید تھے۔ اور ممکن ہے کہ وہ ان سب حضرات کی صحبتوں میں رہے ہوں۔ اور ان سے تربیت پائی ہو۔ آخر حال میں ہمیشہ سفر میں رہے اور کالا نمدہ[2] پہنتے تھے اور جہاں جاتے تھے قافلہ سرائے میں ٹھہرتے تھے۔ کہتے ہیں جب بغداد کے خطہ میں پہنچے تو شیخ اوحدالدین کرمانی سے ملاقات ہوئی۔ ان سے پوچھا، کس شغل میں ہو؟ اُنھوں نے کہا، "ماہ را در طشت آب می بینم۔" (چاند کو پانی کے طشلہ میں دیکھتا ہوں[3]) مولانا شمس الدین نے کہا اگر گردن پر پھوڑا نہیں رکھتا تو اُس کے آسمان پر کیوں نہیں دیکھتا۔ اور کہتے ہیں جس زمانہ میں مولانا شمس الدین بابا کمال جُندی کی صحبت میں رہتے تھے شیخ فخرالدین عراقی بھی شیخ بہاؤالدین ذکریا کے حکم سے وہاں رہتے تھے اور جو فتح اور کشف شیخ فخرالدین عراقی کو ہوتی تھی اس کو نظم و نثر کے پیرایہ میں ظاہر کرتے اور بابا کمال جندی کی نظر سے گزار دیتے تھے۔ شیخ شمسُ الدین ان میں سے کسی چیز کا اظہار نہ کرتے تھے۔ ایک دن بابا کمال نے ان سے کہا، بیٹے شمسُ الدین! وہ اسرار و حقائق جو فرزند فخرالدین عراقی ظاہر کرتا ہے ان میں سے تجھ پر کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا؟" مولانا نے کہا، اس سے بڑھ کر مشاہدہ میں آتے ہیں، لیکن اس وجہ سے کہ وہ بعض علوم کی اصلاحات اختیار کرتا ہے۔ اس لیے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اچھے لباس اور پیرایہ میں ظاہر کرے۔ اور مجھ کو اس کی قوت نہیں۔ بابا کمال نے فرمایا کہ:-

حق تعالیٰ ترا مصاحبے روزی کند کہ معارف و حقائق اولین و آخرین را بنام تو اظہار کند و ینابیع حکم از دل او بر زبانش جاری شود۔ و بلباس حرف و صوت در آید طراز آں لباس نام تو باشد۔

حق تعالیٰ تجھے ایسا مصاحب عطا فرمائیگا جو اولین و آخرین، پہلوں پچھلوں کے علوم و حقائق کو تیرے نام سے ظاہر کرے گا اور حکمتوں کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہونگے اور الفاظ اور آواز کے لباس میں آئینگے اور اس لباس کی سجاوٹ اور زینت تیرا نام ہوگا۔

کہتے ہیں مولانا شمسُ الدین ۶۴۲ھ کے مہینوں میں مسافرت کے درمیان قونیہ میں پہنچ کر شکر ریزاں کے گھر (سرائے)

---

[1] ٹوپیاں بنانے والے [2] اُون کا کالا کمبل [3] مطلب یہ ہے کہ صورتوں کے مظاہر میں اس کو دیکھتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا، اگر گردن پر پھوڑا نہیں رکھتا یعنی اگر مظاہر صوری میں مقید نہیں تو اس کے آسمان کو کیوں نہیں دیکھتا۔ یعنی صورتوں کے مظاہر کے ماسوای ذات کی بلندی اسماء و صفات کے مراتب عالی میں کیوں نہیں دیکھتا۔ اس جماعت کے نزدیک کمال یہ ہے کہ جمع اور تفرقہ میں نہ کرے، کیونکہ جمع اور تفرقہ میں مقید رہنا تیرے ناقص ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔

میں قیام فرما ہوئے اور جناب مولانا رُومی اس زمانہ میں علوم کی تدریس میں مشغول تھے۔ ایک دن فضلاء کی جماعت کے ساتھ مدرسہ سے باہر نکلے اور شکر ریزاں کے سرائے کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ حضرت مولانا شمسُ الدّین سامنے آئے اور مولانا کی سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا،

"یا امام المسلمین بایزید بزرگ ست — اے امام المسلمین بایزید بڑے بزرگ ہیں۔
یا مُصطفیٰ صَلّی علیہ و آلہٖ وسلّم"۔ — یا مُصطفیٰ صَلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم۔

مولانا نے کہا، اس سوال کی ہیبت سے ایسا معلوم ہوا گویا ساتوں آسمان ایک دُوسرے سے جُدا ہو گئے اور زمین پر گر پڑے۔ اور بڑی آگ میرے دِل سے نکل کر میرے دماغ کو پہنچ گئی۔ اور مَیں نے دیکھا کہ وہاں ایک دُھواں عرش کے پایہ تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد مَیں نے جواب دیا کہ مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سارے جہانوں کی مخلوق سے بُزرگ ترہیں۔ بایزید کس جگہ میں ہے ؟ مولانا شمسُ الدّین نے کہا، پس اس کا کیا مطلب ہے کہ مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم فرماتے ہیں کہ:

مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ — ہم نے تجھے نہیں پہچانا جیسے کہ تیری پہچان کا حق ہے[1]۔

اور ابو یزید کہتے ہیں:

سُبْحَانَ مَا اَعْظَمُ شَانِی وَاَنَا — مَیں پاک ہوں اور میری شان کتنی بڑی ہے
سُلْطَانُ السَّلَاطِیْن۔ — اور مَیں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ مَیں نے یہ جواب دیا کہ "ابو یزید کی پیاس ایک گھونٹ سے بُجھ گئی۔ اس لیے وہ سیرابی کا دَم بھرنے لگا۔ اس کے ادراک کا کوزہ اس سے بھر گیا۔ حالانکہ وہ نُور اس کے گھر[2] کے سوراخ کے برابر تھا، لیکن مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مستسقی کی پیاس اور پیاس میں پیاس تھی اور آپ کا سینۂ مُبارک اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ" کی شرح کے ساتھ "اَرْضُ اللہِ وَاسِعَۃٌ" بن گیا تھا۔ اس لیے آپ نے پیاس کا دَم مارا اور ہر روز قُربت کی زیادتی کی اِستدعا میں رہے۔ یہ سُن کر شمسُ الدّین نے نعرہ مارا اور گر پڑے۔ مولانا خچر سے نیچے اُتر آئے اور شاگردوں سے فرمایا، ان کو اٹھائیں اور مدرسہ لے چلیں۔ خود بھی مدرسہ میں آئے اور جب تک ان کو ہوش نہ آیا اُن کا سرِ مبارک زانو پر رکھے رہے۔ ہوش آنے کے بعد اُنھوں نے مولانا کا ہاتھ پکڑا

---

[1] اس ضمن میں شعر مشہور ہے ؎ لایمکن الثّناء کما کان حقّہٗ — بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر
تیری تعریف جیسا کہ حق ہے ممکن نہیں۔ قصّہ مختصر یہ کہ خدا تعالیٰ کے بعد تُو ہی بزرگ ہے۔ یعنی خدا کے بعد بڑی شان والے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی ہیں۔ [2] اس کے ظرف یعنی دل کے برابر۔

اور چل پڑے۔ تین مہینہ تک رات دِن صومِ وصال کے ساتھ خلوت میں ایسے بیٹھے رہے کہ بالکل باہر نہ نکلے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی شخص ان کی خلوت میں چلا جائے۔ ایک دِن مولانا شمسُ الدّین نے مولانا سے محبوب کی درخواست کی۔ مولانا اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر سامنے لے آئے۔ آپ نے فرمایا، یہ تو میری آپا جان ہیں۔ مَیں ایک نازنین لڑکا چاہتا ہوں۔" مولانا نے اُسی وقت اپنے فرزند سلطان ولد کو پیش کیا۔ فرمایا، یہ تو میرا بیٹا ہے۔ اب اگر تھوڑی سی شراب ہاتھ لگ جاتی تو مزے لے لیتا۔ مولانا باہر آئے اور آتش پرستوں کے محلّہ سے ایک گھڑا شراب کا بھر کر اپنے کندھے پر رکھ لائے۔ فرمایا :-

من قوّت مطاوعت و وسعت مشرب مولانا را امتحان می کردم واز ہرچہ گویند زیادتست۔

میں مولانا کی موافقت کی قوّت اور مشرب کی فراخی کا امتحان کرتا تھا۔ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس سے وہ بڑھ کر ہے[1]۔

فرمایا، کہ میں ان مشائخ سے پوچھتا ہوں کہ "لِیْ مَعَ اللہِ وَقْتٌ" (یہ وقت ہمیشہ رہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہمیشہ نہیں رہتا) مترجم کہتا ہے کہ یہ حدیثِ نبوی کا ایک حصّہ ہے اور اس کے معنٰی یہ ہیں کہ حضورؐ فرماتے ہیں حق سُبحانہٗ کے ساتھ میرا ایک حال ہوتا ہے کہ اس حال میں نہ کوئی مقرب فرشتہ مجھ میں سماتا ہے اور نہ نبی مرسل اور یہ حال اس وقت ہوتا ہے کہ جب کسی کا دل غیرِ حق سے خالی ہوتا ہے کہ دل کا غیر سے خالی ہونا غیر کی گنجائش نہ ہونے کا مُستلزم ہے اور یہ حالت نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع کے بقدر بلحاظ تبعیت اولیاءِ اُمّت کے لیے بھی ظاہر ہوتا ہے اور اس مطلب کا دَوام اولیاء میں کبھی کبھی اور کم ہوتا ہے[2]۔ اور منجملہ ان کے شیخ شمسُ الدّین کا حال بھی ان نوادرات میں ہے۔ جیسے کہ ان کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ اور فرمایا، حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اُمّت میں سے ایک شخص نے ایک درویش کے لیے دُعا کی اور کہا، "خدائے تعالیٰ تجھے جمعیت دے۔" اُس نے کہا، "ہائے ہائے یہ دُعا نہ کر، میرے لیے یہ دُعا کر، اے رَب! اس سے جمعیّت کو اُٹھا لے خدایا اس کو تفرقہ دے، کیونکہ میں جمعیت میں عاجز ہو گیا ہوں۔" اور فرمایا کہ ایک نے کہا، غُسل خانہ میں حق کا نام نہ کہنا چاہیئے اور قرآن نہ پڑھنا چاہیئے، مگر آہستہ دِل میں۔" مَیں نے کہا، اس کا کیا کروں کہ اس کو اپنے سے جدا نہیں کر سکتا۔ بادشاہ گھوڑے سے نہیں اُترتا گھوڑا بیچارہ کیا کرے۔" بعض لوگوں نے کہا کہ جب مولانا شمسُ الدّین قونیہ پہنچے اور مولانا کی مجلس میں پہنچے تو مولانا

---

[1] یہ سارا قصّہ میں نے تامّل کے بعد لکھا، ورنہ آج کل کے دَور میں نہ کوئی مولانا شمسُ الدّین جیسا مجاہدات حال وقال والا پیر ہے اور نہ مولانا رومی جیسا صاحبِ علم اور صاحبِ حال کوئی مرید ہے۔ مولانا نے کشفی طور سے جان لیا تھا کہ شیخ شمسُ الدّین کی غرض صحیح ہے کہ وہ مرید کی آزمائش کر رہے ہیں حقیقت سے اس کا دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ بہر حال صُوفیاء کے احوال کی تقلید شرع شریف کے سامنے کوئی اہمیّت نہیں رکھتی۔

[2] یعنی کسی کسی ولی کو ہوتا ہے اور مولانا شمسُ الدّین انہی اولیاء میں شامل ہیں۔ جن پر یہ حال ہمیشہ رہتا تھا۔

حوض کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور چند کتابیں اپنے سامنے رکھی ہوئی تھیں۔ شیخ نے پوچھا "یہ کیا کتابیں ہیں؟" مولانا نے فرمایا "ان کو قیل وقال کہتے ہیں۔" "آپ کا اس سے کیا کام؟" حضرت مولانا شمس الدین نے ہاتھ بڑھایا اور ساری کتابوں کو پانی میں ڈال دیا۔ حضرت مولانا نے بڑے افسوس کے ساتھ کہا، "ہے درویش چہ کردی؟" (ہائے درویش تُو نے یہ کیا کر دیا) ان کتابوں میں کچھ کتابیں میرے والد کے فوائد تھے جو پھر نہیں ملیں گی۔ شیخ شمس الدین نے پانی میں ہاتھ ڈالا۔ ساری کتابیں ایک ایک کر کے باہر نکال دیں، مگر کسی کتاب میں پانی نے اثر نہ کیا تھا۔ حضرت مولانا نے کہا، "یہ کیا راز ہے؟" شیخ شمس الدین نے کہا کہ یہ ذوق اور حال ہے۔ تیرا اس سے کیا واسطہ اور تجھے اس کی کیا خبر۔ اس کے بعد ان دونوں حضرات نے ایکدوسرے کے ساتھ صحبت رکھی اور ایک دُوسرے کے پاس آتے جاتے رہے۔ جیسے پہلے لکھا گیا۔ ایک رات حضرت شمس الدین خلوت میں مولانا کے ساتھ بیٹھے ہُوئے تھے۔ ایک شخص نے دروازہ کے باہر سے شیخ کو اشارہ کیا کہ باہر آئیں۔ اُسی وقت اُٹھ گئے اور مولانا سے کہا، "مجھے قتل کے لیے بُلاتے ہیں۔ بہت توقّف کے بعد مولانا نے کہا، اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ[1]۔ سات آدمی ایک دُوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے گھات میں کھڑے تھے۔ اُنہوں نے چھری چلائی۔ شیخ نے ایسا نعرہ مارا کہ وہ سب بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اور ان میں سے ایک آدمی علاؤ الدین محمد تھا جو مولانا کا فرزند تھا اور وہ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ[2] کے داغ سے داغدار تھا۔ جب وہ جماعت ہوش میں آئی تو اُنہوں نے سوائے خُون کے چند قطروں کے اور کچھ نہ دیکھا۔ اور اس روز سے اب تک اس باطن کے بادشاہ کا نشان ظاہر نہیں ہوا۔ یہ واقعہ ۶۴۵ھ کے مہینوں میں پیش آیا اور وہ سب نالائق ایک ایک کر کے بلا میں مبتلا ہوئے اور ہلاک ہو گئے۔ علاؤ الدین محمد کو عجیب بیماری پیدا ہوئی اور انہی دنوں میں وہ فوت ہو گیا۔ اور حضرت مولانا اس کے جنازہ پر نہیں آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت شیخ شمس الدین مولانا بہاؤ الدین کے پہلو میں مدفون ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان نالائقوں نے شیخ کے بدن مبارک کو کنویں میں ڈال دیا تھا۔ ایک رات سلطان وَلد نے خواب میں دیکھا کہ شیخ شمس الدین نے اشارہ کیا کہ میں فلاں کنویں میں سوتا ہوں۔ تب آدھی رات کو رازدار دوستوں کو جمع کیا اور مولانا کے مدرسہ میں بانی امیر بدر الدین کے پہلو میں دفن کیا اور اللہ ہی خُوب جاننے والا ہے۔

---

[1] دیکھو اور آگاہ رہو اس کے لیے خاص ہے عالم جسمانی کی ایجاد اور عالمِ مجرّد، عالم بھی اسی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے۔ جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ سارے موجودات اس کے خیر کے آثار و نشانات ہیں۔

[2] بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔

۲۹۵ حضرت شیخ صلاح الدّین فریدون اَلقُونیوِی المعروف زرکوب رحمۃ اللہ تعالیٰ

ابتدائی حال میں سیّد برہان الدّین محقق ترمذی کے مُرید تھے۔ ایک دن حضرت مولانا زرکوبوں کے محلّہ سے گزر رہے تھے۔ ان کی چوٹ کی آواز سے مولانا میں حال ظاہر ہوا۔ مولانا گھُومنے لگے۔ شیخ صلاح الدّین الہام کے ذریعے دُوکان سے کُود کر باہر آئے۔ اور مولانا کے قدم پر سر رکھ دیا۔ حضرت مولانا نے اس کو بغل میں لے لیا اور بڑی مہربانی فرمائی۔ حضرت مولانا ظہر کی نماز سے عصر کی نماز تک سماع میں رہے اور یہ غزل پڑھتے رہے۔

یکے گنج پدید آمد دریں دُکانِ زرکوبی
زہے صورت زہے معنیٰ زہے خوبی زہے خوبی

اس زرکوبی کی دکان میں ایک خزانہ نکل آیا۔ کتنی پیاری صُورت ہے اور کتنی پیاری سیرت۔ واہ واہ، واہ واہ کیسا خوبیوں والا جوہر ہے۔

شیخ صلاح الدّین نے فرمایا، "دکان لوٹ لو۔" اور دونوں جہان سے آزاد ہو گئے اور مولانا کی صحبت میں رَوانہ ہوئے۔ حضرت مولانا عشق بازی جو شیخ شمسُ الدّین سے کرتے تھے وہ شیخ صلاح الدّین سے کرنے لگے۔ دس سال تک ان سے پوری نسبت اور دوستی رکھی۔ ایک دن اُنہوں نے حضرت مولانا سے دریافت کیا۔ "عارف کون ہے؟" فرمایا،

"آنکہ از سرِّ تو سخن گوید و تو خاموش باشی و آں چُناں مرد صلاح الدّین است۔"

وہ جو تیرے دل کی بات کہے اور تُو خاموش رہے اور ایسا مرد صلاح الدّین ہے۔

جب سلطان وَلد بالغ ہو گئے تو حضرت مولانا نے شیخ صلاح الدّین کی صاحبزادی سے ان کا رِشتہ کیا۔ اور چلپی عارف اس لڑکی سے پیدا ہوئے۔ حضرت شیخ صلاح الدّین "قُونیہ" میں مولانا بہاؤ الدّین کے قریب دفن ہوئے۔

۲۹۶ حضرت شیخ حسام الدّین حسن بن مُحمّد بن الحسین ابن اخی تُرک رحمۃ اللہ تعالےٰ

جب شیخ صلاح الدّین جوارِ رحمتِ حق سے جا ملے تو حضرت مولانا کی توجہات و عنایات اور خلافت چلپی حسام الدین کو مُنتقل ہو گئی اور عشق و محبت کی بُنیاد ان سے رکھی اور مولانا کی مثنوی کے نظم کرنے کا موجب یہ ہوا کہ جب چلپی حسام الدّین نے "الٰہی نامہ حکیم سنائی" "شیخ فرید الدّین عطّار کی منطق الطّیر" اور "مصیبت نامہ" کی طرف اصحاب کی رغبت کو معلوم کیا تو اُنہوں نے حضرت مولانا سے درخواست کی کہ غزلیات کے اسرار بہت ہو گئے ہیں۔ اگر سنائی کے "الٰہی نامہ" یا "منطق الطّیر" کی طرز پر کوئی کتاب منظوم ہو جائے تو بہت اچھا ہو، تاکہ دوستوں کے لیے یادگار رہے تو بے انتہار عنایت ہو گی۔ حضرت مولانا نے اُسی وقت اپنی دستار کے پیچ سے ایک کاغذ نکال کر چلپی

حسام الدین کو دیا۔ اس میں وہ اٹھارہ بیت لکھے ہوئے تھے جس کو اُنھوں نے مثنوی کے اوائل میں لکھا۔ اس جگہ سے کہ

بشنو از نے چوں حکایت می کند — نے سے سُن کہ وہ کیا قصّہ کرتی ہے

از جدائیہا شکایت می کند — وہ جدائیوں کی شکایت کرتی ہے۔

اور اس مصرع پر اختتام کیا ع پس سخن کوتاہ باید والسّلام = پس بات کو ختم کرنا چاہیئے۔

پھر مولانا نے فرمایا، اس سے قبل کہ تمہارے دِل سے یہ داعیہ سر نکالے عالَمِ غیب سے میرے دل میں یہ القار کیا گیا تھا کہ اس قسم کی ایک کتاب نظم کی جاوے اور پورے اہتمام سے مثنوی کی نظم کو شروع کیا جائے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ اوّل رات سے صبح تک جناب مولانا لکھاتے تھے اور چلپی حسام الدین لکھتے تھے اور اس سارے لکھے ہوئے کو حضرت مولانا کے سامنے بلند آواز سے پڑھتے اور جب پہلی جلد اختتام کو پہنچ گئی تو چلپی حسام الدین کی اہلیہ وفات پا گئیں۔ پس درمیان میں سلسلہ منقطع ہو گیا۔ دو سال کے بعد چلپی حسام الدین نے حضرت مولانا کی خدمت میں پوری عاجزی سے باقی مثنوی کی تکمیل کی درخواست کی۔ جیسے کہ دُوسری جلد کے شروع میں اس کا اشارہ کیا ہے۔

مُدّتے ایں مثنوی تاخیر شُد — عرصہ تک یہ مثنوی مؤخر رہی۔

مُہلتے بایست تا خوں شیر شُد — مہلت چاہیئے تھی تاکہ خُون دُودھ بن جائے۔

اس کے بعد کتاب کے آخر تک حضرت مولانا لکھاتے جاتے اور چلپی حسام الدین لکھتے رہتے تھے۔ ایک دن چلپی حسام الدین نے کہا، جس وقت کچھ اصحاب مخدومی کی مثنوی کو پڑھتے ہیں۔ اور اہلِ حضُور اس کے نُور میں مُستغرق ہو جاتے ہیں تو میں دیکھتا ہوں اہلِ غیب کی ایک جماعت ہاتھ میں دو شاخہ تلواریں لیے حاضر ہوتی ہے۔ جو کوئی اخلاص سے اس کیطرف کان نہیں لگاتا۔ اس کے ایمان کی جڑ اور دین کی شاخوں کو کاٹ دیتے ہیں اور کھینچتے ہوئے دوزخ کے ٹھکانے میں لے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا ایسا ہی ہے جیسا تُو نے دیکھا۔

دُشمنِ ایں حرف ایندم در نظر — اس کلام کا دُشمن اس وقت دوزخ میں

شُد ممثّل سر نگوں اندر سقر — ذلیل صورت میں گر رہا ہے۔

اے حسام الدین تو دیدی حالِ اُو — اے حسام الدین تو نے اس کا حال دیکھ لیا۔

حق نموُوت پاسخ افعالِ اُو — حق تعالیٰ نے اس کے افعال کا انجام تجھے دکھلا دیا۔

۳۹۷ حضرت سُلطان ولد قدس اللہ روحہٗ

شب ہفتہ المتوفیٰ ۱۰، رجب ۷۱۲ھ۔ اُنہوں نے سیّد بُرہان الدین محقق اور شیخ شمس الدین تبریزی کی شایانِ شان خدمتیں کیں تھیں،

شیخ صلاح الدّین اپنے خسر کے ساتھ پوری پوری عقیدت رکھتے تھے اور ۱۵ سال چلپی حسام الدّین کو اپنے والد کا جانشین اور خلیفہ سمجھا اور کئی سال تک اپنے والد کے کلام کی فصیح زبان اور فصیح بیان سے تقریر کرتے رہے۔ ان کی ایک مثنوی بھی ہے جو حکیم سنائی کی کتاب "حدیقہ" کے وزن پر ہے۔ اس میں بہت سے معارف و اسرار درج کیے ہیں۔ حضرت مولانا نے بہت دفعہ ان کو خطاب کیا۔ "اَنۡتَ اَشۡبَهُ النَّاسِ بِیۡ خَلۡقاً وَّ خُلُقاً"۔ از روئے صورت و سیرت اور اخلاق کے لوگوں میں سب سے زیادہ تو میرے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اِن سے بہت پیار رکھتے تھے۔ کہتے ہیں جلی قلم سے اپنے مدرّسہ کی دیوار پر لکھا ہوا تھا۔

بہاؤ الدّین ما نیک بخت وخوشش زیست و خوشش می رود۔ ہمارا بہاؤ الدّین خوش نصیب ہے۔ اچھے حال میں جیا اور اچھے حال میں جائے گا اور اللہ زیادہ علم والا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن ان پر نوازش فرماتے کہتے تھے۔ بہاؤ الدّین اس عالم میں میرا آنا تیرے ظاہر ہونے کی وجہ سے تھا۔ اور یہ ساری باتیں میرا قول ہے اور تو میرا فعل۔ ایک روز مولانا نے ان سے کہا، "دمشق" جا اور مولانا شمسُ الدّین کو تلاش کر اور اتنا سونا اور چاندی اپنے ساتھ لے جا اور اُس سلطان کی جوتیوں میں ڈال دے اور اُن کی مبارک جوتی کو رُوم کی طرف پھیر دے۔ جب تو دمشق پہنچے تو "صالحیہ" میں ایک مشہور سرائے جس کو یکسرہ بھی کہتے ہیں۔ وہاں جانا۔ تو ان کو وہاں پائے گا جو فرنگی کے ایک بچہ کے ساتھ شطرنج کھیلتے ہوں گے۔ جب وہ بازی جیت لیتے ہیں تو اُس سے سونا لے لیتے ہیں اور جب وہ لڑکا جیت جاتا ہے تو وہ تھپڑ کھاتے ہیں۔ خبردار بے اعتقادی نہ لانا، کیونکہ وہ لڑکا بھی اسی گروہ میں سے ہے۔ لیکن وہ اپنے کو جانتا نہیں۔ مولانا چاہتے ہیں کہ اس کو اس کا شناسا[1] کر دیں۔ جب سُلطان وَلد دمشق کی طرف گئے تو مولانا شمس الدّین کو اسی جگہ پایا۔ جس جگہ کا اُنھوں نے پتہ دیا تھا اور اس بچہ سے شطرنج کھیل رہے تھے۔ سلطان وَلد اور ان کی جماعت کے ساتھیوں نے اُن کے سامنے سر رکھ دیا اور زار و قطار رونے لگے۔ فرنگی کے بچہ نے جب یہ حال دیکھا تو اس کو مولانا کی بزرگی معلوم ہوئی۔ وہ اپنی بے ادبیوں پر نادم ہوا۔ سر ننگا کیا اور ایمان لے آیا اور مولانا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے چاہا کہ جو کچھ وہ رکھتا ہے اس کو لٹا دے۔ مولانا شمس الدّین نے اس کی اجازت نہ دی۔ اور فرمایا فرنگستان میں واپس جا اور اس ملک کے شرفاء کو عزّت والا بنا اور اس جماعت کا قُطب بن۔ اس کے بعد سلطان وَلد جو کچھ سونا چاندی وہ اپنے ساتھ لائے تھے مولانا کی جوتیوں میں ڈال دیا اور ان کے جوتوں کو رُوم کی طرف پھیر دیا۔ اور زبان سے مولانا رُوم اور رُوم کے

---

[1] مطلب یہ کہ عارف بنادیں۔

تمام مخلصین کی طرف سے اِستدعا کی - آپ نے قبول فرمایا، جو گھوڑا آپ رکھتے تھے اس کو کسا۔ مولانا شمسُ الدّین سوار ہوئے اور سلطان وَلد پیدل ان کی رکاب میں رَوانہ ہوئے - مولانا شمسُ الدّین نے فرمایا، بہاؤ الدّین سوار ہو جا، تو اُنھوں نے زمین پر سر رکھا اور کہا،

کہ شاہ سوار و بندہ سوار این ہرگز روا نہ باشد از دمشق تا قونیہ بہ در رکاب وے پیادہ غاشیہ بر دوش رفت، چوں بقونیہ رسید - مولانا شمسُ الدّین خدمتہائے سلطان ولد را با مولانا تقریر می کرد و می گفت کہ مَن ویرا چنیں گُفتم و وے جوابم چنیں می داد و بشاشت بسیار می نمود پس گفت مرا از موہبت حق تعالیٰ دو چیز ست سَر و سِرّ - سر را در راہ مولانا با خلاص فدا کردم - و سِرّ بہ بہاؤ الدّین ولد بخشیدم - اگر بہاؤ الدّین را عمر نوح بودے و ہمہ را درین راہ صرف کردے آتش میسّر شدے کہ درین سفر از من بوئ رسید اُمید ست کہ از شما نیز نصیب ہا باید۔

کہ بادشاہ سوار ہو اور غلام سوار ہو یہ بالکل نہ ہوگا - وہ دمشق سے قونیہ تک آپ کی رکاب میں غاشیہ بر دوش پیدل گئے - جب قونیہ میں پہنچ گئے تو مولانا شمسُ الدّین نے مولانا رُومی سے سلطان ولد کی خدمات کا تفصیل سے ذِکر کیا اور کہتے تھے مَیں اُسے ایسا کہتا تھا اور وہ مجھے ایسا جواب دیتا تھا اور بڑی خوشی کا اظہار فرماتے رہے - پھر فرمایا، حق تعالیٰ کی عنایات اور بخششوں میں سے میرے لیے دو چیزیں ہیں سَر اور سِرّ - سَر کو مولانا کی راہ میں اخلاص کے ساتھ فدا کر چکا ہوں اور سِرّ کو بہاؤ الدّین ولد کو بخش دیا - اگر بہاؤ الدّین کی عمر نوحؑ کے برابر ہوتی - اور سب کو اس راہ میں خرچ کر دیتا تو وہ آگ سوزِ محبّت اس کو میسّر نہ ہوتی جو اس سفر میں اس کو مجھ سے پہنچی، اُمید ہے کہ آپ سے بھی حصّے پائے گا۔

جب حضرت مولانا رُومیؒ کا وصال ہو گیا اور جوارِ رحمت سے جا ملے تو سات دِن کے بعد چلپی حسّامُ الدّین اُٹھے اور تمام جماعت کے ساتھ سلطان وَلد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا، میں چاہتا ہوں کہ آج کے بعد والد کی جگہ پر آپ بیٹھیں اور مخلصوں اور مریدوں کو ارشاد فرمائیں - ہمارے شیخ بن کر رہو اور میں آپ کی رکاب میں کندھے پر زین پوش رکھے ہوئے غلامی کروں اور[1] شعر پڑھا۔

بر خانۂ دِل اے جاں آں کیست کہ ایستادہ — دل کے گھر پر اے جان وہ کون ہے جو کھڑا ہے۔

بر تخت شہ کہ باشد شاہ و شہزادہ — بادشاہ کے تخت پر شاہ اور شاہزادے کے سِوا اور کون ہوگا۔

سُلطان وَلد نے سَر رکھا اور بہت روئے اور فرمایا؛

---

[1] زین پوش کندھے پر رکھے ہوئے پیدل گئے۔

اَلصُّوفِیُّ اَوْلیٰ بِخِرْقَتِہٖ وَالْیَتِیْمُ اَحْرٰی بِحُرْقَتِہٖ — صُوفی اپنے خرقہ کے زیادہ لائق ہے اور یتیم اپنے جلنے کے زیادہ لائق ہے۔

مطلب یہ کہ آپ صُوفی ہیں۔ پیری آپ کے لیے لائق ہے۔ سوز اور باپ کی مُفارقت میرے لیئے زیادہ مناسب ہے۔ جس طرح میرے والد بزرگوار کے زمانہ میں آپ خلیفہ اور بزرگوار تھے۔ ویسے ہی اس زمانہ میں میرے لیے خلیفہ اور بزرگوار ہو۔ سلطان وَلد نے فرمایا، ایک روز میرے والد نے کہا کہ بہاؤ الدین! اگر تو چاہتا کہ ہمیشہ بہشت بریں میں رہے تو سب کا دوست رہ اور دل میں کسی کی طرف سے کینہ و غُصّہ نہ رکھ۔ اور یہ رُباعی پڑھی:

پیشی طلبی زہیچکس پیش مباش — اگر تُو آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا خواہش مند ہے تو کسی کے آگے نہ ہو۔

چوں مرہم و موم باش چوں نیش مباش — مرہم اور موم کی طرح رہ ڈنک کی طرح نہ ہو۔

خواہی کہ زہیچک بتو بد نرسد — اگر تو چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی بُرائی نہ پہنچے۔

بدگوئی و بَد آموز و بد اندیش مباش — بدگو، بَد آموز اور بَد اندیش نہ ہو[1]۔

تمام انبیاء علیہم السّلام نے یہی کیا ہے اور اس خصلت کو صُورت میں لائے ہیں۔ اس لیے تمام لوگ ان کے اخلاق سے زیر ہو گئے اور اُن کے لُطف کے دیوانے ہو گئے۔ جب تو دوستوں کو یاد کرے تیرے اندر کا باغ خُوشی سے کھِل جائے اور پھُول اور خُوشبو سے بھر جائے۔ اور جب تُو دشمنوں کا ذکر کرے تو تیرے دل کا باغ کانٹوں اور سانپ سے بھر جائے اور تیرا دل کمھلا جائے۔ کہتے ہیں سلطان وَلد نے اپنی وفات کی رات یہ پڑھا تھا:

امشب شب آنست کہ بینم شادی — آج کی رات وہ رات ہے جس میں خوشی

دریابم از خدائے خودم آزادی — اور اپنے خدا تعالیٰ کی طرف سے آزادی اور رہائی پاؤں گا۔

۳۹۸ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ

ولادت رجب ۵۳۳ھ۔ امام یافعی ان کے القاب میں یوں لکھتے ہیں۔ اپنے زمانہ کے اُستاد اور اپنے وقت میں بے مثال، حقائقِ الٰہی کے انوار کا مطلع اسرار و حِکم کے سرچشمہ، طریقت کے راہنما، حقیقت کے ترجمان، بڑے بڑے مشائخ کے اُستاد، علوم ظاہر و باطن کے جامع، عارفوں کے مقتدا اور سالکین کے ، عالمِ ربّانی شہاب الدین ابوالحفص عمر بن محمد البکری السُّہروردی قدّس اللہ سرّہٗ۔ حضرت شہابُ الدّین حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد

---

[1] بُرا کہنے والا، بُرائی سکھانے والا اور بُرائی سوچنے والا نہ بن۔

سے ہیں اور تصوّف میں اُن کی نسبت اپنے چچا ابو النجیب سہروردی سے تھی۔ شیخ عبدالقادر گیلانی کی صحبت میں رہے ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مشائخ سے ملے ہیں۔ اور کہتے ہیں مُدّت تک جزیرہ عبادان میں بعض ابدالوں کے ساتھ رہے ہیں اور خضر علیہ السّلام سے بھی ملے ہیں۔ شیخ عبدالقادر نے ان کو کہا تھا، تو عراق کے مشہور بزرگوں میں آخری ہو گا۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ جیسے کہ "عوارف" "رشفُ النصائح"، اعلام الھدیٰ فی عقیدہ ارباب التقیٰ اور ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں۔ "عوارف" مکہ مبارک میں لکھی۔ جب کوئی بات ان پر مشکل ہو جاتی یا کوئی مسئلہ ان کی سمجھ میں نہ آتا تو خدا تعالےٰ کی طرف متوجّہ ہوتے، خانہ کعبہ کا طواف کرتے، رفع اشکال اور حق کے جاننے میں توفیق کی دُعا کرتے تو وہ مسئلہ ان پر کُھل جاتا تھا۔ اپنے وقت میں بغداد کے شیخ الشیوخ تھے اور اہلِ طریقت دُور اور نزدیک کے شہروں سے ان سے مسائل معلوم کرتے تھے۔ ایک صاحبِ طریقت نے ان کو یہ لکھا:

یَاسیدی اِنْ ترکتُ الْعَمَلَ اَخلَدْتُّ اِلَی الْبَطَالَةِ وَاِنْ عَمِلْتُ دَخَلَنِی الْعُجُبُ	حضورِ والا! اگر میں عمل چھوڑتا ہوں تو بطالت اور بیکاری میں پڑ جاتا ہوں اور اگر عمل کرتا ہوں تو مجھ میں عُجب اور غرور آ جاتا ہے۔

آپ نے اس کے جواب میں یہ لکھا، اِعْمَلْ وَاسْتَغْفِرِ اللّٰہَ مِنَ الْعُجبِ۔ عمل کرتا رہ اور عُجب سے اللہ کی مغفرت طلب کرتا رہ یعنی عمل کرنا نہ چھوڑ خواہ اس میں عجب ہی آتا ہو اور عجب سے توبہ کرتا رہ۔

اور رسالہ اقبالیہ میں ہے کہ شیخ رُکن الدّین علاؤ الدولہ نے کہا ہے کہ لوگوں نے شیخ سعدالدین حموی سے دریافت کیا شیخ محی الدین عربی کو آپ نے کیسا پایا؟ بَحْرٌ مَّوَّاجٌ لَا نِہَایَةَ لَہٗ۔ سمندر ہے ٹھاٹھیں مارتا ہوا۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ پھر کہا کہ شیخ شہابُ الدّین سہروردی کو کیسا پایا؟ فرمایا:

نُوْرُ مُتَابِعَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فِی جَبِیْنِ السُّھْرَوَرْدِیِّ شَیْئٌ آخَرُ۔	نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی متابعت کا نُور سہروردی کی پیشانی میں ایک اور ہی قسم کا ہے۔

۳۹۹ حضرت شیخ نجیبُ الدّین علی بن بزغش الشیرازی قدس اللہ تعالےٰ روحہٗ۔ المتوفی شعبان ۶۷۸ھ

آپ عالم اور عارف اور سرچشمہ عُلوم و معارف تھے۔ آپ کے والد دیانت دار سوداگروں اور بڑے مالداروں سے تھے جو شام سے شیراز آ گئے اور یہاں آ کر شادی کی اور اس کو وطن بنا لیا۔ ایک رات اُنہوں نے خواب میں دیکھا کہ امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہٗ اُن کے سامنے کھانا لائے اور اُن

---

[1] شیخ نجیبُ الدّین قدّس سرّہٗ نے فرمایا ہے کہ بچپن کے اندر ایک دن میں شیراز کی جامع مسجد عتیق میں تھا۔ وہ دن جُمعہ کا تھا۔ لوگ اچانک مسجد میں بہت تُحفے لائے اور شیخ المشائخ روزبہان بقلی قدّس سرّہٗ و روحہٗ نے انہی تحفوں میں نماز جُمعہ ادا کی۔ مَیں نے ارادہ کیا کہ مَیں جاؤں اور (باقی آگے)

کے ساتھ کھایا اور ان کو بشارت دی کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ تجھے ایک فرزند نجیب، شریف اور صالح دے گا۔ جب یہ فرزند پیدا ہوئے تو اُن کے والد نے حضرت امیر کے نام پر اس کا نام علی رکھا اور نجیب الدّین لقب رکھا۔ شیخ نجیب الدّین نے شروع حال سے ہی فقراء کی محبّت اختیار کی۔ وہ ان کے ساتھ بیٹھتے تھے اور اُن کے والد جس قدر ان کے لیے قیمتی لباس تیار کرواتے اور لذیذ کھانے ان کو دیا کرتے تھے وہ ان پر توجہّ نہ کرتے اور کہتے تھے کہ مَیں عورتوں والے کپڑے نہیں پہنتا۔ اور نازک لوگوں کا کھانا نہیں کھاتا۔ اُون کے کپڑے پہنتے اور سادہ کھانا کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب بڑے ہو گئے اور حق تعالیٰ کی طلب کا تقاضا ان میں قوی ہو گیا تو گھر میں تنہا رہنے لگے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ شیخ کبیر کے روضہ میں سے ایک پیر باہر آیا اور اُس کے پیچھے دُوسرے پیر ہیں۔ جو ایک راستہ پر ایک دُوسرے کے پیچھے چل رہے تھے۔ اس پہلے بزرگ نے اُن کا چہرہ دیکھ کر تبسّم کیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر آخری پیر کے ہاتھ میں دیا اور کہا یہ امانت ہے جسے خدا تعالےٰ نے تیرے پاس بھیجا ہے۔ جب بیدار ہوئے تو اپنے باپ سے اس خواب کو بیان کیا۔ اُنہوں نے کہا، مَیں اس خواب کی تعبیر نہیں کر سکتا۔ ہاں شیخ ابراہیم بیان کریں گے۔ جو اس زمانہ مجانین عقلاءؔ (عقل مند دیوانوں) سے تھے۔ ایک شخص کو ان کے پاس بھیجا جو ان سے اس خواب کی تعبیر پوچھے۔ جب شیخ ابراہیم نے اس کو کہا، یہ خواب تو علی بزغش کی ہی ہو سکتی ہے۔ پہلا پیر شیخ کبیر ہے اور دوسرے پیر وہ ہیں جنہوں نے ان سے طریقہ لیا ہے اور آخری پیر کو زندہ ہونا چاہیئے۔ جس کے حوالہ اس کی تربیّت کی ہے۔ اس کو چاہیئے کہ اس شیخ کو تلاش کرے تاکہ مقصود کو پہنچے۔ اس کے بعد اُنہوں نے اپنے باپ سے اجازت چاہی تاکہ اس شیخ کو تلاش کریں اور حجاز کی جانب رَوانہ ہو گئے۔ جب شیخ شہاب الدّین سہروردی کے پاس پہنچے تو اس کو پہچان گئے کہ یہ وہی آدمی ہے جو خواب میں دیکھا تھا اور شیخ بھی اُن کے سر سے اطّلاع رکھتے تھے۔ خود ہی ان کے خواب کے مضمون کو اُن سے بیان کیا۔ شیخ نجیب الدّین کئی سال ان کی خدمت میں رہے اور خرقہ پہنا اور شیخ کے علاوہ دوسرے حضرات کی تصنیفات کو شیخ سے سُنا اور شیخ کے اَمر سے شیراز واپس آ گئے۔ اور شادی کی۔ ایک خانقاہ بنائی اور طالبوں کے ارشاد میں مشغُول ہو گئے۔ اور ان کے حالات و کرامات نے مخلوق میں شُہرت پائی۔ ان کی باتیں لطیف اور رسالے بڑے رُتبہ والے ہیں۔ جن سے حضرت شیخ شہابُ الدّین کے انفاس کی خوشبُو آتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شیخ کی زیارت کروں۔ بے انتہا ہجوم کے باعث میں نہ جا سکا، تو مجھ پر شیخ کی نظر پڑی اور کہا کہ "اس بچہ کو میرے پاس آنے کے لیے راستہ دو تاکہ یہ میرے پاس آ جائے۔" لوگوں نے مجھے راستہ دے دیا۔ مَیں شیخ کی خدمت میں گیا اور شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ شیخ نے میرے سَر کو بوسہ دیا اور دعا کی۔

ایک دن شیخ نجیب الدین سے لوگوں نے کہا کہ توحید کی حقیقت کو مثال دیکر وضاحت کیجیے۔ یعنی مثال میں رازِ توحید کو سمجھایئے۔ فرمایا، دو آیئنے ہیں اور سیب ایک ہے۔ ایک فاضل وہاں موجود تھا۔ جس نے اس بات کو نظم کیا اور کہا ؎

شیخ کامل نجیب دین پیرِ کہن	شیخ کامل نجیب دین پیر بزرگ۔
این حرف نو آوردہ بصحرائے سخن	صحرائے سخن میں یہ نئی بات لایا ہے۔
گفتہ از وحدت ار مثالے خواہی	اُس نے کہا اگر وحدت کی تو مثال چاہتا ہے۔
سیبے دو آئینہ تصور می کن	ایک سیب اور دو آئینہ کا تصوّر کر۔

ایک روز فرمایا، "میں ہمیشہ معشوق کے تل کی تعریف کرتا ہوں اور یہ عجیب معاملہ ہے کہ اس کے تل ہے ہی نہیں"۔ پھر فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ کوئی شخص اس بات کو نظم میں لاوے۔ وہی فاضل اُس وقت بھی موجود تھا اُس نے کہا،

اے آنکہ ترا بحُسن تمثالے نیست	اے وہ کہ حُسن میں تیری کوئی مثال نہیں۔
چوں حال من خالِ رخت خالی نیست	جبکہ میرا حال تیرے رُخسار کے تل سے خالی نہیں۔
وصافی من ہمہ زخال رُخ تست	میری ساری توصیف تیرے رُخ کے تل کے متعلق ہے۔
وین طرفہ کہ بر رُخ تو خود خالے نیست	اور یہ عجیب بات ہے کہ تیرے رُخ پر کوئی تل نہیں۔

۸۰۔ حضرت شیخ ظہیر الدّین عبدالرحمٰن بن علی بزغش رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے والد کے خلف الصدق اور خلیفۂ برحق تھے جب آپ کی والدہ آپ سے حاملہ ہوئیں تو شیخ شہاب الدّین نے ان کے لیے اپنے خرقۂ مبارک کا ایک ٹکڑا ارسال کیا۔ جب یہ پیدا ہوئے تو ان کو اس میں لپیٹ دیا۔ سب سے پہلا کپڑا جو اُنہوں نے دنیا میں پہنا یہ تھا۔ جب بڑے ہو گئے والد کی خدمت میں مشغول رہے اور تربیت حاصل کی۔ اپنے والد کی زندگی میں حج کو گئے۔ عرفہ کی شب میں خواب دیکھا کہ روضہ شریفہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر آئے اور سلام کہا، حجرہ شریفہ سے آواز آئی وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَا اَبَا النَّجَاشِی۔ ان کے والد کو اس حال پر اطلاع ہو گئی اور اپنی اہلیہ کو اس خواب کی خبر دی۔ اور ان کو بشارت دی کہ مُراد پوری ہو گئی۔ حج کے بعد درس کہا اور حدیث لکھی اور روایت کی اور کتابیں لکھیں۔ ان کی تصانیف میں سے ایک یہ ہے کہ عوارف کا ترجمہ کیا اور اس میں کشف والہام سے بہت تحقیقات فرمائی ہیں اور بلند مقامات پر پہنچے اور عجیب کرامات سے مشہور ہوئے اور شیخ شہاب الدّین سہروردی کے اشعار میں سے یہ دو بیت بہت پڑھتے تھے:

وَقَدْ کُنْتُ لَا اَرْضٰی مِنَ الْوَصْلِ بِالرِّضٰی	میں اس سے پہلے وصل کی خوشی سے خوش نہ ہوتا تھا۔

وَاخذنا مِنْ فوقِ الرِّضَا مُتَبرّمَا — اور ہم نے رضا سے اونچا مرتبہ دل کے ملال کو لے گیا۔
فَلَمَّا تفرَّقْنَا وَشطَّ مَزَارُنَا — اور جب ہم جُدا ہو گئے اور ہمارا رجوع دُور تک ہو گیا۔
قَنعْتُ بِطَيفٍ مِنكَ يَاتِي مُسَلِّمًا — تو مَیں نے تیرے اس خیال پر قناعت کی جو سلام کرتا ہوا آتا ہے۔

۱۴۱ حضرت شیخ مُحمّد یمینی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ نجیب الدّین بزغش کہتے ہیں کہ ایک دِن پیر بھائیوں کی جماعت کے ساتھ شیخ شہابُ الدّین سہروردی کی خدمت میں حاضر تھا۔ شیخ نے فرمایا، ساتھیوں میں سے ایک آدمی خانقاہ سے باہر جائے اور ایک مُسافر کو جس کو وہاں پائے اندر لے آئے، کیونکہ محبّت کی بُو میرے دماغ میں پہنچ رہی ہے۔ اصحاب میں سے ایک آدمی باہر گیا۔ کوئی نہ پایا تو واپس آ گیا کہ کوئی آدمی نہیں پایا۔ شیخ نے غصّہ سے فرمایا کہ دوسری مرتبہ تو پائے گا۔ دُوسری مرتبہ گیا تو ایک حبشی دیکھا۔ جس پر غُربت اور سفر کا اثر تھا، اس کو اندر لے آیا۔ اُس نے قصد کیا کہ جوتیوں کی جگہ بیٹھ جائے۔ شیخ نے کہا، اے شیخ محمد قریب آ جا کہ تجھ سے محبّت و دوستی کی بُو آتی ہے۔ وہ آگے بڑھا اور شیخ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ شیخ نے اور اُس نے کچھ رازکی باتیں کیں تو اُس نے شیخ کی ران پر بوسہ دیا۔ شیخ نے فرمایا کہ دسترخوان لائیں اور کچھ کھائیں اور میں روزہ دار تھا۔ شیخ نے فرمایا، جس کا روزہ ہو وہ اپنے حال پر رہے اور اس دسترخوان پر انار تھے۔ شیخ انار کھاتے اور اس کے دانے مُنہ سے باہر نکالتے اور اپنے سامنے رکھ لیتے تھے۔ میرے دل میں آیا کہ میں یہ دانے اٹھالوں، کیونکہ ان کو شیخ کے آبِ دُہن کی برکت پہنچی ہے اور ان سے افطار کروں۔ جب میرے دل میں یہ بات آئی تو اس حبشی نے ہاتھ بڑھایا اور ان کو اٹھا کر کھا گیا اور مجھے دیکھ کر مُسکرا دیا۔ مَیں سمجھ گیا کہ اس نے میرے خیال کو جان لیا۔ جب دسترخوان اٹھایا گیا تو شیخ نے کہا، شیخ محمد حافظِ قرآن ہے، لیکن کچھ عرصہ سے یہ تنہا پڑھتا رہا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ کوئی شخص ہو جس کے سامنے روزانہ کچھ پڑھا کرے۔ شیخ کے مریدوں میں جو بھی حافظِ قرآن تھے جب اُنھوں نے اس پر شیخ کی عنایت کو دیکھا تو سب نے اس کی استدعا کی اور میرے دل میں یہ بات آئی مگر میں زبان پر نہ لایا اور شیخ کے اختیار کے حوالہ کیا۔ شیخ نے اس کو میرے حوالہ کیا اور کہا، شیخ محمد ہر روز علی شیرازی کے پاس جایا کرا اور ایک پارہ اس کو سنایا کر۔ جب رات ہو گئی تو شیخ کا خادم آیا اور ایک انار لایا اور اس میں سے کچھ دانے کھاتے ہوئے مجھے دیئے اور کہا، شیخ نے اس میں سے کچھ کھایا ہے اور باقی تجھے بھیجا، تاکہ تو اس سے افطار کرے اور کہا کہ اُسے کہہ یہ اس انار کے ثفل[1] کا بدلہ ہے جو شیخ محمد نے کھا لیے تھے۔ پھر مَیں نے اس سے افطار کیا۔ جب ہم

---

[1] جو مُنہ سے نکال کر پھینک دی جائے اسے ثفل کہتے ہیں

نے صبح کی نماز پڑھ لی اور مَیں اپنے گھر چلا گیا، تو وہ حبشی آیا اور سلام کیا۔ مَیں نے جواب دیا۔ وہ بیٹھ گیا اور کوئی بات نہیں کی نہ مَیں نے اس سے کوئی بات کی، کیونکہ اس کے چہرہ پر ہیبت اور دہشت معلوم ہوتی تھی۔ اُس نے قرآنِ پاک کا پہلا پارہ پڑھا، پھر جلدی سے اُٹھا اور اپنے گھر روانہ ہوا۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی کیا اور تیسرے دن جب وہ اپنا وظیفہ پڑھ چکا تو کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ میرے اور تیرے درمیان اُستادی و شاگردی کا حق ہو گیا ہے۔ مَیں یمن کا رہنے والا ہوں اور مَیں نے شیراز کو نہیں دیکھا ہے۔ مجھے شیراز کے مشائخ کے حالات سناؤ۔ مَیں نے شروع کیا اور اس زمانہ میں جس قدر شیراز کے مشائخ تھے سناتا رہا۔ جب سب کے نام لے چکا، کہا زاہدوں اور گوشہ نشینوں کے نام بھی بتاؤ۔ مَیں نے ان کے نام بھی بتائے۔ جب ختم ہو گئے تو اس کے ہوش جاتے رہے اور مجھے خوف ہوا کہ شاید یہ مر گیا ہے، کیونکہ اس کا سانس منقطع ہو گیا تھا۔ عرصہ دراز تک وہ اسی حال میں رہا اور اس کے بعد ہوش آیا اور کہا، مَیں چلا گیا اور سب کو دیکھ لیا۔ اب تو ان میں سے ایک ایک کا نام پھر کہہ، تاکہ مَیں ان کی صفت بیان کروں۔ پس مَیں ان میں سے ایک ایک کا نام بولتا تھا اور وہ ان کی ایسی صفت بیان کرتا تھا کہ ان کا سلوک اور ان کا حال ایسا ہے اور ان کا لباس اس طرح کا ہے۔ تُو کہے کہ اس کے برابر بیٹھے ہیں اور وہ ان کو دیکھ رہا ہے۔ مَیں اس پر حیران ہو گیا۔ پھر آخر میں اُس نے کہا، ان لوگوں میں سے ایک شخص جس کو حسین فلاں کہتے ہیں۔ وہ ولایت کے مرتبہ سے گر گیا اور مَیں نے اس کا نام اولیاء کے لشکر سے مٹا دیا۔ مَیں نے کہا، "اس کا کیا سبب ہُوا؟" اس نے کہا، شیراز کے بادشاہ اتابک ابوبکر کو اس سے عقیدت ہو گئی۔ وہ اس کے پاس گیا اور مال و نعمت دی۔ اس سبب سے وہ حق تعالیٰ کی نظر سے گر گیا۔ پس مَیں نے اس کی یہ بات یاد رکھی۔ جب میں شیراز آیا تو ایسا ہی ہوا جیسے کہ اُس نے کہا تھا۔ پھر کہا، جن زاہدوں کا تُو نے نام لیا ہے ان میں سے ایک نے تجھے نشانی دی ہے اور وہ تیرے پاس ہے۔ ظاہر کرتا کہ مَیں اُسے دیکھوں۔ مَیں نے خوب غور کیا اور بڑا سوچا، مگر میرے خیال میں نہ آیا۔ اس نے میرے جوتے کو دیکھا اور کہا، "یہ کیا ہے؟" اب مجھے یاد آیا کہ شیراز میں ایک زاہد تھا جو جوتی سِیا کرتا تھا۔ جب مَیں سفر کے لیے باہر آنے لگا۔ اُس نے مجھے دو جوتیاں بطور تبرک کے دیں اور کہا، تاکہ نشانی رہے کہ تُو مجھے دُعا میں یاد رکھے۔ مجھے شیخ محمد یمنی کی صحبت سے بڑی راحتیں اور خوشیاں پہنچیں۔ جب اُس نے شیخ سے خرقہ پہنا اور شیخ نے اس کو خرقہ پہنانے کی اجازت دے دی۔ تو وہ ملک کو واپس گیا اور اس جگہ شہرت پائی اور بڑی مخلوق اس کی مرید ہوئی۔

۴۰۲۔ حضرت شیخ جمال الدین لُور رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ نجیب الدین کہتے ہیں۔ مجھے کسی نے کہا، لوری مسافر اس شہر میں آیا ہے۔ اس کا نام جمال الدین ہے۔ وہ قوی

جذبہ رکھتا ہے اور جامع مسجد میں رہتا ہے۔ میں جامع مسجد میں گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ بڑے جذبہ والا ہے اور پورا استغراق رکھتا ہے اور اس کے اثر سے اس کی دونوں آنکھیں خون کے دو پیالوں کی طرح ہیں۔ مَیں اس کے قریب گیا اور سلام کیا۔ اُس نے جواب دیا۔ پھر اس کے بعد اس نے کہا، مرا با سفید و سیاہ کناں کارے نیست "(مرا سفید اور سیاہ کرنے والوں سے کام نہیں یعنی فقہار، علمار اور لکھنے والوں سے میرا کوئی مطلب نہیں) ایک شخص وہاں موجود تھا۔ اُس نے کہا کہ یہ شخص تو صوفیوں میں سے ہے۔ مَیں اس کے سامنے بیٹھ گیا اور اس کے حالات کے متعلق سوال کیا۔ اُس نے کہا، ایک اُوری آدمی ہوں اور بے پڑھا ہوں اور کچھ نہیں جانتا۔ میں گھوڑوں سے بڑی رغبت رکھتا تھا اور ہمیشہ گھوڑے رکھتا تھا۔ ایک دِن گھوڑوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ پر حال کھل گیا اور جذبہ ظاہر ہوا۔

وحجاب منی از پیش مَن برداشتند بے ہوشے شُدم و بیفتادم در دست و پائے ستوراں می غلطیدم چوں بہوش باز آمدم مراسر توحید مکشوف شُدہ بود۔

اور خودی و انانیّت کا حجاب اُنہوں نے مجھ سے اٹھادیا۔ مَیں بیہوش ہوکر گر پڑا۔ اور گھوڑوں کے پاؤں میں لوٹتا رہا۔ جب ہوش میں آیا تو توحید کا راز ظاہر ہوچکا تھا۔ اور اس کا بھید کھل چکا تھا۔

اور شیخ نجیب الدّین نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ ہمیشہ شطحیات کہا کرتا تھا، چنانچہ علمار و صلحار کی ایک جماعت اُس پر انکار کرنے لگی اور اس کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس کو کُفر کے ساتھ منسُوب کرنے لگی اور اُس کے کافر ہونے کا فتویٰ لکھ کر اتابک ابوبکر شیراز کے بادشاہ کے پاس لے گئے اور اس کے سامنے پیش کیا اور اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ اتابک نے کہا اگر شیراز کے مزید دو شخص اس کی تکفیر کا فتویٰ دے دیں، تو میں اس کے قتل کی اجازت دیدوں گا۔ ایک شخص نجیب الدّین بزغش اور ایک شخص معین الدّین جو اس وقت میں دُوسرے بزرگ تھے۔ اُسی وقت وہ فتویٰ لے کر میرے پاس آئے۔ مَیں نے اس پر لکھ دیا کہ، او مجذوب است و مغلوب کشتن وے جائز نیست۔ وہ مجذوب ہے اور مغلوب الحال ہے اس کا قتل کرنا جائز نہیں۔

شیخ معین الدّین نے بھی یہی لکھ دیا۔ اتابک نے اس کے قتل کی اجازت نہ دی۔ شیخ نجیب الدّین ہی نے فرمایا ہے کہ ایک روز میں وضو کر رہا تھا اور جمال الدّین مجھے دیکھ رہا تھا۔ جب مَیں نے مُنہ پر پانی ڈالا تو مَیں نے کہا، اَرْفع الحدث۔ مَیں ناپاکی کو دُور کرتا ہوں۔ جمال الدّین نے کہا،

ہیچ حدثے ماندہ است کہ می گوئی اَرْفع الحدث بگو اَرْفعُ الحدث۔

کوئی حدث باقی رہ گیا ہے۔ تو کہتا ہے مَیں حدث کو دُور کرتا ہوں۔ تو یہ کہہ مَیں دُور کرتا ہوں مخلوق کو اور تعینات کو

۲۰۴ مولانا جلال الدین محمود زاہد مُرغابی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفیٰ ۷۷۸ھ۔ علومِ ظاہری میں آپ مولانا نظام الدین ہروی کے شاگرد ہیں۔ اور شریعت پر عملی محنت اور اتباعِ سنت کے

باعث اس طریق سے کامل حصہ اور پورا نصیب پایا تھا۔ تقویٰ اور پرہیزگاری میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے کاشتکار نے زمینداری کے ایک آلہ کو جس کو اُنھوں نے وَقف کر رکھا تھا۔ ان کی کھیتی میں استعمال کر لیا۔ جب انہیں معلوم ہوا تو اس کھیت کی پیداوار کو نہ لیا۔ اور حکم دیا کہ اس کو فقراء اور حق داروں میں صدقہ کردیں۔ "ہرات" کے بادشاہ نے سونے کی ایک تھیلی ہدیہ کے طور پر آپ کی خدمت میں بھیجی۔ آپ نے قبول نہ کی۔ تھیلی بَردار نے کہا، اگر اس کو بادشاہ کے پاس واپس لے جاؤں گا وہ رنجیدہ ہو گا ان فقراء پر جو آپ کے شاگرد ہیں اور آپ کے مدرسہ میں رہتے ہیں تقسیم کردیں۔ فرمایا، تو خود اس کو مدرسہ میں لے جا۔ جو کوئی قبول کرے اس کو دیدے، لیکن شرط یہ ہے کہ تُو ان کو بتادے کہ کہاں سے لایا ہے۔ وہ شخص سونا لے کر مدرسہ میں گیا تو کسی درویش نے بھی اس کو قبول نہ کیا۔ ان کی قبر "مرغاب" (ہرات) میں ہے۔

۴۴۴ مولانا جلال الدّین ابو یزید پورانی رحمۃ اللہ علیہ

وفات شب دوشنبہ ۱۰، ذی قعدہ ۸۶۲ھ۔ آپ نے علومِ شرعیہ حاصل کیے تھے اور شریعت کی پابندی اور سُنّت کی متابعت کی وجہ سے مقاماتِ عالیہ کو پہنچے تھے اور اکثر اوقات وظائفِ شرعیہ کے ادا کرنے کے بعد مسلمانوں کی ضروریات پورا کرنے اور ان کے کام نکالنے میں صَرف کرتے۔ جو شخص کسی کام سے آپ کی طرف رجوع کرتا اسے حتی الامکان انجام دیتے اور اس کے پورا کرنے میں جس دُنیادار کی طرف جانا پڑتا آپ خود جاتے اور مواعظ اور نصائح میں سے جو بات آپ کی زبان سے نکلتی سامعین کے دِلوں پر اس کا خاص اثر ہوتا۔ اگرچہ اس بات کو اُنہوں نے بار بار بھی سُنا ہو۔ پھر بھی ان کی بات کو دل میں رکھتے۔ ظاہر میں ان کا کوئی پیر نہ تھا۔ وہ ضرور اویسی تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ جب مجھے کوئی اشکال ہوتا ہے تو براہِ راست آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روحانیّت اس کو دُور کر دیتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن اپنے اصحاب سے کنگھی طلب کی اور کہا، حضرت رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ بایزید کبھی اپنی ڈاڑھی پر کنگھی بھی کر لیا۔ آپ مولانا ظہر الدین خلوتی کی صحبت میں پہنچے ہیں۔ ان کے طریقہ کے بہت معتقد تھے۔ اگرچہ ان کی مریدی کی نسبت سے نہیں آیا کرتے تھے۔ ایسا کم ہوتا تھا کہ ان کا گھر مہمان سے خالی ہو۔ ان کے لیے لذیذ کھانے تیّار کرتے تھے۔ حالانکہ باغ اور کھیت سے ان کی آمدنی تھوڑی ہوتی تھی۔ ایک دن کہتے تھے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی دوستوں کی جماعت شہر سے پُوران کی طرف روانہ ہوتی تو مجھ پر ظاہر ہو جاتا تھا کہ کتنے آدمی ہیں اور کب پہنچیں گے۔ مَیں ان کے لیے مناسب کھانے کی ترتیب کرتا تھا کہ جس وقت پہنچیں تو بغیر تاخیر اور بغیر انتظار کے ان کے آگے پیش کر دُوں۔ ایک رات مسجد میں ختمِ قرآن پُورا ہوا۔ ایک ترک ہند کے کنارہ سے کچھ روغن جوش مسجد میں لایا اور مجھے قسم دی کہ اس میں سے ضرور کھا، کیونکہ حلال ذریعہ سے ہے۔ مَیں نے ایک رُوغن جوش اٹھایا اور اس کے دو ٹکڑے کیے ادھر

آدھے کے دو ٹکڑے کیے، تو اس میں سے ایک کھایا تو وہ کیفیّت مجھ پر مستُور ہوگئی۔ اس وقت سے اس طرف مہمانوں کے رُخ کرنے کا علم نہیں ہوتا اور نہ ان کے پہنچنے کا وقت مجھے معلوم ہوتا ہے۔ اور میں تشویش میں پڑ گیا ہوں۔ ایک دن زیارت کے لیے جماعت کے ساتھ ان کی خِدمت میں گئے۔ انگور کا موسم تھا۔ ہمیں انگور کے باغ میں لے گئے اور خود وہاں سے چلے گئے۔ ہم باغ میں گھومتے رہے اور خوب انگور کھائے۔ جماعت میں سے ایک شخص نے انگُور کے چند خوشے اٹھا لیے۔ دُوسرے نے اس سے کہا کہ جناب مولانا نے اٹھانے کی اجازت نہیں دی ہے اور وہ واقعہ بیان کیا جو کسی عالِم وقت سے پیش آیا تھا۔ ان کے یہاں چند مہمان جمع ہوئے۔ جماعت میں سے ایک آدمی نے ان کے دسترخوان سے کچھ تبرّک اٹھا لیا تھا۔ جب خادم نے دسترخوان اٹھایا تو خادم سے کہا، تُو نے خلافِ شَرع کام سے کیوں نہیں روکا اور منکر کی نہی کیوں نہیں کی؟ خادم نے کہا، مَیں تو کسی مُنکر کے وقت موجود نہیں تھا۔ اس عالم نے کہا، فلاں آدمی نے بے اجازت دسترخوان سے آگے کا بچا ہوا اٹھا لیا ہے۔ اس کے پاس دسترخوان لے جا کہ جو کچھ اس نے اٹھایا ہے اُسے اس میں ڈال دے۔ خادم دسترخوان کو اس کے پاس لے گیا، تو اس نے جو بچا ہوا اٹھایا تھا اس میں ڈال دیا۔ جب ہم باغ سے آگئے تو حضرت مولانا تشریف لائے اور ہمارے لیے کھانا لائے۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو ہم نے واپس ہونے کی اجازت مانگی۔ باہر نکلتے وقت دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور کہا، جن لوگوں کو مَیں نے باغ میں آنے کی اجازت دی تھی ان کو کھانے اور لے جانے دونوں کی اجازت تھی، لیکن اس عالم نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا۔ اگرچہ دل میں اُس نے اجازت نہیں دی تھی، مگر مناسب یہ تھا کہ آخر میں معاف کر دیتا اور اس پس خوردہ کو واپس نہ کراتا" ایک اور مرتبہ پھر جماعت کے ساتھ ان کی زیارت کا اتفاق ہوا۔ واپسی کے وقت ان لوگوں میں ایک کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر جناب مولانا میں کوئی کرامت ہے، تو چاہیئے کہ مجھے کچھ کشمش تبرّک کے لیے دیں۔ جب ہم نے ان کو خدا حافظ کہا، تو اُنہوں نے اس شخص کو آواز دی کہ "تھوڑی دیر ٹھہر" گھر میں گئے اور کشمش کا ایک طباق باہر لائے اور اس کو دے دیا اور کہا، معاف کرنا، ہمارے باغوں میں کشمش نہیں ہوتی۔ ایک دفعہ مَیں ان کے برابر نماز پڑھ رہا تھا۔ میں نے ان کو ایسا مغلُوب اور مستغرق پایا کہ تو کہے کہ کوئی شعُور نہیں رکھتے۔ قیام کی حالت میں تھے کبھی دایاں ہاتھ بائیں پر رکھتے اور کبھی بایاں ہاتھ دائیں پر رکھتے۔ ان کی قبر مبارک پوران میں ہے۔

۴۰۵ حضرت شیخ نورالدین عبدالرحمٰن مصری رحمۃ اللہ علیہ

المتوفیٰ شب یک شنبہ ماہِ شوال ۸۳۸ھ۔ اپنے وقت کے بڑے بزرگ اور قبلہ طالبین تھے اور مصر کی ولایت میں ان کی تربیّت وارشاد کے لیے متعیّن اور مقامِ شیخوخت میں متمکّن اور جلوہ افروز تھے شرع

ملل میں اس ملک کے ایک شیخ کے مرید تھے، لیکن ان کا کام اس شیخ کے سامنے مکمّل نہ ہوا، مگر انہوں نے کہا تھا تمہارا کام عجم کے ایک شیخ کے پاس پورا ہو گا۔ آپ اس کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ شیخ جلال الدّین یوسف نورانی مصر میں پہنچے۔ ان کی صحبت میں بیس روز سے کم میں ان کا کام پورا ہو گیا۔ ان کو ارشاد کی اجازت دے دی اور اس اجازت میں ان کو برادر لکھا، کیونکہ وہ پیر عمر رسیدہ تھے اور شیخ جمال الدّین کی نسبت دو بزرگوں کی طرف ہے ایک شیخ حسام الدّین شمشیری سے اور دوسری شیخ نجم الدّین محمود اصفہانی سے اور یہ دونوں شیخ نور الدّین عبد الصمد نطنزی کے مرید تھے۔

۴۰۶۔ حضرت شیخ زین الدّین ابوبکر الخوافی قدس اللہ روحہٗ

حضرت خواجہ پارسا قدّس اللہ تعالیٰ رُوحہٗ نے اپنے ایک مکتوب میں ان کے القاب یہ لکھے ہیں۔

ذوالعلم النافع والعمل الرّافع	علم نافع اور مقبول عمل والے
ملاذ الجمھور شفاءُ الصدُور	جمہور کے پشت پناہ سینوں کی شفاء
صُفوۃ العلماءِ وَالعُرفاءِ	علماء و عرفاء کے برگزیدہ۔
رَافِعُ اَعلامِ السُّنّۃِ قَامِعُ	سنّت کے جھنڈے بلند کرنے والے۔
اَضَالِیلِ البِدعۃِ نَاھِجُ	بدعت کی گمراہیوں کا قلع قمع کرنے والے۔
مَناھِجِ الحَقِیقَۃِ سَالِکُ	حقیقت کی راہوں پر چلنے والے۔
مَسَالِکِ الشَّرِیعَۃِ وَالطَّرِیقَۃِ	شریعت اور طریقت کے راستوں میں چلنے والے۔
الدَّاعِیُ اِلَی اللہِ سُبحَانَہٗ عَلٰی	اللہ سبحانہٗ کی طرف یقین کے راستہ پر بلانے والے۔
طَرِیقِ الیَقِینِ سَیِّدُنَا وَمَولٰنَا	سیّدنا و مولانا زین الملّۃ والدّین۔
زَینُ المِلَّۃِ وَالدِّینِ	

آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ اوّل سے آخر تک شریعت کے راستہ اور سنّت کی متابعت کی شاہراہ پر استقامت کی جو محققین کے نزدیک سب سے بڑی کرامت ہے، توفیق پائے ہوئے تھے اور طریقت میں ان کی نسبت شیخ نور الدّین عبد الرّحمٰن مصری کے ساتھ ہے اور شیخ نور الدّین عبد الرّحمٰن نے ان کی پوری تربیّت پانے اور تکمیل و ارشاد کے درجہ پر پہنچ جانے کے بعد ان کے لیے اجازت میں یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

لَمَّا استَحَقَّ الخَلوَۃَ وَقَبُولَ الوَارِدَاتِ الغَیبِیَّۃِ	جب شیخ زین الدّین خلوت اور واردات غیبیہ اور فتوحات کے
وَالفُتُوحَاتِ استَخَرتُ اللہَ تَعَالٰی وَاَخلَیتُہٗ	لائق ہو گیا، تو میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور اس کو

الخلوة المعهودة وهي سبعة ايام من الله تعالى فيها عليّ بما من فضل ففتح الله عليه ابواب المواهب من عنده في ليلة الرابعة وازداد في الترقيات في درجات المقامات الى مقام حقيقة التوحيد و انحلت منه قيود التفرقة في شهود الجمع قبل اتمام الايام السبعة ثم في اتمامها ظهر له لوامع التوحيد الحقيقي الذاتي المشار اليه على لسان اهل الحقيقة لجمع الجمع۔ وهو بقوة استعداده بعد في الترقي والزيادة واني على رجاء من الله ان يأخذه منه اليه تماما و يبقيه بقاءً دواما و يجعله للمتقين اماما۔

خلوت معہودہ میں بٹھا دیا اور ہماری خلوت سات دن رات ہے۔ تب خدا تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا اور اپنی خاص مہربانی کے دروازے اس پر چوتھی رات میں کھول دیئے اور مقامات کے درجوں میں اس نے حقیقتِ توحید کے مقام پر زیادہ سے زیادہ ترقیاں حاصل کیں اور سات دن ہونے سے پہلے ہی جمع کے شہود میں تفرقہ کی زنجیریں اس سے ٹوٹ گئیں۔ پھر ان کے پورا ہونے کے وقت توحیدِ حقیقی ذاتی کے انوار جس کو اہلِ حقیقت جمع الجمع کے ساتھ اشارہ کیا کرتے ہیں۔ اس کے لیے ظاہر ہو گئے۔ وہ اپنی قوّتِ استعداد کے باعث اب تک ترقی پر ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمیّد ہے کہ وہ اس کو اس سے اپنی طرف پوری طرح لے لے گا (یعنی فنا کامل کا درجہ دے گا) اور اس کو بقائے دوامی دے گا اور اس کو متّقیوں کا امام اور پیشوا بنائے گا۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جو اجازت نامہ شیخ نورالدین عبدالرّحمٰن نے لکھ کر دیا تھا۔ خراسان لوٹتے وقت وہ بغداد میں رہ گیا اور میرے پاس وہ اجازت نہ رہی۔ مدّت بدیر کے بعد خراسان سے بجانب مصر جانا ہوا اور حضرت شیخ دنیا سے رحلت فرما گئے تھے۔ اُن کے خلوت خانہ میں آیا، تو وہاں پر مَیں نے اپنا اجازت نامہ پایا۔ جس میں کوئی فرق نہ تھا۔ اس کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ اصل مسوّدہ تھا جس سے مجھے اجازت لکھی تھی یا شیخ نے ولایت کے نُور سے از خود جان لیا تھا کہ میری امانت ضائع ہو گئی ہے اور میں یہاں پھر لوٹ کر آؤں گا۔ اور اس کو دوسری مرتبہ میرے لیے لکھ کر چھوڑ دیا تھا۔ بہر حال مدّت دراز تک اس کا خلوت خانہ میں رہنا جیسے کہ ذکر کیا گیا ہے محض کرامت تھا۔ اور فرمایا، جب مَیں مصر سے اور بغداد میں پہنچا وہ پٹکا جو شیخ نورالدین عبدالرّحمٰن نے مجھے دیا تھا اور دوسرے بڑے بڑے مشائخ کے سر پر رہ چکا تھا۔ پیر تاج گیلانی سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ اس نے وہ پٹکا مجھ سے مانگا جیسے کہ فقر اور درویشی کا دستور ہے۔ مَیں نے اس کو دے دیا۔ مَیں نے رات خواب میں دیکھا کہ وہ پٹکا مجھ سے فریاد کرتا ہے اور کہتا

ہے کہ میں فلاں فلاں کے سر پر رہا ہوں اب تُو نے مجھے گدھے کے سر پر رکھ دیا جو شراب پینے میں مشغول رہتا ہے جب صبح ہوئی تو میں ایک ساتھی کے ساتھ اس کی تلاش میں نکلا۔ ہم نے سُنا کہ وہ شراب خانہ میں ہے اور شراب پینے میں مشغول ہے۔ ہم وہاں گئے تو لوگوں نے کہا، فلاں کوٹھے میں ہے۔ ہم اس کوٹھے میں آئے۔ نشہ میں پڑا ہوا تھا اور پٹکا اس کے سر پر تھا۔ میرے ساتھی نے مجھ سے کہا، تُو باہر جا کر میں پٹکا لاتا ہوں۔ مَیں باہر آیا، اس نے پٹکا اس کے سر سے اتار لیا اور اس پر دروازہ بند کر دیا اور وہ پٹکا میرے پاس لے آیا۔

کہتے ہیں کہ آخر عُمر میں ان کو ایک حال طاری ہوا کہ تین رات اور دن اپنے ہوش سے کلیتہً غائب رہے اور جب اس غیبت اور بے ہوشی سے ہوش میں لائے تو تقریباً ایک سال ان پر خاموشی غالب رہی۔ بات کم کرتے تھے۔ ایک روز درویش احمد سمرقندی سے دریافت کیا، تُو نے کہیں دیکھا ہے کہ ایسے جذبے کا ذکر کیا گیا ہو کہ جذبات پے در پے ہوں اور بالکل منقطع نہ ہوں؟ درویش احمد نے کہا، اس قسم کا جذبہ مَیں نے کہیں نہیں دیکھا۔ درویش احمد سمرقندی ان کے کارکردہ مریدوں اور ان کے خلفاء میں سے تھے۔ صُوفیوں کی باتوں کو اس نے پڑھا ہوا تھا اور منبر پر ان کو بڑی اچھی طرح بیان کرتا اور فصوص الحکم کے درس اور مطالعہ میں مشغُول رہتا تھا۔ ان کی وفات ۸۳۸ھ میں ہوئی۔ ان کو "قریہ مالین" میں دفن کیا گیا پھر وہاں سے موضع درویش آباد میں لے گئے اور درویش آباد میں عیدگاہ "ہرات" کے جوار میں اور ان کے مزار متبرک پر عالیشان عمارت بنی ہوئی ہے اور ایسی آباد مردم نشین ہو گئی ہے کہ لوگ یہاں جمعہ ادا کرتے ہیں۔

۷۰۔ حضرت مولانا ظہیر الدّین خلوتی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۸۰۰ھ۔ ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے مولانا ابوبکر تائیبادی فرماتے ہیں کہ آسمان کے نیچے ظہیر الدّین جیسا مَیں نے کوئی نہیں دیکھا۔ یہ شیخ خلوتی کے مُرید ہیں۔ پندرہ سال تک ان کی خدمت و صحبت میں رہے۔ شیخ سیف الدّین ۸۹۳ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی قبر خلوتیوں کے قبرستان دھوبیوں کے گھاٹ کے پُل کے قریب ہے اور شیخ سیف الدین شیخ محمد خلوتی کے مرید تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب وہ خوارزم میں ذکر میں مشغُول ہوتے اِن کے ذِکر کی آواز چار فرسنگ (۱۲ میل) تک جاتی تھی۔ محمود پہلوان ان کے معاصر تھے اور ان سے صحبت رکھتے تھے یہ شیخ ظہیر الدّین قرأت سبعہ کے قاری تھے۔ خود کہتے ہیں۔ جب مَیں نے اُستاد کے سامنے پورا قرآن پڑھ لیا تو ایک رات حضرت رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے فرمایا، "ظہیر الدّین قرآن را بر من بخوان۔ ظہیر الدّین میرے سامنے قرآن پڑھ۔" مَیں نے اوّل سے آخر تک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پڑھ دیا۔

لوگ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ چلّہ میں بیٹھے تھے۔ اس میں صرف چار مرتبہ گیہوں اُبال کر اُس کے پانی سے روزہ افطار

کیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب وہ دھوبیوں کے گھاٹ کی زیارت کے لیے جاتے۔ جب گھاٹ کے پُل سے گزرتے تو پاؤں برہنہ کر لیتے تھے اور کہتے اولیاء اللہ کی شرم کرتا ہوں کہ ان کے سامنے جُوتی پہن کر جاؤں۔ ۸۰۰ھ کی کسی تاریخ میں وصال پایا۔ ان کی قبر ان کے شیخ کے جوار میں خلوتیوں کے قبرستان میں ہے۔

۴۰۸ حضرت شیخ بہاؤ الدّین زکریا مُلتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

آپ نے ظاہری علوم کو حاصل کیا اور اس کی تکمیل کے بعد پندرہ برس تک علوم کے درس و افادہ میں مشغول رہے کہ ہر روز ان سے ستر عالم و فاضل استفادہ کرتے تھے۔ اس کے بعد حج کا ارادہ کیا اور واپسی کے وقت میں بغداد میں پہنچے اور شیخ شہابُ الدّین سہروردی کی خانقاہ میں قیام کیا اور ان کے مرید ہو گئے اور یہ تمام مرتبۂ کمال اس آستانہ سے پایا۔ حضرت شیخ بہاؤ الدّین فخر الدّین عراقی اور امیر حسینی کے مُرشد ہیں۔ شیخ بہاؤ الدّین کے وصال کے بعد ان کے فرزند شیخ صدر الدّین مسندِ ارشاد پر ان کے جانشین اور قائم مقام ہوئے۔

امیر حسینی کتاب "کنز الرموز" میں ان بزرگوں کی شان میں جو اشعار لکھے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:-

شیخ ہفت اقلیم قطب اولیاء	ہفت اقلیم کے راہنما اولیاء کے قُطب۔
واصل حضرت ندیم کبریا	اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص میں پہنچنے والے
مفخر مِلّت بہار شرعِ و دین	فخرِ مِلّت شریعت اور دین کی رونق۔
جان پاکش منبع صدق و یقین	ان کی رُوحِ پاک صدق و یقین کا سرچشمہ ہے۔
از وجود اُو بہ نزد دوستاں	دوستوں کے نزدیک ان کے وجود کی برکت ہے۔
جنّت الماویٰ شُدہ ہندوستاں	ہندوستان جنّت الماویٰ بن گیا۔
منکہ رو از نیک واز بد تافتم	بھلوں اور بُروں میں مجھے جو مقبولیّت حاصل ہے۔
ایں سعادت از قبولش یافتم	یہ سعادت مَیں نے ان کے قبول سے پائی ہے۔
رخت ہستی چوں بروں برد از میان	ہستی کا سامان جب درمیان سے ختم ہو گیا۔
کرد پروازی ہمایش ز آشیاں	تو وہ اپنی جگہ سے اڑ کر اپنے آشیانہ میں پہنچ گئی۔
آں بلند آوازۂ عالم پناہ	وہ عالم پناہ میں مشہور ہستی۔
سرور عصر افتخار صدر گاہ	زمانہ کے سردار صدر گاہ کے قابلِ فخر۔

صدر دین و دولت آں مقبول حق
دین و دولت کے صدر وہ حق تعالیٰ کے مقبول بن گئے۔

نہ فلک بر خوان جودش یک طبق
نو آسمان ان کے جود و کرم کے دسترخوان پر ایک طبق ہیں۔

۴۰۹ حضرت شیخ نظام الدین خالدی دہلوی المعروف بہ شیخ نظام الدین اولیاء قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ

آپ ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ علومِ دینی کی تحصیل و تکمیل کے بعد رات کو دہلی کی جامع مسجد میں رہتے تھے۔ صبح کے وقت مؤذن مُنارے پر آیا تو اس نے یہ آیت پڑھی: اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ۔ کیا ایمان والوں کے واسطے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذِکر کے لیے جُھک جائیں۔

جب اس آیت کو اُنہوں نے سُنا تو ان کا حال بدل گیا اور ان پر ہر طرف سے انوار ظاہر ہوئے۔ جب صبح ہوگئی تو بے خرچ اور بے سواری کے حضرت شیخ فریدالدّین گنج شکر کی ملازمت و خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو گئے اور وہاں جاکر مرید ہوئے اور مرتبہ کمال کو پہنچے۔ حضرت شیخ نے ان کو دوسروں کی تکمیل کرنے کی اجازت دی۔ آپ دہلی میں واپس آگئے اور یہاں پر طلبہ کو تعلیم دینے اور اہلِ ارادت کی جماعت کی تربیت میں مشغول رہے۔ حسن اور خسرو دہلوی دونوں آپ کے مرید ہیں۔ شیخ فریدالدّین نے خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی سے خرقہ لیا اور اُنہوں نے خواجہ معین الدّین حسن سنجری سے اور اُنہوں نے خواجہ عثمان ہارونی سے اور اُنہوں نے حاجی شریف زندنی سے اور اُنہوں نے شیخ الاسلام قطب الدّین مودود چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ سے۔

حکایات و کرامات: کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک براٰت[۱] جس پر بہت بڑی رقم لکھی ہوئی تھی کھو دیا۔ وہ وہ حضرت نظام الدّین کی خدمت میں آیا اور اس کاغذ کے گم ہونے کا واقعہ عرض کیا اور اپنی حیرانی و پریشانی کا اظہار کیا شیخ نے اس کو ایک درم دیا کہ اس کا حلوہ خرید اور اس کا ثواب شیخ فریدالدّین کی رُوح کو بخش کر درویشوں کو دے دے جب اس نے درم حلوائی کو دیا اور حلوائی نے کچھ حلوہ کاغذ میں لپیٹ کر اس کو دیا۔ جب اُس نے غور سے دیکھا تو جو براٰت کا کاغذ اس سے گم ہوگیا تھا وہی تھا۔ یہ واقعہ اس واقعہ کے قریب ہے کہ ایک آدمی نے سو دینار کسی کے پاس رکھے تھے اور اس معاملہ میں اُس نے اس سے رسید لے لی جسے تمسّک کہتے ہیں۔ جب مطالبہ کا وقت آیا تو اس رسید کو نہ پایا۔ وہ شخص شیخ بنّاں حمّال کی خدمت میں آیا اور دُعا کی التماس کی۔ شیخ نے کہا، میں بوڑھا ہوں اور مٹھائی سے رغبت

---

[۱] براٰت فارسی میں اس کاغذ کو کہتے ہیں جس کے ذریعے خزانے سے روپیہ وصول کیا جاتا ہے۔

رکھتا ہوں۔ جا میرے واسطے ایک رطل (آدھ سیر) حلوہ خرید کر لا پھر دُعا کروں گا۔ وہ آدمی حلوہ خرید لایا اور کاغذ میں لپیٹ کر شیخ کے پاس لایا۔ شیخ نے کاغذ کھولا تو اُس کا وہی تمسک تھا۔ پھر شیخ نے فرمایا، تمسک کو بھی لے جا اور حلوے کو بھی لے جا۔ خود کھا اور بچوں کو کھلا۔ اس نے دونوں کو لیا اور چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ ملتان کے ایک تاجر کو راستہ میں چوروں نے لوٹ لیا اور اس کا سرمایہ لے گئے۔ وہ شیخ بہاؤالدین زکریا کے فرزند شیخ صدرالدین جو اپنے والد کے سجادہ نشین تھے کی خدمت میں گیا۔ کہا کہ میں دہلی جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں سفارش لکھ دیں کہ وہ اس جگہ مجھ پر توجہ فرمائیں کہ مجھے تجارت کا سرمایہ مل جائے اور ان کی توجہ سے تجارت کا سامان ہو جائے۔ شیخ صدرالدین نے اس کا التماس قبول کیا اور اس مطلب کا ایک رقعہ لکھ دیا۔ جب وہ دہلی پہنچا اور وہ رقعہ شیخ نظام الدین کو دیا۔ شیخ نے خادم کو آواز دی اور فرمایا، کل صُبح سے لے کر چاشت کے وقت (۹ - ۱۰ بجے) تک جس قدر فتوح کی آمد ہو ہم نے اس عزیز کو دے دی۔ اس کے سپرد کر دینا۔ خادم نے دوسرے دن اس آدمی کو ایک جگہ بٹھا دیا اور جو بھی فتوح (نذرانہ آتی تھی وہ اس کے سپرد کر دیتا تھا۔ جب شمار کیا تو چاشت کے وقت تک بارہ ہزار تنکہ آیا جسے اٹھا کر وہ لے گیا۔ ایک دفعہ سلطان علاؤالدین محمد شاہ خلجی نے زر و جواہر سے بھری ہوئی ہمیانی[1] شیخ کی نذر بھیجی۔ ایک قلندر شیخ کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور کہا، اَیُّھَا الشیخ الھدایا مُشترکٌ۔ اے شیخ ہدایا، نذرانے اور تحائف مشترک ہوا کرتے ہیں۔ شیخ نے کہا، اما تنہا خوش ترک، لیکن تنہا زیادہ اچھا ہے۔ قلندر پیچھے ہٹ گیا۔ شیخ نے فرمایا، آگے آ، کہ مقصود آں بود کہ ترا تنہا خوشترک۔ میرا مطلب یہ تھا کہ تیرے لیے تنہا زیادہ اچھا ہے۔ جب قلندر نے چاہا کہ وہ ہمیان کو اُٹھائے، تو اُس کے اٹھانے میں اس کی قوّت نے جواب دیا۔ اور اس کو شیخ کے خادم کی ضرورت پڑی۔

ایک دفعہ تازہ وضو کیا تھا۔ چاہا کہ واڑھی میں کنگھا کریں۔ کنگھا طاق میں تھا اور آپ کے پاس کوئی آدمی نہ تھا کہ اس کنگھے کو شیخ کے ہاتھ میں دے۔ کنگھا طاق سے خود کُودا اور خود کو شیخ کے ہاتھ میں پہنچا دیا۔

۱۰۱۴۔ حضرت شیخ ابو عبداللہ سومعی قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ گیلان کے بزرگ مشائخ اور زاہدوں کے سرداروں میں سے تھے۔ ان کے حالات عالی اور کرامات ظاہر تھیں۔ عجم کے بعض مشائخ سے ملے ہیں اور ان کی دُعائیں قبول ہوتی تھیں۔ جب غُصّہ میں ہوتے حق سُبحانہٗ و تعالیٰ ان کے لیے جلد ہی بدلہ

[1] ہمیان ایک ایسی پٹی کو کہتے ہیں جو حفاظت کے واسطے کمر میں باندھی جاتی ہے۔ پنجابی میں وانسلی کہتے ہیں۔

لیتے تھے اور جو کچھ وہ چاہتے خدا تعالیٰ ایسا ہی کر دیتے تھے اور واقع ہونے سے قبل جس چیز کی وہ خبر کرتے جیسے وہ کہہ دیتے تھے ویسا ہی واقع ہو جاتا تھا۔ ان کے مریدوں کی ایک جماعت تجارت کے ارادہ سے سمرقند کے لیے روانہ ہوئی۔ سمرقند کے قریب لٹیروں کی ایک جماعت ان کو لوٹنے کے واسطے نکل آئی۔ تاجروں کی جماعت نے شیخ عبداللہ کو آواز دی اُنھوں نے دیکھا کہ وہ ان کے درمیان کھڑے ہیں اور کہتے ہیں۔

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا اللہ دُور شوید — وہ پاکی والا ہمارا رب اللہ ہے۔ ان سب چیزوں سے پاک ہے جو ہمارے

اے سواران از میانِ ما — پروردگار کی شان کے لائق نہیں۔ اے سوارو ہمارے درمیان میں سے دُور ہو جاؤ۔

یہ سُن کر سب سوار تتر بتر ہو گئے۔ کسی سے یہ نہ ہو سکا کہ اپنا گھوڑا سنبھالے اور اس کو قابو میں رکھ سکے۔ بعض تو ان میں سے پہاڑوں میں جا گرے اور بعض جنگلوں میں۔ اِن میں دو آدمی بھی آپس میں نہ مل سکے اور جماعت اِن کے شر سے بچ گئی۔ جان و مال محفوظ رہے۔ اس کے بعد شیخ کو مریدین نے اپنے درمیان تلاش کیا تو کہیں نہ پایا۔ یہ لوگ جب گیلان واپس آئے اور یہ قصّہ بیان کیا تو شیخ کے اصحاب نے کہا کہ شیخ تو ہمارے پاس سے کبھی غائب نہ ہوئے۔[۱]

۱۱۴ حضرت شیخ محی الدّین عبدالقادر جیلی قدس اللہ روحہٗ

ولادت ۴۷۱ھ وفات ۵۶۱ھ۔ آپ کی کنیّت ابو محمد ہے۔ علوی حسنی ہیں۔ ابو عبداللہ صومعی کے نواسہ ہیں۔ ان کی والدہ ام الخیر امۃ الجبار فاطمہ ابو عبداللہ صومعی کی دُختر نیک اختر تھیں۔ حضرت فرماتے ہیں مَیں ابھی چھوٹا تھا کہ عرفہ کے دن باہر جنگل میں گیا اور کھیت کے لیے گائے کی دُم پکڑی۔ گائے نے میری طرف مُنہ کیا اور کہا، اے عبدالقادر، مَالِهٰذَا خُلِقْتَ وَلَا بِهٰذَا اُمِرْتَ — تو نہ اس لیے پیدا کیا گیا اور نہ تجھے اس کا حکم دیا گیا۔ مَیں ڈر گیا اور کھیت سے واپس آ گیا۔ اپنے گھر کے کوٹھے پر چڑھا تو عرفات میں حاجیوں کو دیکھا کہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اپنی والدہ کے پاس گیا۔ مَیں نے اُن سے کہا،

"مرا در کار خدا تعالیٰ کن و اجازت دہ تا ببغداد روم و بعلم مشغول شوم و صلحان را زیارت کنم" — کہ مجھے خدا تعالیٰ کے کام میں لگا دے اور اجازت دے کہ بغداد میں جاؤں اور علم میں مشغول رہوں اور صالحین کی زیارت کرتا رہوں۔

والدہ نے اس کا سبب پوچھا۔ مَیں نے اس سے بیان کیا۔ وہ رو پڑی اور اٹھی، اَسّی دینار نکال کر لائی اور کہا، یہ میرے

---

[۱] اس کا مطلب یہ ہے کہ لطیفہ غیبی شیخ کی شکل میں ظاہر ہو گیا۔ اور انہیں ڈاکوؤں سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت اور مہربانی کو شیخ کی شکل میں متمثل کر دیا۔

باپ کی میراث میں سے باقی رہ گئے ہیں۔ ۴۰ دینار میرے بھائی کے لیے رکھ لیے اور چالیس دینار میرے کُرتہ کی بغل کے نیچے سی دیلے۔ مجھے سفر کی اجازت دی اور مجھے عہد دیا کہ ہر حال میں سچ بولنا اور خواہ کیسا وقت ہو سچ پر قائم رہنا۔ پھر مجھے رخصت کرنے کے لیے باہر آئیں اور کہا، بیٹے خدا تعالیٰ کے واسطے تجھ سے جُدا ہوتی ہوں۔ اب کے بعد قیامت تک مَیں تجھے نہ دیکھوں گی۔ [1] مَیں مختصر قافلہ کے ساتھ بغداد کی طرف رَوانہ ہوا۔ جب ہمدان سے گزرا تو ساٹھ سوار باہر نکلے۔ انہوں نے قافلہ کو پکڑ لیا اور مجھے کسی نے کچھ نہ کہا، اچانک ان میں سے ایک سوار میرے پاس سے گزرا اور کہا،

"اے فقیر با خود چہ داری"۔ "گفتم "چھل دینار" او فقیر تیرے پاس کیا ہے۔ مَیں نے کہا "چالیس دینار"۔ گفت "در کجاست"۔ "گفتم در جامہ من دوختہ ست در زیر بغل من۔ اس نے کہا "کہاں ہیں؟" مَیں نے کہا، میرے چولہ میں میری بغل کے نیچے سِیئے ہوئے ہیں۔

اُس نے گمان کیا شاید میرا تمسخر یعنی ٹھٹا کر رہا ہوں۔ مجھے چھوڑ دیا اور چلا گیا۔ پھر دوسرا میرے پاس آیا۔ اُس نے وہی پوچھا تو اس نے وہی جواب سُنا۔ وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ اور یہ دونوں اپنے سردار کے پاس ایک ساتھ پہنچے اور مجھ سے جو کچھ اُنہوں نے سُنا تھا اس کو کہہ دیا۔ اُس نے مجھے بُلایا اور یہ لوگ ٹیلے پر قافلہ کا مال آپس میں تقسیم کر رہے تھے۔ اس نے بھی مجھے کہا کہ "تیرے پاس کیا ہے؟" مَیں نے کہا، "چالیس ۴۰ دینار"۔ اُس نے کہا "کہاں ہیں؟" مَیں نے کہا، میرے چولہ میں میری بغل کے نیچے سِلے ہوئے ہیں۔ اُس نے حکم دیا کہ میرے کپڑے کو پھاڑیں، تو جو کچھ مَیں نے کہا تھا اُنہوں نے وہی پایا۔ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ آخر تجھے کیا ہوا کہ تُو نے اس کا اقرار کیا۔ مَیں نے کہا، میری والدہ نے مجھے عہد دیا تھا کہ صدق اور سچائی پر رہنا اور میں اس کے عہد میں خیانت نہیں کروں گا۔ یہ بات سُن کر ان کا سردار رو پڑا اور کہا، مَیں تو اتنے برسوں سے اپنے پروردگار کے عہد میں خیانت کرتا رہا ہوں۔ پھر اُس نے میرے ہاتھ پر توبہ کی۔ اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ڈاکہ اور رہزنی میں تُو ہمارا سردار رہا ہے۔ اب توبہ میں بھی تُو ہمارا سردار رہ۔ سب نے میرے ہاتھ پر توبہ کی اور جو مال قافلہ سے لیا تھا سب کو واپس کر دیا اور میرے ہاتھ پر جن لوگوں نے توبہ کی ان میں سے پہلے یہ لوگ تھے۔

حضرت شیخ عبدالقادر ۴۸۸ھ میں بغداد پہنچے اور پوری محنت اور لگن سے علوم کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ پہلے قرآن پڑھنے میں مشغول ہوئے۔ اس کے بعد فقہ و حدیث اور علومِ ادبیہ میں ان اساتذہ کے پاس جو اس زمانہ میں مشہور و معروف

---

[1] گویا آپ کی والدہ کو کشف سے معلوم ہو گیا کہ اب کے بعد زندگی میں پھر ملاقات نہ ہو گی۔

تھے مشغول رہے اور قلیل عرصہ میں اپنے ہم سبق اور ہم زمانہ لوگوں پر فوقیت لے گئے اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں ممتاز بن گئے اور ۵۲۱ھ میں وعظ کی مجلس شروع کی۔ آپ کی کرامات ظاہر اور مقامات عالی ہوتے ہیں۔ امام یافعیؒ کی تاریخ میں شیخ عبدالقادر کی کرامات بے شمار ہیں۔ جن کو گنا نہیں جا سکتا اور میں جن اونچے اونچے اور مشہور اماموں سے ملا ہوں اُنہوں نے مجھے بتایا کہ شیخ کی کرامات متواتر ہیں یا قریب متواتر ہونے کے ہیں اور بالاتفاق یہ بات معلوم و مشہور ہے۔ جس قدر کرامات حضرت شیخ عبدالقادر سے ظاہر ہوئی ہیں اس زمانہ کے دوسرے مشائخ سے اتنی کرامات کا ظہور نہیں ہوا۔ اپنے مجاہدہ کے متعلق حضرت شیخ خود فرماتے ہیں کہ میں گیارہ سال ایک بُرج میں بیٹھا رہا۔ میں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا تھا کہ جب تک وہ نہ کھلائیں گے اور میرے مُنہ میں لقمہ نہ دیں گے نہ کھاؤں گا اور جب تک وہ نہ پلائیں گے نہ پیوں گا۔ ایک دفعہ چالیس روز کوئی چیز نہ کھائی۔ چالیس دن کے بعد ایک آدمی آیا اور تھوڑا سا کھانا لایا۔ رکھ کر چلا گیا۔ قریب تھا کہ میرا نفس اس پر گر پڑے، کیونکہ وہ بہت بھوکا تھا۔ میں نے کہا، اللہ کی قسم جو عہد میں نے خدا تعالیٰ سے کیا ہے اس سے نہ پھروں گا۔ میں نے سنا کہ کوئی شخص میرے اندر سے فریاد کرتا ہے اور اُونچی آواز سے کہتا ہے اَلْجُوْعُ اَلْجُوْع۔ اچانک شیخ ابو سعید مخزومی رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس سے گزرے اور وہ آواز سُنی اور کہا، عبدالقادر یہ کیا ہے؟ میں نے کہا، میرے نفس کا قلق و اضطراب ہے، مگر رُوح اپنے عہد پر برقرار ہے اور اپنے خداوند کے مشاہدہ میں ہے۔ اُنہوں نے فرمایا، "ہمارے گھر آ!" اور چلے گئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا، باہر نہ جاؤں گا۔ اچانک ابوالعباس خضر علیہ السلام آ گئے اور کہا، اُٹھ ابو سعید کے پاس جا۔ میں چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ ابو سعید اپنے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہوتے ہیں اور میرے انتظار میں ہیں۔ کہا، اوعبدالقادر! جو میں نے تجھے کہا تھا کیا وہ کافی نہیں تھا کہ خضر علیہ السلام کے کہنے کی ضرورت ہوئی ہے۔" پھر مجھے گھر میں لے گئے اور جو کھانا تیار کیا تھا، لقمہ لقمہ میرے مُنہ میں دیتے رہے۔ یہاں تک کہ میں سیر ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے خرقہ پہنایا اور میں نے ان کی صحبت کو لازم پکڑا۔ حضرت شیخ نے فرمایا، ایک وقت میں سیاحت میں تھا۔ ایک شخص میرے پاس آیا جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے کہا، "میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے؟" میں نے کہا، "ہاں۔" اس نے کہا، "اس شرط پر کہ میری مخالفت نہ کرے گا۔" میں نے کہا، "بہتر ہے نہیں کروں گا۔" اس نے کہا، "یہاں بیٹھ جب تک کہ میں آ جاؤں۔" ایک سال کے قریب عرصہ گزرا۔ وہ شخص نہ آیا۔ ایک سال گزر گیا تو واپس آیا۔ میں اُسی جگہ تھا۔ تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھا پھر کھڑا ہو گیا اور کہا، اس جگہ سے نہ جانا جب تک کہ میں نہ آ جاؤں۔ دُوسری دفعہ پھر ایک سال کے لیے چلا گیا۔ پھر آیا، کچھ دیر بیٹھا اور اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا، یہاں سے نہ جانا جب تک کہ

میں نہ آجاؤں۔ ایک سال اور گزر گیا۔ پھر آیا اور اپنے ساتھ دُودھ اور روٹی لایا۔ اور کہا، مَیں خضرؑ ہوں۔ اُنہوں نے مجھے فرمایا ہے کہ تیرے ساتھ کھانا کھاؤں۔ ہم دونوں نے وہ کھانا کھالیا تو کہا، "اُٹھ اور بغداد چل"۔ ہم دونوں مل کر بغداد آگئے۔ شجرہ یہ ہے، شیخ ابو محمد عبدالقادر بن ابی صالح بن عبداللہ الجیلی نے شیخ ابی سعید المبارک علی المخزومی کے ہاتھ سے خرقہ پہنا اور اُنہوں نے پہنا ابوالحسن علی محمد بن محمد بن یُوسف القرشی البکاری کے ہاتھ سے پہنا۔ اُنہوں نے شیخ ابی الفرح الطرطوسی کے ہاتھ سے، اُنہوں نے شیخ ابوالفضل عبدالواحد بن عبدالعزیز التیمی کے ہاتھ سے اُنہوں نے ابی بکر الشبلی قدّس اللہ ارواحہم کے ہاتھ سے۔

۴۱۲ شیخ حمّاد دبّاس رحمۃ اللہ تعالیٰ

المتوفی رمضان المبارک ۵۲۵ھ۔ شیخ محی الدین عبدالقادر کے مشائخ میں سے ہیں۔ وہ اُمّی تھے اور ان پر معارف اور اسرار کے دروازے کھول دیے گئے۔ اور یہ بڑے بڑے مشائخ کے پیشوا بن گئے۔ شیخ عبدالقادر جوان تھے اور شیخ حمّاد کی صحبت میں رہتے تھے۔ ایک دن پورے ادب سے ان کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب وہ اُٹھ کر باہر چلے گئے تو شیخ حمّاد نے کہا، اس عجمی کا اس کے وقت میں قدم ہے جو تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا کہ یقیناً اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کہے قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللہِ "میرا یہ قدم خدا تعالیٰ کے ہر ولی کی گردن پر ہے۔ اور یہ ضرور کہے گا اور جس وقت یہ کہے گا تمام اولیاء گردن جُھکا دیں گے۔

، شام کے علماء میں ایک شخص کا نام عبداللہ تھا۔ اُس نے کہا ہے کہ طلبِ علم کی خاطر میں بغداد میں گیا۔ ابنِ سقا اس وقت میں میرا رفیق تھا۔ مدرسہ "نظامیہ بغداد" میں ہم عبادت میں مشغول رہتے تھے اور صالحین کی زیارت کیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں بغداد میں ایک بزرگ تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ غوث ہے اور یہ بھی کہتے تھے کہ جس وقت وہ چاہتا ہے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہتے تھے کہ جب وہ چاہتا ہے ظاہر ہو جاتا ہے۔ پس مَیں اور ابن سقا اور شیخ عبدالقادر اور وہ اس وقت جوان تھا، غوث کی زیارت کے لیے گئے۔ ابن سقا راستہ میں کہنے لگا۔ اس سے ایسا مسئلہ پوچھوں گا جس کا جواب وہ نہیں جانتا۔ مَیں نے کہا، میں اُس سے ایک مسئلہ پوچھوں گا دیکھوں وہ کیا کہتا ہے۔ شیخ عبدالقادر نے کہا، "معاذ اللہ، معاذ اللہ، توبہ توبہ اس سے کہ مَیں اس سے کوئی چیز بھی پوچھوں۔ مَیں تو اس کی خدمت میں حاضری دینے جا رہا ہوں اور ان کی برکتوں کے انتظار میں رہوں گا۔ جب ہم اُس کی جگہ پر آئے، ہم نے اُس کو اس کی جگہ میں نہ پایا۔ تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ پھر ہم نے دیکھا کہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے اور بڑے غصّہ سے ابن سقا کو گھورنے لگا اور کہا، اے ابنِ سقا! تجھ پر افسوس ہے مجھ سے وہ مسئلہ پوچھے

گا کہ جس کا میں جواب نہیں جانتا؛ وہ مسئلہ یہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کُفر کی آگ تجھ میں شُعلہ مار رہی ہے۔ اِس کے بعد مجھے دیکھا اور کہا، او عبداللہ! مجھ سے مسئلہ پوچھتا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ مَیں کیا کہتا ہوں؛ وہ مسئلہ یہ ہے اور اس کا جواب یہ اور ضرور بالضرور دُنیا تجھے دونوں کانوں تک قابو کرے گی۔ بامن بے ادبی کردی۔ تُو نے میری بے ادبی کی ہے۔" اس کے بعد شیخ عبدالقادر کو دیکھا اور اس کو اپنے قریب بٹھا لیا۔ عزت کی اور کہا، اے عبدالقادر! اس ادب کی وجہ سے جس کا تُو نے پاس رکھا، تُو نے خُدا اور رسُول کو خوشنود کیا۔ گویا کہ مَیں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو بغداد میں منبر پر آیا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے قدمی ھٰذہٖ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تیری بزرگی اور عزت کی وجہ سے تیرے وقت کے تمام اولیاء اپنی گردنوں کو جُھکائے ہوئے ہیں اور پھر اُسی وقت ایسا غائب ہوا کہ اس کے بعد پھر کبھی ہم نے اُسے نہ دیکھا اور جو کچھ اُس نے شیخ عبدالقادر کے بارہ میں کہا واقعتہً ایسا ہو گیا اور ابنِ سقا نے تحصیلِ علوم میں خُوب محنت کی اور اپنے زمانہ کے اہلِ علم پر فائق ہو گیا۔ خلیفہ نے اس کو رُوم کے بادشاہ کے پاس پیغام دے کر بھیجا۔ رُوم کے بادشاہ نے نصرانی علماء کو اس کے ساتھ مناظرہ کا حکم دیا۔ ابنِ سقا نے سب کو الزام دیا اور ان کو ایسا بے جواب کر دیا کہ رُوم کے بادشاہ کی نگاہ میں اس کی عزت ہو گئی۔ بادشاہ کی ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ اُسے دیکھ کر یہ اس پر فریفتہ ہو گیا۔ اُس کے ساتھ شادی کے لیے بادشاہ سے درخواست کی۔ بادشاہ نے کہا، اس شرط کے ساتھ منظور کرتا ہوں کہ تُو نصرانی بَن جائے۔ اُس نے قبُول کی۔ بادشاہ نے اس کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔ اس وقت ابنِ سقا کو غوث کی بات یاد آئی اور جانا کہ مجھے جو کچھ پیش آیا ہے اُسی سبب سے پیش آیا۔

اس قصہ کے بیان کرنے والے عالم عبداللہ کہتے ہیں۔ بہرحال جب میں دمشق گیا تو نورالدین شہید نے مجھے اوقاف کے متولّی ہونے پر مجبور کیا اور دُنیا نے میری طرف رُخ کر لیا اور

سُخنے کہ غوث در حق من گُفتہ بود راست شُد — جو بات کہ میرے حق میں غوث نے کہی تھی درست ہو گئی۔

شیخ عبدالقادر ایک دن اپنی رباط "خانقاہ" میں مجلس کرتے تھے۔ پچاس کے قریب عام مشائخ حاضر تھے۔ ان میں سے شیخ علی ہیتی، شیخ بقا ابن بطو، شیخ ابوسعید قیلوی، شیخ ابوالنجیب سہروردی، شیخ جاگیر قضیب البان موصلی اور شیخ ابوالسعود کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے مشائخ موجود تھے۔ شیخ بات کہہ رہے تھے۔ بات کرتے ہوئے فرمایا، قَدَمِی ھٰذِہٖ عَلیٰ رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہ۔ شیخ علی ہیتی منبر پر آئے اور شیخ کے قدم مبارک کو پکڑا اور اپنی گردن پر رکھ لیا۔ اور شیخ کے دامن تلے آ گئے اور باقی تمام مشائخ نے اپنی گردنیں آپ کے

سامنے جھکا دیں ۔ شیخ ابوسعید قیلوی نے کہا، کہ جب شیخ عبدالقادر نے کہا، قدمی ھذہٖ علٰی رقبہ کل ولی اللہ ۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اِن کے دِل پر تجلّی فرمائی اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ملائکۃ المقربین کے ایک گروہ کے ہاتھ سے اولیاء متقدمین و متاخرین کی موجودگی میں جو زندہ تھے وہ اپنے جسموں کے ساتھ اور جو وفات پا چکے تھے وہ اپنی رُوحوں کے ساتھ وہاں موجود تھے ۔ ان سب نے ان کو خلعت پہنائی اور ملائکۃ اور رجال الغیب نے ان کی مجلس کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا ۔ اور کئی قطاریں ہوا میں کھڑی تھیں اور اُس وقت رُوئے زمین پر کوئی ولی نہ تھا، مگر یہ کہ سب نے اپنی گردن کو نیچے کیا ہوا تھا اور بعضوں نے کہا ہے عجم کے ایک وَلی نے تواضع نہ کی اس کا حال اُس سے مخفی ہوگیا ۔

۱۳۱۴ حضرت شیخ صدقہ بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ایک دِن اُنہوں نے ایسی کوئی بات کہہ دی جس پر بروئے ظاہری شرع مؤاخذہ آتا تھا لوگوں نے خلیفہ تک پہنچا دی خلیفہ نے ان کے حاضر کرنے کا حکم دے دیا تاکہ سزا دے ۔ جب سزا کے لیے اِن کے سَر کو ننگا کیا گیا ۔ ان کے خادم نے فریاد کی "واشیخاہ" تو اُسی وقت جس آدمی نے ان کے مارنے کا قصد کیا تھا اُس کا ہاتھ شل ہوگیا اور اس پر بڑی ہیبت چھا گئی ۔ اور جب خلیفہ نے اس کا مشاہدہ کیا اس پر بھی ہیبت نے غلبہ کیا ۔ حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دیں ۔ یہاں سے وہ شیخ عبدالقادر کی رباط (خانقاہ) میں آئے ۔ دیکھا کہ مشائخ اور تمام آدمی شیخ کے منتظر بیٹھے ہوئے ہیں کہ وہ باہر آئیں اور بات کہیں ۔ صدقہ آئے اور مشائخ کے درمیان بیٹھ گئے ۔ جب شیخ باہر آئے اور منبر پر چلے گئے کوئی بات نہیں کہی اور قاری کو بھی نہ کہا کہ وہ قرآت کرے یعنی کچھ پڑھے، لیکن لوگوں نے بڑا وجد پایا اور قوی حالت نے ان کو خود سے بے خود کر دیا ۔ شیخ صدقہ نے اپنے دل میں کہا، نہ تو شیخ نے کچھ کہا ہے اور نہ قاری نے کچھ پڑھا ہے ۔ وَجد کس چیز سے ہو رہا ہے ۔ شیخ عبدالقادر نے ان کی طرف مُنہ کیا اور کہا، یا خُدا میرا ایک مرید بیت المقدّس سے اس جگہ تک ایک قدم میں آیا ہے اور اُس نے میرے ہاتھ پر توبہ کی ہے ۔ حاضرین آج اس کی مہمانی میں ہیں ۔ شیخ صدقہ نے دل میں کہا جو شخص بیت المقدّس سے ایک قدم میں بغداد آجاوے کیا اس کو بھی توبہ کی ضرورت ہے اور اس کو شیخ کی کیا ضرورت ہے ؟ شیخ نے اس کی طرف توجہ کی اور کہا، یا خُدا وہ اس سے توبہ کرتا ہے کہ دوسری دفعہ ہَوا و ہوس میں مدِ پڑ جائے اور اس کو میری ضرورت اس بنا پر ہے کہ میں اس کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی محبت کی راہ دکھاؤں ۔

لہ واویلا کا مخفف ہے ۔ مرض اور درد کے وقت یہ کلمہ زبان سے نکلتا ہے یا افسوس کرنے اور کسی پر رنج کرنے کے وقت یہ کلمہ بولا جاتا ہے ۔

۱۸۸ حضرت شیخ ابو محمد عبد الرحمٰن الطفسونجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ایک دن اُنہوں نے طَفسُونج میں جو بغداد کے علاقہ میں ہے ممبر پر کہا،

اَنَا بَیْنَ الْاَوْلِیَاءِ کَالْکُرْکِیِّ بَیْنَ الطُّیُوْرِ اَطْوَلُھُمْ عُنُقاً

مَیں اولیاء میں ایسا ہوں جیسے پرندوں میں کلنگ ان سب میں سب سے بڑی گردن والا ہے۔

شیخ ابوالحسن علی بن احمد جنت کے رہنے والے جوان اطراف میں ایک موضع ہے اور وہ شیخ عبدالقادرؒ کے مریدوں میں سے تھے۔ اُن کی مجلس میں آگئے۔ کھڑے ہوگئے۔ گودڑی سے سَر نکال کر کہا، مجھے رُخصت دے کہ میں تجھ سے کُشتی کروں۔ شیخ عبدالرحمٰن خاموش رہے اور اپنے مریدوں سے کہنے لگے۔ اس کے وجود میں سر کے ایک بال کے برابر بھی کوئی حصہ عنایتِ الٰہی سے خالی نہیں دیکھتا اور اُس کو کہا کہ اپنی گودڑی کو پہن لے۔ اس نے کہا، جس سے مَیں باہر نکل چکا ہوں اس میں واپس نہ جاؤں گا۔ پھر جنت کے گاؤں کا رُخ کیا اور اپنی بیوی کو آواز دی۔ اے فاطمہ! میرے کپڑے لا تا کہ مَیں انہیں پہنوں۔ اس کی بیوی نے اُسے اُس گاؤں میں سُنا اور اس کی راہ میں کپڑے لے کر آگئی۔ یہ دیکھ کر شیخ ابو عبدالرحمٰن نے کہا، تیرا پیر کون ہے؟ کہا، میرا پیر شیخ عبدالقادر ہے۔ اُس نے کہا، مَیں نے شیخ عبدالقادر کا نام کبھی نہیں سُنا ہے اور مجھے اس میں چالیس سال ہو چکے ہیں کہ باب قدرت کے درکات میں ہوں وہاں بھی اُس کو کبھی نہیں دیکھا۔ اُس کے بعد اپنے مریدوں سے کہا، کہ تم بغداد جاؤ اور شیخ عبدالقادر کو کہو کہ عبدالرحمٰن سلام پہنچاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے چالیس سال ہو چکے ہیں کہ باب قدرت کے طبقوں میں ہوں، مگر مَیں نے آپ کو وہاں کبھی نہیں دیکھا۔ لَادَاخِلاً وَّلَاخَارِجاً نہ اندر دیکھا نہ باہر۔ شیخ عبدالقادر نے اُسی وقت اپنے مریدوں کو کہا، طفسونج جاؤ۔ راستہ میں تمہیں عبدالرحمٰن طفسونجی کے مرید ملیں گے جن کو اس نے اپنا پیغام دے کر میرے پاس بھیجا ہے۔ اُن کو اپنے ساتھ واپس لے جانا۔ جب شیخ عبدالرحمٰن کے پاس پہونچو تو کہنا عبدالقادر آپ کو سلام پہونچاتا ہے اور کہتا ہے

انت فی الدرکات و من ھو فی الدرکات لا یریٰ من ھو فی الحضرۃِ وَ من ھو فی الحضرۃ لا یریٰ من ھو فی المخدع اَدخُلُ وَ اخرج من باب السرِ من حیث لا ترٰانی بامارۃٍ اَن خرجتُ لک الخلعۃ الفلانیۃ فی الوقت الفلانی علیٰ یدی خرجتُ لکَ وھی

تو نچلے درجوں میں ہے اور سلطانِ حقیقی کے حضور سے دُور ہے اور جو نچلے درجوں میں ہے وہ اُس شخص کو نہیں دیکھتا ہے جو حضُور میں ہو اور جو حضُور میں ہے وہ اُس کو نہیں دیکھتا جو یہاں پردہ خانہ میں ہے اور میں نہاں خانہ میں ہوتا ہوں۔ میں فیض حاصل کرنے اور فیض پہونچانے کے واسطے خفیہ دروازہ سے داخل ہوتا ہوں اور اسی طرح نکل آتا ہوں کہ تو مجھے نہیں دیکھتا

خلعة الرضا و بامارة خروجِ التشريف الفلانى فى الليةِ الفلانية لك على يدى خرجت لك وهى تشريفُ الفتح بامارة ان اخلع عليك فى الدركات بمحضرٍ من اثنى عشر الف ولى اللهِ سُبحانهٗ وتعالے خلعةُ الولاية وهى فرجيةٌ خضراءُ طرازُها سورة الاخلاص على يدى -

اس کی دلیل اور نشانی یہ ہے کہ میں تیری فلاں خلعت کے لیے فلاں وقت نکلا اور وہ خلعت میرے ہاتھ پر باہر آئی اور تیرے لیے میں واسطہ تھا اور وہ خلعت رضا کے معنی کی صورت تھی اسلئے کہ مفاوضہ[لہ] کے معانی کے لیے اس واقعہ میں مناسبت ہوتی ہے جسطرح کہ خواب میں ہوتی ہے اور دو نشانی یہ ہے کہ فلاں رات میں فلاں خلعت میرے ہاتھوں تیرے لیے نکلی اور ایک اور کرامت جو تجھے میرے ہاتھ سے پہونچی وہ فتح کی صورت میں تھی اور ایک دلیل یہ ہے کہ میں نے خدا کے بارہ ہزار اولیاء کی موجودگی میں تجھے ولایت کی خلعت پہنائی اور اس کی صورت سبز چوغہ کی تھی کہ اس کو سورۂ اخلاص سے آراستہ کیا گیا تھا۔

حضرت شیخ کے مُرید شیخ عبد الرحمٰن کے مریدوں سے راستہ میں مل گئے اور ان کو واپس لے گئے اور شیخ عبد الرحمٰن کو پیغام پہونچایا۔ شیخ نے کہا، شیخ عبد القادر نے سچ کہا، وہ وقت کا بادشاہ اور اس میں تصرف کرنے والا ہے۔

دعا سے تقدیر کی تبدیلی کی مثال:- شیخ حمّاد کے پاس ایک تاجر آکر کہنے لگا۔ میں نے شام کے قافلہ میں جانے کی تیاری کی ہے اور ۷۰۰ سو دینار کا سامان ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔ شیخ حمّاد نے کہا، اگر اس سال جائے گا تو تیرا مال ڈاکو لے لیں گے اور تو قتل ہو جائے گا۔ تاجر بڑا غمگین ہو کر شیخ حمّاد کے پاس سے نکلا۔ شیخ عبد القادر اُس کے سامنے آگئے۔ اُن سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا، جا سلامتی سے جائیگا اور منافع لے کر آئے گا۔ اور اس کی میں ضمانت دیتا ہوں۔ وہ شخص شام کے سفر پر روانہ ہوا اور اپنا سامان ایک ہزار دینار میں فروخت کیا۔ ایک دن قضاء حاجت کے لیے سقایہ میں گیا اور وہ ہزار درہم ایک طاق میں رکھ کر بھول گیا اور اپنی منزل پر آگیا۔ اُسے نیند آگئی۔ خواب میں دیکھا کہ قافلہ میں ہے اور ڈاکوؤں نے قافلہ پر ڈاکہ ڈالا اور قافلہ والوں کو مار ڈالا اور اس پر بھی کسی آدمی نے حملہ کیا اور یہ مارا گیا۔ اس کی ہیبت سے بیدار ہو گیا تو خون کا اثر اپنی گردن پر دیکھا اور اس کی چوٹ کا درد اپنے وجود میں محسوس کیا۔ اُس کے خیال میں آیا کہ ہزار دینار بھول آیا ہوں۔ جلدی سے گیا اور اُن کو واپس لے آیا اور بغداد میں واپس ہوا۔ اپنے دل میں کہا کہ پہلے شیخ حمّاد کی زیارت کروں کہ وہ بڑے بزرگ ہیں اور اس کے بعد شیخ عبد القادر کی زیارت کروں گا کہ اُن کی بات سچی ہو گئی ہے

لہ مُفاوضہ کا مطلب یہ ہے کہ فیض دینے لینے کی حقیقت کی کوئی صورت ہوتی ہے۔

اچانک اُس نے شیخ حمّاد کو بازار میں دیکھا، اُنھوں نے فرمایا پہلے شیخ عبدالقادر کی زیارت کر کہ اس کی بات درست ہو گئی ہے۔ اُس نے ۷۰ مرتبہ خدا تعالیٰ سے دُعا مانگی ہے۔ اس لیے تیرا قتل جو بیداری میں مقرّر ہو چکا تھا خواب میں گزر گیا اور تیرے مال کا نقصان فراموشی[لے] میں قرار پا گیا، لہٰذا وہ شیخ عبدالقادر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے وہی کچھ کہا جو شیخ حمّاد نے کہا تھا کہ ۷۰ مرتبہ درخواست کی ہے۔ کہا معبود کی عزّت کی قسم کہ ۷۰ بار اور ۷۰ بار اور ۷۰ بار یہاں تک کہ ۷۰ بار میں نے درخواست کی یہاں تک کہ وہی حال ہو گیا جو شیخ حمّاد نے کہا ہے۔

واقعہ شیخ شہابُ الدّین سہروردی قدّس اللہ رُوحہٗ :۔ اُنھوں نے اپنا قصّہ بیان کیا کہ مَیں جوانی میں علمِ کلام میں مشغول ہوا۔ اس فن میں کئی کتابیں مَیں نے یاد کر لیں اور میرے چچا اس سے منع کرتے تھے۔ ایک دن میرے چچا حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی زیارت کے لیے گئے اور مَیں اُن کے ساتھ تھا۔ مجھ سے کہا، دل سے متوجّہ رہ کہ ہم ایک ایسے مرد کے پاس آئے ہیں جس کا دل خدا تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتا ہے اور اُس کے دیدار کی برکتوں کا انتظار کر۔ جب مَیں بیٹھ گیا تو میرے چچا نے عرض کیا۔ اے میرے آقا، میرا بھتیجا عُمر علمِ کلام میں مشغول ہے۔ جس قدر بھی اسے کہتا ہوں یہ اُس سے باز نہیں آتا۔ اسے چھوڑتا نہیں۔ شیخ نے کہا، اے عُمر! تو نے کون سی کتاب حفظ کی ہے۔ مَیں نے کہا، فلانی کتاب اور فلانی کتاب۔ شیخ نے اپنا دستِ مبارک میرے سینہ پر پھیرا۔ اللہ کی قسم اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کتابوں میں سے مجھے ایک لفظ بھی یاد نہ رہا۔ خدا تعالیٰ نے ان تمام مسائل کو میرے دل سے بھلا دیا، لیکن میرے دل کو علمِ لدُنی سے بھر دیا۔ مَیں آپ کے پاس سے ایسی زبان لے کر اُٹھا جو حکمت بولنے والی تھی۔ مجھ سے کہا،

یاعمر انت آخر المشہورین بالعراق	اے عُمر عراق میں جس قدر مشہور لوگ ہوئے ہیں ان میں سب سے آخری ہو گا یعنی عراق کے مشاہیر میں تو آخری شخص ہو گا۔

۱۵ حضرت شیخ عمر و صریفینی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

خود فرماتے ہیں کہ میرا ابتدائی حال یُوں ہوا کہ صریفین[سے] میں چت لیٹا ہوا تھا اور مُنہ آسمان کی طرف کیے ہوئے تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ پانچ کبُوتر ہوا میں اُڑے جا رہے ہیں۔ ایک کہتا تھا:

سُبحَانَ من عندہٗ خزائنُ کُلِّ شیٍٔ	پاک ہے وہ ہستی جس کے پاس خزانے ہیں ہر چیز کے اور نیچے نہیں
وما یُنَزِّلُہٗ اِلّا بِقَدرٍ معلومٍ	اُتارتا اُس کو مگر اسقدر جو اسکے علم و حکمت کے مطابق ہو۔

لے نقصان جو ہونا تھا خواب میں گزر گیا۔ سے یہ لفظ دو طرح پر ہے صریفین اور صریفن۔

اور دوسرا کہتا تھا:-

سُبحانَ مَن اعطیٰ کُلَّ شیءٍ خلقهٗ ثُمّ ھدیٰ
پاک ہے وہ ذات جس نے عطا کیا ہر چیز کو وہ وجود جو اس کے مناسب ہے، اسکے بعد اسکی رہنمائی کی۔ اس غرض کی تحصیل کا طریقہ بتایا جو اس سے مطلوب تھا۔

تیسرا کہتا تھا: سُبحانَ بعثَ الانبیاء حُجةً علیٰ خلقهٖ وَفضّلَ علیهِم محمداً صَلّی اللّٰہُ علیهِ وَسلّمَ
پاک ہے وہ ذات جس نے اٹھایا انبیاء کو پیغامبری کے ساتھ تاکہ وہ اپنی مخلوق پر ان کو حجّت بنائے اور لوگ خدا تعالیٰ تک پہنچانے والے راستہ کے معلوم نہ ہونیکا بہانہ نہ کریں اور ان سب پر حضرت محمدؐ کو فضیلت بخشی کہ ان کی
جامعیت احکامِ الٰہی اور احکامِ تکوینی کے لیے بطریقِ اعتدال ہے بخلاف دوسرے انبیاء کی جامعیت کے۔

اور چوتھا کبوتر کہتا تھا، کُلّ مَا فِی الدُّنیا بَاطِلٌ اِلّا مَا کانَ للّٰہِ وَلِرَسُولهٖ
جو کچھ بھی دُنیا میں ہے باطل اور بے فائدہ ہے، مگر وہ جو اللہ اور اس کے رسُول کے لیے ہے۔

پانچواں کہتا تھا:

یا اھلَ الغفلةِ عن مَولٰکُم قومُوا الیٰ رَبّکُم رَبٌّ کریمٌ یُعطِی الجزیلَ وَیغفرُ الذنبَ العَظِیم
اے وہ لوگو جو اپنے رَب مَولیٰ سے غافل ہو اُٹھو خوابِ غفلت سے اور باطنی حرکت کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف میں متوجہ ہو جاؤ کہ وہ پروردگار ایسا کریم ہے کہ بہت دیتا ہے اور گناہِ عظیم کو بخش دیتا ہے۔

جب مَیں نے یہ سُنا اور دیکھا۔ بے ہوش ہو گیا اور جب ہوش میں آیا دُنیا کی دوستی اور جو کچھ دُنیا میں ہے اُس کی محبت پوری طرح میرے دِل سے نکل چکی تھی۔ جب صبح ہوئی تو مَیں نے خدا تعالیٰ سے عہد کیا کہ مَیں خود کو کسی شیخ کے سپرد کروں گا جو خدا تعالیٰ کی طرف جانے میں میری رہنمائی کرے اور مجھے خدا تعالیٰ کا راستہ دکھا دے اور بغیر کسی مقام کو منزل بنائے رَوانہ ہو گیا۔ مَیں نہیں جانتا تھا کہ کہاں جاتا ہوں۔ اتفاقاً ایک خُوبصورت، باہیبت اور باوقار مرد میرے سامنے آیا اور کہا، السلام علیک یا اباعمر۔ مَیں نے اُس کو سلام کا جواب دیا اور اُسے قسم دے کر کہا کہ تو کون ہے کہ تُو میرا نام جانتا ہے، حالانکہ مَیں نے تجھے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ اُس نے کہا، مَیں خضر ہوں۔ شیخ عبدالقادر کے پاس موجود تھا۔ اُس نے کہا، اے ابوالعباس بصریقین میں کل ایک شخص کو جنابِ حق تعالیٰ کی کشش پہنچی ہے اور وہ اُن کے یہاں مقبول ہو گیا ہے اور اُس کو ساتویں آسمان کے اُوپر سے آواز آئی ہے (مَرحبا بِکَ عَبدی) آ اے میرے بندے اُس نے خدا کے ساتھ عہد کیا ہے کہ وہ خود کو کسی شیخ کے سپرد کر دے گا۔ اُس کے پاس جا اور اُس کو میرے پاس لے آ۔ پھر مجھے کہا،

یا اباعمرو عبدالقادر سیّد العارفین وقبلۃُ الوافدین فی ھٰذا الوقت فعلیك بملازمۃ خدمتہ و تعظیمِ حُرمتہ — اے ابوعمر، عبدالقادر اسوقت میں عارفوں کا سردار اور اللہ کی طرف جانیوالوں کا قبلہ ہے۔ پس تجھے اس کی خدمت میں رہنا ہے اور اُنکی عزّت کرنا اور اُنکے آداب کا پاس رکھنا ضروری ہے۔

مَیں خود تو حاضر نہیں ہوا، مگر خود بخود اپنے کو بغداد میں دیکھا اور حضر علیہ السّلام ایسے غائب ہوئے کہ مَیں نے ان کو سات سال تک نہ دیکھا۔ شیخ عبدالقادرؒ کی خدمت میں آیا۔ تو اُنہوں نے فرمایا۔

مرحبا بمن جذبہ مولاہ الیہ بالسنۃِ الطیر وَ جَمَعَ لہٗ کثیرًا من الخیرِ — ایسے شخص کے لیے مرحبا ہے جسکو اسکے مولا نے جانوروں کی زبان کے ذریعے اپنی طرف کھینچ لیا ہو اور کیلئے بہت سی خیر جمع کی ہو۔

"اے ابوعمرو۔ جلد ہی وہ وقت آئے گا جب خدا تعالیٰ تجھے ایک مرید دے گا۔ اس کا نام عبدالغنی ابن نقطہ ہوگا اور اس کا مرتبہ بہت سے اولیاء اللہ سے بڑھ کر ہوگا اور خدا تعالیٰ اُس کے سبب فرشتوں پر فخر کرے گا۔" اس کے بعد آپ نے اپنی ٹوپی میرے سر پر رکھ دی۔ اُس کی خوشی اور ٹھنڈک میرے دماغ تک پہنچی اور دماغ سے دل تک ملکوت کا حال مجھ پر کُھل گیا۔ مَیں نے سُنا کہ جہان اور جو کچھ اس میں ہے اپنی اپنی بولیوں میں اور طرح طرح کی پاکیزگیوں کے ساتھ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ قریب تھا کہ میری عقل زائل ہو جائے۔ شیخ اپنے ہاتھ میں روئی کا ٹکڑا رکھتے تھے۔ اس کو اُنہوں نے مجھ پر مارا تو میری عقل بَرقرار رہی۔ اُس کے بعد کچھ عرصہ تک اُنہوں نے مجھے خَلوت میں بٹھایا۔ اللہ کی قسم جو بات بھی ظاہر میں یا باطن میں مجھے معلوم ہوتی تھی میرے کہنے سے پہلے وہ مجھے بتا دیتے تھے۔ اور میں کسی حال، کسی مقام اور کسی مشاہدہ و مکاشفہ پر نہیں پہونچا کہ اُس پر پہنچنے سے پہلے مجھے اُنہوں نے نہ کہدیا ہو اور مجھے ان چیزوں کی خبر دیتے تھے جو اُن کی خبر دینے کے کئی سال بعد واقع ہوئیں اور آپ سے میرے خرقہ پہنے اور ابن نقطہ ایسا ہی تھا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔

واقعہ: ایک عالم کہتے ہیں کہ مَیں شیخ عبدالقادر کے سامنے آیا۔ اُس وقت میں جوان تھا اور اپنے ساتھ علوم فلسفیوں کے علوم کی ایک کتاب رکھتا تھا۔ شیخ عبدالقادر نے بغیر اس کے کہ خود کتاب کو دیکھیں یا مجھ سے پوچھیں کہ یہ کیا کتاب ہے، فرمایا،

یا فلاں بئس الرفیقُ کتابُکَ ھٰذا — اے فلاں بُرا ساتھی ہے یہ تیری کتاب۔

اُٹھ اور اس کو دھو دے۔ مَیں نے ارادہ کیا کہ شیخ کے پاس سے اُٹھ جاؤں گا اور اس کتاب کو گھر چھوڑ آؤں گا اور پھر اُس کو اپنے ساتھ نہ رکھوں گا۔ شیخ کے ڈر سے میرا نفس اس کے دھونے پر دلیری نہ کرتا تھا، کیونکہ مَیں نے اس کتاب کو پڑھا ہوا تھا اور مجھے اس سے محبت ہو گئی تھی۔ مَیں نے اس نیّت کے ساتھ اُٹھنا چاہا۔ شیخ نے مجھے دیکھا تو مجھ

میں اُٹھنے کی طاقت نہ رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے اس کو باندھ دیا ہے۔ پھر کہا، اپنی کتاب مجھے دے۔ مَیں نے اُسے کھولا، تو اس کے اوراق سفید دیکھے کہ ان پر ایک حرف بھی لکھا ہوا نہ تھا۔ مَیں نے کتاب شیخ کے ہاتھ میں دے دی۔ اُنہوں نے ورقے اُلٹائے اور کہا، یہ کتاب فضائلِ قرآن ہے اور وہ مجھے دے دی۔ مَیں نے دیکھا تو وہ واقعی کتاب فضائلِ قرآن ہے جو نہایت خوش خط قلم میں لکھی ہوئی تھی۔ پھر فرمایا، تُو نے توبہ کرلی کہ آئندہ زبان سے وہ نہ کہنا جو تیرے دِل میں نہ ہو۔ مَیں نے کہا ہاں۔ فرمایا، اُٹھ۔ مَیں اُٹھا اور جو کچھ اس کتاب میں نے یاد کیا تھا وہ سب کچھ مجھے بھُول گیا اور اس زمانہ تک کوئی بھی بات اس کی کبھی یاد نہیں آئی۔

کرامت: ایک دن شیخ وعظ فرما رہے تھے۔ بارش شروع ہوگئی۔ لوگ متفرق یعنی اِدھر اُدھر جانے لگے۔ شیخ نے اُوپر کو مُنہ اٹھا کر کہا، مَیں تو لوگوں کو جمع کرتا ہوں اور تُو ان کو جُدا کرتا ہے۔ اُسی وقت بارش مجلس پر برسنی بند ہوگئی اور مجلس سے باہر برستی رہی۔

اللہ کی دین: شیخ کا ایک مرید کہتا ہے کہ مَیں ان کی خدمت میں مشغول رہتا تھا۔ اکثر راتوں کو جاگتا رہتا تھا۔ آپ ایک رات گھر سے باہر آئے۔ مَیں نے پانی کا لوٹا سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اِدھر توجّہ نہ کی اور مدرسہ کے دروازہ کی طرف رُخ کیا۔ دروازہ کھُلا اور آپ باہر چلے گئے۔ مَیں بھی آپ کے پیچھے گیا۔ اس طرح کہ میرا گمان یہ تھا کہ وہ نہیں جانتے کہ میں اُن کے ہمراہ ہوں۔ جب بغداد کے دروازہ پر پہنچے وہ خود بخود کھُل گیا۔ آپ باہر چلے گئے اور میں بھی باہر نکل آیا۔ اُس کے بعد دروازہ بند ہوگیا۔ اور جب کچھ دیر چلے تو اچانک ایک شہر میں پہونچے۔ مجھے معلوم نہ ہوا کہ کونسا شہر ہے۔ آپ ایک سرائے میں آئے وہاں چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سامنے آئے اور آپ کو اُنہوں نے سلام کیا۔ مَیں ایک ستون کے پیچھے چھُپ گیا۔ اس رباط کے ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ تھوڑی دیر میں رونے کی آواز بند ہوگئی۔ اتفاقاً ایک مرد آگیا اور جس طرف رونے کی آواز آئی تھی چلا گیا۔ اُس کے بعد باہر آیا۔ اور ایک شخص کو کندھے پر اٹھائے ہوئے تھا ...... اس کے سَر اور لبوں کے بال بڑھے ہوئے تھے اور وہ شیخ کے سامنے بیٹھ گیا۔ شیخ نے اس کو شہادتین کی تعلیم کی اور اس کے سَر اور لبوں کے بال لیے اور اس کو ٹوپی پہنائی اور اُس کا نام محمد رکھا اور ان چھ آدمیوں سے کہا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ اس شخص کو اس مرد کی جگہ مقرّر کروں۔ اُنھوں نے کہا سمعاً وطاعۃً۔ پھر شیخ باہر آگئے اور ان کو چھوڑ دیا۔ اور مَیں بھی شیخ کے پیچھے آگیا۔ کچھ دیر چلے تھے کہ بغداد کے دروازہ پر پہنچ گئے اور دروازہ پہلے کی طرح کھُل گیا۔ پھر مدرسہ کے دروازہ پر پہنچے۔ وہ بھی کھُل گیا۔ شیخ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ جب صبح ہوئی میں شیخ کے سامنے بیٹھا تا کہ اپنا سبق پڑھوں۔ مجھ پر ایسی ہیبت چھائی کہ میں پڑھ نہ سکا۔ شیخ نے کہا، بیٹے پڑھ۔ مَیں نے آپ کو قسم دی کہ جو کچھ مَیں نے رات کو دیکھا تھا مجھ سے بیان

فرمائیں۔ فرمایا، وہ شہر نہاوند تھا اور وہ ۶ آدمی ابدال تھے اور جو روتا تھا وہ اُن کا سردار تھا اور جو باہر آیا اور ایک شخص کو کندھے پر اٹھا رکھا تھا وہ خضر (علیہ السلام) تھا۔ وہ اس مُردہ کو باہر لائے، تاکہ اس کے کفن دفن کا بندوبست کریں۔ اور وہ شخص جس کو مَیں نے اَشْھَدُ ان لاالٰہ الا اللّٰہ وَاشھد اَنّ محمدرسول اللّٰہ کی تعلیم کی وہ قسطنطنیہ کا نصرانی تھا۔ مجھے حکم ہوا تھا کہ اس کو اس شخص کی جگہ مقرّر کروں جو ان میں سے مر گیا تھا۔ پس اس کو لائے اور وہ میرے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور اب ان ابدالوں میں سے ایک وہ ہے۔

کرامت: ایک دن آپ وعظ کر رہے تھے۔ اتفاقاً چند قدم ہوا میں اُڑے اور کہا، اسرائیلی کھڑا رہ اور محمّدی کی بات سُن۔ پھر اپنی جگہ واپس آ گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا تھا۔ ابو العباس خضر علیہ السلام ہماری مجلس پر سے جلدی سے گزُر رہے تھے۔ اس لیے مَیں چند قدم اُس کی طرف گیا اور کہا رُکیے اور وہ کہا جو تُم نے سُنا۔

اولیاء کا قرضہ: شیخ کے خادم کہتے ہیں کہ سخاوتوں کی وجہ سے دو سو پچاس دینار زرِ سُرخ شیخ پر قرض ہو گئے۔ ایک دن ایک شخص آیا جسے مَیں نہیں پہچانتا تھا اور وہ بغیر اجازت لیے شیخ پر آ گیا اور بیٹھ گیا اور شیخ کے ساتھ بہت باتیں کیں اور اس مقدار کے موافق زر نکالا اور کہا کہ یہ آپ کے قرضہ کے لیے ہے اور چلا گیا۔ شیخ نے مجھے حکم دیا کہ اس کو قرض خواہوں کو پہنچا دے۔ پھر فرمایا، یہ "صرفی قدر" تھا۔ مَیں نے عرض کیا صرفی قدر کون ہوتا ہے۔ فرمایا، ایک فرشتہ ہے جو خدا تعالیٰ اولیاء اللہ کے پاس بھیجا کرتا ہے تاکہ وہ ان کا قرض ادا کر دے۔

ناقص و کامل کا فرق: ایک بڑھیا شیخ عبدالقادر کے پاس آئی اور اپنے بیٹے کو ساتھ لائی اور کہا، اپنے بیٹے کے دل کو آپ کے ساتھ بہت زیادہ تعلق والا دیکھتی ہوں۔ مَیں نے اس کے اُوپر جو میرا حق ہے اس کو خدا تعالیٰ کے واسطے اس سے مَیں اس کو بَری کرتی ہوں۔ شیخ نے اس کو قبول کیا اور مجاہدہ و ریاضت کا حکم دیا۔ کچھ روز کے بعد وہ بڑھیا اپنے بیٹے کے پاس آئی۔ دیکھا کہ وہ جَو کی روٹی کھا رہا تھا اور کم خوری اور بیداری کی وجہ سے پیلا اور دُبلا ہو گیا تھا۔ یہاں سے وہ شیخ کے پاس آئی۔ یہاں پر ایک طباق دیکھا۔ جس پر مُرغ کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں جو شیخ نے کھایا تھا۔ بڑھیا نے کہا، یا شیخ، یا سیدی! آپ تو مُرغ کھاتے ہیں اور میرا بچہ جَو کی روٹی۔ شیخ نے ان ہڈیوں پر ہاتھ رکھا اور کہا، قوموا باذن اللّٰہِ الّذی یُحیی العظام وھی رمیم۔ ترجمہ: اُس کے حکم و فرمان سے اُٹھ جاؤ جو زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جو کہ ریزہ ریزہ اور بوسیدہ ہو گئی ہوں گی۔ وہ مُرغ زندہ ہو گیا اور اذان دینے لگا۔ پھر شیخ نے اس بڑھیا کو کہا کہ جس وقت تیرا بیٹا ایسا ہو جائے گا تو ہر چہ خواہد خورد۔ جو چاہے وہ کھائے۔

کیفیت جلسہ مراقبہ: مشائخ میں ایک شخص جن کا نام عُمر ہے کہتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی خلوت میں تھا۔

اچانک دیوار پھٹی اور ایک بُری شکل والا آدمی اس سے نکلا۔ مَیں نے اُسے کہا، تو کون ہے؟ کہا، مَیں ابلیس ہوں۔ تیری خیر خواہی کے لیے آیا ہوں۔ مَیں نے کہا، میری بخیر خواہی کونسی ہے۔ کہا، یہ کہ مَیں تجھے مراقبہ کی تعلیم کروں:

وَجَلَسَ الْقُرْفُصَاءَ وَرَاسُهٗ مُنْکَسٌ ۔ وہ قُرفصاؔ کے طریقہ پر بیٹھ گیا اور اپنا سر آگے کو جُھکا لیا۔

جب صُبح ہوئی تو میں شیخ عبدالقادر کے پاس گیا، تاکہ ان کو یہ قصہ سناؤں۔ جب مَیں نے مصافحہ کیا، تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس سے پہلے کہ مَیں بیان کروں خود ہی فرمایا،

یَاعُمَرُ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ ۔ اے عمر! اس نے تجھ سے سچ کہا، حالانکہ وہ بہت جھُوٹا ہے۔

اس کے بعد آئندہ اس کی کوئی بات قبُول نہ کرنا اور چالیس سال تک اس شیخ کی بیٹھک اسی طرح رہی۔

محی الدّین لقب کی وجہ: شیخ عبدالقادرؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ لوگوں نے آپ کو محی الدّین کیوں لقب دیا۔ فرمایا، بعض سیاحتوں سے فارغ ہو کر جمعہ کے دن ننگے پاؤں بغداد میں آیا۔ ایک بیمار پر سے گزرا۔ جس کا رنگ بدلا ہوا تھا اور اس کا بدن کمزور تھا۔ مجھے اس نے کہا، السلامُ علیکم یا عبدالقادر۔ مَیں نے اُس کے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا، میرے قریب آ۔ مَیں اس کے قریب گیا۔ اس نے کہا، مجھے بٹھا دے۔ مَیں نے اس کو بٹھا دیا۔ اس کا جسم تازہ ہوگیا اور اس کی شکل اچھی ہوگئی اور اس کا رنگ صاف ہوگیا۔ مَیں اس سے ڈر گیا۔ اُس نے کہا، مجھے پہچانتا ہے۔ مَیں نے کہا، نہیں۔ اس نے کہا، مَیں دینِ اسلام ہوں۔ مَیں ایسا ہی ہوگیا تھا جیسا تُو نے مجھے پہلے دیکھا تھا۔ مجھے خدا تعالیٰ نے تیرے ذریعے زندہ کر دیا۔ تو محیؔ الدّین دین کا زندہ کرنے والا ہے۔ مَیں اُس کو چھوڑ کر جامع مسجد میں گیا۔ ایک آدمی میرے پاس آیا اور نعلین میرے پاؤں کے سامنے رکھے اور کہا، یا شیخ محی الدّین جب مَیں نے نماز ادا کر لی۔ ہر طرف سے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور میرے ہاتھ پاؤں چومتے تھے اور کہتے تھے یا محی الدّین! اور اس سے قبل کبھی بھی مجھے لوگوں نے اس لقب سے نہیں پکارا تھا

۱۱۶ حضرت شیخ بقاء ابن بَطُّوؔر رحمہ اللہ تعالیٰ

کہتے ہیں ایک بار مَیں شیخ عبدالقادر کی مجلس میں حاضر تھا۔ اس درمیان میں کہ میں ممبر کے پہلے پایہ پر وعظ کہتے تھے۔ اچانک آپ نے بات ختم کر دی اور ایک گھڑی تک خاموش رہے اور زمین پر اُتر آئے۔ اس کے بعد پھر منبر پر چڑھ گئے اور دوسرے

عہ قُرفصا، ق کا پیش را ساکن ف کا پیش ص کا زبر پھر الف۔ کولھوں پر بیٹھ کر دونوں ٹانگوں کو اس طرح کھڑا کرے کہ انہیں پیٹ کے ساتھ ملائے اور دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر رکھ کے ان سے دونوں گھٹنوں کو پکڑ لے اور سر کو دونوں گھٹنوں کے درمیان میں رکھ دے

زینہ پر بیٹھ گئے۔ تو میں نے دیکھا کہ پہلا زینہ اس قدر کشادہ ہو گیا کہ جہاں تک نظر کام کرتی تھی سبز ریشم کا فرش بچھا دیا گیا۔ اور رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے صحابہ کے ساتھ وہاں بیٹھ گئے اور حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نے شیخ عبدالقادر کے دل پر تجلّی فرمائی کہ آپ اس قدر جُھک گئے کہ قریب تھا کہ آپ گر پڑیں۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کو پکڑ لیا اور گرنے سے بچا لیا۔ اس کے بعد وہ چھوٹے اور دُبلے ہو گئے جیسے چڑیا ہوتی ہے۔ اس کے بعد بڑھے اور ایک ڈراونی اور خوف زدہ شکل پر بڑے ہو گئے۔ اس کے بعد یہ سب کچھ مجھ سے پوشیدہ ہو گیا۔ حاضرین نے شیخ بقار سے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اُن کے اصحاب کے دیکھنے کے بارے میں سوال کیا، فرمایا:

خدا تعالیٰ ایشاں را تائید کردہ است بقوتی کہ ارواح مطہرہ ایشاں متشکل مے شود۔ بصورتِ اجساد و صفاتِ اعیان و می بینند ایشاں را کسانیکہ خدائم ایشاں را قوتِ رویتِ آں ارواح در صورِ اجساد و صفات اعیان دادہ است۔

خدا تعالیٰ نے اُن کی ایسی قوت کے ساتھ مدد فرمائی ہے کہ اُن کی پاک رُوحیں جسموں کی صورتوں میں متشکّل ہو جاتی ہیں اور ان حضرات کی صفتوں کی صُورت بن جاتی ہے اور ان کو وہی لوگ دیکھتے ہیں جنکو خدا تعالیٰ نے قوّت دی ہے کہ وہ رُوحوں کو جسموں کی صورتوں میں اور اعیان کی صفات کے اندر دیکھ سکیں۔

اس کے بعد لوگوں نے شیخ کے جُھکنے، چھوٹے ہونے اور بڑے ہونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا، پہلی تجلّی اس صفت میں تھی کہ بجز تائیدِ نبوی کے کسی بشر کو اس کی قوّت نہیں ہوتی اور اس لیے قریب تھا کہ شیخ گر پڑتے۔ اگر رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کو نہ سنبھالتے یعنی اس تجلّی کے برداشت کرنے کی قوّت بغیر نبوی امداد کے کسی آدمی کو نہیں ہوتی۔ دوسری تجلّی صفت جلال کی تھی۔ اسی وجہ سے شیخ پگھل گئے اور چھوٹے ہو گئے اور تیسری تجلّی صفتِ جمال کی تھی اسی وجہ سے شیخ بڑھے اور بڑے ہو گئے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

اور یہ حال عمل سے نہیں ہوتا، بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہے۔ وہ نعمت دیتا ہے اس فضل کو جسے وہ چاہے اور خدا تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔

۱۷۱۔ حضرت قضیب البان مُوصلی قدّس سرّہٗ

ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ شیخ محی الدین ابن العربی اپنے بعض رسائل میں فرماتے ہیں کہ ہم نے اس گروہ میں سے بعض ایسے دیکھے ہیں کہ اُن کی رُوحانیت کی صُورت ان کی جسمانیت کی صورت پر یعنی جسم والی اور شکل والی ہو جاتی ہے اور انہیں شکلوں اور جسموں پر افعال و احوال گزارتے ہیں۔ جو لوگ موجود ہوتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے فلاں شخص کو دیکھا کہ وہ ایسا اور ایسا کرتا تھا اور حال یہ ہے کہ وہ شخص اس فعل سے مُبرّا ہے اور اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور ہم نے

بارہا اس قسم کے بہت واقعات اس گروہ سے مشاہدہ کیے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور ابو عبداللہ موصلی کا ایسا ہی حال تھا جو قضیب البان کے نام سے مشہور ہیں اور اس پر انکار نہیں کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے بھید اور راز جہان کے لوگوں میں بڑے اور بہت ہیں۔ عقل اور ادراک کی قوت سے ان کو معلوم نہیں کر سکتے۔ شیخ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک عالم نے خبر دی کہ وہ ایک درویش کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھتے تھے۔ ایک دن نماز کی اقامت ہوئی، وہ بیٹھا رہا۔ ایک فقیہہ نے اس کو انکار کے طور پر کہا، اُٹھ اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھ۔ وہ اُٹھا اور اُن کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے تکبیر کہی۔ پہلی رکعت ادا کی اور منکر فقیہہ اُس کے برابر تھا۔ جب دُوسری رکعت کے لیے اُٹھے فقیہہ نے اُس کو دیکھا، تو اس نے دیکھا کوئی اور شخص ہے جو نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ حیران ہو گیا اور تیسری رکعت میں ان دو کے علاوہ تیسرا کوئی اور شخص دیکھا جو نماز پڑھ رہا ہے اور چوتھی رکعت میں دیکھا کہ ان تینوں کے علاوہ کوئی اور شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ جب نمازیوں نے سلام پھیر لیا تو دیکھا کہ وہ پہلا شخص اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے اور ان تینوں آدمیوں کا جو اس نے نماز میں دیکھے نشان تک نہیں تھا۔ اس فقیر نے اس فقیہہ کی طرف دیکھا اور ہنس پڑا۔ کہا، اے فقیہہ ان چار شخصوں میں سے کون سے آدمی نے تیرے ساتھ نماز پڑھی۔ شیخ عبداللہ یافعیؒ کہتے ہیں کہ اس قسم کا قصّہ میں نے سُنا ہے کہ قضیب البان رحمۃ اللہ علیہ سے بعض فقہاء کے ساتھ پیش آیا۔ موصل کا قاضی ان کے ساتھ بہت بے اعتقاد تھا اور ان کا پُوری طرح منکر تھا۔ ایک دن اُس نے دیکھا کہ موصل کی کسی گلی میں اُس کے سامنے سے وہ آ رہے ہیں۔ قاضی نے اپنے دل میں کہا، اس کو گرفتار کر لینا چاہیئے اور اس کے قصّہ کو حاکم کے سامنے پیش کرنا چاہیئے، تاکہ وہ اس کو کوئی سزا دے۔ اچانک اُس نے دیکھا کہ وہ کُردی کی شکل میں آ رہا ہے۔ جب کچھ اور آگے آیا تو وہ ایک اعرابی کی شکل میں آ گیا اور جب بالکل قریب آیا تو ایک عالم کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔ جب قاضی کے پاس پہنچا تو کہا، اے قاضی!

کدام قضیب البان را بحاکم می بُری و سیاست می کنی۔	اے قاضی کون سے قضیب البان کو حاکم کے پاس لے جائے گا اور سزا دلوائے گا۔

قاضی نے اپنے انکار سے توبہ کی اور شیخ کا مرید ہو گیا۔

لوگوں نے حضرت شیخ عبدالقادر کی خدمت میں شکایت کی کہ قضیب البان نماز نہیں پڑھتا۔ فرمایا،

نگوئید کہ ہمیشہ سرِ وے بر درِ خانہ کعبہ در سجود است۔	یہ نہ کہو، اُس کا سر ہمیشہ خانہ کعبہ کے دروازہ پر سجدہ میں ہے۔

۴۱۸ حضرت محمد الاوانی المعروف ابن القائد رحمہ اللہ تعالےٰ

یہ بھی شیخ محی الدین عبد القادر رحمہ اللہ تعالیٰ کے مریدوں میں سے تھے۔ فتوحاتِ مکیّہ میں مذکور ہے کہ شیخ عبد القادر ان کو مفرد الحضرت کہتے تھے اور کہتے تھے "محمد بن القائد من المفردین۔ محمد بن القائد مفردین[1] میں سے تھے۔

صاحب فتوحات مکیہ کہتے ہیں مفرادون وہ لوگ ہیں جو دائرہ قُطب سے خارج ہیں اور خضر علیہ السلام ان میں سے ہیں اور ہمارے پیغمبر صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بعثت اور نبوّت سے پہلے انہی لوگوں میں سے تھے۔ ابن القائد کہتے ہیں مَیں نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا اور درگاہِ الٰہی کی طرف متوجّہ ہوگیا۔ اچانک اپنے سامنے ایک نشان اور قدم دیکھا۔ تو مجھے غیرت آئی۔ مَیں نے کہا، یہ کس کے قدم کا نشان ہے۔ اس لیے کہ میں یہ اعتقاد رکھے ہوئے تھا کہ کوئی شخص مجھ پر سابق نہیں ہے۔ آگے نہیں گیا اور کوئی مجھ سے بڑھا ہوا نہیں۔ آواز آئی۔

آن نشان قدمِ نبی تست صلّی اللہ علیہ وسلم خاطرِ من تسکین یافت۔

یہ تیرے نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلّم کے قدم کے نشان ہیں تو میری طبیعت نے تسکین پائی۔

۴۱۹ حضرت ابو السعود بن الشّبل رحمہ اللہ تعالےٰ

یہ بھی شیخ محی الدّین عبد القادر کے مریدوں میں سے تھے۔ فتوحات میں مذکور ہے کہ مَیں نے کسی آدمی سے سُنا جو سچا بھی تھا اور ثقہ "قابلِ اعتماد" بھی۔ اس نے شیخ ابو السعود جو اپنے وقت کے امام تھے نقل کیا۔ وہ یہ فرماتے تھے کہ میں دجلہ بغداد کے کنارہ سے گزر رہا تھا۔ مجھے خیال آیا اور میرے دل میں یہ آیا، آیا حضرت حق تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو پانی میں اُس کی عبادت کرتے ہوں۔ ابھی یہ خیال میرے دل میں تمام نہ ہونے پایا تھا کہ پانی پھٹ گیا اور ایک مرد ظاہر ہوا۔ اُس نے کہا،

آری یا ابا السعود خدا تعالیٰ را مردان ہستند وَمَن از ایشانم من مردے بودم از تکریت از انجا بیروں آمدم بعد از پانزدہ

ہاں اے ابو السعود، خدا تعالیٰ کے ایسے مرد ہیں جو پانی میں اس کی عبادت کرتے ہیں اور میں ان میں سے ہی ایک مرد ہوں اور تکریت[2] کا رہنے والا ہوں۔ وہاں سے باہر نکلا

---

[1] یعنی خدا تعالیٰ سے بلا واسطہ فیض لیتے۔ حدیث میں سبق المفرّدون سے اس کی طرف اشارہ ہے۔

[2] تکریت: بکسر تا و سکون کاف اور را کے کسر اور ی کے ساتھ اور آخر میں تا ساکن ہے۔ تِ کْ رِ یْ ت۔ ایک بڑا شہر ہے جس میں ایک مضبوط قلعہ ہے اور یہ شہر دجلہ کے کنارہ پر بغداد سے ۳۰ فرسخ پر واقع ہے۔

روز آنجا فلاں حادثہ واقع خواہد شد۔ چوں پانزدہ روز گزشت آں حادثہ بعینہا چنانکہ گفتہ بود واقع شود۔

ہوں اور پندرہ دن کے بعد وہاں حادثہ ہو گا۔ جب پندرہ دن گزر گئے تو بعینہٖ وہی حادثہ جو اُس نے کہا تھا واقع ہوا۔

کتاب فُصُوص میں مذکور ہے کہ شیخ ابوالسعود نے اپنے مریدوں سے کہا، پندرہ سال ہو چکے ہیں کہ خدائے تعالےٰ نے اپنے ملک میں مجھے تصرّف کرنے کا اختیار دے دیا ہے، لیکن مَیں نے کوئی تصرّف نہیں کیا۔ ابن قائد نے ایک دن اُن سے پوچھا:

مرا تصرف نمی کنی۔ گفت من تصرف را بحضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ باز گزاشتہ ام کہ چناں خواہد تصرف کند۔

آپ تصرف کیوں نہیں کرتے ہو۔ کہا مَیں نے تصرّف کو خدائے تعالیٰ کے اُوپر چھوڑ دیا ہے کہ وہ جس طرح چاہے تصرّف کرے۔

شیخ رُکن الدّین علاوٴالدولہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کے قبرستان میں ایک مرد کی قبر پر توجہ کی۔ جو بعض لوگوں کے نزدیک تو اس مرد کی ہی قبر تھی، مگر مجھے یقین تھا کہ وہ مرد یہاں مدفُون نہیں ہے اور یہ اس کی قبر نہیں ہے۔ ہاں میں پھر بھی اس قبر پر جایا کرتا تھا۔ راستہ میں ایک ویران گنبد تھا۔ مَیں نے کبھی یہ نہیں سُنا تھا کہ یہاں بھی کوئی قبر ہے۔ جب میں اس گُنبد سے گزر رہا تھا تو مجھے اشارہ ہوتا ہے۔

کہ کُجا می رَوی بیاد مارا نیز زیارتی بکن من باز گشتم و بہ آں گنبد در آمدم و آنجا وقتِ مَن خوش شُد۔ مَن بینم کہ روح او بامن می گوید کہ ہمچناں زندگانی کن کہ من کردہ ام۔ گفتم تو چوں زندگانی کردیٔ۔ گُفت از ہر چہ از حق بتو رسد قبول کن گُفتم۔ اگر قبول کردن باشد قبول کنم۔ گفت بارے امروز بتو چیزے خواہد رسید قبول کن۔ گفتم چُنیں کُنم۔

کہ کہاں جاتا ہے اور ہماری بھی زیارت کر، مَیں لوٹ گیا اور اس گنبد میں داخل ہوا اور وہاں پر میرا وقت خوش ہو گیا۔ مَیں دیکھتا ہُوں اس بزرگ کی رُوح مجھ سے کہہ رہی ہے کہ تو بھی اسی طرح زندگی بنالے جس طرح مَیں نے بنائی تھی۔ مَیں نے کہا، تُو نے کس طرح زندگی بنائی۔ اُس نے کہا، جو کچھ تجھے حق تعالیٰ سے پہونچے اسے قبول کر۔ مَیں نے کہا، اگر قبول کرنے کی ہو گی قبول کروں گا کہا، خیر آج تجھے ایک چیز ملے گی۔ اس کو قبول کر لینا۔ مَیں نے کہا، ایسا ہی کروں گا۔

جب مَیں شہر آیا اور اس واقعہ کو شیخ نور الدّین عبدالرّحمٰن سے بیان کیا، تو اُنھوں نے فرمایا، کیا تُجھے معلوم ہے کہ اس گُنبد

میں کون ہے؟ مَیں نے کہا، نہیں۔ اُس نے کہا، اس کو ابوالسعود کہتے ہیں۔ اور اُس کا عجیب طریقہ تھا کہ جو کچھ حق تعالیٰ سے اس کو پہونچتا تھا اُس کو رُد نہ کرتا تھا اور از خود کسی سے کوئی سوال نہیں کرتا تھا۔ مکلّف لباس پہنتا تھا اور کھانا بھی مکلّف کھاتا تھا۔ ایک دن ایک آدمی اُس کے پاس آیا۔ اس نے اُن کے سر پر دستار دیکھی جس کی قیمت دو صد[1] دینار تھی۔ وہ شخص اپنے دل میں کہنے لگا۔ یہ کتنا اسراف ہے۔ ایسی دستار جس سے دو سو درویشوں کا کھانا اور کپڑا تیار ہو سکتا ہے۔ اس کو ایک درویش اپنے سَر پر کیوں باندھے ہوئے ہے؟ ابو السعود نے اپنی روشن ضمیری سے اس کے اس خیال کو معلوم کر لیا، کہا:

اے فلاں ما این دستار را بخود بر سر نہ بستہ ایم۔ اگر تو خواہی ببر و بفروش واز برائے درویشاں سفرہ بیار آں کس برفت و آں دستار را بفروخت و سفرہ متکلف راست کرد و نماز دیگر بیامد چوں در آمد ہماں دستار را بر سر شیخ دید متعجب شد۔	او فلانے ہم نے خود اس دستار کو اپنے سَر پر نہیں باندھا ہے۔ اگر تُو چاہتا ہے اسے لے جا اور اس کو فروخت کر دے اور درویشوں کے واسطے کھانا لے آ۔ وہ شخص گیا اور اس نے دستار کو فروخت کیا اور مُکلّف کھانا تیار کیا اور عصر کی نماز کے لیے آیا۔ جب اندر آیا وہی دستار شیخ کے سَر پر دیکھی۔ جسے دیکھ کر حیران ہو گیا۔

شیخ ابو السعود نے فرمایا، کیا تعجب کرتا ہے۔ فلاں سردار سے پوچھ کہ وہ اس دستار کو کہاں سے لایا ہے۔ اس نے اس سے پوچھا تو اس خواجہ نے کہا، پچھلے سال میں کشتی میں سوار تھا۔ مخالف ہوا اُٹھی۔ اُس وقت مَیں نے منّت مانی کہ اگر میں کشتی سے بخیریت نکل گیا، تو ایک بہترین دستار شیخ کے لیے ہدیہ لے جاؤں گا اور اب اُس کو چھ ماہ ہو چکے تھے کہ بغداد میں ایسی دستار تلاش کرتا تھا جسے میرا دل چاہتا ہے پاؤں اور اُسے لے کر شیخ کے سلام کو آؤں اور وہ مجھے نہ ملتی تھی، یہاں تک کہ آج مَیں نے یہ دستار فلاں دوکان پر دیکھی۔ مَیں نے کہا، یہ دستار شیخ کے لائق ہے۔ مَیں نے اس کو خرید لیا اور لے آیا۔ اس کے بعد شیخ نے کہا، دیکھا کہ یہ دستار دُوسری مرتبہ ہمارے سر پر باندھ دی ہے اور اس قسم کی بہت سی رُوایات اس شیخ کی نسبت بیان کی جاتی ہیں۔

۴۲۰ حضرت شیخ ابومدین مغربی قدس اللہ سرہٗ

المتوفی ۵۹۰ھ۔ ان کا نام شیخ بن الحسین یا بن الحسن ہے۔ اس طائفہ کے اکابر میں سے ہوتے ہیں اور بہت سے مشائخ نے

---

[1] دو سو پونڈ۔ دو سو اشرفیاں۔

ان کی صحبت و خدمت میں تربیّت پائی ہے اور اِن مشائخ میں سے ایک شیخ محی الدّین العربی ہیں اور اُنہوں نے اپنی تصنیفات میں ان کا بہت ذکر کیا ہے اور اُن کے معارف اور باتوں کو اپنی تصنیفات میں لائے ہیں۔ امام یافعیؒ کہتے ہیں یمن کے اکثر شیوخ شیخ عبدالقادر کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں اور بعض مشائخ شیخ ابومدین سے اور یہ مغرب کے ایک شیخ ہیں اور وہ یعنی شیخ عبدالقادر مشرق کے۔ (رضی اللہ عنہما و نفعنا بہما۔ اللہ ان دونوں سے راضی رہے اور ہمیں ان دونوں سے نفع عطا فرمائے)

اور کتاب فصوص میں ہے کہ کسی ابدال نے ایک شیخ سے کہا، ابومدین کو سلام کہو اور ہمارے سلام پہنچانے کے بعد اس کو کہو کہ اس کا کیا سبب ہے کہ جو چیز ہم پر مشکل نہیں ہوتی آپ پر مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود جو مقام آپ کا ہے ہم اس کی رغبت رکھتے ہیں اور جس مقام میں ہم ہیں آپ اس کی رغبت نہیں رکھتے۔

اور فتوحات میں مذکور ہے کہ مَیں نے بعضے اولیاء اللہ سے سُنا۔ اس نے کہا کہ اس گروہ کے ایک بزرگ نے کہا، مَیں نے ابلیس کو خواب میں دیکھا، مَیں نے اس سے پوچھا کہ شیخ ابومدین (جو توحید و توکّل میں امام ہیں) کے ساتھ تیرا کیا حال ہے۔ کہا کہ جب مَیں اُس کے دِل میں کوئی خیال ڈالتا ہوں تو میری مثال اس کے ساتھ اس شخص کی مانند ہے جو بحرِ محیط (بڑے سمندر) میں پیشاب کر دیتا ہے۔ لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ تُو نے پیشاب کیوں کیا تو وہ یہ کہے، اس لیے تاکہ یہ سمندر ناپاک ہو جائے اور وہ اس سے طہارت (پاکی) حاصل نہ کر سکے۔ اس شخص سے بڑھ کر کوئی بھی نادان اور بے وقوف نہ ہو گا۔ ابومدین کے دل کے ساتھ میری یہی مثال ہے اور فتوحات میں مذکور ہے کہ لوگ تبرک اور تیمّن کی غرض سے شیخ ابومدین سے ہاتھ ملاتے تھے اور انہیں چومتے تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنے نفس میں اس کی وجہ سے کوئی اثر پاتے ہیں۔

گفت حجر الاسود در خود ہیچ اثر بازمی یابد کہ وے را از حجریّت وے بیروں برد بآنکہ وے را انبیاء و رُسل و اولیاء بوسند۔ گفتند نے گفت من ہماں حجر الاسودم و حکمِ آن دارم

فرمایا حجر اسود اپنے اندر کوئی اثر پاتا ہے کہ اس کو پتھرپن سے نکال دے۔ باوجودیکہ اس کو انبیاء اور اللہ کے رسُول اور اولیاء بوسہ دیتے ہیں، لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا، بس میں بھی وہی حجرِ اسود ہوں اور میرا بھی وہی حکم ہے جو حجرِ اسود کا ہے۔

واقعہ: ایک دن مغرب کے علاقہ کے ایک شہر میں شیخ ابومدین نے گردن جھکائی اور کہا:-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُشْھِدُکَ وَاُشْھِدُ — اے اللہ! بے شک میں تجھے گواہ بناتا ہوں اور تیرے

لہ غیر کی طرف سے اثر قبول نہ کرنے کو ان حضرات کے عُرف میں حجر الاسودی کہتے ہیں۔

مَلَائِکَتَکَ اِنِّیْ سَمِعْتُ وَ اَطَعْتُ فرشتوں کو بھی کہ مَیں نے سُن لیا اور مَیں نے مان لیا۔
ان کے مریدوں نے پوچھا، اس کہنے کا کیا سبب ہے۔ فرمایا، شیخ عبدالقادر نے آج بغداد میں کہا،

قدمی علٰی رَقَبَۃِ ھٰذِہٖ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ

اس کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر کے کچھ مرید بغداد سے آئے اور اُنہوں نے بتایا کہ اس وقت میں شیخ عبدالقادر نے یہ بات کی تھی۔

جس وقت شیخ ابومدین یہ آیت سُنتے:

وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا اور تم نہیں دیئے گئے علم سے، مگر تھوڑا یعنی تمہیں جو علم دیا گیا قلیل ہے۔
فرماتے، یہ تھوڑا سا علم جو خدا تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے وہ ہماری مِلک نہیں، بلکہ ہمارے پاس آریت ہے اور اس کا زیادہ ہمیں علم نہیں ملا۔ پس ہم ہمیشہ جاہل ہیں اور فتوحات مکیہ میں کہا ہے۔ ہمارے شیخ ابومدین مغرب میں رہتے تھے۔ اُنہوں نے ہر قسم کا پیشہ ترک کر دیا تھا اور اللہ کے مہمان ہو کر اس پر بیٹھے رہتے تھے۔ جو کچھ وہ ان کے لیے فتوح فرما دیتا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنے میں ان کا عجیب طریقہ تھا کہ خدا تعالیٰ ان کو جو کچھ دیتا اُسے وہ رَد نہیں کرتے تھے اور وہ اس معاملہ میں امام عبدالقادر جیلی کے مثل تھے، مگر یہ کہ عبدالقادر ظاہری تکلّف اور شرافت میں یقیناً اُن سے بڑھ کر تھے۔ پس ان سے کہا گیا، اے ابومدین! آپ روزی کے لیے کوئی پیشہ، کاروبار کیوں نہیں کرتے یا لوگوں کو کاروبار کرنے کی ہدایت کیوں نہیں کرتا، تو فرمایا، تمہارا مہمان جب کسی قوم پر آئے اور ٹھہرنے کا ارادہ کرے، تو اُن پر اس کی مہمانی کا ضروری زمانہ کتنا ہے۔ اُنہوں نے کہا، تین دن۔ فرمایا اور تین دن کے بعد۔ اُنہوں نے کہا، پھر اس کو پیشہ کرنا چاہیئے اور ان کے پاس نہ بیٹھے رہنا چاہیئے تاکہ وہ تنگ نہ ہوں۔ شیخ نے تعجّب سے کہا، اللہ اکبر! آؤ اور انصاف کرو کہ ہم سب اللہ کے مہمان ہیں۔ اس کی حضور میں رہنے کے لیے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ پس ہماری مہمانی اس کے پاس ہمیشہ کے لیے متعیّن ہو گئی، کیونکہ وہ خدا تعالیٰ جس عمدہ خصلت کی بندہ کو دلالت فرماتا ہے وہ خود اس کے لیے اَوْلیٰ ہے۔ لوگوں نے کہا، ہاں ایسا ہی ہے۔ یہ سُن کر فرمایا، اب کے دِن جیسا کہ خود اس نے فرمایا،

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ کہ ایک دن تیرے رَبّ کے نزدیک ہزار سال کے
مِمَّا تَعُدُّوْنَ برابر ہے ان دنوں میں سے جن کو تم شمار کرتے ہو۔

پس ہماری ضیافت اُسی کے دنوں کے مطابق ہوگی، لہٰذا جب ہم اُس کے پاس تین ہزار سال رہیں اور گزر جائیں پھر ہم کوئی پیشہ یا کاروبار نہ کریں تو بیشک تمہارا اعتراض ہم پر صحیح ہوگا، حالانکہ ہم مر بھی جائیں گے اور دُنیا گزر جائے گی۔

تب بھی خدا تعالیٰ کے پاس ہماری ضیافت کا حصہ باقی رہے گا۔ اُن کا یہ جواب اعتراض کرنے والوں نے پسند کیا۔ پس تو اس بات پر غور کر جو شیخ ابومدین نے کہی۔ اگر تو اس جماعت کی لطافت اور اس کلام کی عمدگی پالے تو اپنے اندر غور کر۔ اگر تو ان میں سے ہے اور ابومدین اپنے مریدوں کو طاعات کے ظاہر کرنے کا حکم دیتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک اللہ کے علاوہ دوسرا کوئی کرنے والا نہیں۔

واقعہ : ایک دن شیخ ابومدین دریا کے کنارہ سے گزر رہے تھے کہ فرنگی کافروں کی ایک جماعت نے اُن کو قید کر لیا اور اپنی کشتی میں لے گئے۔ دیکھا کہ اُنہوں نے وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت کو قید کیا ہوا ہے۔ جب شیخ کشتی میں بیٹھ گئے، تو کافروں نے لنگر کو چھوڑ دیا، تاکہ کشتی روانہ ہو۔ ہر چند کہ اُنہوں نے کوشش کی۔ کشتی اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ باوجودیکہ ہوا زور سے چل رہی تھی۔ ان کو یقین ہو گیا کہ کشتی نہ چلے گی۔ وہ ایک دُوسرے سے کہنے لگے، غالباً کشتی کا نہ چلنا اس مسلمان کی وجہ سے ہے جو ہم نے ابھی پکڑا ہے۔ شاید یہ باطن والوں سے ہو یعنی ولی ہو گا۔ اُنہوں نے شیخ کو اجازت دے دی کہ وہ کشتی سے باہر چلے جائیں۔ شیخ نے کہا، مَیں اُس وقت تک نہیں نکلوں گا جب تک کہ تم تمام مسلمانوں کو نہ چھوڑو گے۔ جب کوئی علاج نہ دیکھا تو تمام مسلمانوں کو چھوڑ دیا۔ اسی وقت کشتی چل پڑی۔

ملفوظات : فرمایا، اِذَا ظَهَرَ الْحَقُّ لَمْ يَبْقَ مَعَهُ غَيْرُهُ۔ جب حق ظاہر ہو جاتا ہے اُس کے ساتھ اس کا غیر باقی نہیں رہتا۔ اس لیے کہ قدیم یعنی اللہ تعالیٰ اور حادث یعنی مخلوق ایک دوسرے کے متضاد اور متقابل ہیں اور دو متقابل ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔ جیسے کہ رات اور دن ایک دُوسرے کے متقابل ہیں، تو جہاں رات ہو گی وہاں دن نہ ہو گا اور جہاں دن ہو گا وہاں رات نہ ہو گی اور فرمایا :

لَيْسَ لِلْقَلْبِ سِوَى وِجْهَةٍ وَاحِدَةٍ	دِل کی صِرف ایک جہت[1] ہے۔ اب تو جس طرف توجہ
فَإِلَى جِهَةٍ تَوَجَّهْتَ حُجِبْتَ	کریگا اس کے غیر سے چھپ جائے گا اور پردہ
عَنْ غَيْرِهَا	میں سو جائے گا۔

اور فرمایا۔ مَا وَصَلَ إِلَى صَرِيحِ الْحُرِّيَّةِ وہ شخص کھلے طور (پوری طرح) آزاد نہ ہو گا جس پر

---

[1] یعنی دل کی طاقت میں نہیں، مگر ایک مقصد کی طرف توجہ کرنا۔ بس تو جس جہت کی طرف متوجہ ہو گا۔ اس جہت کے غیر سے محجوب ہو گا۔ سامنے دیکھو گے تو پیچھے سے نہ دیکھ سکو گے۔

مَنْ عَلَیْہِ مِنْ نَفْسِہٖ بَقِیَّۃٌ — اس کے نفس سے کچھ باقی ہوگا[1]۔

اور فرمایا: وَمَنْ رَأَیْتَہٗ یَدَّعِیْ مَعَ اللّٰہِ حَالًا یَکُوْنُ عَلٰی ظَاہِرِہٖ مِنْہُ شَاہِدٌ فَاحْذَرُوْہُ — اور جس شخص کو تم اس حال میں دیکھو کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی حال کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے ظاہر پر اس کا کوئی نشان اور شہادت نہ ہو تو اس سے تم بچو، کہ وہ فریبی ہے مخلوق کو فریب میں پھنسانے کی تدبیر کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عطا سے محبّت کرتا ہے اُس نے فقر کی بُو بھی نہیں سُونگھی، (کیونکہ فقیر وہ ہے، جو معطی (عطا والے) کا عاشق ہو نہ کہ عطا کا)

۴۱۲ حضرت ابوالعباس بن العریف الصنہاجی الاندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۵۳۶ھ

اِن کا نام احمد بن محمّد ہے۔ علوم کے عالم تھے اور قرأت کے تمام طریقوں اور روایات میں پوری پوری مہارت رکھتے تھے۔ بہت سے مرید اور طلبہ ان کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ بادشاہِ وقت کے دل میں ان کی طرف سے خوف پیدا ہو گیا۔ انہیں طلب کیا تو وہ راستہ میں ہی وفات پا گئے۔ اور بعض نے کہا، بادشاہ کے پاس پہنچنے سے قبل اور بعض نے کہا، پہنچنے کے بعد فوت ہو گئے اور یہ واقعہ ۵۳۶ھ میں پیش آیا۔ صاحبِ فتوحات نے اپنے شیخ ابوعبداللہ غزّالی سے نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے کہا، ایک دن مَیں اپنے شیخ ابن عرّیف کے پاس سے اُٹھ کر باہر آیا اور جنگل میں سیر کرتا تھا۔ جس درخت یا بوٹی پر پہنچتا تھا وہ کہتا تھا کہ مجھے لے کر میں فلاں بیماری کو نفع دیتا ہوں اور فلاں تکلیف کو دُور کرتا ہوں۔ مجھے اس حال سے حیرانی ہوئی۔ اپنے شیخ کے پاس واپس گیا اور یہ واقعہ ان سے بیان کیا۔ شیخ نے کہا، ہم نے اس لیے تو تیری تربیّت نہیں کی تھی۔

اَیْنَ کَانَ مِنْکَ الضَّارُّ وَالنَّافِعُ حِیْنَ قَالَتْ لَکَ الْاَشْجَارُ اِنَّھَا نَافِعَۃٌ وَضَارَّۃٌ فَقَالَ یَا سَیِّدِی التَّوْبَۃَ۔ — کہاں ہے تیرا خیال کہ ضار اور نافع حقیقی، نقصان دینے والا اور نفع پہنچانے والا حق سُبحانہٗ ہے جس وقت کہ درخت اور بوٹیاں اپنے نفع اور نقصان کی خبر دیتی تھیں[2]۔ اس نے کہا، اے میرے آقا میری توبہ ہے۔

---

[1] یعنی صریح آزادی اس کو نصیب ہو گی جس پر اس کے نفس کے حظوظ و خواہشات میں سے کچھ باقی نہ رہے گا اور جو شخص اپنی ہر خواہش سے نجات حاصل نہ کرے گا، آزاد نہ ہوگا، بلکہ نفس کا غلام رہے گا اور خدا تعالیٰ کی غلامی کی دولت کو نہ پائے گا۔

[2] یعنی اس وقت تو حق تعالیٰ سے غافل ہو گیا اور ان میں مشغول ہو گیا اور اس خلافِ عادت میں تُو اس سے دُور رہے گا یا نہیں۔ پس اُنہوں نے کہا، اِس خلافِ عادت و کرامت میں مشغول ہونے سے مَیں نے توبہ کی۔

شیخ نے کہا، خدا تعالیٰ نے تیرا امتحان کیا ہے اور تجھے آزمایا ہے، ورنہ میں نے تو تجھے خدا تعالیٰ کا راستہ دکھایا اور خدا تعالیٰ کی طرف رہنمائی کی تھی نہ کہ اس کے غیر کی طرف اور تیری توبہ کی سچائی کی علامت یہ ہے کہ تو اس جگہ واپس جا اور وہ درخت اور بُوٹیاں تجھ سے کوئی بات نہ کریں۔ ابو عبداللہ اُس جگہ واپس گئے، تو اُن بوٹیوں سے کوئی بات نہیں سُنی۔ خداوند سبحانہٗ کے لیے سجدۂ شکر بجالائے اور شیخ کی طرف واپس آگئے اور اس واقعہ کو شیخ سے بیان کیا، شیخ نے کہا،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اخْتَارَكَ لِنَفْسِهٖ وَلَمْ يَدْفَعْكَ اِلٰى كَوْنٍ مِّثْلِكَ مِنْ اَكْوَانِهٖ	ساری تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے تجھے اپنے لیے چُن لیا اور تجھے نہ ڈالا اپنی مخلوق میں سے تجھ جیسی کسی مخلوق کی طرف۔

اور صاحبِ فتوحات یہ بھی کہتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے شیخ ابو العباس العرّیفی کے پاس اشبیلیہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہم نے یا کسی اور نے کوئی عطیہ صدقہ دینے کا ارادہ کیا، تو جماعت میں سے ایک شخص نے اُس کو کہا جو صدقہ دینے کا ارادہ کرتا تھا۔ اقرب یعنی قریبی لوگ صدقہ و خیرات کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس وقت شیخ نے کہنے والے کے کلام کے ساتھ ملا کر فرمایا، اِلَی اللّٰہِ یعنی الاقربون اِلَی اللّٰہِ۔ مراد یہ ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کے زیادہ قریب والے ہوں۔ پس اس کلمہ کی کیسی عجیب ٹھنڈک تھی جو جگر پر پہونچی۔ اللہ کی قسم میں نے اس حالت میں یہ بات ایسی ہی سُنی جیسے کہ اللہ تعالیٰ سے سُن رہا ہوں۔ حتیٰ کہ مجھے کہا گیا کہ قرآن میں اسی طرح نازل ہوا ہے جس کو میں نے اچھی طرح اور بہ تحقیق جان لیا اور میرے دل نے اس کو پی لیا اور اسی طرح تمام حاضرین نے بھی سمجھا۔ پس مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہ کھائیں، مگر اللہ والے اور انہی کے لیے یہ پیدا کی گئی ہیں اور باقی لوگ اُن کے تابع ہو کر کھاتے ہیں، کیونکہ نعمتوں سے وہی مقصود ہیں۔

۲۱۴۔ حضرت ابو الرّبیع الکفیف المالقی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ابو العباس بن عرّیف کے مریدوں میں سے ہیں۔ ایک دن اپنے اصحاب سے کہنے لگے مثلاً اگر دو آدمی ہوں اور ہر ایک کے پاس دس دینار ہوں۔ ایک ان میں سے ایک دینار صدقہ کرے اور ۹ دینار پاس رکھے اور دوسرا ۹ دینار صدقہ کرے اور ایک دینار پاس رکھے ان میں سے کون سا آدمی فضیلت والا ہے۔ اُنہوں نے کہا جو ۹ دینار صدقہ کرتا ہے۔ شیخ نے کہا، وہ کیوں زیادہ فضیلت والا ہے۔ اُنہوں نے کہا، اس سبب سے کہ اُس نے زیادہ صدقہ کیا ہے۔ شیخ نے کہا، جو تم نے کہا، وہ اچھا ہے، مگر تم نے مسئلہ کی رُوح کو نہیں جانا اور تم پر وہ مخفی رہ گئی ہے۔ اُنہوں نے کہا، وہ کونسی بات ہے۔ کہا کہ ہم نے دونوں کو مال میں برابر فرض کیا ہے۔ جس نے زیادہ دیے وہ فقر کے مقام[1] میں آنے

---

[1] حاصل یہ ہے کہ اس کی فضیلت باعتبار کثرت خیرات کے نہیں، بلکہ اُس کے لازم کے اعتبار سے ہے کہ وہ فقر کی نسبت سے قریب ہو گیا۔

کے اندر اس سے بڑھ گیا جس نے کم دیے۔ پس فقر کی طرف اس کی نسبت زیادہ ہوگی لہٰذا وہ افضل ہوگا۔ فرمایا، حدیثِ نبویؐ اس مطلب میں وارد ہے کہ ۷۰ ہزار کلمہ لا الٰہ الاّ اللہ کہنے والے کی نجات میں یا جس کی نیّت سے پڑھیں اس کی نجات میں کامل اثر ہے۔ شیخ ابو الرّبیع مالقی نے کہا کہ مَیں نے اس ذکر کو ۷۰ ہزار مرتبہ کہا تھا، لیکن کسی معیّن نام کے لیے نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن کسی کے کھانے کے دستر خوان پر ایک جماعت کے ساتھ مَیں حاضر ہوا اور ان میں ایک بچہ صاحبِ کشف بھی تھا اور جس وقت اس بچہ نے کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا، تو اچانک رو پڑا۔ لوگوں نے اُسے کہا، تو کیوں رویا۔ اُس نے کہا، مَیں نے ابھی ابھی دوزخ کا مشاہدہ کیا اور اپنی ماں کو اس کے اندر عذاب میں دیکھتا ہوں۔ شیخ ابو الرّبیع نے کہا، مَیں نے اپنے دل میں کہا، خداوندا! تو جانتا ہے۔ مَیں نے ستّر ہزار بار کلمہ لا الٰہ الاّ اللہ پڑھا ہے۔ اُس کو اس بچہ کی ماں کی دوزخ سے آزادی کے لیے متعیّن کرتا ہوں۔ شیخ نے کہا، جب مَیں اپنے دل میں اس نیّت کو پورا کر چکا تو وہ بچہ ہنس پڑا اور بشاشت ظاہر کی۔ اُس نے کہا، مَیں اپنی ماں کو دیکھتا ہوں کہ اس نے دوزخ سے خلاصی پائی۔ الحمد للہ۔ پھر اس جماعت کے ساتھ کھانے میں مشغول ہوگیا۔ شیخ ابو الرّبیع کہتے ہیں مجھے اس باب میں خبرِ نبویؐ کی سند کا صحیح ہونا اس بچہ کے کشف سے معلوم ہوا اور اس بچہ کے کشف کا صحیح ہونا خبرِ نبویؐ سے۔

شیخ ابو الرّبیع نے یہ بھی کہا کہ میں سیاحات میں تنہا چلتا تھا۔ جب رات پہنچ جاتی تھی ایک پرندہ آتا تھا اور میرے قریب رات گزارتا تھا اور میرے سے حکایات[1] کیا کرتا تھا۔ ایک رات مَیں نے سُنا کہ وہ نام "یا قدّوس یا قدّوس" کہتا رہا۔ جب صبح ہوگئی پروں کو پھڑپھڑایا اور کہا، "سُبحان اللہ الرّزاق" اور اُڑ گیا۔

۴۴۳ حضرت عدّی بن مسافر الشامی ثم الہکاری[2] رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۵۵۵ھ

شیخ عقیل منبجی اور شیخ حمّاد دبّاس کی صحبت میں رہے۔ اُن پر بہت مخلوق جمع ہوگئی اور ہکاریہ پہاڑیں جو موصل کے علاقہ میں ہے ایک جھونپڑی بنا کر رہنے لگے اور مخلوق سے قطع تعلق کر لیا اور اس علاقہ کے تمام لوگ ان کے مرید و معتقد ہوگئے۔ ۵۵۵ھ میں وفات پائی اور ان کی قبر اس ملک میں مزاراتِ متبرکہ سے ہے۔ اُن کی کرامات اور نشانات ظاہر تھیں۔ امام یافعیؒ کی تاریخ میں ہے کہ ایک جنگل میں ان کے مریدوں میں سے ایک کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مخلوق سے قطع تعلق کر لوں تو اس نے شیخ عدی سے کہا، اے شیخ! مَیں چاہتا ہوں کہ اس صحرا میں خلق سے بے تعلق ہو کر رہوں۔ کیا اچھا ہو کہ یہاں پانی ہو جسے پی لیا کروں اور کوئی چیز ہو جسے کھا

---

[2] الہکاری ہ ک پر تشدید ری ے
[1] یعنی باتیں کرتا اور قصّے سنایا کرتا تھا

کھا لیا کروں۔ شیخ اُٹھے۔ وہاں دو پتھر پڑے ہوئے تھے۔ ایک پر پاؤں مارا۔ اس سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا اور دوسرے پر پاؤں مارا تو ایک انار کا درخت پیدا ہو گیا۔ اس درخت کو کہا،

اے درخت یک روز باذن اللہ تعالیٰ یک انار شیرین میدہ ویک روز یک انار ترش و آں از بہترین انارے بود کہ در دنیا مے باشد۔ اے درخت اللہ کے حکم سے ایک دن میٹھا انار دیا کر اور ایک دن تُرش انار دیا کر اور وہ دُنیا کے بہترین اناروں میں سے ہوتا تھا۔

۲۴۴ سیّدی احمد بن ابی الحسن الرفاعی قدّس اللہ روحہٗ

المتوفی یوم الخمیس جمادی الاوّل ۵۷۸ھ۔ آپ بڑے مقامات اور بزرگ حالات رکھتے تھے۔ اللہ سُبحانہٗ نے اُن کے ہاتھ پر بہت سے عواید کو خرق کر دیا[1] اور ان کے واسطے قلب ماہیات کی ہیں کہ ایک حقیقت کو دُوسری حقیقت میں بدل دیا اور اُنکے ہاتھ پر عجائبات کو ظاہر کیا، لیکن اُن کے مرید اچھے بھی اور خراب بھی۔ ان میں ایسے بھی تھے جو آگ میں گھس جاتے تھے اور سانپوں سے کھیلتے تھے، لیکن اس کو نہ شیخ پسند کرتے تھے اور نہ ان کے صالح مرید۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان سے بچنے کی التجا کرتے ہیں۔ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے خرقہ کی نسبت پانچ واسطوں سے حضرت شبلی تک پہنچ جاتی ہے۔ ام علیدہ کے رہنے والے تھے (جو بطائح کے علاقہ میں ایک مقام کا نام ہے) ابوالحسن علی جوان کے بھانجہ ہیں بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مَیں اُن کے خلوت خانہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ جسے اس سے قبل مَیں نے کبھی نہیں دیکھا تھا بڑی دیر تک وہ آپس میں باتیں کرتے رہے۔ پھر وہ شخص روشن دان یا کھڑکی سے باہر نکل گیا جو خلوت خانہ کی دیوار میں تھا اور بجلی کی طرح خلار سے گزر گیا۔ پس مَیں شیخ کی خدمت میں آیا اور پوچھا کہ یہ آدمی کون تھا؟ فرمایا، تُو نے اسے دیکھا ہے۔ مَیں نے کہا، جی ہاں۔ فرمایا، یہ وہ شخص ہے کہ خدا تعالیٰ بحرِ محیط[2] کی حفاظت کرتا ہے اور چار مردوں میں سے ایک مرد ہے۔ تین دن ہو گئے کہ یہ مہجور[3] ہو گیا ہے، لیکن اس کو خبر نہیں ہے۔ مَیں نے کہا، یا سیّدی! اس کی مہجوری کا کیا سبب ہے۔ کہا، یہ بحرِ محیط کے ایک جزیرہ میں رہتا ہے۔ وہاں تین دن مسلسل اور لگاتار بارش ہوتی رہی۔ اس کے دل میں یوں آیا کہ کاش یہ بارش آبادیوں میں ہوتی۔ اس کے بعد اس نے استغفار کیا۔ اللہ سے معافی بھی چاہی۔ اس اعتراض کے سبب وہ مہجور ہو گیا۔ پس مَیں نے کہا،

---

[1] یعنی عادات کے خلاف کاموں کو ان کے ہاتھ پر کرا دیا جاتا ہے۔

[2] بحرِ محیط۔ بحر الکاہل کو کہتے ہیں۔ [3] مہجور یعنی خدا تعالیٰ کے قُرب سے دُور جا پڑا۔

یاسیدی! وے را بہ مہجوری وے اعلام کردی
گفت نے۔ شرم داشتم۔ گفتم اگر می فرمائی من
وے را اعلام کنم، گفت می کنی گفتم آری گفت
سر بگریبان خود در کش در کشیدم آوازے
بگوشم رسید کہ یا علی سر بر آر سر بر آوردم خود را
در یکے از جزائرِ محیط دیدم در کار خود حیران شدم
برخاستم و اندکے برفتم آں مرد را دیدم۔ بروے سلام
کردن و آں قصہ را باوے گفتم۔ سوگند بر من داد
کہ ہرچہ تراگویم چناں کن گفتم۔ چناں کن گفت خرقہ
مرا در گردن من کنی و مرا بر روئی در زمین می کش و
منادی می کن کہ ایں سزائے آنکس ست کہ برائے
خدائے تعالیٰ اعتراض کند خرقہ را در گردن وے
کردم و خواستم کہ وے را بکشم ہاتفے آواز داد کہ
اے علی وے را بگذار کہ ملائکہ آسمان بروے بزاری
درآمدند و گریاں شدند و خدائے تعالیٰ از وے
خوشنود گشت۔ چون آواز شنیدم بیخود شدم
چوں بخود باز آمدم خود را پیش خال خود دیدم واللہ کہ
نہ دانستم کہ چوں رفتم و چوں آمدم۔

یاسیدی! آپ نے اس کی مہجوری کی اس کو خبر دے دی۔
کہا، نہیں، مجھے شرم آئی۔ میں نے کہا، اگر آپ فرمادیں
تو میں اسے بتا دوں۔ کہا، تو اسے بتا دے گا۔ میں نے کہا،
جی ہاں۔ کہا، اپنے گریبان میں سر کر۔ میں نے کر لیا۔ میرے
کان میں ایک آواز آئی کہ اے علی، اپنا سر نکال لے۔ میں نے
سر نکالا تو اپنے آپ کو بحرِ محیط کے ایک جزیرہ میں دیکھا۔ میں
اپنے معاملہ میں حیران رہ گیا۔ میں اُٹھا اور تھوڑی دُور چلا، تو
مرد کو دیکھا۔ میں نے اُسے سلام کیا اور قِصّہ اس سے کہا۔ اُس
نے مجھے قسم دی کہ میں جو کہوں وہی کرنا۔ میں نے کہا، ایسا ہی
کروں گا۔ اس نے کہا، میرے خرقے کو میری گردن میں ڈال
اور مجھے چہرہ کے بل زمین میں گھسیٹ اور بلند آواز سے کہہ
یہ اس شخص کی سزا ہے جو خدا تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے۔ میں
نے خرقہ اس کی گردن میں ڈالا اور چاہا کہ اسے گھسیٹوں۔ ایک
ہاتف نے آواز دی کہ اے علی اس کو چھوڑ دے، کیونکہ آسمان
کے فرشتوں سے اس کا حال نہیں دیکھا جا سکا اور وہ اس پر
رونے لگے ہیں اور خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو گیا ہے۔ جب
میں نے یہ آواز سُنی تو بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا،
تو اپنے آپکو اپنے ماموں کے پاس دیکھا۔ اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں
کہ میں کیونکر وہاں گیا اور کس طرح واپس آیا۔

جب کوئی شخص کسی وقت سیدی احمد سے تعویز مانگتا اور کاغذ لاتا کہ وہ کچھ لکھ دیں۔ اگر سیاہی نہ ہوتی، تو
کاغذ کو لیتے اور سیاہی کے بغیر لکھ دیتے۔ ایک دفعہ ایک شخص کے لیے بے سیاہی کے تعویز لکھ دیا اور مُدت
دراز تک وہ غائب رہا۔ اس کے بعد وہ اسی کاغذ کو امتحان کی غرض سے لے کر آیا اور کہا، اے شیخ میرے لیے اس
پر دعا لکھ دیں۔ جب آپ نے اس کاغذ میں بغور دیکھا، کہا بیٹے یہ کاغذ تو لکھا ہوا ہے اور واپس دے دیا۔

ایک دن اس کے دو مرید جنگل میں گئے۔ دونوں مل کر بیٹھے اور حالات بیان کرنے لگے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تجھے اس مدّت میں جو سیدّی احمد کی خدمت میں گزاری کیا حاصل ہوا ہے۔ اس نے کہا، تجھے جو آرزو کر تو چاہتا ہے کہہ۔ اس نے کہا، اے میرے آقا، مَیں چاہتا ہوں کہ اس وقت دوزخ سے آزادی کا پروانہ آسمان سے اُترے۔ اُس دوسرے نے کہا، خدا تعالیٰ کا کرم بہت ہے اور اس کا فضل بے حد و بے انتہا ہے اور یہ لوگ ابھی اس گفتگو میں ہی تھے کہ اچانک ایک سفید سفید ورق آسمان سے نیچے گرا۔ اس کو اُنہوں نے لیا تو اس میں کچھ لکھا ہوا نہ دیکھا تو سیدّی احمد کے پاس آئے اور اپنا کوئی مدعا ان سے نہ کہا اور وہ ورق ان کو دے دیا۔ جب سیدّی نے اس ورق میں دیکھا تو خدا تعالیٰ کو سجدہ کیا اور جب سجدہ سے سر اٹھایا تو کہا،

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرَانِیْ عِتْقَ اَصْحَابِیْ مِنَ النَّارِ فِی الدُّنْیَا قَبْلَ الْاٰخِرَۃِ — اس اللہ کا شکر ہے جس نے میرے مریدوں کے دوزخ سے آزاد ہونے کو مجھے آخرت سے پہلے ہی دُنیا میں دِکھا دیا۔

اُنہوں نے کہا، اے سیدّی! یہ ورق سفید ہے۔ فرمایا،

یدِ قدرت بسیاہی نمے نویسد این بنور نوشتہ شدہ است — قدرت کا ہاتھ سیاہی سے نہیں لکھتا۔ یہ نُور سے لکھا ہوا ہے۔

کہتے ہیں اگرچہ یہ عبادات میں کامل طور پر مشغول رہتے تھے، مگر اس کے باوجود ان کے لطیف اشعار بھی ہیں۔ جن میں چند یہ ہیں:

اِذَا جَنَّ لَیْلِیْ ھَامَ قَلْبِیْ بِذِکْرِکُمْ	جب میری رات اندھیرے میں چھپ جاتی ہے میرا دل تمہاری یاد میں
اَنُوْحُ کَمَا نَاحَ الْحَمَامُ الْمُطَوَّقُ	بیقرار ہو جاتا ہے مَیں ایسی فریاد کرتا ہوں جیسے پٹہ والا کبوتر کرتا ہے۔
وَفَوْقِیْ سَحَابٌ بِمَطَرِ الْھَمِّ وَالْاَسٰی	اور میرے اوپر بادل ہے جو غم اور رنج کی بارش برساتا ہے۔
وَتَحْتِیْ بِحَارٌ لِلْھَوٰی تَتَدَفَّقُ	اور عشق کے دریا میرے نیچے اُچھل رہے ہیں۔
سَلُوْا اُمَّ عَمْرٍو کَیْفَ بَاتَ اَسِیْرُھَا	اُم عمرو سے پوچھو اس کے قیدی نے کیسے رات کاٹی۔
تُفَکُّ الْاُسَارٰی دُوْنَہٗ وَھُوَ مُوْثَقُ	جبکہ اس نے دوسرے قیدیوں کو تو رہا (آزاد) اور وہ بندھا رہا۔
فَلَا ھُوَ مَقْتُوْلٌ فَفِی الْقَتْلِ رَاحَۃٌ	پس نہ تو وہ قتل کیا جاتا ہے کہ قتل میں راحت ہے۔
وَلَا ھُوَ مَمْنُوْنٌ عَلَیْہِ فَیُطْلَقُ	اور نہ ہی اس پر احسان کیا جاتا ہے کہ اسے بلا معاوضہ چھوڑ دیا جائے۔

اور بعض نے کہا کہ آخری وقت آنحضرت نے یہ ہی اشعار قوال سے سُنے۔ اُن کے سنتے سنتے رحلت فرما گئے۔

۲۵۸ حضرت حیات یا حیوۃ ابن القیس الحرانی قدس اللہ تعالےٰ روحہٗ

آپ سے ایسی کرامات ظاہر ہوئیں جو انسانی دسترس سے باہر تھیں۔ آپ جو بات کہتے تھے وہ پکی ہو

جاتی تھی آپ کے حالات اہل اللہ کے لیے قابلِ صد افتخار تھے۔ آپ کی نورانیتیں کھلے طور پر نظر آتی تھیں اور آپ کی صفات نہایت عالی تھیں۔ آپ ان چار ہستیوں میں سے تھے جن کے متعلق شیخ ابوالحسن قرشی نے کہا ہے،

کہ چہار کس می دانم از مشائخ کہ در قبور تصرف می کند۔ چنانکہ اَحیا می کنند معروف کرخی و شیخ عبدالقادر گیلانی و شیخ عقیل منبجی و شیخ حیات حرّانی قدّس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔	کہ مشائخ میں سے چار شخصوں کو جانتا ہوں جو اپنی قبروں میں بھی ایسا ہی تصرّف کرتے ہیں جیسے کہ زندہ کرتے ہیں۔ وہ معروف کرخیؒ، شیخ عبدالقادر گیلانیؒ، شیخ عقیل منبجی اور شیخ حیات حرّانی قدّس اللہ تعالےٰ اسرارہم ہیں۔

صلحار میں سے ایک شخص کہتے ہیں کہ مَیں یمن سے دریا میں بیٹھا۔ جب دریائے ہند میں پہنچا۔ مخالف ہوا اُٹھی اور عظیم موج ہوگئی اور کشتی ٹوٹ گئی۔ میں ایک تختہ پر رہ گیا۔ موج نے مجھے ایک جزیرے میں ڈال دیا۔ بہت پھرا۔ مَیں نے کوئی آدمی نہ دیکھا۔ وہاں بہت ویرانی تھی۔ اچانک ایک مسجد میں پہونچا۔ اس میں چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ مَیں نے سلام عرض کیا۔ اُنہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ ان سے اپنا حال کہا اور باقی دن اُن کے پاس بیٹھا رہا اور ان کی حُسنِ توجہ اور خدا تعالیٰ کی جناب میں اُن کے کامل مقبول ہونے کی وجہ سے مَیں نے امرِ عظیم کا مشاہدہ کیا۔ جب رات ہو گئی شیخ حیات حرّانی تشریف لے آئے۔ وہ لوگ ان کے سامنے دوڑ پڑے اور سلام کیا۔ وہ آگے بڑھے اور ان لوگوں نے عشار کی نماز باجماعت پڑھی اور صبح صادق تک نماز میں کھڑے رہے اور مَیں نے سُنا کہ شیخ حیات نے مناجات شروع کی اور آخر میں کہا،

یاحبیبَ التائبین و یا سرور العارفین	اے توبہ کرنے والوں کے محبوب اور اے عارفوں کے سرمایہ خوشی۔
وَیاقرّۃَ اَعیُنِ العابدین ویاانیسَ المنفردین	اور اے عبادت کرنیوالوں کی آنکھوں کے نُور اور اے گوشہ نشینوں کے غم خوار ساتھی۔
وَیاحِرزَ اللّاجِئینَ وَیاظَھرَ المُنقَطِعِینَ	اور اے پناہ چاہنے والوں کی پناہ اور مخلوق سے دُور رہنے والوں کی پشت پناہ اور بھروسہ کی جگہ
وَیامَن حَنَّتْ اِلَیْہِ قُلُوبُ الصِّدِّیقِینَ	اور اے وہ کہ صدّیقین کے دِل جس کے آرزو مند ہیں
وَیامَن اَنِسَتْ بِہٖ اَفئِدَۃُ المُحِبِّینَ	اور وہ کہ عاشقوں کے دل جس سے اُنس پکڑتے ہیں اور اس پر مقیم ہوگئے ہیں۔
وَعَلَیْہِ عَکَفَتْ ھِمَّتُ الخَاشِعِینَ	تمام خشوع والوں کی ہمّت کہ اس سے ہٹ کر دوسرے کی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لہ الفیس الحرّانی "ق کا زیر یا ساکن۔ س بغیر نقطہ کا ح کا زبر را کی تشدید، الف اور نون اور یای نسبت کے ساتھ ہے۔ اس نسخہ میں حیات ہے اور دوسرے نسخہ میں "حیوۃ"۔ صحیح کون سا ہے یہ اللہ کو معلوم ہے۔

طرف نہیں جاتی، یعنی عاجزوں کی ہمتیں اسی طرف لگی ہوئی ہیں اور اس کے ماسوا کی طرف نہیں جاتیں۔

اس کے بعد ایسا روئے کہ بے قرار ہو گئے۔ اس دوران مَیں نے دیکھا کہ انوار ظاہر ہونے لگے کہ جن سے وہ مکان ایسا روشن ہو گیا جیسے کہ چودھویں رات روشن ہوتی ہے۔ اس کے بعد شیخ حیات مسجد سے باہر نکلے۔ اس جماعت نے مجھے کہا کہ ان کے پیچھے ہولے۔ مَیں پیچھے گیا۔ مَیں نے دیکھا، زمین، جنگل، دریا اور پہاڑ اس کے پاؤں کے نیچے پلٹے جاتے ہیں اور جب وہ قدم رکھتے تھے تو مَیں سُنتا تھا کہ وہ کہتے تھے "یَا رَبِّ حَیَاتُ کُنْ لِلْحَیَاتِ[1]" اے حیات کے رَب تو حیات کے لیے ہو جا۔ تھوڑے عرصہ میں ہم حرّان پہونچ گئے۔ لوگ ابھی صبح کی نماز میں تھے۔ شیخ حیات حرّان کے رہنے والے تھے یہاں تک کہ ۵۸۱ھ میں دُنیا سے رُخصت ہوئے۔

۴۲۶ حضرت شیخ جاگیر قدس اللہ روحہٗ المتوفی ۵۹۰ھ۔ شیخ ابوالوفا نے آپ کی تعریف کی ہے اور اپنی ٹوپی شیخ علی ہیتی کے ہاتھ اُن کے واسطے بھیجی تھی اور ان کو اپنے پاس آنے کی تکلیف نہیں دی تھی اور اُنہوں نے کہا ہے کہ مَیں نے خدائے تعالیٰ سے درخواست کی کہ جاگیر کو میرے مریدوں میں سے بنا دے اور خدائے تعالیٰ نے اس کو مجھے بخش دیا۔ شیخ جاگیر اصل میں کردوں میں سے تھے۔ عراق کے صحرا میں سے کسی صحرا میں ایک روزہ مسافت کو نیا وطن بنا لیا اور اس جگہ رہتے رہے یہاں تک کہ ۵۹۰ھ میں رحلت فرما گئے۔ اُن کی قبر بھی اسی مقام پر ہے۔

اُن کے اقوال یہ ہیں:

مَنْ شَاهَدَ الْحَقَّ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ سِرِّهٖ سَقَطَ الْكَوْنُ فِيْ قَلْبِهٖ	جو کوئی حق عزّ وجل کا مشاہدہ اپنے باطن میں کر لیتا ہے تو موجودات یعنی ساری مخلوق اس کے دِل سے ساقط ہو جاتے ہیں[2]۔

اور یہ بھی فرمایا،

وَمَا اَخَذْتُ الْعَهْدَ عَلٰی اَحَدٍ حَتّٰی رَاَيْتُ مَرْقُوْمًا فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ مِنْ	مَیں نے کسی پر عہد نہیں لیا یعنی اُس کو مرید نہیں بنایا یہاں تک کہ مَیں نے لوحِ محفوظ میں، اسے اپنے مریدوں میں لکھا

---

[1] دونوں جگہ حیات سے مراد نفسِ متکلم ہے یعنی خود مراد ہیں کہ میرے رَب میرے لیے ہو جا۔

[2] مطلب یہ ہے کہ جس کے باطن کو حق تعالیٰ کے مشاہدہ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ کے علاوہ ساری مخلوق پر سے اُس کا اعتبار اور بھروسہ ساقط ہو جاتا ہے اور اس کو حق عزّ وجل پر اعتبار اور بھروسہ حاصل ہو جاتا ہے۔

جُمْلَةِ مُرِيْدِيْ ہوا انہیں دیکھ لیا۔

اور یہ بھی فرمایا: اُوْتِيْتُ سَيْفًا مَاضِيَ الْحَدِّ اَحَدُ طَرْفَيْهِ بِالْمَشْرِقِ وَالْاٰخِرُ بِالْمَغْرِبِ لَوْ اُشِيْرَ بِهٖ اِلَى الْجِبَالِ الشَّوَامِخِ لَهَوَتْ

مجھے ایسی تلوار دی گئی ہے جو بڑی تیز ہے۔ اس کی ایک دھار مشرق میں ہے اور دوسری مغرب میں۔ اگر اس سے اُونچے پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا جاوے تو البتہ وہ زمین پر گر جائیں۔

اُن کے ایک مُرید نے کہا کہ ایک دن مَیں اُن کے ساتھ تھا۔ گائے کا گلہ آپ کے سامنے سے گزر رہا تھا آپ نے ایک گائے کی طرف اشارہ کیا اور یہ کہا، یہ بچھڑے کے ساتھ حاملہ ہے۔ یعنی اس کے پیٹ میں بچھڑا ہے۔ وہ اس اس قسم کا ہوگا اور فلاں دن پیدا ہوگا اور ہماری نذر ہوگا اور فلاں فلاں اس کو کھائیں گے۔ پھر ایک اور گائے کی طرف اشارہ کیا اور کہا، یہ بچھڑی کے ساتھ حاملہ ہے اور فلاں وقت جنے گی اور فلاں فلاں اس سے کھائیں گے اور ایک سُرخ کُتّے کا بھی اس میں حصّہ ہے۔

اُس مرید نے کہا، "واللہ کہ ایں ہر چہ شیخ گفتہ بود واقع شُد۔ سگے بزاویہ درآمد و ازاں گوسالہ یکپارہ ببرد۔"

اللہ کی قسم، یہ جو کچھ شیخ نے کہا تھا پورا ہوا اور ایسا ہی ہوا کہ ایک سُرخ کُتّا خانقاہ میں آیا اور اس کا ایک ٹکڑا لے گیا۔

۴۷۴۔ حضرت شیخ ابو عبداللہ محمّد بن ابراہیم القرشی الہاشمی قدّس اللہ سرّہٗ۔ المتوفی ۵۹۹ھ

عارفوں کے پیشوا اور سالکوں کے رہنما قابلِ فخر احوال اور ظاہر کرامات والے بزرگ ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا:

اَلْعَالِمُ مَنْ نَطَقَ عَنْ سِرِّكَ وَ اَطْلَعَ عَلٰى عَوَاقِبِ اَمْرِكَ۔ ترجمہ: عالم تو وہ ہے جو تیرے دل کی باتیں کہے اور تیرے انجام پر مطلع ہو یعنی تیرے انجام سے واقف ہو نہ کہ وہ جو باتیں کہے جو دوسروں نے کہی ہیں۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ مَیں ایک دن منیٰ میں تھا۔ مجھے کسی جگہ پانی نہیں ملا اور میرے پاس کچھ نہ تھا جس سے پانی پیوں۔ میں چلا جا رہا تھا کہ کہیں کنواں پاؤں اور اس سے پانی نکال کر پیوں۔ مَیں نے ایک کنواں پایا۔ جس کے گرد عجمیوں کا ہجوم تھا۔ اور وہ پانی کھینچ رہے تھے۔ مَیں نے ایک آدمی سے کہا، تھوڑا سا پانی اس لوٹے میں ڈال دے۔ اس نے مجھے مارا میرے ہاتھ سے لوٹا لیا اور پھینک دیا۔ مَیں گیا، کہ لوٹے کو اٹھالوں اور بڑا رنجیدہ ہوا۔ مَیں نے دیکھا کہ حوبچہ میں میٹھا پانی پڑا ہوا ہے۔ مَیں نے پانی لیا اور پی لیا اور لوٹا بھی بھر لیا اور ساتھیوں کے پاس لے آیا، تاکہ وہ بھی پی لیں اور قصہ اُن کے سامنے بیان کیا۔ وہ لوگ وہاں گئے، تاکہ پانی لے آئیں۔ اُنہوں نے پانی نہ پایا اور نہ اس کا نشان۔ مَیں نے سمجھ لیا کہ

اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ایک نشانی تھی۔

اور شیخ بن کسار سے روایت ہے کہ شیخ ابو عبداللہ قدّس سرّہٗ مصر کے ایک گاؤں میں گئے اور ان کے ساتھ ان کے مریدوں کی ایک جماعت تھی۔ اس گاؤں کو گھروں اور باغوں سے آباد پایا، لیکن اس میں کوئی آدمی نہ دیکھا۔ شیخ نے اس گاؤں کے خالی ہونے کا سبب پوچھا، تو ان سے کہا گیا کہ اس جگہ کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں جن رہتے ہیں یعنی یہ گاؤں جنوں کا مشہور ہے اور جو کوئی اس میں رہتا ہے اس کو بُری طرح اذیت دیتے ہیں۔ اس لیے لوگ اسے چھوڑ کر دوسرے شہروں میں منتشر ہو گئے ہیں۔ پس شیخ نے اپنے ایک فقیر سے کہا، تو گاؤں کے گوشوں میں اُونچی آواز سے کہہ:

مَعَاشِرَ الجانّ قَد اَمَرَکُمُ القرَیشِی اَنْ تَرْتَحِلُوْا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ثُمَّ لَا تَعُوْدُ اِلَيْهَا وَلَا تُوْذُوْ وَاحِدًا مِنْ اَهْلِهَا اَيْنَ مَا كَانُوْ وَمَنْ خَالَفَ مِنْكُمْ هَلَكَ، فَقَالَ الرَّجُلُ يُنَادِيْ وَالفقراءُ يَسْمَعُوْنَ مِنَ الْقَرْيَةِ جَلَبَةً وَمَرَجًا فَقَالَ الشيخ اَرْتَحِلُوا الْجُبْلَةَ فَلَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ فِيْهَا اَحَدٌ۔

اے جنوں کی جماعت تمہیں قریشی حکم دیتا ہے کہ اس گاؤں سے نکل جاؤ۔ پھر کبھی یہاں پر نہ آنا اور اس میں رہنے والوں کو تکلیف نہ دینا خواہ وہ کسی جگہ بھی رہتے ہوں اور جو بھی تم سے اس کی مخالفت کرے گا تباہ ہو جائے گا۔ راوی نے کہا، وہ آدمی آواز لگا رہا تھا اور دوسرے فقراء گاؤں سے یہ سُن رہے تھے جلبۃ و مرجا۔ بے پانی کے بادل کی طرح یا فساد اور بگاڑ کر کے، تو شیخ نے کہا، بے پانی کے بادل کی طرح چپکے سے۔ پس ان میں سے کوئی بھی نہ رہا۔

جب اس گاؤں والوں نے یہ واقعہ سُنا تو سب اس بستی میں آکر آباد ہو گئے اور اس کے بعد کسی نے بھی جنوں سے تکلیف نہیں پائی اور آپ کی باتوں میں سے کچھ باتیں یہ ہیں۔

(۱) مَا فِي الْوُجُوْدِ اَعَزُّ مِنَ الْاَخِ فِي اللهِ فَاِذَا ظَفِرْتَ بِهٖ فَاشْدُدْ يَدَكَ عَلَيْهِ

دنیا میں للہ بھائی سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں، پس جب تو اس پر کامیاب ہو جائے تو اس پر اپنے ہاتھ کو مضبوط کر لے اور قوت سے اسے پکڑ لے کہ چھوٹنے نہ پائے۔

(۲) مَنْ لَمْ يَحْفَظِ الْاَدَبَ اَدْرَكَهُ الْعَطَبُ

جس نے ادب کی حفاظت نہ کی اس کو ہلاکت پہنچ گئی۔ یعنی جو ادب کا پاس نہیں رکھتا وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

(۳) مَنْ لَمْ يصحب الْفُقَرَاءَ بِالْاَدَبِ حُرِمَ بَرَكَتَهُمْ۔

اور جو شخص فقراء کی صحبت میں ادب سے نہیں رہتا وہ ان کی برکت سے محروم رہتا ہے۔

(۴) وَمِنْ اَعْظَمِ النِّقَمِ وُرُوْدُ النَّقِيْضِ عَلَى العهد وَهُوَ لَا يَشْعُرُ۔

سزاؤں میں سب سے بڑی سزا آدمی پر یہ ہے کہ اس میں اللہ کی مخالفت آوے اور اسے خبر نہ ہو۔

(۵) وَمَنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْ قَلْبِهٖ شَاهِدٌ یَسْتَحْیِیْ مِنْهُ فِیْ حَرَکَاتِهٖ لَمْ یَتِمَّ لَهٗ اَمْرٌ — جس کے دِل میں ایسا شاہد (دیکھنے والا) نہیں جس سے کہ وہ اپنی حرکتوں، اُٹھنے بیٹھنے، بولنے چالنے میں حیا رنہ کرے اللہ تعالیٰ اس کا کام پورا نہ کرے گا۔

۴۲۸ حضرت ابوالحسن علی بن حمید الصعیدی المعروف بابن الصباغ رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۶۱۲ھ

بلند احوال اور قابلِ قدر مقامات والے تھے اور بہت سی کرامات اور خلافِ عادت چیزیں ان سے ظاہر ہوئی ہیں۔ اُن کا باپ "صَبّاغ" رنگریز تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا بھی رنگریز رہے۔ مگر ان کی طبیعت پر یہ پیشہ گراں گزرتا تھا، کیونکہ وہ صُوفیار کی صحبت میں جا کر ان کا طریقہ قبول کر چکے تھے اور رنگریزی نہ کرتے تھے۔ ایک روز ان کا باپ آیا۔ دیکھا کہ لوگوں کے کپڑے اس نے نہیں رنگے ہیں اور وقت گزر چکا ہے۔ ان پر بہت ناراض ہوا۔ دُکان میں بہت سی تغاریاں تھیں اور ہر ایک میں جُدا جُدا رنگ تھے۔ جب باپ کو غُصّہ میں دیکھا تو سارے کپڑے لیے اور ایک تغاری میں ڈال دیے۔ باپ کا غُصّہ زیادہ ہو گیا۔ اُس نے کہا، تو نے دیکھا بھی کہ تُو نے کیا کر دیا۔ لوگوں کے کپڑوں کو خراب کر دیا۔ ہر ایک کو جدا جدا رنگ دینا تھا اور تُو نے سب کو ایک رنگ کر دیا۔ ابوالحسن نے اس تغار میں ہاتھ ڈالا اور سب کپڑوں کو ایک ہی بار باہر نکال لیا، تو ہر کپڑے پر وہی رنگ تھا جس کی اس کے مالک نے فرمائش کی تھی۔ جب اس کے باپ نے یہ دیکھا حیران رہ گیا اور اس کو صوفیہ کے طریقہ کے سلوک کے لیے رُخصت دے دی اور رنگریزی سے فارغ کر دیا۔

کرامت: ان کی عادت یہ تھی کہ اپنے مریدوں میں سے جب تک کسی کا نام لوحِ محفوظ میں نہ دیکھتے، اپنی صحبت میں رہنے کی اجازت نہ دیتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے صحبت میں رہنے کی درخواست کی۔ شیخ نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور کہا کہ ہمارے یہاں کوئی خدمت باقی نہیں رہی ہے کہ جس پر تجھے لگایا جاوے۔ اس شخص نے بار بار عرض کیا کچھ ہو مجھے اپنے ہاں ٹھہرنے کی اجازت دی جاوے۔ فرمایا، ہر روز جایا کر اور ایک بوریا[1] بُننے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) لے یعنی سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ بندہ پر عہد شکنی ڈال دے اور اس کا اس کو پتہ نہ چلے کہ مَیں نے کیا کیا یا اس کا انجام کیا ہو گا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] فارسی میں اس کو دخ اور مخ کہتے ہیں۔ اردو میں اسے پٹیر کہتے ہیں۔ جس کی صفیں مسجدوں کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ یا پٹھا جس کی چٹائیاں پٹھان بناتے ہیں۔ [2] الصباغ، رنگ ریز کو عربی میں الصباغ کہتے ہیں۔

کی گھانس کی ایک گٹھڑی لایا کر۔ وہ لاتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد اس کام کی وجہ سے اس کے ہاتھوں میں درد ہونا شروع ہوگیا۔ اس نے جانا کہ یہ اس گھانس کے کاٹنے سے درد پیدا ہوا ہے۔ اُس نے اس کو پھینک دیا اور فقیر کی صحبت ترک کر دی۔ ایک رات خواب دیکھی کہ قیامت قائم ہوگئی ہے اور لوگ پُلصراط پر سے گزر رہے ہیں۔ بعضے سلامتی کے ساتھ گزر جاتے ہیں اور بعضے آگ میں گر پڑتے ہیں۔ پس اُس نے کوئی چیز تلاش کی جس پر ہاتھ رکھے۔ نہ پائی تو حیران ہوا۔ اچانک دیکھا کہ چٹائی کے ان پٹھوں میں سے ایک گٹھا آگ کے اُوپر سے جا رہا ہے۔ خود کو اس پر ڈال دیا۔ اس گٹھا نے اس کو آگ سے باہر نکال دیا اور اس نے نجات پائی۔ ڈرتا ہوا خواب سے بیدار ہوا۔ شیخ کے پاس گیا۔ جب شیخ کی نظر اُس پر پڑی، کہا میں نے نہ کہا تھا کہ تیرے واسطے اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی خدمت نہیں ہے۔ اس نے شیخ سے معافی چاہی اور اپنے کام پر چلا گیا۔

۴۲۹ حضرت ابواسحاق بن ظریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

یہ شیخ محی الدین ابن العربی کے مشائخ میں سے ہیں خود فتوحات میں کہتے ہیں کہ یہ میرے ان مشائخ میں جن کو میں نے دیکھا ہے۔ سب سے بڑے بزرگ ہیں اور اُن کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا،

کسانیکہ مرا شناسند ہمہ اولیاء اللہ اند — جو لوگ مجھے پہچانتے ہیں سب اولیاء اللہ ہیں۔

لوگوں نے کہا، اے ابواسحاق یہ کیونکر ہے؟ کہا، کوئی آدمی ان میں سے دو حال سے خالی نہیں یا وہ ہے جو میرے حق میں خیر کہتا ہے اور میری نیکی کرتا ہے یا ایسا نہیں ہے، بلکہ بُرائی کرتا ہے۔ اگر وہ میرے حق میں اچھا کہتا ہے تو وہ میری وہی صفت کرتا ہے جو اس کی صفت ہو چکی ہے، کیونکہ اگر وہ اس صفت اور اس مرتبہ میں نہ ہوتا تو وہ میری یہ صفت نہ کرتا۔ پس یہ شخص میرے نزدیک اولیاء اللہ سے ہے اور اگر وہ ہے جو میرے بارہ میں بُرا کہتا ہے تو وہ صاحب عقل اور صاحب فراست وکشف ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو میرے حال پر مطلع کر دیا ہے اور اس کو میرے حال کی خبر دے دی ہے۔ پس یہ شخص بھی اولیاء اللہ سے ہے۔ شیخ ابوعبداللہ القرشی قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا، میں تقریباً چھ سو مشائخ سے ملا ہوں اور میں نے چار کی اقتدار کی، ابویزید القرشی، شیخ ابوالربیع المالقی اور شیخ ابوالعباس الجوزی اور شیخ ابی اسحاق بن ظریف رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۴۳۰ حضرت ابن الفارض الحموی المصری قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

المتوفی ۱۲ ج ا ۶۳۲ھ۔ ان کی کنیت ابوحفص نام عمر اور قبیلہ بنی سعد سے جو حضرت حلیمہ مرضعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ تھا۔ حموی الاصل ہیں اور پیدائش مصر میں ہوئی۔ محمد ان کے والد اکابر علماء سے تھے۔

ان کے فرزند سیدی کمال الدین محمدؒ نے بیان کیا کہ ابن الفارضؒ نے بیان کیا۔ ابتداء میں مَیں نے اپنے والد سے تجرید اور سیاحت کی اجازت چاہتا تھا اور مصر کے قریب وادیوں اور پہاڑوں میں پھرتا تھا اور ایک رات دن یا کم و بیش کے بعد اپنے والد کی دل جوئی کے لیے واپس آجاتا تھا اور اُن کے پاس ٹھہر جاتا تھا۔ جب والد وفات پا گئے تو تجرید اور سیاحت اور حقیقت کی راہ کے سلوک کے لیے کلی طور پر ہو گیا، لیکن مجھ پر اس طریق کی کوئی چیز نہ کُھلی۔ یہاں تک کہ ایک دن مَیں نے چاہا کہ مصر کے کسی مدرسہ میں جاؤں۔ مَیں نے دیکھا کہ مدرسہ کے دروازہ پر ایک بوڑھا بقّال ہے جو وضو کرتا ہے، لیکن شریعت کی ترتیب پر نہیں کرتا۔ اس نے اوّل ہاتھ دھوئے۔ پھر پاؤں دھوئے۔ اس کے بعد سر کا مسح کیا۔ اس کے بعد مُنہ دھویا۔ مَیں نے دل میں کہا، تعجّب کی بات ہے کہ یہ ایک بُوڑھا شخص اسلام کے مُلک میں مدرسہ کے اندر فقہاء کے درمیان ایسا وضو کرتا ہے جو شرعی ترتیب پر نہیں ہے۔ اس بوڑھے نے میری طرف دیکھا اور کہا، اے عُمر! تجھ پر مصر میں کوئی فتح نہ ہوگی۔ جو فتح تیرے ہاتھ آئے گی وہ حجازؔ اور مکّہ کی سرزمین پر ہوگی۔ وہاں کا قصد کر کیونکہ تیری فتح کا وقت آپہنچا ہے۔ مَیں نے جان لیا کہ یہ اولیاء اللہ میں سے ہے اور وضو غیر مرتب سے اس کا مقصود اپنی بے علمی کا اظہار لوگوں کو شُبہ میں ڈالنا ہے اور اپنے حال کو لوگوں سے چھپانا ہے۔ اور میں اس کے پاس بیٹھ گیا اور مَیں نے کہا، یا سیدی! میں کہاں اور مکہ کہاں۔ حج کا زمانہ بھی نہیں ہے اور کوئی رفیق اور ہمسفر ملنے کا امکان بھی نہیں۔ اُنہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا، یہ تو مکہ ہے تیرے سامنے۔ مَیں نے نظر اٹھائی۔ مکّہ کو دیکھا اور اس کو چھوڑ دیا اور مکّہ کی طرف رُخ کیا اور مکہ میری نظر سے غائب نہ ہوا یہاں تک کہ مَیں اس میں آگیا اور فتح کے دروازے مجھ پر کشادہ ہو گئے اور اس کے آثار پے در پے ہونے لگے۔ میں مکہ کے پہاڑوں اور وادیوں میں سیاحت کرتا تھا یہاں تک کہ ایک وادی میں مقیم ہو گیا کہ یہاں سے مکہ تک دو دن رات کا سفر تھا اور پانچوں نمازوں کیلئے حرم شریف کی جماعت میں حاضر ہو جایا کرتا تھا اور میرے آنے جانے میں ایک بہت بڑا درندہ میرے ہمراہ ہوتا تھا وہ اُونٹ کی طرح زانو پر آتا اور کہتا:

یا سیدی ارکب ومن ہرگز سوار نشدم — اے میرے آقا سوار ہو جا، لیکن میں کبھی اُس پر سوار نہ
پانزدہ سال برمن گزشت ناگاہ آواز آں — ہوا۔ پندرہ سال مجھ پہ گزر گئے۔ اچانک اُس شیخ بقّال
بقّال بگوش من آمد کہ یا عمر! تعال الیّ — کی آواز میرے کان میں پہونچی۔ او عمر! قاہرہ آ اور میری

---

[1] یعنی اونٹ کی طرح میرے سامنے بیٹھ جاتا۔

الْقَاهِرَةِ اُحْضُرْ وَفَاتِیْ وفات پر حاضر ہو۔

مَیں بعجلت تمام اُن کے پاس آگیا۔ مَیں نے دیکھا وہ جاں بلب ہیں۔ مَیں نے انہیں سلام کیا۔ اُنھوں نے بھی مجھے سلام کہا۔ پھر کچھ دینار مجھے دِیئے کہ ان سے میری تکفین و تجہیز کرنا اور میرے جنازہ کے اُٹھانے والوں کو ایک ایک دینار دے دینا اور قرافہ کی فلاں جگہ مجھے لے جانا۔" اور کہتے ہیں کہ اُسی جگہ پر اب بھی شیخ ابن الفارض کی قبر ہے۔" پھر کہا، وہاں لے جاکر میرا تابُوت رکھ دینا اور انتظار کرنا کہ ایک مرد پہاڑ سے نیچے آئے گا۔ اس کے ساتھ مجھ پر نماز پڑھنا۔ پھر انتظار کرنا کہ خدائے تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ جب اُنھوں نے وَفات پائی تو میں نے ان کی وصیّت پر عمل کیا اور ان کے تابُوت کو اُسی جگہ رکھ دیا جہاں پر اُنھوں نے کہا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ ایک مرد پرندہ کی طرح پہاڑ سے نیچے آیا اور مَیں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ اُس کے پاؤں زمین پر لگتے ہوں۔ مَیں نے اسکو پہچان لیا کہ یہ وہ آدمی تھا کہ بازاروں میں پیادہ پھرتا تھا اور لوگ اس کے ساتھ مسخری کرتے تھے اور اس کی پُشت پر تھپیڑ مارا کرتے تھے۔ پھر اُس نے کہا، اے عمر! آگے بڑھ، تاکہ اس پر نماز پڑھیں۔ مَیں آگے بڑھا۔ مَیں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے درمیان سبز اور سفید پرندے ہمارے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوگئے تو ان میں سے ایک سبز پرندہ عظیم الخلقت نیچے آیا اور اس کی تابُوت کے نیچے بیٹھ گیا اور اس کے تابُوت کو نگل گیا اور دُوسرے پرندوں سے جا ملا۔ وہ تمام پرندے تسبیح پڑتے اُڑ رہے تھے یہاں تک کہ وہ نظر سے غائب ہوگئے۔ مَیں نے اس حال پر تعجّب کیا۔ اُس مَرد نے کہا،

يَا عُمَرُ اَمَا سَمِعْتَ اَنَّ اَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِيْ جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ هُمْ شُهَدَاءُ السُّيُوْفِ وَاَمَّا شُهَدَاءُ الْمَحَبَّةِ فَكُلُّهُمْ اَجْسَادُهُمْ وَاَرْوَاحُهُمْ فِيْ جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ وَهٰذَا الرَّجُلُ مِنْهُمْ يَا عُمَر ومن نیز ازایشاں بودم از من زلّتے در وجود آمد مرا از میان ایشاں براندند و اکنوں در بازارہا مرا قفاہا می زنند و برآں زلّت تادیب می کنند۔

اے عمر تو نے سنا نہیں کہ شہیدوں کی رُوحیں سبز پرندوں کی پوٹوں میں ہوں گی اور جنّت میں جہاں چاہیں گی چریں گی۔ وہ تلوار کے شہید ہیں، مگر محبت کے کہ وہ سب کے سب یعنی کے جسم اور رُوحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتے ہیں اور یہ آدمی اے عُمر! انہیں میں سے ہے اور میں بھی ان میں سے تھا۔ مجھ سے ایک لغزش وجود میں آگئی، تو مجھے ان لوگوں کے اندر سے نکال دیا گیا اور اب بازاروں میں میری پُشت اور گدی پر تھپیڑ مارتے ہیں اور اس لغزش اور قصور پر تادیب کرتے اور سزا دیتے ہیں۔

اور شیخ کا ایک دیوان ہے جو معرفت کے چشموں اور فنونِ لطائف پر مشتمل ہے۔ ان قصائد میں ایک قصیدہ تائیہ ہے۔ جس کے کم و بیش سات سو پچاس اشعار ہیں اور یہ قصیدہ مشائخ صُوفیہ اور ان کے علاوہ دیگر فضلاء اور اہلِ حقیقت میں شہرت پا چکا ہے۔ کامل سیر و سلوک کے بعد اس قصیدہ میں علومِ دینیہ اور معارف یقینیہ کو اپنے ذوق اور کامل اولیاء اور اکابر مشائخ کے اذواق کے مطابق جو اس عُمدہ نظم میں جمع کیے ہیں دوسرے کسی کو بھی یہ بات میسّر نہیں ہوئی اور کسی فاضل اور صاحب ہُنر کو توفیق نہیں دی گئی۔ بلکہ اکثر لوگوں کی طاقت اور قُدرت سے باہر ہے۔

شعر: عَنْ کُلِّ لُطْفٍ فِیْهِ لَفْظٌ کَاشِفٌ — اس کا ہر لفظ تمام لطیفوں کو کھولنے والا ہے۔

فِیْ کُلِّ مَعْنیٍ مِنْهُ حُسْنٌ بَاهِرٌ — اور اس کے ہر ایک معنیٰ میں چمکتا ہوا حسن ہے۔

بَحْرٌ وَلٰکِنَّ الطُّفَاءَةَ عَنْبَرٌ — سمندر ہے اور لیکن اس کا جھاگ عنبر ہے۔

مُزْنٌ وَلٰکِنَّ الْغُیُوْثَ جَوَاهِرٌ — بادل ہے اور لیکن اس کی بارش جواہرات ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب قصیدہ تائیہ کہا گیا تو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خواب میں دیکھا۔ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

یَا عُمَرُ مَا سَمَّیْتَ قَصِیْدَتَکَ — اے عمر! تُو نے اپنے قصیدہ کا کیا نام رکھا ہے۔

مَیں نے کہا، یا رسُول اللہ! مَیں نے اس کا نام لوائح الجنان و رواح الجنان رکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا، لَا بَلْ سَمِّهَا نَظْمَ السُّلُوْكِ فَسَمَّیْتُهَا بِذَالِكَ۔ نہیں اسکا نام نظم السلوک رکھ۔ پس میں نے اس کا یہی نام رکھ دیا۔ لوگوں نے ان کے مریدوں سے حکایت کی ہے کہ اس قصیدہ کا لکھنا شعر کے قاعدہ کے مطابق نہ تھا، بلکہ اس کی صورت یہ ہوتی کہ کبھی کبھی اس کو جذبہ پہنچتا تھا اور ہفتہ یا دس دن یا کم و بیش اپنے حواس سے وہ غائب رہتے تھے۔ جب ہوش میں آتے تو کچھ خداوند سُبحانہٗ اس غیب میں اُن پر کھول دیا کرتا، ۳۰، ۴۰ یا ۵۰ بیت لکھ لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اس کو ترک کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ پہلی حالت ان پر لوٹ آتی۔

شیخ شمسُ الدّین ایکی احرار جو شیخ صدر الدّین قونوی قدّس اللہ سرّہٗ کے مریدوں میں سے ہیں اور اپنے وقت کے شیخ الشیوخ ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم بھی شیخ صدر الدّین اور دُوسرے علماء اور طالب علموں کے ہمراہ شیخ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ مختلف اور طرح طرح کے علوم میں باتیں ہوتی تھیں۔ اور مجلس کا اختتام قصیدہ نظم السلوک کے کسی بیت پر ہوا کرتا تھا۔ حضرت شیخ اس پر عجمی زبان میں ایسی عجیب باتیں اور معانی بیان فرماتے تھے کہ ان کو کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا تھا، مگر وہ لوگ جو اصحاب ذوق سے ہوتے وہ اُن کو سمجھتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ

دوسرے دن یوں فرماتے کہ اس شعر میں مجھ پر دُوسرا مطلب ظاہر ہوا ہے اور پہلے دن سے زیادہ عجیب اور دقیق مطلب بیان کرتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ صُوفی کو چاہیئے کہ وہ اس قصیدہ کو یاد کرے اور جو شخص اس کے معانی کو سمجھ سکے اُس کے سامنے اس کی شرح کرے اور شیخ شمسُ الدّین یہ بھی کہتے ہیں کہ شیخ سعید فرغانی نے اپنی پوری ہمّت حضرت شیخ کی بات سمجھنے پر صرف کی جو اس کی تعلیق یعنی حاشیہ لکھتے تھے۔ پہلے فارسی میں اس کی شرح کی اور دوسری مرتبہ عربی میں اور یہ سب ہمارے شیخ یعنی شیخ صدرالدّین قدّس اللہ تعالیٰ سِرّہٗ کے انفاس کی برکت ہے۔ امام یافعیؒ کہتے ہیں کہ شیخ ابن الفارض نے اپنے دیوان میں شرابِ محبّت کو بہت اچھی طرح بیان کیا ہے اور وہ دیوان معارف لطیفہ پر مُشتمل ہے۔ اور سلوک، محبّت، شوق اور وصل اور اُس کے علاوہ اصطلاحات اور عُلُومِ حقیقہ جو مشائخ صُوفیہ کی کتابوں میں معروف و مشہور ہیں ان پر بھی مُشتمل ہے اور ان سب کو اس مشہور بیت میں سمو دیا ہے جو شرابِ محبّت کے بیان میں اُنھوں نے کہا،

؎ هَنِيئاً لِأَهْلِ الدَّيْرِ كَمْ سَكِرُوا بِهَا	شراب خانے والوں کو مبارک ہو کہ پینے سے پہلے ہی محض محبت
وَمَا شَرِبُوا مِنْهَا وَلٰكِنَّهُمْ هَمُّوا	کی شراب کے قصد سے مَست ہو گئے۔
عَلَى نَفْسِهِ فَلْيَبْكِ مَنْ ضَاعَ عُمْرُهُ	چاہیئے کہ اپنے نفس پر گریہ کریں جن کی عمر ضائع ہو گئی اور ان کو
وَلَيْسَ لَهُ نَصِيبٌ وَلَا سَهْمُ	اس شراب سے حصّہ اور کوئی سہم حاصل نہیں ہُوا۔

اور امام یافعیؒ نے ہی کہا ہے کہ ان کی کراماتِ مشہورہ میں سے ایک یہ ہے کہ شیخ شہابُ الدّین سہروردی کو ان کے حجوں میں سے کسی حج کے دوران قبض پیدا ہوا اور انہی ایّام میں قصیدہ کے نظم کرنے والے شیخ ابن الفارض آ گئے۔ شیخ شہاب الدّین نے التماس کی کہ اپنے اشعار میں سے کوئی چیز پڑھیں۔ شیخ ابن الفارض نے اپنے قصائد میں سے ایک قصیدہ پڑھا جب پڑھتے پڑھتے اس شعر پر پہونچے ؎

أَهْلاً بِمَا لَمْ أَكُنْ أَهْلاً لِمَوْقِفِهِ	مجھے خوشخبری ہے اس بات کی جس کا میں اہل نہ تھا
قَوْلُ الْمُبَشِّرِ بَعْدَ الْيَأْسِ بِالْفَرَجِ	خوشخبری سُنانے والا نا اُمیدی کے بعد کشادگی کی خوش خبری سُنا رہا ہے،
لَكَ الْبِشَارَةُ فَاخْلَعْ مَا عَلَيْكَ فَقَدْ	تیرے لیے خوش خبری ہے کہ تجھ پر جو غم بھی ہے اُسے دور کر دے کہ
ذُكِرْتَ ثُمَّ عَلَى مَا فِيكَ مِنْ عِوَجِ	اس کجی اور قصور کے باوجود جو تجھ میں ہے تیرا ذکر محبُوب کے یہاں کیا گیا ہے،

یہ سُن کر اُسی وقت شیخ شہابُ الدّین کھڑے ہو گئے اور حاضرین میں اُن کے پاس جس قدر مشائخ وقت تھے وجد کرنے لگے اور ان کی مجلس بڑے بڑے اعلیٰ مشائخ اور سردار اولیاء اللہ سے بھری ہوئی ہوتی تھی۔ تب شیخ ابن الفارض

پر خود شیخ نے اور دُوسرے حاضرین نے خلعتیں نثار کیں۔ کہتے ہیں چار سو خلعتیں ہو گئیں اور ایک دفعہ شیخ ابن الفارض سے "ہفوت[1]" صادر ہو گیا۔ جس پر اُنہوں نے اس پر مواخذہ کیا اور اُن پر اتنا بڑا قبض ہوا کہ قریب تھا کہ اُن کی جان نکل جاتے تو آپ نے جریری کا یہ شعر پڑھا ؎

مَنْ ذَا الَّذِیْ مَا سَاءَ قَطُّ — ایسا کون شخص ہے جس نے کبھی بُرائی نہ کی ہو۔

وَمَنْ لَهُ الْحُسْنٰى فَقَطْ — اور وہ کون ہے جس نے صرف نیکیاں کی ہوں۔

اُنہوں نے سُنا کہ زمین و آسمان کے درمیان کوئی شخص کہتا ہے، لیکن اس کا وجود نظر نہ آتا تھا۔

مُحَمَّدُ الْهَادِی الَّذِیْ جِبْرِیْلُ هَبَطْ — محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم ایسے ہادی جن پر جبریل اُترا۔

یعنی ایسی ایک ہستی جس نے کبھی کوئی بُرائی نہیں کی اور جس نے صرف نیکیاں ہی کی ہیں وہ محمّد ہادی ہیں جن پر جبریل اُترا۔

شیخ بُرہان الدین ابراہیم الجعبری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ مَیں جعبر کے اطراف میں سیاحت میں تھا اور محبت میں فنا ہونے کی لذّت کے متعلق اپنے دل سے باتیں کر رہا تھا۔ اچانک ایک آدمی بجلی کی طرح گزرا جو یہ بیت پڑھ رہا تھا۔

فَلَمْ تَهْوِنِیْ مَالَمْ تَكُنْ فِیَّ فَانِیًا — میری ذات کا عاشق تو اُس وقت ہو گا جبکہ تُو میری ذات میں فانی ہو گا۔

ولم تفن مَالَمْ یَجْتَلِیْ فِیْكَ صُوْرَتِیْ — اور میری ذات میں حقیقی فنا اُس وقت میسّر ہو گی جب میری وحدت کی صورت

تیرے دل پر اِس طرح ظاہر ہو گی کہ تیری انانیت میں سے کوئی چیز باقی نہ رہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تو میرا عاشق نہ ہو گا۔ جب تک کہ تجھ میں فناء ہو گی اور فنا حاصل نہ ہو گی جب تک کہ تجھ میں میری توحید ربوبیت جلوہ گر نہ ہو گی۔

جب مَیں نے یہ کلام سُنا تو جان لیا کہ یہ کسی عاشق کی آواز ہے۔ مَیں اس کے پیچھے دوڑا اور اُس کو پکڑ لیا اور مَیں نے کہا، یہ بات تجھے کہاں سے ملی ہے۔ اُس نے کہا، یہ میرے بھائی شرف الدین ابن الفارض کی بات ہے۔ مَیں نے کہا، اب وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا، اس سے پہلے اس کی بات حجاز میں سُنتے تھے اور مصر کی طرف سے آتی تھی اور اس وقت وہ جاں بلب ہے۔ مرنے کے قریب ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس کے انتقال کے وقت حاضر ہو جاؤں اور اس پر نماز گزاروں۔ اب مَیں اس کی طرف جا رہا ہوں۔ وہ مصر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مَیں بھی متوجہ ہو گیا اور اس مرد کی خوشبو پاتا تھا اور اُس کی خوشبو کے پیچھے چلتا تھا۔ یہاں تک کہ شیخ ابن الفارض کے

---

[1] ہفوت بے ہودہ بات۔

پاس آگیا اور اس وقت وہ قریب المرگ تھے۔ مَیں نے کہا، سلام علیکٔ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اس نے کہا، وعلیکٔ السّلام۔ یا ابراہیم بنشین بشارت باد ترا کہ تو از زمرۂ اولیار خدا تعالیٰ سبحانہٗ ہستی۔ اے ابراہیم بیٹھ جا، تجھے بشارت ہو کہ تو اولیار اللہ تعالیٰ کے گروہ سے ہے۔

مَیں نے کہا، اے آقا مَیں جانتا ہوں (یعنی مجھے یقین ہے) کہ یہ بشارت حضرت حق سبحانہٗ کی طرف سے ہے جو اُس نے آپ کی زبان سے نکلوائی ہے، لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ اس کی وجہ کو جانوں اور اس کے سبب کو پہچانوں تاکہ اس سے میرے دل کو اطمینان حاصل ہو، کیونکہ میرا نام ابراہیم ہے اور مقامِ ابراہیم سے باطنی طور پر میرا حصہ ہے کہ اُنہوں نے کہا ہے۔ وَلٰکِن لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔ شیخ ابن الفارض نے کہا کہ مَیں نے خدائے تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ میرے انتقال کے وقت اولیار اللہ کی جماعت حاضر ہو اور تو حاضر ہوگیا۔ پس ضروری ہوا کہ تو ان میں سے ہوگا۔ اس کے بعد مَیں نے دیکھا کہ صورتِ مثالی میں بہشت ان پر ظاہر کی گئی۔ جب اس نے اس کو دیکھا کہا،

آہ و گریہ عظیم بگرفت و رنگ وے تغیر پذیرفت و ایں بیت ہا خواندہ گرفت۔ تو آہ بھری اور ان کو بڑا رونا آیا اور ان کا چہرہ بدل گیا اور یہ اشعار پڑھنے لگے

(۱) اِنْ کَانَ مَنْزِلَتِیْ فِی الْحُبِّ عِنْدَکُمْ — اگر دوستی میں میرا مقام اور میرا درجہ آپ کے یہاں یہ ہی ہے جو
مَا قَدْ رَاَیْتُ فَقَدْ ضَیَّعْتُ اَیَّامِیْ — مَیں نے دیکھا تو تحقیق مَیں نے اپنے اوقات کو ضائع کر دیا۔ وہ
اُمْنِیَّۃً ظُفِرَتْ رُوْحِیْ بِھَا زَمَنًا — آرزو میں جن کے ساتھ گزشتہ زمانوں میں میری رُوح ظفریاب
اَلْیَوْمَ اَحْسِبُھَا اَضْغَاثَ اَحْلَامِیْ — رہی تھی آج میں گمان کرتا ہوں کہ وہ پریشان خواب تھے اور پراگندہ خیال تھے۔

مَیں نے کہا، یا سیدی! یہ تو بہت اُونچا مقام ہے۔ کہا، ابراہیم! رابعہ عدویہ ایک عورت تھی جس نے کہا ہے۔

وَعِزَّتِکَ مَا عَبَدْتُکَ خَوْفًا مِنْ نَارِکَ وَلَا رَغْبَۃً فِیْ جَنَّتِکَ بَلْ کَرَامَۃً بِوَجْھِکَ الْکَرِیْمِ وَمُحَبَّۃً فِیْکَ۔ قسم ہے تیری عزّت کی۔ مَیں نے تیری عبادت اس لیے نہیں کہ مجھے تیری دوزخ کا ڈر ہے اور تیری جنّت کی رُغبت ہے بلکہ تیری کریم ذات اور تیری محبّت کی وجہ سے کرتی ہوں۔

اور یہ مقام جو مجھے دکھایا گیا ہے وہ نہیں جسے مَیں نے طلب کیا ہے اور جس کی جُستجو میں مَیں نے ساری عُمر گزار دی ہے۔ اس کے بعد آرام گیا اور ہنسنے لگے اور مجھ پر سلام کیا اور رُخصت کیا اور کہا، میری تجہیز و تکفین میں جماعت کے ساتھ حاضر رہنا اور میرا جنازہ پڑھنا اور میری قبر پر تین روز حاضر رہنا۔ اس کے بعد اپنے مُلک کو چلے جانا اور یہ کہہ کر وہ مخاطبت و مناجات میں مشغُول ہو گئے۔ مَیں نے سُنا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے۔ جس کی آواز تو میں سُنتا تھا، مگر اُس

کی صورت نہیں دیکھتا تھا۔ یا عمر فما تروم ۔ اے عمر پھر تو کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا: اَرُوْمُ وَقَدْ طَالَ الْمُدٰی مِنْكَ نَظْرَةً وَكَمْ مِنْ دِمَاءٍ دُوْنَ مَرْمَايَ طُلَّتِ

(ترجمہ) میں تو آپ کے دیدار کی ایک جھلک چاہتا ہوں اور حال یہ ہے کہ مدتِ طلب دراز ہوگئی ہے اور میرے مطلوب کے پیچھے بہت خون بہائے جا چکے ہیں۔

اس کہنے کے بعد ہنستے ہوئے اور کھلے چہرہ کے ساتھ حق کے ساتھ جا ملے۔ میں نے جان لیا کہ انہوں نے تو اس کا مقصود اس کو دے دیا اور انہوں نے اس کی مراد اس کی بغل میں رکھ دی۔

اور شیخ ابراہیم جعبری نے کہا ہے کہ ان کے انتقال کے وقت اولیاء اللہ کی بہت بڑی جماعت موجود تھی۔ بعضوں کو میں پہچانتا تھا اور بعضوں کو نہیں پہچانتا تھا اور ان میں سے وہ عزیز بھی تھا جس کے ذریعہ میں نے ان کو پہچانا تھا۔ میں نے اپنی ساری عمر میں اس سے بڑھ کر کوئی بزرگ جنازہ نہیں دیکھا تھا۔

ومرغانِ سفید و سبز بر سر آن، پرواز می کردند و مردمان بسیار بر حمل آن گرد آمدہ بودند و روح قدس حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر آمدہ بود و برو سے نماز مے کرد و ارواح مقدس حضرات انبیاء و اولیاء انس و جن طایفہ بعد از طایفہ اقتدایان بآنحضرت کردہ بودند و برو سے نماز می کردند و من با ہر طایفہ نماز می گزاردم، بدیں سبب دفن وے تاخیر یافت تا آخر روز کشید و ہر کسے دراں، سخنے میگفتند بعضے می گفتند ایں در حق وے تادیبے ست کہ در محبت دعویٰ بلند مقامی مے کرد و بعضے غیر آں میگفتند و ہمہ از سر کار محجوب بودند اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہُ۔

(ترجمہ) سبز و سفید پرندے اس کے اوپر اڑتے تھے اور بہت لوگ اس کے اٹھانے کے لیے جمع ہو گئے تھے اور حضرت رسالت صلی اللہ وسلم کی روح اقدس موجود تھی اور اس پر نماز پڑھتی تھی اور دیگر انبیاء اولیاء، کی خواہ وہ آدمیوں میں ہوئے ہوں۔ یا جنات میں۔ پاک روحیں بھی موجود تھیں۔ ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ آنحضرت کی اقتدا میں ان پر نمازِ جنازہ پڑھتا تھا اور میں نے ہر گروہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس سبب سے ان کے دفن میں تاخیر ہوگئی۔ یہاں تک کہ دن کا آخیر حصہ ہوگیا اور ہر کوئی اس معاملہ میں باتیں کہتا تھا۔ بعضے کہتے تھے کہ یہ اس کے حق میں اس کی سزا ہے۔ جو یہ محبت میں بلند مقامی کا دعویٰ کرتا تھا اور بعضے اس کے سوا دوسری بات کہتے تھے اور سب لوگ اصل بھید سے بے خبر تھے۔ مگر جس کو اللہ نے چاہا۔

جب شام کے وقت ان کو دفن کیا جا چکا، تو وصیت کے مطابق میں تین دن تک ان کی قبر پر رہا۔ بہت سے ایسے عجیب و غریب حالات دیکھنے میں آئے جن کے سمجھنے کی عقل مندوں میں طاقت نہیں۔ ایک دفعہ شیخ برہان الدین مذکور بزرگوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی زیارت کو گئے تھے، تو ان کی قبر کے گرد بہت مٹی جمع ہوگئی تھی اور قبر پر بھی بہت مٹی پڑی ہوئی تھی، تو انہوں نے

یہ شعر پڑھا: مَسَاکِنُ اَھْلِ الْعِشْقِ حَتّٰی قُبُوْرُھُمْ — عَلَیْھَا تُرَابُ الذُّلِّ بَیْنَ الْمَقَابِرِ

(ترجمہ) عاشقوں کے گھر یہاں تک کہ ان کی قبروں پر ذلّت کی مٹی پڑی ہوئی ہے۔

اس کے بعد اپنے دامن مبارک سے اس مٹی اور غبار کو صاف کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی قبر کے چاروں طرف کو صاف کر دیا۔

۱۳۱۴ حضرت ابراہیم بن معضاؔر الجعبری رحمۃ اللہ علیہ

ان کی کنیت ابو اسحاق ہے۔ صاحب آیات ظاہرہ اور عمدہ مقامات والے تھے۔ ان کا مذہب محوکلیؔ ونفی وجود، افلاس اور ناداشت تھا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ نے کہا ہے۔

اَنَا بُلْبُلُ الْاَفْرَاخِ اَمْلَاءُ دَوْحَھَا — طَرَباً وَفِی الْعُلْیَا بَازٍ اَشْھَبُ

(ترجمہ) میں انڈوں سے نکلنے والے بچوں میں بلبل ہوں جو آپ کے درختوں کو خوش آوازی سے بھر دیتی ہوں اور اوپر پرواز کرنے والوں میں "بازی اشہب" وہ شہباز ہوں جس پر سفیدی غالب ہو اور شیخ ابراہیم از روئے کسر نفسی اس کے مقابلہ میں اس طرح کہا ہے۔

اَنَا صُرَّ الْمَرْحَاضِ اَمْلَاءُ بِیْرَہٗ — نَتْنًا وَّفِی الْبُسْرَاءِ کَلْبٌ اَبْیَرُبٌ

(ترجمہ) یعنی شہر میں تو میں غسل خانہ کی چڑیا ہوں، جو اس کے کنوئیں کو گندگی سے بھر دیتی ہوں اور بیابان میں خارش کے مرض والا کُتّا ہوں۔

ایک دن ان کا ایک مرید آیا اور کہنے لگا میں نے دو شعر سنے ہیں جو مجھے بہت پسند آئے ہیں فرمایا کون سے ہیں اس نے پڑھا کہ

وَقَائِلَۃٍ اَنْفَقْتَ عُمْرَکَ مُسْرِفًا — عَلٰی مُشْرِفٍ فِیْ تِیْھِہٖ وَدَلَالِہٖ

فَقُلْتُ لَھَا کُفِّیْ عَنِ اللَّوْمِ اِنَّنِیْ — شُغِلْتُ بِہٖ عَنْ ھَجْرِہٖ وَوِصَالِہٖ

۱؎ مِعصار الجعبری ج کا زبر ع ساکن ب کے فتح کے ساتھ رائے ہمری نسبت کی ۲؎ یعنی پوری طرح مٹ جانا۔ نیست نابود اور بے نشان ہو جانا ہے۔ مفلس رہنا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھنا ان کا مذہب تھا ۳؎ حضرت شیخ اس شعر میں اپنے مرتبہ اور عالی مقام ہونے کا اظہار فرماتے ہیں۔ پہلے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ صوفیاء کی جس جماعت نے بشریت کے بیضہ سے نکلنے کے طریقہ میں قدم رکھا ہے ان لوگوں میں بلبل کی طرح اپنی ڈالیوں پر خوش خوش بیٹھا ہوں اور وہ بچے ہر طرف سے مجھے دیکھ رہے ہیں اور میں ہر طرف سے ان کی نگرانی کر رہا ہوں کہ ان پر کوئی آفت نہ آئے اور وہ اس درجہ پر پہنچ جائیں کہ پرندہ بن کر اڑنے لگیں اور قدس کے پرندوں میں جو حقائق کے شکاری ہیں یعنی جو پرندے حقیقتوں کا شکار کرتے ہیں۔ ان سے بلند مرتبہ میں ایسا ہوں۔ جیسے پرندوں میں سفید شہباز ہوتا ہے۔

(ترجمہ) مجھے بہت لوگوں نے کہا اور کہتے تونے اپنی عمر کو فضول خرچ کر دیا۔ اُس محبوب پر جو اپنے تکبّر اور ناز و انداز میں مسرف کی حد تک بڑھا ہوا ہے۔ میں اس نے نصیحت کرنے والے سے کہا۔ اپنے کو مجھ پر ملامت کرنے سے روک لے کہ میں اس میں ایسا مشغول ہوں اور اس کی ذات میں ایسا مٹ چکا ہوں کہ اس کے ہجر و وصال سے آزاد ہوں۔ یعنی میں ہجر و وصال کا کوئی خیال نہیں لاتا۔

یہ سن کر شیخ ابراہیم نے کہا کہ یہ تیرا مقام ہے نہ تیرے شیخ کا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب شیخ ابراہیم کی اجل کا وقت آیا، تو اپنی قبر کی جگہ آئے اور کہا: یَا قُبَیْرُ قَدْ جَاءَکَ زُبَیْرٌ۔ اے چھوٹی قبر تیرے پاس زبیر آگیا ہے اور بغیر اس کے کہ ان کو کوئی مرض اور علت ہو۔ اسی جگہ پر مقیم ہو گئے اور بہت جلد رحمتِ حق کے جوار میں جا پہنچے ۶۸۷ھ کو رحمتِ حق سے جا ملے۔

۴۳۲ حضرت شیخ محی الدین محمدّ بن علی بن العربی قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ

آپ وحدت الوجود کے قائل حضرات کے مقتداء ہیں اور بہت سے فقہا اور علماء ظاہر نے ان پر طعن کیا ہے اور علماء اور صوفیاء کی ایک جماعت نے ان کو بزرگ مانا ہے۔ ان کی بڑی تعظیم کی ہے اور ان کے کلام کی اچھی تعریف کی ہے اور ان کے عالی مقامات کی صفت کی ہے اور ان کی اس قدر کرامات کا ذکر کیا ہے جن کی شرح طویل ہے۔ امام یافعی نے ان کی نسبت اپنی تاریخ میں یہی لکھا ہے۔ ان کے اشعار لطیف اور نادر تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ بغداد کے مشائخ میں سے ایک بڑے شیخ نے ان کے مناقب میں ایک کتاب جمع کی ہے اور اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ کی تصنیفات پانچ سو سے زائد ہیں اور اپنے کسی مرید کی درخواست پر حضرت شیخ نے اپنی تصنیف کی ہوئی کتابوں کی فہرست لکھی اور اس میں ڈھائی سو سے زیادہ کتابوں کا نام لیا ہے۔ ان میں زیادہ تر تصوف میں ہیں اور بعض اس سے علاوہ دوسرے علوم میں ہیں اور اس رسالہ کے خطبہ میں فرمایا ہے کہ میرا مقصود ان کتابوں کی تصنیف سے وہ نہیں تھا۔ جیسے کہ دوسری تصنیفات و تالیفات کا ہوتا ہے۔ بلکہ بعض تصنیفات کا سبب یہ ہوا۔ کہ مجھ کو حق سبحانہٗ کی طرف سے ایسا امر وارد ہوتا تھا کہ قریب تھا کہ مجھے جلا دے۔ اس لیے خود کو اس میں کچھ کے بیان میں مشغول کر لیتا تھا اور بعض دیگر تصنیفات کا یہ سبب ہوا کہ خواب یا مکاشفہ میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے اس کے لکھنے کا مامور ہوتا تھا اور امام یافعی کی تاریخ میں ذکر کیا گیا ہے کہ کہتے ہیں: "ان کا شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ روحہ کے ساتھ ملنے کا اتفاق ہوا، اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کو اچھی طرح دیکھا اور بغیر کوئی بات کیے اسی وقت ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ یعنی ایک دوسرے سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اور بغیر کوئی بات کیے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس کے بعد شیخ سے لوگوں نے شیخ شہاب الدین کا حال پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: رَجُلٌ مَمْلُوٌّ مِنْ قَرْنِہٖ اِلٰی قَدَمِہٖ مِنَ السُّنَّۃِ۔ وہ ایک مرد ہے جو سر سے لے کر پاؤں تک سنت سے بھرا ہوا ہے۔

اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے شیخ ابن العربی کا حال پوچھا گیا، تو فرمایا: ھُوَ بَحرُ الحَقَائِق۔ وہ حقائق کا سمندر ہے۔

تصوف میں ان کے فرقہ کی نسبت ایک واسطہ سے شیخ محی الدین عبدالقادر گیلانی قدس سرہٗ تک پہنچتی ہے اور خرقہ میں ان کی دوسری نسبت ایک واسطہ سے حضرت خضر علیہ السلام تک پہنچتی ہے۔ شیخ رضی اللہ عنہٗ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ مشہور خرقہ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جامع کے ہاتھ سے ان کے باغ مُقلی میں جو موصل سے باہر ہے ۶۰۱ھ میں پہنا اور ابن جامع نے خضر علیہ السلام کے ہاتھ سے پہنا اور جس موضع میں خضر علیہ السلام نے ان کو پہنایا تھا۔ اسی جگہ انہوں نے مجھے پہنایا ہے اور اسی صورت میں بغیر زیادتی اور نقصان کے۔

اور ان کی ایک اور نسبتِ خضر علیہ السلام سے بلے واسطہ کے پہنچتی ہے۔ شیخ خود فرماتے ہیں۔ میں خضر علیہ السلام کی صحبت میں رہا ہوں، ان سے ادب سیکھا ہے۔ ان سے وصیّت حاصل کی۔ جو انھوں نے کھلے طور پر مجھے کہی ہے کہ شیوخ کی باتوں کو تسلیم کرنا چاہیے اور اس کے علاوہ دوسری باتوں کی بھی مجھے وصیّت کی اور میں نے خضر کی تین باتیں دیکھی ہیں جو خرقِ عادات اور کرامات سے تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سمندر پر چلتے تھے۔ دوسرے زمین کے لپٹ جانے کو دیکھا کہ وہ آنِ واحد میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتے تھے اور میں نے ان کو دیکھا کہ وہ فضا میں نماز پڑھتے تھے اور ان کے متعلق طعن کرنے والوں کے طعن کا بڑا سبب کتاب فصوص الحکم ہے اور یقیناً طعن کرنے والوں کا منشا یا تو تقلید ہے یا تعصّب ہے یا ان کی اصطلاحات سے ناواقفی یا ان معانی اور حقائق کی باریکیاں ہیں جو انھوں نے اپنی تصنیفات میں درج کیے ہیں۔ حالانکہ جو حقائق وعلوم بالخصوص نصوص اور فتوحات میں درج کیے گئے ہیں ایسے علوم وحقائق کسی کتاب میں نہیں پائے جاتے اور اس طائفہ میں سے کسی شخص سے ظاہر نہیں ہوئے ہیں اور یہ فقیر[1] حضرت خواجہ برہان الدین ابونصر پارسا قدس سرّہٗ اس طرح کا استماع رکھتا ہے کہ ہمارے والد فرماتے تھے کہ "فصوص جان ہے اور فتوحاتِ دل" اور جس جگہ ان کے والد بزرگوار نے کتاب فصل الخطاب میں "قال بعض کبراء العارفین" کہا ہے۔ اس سے مراد حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ ہوتے ہیں۔ شیخ مویدالدین جُندی اپنی "شرح فصوص الحکم" میں اپنے شیخ صدرالدین القونوی قدس اللہ سرہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے شیخ محی الدین ابن العربی سے روایت کی ہے کہ شیخ نے کہا۔ جب میں بحرِ روم تک پہنچا جو اندلس کے علاقہ میں ہے۔ تو میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اس وقت تک سمندر پر سوار نہ ہوں گا جب تک کہ میں ان ظاہری حالات اور باطنی کیفیات کا تفصیلی مشاہدہ نہ کر لوں۔ جو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے مجھ پر اور میرے لیے اور میری طرف سے میری آخری عمر تک مقدر فرمائے ہیں۔ پس میں پورے حضور اور عام شہود اور کامل مراقبہ سے متوجہ ہوا۔ سو اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے مجھے میرے ان تمام حالات کا مشاہدہ کرا دیا۔ جو ظاہری اور باطنی طور پر مجھ پر آخری عمر تک جاری ہوں گے۔ یہاں تک کہ تیرے والد اسحاق بن محمد کی صحبت کا اور

---

[1] مراد اس فقیر سے صاحب کتاب نفحات الانس مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ ہیں

اللہ سبحانہٗ کی طرف۔

تیری صحبت کا اور تیرے احوال اور علوم ۔ تیرے اذواق اور مقامات ۔ تیری تجلیات اور تیرے مکاشفات اور تیرے تمام نصیبے جو اللہ سبحانہٗ سے تجھے پہنچے ہیں ۔ ان سب کا میں نے مشاہدہ کیا ۔ پھر میں سمندر پر اس بصیرۃ اور یقین کے حال پر سوار ہوا ۔ اور ہوا جو ہوا ، اور ہوتا رہے گا ۔ بغیر اخلال^{۱ے} اور اختلال کے اور کتاب فتوحات میں اپنے حال کے متعلق یہ لکھا ہے ۔

ولقد آمنا باللہ وبرسولہ وما جاء بہ مجملاً ومفصلاً مما وصل الینا من تفصیلہ وما لم یصل الینا او لم یثبت عندنا فنحن مومنون بکل ما جاء بہ فی نفس الامر اخذت ذالک عن ابوی اخذ تقلید ولم یخطر لی ما حکم النظر العقلی فیہ من جوازٍ واحالۃٍ ووجوب فعلمت علی ایمانی بذالک من این آمنت وبماذا آمنت وکشف اللہ بصری وبصیرتی وخیالی فرأیت بعین البصر ما لا یدرک الا بہ ورأیت بعین البصیرۃ ما لا یدرک الا بہ ورأیت بعین الخیال ما لا یدرک الا بہ فصار الامر لی مشهوداً والحکم المتخیل المتوهم بالتقلید موجوداً فعلمت قدر من اتبعتہ وهو الرسول المبعوث الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشهدت جمیع الانبیاء کلهم من آدم الی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام واشهدنی اللہ تعالیٰ المومنین کلهم حتی ما بقی من احدٍ ممن کان ویکون الی یوم القیامۃ خاصتهم وعامتهم ورأیت مراتب الجماعۃ کلها فعلمت اقدارهم واطلعت علی جمیع ما آمنت بہ مجملاً مما هو فی العالم العلوی وشهدت ذالک کلہ فما زحزحنی علم ما رأیتہ وعاینتہ عن ایمانی فلم ازل اقول واعمل ما اقولہ واعملہ بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا بعلمی ولا بعینی ولا بشهودی فواخیت بین الایمان والعیان وهذا عزیز الوجود فی الاتباع فان مزلۃ اقدام الاکابر انما یکون هنا اذا وقعت المعاینۃ لما وقع بہ الایمان فتعمل علی عین لا علی ایمان فلم تجمع بینهما ففاتہ من الکمال ان یعرف قدرہ ومنزلتہ فهو وان کان من اهل الکشف فما کشف اللہ عن قدرہ ومنزلتہ فجعل نفسہ فعمل علی المشاهدۃ " والکامل من عمل علی الایمان مع ذوق العیان وما انتقل ولا اثر فیہ العیان وما رأیت لهذا المقام ذائقاً بالحال وان کنت اعلم ان لہ رجالاً فی العالم لکن ما جمع اللہ بینی وبینهم فی رؤیۃ اعیانهم واسمائهم فقد یمکن ان اکون رأیت منهم وما جمعت بین عینہ واسمہ وکان سبب ذالک انی ما علقت نفسی مع اللہ ان یستعملنی فیما یرضیہ ولا یستعملنی فیما یباعدنی عنہ وان یخصنی بمقام لا یکون لمتبع اعلیٰ منہ ولو اشرکنی فیہ جمیع من فی العالم لم اتأثر لذالک فانی عبد محض لا اطلب التفوق علی عبادہ بل جعل اللہ لی نفسی من الفرح ان اتمنی ان یکون العالم کلہ علی قدم واحدۃ فی اعلی المراتب فخصنی اللہ بخاتمۃ امر لم یخطر لی ببالی فشکرت اللہ تعالیٰ بالعجز عن شکرہ مع توفیقی فی الشکر حقہ وما ذکرت ما ذکرتہ لامرین الامر الواحد لقولہ تعالیٰ واما بنعمۃ ربک فحدث وای نعمۃ اعظم من هذہ والامر الآخر لیسمع

من حال لنفسی لا واللہ ما ذکرتہ

۱ے بغیر کسی خلل کے

صَاحِبُ هِمَّةٍ ، فتحدث فيه هِمَّةٌ لِاستعمال نفسه فيما استعملها فينالُ مثلَ هٰذا فيكونُ معى في درجتي وانه لا ضيق والاحرج الا في المحسوس۔

(ترجمہ) ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو انہوں نے ہمیں بطریقہ اجمال دیا اور بطریقہ تفصیل دیا۔ چاہے وہ ہمیں معلوم ہو یا نہ معلوم ہو یا ہمارے نزدیک ثبوت کو نہ پہنچا ہو ہم اس چیز پر ایمان لانے والے ہیں جسکو اللہ کے رسول لیکر آئے حقیقت کے اعتبار سے اور ہم نے اس ایمان و اعتقاد کو اپنے ماں باپ سے بطریق تقلید لیا اور میرے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ اس کو عقل و نظر کیا کہتی ہے۔ جائز ہے یا محال، یا واجب۔ میں نے اس پر اپنے ایمان سے عمل کیا۔ یہاں تک کہ میں نے جان لیا کہ میں کہاں سے ایمان لایا۔ اور کس چیز پر ایمان لایا ہوں۔ (یعنی میں نے یہ جان لیا کہ میرا ایمان کہاں ہے، اور کس چیز پر میرے ایمان کی بنیاد ہے) اور اللہ نے میری نظر سے اور میری بصیرت سے اور میرے خیال سے پردہ اٹھا دیا۔ پس میں نے سر کی آنکھ سے دیکھ لیا۔ ہر اس چیز کو جو صرف آنکھ سے دیکھی جا سکتی تھی اور میں نے دل کی آنکھ سے دیکھ لیا ہر اس چیز کو جو اس سے معلوم کی جا سکتی تھی اور میں نے خیال کی آنکھ سے معلوم کر لیا۔ ہر اس چیز کو جو صرف اس سے معلوم کی جا سکتی تھی۔ پس ہر امر کی حقیقت مجھ پر کھل گئی اور میرے لیے پوشیدہ چیزیں ظاہر ہو گئیں اور خیالی اور وہی حکم جو میں نے تقلید کے ساتھ قبول کیا تھا میرے کشف میں موجود ہو گیا اور میں نے اس کو علیٰ وجہ البصیرت معلوم کر لیا پس میں نے اس شخص کی قدر کو جان لیا، جس کی میں نے پیروی کی اور وہ رسول ہیں جن کو اللہ کی طرف سے بھیجا گیا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان کھل کر میرے سامنے آگئی اور میں نے تمام انبیاء کا آدمؑ سے لے کر محمد علیہ السلام کو دیکھا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام اہلِ ایمان کو دکھایا۔ تا آنکہ ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ رہا۔ نہ گذشتگان میں سے اور نہ قیامت تک آنے والوں میں سے ان کے خاص کو بھی اور عام کو بھی اور میں نے تمام جماعتوں کے درجوں کو دیکھا، پس میں نے جان لیا۔ ان سب کے مقامات کو اور ان چیزوں میں سے جو عالم علوی سے تعلق رکھتی ہیں۔ پس جن چیزوں پر اجمالاً ایمان لایا تھا۔ ان سب پر میں پوری طرح سے باخبر ہو گیا اور ان سب کو میں نے اچھی طرح دیکھ لیا۔ پس میں نے جو دیکھا اور جس کا میں نے مشاہدہ کیا۔ اس کے علم اور مشاہدہ نے مجھے میرے ایمان سے نہ ہٹایا۔ یعنی مشاہدہ کے بعد بھی میرا ایمان وہی رہا۔ جو مشاہدہ سے پہلے تھا، لہٰذا میں جو ہمیشہ کہتا اور عمل کرتا ہوں۔ وہ اپنے علم اور اپنی آنکھ اور اپنے مشاہدہ کی بنا پر نہیں کہتا، بلکہ جو کچھ کہتا ہوں اور جو کچھ عمل کرتا ہوں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کی پیروی میں کہتا ہوں، اور عمل کرتا ہوں۔ اپنی رائے۔ اپنے یقین اور اپنے دیکھنے کی بنا پر نہ کہتا ہوں، نہ عمل کرتا ہوں، پس میں نے ایمان اور عیان دونوں کو جمع کر لیا اور یہ حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع کرنے والوں میں بہت کم پایا گیا ہے کہ ان میں ایمان اور مشاہدہ دونوں جمع ہو گئے ہوں اور پھر وہ لوگ مشاہدہ پر ہوتے ہوئے بھی ان کا قول و فعل یقین و ایمان کی بنا پر ہو۔ صرف مشاہدہ پر نہ ہو۔ یقیناً اکابر کے اقدام کی لغزش اس وقت ہوتی ہے جب کہ ایمان والی چیزوں پر ان کا مشاہدہ ہو جاوے پس مشاہدہ پر عمل کیا جائے نہ کہ ایمان پر اور مشاہدے اور ایمان کے درمیان جمع نہ رہے

نصیب ہو گیا جس پر ان کا ایمان تھا، تو وہ مشاہدہ کے بموجب عمل کرتے رہے، تاکہ ایمان کے بموجب تو یہ لوگ ایمان اور مشاہدہ کے درمیان جامع نہ رہے، کیوں کہ ان لوگوں نے ایمان کو چھوڑ دیا اور اپنے مشاہدہ کے تابع ہو گئے اور جب مشاہدہ والوں کا عمل مشاہدہ کی بنا پر ہوگا، تو اس کا کمال اس سے فوت ہو جائے گا۔ کیونکہ کمال، اپنے رتبہ کو پہچاننا اور ایمان کی بنیاد پر عمل کرنا اور متابعت کو اپنا مقصد بنانا ہے اور جو شخص مشاہدہ کی حالت میں اس کی بنا پر عمل کرتا ہے۔ اگرچہ وہ بات کشف سے ہے، لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کی حقیقت اور منزلت کو اس پر منکشف نہیں فرمایا۔ لہٰذا اس نے خود کو نہیں پہچانا اور اپنے مشاہدہ کی بنا پر عمل کیا اور کامل وہ ہے جو ذوق مشاہدہ کے باوجود ایمان کے مقتضیٰ پر عمل کرے اور حکم ایمان سے حکم عیان کی طرف منتقل نہ ہوا اور نہ اس میں عیان اور مشاہدہ کوئی تاثیر کرے اور میں نے اس شخص کو ابھی تک نہیں دیکھا جو اس مقام پر فائض ہو کہ مکاشفہ کے باوجود اس کا عمل ایمان کی بنیاد پر ہو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں اور میرا یقین ہے کہ جہان میں خدا تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں۔ جو اس مقام کو رکھتے ہیں، مگر حق سبحانہٗ نے میرے اور ان کے درمیان جمع ہونے کا موقع نہیں بخشا کہ میں ان کی صورتوں کو دیکھتا اور ان کی علامتوں کو پہچانتا اور ممکن ہے کہ میں نے ان کو دیکھا ہو، لیکن پہچانا نہ ہو۔ نہ ان کی شخصیت کو نہ ان کے نام کو، اور میرے نہ پہچاننے کا سبب یہ ہے کہ میں نے کبھی اپنے نفس کو حق سبحانہٗ کی طرف اس غرض سے متوجہ نہیں کیا کہ وہ مجھے موجودات میں سے کسی موجود پر اور حوادث میں سے کسی حادثہ پر مطلع کرے۔ ہاں اپنے نفس کو اس کی طرف اس لیے متوجہ رکھا کہ وہ مجھے اس کام میں لگائے رکھے، جس میں اس کی رضا اور خوشنودی ہو اور اس میں نہ لگائے جو مجھے اس سے دور کرے اور اس سے دوری کا سبب ہو، اور یہ کہ وہ مجھے خاص کر لے۔ اس مقام کے ساتھ کہ انبیاء کی تابعداری کرنے والوں میں سے کوئی پیروکار اس سے اونچے مرتبہ کا نہ ہو۔ اگر وہ میرے ساتھ اس مرتبہ میں سارے جہان والوں کو شریک کر دے، تو میں اس سے ہرگز متاثر نہ ہوں گا، کیونکہ میں بندہ محض ہوں کہ میں اس کے حکم پر راضی ہوں، پس اس کے بندوں پر فوقیت اور بلندی نہیں چاہتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے میرے نفس میں اس قدر وسعت رکھ دی کہ میں آرزو کرتا ہوں کہ سارے جہان کے لوگ اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ میں ایک قدم اور ایک سیڑھی پر ہو جائیں۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ نے مجھے میرے کام کے ایسے انجام سے مخصوص کیا جس کا میرے دل میں کبھی خیال نہیں آیا تھا۔ یعنے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کے شکر سے عاجز ہونے کے ساتھ باوجودیکہ اس نے شکر ادا کرنے میں مجھے پوری پوری توفیق بخشی اور اس واقعہ کو میں نے فخر اور بڑائی ظاہر کرنے کی وجہ سے بیان نہیں کیا۔ نہیں اللہ کی قسم نہیں، بلکہ میں نے اس کا ذکر دو وجہ سے کیا ہے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی تکمیل کی وجہ سے اور اس سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ کوئی صاحب ہمت سنے اور اس میں ہمت پیدا ہو، اور وہ اپنے نفس کو اس کام میں لگائے جس میں میں نے اس کو استعمال کیا اور وہ اس مقام پر پہنچ جائے۔ جہاں میں پہنچا ہوں اور وہ بھی میرے ساتھ میرے درجہ میں رہے اور اس میں میرا کوئی حرج نہیں، کیونکہ تنگی باطنی امور میں نہیں ہوتی بلکہ تنگی تو امورِ محسوسہ میں ہوتی ہے

اور شیخ صدرالدین قدس سرہٗ کتاب فکوک میں فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کی ایک خاص نظر ہوتی تھی کہ جب کہ کسی شخص کے حال پر تو اس پر نظر ڈالتے۔ اس کے اخروی اور دنیاوی حالات بتا دیتے تھے۔

فتوحات باب چوالیس میں مذکور ہے کہ شیخ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے مجھ سے مجھے لے لیا اور ایک زمانہ مجھ پر ایسا گزرا کہ میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا تھا اور میں امام ہوتا تھا اور نماز کے تمام اعمال جیسے پورے کرنے چاہئیں۔ میں پورے کرتا تھا۔ لیکن مجھے اس کی کوئی خبر نہ ہوتی تھی۔ جماعت کا پتہ ہوتا تھا نہ اس کی جگہ کا اور نہ ہی جہان کی کوئی چیز محسوس ہوتی تھی اور یہ جو کچھ میں کہتا ہوں۔ جب مجھے ہوش آ گیا، تو یہ سب کچھ مجھے انھوں نے بتایا اور مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ مجھ سے کیا کیا ہوا تھا۔ اور میرے تمام کام سونے والے آدمی کی حرکات کی طرح تھیں جو اس سے سوتے ہوئے صادر ہو جاتی ہیں اور اس کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے میرے وقت کو مخصوص رکھا ہوا تھا اور میرے ساتھ ایسا معاملہ کیا گیا تھا جو شبلیؒ کے ساتھ کیا گیا تھا کہ انکو نماز کے اوقات میں انہیں واپس دے دیا کرتے تھے، لیکن میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ اس کو اس کا شعور بھی ہوتا تھا یا نہیں، لوگوں نے اس حال کو جنید قدس سرہٗ سے کہا، تو کہا: "الحمد للہ الذی لم یجر علیہ لسان ذنب" تعریف خاص ہے اس اللہ کے لیے جس نے اس پر گناہ کی زبان جاری نہیں کی یعنی کسی شخص نے اس کو گناہ گار نہیں کیا اور فتوحات میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت شیخ نے یہ شعر فرمایا تھا۔

یا من یرانی ولا اراہ کم ذا اراہ ولا یرانی

(ترجمہ) اے وہ کہ مجھے دیکھتا ہے اور میں اسے نہیں دیکھتا۔ کب آئے گا۔ وہ وقت کہ میں اسے دیکھوں: وہ مجھے نہ دیکھے۔

شیخ کے ایک مرید نے کہا۔ آپ نے یہ کیا بات کہی۔ کہ "ولا یرانی" کہ وہ مجھے نہ دیکھے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھتا ہے"

شیخ نے فی الفور یہ کہا۔ یامن یرانی مجرما ولا اراہ اخذا کم ذا اراہ منعما ولا یرانی لائذا

(ترجمہ) اے وہ جو مجھے جرم اور گناہ کے حال میں دیکھتا ہے اور میں اس کو مواخذہ کرنے والا اور سزا دینے والا نہیں دیکھتا۔ کب ہو گا یہ کہ میں اس کو نعمت دینے والا دیکھوں اور وہ مجھے پناہ مانگنے والا نہ دیکھے۔

اور فتوحات میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد میں طواف کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص طواف کر رہا ہے لیکن نہ وہ کسی سے مزاحمت کرتا ہے نہ کوئی اس سے مزاحمت کرتا ہے دو آدمیوں کے درمیان آ جاتا ہے لیکن انکو ایک دوسرے سے جدا بھی نہیں کرتا میں سمجھ گیا کہ یہ روح ہے جو جسم بن کر آ گئی ہے۔ میں نے راستہ میں اس کا خیال رکھا اور اس کو سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیا اور میں اس کے ساتھ ہو لیا اور ہم دونوں کے درمیان باتیں ہوئیں تو میں نے جانا کہ یہ احمد سبتی ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ہفتہ کے دنوں میں، مزدوری اور کمانے کے لیے ہفتہ کے دن کو کیوں خاص کیا۔ کہا اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نے اتوار کے دن جہان کے پیدا کرنے کی ابتدا

کی۔ اور جمعہ کو فارغ ہوگئے۔ پس ان چھ دنوں میں کہ وہ ہمارے کام میں تھا۔ میں اس کے کام میں رہا اور اپنے نفس کے مزہ کی خاطر کوئی کام نہیں کیا۔ جب ہفتہ آیا۔ اس کو اپنے لیے بنایا اور اس میں ان چھ دنوں کی خوراک کے لیے روزی کمانے میں مشغول ہوا پھر میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کے وقت قطب زمان کون تھا۔ کہا۔ میں تھا۔ پھر اس نے مجھے رخصت کیا اور خود چلا گیا۔ میں اس جگہ واپس آیا۔ جہاں کہ بیٹھا ہوا تھا تو میرے دوستوں میں سے ایک نے کہا کہ آج میں نے عجیب آدمی کو دیکھا کہ اس سے پہلے میں نے اس کو نہیں دیکھا تھا اور وہ آپ سے طواف میں باتیں کر رہا تھا۔ وہ کون آدمی تھا اور کہاں سے آیا تھا۔ میں نے سارا قصہ سنایا تو تمام حاضرین حیران ہوگئے۔

فتوحات میں یہ بھی لائے ہیں کہ سنہ ۵۸۶ھ عالموں میں سے ایک عالم ہماری مجلس میں آیا جو فلاسفہ کے مذہب پر چلتا تھا اور نبوت کا ثبات جس طرح کہ مسلمان کرتے ہیں، وہ نہ کرتا تھا اور خوارق عادات اور انبیاء کے معجزات کا انکار کرتا تھا۔ اتفاق سے سردی کا موسم تھا، اور مجلس میں آگ کی انگیٹھی جل رہی تھی۔ اس فلسفی نے کہا، عام لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا اور وہ نہ جلے لیکن یہ امر محال ہے۔ کیونکہ آگ کا کام بالطبع یہ ہے کہ وہ ان اجسام کو جو جلنے کے قابل ہوں انہیں جلا دے۔ پھر تاویل کی اور کہا۔ اس آگ سے مراد جو قرآن میں آئی ہے ـ

آں آتش غضب نمرود ست و مراد باند اختن ابراہیم درآں آتش آں ست کہ آں غضب بر وے واقع شد و مراد ازانکہ آں آتش وے را نہ سوخت آنکہ غضب را بر وے نراند بجہت غلبہ ابراہیم بر وے بدلیل و حُجت۔

(ترجمہ) وہ نمرود کے غصہ کی آگ ہے۔ اور ابراہیم کو اس آگ میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ غصہ اس پر واقع ہوگیا اور اس سے مراد کہ اس کو آگ نے نہیں جلایا۔ یہ ہے کہ اس غصہ کو ابراہیمؑ کی حجت اور دلیل کے غلبہ کی وجہ سے، نمرود اس پر نہ چلا سکا۔

جب فلسفی اپنی بات سے فارغ ہو چکا، تو حاضرین مجلس میں سے ایک نے، اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے خود اس سے پوچھا ہوگا۔ کیا تو یہ کہتا ہے کہ تجھے خدا تعالیٰ کے اس فرمان کی سچائی دکھلا دوں کہ "ہم نے ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا" اور اس سے میرا مقصد ابراہیم علیہ السلام کے معجزہ کے انکار کو رفع کر دینا ہے، نہ کہ اپنی کرامت کا ظاہر کرنا۔ اس منکر نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ شیخ نے کہا۔ اس انگیٹھی میں جو آگ ہے، کیا یہ وہی آگ ہے جس کو تو کہتا ہے کہ اس کی طبیعت جلا دینے والی ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں وہی ہے۔ شیخ نے انگیٹھی کو اٹھایا اور آگ کو منکر کے دامن میں ڈال دیا اور دیر تک رہنے دیا اور اپنے ہاتھ سے اس کو ہر طرف سے الٹ پلٹ کرتے رہے، مگر اس کا کپڑا بالکل نہیں جلا۔ پھر فرمایا۔ اپنا ہاتھ لا۔ اس کا ہاتھ آگ پر پہنچا۔ جل گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ یہ بات روشن ہوگئی کہ آگ کا جلانا اور نہ جلانا خداوند سبحانہٗ و تعالیٰ کے فرمان سے ہے، نہ یہ کہ اس کی طبیعت کا تقاضا ہے۔ منکر نے اقرار کیا اور ایمان لے آیا۔

اور فتوحات میں ہی۔ قصہ نقل کیا ہے کہ شیخ ابو العباس حریریؒ نے ۶۰۳ھ میں مصر کے اندر مجھے کہا کہ میں شیخ ابو عبداللہ قربانی کے ساتھ بازار میں جا رہا تھا اور انہوں نے اپنے چھوٹے فرزند کے لیے قصریہ لیا تھا (اور قصریہ ایک شیشہ کا برتن ہوتا ہے جس میں وہاں کے بچے پیشاب کرتے ہیں) صالح مردوں کی ایک جماعت ہمارے ساتھ مل گئی ہے۔ ہم ایک جگہ بیٹھ گئے، تاکہ کچھ کھائیں۔ دل نے یہ طے کیا کہ سالن کے لیے کچھ تھوڑا سا شکر کا شیرہ لے لیں۔ کوئی برتن موجود نہ تھا۔ ان لوگوں نے کہا۔ وہ قصریہ نیا ہے اور اس کو کوئی ناپاکی نہیں پہنچی۔ اس شیرہ کو اس میں ڈال دیا۔ جب ہم کھا چکے اور لوگ چلے گئے۔ ہم ابو عبداللہ کے ساتھ چلے جا رہے تھے اور قصریہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ اللہ کی قسم کہ میں نے اور ابو عبداللہ قربانی دونوں نے سنا کہ اس قصریہ سے آواز آئی، جب خدا تعالیٰ کے اولیاء نے مجھ میں کچھ کھایا ہے۔ تو اس کے بعد میں پیشاب اور ناپاکی کی جگہ استعمال نہ ہوں گا۔ اس نے خدا تعالیٰ کی قسم کھائی کہ ایسا نہ ہوگا اور اچھل کر ان کے ہاتھ سے زمین پر جا گرا، اور گر کر ٹوٹ گیا اور اس واقعہ سے ہمارے اندر عجیب حال پیدا ہوا۔ شیخ محی الدین نے فرمایا کہ میں نے شیخ ابو العباس سے کہا کہ آپ اس قصریہ کی نصیحت سے بے خبر رہے ہیں۔ مقصود وہ نہیں ہے جو آپ نے خیال کیا ہے۔ بہت برتن ایسے ہیں کہ ان میں آپ سے بہتر لوگوں نے کوئی چیز کھائی ہے اور وہ ناپاکی کی جگہ مستعمل ہوگئے ہیں، بلکہ اس سے مقصود آپ لوگوں کو اس بات سے متنبہ کرنا ہے کہ

بعد از آنکہ دلہائے شما موضع معرفت خدائے تعالیٰ شدہ است میباید کہ آں را موضع اغیار نگردانید و در آنجا چیزہای را کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ازاں نہی کردہ جائی ندہید۔

(ترجمہ) جب آپ لوگوں کے دل خدائے تعالیٰ کی معرفت کا محل ہوگئے ہوں۔ چاہیے ان کو اغیار کا محل و مقام نہ بننے دو اور ان چیزوں کو جن سے خدا تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ ان میں اس کو نہ رہنے دیں۔

اور یہ کہ وہ ٹوٹ گیا۔ اس سے اس امر کا اشارہ ہے کہ تمہیں چاہیے کہ تم لوگ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور میں اسی طرح شکستہ رہو۔ شیخ ابو العباس نے انصاف کیا کہ واقعی جو کچھ آپ نے فرمایا ہے۔ ہم اس حکمت سے غافل رہے۔ اور فتوحات میں یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ میرا ایک ماموں تلمسان کا بادشاہ ہوا ہے۔ اس کا نام یحییٰ بن یعان تھا اور اس زمانہ میں ایک شیخ تھا جس کو ابو عبداللہ تونسی کہتے تھے۔ اس نے لوگوں سے تعلق اور میل جول ختم کر لیا تھا اور تلمسان کے باہر ایک موضع میں عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ ایک روز اس موضع سے تلمسان میں جا رہا تھا کہ یحییٰ بن لیان اپنے گھوڑوں اور لشکر کے ساتھ راستہ میں اسے ملا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ ابو عبداللہ تونسی ہے۔ گھوڑے کو واپس لایا اور ابو عبداللہ کو سلام کہا اور وہ قیمتی کپڑے زیب تن کیے ہوئے ان کے پاس پہنچا تھا۔ شیخ سے اس نے پوچھا کہ

یا ایہا الشیخ بایں جامہا کہ من پوشیدہ ام نماز رواست۔ شیخ بخندید است یحییٰ گفتہ است چرا می خندی گفت از نادانی و کم عقلی تو عل

حالِ تو سگے می ماند کہ در مردارے افتادہ باشد و ازاں سیر خوردہ باشد و سرتاپا می وے از خون و نجاست آلودہ باشد چوں وے را بول آید پائے خود را بردارد کہ ناگاہ ازاں بول رشاشۂ بوئے نرشد شکم تو از حرام پُر آمدہ و مظالم عباد در گردنِ تو بسیار است و تو ازاں می پُرسی کہ نماز تو دریں جامہا روا است یا نے بگریست و از اسپ خود فرود آمد و در پائے شیخ افتاد و ترکِ سلطنت کردہ ملازم شیخ شد۔

(ترجمہ) اے شیخ ان کپڑوں میں جن کو میں نے پہنا ہوا ہے نماز جائز ہے؟ شیخ ہنس پڑے یحییٰ نے کہا کیوں ہنستے ہو۔ کہا۔ تیری نادانی جہالت اور کم عقلی پر تیرا حال اس کتا کے حال کی طرح ہے۔ جو مردار میں پڑا ہوا ہو اور اس سے پیٹ بھر کر کھا رہا ہو اور سر سے لے کر پاؤں تک خون اور نجاست سے بھرا ہوا ہو اور جب اس کو پیشاب آئے۔ تو اپنی ٹانگ کو اٹھا لیتا ہے۔ تاکہ کہیں اس کو پیشاب کی کوئی چھینٹ نہ پہنچ جائے۔ تیرا پیٹ حرام سے بھرا ہوا ہے اور لوگوں کے بے شمار حقوق اور مظالم تیری گردن میں ہیں اور تو یہ پوچھتا ہے کہ ان کپڑوں میں نماز جائز ہے یا نہیں یحییٰ رو پڑا۔ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ شیخ کے قدموں میں پڑا رہا اور سلطنت کو چھوڑ کر شیخ کا خادم بن گیا۔ جب تین دن تک شیخ کے پاس رہ چکا، تو شیخ ایک رسی لائے اور کہا مہمانی کے دن پورے ہو گئے۔ اٹھ اور لکڑیاں لا، اور ان کو فروخت کر۔ اس نے رسی لے لی۔ وہ لکڑیوں کا بوجھ اٹھا کر بازار میں لاتا تھا۔ لوگ اس کو سلطنت اور بادشاہی کے بعد اس حال میں دیکھتے تھے، تو روتے تھے۔ وہ لکڑیوں کو فروخت کرتا اور اس سے اپنی خوراک کے بقدر لے لیتا تھا اور باقی کو صدقہ کر دیتا تھا اور ہمیشہ اپنے شہر میں رہا۔ یہاں تک کہ وہ اسی حال میں دنیا سے رخصت ہوا۔ جب کوئی آدمی شیخ ابو عبداللہ سے دعا کی التماس کرتا تو شیخ فرماتے کہ دعا کی التماس یحییٰ بن یعان سے کرو کہ وہ بادشاہی چھوڑ کر، درویشی میں آیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ میں اس میں مبتلا ہوتا تو درویشی میں نہ آتا۔ شیخ رکن الدین علاء الدولۃ قدس اللہ تعالیٰ روحہ نے حضرت شیخ کی بزرگی و کمال کا فتوحات کے حواشی میں اعتراف کیا ہے، جیسے کہ ان کو خطاب کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ایھا الصدیق وایھا المقرب وایھا الولی وایھا العارف الحقانی

(ترجمہ) اے صدیق۔ اے مقرب اور اے ولی اور اے عارف حقانی۔ اور اب تک یہ حواشی ان کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے فتوحات کے حاشیہ پر موجود ہیں، لیکن چونکہ حضرت شیخ نے حضرت حق کو وجود مطلق کہہ دیا ہے۔ اس بات پر ان کو گناہ گار بلکہ تکفیر[1] تک کہہ گئے ہیں اور اس زمانہ میں ایک عالم نے جس نے دونوں حضرات کی باتوں کی خوب چھان بین کی تھی اور جو دونوں حضرات

---

[1] تکفیر سے مقصود ان کم فہم لوگوں کو شیخ کے کلام کے مطالعہ سے روکنا ہے اور نفرت دلانا ہے جو ان کی باتوں کو نہ سمجھ سکتے ہوں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کفر، ولایت اور قرب و صدیقیت کے درمیان جمع نہیں ہو سکتے یعنی کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ولی بھی ہو۔ مقرب اور صدیق بھی ہو اور کافر بھی۔

سے اخلاص اور پورا اعتقاد رکھتے تھے۔ اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ توحید کی حقیقت کے اندر دونوں میں کوئی اختلاف نہیں اور شیخ رکن الدینؒ نے شیخ ابن العربی رضی اللہ عنہ کی نسبت جو تخطیہ و تکفیر کے الفاظ لکھے ہیں وہ اس معنیٰ سے ہیں جو وہ شیخ کے کلام سے سمجھے ہیں اور اس معنی کے اعتبار سے نہیں جو شیخ کی مراد ہے۔ اس لیے کہ وجود کے تین اعتبار ہیں، ایک اعتبار بشرط شئی ہے کہ وجود مقید ہے اور دوسرا اعتبار ــ بشرط شئے کہ وجود عام ہے ــ اور تیسرا اعتبار بشرط لاشئے کہ وجود مطلق ہے حضرت شیخ ابن العربی نے ذات حق سبحانہٗ کو جو وجود مطلق کہا ہے۔ وہ آخری معنی کے اعتبار سے ہے اور شیخ رکن الدین علاء الدولتہ نے اس کو وجود عام پر محمول کیا اور اس کی نفی اور انکار میں مبالغہ فرمایا۔ باوجودیکہ خود انہوں نے وجود ذات کے اطلاق کو آخری معنی کی طرف اشارہ کیا۔ جیسے کہ انہوں نے اپنے بعض رسائل میں فرمایا ہے۔ الحمد للہِ علَی الایمان بوجُوبِ وَجُودِہٖ وَنزَاھَتِہٖ عن ان یکون مقیدًا محدودًا او مطلقًا لا یکون لہٗ بلاً مقیداتہٖ

(ترجمہ) اللہ کی تعریف ہے کہ ہم اس کے وجود کے وجوب پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کو اس سے پاک سمجھتے ہیں کہ وہ مقید اور محدود ہو اور اس سے بھی اس کو پاک سمجھتے ہیں کہ وہ ایسا مطلق ہو کہ اس کا وجود اس کے مقیدات کے بغیر نہ ہو۔

وجود مقید ایسا محدود نہیں ہوتا کہ جس کا وجود مقیدات پر موقوف ہو، تو پھر لازمی طور پر مطلق ہوگا۔ لابشرط شئے ہے کہ کسی تقیدٌ اور عموم سے مشروط نہ ہو، اور قیود اور تعینات مراتب میں تو اس کے ظہور کی شرط ہوگی، مگر فی حدِّ ذاتہٖ اس کے وجود کی شرط نہیں [1] اور شیخ رکن الدین اور شیخ کمال الدین عبدالرزاق کاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ میں جو نزاع اس سے قبل واقع ہو چکا ہے۔ یہ نزاع بھی اسی طرح کا ہو سکتا ہے اور حقیقتِ حال کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا ہے۔ رسالہ اقبالیہ میں مذکور ہے کہ شیخ رکن الدین علاء الدولتہ کی مجلس میں ایک درویش نے پوچھا کہ شیخ محی الدین ابن العربی نے حق تعالیٰ کو جو وجود مطلق کہا ہے۔ قیامت میں اس بات سے ان پر مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ شیخ نے فرمایا میں اس قسم کی باتوں کو قطعاً زبان پر نہیں لانا چاہتا۔ کاش کہ وہ ایسا نہ کہتے۔ کیونکہ مشکل بات اشکال والی بات کہنا روا اور مناسب نہیں ہے۔ لیکن جب کہہ دی گئی ہے، تو ضرور اس کی تاویل کرنی چاہیے تاکہ درویشوں کے باطن میں شبہ نہ پڑ جائے اور وہ بزرگوں کے حق میں بے اعتقاد نہ ہو جائیں۔ میں خود جانتا ہوں کہ محی الدین ابن عربی نے اس بات سے یہ چاہا کہ وحدت کو کثرت میں ثابت کرے۔ اس نے وجود مطلق کہہ دیا ہے، تاکہ دوسری معراج کو بیان کر سکے، کیونکہ معراج دو ہیں۔ ایک یہ کہ

کَانَ اللّٰہُ ولم یکن مَعَہٗ شئی " اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اور اس کا معلوم کر لینا اور اس کی حقیقت کو سمجھ لینا آسان ہے۔ اور دوسری معراج یہ ہے۔ والاٰن کَمَا کَان ۔ وہ اب بھی ایسا ہی ہے، جیسے کہ پہلے تھا۔

---

[1] یعنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے لیے بذاتِ خود شرط ہوں۔ یہ مسئلہ عام لوگوں کے سمجھنے کا نہیں ہے اہل علم ہی جو علم منطق اور علم کلام سے واقف ہیں وہی سمجھ سکتے ہیں

اور اس کی تشریح زیادہ مشکل ہے. اس نے چاہا کہ وہ ثابت کرے کہ مخلوقات کی کثرت حق کی وحدت میں کچھ زیادتی نہیں کرتی. اس کے دل میں وجودِ مطلق پڑا ہوا ہے جب اس کی ایک شق اس مطلب پر درست اور صحیح ہو گئی، تو یہ اس کو اچھی معلوم ہوئی اور دوسری شق سے جس سے کہ نقصان لازم آتا ہے وہ غافل رہا. لہٰذا جب اس کا مقصد واحدانیت کا اثبات ہوا ہوگا، تو حق تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا ہوگا. کیونکہ حق تعالیٰ کے کمال میں اہلِ قبلہ نے جو بھی اجتہاد کیا ہے. اگر اس نے غلط کیا ہے. میرے نزدیک وہ ایسا ہی ہے جس نے صحیح طور پر حق تعالیٰ کا کمال ظاہر کیا ہو، تو وہ اہلِ نجات سے ہوگا، اور اہل درجات کے درجوں میں پہنچنے والا ہوگا.

شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ اندلس کے علاقہ مرسیّہ کے اندر پیر کی رات، ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور جمعرات کے دن ۲۸ ربیع الآخر ۶۳۸ھ کو مسجد دمشق میں وفات پائی اور دمشق سے باہر جبل قاسیون" کے دامن میں مدفون ہوئے اور اس وقت یہ جگہ "صالحیہ" کے نام سے مشہور ہے.

۴۳۳ حضرت شیخ صدر الدین محمد بن اسحٰق القونوی[1] قدس اللہ تعالیٰ

ان کی کنیت ابوالمعالی ہے. علوم کے درمیان جامع تھے خواہ ظاہری علم ہو یا باطنی خواہ نقلی ہوں یا عقلی، ان کے اور خواجہ نصیر الدین طوسی کے مابین سوالات و جوابات کا سلسلہ رہا ہے اور مولانا قطب الدین، علامہ شیرازی. علم حدیث میں ان کے شاگرد تھے. کتاب جامع الاصول" خود اپنے قلم سے لکھی اور ان پر پڑھی اور اس پر فخر کیا کرتے تھے اور اس گروہ کے شیخ موید الدین جُندی اور مولانا شمس الدین ایکی اور شیخ فخر الدین عراقی، اور شیخ سعد الدین فرغانی قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم اور ان حضرات کے علاوہ دوسرے اکابر بھی ان کی تربیّت کی گود میں رہے ہیں اور ان کی صحبت میں پرورش پائی ہے نیز شیخ سعد الدین حموی کی صحبت میں بہت رہے ہیں اور ان سے سوالات کیے ہیں.

شیخ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ، جس وقت وہ بلادِ مغرب سے روم کی طرف متوجہ ہوئے تھے. تو انھوں نے اپنے کسی مشاہدہ میں اپنی ولادت اور استعداد اور علوم و تجلیات احوال و مقامات اور جو کچھ مدت عمر میں اور مفارقت کے بعد برزخ میں اور برزخ کے بعد جو اُن پر گزری اور گزرے گی. ان سب پر آپ کو بطور کشف بتا دیا گیا تھا.

بل شهد احوالَ اولادهٗ اِلا لٰهيين ومشاهدهم ومقاماتهم وعلومهم وتجلياتهم واسمائهم عند اللہ وعليّاً كلِّ واحدًا منهم واحوالهم واخلاقهم وكل مايجرِيْ لهم وعليهم اِلىٰ آخر اعمارهم وبعد مفارقه فى برازخهم ومابعدها

---

[1] ق کا پیش و کا جزم ن کا زبر و کا زیر یا نسبت کی نسبت ہے. قونیہ شہر کی طرف.

(ترجمہ) بلکہ اپنی طبی اولاد کے حالات و مشاہدات اور ان کے مقامات، ان کے علوم ان کی تجلیات۔ ان کے اسماء جو اللہ کے نزدیک ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا حلیہ اور ان کے حالات اور اخلاق و عادات اور جو کچھ معاملہ ان کے نفع کے لیے ہوگا اور جو کچھ ان کے خلاف ہوگا۔ ان کی آخری عمر تک اور مفارقت یعنی مرجانے کے بعد ان کی برزخوں میں اور برزخوں کے بعد جو کچھ ہوگا۔ ان سب کا حضرت شیخ نے مشاہدہ فرمایا تھا۔[1]

اور جب آپ قونیہ پہنچ گئے۔ آپ کی ولادت کے بعد اور آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ کی والدہ شیخ محی الدین اکبر کے عقد نکاح میں آگئیں اور انہوں نے شیخ کی خدمت اور صحبت میں تربیت پائی اور آپ شیخ کے کلام کے نقاد اور پرکھنے والے ہیں مسئلہ وحدت الوجود میں شیخ کا مقصود اس طرح پر کہ عقل اور شرع کے مطابق ہو۔ ان کی تحقیقات کی تلاش اور تتبع کے بغیر سمجھنا میسر نہ ہو گا اور ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ مثلاً تفسیر فاتحہ، مفتاح الغیب، فصوص، فکوک اور شرح حدیث، اور کتاب نفحات الٰہیہ کہ آپ نے اپنے بہت سے واردات قدسیہ کا اس میں ذکر کیا ہے اور جو شخص چاہے کہ اس طریقہ میں ان کے کمال سے کچھ اطلاع پاوے۔ اس کو کہہ دو کہ وہ اس کا مطالعہ کرے، کیونکہ انہوں نے اس میں اپنے بہت سے حالات اذواق اور مکاشفات اور مقامات کا ذکر کیا ہے۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ، ار شوال ۶۵۳ھ کو میں نے ایک لمبی خواب میں حضرت شیخ ابن عربی کو دیکھا۔ مجھ میں اور ان میں بہت سی باتیں ہوئیں۔ آثار اور احکام اسماء الٰہیہ کے بارہ میں چند باتیں کہیں۔ میرا بیان ان کو اچھا لگا۔ چنانچہ ان کا چہرہ مارے خوشی کے دمکنے لگا اپنے سر مبارک کو مزے سے ہلاتے تھے اور ان باتوں میں سے کچھ باتیں دہراتے تھے اور کہتے تھے ملیح ملیح۔ خوب خوب یعنی بڑی مزہ کی باتیں بڑے مزہ کی باتیں ہیں۔ میں نے کہا۔ یا سیدی ملیح توئی۔ میرے آقا ملیح تو آپ خود ہیں کہ آپ کو یہ قدرت ہے کہ آپ آدمی کی تربیت کریں اور ایسی جگہ پہنچا دیں کہ وہ ایسی چیزوں کو معلوم کرے اور مجھے اپنی جان کی قسم اگر آپ انسان ہیں، تو آپ کے علاوہ سب لوگ لاشے ہیں۔ اس کے بعد میں اُن کے قریب ہوا اور ان کے ہاتھ کو چوما اور کہا مجھے آپ سے ایک اور کام ہے۔ فرمایا مانگ میں

---

[1] یعنی حضرت شیخ نے اپنے فرزندانِ الٰہی کے ان تمام احوال کا مشاہدہ کرلیا جو ان کو اس زندگی میں یا مرنے کے بعد قبر اور برزخ کی زندگی میں یا برزخ کے بعد دار القرار "ابدی گھر کی زندگی" میں پیش آئیں گے۔ یہ سچ ہے۔ واللّٰہُ علیٰ کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ وَمَا اوتیتم مِن العِلمِ الا قلیلا۔ فرزندانِ الٰہی سے مراد وہ جماعت اور طائفہ ہے، جن میں حضرت شیخ نے اپنی ولایت کی قوت سے ان کی مادرِ طبیعت میں تصرف فرمایا ہوگا۔ تاکہ دوسری ولادت کے ذریعہ رحم طبیعت کی تنگی سے نکل کر باہر آجائیں اور اس کے احکام سے رہائی اور آزادی حاصل کرلیں، اور ان کے اُن ناموں کا بھی مشاہدہ کیا جو اللہ کے نزدیک ان کے نام ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کُنہ یعنی آدمی کی استعداد مثلاً سعادت و شقاوت، اور سعادت و شقاوت کے مراتب کے لحاظ سے ہر ایک آدمی کا خدائے تعالیٰ کے نزدیک کوئی نام ہے۔

نے کہا ۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ متحقق شوم بکیفیتِ شہود دایم ابدی لو مرتجلی ذاتی را ۔ (ترجمہ) جس طرح آپکو شہود دائمی وابدی کی کیفیت حاصل ہے ۔ مجھے آپ جیسی کیفیت حاصل ہو جائے ۔ وَکُنْتُ اعنی بذالِكَ حلول مَاکَانَ حاصِلاً لہٗ مِن شہو التجلّی الذّاتی الذی لاحجابَ بعدہٗ ولامستقرٌّ لِلسکمل دُونہ

(ترجمہ) اور اس سوال سے میرا مطلب یہ ہے کہ وہ تجلّی ذاتی جس کے بعد کوئی حجاب نہیں رہتا جو ان کو حاصل تھی (اور کاملین کا مستقر اور مقام اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے) مجھے بھی وہی حاصل ہو جائے ۔

یہ سن کر آپ نے کہا اچھا اور میری عرض کو قبول کر لیا اور کہا ، تو نے جو درخواست کی ہے منظور ہے ۔ اس کے باوجود کہ تجھے معلوم ہے کہ میری اولاد اور مرید تھے ، ان میں سے بہت سوں کو میں نے ۔ مارا[1] اور زندہ بنا دیا ۔ اور مرا جو مرا اور کشتہ ہوا ۔ جو کشتہ ہوا ۔ اور کسی کو بھی یہ کیفیت میسر نہ ہوئی ۔ میں نے کہا ۔ یاسیّدی الحمدللہ علی اختصاصی بھٰذہِ الفضیلۃ اَعلَمُ اَنَّکَ تُحیُ وَتُمِیتُ

(ترجمہ) اے میرے آقا ۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ۔ جس نے مجھے اس فضیلت کے ساتھ خاص کر دیا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ بے شک آپ زندہ کرتے ہیں ، اور مارتے ہیں[2] ۔

ان باتوں کے علاوہ میں نے اور باتیں بھی کیں جن کو ظاہر کرنا مناسب نہیں ۔ اس کے بعد اس خواب سے باہر نکل آیا اور یہ سب اللہ کا احسان ہے ۔ شیخ صدرالدین اور مولانا جلال الدین رومی قدس سرہما میں خصوصی محبت اور صحبت بسیار رہی ہے ۔ ایک دن بڑی مجلس ہوئی اور قونیہ کے اکابر جمع تھے اور شیخ صدرالدین صف کے صدر مقام میں سجادہ (مسند) پر بیٹھے ہوئے تھے ۔ اس اثناء میں حضرت مولوی آ گئے ۔ شیخ نے اپنا سجادہ ان کے لیے چھوڑ دیا ۔ مولانا بیٹھ گئے ، اور کہا ۔

بقیامت چہ جواب گویم کہ بر سجادۂ شیخ چرا نشستم ۔ شیخ فرمود کہ بر یک گوشۂ تو بنشیں و بر یک گوشہ من بنشینم خدمت مولانا بنشست شیخ فرمود کہ سجادہ کہ نشستنی ترا نشاید مارا نیز نشاید سجادہ بر داشت و دور انداخت ۔

(ترجمہ) میں قیامت میں کیا جواب دوں گا کہ شیخ کے سجادہ پر کیوں بیٹھا ۔ شیخ نے فرمایا کہ ایک کونہ پر آپ بیٹھ جائیں اور ایک گوشہ پر میں بیٹھ جاتا ہوں ۔ حضرت مولانا بیٹھ گئے ۔ شیخ نے فرمایا کہ جو سجادہ آپ کے بیٹھنے کے لائق نہیں ، وہ ہمارے بھی بیٹھنے کے لائق نہیں ہے ۔ سجادہ کو اٹھا دیا اور دور پھینک دیا ۔

---

[1] مارنے اور کشتہ کرنے سے مراد اپنے سے فنا ، اپنی خواہش سے فنا ہے ، اور زندہ بنانے سے مراد ، مرتبۂ بقا ہے ، اور اسی معنی کے لحاظ سے شیخ نے مارنا اور جلانا فرمایا ۔

[2] اس اللہ کی تعریف ہے میں اس فضیلت کے ساتھ مخصوص ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ ابدی حیات کے ساتھ زندہ کرتے ہیں مقتضاءِ طبیعت یعنی طبعی تقاضوں یہ اشارہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف موتو قبل انتہ موتو فنا حاصل کرو مرنے سے پہلے ، سے مُردہ بناتے ہیں ۔

مولانا رومی شیخ صدر الدین سے قبل فوت ہو گئے اور اپنے جنازہ پر نماز پڑھنے کی ان کے لیے وصیت فرما گئے۔ کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین قونوی نے شیخ صدر الدین قدس سرہما سے پوچھا "مِنَ اَیْنَ اِلیٰ اَیْنَ وَمَا الْحَاصِلُ فِی الْبَیْنِ کہاں سے کہاں تک اور درمیان میں کیا حاصل ہے۔ شیخ نے جواب دیا۔ مِنَ الْعِلْمِ اِلیٰ الْعَیْنِ وَالْحَاصِلُ تَجَدُّدُ نِسْبَۃٍ جَامِعَۃٍ بَیْنَ الطَّرَفَیْنِ ظَاہِرَۃٍ نَاظِرَۃٍ بِالْحُکْمَیْنِ (ترجمہ) علم سے، موجودات خارجیہ تک اور حاصل اس نسبت کا تجدد (یعنی نیا ہونا) ہے۔ جو دونوں جانبوں کے درمیان جامع ہو، جو ظاہر ہونے والی، اور دکھلانے والی ہو دونوں حکموں کو۔ [1]

۳۴۴ حضرت شیخ موید الدین جُندی رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ صدر الدینؒ کے شاگردوں اور مریدوں میں سے تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی کے درمیان جامع تھے۔ شیخ بزرگ محی الدین بن العربی کی بعض تصنیفات، مثلاً فصوص الحکم اور مواقع النجوم کی شرح کی ہے اور فصوص کی تمام شروح کا ماخذ ان کی شرح ہے اور اس میں بہت سی ایسی تحقیقات ہیں، جو باقی کتابوں میں نہیں ہیں اور ان کا کمال اس شرح سے معلوم ہوتا ہے۔" آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ صدر الدین قدس سرہٗ نے فصوص کے خطبہ کو میرے لیے شرح کیا۔ اس کے درمیان میں اُن پر غیبی حالات و واردات ظاہر ہوئے اور اس کے اثر نے میرے ظاہر و باطن کو گھیر لیا۔ اس وقت مجھ میں عجیب یعنی حیرانی کی حد تک تصرف کیا۔ اور کتاب کے پورے مضمون کو مجھے پوری طرح خطبہ کی شرح میں سمجھا دیا، اور جب یہ حال معلوم فرمایا تو کہا میں نے بھی حضرت شیخ سے درخواست کی تھی کہ کتاب فصوص کو، مجھ پر شرح کریں تو انہوں نے خطبہ کی شرح کی اور اس کے درمیان مجھ میں ایسا تصرف کیا کہ تمام کتاب کا مضمون مجھے معلوم ہو گیا۔ پس میں اس حکایت سے خوش ہو گیا اور جان لیا کہ مجھے حصہ تمام حاصل ہو گا۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا کہ اس کی شرح لکھ۔ لہٰذا ان کے حضور میں اِجلالاً لقدرہٖ و امتثالاً لامرہٖ۔ ان کے مرتبہ کی بڑائی کا لحاظ کرتے ہوئے اور ان کے حکم کی تعمیل کی غرض سے میں نے خطبہ کی شرح کی اور اس مضمون کو بیان کرتے وقت کہ "کامل لوگوں میں اس جہان سے جُدا ہونے کے بعد تمام مواقع میں ظاہر ہونے کی قوت ہوتی ہے" آپ نے فرمایا کہ میں بغداد میں تھا۔ ایک شخص میرے مکان پر آیا ہوا تھا۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ مہدی ہے۔ اس دعویٰ

---

[1] کہاں سے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حرکت کا مبدء "شروع ہونے کی جگہ" کہاں ہے اور کہاں تک، اس کا مطلب یہ ہے کہ منتہا "انتہا کہاں ہے؟" اور ان دونوں کے درمیان میں حاصل کیا ہے۔ شیخ نے جواب دیا۔ من العلم الی العین "یعنی حرکت کا مبداء علمی ہے اور منتہا وجود خارجی ہے اور دونوں طرفوں کے درمیان، حاصل اور مقصود، نسبت اور اعتدال کا پیدا ہونا ہے جو جامع ہو۔ مرتبہ الوہیت اور ناسوتیت کے درمیان اور دونوں کا حکم اعتدال کے طریقہ پر ظاہر ہو اور روحانیت کی جانب غالب ہو کہ اس سے ملائکہ کا حکم لے لے۔ جیسے کہ مجذوبوں کا حال ہے اور نہ طبیعت کا حکم غالب ہو۔ جیسے کہ احکام طبیعہ میں انہماک رکھنے والوں کا۔ [2] کہ کامل حضرات کو تمام مراتب میں ظاہر ہونے کی قوت حاصل ہے، کیونکہ روح کے حسن و مثال کا وہ مقام اور وطن ہے۔

پر اس نے مجھ سے گواہی طلب کی۔ میں نے کہا۔

پیش خدا تعالیٰ گواہی میدہم کہ تو مہدی نیستی و دروغ می گوئی۔ (میں خدا تعالیٰ کے روبرو گواہی دیتا ہوں کہ تو مہدی نہیں ہے اور تو جھوٹ بولتا ہے۔) اس پر وہ میرے ساتھ دشمنی اور عداوت لے کر اٹھا اور بے دینوں کی ایک جماعت اور لفیر یہ کو جمع کیا اور مجھے ایذا دینے پر ان لوگوں کو آمادہ کیا۔ میں نے شیخ بزرگ شیخ محی الدین ابن العربی کی روحانیت سے پناہ لی اور پوری محبت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص ظاہر ہوا۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے اس دعویٰ کرنے والے کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا۔ اور ایک ہاتھ سے اس کے دونوں پاؤں کو۔ اور کہا۔ اسے زمین پر پٹخ دوں۔ میں نے کہا یا سیدی! آپ کا حکم اور آپکی مرضی ہے۔ اس کے بعد وہ واپس چلے گئے اور میں اٹھ کر مسجد میں چلا گیا اور وہ مدعی اپنے ان تابعداروں کے ساتھ جو اس نے مجھے ایذا دینے کے لیے جمع کیے تھے۔ وہاں موجود تھا۔ میں نے اس کی طرف دھیان نہ کیا اور محراب کے سامنے گیا اور اپنی نماز پوری کی اور ان لوگوں نے مجھ پر دست درازی کا حوصلہ نہ پایا اور خدا تعالیٰ نے ان کے شر کو مجھ سے دور کر دیا۔ اس کے بعد اس مدعی نے میرے ہاتھ پر توبہ کی۔ اور میرے ساتھ سفر پر روانہ ہو گیا، اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ صدر الدین سے سنا کہ شیخ بزرگ کو خضر علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کا اتفاق ہوا، تو خضر علیہ السلام نے کہا کہ موسیٰ بن عمران صلوٰت الرحمٰن علیہ کی پیدائش سے لے کر میری ملاقات کے وقت تک جو کچھ اس کے اوپر گزرا تھا۔ اس کے بارہ میں ایک ہزار مسئلوں کے جواب میں نے تیار کر رکھے تھے، لیکن وہ ان میں سے تین پر بھی صبر نہ کر سکا۔" خضر علیہ السلام کی یہ بات حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس فرمان پر اشارہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا لَيْتَ أَخِي مُوسىٰ سَكَتَ حَتّٰى يَقُصَّ عَلَيْنَا مِنْ اَنْبَائِهِمَا۔ اے کاش کہ میرا بھائی موسیٰ خاموش رہتا، تاکہ خدا تعالیٰ ان دونوں کی ہمیں کچھ اور باتیں بتاتا اور ان کی حکمتیں ہم پر ظاہر فرماتا، اور حقائق و معارف کے بیان میں، ابن الفارض کے طریقہ پر شیخ مؤید الدینؒ نے بھی عربی میں لطیف اشعار کہے ہیں اور انہیں سے دو بیت ہیں، جن شیخ فخر الدین عراقی اپنی کتاب "لمعات" میں لائے ہیں۔

البحر بحرٌ علیٰ ما کان فی قدمٍ ... انّ الحوادثَ امواجٌ و انهارٌ

لا تحجبنّک اشکالٌ تشاکلها ... عمن تشکل فیها وهی استارٌ

(ترجمہ) سمندر سمندر ہے۔ جیسے کہ پہلے تھا۔ بے شک بعد میں پیدا ہونے والی چیزیں یعنی مخلوق۔ موجیں اور نہریں ہیں۔ یعنی دریائے حقیقت وہی دریا ہے جو قدیم میں تھا اور مخلوقات جو موجوں اور نہروں کی مانند ہیں۔ وہ اس کی حقیقت کو تبدیل کرنے والی نہیں ہیں تیرا حجاب نہ بن جائیں، وہ اشکال اور صورتیں جو موجوں اور نہروں کی طرح ہیں اور تجھے اس ذات کے شہود سے نہ روک دیں جو صورتوں کی شکل میں ظاہر ہوا اور یہ صورتیں اور شکلیں تیرا پردہ نہ بن جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ وحدت کو کثرت میں دیکھ اور کثرت یعنی مخلوق کا مشاہدہ وحدت سے مانع نہ ہونا چاہیے۔

دوسرا شعر یہ ہے ؎ هو الواحد الوجود فی الکلّ وحدهٗ ... سوی انّهٗ فی الوهم سمّی بالسوی

(ترجمہ) وہ ایسا واحد ہے جو کل میں ایک موجود ہے۔ مگر وہم میں دوسروں پر سوئی غیر کا نام رکھا گیا۔

مطلب یہ ہے کہ وہ سبحانہٗ ایسا یگانہ ہے۔ جو تمام مظاہر میں صفت تنہائی کے ساتھ ایسا موجود ہے کہ اس کے ساتھ صفت وجود میں دوسرا شریک نہیں اور ظاہر کو جو اس کا غیر کہتے ہیں۔ یہ وہم کی بنا۔ پر ہے اور غیر کا نام توہم پر مبنی ہے۔ تحقیق کی بنا پر نہیں اور انہوں نے قصیدہ تائیہ فارضیہ کا جواب بھی لکھا ہے اور اس قصیدہ میں سے یہ درست ہیں۔ فما انفك ... یرضانی

بِکُلِّ محبۃٍ ومازلت اَھْوَاہ بِکُلِّ مُودۃٍ فَمْتَنَعٌ عنہ انفِصَالِیْ وَوَاجِبٌ وصالی بلا امکانِ بُعدٍ وَّقُربۃٍ

(ترجمہ) پس وہ ہمیشہ مجھے ہر محبت کے ساتھ خوش کرتا ہے اور میں ہمیشہ اس کو ہر دوستی کے ساتھ چاہتا ہوں۔ میری جدائی اس سے محال ہے اور میرا وصال واجب ہے۔ دوری اور نزدیکی کی گنجائش کے بغیر۔ مطلب یہ ہے۔ اس کی رضا مجھ سے اس طرح پر ہے کہ میں اس کو ہمیشہ ہر محبت کے ساتھ دوست رکھتا ہوں اور میں اس سے اس طرح راضی ہوں کہ وہ مجھے ہر طرح کی محبّت کے ساتھ دوست رکھتا ہے۔ اس مقصد سے مراد زبان سے جمع کا مرتبہ بیان کرنا ہے کہ مظاہر میں جو کچھ بھی ہے۔ وہ سب حق سبحانہٗ کے ساتھ مستند قائم اور منسوب ہے اور جو کچھ اس سبحانہٗ کے ساتھ اور قائم ہے۔ وہ اس کی طرف منسوب ہوگا اور خود کچھ نہ ہوگا۔

۳۳۵ حضرت شیخ سعید الدین الفرغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

کمل ارباب عرفاں اور اکابر اصحاب ذوق و وجدان سے ہوتے ہیں۔ علم حقیقت پر مسائل کا ایسا پختہ اور مربوط بیان کسی نے نہیں کیا۔ جیسے کہ انہوں نے شرح قصیدہ تائیہ فارضیہ میں ان کو بیان کیا۔ پہلے اس کو فارسی عبارت میں شرح کی تھی اور اپنے شیخ، شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کیا اور شیخ نے اس پر بہت پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اس کے بارہ میں کوئی چیز لکھی اور شیخ سعد الدین نے تبرک اور تیمن کے طریقہ پر اس تحریر کو بعینہٖ اپنی شرح فارسی کے دیباچہ میں درج کیا ہے اور دوسری مرتبہ اس کو عام کرنے اور فائدہ کو پورا کرنے کی غرض سے۔ اس کو عربی عبارت میں نقل کیا اور دوسرے فوائد بھی اس پر زیادہ کیے جزاہٗ اللہ عَنِ الطالبین خیر الجزأ اور ان کی اور بھی تصانیف ہیں۔ "مناھج العباد فی المعاد" اور اس میں چاروں اماموں کے مذاہب پر عبادات کے مسائل کو بیان کیا اور بعض ان معاملات کا بیان ہے جو اس راہ سلوک پر چلنے والوں کے لیے ضروری ہیں اور ان کے بغیر ان کا گزارہ نہیں، نیز ان آداب طریقت کا بیان ہے کہ احکام شریعت کو صحیح کرنے کے بعد راہ حقیقت پر چلنا ان کے بغیر میسر اور ممکن نہیں اور سچ بات یہ ہے کہ ایسی فائدہ مند کتاب ہے جو ہر طالب اور مرید کے لیے لازمی اور ضروری ہے اور اس کتاب میں مشائخ کی نسبتوں کے متعلق یہ لکھا ہے۔ مشائخ کے ساتھ مریدوں کی نسبت تین طریقہ سے ہوتی ہے۔ ایک خرقہ سے دوسرے ذکر کی تلقین سے تیسرے صحبت و خدمت اور اس سے آداب سیکھنے اور آداب میں اس کا نمونہ بن جانے کے ساتھ اور خرقہ

دو ہیں۔ ایک خرقۂ ارادت اور اس کو ایک شیخ کے علاوہ دوسرے سے لینا جائز نہیں دوسرا خرقۂ تبرک اور تبرک حاصل کرنے کی غرض سے کئی مشائخ سے لینا جائز ہے اور شیخ سعدالدین ؒ نے اپنے خرقۂ ارادت کے بارہ میں خود کہا ہے کہ اس نے خرقہ پہنا شیخ نجیب الدین علی بن بزغش الشیرازی قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ سے اور انہوں نے شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی ؒ سے اور انہوں نے اپنے چچا قاضی وجیہ الدین ؒ سے اور انہوں نے اپنے باپ ابو محمد عمویہ سے اور اخی فرج زنجانی ہر ایک کا ہاتھ خرقہ پہنانے میں شریک ہے۔ لیکن ابو محمد نے احمد اسود دینوری سے خرقہ پہنا۔ انہوں نے عشاد دینوری اور انہوں نے ابو القاسم جنید سے۔ لیکن اخی فرج نے ابو العباس نہاوندی سے اس نے ابو عبد اللہ خفیف شیرازی سے انہوں نے ابو محمد رویم بغدادی سے انہوں نے جنید رحمۃ اللہ سے اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے خرقہ کی نسبت کو ابو القاسم جنید سے بڑھکر آگے ثابت نہیں کیا اور جنید سے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم تک صحبت کے ساتھ نسبت دی ہے۔ خرقہ کے ساتھ نہیں، لیکن شیخ مجدالدین بغدادی قدس سرہٗ کتاب تحفۃ البررہ میں لکھتے ہیں کہ خرقوں کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح حدیث متصل معنعن کے ساتھ ثابت ہے اور فرمایا ہے کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرقہ پہنایا ہے اور انہوں نے حسن بصری ؒ کو انہوں کمیل بن زیاد کو انہوں نے عبد الواحد بن زید کو انہوں نے ابو یعقوب کو انہوں نے عمرو بن عثمان کو انہوں نے ابو یعقوب طبری ؒ کو انہوں نے ابو القاسم رمضان کو انہوں نے ابو العباس ادریس کو انہوں نے داؤد خادم کو انہوں نے محمد مانکیل کو انہوں نے شیخ اسمعیل مصری کو انہوں نے شیخ نجم الدین کبریٰ کو انہوں نے فقیر مجدالدین بغدادی کو پس اس بنا پر خرقوں کی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم تک متصل ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لیکن اس فقیر کو تلقین ذکر کی نسبت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے انہوں نے ابو بکر نساج سے انہوں نے شیخ ابو القاسم گرگانی سے انہوں نے ابو عثمان مغربی سے انہوں نے ابو علی کاتب سے انہوں نے ابو علی رودباری سے انہوں نے سید الطائفہ جنید قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم سے۔ اس کے بعد کہتے ہیں۔

کہ در نسبت خرقہ ارادت و نسبت تلقین ذکر از دو شیخ گرفتن مذموم است۔ خرقہ ارادت کی نسبت میں تلقین ذکر کی نسبت دو شیخ سے لینا برا ہے اور قابل مذمت ہے۔

ہاں نسبت صحبت میں عمدہ ہے، لیکن وہ بھی بشرط اجازت یا شیخ اول کی صحبت فوت ہو جانے پر جیسے کہ یہ فقیر ضعیف شیخ نجیب الدین سرہٗ کی خدمت و صحبت فوت ہونے پر حضرت مولانا و سیدنا و شیخنا صدر الحق والدین وارث علوم سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام سلطان المحققین محمد ابن اسحٰق القونوی رضی اللہ عنہ کی صحبت و ارشاد و ہدایت، اور اقتباس فضائل اور آداب ظاہری و باطنی اور علوم شریعت و طریقت و حقیقت سے تربیت پائی اور پوری طرح نفع اٹھایا اور اسی طرح شیخ ربانی محی الدین

محمد بن السکران البغدادی نور اللہ نفسہٗ سے اور ان کے علاوہ دوسرے اکابر سے تربیت قبول کی اور متمتع ہوا، اور

ہرچند از عہدہ رعایت حقوق و شرائط خدمت و صحبت شاں نتوانست بیرون آمدن لیکن ایشاں از کرم حسن قبول و ارشاد

ایں بے چارہ را تلقین فرمودند فجزاہم اللہ عنی احسن الجزاء۔

(ترجمہ) ہرچند میں ان بزرگوں کے حقوق اور خدمت و صحبت کی شرائط کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرسکا، لیکن ان حضرات نے اپنے کرم سے اس بے چارہ اور ناکارہ کو حسنِ قبول اور ارشاد سے تلقین فرمایا، پس اللہ تعالیٰ ان کو میری طرف سے اچھی سے اچھی جزا دے۔

اور آپ نے اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے شیخ نجیب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ شمس الدین صفی امام جامع شیراز، اکابر صالحین اور پاکان میں سے تھے، ان کے تمام اوقات، ذکرِ یادِ الٰہی، تلاوت قرآن پاک، اور طرح طرح کی عبادات میں مستغرق اور معمور تھے، لیکن کسی سے ذکر کی تلقین نہ رکھتے تھے۔ بغیر مرشد کے بتائے از خود ان عبادات میں مشغول رہتے تھے۔

روزی در واقعہ ذکر خود را بصورت نورے مصوّر شدہ. مشاہدہ کرد کہ از دہانی وے منفصل می شدہ و بر زمین فرو می رفت با خود گفت کہ ایں علامت خیر نیست چہ نص "الیہ یصعد الکلم الطیب" بخلاف ایں نشان می دہد ایں نقصان مگر بسبب عدم تلقین ذکر ست از مشائخ پس بیکے از مریدان شیخ روزبہان بقلی قدس سرہٗ رجوع کرد و از وے تلقین ذکر گرفت وہماں شب در واقعہ ذکر خود را بصورت نورے مشاہدہ نمود کہ بالائے رفت و آسمانہا را خرق می کرد و بعد ازاں بخدمت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہٗ پیوست و رسید آنجا کہ رسید۔

(ترجمہ) ایک دن خواب میں اپنے ذکر کو نور کی شکل میں متشکل دیکھا کہ وہ اس کے منہ سے جدا ہوتا ہے اور زمین پر چلا جاتا ہے انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اچھی علامت نہیں ہے، کیونکہ قرآن شریف میں تو الیہ یصعد الکلم الطیب[1] آیا ہے۔ تو میرے ذکر کا اوپر نہ جانا اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ شاید یہ نقص اس لیے ہے کہ میں نے ذکر کی تلقین کسی شیخ سے حاصل نہیں کی، تو پھر انہوں نے شیخ روزبہان بقلی قدس سرہٗ کے کسی مرید سے رجوع کیا اور اس سے ذکر کی تلقین کی اور اس رات خواب میں اپنے ذکر کو ایسے نور کی صورت میں مشاہدہ کیا جو اوپر جاتا ہے اور آسمانوں کو پھاڑ دیتا ہے اور اس کے بعد وہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں رہنے لگا اور پہنچا جہاں کہ وہ پہنچا۔

۴۳۶ حضرت شیخ عیسیٰ ابن ہتار یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ ایک دن ایک فاحشہ کے پاس سے گزرے، تو اس سے کہا عشاء کی نماز کے بعد میں

---

[1] حق تعالیٰ کی طرف جاتی ہیں۔ خاص کر پاکیزہ اور اچھی باتیں بخلاف ان باتوں کے جن میں سمعہ، ریا وغیرہ کی وجہ سے کوئی قصور واقعہ ہو وہ بندہ کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں۔ تاکہ وہ راستہ میں رکا رہے۔

تیرے پاس آؤں گا۔عورت خوش ہوگئی اور اپنا سنگار کیا۔عشاء کی نماز کے بعد وہ اس کے پاس آئے اور اس کے گھر میں دو رکعت نماز ادا کی اور باہر آگئے۔ اس عورت کا حال بدل گیا اور اس نے توبہ کی اور اس کے پاس جتنا مال و اسباب تھا سب کو چھوڑ کر باہر نکل آئی۔ شیخ نے اس کا نکاح ایک درویش سے کر دیا اور کہا ولیمہ کے کھانے کے لیے، عصیدہ بناؤ اور گھی نہ خریدو۔ لوگوں نے اس امیر کو جو اس فاحشہ کا یار تھا۔ اس کا واقعہ سنایا۔ اس نے اس پر تعجب کیا اور ان لوگوں نے ولیمہ کا طعام عصیدہ بنایا۔ ان کے پاس گھی نہیں تھا۔ امیر نے مذاق اور ٹھٹھہ سے شراب کی دو بوتلیں بھیج دیں کہ ان کو شیخ کے پاس لے جاؤ اور کہو ہمیں خوشی ہوئی ہے اور ہم نے سنا ہے کہ آپ کے پاس عصیدہ کے لیے روغن نہیں ہے، اس کو عصیدہ کے ساتھ کھاؤ۔ جب امیر کا قاصد آیا، تو شیخ نے کہا۔ دیر آمدی۔ دیر سے آیا۔ ان شیشیوں سے ایک کو لیا اور اس میں ہاتھ ڈالا، اور عصیدے پر ڈال دیا اور دوسری بوتل کو بھی ایسا ہی کیا اور اس قاصد سے کہا، بیٹھ تو بھی کھا، تو اس نے اس کو ایسا گھی دیکھا کہ کبھی بھی اس نے ایسا گھی نہ کھایا تھا۔ قاصد امیر کے پاس گیا اور اسے یہ قصّہ سنایا، تو وہ امیر بھی شیخ کی خدمت میں آیا اور ان کے ہاتھ پر توبہ کی۔

حضرت شیخ ابوالغیث الیمنی قدس اللہ تعالیٰ المتوفیٰ ۶۵۱ھ

۴۳۷

عالی[1] مقامات عمدہ حالات انفاس صادقہ خارق عادات کرامات رکھتے تھے۔ شروع حال میں ڈاکو تھے۔ ایک دن قافلہ کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دفعتاً سنا کہ غیب سے کوئی کہتا ہے۔

یاصاحب العین عَلَیْکَ عَیْنی۔ اے وہ شخص جس کی آنکھ قافلہ پر ہے۔ تجھ پر میری آنکھ لگی ہوئی ہے۔ اس بات نے ان پر بڑا اثر کیا۔ وہ جس شغل میں تھے۔ اس سے باز آگئے جو کچھ ان کے پاس تھا اس سے علیحدہ ہوگئے اور خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگئے اور خدا تعالیٰ سے توبہ کی اور اس کی طرف رجوع کیا اور شیخ ابن الافلح کی صحبت میں رہنے لگے۔ ان کا نفس پاکیزہ ہوگیا اور ان کا دل منوّر ہوگیا اور سچی ارادت اور نشان ہائے سعادت ان پر ظاہر ہونے لگے اور خوارق عادات ان سے ظہور میں آنے لگے۔ کہتے ہیں ایک دن جنگل سے لکڑیاں لینے کے لیے شہر سے نکلے اور اپنے ساتھ دراز گوش کو لے گئے۔ اس دوران میں کہ وہ جنگل میں لکڑیاں جمع کر رہے تھے۔ ان کے دراز گوش کو شیر نے پھاڑ ڈالا ہے۔ جب لکڑیوں کا گٹھڑ لے کر آئے کہ اس پر لادیں شیر کی طرف منہ کیا اور کہا، میرے دراز گوش کو تو نے مار ڈالا ہے۔ اپنے گٹھڑ کو کس پر لادوں؟ معبود کی عزت کی قسم ہے میں اس کو تیری پُشت کے سوا کسی اور پر نہیں لادونگا۔ پس ساری

---

[1] عالی مقامات سے مراد یہ ہے کہ ان کا مقام عبادت ان حقوق کو پوری طرح ادا کرتے تھے جو کسی شخص پر ضروری ہیں۔ مثلاً قناعت توکل، اور تسلیم و رضا، میں کامل تھے۔ حال وہ قلبی وارد ہے۔ جس میں علم کا دخل نہ ہو اور نہ اس میں آدمی کے کسب کو دخل ہو۔ جیسے خوشی اور غم۔ قبض اور بسط اور شوق ہیبت اور اُنس

لکڑیوں کو جمع کیا اور شیر کی پیٹھ پر رکھ دیا اور اس کو ہنکاتے ہوتے شہر کے قریب پہنچ گئے، تو اس پر سے لکڑیاں اتار لیں اور کہا:
ہر جا کہ خواہی برو۔ اب تو جہاں چاہے۔ جا۔ ایک دن ان کے گھر والوں نے ان سے عطر مانگا۔ بازار میں گئے تاکہ خرید کر لائیں ایک عطار، عطر فروش کے پاس گئے اور اس سے اس معاملہ میں بات کی عطار نے کہا:

در دکان من ہیچ عطر نیست ابوالغیث گفت در دکان تو ہیچ عطر نخواہد بود فی الحال ہر عطرے کہ در دکان وے بود منعدم گشت۔
(ترجمہ) عطار نے کہا، میری دوکان میں کوئی عطر نہیں ہے۔ ابوالغیث نے کہا، تیری دوکان میں کوئی عطر نہ رہے گا۔ اسی وقت جو عطر بھی اس دوکان میں موجود تھا سب نابود ہو گیا۔

عطار ان کے شیخ، شیخ ابن الافلح کے پاس گیا اور ان سے شکایت کی۔ شیخ نے ان کو بلایا اور اس سبب سے کہ انہوں نے کرامت کا اظہار کیا تھا۔ ان کو بہت ڈانٹا اور فرمایا۔ دو تلواریں ایک میان میں نہیں سما سکتیں۔ از صحبت من دور باش۔ میری صحبت سے دور ہو جا اور میرے پاس سے چلا جا۔ ابوالغیث نے جس قدر بھی خوش آمد کی اور تضرع کیا۔ شیخ نے قبول نہ کیا اور اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا۔ ابوالغیث چلا گیا۔ دوسرے شیخ کی تلاش کرتا تھا۔ تاکہ اس کی صحبت سے فائدہ اٹھائے۔ جس شیخ کے پاس جاتا تھا۔ وہ یہی کہتا تھا کہ ترا ہمیں بسند است محتاج شیخ نیستی۔ تیرے لیے یہی کافی ہے۔ تجھے کسی اور شیخ کی ضرورت نہیں۔

یہاں تک کہ وہ شیخ کبیر علی اُہدل کے پاس پہنچ گیا اور ان کی خدمت میں آنے کی درخواست کی۔ شیخ نے اس کو قبول فرمایا ابوالغیث کہتے ہیں کہ جب میں شیخ کی صحبت میں پہنچا، تو گویا میں قطرہ تھا جو دریا میں جا پڑا۔ یمن کے بادشاہ نے شیخ ابوالغیث کے خادم کو قتل کر دیا۔ جب ان کو خبر لگی غصہ میں بھر گئے۔ اور کہا

مالی والحراسۃ انا انزل عن المشاب والترک المندع[1] (ترجمہ) مجھے کیا پڑی ہے کہ میں پاسبانی کروں اور حفاظت کروں اور میں حفاظت کرنے کی جگہ سے اتر جاتا ہوں اور کھیت کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اسی وقت بادشاہ قتل کر دیا گیا۔
ایک دن فقیروں نے کہا، ہمیں گوشت کھانے کی آرزو ہے۔ یعنی گوشت کھانے کو ہمارا جی چاہتا ہے۔ فرمایا کہ فلاں دن جو بازار کا دن ہے۔ اس دن گوشت کھاؤ گے۔ جب وہ دن آیا یہ خبر ملی کہ ڈاکوؤں نے قافلہ لوٹ لیا ہے۔ جب ایک گھڑی ہو گئی تو ڈاکو دل

---

[1] یعنی چونکہ ان کے خادم کو بادشاہ نے قتل کر دیا تھا۔ اس لیے غصہ میں یہ کہا پھر ہمیں ان کی حفاظت اور پاسبانی کی کیا ضرورت ہے اور میں اس جگہ سے نیچے اترتا ہوں جہاں پہ چڑھ کر کھیت کی حفاظت کرتا تھا اور کھیت کو اس کے حال پہ چھوڑ دیتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ یمنی اس دیار کے قطب تھے اور وہ بادشاہ ان کی عنایت کی گود میں اور ان کے زیرِ سایہ ہوگا۔ المشاب اونچی جگہ کو کہتے ہیں جو لکڑیوں سے یا مٹی کا ڈھیر کرکے اس پر تختہ ڈال دیتے ہیں کہ کھیتی کی حفاظت کرنے والا اس پر بیٹھ جاتا ہے۔

میں سے ایک ڈاکو آیا اور شیخ کے واسطے ایک گائے لایا۔ شیخ نے فقراء سے کہا کہ اس کی گائے کو ذبح کرو اور پکاؤ لیکن اس کی ہری جُوں کی توں رہنے دینا۔ اس کے بعد دوسرا آیا اور ایک بوری گندم کی لے کر آیا۔ شیخ نے فرمایا اس کا آٹا بناؤ اور روٹی پکاؤ۔ شیخ نے جو کچھ کہا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد شیخ نے فقیروں سے کہا، کھاؤ ان لوگوں میں سے فقہا اور عالموں کی ایک جماعت جو وہاں موجود تھی۔ ان کو بھی دسترخوان پر بلایا۔ وہ نہ آئے۔ شیخ نے فقیروں سے کہا کہ تم کھاؤ کہ فقہا، عالم لوگ حرام نہیں کھایا کرتے۔ جب فقیر کھانے سے فارغ ہو گئے۔ اچانک ایک آدمی شیخ کی خدمت میں آیا اور کہا

اَیُّہَا الشیخ گاؤ نذرِ فقراء کردہ بودم حرامیان بغارت بردند شیخ گفت اگر سرِ گاؤ خود را بہبینی بشناسی گفت آری شیخ فرمود تا سرِ گاؤ را حاضر کردند گفت این سرِ گاؤ من است۔

(ترجمہ) اے شیخ میں نے ایک گائے فقیروں کے لیے نذر کی تھی۔ حرامی لوگ "ڈاکو" اس کو لوٹ کر لے گئے۔ شیخ نے کہا۔ اگر تو اپنی گائے کا سر دیکھے گا تو اس کو پہچان لے گا۔ کہا جی ہاں شیخ نے گائے کا سر لانے کا حکم دیا۔ فقیروں نے پیش کیا، تو اس نے کہا یہ سر اسی گائے کا ہے۔ اس کے بعد ایک اور آدمی آیا اور کہا اے شیخ! میں نے گندم کی ایک بوری شیخ کی نذر کی تھی۔ حرامی لوگ اسے لے گئے۔ شیخ نے فرمایا۔

نذرِ فقراء بفقراء رسید۔ فقراء کی نذر فقراء کو پہنچ گئی۔ جب فقہا نے اس واقعہ کو دیکھا، تو فقیروں کی موافقت کے ترک پر پشیمان ہوئے۔

حضرت شیخ ابوالحسن المغربی الشاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ ۶۳۸

نام علی بن عبداللہ ہے۔ شریف[1] حسینی ہیں۔ سکندریہ کے رہنے والے تھے وہاں کی جماعت کثیر ان کی صحبت سے پیوستہ رہی۔ کبار اولیاء اللہ اور عظما مشائخ سے ہوتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں سیاحت میں تھا۔ ایک رات درندوں کے بیشہ (جھاڑی) میں سویا اور درندے صبح تک میرے گرد گھومتے رہے اور جیسا اُنس اس رات میں نے پایا ایسا کبھی نہ پایا۔ جب صبح ہو گئی میرے دل میں خیال گزرا کہ مجھے خدائے تعالیٰ کے اُنس سے کچھ حاصل ہو گیا ہے۔ رودخانہ[2] پر آیا تو اتنی چکوریں دیکھیں کہ اس قدر میں نے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ جب انہوں نے میری آواز سنی تو سب کی سب یکبارگی اڑ گئیں۔ جہاں تک کہ ڈر کے مارے مجھے خفقان ہو گیا اور میرا دل لرزنے لگا۔ میں نے اس دوران سنا کہ مجھے کہتے ہیں: گزری رات درندوں کے ساتھ تو نے اُنس حاصل کیا تھا۔ تجھے کیا ہوا کہ ان چکوروں کے اڑنے سے ڈرتا

---

[1] شریف بزرگ مرد۔ اور بڑے مرتبہ والا۔ ہر شے بزرگ قدر اصل و نجیب آدمی۔ تعظیماً سادات کو شریف کہتے ہیں اور چونکہ حاکم مکہ معظمہ عموماً سادات ہوتے تھے۔ اس لیے شریف مکہ کہلاتے تھے۔ جمع شرفاء۔ اشراف جمع۔ [2] رودخانہ۔ وہ زمین جہاں سے دریا اور ندی کا پانی گزرتا ہے۔ بندہ مسعود الرحمٰن نقشبندی، احقر افتخار حسین عفی عنہ فیصل آبادی۔

ہے، لیکن بات یہ ہے کہ گزری رات تو ہمارے ساتھ تھا، اور اب تو اپنے نفس کے ساتھ ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ۸۰ دن تک بھوکا رہا۔ تو میرے دل میں یہ بات آئی کہ تجھے اس کام سے حصّہ حاصل ہوگیا۔ اچانک ایک عورت کو دیکھا کہ مجارسے باہر آئی جو بہت خوبصورت تھی گویا اس کا چہرہ آفتاب تھا، کہنے لگی "منحوس! ۸۰ دن تک بھوکا رہا اور کھڑا ہو گیا۔ اور خدائے تعالیٰ پر اپنے عمل کا ناز کرتا ہے۔ مجھ کو چھ ماہ گزر گئے ہیں کہ کھانا نہیں چکھا ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا ایک دن میں غار میں تھا، میں نے کہا۔ الٰہی میں تیرا شکر کرنے والا بندہ کب بنوں گا: فرمایا جب کہ اپنے علاوہ دوسرے کو منعم علیہ نہ دیکھے گا۔ میں نے کہا۔ الٰہی آپ کے سوا دوسرے کو کیسے منعم علیہ نہ دیکھوں گا اور حال یہ ہے کہ آپ نے انبیاء پر انعام کیا ہے اور علماء پر انعام کیا ہے۔ بادشاہوں پر انعام کیا ہے میں نے سنا کہ کہتے ہیں۔ گر انبیاء نہ ہوتے۔ تو تو راہِ راست نہ پاتا۔ اگر علماء نہ ہوتے تو تو کس کی پیروی کرتا۔ اگر بادشاہ نہ ہوتے۔ تو تو بے فکر نہ ہوتا، اور یہ سب میری نعمتیں تجھ پر ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے، میرا ایک رفیق تھا، میں نے اس کے ساتھ غار میں ایک جگہ بنائی اور خدا تعالیٰ سے واصل ہونے کی طلب رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ کل ہمیں فتح ہوگی۔ اچانک ایک آدمی آیا جو باہیبت تھا ہم نے کہا تو کون ہے؟ کہا، عبدالملک! ہم نے جانا کہ وہ اولیاء اللّٰہ میں سے ہے۔ ہم نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے، اس نے کہا۔

حال تو چیست۔ حال تو چیست اس نے کہا، وچوں حال باشد کسے کہ می گوید فردا مرا فتح شود وپس فردا مرا کشادہ شود و نہ ولایت و فلاح اے نفس چرا پرستش خدائے خاص از برائے خدا نہ کنی ما دانستیم کہ دیرا چرا بر ما در آوردند، توبہ کردیم و استغفار مودیم وہ ما فتح پدید آمد۔

(ترجمہ) تیرا کیا حال ہے۔ تیرا کیا حال ہے۔ اس شخص کا کیا حال ہوگا جو کہتا ہو کہ کل مجھے فتح ہوگی اور کل کے بعد اس سے کشادگی ہوگی۔ یہ نہ ولایت ہے نہ فلاح اے نفس۔ خدا کی عبادت خاص خدا کے واسطے کیوں نہیں کرتا۔ ہم نے جان لیا کہ اس کو ہم پر لائے ہیں۔ ہم نے توبہ کی اور اللّٰہ سے معافی چاہی اور ہمارے لیے کشادگی ظاہر ہوگئی۔

اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ یَا عَلِیُّ طَهِّرْ ثِیَابَكَ مِنَ الدَّنَسِ تَحْظَ بِمَدَدِ اللّٰہِ فِیْ كُلِّ نَفَسٍ (ترجمہ) اے علی اپنے کپڑوں کو میل اور داغ سے صاف کرلے، تو ہر سانس میں اللّٰہ کی مدد سے فائدہ اٹھائے گا۔

میں نے کہا۔ یا رسول اللّٰہ میرے کپڑے کون سے ہیں، فرمایا خدائے تعالیٰ نے تجھے پانچ خلعتیں پہنائی ہیں (۱) خلعت محبت۔

لہ خلاصہ یہ ہے کہ علی! اپنے کپڑوں کو میل سے پاک بنالے، تاکہ خدا تعالیٰ کی مدد سے تو ہر دم کامیاب رہے۔

(۲) خلعت معرفت (۳) خلعت توحید (۴) خلعت ایمان (۵) خلعت اسلام۔ جو شخص خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے۔ اس پر ہر چیز آسان ہو جاتی ہے اور جو شخص خدا تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے۔ اس کی نظر میں ہر چیز حقیر معلوم ہوتی ہے اور جو شخص خدا تعالیٰ کو یگانگی اور اس کی وحدانیت کے ساتھ جان لیتا ہے، تو اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں لاتا اور جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اس پر اس کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ وہ ہر چیز سے بے خوف اور نڈر ہو جاتا ہے اور جو کوئی اسلام کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے معاملہ میں نافرمان نہیں ہوتا، اور اگر عاصی و بے فرمان ہو جاتا ہے، تو عذر چاہتا ہے اور معافی طلب کرتا ہے اور جب معافی چاہتا ہے اور معذرت کرتا ہے، تو شرفِ قبولیت پاتا ہے۔ شیخ ابوالحسن کہتے ہیں۔ اس خواب سے میں نے اللہ تعالیٰ کے قول " وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ " کے معانی اور مطلب کو سمجھا کہ اس کا کیا مطلب[1] تھا۔ آپ کے شاگرد شیخ ابوالعباس مرسی نے بیان کیا کہ میں نے مدینہ شریف سے امیر المومنین حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کا قصد کیا۔ راستہ میں ایک اور شخص میرا رفیق ہو گیا جب وہاں پہنچے، تو مزار کا دروازہ بند تھا حضرتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا راز کھل گیا۔ ہم اندر آئے تو ہم نے دیکھا کہ روضہ کے قریب ایک مرد دعا کر رہا ہے۔ میں نے اپنے رفیق سے کہا کہ یہ آدمی ابدال سے ہے اور اس وقت میں دعا مستجاب ہے۔ اس نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک دینار عطا کر اور میں نے دعا کی اور خدا تعالیٰ سے دنیا کی بلاء اور آخرت کے عذاب سے عافیت کی درخواست کی۔ واپسی میں جب مدینہ کے قریب پہنچے سامنے سے ایک شخص آیا اور میرے رفیق کو ایک دینار دے دیا اور جب ہم مدینہ میں گئے، اور ہم پر شیخ ابوالحسن کی نظر پڑی، تو میرے رفیق کو کہا؛ او کم ہمت! وہ گھڑی بھی پائی جس گھڑی میں دعا قبول کی جاتی تھی۔ لیکن اس کو ایک دینار پر صرف کر دیا۔ تو ابوالعباس کی طرح کیوں نہ ہوا کہ اس نے خدا تعالیٰ سے دنیا کی بلاء اور آخرت کے عذاب سے عافیت مانگی اور خدا تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور حضرت نے یہ واقعہ خود فرمایا کہ شروع حال میں مجھے اس بارہ میں تردد ہوا کہ آیا لوگوں سے علیحدہ ہو کر جنگل میں رہوں یا آبادیوں میں آؤں۔ جس میں علماء اور بزرگوں کی صحبت میسّر ہو۔ مجھے بتایا گیا کہ پہاڑ پر ایک ولی اللہ رہتا ہے۔ میں نے اس کی زیارت کا قصد کیا۔ رات کے وقت میں وہاں گیا۔ دل میں کہا کہ رات کو ان کی خدمت میں نہ جاؤں۔ اس بناء پر غار کے دروازہ پر سو گیا۔ میں نے سنا کہ اندر سے وہ کہہ رہا تھا۔

---

[1] یہ سورۃ مدثر کی ایک آیت کا حصّہ ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے۔ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کھڑا ہو، اور نہ ماننے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی ظاہر کر اور اپنے کپڑوں کو پاک کر" اس خواب کو دیکھ کر مجھے معلوم ہوا کپڑوں کے پاک کرنے کا کیا مطلب ہے کہ کپڑوں سے مراد وہ صفائی ہے جو آدمی کو محبت و معرفت ایمان و اسلام و توحید حاصل ہے اور تطہیر یعنی ان صفات کے پاک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان صفات میں احسان اور اخلاص پیدا کر۔

بار خدایا بدانی کہ مردے چند ہستند از بندگانِ تو کہ از تو می خواہند کہ خلق خود را مسخرِ ایشاں گردانی و خلق خود را مسخرِ ایشاں گردا نیدی واز تو باں راضی شدند و بدانی کہ من از تو میخواہم کہ خلق خود را بدی خو گردانی با من تا مرا ہیچ ملجا، می نباشد الّا بحضرت تو (ترجمہ) خداوند تیرے بندوں میں سے بعض ایسے ہیں جو تجھ سے چاہتے ہیں کہ تو اپنی مخلوق کو ان کے تابع کردے اور تونے مخلوق کو اُن کے تابع کر دیا اور وہ لوگ تجھ سے اس پر خوش ہوگئے۔ لیکن میں تو تجھ سے یہ چاہتا ہوں کہ تو اپنی مخلوق کو مجھ سے بدخو بنا دے، تاکہ میرے لیے تیری جناب کے سوا اور کوئی ٹھکانہ نہ رہے۔

میں نے اپنے نفس سے کہا۔ اے نفس! اسن کہ یہ شیخ کس سمندر سے چُلّو لے رہا ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں ان کے پاس گیا۔ سلام کیا اور میں اسکی ہیبت اور ڈر سے بھر گیا میں نے کہا اے میرے آقا کیا حال ہے فرمایا میں خدائے تعالیٰ سے شکایت کرتا ہوں تسلیم کی ٹھنڈک یعنی خوشی اور رضا کی جس طرح کہ تو تدبیر و اختیار کی گرمی کی شکایت کرتا ہے۔ میں نے کہا۔ میں تدبیر و اختیار گرمی کو جانتا ہوں اور اس وقت اس میں ہوں۔ تسلیم و رضا کی ٹھنڈک کیا ہے اور اس کی شکایت کیوں کرتے ہو کہا۔

ترسم کہ حلاوت آں مرا مشغول گرداند از خدائے تعالیٰ۔ (ترجمہ) میں ڈرتا ہوں کہ اس کی حلاوت یعنی مٹھاس اور لذت" مجھے خدا تعالیٰ سے غافل نہ کر دے" کہ اس کی لذت میں پڑ کر خدا تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھوں۔

میں نے کہا۔ اے میرے آقا! میں نے سنا کہ رات کو آپ کہہ رہے تھے۔ خدایا! تیرے بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو تجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ تو اپنی مخلوق کو ان کے تابع اور مسخر کر دے اور تو نے ان کو ان کا مسخر کر دیا اور وہ لوگ تجھ سے اس پر راضی ہوگئے شیخ مسکرائے اور کہا۔

اے فرزند عوض آنکہ بگوئی اَللّٰھُمَّ سَخِّرْلِیْ بگوئی اللّٰھم کن لی تو گماں مے بری کہ ہر کہ خدا تعالیٰ وی را باشد بچیزے محتاج شود ایں بد دلی چیست۔

(ترجمہ) بیٹے اس کے عوض کہ تو یہ کہے۔" اللّٰھم سخرلی"۔ الٰہی میرے تابع بنا دے۔ یہ کہے اللّٰھم کن لی۔ الٰہی تو میرا ہو جا! تو تیرا یہ گمان ہے کہ جس کا خدائے تعالیٰ ہو جائے۔ پھر وہ کسی کا محتاج ہوگا؟ آخر یہ بد دلی کیا ہے؟

امام یافعی کہتے ہیں کہ میں نے بعض مشائخ سے سنا ہے کہ جب کوئی ان سے دعا کے لیے کہتا تو آپ یہ دعا دیتے" کَانَ اللّٰہُ لَکَ" اللہ تیرا ہو جائے اور یہ کلمہ باوجود چھوٹا ہونے کے تمام مقاصد کا جامع ہے، کیونکہ جب خدائے تعالیٰ کسی کا ہو جاتا ہے۔ اس کے سارے مقاصد اور ساری مرادیں اس کو دے دیتا ہے، لیکن خدا تعالیٰ اس کا ہوتا ہے، جو اس کا ہو جاتا ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] لفظی ترجمہ ہو جاوے اللہ تیرے واسطے۔

نے فرمایا۔ من کان للہ کان اللہ لہٗ جو کوئی اللہ تعالیٰ کا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے واسطے ہو جاتا ہے[1]۔ شیخ ابو الحسن نے فرمایا۔ اِنَّا لَا نَرٰی مَعَ الْحَقِّ[2] مِنَ الْخَلْقِ اَحَدًا وَاِنْ کَانَ وَلَا بُدَّ فَکَالْھَبَاءِ فِی الْھَوَاءِ اِنْ تَفَتَّشْتَہٗ لَمْ تَجِدْ شَیْئًا (ترجمہ) ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو نہیں دیکھتے اور اگر ضروری ہو تو ایسا دیکھتے ہیں جیسے کہ ایک ذرہ ہوا میں۔ اگر تو اس کو تلاش کرے تو کچھ نہ پاوے[3]۔

وہ یہ بھی فرماتے تھے۔

لَا یَکُنْ حَظُّکَ مِنْ دُعَائِکَ الْفَرَحَ بِقَضَاءِ حَاجَتِکَ دُوْنَ فَرَحِکَ بِمُنَاجَاتِکَ بِمَحْبُوْبِکَ فَتَکُوْنُ مِنَ الْمَحْجُوْبِیْنَ

(ترجمہ) تیری دعا سے تیرا حصہ یہی نہ ہونا چاہیے کہ تو اپنی حاجت کے پورا ہونے پر خوش ہو جائے اور اپنے محبوب سے مناجات کرنے میں خوش نہ ہو، تو تو محجوبوں میں سے ہو جائے[4] گا۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کُلُّ فَقِیْرٍ لَمْ یَکُنْ فِیْہِ اَرْبَعَۃُ اٰدَابٍ فَاجْعَلْہُ وَالتُّرَابَ سَوَاءً۔ الرَّحْمَۃُ بِالْاَصَاغِرِ وَالْحُرْمَۃُ بِالْاَکَابِرِ وَالْاِنْصَافُ مِنَ النَّفْسِ وَتَرْکُ الْاِنْتِصَافِ لَھَا

(ترجمہ) جس فقیر میں چار آداب نہ ہوں تو اس کو اور مٹی کو برابر سمجھو۔ (۱) چھوٹوں پر رحم کرنا (۲) اور بڑوں کی تعظیم کرنا (۳) اور نفس سے انصاف چاہنا (۴) اور اپنے لیے انصاف کو چھوڑ دینا[5]۔

آپ ۷۵۶ھ میں دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ آپ اس جنگل میں تھے، جس کا پانی کڑوا تھا۔ جب ان کو یہاں دفن کیا گیا، تو آپ کے جسد مبارک کی برکت سے اس صحرا کا پانی میٹھا ہو گیا۔

---

[1] یعنی جو شخص خدائے تعالیٰ کا ہو جائے گا۔ اس کے احکام کی تعمیل کے ساتھ اس کے لیے وہ سب کچھ ہو گا جس کی اس کو ضرورت ہو گی [2] یہ مشرب ہے لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل کے مقام سے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اور جس وقت ہم حق کے ساتھ ہوتے ہیں مخلوقات سے ہم کسی کو نہیں دیکھتے ہیں اور اگر مخلوق میں کوئی چیز ایسی ہو جس کے بغیر چارہ نہ ہووے، تو وہ ذرہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس کی تفتیش اور تلاش کا مقام آئے گا، تو اس چیز کو نہ پائے گا۔ اس وجہ سے کہ حادث قدیم کے ساتھ جمع نہیں ہوتا اور باطل کا حق کے ساتھ مقابلہ نہیں ہوتا۔ وجاء الحق وزھق الباطل [3] دعا سے تیرا حظ یہی نہ ہونا چاہیے کہ جب تیرا مقصد پورا ہو جاوے، تو تو خوش ہو جاوے اور تجھے اس سے خوشی نہ ہو کہ تو اپنے محبوب کے ساتھ مناجات میں اپنے دل کی باتیں کرتا ہے۔ اگر ایسا ہو گا کہ تیرا حظ تیری حاجت کے پورا ہونے پر منحصر ہو گا [4] یعنی جس فقیر ۴ آداب یعنی ہنر اور خصلتیں نہ ہوں۔ اس کی مٹی کے برابر کرو۔ [5]

۴۲۹ حضرت شیخ عفیف الدین التلمسانی یا تلمسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی ۶۹۰ھ

اُن کا نام سلیمان بن علی ہے، بعض متعصب فقہانے ان کی طرف زندقہ اور الحاد کی نسبت کی ہے۔ اس معاملہ میں ان سے کہا گیا "اَنْتَ نُصَیْرِی" انہوں نے کہا "اَلنُّصَیْرِی بَعْضُ مِنِّی" تو نُصیری ہے۔ اس نے کہا۔ نصیری تو میرا ایک حصّہ ہے۔!

اور اس جماعت کی اصطلاحات پر جو واقف ہے۔ اس پر مخفی نہیں ہے کہ ان حضرات کے مقامات میں سے ایک مقام جمع ہے : کہ اس مقام والا کائنات کے تمام اجزاء کو اپنے "البعاض۔ اجزاء" اور اپنی تفصیلات دیکھتا ہے اور سب کو اپنے میں مشاہدہ کرتا ہے، جیسے کہ ان کا قول: مصرع ؎ "جزو درویش است جملہ نیک وبد"۔ نیک و بد سب درویش کا جزو ہے" اور اور اس کے اس مقام کا پتہ دینے والے اشعار میں سے یہ ہیں

فِی طَورِ کُلِّ حقیقۃٍ لِی مَسْلَکٌ ؎ وَلِکُلِّ مَرْتَبَۃٍ وَذَوْقٍ اَسْلُکُ
اَنْ دَارَتِ الْاَفْلَاکُ مِنْ حَوْلِی فَبِی ؎ وَعَلَیَّ دَوْرُ مُحِیْطِہَا یَتَحَرَّکُ

(ترجمہ) یعنی حقائق کی ہر حقیقت کے اطوار و احوال ہیں کیا الٰہی۔ اور کیا کیانی۔ "میرے لیے راہ ہے کہ اس میں پہنچتا ہوں اور متحقق ہو جاتا ہوں اور ذوق اور ہر مرتبہ کا سلوک کرتا ہوں اور اس کے ساتھ متصف ہو جاتا ہوں۔ اگر آسمان میرے گرد چکر لگاتے ہیں، تو اس کی گردش میرے ساتھ اور اس کے محیط کا دور مجھ پر حرکت کرتا ہے۔ یعنی وہ دائرہ جو آسمانوں کو محیط ہے، وہ مجھ پر حرکت کرتا ہے کہ میں قطب الافلاک ہوں۔

اور انہوں نے جو یہ کہا کہ "اَلنُّصیری بعضُ مِنّی" "نصیر میرا جزو ہے۔ ممکن ہے۔ اسی معنیٰ میں کہا ہو۔ خواہ وہ تحقیق کے طور پر کہا ہو یا تقلید کے طور پر اور کتاب منازل السائرین کی جو شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل الانصاری الہروی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں سے ہے۔ انہوں نے اس کی بہت اچھی شرح کی ہے اور جس کو ان حضرات کے مشرب کی تھوڑی سی بھی چاشنی ہوگی، وہ جان لے گا کہ اس شرح میں جو ان کی باتیں مذکور ہیں۔ وہ اکثر علم و عرفان کے قواعد پر مبنی ہیں اور ذوق و وجدان پر مبنی ہیں۔ ایسے ہی ان کے اشعار کا ایک دیوان ہے۔ جو کمال درجہ کا لطیف اور شیریں ہے، جو شخص اس کا مطالعہ کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ گدلے چشمہ سے کبھی بھی ایسا نتھرا ہوا اور صاف پانی نہیں ابلتا۔ اور "شجرۂ خبیثہ" گندے اور پلید درخت سے کبھی بھی ایسا پاکیزہ اور لطیف میوہ پیدا نہیں ہوتا۔ شرح منازل السائرین میں مقام رضاء کے درجۂ ثالثہ میں لکھتے ہیں۔

۱؎ ہر حقیقت کے حال میں میرے لیے مسلک یعنی چلنے کی راہ ہے اور میں ہر مرتبہ اور ذوق میں چلتا ہوں ۲؎ اگر آسمان میرے گرد چکر لگائیں تو میرے ساتھ گھومتے ہیں اور اس کے محیط کا دائرہ مجھ پر ہی حرکت کرتا ہے ۳؎ نُصیری ایک فرقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا مانتا ہے اور وہ نصیر کی طرف منسوب ہے۔

وَقَدْ ذُقْتُ ھٰذَا الْمَقَامَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی وَ تَحَقَّقْتُ صُحْبَتَہٗ لِیْ فِیْ ثَلٰثِ مَوَاطِنَ اَوَّلُھَا اِنَّنِیْ اَشْرَفْتُ عَلَی الْقَتْلِ بِسُیُوْفِ الْفَرنج خَذَلَھُمُ اللّٰہُ تعالیٰ فَنَظَرْتُ فِیْ قَلْبِیْ فَلَمْ اَجِدْ عِنْدَہٗ تَفَاوُتًا بَیْنَ الْحَیٰوۃِ وَالْمَوْتِ رِضًی بِحُکْمِ اللّٰہِ تَعَالٰی بِغَلَبَۃِ سُلْطَانِ الْمَحَبَّۃِ وَالْمَوَاطِنَ ثَانِیْ اِنَّنِیْ اَشْرَفْتُ عَلَی الْغَرَقِ فَنَظَرْتُ اِلٰی قَلْبِیْ فَمَا رَاَیْتُ تَفَاوُتًا بَیْنَ الْحَیٰوۃِ وَالْمَوْتِ رِضًی بِحُکْمِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْمَوْطِنَ الثَّالِثُ قِیْلَ لِیْ اِحْذَرْ مِنْ طَرِیْقِ الصُّوْفِیَّۃِ لِاَنَّ فِیْھَا اُمُوْرٌ تَزِلُّ الْقَدَمِ فِیْھَا فَنَظَرْتُ اِلٰی قَلْبِیْ وَصَحَّتْ عَقْدُ الرِّضٰی مَعَ رَبِّیْ وَ قُلْتُ اُعْرِضُ بَعْدَ الْاِقْبَالِ وَاَخَافُ مَعَ صِحَّۃِ مَحَبَّتِیْ لِلّٰہِ تَعَالٰی مِنَ الضَّلَالِ فَفَاضَتْ عَیْنَاِیْ بِالدُّمُوْعِ وَسَرَتْ فِیْ وجود نشوۃُ الخضوع والخشوع وَاَخَذَتْنِیْ حَالَۃُ وَجْدٍ کِدْتُ فِیْھَا اَنْ اُفَارِقَ نَفْسِیْ بعد غَیْبَۃِ حِسِّیْ فَلَمَّا تَفَصَّلَتْ نَظَمْتُ اِرْتِجَالًا شعرانا فی عنان ارادۃ المحبوب اَجری لا محالۃ اَمَّا اِلٰی محض الھوٰی طوعًا واما لو لا لہ صھما اَحَبَّ حُبَّہٗ اَنْ عبد دفی کُلِّ حَرنَۃٍ۔ اور یہ اشعار میں ایک شعر یہ بھی ہے:

شہدت لنفسک فینا وھی واحدۃ	کثیرۃ ذات اوصاف واسماء
ونحن فیک شہدنا بعد کثرتنا	عینًا بھا اتحد المرئی والرائی

ترجمہ: اور میں نے اس مقام کو چکھا ہے۔ یعنی مقام رضا کا ذائقہ پالیا ہے اور جیسے کوئی شخص کسی چیز کا ذائقہ چکھ کر اس کو معلوم کر لیتا ہے۔ اس طرح میں نے اس کو معلوم کر لیا ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ اور میں نے تین موقعوں پر اپنے اس مقام میں ہونے کی حقیقت کو معلوم کیا۔ ان میں پہلا موقعہ وہ تھا کہ میں فرنگیوں کی تلواروں سے "اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں میں انہیں ناکام کرے"، قتل ہونے کو تھا۔ اس وقت میں نے اپنے دل میں دیکھا تو اس کے نزدیک اللہ کے حکم پر راضی ہونے کی وجہ سے کوئی فرق نہ پایا اور اس کے حکم پر راضی ہونا بواسطہ غلبۂ محبت کے ہوتا ہے، کیونکہ عاشق اپنے معشوق کی ادا کے ساتھ راضی رہتا ہے، اور دوسرا موقع یہ تھا کہ میں ڈوبنے لگا تھا۔ اس وقت میں نے اپنے دل کی طرف دیکھا تو اس وقت بھی میں نے زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں پایا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہنے کی وجہ سے میں نے زندگی اور موت میں کوئی فرق نہ پایا اور تیسرا موقعہ وہ تھا جب کہ مجھے کہا گیا کہ صوفیہ کے طریقہ سے بچنے کہ صوفیہ کے طریقہ میں ایسی چیزیں اور ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ جن میں پاؤں پھسل جاتا ہے۔ تو میں نے اپنے دل کو دیکھا اور اپنے رب کے ساتھ رضا کے معاملہ عقد کو درست کیا اور میں نے کہا۔ کیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر روگردانی کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچی محبت کے باوجود گمراہی سے ڈروں گا اور راستہ کے گم ہونے کا خوف کروں گا۔ پھر میری دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میرے بدن میں خشوع و خضوع ظاہری و باطنی عاجزی کا نشہ سرایت کر گیا اور مجھے وجد اور بے ہوشی کی حالت نے ایسا پکڑ لیا کہ میں اس حالت میں اپنے نفس سے جدا ہو جاؤں اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں، اس بیہوشی کے بعد جب مجھے ہوش آیا، تو میں نے اسی وقت بےتامل یہ نظم کہی

ہیں لامحالہ محبوب کے ارادہ کی لگام میں چلتا ہوں جس جگہ کہ محبوب کا ارادہ ہو۔ چاہے عشق و محبت کی طرف ہو یا گمراہی کی طرف اور یہ چلنا از روئے رغبت اور خوشی کے ہے۔ زبردستی سے نہیں۔ وبہا احب الیعنی جب میں اس کی دوستی سے محبت رکھتا ہوں تو میں ہر حالت میں اس کا بندہ اور اس کے احکام کا فرماں بردار ہوں۔ کیا محبت کی حالت میں اور کیا گمراہی کی حالت میں تو نے اپنی ذات کا مشاہدہ کیا ہم میں اور اس کی ذات ایک ہے۔ بہت صفتوں اور اور ناموں والی اور ہم نے تجھ میں اپنی کثرت اور اپنے بہت ہونے کے بعد ایک ایسا عین دیکھا جس میں دیکھا ہوا اور دیکھنے والا ایک تھے[۲] اور شیخ عفیف الدین کی وفات ۶۹۰ھ میں ہوئی۔

حضرت یاسین المغربی الحجام الاسود ۱۸۳ رحمۃ اللہ تعالیٰ وفات شہر ربیع الاول ۶۸۷ھ بعمر ۸۰ سال | ارباب ولایت، اور اصحاب کرامات میں سے تھے لیکن حجامی کی صورت میں اپنی ولایت پوشیدہ رکھتے تھے۔ امام نووی شارح مسلم شریف" رحمۃ اللہ علیہ ان کے مریدوں اور معتقدوں میں سے ہوتے ہیں اور ان کی زیارت کے لیے گئے ہیں اور ان کی صحبت اور خدمت سے برکت حاصل کی ہے اور شیخ کے ساتھ امام موصوف کی نسبت ایسے مرید کی تھی کہ شیخ حجام جو بھی انہیں اشارہ فرماتے اور حکم دیتے۔ امام اس کے مطابق چلتے ایک دن شیخ نے امام کو کہا کہ جو کتابیں آپ کے پاس مستعار ہیں۔ ان کے مالکوں کو واپس دے دو اور اپنے ملک واپس چلے جاؤ اور اپنے گھر والوں کو دیکھو۔ امام نے شیخ کی بات کو قبول کیا۔ جب وہ اپنے گھر پہنچے اور اپنے عزیز و اقارب و احباب کو دیکھ لیا، تو بیمار ہو گئے اور وفات پا گئے۔ شیخ یاسین نے ربیع الاول ۶۸۷ھ میں وفات پائی اور ان کی عمر اس وقت ۸۰ سال کی تھی اور امام محی الدین النووی رحمۃ اللہ نے ۲۴ رجب ۶۷۶ھ میں

---

[۱] یعنی ہماری صورتوں کے آئینہ میں اپنی ذات کو دیکھا جو اگرچہ وحدت حقیقی کے ساتھ واحد ہے۔ مگر اسماء و صفات کی کثرت کے اعتبار سے کثیر ہے اس لیے کہ وہ اعیان یعنی مخلوق کی صورتوں اور موجودات کے نقشوں میں سے ایک صورت اور نقشہ میں دوسرے نام سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ موجودات کی مختلف صورتوں میں وجود اور ظہور کے لحاظ سے بہت نظر آتا ہے، مگر وہ اپنی ذات کے اعتبار سے واحد حقیقی ہے، یکتا و تنہا ہے اور وہ شعر اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ معشوق نے عاشق کو اپنی صفات کے دیکھنے کا آئینہ بنایا۔

[۲] یعنی ہماری کثرت کے ظاہر ہونے اور ہماری نظر شہود سے اس کے مضمحل اور اس کے مرتفع ہو جانے کے بعد ہم نے وہ عین اور وہ حقیقی دیکھا کہ اس حقیقت کے ساتھ رائی اور مرئی کے درمیان سے دوئی دور ہو گئی۔ دونوں ایک معلوم ہونے لگے اور وہ حقیقت ہستی صرف اور وجود مطلق ہے۔ جو تیری ذات ہے اور دونوں شعروں کا یہ ترجمہ ہے۔ جام جہاں نمائی دمن روح طرب افزا تو۔ گرچہ حقیقت من ست جان جہاں نمائی تو۔ پہلا مصرعہ پہلے شعر کی نظیر ہے، اور دوسرا دوسرے کی۔

وفات پائی۔

۱۴۲ حضرت شیخ ابو العباس المرسی رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ ابو الحسن شاذلیؒ کے مرید. صاحبِ کرامات ظاہرہ و مقامات عالیہ تھے. ایک دن ایک آدمی ان کو ضیافت کے لیے لے گیا اور آزمائش کی غرض سے شبہ والا کھانا شیخ کے سامنے رکھا، تو شیخ نے اس کو کہا کہ "حارث محاسبی را رگی در انگشت بُود کہ چوں دست بطعام شبہ بروی حرکت کردے. من شصت رگ در دست دارم کہ مثل آں حرکت می کند (ترجمہ) حارث محاسبی کی انگلی میں ایک رگ تھی کہ جب شبہ کے کھانے پر ہاتھ بڑھاتے تو وہ حرکت کرنے لگی. میں اپنے ہاتھ میں ایسی ساٹھ رگیں رکھتا ہوں جو اسکی حرکت کرتی ہیں صاحبِ طعام نے معافی چاہی، اور معذرت پیش کی۔

امام یافعی کہتے ہیں کہ مجھے اس طرح کی خبر پہنچی ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک شیخ کا امتحان لیا اور اس کے سامنے مختلف قسم کے کھانے رکھے، جن میں کچھ گوشت حلال کیے ہوئے جانوروں کا تھا اور کچھ مردار جانوروں کا تھا. شیخ نے کمر باندھی اور کہا. فقیرو! آج میں اس کھانے میں تمہارا خادم ہوں. اور کھڑا ہو گیا، اور جو کھانا ذبح کیے ہوئے جانور کا تھا وہ فقیروں کے آگے رکھتا تھا اور اسمیں جو کھانا مردار جانور کا تھا، اسے وہاں سے علیحدہ کر دیتا تھا کہ یہ بادشاہوں کے لشکریوں کے لیے ہے اور کہتے تھے۔" اَلطَّيِّبُ لِلطَّيِّبِ وَالْخَبِيثُ لِلْخَبِيثِ "پاک پاک کے لیے ہے. اور پلید پلید کے لیے. بادشاہ وہاں موجود تھا. اس نے اس امتحان سے توبہ کی اور معافی چاہی. کہتے ہیں کہ یعقوب جو ولایتِ مغرب کا امیر المومنین تھا. اس نے ملک پر غیرت اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور اس سے شرمندہ اور نادم ہوا، اور ایسی توبہ کی کہ توبہ نے اس میں پورا پورا اثر کیا اور اس کے باطن میں اچھے حال ظاہر ہوتے اور اہلِ ارادت کے حال دیکھتا تھا. کسی شیخ کا طالب ہوا کہ اپنے کو اس کے حوالے کرے. لوگوں نے اس کو شیخ ابو مَدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا پتہ دیا. شیخ ابو مدین کی خدمت میں پہنچا. شیخ سے استدعا کی، انہوں نے منظور فرمائی اور کہا: "اولوالامرؒ بادشاہ کا حکم بجا لانا چاہیے، لیکن میری پہنچ سے باہر ہے. مجھے انہوں نے حکم دیا کہ میں تلمسان جاؤں اور "وہ" مغرب کے شہروں میں سے ایک شہر ہے" اور اس دن شیخ بجایہ میں تھے. جب تلمسان پہنچا، تو یعقوب کے قاصدوں سے کہا اپنے صاحب کو میرا سلام پہنچاؤ اور کہو کہ تیری شفا شیخ ابو العباس مرسی کے ہاتھ میں ہے. اور شیخ ابو مدین نے تلمسان میں وفات پائی یعقوب کے پیادے ان کے پاس آئے اور شیخ کی وصیت اس کو سنائی. یعقوب نے شیخ ابو العباس سے استدعا کی اور وہ بھی حضرت حق کی طرف سے اس سے ملنے پر مامور ہوتے. ملاقات کے وقت یعقوب نے حکم دیا کہ مرغی کا ایک بچہ ذبح کریں اور دوسرے کا گلا گھونٹ دیں. انہوں نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ پکایا اور شیخ کے پاس لے گئے. شیخ نے خادم کو اشارہ کیا کہ اس ایک کو اٹھائے کہ یہ مردار ہے اور دوسرے کو کھانے لگے. پس یعقوب نے ٹک بیٹے کو دیا اور خود کو کلی طور پر شیخ کے حوالے کیا اور شیخ ابو مدین

کے دم کی برکت سے اور شیخ ابوالعباس کی حسن تربیت سے اس نے کشائش پائی اور ولایت کے مرتبہ میں ثابت قدم ہوگیا۔
ایک سال جب لوگ بارش کے لیے محتاج ہوئے، تو شیخ ابوالعباس یعقوب کے ساتھ باہر صحرا میں گئے۔ شیخ نے یعقوب سے کہا تو نماز پڑھ اور مسلمانوں کے لیے بارش کی دعا مانگ۔ یعقوب نے کہا۔

یاسیدی تو بہ ایں لائق تری شیخ گفت ترا بایں فرمودہ اند پس یعقوب نماز گزارد و دعا کرد علی الفور اثر اجابت ظاہر شد و باراں آمد۔ (ترجمہ) یاسیدی! آپ اس کے لیے زیادہ لائق ہیں۔ شیخ نے کہا انہوں نے تیرے لئے فرمایا ہے پس یعقوب نے نماز پڑھی اور دعا کی۔ فی الفور دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہوا اور بارش ہونے لگی۔

۴۴۲ حضرت شیخ سعد حدادؒ اور ان کے مرید شیخ جوہر رحمہما اللہ تعالیٰ

شیخ جوہر ابتداء میں کسی کے غلام تھے آزاد ہوگئے تو عدن کے بازار میں خرید و فروخت کرتے تھے اور فقراء کی مجالس میں حاضر ہوتے رہتے اور ان کے ساتھ پورا اعتقاد و اخلاص رکھتے تھے اور وہ اُمّی "ان پڑھ" تھے اور جب شیخ کبیر سعد حدادؒ[1] کی وفات کا وقت قریب آیا، تو فقراء نے ان سے کہا کہ آپ کے بعد شیخ کون ہوگا۔ فرمایا میرے مرنے کے تین بعد جس جگہ فقراء جمع ہوتے ہیں وہاں ایک سبز پرندہ آئے گا۔ وہ جس کے سر پر بیٹھ جائے وہ ہوگا۔ جب تیسرا دن آیا اور فقراء قرآن پاک کی تلاوت اور ذکر سے فارغ ہوگئے اور شیخ کے وعدہ کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ سبز مرغ نیچے اترا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔ ان فقراء میں جو لوگ بزرگ تر تھے۔ وہ اس امید میں تھے کہ ان کے سر پر بیٹھے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مرغ اڑا اور جوہر کے سر پر بیٹھ گیا اور ان کے دل میں اس کا خیال بالکل نہیں تھا اور نہ ہی کسی اور فقیر کے دل میں یہ خیال آیا تھا۔ پھر سب فقراء اس کے پاس آئے، تاکہ اس کو شیخ کے زاویہ میں لے جائیں اور اس کو شیخ کی جگہ پر بٹھا دیں۔ وہ رو پڑا اور کہا۔ مجھ میں اس کام کی لیاقت کہاں، میں تو ایک بازاری آدمی ہوں اور اُمّی ہوں اور فقراء کا طریقہ اور ان کے آداب کو نہیں جانتا اور مجھ پر لوگوں کے حقوق ہیں اور میرے ان کے ساتھ معاملات لین دین کے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ ایک آسمانی حکم ہے اور آپ کو اس سے گریز نہیں چاہیے۔ خدائے تعالیٰ آپ کی تائید کرے گا۔ آپ کو قوت بخشے گا اور جو مناسب ہوگا اسکو سکھا دے گا اور اس کا علم عطا فرمائے گا کہا۔ اچھا مجھے اتنی مہلت دو کہ بازار جاؤں اور ہر ایک کا حق ادا کر دوں اور مسلمانوں کے حقوق اپنی گردن سے اتار دوں۔ پس وہ بازار میں گیا اور ہر کسی کا حق دے دیا اور اس کے بعد شیخ کے زاویہ "حجرہ" میں آیا۔ اور فقراء کی صحبت کو لازم کر لیا۔

---

[1] حداد۔ عربی میں لوہار کو کہتے ہیں۔

فَصَارَ کَاسْمِهٖ جَوْهَرًا وَلَهٗ مِنَ الْفَضَائِلِ وَالْکَمَالَاتِ مَا یَطُوْلُ ذِکْرُهٗ فَسُبْحَانَ الْکَرِیْمِ الْمَنَّانِ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

(ترجمہ) پس وہ اپنے نام کی طرح جوہر بن گیا اور اس کے فضائل اور کمالات اس قدر ہیں کہ ان کا ذکر طویل ہے پس پاک ہے وہ کریم جو محض اپنے احسان سے دیتا ہے نہ محنت اور عمل سے اور وہ جس کی داد اور بخشش اس کے فضل پر ہے وہ دیتا ہے اپنا فضل جس کو وہ چاہے اور اللہ تعالیٰ فضل اور بزرگی والا ہے۔

۳۴۴ حضرت احمد بن الجعد اور شیخ سعید البوعیلیؒ رحمہما اللہ تعالیٰ

امام یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یمن میں دو شیخ ہوتے ہیں ایک شیخ کبیر عارف باللہ شیخ احمد بن الجعد اور دوسرے شیخ کبیر عارف باللہ شیخ سعید اور دونوں کے مرید اور شاگرد تھے۔ ایک دن شیخ احمدؒ نے اپنے مریدوں کے ساتھ گذشتہ بزرگوں کی زیارت کا ارادہ کر کے شیخ سعید کے پاس پہنچے۔ تو شیخ سعیدؒ نے بھی ان کی موافقت کی جب کچھ دور چلے۔ تو شیخ سعید ان کی موافقت سے پشیمان ہونے کی وجہ سے ان کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے گئے اور شیخ احمد اپنے ارادے کے موافق چلتے رہے۔ اور زیارت کر کے واپس آگئے اور کچھ دن کے بعد شیخ سعیدؒ اپنے مریدوں کو لے کر نکلے اور اسی زیارت کے لیے روانہ ہو گئے۔ شیخ احمد راستہ میں ملے اور ایک دوسرے سے ملاقات ہوگئی، تو شیخ سعید کو کہا کہ فقراء کا تیرے اوپر حق ثابت و واجب ہو چکا ہے، کیونکہ تو اس دن ان کی موافقت سے پھر گیا تھا۔ شیخ سعید نے کہا۔ مجھ پر کوئی حق ثابت و واجب نہیں ہے۔ شیخ احمد نے کہا۔ اٹھ اور انصاف دے شیخ سعید نے کہا، جو ہمیں اٹھائے گا ہم اس کو بٹھا دیں گے۔ شیخ احمدؒ نے کہا، جو ہمیں بٹھائے گا ہم اس کو بلا میں ڈال دیں گے۔ پس ان دونوں بزرگوں میں سے جو ایک نے دوسرے کو کہا پہنچ گیا شیخ احمدؒ مقعد[1] ہو گئے اور وفات کے وقت تک وہ ایک ہی جگہ بیٹھے رہے شیخ سعید ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے کہ وہ اپنے بدن کو اکھیڑتے تھے اور کاٹتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ جوارِ حق میں جا پہنچے۔ امام یافعی کہتے ہیں کہ فقراء کا حال کاٹنے والی تلوار سے بڑھ کر ہوتا ہے جب یہ حضرات حالات میں ایک دوسرے کے برابر ہوتے ہیں، تو ان کے احوال ایک دوسرے کے اندر سرایت کرتے ہیں۔ اگر برابر نہیں ہوتے تو قوی کا حال ضعیف میں سرایت کر جاتا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، پہلے کا حال تاثیر کر جاتا ہے۔ اور پچھلے کا اثر نہیں کرتا۔[2]

"وَهٰذَا هُوَ الظَّاهِرُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ" یہ ظاہر امر ہے اور حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

---

[1] مقعد اپاہج اور معذور کو کہتے ہیں

[2] یعنی سابق ... پہلا تاثیر کرتا ہے ظاہر ہے اور یہ کہ کمزور تاثیر کرے اور قوی تاثیر نہ کرے یہ سمجھ میں نہیں آتا اور حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

۴۴۴ حضرت شیخ نجم الدین عبداللہ بن محمد الاصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ ابو العباس المرسیؒ کے مرید ہیں، کئی سال مکہ کے مجاور رہے۔ ان کے مناقب بہت اور ان کی کرامات بے شمار ہیں، یمن کے ایک عالم نے کہا میں اپنے باپ کو بیمار چھوڑ کر حج کے لیے روانہ ہوا۔ جب مکہ میں پہنچا اور حج ادا کر لیا، تو میرا دل باپ کی وجہ سے پریشان تھا میں نے شیخ نجم الدین سے کہا۔

چہ شود کہ خاطر بر آں داری کہ در بعضے مکاشفات خود بر احوالِ وے مطلع شوی و بامن بگوئی در حال بن گریست و گفت اینک از بیماری صحت یافتہ ست و بر بالائے سریر خود مسواک می کند و کتاب ہائے خود را گرد خود نہادہ وصفت و حلیہ وے چنیں و چنیں ست و نشان ہائے راست باز داد۔ دیرا ہرگز نہ دیدہ بود۔

(ترجمہ) آپ کی عنایت ہوگی۔ اگر آپ بعض مکاشفات میں میرے والد کے حالات پر مطلع ہو جائیں اور مجھے بتا دیں انہوں نے اسی وقت دیکھا اور کہا اب وہ بیماری سے صحت یاب ہو گیا ہے اور اپنی چارپائی پر بیٹھے ہوئے مسواک کر رہا ہے اور اپنی کتابوں کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ ان کی حالت ایسی اور ان کا حلیہ ایسا ہے اور انہوں نے جو کچھ نشانیاں بتائیں۔ وہ صحیح تھیں حالانکہ انہوں نے اس کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

(۲) ایک دن ایک ولی اللہ کے جنازہ کے ساتھ نکلے۔ جب کلمہ کی تلقین کرنے والا جو ایک بہت بڑا عالم تھا" قبر پر بیٹھا کہ اس کو تلقین کرے۔ شیخ نجم الدین ہنس پڑے۔ ایک شاگرد نے ان سے ہنسی کی وجہ پوچھی تو اس کو جھڑک دی۔ پھر اس کے بعد خود ہی فرمایا کہ جب تلقین کرنے والے نے تلقین شروع کی۔ تو صاحب قبر نے کہا۔

ہیچ تعجب نمی کنید از مردہ کہ تلقین زندہ می کند۔ کیا تم لوگ تعجب نہیں کرتے ہو۔ اس مردہ سے جو زندہ کو تلقین کرتا ہے۔

(۳) شیخ نجم الدین سے کہا گیا۔ کیا آپ نے شادی کی ہے۔ فرمایا نہیں بالکل نہیں، بلکہ میں نے تو کبھی ایسا کھانا بھی نہیں کھایا جسے عورت نے پکایا ہو۔

(۴) ان کے شیخ نے عجم کے ملک میں ان سے کہا تھا کہ جلدی موقع آئے گا کہ تو مصر کے علاقہ میں قطب سے ملاقات کرے گا، تو وہ قطب کی تلاش میں نکلے، راستہ میں ڈاکوؤں کی جماعت نے ان کو پکڑ لیا اور کہا کہ جاسوس ہے۔ ان کو حراست میں رکھا اور ان کو باندھ دیا۔ شیخ کہتے ہیں کہ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک پیر مجھ پر ایسا اترتا ہے۔ جیسے باز شکار پر اترتا ہے اور اس نے مجھے کھول دیا اور کہا۔

برخیز اے عبداللہ کہ مطلوب تو منم۔ اے عبداللہ اٹھ کہ تیرا مطلوب میں ہوں۔

پس میں گیا، یہاں تک کہ مصر میں پہنچ گیا، لیکن اپنے مطلوب کو نہ پہچانا اور نہ جانا کہ وہ کہاں ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن لوگوں نے کہا کہ شیخ ابو العباس مرسی آیا ہے۔ فقراء کی جماعت نے کہا آؤ چلیں اور اسے سلام کریں۔ جب میری آنکھ اس پر پڑی تو میں نے

پہچان لیا کہ یہ وہی پیر ہے جس نے مجھے کھولا تھا اور انہوں نے بھی نشانی بتائی جسے حاضرین نے نہ جانا۔ میں نے ان کی خدمت اور صحبت کو لازم کر لیا۔ اس وقت تک کہ وہ دنیا سے چلے گئے۔ جب شیخ نے وفات کی۔ میں مکّہ جانے کے لیے روانہ ہوا۔ راستہ میں اپنے شیخ۔ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر پہنچا۔ انہوں نے اپنی قبر سے میرے ساتھ باتیں کیں اور کہا۔ مکّہ جا اور وہاں ہی بیٹھ جا! جب میں حرم شریف کی اطراف میں پہنچا، تو سنا ایک ہاتف نے کہا قَدِمْتَ اِلٰی خَیْرِ بَلَدٍ وَشَرِّ اَھْلِ تو ایسے شہر میں آیا جو سب سے بہتر ہے اور اس کے رہنے والے بُرے اور شر والے ہیں۔ اس کے بعد آپ مکہ میں رہتے رہے یہاں تک کہ ۷۲۱ھ میں دنیا سے رحلت فرمائی اور ان کو فضیلؒ بن عیاض کی قبر کے قریب دفن کیا۔ مکہ میں رہنے کے زمانہ میں ان کو مکہ سے باہر عرفات سے زیادہ دور کسی نے نہیں دیکھا تھا اور باطن کے اعتبار سے جاننا یہ علماء باطن کا کام ہے۔

(۵) ایک ولی السنّے کہا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے واپس آیا اور مکہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس دوران مجھے خیال ہوا کہ شیخ نجم الدین کبھی مدینہ شریف نہیں گیا اور اس نے زیارت نہیں کی اور باطنی طور پر میں اس پر اعتراض کرتا تھا۔ اتفاق سے میں نے سر اٹھایا۔ دیکھا کہ شیخ نجم الدین ہوا میں مدینہ کی جانب اڑا جا رہا ہے۔ مجھے پکارا او محمد اور مجھ سے باتیں کیں۔ ایک دن ان کے ایک مرید نے ان سے کہا لوگ آپ پر بہت اعتراض اور انکار رکھتے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے نہ گئے ہو اور نہ جاتے ہو۔ کہا۔ انکار کرنے والے۔ بُرا کہنے والے دو حال سے خالی نہیں۔ یا شرع والا ہے یا محقق حقیقت والا۔ اگر شرع والا ہے۔ اس کو کہہ کہ

بندہ را روست کہ بے اذن خواجہ خود بسفر رود ؟ کیا غلام کو اپنے مالک کی اجازت کے بغیر سفر میں جانا جائز ہے اور غلام مالک کی اجازت کے بغیر سفر میں جا سکتا ہے۔ ؟ اگر وہ محقّق۔ اہلِ حقیقت ہے تو اس سے کہہ

کسے کہ وہ ہمیشہ باتست وپیش تو حاضر ہست ہرگز در طلب وے سفر میکنی۔ جو شخص ہمیشہ تیرے ساتھ رہتا ہے اور تیرے پاس حاضر ہے۔ کیا اس کی طلب میں تو سفر کرے گا۔

اکابر خراسان میں سے کسی بزرگ کے خط میں یہ لکھا ہوا ملا۔ ۷۰۳ھ کی کسی تاریخ میں حرم شریف مکّہ زادہا اللہ تعالیٰ شرفاً سے میں مشرف ہوا اور اس وقت میں شیخ حرم نجم الدین اصفہانی تھے۔ میں ان کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ یہ حدیث تجھے پہنچی ہے۔

بُدَلَاءُ اُمَّتِیْ اَرْبَعُوْنَ اثنا عشر فی العراق وثمانیۃ وعشرون فی الشام میری امت کے ۴۰ ابدال ہیں۔ بارہ عراق میں ہیں۔ اور اٹھائیس شام میں ہیں۔

میں نے کہا۔ ہاں مجھے پہنچی ہے۔ لیکن مجھے یہ امر مشکل معلوم ہوتا ہے اور مجھے اس میں اشکال ہے کہ یہ لوگ شام و عراق میں

کیوں ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے عالم کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ آدھا مشرقی اور آدھا مغربی، عراق سے نصف مشرقی چاہا اور شام سے نصف مغربی، پس عراق اور اس کے علاوہ جسے خراسان ہندوستان ترکستان اور باقی مشرقی ملک عراق میں داخل ہیں اور شام اور اس کے علاوہ جیسے مصر اور سارے مغربی ملک شام میں داخل ہیں۔ اس بات کے نقل کرنے والے نے لکھا ہے۔ اس وقت میرے دل میں یہ بات آئی کہ خواجہ قطب الدین یحییٰ جامی نیشاپوری کے حال کے متعلق سوال کروں میرے سوال کیے بغیر فرمایا خواجہ قطب الدین یحییٰ ان بارہ آدمیوں میں سے ایک ہے۔ جو عراق میں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت خواجہ قطب الدین یحییٰ جامی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ ۷۴۵، وفات جمعرات الجمادی الثانی ۷۴۰ھ

ابوالفضل کنیت تھی۔ ان کے بزرگ "جام" کے رہنے والے تھے۔ ان کی پیدائش نیشاپور میں ہوئی۔ علوم ظاہری کے ساتھ موصوف حالات باطنی میں بھی مشہور ہوئے ہیں۔ شیخ رکن الدین علاء الدولہ۔ شیخ صفی الدین اردوبیلیؒ۔ شیخ صدرالدین اردوبیلیؒ۔ شیخ شرف الدین درگ زینی کی صحبتوں میں رہے ہیں اور سات دفعہ حج کیے ایک دن بکریوں کے ریوڑ اور اپنے گھوڑوں کے پیچھے جنگل میں گئے ہوئے تھے۔ وہاں پر ان کو زیارت بیت اللہ کا شدید تقاضا ہوا۔ تو اسی جگہ سے روانہ ہو گئے اور اپنے اصحاب کو یہ رقعہ لکھا۔

دی روز باطائفہ بہ نیت ارتباح وابتہاج بطرف صحرا رتاج گزار افتاد" رباعی"۔

آج راحت اور خوشی حاصل کرنے کی نیت سے صحرا اور چلتے ہوئے بچوں کی طرف گزرنے کا اتفاق ہوا۔" رباعی"

بادوست بہوستان شدم رہگذری۔ برگل نظرفگندم از بے خبری۔ دلدار بطعنہ گفت شرمت بادا۔ رخسار من ایں جاو تو برگل نگری۔

دوست کے ساتھ چمن میں سے میرا گزرنا ہوا۔ بے خبری میں میں نے ایک پھول پر نظر ڈالی معشوق نے جھڑکی دے کر کہا کہ تجھے شرم آنی چاہیئے میرا رخسار یہاں ہے اور تو پھول کو دیکھ رہا ہے۔

اسی دم غیرت الٰہی لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا[1] اٰخَر کی کمین گاہ[2] سے دوڑ کر باہر نکلی، اور حق تعالیٰ کی کششوں میں سے کشش کی یک کمند نازش میں ڈالے ہوئے کی گردن میں ڈال دی مصرع۔ گرنیاید بخوشی موئے کشانش آرید ترجمہ۔ اگر وہ خوشی سے نہیں آتا ہے۔ تو اس کے بال پکڑ کر لاؤ۔ وطن جائے بغیر اور دیکھے بغیر تفکرات سے آزاد ہو کر اور بغیر کسی سوچ کے۔ صحرا کی طرف سے

---

[1] یعنی اللہ کے ساتھ دوسرے خدا کو۔ پکار یعنی خدا تعالیٰ کافی ہے، تو پھر دوسرے کو پکارنے کی کیا ضرورت ہے۔

[2] کمین گاہ۔ مورچہ جس میں چھپ کر دانت حملہ کیا جاتا ہے۔

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَأْتُوْکَ رِجَالاً[1] کے اشارہ پر خانۂ معظم و معلیٰ کی طرف پیدل روانہ ہو گئے۔ بیت۔

چوں نہ رو د از پئے صاحب کمند — صاحبِ کمند کے پیچھے کیسے نہیں چلے گا
آہوئے بے چارہ بگردن رسید — وہ غریب ہرن جس کی گردن میں کمند ڈال دی گئی ہو۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

خمیس کی شب میں ۱۲ جمادی الآخر ۷۰۴ھ میں وفات پائی اور ان کی قبر فیروز آباد کے دروازے کے باہر شہر ہرات میں ہے۔

۶۴۶ حضرت ابو محمد عبد اللہ المرجانی الغربی رحمہ اللہ تعالیٰ وفات ۶۹۹ھ

بزرگانِ مشائخ اور اکابر صوفیہ میں سے تھے۔ علوم الٰہی اور معارف ربانی کے دروازے ان پر کھول دیے گئے تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ ایک دفعہ شیخ بات کہتا تھا۔ تو آسمان سے اس کے منہ تک چمکتے نور کا ستون دیکھا اور جب شیخ خاموش ہو گیا تو وہ ستون بھی ختم ہو گیا۔ شیخ ہنس پڑے اور کہا۔ اسے معلوم نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ جب وہ ستون ختم ہو گیا۔ میں خاموش ہو گیا۔ یعنی وہ نور کا ستون آسمان سے امدادِ الٰہی کی صورت تھی۔ جب وہ امداد ختم ہو گئی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ آپ کی وفات تونس میں ہوئی۔

۶۴۷ حضرت ابو عبد اللہ المعروف بہ ابن المطرف الاندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ وفات ۷۰۰ھ

مکہ مکرمہ کے مجاور تھے۔ ان کا وظیفہ یہ تھا کہ دن رات میں روزانہ پچاس دفعہ طواف کرتے تھے۔ جب ۷۰۰ھ میں ان کا انتقال ہوا، مکہ کے بادشاہ نے "جو ان سے بے انتہا عقیدت و خلوص رکھتا تھا۔" ان کے تابوت کو اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ امام یافعی کہتے ہیں کہ شیخ ابو محمد بکری مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے کہا کہ جب شیخ ابو عبد اللہ دنیا سے رخصت ہوئے، تو شیخ نجم الدین اصفہانی نے کہا۔ "مَاتَ الْفَقْرُ مِنَ الْحِجَازِ"۔ فقر مر گیا۔ حجاز سے یعنی حجاز سے فقر جاتا رہا۔" مجھ سے کہا کہ شیخ ابو محمد کا ارادہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے جائیں، تو شیخ ابو عبد اللہ من المطرف سے اجازت کے لیے آئے۔ شیخ ابو عبد اللہ نے کہا میں نے سنا ہے کہ فلاں منزل میں پانی نہیں ہے۔ تمہیں بڑی تکلیف پہنچے گی، لیکن آخر کار بارش برسے گی اور تم لوگ پانی پاؤ گے۔ ہم چار آدمی تھے۔ جب اس منزل پر پہنچے تو جیسا کہ انہوں نے کہا تھا۔ پانی نہ تھا۔ راستہ پر آتے ہوئے سخت گرمی ہو گئی اور پیاس نے غلبہ کیا۔ ہمارے پاس تھوڑا پانی تھا۔ ایک نے مانگا کہ وہ اس پانی کو پی لے۔ شیخ ابو محمد نے کہا نہ پی، اگر پیے گا تو مر جائے گا۔ ہاں اس سے اپنا حلق تر کر لے۔ اس کے بعد جب ہم پیاس اور گرمی کی بہت تکلیف اٹھا چکے اور ہم نے

---

[1] اَذِّنْ کے معنی، اعلان کر دے اور لوگوں کو پکار کے سنا دے کہ وہ حج کے لیے آئیں تیرے پاس چل کے آئیں یعنی بغیر سواری کے آئیں۔

کوئی سایہ نہ پایا کہ کچھ دیر اس میں بیٹھ جائیں۔ تو شیخ ابو محمد نے پوچھا کہ شیخ عبد اللہ بن المطرب نے کیا کہا تھا، ہم نے کہا، کہ انہوں نے کہا تھا۔ تمہیں بہت سختی پہنچے گی۔ شیخ ابو محمد نے کہا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا سختی ہو گی کہ جس میں ہم مبتلا ہیں۔ پوچھا اور کیا کہا تھا ہم نے کہا کہ انہوں نے کہا تھا کہ آخر ہیں بارش برسے گی اور تم لوگ سیراب ہو جاؤ گے۔ شیخ نے کہا۔ تمہیں بارش کی بشارت ہو، اسی وقت ہم نے دیکھا کہ ابر کا ٹکڑا ایک طرف سے نمودار ہوا اور اونچا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وہ ہمارے سروں پر پہنچ گیا اور برسنے لگا۔ اتنا برسا کہ ہمارے چاروں طرف سیلاب جاری ہو گئے۔ ہم نے پانی پیا۔ وضو بنایا اور غسل کیا اور پانی بھر لیا اور ہم روانہ ہو گئے۔ جب چند قدم چلے تو ہم نے وہاں بارش کا کوئی اثر نہ پایا۔

۴۴۸ حضرت شیخ سلیمان ترکمان مُوَلّہ رحمۃ اللہ تعالیٰ وفات ۵۶۷ھ

وہ دمشق میں رہتے تھے، ایک پرانی اور میلی عبا پہنے رہتے، اپنی جگہ سے کم اٹھتے اور بات کم کرتے تھے اور علم ظاہر رکھنے والے بعض عالم اپنے بزرگ مرتبہ ہونے کے باوجود ان کے سامنے نیازمندی کیا کرتے تھے اور ان کی خدمت میں آکر بیٹھا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ رمضان میں کوئی چیز کھا لیتے تھے اور نماز نہیں پڑھتے تھے، لیکن ان کو مغیبات[1] پر اطلاع ہو جاتی تھی اور لوگوں کو اس کی خبر دیتے تھے۔ امام یافعیؒ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ بات اپنے حال کے چھپانے اور لوگوں کو اپنے سے بے اعتقاد بنانے کے لیے ہو۔ وہ ایسے وقت نماز پڑھ لیتے ہوں کہ کسی اور کو اس پر اطلاع نہ ہو اور جو کچھ منہ میں رکھا اور چبایا ہو، اس کو اپنے حلق میں نہ اتارتے ہوں اور اس طرح کا حال اس طائفہ کے بہت سے لوگوں میں دیکھا گیا ہے۔ جیسے کہ قضیب البان الموصلی اور شیخ ریحان سے منقول ہے اور شیخ سلیمان نے ۵۶۷ھ میں وفات پائی۔

۴۴۹ حضرت شیخ مفرح رحمۃ اللہ تعالیٰ

صعید مصر کے باشندہ تھے بڑے جلیل القدر اور اونچی شان والے تھے، حبشی غلام تھے، انہیں ایسا قوی جذبہ پہنچا کہ چھ ماہ تک نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے، جس قدر بھی انہوں نے مارا، انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ لوگوں نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ پھر آئے۔ تو بیڑیاں ایک جگہ تھیں اور وہ دوسری جگہ۔ پھر قید خانہ میں بند کر دیا۔ جب آئے۔ تو ان کو قید خانہ سے باہر پایا، جب لوگوں نے ان کی یہ کرامات

---

[1] جب اللہ تعالیٰ صفت صمدیت کے ساتھ کسی پر تجلی فرماتے ہیں تو وہ کھانے پینے کا محتاج نہیں رہتا۔

دیکھیں، تو چند بُھنے ہوئے مُرغ ان کے پاس لائے۔ ان مُرغوں کو کہا۔

برپرید ہمہ زندہ شدند و پریدن گرفتند   اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُڑ جاؤ۔ وہ زندہ ہوگئے اور اڑنے لگے [1]

ان کے مریدوں میں سے ایک مرید نے عرفہ کے دن انہیں عرفات میں دیکھا۔ دوسرے مرید نے اس دن اُن کو ان کے گھر میں دیکھا اور وہ سارے دن ان کے پاس رہا جب دونوں آدمی ایک دوسرے سے ملے اور ہر ایک نے جو کچھ دیکھا تھا۔ ایک دوسرے سے کہا، تو دونوں کے درمیان تکرار ہوگئی۔ ایک نے کہا کہ وہ عرفہ کے دن عرفات میں تھے اور اس کی سچائی پر طلاق کی قسم کھائی اور ایک نے کہا اس دن سارا دن وہ اپنے گھر میں رہے۔ اس نے بھی طلاق کی قسم کھائی۔ اس کے بعد دونوں جھگڑتے ہوئے شیخ مُفرِّح کی خدمت میں آئے اور ان سے جو تکرار ہوا تھا۔ شیخ سے بیان کیا۔ شیخ نے کہا۔ تم دونوں سچے ہو اور کسی کی عورت پر طلاق نہیں ہوئی۔ ایک بڑے بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ مفرح سے پوچھا کہ

صدق ہر یک موجب حنث دیگر ایست چوں سوگند ہیچ یک حانث نشدہ است : ہر ایک کا سچا ہونا دوسرے کی قسم ٹوٹنے کا موجب ہے، تو پھر کیونکر کسی کی بھی قسم نہیں ٹوٹی۔

اور جس مجلس میں مَیں نے یہ بات پوچھی۔ علماء کی ایک جماعت حاضر تھی۔ یعنی اس مجلس میں بہت سے علماء موجود تھے۔ شیخ نے ان سب کو اشارہ کیا کہ اس مسئلہ میں بات کہو۔ ہر ایک نے کچھ کہا۔ مگر کسی نے کافی جواب نہ کہا۔ اس دوران میں اس کا جواب مجھ پر ظاہر ہوگیا۔ شیخ نے از خود میری طرف اشارہ کیا کہ تو اس کا جواب کہہ۔ میں نے کہا۔

چوں ولی بولایت متحقق گردد، در آں معنیٰ کہ روحانیت وے مصوّر بصورتے تواند شد متمکن شود می تواند بود کہ در وقت واحد در جہات مختلف خود را بصورت ہائے متعدد بنماید چنانکہ خواہد پس آنکس کہ وے را در بعضے آں صُوَر بعرفات دیدہ باشد راست دیدہ باشد و آنکہ در بعضے دیگر ازاں صور درخانۂ خودش دیدہ باشد ہم راست دیدہ باشد و بسوگند ہیچ یک حانث نشود۔ شیخ مفرح فرمود کہ جواب صحیح اینست کہ تو گفتی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ و نفعنا بہٖ

جب ولی کی ولایت اس معنی میں ثابت ہوجاتی ہے کہ اس کی روحانیت صورت مجسمہ یعنی جسمانی صورت بن سکے، تو ہوسکتا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں مختلف جہتوں اور مختلف جگہوں پر اپنے کو کئی صورتوں میں جیسے وہ چاہے دکھا دے اور ظاہر کردے۔ بس جس شخص نے اس کو عرفات میں ایک صورت میں دیکھا۔ اس نے بھی صحیح صحیح دیکھا ہوگا اور دوسرے نے ان صورتوں میں سے جس صورت میں ان کو ان کے گھر میں دیکھا ہے۔ اس نے بھی واقعتاً دیکھا ہوگا اور کسی کی قسم سے دوسرے کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ مفرح نے فرمایا۔ جواب صحیح این ست کہ گفتی۔ صحیح جواب یہ ہے جو تو نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو اور ہمیں اس کے ذریعہ نفع دے۔

[1] جب اللہ تعالیٰ شانہٗ کسی پر صفت احیاء: زندہ کرنے کی صفت کے ساتھ تجلی فرماتا ہے۔ تو اس سے مردوں کا زندہ کرنا ظاہر ہوتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ مردے زندہ ہوجاتے تھے اور اس طرح کے معجزے النقول کمالات اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتے ہیں اس سے بہت سی باتیں کھلیں اور بہت سے اسرار الٰہی کھلے۔ صحیح حدیث میں ہے۔

۴۵۰ حضرت شیخ ابو العباس الدمنہوری رحمہ اللہ تعالیٰ

مصر میں ایک موضع کا نام دمنہور ہے۔ ایک تاجر نے کہا میں سفر میں تھا اور میرے ساتھ ایک چوپایہ تھا جس پر میرا سارا اسباب تھا جب میں مصر میں آیا اور لوگوں سے ملا، تو وہ چارپایہ مجھ سے گم ہوگیا، خوب تلاش کیا، لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ میرے ایک دوست نے کہا، شیخ ابو العباس دمنہوری کے پاس جا۔ شاید وہ دعا کرے اور میں بھی پہلے سے اس کو جانتا تھا۔ ان کے پاس گیا اور انہیں سلام کیا اور اپنا حال بتایا، تو میری بات پر تو انہوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ ہاں یہ کہا۔ ہمارے مہمان آگئے ہیں۔ ہمیں اتنے آٹے کی ضرورت ہے اور اتنے گوشت کی اور اس کے علاوہ دوسری اور ضروریات کا ذکر کیا۔ میں وہاں سے اٹھ کر باہر آگیا، اور اپنے دل میں کہا۔ واللہ پھر کبھی ان کے پاس نہ آؤں گا۔ یہ درویش لوگ اپنی ضروریات کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے ہیں۔ میں اسی نیت پر چلا جارہا تھا کہ میرے سامنے ایک آدمی آیا جس کے پاس میرے کچھ پیسے تھے۔ میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا تجھے نہ چھوڑوں گا، جب تک کہ تو میری اس رقم کو نہ دے گا جو تیرے ذمہ نکلتی ہے۔ اس نے مجھے ساٹھ درم دے دیے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ان ساٹھ درموں سے کاروبار کرتا ہوں، یا تو جو کچھ گیا ہے۔ واپس آگیا۔ یا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلا گیا۔ شیخ نے جو کہا تھا۔ اس کو خریدا اور جتنے درم بچ گئے تھے۔ ان سے حلوہ خرید لیا اور سارا کچھ ایک اونٹ والے کو دیا اور شیخ کا قصد کیا۔ جب میں شیخ کے خانقاہ[1] کے پاس پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ میرا چارپایہ شیخ کے حجرہ کے دروازہ پر کھڑا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ چارپایہ میرا نہ ہوگا، بلکہ اس کے ہم شکل ہے، جب میں قریب پہنچا، تو دیکھا۔ وہ میرا ہی چارپایہ ہے اور میرا سامان اس کی بیٹھ پر اسی طرح موجود ہے۔ میں نے کہا۔ اس کو کسی کے سپرد کردوں یا اپنے ساتھ خانقاہ کے دروازہ پر لے جاؤں، تاکہ پھر گم نہ ہوجائے۔ میں نے پھر کہا کہ وہ ذات جس نے اس کو میرے واسطے سلامتی سے ساتھ پہنچا دیا ہے۔ وہ خود ہی اس کی حفاظت کرے گی۔ میں شیخ کی خدمت میں آیا اور جو کچھ لایا تھا۔ ان کی خدمت میں پیش کردیا۔ جب حلوہ کی نوبت آئی، تو کہا، یہ کیا ہے؟ میں نے کہا۔ کچھ درم بچ گئے تھے۔ اُن کا یہ لے آیا ہوں۔ یہ تو شرط میں داخل نہیں تھا پھر میں بھی کچھ زیادہ کرتا ہوں اٹھ اور اپنا مال بازار میں لے جا اور اسے فروخت کردے اور جلدی کرنا اور جو کچھ فروخت کردے اس کی قیمت لے لے۔ اور خوف نہ کر۔ کہ کچھ تاجر آرہے ہیں۔ وہ اگر تیرے بھاؤ کو توڑ دیں گے، کیونکہ سمندر میرے دائیں ہاتھ میں ہے اور بیابان "جنگل" میرے بائیں ہاتھ میں۔ اس کے بعد میں بازار میں گیا اور اپنا سارا سامان مقررہ نرخ سے، زیادہ نرخ پر فروخت کردیا اور ساری قیمت لے لی۔ جب فارغ ہوچکا، تو تاجر لوگ مال لے کر تری اور خشکی سے۔ ایسے ٹوٹ پڑے کہ تو کہے کہ یہ لوگ پہلے قیدخانہ میں تھے اور اب ان کو آزاد کردیا گیا ہے۔

---

[1] اصل کتاب میں زاویہ کا لفظ ہے۔

۴۵۱ حضرت شیخ ریحان رحمۃ اللہ تعالیٰ

عدن میں رہتے تھے۔ ایک نیک آدمی نے کہا۔ عدن کے قریب ایک شخص سمندر کے کنارہ پر تھا۔ جو عدن میں نہ آسکتا تھا، کیونکہ رات پڑ گئی تھی اور دروازے بند ہو گئے تھے۔ اس لیے رات کو سمندر کے کنارے پر رہا اور کوئی چیز اس کے پاس نہیں تھی کہ شام کو کھالیتا۔ اتفاق سے اس نے دیکھا کہ شیخ ریحان ساحل پر ہے۔ ان کے پاس آیا اور کہا۔ اے میرے سردار! دروازے بند کر لیے ہیں اور میرے پاس کوئی چیز نہ تھی جسے میں شام کو کھالیتا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ہریسہ دیں۔ فرمایا۔ اسے دیکھو کہ یہ مجھ سے رات کا کھانا مانگتا ہے اور اسے دیکھو کہ یہ مجھ سے ہی مانگتا ہے، گویا کہ میں ہریسہ پکانے والا ہوں، میں نے کہا اے سیّدی! مجھے تو یہی چاہیئے اس کے سوا کچھ نہ کھاؤں گا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ حریرہ کا ایک پیالہ گرم گرم موجود ہو گیا، لیکن اس میں روغن نہ تھا میں نے کہا۔ اے سیّدی اس میں روغن کی ضرورت ہے۔ روغن چاہیے۔ فرمایا، ایں را ببینید ہریسہ نمی تواند خورد بے روغن مگر من روغن فروشے ام۔ اسے دیکھو کہ بے روغن کا ہریسہ نہیں کھا سکتا شاید میں روغن فروش ہوں۔ میں نے کہا۔ اے سیدی۔ گھی کے بغیر تو میں اسے کھاؤں گا نہیں۔ فرمایا اس کوزہ کو سمندر کے کنارہ لے جا اور پانی لے آ۔ تاکہ میں وضو بناؤں۔ میں گیا اور پانی لایا کوزہ (لوٹا) مجھ سے لے لیا اور اس میں سے ہریسہ پر روغن ڈالا۔ اس کے بعد میں نے کھایا وہ ایسا روغن تھا کہ میں نے کبھی بھی ایسا روغن نہیں چکھا تھا۔ ایک اور بزرگ کہتے ہیں۔ میں رمضان کے مہینہ میں مغرب اور عشاء کے درمیان بازار گیا، تاکہ اپنے گھر گھر والوں کے لیے کوئی چیز خرید کر لاؤں۔ اچانک مجھے شیخ ریحان نے دیکھا اور اپنے پاس کھینچ لیا اور ہوا میں مجھے بہت اوپر لے گئے۔ میں رونے لگا اور کہنے لگا۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے پھر زمین پر واپس کر دے۔ اس نے مجھے پھر زمین پر واپس کر دیا۔ اور کہا میں چاہتا تھا کہ تو سیر کرے۔ تو نہیں چاہتا ہے۔ امام یافعیؒ کہتے ہیں کہ بے شک اس تفرّج اور سیر سے ان کا مقصد ملکوت السموات کے عجائبات کی سیر کرانا تھی۔ ایک صالح شخص نے بیان کیا کہ ایک دن شیخ ریحان نے مجھ سے کہا۔ میری طرف توجہ رکھ۔ کہ جب تک کہ یہ سر درست ہے۔ مت ڈر اور اپنے سر کی طرف اشارہ کیا، میں نے گمان کیا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں اور میں نے ان کی مراد کو نہ جانا، مگر اس دن جانا جس روز کہ وہ اس سبب سے مرے کہ وہ پہاڑ کے نیچے سے گزر رہے تھے کہ گر پڑے اور ان کا سر پھوٹ گیا اور اسی سبب سے وہ وصال پا گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو۔

۴۵۲ حضرت شیخ علاؤالدین الخوازرمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

بزرگ تھے۔ امام یافعی کہتے ہیں۔ وہ ۱۲ دن تک ایک وضو سے نماز پڑھتے رہے اور ۱۵ سال زمین پر نہیں بیٹھے، اور کئی کئی دن تک کھانا نہیں کھاتے تھے اور جب کھانا کھاتے، تو تھوڑا سا موٹا کھانا کھاتے اور منیٰ میں میرے پاس تھوڑا سا گوشت تھا۔ اسے بھی نہ کھایا، مگر بڑے اصرار کے بعد میری موافقت سے کھا لیا اور امام یافعیؒ کہتے ہیں کہ شیخ علاؤالدین نے کہا۔ روم کے ایک ساحل پر میں نے گوشہ پکڑ لیا تھا۔

روغن۔ تیل اور گھی کو کہتے ہیں

جب عید الفطر کا دن آتا، تو مسلمانوں کی کسی بستی میں عید کی نماز کے لیے جاتا۔ جب واپس آیا، تو ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ میری خلوت میں نماز ادا کر رہا ہے اور میری خلوت سرائے کے دروازہ پر جو ریت تھی اس پر پاؤں کا کوئی نشان نہ تھا۔ میں نے تعجب کیا کہ کہاں سے آگیا ہے۔ اس کے بعد وہ رو یا رنجیدہ کا رونا۔ مجھے فکر ہوا کہ اس کے واسطے کیا لاؤں۔ عید کا دن ہے اس نے میری طرف منہ کیا اور کہا۔ اے فلاں فکر نہ کر

کہ در غیب ست آنچہ تو نمی دانی ولیکن اگر نزد تو آب ہست ۔ کہ جو کچھ کہ غیب میں ہے، اس کو تو نہیں جانتا ہاں اگر تیرے پاس پانی ہے۔ تو لے آ۔

میں اٹھا کہ لوٹا لاؤں۔ لوٹے کے پاس دیکھا کہ دو بڑی روٹیاں رکھی ہوئی ہیں اور وہ گرم ہیں اور بہت سے بادام کے مغز ہیں میں نے انہیں اٹھایا اور اس کے پاس لے گیا۔ روٹی توڑی اور مغز بادام میرے آگے ڈال دیے اور کہا کھا وہ کھڑا ہو گیا وہ مجھے بادام کی گریاں دیتا تھا۔ میں تو کھاتا تھا، مگر اس نے بادام کی ایک گری یا دو گری کھائی اور میں اُس کھانے کے خود بخود آجانے کو حیران ہو کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا: "اس پر تعجب نہ کر

کہ خدائے رابندگان ہستند کہ ہر جا کہ باشند ہر چہ خواہند دریابند ۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ وہ جہاں بھی ہوں۔ جو وہ چاہتے ہیں پا لیتے ہیں۔

میری حیرانی زیادہ ہوگئی۔ میں نے دل میں کہا اس سے بھائی بننے کی درخواست کروں۔ اس نے خود ہی کہا جلدی نہ کر میں پھر تیرے پاس آؤں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور مجھ سے اسی وقت غائب ہو گیا اور میں نے نہ جانا کہ وہ کہاں چلا گیا۔ شوال کی ۷، ویں رات کو پھر آیا اور میرے ساتھ مواخات[1] کا عہد کیا رضی اللہ عنہم۔ اللہ اس سے راضی رہے۔

حضرت امام عبداللہ الیافعی الیمنی رحمہ اللہ تعالیٰ

ابو السعادات عفیف الدین عبداللہ الیافعی الیمنی رضی اللہ عنہ حرمین شریفین شرفہما ۵۴ھ کے رہنے والے اپنے وقت کے کبار مشائخ سے ہوئے ہیں، علوم ظاہری و باطنی دونوں کے عالم تھے۔ انہوں نے بہت کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے "تاریخ مرآۃ الجنان" "عبرۃ الیقظان فی معرفۃ حوادث الزمان" ہے، اس کے علاوہ روض الریاحین فی حکایات الصالحین ہے اور کتاب در النظیم فی فضائل القرآن العظیم ہے اور ان کے علاوہ ان کی لکھی ہوئی اور بھی کتابیں ہیں۔ اشعار بھی بہت اچھے کہے ہیں۔ امام یافعی نے کہا کہ شیخ علاء الدین خوارزمی نے بیان کیا۔ شام کے کسی شہر میں نماز عشاء کے بعد اپنی خلوت میں بیداری کے حال میں بیٹھا ہوا تھا اور خلوت خانہ کا دروازہ اندر سے بند کر رکھا تھا

---

[1] "مواخات" آپس میں بھائی چارہ کرنا۔ رشتہ اخوت باندھنا آپس میں بھائی بھائی بن کر رہنا۔

خلوت میں اپنے سامنے میں نے دو آدمی دیکھے، مجھے خبر نہیں کہ وہ کہاں سے آگئے۔ تھوڑی دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے اور ہم ایک دوسرے سے فقراء کے حالات کا ذکر کرتے رہے۔ انہوں نے شام کے ایک مرد کا ذکر کیا اور اس کی تعریف کی اور کہنے لگے، اچھا آدمی ہے۔ کاش کہ وہ جان لے کہ وہ کہاں سے کھاتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا اپنے صاحب عبداللہ یافعی کو ہمارا سلام پہنچا دینا۔ میں نے کہا۔ اس کو آپ لوگ کہاں سے پہچانتے ہیں۔ حالانکہ وہ حجاز میں ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہم پردہ پوشیدہ نہیں ہیں یہ کہہ کر وہ اٹھ گئے اور محراب کی طرف جانے لگے۔ میں نے خیال کیا کہ نماز ادا کریں گے، مگر وہ محراب کی دیوار سے باہر چلے گئے۔

اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ شیخ مذکور نے کہا میں شام کے ایک ساحل میں ماہ رجب ۷۴۲ھ میں دو پہر عشاء کی نماز کے بعد میری خلوت میں آگئے، اور مجھے معلوم نہیں ہوا کہ یہ کہاں سے آگئے اور کون سے شہر سے آئے۔ جب انہوں نے مجھ پر سلام کیا اور مصافحہ کیا۔ تو مجھے ان سے انسیت ہوگئی۔ میں نے کہا۔ کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا سبحان اللہ! تجھ جیسا اس حال کے متعلق پوچھتا ہے۔ اس کے بعد میں نے جَو کی روٹی کا خشک ٹکڑا جو میرے پاس تھا ان کے سامنے رکھا انہوں نے کہا ہم اس کے لیے تو نہیں آئے ہیں۔ میں نے کہا، پھر کس لیے آئے ہو۔ کہا۔ ہم تو اس لیے آئے ہیں کہ تجھے عبداللہ یافعی کو سلام پہنچانے کی وصیت کریں اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس سے کہنا کہ تجھے بشارت ہو۔ میں نے کہا۔ اس کو تم کہاں سے پہچانتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم اس کے پاس پہنچے ہیں اور وہ ہمارے پاس پہنچا ہے[1] میں نے کہا۔ آپ لوگوں کو اس بشارت کے پہنچانے کا حکم۔ انہوں نے کہا۔ ہاں اور اس طرح ذکر کیا کہ ہم ان بھائیوں کے پاس سے آرہے ہیں جو مشرق میں ہیں اور اسی وقت غائب ہوگئے۔

اور امام نے فرمایا کہ شروع حال میں میں تردد میں تھا کہ طلب علم میں مشغول رہوں جو موجب فضیلت و کمال ہے یا عبادت کا شغل اختیار کروں جو حلاوت اور قِیلُ وَقَالُ کی آفت سے سلامتی کا پھل لاتی ہے اور اس کشاکش اور اضطراب میں نہ مجھے آرام تھا نہ نیند۔ میرے پاس ایک کتاب تھی۔ دن رات اس کے مطالعہ میں گزارتا تھا۔ اسی بے قراری میں اس کو کھولا۔ اس میں ایک واقعہ دیکھا جسے میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اور اس میں چند شعر ایسے لکھے ہوئے تھے، جنہیں میں نے کسی سے نہ سنا تھا اور وہ اشعار یہ تھے۔

كُنْ عَنْ هَمُومِكَ مُعْرِضًا ❊ وَكِلِ الْأُمُورَ إِلَى الْقَضَاءِ

فَلَرُبَّمَا اتَّسَعَ الْمَضِيقُ ❊ وَلَرُبَّمَا ضَاقَ الْفَضَاءُ

(ترجمہ) اپنے ارادہ اور تدبیر سے منہ پھیرے اور ایک طرف ہوجا اور کاموں کو خدائے تعالیٰ کی تقدیر پر چھوڑ دے۔ اس لیے کہ کئی دفعہ یہ ہوتا ہے کہ تدبیر تقدیر کے موافق نہیں پڑتی اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو جگہ اس پر تنگ ہوتی ہے اور یہ آدمی اس سے رنجیدہ ہوتا

---

[1] یعنی ہم اس سے ملے ہیں اور وہ ہم سے ملا ہے۔

ہے۔ تو بغیر اس کے چاہے۔ وہ راہ کشادہ ہو جاتی ہے اور کبھی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کشادہ جگہ اس پر تنگ ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ عسٰی ان تکرھوا شیئاً وھو خیرٌ لکم ؕ

وَلَرُبَّ اَمرٍ متعب لكَ فِي عَوَاقِبِهٖ رَضَا اللهُ يَفعَلُ مَا يَشَاءُ فَلَا تَكُنْ مُتَعَرِّضًا[1]

(ترجمہ) اور بہت کام ایسے ہوتے ہیں جو تجھے دکھ اور تکلیف میں ڈال دیتے ہیں، مگر ان کا انجام خوشی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب بندہ کرنے والا نہیں، بلکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ فاعل ہے جو چاہتا ہے، وہ کر دیتا ہے، تو بندہ کو اس کے کردار پر راضی رہنا چاہئے کہ جو کوئی خود اس کے لطف و رحمت کے درمیان میں لے آئے گا۔ ناگواری سے آسودہ رہے گا کیونکہ اس مقام میں تمام حادثے، حالات اور آزمائشیں اس کی طبیعت کے موافق ہوں گی۔

امام یافعی کہتے ہیں، جب میں نے ان اشعار کو پڑھا۔ ایسا معلوم ہوا کہ انہوں نے میری آگ پر پانی ڈال دیا اور میری آگ اور بیقراری اور بے چینی کو دبا دیا۔ امام یافعی نے اپنی کتاب مرآت الجنان میں (جو تاریخ میں لکھی ہے)، نیا سال پر رکھی اور ۷۵۰ھ تک واقعات اور حالات کا بیان کیا ہے اور اس کے بعد معلوم نہیں، وہ کتنے سال اور زندہ رہے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے۔

۷۵۴ حضرت شیخ شہاب الدین السہروردی المقتول رحمۃ اللہ تعالیٰ

ان کا نام یحییٰ بن حبش تھا، مشائیں اور اشراقین کی حکمت میں علم کا دریا تھے اور ان دونوں طبقوں کی حکمت میں لائق تصنیفات اور عمدہ تالیفات لکھی ہیں اور بعض حضرات نے انہیں سیمیا[2] کے ساتھ منسوب کیا ہے اور ان کے مقالات یہ ہیں:-

حَرَامٌ عَلَى الاجسادِ المُظلمة اَنْ يُلحق فِي مَلكوتِ السَّمٰوٰتِ فَوَحِدَ الله سبحانهٗ وَانت بتعظيمهٖ ملان وَاذكره وَانْتَ من ملابس الاَكوانِ عُريَانٌ ؕ

(ترجمہ) تاریک اجسام پر آسمانوں کے غیبوں پر باخبر ہو جانا ناممکن ہے پس اللہ سبحانہٗ کی توحید بیان کر اس حال میں کہ تو اس کی تعظیم سے لبریز ہو، اور اس کو یاد کر اس حال میں کہ تو موجودات اور مخلوقات کے لباس سے برہنہ ہو۔

اور اشعار یہ ہیں:

خَلَعَتُ هِيَا كِلُهَا بِجَرْعَاءِ الحِمٰى
وَصَبَتْ لِمَغنَاهَا القَدِيمِ تَشَوُّقًا

---

[1] یعنی جو اللہ تعالیٰ کرے اس پر راضی رہ اور اس کی مشیت کا مقابلہ کرنے والا اور چھیڑ چھاڑ کرنے والا نہ ہو اور ہر صورت اور ہر حال میں اس کے لطف و کرم کا منتظر رہ [2] اسے سیمیا۔ جادو۔ میجک علمِ طلسم جس کے ذریعے سے ایک بدن سے دوسرے بدن میں روح کو منتقل کرا سکتے ہیں اور موہوم اشیاء جن کا حقیقت میں وجود نہ ہو کو رکھ سکتے ہیں۔

(ترجمہ) وہ لوگ نکل آئے سبزہ زار کے آخری حصہ میں تو محبت کے باعث اپنی قدیم منزل کی آرزو کرنے لگے مطلب یہ ہے کہ جیسے عرب کے لوگ بہار کی موسم میں سرسبز وادیوں سے گزر کر وادی کے اس حصہ میں پہنچ جاتے ہیں، جہاں کوئی سبزہ نہیں ہوتا اور سخت پتھریلی زمین ہوتی ہے، تو وہ اپنی قدیم منزلوں کی محبت کی وجہ سے پھر ان کے مشتاق ہو جاتے ہیں اور لوٹ کر پھر ان میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح نفس جب صورت، فطرت اور طبیعت کے احکام سے نکل جاتا ہے، تو وہ پھر اپنی قدیم منزل کی آرزو کرتا ہے۔ کیونکہ اس کو اس سے محبت اور لگاؤ ہو جاتا ہے اور یہ اہلِ تجرید یعنی دنیا سے قطع تعلق کرنے والوں کا مقام ہے۔

وَتَلَفَّتَتْ نَحْوَ الدِّيَارِ فَشَاقَهَا رَبْعٌ عَفَتْ اَطْلَالُهُ فَتَمَزَّقَا — اور اس نے مُڑ کے دیکھا ان منزلوں کو مُڑ کے دیکھا جن کو وہ طے کر چکا تھا، تو ان منزلوں کی آرزو کرنے لگا جن کے نشانات مٹ چکے اور وہ خود ویران اور بوسیدہ ہو چکیں تھیں۔

وَقَفَتْ سَائِلَةً فَرَدَّ جَوَابَهَا رَجْعُ الصَّدٰى اَنْ لَا سَبِيلَ اِلَى اللِّقَا

(ترجمہ) وہ ٹھہر گیا اور اس سے اس کا حال پوچھا، تو جواب میں اس نے اپنے سوال کی آواز سنی جس سے پتہ چلا کہ اس منزل کے ملنے کی کوئی سبیل نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب طبیعت کے احکام سے آزادی اور خلاصی ہو جاتی ہے، تو اس کے بعد طبیعت کے احکام دوسری مرتبہ لوٹ کر نہیں آتے۔ جیسے کہتے ہیں "الصوفی لا یُرَدُّ" صوفی اپنے پہلے حال کی طرف نہیں لوٹتا۔

وَكَاَنَّهَا بَرْقٌ تَاَلَّقَ بِالْحِمٰى ثُمَّ انْطَوٰى وَكَاَنَّهٗ مَا اَبْرَقَا

(ترجمہ) گویا کہ وہ بجلی تھی جو چراگاہ میں چمکی۔ پھر وہ لپٹ گئی، گویا کہ وہ چمکی ہی نہ تھی۔ مطلب یہ ہے کہ جب نفس اپنی طبیعت کی چراگاہ میں خود کو واپس نہ لائے گا، تو وہ طبیعت کے سر میں بجلی جیسی چمکنے والی کیفیت کو پائے گا۔ اس کے بعد جو نور دیکھا وہ درہم برہم ہو جاتا ہے اور اس مقام کے احکام اس سے ایسے مسلوب ہو جاتے ہیں۔ گویا کہ وہ اس مقام میں ظاہر ہی نہیں ہوا۔

تاریخ امام یافعی میں مذکور ہے کہ لوگوں نے ان پر عقیدہ میں خلل اور حکماء متقدمین کے اعتقاد کی مخالفت کی تہمت لگائی تھی جب وہ حلب میں پہنچے، تو علماء نے ان کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کو قید کر دیا اور ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور بعض کہتے ہیں کہ ان کو قتل کیا اور سولی پر بھی چڑھایا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کو اختیار دیا گیا کہ جس طرح کا وہ قتل پسند کریں۔ اسی طرح ان کو قتل کیا جاوے۔ وہ چونکہ ریاضت کے عادی تھے، انہوں نے اسی کو پسند کیا کہ وہ مجھے بھوک سے مار ڈالیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کا کھانا بند کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے، ان کی عمر ۳۶ سال یا ۳۸ سال کی ہوئی اور یہ واقعہ ۵۸۷ھ میں ہوا۔ اور حلب والے ان کے بارہ میں مختلف آراء رکھتے ہیں۔ بعض ان کو ملحد اور زندیق کی نسبت دیتے تھے اور بعضے ان کی کرامات اور مقامات پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قتل کے بعد ان کی بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں اور یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ شیخ

شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شہر دمشق میں شیخ شہاب الدین مقتول کو لوگ علانیہ کافر کہتے تھے، مگر اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ "حَاشَا وَکَلَّا کہ کافر باشد" خدا کی پناہ! کہ وہ کافر ہوں جب وہ شیخ شمس الدین کی خدمت میں پورے صدق سے آیا تو بدر کامل "چودھویں رات کا چاند" بن گیا۔ کہا۔ میں نیازمندان صادق کا بہت ہی نیازمند ہوں۔ لیکن اس کے منکروں کے مقابلہ میں سخت نخوت کرتا ہوں۔ شیخ شہاب الدین کا علم عقل پر غالب تھا۔ حالانکہ عقل کو علم پر غالب اور حاکم ہونا چاہیئے دماغ جو عقل کا محل ہے کمزور ہو گیا تھا۔ عالم ارواح میں ایک جماعت ذوق حاصل کرکے نیچے اترتی ہے اور مقیم ہو جاتی ہے اور عالم ربانی سے باتیں کہتی ہے، مگر وہی عالم ارواح جسے ربانی اللہ والے پہچانتے ہیں، مگر اللہ کا فضل شامل حال ہو یا کششوں میں سے کشش ہو، یا کوئی مرد جو اس کو بغل میں لے اور عالم ارواح سے عالم ربانی میں کھینچ لے جاوے۔[1]

حضرت شیخ اوحد الدین حامد الکرمانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ ۴۵۵

شیخ رکن الدین سنجاسی کے مرید تھے اور وہ شیخ قطب الدین ابہری کے اور وہ شیخ ابوالنجیب سہروردی کے قدس اللہ ارواحہم،

بہت بزرگ ہوئے ہیں اور شیخ محی الدین ابن العربی کی صحبت میں رہے ہیں اور شیخ موصوف نے فتوحات اور دوسرے رسائل میں ان سے حکایت کی ہے۔ فتوحات کے ۸ ویں باب میں کہتے ہیں "شیخ اوحد الدین الکرمانی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں جوانی میں اپنے شیخ کی خدمت کرتا تھا ہم سفر میں تھے اور وہ عماری[2] میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو پیٹ کی تکلیف تھی۔ جب میں اس جگہ پہنچا جہاں "بیمارستان" (شفاخانہ) تھا۔ میں نے درخواست کی کہ اجازت دیجئے کہ دوا لاؤں شاید نفع ہو۔ جب میری بے قراری دیکھی اجازت دی۔ میں گیا دیکھا کہ ایک شخص خیمہ میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کے ملازمین کھڑے ہوئے ہیں اور اس کے سامنے شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔ نہ وہ مجھے پہچانتا تھا اور نہ میں اسے پہچانتا تھا۔ جب اس نے مجھے اپنے ملازموں کے درمیان میں دیکھا۔ اٹھ کر میرے پاس آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ آپ کا کیا کام ہے۔ میں نے اس سے شیخ کا حال کہا۔ اسی وقت دوا لایا اور مجھے دے دی اور میرے ساتھ باہر آیا اور خادم شمع کو ساتھ لا رہا تھا۔ مجھے خوف ہوا کہ شیخ اسے دیکھے گا، تو باہر آئے گا۔ میں نے اس کو قسم دی کہ وہ واپس چلا جائے وہ واپس ہو گیا۔ میں شیخ کی خدمت میں آیا دوائی لایا۔ اور اس آدمی نے میرا اکرام و احترام کیا تھا۔ شیخ سے کہا۔ شیخ نے تبسم فرمایا اور کہا بیٹے۔ جب تیری بے قراری کو میں نے دیکھا تو مجھے تجھ پر رحم آ گیا۔ مجبوراً تجھے اجازت دے دی۔ جب تو وہاں پہنچا، تو ڈرا کہ وہ شخص جو اس مقام کا امیر ہے۔ تجھ پر توجہ نہ کرے گا اور تو شرمندہ ہو گا۔ اپنی صورت سے نکل کر اس کی صورت میں آ گیا اور

---

[1] اور شاید شیخ شمس الدین نے شیخ شہاب الدین کے ساتھ یہی عمل کیا ہو۔ [2] ہاتھی کے ہودج اور اونٹ کے محمل اور کجاوہ ڈولی وغیرہ کو عماری کہتے ہیں۔ میم کی تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ مستعمل ہے۔

اس جگہ میں بیٹھ گیا۔ جب تو آیا تو تیری عزت کی اور وہ کیا جو تو نے دیکھا۔

اور رسالہ اقبالیہ میں مذکور ہے کہ شیخ رکن الدین علاء الدولۃ رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ جس دن قافلہ منیٰ میں تھا، شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ روحہ، کا ایک مرید وہاں موجود تھا۔ اس کی زیارت کے لیے گئے۔ "الحق"! سچی بات یہ ہے کہ وہ بڑا ہی بزرگ مرد تھا۔ کچھ دیر بیٹھے اور طرح طرح کی باتیں ہوتی رہیں۔ ہم نے سُنا ہے کہ شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ نے شیخ اوحد الدین کرمانی کو مبتدع کہا ہے اور اپنے پاس نہ رہنے دیا کیا یہ درست ہے۔ اس پیر نے کہا۔ ہاں! اور میں اس مجمع میں شیخ کی خدمت میں حاضر تھا کہ شیخ کا کوئی آدمی شیخ اوحدلدین کا ذکر کر رہا تھا۔ فرمایا میرے سامنے اس کا نام نہ لو کہ وہ "مبتدع" یعنی بدعتی ہے۔ مگر دوسرے دن بھی میں شیخ کی خدمت میں حاضر تھا کہ لوگوں نے شیخ سے کہا کہ یہ بات سن کر شیخ اوحدالدین نے کہا کہ اگر شیخ نے مجھے مبتدع کہا تو اس میں میرے لیے بڑا فخر ہے کہ میرا نام تو شیخ کی زبان پر آیا اور اس مطلب میں اس نے عربی میں ایک شعر کہا

ماساءنی ذکراکلی بمسبّۃٍ بَلْ سَرَّنِی اَنِّی خَطَرْتُ بِبَالِکَا

(ترجمہ) مجھے بُرا نہیں لگا۔ برائیوں کے ساتھ جو تو نے میرا ذکر کیا اور گالیوں کے ساتھ مجھے یاد کیا، بلکہ مجھے خوشی میں ڈال دیا اس بات نے کہ تیرے دل میں میرا خیال تو آیا۔

شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ نے ان کے خلق کی تحسین کی۔

ہو سکتا ہے۔ شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ کی مراد اس کو مبتدع کہنے سے یہ ہو کہ وہ حقیقت سے شہود میں، مظہر صوری کے ساتھ توسّل کرتے تھے۔[1] اور جمال مطلق کو مقیّدات کی صورت میں دیکھتے تھے اور خالق تعالیٰ کا مشاہدہ مخلوق کی صورتوں میں کرتے تھے، جیسے گزر چکا کہ شیخ شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ نے ان سے پوچھا کہ تو کس کام میں لگا ہوا ہے۔ کہا۔

ماہ را در طشت آب می بینم پس شیخ شمس الدین گفت اگر بر قضا دنبل نداری چرا بر آسمانش نمی بینی۔

چاند کو پانی کے طشلہ میں دیکھتا ہوں، یہ سن کر شیخ شمس الدین نے کہا۔ اگر تیری پیٹھ پر پھوڑا نہیں، تو اس کے آسمان پر کیوں نہیں دیکھتا۔

اور مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ سے لوگوں نے عرض کیا کہ وہ شاہد باز[2] حسن پرست تھا، مگر پاکباز نیک اور راست باز تھا حضرت مولوی نے فرمایا، کاش کہ کرتا اور گزر جاتا اور شیخ اوحدالدین کی یہ رباعی بھی اسی معنیٰ پر اشارہ کرتی ہے ؎

---

[1] حسین چیزوں اور حسین مظاہر میں اللہ کا جمال دیکھتے تھے [2] شاہد باز سے مراد حسن پرست بھی ہو سکتا ہے۔

ازاں می نگرم بچشم سر در صورت	میں سر کی آنکھ سے صورت میں اس وجہ سے دیکھتا ہوں
زیراکہ ز معنیٰ ست اثر در صورت	کیونکہ صورت میں حقیقت کا نشان ہے
ایں عالم صورت است و ما در صوریم	یہ جہاں صورت ہے' اور ہم صورتوں میں ہیں
معنیٰ نتواں دید مگر در صورت	حقیقت نہیں دیکھی جا سکتی۔ مگر صورت میں

اور بعض تواریخ میں مذکور ہے کہ جب وہ سماع میں گرم ہوتے یعنی جوش میں ہوتے، تو بے ریش لڑکوں کے کپڑے پھاڑ ڈالتے اور اپنا سینہ ان کے سینوں پر رکھ دیتے۔ جب بغداد پہنچے، تو خلیفہ کا لڑکا جو "صاحبِ جمال" یعنی حسین تھا۔ اس نے ان کا یہ حال سنا تو کہا۔ وہ مبتدع ہے اور کافر ہے، اگر اس نے میری مجلس میں ایسی حرکت کی، تو میں اس کو مار ڈالوں گا۔ جب سماع گرم ہوا، تو شیخ نے کرامت سے اس بات کو معلوم کر لیا اور کہا۔ رباعی

سہل است مرا بر سر خنجر بُودن	میرے سر پر خنجر ہونا آسان ہے
در پائی مرادِ دوست بے سر بودن	دوست کے پائے میں مراد بے سر ہونا
تو آمدہ کہ کافرے را بکشی	تو کافر کو قتل کرنے کے لیے آیا ہے
غازی چہ توئی رواست کافر بودن	تیرے غازی بنانے کے لیے میرا کافر ہونا درست ہے

خلیفہ کے بیٹے نے شیخ کے قدموں پر سر رکھا اور مرید ہو گیا۔

بعض کبراء العارفین قدس اسرارہم نے کہا ہے: "اہلِ توحید اور اہلِ حقیقت کے نزدیک یہ بات ہے کہ کامل وہ آدمی ہوتا ہے جو حق سبحانہ، کے جمال مطلق کو موجوداتِ حسی کے مظاہر میں آنکھ سے اس طرح مشاہدہ کرے جیسے کہ روحانی مظاہر میں بصیرت کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہے۔

يَشَاهِدُوْنَ بِالْبَصِيْرَةِ الْجَمَالَ الْمُطْلَقُ الْمَعْنَوِيَّ بِمَا يُعَايِنُوْنَ بِالْبَصَرِ الْحِسِّيِّ الْمُقَيَّدَ الصُّوْرِيَّ

(ترجمہ) نورِ بصیرت اور قوتِ مدرکہ کے ساتھ جمالِ مطلق غیر محسوس کا مشاہدہ کرتے ہیں جس طرح کہ وہ حسی نظر کے ساتھ مقید صورتوں کو دیکھتے ہیں۔ یعنی مطلق (اللہ تعالیٰ) کو "مقید" یعنی مخلوق میں اس طرح پر معلوم کرتے ہیں۔ جیسے مخلوقات کو آنکھ سے دیکھتے ہیں۔

اور حق سبحانہ، کا جمال با کمال دو اعتبار رکھتا ہے۔ ایک اطلاق کا کہ وہ جمال ذاتی کی حقیقت ہے۔ من حیث ہی ہی حیثیت سے کہ وہ ہے اور عارف اس جمال کو فنائی اللہ سبحانہ، میں مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یعنی جب تک اس کو، اللہ سبحانہ، میں فنا کا درجہ حاصل نہ ہو گا، اس وقت تک عارف کو اس قسم کا مشاہدہ حاصل نہ ہو گا اور دوسرا درجہ مقید کا ہے اور وہ

مظاہر حسیہ یا روحانیہ میں تنزل کے حکم سے حاصل ہوتا ہے۔ پس عارف اگر حسن دیکھتا ہے، تو ایسے دیکھتا ہے اور اس کو مراتب کونیہ میں اتر کر حق تعالیٰ کا جمال جانتا ہے اور غیر عارف جب اس کو اس طرح کی نظر نہ ہو، اس کو چاہیے کہ حسینوں کو نہ دیکھے تاکہ حیرت کے گڑھے میں نہ پڑا رہے اور اس بزرگ نے یہ بھی کہا ہے کہ اہل طریقت میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو مظاہر یعنی خوبصورت صورتوں کے عشق میں قید ہیں۔ جب سالک عدم ترقی کے درجے میں ہوتا ہے تو حجاب کے درمیان میں رہتا ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں نے اس سے پناہ مانگی ہے اور انہوں نے کہا ہے۔ نعوذ باللّٰہ من التنکّر بعد التعرّف ومن الحجاب بعد التجلّی ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں، اجنبی ہونے سے پہچان لینے کے بعد اور حجاب سے تجلّی ظاہر ہونے کے بعد[1]۔

اور اس حرکت حسّی کا تعلق باعتبار اس سالک کے ظاہر اور حسّی صورت سے جو صفت حُسن کے ساتھ موصوف ہے۔ آگے نہیں بڑھتا۔ اگرچہ شہود اور کشف مقید اس کو حاصل ہو۔ اس کے باوجود وہ اُسی حسنِ صورت میں مقید رہتا ہے اور ترقی نہیں کرتا اور اگر تعلق اور رغبت حسّی ایک صورت سے منقطع ہو جاتا ہے۔ تو دوسری صورت پر جو حسن سے آراستہ ہو متعلق ہو جاتا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کشاکش، اور کھینچا تانی میں پڑا رہتا ہے، صورت کا تعلق، اور صورت سے دل کا لگاؤ اور رغبت، محرومی فتنہ اور آفت کا دروازہ کھلنے اور اس کی رسوائی اور ناکامی کا سبب ہوگا اللہ عزّ وجلّ ہمیں اور تمام صالحین کو اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ اکابر کی جماعت کے ساتھ حُسن ظن و نیک گمان ہی نہیں، بلکہ سچا اعتقاد مثلاً شیخ احمد غزالی اور شیخ اوحدالدین کرمانی اور شیخ فخرالدین عراقی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ جو کہ مظاہری صوری حس کے حسن و جمال کے مطالعہ میں مشغول رہے ہیں۔ یہ ہے کہ یہ حضرات ان صورتوں میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے جمال مطلق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حسّی صورت میں مقید نہیں رہے ہیں اور اگر بعض اکابر کی طرف سے ان کی نسبت انکار واقع ہوا ہے۔ اس سے ان حضرات کا مقصود یہ ہوگا جو لوگ محجوب ہیں وہ اس کو اپنا دستور نہ بنالیں اور اپنے حال کا قیاس ان کے حال پر نہ کریں اور ہمیشہ خذلان اور ناکامی کے گڑھے میں نہ پڑے رہیں اور طبیعت کے سب سے نچلے حصّے میں نہ رہ جاویں۔ واللہ تعالیٰ اعلم باسرارہم۔

اور مثنوی وغیرہ میں ان کی لطیف نظمیں بھی ہیں جو کتاب "مصباح الارواح" کے آخیر میں کہتے ہیں۔

نظم

تا جنبش دست ہست مادام سایہ متحرک است ناکام	(۱)	جب تک ہاتھ ہلتا ہے لازمی طور پر اس کا سایہ بھی ہلتا رہتا ہے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، پہچاننے کے بعد نہ پہچاننے سے اور کوئی صورتوں کے حجاب سے حقیقت کے انکشاف کے بعد

چوں سایہ ز دست یافت سایہ	۲	جب سائے نے ہاتھ سے پونجی پائی
پس نیست اندر اصل سایہ		تو اصل میں سایہ کچھ چیز نہیں
چیزے کہ وجود اُو بخود نیست	۳	جس چیز کا وجود اپنے ساتھ نہیں ہے
ہستیش نہادن از خرد نیست		اس کے وجود کا خیال کرنا کہ یہ بھی کچھ ہے عقل کی بات نہیں۔
ہست ست و لیک ہست مطلق	۴	وجود ہے یعنی چیزیں ہیں، لیکن وہ وجود جو مطلق
نزدیک حکیم نیست جز حق		یعنی آزاد اور بے قید ہے عقل مند کے نزدیک سوائے حق تعالیٰ اور کوئی وجود نہیں
ہستی کہ بحق قوام دارد	۵	جس وجود کا قیام اور بقاء حق تعالیٰ پر معلق ہو یعنی اس کے ساتھ قائم ہو
او نیست و لیک نام دارد		وہ نیست ہے لیکن نام کا ہست ہے۔
بر نقش خود است فتنۂ نقاش	۶	اپنے نقش و نگار اور اپنے کمال پر نقاش کی فریفتگی ہے۔
کس نیست درایں میاں تو خوش باش		اس درمیان میں دوسرا اور کوئی بھی نہیں ہے۔
خود گفت حقیقت و خود اشنید	۷	حقیقت میں اس نے خود کہا اور خود سُنا
واں روی کہ خود نمود خود دید		اور جو شکل اس نے بنائی خود اس نے دیکھی۔
بس باد یقین کہ نیست واللہ	۸	پس یقین کی بات یہ ہے کہ اللہ کی قسم موجود حقیقی
موجود حقیقی سوائی اللہ		بس اللہ کی ذات ہے اور اللہ کے سوا حقیقت میں کوئی چیز موجود نہیں

۴۵۶ حضرت امیر سیّد قاسم تبریزی قدس اللہ سرہٗ

شروع میں شیخ صدر الدین اردبیلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ارادت رکھتے تھے۔ اس کے بعد شیخ صدر الدین علی یمنی جو شیخ اوحد الدین کرمانی قدس اللہ رحمہا کے مریدوں میں سے تھے۔ ان کی خدمت میں پہنچے اور ان کی نسبتِ ارادت کو میں نے ان کی بعض معتقدین کے خطوط میں دیکھا ہے۔ اس جگہ شیخ صدر الدین علی یمنی کا ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ صدر الدین اردبیلی کا نہیں اور سننے میں ایسا آیا ہے کہ حضرت سیّد قدس اللہ سرہٗ، شیخ صدر الدین علی یمنی کو بہت پسند کرتے تھے اور ان سے ارادت و عقیدت کا اظہار کرتے تھے اور مختصر یہ کہ ان کے اہلِ زمانہ سیّد موصوف کے قبول اور انکار کے بارہ میں دو گروہ ہیں، کچھ لوگ ان کو قبول کرتے ہیں اور کچھ لوگ قبول نہیں کرتے، بلکہ ان پر تکفیر کرتے ہیں اور ان کے وصال کے بعد ان کے دو نشان باقی رہ گئے ہیں۔ ایک ان کے اشعار کا دیوان جو حقائق اور ان کی باطنی کیفیات پر مشتمل ہے جس سے کشف اور عرفان کے انوار اور آثار ذوق اور وجدان ظاہر ہیں اور دوسری نشانی ان کی وہ جماعت ہے جو خود کو سیّد موصوف کی طرف منسوب کرتی ہے اور اپنے کو ان کے مریدوں میں شمار کرتی ہے۔

اِس فقیر یعنی (مولانا جامیؒ نے) اُن میں سے بعض کو دیکھا ہے اور بعض کے حالات کو سنا ہے۔ انہیں کے اکثر لوگ دینِ اسلام کے دائرہ سے خارج ہو گئے ہیں۔ اباحت اور شریعت اور سنت کے ساتھ تہاون کے دائرے میں داخل تھے ہو سکتا ہے۔ کہ اس کا منشا یہ ہو کہ سیّد موصوف قدس سرہٗ پر توحید کا مشرب غالب ہوا اور تمام کاموں میں مبتداء پر نظر رکھتے ہوں اور اعراض و اعتراض کی بساط کو لپیٹ کے رکھ دیا ہو۔ کرمِ ذاتی کے سبب جو ان کو حاصل تھا جو بھی فتوحات تحائف اور نذرانے انہیں ملتے وہ سب لنگر میں خرچ ہو جاتے اور نفس و خواہش والوں کا وہاں مطلب حاصل ہوتا ہو اور کوئی ان کو ان کی حرکات سے روکنے والا نہ ہو۔ اس لیے اہلِ طبیعت کی جماعت وہاں جمع ہو گئی ہو اور سیّد موصوف کے معارف میں سے کچھ باتیں سنی ہوں اور نفس و خواہش کی وجہ سے ان باتوں میں ان لوگوں نے اپنی طرف سے تصرّف کر دیا ہو اور ان کو نفس کی خواہشات میں مشغول ہوئے، اور خواہش کی مخالفت سے روگردانی کی تمہید بنالی ہو اور اباحت یعنی رخصتوں پر عمل کرنے اور شریعت اور سُنّت کے ساتھ تہاون کی وادی میں جائز سمجھا ہو۔ اور سیّد موصوف خود ان سب سے پاک ہوں۔ میں نے ان کے مریدوں میں ایک شخص کو دیکھا جو بوڑھا اور نورانی تھا۔ عبادات اور بندگی کے روزانہ کے فرائض پورے کرتا تھا۔ دوام ذکر یعنی ملکہ یادداشت اور آگاہی بھی رکھتا تھا۔ میں نے اس سے حال پوچھا تو اس نے کہا کہ میں ان سیّد موصوف کی خدمت میں دو دفعہ گیا ہوں۔ ایک دفعہ ہرات میں اور ایک دفعہ بلخ میں، دونوں مرتبہ جب میں ان کی خدمت میں کچھ دن رہ لیتا تو وہ فرماتے اپنے ملک چلا جا اور ان لوگوں میں نہ رہ کہ ان کی صحبت تجھے نقصان دے گی۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت سیّد ثمرقند میں تھے۔ میں ان سے ملا۔ وہ معرفت کی باتیں کرتے ہوئے صدیق اکبرؓ کے حوالے سے بہت باتیں سناتے تھے اور جس وقت وہ صدیق اکبرؓ کہتے تھے۔ بہت رقّت کرتے تھے۔ موٹے موٹے سفید آنسو ان کی آنکھ سے ٹپکتے تھے۔ مرید اور معتقد کہتے کہ اس وقت وہ ابوبکرؓ کے مقام میں ہیں اور ایک بزرگ جو ان کی خدمت میں گئے تھے کہتے تھے کہ میں نے ان کے ذاتی کرم میں ان کی مانند کسی اور بزرگ کو نہیں دیکھا کہ وہ اس صفت میں ان جیسا ہو۔

ایک آدمی خرجرُد جام کا رہنے والا جو قبول و انکار میں غالباً تعصب سے خالی تھا۔ دیکھا وہ ایسی ہی کرامات بیان کرتا تھا۔ جو ان حضرات کی ہوا کرتی ہیں۔ ایک اور بزرگ جس کی بات پر سب کو اعتبار ہے۔ وہ ایک قابلِ اعتماد مسافر کے حوالہ سے بیان کرتا تھا کہ ہم لوگ جام کے مزارِ مقدسہ سے طوس کے شہداء کے مزاراتِ مقدسہ علیٰ ساکنہ اَلسلامؑ کی زیارت کے قصد سے رات کے وقت سفر کر رہے تھے اور رات کا آخری حصّہ تھا ہم اس وقت میں چلے جا رہے تھے۔ خرجرُد کی طرف سے ہمیں ایک روشنی نظر آئی جو زمین سے اٹھ کر آسمان پر پہنچ رہی ہے۔ ہم لوگ حیرانی میں رہ گئے کہ کیا روشنی ہے؟ صبح ہونے سے قبل ہم لوگ رات کو ہی خرجرُد میں پہنچ گئے۔ دیکھا تو یہ روشنی حضرت سیّد قدس سرہٗ کے لنگر کی جانب میں ہے۔ جب لنگر میں آئے اور اُن کی

زیارت کا قصد کیا۔ ایسا مشاہدہ ہوا کہ وہ ایک نور ہے جو اس مقام سے چمکتا ہے۔ جہاں آپ کا مرقد منور ہے۔ بعض روایتوں سے ایسا سنا اور میں نے صحیح پایا اور معلوم کیا ہے اکہ ان کے مزار کی طرف توجہ کرنا پوری پوری جمعیت کا ذریعہ ہے۔ یعنی ان کے مزار پر توجہ کرنے سے قلب کو جمعیت تمام حاصل ہو جاتی ہے اور اس میں خیالات کا ہجوم بالکل نہیں رہتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور حضرت مخدومی خواجہ ناصر الدین عبیداللہ مداللہ تعالیٰ ظل لہٗ نے فرمایا کہ حضرت سید قاسمؒ نے حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاؤ الدین قدس اللہ سرہٗ کو ابیورد کے نواح میں دیکھا تھا اور ان کی صحبت بھی اختیار کی اور ان کے طریقہ کے معتقد تھے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے خود کو اس طریقہ پر رکھا ہوا تھا۔ دوسری بات حضرت خواجہ نے یہ فرمائی کہ حضرت سید قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میں جہاں پہنچتا ہوں مجذوبوں کے حال کے متعلق پوچھتا تھا اور اپنے آپ کو ان کے صحبت میں پہنچا دیتا تھا۔ لوگوں نے کہا یہاں ایک مجذوب ہے جسے مولانا جانی کہتے ہیں جب میں اس کے قریب گیا، تو میں نے اسے پہچان لیا، کیونکہ تحصیل علم کے زمانہ میں اس کو تبریز میں دیکھا تھا۔ میں نے اس سے کہا تجھے کیا ہوا۔ اس نے رومی زبان میں کہا؛ صبح کو جب میں اٹھتا تھا تو تفرقہ میں پڑا ہوا ہوتا تھا۔ ایک شخص مجھے اس طرف کھینچتا تھا اور ایک اس طرف۔ ایک صبح کو جو میں اٹھا تو مجھے ایک چیز نے پکڑ لیا جس کی وجہ سے میں سب چیزوں سے چھوٹ گیا۔ حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ یہ بات میں حضرت سید سے سُنی ہے اور جتنی دفعہ سنتا تھا وہ بدل جاتے تھے (یعنی ان کا حال غیر ہو جاتا تھا اور آپے میں نہ رہتے تھے) اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپکنے لگتے۔ معلوم ہوتا تھا۔ جس وقت وہ بات اس بزرگ نے فرمائی تھی۔ اس بات نے ان میں بہت اثر کیا تھا۔ اپنے رسائل میں سے کسی رسالہ میں لکھتے ہیں کہ ۷۷۹ھ کی تاریخ تھی کہ شہر ہرات میں نئی خانقاہ کے اندر مولانا ظہیر الدین خلوتیؒ کے جوار میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ صبح کے وقت دفعۃً مولانا اپنے خلوت سے روتے ہوئے باہر نکلے اور میری خلوت کی طرف آئے اور فریاد کرنے لگے کہ

از برائے خدا تعالیٰ بگو کہ می گوئید	خدارا مجھے بتا کہ وہ تو کہتا ہے نحن اقرب الیہ من حبل
نحن اقرب الیکم من حبل الورید	الورید ہم آدمی کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں

لیکن ساٹھ سال ہو گئے کہ وہ مجھے دوڑا رہے ہیں۔ مارا مارا پھرا رہے ہیں اور اب تک نہیں پہنچا ہوں۔ فقراء میں سے ایک درویش وہاں موجود تھا۔ اس نے کہا یہ تو ماوراءالنہر کے مجنوں کے قصّہ کی طرح ہے کہ وہ لوگوں کے گھر میں جاتا اور وہاں کچھ کھا لیتا۔ جب باہر نکلتا تھا لوگ اس سے پوچھتے کہ کچھ کھایا ہے، تو ان کی ملامت کرتا برا کہتا، اور کہتا وہاں کیا تھا۔ جسے میں کھاتا میں نے کچھ نہیں کھایا۔ ایک دن ایک امیر زادہ اس کو لے گیا اور ہر طرح کے کھانے کثیر مقدار میں اس کے سامنے رکھ دیئے جب دیوانہ اپنی مرضی کے مطابق کھا چکا۔ امیر زادہ نے تلوار کھینچی، پھر کہا کہ اور کھا دیوانہ تلوار کے ڈر سے جس قدر کھا سکتا تھا

کچھ اور کھایا اور پھر کہا اگر تو مار سکتا ہے تو مار ڈال، لیکن کھانے کی گنجائش نہیں رکھتا ہوں. جب دیوانہ باہر گیا. لوگوں نے اس سے پوچھا کچھ کھایا ہے؟ کہا کھانے بہت تھے زیادہ تھے اور قسم قسم کی نعمتیں موجود تھیں، مگر تلوار کے ڈر سے کون کوئی چیز کھاسکتا ہے اور ۸۳۰ھ کی کسی تاریخ میں ہرات کی جامع مسجد کے اندر بادشاہ وقت کو کسی نے زخمی کردیا. اس سلسلے میں معلوم ہوا کہ سیّد کے لنگرخانے میں وہ بند کیا ہوا تھا. بادشاہ نے اس گمان پر کہ شاید سیّد موصوف کو بھی اس معاملے میں کوئی علاقہ ہوگی ان کو ہرات سے نکال کر اپنی معذوری اور مجبوری ظاہر کی. تب وہ بلخ اور ثمرقند کی طرف چلے گئے. پھر وہاں سے لوٹے اور خرجُرد جام میں آکر رہنے لگے. آخر ۸۳۷ھ میں دنیا سے رحلت فرماگئے اور ان کی قبر بھی یہیں ہے.

۴۵۷ حضرت حکیم سنائی غزنوی رح قدس اللہ سرہٗ

ان کا نام مجدالدین بن آدم اور کنیت ابوالمجد ہے. وہ اور شیخ رضی الدین علی لالا کے والد آپس میں چچازاد بھائی تھے. گروہِ صوفیا کے بڑے شاعروں میں سے ہوتے اور یہ حضرات اپنی تصانیف میں ان کے کلام کو بطور دلیل کے لاتے ہیں." حدیقۃ الحقیقت" شعر میں ان کے کمال پر اہل ذوق اور اہل معرفت کے مواجید اور توحید کے بیان میں دلیل قاطع اور روشن برہان ہے. حکیم سنائی رح خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے مریدوں میں سے تھے. ان کی اور ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ سلطان محمود سبکتگین سردی کے موسم میں کفار کے بعض علاقے فتح کرنے کے لیے غزنی سے باہر نکل آیا اور سنائیؒ نے اس کی تعریف میں قصیدہ کہا. وہ اس لیے جارہا تھا کہ یہ قصیدہ بادشاہ کو پیش کرنے. اس حال میں سنائیؒ ایک بھٹی کے دروازہ پر پہنچا. وہاں پر مجذوبوں اور مجنونوں میں سے ایک مجذوب جو شریعت کے احکام کی پابندی سے آزاد ہوچکا تھا اور لائے خوار کے لقب سے مشہور تھا. اس لیے کہ وہ ہمیشہ لائے. یعنی شراب کی تلچھٹ پیتا رہتا تھا. وہی مجذوب بھٹی کے دروازہ پر موجود تھا. سنائی نے آواز سنی کہ وہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا کہ محمود سبکتگین کی قبر کے لیے پیالہ بھرتا کہ میں پیوں. ساقی نے کہا محمود غازی مرد ہے اور اسلام کا بادشاہ ہے. مجذوب نے کہا. وہ نہایت مکروہ اور ناپسندیدہ آدمی ہے جو علاقہ کہ اس کے زیرِ حکم آچکا ہے. اس پر تو وہ پوری طرح قابو نہیں رکھ سکتا یعنی اس کے نظام کو ٹھیک طور پر نہیں چلا سکتا اور دوسرے ملک پر قبضہ کرنے کے لیے جارہا ہے. اس مجذوب نے ایک پیالہ لیا اور پی گیا اور پھر کہا دوسرا پیالہ بھر. سنائیؒ شاعر کی قبر کے لیے ساقی نے کہا. سنائیؒ ایک فاضل اور لطیف الطبع آدمی ہے. کہاں اگر وہ لطیف الطبع آدمی ہوتا تو کسی کام میں مشغول ہوتا جو اس کے کام میں آتا. اُسنے کاغذ میں ایسی بکواس لکھی ہے جو اس کے کسی کام نہ آئے گی، اور وہ یہ نہیں جانتا کہ انہوں نے اسے کس کام کے لیے پیدا کیا ہے. سنائیؒ نے جب یہ سنا تو اس وقت اس کا حال بدل گیا اور لائے خوار کی تنبیہ کے باعث غفلت کی مستی سے ہشیار ہوا اور راہِ طریقت میں قدم رکھا اور سلوک میں مشغول ہوگیا. مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ کے کلام میں مذکور ہے کہ خواجہ حکیم سنائیؒ مرتے وقت بزبان کچھ کہہ رہے تھے. حاضرین میں سے کسی نے ان کے منہ پر کان رکھے، تو وہ یہ شعر پڑھ

رہے تھے ع

بازگشتم زانچہ گفتم زانکہ نیست	جو کچھ میں نے بے حقیقت باتیں کہیں اس سے میں نے رجوع کیا اور توبہ کی
در سخن معنی و در معنیٰ سخن	اس بنا پر کہ کلام میں معنیٰ ہے اور معنیٰ میں کلام۔

ایک درویش نے اس کو سُنا تو کہا عجیب حال ہے کہ شعر سے توبہ کے وقت بھی شعر ہی میں مشغول ہوئے۔ یعنی شعروں میں شعر گوئی سے توبہ کی، حکیم سنائیؒ ہمیشہ گوشہ نشین دنیا سے بے تعلق رہے اور دنیا داروں سے الگ رہے۔ ایک جاہ و جلال والے مرد کا ارادہ ہوا کہ ان کی خدمت میں حاضری دوں اور آپ کی زیارت کی غرض سے آپ کے پاس جاؤں۔ شیخ سنائیؒ نے اس کو ایک خط لکھا جو بہت سے لطائف پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ایک لطیفہ یہ تھا اس دعاگو کی خدمت کرنے والی عقل اور روح ہے، لیکن اس کی طبیعت اتنی کمزور ہے کہ خدمت گزاری کی طاقت اور اس سے عہدہ برآ ہونے کی قوت نہیں رکھتا۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا	بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہس نہس کر دیتے ہیں

چھوٹی سی بستی اور بے نشان گاؤں گردن کشوں اور مغروروں کے خیموں کی کہاں طاقت رکھے گا۔ اور جدائی کی ماری ہوئی اونٹنی جس نے دودھ بھی کم پیا ہو شیروں کے پنجے کا کیا مقابلہ کریگی ۔ باری عز اسمہٗ جانتا ہے کہ جتنی دفعہ آپ کے حشمت کا خیمہ اس زمین میں انہوں نے گاڑا صاحب خانہ آیا اور اس ضعیف گوشہ نشین کا سامانِ عافیت جنوں اور بھوتوں کے ویران خانوں میں لے گئے اور قناعت کا سامان خضر اور الیاس کے ساتھ رہا۔ اور تجھے اس بزرگی کی قسم جس کے ساتھ اللہ بڑے فضل والے نے دین و دنیا میں تجھے بزرگ اور بڑا بنایا ہے کہ اس گوشہ نشین کے گوشۂ دل کو اپنی تعریف کی جستجو اور خواہش میں خراب اور ویران نہ کر کہ اس بندہ کا جسمِ حقیر جناب جیسے خوش حال آدمی کے لائق نہیں ہے اور ان کے کہے ہوئے اشعار میں سے بعض اشعار یہ ہیں:۔

بس کہ شنیدی صفت روم و چیں	۱	روم اور چین کی صفات اور تعریفیں اور بہت سن چکے ہو۔
خیز و بیا ملک سنائی بہ بیں		اٹھ اور آکے سنائی کی بادشاہی دیکھ
تا ہمہ دل بینی بی حرص و بخل	۲	جب تو حرص اور بخل سے تمام دل کو پاک دیکھے۔
تا ہمہ جان بینی بی کبر و کین		جب تو تکبّر اور بغض اور عداوت سے جان کو پاک دیکھے۔
پای نہ چرخ بزیر قدم	۳	قدم رکھ اور آسمان تیرے قدم کے نیچے ہوگا۔
دست نہ ملک بزیر نگین		ہاتھ رکھ اور جہان تیرے تابع ہوگا
زر نہ و کان ملکے زیر دست	۴	سونا پاس نہیں، مگر ملک کی کانوں پر قبضہ ہے

جو نہ و اسپ فلکی زیرِ زیں		جو پاس نہیں ہے پھر بھی قسمت کا گھوڑا اس کے قدموں کے نیچے ہے
منہا ایں جہاں بر مثال مردار لیست	۵	یہ جہاں مردار کی مثال پر ہے
کرگساں اندرو ہزار ہزار		لاکھوں گدھ اس پر پڑے ہوئے ہیں۔
ایں مرآں راہمی زند مخلب	۶	یہ اس کو پنجے مارتا ہے۔
واں مریں راہمی زند منقار		وہ اس کو چونچ مار رہا ہے۔
آخر الامر بگذ رند ہمہ	۷	آخر میں یہ سب گزر جائیں گے اور کوئی نہ رہے گا۔
وز ہمہ باز ماند ایں مردار		اور یہ جہاں مردار سب سے آخیر میں باقی رہ جائے گا۔

نظم

باہمہ خلق جہان گرچہ ازاں	۸	سارے جہان کی مخلوق اگرچہ ان میں زیادہ گمراہ ہیں۔
بیشتر گمرہ و کمتر برہند		اور بہت کم ہیں جو نجات پائیں گے۔
تو چنان زی کہ بمیری برہی	۹	تو اس طرح زندگی گزار کہ مرے اور نجات
نہ چنان چوں تو بمیری برہند		پا جائے ایسا نہ مر کہ تو مرے اور لوگ تجھ سے نجات پالیں۔

حکیم سنائیؒ کا ایک قصیدہ وارئیہ ہے جس میں ایک سو استی سے زیادہ اشعار ہیں۔ اس کا نام "رَمُوْزُ الانبیا و کُنُوزُ الاولیاء" اس میں بہت سے معارف و حقائق و دقائق و لطائف درج کیے ہیں جس کے کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:۔

طلب ای عاشقانِ خوش رفتار	۱	اے تیز چال والے عاشقو معشوق کی تلاش میں دوڑو
طرب ای نیکواں شیریں کار		خوش رہو اے خوش قسمت اور میٹھے کام والو۔
تاکی از خانہ ہین رہ صحرا	۲	کب تک نرم گھر سے صحرا کا راستہ اختیار کرو گے
تاکہ از کعبہ ہیں در خمار		کب تک نرم کعبہ سے پردہ میں رہو گے
درجہاں شاہدے وما فارغ	۳	جہاں میں معشوق ہے اور ہم بے فکر اور چین سے بیٹھے ہیں
در قدح جرعۂ وما ہشیار		پیالہ میں ایک دفعہ پینے کی شراب ہے اور ہم ہوش والے ہیں
زیں سپس دست ما و دامن دوست	۴	اس وجہ سے ہمارا ہاتھ اور دوست کا دامن بہت پیچھے ہے۔
زیں سپس گوش ما و حلقۂ یار		اس وجہ سے ہمارا کان اور یار کی بالی بہت پیچھے ہے۔

اور حدیقۃ الحقیقت کے علاوہ حدیقہ کے وزن پر ان کی تین کتابیں مثنوی کے طرز پر ہیں لیکن مختصر ہیں اس کے چند اشعار یہ ہیں:

ای بہ پرواز بر پریدہ بلند	اے وہ آدمی جو بلند پرواز سے اڑ رہا ہے۔
خویشتن را رہا شمردہ ز بند	اور اس نے خود کو ڈھال سے نکلا ہوا جان لیا ہے۔
باز پرسوئے لا یجوز یجوز	پھر نہیں جائز ہے اور جائز ہے
رشتہ در دست صورتست ہنوز	صورتِ شریعت کے ہاتھ میں اس وقت بھی تو بندھا ہوا ہے[1]
تا ز تو در بند جسم و تالیفے	جب تک تو جسم کی قید میں اور ترکیب میں باقی ہے۔
تختۂ نقش و کلک تکلیفے	احکام تکلیف شرع کے قلم سے تیری تختی پر لکھے رہیں گے۔

حدیقہ کے پورا ہونے کی تاریخ جیسا کہ وہ نظم میں لائے ہیں، وہ ۵۲۵ھ ہے اور بعض نے ان کی وفات تاریخ وہی لکھی ہے

یہ بھی ان کے اشعار ہیں۔

ترجمہ رباعیات

دل ہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون	۱	پس پردہ حقیقت کیا ہے؟ اس کاوش میں کتنے ہی پتے پانی ہوئے
تا چیست حقیقت از پس پردہ دروں		اور کتنی ہی جانیں تلف ہوئیں اے وہ کہ تیرا عَلَم لے کر عقل ہفت افلاک
اے با علمت خرد دو گردوں دوں		کی خبر لاتی ہے۔ تجھی سے دونوں جہان آباد ہیں لیکن تو
از تو دو جہاں پُر و تو از ہر دو بروں		دونوں سے باہر ہے۔
قائم بخودی ازاں شب و روز مقیم	۲	تو اپنی خودی پر قائم ہے اس لئے دن رات ساکن ہے
بیمت ز سموم ست و امیدت بہ نسیم		تیرا خوف مسموم مرمر سے ہے تو امید بادِ نسیم ہے، پھر
با مانہ از آب و آتش باشد بیم		آب و آتش سے کوئی خطرہ نہیں، جب تو سایہ بن جائے
چوں سایہ شدی ترا چہ جیحوں چہ جحیم		تو تیرے لئے جیحون اور جہنم برابر ہیں
بر ہیں سریر سر سپاہ آمد عشق	۳	عشق امارت عساکر کے قلب کا صدر نشین ہے، عشق فلک

---

[1] یعنی فنا کی حقیقت کے پالینے کے بعد بھی اعمال صوری اور شریعت کی پابندیوں سے آزادی کا اعتقاد رکھنا الحاد اور بے دینی ہے، اس لیے کہ جب تک یہ جسم عنصری باقی ہے اور عقل و حواس قائم ہیں۔ اعمال صوری کی طرف رجوع کرنا امر و نہی جو یجوز اور لا یجوز کے ضمن میں شریعت کے احکام آتے ہیں، ان کی تعمیل کرنا ضروری ہے اور شریعت کی قیود و حدود سے آزاد اور بے قید ہونا بزرگی نہیں بلکہ حیوان پن ہے۔

بر میمِ ملکوک ملک ماہ آمد عشق
بر کافِ کمال کل کلاہ آمد عشق
با ایں ہمہ یک قدم ز راہ آمد عشق

قمر کی بادشاہت کی معراج ہے فی الجملہ عشق تمام عظمتوں کی دستار کا طرۂ امتیاز ہے بایں ہمہ مقدرت راہ (معرفت) میں عشق بس ایک قدم ہے،

۴
مردے کہ براہِ عشق جاں فرساید
باید کہ بدوں یار خود ننگر اید!!
عاشق براہِ عشق چناں می باید
کز دوزخ واز بہشت یادش ناید

عشق کی راہ میں جان گداز کرنے والے کو محبوب کے اور کوئی آرزو نہ کرنی چاہیئے، اس راہ میں عاشق کی رَوش ایسے خلوص کی متقاضی ہے کہ اسے جنت یا دوزخ کا خیال تک نہ آئے،

۵
اے نیست شدہ ذات تو در پردہ ہست
وے صومعہ ویراں کن و زنار پرست
مردانہ کنوں چو عاشقاں مے در دست
گرد در کفر گردد گرد سر مست

اے مدعی فنا تیرے باطن میں خودی باقی ہے، اے معبد کو غارت کرنے والے زنار پرست (کافر) اب مردانہ وار، رندوں کی طرح، جام بدست آستانہ کفر اور سرِ مست (پندار) کا طواف کر

۶
اے من بتو زندہ ہمچو مردم بنفس
در کار تو کردہ دین و دنیا بہوس
کرمت بنیم چوں بنگرم باہمہ کس
سر دی ہمہ از برائے من داری و بس

جس طرح تنفس لوگوں کی زندگی کا سبب ہے ایسے ہی تو میری زیست کا راز ہے، میں نے تیری راہ میں دین و دنیا کو تج دیا ہے، غیروں پر تیرا کرم ہی کرم ہے اور میرے لئے سرد مہری اور بس،

۷
در ہجر تو گر دلم گر آید بہ کسے
در بر ننگذارمش کہ سازد ہوسے
ور دیدہ نگہ کند بدیدار کسے
در سر ننگذارمش کہ ماند نفسے

فراق کے زمانے میں میرا دل اگر اور جانب مائل ہو تو میں اسے اپنے سینے میں نہ رہنے دوں کہ ہوس کی آماجگاہ بنے اگر نگاہ کسی اور پر پڑ جائے تو آنکھ کو پلک جھپکنے میں خانہ چشم سے نوچ کر پھینک دوں،

۸
چوں چہرۂ تو زکوئے ماشد پُر گرد
زنہار بہ ہیچ آبے آلودہ مگرد
اندر رہ عاشقی چناں باید مرد
کز دریا خشک آید و از دوزخ سرد

جب ہمارے کوچے کی خاک کا غازہ تیرے چہرے پر لگ جائے تو کبھی پانی سے اسے آلودہ نہ کرنا، راہِ عشق ایسی مردانگی کا طالب ہے کہ سمندر سے نکلے تو دامن تر نہ ہو دوزخ سے بر آمد ہو تو ٹھنڈا اٹھار!

اے عقل اگر چند شریفے دوں شو
وے دل ز دے بگر دو چوں خون شو
در پردہ آں نگار دیگہ گوں شو
بے چشم در آئے وبے زباں بیرون شو

۹ اے عقل اگرچہ تو نجیب ہے لیکن تو ادنیٰ بن جا۔ اے دل تو آرزو سے دستکش ہو کر حسرت کی تصویر بن جا۔ اس محبوب کے حریم میں داخل ہو کر دگرگوں ہو جا آنکھیں بند کر کے داخل ہو جا نکلے تو زبان گنگ ہو

اے عشق تیرا روح مقدس منزل
سودائے ترا عقل مجرد محمل
سیاح جہانِ معرفت یعنی دل
از دست غمت دست بسر پاے بگل

۱۰ اے عشق تیری منزل مقصود روح مطلقہ ہے، عقل مجرد تیرے خیال کا مرکب ہے تو دل جہان معرفت کا سیاح ہاتھ تیرے غم کے ہاتھوں بے بس ہیں

۵۸۴ شیخ فریدالدین عطّار نیشاپوری قدس اللہ تعالیٰ اروحہٗ

شیخ مجدالدین بغدادی کے مرید ہیں۔ اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ میں ایک دن امام مجدالدین بغدادی کی خدمت میں آیا۔ ان کو دیکھا کہ رو رہے ہیں۔ میں نے کہا خیر تو ہے کہا: واہ واہ اس اُمّت میں ان سپہ سالاروں کی ہے جو اس امت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مشابہ ہو گزرے ہیں" العلماءُ اُمّتِی کانبیاءِ بنی اِسرائیل" میں اس وجہ سے روتا ہوں کہ گذشتہ رات میں نے کہا تھا۔ خداوند تیرا کام علّت اور سبب پر موقوف نہیں، مجھے بھی اس جماعت میں سے بنا دے یا ان لوگوں کے دیکھنے والوں میں سے بنا دو۔ اس کے علاوہ تیسری قسم میں نہیں چاہتا اس پر روتا ہوں کہ دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں۔ بعضے لوگوں نے کہا کہ شیخ فریدالدین اویسی ہیں۔ کیونکہ مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ کے کلام میں مذکور ہے کہ نورِ منصور بعد از صد و پنجاہ سال بر روح فریدالدین عطار تجلّی کرد۔ ومربّی او شد۔

(ترجمہ) کہ منصور کا نور ایک سو پچاس سال کے بعد فریدالدین عطّار کی روح پر ظاہر ہوا۔ اور اس کا مربّی رہا۔ کہتے ہیں ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن شیخ عطّارؒ عطاری کی دوکان کے اندر تجارت میں منہمک اور مشغول تھے۔ ایک درویش ان کی دوکان پر پہنچا اور کئی دفعہ شیئاً للّٰہ کہا۔ انہوں نے درویش کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ تو درویش نے کہا۔ اے خواجہ تو کیسے مرے گا۔ انہوں نے کہا جیسے کہ تو مرے گا۔ درویش نے کہا تو میری طرح مر سکتا ہے؟ عطّار نے کہا ہاں۔ درویش کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا۔ اس نے اس کو سر کے نیچے رکھا اور کہا اللہ اور جان دے دی۔ عطّار کا حال بدل گیا۔ دوکان بند کی اور اس طریقہ میں آ گئے۔ کہتے ہیں۔ مولانا جلال الدین رومیؒ بلخ سے جاتے ہوئے نیشاپور پہنچے۔ اور ان کی صحبت میں اس وقت پہنچے جب کہ وہ بوڑھے ہو گئے تھے۔ شیخ فریدالدین نے مولانا کو کتاب "اسرار نامہ" دی۔ جس کو مولانا ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور

حقائق و معارف کے بیان میں مولانا رومیؒ اس کی اقتدا کرتے تھے۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں۔ گرد عطار گشت مولانا ؛ شربت از دست شمس بود ش دوش۔ (ترجمہ) عطار کے گرد گھوما یعنی اس کی صحبت میں رہا شمس کے ہاتھ سے اس نے شربت محبت نوش کیا اور عبادات میں حلاوت پائی اور مولانا رومیؒ دوسری جگہ پر فرماتے ہیں۔ عطار روح بود و سنائی دو چشم او : ما از پے سنائی و عطار آمدیم (ترجمہ) عطار روح تھی اور سنائی۔ اس کی دونوں آنکھیں ہم سنائی اور عطار کے پیچھے آئے اور جس قدر توحید کے راز اور حقائق اذواقؔ و مواجیدؔ ان کی مثنویات اور غزلیات میں ملتے ہیں۔ ایسے کسی اور کے کلام میں نہیں پاتے جاتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو طالبین اور مشاقین کی طرف سے بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے اور ان کے انفاس شریفہ میں سے ایک یہ ہے۔ ای روی درکشیدہ بہ بازار آمدہ۔ خلقی باین طلسم گرفتار آمدہ (ترجمہ) اے منہ چھپا کر بازار میں آنے والے مخلوق اس تماشہ میں قیدی بنی ہوئی ہے۔ اور یہ قصیدہ بیس سے زیادہ کا ہے جو لوگ اس کے اہل ہیں۔ انہوں نے اس کی بڑی اچھی شرح لکھی ہے اور اس شعر کی شرح میں یہ بھی لکھا ہے" یعنی اے وہ ذات جس نے اپنی ذات کو جو ظاہری وجود کا نور ہے تعینات اور صورتوں کے برقعہ میں چھپا کر ظہور کے بازار میں آگیا۔ لوگ اس صورت کے طلسمؔ پر جو اس مخفی خزانہ پر کھچا ہوا ہے۔ تعیناتؔ مختلفہ کی کثرت اور نشانات متباینہ کی وجہ سے دوری اور جدائی اور غفلت کے واسطے سے غیریت کے خیال میں گرفتار ہوگئے ہیں یا خود اس کے جمال انور کے عکس کی سرایت کے واسطے سے مظاہر یعنی قدرت کے ظاہر ہونے کی جگہ اور خوبصورت صورتوں کے برقعے میں عشق، محنت اور بلا میں گرفتار ہوگئے۔ معنیٰ کے عاشق ہوگئے اور بعض لوگ صورت کے عاشق

بیت

توئی معنیٰ و بیرون تو اسم است	تو حقیقت ہے اور تیرے علاوہ نام ہے۔
توئی گنج و ہمہ عالم طلسم است	تو خزانہ ہے اور سارا عالم تماشہ اور فریب نظر ہے۔

اور صورت کے عشاق اپنے وہم و خیال کے ساتھ معشوق سے دور جا پڑے ہیں، وہ نہیں جانتے ہیں کہ عاشق کون ہے اور ان کا دلربا کون۔

میل خلق جملہ عالم تا ابد	سارے جہاں کی مخلوق کی رغبت اگر وہ تجھے پہچان لیں۔
گر شناسندت وگرنہ سوئے تست	یقیناً تیری طرف ہے۔

لے طلسم۔ تماشہ، جادو اور اس شکل کو کہتے ہیں جو دیکھنے والے کو عجیب و غریب نظر آوے۔

ٹے کسی پر کسی چیز کو لازم کرنا۔ کسی چیز کا مخصوص ہونا مراد مخلوقات کی مخصوص صورتیں ہیں۔

اور اسی طریقے پر پورے قصیدہ کی شرح کی ہے، لیکن اختصار کی وجہ سے اسی پر اکتفا کیا گیا ہے اور حضرت شیخ نے ۶۲۷ھ کی تاریخ میں تاتاری کافروں کے ہاتھ سے شہادت پائی اور ان کی عمر وصال کہتے ہیں۔ اس وقت ایک سو چودہ برس تھی۔ ان کی قبر نیشاپور میں ہے۔ ان پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں۔ آمین

۵۹ شیخ شرف الدین مصلح بن عبداللہ السعدی شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی شوال ۶۹۱ھ

بڑے فاضل صوفیوں میں سے تھے شیخ ابو عبداللہ خفیف قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کی خانقاہ شریفہ میں مجاور رہے۔ علوم سے پورا حصہ اور آداب سے کامل نصیب رکھتے تھے۔ بہت سفر کیے، کئی ولایتوں میں پھر سے بارہا حج کے سفر پیدل کیے۔ سومنات کے بت خانہ میں بھی گئے اور ہندوؤں کے بڑے بُت کو توڑ دیا۔ بہت سے مشائخ کبار کو پایا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی صحبت میں رہے ہیں اور ان کے ساتھ ایک کشتی میں دریا کا سفر کیا۔ کہتے ہیں کہ وہ بیت المقدس میں بھی گئے اور شام کے ملک میں عرصہ دراز تک سقے کا کام کرتے رہے، لوگوں کو پانی پلاتے رہے۔ یہاں تک کہ خضر علیہ السّلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ان کو اپنی مہربانیوں اور عنایات کے شیریں پانی سے سیراب کیا۔ ایک دفعہ اکابر سادات اور شرفا میں سے کسی نے ان سے تلخ کلامی کی تو اس نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ اس کو عتابؔ[1] کر رہے ہیں اور اس سے ناراض ہو رہے ہیں جب وہ بیدار ہوا تو شیخ کے پاس آیا اور معافی چاہی اور انہیں راضی کرنے کی کوشش کی اور ان کی خوشنودی چاہی مشائخ میں سے ایک شیخ سعدی کا منکر تھا۔ ایک رات اس نے خواب میں اسطرح دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہیں فرشتے نور کے طباق لے کر اتر رہے ہیں، اس نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ یہ طبّاق سعدی شیرازی کے واسطے لا رہے ہیں، کیونکہ اس نے ایک ایسا شعر کہا ہے جو حق سبحانہٗ کو پسند آیا ہے اور وہ یہ ہے ؎

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار	سبز درختوں کے پتے عقل و ہوش والے کی نظر
ہر ورقی دفتر یست معرفتِ کردگار	میں ہر پتہ خدا تعالیٰ کی معرفت کا دفتر ہے۔

جب وہ خواب سے بیدار ہوا تو اسی رات کو ہی شیخ سعدی کے خلوت خانہ کے دروازے پر گیا، تاکہ ان کو اس کی بشارت دے جو اس نے خواب میں دیکھا۔ اس شخص نے وہاں جاکر دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور سعدی اندر بیٹھے ہوئے خوش آوازی سے کوئی شعر پڑھ رہے ہیں، جب میں نے کان لگا کر سُنا تو وہی شعر پڑھ رہے تھے جو ملائکہ نے مجھے سنایا تھا۔ ماہِ شوال

---

[1] عتاب کے معنی غصہ، ڈانٹ ملامت کرنا خفا ہونا، یعنی حضور علیہ السّلام اس سید کو ڈانٹ رہے تھے جس نے سعدی کی بے ادبی کی تھی۔

کی شب جمعہ ۶۹۱ھ میں دنیا سے شیخ سعدی نے رحلت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

شیخ فخر الدین ابراہیم المشتہر بالعراقی قدس اللہ تعالیٰ روحہ ۶۸۴ کتاب "لمعات" کے مصنف ہیں اور ان کے شعروں کا دیوان مشہور ہے۔ ہمدان کے گرد و نواح میں رہتے تھے۔ چھوٹی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ ایسا قرآن پڑھتے تھے کہ ہمدان والے اُن کی آواز پر عاشق اور فریفتہ تھے۔ اس کے بعد علوم کی تحصیل میں مشغولیت اختیار کی، چنانچہ لوگ کہتے ہیں، سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مشہور مدارس میں سے کسی مدرسہ میں پڑھانے اور طلبہ کو تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے۔ ایک دن قلندروں[1] کی جماعت ہمدان میں پہنچی اور ان کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا تھا اور چونکہ عراقی طریقہ پر عشق غالب تھا۔ جب انہوں نے اس لڑکے کو دیکھا گرفتار ہو گئے۔ جب تک وہ لوگ ہمدان میں رہے عراقی ان کے ساتھ رہے۔ جب ان لوگوں نے ہمدان سے سفر کیا اور کچھ دن گزر گئے، تو عراقی بے بس ہو گئے اور ان کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ جب ان کے پاس پہنچے، تو ان کا رنگ اختیار کیا اور ان کے ساتھ ہندوستان میں آئے اور شہر ملتان میں شیخ بہاؤالدین[2] ذکریاؒ کی خدمت میں پہنچے۔ جب شیخ نے ان کو خلوت میں بٹھایا اور ان کے چلّہ سے دس دن گزر گئے، تو ان کو وجد آیا اور ان پر حال کا غلبہ ہوا تو یہ غزل کہی

نخستین بادہ کاندر جام کردند	پہلے انہوں نے جام میں شراب ڈال دی
ز چشم مست ساقی دام کردند	پھر انہوں نے ساقی کی چشم مست سے پھندا ڈال کر جال میں پھانس لیا۔

اور اس کو اونچی آواز سے پڑھتے تھے اور روتے تھے۔ جب خانقاہ والوں نے یہ دیکھا، تو اس کو شیخ کے طریقہ کے مخالف جانا، چونکہ خلوت میں ان کا طریقہ بجز ذکر میں مشغول ہونے یا مراقبہ میں مشغول رہنے کا ہوتا تھا۔ دوسرا اور کوئی نہ ہوتا تھا۔ عراقی کے شعر میں مشغولی کو شیخ کے کان میں پہنچایا گیا۔ شیخ نے فرمایا تمہارے لیے اس قسم کا شغل منع ہے اور ان کے لیے منع نہیں۔ جب کئی دن گزر گئے، تو شیخ کے مقربین میں سے کسی کا شراب خانہ سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ اس نے سُنا کہ شرابی لوگ اس شعر کو چنگ یعنی ساز و باجا کے ساتھ پڑھ رہے ہیں۔ وہ شخص شیخ کے پاس آیا اور صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ آئندہ آپ حاکم ہیں جو حکم فرمائیں

---

[1] قلندر کے لغوی معنی کندہ نا تراش
فقیروں کی ایک قسم ہے جو قلندر کہلاتی ہے یا قلندریہ کہلاتی ہے۔
عوام کی اصطلاح میں مردِ باخدا کو قلندر کہتے ہیں جو تارکِ دنیا ہو۔

[2] مولانا شیخ بہاؤالدینؒ ملتان کے تھے۔

یشخ نے اس سے سوال کیا کہ تو نے کیا سُنا ہے پھر کہہ. جب وہ اس بیت پر پہنچا.

بیت

چوں خود کردند راز خویشتن فاش	جب خود ہی انہوں نے اپنا راز فاش کرایا
عراقی را چرا بدنام کردند	تو عراقی کو کیوں بدنام کیا.

یشخ نے کہا ان کا کام تکمیل کو پہنچ چکا ہے. یشخ عراقی کے خلوت کے دروازے پر آئے اور کہا ؎

عراقی اکنوں مناجات در خرابات می کنی	عراقی اب تو تُو شراب خانہ میں مناجات کرتا ہے
برخیز بیروں آئی بیروں آمد	اٹھ اور باہر آ. وہ باہر آئے.

وسر در قدم یشخ نہاد. یشخ بدست مبارک خود سرِ اُورا از خاک بر داشت و دیگر وی را در خلوت نگذاشت. وخرقہ از تن مبارک خود کشید. و در وی پوشانید و بعد از آں فرزندِ خود را بعقدِ نکاح وی در آورد. و وی را از فرزند یشخ پسری آمد وی را کبیر الدین لقب کردند. لبست و پنج سال در خدمت یشخ بود. چوں یشخ را وفات نزدیک رسید وی را بخواند و خلیفۂ خود ساخت. و بجوارِ رحمتِ حق پیوست. (ترجمہ) اور یشخ کے قدموں میں سر رکھ دیا. یشخ نے اپنے دست مبارک سے سر کو زمین سے اٹھایا اور اس کے بعد ان کو خلوت خانہ میں نہ چھوڑا، اور اپنے بدن مبارک سے خرقہ اتارا اور ان کو پہنا دیا اور اس کے بعد اپنی صاجزادی کو ان کے نکاح میں دے دیا اور یشخ کی صاجزادی سے عراقی کا ایک لڑکا پیدا ہوا. جس کو کبیر الدین کا لقب دیا. پچیس سال یشخ کی خدمت میں رہے. جب یشخ کی وفات کا وقت قریب آیا. انہوں نے انہیں بلایا اور اپنا جانشین بنایا. اس کے بعد یشخ حق تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں جا پہنچے. جب دوسرے مریدوں نے ان پر یشخ کی خاص توجہ دیکھی تو ان میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی. بادشاہِ وقت کو بات پہنچائی کہ ان کے اکثر اوقات شعر میں گزر جاتے ہیں اور ان کے پاس خوبصورت جوان رہتے ہیں. یشخ کی خلافت کا وہ مستحق نہیں ہے. جب یشخ عراقی کو یہ معلوم ہوا تو حرمین شریفین زَادَھُمَا اللہ مشرفاً کی زیارت کا قصد کیا اور زیارت سے فارغ ہو کر روم کی جانب چلے گئے. یشخ صدر الدین قونیوی قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان سے تربیت پائی اور ان کی ایک جماعت فصوص پڑھتی تھی، اس کی سماعت کرتے رہے اور سماعت کے دوران لمعات کو لکھا. جب وہ پوری کر لی تو یشخ کو ملاحظہ کے لیے پیش کی. یشخ نے اس کو پسند فرمایا اور اس کی تحسین و تعریف کی، اور فرمایا اچھی کتاب ہے. امراءِ روم میں سے معین الدین پروانہ یشخ عراقی کا مرید و معتقد تھا. اس نے یشخ کے واسطے توقات میں ایک خانقاہ بنوادی اور روزانہ یشخ کی خدمت میں آیا کرتا تھا. ایک دن یشخ کی خدمت میں آیا اور بہت سونا ساتھ لایا اور پوری نیازمندی کے ساتھ یشخ سے کہا. یشخ ہمیں کوئی کام نہیں فرماتے اور کوئی توجہ نہیں فرماتے.

شیخ مسکرائے اور فرمایا کہ اے امیر ہمیں سونے کے ساتھ خریدا نہیں جا سکتا اور کسی کو بھیج اور حسن قوّال کو ہمارے پاس پہنچاوے
حسن قوال جمال میں دلپذیر اور حُسن صوت میں بے نظیر تھا اور بہت لوگ اس کی محبت میں گرفتار اور حضور وغیبت میں اس
کو جاننے والے تھے۔ جب امیر نے شیخ کے دلی لگاؤ کو معلوم کیا۔ اسی وقت اسکی طلب میں بلانے کے لیے ... پیادے بھیجے۔ وہ لوگ
عاشقوں کے شور وغُل اور ان کی مزاحمت کے دور ہو جانے کے بعد اس قوال کو لے کر حاضر ہوئے۔ شیخ نے امیر اور تمام اکابر کے
ساتھ اس کا استقبال کیا۔ جب وہ قریب پہنچے۔ شیخ نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور بغل گیر ہو گئے۔ اسی وقت شربت منگوایا۔
اس کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنے ہاتھ سے شربت دیا۔ وہ لوگ وہاں سے شیخ کی خانقاہ میں چلے گئے اور مجلسیں کیں اور سماع
کیے اور حضرت شیخ نے اسی دوران غزلیں کہیں۔ ان غزلوں میں ایک بیت یہ ہے ؎

ساز طرب عشق کہ داند کہ چہ ساز است	عشق کی خوشی اور مستی کا ساز کون جانتا ہے کہ وہ کیا ساز ہے۔
کز زخمۂ او نہ فلک اندر تگ و تاز است	کہ اس ستار کی ضرب سے تو آسمان جھوم رہے ہیں۔

اور کچھ مدت کے بعد حسن قوّال نے اجازت چاہی اور اپنے مقام میں چلا گیا۔ کہتے ہیں ایک دن امیر معین الدین میدان کی
طرف سے گزر رہا تھا۔ دیکھا کہ شیخ گیند کا بلّا ہاتھ میں لیے بچوں میں کھڑے ہیں۔ امیر نے شیخ کو کہا ہم کس طرف جائیں۔ شیخ
نے کہا اس طرف سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ امیر وہاں سے چلا گیا۔ جب امیر معین الدین نے وفات پائی۔ شیخ روم سے مصر چلے گئے
اور مصر کے سلطان سے ان کو ملاقات کا موقع ملا۔ سلطان ان کا مرید اور معتقد ہو گیا اور ان کو مصر کا شیخ الشیوخ بنا دیا، لیکن
شیخ بے تکلف بازاروں میں گھومتے تھے اور ہنگاموں جہاں بھیڑ ہوتی تھی۔ اس کے گرد پھرتے رہتے تھے۔ ایک دن موچیوں کے
بازار سے گزر ہوا۔ ایک موچی کے لڑکے پر ان کی نظر پڑ گئی۔ اس پر شیفتہ ہو گئے۔ اس کے پاس گئے سلام کیا اور موچی سے کہا کہ
یہ کس کا لڑکا ہے۔ اس نے کہا میرا لڑکا ہے۔ شیخ نے لڑکے کے لبوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا بھلا یہ ظلم نہیں کہ اس طرح کے ہونٹ
اور دانت گدھے کے چمڑے پر لگیں۔ موچی نے کہا ہم غریب آدمی ہیں اور ہمارا یہ پیشہ ہے۔ اگر گدھے کا چمڑا دانتوں سے نہ پکڑے
تو روٹی نہ پائے۔ اس لیے چمڑے کو دانتوں سے پکڑتا ہے۔ شیخ نے پوچھا ہر روز کتنے کا کام کرتا ہے۔ اس نے کہا ہر روز چار درہم کا۔
شیخ نے کہا ہر روز آٹھ درہم دیا کروں گا۔ آئندہ یہ کام نہ کرے۔ شیخ روزانہ جاتے، اپنے مریدین کے ساتھ موچی کی دوکان پر بیٹھ جاتے
اور بے فکری سے اس کی شکل دیکھتے رہتے اور اشعار پڑھتے رہتے اور روتے رہتے۔ مخالفوں نے یہ قصہ بادشاہ کو پہنچا دیا۔ اس
نے اس سے سوال کیا کہ اس لڑکے کو رات میں یا دن میں اپنے ساتھ لے جاتا ہے یا نہیں، انہوں نے کہا نہیں۔ دوات قلم منگایا اور
لکھا کہ شیخ فخر الدین عراقی کے خادموں کے وظیفہ میں پانچ دینار یومیہ کا اضافہ کر دیں۔ دوسرے دن شیخ کو سلطان سے ملاقات
کا اتفاق ہوا۔ سلطان نے کہا۔ میرے کانوں میں یہ بات پڑی ہے کہ شیخ کی نظر ایک موچی کے لڑکے پر پڑ گئی ہے۔ حقیر رقم شیخ کے

ع اس نے کہا کہ دوکان میں اس کے ساتھ تنہائی میں رہتا ہے انہوں نے کہا نہیں

خرچ کے لیے مقرر کردی گئی ہے۔ اگر شیخ چاہیں تو اس لڑکے کو خانقاہ میں لے جائیں۔ شیخ نے کہا۔

مارا منقاد او می باید بود برو ی حکم نتوانیم کرد۔ ہمیں اس کا فرماں بردار اور تابع دار رہنا چاہیے۔ اس پر ہم کوئی حکم نہیں چلا سکتے۔

اس کے بعد شیخ نے مصر سے شام جانے کا ارادہ فرمالیا۔ سلطانِ مصر نے شام کے ملک الامراء کو لکھا۔

باجملہ علماء و مشائخ و اکابر استقبال کنند سب علماء و مشائخ اور اکابر کے ساتھ شیخ کا استقبال کریں۔

جب ان لوگوں نے استقبال کیا، تو ملک الامراء کا ایک بیٹا بہت ہی حسین تھا۔ جب شیخ کی نظر اس پر پڑی تو بے اختیار اس کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ ملک الامراء نے بھی بیٹے کی موافقت کی اور شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا؎۔ اس واقعہ کو دیکھ کر اہلِ دمشق کے دل میں شیخ کی بزرگی کے متعلق بے اعتقادی پیدا ہوگئی، لیکن وہ لوگ بولنے کی قوت نہ رکھتے تھے۔ کیونکہ بادشاہ کے پیر تھے خطرہ تھا کہ نقصان نہ اٹھائیں۔ جب شیخ نے دمشق میں قیام کیا اور چھ ماہ گزر گئے۔ تو ان کا صاحبزادہ کبیر الدین ملتان سے آگئے اور مدت تک والد کی خدمت میں رہے۔ اس کے بعد شیخ بیمار ہوگئے۔ وفات کے دن صاحبزادہ کو مریدین کے ساتھ بلایا۔ وصیتیں فرمائیں اور رخصت کیا، اور یہ رباعی کہی۔

در سابقہ چوں قرارِ عالم دادند	اللہ نے ازل میں جب عالم کی تجویز فرمائی۔
ما نا کہ نہ بر مرادِ آدم دادند	اور اس کے بنانے کا فیصلہ فرمایا، تو یقیناً وہ آدمی کے دلی مقصد اور اس کی مرضی پر تجویز نہیں فرمایا۔
زاں قاعدہ و قرار کان روز افتاد	اس قانون اور تجویز سے جو اُس دن میں طے پائی۔
نہ بیش بکس و قسمت و نہ کم دادند	نہ تو اس تقسیم سے کسی کو زیادہ دیں گے اور نہ کم۔

۸ ذی قعدہ ۶۸۸ھ میں دنیا سے رخصت ہوگئے اور ان کی قبر شیخ محی الدین بن عربیؒ کے مرقد کے پیچھے صالحیہ میں (دمشق میں) ہے۔ اور ان کے فرزند کبیر الدینؒ کی قبر ان کی قبر کے پہلو میں ہے۔

۱۸۱۴ حضرت امیر حسینی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۶ شوال ۷۱۸ھ

حسین بن عالم بن ابی الحسین نام ہے۔ غور کے قرب و جوار میں کزیو ایک گاؤں کا نام ہے۔ اس کے رہنے والے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں عالم تھے۔ ان کی کتاب "کنز الرموز" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امیر موصوف شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کے بے واسطہ مرید ہیں اور لوگوں میں یہی مشہور ہے لیکن کتابوں میں ایسا لکھا ہوا پایا ہے کہ وہ شیخ رکن الدین ابوالفتح کے مرید تھے اور وہ اپنے والد شیخ صدر الدین کے مرید تھے اور وہ اپنے والد شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس اللہ سرہٗ کے مرید تھے اور ان کی بہت سی تصنیفات ہیں بعض نظم

؎ اور اس لڑکے نے بھی شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔

میں ہیں جیسے کتاب" کنز الرموز" اور" زاد المسافرین" اور بعض نثر میں ہیں جیسے کتاب" نزہتہ الارواح" اور" روح الارواح" اور" صراطِ مستقیم" اور ان کے اشعار کا ایک دیوان ہے۔ بہت لطیف اور نظم میں سوالات ہیں جس کا شیخ محمود جبستری نے جواب دیا۔ اور کتاب گلشنِ راز انہیں کی تصنیف ہے اور کہتے ہیں ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن شکار کے لیے باہر نکلے ہوتے تھے۔ ان کے سامنے ہرن آگیا اور چاہا کہ اس پر تیر پھینکیں، ہرن نے ان کو دیکھا اور کہا، حسینی تیر برمامی زنی۔ خدائے تعالیٰ ترا برائے معرفت وبندگی خود آفریدہ است۔ نہ از برائے ایں وغیب شد (ترجمہ) حسینی ہم پر تیر چلاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تجھے معرفت اور اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے نہ اس کام کے لیے یہ کہا اور غیب ہو گیا۔ ان کی طبیعت سے طلب کی آگ کا شعلہ نمودار ہوا اور جو کچھ اپنے پاس رکھتے تھے۔ اس سے باہر آئے اور کمبل پوش قلندروں کی جماعت کے ساتھ ہو لیے اور ملتان آگئے۔ شیخ رکن الدین نے اس جماعت کی ضیافت کی اور جب رات ہوئی تو انہوں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ فرزندِ مرا از میانِ ایں جماعت بیرون آور و بکار مشغول کن۔

(ترجمہ) میرے بیٹے کو اس جماعت میں سے نکال اور کام میں لگا دے

دوسرے دن شیخ رکن الدین نے ان سے کہا، تمہارے درمیان میں سیّد کون ہے۔ انہوں نے امیر حسینی کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے ان کے درمیان سے ان کو نکال لیا۔ اور ان کی ایسی تربیت کی کہ وہ مقاماتِ عَلیّہ تک پہنچ گئے۔ پھر خراسان میں واپس جانے کی اجازت دی۔ وہ ہرات آئے تو تمام اہلِ ہرات ان کے مرید اور معتقد ہو گئے، اور ۱۶ شوال ۷۱۸ھ میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی قبر حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضؓ کے گنبد کے باہر مفرح ہرات میں ہے۔

۶۲۴ **حضرت شیخ اوحد الدین اصفہانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ** شیخ اوحد الدین کرمانی قدس اللہ سرہٗ کے مریدوں میں سے تھے چنانچہ یہ نسبت اس سے بنائی گئی۔ جو آگلی نظم میں آئے گی اور ان کے اشعار کا دیوان لطافت اور شیرینی میں کمال رکھتا ہے اور اس میں ایسے بند ہیں جو حقائق و معارف پر مشتمل ہیں اور ایک مثنوی شیخ سنائیؒ کی کتاب" حدیقہ" کے وزن اور طرز پر ہے۔ اس کا نام" جامِ جم" ہے۔ اس میں بہت سے لطائف درج کیے ہیں۔ اس مثنوی کے اشعار میں سے یہ اشعار ہیں۔

اوحدی شصت سال سختی دید	۱	اوحدی نے ساٹھ سال سختی دیکھی۔
تا شبی روی نیک بختی دید		یہاں تک ایک رات خوش نصیبی دیکھی۔
سر گفتار ما مجازی نیست	۲	ہماری گفتار مجازی نہیں۔
باز کن دیدہ کین ببازی نیست		آنکھ کھول کہ یہ کھیل نہیں ہے۔

سالہا چوں فلک بسر گشتم ۳ میں نے برسوں آسمان کی طرح گردش کی

تا فلک دار دیدہ ور گشتم پھر فلک دار کو دیکھنے والے کے قابل ہوا

بر سرہای چلہ داشتم ۴ میں نے پاؤں پر چلہ رکھا ہے۔

چوں نہ از بہر زلہ داشتہ ام کیونکہ جھینگر کے شکار کے واسطے تو میں نے نہیں رکھا ہے۔

از بروں درمیان باز ارم ۵ ظاہر میں اگرچہ بازار میں ہوں۔

وز درون خلوتیست با یارم لیکن باطن کے اعتبار سے میں اپنے یار کے ساتھ خلوت میں ہوں۔

کس نہ بیند جمال سلوتِ من ۶ کوئی شخص نہیں دیکھتا ہے۔ میری بے فکری کی خوبی کو۔

راہ نہ دارد کسی بخلوت من میری خلوت میں آنے کی راہ کسی کو نصیب نہیں۔

تا دلِ من بدوست پیوست ۷ جب سے میرا دل دوست سے ملا ہے میرے

سو رہا گرد سر من بست است قلب کے گرد دیواریں قائم ہو گئیں۔

اور حکیم سنائی رح کے قصیدہ رائیہ کا انہوں نے اچھا جواب لکھا ہے۔ اس کے اشعار ایک سو ساٹھ ہوں گے۔ ان کا شروع یہ ہے۔

سہ پیوند ماندار دیار ۱ ہمارے تعلق کا یار خیال نہیں رکھتا۔

چوں تو اں شد ز بخت برخوردار تو نصیبہ سے کیونکر خوش ہو۔

کار ما با یکی است درہمہ شہر ۲ ہمارا کام تمام شہر میں ایک کے ہاتھ ہے۔

وآن یکی تن نمی دید درکار اور وہ ایک ہمیں کام کا موقع نہیں دیتا۔

ہمدمی نیست باکہ گویم راز ۳ کوئی ہمدم نہیں راز کس سے کہوں۔

محرمی نیست تا بنالم زار کوئی محرم نہیں کس کے آگے روؤں

در خردشم ز صیت آن معشوق ۴ اس معشوق کے ذکرِ خیر کی وجہ سے رو تا رہتا ہوں۔

در سماعم ز صوت آن مزمار اور اس کی آواز کے گیت یا اس کی بانسری کی آواز کے سننے میں مصروف ہوں۔

رجمہ کو ختم کرنے کی تاریخ میں یہ شعر کہے ہیں۔

چوں ز تاریخ بر گرفتم فال ۱ میں نے تاریخ سے فال نکالی تو

ہفت صد رفتہ بود وسی سال ۷۳۳ سال ہوئی۔

گرمن ایں نامہ ہمایوں فر	۲	جب میں نے یہ مبارک اور نورانی خط پر
عقد کردم بنام ایں سرور		اس سرور کے نام سے گرہ لگائی۔
چوں بسالے تمام شد بدرش	۳	جب ایک سال اس کے در پر پورا ہو گیا۔
ختم کردم بلیلۃ القدرش		تو میں نے اس کو لیلۃ القدر میں ختم کر دیا۔

ان کی قبر مراغہ[1] آشیانہ تبریز میں ہے اور ان کی تاریخ وصال ۸۳۰ھ لکھی ہے۔

۶۴۳ حضرت افضل الدین بدیل الحقائق الخاقانی رح

اگرچہ فلکی شاعر کے شاگرد ہیں۔ لیکن شعر گوئی میں پوری شہرت پائی۔ لیکن ایسا کہتے ہیں۔ شعر گوئی میں ان کا طرز نرالا ہے، اور کوئی دوسرے شاعر اس کے مقابلہ میں کم ہوتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت مولوی رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

شعر چہ باشد برم تا کہ زنم لاف ازو	شعر کیا کوئی پھل ہے کہ میں اس کے باعث ڈھینگیں ماروں۔
ہست مرا فن دگر غیر فنونِ شعراء	میرے لیے دوسرا ہنر ہے۔ شعراء کے ہنر اور فن کے علاوہ۔

اور افضل الدین کا کلام اس معنیٰ پر شاہد ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔

صورتِ من ہمہ او شد صفت من ہمہ او	۱	میری تمام صورت اس کی ہوگئی اور میری ساری صفت اس کی
لاجرم کس من و من نشنود اندر سخنم		یقیناً میرے کلام میں کوئی شخص میں اور میں نہ سنے گا۔
ترنم ہیچ دری تام نگویند آں کیست	۲	اور جب اچھی طرح دروازہ کو پیٹتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کون ہے۔
چونکہ بگویند مرا باید گفتن کہ منم		جب وہ مجھے کہتے ہیں تو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ میں ہوں۔
حلقہ یافتم دو عالم را	۳	میں نے دونوں جہانوں کو گول دائرہ کی طرح پایا۔
دل دراں حلقہ چوں نگیں دیدم		دل کو اس دائرہ میں نگینے کی مانند دیکھا

اور ایک مقام پر کہتے ہیں ؎

عشقِ بلیفشرد پا بر نمط کبریا	عشق کے اندر سے ایسی تاب و طاقت نکلتی ہے کہ کبریا کے رنگین فرش پر پہنچتا ہوں
برو بدست نخست ہستی ما را زما	پہلے وہ ہماری ہستی کو ہم سے لے لیتا ہے۔
ما و شما را بہ نقد بے خودی درخورست	ہمارے اور تمہارے لیے بے خودی کے عوض لے لیتا ہوں

---

[1] مراغہ کہتے ہیں جانوروں کا اپنے آشیانوں میں واپس لوٹنا۔

زانکہ نگنجد درو زحمت ماو شما — کیونکہ وہ ماو شما کے جھگڑے اور جھمیلے میں نہیں سماتا۔

اس قسم کے ان کے بہت سے اشعار ہیں اور ان سے اس بات کی خوشبو آتی ہے کہ ان کو کامل صوفیائے کرام قدس اللہ اسرارہم کے مشرب سے پورا حصّہ ملا ہوا تھا اور وہ المستقی بنور اللہ کی خلافت کے زمانہ میں ہوتے ہیں۔ عربی قصیدہ میں جو بغداد کی تاریخ میں لکھا ہوا ہے۔ اس میں ان کا بھی ذکر لکھا ہوا ہے۔ مستقی بنور اللہ ۵۹۵ھ میں فوت ہوا۔ قصیدہ رائیہ حکیم سنائیؒ کا بھی انہوں نے جواب لکھا ہے اور ان کے شعروں کی تعداد ایک سو اسّی سے زیادہ ہے۔ تین مطلع کہے ہیں۔ پہلا مطلع یہ ہے

الصبوح الصبوح کآمد کار	۱	صبح صبح کی شراب کہ کام بن جائے۔
النثار النثار کآمد یار		نثہ اور نشہ چاہیے کہ یار آتے۔
کاری از روشنی چو آب خزاں	۲	روشنی سے کام خزاں کے پانی کی طرح ہے۔
یاری از خوشدمی چو باد بہار		اور خوشدم کے ساتھ یاری بہار کی مانند ہے۔
چرخ برکار ما بوقت صبوح	۳	آسمان صبح کے وقت ہمارے کام میں
می کند لبتباں دیدہ نثار		خوشی سے آنکھیں نثار کرتا ہے۔

اور آخر قصیدہ میں کہتے ہیں۔

ایں قصیدہ ز جمع سبعیات	یہ قصیدہ سبعہ معلقاتؔ میں ہے
ثامنست از غرائب اشعار	بے نظیر بے مثال اشعار کا آٹھواں قصیدہ ہے۔
از در کعبہ گر در آویزند	اگر اس کو کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیں۔
کعبہ برمن فشاندی استار	تو کعبہ مجھ پر اپنے پردے ڈال دے۔
زد قفانبکؔ را قفاتی نیک	قفانبکِ کے مقابلے میں اچھا قفا نبکؔ ہے

ؔ سبعہ معلقات زمانہ جاہلیت کے کمال درجہ کے شعراء اپنا کلام لکھ کر مقابلے کے لیے خانہ کعبہ پر لٹکا دیتے تھے اور جب تک ان کے مقابلے کے اشعار کوئی شخص نہ لکھتا۔ اس وقت تک وہ خانہ کعبہ پر لٹکے رہتے تھے جن کی تعداد سات تھی اور امراءالقیس مشہور شاعر کا قصیدہ بھی انہیں سات میں سے ایک ہے جس کے مقابلے سے سب شاعر عاجز تھے۔

ؔ قفانبک قصیدے کا نام ہے جو امراءالقیس نے لکھ کر خانہ کعبہ پہ لٹکایا تھا اور اس کا ابتدائی شعر یہ ہے ؔ

قفا نبك من ذكرىٰ حبيب ومنزلِ — بسقطِ اللوى بين الدخولِ فحوملِ

وامرا القیس را فگند از کار	جس نے امرا القیس کو مات دے دی۔

۷۶۴ شیخ نظامی رحمہ اللہ علیہ

ان کو علوم ظاہری اور رسمی اصطلاحات سے حصہ تمام حاصل تھا، لیکن سب کے ہاتھ رد کا ہوا تھا اور رخ حضرت حق سبحانہ، کی طرف کر چکے تھے جیسے خود کہتے ہیں ؎

ہر چہ ہست از دقیقہای نجوم	۱	جس قدر بھی علم نجوم کی باریکیاں ہیں۔
یا یکایک نہفتہ ہای علوم		یا چھپے ہوئے علوم
خواندم و سر ہر ورق جستم	۲	میں نے پڑھے اور ہر ورق کی سطر کو تلاش کیا۔
چوں ترا یافتم ورق شستم		جب میں نے تجھے پالیا ورق دھو دیے۔
ہمہ را روی در خدا دیدم	۳	میں نے سب کی توجہ خدا میں دیکھی۔
وآن خدا بر ہمہ ترا دیدم		اور ان سب پر اے خدا میں نے تجھے دیکھا۔

اور عمر گراں مایہ اوّل سے آخر تک قناعت و تقویٰ یکسوئی اور گوشہ نشینی اور مخلوق سے بے تعلقی اور بے واسطہ ہونے میں گزاری۔ دوسرے شاعروں کی طرح حرص و ہوا کے غلبہ کی وجہ سے اہل امارت کی ملازمت نہیں کی، بلکہ زمانہ کے سلاطین ۔ ان سے تبرک کی تلاش اور جستجو میں رہے، جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں ؎

چوں بہ عہد جوانی از در تو	۱	جب میں جوانی کے عہد میں تیرا در چھوڑ کر کسی اور
بدر کس نرفتم از در تو		کے در پر نہیں گیا۔
ہمہ را بر درم فرستادی	۲	تو نے سب کو میرے در پر بھیج دیا۔
من نمی خواستم تو می دادی		میں نے نہیں چاہا تو نے خود دے دیا۔
چونکہ بر درگہ تو گشتم پیر	۳	جب کہ میں تیرے دروازے پر بوڑھا ہو گیا۔
زانچہ ترسیدنی است دستگیر		توڑنے والی ہر چیز سے میری دستگیری فرما یعنی اپنے غصے والے کاموں سے بچا

ان کی مثنویات پنجگانہ جو پنج گنج کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں زیادہ زمانہ کے سلاطین کی استدعا سے لکھی گئی ہیں۔ اس استدعا کی وجہ یہ تھی کہ ان کو امید تھی کہ ان کا نام ان کی نظم کی وجہ سے زمانہ کے صفحہ پر باقی رہے گا۔ اگرچہ مثنوی افسانے کی صورت میں ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ حقائق کے کھولنے اور معارف کے بیان کرنے کا بہانہ ہے۔ ایک موقع پر صوفیہ کے اس قول کو جو انہوں نے کہا ہے ؎

طالبان وصال و مشتاقان جمال حضرت حق را دلیل وجود او ہم وجود اوست، و برہان شہود او ہم شہود او۔

(ترجمہ) حضرت حق جل مجدہٗ کے وصال کے طالبوں اور اس کے جمال کے مشتاقوں کے لیے اس کے وجود کی دلیل بھی اس کا وجود ہے اور اس کے شہود کی دلیل بھی اس کا شہود ہے۔ اور کہتے ہیں

پژوہندہ را یادہ زان شد کلید	تلاش اور جستجو کرنے والے کی چابی اس لیے گم ہوگئی
کہ اندازہ خویشتن در تو دید	کہ اس نے اپنے پیمانہ سے تجھ میں دیکھا۔
کسی کز تو در تو نظارہ کند	جو شخص تجھ سے تجھ میں نظارہ کرے گا
ورقہاے بے ہودہ پارہ کند	وہ بے فائدہ ورقوں کو پھاڑ دے گا۔
نشاید تیرا جز بتو یافتن	تجھے تیری مدد کے بغیر پانا ممکن نہیں۔
عنان باید از ہر دری تافتن	لہٰذا ہر دروازے سے لگام موڑ لینی چاہیے۔
وجای دیگر در ہمین معنی میگوید	اور دوسری جگہ اسی مطلب میں یہ فرماتے ہیں۔
عقل آبلہ پای وکوی تاریک	عقل پریشان اور عاجز ہے اور کوچہ تاریک ہے۔
وانگاہ رہی چو موی باریک	اور مزید یہ راستہ بال کی طرح باریک ہے۔
توفیق تو گر نہ رہ نماید	اگر تیری توفیق کسی کی رہنمائی نہ کرے۔
ایں عقدہ بعقل کی کشاید	یہ عقدہ عقل سے کیسے کھلے۔
عقل از در تو بصر فروزد	عقل تو تجھ میں بینائی یعنی دیکھنے کی قوت بڑھائی ہے۔
گر پاے درون نہد بسوزد	اگر تو اندر پاؤں رکھے گا تو جل جائے گا۔

اور ایک جگہ ماسوائے حق سبحانہٗ سے اعراض کرنے اور جناب کبریا پر متوجہ رہنے کی رغبت دلانے اور حریص بنانے کی غرض سے کہتے ہیں۔

بر پراز یں دام کہ خونخوارہ الیست	اس جال سے اوپر اُڑ کہ یہ خون کا پینے والا ہے۔
زیر کی از بہر چنیں چارہ الیست	اس جال سے بچنے کے لیے عقل مندی علاج ہے۔
گرگ ز روباہ بدنداں تراست	بھیڑیا لومڑی سے دانتوں میں بڑا ہوا ہے۔
روبہ ازاں رست کہ پروان تراست	اور لومڑی اس سے عقل میں بڑھی ہوئی ہے۔ اس لیے بھیڑیے سے بچ گئی
جہد در آن کُن کہ وفا را شوی	کوشش کر کہ تو عہد کا وفادار ہو۔
خود نہ پرستی وخدارا شوی	اپنے کو نہ پوج اور تو خُدا کا ہو جا۔

"اسکندر نامہ" کے پورا کرنے کی تاریخ جو ان کی آخری کتاب ہے۔ ۵۹۲ھ ہے اور ان کی عمر اس وقت ساٹھ سے گزر چکی تھی۔ حق سبحانہٗ کی ان پر رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتے۔

۴۶۵ حضرت خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ان کا لقب یمین الدین یا عین الدین ہے۔ ان کے والد قبیلہ لاچین کے امراء میں سے تھے اور بلخ کے گرد و نواح کے ترک ہیں۔ امیر خسروؒ سلطان مبارک شاہ خلجی کی وفات کے بعد شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں رہے اور مجاہدات اور ریاضات کو اپنا معمول بنایا۔ ۴۰ سال "صوم دہر" رکھا اور کہتے ہیں کہ اپنے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ساتھ طی الارض کے طریقہ پر حج ادا کیا ہے اور پانچ مرتبہ حضرت رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ شیخ نظام الدین کے اشارہ سے حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت بنی ہے اور ان سے اس کا التماس کیا کہ اپنے مبارک منہ کا لعاب میرے منہ میں ڈالیں۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ایں دولت را سعدی بُرد (ترجمہ) کہ اس دولت کو سعدیؒ لے گیا۔ خسرو دل شکستہ ہو کر شیخ نظام الدین کی خدمت میں آئے اور صورتِ حال ان سے بیان کی۔ شیخ نظام الدینؒ نے اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈال دیا۔ اس کی ایسی برکتیں ظاہر ہوئیں کہ انہوں نے ننانوے کتابیں تصنیف کی ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر خسروؒ نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے کہ میرے اشعار پانچ لاکھ سے کم اور چار لاکھ سے زیادہ ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے جوانی کے زمانہ میں شیخ سعدیؒ کو پایا ہے اور اس ملاقات پر فخر کرتے تھے اور مشربِ عشق و محبت کی پوری چاشنی رکھتے تھے۔ ان کے کلام میں ہے کہ صاحبِ سماع و وجد و حال تھے۔ شیخ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ قیامت میں ہر ایک آدمی کسی چیز پر فخر کرے گا اور میرا فخر اس ترک کے سینے کے سوز پر ہوگا۔ یعنی خسروؒ کے عشق و محبت پر۔ میں قیامت کے دن فخر کروں گا۔ امیر خسرو نے کہا۔ ایک دفعہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ خسروؒ امراء کا نام ہے کیا اچھا ہوتا جو میرا نام فقراء کے نام پر ہوتا۔ تاکہ مجھے اس نام کے ساتھ حشر میں آواز دے کر بلاتے۔ میں نے اس خیال کو حضرت شیخ سے عرض کیا۔ شیخ نے فرمایا۔

بوقتِ صالح برائے تو نامی خواستہ شود۔ خسرو مراقب ایں معنیٰ می بود۔ تاآنکہ روزی شیخ گفت کہ برمن چنیں مکشوف شد کہ ترا در قیامت محمد کاسہ لیس خوانند۔

(ترجمہ) اچھے وقت میں تیرے واسطے کسی نام کی درخواست کی جائے گی۔ خسروؒ اس کام کے لیے برابر انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن شیخ نے فرمایا کہ مجھے کشفی طور پر بتایا گیا ہے، قیامت کے دن تجھے محمدؐ کاسہ لیس (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ف میں یہاں تک لکھ چکا تھا ظہر کی نماز کے بعد سو گیا۔ چار بجے سے قبل خواب دیکھا کہ میرے حضرت شیخ مولانا عبدالغفور عباسی المدنی

باقی ص

کے جو مٹھے برتن کا چاٹنے والا) کہہ کر پکاریں گے۔

حضرت امیر ۲۵، ھ میں شب جمعہ میں فوت ہوئے اور ان کی عمر اس وقت ۴، برس تھی۔ لوگوں نے ان کو آپ کے شیخ کے قدموں کے بالمقابل تقریباً پانچ چھ گز کے فاصلہ پر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ کے اندر دفن کیا گیا۔

حضرت حسن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۷۶۶ھ

لقب اور ان کی نسبت نجم الدین حسن بن علاء السنجری ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے کے کاتب اور مرید تھے۔ پسندیدہ اوصاف اور اخلاق سے متصف[1] تھے۔ تاریخ ہند کا مصنفؒ کہتا ہے کہ عمدہ مکارم اخلاق اور لطافت وظرافت مجالس اور عقل کی استقامت اور صوفیاء کے دستور وآداب اور قناعت کے لزوم اور پاکیزہ اعتقاد اور دنیا دی علائق سے تجرد اور تفرد میں ظاہری اسباب کے بغیر خوش رہنے اور اچھے

نور اللہ مرقدہٗ وبرد اللہ مَضجَعَہٗ المنیف (پاک آرام گاہ) ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک بوڑھے بزرگ سید جو صادق آباد کی نواحی بستی زورکوٹ کے رہنے والے تھے اور جن کو دیکھے ہوئے عرصہ گزر گیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں، کیونکہ جمعہ پڑھنے ہماری مسجد میں آیا کرتے تھے، وہ دوسری جگہ بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک اور صاحب جن کو میں پوری طرح پہچانتا نہیں۔ وہ الگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں کہہ رہا ہوں کہ حضرت کتاب قریب الختم ہے یعنی (حیات صوفیاء) نظامیؒ کو لکھ چکا ہوں۔ خسروؒ کو لکھ رہا ہوں۔ تیسرا شخص یہ کہتا ہے کہ اب پوری ہو جائے گی۔ میں نے حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے عرض کیا۔ حضرت والا خسروؒ کے اشعار سناؤں، فرمایا سناؤ میں نے کہا پیر کے ادب کے ساتھ پڑھوں یا ویسے ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ایسے ہی پڑھو، تو میں نے قوالوں کے طرز پر ایک ایک مصرع اور ایک ایک لفظ کو پڑھا اور وہ شعر یہ ہے ؎

خسروؒ غریب است وگدا افتادہ درکوی شما — خسروؒ غریب ہے اور فقیر آپ کے کوچے میں پڑا ہوا ہے۔
شاید کہ از بحر خدا سوی غریباں بنگری — ممکن ہے خدا کے واسطے آپ غریبوں پر نظر فرمائیں۔

یہ ناکارہ شعر مذکور کو جدا جدا کر کے ترنم کے ساتھ پڑھ رہا ہے۔ شاہ صاحب جھوم رہے ہیں۔ تیسرا شخص بھی محظوظ ہو رہا ہے اور حضرت اقدس قدس اللہ سرہٗ جھوم رہے ہیں اور رو رہے نہیں اور یہ ناکارہ بھی شعر پڑھ رہا ہے اور رو رہا ہے۔ میں نے بیدار ہونے کے بعد اس خواب کا یہ مطلب نکالا کہ کتاب مذکور کی منظوری اور قبولیت حضرت شیخ مدنیؒ کے یہاں ہو چکی ہے اور اس خواب سے کتاب کی مقبولیت کی امید ہے۔ میرے لیے اور میرے ان سب معاونین کے لیے جنہوں نے اس کتاب کے لکھنے میں میری مدد کی۔ آج دوشنبہ کا دن ہے۔ صفر المظفر کی ۱۳ تاریخ سنہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۲ دسمبر سنہ ۱۹۸۰ء بمقام صادق آباد، فقط محمد ادریس کان اللہ لہٗ والو والوالدیہ والاولادہ واصحابہ اجمعین

[1] اچھی صفت کے اختیار کرنے والے کو عربی میں مصنف کہتے ہیں۔

گزران کے ساتھ رہنے میں حسن جیسا دوسرا آدمی بہت ہی کم دیکھا ہے۔ وہ ایسی شیریں مجلس والا با ادب اور مہذب تھا کہ جو راحت مجھے ان کے پاس بیٹھ کر ملتی تھی۔ وہ کسی دوسرے کی مجلس میں نہ پاتا تھا اور صاحب تاریخ ہند کہتا ہے کہ امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ کے ساتھ برسوں مجھے محبت اور یگانگی رہی کہ وہ لوگ میری صحبت کے بغیر نہ رہ سکتے تھے اور نہ میں ان کی صحبت کے بغیر اور میرے ذریعے سے دونوں استادوں کے مابین محبت اور دوستی کے رابطہ نے اس قدر استحکام اور پختگی پائی تھی کہ ایک دوسرے کے گھروں میں آتے جاتے اور تاریخ ہند کا مصنف کہتا ہے کہ امیر حسنؒ کو شیخ نظام الدینؒ سے جو کمال اعتقاد تھا۔ اس بنا پر شیخ انفاس متبرکہ کو جو صحبت کی مجلسوں میں سنتے تھے۔ ان کو کئی جلدوں میں جمع کر لیا تھا۔ فرائد الفوائد نام رکھا اور اس زمانہ میں اس ملک میں ارادت مندوں کا دستور اور وظیفہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ امیر حسنؒ کے لکھے ہوئے کئی دیوان نثر و نظم اور مثنویات کے بہت سے صحائف و رسائل ہیں اور ان کی رباعیات میں ایک رباعی یہ ہے ؎

دارم دلکی غمین بیامرز و مپرس	۱	ایک دکھی دل رکھتا ہوں بخش دے اور نہ پوچھ سو حادثے
صد واقعہ در کمین بیامرز و مپرس		اور سختیاں گھاٹ میں ہیں بخش دے اور نہ پوچھ
شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم	۲	شرمندہ ہوں گا اگر تو میرے عمل کو پوچھے گا۔
ای اکرم الاکرمین بیامرز مپرس		اے اکرم الاکرمین بخش دے اور نہ پوچھ۔

؎ اچھی صفت کے اختیار کرنے والے کو عربی میں مصنف کہتے ہیں۔

یکحرف تو چل صباح عالم را نور	۱	تیری ایک بات جہان کی چالیس صبحوں کا نور ہے۔
یکحرف تو ہشت خُلد را مایہ حور		تیری ایک بات آٹھوں جنتوں کی حوروں کی قیمت ہے۔
حرف سیمین چہل ولی را دستور	۲	تیری نورانی بات چالیس اولیاء کا دستور اور قانون ہے۔
زان چار چہار رکن عالم معمور		ان چار سے جہان کی چاروں کھونٹیں آباد ہیں۔

۲۶۷ حضرت شیخ کمال خجندی قدس اللہ سرہٗ

بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں شعر و شاعری اور تکلفات میں مشغول ہوتے رہتے تھے۔ ان کا مقصد اپنے حال کو چھپانا اور لوگوں کو اپنے بارہ میں شبہ ڈالنا ہو گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس لیے ہو کہ ظاہر پر باطن کا غلبہ نہ ہو جاوے اور بندگی کی صورت کی حفاظت سے جدا نہ ہو جاوے، خود کہتے ہیں ؎

این تکلفہائے من در شعر من کلمینی یا حمیرای منست ۔ میرے شعر میں یہ تکلفات میرا کلمینی یا حمیرا ہے۔

؎ کلمینی یا حمیرا کے بارہ میں پہلے حواشی میں لکھا جا چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وجد کا غلبہ ہوتا تو حضرت عائشہؓ سے فرماتے۔ عائشہؓ باتیں کرتا کہ دل کا بوجھ ان میں لگ کر ہلکا ہو جاوے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہٹ کر میرا شعروں میں مشغول رہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات اپنی بیویوں میں مشغول ہو جاتے تھے۔

حضرت شیخ ہمیشہ ریاضات اور مجاہدات میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت خواجہ عبید اللہؒ فرماتے تھے کچھ عرصہ تک شیخ کمال شاش میں رہے ہیں۔ میرے والد فرماتے تھے۔ جب تک وہ وہاں رہے، انہوں نے کوئی حیوان نہیں کھایا ایک دفعہ ہم نے ان سے التماس کیا کہ کیا ہو جائے گا۔ اگر وہ کھانا کھایا جاوے۔ جس میں گوشت ہو ایک بڑی خوبصورت اور بڑی موٹی گائے ہے۔ حضرت شیخ نے دل خوش کرنے کے لیے فرمایا کہ جب تو اپنی گائے کو ذبح کرے گا۔ ہم گوشت کھا لیں گے۔ میں نے بغیر ان کے بتائے گائے ذبح کر لی اور اس سے کھانا تیار کیا۔ میری دلجوئی کے لیے اس گوشت میں سے کھالیا۔ تبریز میں ایک خلوت کا گوشہ بنا رکھا تھا کہ رات اس میں گزارتے تھے اور دوسرا آدمی وہاں کم ہی گیا ہے۔ جب ان کی وفات کے بعد لوگوں نے اسے دیکھا تو اس میں سوائے اس بوریا کے جس پر وہ بیٹھتے تھے یا سوتے تھے۔ ایک پتھر جو سر کے نیچے رکھتے تھے۔ دوسری کوئی چیز نہیں پائی۔ حضرت شیخ زین الدین خوافیؒ فرماتے تھے کہ میں تبریز میں جب علوم کی تحصیل میں مشغول تھا۔ ان کی خدمت میں جاتا اور مجھے اس طریقہ کو اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے اور کہتے کہ ہماری مریدی میں آجا۔ میں کہتا آپ کی نسبت کے متعلق میرے دل میں خدشات آتے ہیں۔ انہوں نے کہا بتا تاکہ میں اس کا جواب دوں۔ میں نے کچھ نہ کہا۔ آخر جب میں اس طریقہ میں داخل ہوا اور مجھے اس میں کچھ کشادگی ہوئی کچھ اس کا پتہ چلا تو میں نے جانا کہ مرتبہ ارشاد میں کہ اس کے پاس کام کیا جا سکتا ہے کہتے ہیں کہ جس وقت میں وہ سرائے میں رہتے تھے۔ وہ اس موضع میں تھی کہ جس وقت پانی میں طغیانی ہوتی تھی تو وہ اس موضع میں تباہی مچاتا تھا۔ جب پانی کی طغیانی کا وقت قریب آیا۔ لوگوں نے اس حال کو ان سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا میرا خیمہ اس جگہ لگا دو۔ لوگوں نے ان کا خیمہ اس جگہ لگا دیا۔ وہاں پر آپ رہتے رہے۔ یہاں تک کہ پانی کی طغیانی کا وقت گزر گیا اور اس موضع میں کوئی خرابی واقعہ نہیں ہوتی۔ ان کی وفات ۸۰۳ھ میں ہوئی اور ان کی قبر تبریز میں ہے اور ان کی قبر کی تختی پر بیت لکھی ہوئی تھی۔

بیت

؎ کمال از کعبہ رفتی بر در یار	اے کمال تو کعبہ سے یار کے دروازے پر گیا۔
ہزارت آفرین مردانہ رفتی	تجھے ہزار دفعہ شاباش کہ تو مردوں کی طرح گیا۔

۴۶۸ حضرت مولانا محمد شیریں مشہور بمغربی[؎] رحمۃ اللہ علیہ

شیخ اسماعیل سیسی کے مرید ہیں، اور وہ شیخ نور الدین عبد الرحمٰن اسفرائنی قدس اللہ سرہٗ کے مرید ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعض سفروں

؎ یعنی مولانا محمد شیریں کو عام طور پر مغربی کہا جاتا تھا اور اسی صفت سے اسی نسبت سے وہ مشہور تھے۔

میں مغرب کے ملک میں پہنچے اور وہاں پر ایک شیخ کے ہاتھ سے خرقہ لیا۔ اس کی نسبت شیخ بزرگوار شیخ محی الدین بن العربی قدس اللہ سرہٗ پر پہنچتی ہے۔ مولانا موصوف شیخ کمال خجندیؒ کے معاصر تھے، اور ان کی صحبت میں بھی رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جس وقت شیخ نے یہ مطلع کہا تھا ؎

چشم اگر اینست و ابرو این وناز[۱] و عشوہ[۲] ایں	اگر آنکھ یہ ہے اور ابرو یہ ہے اور ناز اور عشوہ یہ
الوداع اے زہد و تقویٰ الفراق اے عقل و دیں	تو رخصت لے درویشی تقویٰ علیحدہ ہو جاؤ اے دیں۔

(جب مولانا مغربی کو یہ شعر پہنچا فرمایا شیخ بہت بڑے بزرگ ہیں، لیکن ایسا شعر کہنے کی کیا ضرورت ہے جو مجازی معنی کے علاوہ دوسرا محمل[۳] نہ رکھتا ہو۔ شیخ نے اس کو سُن لیا تو ان سے ہم نشینی کی درخواست کی اور کھانا پکانے میں لگ گئے اور مولانا نے بھی اس خدمت میں شیخ کی موافقت کی، اسی اثنا میں شیخ نے اس مطلع کو پڑھا فرمایا کہ چشم کے معنی عین کے ہیں پس ہو سکتا ہے کہ اشارہ کی زبان میں عین قدیم ہو یعنی ذاتِ حق ہو جس کی تعبیر کی ہو۔ اور اس میں ابرو حاجب ہیں۔ اس سے اشارہ صفات حق کی طرف ہو۔ جو ذات حق کیلئے حجاب ہیں۔ مولانا نے عاجزی کی اور انصاف دیا۔ ایک دفعہ شیخ اسماعیل سیمنانی نے درویشوں کو چلہ میں بٹھایا۔ مولانا کو بھی بلایا۔ مولانا نے یہ غزل کہی اور ان کی خدمت میں پہنچائی۔

تا مہر تو دیدیم ز ذرات گذشتیم	۱	جب ہم نے تیری محبت دیکھی تو ذرات سے گزر گئے۔
وز جملہ صفات از پی آن ذات گذشتیم		تیری ذات کی خاطر جملہ صفات سے ہم گزر گئے۔
در خلوت تاریک ریاضات کشیدیم	۲	تاریک حجروں میں ہم نے ریاضات کھینچیں۔
در واقعہ از سبع سمٰوات گذشتیم		واقع میں ہم ساتوں آسمانوں سے گزر گئے۔
دیدیم کہ ایں ہا ہمہ خواب است و خیال ست	۳	ہم نے دیکھ لیا کہ یہ سب خواب و خیال ہے۔
مردانہ ازیں خواب و خیالات گذشتیم		ہم مردوں کی طرح ان خواب و خیالات سے گزر گئے۔
با ما سخن از کشف و کرامات چہ گوئی	۴	ہم سے تو کشف کرامات کی بات کیا کہتا ہے۔
چوں ما ز سر کشف و کرامات گذشتیم		جبکہ ہم کشف و کرامات سے آگے گزر گئے۔
ای شیخ اگر جملہ کرامات تو اینست	۵	اے شیخ اگر تیری ساری کمالات یہی ہیں۔

۱،۲۔ ناز و عشوہ۔ معشوق کی وہ دلفریب حرکت جو عشاق کو فریفتہ کرے عشوہ عین کی پیش زبر اور زیر تینوں حرکتوں کے ساتھ بولا جاتا ہے، اور ناز نخرہ لاڈ بے پرواہی فخر اور بد دماغی کو کہتے ہیں۔ ۳۔ محمل۔ صادق ہونے کی جگہ۔

خوش باش کزیں جملہ کمالات گذشتیم		خوش رہ ہم جملہ کمالات سے گزر گئے۔
اینہا بحقیقت ہمہ آفات طریق اند	۶	یہ سب چیزیں حقیقت میں آفاتِ راہِ سلوک ہیں۔
ما در طلب از جملہ آفات گذشتیم		ہم ذات حق کی طلب میں سب آفات سے گزر گئے۔
ما از پی نوری کہ بود مشرق انوار	۷	ہم اس نور کی تلاش میں ہیں جو تمام انوار کو روشن کرنے والا ہے اور ظاہر کرنے والا ہے
از مغربی و کوکب و مشکوات گذشتیم		ہم مغربی سے اور چمکدار ستاروں اور چراغ دان سے گزر گئے۔

جب شیخ نے اس غزل کو سُنا اس وقت خوش ہوئے اور اس کو پسند فرمایا۔ حضرت مولانا نے ساٹھ سال کی عمر میں ۸۰۹ھ میں وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ ان پر رحمتیں ہوں۔

۴۶۹ حضرت شمس الدین محمد الحافظ شیرازیؒ المتوفی ۷۹۲ھ

یہ لسان الغیب (غیب کی زبان) اور ترجمان الاسرار تھے۔ بہت سے غیبی بھید اور حقیقت کے معنی کو صورت کے جامہ میں اور مجاز کے لباس میں کھول دیا۔ اگر چہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے باقاعدہ کس پیر کا ہاتھ پکڑا اور اس جماعت میں سے کس بزرگ کے ساتھ نسبت رکھتے تھے، ہاں ان کا کلام اس گروہ کے مشرب کے ایسا موافق بیٹھا ہے کہ کسی شخص کو بھی اس کا اتفاق نہ ہوا کہ ایسا کلام کہہ سکے۔ خواجگان قدس اللہ اسرارہم کے سلسلہ کے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ

ہیچ دیوان بہ از دیوانِ حافظ نیست اگر مرد صوفی باشد ؛ دیوانوں میں سے بہتر کوئی دیوان نہیں ہے۔ اگر صوفی مرد ہو۔

اور چونکہ ان کے اشعار ان سے زیادہ مشہور ہیں کہ ان کے ذکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں۔

لاجرم عنانِ قلم ازاں مصروف می گردد مجبوراً قلم کی لگام اس سے موڑ لی گئی۔

ان کی وفات ۷۹۲ھ میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت برستی رہے۔ آج بتاریخ ۱۴ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۸۰ء بوقت ۱۲ بج کر ۵۴ منٹ یوم سہ شنبہ مقام صادق آباد میں محض اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی توفیق اور اعانت نے کام لے لیا۔ وَمَا توفیقی اِلّا باللہ توکلت الیہ أنیب

الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ غیر
مکفی ولا مودع ولا مستغنیً عنہ ربنا

اختتامیہ

حمد بے قیاس اور شکر لامتناہی اس رب جلیل کے لئے جس نے محض اپنے لطف و کرم سے اپنے دوستوں کے تذکرہ لکھنے میں مجھے تقریباً سات سال تک مشغول رکھا اور آج تاریخ ۲۲ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۹۸۱ء یوم سہ شنبہ کو برادر طریقت الحاج شیخ محمد صدیق سلمہ کے مکان الغفور سول لائن فیصل آباد میں اس کا اختتامیہ لکھنے کی توفیق بخشی۔ میں اس لائق نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ان عظیم اولیاء کے حالات و خیالات کی ترجمانی کر سکوں مگر اللہ تعالیٰ جل شانہ کے فضل و کرم نے میری دستگیری کی اور مردہ سے زندوں کا کام لیا کیونکہ جب وہ چاہتا ہے تو بے دین سے دین کا کام لے لیتا ہے یہ پیش کش بھی اسی نوع کی اس کی عنایت ہے۔ نظر کی کمزوری بار بار اس میں رکاوٹ ڈالتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے میرے چند رفقاء، عزیزان ماسٹر محمد سلیم، چوہدری محمد سلیم اور برادر طریقت چوہدری عبدالحمید خان سلمہم اللہ تعالیٰ کے قلوب کو متوجہ کیا اور ان حضرات نے عملی معاونت فرمائی کتاب کی تکمیل کے بعد پھر کتابت کے مراحل میں ایسی مشکلات پیش آئیں جن سے عہدہ برآ ہونا ناممکن نہیں تو میرے لئے انتہائی مشکل تھا، اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے برادر طریقت میاں رشید احمد فیصل آبادی کو متوجہ کیا، موصوف نے رات دن ایک کر کے بعونہ تعالیٰ آخر کار ان مشکلات پر قابو پا لیا اور کتابت کا مرحلہ تکمیل پذیر ہوا۔ پھر چھپائی کا مسئلہ بھی ایک پہاڑ نظر آتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے پھر مدد فرمائی اور اس کام کے لئے از خود برادر طریقت الحاج محمد صدیق شیخ نقشبندی غفوری سلمہ عرف اے جی کارپوریشن لمیٹڈ کو کتاب کے لئے کاغذ دینے کے لئے آمادہ فرما دیا۔ دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ میرے اور میرے ان احباب و تمام متعلقین کے لئے اس کتاب کو دارین کی سعادت کا سرمایہ بنائے۔ آمین۔ اور تمام مسلمانوں کو اولیاء کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے آمین، ثم آمین۔

آخر میں حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ کے چند دعائیہ اشعار پر ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرا آپکا اور جملہ احباب کا حامی و ناصر رہے اور آخرت کی فوز و فلاح ہمارے شامل حال رہے۔

مولانا جامی فرماتے ہیں،

یا نبی اللہ السلام علیک　　انما الفوز والفلاح لدیک

گر نہ رفتم طریق سنت تو　　ہستم از عاصیان امت تو

ماندہ ام ابر بار عصیان است　　افتم از پائے اگر نگیری دست

ترجمہ ! (۱) اے اللہ کے پیغمبر آپ پر سلام ہو، کامیابی اور مرادوں کا پانا آپ کی بارگاہ میں میسر ہوگا اور آپکے طریقے میں ملے گا (۲) اگر میں آپ کی سنت کی راہ پر نہ چلوں گا تو میں آپ کی امت کے گنہگاروں میں ہوں گا (۳) گناہوں کے بوجھوں کے نیچے ایسا دب گیا ہوں کہ اگر آپ میری دستگیری نہ فرمایئں گے تو میں نیچے گر پڑوں گا اور اس بوجھ تلے دب جاؤں گا،

حضرت مولانا جامی فرماتے ہیں۔

دلت آئینہ خدا نما ست　　روئے آئینہ تو تیرہ چراست

صیقلی وار صیقلے میزن　　باشد آئینہ ات شود روشن

صیقل آں اگر نئی آگاہ　　نیست جز لا الہ الا اللہ

ترجمہ ! تیرا دل ایسا آئینہ ہے جو خدا تعالیٰ کو دکھاتا ہے تو پھر تیرے آئینہ کا رخ تاریک کیوں ہے،
قلعی گر کی طرح اس پر قلعی کر تاکہ تیرا آئینہ چمک جائے اور صاف ہو جائے،
اگر تجھے دل کی قلعی اور پالش کی خبر نہیں تو سن لے کہ وہ لا الہ الا اللہ کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں ہے،

والسلام، دعاگو و دعا جو، محمد ادریس انصاری،

اعتذار

کاتب کی لاپرواہی کی وجہ سے کتاب کے آخری تقریباً چھیتر صفحات میں عربی خط میں باوجود کوشش کے کتابت کی اغلاط درست نہیں ہو سکیں۔ کارکنان ادارہ معذرت خواہ ہے مطالعہ کرنے والے حضرات اگر اغلاط پائیں تو براہ کرم مطلع فرمایئں تاکہ آئندہ طباعت میں اصلاح کر دی جائے،

فقیر رشید احمد فیصل آباد

اصطلاحاتِ صوفیہ، مُشکل الفاظ

اور اُن کے معانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمد آلہ واصحابہ اجمعین۔ اصطلاح عربی لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ لفظ جس کے لئے بنایا گیا ہے اس کے معنی کو چھوڑ کر کسی دوسرے معنی کے لئے مقرر کر لیا جائے اور ہر فن کے لوگ اپنے فن میں کچھ ایسی اصطلاحات مقرر کر لیتے ہیں، جیسے طب کے فن میں طباء نے جلاب کے لفظ کو ہر مسہل دوا کے لئے استعمال کیا، گلاب سے عربی میں جلاب بنایا گیا، اسی طرح صوفیائے کرام کی بھی کچھ اصطلاحات ہیں جو انھوں نے خاص معنی کے لئے مقرر کی ہیں، چونکہ وہ عام فہم نہیں تھیں اس لئے اس حصہ میں ان کی تشریحات و مختصر معانی لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ حیات الصوفیہ میں جہاں اس قسم کے الفاظ آئیں، قارئین کرام اس فرہنگ یا ڈکشنری کی مدد سے ان کو سمجھ سکیں، اس کے علاوہ فارسی کے کچھ الفاظ جو حیات الصوفیہ میں آگئے ہیں ان کے معانی بھی لکھ دیئے ہیں، اگر کتاب کے مطالعہ سے قبل الفاظ کو پڑھ کر ان اصطلاحات کے معنی کو ذہن نشین کر لیا جاوے تو کتاب کے پڑھنے میں آسانی ہوگی، کچھ اصطلاحات کو حیات الصوفیہ کے حواشی میں لکھتا رہا ہوں مگر یہاں یکجائی طور پر مشائخ کی کتابوں اور خاص کر عمدۃ السلوک مصنفہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ سے اخذ کر کے لکھ دیا ہے، پڑھنے والوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے اخلاص اور حسن خاتمہ کے لئے دعا فرمائیں، آمین

والسلام، محمد ادریس انصاری غفرلہ ولوالدیہ ولاولادہ
ولاحبابہ والمشائخہ اجمعین جمعہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ
مقام صادق آباد، اسلامی جمہوریہ پاکستان،

آدم، خدا تعالیٰ کی صفات و اسماء کا جامع اور ان کا مظہر، **آشنائی**، حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو کہتے ہیں **آغوش**، اسرار اور بھیدوں کے پالینے کو کہتے ہیں **انوار**، وہ متواتر روشنی جو سالک کی توجہ میں ظاہر ہوتی ہے **آیات**، آیت کی جمع نشانی اور علامتیں **ابدال**، تارک دنیا درویش اور اولیاء اللہ کا ایک خاص گروہ یہ چالیس ہوتے ہیں، بائیس یا بارہ شام میں اور اٹھارہ یا

اٹھائیس عراق میں رہتے ہیں، یہ استقامت اور اعتدال یعنی افراط و تفریط سے محفوظ اور وساوس و خطرات سے پاک ہوتے ہیں بعض نے کہا ہے یہ سات ہوتے ہیں، ان کے سپرد ہفت اقلیم کی حفاظت ہے، یہ ساتوں ابدال انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح سے مدد حاصل کرتے ہیں پھر ان ابدال کے ذریعے یہ مدد ساتوں دنوں پر وارد ہوتی ہے، ہر ابدال کا تعلق ہفتہ کے ایک مخصوص دن کے ساتھ ہے، ان کو ابدال اس بناء پر کہا جاتا ہے جب ان میں سے کوئی شخص ایک قوم سے دوسری قوم اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر اختیار کرتا ہے تو وہ اپنی جگہ اپنا ایک ہم شکل قائم مقام بنا جاتا ہے، دیکھنے والوں کے لئے اسے دیکھ کر یہ شبہ نہیں ہوتا کہ وہ دوسرا ہے رکتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے، یہ آٹھ صفات سے متصف ملتے ہیں، ظاہر کے اعتبار سے خاموشی بیداری بھوک اور خلوت اور باطن کے اعتبار سے تجرید، تفرید، جمع، توحید، ان ابدالوں میں سے ایک ان کا امام ہوتا ہے وہ ان کا قطب کہلاتا ہے **ابرام**، مزاحمت اور تاکید **احباب**، حِبٌ کی جمع، دوستوں کو کہتے ہیں **اربعین** چالیس مجازاً صوفیہ کی چالیس روزہ ریاضت کو کہتے ہیں **استفتاح** کھلوانا، مدد اور اعانت چاہنا سوال کرنا **بُعد**، اطاعت کی توفیق سے دوری کو کہتے ہیں **بزم**، اہل حق کی خاص مجلس **بقا**، اچھی صفتوں کا ثابت ہونا یعنی متخلق باخلاق اللہ ہونا یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اختیار کرنا جیسا وہ کرم کرنے والا ہے کرم کرنے والا بن جائے جیسا وہ رحم کرنے والا ہے وہ رحم کرنے والا بن جائے، **بندگی**، خدمت کرنے، تابعداری کرنے، اللہ کی رضا میں راضی رہنے اور اسے تسلیم کرنے کو بھی کہتے ہیں نیز مقام اور عالم تکلیف کو بھی کہتے ہیں. **براعت** لیاقت اور کمال کو کہتے ہیں **برقع**، نقاب **برنا**، اچھے کو کہتے ہیں اور اس جوان کو بھی کہتے ہیں جو اوائل عمر میں ہو، **برید**، قاصد، پیغام لانے والا اور خط پہنچانے والا **تمکین اور تلوین**، جب سالک کی حالت میں کمی آجائے یا کیفیات جاتی رہیں مثلاً پہلے جیسا جوش اور جذبہ نہ رہے یا پہلے جیسے خواب نہ آتے ہوں اور اس میں تغیر و تبدل آجائے اس تغیر کو صوفیہ کی اصطلاح میں تلوین کہتے ہیں جیسے صحیح مسلم اور ترمذی میں حضرت حنظلہ کے واقعہ میں نَافَقَ حَنْظَلَۃُ کہنا، یا حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ جیسے شیخ سعدی نے یوں فرمایا: بگفت احوال ما برق جہانست، دمے پیدا و دیگر دم نہانست، گہے بر تارم اعلیٰ نشینم، گہے بر پشت پائے خود نہ بینم، جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے یوسفؑ کے قمیص کی خوشبو مصر سے معلوم کر لی تو جب وہ کنعان کے کنویں میں پڑے ہوئے تھے اس وقت آپ کو کیوں معلوم نہ ہوا، انھوں نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ ہمارے حال کوندنے والی بجلی کی طرح ہے جو کبھی ظاہر ہوتی ہے اور کبھی چھپ جاتی ہے کبھی میں بلند مقام پر بیٹھتا ہوں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت پر بھی نہیں دیکھتا **سُکر**، سُکر کی حالت

جس میں سالک سے بعض امور خلاف شرع سرزد ہو جاتے ہیں تو وہ اسی مقام تلوین سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ مقام قلب کا ہے جب اس کا قلب تصفیہ سے مزین ہو جاتا ہے اور نفس تزکیہ حاصل کر کے مطمئنہ بن جاتا ہے تو قالب شریعت کا تابع اور اسلام حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے اس مقام کو "تمکین" کہتے ہیں، اگرچہ اہل تمکین کی حالت میں ان کے مرتبے کے مطابق فرق ہوتا ہے اور ان کے حالات میں بھی تغیر ہوتا رہتا ہے لیکن وہ تغیر شریعت مقدسہ سے سرمو تجاوز نہیں کرتا، تو صاحب تمکین ابوالوقت ہے جو احوال کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے **قبض وبسط**، مقام تلوین میں سالک کو مختلف حالتیں پیش آتی ہیں، کبھی اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور بے نیازی کے آثار کا اس پر غلبہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے کسی مصلحت کی بناء پر سالک پر واردات وحالات کا ظاہر ہونا بند ہو جاتا ہے اور اس سے نفس کی پریشانی لطائف خمسہ کو منتشر اور مشوش کر دیتی ہے اس حالت کو اصطلاح صوفیہ میں "قبض" کہتے ہیں، جیسے کہ وحی کی ابتداء میں وحی آنے میں تاخیر کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مغموم رہنا اور خود کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کرنے کے درپے ہونا اور جبرائیل کا سامنے آنا اور یہ کہنا "اِنَّكَ نَبِیٌّ حَقٌّ" اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سن کے مطمئن ہو جانا (اس روایت کو بروایت حضرت عائشہؓ امام بخاری نے لیا ہے) پس سالک کو چاہیئے کہ اُسے خواہ کیسا ہی قبض پیش آئے، محبوب حقیقی سبحانہ وتعالیٰ سے قطع تعلق نہ کرے اور مرشد کا رابطہ قائم رکھے، استغفار کی کثرت کرتا رہے، مولانا روم فرماتے ہیں،

ے چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو، آں صلاح تست آیس دل مشو، چونکہ قبض آید تو دروے بسط بیں، تازہ باش وجیں میفگن برجبیں

اے راہ طریقت کے چلنے والے، جب تجھے قبض پیش آئے تو مایوس نہ ہو چونکہ اس میں تیری بہتری ہے جب بھی تجھے قبض پیش آئے اس کو اپنے دل میں بسط سمجھ، ہشاش بشاش رہ اور پیشانی پر بل نہ لا، قبض کے مقابلے کی حالت کو بسط کہتے ہیں یعنی حق سبحانہ کے لطف وکرم کے ورود سے قلب کو خوشی اور فرحت ہوتی ہے اور نفس لطائف خمسہ کے ساتھ موافقت کر کے ترقی کی طرف مائل ہوتا اور عبادت میں ذوق وشوق کے ساتھ متوجہ ہو جاتا ہے، اس حالت میں اپنی عاجزی اور کمزوری پر اور حق تعالیٰ کے فضل وکرم پر نظر رکھے ہوئے اللہ کا شکر کرتا رہے اور احوال سے منہ موڑ کر احوال کے خالق کی طرف متوجہ رہے **ہیبت وانس**، قبض وبسط میں جب زیادہ ترقی ہوتی ہے تو قبض کی ترقی کی حالت کو ہیبت اور بسط کے غلبہ کی حالت کو اُنس کہتے ہیں **خوف ورجاء** قبض وبسط کی حالت سالک کو ابتداء سے انتہا تک پیش آتی رہتی ہے پس یہ حالت اگر مبتدی کو پیش آتی ہے اسے خوف ورجاء کہتے ہیں، متوسط کے لئے اس حالت کو قبض وبسط اور منتہی کے لئے اس حالت کو ہیبت اور اُنس کہتے ہیں **حال اور مقام**، جو واردات وکیفیات حاصل ہونے کے بعد جلدی زائل ہو جائیں اور ہمیشہ قائم نہ رہیں ان کو حال کہتے ہیں جو ہمیشہ برقرار رہیں ان کو مقام کہتے ہیں

اور عمل باطنی اور اختیاری کو بھی مقام کہتے ہیں **مبتدی متوسط اور منتہی**۔ مبتدی سے مراد وہ لوگ ہیں جو ارباب قلوب یعنی اہل دل میں سے نہیں ہیں، ارباب قلوب وہ ہیں جو مبتدیوں اور منتہیوں کے درمیان متوسط ہیں اور منتہی وہ ہیں جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ یعنی واصل کامل ہوں، پھر انتہا کے بھی بہت درجے ہیں جو ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے ہیں اور وصول کے بھی بہت مرتبے ہیں جن کا ہمیشہ تک قطع کرنا ممکن ہے **وصول وحصول**، سالک جب شیخ کامل کی صحبت اور توجہات کے فیض سے سلوک کا راستہ طے کرتا ہے اور لطائف خمسہ میں ذکر کرتا ہے تو اس کی بری خصلتوں کی اصلاح ہونے کے باعث عالم امر کے لطائف نورانی ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے اصول میں جا پہنچتے ہیں، ان کی کشش حق تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے اور وہ سلوک کے دس مقام توبہ، زہد، توکل، قناعت، عزلت دائمی ذکر، توجہ، صبر و مراقبہ کو حاصل کر لیتا ہے، اس وقت اس کو اپنی حقیقت کے موافق اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے جس کو سیر قدمی یا وصول کہتے ہیں، اپنے مقام سے آگے سالک کی سیر قدمی نہیں ہوتی، البتہ سیر نظری ہوتی ہے جس کو حصول بھی کہتے ہیں اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے اے برادر بے نہایت درگہیست، ہر چہ بروے میرسی بروے مہست۔ لہٰذا سیر قدمی یا وصول مقام سے تعلق رکھتی ہے جو سالک کا مبداء تعین ہے اور سیر نظری یعنی حصول حال سے تعلق رکھتا ہے جو دوسرے کاملین کا مقام ہے واللہ اعلم بحقیقت الحال **نسبت یا ولایت** قبولیت، قرب اور حضور مع اللہ کو کہتے ہیں، تمام سلسلوں میں نسبت ایک ہی ہے لیکن اس کے اصول و اوصاف مختلف ہوتے ہیں کسی کو خشیت ہوتی ہے کسی کو محبت اور کسی کو حضور مع اللہ اور اس کا ظہور سالک کی استعداد کے مطابق ہوتا رہتا ہے، خاندان چشتیہ میں حرارت و شوق کی نسبت ہوتی ہے، قادریہ میں صفائی اور نورانیت کی نسبت ہوتی ہے، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں بے خودی اور اطمینان کا ادراک ہوتا ہے، احمدیہ مجددیہ میں تمام لطائف کے اندر اللہ پاک کے لئے دوامی توجہ اور حضور پیدا ہوتا ہے، سلوک کے ہر مقام کی کیفیت کو بھی اس مقام کی نسبت کہہ دیتے ہیں، اصل نسبت جس سے مراد حضور مع اللہ ہے کسی کے سلب کرنے سے سلب نہیں ہو سکتی ہاں گناہ سے سلب ہو جائے تو یہ دوسری بات ہے البتہ کیفیات و حالات کا سلب ہونا ممکن ہے جو لوگ اس کی مشق کرتے ہیں وہ اس کو سلب کر سکتے ہیں جس طرح خوشی کے وقت اگر طبیعت میں غم پیدا ہو جائے تو خوشی کی کیفیت جاتی رہتی ہے، اسی طرح تصرفِ سلب سے وہ کیفیت شوق جاتی رہتی ہے اور ایک قسم کی افسردگی پیدا ہو جاتی ہے، اس حال میں سالک مرجھایا مرجھایا اور بجھا بجھا سا رہتا ہے لیکن پھر ذکر کی برکت سے پہلی کیفیت لوٹ آتی ہے، عام مومنین میں بعض لوگ تصفیہ قلب و تزکیہ نفس میں مشغول نہ ہونے کے باوجود بھی صاحب نسبت ہوتے

ہیں بلکہ بعض تو ان مجاہدہ کرنے والوں سے بھی اچھے ہوتے ہیں جو سالہا سال ریاضت اور مجاہدہ کرتے ہیں، پھر بھی ناقص رہتے ہیں لیکن اتنا فرق ضرور ہوتا ہے کہ اہل ریاضت کو اس کا علم و حضور ہو جاتا ہے اور دوسروں کو اپنے صاحبِ نسبت ہونے کا علم نہیں ہوتا حالانکہ وہ بھی مقبول بندے ہوتے ہیں، نیز عادت اللہ اور اللہ کی سنت اسی طرح پر جاری ہے کہ کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے تعلق پیدا کر کے اس نسبت کا حاصل کرنا اقرب اور اسہل یعنی زیادہ قریب اور زیادہ آسان ہے **جمعیّت**، خطرات قلبی کے بالکل زائل ہونے یا کم ہونے کو کہتے ہیں **جمع**، اس حالت کو کہتے ہیں جس میں سالک حق تعالیٰ شانہٗ کے مشاہدے میں مستغرق رہتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا اس پر غالب رہتا ہے اور اس وجہ سے وہ مخلوق کی طرف ہرگز متوجہ نہیں ہوتا، جیسا کہ چاند کو دیکھنے والا ہمہ تن چاند کو دیکھتا ہے **فرق**، اس حالت میں سالک دنیا کو دیکھتا ہے لیکن اس کو حق تعالیٰ سبحانہ و تعالیٰ کے انوار کا مظہر و آئینہ نہیں بناتا اور مصنوع سے صانع اور خالق سے مخلوق کی طرف اپنی توجہ کو نہیں لوٹاتا ہے **جمع الجمع**، اس حالت میں سالک حق اور خلق دونوں پر نظر رکھتا ہے یعنی تاریکی سے نکل جاتا ہے، مشاہدہ حق سے مشرف ہو کر مخلوق میں مشغول ہو جاتا ہے **حضور و غیبت**، اگر کوئی وارد قوی قلب پر آیا خواہ وہ صفات خداوندی کا غلبہ ہو یا ثواب و عذاب کا خیال اس غلبے سے حواس معطل ہو جائیں اور اس کو کوئی خبر نہ رہے تو یہ غیبت ہے یعنی مخلوق سے اور جب ہوش آگیا تو حضور ہو گیا **سکر و صحو**، غیب کے انوار کے غلبے سے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا سُکر ہے اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے **محو و اثبات** کے معنیٰ فنا و بقاء کے معنی کے قریب ہیں **تجلی و استتار**، ظہور کو کہتے ہیں اور اس ظہور کو تجلی مثالی کہتے ہیں کہ تجلی حقیقی جو رویت سے تعبیر کی جاتی ہے اور وہ آخرت میں ہو گی اور استتار پوشیدہ ہونے کو کہتے ہیں **غوث** کا اطلاق ایسے عظیم المرتبت انسان پر ہوتا ہے جس کے پاس لوگ اپنی پریشانی میں اپنی حاجات کو لے کر جائیں اس سے دعا طلب کی جاتی ہے اس لئے کہ وہ مستجاب الدعوات ہوتا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کو قسم دے کر کچھ طلب کرے تو حق تعالیٰ اس کی قسم پوری فرما دیتا ہے، وہ لوگوں پر اہم ترین علوم کے پوشیدہ اسرار کو ظاہر کیا کرتا ہے جیسے سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے **فرد**، غوث ترقی کر کے فرد ہو جاتا ہے اور فرد ترقی کر کے **قطب وحدت** ہو جاتا ہے، قطب اس وقت تک قطب نہیں ہوتا جب تک کہ تمام اولیاء کرام کی خصوصیات جن کا ذکر مختلف طبقات کے ذیل میں کیا جائے گا یکجا طور پر جمع نہ ہو جائیں اور یہ منصب وہبی ہے وراثت ظاہری کی طرح اس میں وراثت نہیں چلتی بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں یہ منصب عطا فرما دیتے ہیں اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ، **سالک**، صوفی جب

طلب حقیقت کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو وہ خود کو سالک کا نام دیتا ہے۔ معرفت حق تعالیٰ شانہ کے پہچاننے کے واسطے اور طریقہ ہیں، ایک یہ کہ اسے دلیل کے ساتھ پہچانے، دوسرے یہ کہ وجدان کی قوت کے ساتھ اس کو پہچانے۔ پہلے طریقہ سے بس اتنا سمجھ سکتا ہے اور دل سے اس کی تصدیق کر سکتا ہے کہ جہاں کے لئے ایک پروردگار ہے جس کا کوئی شریک نہیں جو تمام صفات کمال سے متصف ہے اور مخلوقات کے تمام نقائص سے منزہ پاک اور مبرا ہے۔ لیکن وجدان کے ساتھ اللہ کا پہچاننا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو نور قلبی اور ادراک حضوری کے ذریعہ پہچانے اور یہ پہچان بغیر خارجی دلیل کے عارف شخص کو ہی میسر ہوتی ہے **طلب**، طلب سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی شناخت دلیل اور وجدان سے ہو جائے **تزکیہ**، راہ حق طے کرنے کے لئے پہلی شرط نفس کو ناپسندیدہ صفات سے پاک کرنا، اس کو فضائل حمیدہ سے آراستہ کرنا اور یہ عمل طریقہ تصوف میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور اس عمل کو تزکیہ کہتے ہیں یعنی نفس کے پاک صاف کرنے اور اس کے کامل بنانے کو تزکیہ کہتے ہیں اور اس مقام میں صوفیہ نے آٹھ منزلیں مقرر کی ہیں جنھیں وہ سالک کے مقامات کہتے ہیں وہ یہ ہیں **توبہ**، گناہ سے باز آجانا، دنیا سے اعراض کرنے اور خدا تعالیٰ کی طرف جانے یعنی متوجہ ہو جانے کو بھی کہتے ہیں، آدمی کی روح چونکہ اصل اور بنیاد کے لحاظ سے پاک اور بے آلائش ہے، جب وہ گناہ کے ساتھ آلودہ ہو جاتی ہے تو بے قرار ہو جاتی ہے اور اس کی طبیعت کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہ توبہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے **ورع**، جن اعمال کے نیک یا بد ہونے میں اس کو تردد ہو اس کو اختیار نہ کرنا اور ہر اس عمل سے پرہیز کرنا جس کے اقدام کی دل اجازت نہ دے اور ایسے ہی ان افعال سے دوری اختیار کرنا جو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ رکھنے میں مانع ہوتے ہوں اور علماء کی اصطلاح میں ہر حرام اور مکروہ سے دور رہنے کو کہتے ہیں، قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر آدمی اپنے نفس کو محرمات اور مکروہات کی آلودگیوں سے پاکیزہ نہ بنائے گا تو معارف اور راہ حق میں قدم بھی نہیں رکھ سکے گا، **زہد**، دنیا سے رغبت اور دلچسپی نہ رکھنا اور اس جہان پر پاؤں رکھنا، سالک کو چاہیئے کہ وہ اپنے سلوک کے دوران دنیا کی محبت اور دنیاوی تعلقات کو فراموش کر دے اور اس جہان سے بقدر ضرورت طلب کرے، زیادہ کی خواہش نہ رکھے، زاہد حقیقی وہ ہوتا ہے جو مذکورہ زہد کے ساتھ دوزخ کے عذاب سے بچنے اور بہشت کے ثواب حاصل کرنے کی بھی طمع نہ کرے بلکہ اس کا مقصود اللہ کی رضا ہو **فقر**، صوفیہ کی اصطلاح میں فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جو مال اور دنیاوی خواہشات کی رغبت نہ رکھتا ہو اور اگر مال بھی اس کے ہاتھ میں ہو تو اس کی حفاظت نہ کرتا ہو ایسا کرنا غفلت اور نادانی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس بے رغبتی کی وجہ سے جو راہ حقیقت کے سلوک کے لئے ضروری ہے تاکہ حق تعالیٰ کا غیر اس کا حجاب نہ ہو

جائے اور اس قسم کا فقر زہد کے شعبہ میں شمار ہوگا **صبر**: صبر کے معنیٰ اور حقیقت یہ ہے کہ بلاؤں اور بڑی بڑی مصیبتوں کے آنے کے موقعہ پر شکوہ اور شکایت سے اپنے نفس کو روکنا، حق تعالیٰ کی طرف چلنے والوں کے مقامات میں سے ایک مقام صبر ہے اس لئے کہ اللہ کی راہ چلنے والے کے لئے بردباری اور تحمل ضروری ہے کیونکہ ایمان کی بقاء صبر کے بغیر محال ہے، حق تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ میں ایمان کا ہونا ضروری ہے **توکل**: اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ پر پورا پورا بھروسہ کرنا اور اس پر دلجمعی کا ہو جانا ہے اور جس قدر سالک کو اللہ کی معرفت حاصل ہوگی اسی قدر اس کو اللہ پر توکل حاصل ہوگی، اور جتنا وہ اس کی قدرت، رحمت اور حکمت کو زیادہ پہچانے گا اسی قدر اس کی ذات وحدہ لاشریک پر اس کا اعتماد اور اس کی دل بستگی زیادہ ہو جائے گی، خلاصہ یہ کہ توکل کے پہچاننے کا معیار حق پر اعتماد کرنا اور غیر حق سے اس کا لوٹ جانا ہے لہٰذا سالک کو چاہیئے کہ تمام کاموں میں حق تعالیٰ کے فضل پر نظر اور امید رکھے اور اپنے کام کے وقت اس مسبب الاسباب کو دیکھے اور اپنے کو اس کا آلۂ کار جانے **رضا**: کا مطلب یہ ہے کہ سالک ہر اس چیز پر قلب اور زبان سے راضی رہے جو پروردگارِ عالم نے اس کے لئے مقدر فرمایا ہے اور حق تعالیٰ کے کام میں کسی وقت اور کسی موقعہ میں چون وچرا کرنے کو پسند نہ کرے، سالک جب مقام رضا میں ہوگا جو عارفوں اور مواحدوں کے مقامات میں سے سب سے اونچا مقام ہے اس وقت پروردگار بزرگوار کے حکیم مطلق اور مدبر عالم ہونے کا یقین کی آنکھ سے مشاہدہ کرے گا اور کبھی اس کے ذہن میں یہ خیال نہیں آئے گا کہ فلاں امر واقع ہو جاتا یا نہ ہوتا تو بہتر ہوتا اگر ایسا ہوگا تو رضا کے مقام میں پہنچنے سے بے نصیب رہے گا۔

بے قضای او نیاید ہیچ مرگ	بے رضای او نیفتد ہیچ برگ
در جہان ز اوج ثریا تا سمک	بی مراد او نجنبد ہیچ رگ
تا نگوید لقمہ را حق کا دخلوا	از دہاں لقمہ نشد سوی گلو
پر بجنباند نگردد پرہ ئ پی	در زمین ہا آسمانہا ذرہ ئی
شرح نتواں کرد و جلدی نیست خوش	جز بفرمان قدیم نافذ ش

ترجمہ: بغیر اس کی رضا کے کوئی پتہ نہیں ہلتا، بغیر اس کے فیصلے کے کوئی موت نہیں آتی، بغیر اس کے چاہے کوئی رگ نہیں ہلتی، اس جہان میں اوج ثریا سے زمین کی تہہ تک منہ سے حلق کی طرف کوئی لقمہ نہیں جاتا، جب تک لقمے کو حق تعالیٰ نہیں کہتا کہ تو اندر جا، زمینوں اور آسمانوں میں کوئی ذرہ نہیں ہلتا ہے اور نہ کوئی پر بغیر اللہ کے حکم کے حرکت کرتا ہے نہ کھلتا ہے اور بند ہوتا ہے اس لئے جلدی کرنا اچھی بات نہیں ہے اور رضا کا مقام ایسا بلند تر

مقام ہے کہ اس تک وہی لوگ پہنچتے ہیں جو عین الیقین کی منزل میں ہوتے ہیں **تسلیم**۔ مقام تسلیم توکل اور رضا کے مقام سے بلند ہے یہ مقام اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو گزشتہ تمام مقامات کو بدرجۂ اتم طے کر چکا ہو اور یقین کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچ گیا ہو، مقام تسلیم مرتبۂ توکل سے اس بناء پر بلند ہے کہ توکل میں آدمی اپنے کام کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے، جس طرح کوئی آدمی اپنے کام کو وکیل کے سپرد کر دیتا ہے مگر اس کے باوجود اس کام سے تعلق باقی رہتا ہے لیکن مقام تسلیم میں سالک اپنے کام سے قطع تعلق کر لیتا ہے اور مقام تسلیم مقام رضا سے بھی بالاتر ہے اس لئے کہ مقام رضا میں خدا تعالیٰ جو کچھ مقرر فرماتا ہے سالک کی طبیعت کے موافق ہوتا ہے لیکن اس مقام میں سالک اپنی طبیعت اور اپنی طبیعت کے مخالف اور موافق کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے **نفس**۔ انسان کی اس طاقت کو کہتے ہیں جس سے وہ کسی چیز کی خواہش کرتا ہے خواہ وہ خواہش کسی برائی کی ہو یا بھلائی کی۔ اگر یہ خواہش زیادہ تر برائی کی ہو اور اس کے کرنے پر اس کو ندامت بھی نہ ہو تو اس کو **نفس امارہ** کہتے ہیں یعنی برائی کی طرف زیادہ حکم دینے والا نفس کہتے ہیں جیسے کہ قرآن پاک میں ہے۔ ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی۔ نفس تو زیادہ تر برائی کا حکم کرنے والا ہے ہاں جب اللہ کی رحمت ہو جاوے تو دوسری بات ہے اس درجہ کو ہویٰ کہتے ہیں اور واتبع ھواہ میں خواہش کا یہی مرتبہ مراد ہے اور کبھی کبھی بھلائی اور نیکی کی خواہش کا پیدا ہونا نفس کو اس کی امارگی سے نہیں نکالتا، کیونکہ امارۃ، زیادہ حکم کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمیشہ ہی برائی کا حکم کرتا رہتا ہے **نفس لوامہ**، اگر نفس اپنی خواہش کی تکمیل پر نادم ہونے لگے تو اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں، لوامہ کے معنی بہت ملامت کرنے والا، قرآن پاک میں ہے ولا اقسم بالنفس اللوامۃ میں قسم کھاتا ہوں بہت ملامت کرنے والے نفس کی نفس مطمئنۃ جب نفس خوب منور ہو جاتا ہے کہ وہ اگر نیکی اور بھلائی کی خواہش کرتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں یعنی نیکی سے اطمینان اور چین حاصل کرنے والا اگر چہ گاہ بگاہ اس کو برائی کی خواہش بھی ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس خواہش پر نہ عمل ہو نہ اصرار کیونکہ بلا عمل کے محض رغبت کرنا اس کے اطمینان کی نفی نہیں کرتا، البتہ اگر اس برائی اور گناہ پر اس کا عمل بھی ہونے لگے تو اس وقت میں وہ مطمئنہ نہ رہے گا، خلاصہ یہ کہ نیکی و بدی دونوں خواہشیں نفس سے ہی متعلق ہیں، البتہ ہر خواہش کے اسباب جدا جدا ہیں، بعض اسباب تو مشاہدہ میں آتے ہیں جیسے نصیحت نیکی کی خواہش کے لئے اور اچھی صحبت نیکی کی رغبت کے لئے اور بعض اسباب ایسے ہیں جو مشاہدہ میں نہیں آتے جیسے فرشتہ کا القاء نیکی کی خواہش کے لئے اور شیطان کا القاء گناہ کی خواہش کے لئے

پہلے القاء کو لمۃ الملک اور ایعاد بالخیر اور دوسرے کو لمۃ الشیطان اور ایعاد بالشر کہتے ہیں، یعنی عام طور سے ایسا نہ ہوتا ہو **لاہوت**، عالم ذات حق **لبُ**، صفت حیات کلام کا اندرونی مغز **مجاہدہ**، ریاضت اور محنت **محاضرہ**، ذکر کے وسیلہ سے قلب کو جو حضور حاصل ہو اس کو محاضرہ کہتے ہیں **مرقع** وہ جبہ جسے ٹکیاں جوڑ کر تیار کرتے ہیں **مست** اہل شوق وجذبہ کو کہتے ہیں، **مشاہدہ** حق کے پالینے کو کہتے ہیں **مطلوب** اس سے صوفیہ کی مراد ذات حق ہوتی ہے **ملکوت** باطن کا جہان، عالم غیبت، عالم ارواح کو کہتے ہیں **معاملت** اجتماعی زندگی کے آداب اور طریقے کو کہتے ہیں خاص آداب کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنے کو کہتے ہیں **واقعہ** بڑے مکاشفہ کو کہتے ہیں اور مرنے کو بھی **وجد** حق تعالیٰ کی کشش اور جذب کو کہتے ہیں **وصال** مقام وحدت کو کہتے ہیں **وصول** قرب بحق کی انتہا کو کہتے ہیں **وقت** وہ شدید محویتیں جو ریاضت اور ارادت کے نتیجہ میں سالک کو حاصل ہوتی ہیں اور بےخودی کی کیفیت کو بھی کہتے ہیں، **مراد**۔ یا شیخ یا ولی اس کو کہتے ہیں کہ تصرف کرنے میں اس کی ولایت کی تاثیر اور طاقت اس درجہ میں پہنچ گئی ہو کہ وہ ناقصوں کو کامل بنا دیتی ہو اور استعداد کی قسموں اور ارشاد و ترتیب کی راہوں کا اختلاف ظاہر کی آنکھ سے دیکھ چکا ہو، حالات و تجلیات پر سالک کو باخبر کرتا ہو اور سلوک کی منزلوں اور مقاموں میں اہل سلوک کی رہنمائی اور مدد کرتا ہو، نیز چاروں سفر یعنی، (۱) سفر از خلق بسوئے حق، سفر مخلوق سے حق کی طرف (۲) سفر از حق بسوئے حق، سفر حق سے حق کی طرف (۳) اور سفر از حق بحق، سفر حق سے حق کے ساتھ (۴) اور سفر از حق بحق الی الخلق، سفر حق سے حق کے ساتھ مخلوق کی طرف، میں ان کی رہنمائی اور مدد کرتا ہو، جیسے کہ مولانا فرماتے ہیں **شعر**

پیر را بگزیں کہ بے پیر السفر	ہست بس پر آفت و خوف و خطر
آں رہے کہ بارہا تو رفتہ ئی	بے خلاصہ اندر آں آشفتہ ئی
پس رہے را کہ ندیدستی تو ہیچ	معین مرو تنہا ز رہبر سر مپیچ
ہر کہ رو بے مرشدی در راہ شد	او ز غولاں گمرہ و در چاہ شد

حجاب، راہ حقیقت اور معشوق تک پہنچنے سے روکنے والا **خرابات**، مقام فنا، باطنی جہان و عارف کا باطن جو وحدت کے ہم رنگ ہو گیا ہو، **ذوق**، تجلی کے ثمرات اور کشوف کے نتیجے کو کہتے ہیں **زنّار**، یک رنگی کی نشانی، راہ یقین کی متابعت اور مرشد کی خدمت کو کہتے ہیں **زاویہ** درویشوں کی خاص جگہ **سرّ** فقر کے راز **سکر**، اہل معرفت کی مستی جو غیبت کی طرح ہوتی ہے **شاہد**، ہر خوبصورت چیز اور خوش طبعی کرنے والا اور

اپنی طرف مائل کرنے والا **شوق** رغبت تمام اور طلب مدام **طریقت** تصوف کے راستہ اور اس کے طور طریقے **عجب** خود بینی، خود کو یا اپنے عمل کو دیکھنا **غیرت** وہ حسد جو عاشق اور معشوق کے درمیان ظاہر ہو، **فتوح**، باندھے ہوئے کام کا کھل جانا، دل کی کشادگی کو بھی کہتے ہیں اور درویشی میں کسی قسم کی خیر یا نفع کے پہنچنے کو کہتے ہیں، **فنا** سالک کے خصال ذمیمہ کا دور ہو جانا **قرب** درگاہ الٰہی میں نزدیکی کو کہتے ہیں **قطب**، مشائخ طریقت کا وہ بزرگ جو اس زمانہ کا راہنما ہو **قلندر**، عارف اور ہوا و ہوس سے خالی فقیر کو کہتے ہیں نیز اہل تسلیم و رضا کو بھی قلندر کہتے ہیں **کرامت** ظاہر ہونے والی چیزیں جو کبھی کبھی شیخ کے ذریعہ ظاہر ہوں اور خارق العادۃ ہوں اور عام طور سے ایسا نہ ہوتا ہو، **فنا و بقا**، فنا کے یہ معنی ہیں کہ حق جل شانہ کی ہستی کا ظہور سالک کے ظاہر و باطن میں اتنا غالب آجائے کہ اللہ کے ماسویٰ کی اس کو تمیز نہ رہے نہ سمجھ، اور فناء فنا یعنی فناء حقیقی اس کو کہتے ہیں کہ سالک اپنے وجود و شعور دونوں کو گم کر دے، نہ اپنی ذات سے خبر رکھے نہ ہی اپنے غیر سے، اور مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا "مر جاؤ مرنے سے پہلے" انہی معنیٰ پر بولا گیا ہے کہ اس مقام میں آدمی کا وجود ہی نہیں رہتا، جس طرح دن کے وقت سورج کی روشنی میں ستاروں کا وجود گم ہو جاتا ہے، حالانکہ حقیقت میں ان کا وجود موجود ہے، فنا کے بعد جو کیفیت حاصل ہوتی ہے اس کو بقا، اور فناء الفناء کے بعد والی کیفیت کو بقاء البقاء کہتے ہیں، پھر فنا کی چار قسمیں ہیں اول" فناء خلق، ماسوئے سے امید اور خوف کو ختم کر دینا، دوم، فناء ہوا، دل میں ذات مولیٰ کے سوا دوسری آرزو نہ رہے، سوم، فناء ارادہ یعنی سالک کی ہر خواہش زائل ہو جائے جیسے مُردوں کی خواہش زائل ہو جاتی ہے، چہارم فناء فعل، جس کی ادنیٰ حالت یہ ہے کہ بندہ فعل کا فاعل یعنی کرنے والا ہو اور حق تعالیٰ اس کا آلہ ہو، جیسے حدیث قدسی میں ہے" لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ کنتُ سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہ ورجلہ الذی یمشی بہ، بندہ ہمیشہ نفلوں کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو چاہنے لگ جاتا ہوں، پھر جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں اور وہ اس سے سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں کہ وہ اس سے دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، کہ وہ اس سے پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں کہ وہ اس سے چلتا ہے اور فناء فعل کی اعلیٰ حالت یہ ہے کہ بندہ آلہ ہو اور حق تعالیٰ فاعل ہو جیسے قرآن پاک میں ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ، اور اے محمدؐ تو نے نہیں پھینکا جب کہ تو نے پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا **آفاق و انفس**، اللہ کے ماسویٰ کی دو قسمیں ہیں، آفاق اپنے ماسوئے تمام موجودات کو کہتے ہیں مثلاً زمین و آسمان اور ان میں پائی جانے والی تمام مخلوقات

کو آفاق کہتے ہیں اور انفس نفس کی جمع ہے اپنے آپ کو کہتے ہیں، آفاق کے علم کو علم حصولی کہتے ہیں اور علم حصولی کے زائل ہونے کا نام آفاق کو بھول جانا ہے اور اس کو صوفیہ کرام فنائے قلب سے تعبیر کرتے ہیں جس کی نشانی یہ ہے کہ دل میں ماسوا اللہ کا گزر نہ رہے، یہاں تک کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی دل کو ماسوی اللہ یاد دلائیں تو بھی اس کو یاد نہ آئے بلکہ اس کو قبول نہ کرے اور انفس کے علم کو علم حضوری کہتے ہیں اور علم حضوری کا زائل ہونا انفس کے بھول جانے کو کہتے ہیں، صوفیہ کے نزدیک اس کو فنا نفس کہتے ہیں اور فنا نفس فنا قلب سے زیادہ کامل ہے **شریعت، طریقت حقیقت، معرفت**، اسلام کے تمام احکام جن کا انسان مکلف ہے خواہ وہ ظاہری اعمال سے تعلق رکھتے ہوں یا باطنی اعمال سے، ان کے مجموعہ کو شریعت کہتے ہیں اور اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جو بزرگ گزرے ہیں ان کی اصطلاح میں فقہ کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے کہ معرفۃ النفس مالہا وما علیہا، نفس کا ان احکام کو پہچاننا جو اس کے ظاہر و باطن کے متعلق ہیں اور ثواب و عذاب کو لازم کرنیوالے ہیں، ان حضرات کے بعد میں آنے والوں یعنی متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے دو حصے ہو گئے، ظاہری احکام سے تعلق رکھنے والے اعمال کا نام فقہ ہو گیا اور باطنی اعمال سے تعلق رکھنے والے اعمال کا نام تصوف ہو گیا اور ان باطنی اعمال کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں، باطنی اعمال کے ٹھیک طور پر ادا ہونے سے دل میں جو صفائی اور روشنی پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ سے دل کے اوپر موجودات کی بعض حقیقتیں خواہ وہ آنکھ سے نظر آنے والی ہوں یا نظر نہ آنے والی ہوں خصوصاً اچھے یا برے عملوں کی حقیقتیں اور اللہ پاک کی ذات و صفات اور افعال وغیرہ کی جو حقیقتیں ظاہر ہونے لگیں اور بالخصوص اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان والے معاملات کا جو اظہار ہوتا ہے، ان تمام اقسام کے اظہارات کو حقیقت کہتے ہیں اور ظاہر ہونے کو معرفت اور جس بزرگ پر یہ ظاہر ہوں اس کو محقق، صاحب حقیقت اور عارف یعنی صاحب معرفت کہتے ہیں، لہٰذا یہ سب عنوان طریقت، حقیقت و معرفت، شریعت سے ہی تعلق رکھتے ہیں کوئی الگ چیز نہیں ہیں، اہل معرفت کہتے ہیں کہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، طریقت، حقیقت شریعت کا جامع ہے پہلا حصہ لا الٰہ الا اللہ تمام آفاقی اور انفسی خداؤں کی نفی کر کے خدائے واحد کے موجود و مقصود و معلوم ہونے کو ثابت کرتا ہے پس جب تک سالک لا الٰہ کے مقام میں ہے طریقت میں ہے جب نفی سے پورے طور پر فارغ ہو جاتا ہے اور تمام ماسوا اس کی نظر سے مٹ جاتا ہے تو طریقت کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور مقام فنا میں پہنچ جاتا ہے جب نفی کے بعد مقام اثبات میں آتا ہے اور سلوک سے جذبہ کی طرف ترقی کرتا ہے تو مرتبہ حقیقت کے ساتھ متحقق اور بقاء کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے اس نفی و اثبات، اس طریقت و حقیقت اور اس فناء بقا اور سلوک

وجذبہ کے حاصل ہونے پردہ شخص ولی اللہ کہلاتا ہے اس کا نفس امارگی چھوڑ کر مطمئنہ ہوجاتا ہے اور مزکیٰ یعنی پاک وصاف بن جاتا ہے پس ولایت کے کمالات اس کلمہ طیبہ کے پہلے حصہ کے ساتھ جو نفی واثبات ہے والبتہ ہیں کلمہ کا دوسرا حصہ محمد رسول اللہ ہے شریعت کو کامل کرنے والا ہے جو کچھ ابتداء میں اور درمیان میں شریعت سے حاصل ہوا تھا وہ شریعت کی صورت تھی اور اس کا اسم ورسم تھا شریعت کی حقیقت اس مقام میں حاصل ہوتی ہے جو مرتبہ ولایت کے حاصل ہوجانے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور کمالات نبوت جو کامل تابعداروں کو وراثت اور پیروی کے طور پر حاصل ہوتے ہیں وہ بھی اس مقام میں حاصل ہوجاتے ہیں، طریقت وحقیقت جن سے ولایت حاصل ہوتی ہے شریعت کی حقیقت اور کمالات نبوت حاصل بننے کے لئے گویا کہ شرائط ہیں،

دوسری طرح یوں سمجھیں، ولایت کو وضو کی طرح سمجھنا چاہیئے اور شریعت کو نماز کی طرح، طریقت میں حقیقی نجاستیں دور ہوتی ہیں اور حقیقت میں حکمی نجاستیں یعنی حدث وخباثت دور ہوتی ہے اور جس طرح انسان ظاہری اعضاء کی طہارت پاکی کے بعد نماز کے ظاہری احکام ادا کرنے کے لائق ہوتا ہے اسی طرح طریقت وحقیقت کے ساتھ کامل طہارت حاصل ہونے کے بعد شرع شریف کے احکام بجالانے کے لائق ہوجاتا ہے اور اس نماز کے ادا کرنے کی قابلیت ہوجاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نزدیکی کے مرتبوں انتہا اور دین کا ستون ہے،

علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، کسی چیز کے متعلق واقعہ کے مطابق پکے اعتقاد کو یقین کہتے ہیں، صوفیائے کرام نے حق تعالیٰ کی ذات کے مشاہدہ کرنے میں یقین کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) علم الیقین، اور یہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات میں ان آیتوں اور نشانیوں کے مشاہدہ کرنے سے مراد ہے جو حق تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور ان نشانیوں کے شہود کو سیر آفاقی کہتے ہیں اور یہ سب کچھ سالک اپنے باہر میں مشاہدہ کرتا ہے قطب المحققین سید العارفین ناصر الدین خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ نے فرمایا کہ سیر الی اللہ دو طرح پر ہے، سیر مستطیل، وہ یہ ہے کہ اپنا مقصود اپنے دائرہ کے باہر تلاش کریں (سیر آفاقی) یہ دور در دور ہے، دوسرے سیر مستدیر یعنی اپنے دل کے گرد پھریں اور اپنا مقصود اپنے ہی اندر تلاش کریں اور یہ قریب در قریب ہے (سیر النفسی)، پس وہ تجلیات جو حسی یا مثالی صورتوں میں انوار کے پردوں میں ہوں، خواہ کوئی ہو اور خواہ کوئی نور ظاہر ہو، وہ نور خواہ رنگین ہو، یا بے رنگ ہو، محدود ہو یا غیر محدود، کائنات کو محیط ہو یا نہ ہو۔

جب علم الیقین میں داخل ہوں اس شعر میں ایسی مشاہدہ آفاقی کی طرف اشارہ ہے جو علم الیقین کے لئے مفید ہے، اے دوست ترا بہر مقامے جستم ہر دم خبرت از ایں وآں مے جستم ؛ اے دوست میں تجھ کو ہر

مقام میں ڈھونڈتا تھا اور ہر وقت اس اور اُس (کائنات) سے تیری خبر ہی تلاش کرتا تھا، یہ مشاہدہ چونکہ مقصود کی خبر نہیں دیتا اور سوائے نشانی اور دلیل کے اس کا کچھ حضور نہیں بخشتا۔ اس لئے دھوئیں اور گرمی کے مشاہدہ کی طرح ہوا آگ کے وجود پر رہنمائی کرتا ہے پس یہ مشاہدہ علم کے دائرہ سے نہیں نکل سکتا اور نہ علم الیقین کے سوا کچھ فائدہ دے سکتا ہے اور نہ ہی سالک کا وجود اس سے فنا ہو سکتا ہے۔

عین الیقین۔ علم الیقین سے حق تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد جو مشاہدہ حق تعالیٰ کی ذات اور حضوری میں حاصل ہوتا ہے اور اس میں صرف اس قدر غلبہ ہو کہ مشاہدہ کرنے والا شہود کے غیر سے بالکل بے خبر نہ ہو جائے عین الیقین کہلاتا ہے اور وہ مشاہدہ بعض کے نزدیک سالک کے اپنے نفس میں ہوتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ، جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور اس ذاتی شہود و حضور کو "سیر انفسی" کہتے ہیں جو سیر الی اللہ کا دوسرا جزو ہے، لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیر انفسی بھی علم الیقین میں داخل ہے اور مقصود حقیقی کا پتہ دینے والی اور اس کے ظلال میں سے ہے جیسے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق، ہم ان کو دنیا کے اندر اور ان کے اپنے نفسوں کے اندر اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہ حق ہے بلکہ بندہ ہے۔ حق تعالیٰ تک قرب کی ایک اور سیر واقع ہوتی ہے جس کے قطع کرنے پر وصول الی اللہ منحصر ہے، یہ تیسری سیر بھی حقیقتاً علم الیقین ہی کو ثابت کرتی ہے اگرچہ دائرہ ظلیت سے باہر اسماء و صفات الٰہی میں ہے لیکن ظلیت کی آمیزش سے پاک و صاف نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات حقیقت میں حضرت ذات تعالیٰ کے ظلال ہیں اس لئے وہ آثار و آیات میں داخل اور علم الیقین میں شمار کئے جاتے ہیں، پس عین الیقین کا مشاہدہ سالک کے فنا، کو لازم کرتا ہے اور اس مشاہدہ کے غلبہ میں اس کا کوئی باقی نہیں رہتا، اور اپنے محبوب کے مشاہدہ میں ڈوب جاتا ہے اس کو ادراک بسیط اور معرفت بھی کہتے ہیں کیونکہ اس مقام میں سالک من عرف نفسہ فقد عرف ربہ سے مشرف ہو جاتا ہے اور اس مشاہدہ میں حیرت اور نادانی ہے علم کی اس میں گنجائش نہیں اور سالک من عرف ربہ کل لسانہ۔ جس نے اپنے رب کو پہچانا، اس کی زبان گونگی ہو گئی کا مصداق ہو جاتا ہے اس لئے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ علم الیقین عین الیقین کے لئے پردہ ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا — بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

حق الیقین۔ سالک جب فنا کے بعد سیر فی اللہ کے مقام میں جب بقا باللہ سے مشرف ہوتا ہے اور اس کا

مشاہدہ حق، حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ عارف کا اپنے ساتھ اور بی یسمع مجھ سے ہی سنتا ہے اور بی یبصر، اور مجھ سے ہی دیکھتا ہے کا مرتبہ حاصل کرتا ہے تو فناء مطلق، حقیقی فناء حاصل کرنے کے بعد جو ذات وصفات کی فناء ہے، اس کو حق تعالیٰ محض اپنی عنایت سے خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وجود یعنی کیفیت عطا کرتا ہے کہ سکر حال اور بے خودی دور ہو کر صحو اور ہوشیاری میں آجاتا ہے اور اس مقام میں علم اور عین علم کی حالت میں مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے یہ حق الیقین ہے، یقین کے ان تینوں مرتبوں کو اس مثال سے سمجھو، مثلاً کوئی آدمی بزرگوں کے مسلسل کہنے سے یہ معلوم کرے یا دوسرے مضبوط قراین اور دلیلوں سے یہ جان لے کہ آگ کی تاثیر جلانا اور زہر کی تاثیر مارنا ہے تو یہ علم الیقین ہے، اگر کسی آدمی کو آگ میں جلتا یا زہر کھا کر مرتا دیکھے تو عین الیقین ہے اور اگر خود آگ میں جلے یا زہر کھا کر حالت موت میں مبتلا ہو جائے تو یہ حق الیقین ہے، القصہ سیر الی اللہ کا پھل علم الیقین ہے اور سیر فی اللہ میں مقام فناء فی اللہ کا نتیجہ عین الیقین اور بقا باللہ کا ثمرہ حق الیقین ہے، **فناء وبقا کی تشریح**، جب سالک اللہ تعالیٰ کی یاد کثرت سے کرتا ہے اور محبوب حقیقی کی محبت اس کے قلب و قالب پر غالب آجاتی ہے اس وقت اس کی نظر سے، محبوب کے سوا سب کچھ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور محبوب حقیقی کے سوا اس کو کچھ مشہود نہیں ہوتا، اس کو تصوف کی اصطلاح میں "مرتبۂ جمع" کہتے ہیں اور اسی مقام کو مقام جہل اور مقام حیرت بھی کہتے ہیں لیکن یہ وہ جہل ہے جو محمود ہے اور وہ حیرت ہے جو ممدوح ہے انا الحق سبحانی ما اعظم شانی، ولیس فی جبتی سوی اللہ، و کعبہ من گرد من طواف کن، یہ سب شطحیات اس مرتبہ جمع کے درخت کے پھل ہیں اور اسی ایک بینی کے اثرات وثمرات ہیں اور اسی حالت سکر سے ناشی ہیں لیکن "السکاریٰ معذورون" کے تحت ان حضرات کے اقوال کی تاویل کی جاتی ہے اور یہ اقوال ظاہر کی طرف سے پھیر دیئے جاتے ہیں اور جو شخص مرتبہ جمع میں پہنچا ہے اس قسم کا کلام کرتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا ایسا شخص زندیق و ملحد ہے پس اس طرح کے خلاف شرع کلمات سچے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور جھوٹے سے بھی، سچے کے لئے آب حیات ہیں اور جھوٹے کے لئے زہر قاتل، جس طرح نیل کا پانی بنی اسرائیل کے حق میں آب خوشگوار تھا اور قبطیوں کے حق میں خون تھا، اس مقام پر اکثر سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں اور وہ ارباب سکر کی باتوں کی تقلید کر کے صراط مستقیم سے ہٹ کر گمراہی اور خسارہ میں پڑ جاتے ہیں اور اپنے دین کو برباد کر بیٹھتے ہیں، لہذا اس قسم کی باتوں کا قبول ہونا چند شرائط پر مشروط ہے جو ارباب سکر میں موجود ہیں اور ان کے غیر میں مفقود ہیں، ان شرائط میں سے اعلیٰ شرط ماسوی اللہ کا نسیان ہے جو اس کی قبولیت کی دہلیز ہے سچے اور جھوٹے کے

درمیان شریعت کی استقامت اور عدم استقامت سے فرق ظاہر ہو سکتا ہے یعنی جو سچا ہے وہ باوجود سکر و مستی اور عدم تمیز کے ایک بال بھر بھی شریعت کے بر خلاف نہیں کرتا منصور انا الحق کہنے کے باوجود قید خانہ میں زنجیروں کے اندر جکڑے ہوئے ہر رات پانچ سو رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے اور کھانا جو ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا اگرچہ وجہ حلال سے ہوتا، نہ کھاتے تھے، اور جو کوئی جھوٹا دعوے دار ہے اس پر احکام شرعیہ کا بجالانا کوہ قاف کی طرح بھاری ہوتا ہے، کبر علی المشرکین ما تدعوھم الیہ، مشرکین پر بڑی بھاری ہے وہ بات جس کی طرف اے نبی تو اُن کو بلاتا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح شریعت میں کفر و اسلام ہے طریقت میں بھی کفر و اسلام ہے جس طرح شریعت میں کفر سراسر شرارت ہے اور اسلام سراسر کمال ہے اسی طرح طریقت میں بھی کفر سراسر نقص ہے اور اسلام سراسر کمال ہے، کفر طریقت مقام جمع ہے جو استتار بھی پوشیدہ ہونے کا محل ہے اس مقام میں حق و باطل کی تمیز مفقود ہو جاتی ہے کیونکہ اس مقام میں سالک کا شہود اچھے بُرے آئینوں میں وحدت محبوب کا جمال ہوتا ہے پس وہ خیر و شر، نقص و کمال کو اس وحدت کے ظلال اور مظاہر کے سوا نہیں پاتا، کبھی مظہر کو عین ظاہر جان کر مخلوق کو عین حق خیال کرتا اور ربوب کو عین رب جانتا ہے اس قسم کے سب بھول مرتبہ جمع ہی سے کھلتے ہیں منصور اسی مقام میں کہتے تھے، کفرت بدین اللہ والکفر واجب لدی وعند المسلمین قبیح میں نے اللہ کے دین کا انکار کیا اور یہ انکار میرے نزدیک واجب ہے اور مسلمانوں کے نزدیک بُرا ہے، یہ کفر طریقت کفرِ شریعت کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتا ہے لیکن شریعت کا کافر مردود ہے اور عذاب کا مستحق ہے اور طریقت کا کافر مقبول اور اعلیٰ درجات سب کے لائق، کیونکہ یہ کفر استتار محبوب حقیقی کے غلبہ محبت سے پیدا ہوتا ہے جس کے باعث محبوب حقیقی کے سوا کچھ فراموش ہو جاتا ہے اس لئے وہ مقبول ہے اور کفر شریعت چونکہ تمرد اور سرکشی ہے اور جہالت کے غلبہ سے پیدا ہوتا ہے اس لئے مردود ہے،

گفت منصورے انا الحق گشت مست گفت فرعونے انا الحق گشت پست

اسی کفر طریقت کو فنار سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور اس فنار حقیقی یا فنار فی الوجود، یعنی فنا نفس کے بعد بقاء حقیقی یا بقا البقار کا مقام حاصل ہوتا ہے، اس کو اسلام طریقت اور فرق بعد الجمع سے تعبیر کرتے ہیں اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے،

ہیچ کس را تانگردد او فنار نیست رہ در بارگاہ کبریا

ترجمہ

کوئی شخص جب تک کہ وہ حق سبحانہ، وتعالیٰ کی محبت میں فنا نہ ہو جائے گا اس کو بارگاہِ الٰہی تک رسائی نہ ہوگی اس شعر میں رہ در بارگاہ کبریا سے مراد بقا باللہ ہے،

اسلام طریقت جو تمیز کا مقام ہے جہاں حق باطل سے اور خیر شر سے "ممیز" جدا ہے اور سُکر صحو میں تبدیل ہو جاتا ہے اس اسلام طریقت کو اسلام شریعت سے بڑی مناسبت ہے، جب اسلام شریعت کمال تک پہنچ جاتا ہے تو اس اسلام طریقت میں اتحاد کی نسبت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ ہر دو اسلام اسلام شریعت ہیں، اور ان میں فرق صرف ظاہر شریعت و باطن شریعت، صورت اور حقیقت شریعت کا ہے کیونکہ طریقت کا رتبہ صورت شریعت کے اسلام سے بلند تر ہے اگرچہ حقیقت شریعت کے اسلام کی نسبت سے کم تر ہے،

آسمان نسبت بعرشس آمد فرود ورنہ بس عالی ست پیش خاک تود

آسمان عرش کے مقابلہ میں نیچا ہے لیکن مٹی کے ٹیلوں کے مقابلے میں بہت اونچا ہے، اسلام حقیقی کی دولت زوال سے محفوظ ہے اور آیۃ- الا ان اولیاء اللہ لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون، کہ بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں، ایمان والوں کے حال کا نشان ہے، کیونکہ ولایت اس ایمان کے بغیر متصور نہیں اگرچہ مرتبہ جمع میں بھی اس ولایت کا اطلاق کر سکتے ہیں، لیکن نقص و قصور ہر وقت اس مرتبہ کا دامن گیر ہے پس جب تک کفر طریقت سے محقق نہ ہوں، اسلام حقیقی سے مشرف نہیں ہوتے، یہ خواص بلکہ اخص الخواص کا مقام ہے اور وہ صحو ہے جو سُکر کے بعد ہے اور جو صحو سے پہلے ہے وہ عوام کا حال ہے پھر فناء قلب جو دوام بے شعوری از ماسوی اللہ سے عبارت ہے حاصل ہو جاتی ہے تو اس وقت ولایت صغریٰ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور یہ فناء کی صورت ہے نہ کہ حقیقت، اور اس فناء قلبی میں دل سے خطرہ دور ہو جاتا ہے اور دماغ سے رہتا ہے اس کے بعد فناء نفس حاصل ہوتی ہے جو ولایت کبریٰ کے حصول پر منحصر ہے اس میں خطرہ دماغ سے منتفی ہو جاتا ہے، اس وقت فناء حقیقی اور حقیقت اسلام و شرح صدر مقام دوام شکر و رضا حاصل ہو جاتا ہے، کہ حکم قضا و قدر پر چون وچرا کی مجال نہیں رہتی اور تکلیفات شرعیہ کے قبول میں دلیل کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ استدلال بدیہی ہو جاتا ہے اور دیگر لطائف کی فناء ان دونوں کے ضمن میں حاصل ہو جاتی ہے جب فی المعروف حاصل ہو جاتی ہے تو کمال عرفان حاصل ہو جاتا ہے، اور سالک مصدر عبادت مقبولہ ہو جاتا ہے، اگر سالک کا ہر قول و فعل، حرکت و سکون جو اس سے سرزد ہوتا ہے اصل ہے اور خود بخود ہے،

شعر کے بود خود زخود جدا ماندہ من و تو رفتہ و خدا ماندہ

اپنے آپ سے جدا رہ کر خود کب رہتا ہے، میں اور تو ختم ہوئے اور صرف خدا رہ گیا، اس قرب کا یہ مطلب نہیں کہ حق و خلق، عبد و معبو، رب مربوب ایک ہو جاتا ہے جو عنیت واتحاد فاعل و مفعول کا شبہ ہو، العبد عبد، الحق حق، بندہ بندہ ہے اور حق حق ہے بلکہ بات یہ ہے، شعر

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را جان و ناس

لوگوں کی جانوں کے ساتھ لوگوں کے پروردگار کو بے کیف و بے قیاس اتصال ہے، نحن اقرب الیہ من حبل الورید، اور اس قرب میں بھی ادنیٰ اور اعلیٰ مرتبہ ہے، ادنیٰ یہ کہ فاعل بندہ اور حق آلہ ہو اور اس کو قرب نوافل اور فناء سے تعبیر کرتے ہیں، حدیث قدسی ہے لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ و یدہ الذی یبطش بہ و رجلہ الذی یمشی بہ، بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے دوست بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ آلہ بندہ ہو اور فاعل حق جل جلالہ وعم نوالہ ہو، اور اس قرب کو قرب فرائض، اور بقاء سے تعبیر کرتے ہیں وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ، اے پیغمبر جب تو نے کنکریاں پھینکیں تھیں تو تو نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں،

تا کرا را باین دولت مشرف سازند، دیکھئے اس دولت سے کس کو مشرف کرتے ہیں

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست بر کریماں کار معاد شوار نیست

تو نہ کہہ کہ اس بادشاہ تک ہماری رسائی نہیں ہے، بات یہ ہے کہ کریموں پر کوئی کام دشوار نہیں ہے، پس استتار اور پوشیدگی، فناء اور توحید شہودی ہے جس کا اس شعر میں بیان ہے،

وے رجا بود مہر آشکارا زمارا خبر نہاں بودن چہ چارا

لیکن جس جگہ کہ آفتاب نکلا ہوا ہو، سیاہ ستارہ کو چھپنے کے سوا کیا چارا ہے،

مبادی تعینات وحقیقت خلا، مبداء، فیاض، ذات حق کو کہتے ہیں کیونکہ کائنات کی ہر چیز کو اس ذات سے فیض پہنچتا ہے اور ہر چیز کی ابتداء، اور انتہا اس کی طرف لوٹتی ہے،

مبداء تعین! فیض کی مختلف صورتوں اور قسموں کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو مختلف صفتوں اور ناموں سے پکارا جاتا ہے ان میں سے ہر نام اور ہر صفت کو کسی نہ کسی مخلوق سے خاص مناسبت ہے اور وہ مخلوق اسی کے فیض سے دوسرے اسماء اور صفات کا فیض اخذ کرتی ہے پس یہی اس مخلوق کا مبداء تعین ہے، بات دراصل یہ ہے کہ وہ فیض جو حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچتا ہے دو قسم کا ہوتا ہے ایک قسم تو وہ ہے جو "ایجاد" موجود کرنا، بقاء باقی رکھنا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جو ایمان و معرفت، مراتب ولایت اور نبوت کے تمام کمالات سے تعلق رکھتا ہے پہلی قسم کا فیض سب کو صفات کے ذریعہ سے آتا ہے اور دوسری قسم کا فیض بعض کو صفات کے ذریعہ سے اور بعض کو شیونات کے ذریعہ واسطہ سے آتا ہے اور صفات و شیونات کے درمیان بہت نازک فرق ہے جو محمدی المشرب اولیاء کے سوا اور کسی پر ظاہر نہیں ہوا غرضیکہ وہ صفات جو حق تعالیٰ کی ذات پر وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں اور وہ شیونیات جو حق تعالیٰ کی ذات میں مجرد اعتبار ہیں آپس میں فرق رکھتے ہیں ان کی مثال یوں سمجھئے کہ پانی کی فطرت ہے کہ وہ اوپر سے نیچے کو اترتا ہے یہ طبعی فعل اس میں حیات "زندگی" علم و قدرت اور ارادہ کا اعتبار پیدا کرتا ہے کیونکہ علم والے ثقل اور علم کے اقتضاء کی وجہ سے اوپر سے نیچے کو آتے ہیں اور فوق "اوپر" کی طرف نہیں جاتے اور علم خود حیات کے تابع ہے اور ارادہ علم کے تابع ہے، پھر ارادہ میں قدرت کی قوت بھی ثابت ہے پس یہ اعتبارات جو پانی کی ذات میں ثابت کئے جاتے ہیں بمنزلہ شیونات کے ہیں اگر ان اعتبارات کے باوجود پانی کی ذات میں صفات زائدہ ثابت کئے جائیں تو وہ وجود زائد کے ساتھ ہوں گے، کیونکہ پانی کو پہلے اعتبارات کے قادر اور مرید نہیں کہہ سکتے بلکہ ان اسموں کو ثابت کرنے کے لئے صفات زائدہ کا ثابت کرنا ضروری ہے،

شیونات و صفات میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مقام شیئوں، صاحب شان کے مواجہ اور روبرو ہے اور مقام صفات ایسا نہیں ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے اولیاء کو جو آپ کے زیر قدم ہیں، فیض ثانی شیونات کے واسطہ سے پہنچتا ہے اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان لوگوں کو جو ان کے زیر قدم ہیں یہ فیض بلکہ فیض اول بھی صفات کے واسطے سے پہنچتا ہے، اس تمہید کے بعد معلوم کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ شانہ، صفات وجودیہ، حقیقیہ، اضافیہ اور صفات سلبیہ اور ان اسماء حسنیٰ سے موصوف ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور اولیاء اللہ کے کشفوں اور احادیث کے اشارات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتوں اور ناموں کے ظلال ہیں،

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات نبیوں اور فرشتوں کے معاون تعینات ہیں اور ان اسماء وصفات کے ظلال دوسرے انسانوں اور مخلوقات کے مساوی تعینات ہیں،

ظلال کی حقیقت؛ ظلال ظل کی جمع، سے سایہ مراد نہیں جو شبہ پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ اصل لطافت میں کامل نہیں بلکہ ظلال اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں وہ لطیفے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے پوری مناسبت ہے اس مناسبت اور ان لطیفوں اور نسبتوں کو سمجھنے کی آسانی کے لئے ظلال کہا جاتا ہے یا سُکر کی حالت میں معلوم کیا جا سکتا ہے جیسے حدیث میں آیا ہے ان للہ سبعون الف حجابًا من نور وظلمۃ لوکشفت لاحرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ، بے شک اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار حجاب ہیں اگر وہ حجاب دور ہو جائیں تو جہاں تک اس کی نظر جائے اس کے چہرہ کی عظمت اور جلال اس کی مخلوق کو جلا دے اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جبریل نے کہا یا محمد دنوت من اللہ دنوًا ما دنوت منہ قط فقال کیف کان یا جبریل قال کان بینی وبینہ سبعون الف حجابًا من نور، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ تعالیٰ سے اتنا نزدیک ہو گیا تھا کہ کبھی اتنا نزدیک نہیں ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی کیا کیفیت تھی، جبریل نے جواب دیا کہ میرے اور اس کے درمیان ستر ہزار نور کے پردے تھے، مسلم نے حضرت ابوموسیٰ سے روایت کیا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا حجاب نور ہے اگر وہ اسے کھول دے تو جہاں تک اس کی نظر جائے اس کے چہرہ کی عظمت اور جلال اس کی مخلوق کو جلا دے بہت ممکن ہے کہ ان پردوں سے مراد ظلال ہی ہوں یعنی اگر ظلال نہ ہوتے تو دنیا اپنی ضعف استعداد اور پستی مرتبہ کے باعث صفات ذات حق سے بغیر واسطہ ظلال اقتباس فیض کے لئے غیر صالح ہونے کی وجہ سے مٹ جاتی بلکہ سرے سے ہی معدوم ہوتی، ان اللہ لغنی عن العالمین، اللہ تعالیٰ دنیاؤں سے بے نیاز ہے، مشکل الفاظ کے معانی چھچھڑا، چھٹی اور بلانے کو بھی کہتے ہیں رمیم، بوسیدہ اور پرانا رواق، گھر کے سامنے کا چوک، مکان کا چھجہ، بالاخانہ راہ چلنے والا، مکان کی دوسری منزل روح القدس جبریل علیہ السلام کا لقب ہے روضۃ، باغ، سبزہ زار، مرغزار وہ چمن جو پانی سے مستور ہو، زخارف، سونا، چاندی، زینت آلات زرق، مکر، ریا، جھوٹ سالک، حق تعالیٰ کے قرب کا طالب اور راہ چلنے والا سالوس، حیلہ ساز، چرب زبان سطوت حملہ سماحت شیرینی، بخشندگی سماط دستر خوان سمند سرخ رنگ کا گھوڑا سور، جشن، دیوار قلعہ سرنگ شطح وہ بات

جس کا ظاہر یا باطن خلاف شرع ہو **شمیم** خوشبو **شنعت** سزا، سرزنش **صلا** اونچی صدا، سے دعوت کرنا **صوف** اون اور ریشم کا کپڑا **ضو** چمک دمک **طامات**، ہذیان لاف گزاف **طرفہ**، نئی اور نادر چیز **طفیل** ایک کوفی شاعر کا نام جو بن بلائے محفل طعام میں جاتا تھا، احاصر، سبب ذریعہ کو بھی کہتے ہیں **طفیل** کالے رنگ کا پانی وہ میل جو پانی کے نیچے تہ میں جم جائے، مکہ کا ایک پہاڑ **عجب** خود بینی اور تکبر **عروج** اوپر جانا **غالیہ** مشک وغیرہ سے ملی ہوئی چیز **غیرت** حسد، شرم وحیا، جوش حمیت ناآشنا ہونا، شرم کرنا **قلاش** مفلس بے نام وننگ، شہدا لچا، شرابی، دغاباز **کنف** حفاظت، حمایت **لمعہ** رنگ کی چمک دمک، روشنی گرمی طاقت **مجمر**، انگیٹھی، آتشدان **مغاک** گڑھا **مقتبس** لیا ہوا، اخذ شدہ **مکارم** بخشش، بڑے درجہ کی بزرگیاں **ملمع**، زنگار رنگ، چمکایا ہوا روشن، سونے چاندی کا رنگ چڑھا ہوا، مراد یہ ہے کہ اس کا اپنا رنگ نہیں، دوسری چیز کا رنگ ہے جو اس پر ظاہر ہو رہا ہے **نفحات** سانس، پھونکیں **وادی** درہ، راستہ پانی گزرنے کی جگہ مجازاً اس کے معنی صحرا اور جنگل کے ہیں **ہرلیسہ** گوشت اور جو ملا کر جو غذا بنائی جائے **ینابیع**، ینبوع کی جمع چشمے، اور **سبعون** کا لفظ عرب کے محاورہ میں کثرت کے ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے جیسے ہم اپنے محاورہ میں بے شمار کہتے ہیں پس احادیث میں جو نور وظلمت کے ہر دور کا ذکر ہے یہ صوفیائے کرام کے قول کی تائید کرتا ہے، اس لئے کہ مومنوں کے مبادی تعینات نور کے پردے ہیں جو اسم الہادی کے ظلال ہیں اور کافروں کے مبادی تعینات ظلمت وسیاہی کے پردے ہیں جو کہ اسم المضل کے ظلال ہیں حضرت غوث الثقلین رح فرماتے ہیں،

خرقت جمیع الحجب حتی وصلت الی

مقام لقد کان جدی فاد نانی

میں نے تمام پردوں کو پھاڑ ڈالا، یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں میرے نانا تھے تو انھوں نے مجھے قریب کر لیا،

مطلب یہ ہے کہ میں نے تمام ظلال کے تمام مرتبوں کو طے کر لیا، جس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں اور اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبدأ تعین پر پہنچ گیا جو کہ اسماء وصفات کے مرتبہ میں ہے اور اس کو ولایت کبریٰ کہتے ہیں تمام تعینات کے مبادی اعتبارات ہی ہیں سب سے پہلا اعتبار جو ظاہر ہوا وہ حب ہے اگر حب نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا جیسے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا،

اور دوسرا اعتبار کہ جو ظاہر ہوا وہ وجود ہے جو ایجاد کی تمہید اور مقدمہ ہے ایک اور حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے لولاک لما خلقت الافلاک ولما اظہرت الربوبیۃ، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں تجھ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں یعنی جہان کو پیدا نہ کرتا اور میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[۱] اول ما خلق اللہ نوری یعنی سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ میرا نور ہے،

اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے کمالات سے اچھی طرح واقف ہے پس ان کمالات کو ظاہر کرنے کے لئے تعین ثانی، یعنی تعین وجود کا صادر اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا اور تمام دنیا کی پیدائش کا ذریعہ بنایا، پس اللہ تعالیٰ کی ذات جو کہ مرتبہ علم میں ہے اور جس کا اظہار بتعین وجودی کیساتھ صادر اول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبدء تعین صفت العلم یا شان العلم ہوا اور باقی مخلوق کے مبادی تعینات صفت العلم کے ظلال ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبداء تعین کے واسطے سے باقی صفات باقی انبیاء اور ملائکہ کے مبادی تعینات کے ظلال ہیں[۲]،

اور چونکہ ہر صفت مختلف تعلقات کی بنا پر بہت سی جزئیات رکھتی ہیں جیسے تکوین، دنیا کا وجود کہ اس سے مختلف تعلقات کے اعتبار سے یعنی تخلیق پیدا کرنا، ترزیق، رزق دینا، احیا و اماتت (زندہ کرنا اور مارنا) وغیرہ جزئیات پیدا ہوئی ہیں، اس لئے یہ جزئیات بھی اپنے کلیات کی طرح مخلوق کے تعینات کے مبادی ہیں اور ہر صفت کل

---

[۱] حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک عرش پر لکھا ہوا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا اگر محمد نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا، "نشر الطیب صـ۱۳"

[۲] آیہ کریمہ واذ اخذنا من النبیین میثاقہم ومنک ومن نوح وابراہیم وموسیٰ وعیسی بن مریم، الاحزاب آیت ۷
اور جب ہم نے سب نبیوں سے ان کا عہد لیا اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے عہد لیا، اسی بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی پیدائش سب نبیوں سے پہلے ہوئی، کیونکہ عالم ارواح کی ترتیب میں آپ کو مقدم بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس آئت کی تفسیر میں حضرت ابو سعید سے روائت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنت اول النبیین فی الخلق وآخرھم فی النبوۃ۔ "ترجمان السنۃ صـ۳۸۵"

[۳] حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ تعین اول و تعین ثانی کے یہ معنی نہیں کہ حق تعالیٰ تنزل کر کے حبّ ہو گیا یا وجود ہو گیا بلکہ اس کے معنی ایسا ظہور ہے جو اس کے لائق ہے اور جو انبیاء کے کلام کے مناسب ہے،

کسی اولوالعزم نبی کا مبدء تعین ہے اور دوسرے اشخاص جن کے مبادی تعینات اس کل اجزئیات ہیں اس اولوالعزم نبی کے تابع ہوں گے اور اس کے زیر قدم زندگی گزاریں گے، اسی سبب سے کہتے ہیں فلاں شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قدم ہے اور فلاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور فلاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور جب ان جزئیات کو سلوک کے طریقے پر ترقی ہوتی ہے تو اپنی کلیات سے جا ملتی ہیں اور ان کا مشاہدہ کلیات کا مشاہدہ ہوتا ہے فرق اصلی اور پیرو ہونے کا ہے اور وسیلہ اور بے وسیلہ کا ہے، کیونکہ پیروی کرنے والا جو کچھ پاتا ہے اور دیکھتا ہے یہ اصل کے وسیلہ کے بغیر ممکن نہیں، اگرچہ بعض وقت اپنی کمزوری کی وجہ سے اصل کو واسطہ نہیں جانتا، حالانکہ حقیقت میں، اصل اس کے اور شہود کے درمیان اس طرح سے واقع ہوتا ہے جو خود مانع نہ ہو کہ اس کے مشاہدہ کو قوی کرتا ہے جیسے عینک کہ اس کے واسطے سے دیکھنے والا بعض اوقات اس کے واسطہ ہونے سے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ عینک ہی مشاہدہ کی صفائی کا سبب ہے نیز جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہیں ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ تبدیل ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہو جائیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قدم آجائیں بلکہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قدم رہیں کیونکہ آپ کا رب، رب الارباب ہے اور آپ کا واسطہ سب واسطوں کی اصل ہے، ملائکہ اور انبیاء کے مبدء تعینات میں یہ فرق ہے کہ خدائے تعالیٰ کی صفتیں اپنے ظہور اور دنیا کے لئے مصادر وجود یعنی موجود ہونے کے اعتبار سے نبیوں کی تربیت کرنے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفتیں اپنے بطون یعنی "اندر" کے لحاظ اور اللہ کے ساتھ قیام کے اعتبار سے فرشتوں کی تربیت کرنے والی ہیں پس فرشتوں کی ولایت کی نسبت نبیوں کی ولایت کی نسبت سے زیادہ قریب ہوئی، اس لئے اس ولایت کا نام ولایت علیا ہوا لیکن فرشتے اس مقام سے ترقی نہیں کر سکتے جیسا کہ آیۃ کریمہ وَمَامِنَّا اِلَّا مقام معلوم۔ ہم فرشتوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی مقام مقرر نہ ہو، سے معلوم ہوتا ہے، البتہ نبی فرشتوں کے مقام پر بھی ترقی کر سکتے ہیں اور ان سے بالاتر ان مرتبوں پر بھی ترقی کر سکتے ہیں جہاں فرشتے پر نہیں مار سکتے۔

؎ اگر یکسر موئے بر تر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

جبریل نے کہا اگر ایک بال برابر اوپر جاؤں گا تو تجلی الٰہیہ کی روشنی میرے پر جلا دے گی، اور یہ مراتب کمالات نبوت، اولوالعزم پیغمبروں کے کمالات ہیں، اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام اور بھی بہت سے کمال حاصل کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل اور اعلیٰ ہیں اور ان کی ولایت

ولایت کبریٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام کو ملائکہ پر اس لئے فضیلت ہے کہ نبوت بشر کے ساتھ مخصوص ہے آیتہ کریمہ ولو جعلنٰہ ملکًا لجعلنٰہ رجلًا" اگر ہم اس کو کوئی فرشتہ کرتے تو اس کو آدمی بناتے، اس پر دال ہے یہ تجلیات ذاتیہ بجملتہ سے ہے، جب سالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالواسطہ یا بلاواسطہ صحبت کی تاثیر حاصل کر کے مقام قلب سے ترقی کرتا ہوا خدا تعالیٰ کی نزدیکی کی طرف آتا ہے اور اتنا قرب حاصل کر لیتا ہے جو اس کا مبدءِ تعین ہے اس وقت سالک کو اصطلاحًا ولی کہنا چاہیئے، مسئلہ، صوفی ہر وقت ترقی کرتا رہتا ہے کیونکہ ومن استوٰی یومٰا فھو مغبون. جو اپنی حالت پر ایک دن بھی ترقی سے رکا رہا تو وہ گھاٹے میں ہے، صوفی کو ہر وقت کوئی نہ کوئی رتبہ ملتا رہتا ہے جو کہ پہلے مرتبوں سے بہتر ہوتا ہے مولانا رومیؒ فرماتے ہیں

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ   سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

زاہد کی سیر ہر روز ایک دن کی راہ ہے اور عارف کی سیر ہر وقت بادشاہ کے تخت تک ہے،

مسئلہ - زیادہ قرب الٰہی والے اولیاء کی عبادت کا ثواب ان سے زیادہ ہے جو قرب میں اس سے کم ہیں اور قرب کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم پر رکھنا چاہیئے مِثل اور مَثَل کا فرق، مِثل کے معنی کسی چیز کا دوسری چیز کی صفتوں میں شریک ہونا اور اس جیسا ہونا، یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے ناممکن ہے کہ اس کی ذات یا صفات میں کوئی اس جیسا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیس کمثلہ شیٌٔ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم" اس کی مثل کوئی چیز نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمانوں میں اور وہ نرالا سننے والا اور نرالا جاننے والا ہے، اور مَثَل یعنی مثال کی حقیقت یہ ہے کہ دو چیزیں کسی صفت میں کسی لحاظ سے شریک ہوں اگرچہ ان دونوں میں ہزاروں درجہ کا فرق ہو، جیسا کہ قرآن میں ہے اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ المبارکۃ، اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو، جس میں چراغ روشن ہو، چراغ ایک شیشہ میں ہو، شیشہ ایسا صاف ہو گویا چمکتا ہوا موتی جیسا تارا ہے

فقط والسلام ختم شد - اصطلاحات صوفیہ

لہ یہ مضامین عمدۃ السلوک حصہ دوم صفحہ ۲۰۴ تا ۲۱۰ پر مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ، حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ اور ارشاد الطالبین مصنفہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ کے حوالوں سے نقل کیا گیا ہے

اسمائے مبارکہ حضرات صوفیائے کرامؒ بترتیب حروف تہجی

یہ فہرست اصل کتاب نفحات الانس سے برائے برکت شامل کی جاتی ہے۔ (ادارہ)

اسمائے مبارک حضرات صوفیائے کرامؒ بترتیب حروف تہجی

ابوبکر فالیز بان رحمۃ اللہ تعالیٰ	ابو الحفار رحمۃ اللہ تعالیٰ	ابوالحسن سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ
" فراء "	" دامغانی "	" شاذلی "
" قصری "	" سامانی "	" بن شعرہ "
" تطیعی "	" اسماک "	" الصائغ الدینوری "
" کسائی دینوری "	" سوبانی "	" صبیحی "
" کتانی "	" صیدلانی "	" علی بن حمید السعیدی "
" کفشیر "	" فرغانی "	(دیکھو ابن الصیاغ) "
" مصری "	" بن کرنبی "	" قوشجی "
" مغازلی "	" مجذوم "	" کردویہ "
" مفید "	" بن محمد بن علی تسوی "	" بن مثنیٰ "
" موازینی "	" بن معاذ مصری "	" بن محمد المزین "
" واسطی "	" ابوحاتم عطار "	" نجار "
" الوراق الترمذی "	ابوالحارث اولاسی "	" نساج (دیکھو خیر نساج) "
" ہمدانی "	ابوحامد الاسود "	" نوری "
" یزدان یار ارموی "	المعروف بالزنجی "	ابوالحسین باروسی "
ابوتراب رملی "	ابوحامد دوستان "	" نبان "
ابوتراب نخشبی "	ابوالحسن ارموی "	" حداد "
ابوثابت رازی "	" بشری سجزی "	" الحصری "
ابوجعفر احمد بن حمدان "	" حواری (دیکھو احمد بن حواری) "	" الحکیمی "
" احمد بن وہب (دیکھو احمد بن وہب) "	" خرقانی "	" الدراج "
" حداد "	" ستبنی "	" سالبہ بن ابراہیم "
" الخراز الاصطخری "	" سوبان آمزن "	" سرکی "

اسمائے مبارک حضرات صوفیائے کرامؒ بترتیب حروف تہجی

ابوالحسین سلامی رحمتہ اللہ تعالیٰ	ابو زرعہ اردبیلی رحمتہ اللہ تعالیٰ	ابوالعباس باوردی رحمتہ اللہ تعالیٰ
" بن سمعون "	" رازی "	" البروعی "
" سیروانی "	ابو زید مرغزی "	" حمزہ "
" صغیر "	ابوالسعود بن شبل "	" دمنہوری "
" طرزی "	ابوسعید بن ابوالخیر "	" دینوری "
" قرانی "	" الاعرابی "	" سریج "
" مالکی "	" خراز "	" سہروردی "
" مرورددی "	" معلم "	" سیاری "
" وراق "	ابوسلمہ باوردی "	" شقانی "
" ہمدانی "	ابوسلیمان دارانی "	" شیرازی "
" بن ہند الفارسی "	" مغربی "	" بن عطا "
" ابوحفص حداد "	ابوسلیمان نیلی "	" بن عریف الصنہاجی "
ابوحمزہ بغدادی "	ابوسہل صعلوکی "	" قصاب "
" خراسانی "	ابوشعیب المقنع "	" المرسی "
ابوالخیر ولتیناتی الاقطع "	ابوصالح (دیکھو حمدون قصار) "	" بن مسروق "
" حبشی "	ابوصالح المزین "	" موزہ زن بغدادی "
" حمصی "	ابوالضحاک "	" نسائی "
" عسقلانی "	ابوطالب اخمیمی "	" نہاوندی "
" مالکی "	" خزرج بن علی "	ابوعبداللہ انطاکی "
ابوذر بوزجانی "	" المکی "	" بابونی "
" ترمذی "	ابوطاہر کرد "	" باکو "
ابوالربیع الکفیف المالقی "	ابوالعباس ارزنیری "	" البسری "

اسمائے مبارک حضرات صوفیائے کرام بترتیب حروف تہجی

ابوعبداللہ بلیانی (دیکھو اوحدالدین بلیانیؒ)	ابوعبداللہ مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ	ابوعلی شبوئی مروزی رحمۃ اللہ تعالیٰ
" تروغیذی رحمۃ اللہ تعالیٰ	" مقری	" عبدالرحمٰن سلمی
" الجلاء	" مولی	" فارمدی
" چوپارہ ہمدانی	" مہدی باوردی	" کیال
" الحصری	" نباجی	" مشتولی
" حضری	ابوعثمان خیری	" دارجی
" خاقانی صوفی	" مغربی	ابوعمرو دمشقی
" بن خفیف شیرازی	ابوعقال بن علوان المغربی	" زجاجیؒ
" دہستانی	ابوالعلا جوزجانی	" صریفنی
" دونی	" الکاتب المصری	" بن نجید
" دینوری	" المشتولی	ابوالغریب اصفہانی
" رقی	ابوعلی بوتہ گر	ابوالغیث جمیل الیمنی
" رودباری	ابوعلی ثقفی	ابوالفضل الجعفری
" سالمی	" حسنین بن محمد اکار	" سرخسی
" سجزی	" خیران	" محمد بن حسن الخنظلی
" صومعی	" دقاق	" نیشاپوری (دیکھو عباس بن حمزہ)
" طاقی	" رازی	ابوالقاسم بشر یٰسین
" عبادانی	" رودباری	" رازی
" قلانسی	" زرگر	" سمرقندی
" بن مانک	" سندھی	" القشیری
" محمد بن ابراہیم القرشی	" سیاہ	" قصری
" المختار	" سیرجانی	" گورگانی

اسمائے مبارک حضرات صوفیائے کرام بترتیب حروف تہجی

اسمائے گرامی حضرات صوفیائے کرام بترتیب حروف تہجی

اسماعیل دباس رحمۃ اللہ تعالیٰ
" قصری (شیخ) "
امیر حسینی "
امیر سید علی ہمدانی "
امیر علی کلال (سید) "
امیر چپہ سفال خروش "
امیر نیشاپوری "
امیر علی عبو "
اوحد الدین اصفہانی "
" بلیانی "
" کرمانی "

ب

باب فرغانی "
بابا کمال جندی "
بابا محمود طوسی "
بایزید بسطامی "
برکہ ہمدانی "
برہان الدین محقق "
بشر حافی "
بشر طبرانی "
بشر یٰسین (دیکھو ابو القاسم بشر یٰسین)
بقاء بن بتو (شیخ) "

بکیر الدراج رحمۃ اللہ تعالیٰ
نبان بن عبد اللہ "
نبان بن محمد الجمال الواسطی "
نبدار بن حسین شیرازی "
بہاؤ الدین زکریا ملتانی "
بہاؤ الدین عمر "
بہاؤ الدین عمر ایروہی (حافظ) "
بہاؤ الدین نقشبند (خواجہ) "
بہاؤ الدین ولد "

ث

ثابت النجاز "

ج

جاگیر (شیخ) "
جعفر الحذاء "
جعفر الخواص خلدی "
جعفر بن المبرقع "
جلال الدین ابویزید پورانی "
جلال الدین رومی (مولانا روم) "
جلال الدین محمود زاہد مرغابی "
جمال الدین احمد جورغانی "
جمال الدین باگلنجار "
جمال الدین گیلی "

جمال الدین لور رحمۃ اللہ تعالیٰ
جنید بغدادی "
جوہر (شیخ) "
جہم رقی "

ح

حاتم اصم "
حارث بن اسد المحاسبی "
حافظ شیرازی "
حافظ الدین بخاری (خواجہ) "
حجام الاسود "
حسام الدین چلپی "
حسن ابن حمویہ "
حسن دہلوی "
حسن سکاک سمنای "
حسن عطار (خواجہ) "
حسن بن علی المسوحی "
حسین بن محمد سلمی "
حسین بن منصور حلاج "
حماد دباس "
حماد قرشی "
حمدون قصار "
حمزہ بن عبد اللہ الحسینی "

اسمائے مبارک حضرات صوفیائے کرام بترتیب حروف تہجی

حیوٰۃ بن قیس حرّانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

خ

خاقانی (افضل الدین) "
خالوی نیشاپوری "
خسرو دہلوی "
خلف بن علی "
خلیل آتا "
خواجہ عارف ریوگروی "
خیر حیہ (خواجہ) "
خیر نساج "

د

داؤد بن احمد دارانی "
داؤد بلخی "
داؤد بن النصر طائی "

ذ

ذوالنون مصری "

ر

رضی الدین علی لالا "
رکن الدین علاء الدولہ سمنانی "
روزبہان بقلی "
روزبہان کبیر مصری "
رویم بن احمد بن یزید "
ریحان (شیخ) رحمۃ اللہ تعالیٰ

ز

زکریا بن دلویہ "
زکریا بن یحییٰ ہروی "
زہرون المغربی "
زیاد الکبیر الہمدانی "
زین الدین ابوبکر تائب آبادی "
زین الدین ابوبکر خوافی "

س

سری سقطی "
سعد خداد (شیخ) "
سعدون مجنون "
سعدی شیرازی (شیخ) "
سعد الدین حموی "
سعد الدین کاشغری "
سعید (شیخ ابو عیسیٰ) "
سعید الدین فرغانی "
سلطان مجد الدین طالبہ "
سلطان ولد "
سلیمان مولہ "
سمنون بن حمزہ (المحب الکذاب) "
سنائی (حکیم) "
سہل بن عبداللہ التستری رحمۃ اللہ تعالیٰ
سہل بن علی المروزی "
سیف الدین باخرزی "
سیف الدین عبدالوہاب "

ش

شاہ شجاع کرمانی "
شاہ علی فراہی "
شبلی (دیکھو ابوبکر شبلی) "
شریف حمزہ عقیلی "
شقیق بن ابراہیم البلخی "
شمس تبریز "
شمس الدین صفی "
شمس الدین محمد اسد "
شمس الدین محمد جامی (خواجہ) "
شہاب الدین سہروردی "
شہاب الدین مقتول "
شیبان بن علی "
شیخ الاسلام (دیکھو عبداللہ
ابن منصور انصاری) "
شیخ عمو "

ص

صالح بن مکتوم

اسمائے مبارک حضرات صوفیائے کرام بترتیب حروف ہجی

صدرالدین قونیوی رحمۃ اللہ تعالیٰ
صدقہ بغدادی (شیخ) "
صلاح الدین زرکوب "

ط

طاہر مقدسی "
طلحہ بن صباح النیلی "

ظ

ظالم بن محمد "
ظہیر الدین حلولی "
ظہیر الدین عبدالرحمٰن بن علی بن بزغش "

ع

عارف عیار "
عباس بن احمد الشاعر الازدی "
عباس بن حمزہ نیشاپوری "
عباس بن یوسف الشکلی "
عبداللہ بن ابی منصور انصاری ہروی "
عبداللہ الاسکاف "
عبداللہ بن حاضر "
عبداللہ بن حداد رازی "
عبداللہ خبیق الانطاکی "

عبداللہ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ
" بن عصام المقدسی "
" غرجستانی "
" القصار "
" بن محمد الخراز "
" محمد بن منازل "
" مرتعش "
" المرجانی "
" یافعی (امام) "
عبدالخالق غجدوانی "
عبدالرحمٰن طفسونجی "
عبدالرحیم اصطخری "
عبدالعزیز بحرانی "
عبدالقادر جیلی (شیخ محی الدین) "
عبدالقاہر سہروردی "
عبدالواحد سیاری "
عبیداللہ احرار جامی "
عبیداللہ امامی (خواجہ) "
عدی بن مسافر شامی "
عراقی
عروان بن وثابہ "
عزالدین محمود کاشی "

عطار بن سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ
عفیف الدین تلمسانی "
علاء الدین خوارزمی "
علاء الدین عطار "
علاء الدین غجدوانی "
علاء الدولہ سمنانی (دیکھو رکن الدین علاء الدولہ سمنانی) "
علی بن بکار "
علی بن بندار الصوفی "
علی بن حمزہ اصفہانی الحلاج "
علی رامیتنی (خواجہ) "
علی بن سہل اصفہانی "
علی بن شعیب السقاء "
علی بن شلویہ
علی بن عبدالحمید الغزائری "
علی بن عثمان الجلابی "
علی کروی (شیخ) "
علی مکی "
علی بن موفق البغدادی "
علی ہمدانی "
علی حسن بن حسن کرمانی
عمار یاسر (شیخ) "

اسمائے مبارک حضرات صوفیائے کرام بترتیب حروف تہجی

اسمائے مبارک حضرات صوفیائے کرام بترتیب حروف تہجی

معشوق طوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ
مغربی (محمد شیرین) "
مفرح (شیخ) "
ممشاد الدینوری "
منصور حلاج (دیکھو حسین بن منصور الحلاج) "
منصور بن عمار "
موئل الجصاص "
موسیٰ صدرانی (شیخ) "
موسیٰ بن عمران جیرفتی "
مومن شیرازی "
موید الدین جندی "
میمون المغربی "

ن

نجم الدین دایہ "
نجم الدین عبداللہ الاصفہانی "
نجم الدین محمد بن محمد الادکانی "
نجم الدین کبریٰ "
نجیب الدین علی بن بزغش شیرازی "
نظام الدین اولیاء "
نظام الدین خاموش "
نظامی گنجوی "

نور الدین عبدالرحمٰن کسرتی رحمۃ اللہ تعالیٰ
نور الدین عبدالرحمٰن مصری "
نور الدین عبدالصمد نطنزی "

و

ولید بن عبداللہ السقا "

ہ

ہشام بن عبدان "

ی

یحییٰ بن عمار شیبانی (خواجہ) "
یحییٰ بن معاذ الرازی "
یلیین المغربی (دیکھو حجام الاسود) "
یعقوب چرخی "
یوسف بن حسین الرازی "
یوسف بن محمد بن سمعان "
یوسف ہمدانی "